تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ
لیکون للعلمین نذیرا ○ (الفرقان:۱)

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی - پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (الفرقان)

وہ بابرکت ذات ہے جس نے اپنے محبوب بندہ پر تدریجاً الفرقان (قرآن کریم) نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لیے (عذاب سے) ڈرانے والے ہو جائیں ٥

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور، پاکستان
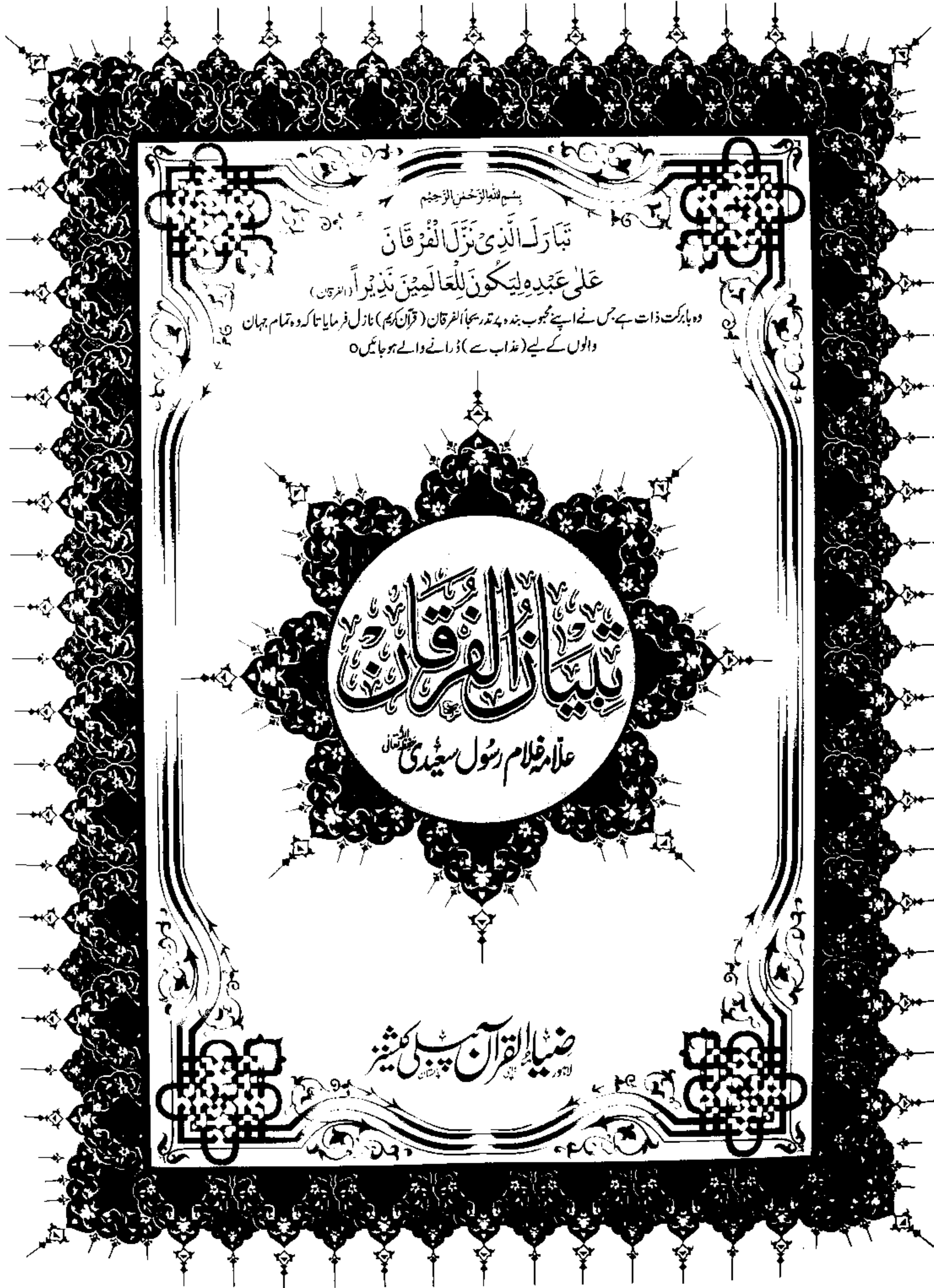
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ﴿﴾ (الفرقان: ۱)

وہ بابرکت ذات ہے جس نے اپنے محبوب بندہ پر تدریجاً الفرقان (قرآن کریم) نازل فرمایا
تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لیے (عذاب سے) ڈرانے والے ہو جائیں ﴿﴾

تبیان القرآن

جلد دوم

النساء آیت: ۱۴۸ تا ۱۷۶ ☆ المائدہ ☆ الانعام
☆ الاعراف ☆ الانفال ☆ التوبہ: (۹۳)

علامہ غلام رسول سعیدی حفظہ اللہ تعالیٰ

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

نام کتاب	تبیان الفرقان (جلد دوم)
مفسر	علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	بار اول جولائی 2015ء
تعداد	دو ہزار
کمپیوٹر کوڈ	QT60

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور، کراچی، پاکستان

داتا گنج بخش روڈ، لاہور۔فون:۔ 042-37221953
9۔الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور۔فون:۔042-37225085
14۔انفال سنٹر اردو بازار، کراچی۔فون:۔021-32210212

E.mail: info@zia-ul-quran.com www.zia-ul-quran.com
https://www.facebook.com/ziaulquranpublications

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مشمولات

(سورۃ النساء تا سورۂ توبہ)

الخطبه

الحمد لله الذی نزل الفرقان علی عبدہٖ لیکون للعالمین نذیرا، والشکر لله ذی العزۃ القاھرۃ والقدرۃ الباھرۃ الذی اوجدنا بعد العدم وجعلنا الخیار الوسط من الأمم وخولنا عوارف لاتحصی الذی انزل الینا الفرقان الکریم والقرآن العظیم وعدفیه وبشر واوعد وحذّر وامَرَ وَنَھی وجعله الوسیلة العظمٰی والذریعة الفائزۃ۔

وافضل الصلوات والتسلیمات علی رسوله العظیم سیدنا محمدن الکریم شفیع الخلائق فی یوم الدین صاحب المقام المحمود والحوض المورود الناھض باعباء الرسالة وتبلیغ الکافیة صلی الله تعالیٰ علیه وعلی آله واصحابه وازواجه صلوٰۃ مستمرۃ الدوام جدیدۃ علی مر اللیالی والایام۔

امابعد! فقد ذکرت فی تبیان الفرقان مباحث التفسیروجمعت فیه احادیث النذیر والبشیر وحملت خواطری فیه علی التعب الخطیرفلیتصوب المرء فی تقریری وتحریری ولیعتذر فی تقصیری وخطئی وما ابرّیٔ نفسی عن الخطأ والنسیان وعلی الله التکلان وھو کثیر الغفران وحسبنا الله ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

سبحان الله والحمد لله والله اکبرولا حول ولا قوۃ الا بالله العلی العظیم، لآ اله الا الله وحدہٗ لا شریک لهٗ له الملك وله الحمد وھوعلی کل شیء قدیراللھم اغفرلی خطیئتی وجھلی واسرافی فی امری وما انت اعلم به منی انت المقدم وانت الموخر وانت علی کل شیء قدیر۔ آمین یا رب العالمین بجاہ نبیك وحبیبك سید المرسلین!

ترجمۃ الخطبہ

تمام تعریفیں اللہ عزوجل کے ساتھ مخصوص ہیں جس نے اپنے محبوب بندہ پر تدریجاً الفرقان (قرآن کریم) نازل فرمایا تا کہ وہ تمام جہان والوں کے لیے (عذاب سے) ڈرانے والے ہو جائیں، اور تمام نعمتوں کا شکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے جو بہت غلبہ والا ہے اور بہت قدرت والا ہے، جو ہم کو عدم سے وجود کی طرف لایا اور اس نے ہم کو تمام امتوں میں سے بہترین امت بنایا اور ہم کو بے شمار معارف عطا فرمائے، جس نے ہماری طرف فرقانِ کریم اور قرآن عظیم کو نازل فرمایا، اس میں نیک اعمال کرنے پر اجر کا وعدہ ہے اور بشارت ہے اور بداعمالیوں پر وعید ہے اور عذاب سے ڈرایا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور کسی کام سے اللہ تعالیٰ کا منع فرمانا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس فرقان کو عظیم وسیلہ قرار دیا اور کامیابی کا ذریعہ بنایا۔

اور سب سے افضل درود اور سلام اس کے عظیم رسول پر نازل ہوں جن کا نام نامی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے، وہ کریم ہیں اور قیامت کے دن تمام مخلوقات کی شفاعت کرنے والے ہیں، مقامِ محمود اور حوضِ کوثر پر فائز ہیں، جو رسالت کے بوجھ اور اس کی ذمہ داریوں کو اٹھانے والے ہیں اور کافی تبلیغ کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر صلوٰۃ بھیجے اور ان کی آل پر اور ان کے اصحاب پر اور ان کی ازواج پر ایسی صلوٰۃ جو ہمیشہ دن اور رات کے گزرنے کے ساتھ تازہ بہ تازہ نازل ہوتی رہے۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد! میں نے ''تبیان الفرقان'' میں تفسیر کے مباحث ذکر کئے ہیں اور رسولِ معظم کی احادیث کو جمع کیا ہے جو عذاب سے ڈرانے والے ہیں اور ثواب کی بشارت دینے والے ہیں، میں نے اپنے دل میں اس عظیم کام کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھایا ہے، پس میں نے آیات کی جو تفسیر اور تقریر کی ہے اس میں کوئی شخص صواب کا پہلو تلاش کرے اور جو مجھ سے تقصیر اور خطا ہو گئی اس میں مجھ کو معذور قرار دے اور میں اپنے آپ کو خطاء اور نسیان سے بری نہیں سمجھتا اور اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسا ہے اور وہ بہت مغفرت فرمانے والا ہے اور ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے کیا خوب مالک ہے اور کیا خوب مددگار ہے!

اللہ تعالیٰ ہر نقص سے پاک ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ بزرگ و برتر کی مدد کے بغیر نہ گناہوں سے باز رہنا ممکن ہے اور نہ نیکی کرنا ممکن ہے، اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! میری خطاؤں کو معاف فرمادے اور جہالت سے کیے ہوئے میرے کاموں کو اور معاملات میں حد سے بڑھنے کو (معاف فرمادے)، اور ان گناہوں کو معاف فرمادے جن کو تو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے، تو ہی مقدم کرنے والا ہے اور تو ہی مؤخر کرنے والا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے، اے رب العالمین! اس دعا کو اپنے نبی اور حبیب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے قبول فرما۔

سلسبیل (افتتاحیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم!

اللہ جلّ ثناءُہٗ کی بے حد و بے حساب ظاہری اور باطنی نعمتوں پر ہر لحظہ سپاس گزاری ہو اور اس کے افضل الرسل سیدنا محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر ہر آن مشامِ جان کو معطر کرنے والے صلوٰۃ و سلام کے گلہائے عقیدت نچھاور ہوں، جس نے انتہائی کم علم اور کم عمل شخص کو اتنا نوازا جتنا کبھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ میری تمناؤں اور آرزوؤں کے اتھاہ سمندروں میں کبھی یہ قطرۂ امید پیدا نہ ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کمزور، ناتواں اور ہیچ مداں شخص کو قرآنِ مجید کی تفاسیر اور احادیثِ صحیحہ کی تشریحات کا موقع فراہم فرمائیں گے۔

اللہ کریم کا بے حد شکر ہے جس نے پہلے میرے ہاتھوں شرح صحیح مسلم کی تکمیل فرمائی، پھر مجھے تبیان القرآن کے نام سے تفسیر القرآن لکھنے کی عزت عطاء فرمائی اور اس کے بعد پھر میرے ناتواں ہاتھوں سے صحیح البخاری کی شرح نعم الباری کو تکمیل سے نوازا، میں اب عمر کے اس حصے میں پہنچ چکا ہوں اور ان گنت سخت اور جان لیوا بیماریوں کے تسلسل سے اس مرحلہ پر آچکا ہوں جہاں انسان کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سکون اور عافیت کے ساتھ زندگی کے بقیہ ایام گزار دیں اور عمر کے اس حصے میں انسان اپنے آپ کو کسی بڑے اور اہم کام کا اہل نہیں سمجھتا لیکن ہمیشہ سے میری یہ خواہش رہی ہے کہ اس حیاتِ مستعار کا جو وقت بھی اللہ تعالیٰ کے دینِ متین کی خدمت میں گزر جائے وہی زندگی کا حاصل ہے، سو اس نیت سے میں نے ایک نئے عزم اور ولولہ کے ساتھ ''تبیان الفرقان فی تفسیر القرآن'' لکھنے کا حوصلہ کیا، میں نے اس تفسیر کو لکھنے کی ابتداء ۲ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ/ 2 مئی 2014ء بروز جمعۃ المبارک کو کی اور آج ۵ ذوالحجہ ۱۴۳۵ھ/ یکم اکتوبر 2014ء بروز بدھ اس کی پانچ پاروں پر مشتمل ایک جلد مکمل ہو چکی ہے اور میں اب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے معمور ہو کر اس کی دوسری جلد کا افتتاح کرنے لگا ہوں، میں نے اس جلد میں یہ کوشش کی ہے کہ اس میں قرآنِ مجید کی آیات کا ترجمہ تبیان القرآن سے بالکل مختلف اور بے حد آسان ہو، اور اس کی تفسیر بھی تبیان القرآن کی تفسیر سے یکسر مختلف اور بے حد سہل اور دلنشیں ہو۔

بعض آزاد خیال (Liberal) لوگوں نے قرآن مجید کی تفسیر میں جو اپنے گمراہانہ افکار سمو دیے ہیں، میں نے اپنی بساط کے مطابق پوری کوشش کی ہے کہ ان کے ملحدانہ افکار کا قلع قمع کروں اور صدہا سال سے قرآن مجید کی جو تفسیر سَلَف صالحین سے منقول چلی آرہی ہے اسی کا دلائل و براہین سے احیاء کروں، میں نے اپنی اس تفسیر میں زیادہ تر احادیثِ صحیحہ سے استدلال کیا ہے اور اُن احادیث کے جامع اور مکمل حوالہ جات تحریر کیے ہیں، اس تفسیر میں، میں نے صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے اور دوسرے ائمہ کرام کے مسالک کو روئے سخن نہیں بنایا ہے، اس موضوع پر میری پہلی تفسیر تبیان القرآن میں بہت زیادہ مواد پیش کیا جا چکا ہے اور دوسرے ائمہ کے مقابلہ میں فقہ حنفی کی ترجیح کو دلائل و براہین کے ساتھ رقم کیا جا چکا ہے، میں نے یہاں پر اُن مباحث کا تکرار اور اعادہ نہیں کیا، جو حضرات اُن مباحث کو تفصیل کے ساتھ پڑھنا چاہیں وہ تبیان القرآن کا مطالعہ کر لیں، نیز

عقائد کی ابحاث میں، میں نے اسلام کے مُسلّمہ عقائد کو تبیان القرآن کی بہ نسبت زیادہ تفصیل اور عمدگی سے لکھا ہے اور منکرینِ عظمتِ رسول اور منتقصینِ شانِ صحابہ واہل بیت کے ردّ وابطال میں کوئی کمی نہیں چھوڑی اور جس کے ساتھ بھی اختلاف کیا ہے اس کی عزت نفس کو قائم رکھا ہے اور کہیں مجروح ہونے نہیں دیا، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ اس تفسیر کو اپنی اور اپنے محبوب رسول کی بارگاہ میں مقبولیت سے نوازیں اور قیامت تک اس تفسیر کے مندرجات مینارۂ نور بنادیں۔ آمین یارب العالمین بجاہ حبیبک سید المرسلین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۵ ذوالحجہ ۱۴۳۵ھ/ یکم اکتوبر 2014ء
خادم الحدیث دارالعلوم جامعہ نعیمیہ
بلاک 15 فیڈرل بی ایریا، دستگیر کراچی 38

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾

اللہ بُری بات کے اظہار کرنے کو پسند نہیں فرماتے سوا مظلوم شخص سے اس کی مظلومیت کے اظہار کو، اور اللہ سب کچھ سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیںO

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾

(اے مسلمانو!) اگر تم کسی نیکی کو ظاہر کرو یا اُسے پوشیدہ رکھو یا کسی کی زیادتی کو معاف کر دو تو بے شک اللہ بہت زیادہ معاف فرمانے والے اور بہت قدرت رکھنے والے ہیںO

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ﴿۱۵۰﴾

بے شک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کُفر کرنے کو اختیار کرتے ہیں اور یہ ارادہ کرتے ہیں کہ وہ اللہ اور اُس کے رسولوں کے درمیان تفرقہ کر دیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض رسولوں کا انکار کرتے ہیں، اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان اور کُفر کے درمیان کوئی (نیا) راستہ بنالیںO

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾

حقیقت میں یہی لوگ کافر ہیں، اور ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار فرما رکھا ہےO

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾

اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور رسولوں میں سے کسی کے درمیان ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں عنقریب اللہ اُن کے اجر عطاء فرمائیں گے اور بے شک اللہ بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیںO

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ بُری بات کے اظہار کرنے کو پسند نہیں فرماتے سوا مظلوم شخص سے اس کی مظلومیت کے اظہار کو، اور اللہ سب کچھ سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیںO'' (النساء:۱۴۸)

بلند آواز سے برائی کے اظہار کے محامل

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ النساء:۱۴۸ تا ۱۵۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ'':

(١) مفسرین نے کہا ہے ''الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ'' کا معنی ہے: بری بات کا ذکر بلند آواز سے کرنا صرف مظلوم کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے اوپر ظالم کے ظلم کرنے کی خبر دے اور اس کے خلاف دعاء کرے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ (الشوریٰ: ٤١)'' (اور بے شک جو شخص اپنے اوپر ظلم کئے جانے کے بعد اس کا بدلہ لے لے تو ایسے لوگوں پر (گرفت کی) کوئی راہ نہیں ہے)۔ حسن بصری متوفی ١١٠ھ نے کہا: ظالم کے خلاف اس طرح دعاء کرے: اے اللہ! اس کے خلاف میری مدد فرمائیں، اے اللہ! اس سے میرا حق دلا دیں، اے اللہ! میرے درمیان اور اس کے ظلم کے عزائم کے درمیان آپ حائل ہو جائیں۔ اور اسی طرح کی دعائیں وہ کر سکتا ہے۔

(٢) دوسرا قول یہ ہے کہ مظلوم پر جتنا ظلم کیا گیا ہے وہ اس کا اتنا ہی بدلہ لے اور اس سے تجاوز نہ کرے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۔۔۔۔ (البقرہ: ١٩٤)'' (پس اگر تم پر کوئی زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے)، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٠﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿٤١﴾

(الشوریٰ: ٣٩۔٤١)

جن لوگوں پر کسی کی طرف سے سرکشی پہنچے سو وہ اپنا بدلہ لیتے ہیں ○ اور برائی کا بدلہ اُسی کی مثل برائی ہے، پھر جو برائی کو معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے، بے شک اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے ○ اور جس نے اپنی مظلومیت کا بدلہ لے لیا تو ایسے لوگوں پر گرفت کی کوئی راہ نہیں ○

(٣) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: اللہ ایسی آواز بلند کرنے کو ناپسند فرماتے ہیں جس سے دوسرے کو اذیت پہنچے سوائے مظلوم کے، کیونکہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے کے خلاف بلند آواز سے دعاء کرے۔

(تفسیر الطبری ج ٧ ص ٦٢٦، تفسیر ابن ابی حاتم: ٦١٧١، تفسیر ابن کثیر ج ٢ ص ٣٩٤، الدر المنثور ج ٢ ص ٧٢٣)

(٤) مجاہد نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ بلند آواز سے برائی کے ذکر کو ناپسند فرماتے ہیں سوا اس کے کہ مظلوم، ظالم کے ظلم کا بلند آواز سے ذکر کرے۔

(٥) عبدالرحمٰن بن کیسان ابوبکر الاصم المعتزلی المتوفی ٢٢٥ھ نے ''لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۔۔۔ (النساء: ١٤٨)'' کی تفسیر میں کہا ہے کہ چھپے ہوئے اور پوشیدہ معاملات کا اظہار کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے انسان غیبت کرنے میں مبتلاء ہوتا ہے لیکن جو شخص مظلوم ہو اس کے لیے اپنی مظلومیت کا اظہار کرنا جائز ہے بایں طور کہ وہ بیان کرے کہ فلاں نے اس کی چوری کی یا فلاں نے اس کا مال چھین لیا۔ (تفسیر ابوبکر الاصم ج ١ ص ٦٤، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٨ھ)

(٦) امام رازی شافعی متوفی ٦٠٦ھ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، ایک مرد نے ان کو بہت برا کہا تو کچھ دیر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموشی سے سنتے رہے پھر بعد میں اس کے برا کہنے کا جواب دیا، پھر

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس نے مجھے بہت برا کہا اور آپ بیٹھے رہے اور جب میں نے اس کو جواب دیا تو آپ کھڑے ہوگئے، تو آپ نے فرمایا: بے شک ایک فرشتہ تمہاری طرف سے مدافعت کررہا تھا، جب تم نے خود اس کو جواب دیا تو وہ فرشتہ چلا گیا اور شیطان آ گیا، پس شیطان کے آنے کے وقت میں نہیں بیٹھا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۷) نیز امام محمد بن عمر رازی الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ النساء: ۱۴۸ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ لوگوں کے عیوب اور اُن کی برائیوں کے اظہار کو پسند نہیں فرماتے سوا اُس کے جس کا ضرر اور مکر اور اس کی سازشیں حد سے بڑھ گئی ہوں، پس اس وقت اس کی برائیوں کا اظہار کرنا جائز ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: فاسق کی برائیوں کا ذکر کرو تاکہ لوگ فاسقوں سے دور رہیں، اور ان منافقین کی مسلمانوں کے متعلق سازشیں اور ان کا مکر اور ان کا ظلم بہت زیادہ ہے اور اِن کا بہت زیادہ ضرر ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اِن کے برے کاموں کا ذکر فرمایا اور ان کے اسرار کو کھول دیا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان منافقوں کے طریقہ کو ناپسند فرماتے ہیں اور بلند آواز سے برائی کے ذکر کو بھی ناپسند فرماتے ہیں، سوا اس شخص کے جو مظلوم ہو اور وہ اپنے اوپر کیے جانے والے مظالم کا ذکر کرے۔

(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۲۵۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

فاسق و فاجر کے پسِ پشت عیوب کو ظاہر کرنے کا جواز

الحافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

از بہز بن حکیم از والد خود از جدِ خود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم فاجر کا ذکر کرنے سے ڈرتے ہو؟ فاسق میں جو عیوب ہیں ان کا ذکر کرو تاکہ لوگ اس کو پہچان لیں۔ (المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰۱۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام طبرانی اسی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاسق (کے عیوب) کا ذکر غیبت نہیں ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰۱۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، المعجم الصغیر ج ۱ ص ۲۱۴-۲۱۵، الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی ج ۲ ص ۴۳۲، رقم: ۳۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ، کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی ج ۱ ص ۲۰۲، رقم: ۲۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۱۰، نشر السنہ، ملتان)

میں کہتا ہوں: کسی شخص کے متعلق شہرت ہو کہ وہ لوگوں سے قرض لے کر واپس نہیں کرتا، اب کوئی اس کے حال سے ناواقف شخص اس کو قرض دے تو اس کو یہ بتانا جائز ہے کہ اس شخص کو قرض دینا اپنی رقم سے ہاتھ دھونا ہے سو یہ جائز ہے، اسی طرح کوئی درزی اس وصف میں مشہور ہو کہ وہ سینے کے لیے دیے ہوئے کپڑے میں سے کافی مقدار میں کپڑا اُچرا لیتا ہے تو اگر کوئی ناواقف شخص اسے کپڑا سینے کے لیے دے تو اس کو اس درزی کے اس عیب پر مطلع کرنا جائز ہے اور یہ غیبت نہیں ہے، اسی طرح کسی شخص کے متعلق مشہور ہو کہ وہ عاریۃً کتاب پڑھنے کے لیے مانگے تو اس کو واپس نہیں کرتا، اسی طرح کسی شخص کے متعلق مشہور ہو کہ وہ کرائے پر مکان لینے کے بعد جب اس پر چند ماہ کا کرایہ واجب ہو جائے تو وہ مکان چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے، تو ایسے لوگوں کے عیوب کو ظاہر کرنا جائز ہے اور اس پر غیبت کا اطلاق نہیں ہوگا اور غیبت کرنے کا گناہ نہیں ہوگا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

کسی معیوب شخص سے اجتناب کے مشورہ کا ثبوت

ابوبکر بن ابی جہم بیان کرتے ہیں کہ میں اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے ہمیں یہ حدیث بیان کی کہ اُن کے خاوند نے اُن کو تین طلاقیں دے دیں اور نہ اُن کے لیے رہائش مقرر کی اور نہ عدت کے دوران کا خرچ مقرر کیا، انہوں نے بتایا کہ اُن کے خاوند نے اُن کے لیے اُن کے چچازاد کے پاس دس بوریاں بھیجیں جن میں پانچ بوریاں جَو کی تھیں اور پانچ بوریاں گندم کی تھیں، وہ بیان کرتی ہیں: پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میں نے اس واقعہ کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: اس نے ٹھیک کیا (یعنی دورانِ عدت اُس پر تمہارا کوئی خرچ واجب نہیں ہے)، حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پس آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں اُمِ شریک کے گھر میں عدت کے ایام گزاروں، پھر مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اُمِ شریک کے گھر میں تو بہت مہاجرین آتے ہیں لیکن تم عبداللہ ابن اُمِ مکتوم (نابینا صحابی) کے گھر عدت گزارو، پس عنقریب تم اپنے کپڑے اتاروگی اور وہ تم کو نہیں دیکھیں گے، پس جب تمہاری عدت پوری ہو جائے اور کوئی تمہارے پاس نکاح کا پیغام لے کر آئے تو تم مجھ سے مشورہ کرنا، پھر جب میری عدت پوری ہوگئی تو مجھے حضرت ابوجہم اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما نے نکاح کا پیغام دیا، حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس کے متعلق مشورہ لیا، تو آپ نے فرمایا: رہے معاویہ تو وہ ایسے مرد ہیں جن کے پاس کوئی مال نہیں ہے، اور رہے ابوجہم تو وہ عورتوں کو بہت مارتے پیٹتے ہیں، حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پھر مجھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے نکاح کا پیغام دیا اور میں نے اُن سے نکاح کرلیا، اور دوسری روایت میں ہے کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسامہ سے نکاح کرلو۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح میں مجھے برکت عطاء فرمائی۔

(سنن ترمذی: ۱۱۳۵، صحیح مسلم: ۱۴۸۰، سنن نسائی: ۳۲۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۰۳۵، مسند احمد: ۲۷۳۹۱)

کسی معیوب شخص سے اجتناب کے مشورہ دینے کا جواز اور غیرِ کفو میں نکاح کا ثبوت

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی کو خیر خواہی سے مشورہ دیا جائے کہ فلاں شخص میں یہ عیب ہے لہٰذا اس سے اجتناب کرو، تو یہ غیبتِ مذمومہ نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو مشورہ دیا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نکاح نہ کریں کیونکہ ان کے پاس مال نہیں ہے اور نہ حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ سے نکاح کریں کیونکہ وہ عورتوں کو بہت مارتے پیٹتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اپنے کندھے سے لاٹھی نہیں اتارتے، نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر کفو میں نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا قرشیہ تھیں اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما غلام زادہ تھے اور اُن کے کفو نہیں تھے۔

(سعیدی غفرلہٗ)

ظالموں کے خلاف دعاءِ ضرر کرنے کے جواز کے متعلق احادیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مہینے تک رکوع کے بعد دعاءِ قنوت پڑھی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کے مطالبہ پر ستر (۷۰) قرآن کے قاریوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تھا اور اُن مشرکین

کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدۂ امن تھا، انہوں نے عہد شکنی کی اور ان ستر (۷۰) قاریوں کو شہید کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک ان کے خلاف دعائے ضرر فرماتے رہے۔ (صحیح البخاری:۱۰۰۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک رِعل اور ذکوان کے خلاف دعائے ضرر فرماتے رہے۔ (صحیح البخاری:۱۰۰۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رکعت کے آخر میں جب رکوع سے سر اٹھاتے تو دعاء فرماتے: اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات عطاء فرماء، اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات عطاء فرما، اے اللہ! الولید بن الولید کو نجات عطاء فرما، اے اللہ! کمزور مومنین کو نجات عطاء فرما، اے اللہ! مضر کے خلاف اپنی گرفت کو مضبوط فرما، اے اللہ! ان پر قحط کے ایسے سال مسلط فرما دیں جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قحط کے سال مسلط فرمائے تھے، اے اللہ! غِفار کی مغفرت فرما دیں اور اسلم کو سلامت رکھیں۔

ابن ابی الزناد نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ یہ تمام دعائیں صبح کی نماز میں آپ نے فرمائی تھیں۔

(صحیح البخاری:۱۰۰۶، صحیح مسلم:۶۷۶، سنن نسائی:۱۰۷۵، سنن ابوداؤد:۱۴۴۰، مسند احمد:۸۲۴۰)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ظالموں کے خلاف نماز میں جہراً بلند آواز سے دعاء کرنا جائز ہے اور النساء:۱۴۸ سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے کہ ظالم کے خلاف مظلوم کا بلند آواز سے دعاء کرنا جائز ہے۔

مہمان کی ضیافت نہ کرنا بھی ظلم ہے، اگر میزبان مہمان کی ضیافت نہ کرے تو آیا مہمان جبراً اپنی ضیافت وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: آپ ہمیں (صدقات وصول کرنے کے لیے) بھیجتے ہیں، ہم چند لوگوں کے پاس جا کر ٹھہرتے ہیں وہ ہماری ضیافت نہیں کرتے، آپ کا اس کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ پس آپ نے ہم سے فرمایا: تم کسی قوم کے پاس ٹھہرو، پس اگر وہ دستور کے مطابق تمہاری ضیافت کرے تو اس کو قبول کر لو اور اگر وہ تمہاری ضیافت نہ کرے تو تم اس سے (جبراً) اتنا لے لو جتنا مہمان کا حق ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری:۲۴۶۱، صحیح مسلم:۱۷۲۷، سنن ابوداؤد:۳۷۵۲، سنن ترمذی:۱۵۸۹، سنن ابن ماجہ:۳۶۷۶، صحیح ابن حبان:۵۲۸۸، المعجم الکبیر:۷۶۲، سنن بیہقی ج۹ ص۱۹۷، مسند احمد:۱۷۳۴۵)

حدیث مذکور پر ایک اشکال کا جواب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ۔۔۔۔۔ (البقرہ:۱۸۸)“ (اور (اے مسلمانو!) تم دانستہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ)، سو اگر مہمان جبراً میزبان کے مال سے کھائے گا تو وہ اس آیت کے صراحۃً خلاف ہوگا۔ اس اشکال کے درج ذیل جوابات ہیں:

(۱) ابتدائے اسلام میں مہمان کی ضیافت کرنا واجب تھا کیونکہ اس وقت مسلمانوں پر ایک دوسرے کی غمگساری کرنا واجب تھی، پھر

جب فتوحات کی کثرت ہوئی اور مسلمان خوش حال ہو گئے تو یہ وجوب منسوخ ہو گیا۔

(۲) مہمانی کا وجوب اُن کے ساتھ مخصوص ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجتے تھے۔

(۳) ضیافت کا وجوب صرف اُن لوگوں کے لیے تھا جہاں لوگ خیموں میں رہتے تھے اور وہاں گلیاں اور بازار نہیں تھے کہ لوگ از خود طعام خرید کر کھا سکتے۔ (اللباب فی علوم الکتاب ج ۷ ص ۱۰۱ ملخصاً و ملتقطاً و مزیداً و مخرجاً و مفصلاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) اگر تم کسی نیکی کو ظاہر کرو یا اُسے پوشیدہ رکھو یا کسی کی زیادتی کو معاف کر دو تو بے شک اللہ بہت زیادہ معاف فرمانے والے اور بہت قدرت رکھنے والے ہیں O'' (النساء: ۱۴۹)

''اِنۡ تُبۡدُوۡا خَیۡرًا اَوۡ تُخۡفُوۡہُ اَوۡ تَعۡفُوۡا عَنۡ سُوۡٓءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیۡرًا'':

یعنی اگر تم کوئی نیک عمل ظاہراً کرو گے تو اس نیک عمل کی تمہارے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اگر تم اس عمل کو پوشیدہ کرو گے اور صرف دل میں اس نیک عمل کا ارادہ کرو گے تو تمہارے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی۔

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں ''خَیۡرًا'' سے مراد مال ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تم ظاہراً اپنے مال میں سے صدقہ دو یا تم چھپا کر صدقہ دو یا تم کسی کے جرم کو معاف کر دو تو تمہارے جرائم کو معاف کرنے کی بہ نسبت اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ اس پر قادر ہیں کہ وہ تمہارے جرائم کو اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دیں، اس لیے تم پر لازم ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی سنت پر عمل کرو اور اللہ تعالیٰ کے افعال کا مظہر بنو اور اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہو اور اس کے اخلاق سے متخلق ہو اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگو۔

اپنے خادم کو مارنے کا کفارہ

ابراہیم التیمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو مسعود البدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں اپنے ایک غلام کو چابک سے مار رہا تھا، پس میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی اے ابو مسعود یاد رکھو! حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں غصے کی شدت کی وجہ سے آواز کو پہچان نہیں سکا، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب آواز دینے والے میرے قریب ہوئے تو میں نے دیکھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس وقت آپ یہ فرما رہے تھے: اے ابو مسعود! یاد رکھو، اے ابو مسعود! یاد رکھو، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھ سے اُس چابک کو پھینک دیا، آپ نے فرمایا: ''اے ابو مسعود یاد رکھو! بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ تم پر ضرور اس سے زیادہ قادر ہیں جتنا تم اس غلام پر قادر ہو'' تو میں نے کہا کہ میں آئندہ کسی غلام کو نہیں ماروں گا۔

(صحیح مسلم: ۱۶۵۹، الرقم المسلسل: ۴۲۸۲، رقم حدیث الباب: ۳۴، سنن ترمذی: ۱۹۵۵، سنن ابوداؤد: ۵۱۵۹، مسند احمد: ۱۷۰۸۶، مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۰)

اسی سند کے ساتھ دوسری حدیث ہے: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا تو میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی: ''یاد رکھو اے ابو مسعود! جتنا تم اس غلام پر قادر ہو، اللہ تم پر اس سے زیادہ قادر ہیں''، میں نے مُڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، پس میں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ غلام اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہے، آپ نے فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرتے تو تمہیں دوزخ کی آگ جلاتی۔ (صحیح مسلم: ۱۶۵۹، الرقم المسلسل: ۴۲۸۴، رقم حدیث الباب: ۳۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کُفر کرنے کو اختیار کرتے ہیں اور یہ ارادہ کرتے ہیں کہ وہ اللہ اور اُس کے رسولوں کے درمیان تفرقہ کردیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض رسولوں کا انکار کرتے ہیں، اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان اور کُفر کے درمیان کوئی (نیا) راستہ بنالیں O'' (النساء: ١٥٠)

''اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ'': مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر اور حضرت عُزیر پر ایمان لائے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرتے تھے اور انجیل کا انکار کرتے تھے اور سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار کرتے تھے اور قرآن مجید کا انکار کرتے تھے۔

''وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا'': یعنی وہ کفر اور ایمان کے درمیان راستہ نکالتے تھے کہ بعض انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائیں اور دوسرے بعض انبیاء علیہم السلام کا انکار کردیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''حقیقت میں یہی لوگ کافر ہیں، اور ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار فرما رکھا ہے O'' (النساء: ١٥١)

''اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا'': ابو البقاء نے کہا: یعنی یہ لوگ بلاشک وشبہ کافر ہیں، اس پر الواحدی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ کفر کسی حال میں بھی کسی وجہ میں بھی حق نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حق کے لفظ کا یہاں پر وہ معنی نہیں ہے جو باطل کے مقابلہ میں ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ لامحالہ ثابت ہے۔

اس کی توجیہ کہ بعض انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا اور بعض پر ایمان نہ لانا درحقیقت تمام انبیاء علیہم السلام کے کفر کو مستلزم ہے

یعنی جو لوگ بعض انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائیں اور دوسرے بعض انبیاء علیہم السلام کا انکار کرتے ہیں تو اُن کا کفر لامحالہ ثابت ہے اور اُن کا کفر قطعی اور یقینی ہے، کیونکہ ہر رسول نے وہی پیغام پہنچایا ہے جو دوسرے رسولوں نے پہنچایا ہے، اس لیے ایک رسول کا انکار کرنا سب رسولوں کا انکار ہے کیونکہ تمام رسولوں کی دعوت ایک ہے، سب رسولوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور مرنے کے بعد اٹھنے پر اور حساب وکتاب اور جنت اور دوزخ پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے، لہٰذا کسی ایک رسول کا انکار درحقیقت تمام رسولوں کا انکار ہے۔ اسی طرح یہود حضرت موسیٰ اور حضرت عزیر پر ایمان لاتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا انکار کرتے تھے اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآنِ مجید کا انکار کرتے تھے حالانکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اسی چیز کی دعوت دی تھی جس چیز کی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر نے دعوت دی تھی، لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی کتابوں کا انکار درحقیقت حضرت موسیٰ اور حضرت عزیر اور اُن کی کتابوں کا بھی انکار ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور رسولوں میں سے

کسی کے درمیان ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں عنقریب اللہ اُن کے اجر عطاء فرمائیں گے اور بے شک اللہ بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O" (النساء: ۱۵۲)

"وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓىٕكَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ":

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لائے اور انہوں نے ایمان لانے میں رسولوں کے درمیان فرق نہیں کیا اور وہ یہ کہتے تھے کہ ہم رسولوں کے درمیان ایمان لانے میں کوئی فرق نہیں کرتے، سو اِن لوگوں کو عنقریب ہم اللہ تعالیٰ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کی وجہ سے عظیم اجر عطاء فرمائیں گے، اور اللہ تعالیٰ گناہوں کی مغفرت فرمانے والے ہیں اور رحم فرمانے والے ہیں۔ (اللباب فی علوم الکتاب ج ۷ ص ۱۰۴، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

یَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَیْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۱۵۳﴾

(اے رسولِ اکرم!) اہلِ کتاب آپ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ آپ اُن کے اوپر آسمان سے کوئی کتاب نازل کردیں (آپ دل شکستہ نہ ہوں) یہ لوگ (حضرت) موسیٰ سے اس سے زیادہ سنگین سوال کرچکے ہیں (کیونکہ) انہوں نے (حضرت موسیٰ سے) کہا تھا: ہمیں اللہ کی ذات کھلم کھلا دکھادیں، پس اُن کو اُن کے اس سوال کی وجہ سے آسمانی بجلی نے پکڑ لیا، پھر انہوں نے بچھڑے کو (اپنا معبود) بنالیا جب کہ ان کے پاس (شرک کی ممانعت پر) روشن دلیلیں آچکی تھیں، پھر بھی ہم نے اُن کے اس گناہ کو معاف فرمادیا اور ہم نے موسیٰ کو واضح غلبہ عطاء فرمایا O

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِیْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِی السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ﴿۱۵۴﴾

پھر ہم نے ان سے پختہ عہد لینے کے لیے ان کے اوپر پہاڑ طور کو اٹھالیا، اور ہم نے ان سے کہا تھا کہ تم شہر کے اس دروازہ میں سجدۂ شکر ادا کرتے ہوئے داخل ہونا، اور ہم نے ان سے کہا تھا کہ تم ہفتہ کے دن حد سے تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے اس کا پختہ عہد لیا تھا O

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ۪﴿۱۵۵﴾

پھر ہم نے ان کی عہد شکنی کے سبب سے اور اللہ کی آیات کا کفر کرنے کے سبب سے اور انبیاء کو ناحق قتل کرنے کے سبب سے اور اُن

کے اس قول کے سبب سے کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں (حالانکہ غلاف نہیں تھے) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کرنے کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی تھی، سو ان میں سے بہت کم لوگ ایمان لائیں گے O

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾

اور ان کے ان (مذکورہ) کفریات کی وجہ سے اور اس وجہ سے بھی کہ انہوں نے مریم پر بہت بڑا بہتان باندھا تھا O

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾

اور ان کے اس قول کی وجہ سے (بھی) کہ ہم نے المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا، حالانکہ انہوں نے نہ المسیح کو قتل کیا اور نہ اُن کو سولی پر چڑھایا لیکن اُن کے لیے (کسی کو) عیسیٰ کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا، اور بے شک جن لوگوں نے المسیح کے متعلق اختلاف کیا تھا وہ اُن کی طرف سے یقیناً شک میں مبتلاء تھے، اور انہیں اس کا کوئی یقینی علم نہیں تھا مگر وہ صرف اپنے گمان کی پیروی کر رہے تھے، اور انہوں نے یقیناً المسیح کو قتل نہیں کیا O

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾

بلکہ اللہ نے المسیح کو اپنی طرف (آسمان پر) اٹھا لیا، اور اللہ بہت غالب، بے حد حکمت والے ہیں O

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾

اور (نزولِ مسیح کے وقت) اہلِ کتاب میں سے ہر شخص مسیح کی وفات سے پہلے اُن پر ضرور بہ ضرور ایمان لائے گا اور قیامت کے دن مسیح ان کے خلاف گواہ ہوں گے O

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾

پس یہودیوں کے (مسلسل) ظلم کی وجہ سے ہم نے اُن پر کئی ایسی حلال چیزیں حرام فرما دیں جو اُن پر حلال فرمائی گئی تھیں اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہ کثرت روکتے تھے O

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا

لِلْكٰفِرِیْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۶۱﴾

اور اُن کے سود لینے کی وجہ سے بھی حالانکہ اُن کو سود لینے سے منع فرمایا گیا تھا، اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے، اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار فرما رکھا ہے O

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ الْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ وَ الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓىٕكَ سَنُؤْتِیْهِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۶۲﴾ ع

لیکن ان میں سے جو پختہ علم والے ہیں اور مومنین ہیں وہ اُس پر ایمان لاتے ہیں جو اے رسولِ اکرم! آپ پر نازل فرمایا گیا ہے اور جو آپ سے پہلے انبیاء پر نازل فرمایا گیا ہے، اور جو لوگ نماز قائم رکھنے والے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں اور وہ لوگ اللہ پر اور آخرت پر پختہ ایمان رکھنے والے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم عنقریب اجرِ عظیم عطاء فرمائیں گے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) اہلِ کتاب آپ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ آپ اُن کے اوپر آسمان سے کوئی کتاب نازل کر دیں (آپ دل شکستہ نہ ہوں) یہ لوگ (حضرت) موسیٰ سے اس سے زیادہ سنگین سوال کر چکے ہیں (کیونکہ) انہوں نے (حضرت موسیٰ سے) کہا تھا: ہمیں اللہ کی ذات کھلم کھلا دکھا دیں، پس اُن کو اُن کے اس سوال کی وجہ سے آسمانی بجلی نے پکڑ لیا، پھر انہوں نے بچھڑے کو (اپنا معبود) بنا لیا جب کہ ان کے پاس (شرک کی ممانعت پر) روشن دلیلیں آ چکی تھیں، پھر بھی ہم نے اُن کے اس گناہ کو معاف فرما دیا اور ہم نے موسیٰ کو واضح غلبہ عطاء فرمایا O'' (النساء: ۱۵۳)

النساء: ۱۵۳ کی تفسیر میں متعدد مفسرین کی تفاسیر

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، النساء: ۱۵۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ'': یعنی اہلِ کتاب آپ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ آپ آسمان سے یکبارگی پوری کتاب نازل کر دیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پوری کتاب تورات یکبارگی لے کر آئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ کعب بن الاشرف اور فنحاص بن عازوراء اور اُن کے اصحاب نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہم پر یکبارگی کتاب نازل کر دیں جس کو فرشتے ہمارے پاس اٹھا کر لائیں اور ہم اس کو پڑھیں تو اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ''فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ'' بے شک ان لوگوں نے حضرت موسیٰ سے اس سے بھی بڑھ کر سوال کیا تھا اور آپ کے سامنے جو یہودِ مدینہ ہیں، یہ انہی یہودیوں کی نسل سے ہیں جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ سنگین سوال کیا تھا، پس ان لوگوں نے حضرت

موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ''اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً'' اور یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ طورِ سینا ء کی طرف گئے ''فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ'' یعنی اِن کے سنگین سوال کے جرم کے سبب سے آسمانی آگ نے ان کو جلا ڈالا۔

''ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ'': پھر اس کے باوجود جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ طور پر گئے ہوئے تھے اس اثناء میں انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا۔ ''مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ'': حالانکہ اُن کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی نشانیاں اور معجزات آچکے تھے۔ ''فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ'': یعنی اس جرم کے باوجود ہم نے اُن کو بالکل نیست و نابود نہیں فرمایا۔

''وَاٰتَیْنَا مُوْسٰی سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا'': اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو واضح معجزات عطاء فرمائے اور وہ اُن کا یدِ بیضاء اور اُن کی لاٹھی ہے۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۴۰۱۔ ۴۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، النساء: ۱۵۳، کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود میں سے کعب بن الاشرف اور فنحاص بن عازوراء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: اگر آپ واقعی نبی ہیں تو آپ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی ہوئی پوری کتاب لے کر آئیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے پاس سے پوری کتاب لے کر آئے تھے اور اُن کا یہ سوال محض اپنی رائے سے ضد اور عناد کی بناء پر تھا اور اُن کا یہ سوال ماننے اور اقرار کرنے کے لیے نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ بندوں کے مطالبات کی بناء پر آیات کو نازل نہیں فرماتے۔ (کیونکہ اگر بندوں کو اُن کے مطالبات کے مطابق معجزات عطاء فرمادیے جائیں اور وہ پھر بھی ایمان نہ لائیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو کلیۃً نیست و نابود فرمادیتے ہیں)۔

''فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰی اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ'': یعنی اس سے زیادہ سنگین سوال اُن ستر (۷۰) یہودیوں نے کیے تھے جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑِ طور کی طرف لے کر گئے تھے تو انہوں نے کہا:

''فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً'': یعنی آپ ہمیں کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کی ذات دکھادیں۔

''فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ'': انہوں نے عناداً یہ سوال کیا، پھر انہوں نے بچھڑے کو اپنا معبود قرار دے دیا جب کہ اُن کے پاس ایسے دلائل آچکے تھے کہ شرک کرنا باطل ہے۔

''فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ'': پھر ہم نے اُن کے اس جرم کو معاف فرمادیا اور پوری قوم بنی اسرائیل کو جڑ سے نہیں اکھاڑا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے جرم کیا اور اس پر توبہ کرلی، سو ہم نے ان کو معاف فرمادیا، پس تم بھی توبہ کرو حتیٰ کہ ہم تم کو بھی معاف فرمادیں۔

''وَاٰتَیْنَا مُوْسٰی سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا'': اور ہم نے حضرت موسیٰ کو واضح معجزات عطاء فرمائے، اور یہ نو (۹) معجزات تھے۔

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۷۱۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

النساء: ۱۵۳ کے سببِ نزول کے متعلق متعدد اقوال

امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ النساء: ۱۵۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ'':

(۱) ابن جُریج نے بیان کیا کہ یہود اور نصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس انہوں نے کہا: ہم اس وقت تک آپ کی

بیعت نہیں کریں گے جب تک آپ اللہ کی طرف سے فلاں شخص کے نام مکتوب لکھا ہوا نہ لائیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں، اور فلاں شخص کے متعلق مکتوب لکھا ہوا نہ لائیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ ہر شخص کے نام خصوصیت کے ساتھ مکتوب لکھیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں)۔

(۲) القرظی اور السدّی نے بیان کیا کہ یہود نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے ایسی کتاب نازل فرمائیں جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی یعنی آپ پر ایک مجموعی کتاب نازل ہونی چاہیے اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے جو کتاب نازل ہوئی ہے اس کو ہم نہیں مانیں گے۔

اہلِ کتاب کی تعیین میں دو قول

اس آیت میں اہلِ کتاب کا ذکر ہے، ان کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اہلِ کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اہلِ کتاب سے مراد صرف یہود ہیں اور اس آیت میں آسمان سے نازل شدہ کتاب کا ذکر ہے، اس کے متعلق بھی دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ: آسمان سے ایسی کتاب نازل کی جائے جو قرآنِ مجید کی غیر ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ: اس سے مراد یہ ہے کہ آسمان سے ایسی کتاب نازل کی جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرے۔

نیز اس آیت میں یہودیوں کے سنگین سوال کا ذکر ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ ہمیں اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دکھائیں، اور اس آیت میں یہودیوں کے بچھڑے کو معبود بنانے کا ذکر ہے اور اس آیت میں ذکر ہے کہ ان یہودیوں نے یہ سنگین سوالات اس وقت کے بعد کیے جب ان کے پاس ہمارے کھلے کھلے واضح دلائل آچکے تھے، سو ہم نے پھر بھی ان کو معاف فرما دیا۔

اس سوال کا جواب کہ بنی اسرائیل نے بچھڑے کو سنگین سوال کرنے سے پہلے معبود بنایا تھا یا اُس کے بعد؟

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت میں مذکور ہے ''پھر انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا'' اور ''پھر'' کا لفظ تاخیر کا تقاضا کرتا ہے اور آیا یہ تاخیر بچھڑے کو معبود بنانے کے بعد تھی یا اُن کے اس قول کے بعد تھی ''اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً''، تو اس کے چار جوابات ہیں جن کو ابن الانباری نے ذکر کیا ہے:

(۱) اس آیت میں جو لفظِ ''ثُمَّ'' ہے یہ اُن کے پہلے فعل کی طرف راجع ہے اور اس آیت کا معنی اس طرح ہے ''جب ہم نے حضرت موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا، پس اس وقت یہودیوں نے نافرمانی کی اور پھر اس درمیانی عرصہ میں بچھڑے کو معبود بنا کر اس کی پرستش کی''۔

(۲) یہ آیت از روئے معنیٰ مقدم ہے اور از روئے لفظ مؤخر ہے اور معنیٰ اس طرح ہے ''پس بے شک انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا، پھر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی زیادہ سنگین سوال کیا''۔ اس کی مثال درج ذیل آیت ہے:

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ (النمل: ۲۸)

(حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُدہُد سے کہا:) میرے اس مکتوب کو اُن کے پاس (یعنی بلقیس کے پاس) لے جا کر ڈال دو پھر واپس آجاؤ، پھر دیکھو وہ اس مکتوب کا کیا جواب دیتے ہیں O

اس آیت کا معنی اس طرح ہے کہ ''اس مکتوب کو اُن کی طرف ڈال دو، پھر دیکھو وہ اس مکتوب کا کیا جواب دیتے ہیں؟ پھر وہاں سے واپس آجاؤ'' یعنی اس آیت میں بھی تقدیم و تاخیر ہے، لہٰذا پہلے انہوں نے بچھڑے کو معبود بنایا، پھر اس سے بھی زیادہ سنگین کام کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا کہ آپ ہمیں اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دکھائیں۔

(۳) اس آیت کا معنی اس طرح ہے کہ ''پھر وہ بچھڑے کو معبود بناتے رہے تھے'' پھر اُس کے بعد انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ سنگین سوال کیا۔

(۴) لفظ ''ثُمَّ'' کا معنی خبر دینے میں تاخیر ہے نہ کہ اُن کے فعل میں تاخیر ہے، جیسے کوئی کہنے والا کہے: میں نے پانی پیا، پھر میں نے روٹی کھائی، اور اُس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ میں نے پانی پیا، پھر میں تمہیں اپنے روٹی کھانے کی خبر دیتا ہوں۔ اسی طرح انہوں نے پہلے بچھڑے کو معبود بنایا، پھر اس سے بڑھ کر کام یہ کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا کہ آپ ہمیں اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دکھائیں۔

''فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ'': یعنی بچھڑے کو معبود بنانے کے جرم میں ہم نے بنی اسرائیل کو مکمل جڑ سے نہیں اکھاڑا۔

''وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یدِ بیضاء ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کو اژدھا بنانا ہے، اور دوسرے مفسرین نے کہا: اس سے مراد نَو (۹) نشانیاں ہیں، وہ نَو (۹) نشانیاں یہ ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نَو نشانیوں کی تفصیل

ان نشانیوں میں سے سات (۷) نشانیاں متفق علیہ ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یدِ بیضاء (۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی (۳) طوفان (۴) ٹڈیوں کا بہ کثرت نازل ہونا (۵) بنی اسرائیل میں بہ کثرت جوؤں کا پیدا ہونا (۶) بنی اسرائیل کے گھروں میں مینڈکوں کی کثرت (۷) بنی اسرائیل کے برتنوں کا خون سے بھر جانا۔

اور باقی ماندہ دو نشانیوں میں آٹھ اقوال ہیں: (۱) اُن کی زبان کی لکنت کا ٹھیک ہو جانا۔ (۲) پہاڑ کو بنی اسرائیل کے اوپر اٹھا لینا (۳) بنی اسرائیل کے پھلوں کا کم ہونا (۴) بنی اسرائیل پر موت کا طاری ہونا (۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پتھر سے پانی نکالنا (۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے سامنے دو مرتبہ عصا مارنا (۷) سمندر کو چیرنا اور بنی اسرائیل پر قحط کے سال مسلط فرمانا (۸) بنی اسرائیل کے اموال کو ملیا میٹ فرما دینا۔ (زاد المسیر ج ۳ ص ۵۶)

(زاد المسیر فی علم التفسیر ج ۱ ص ۴۹۲۔ ۴۹۳، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر ہم نے ان سے پختہ عہد لینے کے لیے ان کے اوپر پہاڑ طور کو اٹھا لیا، اور ہم نے ان سے کہا تھا کہ تم شہر کے اس دروازہ میں سجدۂ شکر ادا کرتے ہوئے داخل ہونا، اور ہم نے ان سے کہا تھا کہ تم ہفتہ کے دن حد سے تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے اس کا پختہ عہد لیا تھا O'' (النساء: ۱۵۴)

بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی تفصیل

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، النساء: ۱۵۴ تا ۱۵۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ'': یعنی ہم نے پہاڑ طور کو اکھاڑ کر اُن کے سروں پر معلق کر دیا، کیونکہ جب انہوں نے تورات میں مذکور شرعی احکام کو قبول کرنے سے انکار کیا تو ہم نے پہاڑ طور کو اُن کے سروں پر معلق کر دیا کہ اگر تم نے تورات میں مذکور شرعی احکام کو قبول نہیں کیا تو یہ پہاڑ تمہارے اوپر گرا دیا جائے گا۔

''وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا'': یعنی تم اُریحا کے دروازہ میں اپنی پشتوں کو جھکاتے ہوئے داخل ہونا۔

''وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ'': یعنی ہم نے اُن سے کہا کہ تم ہفتہ کے دن مچھلیوں کے پکڑنے کو حلال نہ قرار دینا۔

''وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا'': یعنی ہم نے اُن سے اِن احکام پر عمل کرنے کا پختہ اقرار لیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر ہم نے ان کی عہد شکنی کے سبب سے اور اللہ کی آیات کا کفر کرنے کے سبب سے اور انبیاء کو ناحق قتل کرنے کے سبب سے اور اُن کے اس قول کے سبب سے کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں (حالانکہ غلاف نہیں تھے) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کرنے کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی تھی، سو اِن میں سے بہت کم لوگ ایمان لائیں گے O'' (النساء: ۱۵۵)

بنی اسرائیل پر لعنت مسلط کرنے کی وجوہ

''فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ'': پھر بنی اسرائیل نے ان تمام پختہ وعدوں کو توڑ دیا، سو اُن کے اِن وعدوں کے توڑنے کے سبب سے ہم نے اُن پر لعنت فرمائی اور اُن کو ذلیل ورسوا فرما دیا۔

''وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ'': یعنی چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے اس لیے اُن پر لعنت فرمائی۔

''وَقَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ'': اور وہ انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے تھے۔

''وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ'': اور وہ کہتے تھے کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں، اس لیے ہم آپ کی باتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔

''بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ'': یعنی اُن کے دلوں پر غلاف نہیں چڑھے ہوئے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی تھی۔

''فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا'': یعنی اُن میں سے صرف چند لوگ ایمان لائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اِن کے ان (مذکورہ) کفریات کی وجہ سے اور اس وجہ سے بھی کہ انہوں نے مریم پر بہت بڑا بہتان باندھا تھا O'' (النساء: ۱۵۶)

بنی اسرائیل کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم پر بہتان باندھنا

''وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا'': اور اُن پر لعنت فرمانے کی یہ وجہ بھی ہے کہ انہوں نے حضرت مریم پر بہت بڑا بہتان باندھا، کیونکہ حضرت مریم اللہ تعالیٰ کی عبادت گزار تھیں، اللہ تعالیٰ نے اُن کو یہ فضیلت عطاء فرمائی کہ بغیر باپ کے اُن کو بیٹا

عطاء فرمایا، پھر یہود نے اُن کو ملامت کی اور تہمت باندھی اور حضرت مریم پر یوسف بن ماثان کے ساتھ الزام لگایا اور یوسف بیت المقدس کے خادم تھے اور حضرت مریم کے چچازاد تھے، پس اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس تہمت کی تکذیب فرمائی اور اس بہتان سے حضرت مریم کی براءت فرمائی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ان کے اس قول کی وجہ سے (بھی) کہ ہم نے المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا، حالانکہ انہوں نے نہ المسیح کو قتل کیا اور نہ اُن کو سولی پر چڑھایا لیکن اُن کے لیے (کسی کو) عیسیٰ کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا، اور بے شک جن لوگوں نے المسیح کے متعلق اختلاف کیا تھا وہ اُن کی طرف سے یقیناً شک میں مبتلاء تھے، اور انہیں اس کا کوئی یقینی علم نہیں تھا مگر وہ صرف اپنے گمان کی پیروی کر رہے تھے، اور انہوں نے یقیناً المسیح کو قتل نہیں کیا O بلکہ اللہ نے المسیح کو اپنی طرف (آسمان پر) اٹھا لیا، اور اللہ بہت غالب، بے حد حکمت والے ہیں O'' (النساء: ١٥٧۔١٥٨)

بنی اسرائیل کی حضرت مسیح علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش

''وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ'': اور یہود پر اس وجہ سے بھی لعنت فرمائی اور ان کو رسوا فرمایا کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہم نے المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کیا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے جمع ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن کے درمیان سے نکل گئے اور ایک گھر میں داخل ہو گئے، پھر ایک فرشتہ نے یہود میں سے ایک مرد کو حکم دیا کہ وہ اس گھر میں داخل ہو جائے، اُس یہودی مرد کا نام یہوذا تھا اور اس کو ططیانوس بھی کہا جاتا تھا، پھر حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا کر آسمان کی طرف لے گئے، پھر جب وہ یہودی مرد یعنی یہوذا اس گھر میں داخل ہوا تو اس نے وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں پایا اور اللہ تعالیٰ نے اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ (مثال) ڈال دی، پھر جب وہ اس گھر سے باہر نکلا تو یہودیوں نے یہ گمان کیا کہ یہی حضرت عیسیٰ ہیں، سو انہوں نے اس مرد یعنی یہوذا کو قتل کر دیا اور اس کو سولی پر لٹکا دیا، پھر وہ آپس میں کہنے لگے کہ اگر یہی عیسیٰ ہیں تو ہمارا ساتھی کہاں گیا، اور اگر یہی ہمارا ساتھی ہے تو پھر عیسیٰ کہاں گئے۔ پھر وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کے لیے فرمایا:

''وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ'': یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شِبہ (مثال) دوسرے شخص پر ڈال دی گئی، سو انہوں نے اس کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر قتل کر دیا۔

بنی اسرائیل کی قتلِ مسیح علیہ السلام کی سازش میں ناکامی

علامہ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ٩٧٠ھ لکھتے ہیں:

امام نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہود کی ایک جماعت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ کو بہت برا کہا اور اُن پر تہمت لگائی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کے خلاف دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کو بندر اور خنزیر

بنا دیا، تب یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے پر متفق ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اُن کو آسمان پر اٹھالیں گے اور اُن کو یہود کی صحبت سے پاک فرما دیں گے، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے کہا: تم میں سے کون اس پر راضی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کے اوپر میری شبہ (مثال) ڈال دے، سو اُس کو قتل کر دیا جائے اور اس کو سولی پر چڑھایا جائے اور وہ جنت میں داخل ہو جائے؟ تب اُن کے اصحاب میں سے ایک مرد نے کہا کہ میں اس پر راضی ہوں، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ (مثال) ڈال دی، سو اس کو قتل کر دیا گیا اور اس کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔

(علامہ الشربینی نے اس حدیث کو السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۵۹۰ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے لیکن مجھے السنن الکبریٰ للنسائی میں یہ روایت نہیں ملی۔ سعیدی غفرلہٗ)

نیز علامہ شربینی لکھتے ہیں:

دوسرا قول یہ ہے کہ ایک مرد عیسیٰ علیہ السلام سے نفاق رکھتا تھا، ان کے سامنے اسلام کو ظاہر کرتا تھا اور دل میں کفر کو پوشیدہ رکھتا تھا، پس جب یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا: میں تمہیں حضرت عیسیٰ کی طرف رہنمائی کرتا ہوں، پس وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اوپر اٹھالیا، اور اس منافق کے اوپر عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ (مثال) ڈال دی، پس یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوئے اور انہوں نے اس منافق کو قتل کر دیا اور اس کو سولی پر چڑھا دیا اور وہ یہ گمان کرتے تھے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے۔

(السراج المنیر ج ۱ ص ۵۳۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

نیز علامہ سمرقندی لکھتے ہیں:

''وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ'': یعنی وہ اپنے زعم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے باوجود شک میں مبتلاء تھے اور ان کو اس کے متعلق قطعی یقین نہیں تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کو قتل کیا ہے یا قتل نہیں کیا، سوا اس کے کہ وہ اس کے متعلق اپنے گمان کی پیروی کر رہے تھے۔

''وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۟ۙ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا'': مقاتل نے کہا ہے: بلکہ اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان کی لیلۃ القدر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالیا تھا، اور الضحاک نے کہا: دس محرم کو مغرب اور عشاء کی نماز کے درمیان انہیں آسمان پر اٹھالیا تھا، اور اللہ تعالیٰ غالب ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیے جانے سے بچانے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانا حکمت پر مبنی ہے۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۴۰۱۔۴۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ آل عمران: ۵۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ---(آل عمران: ۵۵)''

حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے رب تبارک وتعالیٰ کے پاس اٹھالیا گیا، پھر وہ قیامت کے دن سے پہلے زمین پر نازل ہوں گے۔ (تفسیر ابن جریر: ۷۱۴۰، تفسیر ابن ابی حاتم: ۳۵۸۴)

محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالفین ان کو قتل کرنے پر متفق ہو گئے اور یہود نے اُن کو سولی پر چڑھانے کا افتراء باندھا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بتایا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اوپر اٹھالیا اور اُن مخالفین سے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پاک فرمادیا، پس فرمایا: ''اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔۔۔ (آل عمران:۵۵)'' نیز اللہ عزوجل نے فرمایا: ''وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔۔۔ (آل عمران:۵۵)'' (اور آپ کے پیروکاروں کو قیامت تک کفار پر (دلیل سے) غالب فرمانے والا ہوں)۔

حسن بصری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ عزوجل کی طرف اٹھالیا گیا، پھر وہ قیامت سے پہلے زمین پر نازل ہوں گے، پس جس نے حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہما وسلم کی تصدیق کی اور اُن کے دین پر قائم رہا تو وہ ہمیشہ اُن پر (دلائل سے) غالب رہیں گے جو اُن کے دین سے الگ ہوئے تھے۔

قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اس آیت کے مصداق اہلِ اسلام ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ملّت اور اُن کی سنت کی اتباع کی، وہ قیامت تک کے تمام لوگوں پر (دلائل سے) غالب رہیں گے۔ اور ابن جریج نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اللہ عزوجل اُن لوگوں کی مدد فرمانے والے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اسلام پر اتباع کریں گے اور قیامت تک کے کافروں پر اُن کو (دلائل سے) غالب رکھیں گے۔ (کتاب تفسیر القرآن ج۱ ص ۲۲۲۔۲۲۳، دارالمآثر للنشر والتوزیع، المدینۃ المنورۃ، ۱۴۲۲ھ)

حضرت مسیح علیہ السلام کا حواریین میں سے کسی ایک پر اپنی شبہ (مثال) ڈالنے کے لیے تیار کرنا

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ، النساء: ۱۵۷۔۱۵۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو جب اللہ جل شناؤہ نے یہ بتایا کہ اب وہ دنیا سے نکلنے والے ہیں تو اُن کو موت سے رنج ہوا اور انہوں نے حواریین کو بلایا اور اُن کے لیے کھانا تیار کیا، پس فرمایا: آج رات تم سب میرے پاس حاضر ہونا کیونکہ مجھے تم سے کام ہے، پس جب حواریین رات کو حاضر ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی ضیافت فرمانے لگے، پس جب وہ کھانے پینے سے فارغ ہو گئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن کے ہاتھ دھلانے لگے اور اپنے ہاتھ سے اُن کو وضو کرایا اور کپڑے سے ان کے ہاتھوں کو خشک کیا، حواریین کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ عمل بہت شاق گزرا اور انہوں نے اس کو ناپسند کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: سنو! آج رات میرے کسی کام کو جس نے رد کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے، حواریین نے اس کا اعتراف کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں نے آج رات جو تمہاری خدمت کی ہے تمہیں کھانا کھلایا ہے تمہارے ہاتھ دھلائے ہیں تو یہ اس لیے کہ تمہاری زندگی میں میرا نمونہ ہو، کیونکہ تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تم سب سے افضل ہوں لہٰذا تم میں سے کوئی ایک دوسرے سے اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھے اور ایک دوسرے کے سامنے عاجزی سے پیش آئے جیسا کہ میں تمہارے سامنے عاجزی سے پیش آیا ہوں، اور میں نے جس ضرورت کی وجہ سے تمہیں بلایا ہے وہ یہ ہے کہ تم میرے لیے اللہ سے دعا کرنا اور دعا میں بہت کوشش کرنا کہ اللہ تعالیٰ میری زندگی کی میعاد کو مؤخر فرمادیں، پھر جب اُن حواریین نے اس کے لیے تیاری ظاہر کی اور یہ ارادہ کیا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بہت کوشش سے دعا کریں گے، سو حواریین کو نیند آگئی حتیٰ کہ وہ دعا نہ کر سکے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کو بیدار کیا اور فرمایا: سبحان اللہ! تم ایک رات بھی مجھ پر صبر نہیں کر سکے کہ تم میری مہم میں مدد کرو، حواریین نے کہا: اللہ کی قسم! ہم نہیں جان سکے کہ ہمیں کیا ہوا تھا، ہم رات بھر باتیں کرتے رہے اور اس رات ہم میں آپس میں بات کرنے کی طاقت نہیں تھی اور ہمارے اور ہماری دعاء کے درمیان کوئی چیز حائل ہو گئی، پھر فرمایا کہ تم میں سے ایک ضرور صبح مرغ کی اذان دینے سے پہلے میرا تین مرتبہ انکار کرے گا، اور تم میں سے

کوئی ایک ضرور مجھے چند معمولی درہموں کے عوض فروخت کردے گا اور میری قیمت کھا جائے گا، پس حواریین نکلے اور ادھر ادھر بکھر گئے اور یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ڈھونڈ رہے تھے، تب انہوں نے حواریین میں سے شمعون نام کے ایک شخص کو پکڑ لیا اور یہود نے کہا: یہ عیسیٰ کے اصحاب میں سے ہے، شمعون نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ میں اُن کا صاحب نہیں ہوں، یہود نے اس کو چھوڑ دیا، پھر دوسرے یہودیوں نے اس کو پکڑ لیا، اس نے اسی طرح انکار کیا، پھر اس نے مرغ کے اذان دینے کی آواز سنی تو وہ رویا اور اس نے سب کو غمزدہ کر دیا، پھر جب صبح ہوئی تو حواریین میں سے ایک یہود کے پاس گیا اور کہا: اگر میں مسیح کی طرف تمہاری رہنمائی کروں، پھر تم مجھے کیا دو گے؟ تو یہود نے اس کے لیے تیس درہم مقرر کیے، یہود نے اس کو پکڑ لیا اور اس نے ان کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف رہنمائی کر دی اور اس سے پہلے اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شِبہ (مثال) ڈال دی گئی تھی، انہوں نے اس کو پکڑ لیا اور رسیوں سے باندھ دیا، پھر اس کو گھسیٹ کر لے گئے، پس وہ کہہ رہے تھے: تم ہی وہ ہو جو مردوں کو زندہ کرتے تھے اور شیطان کو جھڑکتے تھے اور دیوانوں کو تندرست کرتے تھے، اب کیا تم اپنے آپ کو ان رسیوں سے کھول نہیں سکتے اور اس پر تھوکتے تھے اور اس پر کانٹے ڈالتے تھے حتیٰ کہ اس کو اس لکڑی کے پاس لائے جس لکڑی پر اس کو صلیب دینے کا ارادہ کیا تھا، پس اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھا لیا اور یہود نے اس کو سولی پر چڑھا دیا جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ (مثال) ڈال دی گئی تھی، پس وہ سات دن تک سولی پر چڑھا رہا، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ آئیں اور وہ عورت آئی جس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام علاج کرتے تھے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے دیوانگی سے شفاء عطاء فرمادی تھی، وہ دونوں آئے اور جس کو سولی دی گئی تھی اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر رونے لگے، پھر ان دونوں کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے اور کہا: تم دونوں کس بات پر رو رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم آپ پر رو رہے ہیں، انہوں نے کہا: پس بے شک مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس اٹھا لیا ہے اور میں نے خیر کے سوا کچھ نہیں پایا، یہ وہ شخص ہے جس پر میری شبہ (مثال) ڈال دی گئی ہے اور حواریین سے کہا: تم فلاں فلاں جگہ مجھ سے ملاقات کرو، پھر گیارہ حواریین نے اس جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی اور جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فروخت کر دیا تھا اور یہود کی طرف اُن کی رہنمائی کی تھی وہ شخص گم ہو گیا۔ اور اس کے اصحاب نے اس کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: وہ اپنے فعل پر شرمسار ہے، اس نے اپنا گلہ گھونٹ دیا اور خودکشی کر لی، پس کہا: اگر اس نے توبہ کر لی ہے تو ضرور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے، پھر اس لڑکے کے متعلق پوچھا جو اُن کے پیچھے آ رہا تھا، اس کا نام یوحنا تھا، پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: یہ تمہارے ساتھ ہے، سو تم جاؤ، عنقریب تم میں سے ہر شخص اپنی زبان میں اپنی قوم کو اس واقعہ کی خبر دے گا۔

(تفسیر الطبری ج ۷ ص ۶۵۱ ۔ ۶۵۳، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۶۵۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ، تاریخ الطبری ج ۱ ص ۶۰۱، الدر المنثور ج ۲ ص ۲۳۹)

امام ابن ابی حاتم اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اصحاب کی طرف گئے اور اس وقت گھر میں اُن کے بارہ (۱۲) حواری تھے، پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن کے پاس ایک چشمہ سے نہاتے ہوئے آئے اور اُن کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے، پھر انہوں نے کہا: بے شک تم میں سے ایک شخص ہے جو مجھ پر ایمان لانے کے بعد میرا بارہ (۱۲) مرتبہ کفر کرے گا، پھر فرمایا: تم میں سے کون ہے جس پر میری شِبہ (مثال) ڈال دی جائے اور اس کو میری جگہ قتل کر دیا جائے اور وہ میرے ساتھ میرے

درجہ میں ہو؟ پس اُن میں سے ایک سب سے کم عمر نوجوان اٹھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا: بیٹھ جاؤ، پھر دوبارہ اُن پر اپنا کلام پیش کیا تو وہی نوجوان کھڑا ہو گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا: بیٹھ جاؤ، پھر سہ بارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن پر اپنا کلام پیش کیا تو وہ نوجوان پھر کھڑا ہو گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا: تم اس کے اہل ہو، پھر اس نوجوان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شِبہ (مثال) ڈال دی گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس مکان سے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا اور یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ڈھونڈنے کے لیے آئے تو انہوں نے اس نوجوان کو جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ (مثال) ڈالی گئی تھی پکڑ لیا اور اس کو صلیب پر لٹکا دیا، پھر اُن حواریوں میں سے بعض نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد اُن کا بارہ مرتبہ کفر کیا اور پھر اُن حواریوں کے تین فرقے ہو گئے، ایک فرقہ نے کہا: اللہ نے جب تک چاہا وہ ہم میں رہا، پھر اللہ آسمان کی طرف چڑھ گیا، اس فرقے کا نام الیعقوبیہ ہے۔ اور دوسرے فرقہ نے کہا: اللہ کا بیٹا جب تک چاہا وہ ہم میں رہا پھر اللہ نے اپنے بیٹے کو اپنی طرف اٹھالیا، اس فرقے کا نام النسطوریہ ہے۔ اور ایک فرقہ نے کہا: ہم میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول جب تک اس نے چاہا رہا، اور یہ فرقہ مسلمان ہے۔ پھر پہلے دو فرقوں نے جو کافر تھے مسلمانوں پر غلبہ پا کر انہیں قتل کر دیا، پھر ہمیشہ اسلام مٹا رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نازل فرمایا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم: ٦٢٣٣، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، ١٤١٧ھ، تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر ج ا ص ٦٥٠، دار الفکر، بیروت ١٤١٩ھ)

شیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانی المتوفی ١٢٥٠ھ نے اس روایت کے بعد یہ اضافہ کیا ہے:

اور آپ پر یہ آیت نازل فرمائی: ''يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْآ اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۔۔۔ (الصف: ١٤)'' (اے ایمان والو! اللہ کے دین کے مددگار بن جاؤ جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا تھا: اللہ کے دین کی طرف میرا مددگار کون ہے؟ تو حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں، پس بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لے آیا اور دوسرے گروہ نے کفر کو اختیار کیا، پس ہم نے ایمان والوں کی اُن کے دشمنوں کے خلاف مدد فرمائی، سو ایمان والے کافروں پر غالب ہو گئے ○)۔

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک گروہ ایمان لے آیا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں دوسرے گروہ نے کفر کو اختیار کیا تھا، سو اللہ تعالیٰ نے اُن مسلمانوں کی اُن کے مخالفین کے خلاف مدد فرمائی جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا اظہار کیا تھا (حافظ ابن کثیر نے کہا ہے: اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔

(فتح القدیر للشوکانی ج ا ص ٨٤٤، دار الوفاء، المنصورہ، ١٤١٨ھ)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بجائے ان کی شِبہ (مثال) کو یہودیوں کا قتل کرنا

قتادہ نے ''وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ ۔۔۔ (النساء: ١٥٧)'' کی تفسیر میں بیان کیا ہے: یہ لوگ اللہ کے دشمن یہود تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے پر خوشی کا اظہار کرتے تھے اور فخر کرتے تھے، اور اُن کا یہ زعم تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے اور اُن کو سولی پر چڑھایا ہے، اور ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تم میں سے جس کے اوپر بھی میری شِبہ (مثال) ڈالی گئی تو وہ قتل کر دیا جائے گا، پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک شخص نے کہا:

میں ہوں اے اللہ کے نبی! تو اس مرد کو قتل کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بچا لیا اور ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔

(تاریخ الطبری ج ۱ ص ۶۰۱، الدرالمنثور ج ۲ ص ۲۳۹، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۰۱، تفسیر ابن ابی حاتم: ۶۲۳۱)

قادہ نے ''وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (النساء: ۱۵۷)'' کی تفسیر میں کہا: کہ حواریین میں سے ایک مرد پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ (مثال) ڈال دی گئی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریین سے کہا کہ تم میں سے جس شخص پر میری شبہ (مثال) ڈال دی جائے گی اس کو جنت مل جائے گی تو ایک مرد نے کہا: مجھ پر یہ شبہ (مثال) ڈال دی جائے۔ (تفسیر عبد الرزاق ج ۱ ص ۱۷۷)

السدّی نے بیان کیا کہ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُن کے انیس (۱۹) حواریوں سمیت ایک گھر میں بند کر دیا، پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تم میں سے کون میری صورت کو قبول کرے گا تا کہ اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کو جنت مل جائے؟ پھر یہود نے حواریین میں سے ایک کو پکڑ لیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالیا گیا۔ پھر جب حواریین اس گھر سے نکلے تو انہوں نے اپنے آپ کو گنا تو وہ انیس (۱۹) تھے، تو انہوں نے یہ خبر دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالیا گیا، پھر انہوں نے حواریین کو گننا شروع کیا تو ایک مرد کو گم پایا، وہ اسی حال میں تھے کہ یہود نے ایک مرد کو قتل کر دیا اور وہ اس مرد پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت دیکھ رہے تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے سولی دے دی ہے، اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے: ''وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (النساء: ۱۵۷)''۔

اور قاسم بن ابی بزّہ سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے فرمایا تھا: تم میں سے کس پر میری شبہ (مثال) ڈالی جائے اور اس کو میری جگہ پر قتل کر دیا جائے؟ تو اُن کے اصحاب میں سے ایک مرد نے کہا: مجھے نبی اللہ! تو اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ (مثال) ڈال دی گئی، یہودیوں نے اس کو قتل کر دیا، اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے: ''وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (النساء: ۱۵۷)''۔

امام محمد بن جریر طبری نے اس قصہ کے متعلق متعدد روایات بیان کی ہیں اور کہا ہے: ان میں صحیح اور صائب روایت وہ ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ حواریین میں سے کسی ایک کے اوپر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ (مثال) ڈال دی گئی اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وقت دیکھا تھا جب ان کے درمیان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھالیا گیا، اور انہوں نے اس شخص کو بھی دیکھا جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ (مثال) ڈالی گئی تھی اور یہ معائنہ کیا کہ جب اس کی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت سے تبدیل کی گئی اور ان کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اٹھالیا گیا، اور اس وجہ سے یہود اور نصاریٰ سب اس پر متفق ہو گئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا ہے لیکن حقیقت میں ان کو قتل نہیں کیا گیا تھا اور ان پر ایک آدمی کی شبہ (مثال) ڈال دی گئی تھی جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (النساء: ۱۵۷)''۔ (تفسیر طبری ج ۷ ص ۶۵۹۔۶۶۰، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)

جس شخص پر حضرت مسیح علیہ السلام کی شِبہ (مثال) ڈالی گئی تھی اس کے مصداق کے متعلق متعدد روایات

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، النساء: ۱۵۷۔۱۵۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ'':

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شِبہ (مثال) اس شخص پر ڈال دی جس نے یہود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

مقام کی طرف رہنمائی کی تھی، دوسرا قول یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک گھر میں قید کر لیا تھا اور اس گھر پر ایک محافظ مقرر کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شِبہ (مثال) اس محافظ پر ڈال دی، سو انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔

"وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ":

الکلبی نے کہا: اُن کا اس میں اختلاف تھا کہ یہود کہتے تھے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور نصاریٰ کی ایک جماعت یہ کہتی تھی کہ ہم نے اُن کو قتل کیا اور ایک تیسری جماعت یہ کہتی تھی کہ نہ اُن کو یہودیوں نے قتل کیا ہے نہ عیسائیوں نے قتل کیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو آسمان کے اوپر اٹھا لیا اور ہم اُن کا انتظار کر رہے تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شِبہ (مثال) سیطانوس پر ڈال دی تھی اور اُس کے جسم پر شِبہ (مثال) نہیں ڈالی تھی، پھر اُن میں اختلاف ہوا، بعض نے کہا: ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے کیونکہ اس شخص کا چہرہ وہی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا چہرہ تھا، اور دوسروں نے کہا: ہم نے اس کو قتل نہیں کیا کیونکہ اس کا جسم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم کی طرح نہیں ہے تو اُن کا اس میں اختلاف ہو گیا۔

السدّی نے کہا: اُن کا اختلاف اس وجہ سے تھا کہ وہ کہتے تھے کہ اگر یہی عیسیٰ ہے تو پھر ہمارا صاحب کہاں گیا اور اگر یہ ہمارا صاحب ہے تو عیسیٰ کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ": یعنی اُن کو یقینی علم نہیں تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل ہو گئے ہیں یا قتل نہیں ہوئے ہیں۔

"اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ": مگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقتول ہونے کے متعلق اپنے گمان کی پیروی کر رہے تھے، اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: "وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا" یعنی حقیقت میں انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا۔

"بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ": یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھا لیا تھا۔

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۷۱۸۔۷۱۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

سر سید احمد خان کا حضرت مسیح علیہ السلام کی موت کو ثابت کرنا اور ان کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کا انکار کرنا

سر سید احمد خان متوفی ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء لکھتے ہیں:

اب اس بات پر غور کرنی چاہیے کہ حضرت عیسیٰ کو کس طرح صلیب پر چڑھایا، جس دن حضرت عیسیٰ کو صلیب پر چڑھایا گیا تھا وہ جمعہ کا دن تھا اور یہودیوں کی عید فصح کا تہوار تھا، دوپہر کا وقت تھا جب ان کو صلیب پر چڑھایا گیا، اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اُن کی ہتھیلیوں میں کیلیں ٹھونکی گئیں، مگر یہ امر مشتبہ ہے کہ پاؤں میں بھی کیلیں ٹھونکی گئیں یا نہیں، کیونکہ انجیل یوحنا میں صرف ہتھیلیوں کے چھید دیکھنے کا ذکر ہے اور لوق کی انجیل میں ہاتھ پاؤں دونوں کا، مگر اس اختلاف سے جو اصل امر ہے اس میں کچھ اثر پیدا نہیں ہوتا۔

عید فصح کے دن کے ختم ہونے پر یہودیوں کا سبت شروع ہونے والا تھا اور یہودی مذہب کی رو سے ضروری تھا کہ مقتول یا مصلوب کی لاش قبل ختم ہونے دن کے یعنی قبل شروع ہونے سبت کے دفن کر دی جاوے، مگر صلیب پر انسان اس قدر جلدی نہیں مر سکتا اس لیے یہودیوں نے درخواست کی کہ حضرت مسیح کی ٹانگیں توڑ دی جاویں تا کہ وہ فی الفور مر جائیں مگر حضرت عیسیٰ کی ٹانگیں توڑی نہیں گئیں اور لوگوں نے جانا کہ وہ اتنی ہی دیر میں مر گئے۔ برچھی کا حضرت عیسیٰ کے پہلو میں ان کے زندہ یا مردہ ہونے کی شناخت کے لیے چبھونا صرف یوحنا کی انجیل میں ہے اور کسی انجیل میں نہیں ہے، اور نہ اس وقت جب کہ حضرت عیسیٰ نے اپنے ہاتھوں کے چھید

حواریوں کو دکھلائے، پسلی کے چھید کا دکھانا کسی انجیل میں نہیں لکھا ہے، اس لئے برچھی کا چھبونا نہایت مشتبہ ہے، مع ہذا اگر وہ صحیح بھی ہوتو وہ بھی کوئی ایسا زخم جس سے فی الفور ہلاکت ہو متصور نہیں ہوسکتا جس طرح ان کے ہاتھ پاؤں زخمی تھے اسی طرح پسلی کے نیچے بھی ایک زخم تسلیم کیا جاوے۔

جب کہ لوگوں نے غلطی سے جانا کہ حضرت درحقیقت مر گئے ہیں تو یوسف نے حاکم سے ان کے دفن کر دینے کی درخواست کی، وہ نہایت متعجب ہوا کہ ایسے جلد مر گئے، اس قدر جلدی مرجانے کی خبر سے کچھ حاکم ہی کو تعجب نہیں ہوا بلکہ عیسائی بھی اس کو ناممکن سمجھتے تھے اور اس لئے تیسری صدی عیسوی میں جو عیسائی علما تھے انہوں نے حضرت عیسیٰ کا اس قدر جلد صلیب پر مرنا آخر کار ایک معجزہ قرار دیا۔

غرضکہ یوسف کو دفن کرنے کی اجازت مل گئی اور حضرت عیسیٰ صرف تین چار گھنٹے صلیب پر رہے، کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی رسم تجہیز وتکفین کی حضرت عیسیٰ کے ساتھ عمل میں آئی تھی بلکہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یوسف نے ان کو ایک لحد میں رکھا اور اس پر ایک پتھر ڈھانک دیا، اس بات کا تصفیہ نہیں ہوسکتا کہ یوسف نے یہ کام اس لئے کیا تھا تا کہ حضرت عیسیٰ کے دشمن یقین کرلیں کہ درحقیقت حضرت عیسیٰ مر گئے اور وہ جانتا تھا کہ وہ مرے نہیں ہیں، یا آنکہ درحقیقت ان کو مردہ سمجھ کر اس نے لحد میں رکھ دیا، بہر حال اس رات کو وہ اس لحد میں نہیں تھے، اور اس سے پہلی بات کی تائید معلوم ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خود یہودیوں کو بھی شبہ تھا کہ وہ مر گئے ہیں یا نہیں، اس لئے صبح کو یعنی بروز شنبہ (اتوار) انہوں نے حاکم کی اجازت سے وہاں پہرہ متعین کر دیا مگر اب کیا فائدہ تھا جو کچھ ہونا تھا وہ اس سے پہلے ہو چکا تھا۔

جب اس تمام واقعہ پر مؤرخانہ طور پر نظر ڈالی جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ صلیب پر مرے نہیں تھے بلکہ اُن پر ایسی حالت طاری ہوگئی تھی کہ لوگوں نے اُن کو مُردہ سمجھا تھا۔

(تفسیر القرآن وھوالھدیٰ والفرقان ج ا ص ۳۱۴۔۳۱۴، ۳۲۶، ملخصاً وملتقطاً، سرسید ریسرچ اکیڈمی، لاہور)

تنبیہ: سرسید احمد خان متوفی ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء نے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات پر چار دلائل قائم کیے ہیں اور اسی طرح غلام احمد پرویز نے بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات پر چند دلائل پیش کیے ہیں، ان تمام دلائل کے مفصل جوابات ہم آل عمران: ۵۵ میں ذکر کر چکے ہیں اور یہاں ان کا اعادہ نہیں کرنا چاہتے، جو حضرات اُن کے دلائل کے تفصیلی جوابات پڑھنا چاہیں وہ آلِ عمران: ۵۵ کی تفسیر میں پڑھ لیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور (نزولِ مسیح کے وقت) اہلِ کتاب میں سے ہر شخص مسیح کی وفات سے پہلے اُن پر ضرور بہ ضرور ایمان لائے گا اور قیامت کے دن مسیح ان کے خلاف گواہ ہوں گے ○" (النساء: ۱۵۹)

تمام مفسرین کے نزدیک "قَبْلَ مَوْتِهٖ" کی ضمیر کا حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف راجع ہونا

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ، النساء: ۱۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ":

النساء: ۱۵۹ میں ''قَبْلَ مَوْتِهٖ'' کی ضمیر کے مرجع میں دو تفسیریں ہیں، ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے یعنی اہلِ کتاب میں سے ہر فرد عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے ضرور حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے گا اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ ''قَبْلَ مَوْتِهٖ'' کی ضمیر اہلِ کتاب کی طرف راجع ہے یعنی اہلِ کتاب میں سے ہر فرد اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے گا۔

اہلِ کتاب میں سے ہر فرد کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے اُن پر ایمان لانے کے متعلق فقہائے اسلام کے اقوال

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اہلِ کتاب میں سے ہر فرد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے اُن پر ایمان لے آئے گا۔ (تفسیر سفیان ثوری ص ۹۸، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۳۰۹، تفسیر ابن ابی حاتم: ۶۲۵۴، تاریخ دمشق جز ۱۴ ص ۱۰۱)

(۲) حسن بصری سے روایت ہے کہ اہلِ کتاب کا ہر فرد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے اُن پر ایمان لے آئے گا اور اللہ کی قسم! حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی اللہ کے پاس زندہ ہیں لیکن جب وہ آسمان سے نازل ہوں گے تو سب اُن کے اوپر ایمان لے آئیں گے۔

(تفسیر ابن ابی حاتم ج ۴ ص ۱۱۱۴، الدرالمنثور للسیوطی ج ۲ ص ۲۴۱، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۰۴)

(۳) قتادہ نے بیان کیا کہ اہلِ کتاب میں سے ہر فرد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے اُن پر ایمان لے آئے گا اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو تمام اہلِ ادیان اُن پر ایمان لے آئیں گے۔ (تفسیر عبدالرزاق ج ۱ ص ۱۷۷)

(۴) ابو مالک نے بیان کیا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو ہر شخص اُن پر ایمان لے آئے گا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم: ج ۴ ص ۱۱۱۳، رقم الحدیث: ۶۲۵۳)

(۵) ابن زید نے النساء: ۱۵۹ کی تفسیر میں کہا کہ جب حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نزول ہوگا تو وہ دجال کو قتل فرمائیں گے اور اس وقت روئے زمین پر جو بھی یہودی ہوگا وہ اُن پر ایمان لے آئے گا لیکن اس وقت اس کا ایمان اُن کو نفع نہیں دے گا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۰۴، الدرالمنثور للسیوطی ج ۲ ص ۲۴۱)

(۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کوئی یہودی اس وقت تک نہیں مرے گا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔

(۷) مجاہد نے کہا: کسی اہلِ کتاب کی روح اس وقت تک اس کے بدن سے نہیں نکلے گی حتیٰ کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے خواہ وہ غرق ہو کر مرے یا دیوار کے نیچے آکر مرے یا کسی طریقہ سے بھی اس کی موت ہو، وہ موت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے گا۔ (تفسیر مجاہد ص ۲۹۶)

(۸) امام سعید بن منصور نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اہلِ کتاب اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے، انہوں نے کہا: کوئی یہودی اس وقت تک نہیں مرے گا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: یہ بتائیں کہ اگر وہ گھر کی چھت سے گر کر مر جائے؟ تو انہوں نے کہا: وہ گرتے وقت ہوا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: یہ بتایئے کہ اگر کسی یہودی کی کوئی گردن مار دے؟ تو انہوں نے کہا: اس کی زبان اس وقت اُن کا کلمہ پڑھے گی۔ (سنن سعید بن منصور ج ۴ ص ۱۴۲۷، دار الصمیعی، ریاض، ۱۴۲۸ھ، معالم التنزیل ج ۱ ص

۱۴۱۹ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ، الدر المنثور للسیوطی ج ۲ ص ۲۴۱)

(۹) عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر کوئی یہودی اس گھر کی چھت سے گرے تو اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لے آئے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ج ۴ ص ۱۱۱۳، رقم الحدیث: ۶۲۵۰، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۰۵)

(۱۰) مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: خواہ یہودی گھر کی چھت سے گرے وہ اس وقت تک نہیں مرے گا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ (تفسیر سفیان ثوری ص ۹۸، رقم: ۲۳۰، تاریخ دمشق ج ۱۴ ص ۱۰۱ (مخطوطہ))

(۱۱) حسن بصری نے النساء: ۱۵۹ کی تفسیر میں بیان کیا کہ کوئی یہودی اور نہ کوئی نصرانی اس وقت تک مرے گا حتیٰ کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ (تاریخ دمشق جزء ۱۴ ص ۱۰۱)

(۱۲) حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ ان میں سے کوئی بھی اس وقت تک نہیں مرے گا حتیٰ کہ مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ (تفسیر عبد الرزاق ج ۱ ص ۱۷۷)

(الف) عکرمہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: کوئی نصرانی اور یہودی اس وقت تک نہیں مرے گا حتیٰ کہ وہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لے آئے۔ (تفسیر الطبری ج ۷ ص ۶۷۲، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ عکرمہ کی یہ تفسیر اس لیے غلط ہے کہ النساء: ۱۵۹ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس آیت کا سیاق اور سباق اس پر دلالت کرتا ہے کہ اہلِ کتاب میں سے ہر فرد اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے گا جب کہ اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے ''وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا ---- (النساء: ۱۵۹)'' (اور قیامت کے دن مسیح ان کے خلاف گواہ ہوں گے)'' اور اس آیت کا آخری ٹکڑا بھی اس کا مؤید ہے کہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا مراد ہے نہ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا مراد ہے۔ نیز عکرمہ کی یہ تفسیر اس لیے بھی غلط ہے کہ خود عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر کوئی یہودی اس گھر کی چھت سے گرے تو اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لے آئے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ج ۴ ص ۱۱۱۳، رقم الحدیث: ۶۲۵۰، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۰۵)، لہٰذا عکرمہ کی ان دونوں روایتوں میں اضطراب اور تضاد ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(۱۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: کوئی یہودی اس وقت تک نہیں مرے گا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام پر ایمان لے آئے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر اس پر تلوار ماری جائے تب بھی وہ زبان سے اُن پر ایمان لے آئے گا اور اگر وہ عمارت سے گر رہا ہو تب بھی گرتے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے گا۔

(مسند ابوداؤد الطیالسی ج ۱ ص ۵۷۷، الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۲۱۲۔ ۲۱۳، تفسیر سفیان الثوری ص ۹۸ رقم: ۲۲۹، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۳۰۹)

مذکور الصدر اقوال میں امام محمد بن جریر طبری کا مختار اور اس پر دلائل

(۱۴) امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ ان اقوال کے درمیان محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان تمام اقوال میں سب سے صحیح قول اُن مفسرین کا ہے جنہوں نے کہا کہ اہلِ کتاب میں سے ہر ایک فرد اپنی موت سے پہلے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے گا۔ہم نے اس قول کو سب سے زیادہ صحیح اس لیے قرار دیا ہے کہ اللہ عزوجل نے ہر اُس شخص کو جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہو اُس کو وراثت میں اور اس کی نماز جنازہ پڑھنے میں اور اس کے نابالغ بچوں کو ملتِ اسلامیہ میں شمار کرنے میں اُس پر اہلِ ایمان کا حکم لگایا ہے، پس اگر اہلِ کتاب میں سے ہر شخص اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو یہ واجب ہوگا کہ وہ اس کتابی کا وارث نہ ہو جو اس کی ملت پر فوت ہوا ہو مگر اس کے نابالغ بچے یا اُس کے بچوں میں سے بالغوں کو اہلِ اسلام میں شمار کیا جائے گا، اگر اس کا نابالغ بچہ ہو یا بالغ بچہ مسلمان ہو اور اگر اس کا نابالغ بچہ نہ ہو یا مسلمان بالغ بچہ نہ ہو تو اس کی وراثت اُس طرف لوٹ جائے گی جس طرف فوت شدہ مسلمان کی وراثت لوٹ جاتی ہے (یعنی بیت المال کی طرف) بہ شرطیکہ اس کا کوئی وارث نہ ہو۔اور اُس کی نمازِ جنازہ پڑھنے میں اور اس کو غسل دینے میں اور اس کو قبر میں دفن کرنے میں وہی احکام ہوتے ہیں جو مسلمانوں کے احکام ہیں، کیونکہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہوئے فوت ہوا تو وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہوئے فوت ہوا اور تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہوئے فوت ہوا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ صلوات اللہ علیہ، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرتے ہوئے آئے، پس جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مُصدِق ہے اور اُن پر ایمان رکھتا ہے تو وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی مصدِق ہے اور اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء اور رسولوں کا مصدق ہے جیسا کہ جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء اور رسولوں پر بھی ایمان رکھتا ہے، پس یہ جائز نہیں ہے کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتا ہو وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مکذِب ہو۔(تفسیر الطبری ج ۷ ص ۶۷۲۔ ۶۷۳، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۲۴ھ)

(۱۵) امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، النساء:۱۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جب یہودی پر موت کا وقت آئے گا اور وہ آخرت کے امر کا معائنہ کرے گا تو فرشتے اس کو ماریں گے اور کہیں گے: اے اللہ کے دشمن! تیرے پاس عزیر آئے تو تُو نے اُن کی تکذیب کی اور نصرانی سے کہیں گے: اے اللہ کے دشمن! تیرے پاس اللہ کے بندے اور اس کے رسول یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تو تُو نے یہ زعم کیا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں، پس اس وقت وہ ایمان لے آئے گا اور اقرار کرے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور یہ ایمان اس کے لیے نفع بخش نہیں ہوگا۔ (اس کے بعد علامہ سمرقندی نے بھی شہر بن حوشب کی روایت کا ذکر کیا ہے جس کا ذکر عنقریب کشاف کی عبارت میں آئے گا)۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۴۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

(۱۵، الف) ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن ابی زمنین المتوفی ۳۹۹ھ، النساء:۱۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ اِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ'': قتادہ نے کہا: یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے روئے زمین پر موجود ہر اہلِ کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے گا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، لیکن اس کے لیے مَلَکُ الموت کے معائنہ کے وقت ایمان لانا مفید نہیں ہوگا۔

(تفسیر القرآن العزیز ج ۱ ص ۴۷۳۔ ۴۷۴، الفاروق الحدیثیہ للطباعۃ والنشر، ۱۴۲۶ھ)

(۱۶) علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی البصری المتوفی ۴۵۰ھ، النساء:۱۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(۱) جب حضرت مسیح علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے تو ہر کتابی ان کی وفات سے پہلے اُن پر ایمان لے آئے گا۔ یہ حضرت

ابن عباس، ابو مالک، قتادہ اور ابن زید کا قول ہے۔ (۲) ہر کتابی اپنی موت سے پہلے جب موت کے فرشتوں کو دیکھے گا تو اس پر ایمان لائے گا کہ حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم برحق رسول ہیں، یہ حسن بصری، مجاہد، ضحاک اور ابن سیرین اور جو یبر کا قول ہے۔ (۳) عکرمہ کا قول یہ ہے کہ ہر کتابی اپنی موت سے پہلے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے گا۔

(النکت والعیون (تفسیر الماوردی) ج ۱ ص ۵۴۴، موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت)

میں کہتا ہوں: ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عکرمہ کا یہ قول غلط ہے کیونکہ النساء:۱۵۹ میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ النساء:۱۵۹ کے اخیر میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اہلِ کتاب کے خلاف گواہی دیں گے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت کی ہے اس میں یہ مذکور ہے کہ ہر کتابی مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے گا، سو عکرمہ کی یہ روایت مضطرب بھی ہے اور متضاد بھی ہے اور دیگر تمام مفسرین کی تفاسیر کے خلاف ہے۔

(سعیدی غفرلہٗ)

(۱۷) علامہ ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ، النساء:۱۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہر یہودی یا نصرانی اپنی موت سے پہلے ضرور بہ ضرور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے گا کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں۔

شہر بن حوشب سے روایت ہے کہ مجھ سے حجاج نے کہا کہ میں جب بھی اس آیت کو پڑھتا ہوں تو میرے دل میں خلش ہوتی ہے اور حجاج نے کہا: میرے پاس یہودی اور نصرانی میں سے کوئی قیدی لایا جاتا ہے، پس میں اس کی گردن اڑا دیتا ہوں اور میں اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا کلام نہیں سنتا، تو میں نے حجاج سے کہا کہ روایت میں ہے کہ جب یہودی پر موت آتی ہے تو فرشتے اس کی سُرین پر اور اس کے چہرے پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں: اے اللہ کے دشمن! تیرے پاس حضرت موسیٰ نبی آئے تو تو نے اُن کی تکذیب کی، سو وہ کہتا ہے کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور نبی تھے، اور فرشتے نصرانی سے کہتے ہیں: تیرے پاس عیسیٰ نبی آئے تو تو نے یہ زعم کیا کہ وہ خود اللہ ہیں یا اللہ کے بیٹے ہیں تو اس وقت وہ ایمان لائے گا کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں لیکن یہ ایمان اس کو نفع نہیں دے گا، شہر بن حوشب نے کہا: حجاج ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا، پھر سنبھل کر سیدھا بیٹھ گیا اور میری طرف دیکھ کر پوچھا: تم یہ حدیث کہاں سے روایت کر رہے ہو؟ میں نے کہا: مجھے محمد بن علی ابن الحنفیہ نے یہ حدیث بیان کی ہے، وہ لکڑی سے زمین کریدنے لگا، پھر کہا: تم نے شفاف چشمہ سے اس حدیث کو حاصل کیا ہے یا شفاف معدن سے اس کو حاصل کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح تفسیر کی تو ان سے عکرمہ نے پوچھا: اگر یہودی کے پاس کوئی مرد آئے اور اس کی گردن اڑا دے پھر؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کے جسم سے اس کی روح اس وقت تک نہیں نکلے گی حتیٰ کہ وہ اس اعتراف کے ساتھ اپنے ہونٹ ہلائے، اور انہوں نے کہا: اگر وہ گھر کی چھت سے گرے یا آگ میں جل جائے یا اس کو درندہ کھا جائے تب بھی وہ ہوا میں یہ بات کہے گا اور اس کی روح اس کے جسم سے اس وقت تک نہیں نکلے گی جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے۔ اسی طرح اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے: ''وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ـــ (النساء:۱۵۹)'' (اور قیامت کے دن مسیح ان کے خلاف گواہ ہوں گے)'' یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود کے خلاف یہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کی نبوت کی تکذیب کی اور نصاریٰ کے خلاف یہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا۔

(الکشاف ج ١ص ٦٢١ ۔ ٦٢٢، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ١٤١٧ھ)

(١٨) علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ٥٩٧ھ، النساء: ١٥٩ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: جو یہودی جب بھی مرے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا گیا: خواہ وہ گھر کی چھت سے گر کر مرے؟ تو انہوں نے کہا: وہ ہوا میں کلام کرے گا۔ اور الضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہودی مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے گا اور نصرانی کی روح اس وقت تک جسم سے نہیں نکلے گی حتیٰ کہ وہ یہ شہادت دے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں۔

(زادالمسیر فی علم التفسیر ج ١ص ٤٩٦، دارالکتاب العربی، بیروت، ١٤٣١ھ)

(١٩) امام فخرالدین محمد بن عمر رازی الشافعی المتوفی ٦٠٦ھ، النساء: ١٥٩ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اہلِ کتاب میں سے ہر ایک حضرت عیسیٰ پر ضرور ایمان لائے گا، اس پر یہ سوال ہے کہ ہم اکثر یہود کو دیکھتے ہیں کہ وہ مرجاتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لاتے۔

اس سوال کے جواب میں امام رازی نے بعینہٖ علامہ زمخشری کی عبارت نقل کی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ٤ص ٢٦٣، داراحیاء التراث العربی، بیروت ١٤١٥ھ)

(١٩، الف) علامہ ابوالحسن علی بن محمد علم الدین السخاوی الشافعی المتوفی ٦٤٢ھ، النساء: ١٥٩ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی ہر کتابی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے جب اُن کا زمین پر نزول ہوگا تو اُن پر ایمان لے آئے گا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ ہر کتابی اپنی موت سے پہلے جب اُس پر حق منکشف ہوجائے گا تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے گا لیکن اس کا یہ ایمان اس کے لیے نفع بخش نہیں ہوگا، اور اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ ہر کتابی اپنی موت سے پہلے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لے آئے گا۔

(امام ابن جریر طبری نے پہلے دو قولوں کے بعد عکرمہ کے اس قول کا ذکر کیا ہے، پھر لکھا ہے: اور تمام اقوال میں صحیح ترین قول یہ ہے کہ اہلِ کتاب میں سے ہر ایک اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے گا)۔

(تفسیر القرآن العظیم ج ١ص ٢٠٨، دارالنشر للجامعات، ١٤٣٠ھ)

(١٩، ب) صدرالافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی حنفی متوفی ١٣٦٧ھ، النساء: ١٥٩ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں چند قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو اپنی موت کے وقت جب عذاب کے فرشتے نظر آتے ہیں تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لے آتے ہیں جن کے ساتھ انہوں نے کفر کیا تھا اور اس وقت کا ایمان مقبول و معتبر نہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قریب قیامت جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے، اس وقت کے تمام اہلِ کتاب اُن پر ایمان لے آئیں گے، اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات شریعتِ محمدیہ کے مطابق حکم کریں گے اور اسی دین کے ائمہ میں سے ایک امام کی حیثیت میں ہوں گے، اور نصاریٰ نے اُن کی نسبت جو گمان باندھ رکھے ہیں ان کا ابطال فرمائیں گے، دینِ محمدی کی

اشاعت کریں گے، اس وقت یہود و نصاریٰ کو یا تو اسلام قبول کرنا ہوگا یا قتل کر ڈالے جائیں گے۔ جزیہ قبول کرنے کا حکم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کرنے کے وقت تک ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ ہر کتابی اپنی موت سے پہلے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے گا، چوتھا قول یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے گا لیکن وقتِ موت کا ایمان مقبول نہیں، نافع نہ ہوگا۔

(خزائن العرفان ص ۲۰۰-۲۰۱، مجلس المدینۃ العلمیہ، کراچی ۱۴۳۲ھ)

میں کہتا ہوں: صدر الافاضل قدس سرہٗ العزیز نے جو اس آیت کی تفسیر میں تیسرا قول ذکر فرمایا ہے اس پر قوی اشکال یہ ہے کہ النساء:۱۵۹ میں سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلقاً ذکر نہیں ہے، لہٰذا ہر کتابی کا آپ کے اوپر ایمان لانا کس طرح صحیح ہوگا! علاوہ ازیں اس آیت کے اخیر میں ارشادِ باری ہے: ''وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا۔۔۔(النساء:۱۵۹)'' (اور قیامت کے دن مسیح ان کے خلاف گواہ ہوں گے)، صدر الافاضل کی اس تیسری تفسیر کے اعتبار سے لازم آئے گا کہ النساء:۱۵۹ کے پہلے حصہ میں تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہوں اور النساء:۱۵۹ کے آخری حصہ میں حضرت مسیح علیہ السلام مراد ہوں، اور یہ واضح تعارض اور تضاد ہے جس کی قرآنِ مجید میں گنجائش نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔۔۔(النساء:۸۲)'' (پس کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے! اور اگر یہ قرآن اللہ کے غیر کی طرف سے نازل ہوتا تو لوگ اس میں ضرور بہت اختلاف پاتے)۔ علاوہ ازیں صدر الافاضل کی یہ تیسری تفسیر اُن کی کی ہوئی پہلی دو تفسیروں کے بھی خلاف ہے، کیونکہ انہوں نے ان دو تفسیروں میں واضح طور پر لکھا ہے کہ اہلِ کتاب اپنی موت کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے، یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے اور اس پر تیسرا اشکال یہ ہے کہ صدر الافاضل کی تیسری تفسیر عکرمہ کے قول کے علاوہ تمام صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور جمہور مفسرین کے خلاف ہے جیسا کہ امام محمد بن جریر طبری نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ اور اس پر چوتھا اشکال یہ ہے کہ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ہر کتابی اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے گا، سو یہ تفسیر خود عکرمہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے بھی خلاف ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

(۲۰) علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، النساء:۱۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اہلِ کتاب میں سے خواہ یہودی ہو یا نصرانی ہو جب وہ موت کے فرشتہ کو دیکھے گا تو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے گا اور اس وقت کا ایمان لانا اس کے لیے نفع بخش نہیں ہوگا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۶ ص ۱۳، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۲۱) قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ، النساء:۱۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ میں سے ہر ایک مرنے سے پہلے اس پر ایمان لے آئے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں خواہ جس وقت اس کی روح اس کے جسم سے نکل رہی ہو اور اس وقت اس کا ایمان اسے نفع نہیں دے گا۔ (انوار التنزیل واسرار التاویل (تفسیر البیضاوی) ج ۲ ص ۲۷۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

(۲۲) علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ، النساء:۱۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی ہے کہ یہود اور نصاریٰ میں سے ہر ایک اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ ایمان لائے گا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (مدارک التنزیل وحقائق التاویل ج ۱ ص ۴۱۴، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

(۲۳) علامہ نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین القمی النیشاپوری الشافعی المتوفی ۷۲۸ھ، النساء:۱۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اہلِ کتاب میں سے ہر ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنی موت سے پہلے ایمان لے آئے گا۔ (اس کے بعد علامہ نیشاپوری نے شہر بن حوشب کی روایت لکھی ہے)۔ (تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان، ج ۲ ص ۵۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

(۲۴) علامہ محمد بن یوسف الشہیر بابی حیان الاندلسی المالکی المتوفی ۷۵۴ھ، النساء:۱۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''بِهٖ'' کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور ''قَبْلَ مَوْتِهٖ'' کی ضمیر کتابی کی طرف راجع ہے، یعنی کوئی یہودی اس وقت تک نہیں مرے گا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لے آئے اور یہ نہ جان لے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں (ابوحیان نے اس تفسیر میں شہر بن حوشب کی روایت کو بھی ذکر کیا ہے)۔ (البحر المحیط ج ۴ ص ۱۳۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ)

(۲۵) علامہ ابو حفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ النساء:۱۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی کوئی کتابی اس وقت تک نہیں مرے گا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ (اس کے بعد علامہ ابوحفص نے شہر بن حوشب کی حکایت لکھی ہے جو گزر چکی ہے)۔ (اللباب فی علوم الکتاب ج ۷ ص ۱۱۸۔۱۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

(۲۶) القاضی مجیر الدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ، النساء:۱۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اہلِ کتاب میں سے ہر ایک اپنی موت سے پہلے ضرور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے گا اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن کے خلاف گواہی دیں گے، پس یہود کے خلاف گواہی دیں گے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور اُن کی ماں پر تہمت لگائی اور نصاریٰ کے خلاف گواہی دیں گے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔

(فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن ج ۲ ص ۲۲۶۔۲۲۷، دار النوادر، لبنان، ۱۴۳۲ھ)

(۲۷) علامہ محمد بن مصباح الدین مصطفیٰ القوجوی الحنفی المتوفی ۹۵۱ھ، النساء:۱۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

پھر اللہ تعالیٰ نے یہود کی برائیوں کا اور عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی کمالِ عداوت کا ذکر فرمایا اور یہ بیان فرمایا کہ اِن میں سے کوئی بھی دنیا سے اس وقت تک نہیں جائے گا جب تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے گا (اس کے بعد علامہ القوجوی نے شہر بن حوشب کی حکایت لکھی ہے)۔ (حاشیہ محی الدین شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۳ ص ۴۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(۲۸) الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، النساء:۱۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اہلِ کتاب میں سے ہر ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے جب وہ آسمان سے زمین پر اتریں گے اُن پر ایمان لے آئے گا حتیٰ کہ سب ایک ملت، ملتِ اسلام پر ہو جائیں گے۔ (السراج المنیر ج ۱ ص ۵۴۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

(۲۹) قاضی ابو سعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ، النساء:۱۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اہلِ کتاب میں سے ہر ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ضرور ایمان لے آئے گا، اس سے پہلے کہ اس کی روح اس کے جسم سے نکلے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (تفسیر ابو سعود ج ۲ ص ۲۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(۳۰) علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ، النساء:۱۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اہلِ کتاب میں سے ہر ایک اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے گا، یعنی جب یہودی آخرت کے امر کا معائنہ کرے گا اور اس پر وفات حاضر ہوگی تو فرشتے اس کے چہرے اور اس کی سُرین پر ماریں گے اور کہیں گے: تیرے پاس عیسیٰ علیہ السلام نبی آئے تھے سو تو نے اُن کی تکذیب کی، پس اس وقت وہ ایمان لے آئے گا جب اس کا ایمان اس کو نفع نہیں دے گا کیونکہ اب اس کے مکلف ہونے کا وقت ختم ہو چکا ہوگا، اور فرشتے نصرانی سے کہیں گے: تیرے پاس عیسیٰ علیہ السلام آئے تھے جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، پس تو نے یہ زعم کیا کہ حضرت عیسیٰ خود اللہ ہیں یا اللہ کے بیٹے ہیں، پس اس وقت وہ نصرانی اس پر ایمان لے آئے گا کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے ہیں اور اس وقت اس کا ایمان اسے نفع نہیں دے گا۔

(روح البیان ج ۲ ص ۳۸۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۳۱) علامہ سید محمود آلوسی بغدادی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ النساء:۱۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت جتنے بھی اہلِ کتاب روئے زمین پر موجود ہوں گے وہ سب اُن کی وفات سے پہلے اُن پر ایمان لے آئیں گے اور تمام ادیان، دینِ واحد ہو جائیں گے۔

(روح المعانی جز ۶ ص ۲۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(۳۲) نواب صدیق حسن بھوپالی (غیر مقلد) متوفی ۱۳۰۷ھ، النساء:۱۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ'' کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے، یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین کا قول ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ کوئی یہودی یا نصرانی اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان نہ لے آئے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دونوں ضمیریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں اور معنی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت تک وفات نہیں پائیں گے حتیٰ کہ اُن کے زمانہ کا ہر کتابی اُن پر ایمان لے آئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ پہلی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف راجع ہے اور یہی عکرمہ کا قول ہے اور اس قول کی کوئی صحیح وجہ نہیں ہے، کیونکہ اس آیت میں پہلے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر نہیں ہے حتیٰ کہ آپ کی طرف ضمیر راجع ہو، اور امام ابن جریر اور سلف صالحین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ دونوں ضمیریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں اور یہی ظاہر ہے، کیونکہ اس سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے، پس اُن کی طرف ضمیر کا لوٹانا زیادہ اولیٰ ہے۔ (فتح البیان فی مقاصد القرآن ج ۲ ص ۱۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۳۳) امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، النساء:۱۵۹ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

کوئی کتابی ایسا نہیں جو اُس کی موت سے پہلے اُس پر ایمان نہ لائے اور قیامت کے دن اُن پر گواہ ہوگا۔

(کنز الایمان ص ۲۰۰ مجلس المدینۃ العلمیہ، کراچی ۱۴۳۲ھ)

(۳۴) مشہور غیر مقلد مولانا محمد جوناگڑھی متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء، النساء:۱۵۹ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اہلِ کتاب میں ایک بھی ایسا نہ بچے گا جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی موت سے پہلے اُن پر ایمان نہ لا چکے اور قیامت کے دن آپ اُن پر گواہ ہوں گے۔ (القرآن الکریم وترجمۃ معانیہ وتفسیرہ الی اللغۃ الاردویۃ، ص ۲۷۳۔ ۲۷۴، مملکۃ العربیۃ السعودیہ)

(٣٥) علامہ مصطفیٰ الخیری الحصنی المنصوری الحنفی المتوفی ١٣٩٠ھ، النساء:١٥٩ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ میں سے ہر ایک ضرور اپنے مرنے سے پہلے اس پر ایمان لائے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں خواہ وہ اس وقت ایمان لائے جب اس کی روح اس کے جسم سے نکل رہی ہو۔

(المقتطف من عیون التفاسیر، ج ١ ص ٥٢٦، دار القلم، ١٤١٦ھ)

(٣٦) حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی ١٣٩١ھ، النساء:١٥٩ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت سے تین مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ ابھی عیسیٰ علیہ السلام کی وفات واقع نہیں ہوئی کیونکہ آپ کی وفات سے پہلے سارے اہلِ کتاب آپ پر ایمان لائیں گے حالانکہ ابھی یہودی آپ پر ایمان نہیں لائے۔ دوسرے یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام قربِ قیامت میں زمین پر تشریف لائیں گے۔ تیسرے یہ کہ آپ کی اس آمد پر سارے یہودی آپ پر ایمان لے آئیں گے اس طرح کہ سب مسلمان ہو جائیں گے۔ (نور العرفان ص ١٦٣، ادارہ کتب اسلامیہ، گجرات، پاکستان)

(٣٧) مولانا عبد الماجد دریا آبادی متوفی ١٣٩٧ھ/١٩٧٧ء، النساء:١٥٩ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قَبۡلَ مَوۡتِهٖ'' میں ضمیر کتابیہ کی طرف ہے اور مراد ہے موت کے وقت ''یومن بعیسیٰ اذا عاین الملك ولکنه ایمان لا ینفعه لانه ایمان عند الیاس وحین التلبس بحالة الموت (قرطبی) لایموت یهودی حتیٰ یومن بعیسیٰ (ابن جریر۔ از ابن عباس رضی الله عنهما) کل صاحب کتاب یومن بعیسیٰ قبل موته (ابن جریر۔ عن مجاهد) هذا قول اکثر المفسرین واهل العلم (معالم) یعنی اذا عاین قبل ان تزهق روحه حین لا ینفعه ایمانه لانقطاع وقت التکلیف (کشاف) حیث یعاین ملائکة الموت فلا ینفعه ایمانه (جلالین)۔ ''بِهٖ'' میں ضمیر بالاتفاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب ہے ''لَيُؤۡمِنَنَّ'' یعنی آپ کا جو صحیح مرتبہ عند اللہ ہے اسے وہ جان کر اور اس کا اعتراف واقرار کر کے رہیں گے۔ ''اَهۡلِ الۡكِتٰبِ'' لفظِ عام ہے لیکن محاورۂ قرآنی میں اکثر اس سے مراد یہود ہی ہوتے ہیں اور یہاں بھی عبارت کا سیاق وسباق انہی کی جانب مشیر ہے ای من الیهود (بحر) لایموت یهودی حتی یومن بعیسیٰ (ابن جریر عن ابن عباس رضی الله عنهما) ای الیهود خاصة کما اخرج ابن جریر عن ابن عباس رضی الله عنهما (روح) اور اگر وہی عام ہی معنی مراد لیے جائیں اور یہود ونصاریٰ دونوں مراد سمجھے جائیں جب بھی معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا یعنی الیهود والنصاری کما ذهب الیه کثیر من المفسرین (روح) مراد یہ ہوگی کہ مسیح مقامِ عیسیٰ علیہ السلام میں افراط کرنے والوں اور یہود یعنی مقامِ موسیٰ علیہ السلام میں تفریط کرنے والوں دونوں پر موت کے وقت صحیح مقامِ عیسیٰ علیہ السلام کا انکشاف کر دیا جائے گا۔ (تفسیر ماجدی مکمل مع ترجمہ وتفسیر، ص ٢٦٣، پاک کمپنی اردو بازار، لاہور)

اس تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام مفسرین کے نزدیک ''وَ اِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ---(النساء:١٥٩)'' تمام اہلِ کتاب خواہ یہودی ہوں یا عیسائی وہ اپنی موت سے پہلے ضرور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے اور ''لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ'' کی ضمیر سب کے نزدیک بالاتفاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔

(٣٨) سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ١٣٩٩ھ/١٩٧٩ء، النساء:١٥٩ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس فقرے کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں اور الفاظ میں دونوں کا یکساں احتمال ہے۔ ایک معنی وہ جو ہم نے ترجمے میں اختیار کیے

ہیں (اور اہلِ کتاب میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لے آئے گا اور قیامت کے روز وہ اُن پر گواہی دے گا۔ النساء:١٥٩)، دوسرے یہ کہ ''اہلِ کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان نہ لے آئے''۔ اہلِ کتاب سے مراد یہودی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ عیسائی بھی ہوں، پہلے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ مسیح کی طبعی موت جب واقع ہوگی اس وقت جتنے اہلِ کتاب موجود ہوں گے وہ سب اُن پر (یعنی اُن کی رسالت پر) ایمان لا چکے ہوں گے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ تمام اہلِ کتاب پر مرنے سے عین قبل رسالتِ مسیح کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے اور وہ مسیح پر ایمان لے آتے ہیں مگر یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ ایمان لانا مفید نہیں ہو سکتا، دونوں معنی متعدد صحابہ، تابعین اور اکابر مفسرین سے منقول ہیں۔

(تفہیم القرآن ج ١ ص ٤٢١۔ ٤٢٢، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، مئی ٢٠١٢ء)

(٣٩) جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ١٤١٨ھ، النساء:١٥٩ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تمام اقوال سے زیادہ صحیح اور درست قول یہ ہے کہ ''بِهٖ'' اور ''مَوۡتِهٖ'' کی ضمیروں کا مرجع عیسیٰ ہے یعنی تمام کتابی عیسیٰ کے مرنے سے پہلے عیسیٰ پر ایمان لے آئیں گے۔

اور علامہ قرطبی یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: حضرت قتادہ، ابن زید وغیرہما کا یہی قول ہے، الضحاک، سعید بن جبیر اور امام طبری نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

اور اس قول کی وجہ ترجیح میں یہ حدیث بیان کرتے ہیں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابنِ مریم ایک عادل حاکم کی حیثیت سے تم میں ضرور اتریں گے، وہ دجال اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ صلیب کو توڑیں گے اور سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کو کیا جائے گا جو پروردگارِ عالم ہے۔ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر دلیل کی ضرورت ہو تو یہ آیت پڑھو: ''وَ اِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ'' ابو ہریرہ نے فرمایا: موت کی ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے، آپ نے یہ بات تین بار کہی، یہ حدیث ان کثیر التعداد احادیث میں سے ایک ہے جن میں آنے والے مسیح کی ولدیت، ان کی صفات اور ان کے کارہائے نمایاں کا تذکرہ ہے۔

(ضیاء القرآن ج ١ ص ٤١٨۔ ٤١٩، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔ کراچی پاکستان، جولائی ٢٠١١ء)

(٤٠) دوسرے غیر مقلد عالم مولانا صلاح الدین یوسف النساء:١٥٩ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ ہر عیسائی موت کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا ہے، وہ موت کے وقت کا ایمان نافع نہیں۔ لیکن سلف اور اکثر مفسرین کے نزدیک اس کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

(القرآن الکریم وترجمۃ معانیہ وتفسیرہ الی اللغۃ الاردویۃ، ص ٢٧٣۔ ٢٧٤، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ پریس، المملکۃ العربیۃ السعودیہ)

(٤٠، الف) الاستاذ الدکتور وہبہ الزحیلی (رئیس الفقہ الاسلامی فی جامعۃ الدمشق) النساء:١٥٩ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی ہے کہ یہود اور نصاریٰ میں سے ہر ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے اس پر ایمان لے آئے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، یعنی جب اُس کی روح اس کے جسم سے نکلے گی اور وہ موت کا معائنہ کرے گا، اس وقت ایمان لائے گا لیکن یہ ایمان اس کو فائدہ نہیں دے گا کیونکہ مکلف ہونے کا وقت منقطع ہو چکا ہوگا، اور اس وقت ہر

انسان پر وہ چیز منکشف ہو چکی ہوگی جس سے پہلے وہ لاعلم تھا، اور جب وہ فرشتہ کا مشاہدہ کر لے گا تو پھر ایمان اس کے لیے نفع بخش نہیں ہوگا۔ (الکشاف ج۱ ص ۵۳۵، تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۵۷۷)

(التفسیر المنیر فی العقیدۃ والشریعۃ والمنہج، جز۶ ص ۲۲، دارالفکر، دمشق، شام ۱۴۱۱ھ)

شیخ امین احسن اصلاحی کا تمام صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور جمہور مفسرین کے خلاف ''لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ'' کی ضمیر کا مرجع حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرار دینا

ہر مسلک کے مترجمین اور مفسرین نے ''اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ'' کی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرار دیا ہے، اس کے برخلاف شیخ امین احسن اصلاحی نے ''اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ'' کی ضمیر کا مرجع حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرار دیا ہے۔

شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء، النساء:۱۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ'' اور ''قَبْلَ مَوْتِهٖ'' میں پہلی ضمیر کا مرجع ہمارے نزدیک قرآن مجید ہے اور دوسری کا مرجع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آج یہ اہلِ کتاب قرآن اور نبی کی صداقت تسلیم کرنے کے لیے یہ شرط ٹھہراتے ہیں کہ وہ آسمان سے کتاب اترتی ہوئی دکھائیں تب وہ یقین کریں گے کہ قرآن فی الواقع اللہ کی کتاب ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) واقعی اللہ کے رسول ہیں، اور اس حیلے سے وہ ان تمام عقلی، نقلی، فطری اور تاریخی دلائل کو نظر انداز کر رہے ہیں جو قرآن اور پیغمبر کی صداقت کے ثبوت میں موجود ہیں لیکن وہ وقت بھی دور نہیں ہے جب یہ یہود اور نصاریٰ قرآن اور پیغمبر کی کہی ہوئی ایک ایک بات کو واقعات کی شکل میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور قرآن اُن کے لیے جس رسوائی و نامرادی اور جس ذلت و شکست کی خبر دے رہا ہے وہ پیغمبر کے دنیا سے اٹھنے سے پہلے اس طرح اُن کی آنکھوں کے سامنے آجائے گی کہ اس کو جھٹلانا اُن کے لیے ممکن نہیں رہے گا، اگرچہ ایمان کی سعادت اُن کو یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد بھی حاصل نہیں ہوگی۔ (تدبر قرآن ج۲ ص ۴۲۳، فاران فاؤنڈیشن، لاہور ۱۴۳۴ھ)

شیخ امین احسن اصلاحی کی النساء:۱۵۹ کی تفسیر کی اغلاط

ہمارے نزدیک شیخ امین احسن اصلاحی کی یہ تفسیر اس لیے غلط ہے کہ النساء:۱۵۹ میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر نہیں ہے، اس لیے اس آیت میں ''قَبْلَ مَوْتِهٖ'' سے یہ مراد لینا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے پہلے تمام یہودی آپ پر ایمان لے آئیں گے خلافِ قرآن ہے جب کہ اس آیت کا دوسرا ٹکڑا ''وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ـــ (النساء:۱۵۹)'' (اور قیامت کے دن مسیح ان کے خلاف گواہ ہوں گے) بھی شیخ امین احسن اصلاحی کی تفسیر کے خلاف ہے، ورنہ اس آیت میں یہ اضطراب لازم آئے گا کہ ایک طرف تو اس آیت میں حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہو اور اسی آیت کے دوسرے حصہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر ہو، جب کہ شیخ امین احسن اصلاحی کی یہ تفسیر تمام متقدمین مفسرین بہ شمول دیوبندی مفسرین اور اہلِ حدیث مفسرین اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ترجمہ اور تفسیر کے بھی خلاف ہے۔

ہم نے چالیس (۴۰) معتبر اور مستند مفسرین کے حوالہ جات سے لکھا ہے کہ النساء:۱۵۹ کی تفسیر میں صحیح قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے تمام اہلِ کتاب آپ پر ایمان لے آئیں گے (اگرچہ چالیس سے زیادہ تفاسیر میں اس طرح مذکور ہے

لیکن چونکہ شرعاً چالیس کے عدد کی خاص اہمیت ہے، اس لیے ہم نے صرف چالیس تفاسیر کا حوالہ دیا ہے) لہٰذا امین احسن اصلاحی کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے تمام یہودی آپ پر ایمان لے آئیں گے، کیونکہ اس آیت کے سیاق وسباق میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمین پر نزول، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفات، دجال کی صفات، دجال کے فتنوں، دجال کے قتل، حضرت مہدی کا ظہور، یہودیوں کے قتلِ عام اور علاماتِ قیامت کے متعلق چالیس احادیث حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کا زمین پر نزول

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! عنقریب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے، وہ عدل سے حکم کریں گے، صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ کو ختم کردیں گے اور مال کو بہائیں گے حتیٰ کہ اس کو کوئی قبول نہیں کرے گا۔

(صحیح البخاری: ۲۲۲۲، ۲۴۷۶، ۳۴۴۸، ۳۴۴۹، صحیح مسلم: ۱۵۵، الرقم المسلسل: ۳۸۱، سنن ترمذی: ۲۲۴۰، سنن ابن ماجہ: ۴۰۷۸، سنن ابوداؤد: ۴۳۲۴، مسند احمد: ۱۰۹۴۴، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۸۴۰، صحیح ابن حبان: ۶۸۱۴، شرح السنۃ: ۴۱۷۰)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جسمانی صفات

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام انبیاء باپ شریک بھائی ہیں اور اُن کی مائیں مختلف ہیں اور اُن کا دین واحد ہے، اور میں تمام لوگوں کی بہ نسبت عیسیٰ ابن مریم کے زیادہ قریب ہوں کیونکہ میرے اور اُن کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہے اور بے شک وہ زمین پر نازل ہوں گے، پس جب تم اُن کو دیکھو تو پہچان لینا، اُن کا درمیانی قد ہوگا اور اُن کا رنگ سرخی مائل بہ سفیدی ہوگا اور اُن پر گیرو (زرد) رنگ کی دو چادریں ہوں گی، گویا کہ اُن کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے خواہ اُن کے سر کو تری نہ لگی ہو، پس وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ موقوف کردیں گے اور لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیں گے، اللہ تعالیٰ اُن کے زمانہ میں اسلام کے سوا تمام ادیان کو مٹا دیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں المسیح الدجال کو ہلاک فرما دیں گے، پھر روئے زمین پر امن پھیل جائے گا حتیٰ کہ شیر اونٹوں کے ساتھ ہوں گے اور چیتے گایوں کے ساتھ اور بھیڑیے بکریوں کے ساتھ اور بچے سانپوں سے کھیلیں گے اور سانپ بچوں کو ضرر نہیں پہنچائیں گے، پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین میں چالیس سال ٹھہریں گے، پھر وفات پا جائیں گے اور مسلمان اُن کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے۔

(مسند احمد: ۹۲۵۵، یہ حدیث صحیح ہے۔ المستدرک ج ۲ ص ۵۹۵، سنن ابوداؤد: ۴۳۲۴، صحیح ابن حبان: ۶۸۲۱، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۸۴۵، مصنف عبدالرزاق: ۱۹۳۴۷، صحیح مسلم: ۲۹۴۰، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

قیامت کے وقوع سے پہلے دس علامتیں

(۳) حضرت حذیفہ بن اُسید الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بالاخانہ سے جھانک کر دیکھا اور ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے، آپ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک واقع نہیں ہوگی جب تک کہ تم دس علامتیں نہ دیکھ لو: (۱) سورج کا

مغرب سے طلوع ہونا (٢) دُخان (دھواں)، (٣) دابۃ الارض (٤) یاجوج اور ماجوج کا نکلنا (٥) حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا خروج (٦) دجال کا نکلنا (٧) زمین کا مغرب میں دھنسنا (٨) زمین کا مشرق میں دھنسنا (٩) زمین کا جزیرۃ العرب میں دھنسنا، (١٠) عدن کی گہرائی سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانک کر لے جائے گی اور رات کو لوگوں کے ساتھ رہے گی جہاں بھی لوگ رہیں گے اور دن میں بھی وہ آگ لوگوں کے ساتھ رہے گی جہاں پر وہ رہیں گے۔

(مسند احمد: ١٦١٤٤، اس حدیث کی سند صحیح ہے، تاریخ بغداد للخطیب ج ١٤ ص ٤٤٥، المعجم الکبیر للطبرانی: ٣٠٤٨، ٣٠٤٧)

(٤) نیز حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہم اس وقت قیامت کا ذکر کر رہے تھے، آپ نے پوچھا: تم لوگ کیا ذکر کر رہے تھے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے، آپ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک ہرگز قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ تم دس علامتیں نہ دیکھ لو: (١) الدُخان (٢) دجال (٣) دابۃ الارض، (٤) مغرب سے سورج کا طلوع ہونا (٥) حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا نزول ہونا (٦) یاجوج اور ماجوج (٧) مشرق میں زمین کا دھنسنا، (٨) مغرب میں زمین کا دھنسنا، (٩) جزیرۃ العرب میں زمین کا دھنسنا (١٠) اور آخر میں ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو میدانِ محشر کی طرف ہانک کر لے جائے گی۔

(مسند احمد: ١٦١٤١، (اس حدیث کے تمام رجال صحیح ہیں)، مسند حمیدی: ٨٢٧، المعجم الکبیر للطبرانی: ٣٠٢٩، ٣٠٣٠، ٣٠٣٢، ٣٠٣٣، ٣٠٣٤، ٣٠٦٠، صحیح مسلم: ٢٩٠١، شرح السنہ: ٤٢٥٠، الآحاد والمثانی: ١٠١٣، صحیح ابن حبان: ٦٨٤٣، مسند ابوداؤد الطیالسی: ١٠٦٧، سنن ابوداؤد: ٤٣١١، سنن ترمذی: ٢١٨٣، سنن نسائی فی الکبریٰ: ١١٣٨٠، ١١٤٨٢)

از خود وقتِ وقوعِ قیامت کے علم کا اللہ عزوجل کے ساتھ مخصوص ہونا

(٥) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس رات مجھے معراج کرائی گئی اس رات میری حضرت ابراہیم سے، حضرت موسیٰ سے اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات ہوئی، آپ نے فرمایا: وہ سب قیامت کے متعلق باتیں کر رہے تھے، پس انہوں نے وقوعِ قیامت کی خبر کو حضرت ابراہیم کی طرف لوٹایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: مجھے اس کے متعلق علم نہیں ہے، پھر انہوں نے اس خبر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا دیا، سو انہوں نے کہا: مجھے بھی اس کا کوئی علم نہیں ہے، پھر انہوں نے اس خبر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا دیا تو انہوں نے کہا: رہا قیامت کا وقوع تو اس کو اللہ عزوجل کے سوا (از خود) کوئی نہیں جانتا اور مجھ سے میرے رب عزوجل نے یہ عہد لیا کہ دجال کا خروج ہوگا اور میرے ساتھ دو باریک تلواریں ہوں گی، پس جب دجال مجھے دیکھے گا تو اس طرح پگھل جائے گا جس طرح سیسہ پگھل جاتا ہے، پس اللہ اس کو ہلاک فرما دیں گے حتیٰ کہ پتھر اور درخت کہیں گے: اے مسلمان! بے شک میرے نیچے کافر ہے، پس آگے بڑھ اور اس کو قتل کر دے، پس اللہ ان کو ہلاک فرما دیں گے، پھر لوگ اپنے اپنے ملکوں اور اپنے اپنے وطنوں کی طرف لوٹ جائیں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: پھر اس وقت یاجوج اور ماجوج کا خروج ہوگا اور وہ ہر بلندی سے بھاگتے ہوئے آ جائیں گے، پس وہ لوگوں کے ملکوں یا شہروں کو روند ڈالیں گے، اور جس چیز سے بھی گزریں گے اس کو ہلاک کر دیں گے اور جس پانی کے پاس سے گزریں گے سب پانی پی جائیں گے، پھر لوگ میرے پاس آئیں گے اور یاجوج ماجوج کی شکایت کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ سے اُن کے خلاف دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ یاجوج اور ماجوج کو مار دیں گے حتیٰ کہ پوری

زمین ان کی لاشوں کی بدبو سے بھر جائے گی، پھر اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائیں گے جو اُن کی لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گی، پھر پہاڑوں کو دھنک ڈالا جائے گا اور زمین کو چمڑے کی طرح کھینچ کر پھیلا دیا جائے گا اور اللہ عزوجل نے مجھ سے یہ عہد لیا کہ جب اس طرح ہوگا تو قیامت عنقریب آنے والی ہوگی اور کسی کو (از خود) پتا نہیں ہوگا کہ وہ کس وقت آئے گی رات کو یا دن کو۔

(مسند احمد: ٣٥٥٦، مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٥ ص ١٥٧، ١٥٨، سنن ابن ماجہ: ٤٠٨١، مسند ابویعلیٰ: ٥٢٩٤، المستدرک ج ٤ ص ٤٨٨، ٤٨٩، اس حدیث کی سند ضعیف ہے)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ہر کتابی کا آپ پر ایمان لانا

(٦) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے حکم کرنے والے، عدل کرنے والے، پس وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ ختم کر دیں گے اور مال اتنا بہائیں گے کہ اسے کوئی ایک بھی قبول نہیں کرے گا حتیٰ کہ اس وقت ایک سجدہ کرنا دنیا اور مافیہا سے بہتر ہوگا، پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: ” وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا۔ (النساء: ١٥٩)“ (اور (نزولِ مسیح کے وقت) اہلِ کتاب میں سے ہر شخص مسیح کی وفات سے پہلے اُن پر ضرور بہ ضرور ایمان لائے گا اور قیامت کے دن مسیح ان کے خلاف گواہ ہوں گے)۔ (صحیح البخاری: ٣٤٤٨)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کا امام ہونا

(٧) حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی جب ابن مریم تم میں نازل ہوں گے اور امام تم میں سے کوئی ایک ہوگا۔

(صحیح البخاری: ٣٤٤٩، صحیح مسلم: ١٥٥، مسند احمد: ٨٤٢٦)

المسیح الدجال کی جسمانی صفات

(٨) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے المسیح الدجال کا ذکر کیا، پس آپ نے فرمایا: بے شک اللہ کانا نہیں ہے اور سنو المسیح الدجال کانا ہوگا، اس کی دائیں آنکھ انگور کے دانے کی طرح ابھری ہوئی ہوگی، نیز فرمایا: آج رات اللہ تعالیٰ نے خواب میں مجھے کعبہ کے پاس ایک مرد دکھایا جو مردوں میں گندمی رنگ کا انتہائی حسین مرد تھا، اس کی زلفیں کندھوں کے درمیان تھیں، سیدھے بال تھے اور اس سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، وہ دو مردوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے اور کعبہ کا طواف کر رہے تھے، میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ تو فرشتوں نے بتایا کہ یہ مسیح ابن مریم ہیں، پھر میں نے اُن کے پیچھے ایک مرد کو دیکھا جس کے گھونگھریالے بال تھے اور اس کی دائیں آنکھ ابھری ہوئی تھی اور وہ ابن قطن کے مشابہ تھا، اور وہ بھی دو مردوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا اور وہ بھی بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ تو فرشتوں نے بتایا: یہ المسیح الدجال ہے۔ (صحیح البخاری: ٣٤٣٩، ٣٤٤٠، ٣٤٤١، سنن ترمذی: ٢٢٤١، مسند احمد: ٦١٠٩، موطا امام مالک: ١٧٠٨)

(اس حدیث کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر اس طرح دلالت ہے کہ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو المسیح الدجال کے ساتھ دیکھا اور المسیح الدجال کا ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کے بعد ہوگا، اور ہر چند کہ آپ نے خواب دیکھا تھا لیکن انبیاء علیہم السلام کے

خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ)

(۹) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: اللہ کی قسم! نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سرخ رنگ کے ہیں، لیکن آپ نے فرمایا تھا کہ جس وقت میں نیند میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا تو میں نے ایک مرد کو دیکھا جس کے بال سیدھے تھے، وہ دو مردوں کے درمیان سہارے سے چل رہے تھے، اُن کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ حضرت ابن مریم ہیں، پھر میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ ایک سرخ رنگ کا بھاری بھرکم مرد تھا، اس کے بال گھونگھریالے تھے اور اس کی دائیں آنکھ کانی تھی گویا کہ وہ انگور کا دانہ ہو، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ مسیح الدجال ہے جو ابن قطن کے مشابہ ہے، الزہری نے کہا: ابن قطن قبیلہ خزاعہ کا ایک مرد تھا جو زمانہ جاہلیت میں مر گیا تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۴۴۱، مسند احمد: ٦٢٧٦)

حیاتِ مسیح پر قرآن مجید سے استدلال

(۱۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! عنقریب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے، احکام نافذ کرنے والے، عدل کرنے والے، وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ موقوف کر دیں گے اور اس قدر مال لٹائیں گے کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا حتیٰ کہ ایک سجدہ کرنا دنیا اور مافیہا سے بہتر ہوگا اور تم چاہو تو (اس کی تصدیق میں) یہ آیت پڑھو: وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (النساء: ۱۵۹)'' اور (نزولِ مسیح کے وقت) اہلِ کتاب میں سے ہر شخص مسیح کی وفات سے پہلے اُن پر ضرور بہ ضرور ایمان لائے گا)۔

(صحیح البخاری: ۳۴۴۸، صحیح مسلم: ۲۴۲، سنن ترمذی: ۲۲۳۳، سنن ابن ماجہ: ۴۰۷۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۹۴۳، صحیح ابن حبان: ٦٨١٨، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۸۴۰، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۹۳۴۱، شرح السنہ: ۴۲۷۰)

اس اشکال کا جواب کہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جزیہ کو منسوخ کر دیں گے حالانکہ جزیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشروع فرمایا تھا

میں کہتا ہوں: ان احادیث میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جزیہ کو موقوف کر دیں گے، حالانکہ جزیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشروع فرمایا تھا، اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام منسوخ فرمائیں گے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تمام شرائع سابقہ کو منسوخ فرمانے والے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جزیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے منسوخ فرمایا ہے اور ان احادیث میں یہ بیان فرمایا ہے کہ جزیہ کا حکم اس وقت تک نافذ العمل رہے گا جب تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول نہیں ہوگا، سو ان احادیث میں آپ نے جزیہ کی مشروعیت کی مدت بیان فرمائی ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ جزیہ یہود و نصاریٰ پر عائد ہوتا ہے اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر نازل ہوں گے تو تمام یہود و نصاریٰ اسلام قبول کر چکے ہوں گے، لہٰذا اب نہ کسی کے خلاف جہاد کی ضرورت ہوگی اور نہ کسی پر جزیہ عائد کرنے کی ضرورت ہوگی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(۱۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر

قائم رہ کر جنگ کرتی رہے گی اور وہ قیامت تک غالب رہے گی حتیٰ کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے، ان (مسلمانوں) کا امیر کہے گا: آیئے آپ ہم کو نماز پڑھایئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس امت کی عزت افزائی کے لیے فرمائیں گے: نہیں تمہارے بعض، بعض پر امیر ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۴، ۳۴۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کی زیارت کرنا

(۱۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عیسیٰ ابن مریم ضرور نازل ہوں گے، احکام نافذ کرنے والے، انصاف کرنے والے امام عادل ہوں گے، وہ ضرور راستوں پر حج یا عمرہ کرنے جائیں گے، وہ ضرور میری قبر پر آئیں گے اور مجھ کو سلام کریں گے اور میں اُن کے سلام کا جواب دوں گا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے (راوی سے) کہا: اے میرے بھتیجے! اگر تمہاری اُن سے ملاقات ہو تو ان کو میرا سلام کہنا۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ امام ذہبی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۹۵، دارالباز مکہ مکرمہ، المطالب العالیہ، ج ۴ ص ۲۳)

دجال کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں سے مقتول ہونا

(۱۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ رومی اعماق یا دابق (شام کے دو مقامات جو حلب کے قریب ہیں) نہ پہنچ جائیں، پھر ان (سے لڑنے) کے لیے مدینہ سے ایک لشکر روانہ ہوگا، وہ اس وقت روئے زمین پر سب سے نیک لوگ ہوں گے، جب دونوں لشکر صف آراء ہوں گے تو رومی (مسلمانوں سے) کہیں گے: تم ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان نہ آؤ جنہوں نے ہمارے کچھ لوگوں کو قیدی بنالیا ہے، مسلمان کہیں گے: نہیں بہ خدا ہم تم کو اپنے بھائیوں سے لڑنے کے لیے نہیں چھوڑیں گے، پھر وہ ان سے لڑیں گے تو ان میں سے ایک تہائی مسلمان بھاگ جائیں گے، اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کبھی قبول نہیں فرمائیں گے اور ایک تہائی مسلمان قتل کر دیئے جائیں گے، وہ اللہ کے نزدیک افضل الشہداء ہوں گے، بقیہ تہائی فتح حاصل کریں گے، وہ کبھی آزمائش میں مبتلا نہیں ہوں گے، وہ قسطنطنیہ کو فتح کرلیں گے، جس وقت وہ مال غنیمت کو تقسیم کریں گے اور اپنی تلواریں زیتون کے درختوں پر لٹکا دیں گے تو اچانک شیطان چیخ مار کر کہے گا: تمہارے بال بچوں کے پاس مسیح دجال پہنچ گیا ہے، مسلمان وہاں سے نکل پڑیں گے، حالانکہ یہ خبر غلط ہوگی، جب یہ ملک شام پہنچیں گے تب دجال نکلے گا، جس وقت وہ لڑائی کے لیے صفیں درست کریں گے اور نماز قائم کی جائے گی تو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اور وہ مسلمانوں کو نماز پڑھائیں گے، اور جب اللہ کا دشمن (دجال) ان کو دیکھے گا تو وہ اس طرح پگھل جائے گا جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے، اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کو چھوڑ دیتے تب بھی وہ پگھل کر ہلاک ہو جاتا، لیکن اللہ ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل فرمائیں گے اور ان کے نیزے پر اس کا خون (لوگوں کو) دکھائیں گے۔ (صحیح مسلم: ۲۸۹۷)

ہندوستان میں جہاد کرنے والے مسلمانوں کے لیے بشارت

(۱۴) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری امت کی دو جماعتوں کو اللہ تعالیٰ آگ سے محفوظ رکھیں گے، ایک وہ جماعت جو ہند میں جہاد کرے گی، دوسری وہ جماعت جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوگی۔

(سنن نسائی: ۳۱۷۵، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۷۴۳، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۸۲)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اسلام کے سوا باقی مذاہب کا مٹ جانا

(۱۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور وہ (آسمان سے) نازل ہوں گے، جب تم ان کو دیکھو گے تو پہچان لو گے، ان کا رنگ سرخی آمیز سفید ہوگا، قد متوسط ہوگا، دو ہلکے زرد حُلّے پہنے ہوئے ہوں گے، ان پر تری نہیں ہوگی لیکن گویا ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے، وہ لوگوں سے اسلام پر قتال کریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، جزیہ موقوف کر دیں گے، اللہ ان کے زمانہ میں اسلام کے سوا باقی تمام مذاہب کو مٹا دیں گے، وہ مسیح دجال کو ہلاک کریں گے، چالیس سال زمین میں قیام کرنے کے بعد وفات پائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

(سنن ابوداؤد: ۴۳۲۴، مسند احمد: ۹۶۳۲، جامع البیان جز ۶ ص ۱۶، دار المعرفہ)

فلسطین میں دجال کا قتل کیا جانا

(۱۶) حضرت مجمع بن جاریہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابن مریم، دجال کو ''لد'' (بیت المقدس کے قریب فلسطین کی ایک بستی ہے) کے دروازے کے قریب قتل کریں گے۔

(سنن ترمذی: ۲۲۵۱، مسند احمد: ۱۵۴۶۶، المعجم الکبیر: ۱۰۷۷، مسند الطیالسی: ۱۲۲۷، مصنف عبد الرزاق: ۲۰۸۳۵، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۹۳۳۹)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں مال کی کثرت

(۱۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک تم میں عیسیٰ ابن مریم نازل نہ ہو جائیں، احکام نافذ کرنے والے، عدل کرنے والے، وہ صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ کو موقوف کر دیں گے، اور اس قدر مال عطا کریں گے کہ اس کو لینے والا کوئی نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۲۲۴۷۶، صحیح مسلم: ۱۵۵، سنن ابن ماجہ: ۴۰۷۸، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۹۳۴۱)

(۱۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا، پس میں شفاعت کروں گا، اور میری امت کے لوگ عنقریب عیسیٰ ابن مریم کو پائیں گے اور دجال سے قتال کا مشاہدہ کریں گے۔

(المعجم الاوسط: ۲۱۷۴، حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے، المستدرک ج ۴ ص ۵۴۴، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۴۹)

(۱۹) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص عیسیٰ ابن مریم کو پائے ان کو میری طرف سے سلام کہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۴ ص ۵۴۵)

(۲۰) حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تک دس علامتیں (ظاہر) نہ ہوں قیامت قائم نہیں ہوگی، مشرق میں زمین دھنس جائے گی، اور مغرب میں اور جزیرہ عرب میں، اور دجال کا خروج ہوگا اور دھوئیں کا ظہور ہوگا اور عیسیٰ (علیہ السلام) کا نزول ہوگا، اور یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض، اور سورج کا مغرب سے طلوع، اور عدن کے وسط سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو محشر کی طرف لے جائے گی۔ (المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۷۹۔۸۰، المستدرک ج ۴ ص ۴۲۸، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۲۸)

دجال کا فتنہ اور فتنۂ دجال سے محفوظ رہنے والے

(۲۱) حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دجال کے متعلق ہمیں بہت طویل خطبہ دیا، آپ نے فرمایا: اور دجال کے فتنوں میں سے یہ ہے کہ وہ آسمان کو بارش برسانے کا حکم دے گا تو بارش ہوگی، اور زمین کو درخت اگانے کا حکم دے گا تو زمین درخت اگائے گی اور اس کے فتنوں میں سے یہ ہے کہ وہ ایک قبیلہ کے پاس سے گزرے گا تو وہ اس کی تکذیب کریں گے سو ان کے تمام مویشی ہلاک ہو جائیں گے، اور اس کے فتنوں میں سے یہ ہے کہ وہ ایک قبیلہ کے پاس سے گزرے گا تو وہ اس کی تصدیق کریں گے تو وہ آسمان کو بارش کا حکم دے گا تو بارش ہو جائے گی اور زمین کو سبزہ اگانے کا حکم دے گا تو زمین سبزہ اگائے گی حتیٰ کہ ان کے مویشی چریں گے، اور وہ پہلے سے بہت موٹے اور فربہ ہو جائیں گے، ان کی کوکھیں بھری ہوئی ہوں گی اور ان کے تھن دودھ سے پُر ہوں گے، وہ تمام روئے زمین کا سفر کر کے اس پر غلبہ حاصل کرے گا ماسوا مکہ اور مدینہ کے، ان کے درمیان پہاڑی راستوں پر وہ نہیں جا سکے گا اور ہر راستہ پر فرشتے تلواریں سونتے کھڑے ہوں گے، حتیٰ کہ وہ بنجر زمین میں ایک چھوٹی پہاڑی پر اترے گا، پھر مدینہ میں تین زلزلے آئیں گے اور ہر منافق مرد اور ہر منافق عورت نکل کر اس کی طرف آجائیں گے، سو مدینہ اپنے میل کچیل کو اس طرح نکال دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے زنگ کو نکال دیتی ہے، اور وہ دن یوم نجات کہلائے گا، پھر ام شریک بن العکر نے کہا: یا رسول اللہ! اس دن عرب کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: عرب اس دن کم ہوں گے، اور وہ سب بیت المقدس میں ہوں گے اور ان کا امام ایک نیک شخص ہوگا، جس وقت ان کا امام ان کو صبح کی نماز پڑھا رہا ہوگا اس وقت صبح کو عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) نازل ہوں گے، وہ امام الٹے پیر پیچھے ہٹ جائے گا تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں، پھر عیسیٰ علیہ السلام اپنا ہاتھ اس کے دو کندھوں پر رکھ کر فرمائیں گے: آگے بڑھو، نماز پڑھاؤ اقامت تمہارے لیے کہی گئی ہے، پھر ان کا امام ان کو نماز پڑھائے گا، جب وہ نماز پڑھ لے گا تو عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: (مسجد کا) دروازہ کھول دو، دروازہ کھولا جائے گا تو اس کے پیچھے ستر ہزار یہودیوں کے ساتھ دجال ہوگا، وہ سب موٹی چادریں اوڑھے تلواروں سے مسلح ہوں گے، جب دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھے گا تو اس طرح پگھل جائے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے اور وہ وہاں سے بھاگے گا، عیسیٰ (علیہ السلام) فرمائیں گے: میں تجھے ایک ایسی ضرب لگاؤں گا جس سے تو زندہ نہ رہ سکے گا، وہ جس چیز کے پیچھے جا کر چھپیں گے وہ چیز بتا دے گی یہاں یہودی چھپا ہوا ہے خواہ وہ پتھر ہو، درخت ہو، دیوار ہو یا کوئی جانور ہو۔ اس سے آواز آئے گی: اے اللہ کے مسلمان بندے! یہ یہودی ہے اس کو قتل کر دے۔ الحدیث بطولہ۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۰۷۷، المستدرک ج ۴ ص ۵۳۶، شرح المواهب اللدنیہ ج ۶ ص ۵۳، ۶۱)

جامع دمشق کے مشرقی کنارہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول

(۲۲) حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام جامع دمشق کے سفید مشرقی کنارہ کے پاس نازل ہوں گے۔ (المعجم الکبیر: ۵۹۰، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۰۵، الجامع الصغیر: ۱۰۰۲۳، الجامع الکبیر: ۲۸۹۰۴، تہذیب تاریخ دمشق ج ۵ ص ۳۰۴)

بعض مسلمانوں کا قیامت تک غالب رہنا

(۲۳) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے بعض لوگ ہمیشہ حق پر قائم رہیں گے، جوان سے عداوت رکھے گا ان پر غالب رہیں گے، حتیٰ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم آجائے گا، اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے۔ (مسند احمد: ۱۹۸۵۱، یہ حدیث صحیح ہے، اقامۃ البیان ص ۵۸)

اصفہان سے دجال کا خروج

(۲۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے درآں حالیکہ میں رو رہی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کس وجہ سے رو رہی ہو؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں دجال کو یاد کر کے رو رہی ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر (بالفرض) وہ میری زندگی میں نکلا تو میں اس کے لیے کافی ہوں، اور اگر میرے بعد دجال نکلا تو تمہارا رب عزوجل کانا نہیں ہے، وہ اصفہان (ایران کا ایک شہر) کے یہودیوں میں سے نکلے گا، حتیٰ کہ مدینہ پہنچے گا اور اس کی ایک جانب میں ٹھہرے گا، اس دن مدینہ کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دو پہاڑوں کے درمیانی راستہ میں دو فرشتے ہوں گے، اور سب برے لوگ دجال کے ساتھ آملیں گے حتیٰ کہ وہ شام میں پہنچے گا اور فلسطین کی بستی ''لد'' کے دروازہ میں آئے گا، پھر عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور اس کو قتل کر دیں گے، پھر عیسیٰ علیہ السلام زمین پر چالیس سال ٹھہریں گے، درآں حالیکہ وہ امام عادل، اور انصاف کرنے والے حاکم ہوں گے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۹۳۲۰، مسند احمد: ۲۴۴۶۷، اس حدیث کے راوی صحیح اور ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۳۸)

(۲۵) حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سے اللہ نے آدم کو پیدا فرمایا ہے اس وقت سے قیامت تک دجال سے بڑا فتنہ روئے زمین پر نازل نہیں کیا اور میں تم کو اس کے متعلق ایسی بات بتاتا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نبی نے نہیں بتائی، وہ گندمی رنگ کا ہوگا، اس کے بال گھنگھریالے ہوں گے اور اس کی بائیں آنکھ رگڑی ہوئی ہوگی۔ اس کی دونوں آنکھوں پر دبیز گوشت چڑھا ہوگا، وہ کہے گا: میں تمہارا رب ہوں، سو جس نے کہہ دیا کہ میرا رب اللہ ہے وہ کسی آزمائش میں نہیں پڑے گا، اور جس نے کہہ دیا تو میرا رب ہے وہ آزمائش میں پڑ جائے گا، جب تک اللہ چاہیں گے وہ تم میں ٹھہرے گا، پھر عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے، درآں حالیکہ وہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور آپ کی ملت پر ہوں گے، امام مہدی حاکم اور عادل ہوں گے سو وہ دجال کو قتل کر دیں گے۔ (المعجم الاوسط: ۴۵۷۷، اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۳۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں امن اور عافیت کی کثرت

(۲۶) طاؤس روایت کرتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے درآں حالیکہ وہ امام اور ہادی ہوں گے اور عدل وانصاف کرنے والے، جب وہ نازل ہوں گے تو صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے، اور سب لوگ ایک ہی ملت پر ہوں گے، ان کے احکام زمین پر نافذ ہوں گے حتیٰ کہ شیر گائے کے ساتھ بیل کی طرح چلے گا اور بھیڑیا بکریوں کے ساتھ کتے کی طرح۔ (مصنف عبدالرزاق: ۲۰۸۴۳)

(۲۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام انبیاء باپ شریک بھائی ہیں، ان کا دین واحد ہے

اوران کی مائیں (شریعتیں) مختلف ہیں، ان میں میرے سب سے زیادہ قریب عیسیٰ ابن مریم ہیں کیونکہ میرے اوران کے درمیان کوئی رسول نہیں ہے، وہ ضرور تم میں نازل ہوں گے، ان کو پہچان لینا وہ متوسط القامت اور سرخی مائل سفید ہوں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، ان کی دعوت صرف ایک ہوگی رب العالمین کے لیے، ان کے زمانہ میں عدل ہوگا حتیٰ کہ شیر گایوں کے ساتھ اور بھیڑیا بکریوں اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے اور کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ (مصنف عبدالرزاق ٢٠٨٤٥، مصنف ابن ابی شیبہ: ١٩٣٤٢)

(٢٨) یزید بن اصم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ تم دیکھتے ہو کہ میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں، اور بڑھاپے کی وجہ سے میں جاں بلب ہو رہا ہوں اور بہ خدا! مجھے امید ہے کہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پالوں گا اور ان کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث بیان کروں گا اور وہ میری تصدیق کریں گے۔ (مصنف عبدالرزاق: ٢٠٨٤٦)

یہودیوں کا قتلِ عام

(٢٩) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے، جب دجال ان کو دیکھے گا تو اس طرح پگھل جائے گا جس طرح چربی پگھل جاتی ہے، پھر دجال قتل کر دیا جائے گا اور یہود اس سے منتشر ہو جائیں گے، پس ان کو قتل کیا جائے گا حتیٰ کہ پتھر کہے گا: اے اللہ کے مسلمان بندے! یہ یہودی ہے اس کو قتل کر دے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ١٩٣٤٠)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حج یا عمرہ کرنا

(٣٠) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے! فج روحاء میں ضرور حضرت عیسیٰ علیہ السلام حج یا عمرہ یا قران کا تلبیہ پڑھیں گے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ١٩٣٤٢، شرح السنہ: ٤١٧٢)

تنبیہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر نزول سے پہلے حج کریں گے یا زمین پر نزول کے بعد حج کریں گے۔

(٣١) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مسیح کے خروج کے لیے مسجد کی تجدید کی جائے گی، وہ عنقریب نکلیں گے، صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے، جو شخص ان کو پائے گا وہ ان پر ایمان لے آئے گا، تم میں سے جو شخص ان کو پائے وہ ان کو میرا اسلام پہنچائے، پھر انہوں نے میری طرف (یعنی ابن المغیرہ کی طرف) توجہ کی اور کہا: میرے خیال میں تم سب سے کم عمر ہو، پس اگر تم ان کو پاؤ تو میرا اسلام کہنا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ١٩٣٤٣)

(٣٢) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سنو عیسیٰ ابن مریم اور میرے درمیان کوئی نبی ہے نہ کوئی رسول ہے، سنو وہ میری امت میں میرے بعد خلیفہ ہوں گے، سنو وہ دجال کو قتل کریں گے، اور صلیب کو توڑ دیں گے، اور جزیہ کو موقوف کریں گے اور جنگ اپنے بوجھ اتار دے گی، سنو تم میں سے جو شخص ان کو پائے وہ انہیں میرا اسلام پہنچا دے۔ (المعجم الصغیر: ٧٢٥، المعجم الاوسط: ٤٨٩٥)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لوگوں میں چالیس سال تک ٹھہرنا

(٣٣) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے اور لوگوں میں چالیس سال ٹھہریں گے۔ (المعجم الاوسط ج ٦، رقم الحدیث ٥٤٦٠)

دجال کا کانا ہونا

(۳۴) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دجال نکلنے والا ہے، وہ کانا ہوگا اس کی بائیں آنکھ پر ناخن کے برابر دبیز گوشت ہوگا، وہ مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست کرے گا، اور مردوں کو زندہ کرے گا، اور لوگوں سے کہے گا: میں تمہارا رب ہوں، پس جس نے کہا: تو میرا رب ہے وہ فتنہ میں پڑ گیا اور جس نے کہا: میرا رب اللہ ہے حتیٰ کہ مر گیا وہ دجال کے فتنہ سے بچ گیا اور اس پر کوئی فتنہ نہیں ہوگا، جب تک اللہ چاہیں گے وہ زمین پر ٹھہرے گا، پھر مغرب کی طرف سے عیسیٰ ابن مریم نکلیں گے، وہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کریں گے، اور دجال کو قتل کریں گے اور یہی قیامت کا قائم ہونا ہے۔

(المعجم الکبیر: ۶۹۱۸، مسند احمد ۲۰۱۵۱، کشف الاستار عن زوائد البزار: ۳۳۹۸)

(۳۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالقاسم صادق مصدوق (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: جس زمانہ میں لوگوں کا اختلاف اور فرقے ہوں گے اس زمانہ میں کانا دجال مسیح الضلالہ مشرق کی طرف سے نکلے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس کو چالیس دن میں جہاں تک چاہیں گے زمین پر پہنچائیں گے، اس کی مسافت کی مقدار کا اللہ ہی کو علم ہے، اور مسلمان بہت سختی اٹھائیں گے، پھر عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے، پس وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے، جب وہ رکوع سے سر اٹھائیں گے، تو کہیں گے سمع اللہ لمن حمدہ، اللہ تعالیٰ مسیح دجال کو قتل فرما دیں گے اور مسلمانوں کو غالب فرما دیں گے، اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(کشف الاستار عن زوائد البزار: ۳۳۸۷)

دجال کی مدینہ میں دخول سے ممانعت

(۳۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دجال مدینہ میں داخل نہیں ہوگا، کیونکہ خندق اور مدینہ کے ہر راستہ میں فرشتے اس کی حفاظت کر رہے ہیں، سب سے پہلے عورتیں اور باندیاں اس کی اتباع کریں گی، پھر وہ چلا جائے گا، پھر لوگ اس کی اتباع کریں گے، پھر وہ غصہ میں بھر کر واپس جائے گا حتیٰ کہ خندق میں گر جائے گا، اس وقت عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) نازل ہوں گے۔ (المعجم الاوسط: ۵۴۶۱)

(۳۷) امام محمد بن سعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے، وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور لوگوں کو ایک دین پر جمع کریں گے، اور جزیہ کو موقوف کریں گے۔

(جامع الاحادیث الکبیر: ۲۸۹۰۵)

(۳۸) امام دیلمی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روئے زمین کے آٹھ سو بہترین مرد اور چار سو بہترین عورتوں پر عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کا نزول ہوگا۔ (جامع الاحادیث الکبیر: ۲۸۹۰۶)

(۳۹) امام ابوداؤد الطیالسی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ دجال پر حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کے سوا اور کسی کو مسلط نہیں کیا جائے گا۔ (الجامع الصغیر: ۲۶۳۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت لوگوں کے دلوں سے بغض اور کینہ نکل جانا

(۴۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! ابن مریم ضرور نازل ہوں گے اور احکام نافذ کرنے والے، عدل کرنے والے، وہ صلیب کو ضرور توڑیں گے، خنزیر کو ضرور قتل کریں گے، اور جزیہ کو ضرور موقوف کریں گے اور ضرور اونٹنیوں کو چھوڑ دیا جائے گا اور کوئی ان پر ڈاکہ نہیں ڈالے گا، اور کینہ، بغض اور حسد ضرور نکل جائے گا اور وہ مال کی طرف بلائیں گے سو اُس کو کوئی قبول نہیں کرے گا۔ (شرح السنہ: ۴۱۷۱)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس یہودیوں کے (مسلسل) ظلم کی وجہ سے ہم نے اُن پر کئی ایسی حلال چیزیں حرام فرمادیں جو اُن پر حلال فرمائی گئی تھیں اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہ کثرت روکتے تھے O'' (النساء: ۱۶۰)

یہودیوں کے اپنی جانوں پر مسلسل مظالم اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے سبب سے اُن پر حلال شدہ طعام کو حرام فرمادینا

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ، النساء: ۱۶۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِیۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَیۡهِمۡ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَهُمۡ'': اس آیت میں اللہ جل شانہٗ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ چونکہ یہود نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے مستحکم وعدے کو توڑ ڈالا تھا اور اللہ تعالیٰ کی متعدد آیات کا انکار کیا تھا اور انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کیا تھا اور حضرت مریم علیہا السلام پر ناجائز بہتان باندھا تھا اور اُن کی دیگر نافرمانیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے اوپر اُن حلال اور طیب چیزوں کو حرام فرمادیا جو پچھلی امتوں پر حلال تھیں اور یہ اُن کے اپنی جان پر کیے ہوئے ظلم کی سزا ہے۔

''وَبِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ کَثِیۡرًا'': یعنی وہ اللہ کے بندوں کو اُس کے دین کے راستہ سے روکتے تھے اور اس کی شریعت پر عمل کرنے سے منع کرتے تھے، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف کردی تھی اور ان میں سے سب سے بڑا ظلم یہ تھا کہ انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا تھا اور جن آیات میں آپ کی نبوت کی نشانیاں اور آپ کی صفات تھیں اُن کو بدل ڈالا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اُن کے سود لینے کی وجہ سے بھی حالانکہ اُن کو سود لینے سے منع فرمایا گیا تھا، اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے، اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار فرما رکھا ہے O'' (النساء: ۱۶۱)

''وَاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ'': وہ لوگوں کو قرض دے کر مدتِ مقررہ گزرنے کے بعد اپنی اصل رقم سے زائد لیتے تھے اور یہی ربا اور سود ہے جس کو لینے سے انہیں منع فرمایا گیا تھا۔

''وَاَکۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ'': یعنی وہ اپنی مرضی کے مطابق ناجائز فیصلہ کرانے کے لیے حکام کو رشوت دیتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''وَتَرٰی کَثِیۡرًا مِّنۡهُمۡ یُسَارِعُوۡنَ فِی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَاَکۡلِهِمُ السُّحۡتَ ؕ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا

یَعْمَلُوْنَ ۝ لَوْ لَا یَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ۝ (المائدہ: ٦٢ - ٦٣)''((اور اے رسولِ اکرم!) آپ ان یہودیوں میں سے بہت لوگوں کو دیکھیں گے جو نافرمانی کرنے اور حرام کھانے میں بہت تیزی سے دوڑتے ہیں، وہ ضرور بہت برا کام کرتے ہیں O ان کے علماء اور راہب ان کو ان کے گناہ کی باتوں سے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے! ضرور وہ بہت برے کاموں میں مصروف ہیں O)۔

یہود اپنے ہاتھوں سے جو کتاب میں اضافہ، ترمیم اور تحریف کرتے تھے اس کے معاوضہ میں جو رقم لیتے تھے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کے اموال ناحق کھاتے تھے، وہ اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے اور پھر کہتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس جرم کی ان کو یہ سزا دی کہ پچھلی امتوں پر کھانے کی جو چیزیں حلال تھیں وہ اُن پر حرام فرما دیں۔

''وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا'': یعنی یہود اللہ عزوجل کا کفر کرتے تھے اور اس کے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کفر کرتے تھے، اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اُن کیلئے دردناک عذاب تیار فرما رکھا ہے، جس عذاب میں وہ آخرت میں داخل ہوں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''لیکن اِن میں سے جو پختہ علم والے ہیں اور مومنین ہیں وہ اُس پر ایمان لاتے ہیں جو اے رسولِ اکرم! آپ پر نازل فرمایا گیا ہے اور جو آپ سے پہلے انبیاء پر نازل فرمایا گیا ہے، اور جو لوگ نماز قائم رکھنے والے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں اور وہ لوگ اللہ پر اور آخرت پر پختہ ایمان رکھنے والے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم عنقریب اجرِ عظیم عطاء فرمائیں گے O'' (النساء: ١٦٢)

''الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ'' کے مصادیق

''لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ'': یعنی جو اللہ عزوجل کی آیات کے احکام پر ایمان لانے میں راسخ ہیں اور وہ انبیاء علیہم السلام اور متقین ہیں۔

''وَ الْمُؤْمِنُوْنَ'': یعنی جو لوگ اللہ عزوجل اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور قرآن پر ایمان لاتے ہیں جس کو اے رسولِ اکرم! صلی اللہ علیک وسلم! اللہ نے آپ پر نازل فرمایا ہے اور اُن کتابوں پر ایمان لاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ سے پہلے انبیاء اور رُسل پر نازل فرمائیں، اور وہ آپ سے اس طرح سوال نہیں کرتے جس طرح یہود میں سے جاہلوں نے سوال کیا تھا کہ اُن کے اوپر آسمان سے کوئی کتاب نازل کی جائے، کیونکہ انہوں نے اللہ کی نازل کی ہوئی کتابوں میں سے اور انبیاء علیہم السلام کے ارشادات میں سے اس کو بہ خوبی جان لیا تھا کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور آپ کی پیروی کرنا واجب ہے اور آپ کے ہوتے ہوئے کسی اور کی پیروی کرنا جائز نہیں ہے، للہذا انہیں اس سوال کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ آپ سے وہ کوئی اور معجزہ طلب کریں اور کیونکہ آپ کی نبوت کے اوپر بہ کثرت معجزات آچکے ہیں، اس لیے اُن کا اس پر قوی ایمان ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

(تاریخ مدینہ لابن شبہ ج ٣ ص ١٠١٤، ابن ابو داؤد فی المصاحف ص ٣٣، مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ ج ١٥ ص ٢٥٥)

''وَ الْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ'' کے اعراب میں نصب کی متعدد توجیہات

''وَ الْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ وَ الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِیْهِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا'':

اس آیت میں فرمایا ہے'' وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ ''اور نحوی اعتبار سے ہونا چاہیے تھا'' والمقیمون الصلوٰة'' کیونکہ ترکیب میں یہ مبتدا واقع ہے اور مبتدا مرفوع ہوتا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس پر عطف ہے'' وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ''اور یہ بھی مرفوع ہیں۔

(۱) عروہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے'' وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ '' کے متعلق سوال کیا، اور اسی طرح'' اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ ۔۔۔ (طٰہٰ: ٦٣)'' کے متعلق سوال کیا، کیونکہ یہ اِنْ، اِنَّ کا مخففہ ہے اور اس کا اسم منصوب ہوتا ہے اس لیے نحوی اعتبار سے یہ لفظ ان ھذین ہونا چاہیے تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: اے میرے بھانجے! قرآن مجید کے لکھنے والوں نے اسی طرح لکھا ہے اور یہ اُن کی اعراب لکھنے میں خطاء ہے۔

(معانی القرآن للفراء ج ۱ ص ۱۰۶، فضائل القرآن لابی عبید ص ۱۶۰۔۱۶۱، سنن سعید بن منصور: ۷۶۹، تفسیر ابن ابوداؤد فی المصاحف ص ۳۴، تاریخ المدینۃ لابن شبہ ج ۳ ص ۱۰۱۳، ۱۰۱۴)

(۲) امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، النساء: ۱۶۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

'' وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ '': بعض جاہلوں نے کہا ہے کہ جب مصحف (امام) لکھا گیا تو لکھنے والوں نے اعراب میں غلطی کی، انہیں چاہیے تھا کہ وہ لکھتے'' والمُقِیمونَ'' پس انہوں نے'' والمقیمین'' لکھ دیا اور انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ المُصحف میں لکھنے والوں نے تین حرف غلط لکھے ہیں، (۱) وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ (یعنی المقیمون ہونا چاہیے تھا)، (۲)'' وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى ۔۔۔ (المائدہ: ٦٩)'' (یہاں پر والصابئین ہونا چاہیے تھا)، کیونکہ پوری آیت اس طرح ہے:'' اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى'' اور'' وَالصّٰبِئُوْنَ'' اِنَّ کا اسم ہے اور اِنَّ کا اسم منصوب ہوتا ہے اور یہاں پر'' الصّٰبِئُوْنَ'' مرفوع ہے، (۳)'' اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ ۔۔۔ (طٰہٰ: ٦٣)'' کیونکہ'' ھذان'' اِنْ کا اسم ہے اور اِنْ کا اسم منصوب ہوتا ہے اور ھذان مرفوع ہے۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب انہوں نے المصحف میں نظر کی تو انہوں نے کہا:'' میں اس میں اعراب کی غلطیوں کو دیکھتا ہوں اور عنقریب عرب اپنی زبان دانی کی وجہ سے ان غلطیوں کو ٹھیک کر لیں گے''، لیکن اہلِ علم کے نزدیک یہ روایت بعید ہے اور یہ حدیث نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے اور نہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب دین کے حامی تھے اور شرائع اور احکام میں پیشوا تھے، پس اُن کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جائے گا کہ انہوں نے اللہ کی کتاب میں کسی غلطی کو چھوڑ دیا جس کی دوسرے اصلاح کریں، حالانکہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قرآنِ مجید کو حاصل کیا اور'' وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ '' کی توجیہ میں بعض مفسرین نے کہا: اصل عبارت اس طرح ہے'' یؤمنون بما انزل الیك وبالمقیمین الصلوٰة'' یعنی'' بالنبین المقیمین الصلوٰة'' (جو لوگ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور اُن نبیوں پر ایمان لاتے ہیں جو نماز کو قائم کرنے والے ہیں)، اور دوسرے مفسرین نے اس کی توجیہ میں کہا کہ اصل عبارت اس طرح ہے'' لکن الراسخون فی العلم منھم و من المقیمین الصلوٰة یؤمنون بما انزل الیك'' (لیکن جو علم میں راسخ ہیں اور جو نماز کو قائم کرنے والے ہیں وہ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل فرمایا گیا)، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ '' یعنی جولوگ فرض زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

''وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ '': یعنی جولوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ پھر فرمایا: ''اُولٰٓئِکَ سَنُؤْتِیْهِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا '': یعنی جولوگ ان صفات کے ساتھ متصف ہیں، ان کو ہم آخرت میں اجرِ عظیم عطاء فرمائیں گے اور وہ جنت ہے۔ (تفسیر السمرقندی ج ا ص ٤٠٤، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤١٣ھ)

(٣) امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ٥١٦ھ، النساء: ١٦٢، کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ '': اس کے منصوب ہونے کی وجہ میں اختلاف ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابان بن عثمان سے منقول ہے کہ یہ لکھنے والے نے غلط لکھا ہے، اس کو ''والمقیمون الصلوٰۃ'' لکھنا چاہیے تھا، اسی طرح المائدہ: ٦٩ میں ''اَلصّٰبِئُوْنَ '' لکھا ہے حالانکہ یہ اِنَّ کا اسم ہے اس لیے ''الصابئین'' ہونا چاہیے تھا، اور اسی طرح طٰہٰ: ٦٣ میں ''اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ '' لکھا ہے حالانکہ یہ بھی اِنْ کا اسم ہونے کی وجہ سے ''اِن هٰذین '' ہونا چاہیے تھا اور یہ لکھنے والوں کی خطاء ہے۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مصحف میں اعرابی غلطیاں ہیں جن کو عنقریب عرب اپنی زبان دانی کی وجہ سے ٹھیک کرلیں گے، اُن سے کہا گیا: آپ اس کو درست کیوں نہیں کردیتے؟ تو انہوں نے کہا: اس کو چھوڑو، کیونکہ قرآن نہ کسی حرام کو حلال کرتا ہے اور نہ کسی حلال کو حرام کرتا ہے۔

اور عامۃ الصحابہ اور اہلِ علم نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں جس طرح لکھا ہوا ہے وہ صحیح ہے اور اس کی توجیہ میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ ''وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ '' منصوب علی المدح ہے (میں نماز قائم کرنے والوں کی مدح کرتا ہوں)، دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس سے پہلے فعل ''اَعْنِیْ'' مقدر ہے یعنی میری مراد ہے جو نماز قائم کرنے والے ہیں، اور یہ وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں، تیسری توجیہ یہ ہے کہ ''وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ '' جر کے محل میں ہے اور اس کی توجیہ میں بھی اختلاف ہے، بعض مفسرین نے کہا: اس کا معنی ہے: ''لٰکِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَمِنَ الْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ '' (جو علم میں راسخ ہیں اُن میں سے نماز کو قائم کرنے والے ہیں)، اور اس کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے ''یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَالَی الْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ '' (جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل فرمایا گیا ہے اور اس پر ایمان لاتے ہیں جو نماز قائم کرنے والوں کی طرف نازل فرمایا گیا ہے)۔ (معالم التنزیل ج ا ص ٤٢١، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤٢٠ھ)

(٤) علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ، النساء: ١٦٢ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

الحسن البصری المتوفی ١١٠ھ، مالک بن دینار اور ایک جماعت نے پڑھا ہے ''والمقیمون'' جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے، اور المصاحف میں ''وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ '' مذکور ہے اور ''وَالْمُقِیْمِیْنَ '' کی نصب میں چھ اقوال ہیں:

(١) یہ منصوب علی المدح ہے، یعنی میری مراد ہے نماز کو قائم کرنے والے۔

(٢) سیبویہ نے کہا: یہ تعظیم کی وجہ سے نصب ہے، النحاس نے کہا: یہ ''وَالْمُقِیْمِیْنَ '' کی توجیہ میں سب سے زیادہ صحیح قول ہے۔

(٣) الکسائی نے کہا: ''اَلْمُقِیْمِیْنَ '' کا عطف ''مَا'' پر ہے۔ الاخفش نے کہا: یہ بعید توجیہ ہے۔

(٤) اور محمد بن جریر طبری نے کہا ہے کہ ''اَلْمُقِیْمِیْنَ '' سے یہاں فرشتے مراد ہیں، کیونکہ وہ دائماً صلوٰۃ پڑھتے ہیں اور تسبیح کرتے

ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔

(۵) ''الْمُقِيْمِيْنَ'' کا عطف ''قَبْلِكَ'' میں کاف پر ہے۔

(۶) ''الْمُقِيْمِيْنَ'' کا عطف ''اِلَيْكَ'' کے کاف پر ہے۔

اس کے بعد علامہ قرطبی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابان بن عثمان کا قول نقل کیا ہے کہ قرآن جمع کرنے والوں نے اس کے اعراب کے لکھنے میں خطاء کی ہے۔ اور امام القشیری نے کہا ہے کہ یہ مسلک باطل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۶ ص ۱۵۔۱۶، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۵) امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ النساء: ۱۶۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''الْمُقِيْمِيْنَ'' کی نصب میں چار قول ہیں: (۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ لکھنے والے کی خطاء ہے، اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، عکرمہ اور الجحدری نے ''المقیمون'' پڑھا ہے۔

(۲) اس کا عطف ''مَا'' پر ہے، یعنی نماز کو قائم کرنے والے، اور وہ فرشتے ہیں، دوسرا قول ہے کہ وہ انبیاء ہیں۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ یہ ''مِنْهُمْ'' میں ھاء اور میم پر عطف ہے، الزجاج نے کہا: نحویوں کے نزدیک یہ ردّی قول ہے۔

(۴) یہ منصوب علی المدح ہے اور معنی یہ ہے کہ نماز قائم کرنے والوں کا ذکر کیجئے اور وہ زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔

(زاد المسیر فی علم التفسیر ج ۱ ص ۴۹۷۔۴۹۸، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۶) قاضی شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی المتوفی ۱۰۶۹ھ، النساء: ۱۶۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حق یہ ہے کہ اس سلسلہ میں حضرت عثمان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت منقول ہے، وہ مردود ہے۔

(حاشیۃ الشہاب ج ۳ ص ۳۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(۷) علامہ سید محمود آلوسی بغدادی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ النساء: ۱۶۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

سیبویہ اور باقی بصریوں نے یہ کہا ہے کہ ''الْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ'' میں نصب علی المدح ہے، اس کے علاوہ علامہ آلوسی نے دیگر اقوال لکھے ہیں جن کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جو روایت منقول ہے اس کا رد کیا ہے۔

(روح المعانی جز ۵ ص ۲۲۔۲۳، ملخصاً وملتقطاً، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(۸) اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ''وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ'' کی بجائے ''والمقیمون الصلوٰۃ'' لکھا ہوا ہے۔

(معانی القرآن للامام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء حنفی، المتوفی ۲۰۷ھ، ج ۱ ص ۱۰۶، بیروت)

تنبیہ: قرآن مجید میں خطاء فی الاعراب کے مسئلہ میں ہم نے البقرہ: ۱۷۷ کی تفسیر میں بھی بحث کی ہے، اس موضوع پر اس بحث کو بھی پڑھ لیا جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

النساء: ۱۶۲ میں ''وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ'' میں نصب کے اعراب پر جو اشکال ہے اس کی توجیہ میں شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ، صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ اور عبدالماجد دریا آبادی متوفی ۱۳۹۷ھ نے اپنی تفسیروں میں اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اِنَّاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ كَمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ عِیْسٰى وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ وَ سُلَیْمٰنَ ۚ وَ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۚ (۱۶۳)

(اے رسولِ اکرم!) ہم نے آپ کی طرف اس طرح وحی فرمائی ہے جس طرح ہم نے نوح کی طرف اور اُن کے بعد نبیوں کی طرف وحی فرمائی تھی، اور ہم نے ابراہیم کی طرف وحی فرمائی اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں کی طرف اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان (کی طرف وحی فرمائی) اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی O

وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ ؕ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِیْمًا ۚ (۱۶۴)

اور ہم نے ایسے رسول بھیجے جن کا قصہ اس سے پہلے ہم نے آپ سے بیان فرمایا تھا اور ایسے رسول (بھی) بھیجے جن کا ہم نے اس سے پہلے آپ سے قصہ بیان نہیں فرمایا تھا، اور اللہ نے موسیٰ سے بہت زیادہ کلام فرمایا O

رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا (۱۶۵)

اور ہم نے ثواب کی بشارت دینے والے رسول بھیجے اور عذاب سے ڈرانے والے رسول بھیجے تاکہ رسولوں کے بھیجنے کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے خلاف کسی الزام کی گنجائش نہ رہے، اور اللہ بہت غالب، بے حد حکمت والے ہیں O

لٰكِنِ اللّٰهُ یَشْهَدُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اِلَیْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ یَشْهَدُوْنَ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ؕ (۱۶۶)

(اب کوئی ایمان لائے یا نہ لائے) اللہ اس کی شہادت دیتا ہے جو اس نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے اس کو اللہ نے اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے، اور فرشتے (بھی) شہادت دیتے ہیں اور اللہ کی شہادت کافی ہے O

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا (۱۶۷)

بے شک جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکا وہ یقیناً بہت دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں O

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ ظَلَمُوْا لَمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِیَهْدِیَهُمْ طَرِیْقًا ۙ (۱۶۸)

بے شک جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا، اللہ اُن کو نہیں بخشیں گے اور نہ اُن کو جنت کا راستہ دکھائیں گے O

اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٦٩﴾

سوائے جہنم کے راستہ کے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ کام اللہ پر بہت آسان ہے O

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧٠﴾

اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے برحق رسول آ گئے ہیں، سو تم اُن پر ایمان لے آؤ (اس میں) تمہارے لیے خیر ہے، اور اگر تم نے کفر کو اختیار کیا تو بے شک آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے، وہ سب اللہ کی ملکیت ہے، اور اللہ سب کچھ جاننے والے، بہت حکمت والے ہیں O

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ ؗ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۚ وَ لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٧١﴾

اے اہلِ کتاب! تم اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو اور اللہ کے متعلق حق کے سوا کوئی بات نہ کہو، المسیح عیسیٰ ابن مریم صرف اللہ کے رسول ہیں اور ان کا وہ کلمہ ہیں جس کو انہوں نے مریم کی طرف القاء فرمایا اور ان کی طرف سے روح ہیں، سو تم اللہ پر اور ان کے تمام رسولوں پر ایمان لاؤ، اور یہ نہ کہو کہ تین معبود ہیں، (تین معبود کہنے سے) رک جاؤ، یہی تمہارے لیے بہتر ہے، بے شک اللہ واحد عبادت کے مستحق ہیں، وہ اس سے پاک ہیں کہ ان کا کوئی بیٹا ہو، آسمانوں میں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ سب ان کی ملکیت ہے، اور اللہ کافی کارساز ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) ہم نے آپ کی طرف اس طرح وحی فرمائی ہے جس طرح ہم نے نوح کی طرف اور اُن کے بعد نبیوں کی طرف وحی فرمائی تھی، اور ہم نے ابراہیم کی طرف وحی فرمائی اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں کی طرف اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان (کی طرف وحی فرمائی) اور ہم نے داؤد کو زبور عطاء فرمائی O'' (النساء: ١٦٣)

یہودیوں کے الزام کا جواب

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ٥١٦ھ، النساء: ١٦٣ تا ١٧١ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ '':اس سے پہلے اللہ عزوجل نے یہود کے عیوب اور ان کی نافرمانیوں کا ذکر فرمایا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر غضب ناک ہوئے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا تھا اس کا انکار کیا اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔۔(الانعام:۹۱)۔تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے الزام کے جواب میں فرمایا:''اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ۔۔(النساء:۱۶۳)''((اے رسول اکرم!) ہم نے آپ کی طرف اس طرح وحی فرمائی ہے جس طرح ہم نے نوح کی طرف اور اُن کے بعد نبیوں کی طرف وحی فرمائی تھی، اور ہم نے ابراہیم کی طرف وحی فرمائی اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں کی طرف اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان (کی طرف وحی فرمائی) اور ہم نے داؤد کو زبور عطاء فرمائی)۔یعنی تم لوگ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی نبوت کو مانتے ہو، پھر تمہارا یہ کہنا کس طرح صحیح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی پر کوئی چیز نازل نہیں فرمائی، کیونکہ ان کا دعویٰ سلبِ کلی کا ہے اور اس کی نقیض ایجاب جزئی ہے، پس جب وہ ایجاب جزئی کے قائل ہیں تو سلب کلی کا دعویٰ کیسے صحیح ہوگا!

حضرت نوح علیہ السلام سے نزولِ وحی کی ابتداء کرنے کی توجیہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر سے ابتداء فرمائی ہے، کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام تشریعی انبیاء علیہم السلام سے پہلے نبی ہیں اور وہ پہلے نبی ہیں جنہوں نے ارتکابِ شرک پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا اور وہ پہلے نبی ہیں جن کی امت کو اُن کی دعوت کے قبول نہ کرنے کی سزا میں عذاب دیا گیا اور وہ پہلے نبی ہیں جن کی دعاء سے اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین والوں کو ہلاک فرمادیا، اور وہ پہلے نبی ہیں جن کی عمر سب سے زیادہ طویل تھی اور اُن کے بدن میں اُن کے معجزات تھے کیونکہ انہوں نے ہزار سال کی عمر پائی اور اُن کا کوئی دانت نہیں ٹوٹا اور نہ ان کا کوئی بال سفید ہوا اور نہ اُن کی اعصابی قوت میں کوئی کمی آئی، اور کسی نبی نے اپنی امت کی ایذاؤں پر اتنا صبر نہیں کیا جتنا طویل صبر حضرت نوح نے کیا تھا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب اور ان کی اولاد کا ذکر فرمایا، اور حضرت عیسیٰ اور حضرت ایوب اور حضرت ہارون اور حضرت سلیمان علیہم السلام کا ذکر فرمایا اور یہ ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو زبور عطاء فرمائی، زبور کا معنی ہے: ہم نے ان کو لکھی ہوئی کتابیں اور صحیفے عطاء فرمائے، اور زبور اُس کتاب کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی، اور اس کتاب میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی بزرگی اور اس کی ستائش کا بیان ہے، حضرت داؤد علیہ السلام جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف نکل جاتے، وہاں پر کھڑے ہو کر زبور کی تلاوت کرتے اور اُن کے ساتھ علماء بنی اسرائیل بھی کھڑے ہوتے تھے، وہ ان کے پیچھے کھڑے ہو جاتے، اور عام لوگ علماء بنی اسرائیل کے پیچھے کھڑے ہوتے اور پھر ان کے پیچھے جنات درجہ بہ درجہ کھڑے ہوتے اور جنات کے پیچھے شیاطین کھڑے ہوتے اور پہاڑوں میں رہنے والے حیوانات بھی اُن کے پیچھے کھڑے ہو جاتے، اور حضرت داؤد علیہ السلام سے زبور کو سُن کر انہیں تعجب ہوتا تھا، اور پرندے بھی صف باندھے ہوئے اُن کے سروں کے اوپر اُڑتے تھے، پھر جب حضرت داؤد علیہ السلام سے اجتہادی خطاء ہوگئی تو پھر ان میں سے کوئی بھی دکھائی نہیں دیتا تھا اور وہ سب اُن کے پاس سے بھاگ گئے، حضرت داؤد علیہ السلام سے کہا گیا کہ یہ انواع واقسام کی مخلوقات کا آپ کے پاس آنا آپ کی عبادت کے

اُنس کی وجہ سے تھا اور جب آپ سے اجتہاداً معصیت سرزد ہو گئی تو یہ سب آپ کے پاس سے بھاگ گئے۔ (اس اجتہادی خطاء کی تفصیل ان شاء اللہ العزیز عنقریب آئے گی)۔

حضرت داؤد علیہ السلام بہت خوش آوازی کے ساتھ زبور کی تلاوت کرتے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فرمایا: اے ابوموسیٰ! تمہیں آلِ داؤد کی مزامیر میں سے مزمار عطاء فرمائی گئی ہے (یعنی حضرت داؤد کی بانسریوں میں سے ایک بانسری عطاء فرمائی گئی ہے)۔

(صحیح البخاری: ۵۰۴۸، صحیح مسلم: ۷۹۳، سنن ترمذی: ۳۸۵۵، سنن نسائی: ۱۰۱۹، سنن ابن ماجہ: ۱۳۴۱، مسند احمد: ۲۲۴۶۰، سنن دارمی: ۳۴۹۹، صحیح ابن حبان: ۷۱۹۷، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۳۰۔۲۳۱، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۴۶۶)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے ایسے رسول بھیجے جن کا قصہ اس سے پہلے ہم نے آپ سے بیان فرمایا تھا اور ایسے رسول (بھی) بھیجے جن کا ہم نے اس سے پہلے آپ سے قصہ بیان نہیں فرمایا تھا، اور اللہ نے موسیٰ سے بہت زیادہ کلام فرمایاO'' (النساء: ۱۶۴)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تمام رسولوں کے علم کا ثبوت

بعض منکرینِ علمِ رسالت اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں کی خبر نہیں دی تھی، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے ''وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الرُّسُلِ۔۔۔ (ہود: ۱۲۰)'' (ہم آپ پر تمام رسولوں کی خبریں بیان فرماتے ہیں)۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلے آپ کو اللہ تعالیٰ نے بعض نبیوں کی خبریں نہیں عطاء فرمائی تھیں لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام نبیوں کی خبریں عطاء فرمادیں، سو ماضی میں بعض نبیوں کے علم کی نفی ہے اور مستقبل میں تمام نبیوں کے علم کا ثبوت ہے۔

کل رسولوں کی تعداد

''وَرُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰهُمۡ عَلَيۡكَ مِنۡ قَبۡلُ'': یعنی اس سورت کے نازل ہونے سے پہلے ہم نے بعض رسولوں کی خبریں آپ سے بیان فرمائیں اور بعض رسولوں کی خبریں آپ سے بیان نہیں فرمائیں۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت آپ مسجد میں تشریف فرما تھے، سو میں بیٹھ گیا، آپ نے پوچھا: اے ابوذر! کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں، آپ نے فرمایا: کھڑے ہو کر نماز پڑھو، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بتایا: پس میں کھڑا ہوا اور میں نے نماز پڑھی، پھر میں بیٹھ گیا، آپ نے فرمایا: اے ابوذر! انسانوں اور جنات میں سے جو شیاطین ہیں، اُن کے شر سے اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرو، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا انسانوں میں سے بھی شیاطین ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! نماز اچھا کام ہے جو چاہے کم نمازیں پڑھے اور جو چاہے زیادہ نمازیں پڑھے، پھر میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! پس روزہ (یعنی روزے کا کیا حکم ہے؟) آپ نے فرمایا: روزہ اللہ کا تم پر قرض ہے جو ادا کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا زیادہ اجر ہے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! پس صدقہ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کا دگنا چوگنا اجر ہے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کون سا صدقہ کرنا

زیادہ فضیلت کا باعث ہے؟ آپ نے فرمایا: جس رقم کو کوئی محنت اور مشقت سے حاصل کر کے صدقہ دے یا تنہائی میں فقیر کو دے، میں نے پوچھا: یارسول اللہ! نبیوں میں کون سب سے پہلا نبی تھا؟ آپ نے فرمایا: حضرت آدم، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آیا اور بھی نبی تھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، ایسے نبی تھے جن سے اللہ نے کلام فرمایا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! رسولوں کی کتنی تعداد ہے؟ آپ نے فرمایا: تین سو اور دس سے چند زیادہ ہیں، اور کبھی فرمایا: تین سو پندرہ ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا حضرت آدم نبی تھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں وہ ایسے نبی تھے جن سے کلام فرمایا گیا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ پر جو آیات نازل کی گئی ہیں ان میں سب سے عظیم آیت کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا: آیت الکرسی: اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۔۔۔ (البقرہ: ٢٥٥)۔

(مسند احمد: ٢١٥٤٦، طبقات ابن سعد ج ١ ص ٣٢، سنن نسائی ج ٨ ص ٢٧٥، المستدرک ج ٢ ص ٢٨٢، الکامل لابن عدی ج ٧ ص ٢٦٩٩، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج ١ ص ١٦٨، سنن بیہقی ج ٩ ص ٤، کتاب الضعفاء للعقیلی ج ٤ ص ٤٠٤، المعجم الاوسط للطبرانی: ٤٧١٨، مجمع البحرین للہیثمی ج ١ ص ٢٦٨-٢٦٩)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے ثواب کی بشارت دینے والے رسول بھیجے اور عذاب سے ڈرانے والے رسول بھیجے تاکہ رسولوں کے بھیجنے کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے خلاف کسی الزام کی گنجائش نہ رہے، اور اللہ بہت غالب، بے حد حکمت والے ہیں O'' (النساء: ١٦٥)

''رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ'': اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عبادت نہ کرنے پر اس وقت تک عذاب نہیں دیں گے جب تک کہ اس قوم کے پاس اللہ تعالیٰ اپنا کوئی رسول نہ بھیج دیں، ورنہ لوگ کہیں گے: آپ نے تو ہماری طرف کوئی رسول بھیجا نہیں، اور نہ ہماری طرف کوئی کتاب نازل فرمائی۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۔۔۔ (بنی اسرائیل: ١٥)'' (ہم کسی کو اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک اس کی طرف رسول نہ بھیج دیں)۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: اگر میں کسی اجنبی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھوں تو میں اس مرد کو تلوار کی دھار سے ضرب لگاؤں گا نہ کہ تلوار کی چوڑائی سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جب اس بات کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: کیا تم سعد کی غیرت پر تعجب کرتے ہو؟ اور اللہ کی قسم! میں سعد سے زیادہ غیرت کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت فرمانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے غیرت کی وجہ سے بے حیائی کے کاموں کو حرام فرما دیا ہے خواہ وہ ظاہراً ہوں یا باطناً، اور کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ سے زیادہ عذر کو پسند فرمانے والا نہیں ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ثواب سے بشارت دینے والے رسول اور عذاب سے ڈرانے والے رسول بھیجے اور کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ سے زیادہ مدح کو پسند فرمانے والا نہیں ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: ٦٨٤٦، ٧٤١٦، صحیح مسلم: ١٤٩٩، مسند احمد: ١٧٧٠٣، سنن دارمی: ٢٢٢٧، الاسماء والصفات للبیہقی: ٦٣٠)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اب کوئی ایمان لائے یا نہ لائے) اللہ اس کی شہادت دیتا ہے جو اس نے آپ کی

طرف نازل فرمایا ہے اس کو اللہ نے اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے، اور فرشتے (بھی) شہادت دیتے ہیں اور اللہ کی شہادت کافی ہےO'' (النساء:۱۶۶)

''لٰکِنِ اللّٰہُ یَشۡھَدُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡکَ اَنۡزَلَہٗ بِعِلۡمِہٖ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مکہ کے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس انہوں نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! ہم نے یہود سے آپ کے متعلق سوال کیا اور اُن کی کتابوں میں جو آپ کی صفت ہے، اس کے متعلق سوال کیا تو اُن کا یہ زعم تھا کہ وہ آپ کو نہیں پہچانتے، اور یہود کی ایک جماعت آپ کے پاس آئی تو آپ نے اُن سے فرمایا: بے شک اللہ کی قسم! مجھے معلوم ہے کہ تم ضرور جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں، یہود نے کہا: اللہ کی قسم! ہم اس بات کو نہیں جانتے تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''لٰکِنِ اللّٰہُ یَشۡھَدُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡکَ اَنۡزَلَہٗ بِعِلۡمِہٖ'' ((اب کوئی ایمان لائے یا نہ لائے) اللہ اس کی شہادت دیتا ہے جو اس نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے اس کو اللہ نے اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے، اور فرشتے (بھی) شہادت دیتے ہیں اور اللہ کی شہادت کافی ہےO)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکا وہ یقیناً بہت دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیںO'' (النساء:۱۶۷)

''اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ قَدۡ ضَلُّوۡا ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا'': کیونکہ یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے دوسرے لوگوں کو بھی حق کے راستہ پر چلنے سے روکا، اس لیے وہ دور کی گمراہی میں جا پڑے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا، اللہ اُن کو نہیں بخشیں گے اور نہ اُن کو جنت کا راستہ دکھائیں گےO سوائے جہنم کے راستہ کے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ کام اللہ پر بہت آسان ہےO'' (النساء:۱۶۸۔۱۶۹)

''اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ ظَلَمُوۡا لَمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَھُمۡ وَ لَا لِیَھۡدِیَھُمۡ طَرِیۡقًا'': یعنی جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور انہوں نے اپنی کتابوں میں آپ کی صفات میں تغییر کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور انہوں نے لوگوں پر بھی ظلم کیا ہے کہ اُن کو سیدھے راستہ سے روکا جس راستہ پر چلنے سے ان کی دنیا اور آخرت سنور جاتی، سو جب تک وہ اپنے کفر پر قائم ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نہیں فرمائیں گے، کیونکہ کافر کی مغفرت محال ہے، اور صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے برحق رسول آگئے ہیں، سو تم اُن پر ایمان لے آؤ (اس میں) تمہارے لیے خیر ہے، اور اگر تم نے کفر کو اختیار کیا تو بے شک آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے، وہ سب اللہ کی ملکیت ہے، اور اللہ سب کچھ جاننے والے، بہت حکمت والے ہیںO'' (النساء:۱۷۰)

اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر دلائل

"يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمُ الرَّسُوۡلُ بِالۡحَـقِّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ فَاٰمِنُوۡا خَيۡرًا لَّـكُمۡ": جب اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے دلائل استحکام سے بیان فرمادیئے اور وہ راستہ بتادیا جس راستہ سے آپ کی نبوت کا علم حاصل ہوتا ہے تو اب ان کفارِ مکہ کے لیے آپ کی نبوت کو ماننے اور قبول کرنے کے متعلق کوئی عذر باقی نہیں رہا، اس لیے فرمایا: پس تم رسولِ برحق پر ایمان لے آؤ تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے، اور اگر تم نے ان کے کفر کو اختیار کیا اور کفر پر برقرار رہے تو اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں تمام موجودات ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے خالق اور مالک ہیں اور ان پر تصرف فرمانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ملکیت سے کوئی چیز خارج نہیں ہے، پس وہ تم سے اور تمہارے علاوہ سب سے مستغنی ہیں۔ ان کو تمہارے کفر سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور وہ تمہیں عذاب دینے پر قادر ہیں، اور اللہ تعالیٰ تمام احوال کے جاننے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اے اہلِ کتاب! تم اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو اور اللہ کے متعلق حق کے سوا کوئی بات نہ کہو، المسیح عیسیٰ ابن مریم صرف اللہ کے رسول ہیں اور ان کا وہ کلمہ ہیں جس کو انہوں نے مریم کی طرف القاء فرمایا اور اس کی طرف سے روح ہیں، سو تم اللہ پر اور ان کے تمام رسولوں پر ایمان لاؤ، اور یہ نہ کہو کہ تین معبود ہیں، (تین معبود کہنے سے) رک جاؤ، یہی تمہارے لیے بہتر ہے، بے شک اللہ واحد عبادت کے مستحق ہیں، وہ اس سے پاک ہیں کہ ان کا کوئی بیٹا ہو، آسمانوں میں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ سب ان کی ملکیت ہے، اور اللہ کافی کارساز ہیں O" (النساء: ١٧١)

اہلِ کتاب نصاریٰ کے فرقے

"يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ وَلَا تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَـقَّ": یہ آیت نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اُن کے چار فرقے ہیں: (١) الیعقوبیہ (٢) الملکانیہ (٣) النسطوریہ (٤) المرقوسیہ۔ پس الیعقوبیہ نے کہا: حضرت عیسیٰ خود اللہ ہیں، اور اسی طرح الملکانیہ نے کہا۔ اور النسطوریہ نے کہا: حضرت عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں۔ اور المرقوسیہ نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین میں کے تیسرے ہیں، سو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اور حسن بصری نے کہا: ہوسکتا ہے کہ یہ آیت یہود اور نصاریٰ دونوں کے متعلق نازل ہوئی ہو، کیونکہ ان دونوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں غلو کیا، پس یہود نے اُن کی بہت کمی کی اور نصاریٰ نے اُن کی تعریف میں حد سے تجاوز کیا، اور غلو کا اصل معنی ہے: حد سے تجاوز کرنا، اور دین میں غلو کرنا حرام ہے۔

"رُوۡحٌ مِّنۡهُ" کے متعدد معانی اور محمل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لَا تَغۡلُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ" یعنی تم اپنے دین میں تشدد نہ کرو، ورنہ تم اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھو گے اور حق کے سوا اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی بات نہ کہو، یہ نہ کہو کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہے، اور المسیح عیسیٰ ابن مریم تو

صرف اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کے کلمہ ہیں، اور کلمہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا ''كُنْ (مریم:۳۵)'' فرمانا ہے، پس عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے بشر تھے۔

اور اس آیت میں فرمایا ہے: ''رُوْحٌ مِّنْهُ'' یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام باقی ارواح کی طرح ایک روح ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کی تعظیم کو ظاہر فرمانے کے لیے اس روح کی اپنی طرف نسبت فرمائی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کی طرف سے روح ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم کے چاکِ گریبان میں روح پھونکی تھی تو حضرت مریم اللہ کے اذن سے حاملہ ہو گئیں، اس لیے حضرت جبریل علیہ السلام کے پھونکنے کو روح سے تعبیر فرمایا اور اس کی اپنی طرف نسبت اس لیے فرمائی کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھونک ماری تھی، تیسرا قول یہ ہے کہ ''رُوْحٌ مِّنْهُ'' کا معنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہیں، کیونکہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا اور اس نے آپ کی پیروی کی، آپ اس کے لیے رحمت ہیں، اس کا چوتھا معنی یہ ہے کہ روح سے مراد وحی ہے، یعنی حضرت مریم کی طرف وحی سے بشارت دی گئی تھی، یا حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف وحی سے بشارت دی گئی تھی، اور پانچواں قول یہ ہے کہ ''رُوْحٌ مِّنْهُ'' سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے یہ شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور بے شک محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور اس کا وہ کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم کی طرف ڈالا، اور بے شک اس کی روح ہیں اور جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے، تو اللہ اس کو جنت میں داخل فرما دیں گے خواہ اس کا جو بھی عمل ہو۔

(صحیح البخاری:۳۴۳۵، صحیح مسلم:۲۸، مسند احمد:۲۲۶۷۵، صحیح ابن حبان:۲۰۷، مسند ابوعوانہ:۹، شرح السنہ:۵۵، مسند البزار:۲۶۸۲، السنن الکبریٰ للنسائی:۱۱۱۳۲، کتاب الدعاء للطبرانی:۱۴۷۶)۔(معالم التنزیل ج۱ ص ۷۲۲۔۷۲۵، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۰ھ)

عیسائیوں کے عقیدۂ الوہیت اور اقانیمِ ثلٰثہ کے متعلق مفسرین اسلام کے اقوال

''وَ لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَیْرًا لَّكُمْ ---- (النساء:۱۷۱)'': (اور یہ نہ کہو کہ تین معبود ہیں، (تین معبود کہنے سے) رک جاؤ، یہی تمہارے لیے بہتر ہے)۔ علامہ ابواللیث سمرقندی متوفی ۳۷۵ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

یعنی یہ نہ کہو کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔ (تفسیر السمرقندی ج۱ ص ۴۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

امام محمد بن عمر رازی الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ، النساء:۱۷۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں حسبِ ذیل اقوال ہیں: (۱) یعنی یہ نہ کہو کہ تین اقانیم ہیں، (۲) الزجاج نے بیان کیا: یہ نہ کہو کہ تین معبود ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید اس پر دلالت کرتا ہے کہ عیسائی یہ کہتے ہیں کہ بے شک اللہ، المسیح اور مریم تین معبود ہیں، اور اس پر دلیل یہ آیت ہے: ''وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ـــ (المائدہ:۱۱۶)'' (اور جب اللہ فرمائیں گے: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ تم اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو دو معبود بنالو)۔ (۳) الفراء نے بیان کیا: اور تم یہ نہ کہو کہ یہ تین ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر اور حضرت مریم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذکر اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ دونوں معبود ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی مذہب عیسائیوں کے

مذہب سے زیادہ کمزور اور عقل سے بعید نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ص ۲۷۲، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود الآلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ النساء: ۱۷۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس مقام میں تحقیق یہ ہے کہ نصاریٰ اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ جوہر ہے یعنی قائم بنفسہٖ ہے، غیر متحیز ہے اور کسی جہت کے ساتھ خاص نہیں ہے اور نہ کسی مقدار کے ساتھ مقدر ہے اور وہ اپنی ذات میں حوادث کو قبول نہیں فرماتا، اور نہ اس کے متعلق حدوث اور عدم کا تصور کیا جاسکتا ہے، اور وہ جوہریت کے اعتبار سے واحد ہے اور اس کی تین اقانیم ہیں اور اقانیم جوہر قدیم کی صفات ہیں، اور وہ صفات یہ ہیں: الوجود، العلم، الحیاۃ۔ وجود کو وہ باپ کہتے ہیں اور حیات کو روح القدس کہتے ہیں اور علم کو الکلمۃ کہتے ہیں۔

(روح المعانی جز ٦ ص ۳۹، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

شیخ عبدالماجد دریا آبادی متوفی ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء، النساء: ۱۷۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مسیحی تثلیث کا عقیدہ خود مسیحیوں کے الفاظ میں حسب ذیل ہے: ''باپ بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے۔ جلال برابر عظمت ازلی یکساں ہے، جیسا باپ ہے، ویسا ہی بیٹا اور ویسا ہی روح قدس ہے۔ باپ غیر مخلوق، بیٹا غیر مخلوق، اور روح قدس غیر مخلوق، باپ غیر محدود، بیٹا غیر محدود اور روح قدس غیر محدود۔ باپ ازلی، بیٹا ازلی، اور روح قدس ازلی۔ تاہم تین ازلی نہیں بلکہ ایک ازلی ہے۔ اسی طرح تین غیر محدود نہیں اور نہ تین غیر مخلوق، بلکہ ایک غیر مخلوق اور ایک غیر محدود۔ یونہی باپ قادر مطلق، بیٹا قادر مطلق اور روح قدس قادر مطلق، تو بھی تین قادر مطلق نہیں، بلکہ ایک قادر مطلق ہے۔ ویسا باپ خدا، بیٹا خدا اور روح قدس خدا۔ بس یہ ہی تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا''۔ ایک طرف یہ گورکھ دھندا، اور دوسری طرف اسلام کا صاف وسادہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ۔ کوئی مناسبت بھی دونوں میں ہے؟

نیز لکھتے ہیں: واحد ہر اعتبار سے اور اپنے ہر معنی میں۔ نہ وہ ایک تین میں تقسیم ہے نہ وہ ایک اپنے کو تین شکلوں میں ظاہر کرنے والا ہے۔ نہ تریمورتی کی کوئی قسم بھی صحیح ہے۔

نیز لکھتے ہیں: یہ ولدیت کا عقیدہ غلط ہی نہیں بلکہ اصلاً مہمل اور تنزیہہ الوہیت کے لیے باعثِ توہین۔ شانِ الوہیت کے بالکل منافی ہے۔

نیز لکھتے ہیں: خالق کا صحیح رشتہ مخلوق کے ساتھ صرف مالکیت کا ہے، مالک ومملوک میں مباینت لازمی ہے، برخلاف اس کے والد ومولود کے درمیان مجانست، ہم جنسی وہم قومی شرط ہے، تو جب ہر مخلوق اللہ کی مملوک ہے تو کوئی بھی مخلوق اس کی اولاد ہو ہی نہیں سکتی۔ (تفسیر ماجدی ص ۲٦٦۔ ۲٦۷، پاک کمپنی، لاہور)

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۸ھ، النساء: ۱۷۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس بات پر تو تقریباً سب عیسائی فرقے متفق الرائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بحیثیت جوہر ہونے کے واحد ہے۔ اور بحیثیت اقانیم تین ہے۔ وجود، علم اور حیات کو اقانیم کہتے ہیں (اقانیم کا واحد اقنوم ہے) جس کا معنی شخص اور اصل ہے۔ الاقنوم: الشخص، الاصل ج اقانیم والکلمۃ من الدخیل (المنجد)، وجود کو باپ، علم کو بیٹا اور حیات کو روح القدس کہتے ہیں۔ ان کا اختلاف اس میں ہے کہ ان تین اقانیم کا تعلق جوہر (یعنی اللہ) سے کیسا ہے۔

۱۔ ایک فرقہ کا یہ مذہب ہے کہ یہ تین اقانیم اور جوہر قدیم الگ الگ ہیں اور ہر ایک ان میں سے خدا ہے۔ اور اقنوم ثانی (یعنی

علم) حضرت مسیح کے جسم سے متحد ہو گیا جیسے شراب اور پانی ملنے کے بعد یک جان ہو جاتے ہیں اور مسیح بھی ازلی قدیم ہے اور مریم نے ازلی قدیم کو جنا ہے۔

٢۔ ایک اور فرقہ یہ کہتا ہے کہ بیٹا یعنی مسیح کی دو حیثیتیں ہیں، ایک لاہوتی اور ایک ناسوتی۔ اس حیثیت سے کہ وہ خدا کا بیٹا ہے، وہ خدائے کامل ہے اور اس حیثیت سے کہ اس کا ظہور اس جسدِ عنصری میں ہوا انسان کامل ہے، اس لیے یہ قدیم بھی ہے اور حادث بھی۔ اور قدیم وحادث کا یہ اتحاد نہ قدیم کی قدامت کو متاثر کرتا ہے اور نہ حادث کے حدوث کو۔

٣۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ کلمہ یعنی اقنوم ثانی گوشت اور خون میں بدل گیا اور خدا مسیح کی شکل میں رونما ہوا۔

٤۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اللہ قدیم کے جوہر اور انسان حادث کے جوہر میں یوں امتزاج ہوا جیسے نفسِ ناطقہ کا جسم کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دونوں ایک چیز بن جاتے ہیں۔ اسی طرح جوہر قدیم اور جوہر حادث کے مجموعہ کا نام مسیح ہے اور وہی خدا ہے اور کہتے ہیں کہ اگرچہ خدا انسان نہ بن سکا لیکن انسان خدا بن گیا جیسے اگر آگ کوئلہ نہیں بن سکتی تو کوئلہ تو آگ بن سکتا ہے۔

اس سلسلہ کو کہاں تک طول دیں مُشتے نمونہ از خروارے بس ست۔ ان میں سے کوئی بات ایسی نہیں جسے عقل سمجھ سکے۔ بہر حال ایک چیز واضح ہوگئی کہ ان تمام اختلافات کے باوجود تثلیث کے عقیدہ پر سب متفق ہیں۔ گو عنوان جدا جدا ہیں لیکن معنون ایک ہی ہے۔ اور یہ ایک ایسا معمہ ہے جس کو حل کرنے کے لیے عیسائیت کے بڑے بڑے مدبّروں اور دانشوروں نے سر توڑ کوشش کی لیکن نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ آخر ایک ہی چیز کو قدیم اور حادث، خدا اور بندہ اور لاہوت وناسوت کا مجموعہ کیسے تصور کر لیا جائے۔ اگر تاریخ مذاہب عالم کا مطالعہ کیا جائے تو تثلیث کا عقیدہ تمام مشرکانہ مذاہب میں مشترک نظر آتا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں ''تری مورتی''، یعنی برہما، وشنو اور شیو کی عبادت کی جاتی ہے، جن کے لیے وہ ان تین حروف (ا۔و۔م) کو بطورِ رمز استعمال کرتے ہیں۔ چین میں ''تاوو'' ایک ایسا خدا ہے جس کی تین اقانیم ہیں۔ مصر قدیمہ میں معبد منفیس کے قسیس ثالوث مقدس کی تعلیم دیتے تھے اور یہ بتاتے تھے کہ پہلے نے دوسرے کو اور دونوں نے مل کر تیسرے کو پیدا کیا۔ ان کے اعتقاد میں اقنوم ثانی کو کلمہ، نیز دوسرا خدا اور اللہ کا پلوٹھی کا بیٹا کہا جاتا (بالکل ویسے جیسے اب عیسائی کلمہ کو ابن اللہ اور الٰہ مانتے ہیں) اور فارس میں بھی ایک ایسے الٰہ کی پرستش کی جاتی تھی جو مثلث الاقانیم تھا جن کے نام یہ تھے ازمرد، مترات اور اہرمن۔ مترات کو وہ بھی ابن اللہ کہا کرتے۔ اور خود یورپ میں مسیحیت سے پہلے تثلیث کا عقیدہ رائج تھا۔ چنانچہ یونانی ایک ایسے خدا کے قائل تھے جس کی تین اقانیم تھیں۔ اور روم کے قدیم بت پرست بھی تثلیث کے قائل تھے۔ اور اللہ، کلمہ اور روح پر ایمان رکھتے تھے۔ اس مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ جب عیسائیت مشرقِ اوسط سے یورپ میں پہنچی اور قسطنطین شاہِ روم نے اسے قبول کیا تو وہی تثلیث جو اہلِ یورپ کے عقیدہ میں غیر معلوم زمانہ سے چلی آرہی تھی منتقل ہو کر ایک ایسے دین میں آگئی جو سراسر توحید خالص کا علم بردار تھا۔ انجیل مقدس کی یہ آیت اب بھی اعلان کر رہی ہے کہ اس دینِ حق کا اور اس کے پیغمبر کا دامن شرک کی ان آلودگیوں سے پاک ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں:

هذه هي الحياة الابدية ان يعرفوك انت الاله الحقيقي وحدك ويسوع المسيح الذي ارسلته۔ (انجیل یوحنا)۔ ''ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں''۔ (انجیل، یوحنا باب: ١٧: ٣)

(تفسیر ضیاء القرآن ج ١ ص ٤٢٦۔ ٤٢٨، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی، لاہور۔ جولائی ٢٠١١ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ١٣٩٩ھ/ ١٩٧٩ء، النساء: ١٧١ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی تین الٰہوں کے عقیدے کو چھوڑ دو، خواہ وہ کسی شکل میں تمہارے اندر پایا جاتا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ عیسائی بیک وقت توحید کو بھی مانتے ہیں اور تثلیث کو بھی۔ مسیح علیہ السلام کے صریح اقوال جو اناجیل میں ملتے ہیں، ان کی بناء پر کوئی عیسائی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ خدا بس ایک ہی خدا ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے۔ ان کے لیے یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ توحید اصل دین ہے۔ مگر وہ جو ایک غلط فہمی ابتداء میں ان کو پیش آ گئی تھی کہ کلام اللہ نے مسیح کی شکل میں ظہور کیا اور روح اللہ نے اس میں حلول کیا، اس کی وجہ سے انہوں نے مسیح اور روح القدس کی الوہیت کو بھی خداوند عالم کی الوہیت کے ساتھ ماننا خواہ مخواہ اپنے اوپر لازم کر لیا۔ اس زبردستی کے التزام سے ان کے لیے یہ مسئلہ ایک ناقابلِ حل چیستان بن گیا کہ عقیدۂ توحید کے باوجود عقیدۂ تثلیث کو اور عقیدۂ تثلیث کے باوجود عقیدۂ توحید کو کس طرح نباہیں۔ تقریباً ١٨ سو برس سے مسیحی علماء اسی خود پیدا کردہ مشکل کو حل کرنے میں سر کھپا رہے ہیں۔ بیسیوں فرقے اسی کی مختلف تعبیرات پر بنے ہیں۔ اسی پر ایک گروہ نے دوسرے کی تکفیر کی ہے۔ اسی کے جھگڑوں میں کلیسا پر کلیسا الگ ہوتے چلے گئے۔ اسی پر ان کے سارے علمِ کلام کا زور صرف ہوا ہے۔ حالانکہ یہ مشکل نہ خدا نے پیدا کی تھی، نہ اس کے بھیجے ہوئے مسیح نے، اور نہ اس مشکل کا کوئی حل ممکن ہے کہ خدا تین بھی مانے جائیں اور پھر وحدانیت بھی برقرار رہے۔ اس مشکل کو صرف اُن کے غُلوّ نے پیدا کیا ہے اور اس کا بس یہی ایک حل ہے کہ وہ غُلوّ سے باز آ جائیں، مسیح اور روح القدس کی الوہیت کا تخیل چھوڑ دیں، صرف اللہ کو الٰہِ واحد تسلیم کر لیں، اور مسیح کو صرف اس کا پیغمبر قرار دیں، نہ کسی طور پر شریک فی الالوہیت۔

(تفہیم القرآن ج ١ ص ٤٢٨۔ ٤٢٩، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور مئی ٢٠١٢ء)

شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ١٤١٨ھ/ ١٩٩٧ء، النساء: ١٧١، کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ثَلٰثَةٌ'' سے مراد نصاریٰ کا عقیدہ تثلیث ہے جو پال کی اختراعات میں سے ہے۔ اس عقیدے کی رُو سے الوہیت میں باپ، بیٹے اور روح القدس تینوں شریک ہیں۔ یہ عقیدہ یوں تو بالکل مشرکین کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے لیکن ساتھ ہی اس بات کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ انجیلوں میں توحید کی تعلیم جو نہایت واضح الفاظ میں دی گئی ہے، کچھ اس کی بھی لاج رکھی جائے۔

(تدبر قرآن ج ٢ ص ٤٣٦، فاران فاؤنڈیشن، لاہور ١٤٣٤ھ)

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۗ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿١٧٢﴾

المسیح اللہ کا بندہ ہونے سے کبھی عار محسوس نہیں کرے گا اور نہ (اللہ کے) مقرب فرشتے، اور جو شخص اللہ کی بندگی سے عار محسوس کرے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھے تو عنقریب اللہ ایسے لوگوں کو اکٹھا کر کے اپنے سامنے لے آئیں گے O

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ

دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾

رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو اللہ اُن کو ان کی عبادتوں کا پورا پورا اجر عطاء فرمائیں گے، اور اپنے فضل سے اُن کو زیادہ بھی عطاء فرمائیں گے، اور رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی عبادت کو اپنے لیے باعثِ عار سمجھا اور تکبر کیا تو اللہ اُن کو دردناک عذاب دیں گے، اور وہ اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست اور کوئی مددگار نہ پائیں گے ○

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾

اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے قوی دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف چمکتا ہوا نور نازل فرمایا ہے ○

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾

سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اس (کے دین) کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو اللہ عنقریب اُن کو اپنی طرف سے رحمت میں اور فضل میں داخل فرمائیں گے اور اُن کو اپنی طرف (پہنچنے کے) سیدھے راستہ پر چلائیں گے ○

يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

اے رسولِ اکرم! لوگ آپ سے (کلالہ کے متعلق) سوال کرتے ہیں، آپ کہیے: اللہ تمہیں الکلالۃ (کی وراثت) کے متعلق حکم فرماتے ہیں، اگر کوئی (ایسا) مرد فوت ہو جائے جس کی کوئی اولاد نہ ہو (اور نہ باپ ہو) اور اس کی ایک بہن ہو (خواہ حقیقی بہن ہو یا باپ شریک بہن ہو) تو اس کو میت کے ترکہ کا نصف ملے گا اور وہ اس بہن کا وارث ہوگا بہ شرطیکہ اس کی بہن کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر وہ دو بہنیں ہوں تو اُن دونوں بہنوں کا حصہ اس (بھائی) کے ترکہ میں سے دو تہائی ہے، اور اگر بہن اور بھائی وارث ہوں (اُن میں) مرد (بھی ہوں) اور عورتیں (بھی ہوں) تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے، اللہ تمہیں اپنے احکام وضاحت سے بیان فرماتے ہیں تا کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''المسیح اللہ کا بندہ ہونے سے کبھی عار محسوس نہیں کرے گا اور نہ (اللہ کے) مقرب فرشتے، اور جو شخص اللہ کی بندگی سے عار محسوس کرے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھے تو عنقریب اللہ ایسے لوگوں کو اکٹھا

کر کے اپنے سامنے لے آئیں گے O'' (النساء: ۱۷۲)

اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر کرنے والوں اور تکبر نہ کرنے والوں کا بیان

امام ابوالليث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، النساء: ۱۷۲ تا ۱۷۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''لَنۡ یَّسۡتَنۡکِفَ الۡمَسِیۡحُ اَنۡ یَّکُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰہِ'': یعنی اس آیت میں اُن لوگوں کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کو اپنی شان کے خلاف نہیں سمجھتے۔ نجران کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مباحثہ کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا: حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، تو ان لوگوں نے کہا: اس طرح نہ کہیں، کیونکہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اُن عیسائیوں کی تکذیب میں یہ آیت نازل فرمائی: ''لَنۡ یَّسۡتَنۡکِفَ الۡمَسِیۡحُ اَنۡ یَّکُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰہِ''۔

''وَلَا الۡمَلٰٓئِکَۃُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ'': اور اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے یعنی حاملین عرش بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کو اپنی شان کے خلاف نہیں سمجھتے اور جب حاملینِ عرش بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کو اپنی شان کے خلاف نہیں سمجھتے تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کو اپنی شان کے خلاف کب سمجھیں گے حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَمَنۡ یَّسۡتَنۡکِفۡ عَنۡ عِبَادَتِہٖ وَیَسۡتَکۡبِرۡ فَسَیَحۡشُرُھُمۡ اِلَیۡہِ جَمِیۡعًا'': اس آیت میں ''استنکاف'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی عبادت کو عار سمجھنا، تو جو بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کو عار سمجھتا ہے تو ایسے تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ جمع فرمائیں گے اور انہیں دوزخ میں داخل ہونے کا حکم فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے تو اللہ اُن کو ان کی عبادتوں کا پورا پورا اجر عطاء فرمائیں گے، اور اپنے فضل سے اُن کو زیادہ بھی عطاء فرمائیں گے، اور رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی عبادت کو اپنے لیے باعثِ عار سمجھا اور تکبر کیا تو اللہ اُن کو دردناک عذاب دیں گے، اور وہ اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست اور کوئی مددگار نہ پائیں گے O'' (النساء: ۱۷۳)

''فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'': یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعات اور عبادات انجام دیں، ''فَیُوَفِّیۡھِمۡ اُجُوۡرَھُمۡ'' تو اللہ تعالیٰ ان کی عبادات کا پورا پورا اجر عطاء فرمائیں گے، یعنی اُن کو جنت عطاء فرمائیں گے۔

''وَاَمَّا الَّذِیۡنَ اسۡتَنۡکَفُوۡا وَاسۡتَکۡبَرُوۡا'': یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کو اپنے لیے باعثِ عار سمجھا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے تکبر کیا ''فَیُعَذِّبُھُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا'' تو اللہ تعالیٰ ان کو دردناک عذاب دیں گے۔ یعنی اس عذاب کا درد وہ ہمیشہ محسوس کریں گے۔

''وَلَا یَجِدُوۡنَ لَھُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیۡرًا'': یعنی اللہ کے عذاب سے وہ کسی بچانے والے کو نہیں پائیں گے اور نہ وہ کوئی مددگار پائیں گے جو اُن کو اس عذاب سے چھڑائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے قوی دلیل آچکی ہے

اور ہم نے تمہاری طرف چمکتا ہوا نور نازل فرمایا ہے O" (النساء: ١٧٤)

"یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ": اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برہان آنے کا ذکر ہے، اور برہان سے مراد ہیں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ "وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا": اور اس نورِ مبین سے مراد ہے قرآنِ مجید، جو حلال کو حرام سے الگ فرماتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اس (کے دین) کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو اللہ عنقریب اُن کو اپنی طرف سے رحمت میں اور فضل میں داخل فرمائیں گے اور اُن کو اپنی طرف (پہنچنے کے) سیدھے راستہ پر چلائیں گے O" (النساء: ١٧٥)

"فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ": یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق کی اور "وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ" اللہ تعالیٰ کے دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیا "فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ" تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف سے جنت میں داخل فرمادیں گے "وَفَضْلٍ" یعنی ثواب میں داخل فرمائیں گے، "وَّیَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ" یعنی ان کو اپنے دین کی طرف رہنمائی فرمائیں گے اور اس کی توفیق عطاء فرمائیں گے، اور اس آیت میں تقدیم اور تاخیر ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں صراطِ مستقیم کی ہدایت عطاء فرمائیں گے یعنی ایسے دین کی ہدایت عطاء فرمائیں گے جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں ہے اور اس میں ان کو ثواب عطاء فرمائیں گے اور ان کو آخرت میں اپنی رحمت اور فضل میں داخل فرمائیں گے یعنی جنت میں اور جنت کی کرامت میں داخل فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اے رسولِ اکرم! لوگ آپ سے (کلالہ کے متعلق) سوال کرتے ہیں، آپ کہیے: اللہ تمہیں الکلالۃ (کی وراثت) کے متعلق حکم فرماتے ہیں، اگر کوئی (ایسا) مرد فوت ہوجائے جس کی کوئی اولاد نہ ہو (اور نہ باپ ہو) اور اس کی ایک بہن ہو (خواہ حقیقی بہن ہو یا باپ شریک بہن ہو) تو اس کو میت کے ترکہ کا نصف ملے گا اور وہ اس بہن کا وارث ہوگا بہ شرطیکہ اس کی بہن کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر وہ دو بہنیں ہوں تو اُن دونوں بہنوں کا حصہ اس (بھائی) کے ترکہ میں سے دو تہائی ہے، اور اگر بہن اور بھائی وارث ہوں (اُن میں) مرد (بھی ہوں) اور عورتیں (بھی ہوں) تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے، اللہ تمہیں اپنے احکام وضاحت سے بیان فرماتے ہیں تاکہ تم گمراہ نہ ہوجاؤ، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں O" (النساء: ١٧٦)

"یَسْتَفْتُوْنَكَ": یعنی لوگ آپ سے میراث کا حکم معلوم کرتے ہیں۔ "قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ": قتادہ سے روایت ہے کہ "الکلالہ" وہ شخص ہے کہ جس کی نہ کوئی اولاد ہو اور نہ اس کا والد ہو۔ (تفسیر ابن جریر: ٨٧٦٠)، اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا

قول ہے۔(تفسیر ابن جریر: ۸۷۵۰)

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: ''کلالہ'' والد اور ولد کا ماسوا ہے یعنی نہ وہ خود والد ہو اور نہ کسی کا بیٹا ہو، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر یہ تعریف صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور اگر یہ غلط ہے تو یہ میرے نفس کی طرف سے ہے اور شیطان کی طرف سے ہے۔

اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں کو ہمارے لیے بیان نہیں فرمایا: اور ان تین چیزوں کا بیان میرے نزدیک دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب تھا: (۱) الکلالہ (۲) الخلافت (۳) ابواب الربا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ سے ''الکلالہ'' سے متعلق سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا: کیا تم نے وہ آیت نہیں دیکھی جو سورۃ النساء میں نازل ہوئی ہے: ''قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ''۔

(تفسیر ابن جریر ج ۸ ص ۵۳، السنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۶ ص ۲۲۳۔۲۲۴ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۳۶، الدر المنثور للسیوطی ج ۲ ص ۲۵۰)

''اِنِ امْرُؤٌا ھَلَکَ لَیْسَ لَہٗ وَلَدٌ'' یعنی یہ الکلالہ کی تفسیر ہے اور یہ آیت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، پس کہا کہ میری ایک بہن ہے تو اس کی میراث میں سے مجھے کیا ملے گا؟ تب یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی میراث کو بیان فرمایا، پھر ان کی بہن کی میراث کو بیان فرمایا، پس اس آیت کا حکم تمام لوگوں کے لیے عام ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اِنِ امْرُؤٌا ھَلَکَ'' یعنی اگر کوئی مرد مر جائے ''لَیْسَ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَہٗٓ اُخْتٌ فَلَھَا نِصْفُ مَا تَرَکَ'' یعنی اس کی بہن کو ترکہ کا نصف ملے گا ''وَھُوَ یَرِثُھَآ'' اور وہ مرد اپنی اس بہن کا وارث ہوگا، یعنی جب بہن مر جائے اور اس کا بھائی زندہ ہو تو وہ اپنی بہن کا وارث ہوگا بہ شرطیکہ اس کی بہن کی اولاد نہ ہو، اور اس آیت میں بھائی اور بہن دونوں کی وراثت کا حکم مذکور ہے جب کہ ان کی اولاد نہ ہو، اور اس آیت میں یہ بھی بیان فرمایا کہ اگر ان میں سے کسی ایک کی اولاد ہو، پھر ان دونوں میں سے کوئی ایک مر جائے تو اس کا کیا حکم ہے، لیکن اس کا بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں ہے، آپ نے فرمایا کہ بیٹی کے لیے ترکہ کا نصف ہے اور جو باقی بچے گا وہ اس کی بہن کے لیے ہے۔ اور اگر اس کی وہ بہن ہی مر جائے اور اس نے ایک بیٹی اور ایک بھائی کو چھوڑا ہو تو بیٹی کو نصف ترکہ ملے گا اور باقی ماندہ مال اس کے بھائی کو ملے گا، اور اس پر اجماع ہے اور پہلی صورت میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بیٹی کے ساتھ بہن وارث نہیں ہوگی اور تمام صحابہ نے ان کی مخالفت کی، اور سب نے یہ کہا کہ بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فَاِنْ کَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَھُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَکَ'': یعنی جب میت کی دو یا دو سے زیادہ بہنیں ہوں تو ان کو ترکہ کا دو تہائی ملے گا جب کہ وہ دو بہنیں ہوں، اور اگر وہ دو سے زیادہ ہوں تب بھی ان کو دو تہائی ملے گا اور اس پر اجماع ہے۔ پھر فرمایا: ''وَاِنْ کَانُوْٓا اِخْوَۃً رِّجَالًا وَّنِسَآءً'' یعنی اگر میت کے ترکہ میں بھائی ہوں اور بہنیں ہوں ''فَلِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ'' تو ان میں سے ہر ایک کو دو حصے ملیں گے اور بہن کو ایک حصہ ملے گا، اور یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب کہ وہ بہن اور بھائی یا حقیقی ہوں یا باپ شریک بہن بھائی ہوں، اور اگر وہ ماں شریک بہن بھائی ہوں تو وہ تیسرے حصہ میں شریک ہوں گے اور ان کو اس سے زیادہ نہیں ملے گا۔ اس کے بعد اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا'': یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو میراث کے مذکورہ حصص بیان فرمائے ہیں تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ یا تم ترکہ

کی تقسیم میں غلطی نہ کرو، اور اس آیت میں لفظ ''لا'' محذوف ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے ''وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ ۔۔۔ (النحل: ۱۵)'' (اور زمین میں پہاڑوں کو نصب فرمادیا تاکہ زمین تمہیں لے کر ایک طرف جھک نہ جائے)، اس آیت میں بھی ''تَمِيْدَ'' سے پہلے حرفِ لاء محذوف ہے۔ اسی طرح اس آیت میں بھی ''اَنْ تَضِلُّوْا'' سے پہلے حرفِ لاء محذوف ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ'': یعنی اللہ تعالیٰ وارثوں کی تقسیم کے حصص کو اور ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۴۰۸۔۴۰۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

المائدہ

(٥)

سورۃ المائدۃ کے مشمولات

(۱) سورۃ المائدۃ کی تلاوت کی فضیلت

(۱) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے سورۃ المائدۃ کی تلاوت کی اس کو دنیا میں رہنے والے ہر یہودی اور نصرانی کے عدد کے مطابق دس دس نیکیاں دی جائیں گی اور اس کے دس دس گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور اس کے دس دس درجات بلند فرمائے جائیں گے۔ (الوسیط ج ۲ ص ۱۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

(۲) سورۃ المائدۃ کا مقام نزول

سورۃ المائدۃ ۹ ذوالحجہ کو جمعہ کے دن نازل ہوئی کیونکہ حدیث میں ہے:

طارق بن شہاب بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المومنین! اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی "اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔۔۔ (المائدۃ: ۱)" تو ہم اس دن کو عید مناتے، تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ یہ آیت کس دن نازل ہوئی، یہ آیت یوم عرفہ (۹ ذوالحجہ) کو جمعہ کے دن نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری: ۴۵، صحیح مسلم: ۳۰۱۷، سنن نسائی: ۵۰۲۷)

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور الضحاک نے کہا: یہ سورت مدنی ہے اور مقاتل نے کہا کہ یہ سورت دن میں نازل ہوئی اور اس کی کل آیات مدنی ہیں، اور ابوسلیمان دمشقی نے کہا کہ اس سورت میں ایک مکی آیت ہے اور وہ ہے: "اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ۔۔ (المائدہ: ۳)" اور انہوں نے کہا: یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو مکی آیت ہے وہ یہ ہے: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآىٕرَ اللّٰهِ۔۔ (المائدہ: ۲)" اور صحیح یہ ہے کہ "اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ۔۔۔ (المائدہ: ۳)" میدانِ عرفہ میں، عرفہ کے دن نازل ہوئی، اسی لیے اس سورت کی نسبت مکہ کی طرف ہے۔

(زادالمسیر فی علم التفسیر ج ۱ ص ۵۰۵، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

(۴) سورۃ المائدۃ کے احکام شرعیہ

اس سورت میں کتابیات کے ساتھ نکاح کا بیان ہے، اور موت کے وقت وصیت کرنے کا حکم ہے، اور جن ذبیحوں سے کھانا جائز ہے ان کا بیان ہے، اور شکار کے احکام کا بیان ہے، اور احرام کی حالت میں شکار کے حکم کا بیان ہے، اور وضو، غسل اور تیمم سے طہارت کا بیان ہے، اور اس میں خمر اور جوئے کی تحریم کا بیان ہے، اور ارتداد کی جزاء کا بیان ہے اور چوری اور ڈاکہ کی حد کا بیان ہے اور کفارۂ قسم کا بیان ہے، اور زمانۂ جاہلیت میں البحیرۃ، السائبۃ، الوصیلۃ اور الحام کو جو حرام کیا گیا تھا، اس کا بیان ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کا تارک ہو، اس کا بیان ہے، اور نصاریٰ، یہود، مشرکین اور منافقین سے مباحثوں کا بیان ہے۔ اور اس سورت میں یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین واحد ہے اگرچہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں مختلف ہیں، اور یہ بیان ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت تک کے تمام لوگوں کے لیے ہے اور آپ کو اس دین کی تبلیغ کا حکم فرمایا گیا ہے، اور اس میں یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین پر یہ لازم فرمایا ہے کہ وہ اپنی اصلاح کریں اور اگر انہوں نے اپنی اصلاح کر لی تو دوسروں کے خلافِ شرعی کاموں سے متعلق ان سے پرسش نہیں ہوگی، اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا حکم فرمایا ہے اور اللہ کی نافرمانی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہ کرنے کا حکم فرمایا ہے، اور اس سورت میں تین قصے بیان فرمائے ہیں: (۱) بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قصہ، جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ''فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔۔۔ (المائدہ: ۲۴)''، (۲) دوسرا قصہ اس میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا ہے، جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تھا اور یہ زمین پر ہونے والا پہلا جرم تھا، (۳) اور تیسرا قصہ اس میں آسمان سے دسترخوان کے نزول کا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

(۵) سورۃ المائدۃ کے مقدمہ کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ نے سورۃ المائدۃ کے مقدمہ کے متعلق حسبِ ذیل احادیث ذکر فرمائی ہیں:

(۱) جبیر بن نفیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حج کیا، پھر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے مجھ سے پوچھا: اے جبیر! کیا تم سورۃ المائدۃ کو پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ آخری سورت ہے جو نازل ہوئی ہے اور اس سورت میں تم جس چیز کو حلال پاؤ اس کو حلال قرار دو اور جس چیز کو تم حرام پاؤ اس کو حرام قرار دو، اور میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلق کے متعلق سوال کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلق ''القرآن'' ہے، امام ترمذی نے دوسری روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے، اس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو آخری سورت نازل ہوئی وہ ''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ۔۔۔ (النصر: ۱)'' ہے۔

(سنن ترمذی: ۳۰۶۳، سنن ابوداؤد: ۱۶۱۸، مسند احمد: ۲۵۵۴۷، اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند اسحاق بن راہویہ: ۱۶۲۶، سنن نسائی فی الکبریٰ: ۱۱۱۳۸، فضائل القرآن لابی عبید ص ۱۲۸، الناسخ والمنسوخ للنحاس: ۳۹۸، مسند الشامیین للطبرانی: ۱۹۶۳، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۳۱۱، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۱۱۸)

(۲) حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی العضباء کی مہار پکڑے ہوئے تھی، اس وقت آپ پر مکمل سورۂ مائدہ نازل ہوئی، پس قریب تھا کہ اس سورت کے بوجھ سے اس اونٹنی کا بازو ٹوٹ جاتا۔

(مسند احمد: ۲۷۵۷۵، المعجم الکبیر للطبرانی: ج ۲۴ ص ۴۴۸، ۴۵۰)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ المائدہ نازل ہوئی اور آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے تو وہ اونٹنی اس سورت کا بوجھ نہیں اٹھا سکی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس اونٹنی سے نیچے اتر گئے۔

(مسند احمد: ۶۶۴۳، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۳ (حافظ ابن کثیر نے کہا: امام احمد اس روایت میں متفرد ہیں)۔

(۴) ابومیسرہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں آٹھ (۸) ایسے احکام نازل فرمائے ہیں جو اس سورت کے علاوہ اور

کسی سورت میں نازل نہیں فرمائے: (۱) ''اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ۔۔ (المائدہ:۱)'' (۲) ''وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۗ وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَىٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ۔۔ (المائدہ:۳)'' (۳) '' وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔۔ (المائدہ:۵)'' (۴) ''اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ۔۔ (المائدہ:۶)'' (۵) ''وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ۔۔۔ (المائدہ:۳۸)'' (۶) ''لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ۔۔۔ (المائدہ:۹۵)'' (۷) ''مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ۔۔ (المائدہ:۱۰۳)'' (۸) ''شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ۔۔ (المائدہ:۱۰۶)''۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۵، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

ایاتها ١٢٠ ٥ سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ ١١٢ رکوعاتها ١٦

(سورۃ المائدۃ مدنی ہے اور اس میں ایک سو بیس آیات اور سولہ رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں O

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

اے ایمان والو! اپنے کیے ہوئے عہود کو پورا کرو، تمہارے لیے بے زبان چوپائے حلال فرمادیئے گئے ہیں سوا اُن کے جن کے متعلق آئندہ تم کو بیان فرمایا جائے گا مگر حالتِ احرام میں کیا ہوا شکار حلال نہیں ہے، بے شک اللہ جو چاہتے ہیں وہ حکم فرماتے ہیں O

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَاۗىِٕدَ وَلَآ اٰۗمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ②

اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حُرمت والے مہینہ کی اور نہ قربانی کے جانوروں کی جن کے گلوں میں نشانی کے ہار ڈالے ہوئے ہوں اور نہ اُن مسلمانوں کے جان و مال کی بے حرمتی کرو جو بیت اللہ کی زیارت کا قصد کرنے والے ہوں، وہ اپنے رب کے فضل اور اس کی رِضا کو طلب کرنے والے ہوں، اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کرسکتے ہو، اور جس قوم نے تمہارے ساتھ زیادتی کر کے تمہیں مسجدِ حرام کی زیارت سے روکا تھا تو اس قوم کی عداوت تمہیں اس کے ساتھ حد سے تجاوز کرنے پر نہ برانگیختہ کرے، اور تم نیکی اور خداخوفی کے کاموں پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے رہو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والے ہیں O

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ

وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۗ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٣

اور تم پر حرام فرمائے گئے ہیں: مردار اور (رگوں سے بہا ہوا) خون اور خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، اور گلا گھٹ کر مر جانے والے اور (لکڑی وغیرہ کی) ضرب سے مارا ہوا اور بلندی سے گر کر مرا ہوا اور سینگ سے مارا ہوا، اور جس جانور کو درندے نے کھالیا ہو سوا اُن کے جن کو تم نے اللہ کے نام پر ذبح کر لیا ہو، اور جن جانوروں کو بتوں کے نشانات پر ذبح کیا گیا ہو، (یہ سب تم پر حرام فرمائے گئے ہیں)، اور جوئے کے تیروں سے اپنے حصوں کو تقسیم کرنا تم پر حرام فرمایا گیا ہے، یہ سب کام گناہ ہیں، آج کے دن کفار تمہارے دین کی ناکامی سے مایوس ہو چکے ہیں، سوائے مسلمانو! تم اُن سے نہ ڈرو اور صرف مجھ ہی سے ڈرو، آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل فرما دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت مکمل فرما دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو بہ طور دین پسند فرما لیا ہے، پھر اگر کوئی بھوک (یا پیاس) کی شدت سے مجبور ہوا (اور اس نے کوئی حرام چیز کھالی یا پی لی) جب کہ وہ گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝٤

(اے رسولِ اکرم!) یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کونسی چیزیں ہیں جو ان کے لیے حلال فرمائی گئی ہیں، آپ کہیے: تمہارے لیے تمام پاک چیزیں حلال فرمائی گئی ہیں، اور تم نے جن شکاری جانوروں کو اللہ کے سکھانے کے مطابق سکھا اور سدھا لیا ہے کہ کس طرح وہ شکار کریں تو تم اُن شکاری جانوروں کے کئے ہوئے شکار میں سے بھی کھا سکتے ہو، سو اُن شکاری جانوروں نے جس شکار کو تمہارے لیے روک رکھا ہے اس کو تم کھا سکتے ہو اور شکار پر (شکاری جانور چھوڑتے وقت تم اس پر) اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والے ہیں O

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ

لَّهُمْ ٘ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَ لَا مُتَّخِذِیْۤ اَخْدَانٍ ؕ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ٘ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۠ ۝۵

ع ۵

(اے مسلمانو!) آج تمہارے لیے پاک چیزیں حلال فرمادی گئی ہیں اور اہلِ کتاب کا ذبیحہ بھی تمہارے لیے حلال فرمادیا گیا ہے اور تمہارا ذبیحہ بھی اُن کے لیے حلال فرمادیا گیا ہے اور آزاد پاک دامن مسلمان عورتیں بھی تمہارے لیے حلال فرمادی گئی ہیں اور (اسی طرح) تم سے پہلے اہلِ کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں بھی تم پر حلال فرمادی گئی ہیں جب کہ تم ان عورتوں کو ان کے مہر ادا کردو اور ان عورتوں کو نکاح کی قید میں لانے والے ہو نہ کہ کھلی بدکاری کرنے والے ہو اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والے ہو، اور جس نے ایمان لانے کے مقابلہ میں کفر کو اختیار کیا تو بے شک اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں (بھی) نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اپنے کیے ہوئے عہود کو پورا کرو، تمہارے لیے بے زبان چوپائے حلال فرمادیے گئے ہیں سوا اُن کے جن کے متعلق آئندہ تم کو بیان فرمایا جائے گا مگر حالتِ احرام میں کیا ہوا شکار حلال نہیں ہے، بے شک اللہ جو چاہتے ہیں وہ حکم فرماتے ہیں ○'' (المائدہ:۱)

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا'' کے خطاب کی سات اقسام

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، المائدہ:۱ تا ۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ'': اس آیت میں نداء بہ طور المدح ہے، اور قرآنِ مجید میں نداء کی سات اقسام ہیں: (۱) نداء المدح: (یعنی بہ طورِ مدح وستائش کسی کو نداء کرنا) جیسے ''یایها النبی، یایها الذین امنوا، یایها الرسل'' (۲) نداء الذم: (بہ طورِ مذمت کسی کو نداء کرنا) جیسے ''یایها الذین کفروا، یایها الذین هادوا'' (اے یہودیو!) (۳) نداء التنبیہ: (کسی کو متنبہ کرنے کے لیے نداء کرنا) جیسے ''یایها الانسان'' (۴) نداء الاضافۃ: جیسے ''یاعبادی'' (اے میرے بندو!)، (۵) نداء النسبۃ: جیسے ''یا بنی آدم، یابنی اسرائیل'' (۶) نداء الاسم: جیسے ''یا ابراهیم، یاداؤد'' (۷) نداء التعیر: جیسے ''یا اهل الکتاب''۔

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا'' کے خطاب کا جامع الکلم ہونا

اس آیت میں ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا'' فرمایا ہے اور یہ نداء المدح ہے، اور یہ آیت جوامع الکلم میں سے ہے، کیونکہ فرمایا ہے: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا'' یعنی اے وہ لوگو جنہوں نے تصدیق کی ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ کس چیز کی تصدیق کی ہے، اور اس کا معنی ہے: اے وہ لوگو! جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق کی ہے اور جنہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کی تصدیق کی ہے اور جنہوں نے قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کی تصدیق کی ہے اور جنہوں نے تمام رسولوں کی تصدیق کی ہے اور جنہوں نے مرنے کے

بعد دوبارہ زندہ ہونے کی تصدیق کی ہے اور حساب اور کتاب کی تصدیق کی ہے اور جنت اور دوزخ کی تصدیق کی ہے۔

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا'' اور ''یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ'' کے خطاب کا محل

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قرآنِ مجید کی جس سورت میں بھی ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا'' آیا ہے تو وہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی ہے، اور جس سورت میں بھی ''یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ'' آیا ہے تو زیادہ تر وہ سورت مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآنِ مجید میں جہاں بھی ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا'' ہے تو اس کے مقابلہ میں انجیل میں مذکور ہے ''یاایھا المساکین''۔

العقود (العہود) کی تین قسمیں اور تینوں قسموں کے عقود کو پورا کرنے کا حکم

اس آیت میں فرمایا ہے ''اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ'' یعنی قرآن مجید میں جن فرائض کا ذکر فرمایا گیا ہے، ان کو تمام وکمال کے ساتھ ادا کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے بندوں پر جو کام حلال فرمائے ہیں ان کو کرو اور جو کام حرام فرمائے ہیں ان سے اجتناب کرو۔

اور مقاتل نے کہا کہ ''اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ'' کا معنی ہے: اے مسلمانو! تمہارے اور مشرکین کے درمیان جو عہود ہیں ان کو پورا کرو۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ تمہارے اور لوگوں کے درمیان جس قدر عہود ہیں ان سب کو پورا کرو، اور تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو عہد ہے اس کو پورا کرو، اور یہ آیت ''اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ'' بھی جوامع الکلم میں سے ہے، کیونکہ اس میں تین قسم کے عقود مجتمع ہیں: پہلی قسم: وہ عقد ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے ساتھ فرمایا یعنی اُن کو جن کاموں کے کرنے کا حکم فرمایا اور جن کاموں کے کرنے سے اُن کو منع فرمایا، اور دوسری قسم: وہ عقد ہے جو انسان کسی کام کی نذر مان کر یا کسی کام کے کرنے کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ عقد کرتا ہے، یعنی وہ اس کام کو ضرور کرے گا، اور تیسری قسم: وہ عقد ہے جو لوگ ایک دوسرے کے ساتھ خرید و فروخت میں اور کسی چیز کو کرائے پر دینے میں کرتے ہیں، پس اس آیت نے ان تمام عقود کے پورا کرنے کو واجب فرما دیا۔

''بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ'' کا مصداق اور اُن کی تفصیل

''اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰى عَلَیْكُمْ'': ''اَنْعَام'' کا لفظ اونٹوں، گایوں، بکریوں اور وحشی جانوروں سب کو شامل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَ مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا۔ (الانعام: ۱۴۲)'' (اور اللہ نے بعض مویشی (اونچے قد کے) بوجھ اٹھانے والے پیدا فرمائے اور بعض مویشی (چھوٹے قد کے) زمین سے چمٹے ہوئے پیدا فرمائے)۔ اس کے بعد فرمایا: ''ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَ مِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّیُضِلَّ النَّاسَ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (الانعام: ۱۴۳۔۱۴۴)'' (اللہ نے آٹھ جوڑے پیدا فرمائے، بھیڑ سے بھیڑ کو پیدا فرمایا، دو (نر و مادہ)، اور بکری سے بکری کو پیدا فرمایا دو (نر و مادہ)، آپ کہیے: کیا اللہ نے دونوں نر حرام فرمائے ہیں یا دونوں مادہ حرام فرمائی ہیں یا اس کو حرام فرمایا ہے جسے دونوں مادہ اپنے پیٹ میں لیے ہوئے ہیں، مجھے علمی دلیل سے بتاؤ اگر تم سچے ہو○ اور اللہ نے اونٹ سے دو پیدا فرمائے (نر اور مادہ) اور گائے سے بھی دو پیدا فرمائے (نر اور مادہ)، آپ کہیے: کیا اللہ نے

دونوں نر حرام فرمائے ہیں یا دونوں مادہ حرام فرمائی ہیں یا اس کو حرام فرمایا ہے جسے دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہوئے ہیں، کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں یہ حکم فرمایا تھا، پس اس سے بڑا اور کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بول کر بہتان باندھے تاکہ لوگوں کو بغیر علم کے گمراہ کرے، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں عطاء فرماتے O)

المائدہ: ا میں ''بَهِیْمَةُ'' کا لفظ ہے، ''بَهِیْمَةُ'' ہر اس جاندار کو کہتے ہیں جو غیر متمیز ہو یعنی اس میں ابہام ہو، اس کے بعد فرمایا: ''اِلَّا مَا یُتْلٰى عَلَیْكُمْ '' یعنی تمہارے لیے تمام مویشی حلال فرمادیئے گئے ہیں سوا اُن کے جن کا اس سورت میں ذکر ہے اور وہ یہ ہیں: مردار، خون، خنزیر کا گوشت، اور اس کے علاوہ دیگر، کیونکہ مشرکین ''بحیرۃ'' (وہ اونٹنی جس کے دودھ دوہنے کو بتوں کی وجہ سے منع کر دیا جاتا تھا) اور ''سائبۃ'' (وہ اونٹنی جس کو مشرکین اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اس پر کسی چیز کو لادا نہیں جاتا تھا) کو اپنے اوپر حرام قرار دیتے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ یہ دونوں حلال ہیں۔ سوا اُن کے جس کا اس سورت میں بیان فرمایا گیا ہے، پھر فرمایا: ''غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ '' یعنی تمہارے لیے یہ چیزیں حلال فرمادی گئی ہیں سوا اس کے کہ حالتِ احرام میں تمہارے لیے حرم میں شکار کرنا بھی حرام ہے۔ پھر فرمایا:

''اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ '': یعنی اللہ تعالیٰ جن چیزوں کو چاہتے ہیں حلال قرار دیتے ہیں اور جن چیزوں کو چاہتے ہیں حرام قرار دیتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی مصلحتوں کو زیادہ جاننے والے ہیں کہ کون سی چیز ان کے لیے مناسب ہے اور کون سی چیز ان کے لیے نامناسب ہے، اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس کے حکم میں دخل اندازی کرے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حُرمت والے مہینہ کی اور نہ قربانی کے جانوروں کی جن کے گلوں میں نشانی کے ہار ڈالے ہوئے ہوں اور نہ اُن مسلمانوں کے جان و مال کی بے حرمتی کرو جو بیت اللہ کی زیارت کا قصد کرنے والے ہوں، وہ اپنے رب کے فضل اور اس کی رِضا کو طلب کرنے والے ہوں، اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو، اور جس قوم نے تمہارے ساتھ زیادتی کر کے تمہیں مسجدِ حرام کی زیارت سے روکا تھا تو اس قوم کی عداوت تمہیں اس کے ساتھ حد سے تجاوز کرنے پر نہ برانگیختہ کرے، اور تم نیکی اور خدا خوفی کے کاموں پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے رہو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والے ہیں O'' (المائدہ:۲)

کفار سے بغض اور عداوت کی بناء پر اُن کو بیت اللہ کی زیارت کے موقع پر تنگ نہ کیا جائے

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآىٕرَ اللّٰهِ '': شعائر کا معنی ہے: جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے طاعات کی علامت بنا دیا اور اس کا واحد ''شعیرۃ'' ہے اور اس آیت کا معنی ہے: یعنی اللہ تعالیٰ نے حج کے جو شعائر مقرر فرمائے ہیں اور وہ الصفا اور المروۃ کے درمیان سعی کرنا ہے اور میدانِ عرفات کی طرف نکلنا ہے اور رمی الجمار ہے یعنی شیطان کو کنکریاں مارنا ہے اور خانہ کعبہ کا طواف کرنا

ہے اور حجرِ اسود کی تعظیم کرنا ہے، سوائے ایمان والو! تم کوئی ایسا کام نہ کرو جس کی وجہ سے ان عبادات اور طاعات کو انجام دینے میں کسی قسم کا کوئی خلل واقع ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ انصار صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہیں کرتے تھے اور اہلِ مکہ وقوف کے لیے میدانِ عرفات کی طرف جانے کے بجائے مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے اور اہلِ یمن میدانِ عرفات سے واپس آجاتے تھے یعنی وہ میدانِ عرفات سے مزدلفہ کی طرف نہیں جاتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں یہ حکم فرمایا کہ حج کے افعال میں سے کسی کام کو ترک نہ کرو۔

''وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ '': یعنی حرمت والے مہینوں میں کسی کے قتل کرنے کو حلال نہ قرار دو خواہ وہ مشرک ہوں۔

''الْهَدْيَ '' اور '' الْقَلَآئِدَ '' کے معنی

''وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ '': یعنی قربانی کے جانوروں کو اور قربانی کے جانوروں میں جو ہار ڈالے ہوئے ہوتے ہیں اُن کے درپے آزار نہ ہو، کیونکہ اہلِ جاہلیت جب مکہ کی طرف روانہ ہوتے اور انہوں نے قربانی کے جانوروں کے گلوں میں درختوں کی چھال کا ہار ڈالا ہوا ہوتا تو اس فعل سے وہ مامون اور محفوظ ہو جاتے تھے اور یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ شخص حج کرنے والا ہے تا کہ اس کو تنگ نہ کیا جائے، اور جس کے پاس قربانی کا جانور نہ ہوتا تو وہ اپنی سواری کے گلے میں درخت کی چھال سے بُنا ہوا ہار ڈال دیتا، اور جس کے پاس سواری کے لیے کوئی اونٹنی یا اور کوئی جانور نہ ہوتا تو وہ اپنی گردن میں بالوں کا یا اون سے بنایا ہوا ہار بنا کر ڈال لیتا اور اس ہار کی وجہ سے وہ مامون اور محفوظ رہتا، پھر جب وہ مکہ سے واپس آتا تو وہ اپنی اونٹنی کے گلے میں کسی درخت کی چھال کا ہار بنا کر ڈال لیتا اور اس وجہ سے وہ مامون ہو جاتا، تا کہ معلوم ہو جائے کہ وہ حج کرنے والا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حکم فرمایا کہ وہ شعائر اللہ کی بے حرمتی کو حلال نہ قرار دیں یعنی جس نے اپنی سواری کے گلے میں یا قربانی کے جانور کے گلے میں درخت کی چھال کا ہار ڈالا ہوا ہے تو اس کے ساتھ کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جس سے ان شعائر کی بے حرمتی اور بے ادبی ہو، مثلاً جس اونٹنی یا سواری کی گردن میں درخت کی چھال سے بُنا ہوا ہار ڈالا ہوا ہے تو اس جانور کو چھینا نہ جائے یا اُس کو قربانی کے لیے منیٰ تک پہنچنے سے روکا نہ جائے۔ ''الْهَدْيَ '' سے مراد قربانی کے لیے بھیجا جانے والا جانور ہے اور ''الْقَلَآئِدَ '' سے مراد قربانی کے جانوروں کے گلوں میں ڈالے ہوئے درخت کی چھال سے بُنے ہوئے ہار ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدی (قربانی کے جانور) کے لیے ہار بُنتی تھی، پس آپ اس ہار کو اپنی قربانی کے جانور کے گلے میں ڈالتے، پھر اس کو حرم میں بھیج دیتے اور خود مدینہ میں قیام فرماتے اور مُحرِم حالتِ احرام میں جن چیزوں سے اجتناب کرتا ہے آپ ان میں سے کسی چیز سے اجتناب نہیں فرماتے تھے (یعنی آپ حلال رہتے تھے جیسے آپ نے احرام باندھا ہوا نہ ہو)۔

(صحیح البخاری: ۱۷۰۲، صحیح مسلم: ۱۳۲۱، الرقم المسلسل: ۳۱۸۹، رقم حدیث الباب: ۳۶۹، سنن نسائی: ۲۷۷۴، سنن ابن ماجہ: ۳۰۹۵)

''وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا '': اور نہ اُن کی بے حرمتی کرو جو حج کی نیت سے البیت الحرام کا قصد کرنے والے ہوں، یعنی جو لوگ بیت اللہ کی زیارت کے قصد سے جا رہے ہوں اور وہ اپنے حج سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو طلب کرنے والے ہوں، تو اُن سے بھی جنگ نہ کرو اور نہ اُن کو ایذاء پہنچاؤ۔

بیت اللہ کی زیارت کرنے والوں کا احترام خواہ وہ مشرک ہوں

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ المائدہ: ۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فتح مکہ کے دن کچھ مشرکین بیت اللہ کی زیارت کا قصد کرنے کے لیے آئے اور انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا ہوا تھا، تو مسلمانوں نے کہا: ہم ان لوگوں کو نہیں چھوڑیں گے بلکہ ان کا مال ومتاع لُوٹ لیں گے، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ بیت اللہ کی زیارت کے قصد سے آئیں اُن سے تعرض نہ کرو اور ان کو تنگ نہ کرو خواہ وہ مشرک ہوں۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۵۰۷، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ، المائدہ: ۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مشرکین بھی البیت الحرام کی زیارت کا قصد کرتے تھے اور ہدایا پیش کرتے تھے اور شعائر اللہ کی تعظیم کرتے تھے اور حج کے دوران تجارت بھی کرتے تھے تو مسلمانوں نے ارادہ کیا کہ وہ اُن کا مال ومتاع چھین لیں، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ۔۔۔ (المائدہ: ۲)''۔

(تفسیر الطبری ج ۸ ص ۲۳، تفسیر مجاہد ص ۲۹۸، الناسخ والمنسوخ للنحاس ص ۳۶۰)

بیت اللہ کی زیارت کرنے والے مشرکین کو قتل نہ کرنے کے حکم کا منسوخ ہونا

پھر یہ حکم درج ذیل آیت سے منسوخ ہوگیا: ''فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ۔۔۔ (التوبۃ: ۵)'' (پھر جب حُرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو قتل کر دو جہاں بھی تم اُن کو پاؤ)۔ سو یہ حکم منسوخ ہوگیا اور یہ حکم منسوخ نہیں ہوا ''لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ''، پس یہ حکم مُحکَم ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے تا کہ حج کے افعال مکمل ہو جائیں۔ اسی لیے ہمارے اصحابِ احناف نے کہا ہے کہ جب کوئی مرد حج میں داخل ہوگیا پھر اس نے اپنے حج کو فاسد کر دیا تو اس پر لازم ہے کہ وہ تمام افعالِ حج کو ادا کرے اور اس کے لیے اس حج کے افعال میں سے کسی فعل کو ترک کرنا جائز نہیں ہے، پھر اُس کے اوپر دوسرے سال اس حج کی قضاء کرنا لازم ہے اور ''وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ'' کا حکم منسوخ ہوگیا، لہٰذا حُرمت والے مہینوں میں بھی مشرکین کو قتل کرنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً۔۔۔ (التوبۃ: ۳۶)'' (اور تم تمام مشرکین سے قتال کرو جیسا کہ وہ تم سب (مسلمانوں سے) قتال کرتے ہیں)۔

شریح بن ضبیعہ کی دھوکا دہی کے متعلق روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: یہ آیت (المائدہ: ۲) الحُطم کے متعلق نازل ہوئی ہے جس کا نام شریح بن ضبیعہ تھا، یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یمامہ سے چل کر مدینہ کی طرف آیا اور اس نے اپنے گھوڑے مدینہ سے باہر چھوڑ دیئے اور تنہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا، پس اس نے آپ سے پوچھا: آپ لوگوں کو کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں اس کی دعوت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی دعوت دیتا ہوں، اس نے کہا: یہ اچھی بات ہے، مگر میرے سردار ہیں اس لیے میں اُن سے پوچھے بغیر کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتا، ہو سکتا ہے کہ میں اسلام قبول کر لوں اور میں

انہیں لے کر آؤں اور اس کے آنے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا تھا: ''تمہارے پاس ایک ایسا مرد آئے گا جو شیطان کی زُبان سے بات کرے گا'' پھر وہ شخص آپ کے پاس سے چلا گیا، پس جب وہ نکل گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ شخص کافر کے چہرہ کے ساتھ داخل ہوا تھا اور مجھ سے عہد شکنی کرتے ہوئے نکلا، اور یہ شخص اسلام لانے والا نہیں تھا، پس وہ مرد مدینہ کی چراگاہوں کے پاس سے گزرا اور وہاں سے کچھ جانور لُوٹ کر لے گیا، مسلمانوں نے اسے پکڑنا چاہا مگر پکڑ نہیں سکے، پھر اگلے سال جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے یمامہ کے حُجاج کے تلبیہ کرنے کی آواز سنی (یعنی اللھم لبیک اللھم لبیک کہنے کی آواز سنی)، پس آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: یہ الحطم اور اس کے اصحاب ہیں اور ان لوگوں نے مدینہ کی چراگاہوں سے جو جانور لُوٹے تھے، جن کے گلوں میں قربانی کے ہار ڈالے ہوئے تھے اور اُن جانوروں کو کعبہ کی طرف روانہ کیا تھا، پھر جب مسلمان اس کو پکڑنے لگے تاکہ وہ مدینہ کے جو مویشی لُوٹ کر لے گیا تھا اُن کو واپس لے لیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ ۔۔۔ (المائدہ: ۲)'' یعنی جن لوگوں نے اپنی قربانی کے جانوروں کے گلوں میں ہار ڈالے ہوئے ہیں، اُن کی بے حرمتی نہ کرو خواہ وہ دینِ اسلام پر نہ ہوں۔ (اسباب نزول القرآن للواحدی: ۱۹۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

المائدہ: ۲ کے بعض احکام کا منسوخ ہونا اور بعض کا مُحکم ہونا

''وَلَا الْهَدْیَ وَلَا الْقَلَآىِٕدَ'': یعنی قربانی کے جانوروں اور قربانی کے جانوروں کے گلوں میں ڈالے ہوئے درختوں کی چھال کے ہاروں کو بھی ضرر نہ پہنچایا جائے۔ یہ آیت بھی مُحکَم ہے اور منسوخ نہیں ہوئی، پس ہر وہ شخص جس نے الھدی یعنی قربانی کے جانور کے گلے میں ہار ڈالا اور مکہ مکرمہ کی طرف متوجہ ہو گیا اور اس نے احرام کی نیت کی تو وہ مُحرِم ہو جائے گا اور اس کے لیے اس آیت کی دلیل سے احرام کھولنا جائز نہیں ہے، ان احکام میں سے بعض کا بعض پر عطف ہے اور بعض احکام منسوخ ہیں اور بعض احکام مُحکم ہیں، پس اگر جس نے بیت اللہ کی زیارت کا قصد کیا وہ کافر تھا تو اس کا حکم دوسری آیت میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اس کا یہ عمل مقبول نہیں ہوگا خواہ اس کا ذکر یہاں پر نہ کیا گیا ہو، اور اس کا ذکر اس آیت میں ہے: ''وَمَنْ یَّكْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۔۔۔ (المائدہ: ۵)'' (اور جس نے ایمان لانے کے مقابلہ میں کفر کو اختیار کیا تو بے شک اس کا عمل ضائع ہو گیا)۔

حالتِ احرام میں شکار کرنے کی ممانعت اور احرام کھولنے کے بعد شکار کرنے کی اجازت

''وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا'': یعنی جب تم احرام کو کھول چکو تو اگر تم چاہو تو شکار کر سکتے ہو، اس آیت میں لفظ امر کے ساتھ رخصت ہے، یعنی اس آیت میں ''فَاصْطَادُوْا'' امر کا صیغہ ہے مگر یہ امر وجوب کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ امر اختیار کے لیے ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: ''فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ ۔۔۔ (الجمعہ: ۱۰)'' (پھر جب نمازِ جمعہ مکمل ہو جائے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ)، اس آیت میں نماز مکمل ہو جانے کے بعد زمین میں پھیل جانے کا حکم ہے مگر یہ حکم بھی وجوبی نہیں ہے، اور اسی طرح قرآن مجید میں ہے ''وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَكُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۔۔۔ (البقرہ: ۱۸۷)'' (اور کھاتے پیتے رہو حتیٰ کہ صبح کا سفید دھاگا رات کے سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو کر ظاہر ہو جائے)، اس آیت میں بھی طلوعِ فجر تک کھانے پینے کا حکم ہے مگر یہ حکم وجوبی نہیں ہے اختیاری ہے۔

اور الضحاک نے کہا ہے: ''اِذَا حَلَلْتُمْ'' کا معنی ہے: جب تم احرام سے باہر آ جاؤ، اور اللہ تعالیٰ کے حرم سے باہر نکل آؤ تو شکار کر سکتے ہو، اس کے بعد فرمایا:

کسی قوم سے بدلہ لیتے وقت حد سے تجاوز کی ممانعت

''وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ'': یعنی کفارِ مکہ کی عداوت تمہیں اُن کے خلاف حد سے تجاوز کرنے پر برانگیختہ نہ کرے ''اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ'' کیونکہ کفارِ مکہ نے تم کو حدیبیہ کے سال مسجدِ حرام میں جانے سے روک دیا تھا ''اَنْ تَعْتَدُوْا'' کہ تم حد سے تجاوز کرو، یعنی تم یمامہ کے حجاج پر حد سے تجاوز کرو جو مشرکین میں سے ہیں، کہ تم اُن کے قتل کرنے کو حلال سمجھو۔

''لَا يَجْرِمَنَّكُمْ'' کا معنی ہے: تم کو برانگیختہ نہ کریں۔ ''شَنَاٰنُ قَوْمٍ'' کا معنی ہے: کسی قوم سے بغض اور عداوت کی شدت۔ یعنی چونکہ مشرکین نے حدیبیہ کے سال تم کو مسجدِ حرام کی زیارت سے منع کیا تھا تو اس کے بدلہ میں تم بھی مشرکین کو مسجدِ حرام کی زیارت کرنے اور طواف کرنے سے اور عمرہ کرنے سے منع کرو، سو مشرکین سے عداوت کی شدت میں تم ایسا نہ کرو۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ مسجدِ حرام کی زیارت کے قصد سے جا رہے ہیں تو تم اُن کو اس زیارت کرنے سے اس لیے منع کرو کہ تم کو بھی حدیبیہ کے سال مسجدِ حرام کی زیارت کرنے سے منع کیا گیا تھا۔

''اَلْبِرِّ'' اور ''اَلتَّقْوٰى'' کا لغوی اور اصطلاحی معنی

''وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى'': یعنی تم اُن کی اس زیادتی کو معاف کر دو اور اس سے چشم پوشی کرو، اور اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں ''اَلْبِرِّ'' سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنا، اور ''اَلتَّقْوٰى'' سے مراد ہے خواہشِ نفس سے اجتناب کرنا، تاکہ یہ آیت جوامع الکلم سے ہو جائے، پس ''اَلْبِرِّ'' اور ''اَلتَّقْوٰى'' میں حج کے تمام افعال داخل ہو جائیں گے۔

''اَلْاِثْمِ'' اور ''اَلْعُدْوَانِ'' کا معنی

''وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو العالیہ نے کہا: اس آیت میں ''اَلْاِثْمِ'' سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل نہ کرنا اور جس کام سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اس کا ارتکاب کرنا، اور ''اَلْعُدْوَانِ'' سے مراد ہے: اللہ سبحانہٗ کی بیان کردہ حد سے تجاوز کرنا۔

''وَاتَّقُوا اللّٰهَ'': یعنی تمام کاموں میں اللہ سے ڈرتے رہو اور اِن تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کے امر اور نہی کی مخالفت بھی داخل ہے، پھر اس کی علت بیان فرمائی: ''اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ'' یعنی جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرے گا اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہیں کرے گا یا اس کے احکام کی مخالفت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو سزا دیں گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ان سے رک جاؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''الدال علی الخیر کفاعله'' (نیکی کی رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی مثل ہے)۔ (مسند ابویعلیٰ: ۱۵۴۱، ۴۲۹۶)، اور یہ بھی کہا گیا ہے ''الدال علی الشر کصانعه'' یعنی برائی کی رہنمائی کرنے والا برائی کرنے والے کی مثل ہے۔

یہ آیت (المائدہ:٢) گرچہ اہلِ یمامہ کے حجاج کے متعلق نازل ہوئی ہے مگر اس کا حکم تمام لوگوں کے لیے عام ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم پر حرام فرمائے گئے ہیں: مردار اور (رگوں سے بہا ہوا) خون اور خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، اور گلا گھٹ کر مرجانے والے اور (لکڑی وغیرہ کی) ضرب سے مارا ہوا اور بلندی سے گر کر مرا ہوا اور سینگ سے مارا ہوا، اور جس جانور کو درندے نے کھالیا ہو سوا اُن کے جن کو تم نے اللہ کے نام پر ذبح کرلیا ہو، اور جن جانوروں کو بتوں کے نشانات پر ذبح کیا گیا ہو، (یہ سب تم پر حرام فرمائے گئے ہیں)، اور جوئے کے تیروں سے اپنے حصوں کو تقسیم کرنا تم پر حرام فرمایا گیا ہے، یہ سب کام گناہ ہیں، آج کے دن کفار تمہارے دین کی ناکامی سے مایوس ہو چکے ہیں، سو اے مسلمانو! تم اُن سے نہ ڈرو اور صرف مجھ ہی سے ڈرو، آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل فرمادیا ہے اور تم پر اپنی نعمت مکمل فرمادی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو بہ طورِ دین پسند فرمالیا ہے، پھر اگر کوئی بھوک (یا پیاس) کی شدت سے مجبور ہوا (اور اس نے کوئی حرام چیز کھالی یا پی لی) جب کہ وہ گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O'' (المائدہ:٣)

حرام شدہ جانوروں اور دیگر حرام کاموں کی تفصیل

''حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ'': یعنی تم پر مُردار کے کھانے کو حرام فرمادیا گیا ہے اور ''اَلْمَیْتَةُ'' ہر اس جانور کو کہتے ہیں جو بغیر ذبح کرنے کے اپنی طبعی موت سے مرگیا وہ حرام ہے سوائے ٹڈی اور مچھلی کے، کیونکہ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے حلال ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمارے لیے دو مُردار حلال فرمادیئے گئے ہیں مچھلی اور ٹڈی۔ (سنن ابن ماجہ:٣٢١٨)، اور بعض روایات میں ہے کہ ہمارے لیے دو خون بھی حلال فرمادیئے گئے ہیں اور وہ کلیجی اور تلّی ہیں۔

''وَالدَّمُ'': یعنی تم پر خون کا کھانا اور پینا حرام فرمادیا گیا ہے اور اس سے مراد بہتا ہوا خون ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے: ''قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ ---'' (الانعام:١٤٥) ''(آپ کہیے: میری طرف جو وحی فرمائی گئی ہے میں اس میں کسی کھانے والے پر کوئی حرام فرمائی ہوئی چیز نہیں پاتا جسے وہ کھاتا ہو سوا اس کے کہ وہ مردار ہو یا (رگوں سے) بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو)۔

''اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ'' یعنی خنزیر کے گوشت کو حرام فرمادیا گیا ہے، پس اس آیت میں ''اللحم'' کا ذکر ہے اور اس سے مراد ہے ''اللحم، الشحم'' یعنی گوشت اور چربی وغیرہ، اور یہ مسلمانوں کے اجماع سے حرام ہیں۔ پھر فرمایا:

''اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ'': یعنی تم پر اس جانور کا کھانا حرام فرمادیا گیا ہے جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، ''اُهِلَّ'' کا لفظ

الاھلال سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے آواز بلند کرنا، اسی سے ماخوذ ہے ''استھلال الصبی'' یعنی بچہ پیدا ہونے کے بعد جو پہلی بار آواز سے روئے، اور ''اھلال الحج'' بھی اسی سے ماخوذ ہے یعنی احرام باندھنے کے بعد بلند آواز سے تلبیہ پڑھنا اور ''اللھم لبیک، اللھم لبیک'' کہنا۔ اور جانور کے ذبح کو اھلال اس لیے فرمایا کہ مشرکین جانور کو ذبح کرتے وقت بلند آواز سے اپنے معبودوں کا نام ذکر کرتے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام فرمادیا۔ پھر فرمایا:

''وَالْمُنْخَنِقَةُ'': اور یہ وہ بکری ہے جس کا گلا گھونٹ دیا جائے پھر وہ مرجائے، اور بعض اہلِ جاہلیت اس کو حلال قرار دیتے تھے اور اس کو کھاتے تھے، پھر فرمایا: ''وَالْمَوْقُوْذَةُ'' یعنی تم پر ''الْمَوْقُوْذَةُ'' کو حرام فرمادیا گیا ہے، ''الْمَوْقُوْذَةُ'' وہ جانور ہے جس پر لکڑی سے ضرب لگائی جائے اور اس سے وہ مرجائے، اور لغت میں ''الْمَوْقُوْذَةُ'' کا معنی ہے: جو ہلاکت کے قریب ہو، پس جب کسی جانور پر ڈنڈا مارا جائے حتیٰ کہ وہ موت کے قریب ہو، پھر اس کو چھوڑ دیا جائے تو کہا جاتا ہے ''وَقَذَہ'' یعنی اس جانور کو ڈنڈا مار کر چھوڑ دیا، اور کہا جاتا ہے ''فلانٌ وَقِيْذٌ'' یعنی فلاں شخص ہلاکت کے قریب پہنچ گیا، پھر فرمایا:

''وَالْمُتَرَدِّيَةُ'' اور یہ وہ بکری ہے جو پہاڑ سے گرجائے یا کسی بھی بلندی سے گرجائے یا کنویں میں گرجائے پھر مرجائے۔ پھر فرمایا: ''وَالنَّطِيْحَةُ'': یہ وہ بکری ہے جو اپنی ساتھی بکری پر سینگ مارے اور اس کو ہلاک کرڈالے۔ پھر فرمایا: ''وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ'' یعنی درندے کا پھاڑا ہوا جانور، پس اللہ تعالیٰ نے مومنین پر ان تمام جانوروں کے کھانے کو حرام فرمادیا ہے۔ پھر ان سے استثناء فرمایا: ''اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ'' یعنی سوا اُن جانوروں کے جن کو تم زندہ پاؤ اور پھر اسلام کی ہدایت کے مطابق اُن کو ذبح کردو تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

''وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ'': نُصُب سے مراد وہ پتھر یا بُت ہے جس کے پاس جانور کو ذبح کیا جاتا ہے، اور مشرکین اپنے بتوں کے پاس جانور کو ذبح کرتے تھے اور مشرکین اپنی عید کے موقع پر بُتوں کا نام لے کر اُن جانوروں کو ذبح کرتے تھے۔

''وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ'': ''الْاَزْلَام'' کا واحد ''زلم'' ہے یہ قلم اور الاقلام کے وزن پر ہے۔

اس کا معنی ہے: تیروں کے ذریعہ اپنی قسمت کو معلوم کرنا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ، المائدہ: ۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مُشرکینِ عرب نے کسی تیر پر لکھا ہوتا یہ کام کرو، اور کسی تیر پر لکھا ہوتا یہ کام نہ کرو، اور جب اُن کو مستقبل میں کوئی کام درپیش ہوتا تو وہ ان تیروں میں سے کوئی تیر اٹھالیتے اور جو کچھ ان تیروں پر لکھا ہوتا اس کے مطابق عمل کرتے، مثلاً جب وہ سفر پر جانے یا کسی نئے کام کے کرنے کا ارادہ کرتے تو تین تیروں میں سے کوئی ایک تیر اٹھالیتے، کسی ایک تیر پر لکھا ہوتا کہ مجھے میرے رب نے یہ کام کرنے کا حکم دیا ہے، دوسرے پر لکھا ہوتا: مجھے میرے رب نے اس کام کے کرنے سے منع کیا ہے، اور تیسرا تیر سادہ ہوتا جس پر کچھ لکھا ہوا نہیں ہوتا تھا، پس اگر وہ تیر نکل آتا جس پر لکھا ہوتا کہ یہ کام کرو تو وہ اس کام کو کرتے، اور اگر وہ تیر نکل آتا جس پر لکھا ہوتا: یہ کام نہ کرو تو وہ کام نہ کرتے، اور اگر سادہ تیر نکل آتا تو پھر دوبارہ قرعہ اندازی کرتے۔

زمانۂ جاہلیت میں انہوں نے کچھ پتھر رکھے ہوئے تھے اور ان پر کچھ لکھ دیتے تھے اور اس کا نام ''القداح'' رکھ دیتے تھے، مجاہد نے کہا کہ وہ ہر سفر، جنگ اور تجارت کے موقعوں پر ان پتھروں یا تیروں سے فال نکالتے تھے، ایک قول یہ ہے کہ یہ تیر کاہن

کے پاس رکھے ہوتے تھے، جب کسی آدمی نے کوئی نیا کام کرنا ہوتا تو وہ کاہن کے پاس جاتا تو اگر اس میں ان تیروں کے اٹھانے سے کوئی پسندیدہ چیز ملتی تو وہ کام کرتے اور اگر انہیں کوئی ناپسندیدہ چیز ملتی تو وہ اس کام سے رک جاتے۔

(تفسیر الطبری ج ۸ ص ۳۷۔۷۶ ملخصا، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)

''ذٰلِکُمۡ فِسۡقٌ '': یعنی یہ افعال معصیت اور گمراہی ہیں اور ان افعال کو حلال سمجھنا کفر ہے۔

''اَلۡیَوۡمَ یَئِسَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ دِیۡنِکُمۡ '': یعنی کفارِ عرب اب اس سے مایوس ہو چکے ہیں کہ اے مسلمانو! تم کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے، یہ اس وقت کی بات ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کیا اور آپ کے ساتھ کوئی مُشرک نہیں تھا، اور الضحاک نے کہا کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مکہ فتح ہوا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ (۸) ہجری میں مکہ میں داخل ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا: سنو! جس نے لا الٰہ الا اللہ پڑھ لیا، اس کو امن ہے اور جس نے ہتھیار اتار دیئے اس کو امن ہے، اور جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر دیا تو اس کو امن ہے، پس تمام قریش نے اللہ کے اس حکم کو مان لیا اور اپنے ہاتھ بلند کیے اور اسلام لے آئے۔

''فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ '': یعنی تم مشرکین کے رُعب اور دبدبے سے مت ڈرو، میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہاری مدد فرمانے والا ہوں۔ ''وَاخۡشَوۡنِ '' اور میرے حکم پر عمل نہ کرنے سے تم مجھ سے ہی ڈرو۔ پھر فرمایا:

''اَلۡیَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَـكُمۡ دِيۡنَكُمۡ '': یعنی میں نے تمہارے لیے دین کے تمام احکام شرعیہ مکمل فرما دیئے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے تو صرف نماز فرض تھی، اور جب مدینہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے حلال اور حرام کے احکام نازل فرمائے، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، یعنی تمہارے دین میں حلال اور حرام کے احکام مکمل ہو چکے ہیں۔

حماد بن سلمہ نے از عمار بن ابی عمار از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھی: ''اَلۡیَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَـكُمۡ دِيۡنَكُمۡ '' تو اُن سے ایک یہودی نے کہا: اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے، پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی ہے: جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن۔ (سنن ترمذی: ۳۰۵۵)

طارق بن شہاب از حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المؤمنین! تمہاری کتاب میں ایک آیت ہے جس کی تم تلاوت کرتے ہو، اگر ہم یہودیوں پر وہ آیت نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن قرار دیتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کونسی آیت ہے؟ تو اس یہودی نے یہ آیت پڑھی: ''اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَـكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَرَضِيۡتُ لَـكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا ۔۔۔ (المائدہ: ۳)''، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمیں وہ دن معلوم ہے اور وہ جگہ بھی معلوم ہے جس جگہ اور جس دن وہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی اور آپ میدانِ عرفات میں جمعہ کے دن کھڑے ہوئے تھے۔ (صحیح البخاری: ۴۵، صحیح مسلم: ۳۰۱۷، سنن ترمذی: ۳۰۴۳، سنن نسائی: ۵۰۱۲، مسند احمد: ۱۸۹)

مجاہد نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کا غلبہ مکمل ہو گیا اور تمہارے دین کی نصرت کامل ہو گئی، اور قتادہ نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ تم پر میرا احسان آج مکمل ہو گیا کیونکہ آج تمہارے ساتھ کسی مشرک نے حج نہیں کیا۔

''وَرَضِيۡتُ لَـكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا '': حدیث میں یہ روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد اکیاسی (۸۱) روز تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیاتِ ظاہری کے ساتھ زندہ رہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفرِ آخرت کے لیے روانہ ہو گئے۔

''فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ '': اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے محرّمات کا بیان فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ بھوک کی شدت کی وجہ سے ان محرّمات میں سے کسی چیز کو کھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں، تو اُن کے لیے ضرورت کے وقت ان محرّمات میں سے کسی چیز کو کھانے کی اللہ تعالیٰ نے اجازت عطاء فرمائی ہے، پس فرمایا: ''فَمَنِ اضْطُرَّ'' یعنی جو شخص بھوک کی شدت کی وجہ سے ان میں سے کسی چیز کو کھانے سے مجبور ہو گیا، جب کہ اس کا قصد اللہ کی نافرمانی نہ ہو اور وہ صرف بہ قدرِ ضرورت کھائے، پیٹ بھر کر نہ کھائے، جتنی مقدار کے کھانے سے اس کی جان بچ جائے اتنی مقدار کھائے اور اس مقدار میں حد سے تجاوز نہ کرے، اور ان محرّمات میں سے کسی چیز کو حصولِ لذت کے لیے نہ کھائے، تو اس کے اس کھانے میں اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اہلِ مدینہ نے کہا کہ ''مضطر'' اتنی مقدار میں کھائے جتنی مقدار سے اس کا پیٹ بھر جائے۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ اتنی مقدار کھائے جتنی مقدار کھانے سے وہ مرنے سے بچ جائے، اسی طرح امام شافعی نے فرمایا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ '': یعنی جتنی مقدار اس نے بھوک کی شدت میں کھائی ہے، اس کے کھانے کو اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والے ہیں، اور وہ رحیم ہیں کیونکہ انہوں نے اضطرار کی حالت میں حرام چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو کھانے کی رخصت عطاء فرمائی ہے۔

حضرت ابوواقد اللیثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ! ہم کبھی جنگلات کی زمینوں میں ہوتے ہیں، ہمیں بھوک لگتی ہے تو ہمارے لیے مردار کھانا کب جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: جب تمہیں صبح کے وقت کوئی چیز کھانے کو نہ ملے اور نہ رات کے وقت کھانے کی کوئی چیز ملے تو اس صورت میں تمہارے لیے مردار کھانا جائز ہے، اور جب کسی مرد کو صبح دودھ مل جائے یا کوئی غذا مل جائے تو اس کے لیے دن کے وقت مردار کو کھانا جائز نہیں ہے، اسی طرح جب شام کے وقت وہ دودھ پی لے یا کوئی اور چیز کھا لے تو اب اس کے لیے مُردار کھانا جائز نہیں ہے۔ (شرح السنہ ج ٦ ص ۱۱۱۔۱۱۲)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کونسی چیزیں ہیں جو ان کے لیے حلال فرمائی گئی ہیں، آپ کہیے: تمہارے لیے تمام پاک چیزیں حلال فرمائی گئی ہیں، اور تم نے جن شکاری جانوروں کو اللہ کے سکھانے کے مطابق سِکھا اور سَدھا لیا ہے کہ کس طرح وہ شکار کریں تو تم اُن شکاری جانوروں کے کئے ہوئے شکار میں سے بھی کھا سکتے ہو، سو اُن شکاری جانوروں نے جس شکار کو تمہارے لیے روک رکھا ہے اس کو تم کھا سکتے ہو اور شکار پر (شکاری جانور چھوڑتے وقت تم اس پر) اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والے ہیں O'' (المائدہ: ۴)

المائدہ: ۴ کا شانِ نزول

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یارسول اللہ! آپ نے ہمیں ان کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے تو کیا ان میں سے کوئی چیز ہمارے لیے حلال ہے؟ (المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۳۱۱، تفسیر الطبری: ۷: ۱۱۱۳۴، الطبرانی

:۱۷ ۹،۲۷ ۹،اسباب النزول للواحدی: ۳۸۳، مجمع الزوائد: ۶۰۹۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی، آپ نے اُن کو اجازت دے دی لیکن وہ داخل نہیں ہوئے، تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو یا تصویر ہو، پھر تفتیش کی تو گھر کے کسی کونے میں کتے کا پلاّ تھا۔ اس کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو بہت افسردہ اور غمزدہ اٹھے، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یارسول اللہ! آج آپ کا چہرہ میں بہت متغیر دیکھ رہی ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آج رات مجھ سے ملاقات کریں گے پس انہوں نے مجھ سے ملاقات نہیں کی، لیکن اللہ کی قسم! انہوں نے مجھ سے وعدہ خلافی نہیں کی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سارا دن مغموم رہے، پھر آپ کے دل میں خیال آیا کہ ہمارے خیمہ کے نیچے کتے کا پلاّ ہے، پھر آپ کے حکم سے اس کو نکال دیا گیا، پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے پانی نکالا اور اس جگہ کو دھویا، پھر جب شام ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام آپ سے ملے، تو آپ نے ان سے پوچھا کہ آپ نے مجھ سے گزشتہ رات ملاقات کا وعدہ کیا تھا؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: صحیح ہے وعدہ کیا تھا، لیکن ہم اس گھر میں نہیں داخل ہوتے جس میں کتا ہو یا تصویر ہو، پھر صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح مسلم: ۲۱۰۵، الرقم المسلسل: ۵۴۸۰، رقم حدیث الباب: ۸۲، سنن ابوداؤد: ۴۱۵۷، سنن نسائی: ۴۲۹۴)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں از ابوطلحہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو یا تصویر ہو۔ (صحیح البخاری: ۳۲۲۵، ۳۲۲۲، سنن ترمذی: ۲۸۰۴، سنن نسائی: ۴۲۹۳، ۵۳۶۲، سنن ابن ماجہ: ۳۶۴۹)

شکاری کتوں کو سدھانے کی شرائط اور معیار

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

ابوسلیمان الدمشقی نے بیان کیا کہ شکاری کتوں کی تعلیم کی علامت یہ ہے کہ جب تم اسے بلاؤ تو وہ آ جائے اور جب تم اس کو شکار پر چھوڑو تو وہ اس پر جھپٹ پڑے اور شکار کی طلب میں نکلے، اور جب وہ شکار کر کے اسے چھوڑے تو تمہارے لیے چھوڑے نہ کہ اپنے لیے، اور تمہارے لیے چھوڑنے کی علامت یہ ہے کہ وہ اس شکار میں سے کچھ بھی نہ کھائے، یہ شکاری درندوں اور شکاری کتوں کے متعلق معیار ہے۔ رہے شکاری پرندے تو وہ شکاری درندوں کے خلاف ہیں، کیونکہ پرندوں کو سدھایا جانا ان کے شکار کو کھانے سے معلوم ہوتا ہے، اور چیتے اور کتے کا سدھایا جانا ان کے شکار کو نہ کھانے سے معلوم ہوتا ہے۔

(زادالمسیر ج ۲ ص ۵۱۵۔۵۱۶، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

شکار کیے ہوئے جانور سے کھانے کی شرائط

المائدہ: ۴، حضرت عدی بن حاتم الطائی کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ، صلی اللہ

علیک وسلم! ہم لوگ ان شکاری کتوں اور شکاری بازوں (عقابوں) کے ساتھ شکار کرتے ہیں، پس ان میں سے کیا چیز ہمارے لیے حلال ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے کتے کو یا باز کو جو سکھا دیا ہے اور سکھا کر اس کو چھوڑا ہے اور تم نے بسم اللہ پڑھی ہے تو اس شکاری کتے یا شکاری باز نے جو جانور تمہارے لیے چھوڑ دیا ہے اسے کھالو، میں نے پوچھا: خواہ اس شکاری کتے یا شکاری باز نے اس جانور کو مار ڈالا ہو؟ آپ نے فرمایا: خواہ اس نے اس جانور کو مار ڈالا ہو، لیکن خود اس جانور سے کچھ نہ کھایا ہو، تو تم اس جانور کو کھالو، کیونکہ اس نے اس جانور کو تمہارے لیے روکا ہوا تھا اور اگر اس شکاری کتے یا باز نے اس جانور میں سے کچھ کھالیا، پھر تم اس جانور کو نہ کھاؤ، کیونکہ اس نے اس جانور کو اپنے لیے روکا ہے، حضرت عدی بن حاتم نے کہا: میں نے پوچھا: اگر ہمارے شکاری کتوں کے ساتھ دوسرے کتے مل جائیں جب ہم نے ان کو چھوڑا؟ آپ نے فرمایا: پھر نہ کھاؤ حتیٰ کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ تمہارا کتا وہی ہے جس نے تمہارے لیے اس جانور کو چھوڑا ہے، اور اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ''یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ''۔

یعنی ان کے لیے شکار میں سے کس کو کھانے کی رخصت دی گئی ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ''حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ۔۔ (المائدہ:۳)'' تو صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں ہم پر حرام فرمادی ہیں، پس کونسی چیز ہمارے لیے حلال ہے یارسول اللہ! تب یہ آیت نازل ہوئی: ''قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ'' یعنی تمہارے لیے حلال ذبیحے کھانے کی رخصت دی گئی ہے۔

''وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ'': یعنی تمہارے لیے اس شکار کو حلال فرمادیا گیا ہے جس کو تم نے شکار کرنے والے پرندوں اور حملہ کرنے والے شکاری کتوں کے ذریعہ شکار کیا ہے، پھر فرمایا: ''مُكَلِّبِيْنَ'' یعنی شکاری کتوں کے مالکان، جو اُن کو شکار پر جھپٹنا اور حملہ کرنا سکھاتے ہیں، پھر فرمایا: ''تُعَلِّمُوْنَهُنَّ'' یعنی تم اُن کو سکھاتے ہو کہ شکار کو کس طرح حاصل کیا جائے اور کس طرح ڈھونڈا جائے، ''مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ'' یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں طریقہ سکھایا ہے۔

مجاہد سے روایت ہے کہ اُن سے سوال کیا گیا کہ شکرے اور باز اور چیتے کے کیے ہوئے شکار کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ تمام جانور زخمی کرنے والے ہیں اور ان کے شکار کیے ہوئے کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے جب کہ وہ سدھائے ہوئے ہوں، پھر فرمایا: ''فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ'' یعنی اس شکاری جانور نے جو حصہ تمہارے لیے روک لیا ہے اس کو کھالو۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم شکار پر اپنے کتے کو چھوڑو اور تم نے بسم اللہ پڑھ لی ہو اور اس کتے نے شکار کو تمہارے لیے رکھا ہو اور اس کو زخمی کیا ہو تو اس شکار کو کھالو، اگر کتے نے اس شکار سے کچھ کھالیا ہے تو پھر تم نہ کھاؤ کیونکہ اس شکاری کتے نے اس شکار کو اپنے لیے رکھا ہے، اور جب تمہارے شکاری کتے کے ساتھ دوسرے کتے مل جائیں اور تم نے اس پر بسم اللہ نہ پڑھی ہو اور شکاری جانور نے اس کتے کو محفوظ رکھا ہو اور اس کو زخمی کر دیا ہو تو نہ کھاؤ، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ کون سے کتے نے قتل کیا ہے، اور اگر تم نے شکار پر تیر مارا، پھر ایک دن یا دو دن بعد اس شکار کو پایا اور اس کے اوپر صرف تمہارے مارے ہوئے تیر کا زخم تھا تو اس کو کھالو، اور اگر وہ شکار پانی میں گر گیا ہو تو پھر نہ کھاؤ۔

(صحیح البخاری: ۵۴۸۵، صحیح مسلم: ۱۹۲۹، سنن ابوداؤد: ۲۸۵۳، مسند احمد: ۱۸۸۷۹)

المائدہ: ۴ سے مستنبط ہونے والے مسائل

''وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ'': یعنی جب تم شکاری کتے کو شکار پر چھوڑو تو بسم اللہ پڑھو۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ کتا جب

شکار کرکے اس جانور میں سے کچھ کھا لے تو پھر اس جانور کو کھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس نے اپنے لیے شکار کیا ہے، اور اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ بغیر بسم اللہ پڑھے شکاری کتے کو چھوڑنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بسم اللہ پڑھنے کی شرط سے اس کے کھانے کو جائز قرار دیا اور اس شرط پر جائز قرار دیا ہے کہ اس نے اپنے مالک کے لیے اس جانور کو شکار کیا ہو، اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ جب کتا سدھایا ہوا نہ ہو تو پھر اس کے کیے ہوئے شکار کو کھانا جائز نہیں ہے۔

حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! ہم اہلِ کتاب لوگوں کے ساتھ رہتے ہیں، کیا ہم ان کے برتنوں میں کھالیں؟ اور ہم شکار کرنے کی سرزمین میں رہتے ہیں، میں اپنی کمان کے ساتھ شکار کرتا ہوں اور اپنے اس کتے کے ساتھ شکار کرتا ہوں جو سدھایا ہوا نہیں ہے اور اس کتے کے ساتھ بھی شکار کرتا ہوں جو سدھایا ہوا ہے، ان میں سے کون سی چیز ہمارے لیے جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: تم نے جو اہلِ کتاب کے برتنوں کا ذکر کیا ہے، اگر تمہیں ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن مل جائیں تو تم ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ، اور اگر تم کو ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن نہ ملیں تو ان کے برتنوں کو دھو کر ان میں کھالو، اور وہ جو تم نے اپنی کمان کے ساتھ شکار کیا ہے تو تیر چھوڑتے وقت تم نے اللہ کا نام پڑھ لیا ہے تو پھر اس شکار کو کھالو، اور وہ جو تم نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کے ساتھ شکار کیا ہے، پس اگر تم نے پہلے اللہ کا نام پڑھ لیا ہے تو اسے کھالو، اور وہ جو تم نے غیر سدھائے ہوئے کتے کے ساتھ شکار کا ذکر کیا ہے تو اگر تم نے اس کو زندہ پالیا اور پھر تم نے اس کو ذبح کرلیا تو اس کو تم کھالو۔

(صحیح البخاری: ۵۴۷۸، صحیح مسلم: ۱۹۳۰، سنن ترمذی: ۱۴۶۴، سنن نسائی: ۴۲۶۶، سنن ابوداؤد: ۲۸۵۵، سنن ابن ماجہ: ۳۲۰۷، مسند احمد: ۱۷۷۴۷، سنن دارمی: ۲۴۹۹)

اس آیت اور اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ ذبیحہ پر اللہ عزوجل کا نام پڑھنا ذبح کرنے کے وقت مشروع ہے اور شکار میں جس وقت وہ شکاری جانور کو شکار پر چھوڑے، اس وقت اللہ کا نام لینا مشروع ہے یا جس وقت کوئی شخص شکار پر تیر مارے تو تیر مارتے وقت اللہ کا نام لینا مشروع ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سرمئی مینڈھوں کی قربانی کی، پس میں نے دیکھا کہ آپ نے اپنا قدم اُن مینڈھوں کے سینوں پر رکھا، پھر آپ نے بسم اللہ پڑھی اور اللہ اکبر پڑھا، پھر ان دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۵۵۵۸، صحیح مسلم: ۱۹۶۶، سنن ترمذی: ۱۴۹۴، سنن نسائی: ۴۳۸۷، سنن ابوداؤد: ۲۷۹۴، سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۰، مسند احمد: ۱۱۷۴۳، سنن دارمی: ۱۹۴۵)

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا اس وقت شرط ہے جب عام حالات میں ذبح کیا جائے، اور جب شکار پر شکاری جانور چھوڑا جائے یا شکار پر تیر مارا جائے تو اس وقت شکاری جانور چھوڑنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا شرط ہے یا شکار پر تیر مارنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا شرط ہے۔

علم کی فضیلت

اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ عالم کو وہ فضیلت حاصل ہوتی ہے جو جاہل کو فضیلت حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ کتے کو بھی جب تعلیم دی گئی ہو تو اس کو دیگر کتوں پر فضیلت ہے، تو جب انسان کو تعلیم دی جائے گی تو اس کو دیگر انسانوں پر کیوں فضیلت حاصل نہیں ہوگی! جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا: ہر چیز کی ایک قیمت ہے اور مرد کی قیمت اس کا حُسن ہے اور اس کا اللہ سے ڈرنا ہے، پھر فرمایا: '' وَاتَّقُوا اللّٰهَ '': یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مردار کو نہ کھاؤ اور ان جانوروں کو نہ کھاؤ جن کے ذبح کرتے وقت اللہ

تعالیٰ کا نام نہیں لیا گیا۔ ''اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ '': یعنی بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والے ہیں اور تمہارے کیے ہوئے کاموں کی جزا دینے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) آج تمہارے لیے پاک چیزیں حلال فرمادی گئی ہیں اور اہلِ کتاب کا ذبیحہ بھی تمہارے لیے حلال فرمادیا گیا ہے اور تمہارا ذبیحہ بھی اُن کے لیے حلال فرمادیا گیا ہے اور آزاد پاک دامن مسلمان عورتیں بھی تمہارے لیے حلال فرمادی گئی ہیں اور (اسی طرح) تم سے پہلے اہلِ کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں بھی تم پر حلال فرمادی گئی ہیں جب کہ تم ان عورتوں کو ان کے مہر ادا کردو اور ان عورتوں کو نکاح کی قید میں لانے والے ہو نہ کہ کھلی بدکاری کرنے والے ہو اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والے ہو، اور جس نے ایمان لانے کے مقابلہ میں کفر کو اختیار کیا تو بے شک اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں (بھی) نقصان اٹھانے والوں میں سے ہےO'' (المائدہ:۵)

''اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ '': آج کے دن تمہارے لیے حلال جانوروں کے مذبوحات کو حلال فرمادیا گیا ہے، یعنی اُن کے حلال ہونے کو ظاہر فرمادیا گیا ہے۔

''وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ ''یعنی اہلِ کتاب کے مذبوحات کو بھی تمہارے لیے حلال فرمادیا گیا ہے۔

''وَ طَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّھُمْ ''اور تمہارے مذبوحات اور تمہارے طعام کو اُن کے لیے حلال فرمادیا گیا ہے، اور اُن کو رخصت عطاء فرمائی گئی ہے کہ وہ تمہارے مذبوحات میں سے کھا سکتے ہیں۔ الزجاج نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے یہ حلال فرمادیا گیا ہے کہ تم ان کو اپنا طعام کھلاؤ۔

''وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ ''یعنی تمہارے لیے پاک دامن مومن عورتوں سے نکاح حلال فرمادیا گیا ہے۔ اور فرمایا: ''وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ '' اور اہلِ کتاب کی پاک دامن عورتوں کے ساتھ تمہارے نکاح کو حلال فرمادیا گیا ہے ''مِنْ قَبْلِکُمْ ''یعنی جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب عطاء فرمائی گئی ہے اور وہ تورات اور انجیل ہے اور الصابیہ کے ساتھ نکاح کرنے میں اختلاف ہے، اس کا بیان ہم سورۃ البقرہ میں کر چکے ہیں۔

''اِذَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ '': یعنی جب تم ان عورتوں کو ان کا مہر ادا کردو۔ ''مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ '': یعنی تم اُن عورتوں کے ساتھ گھر بسانے والے ہو نہ کہ اُن سے زنا کرنے والے ہو۔ ''وَ لَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ '' اور نہ تم اُن عورتوں کے ساتھ خفیہ آشنائی بنانے والے ہو، اس کا معنی یہ ہے کہ تم عورتوں کے ساتھ خفیہ آشنائی نہ رکھو تا کہ تم اس وجہ سے ان کے ساتھ زنا کرو۔ اور یہ اس لیے فرمایا کہ اہلِ کتاب اس کو ملامت کرتے تھے جو کھلم کھلا اور علانیہ زنا کرے، اور اس کو ملامت نہیں کرتے تھے جو چوری چھپے پوشیدہ طور پر زنا کرے، پس اسلام نے چوری چھپے زنا کو اور علانیہ زنا دونوں کو حرام فرمادیا۔

النساء:۵ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کی پاک دامن عورتوں کے مسلمان مردوں سے نکاح کو جائز فرمادیا ہے، کیا اسی قیاس پر

یہ کہا جاسکتا ہے کہ اہلِ کتاب کے پاک دامن مردوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کا نکاح بھی جائز ہے؟ اور بعض آزاد خیال لوگ اس کے قائل بھی ہیں، اس کے متعلق امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

اہلِ کتاب کے پاک دامن مردوں کا مسلمان عورتوں کے ساتھ نکاح کا عدم جواز

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ---- (البقرہ: ۲۲۱)''۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنات پر حرام فرمادیا ہے کہ وہ کسی مشرک سے نکاح کریں خواہ وہ کسی قسم کا مشرک ہو، سوا ے مسلمانو! تم کسی قسم کے بھی مشرک سے مسلمان عورتوں کا نکاح نہ کرو کیونکہ یہ تم پر حرام ہیں، اور اگر تم کسی مسلمان غلام سے جو اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کرتا ہو، مسلمان عورت کا نکاح کردو تو یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تم مسلمان عورت کا کسی آزاد مشرک سے نکاح کرو خواہ تمہیں اس کا حسب اور نسب اچھا معلوم ہوتا ہو۔

قتادہ اور الزہری نے کہا کہ تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم مسلمان عورت کا کسی یہودی یا نصرانی سے نکاح کردو یا کسی ایسے مشرک سے جو تمہارے دین پر نہ ہو۔ عکرمہ اور الحسن البصری نے کہا: مسلمان عورتوں کو مشرک مردوں پر حرام فرمادیا گیا ہے۔

(تفسیر الطبری ج ۳ ص ۷۱۸۔۷۱۹، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)

امام ابن ابی حاتم عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس الرازی التوفی ۳۲۷ھ نے بھی یہی لکھا ہے کہ تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم مسلمان عورت کا کسی یہودی یا نصرانی یا مشرک سے نکاح کردو جو تمہارے دین پر نہ ہو۔

(تفسیر ابن ابی حاتم ج ۲ ص ۳۹۹، مکتبہ نزار مصطفی الباز)

ہم نے اس مسئلہ کی مکمل تفصیل اور تحقیق تبیان الفرقان جلد اول میں البقرہ: ۲۲۱ کے تحت کردی ہے، اس کو وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

کسی شخص نے ارتداد سے پہلے جو نیک عمل کیے تھے، ارتداد سے اُن نیک اعمال کا باطل ہونا

''وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ'': اور دوسرا قول یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ تمہارے اوپر مردار کو حرام فرمادیا گیا ہے، پھر مجبوری کی صورت میں مُردار کی رخصت دی گئی تو بعض مسلمانوں نے کہا: مجبوری کی صورت میں جو ہم کو حرام کھانے کی اجازت فرمائی گئی ہے، ہم اس رخصت کو قبول نہیں کرتے، تب یہ آیت نازل ہوئی: '' وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ''۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت میں تمام مسلمانوں سے ابتداءً خطاب ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کو قبول نہ کرے تو اس کے اعمال ضائع ہوگئے۔ اور مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے: اس کے عمل کا ثواب ضائع ہوگیا۔

''وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ'' اور اسی وجہ سے ہمارے اصحاب احناف رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ ایک مرد نے نماز پڑھی، پھر مرتد ہوگیا، پھر اسی نماز کے وقت میں وہ مسلمان ہوگیا تو اس پر اس پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ کرنا واجب ہے۔ اور اگر اس نے حج اسلام کیا تھا تو اس پر لازم ہے کہ وہ دوبارہ حج کرے، کیونکہ اس نے اپنے مرتد ہونے سے پہلے جو عمل کیا تھا وہ عمل باطل ہوگیا۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۴۱۱۔۴۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

جس ایمان کے ساتھ کفر کرنے سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اس ایمان کے مصداق میں فقہاء کا اختلاف

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد ہے اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کرنا، اور الکلبی نے کہا: اس سے مراد ہے لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے کے بعد اس کا انکار کرنا، اور مقاتل نے کہا کہ جو کچھ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا ہے اس کا انکار کرنا یعنی قرآن مجید کا انکار کرنا، اور ایک قول یہ ہے کہ جو شخص حرام کو حلال قرار دے اور حلال کو حرام قرار دے تو اس کے اعمال ضائع ہو گئے۔ (معالم التنزیل ج ٢ ص ١٩، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤٢٠ھ)

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٦﴾

اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو (اور تمہارا وضو نہ ہو) تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوؤ اور اپنے سروں پر مسح کرو (یعنی سروں پر گیلا ہاتھ پھیرو) اور اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت دھوؤ، اور اگر تم پر غسل واجب ہو تو اچھی طرح پاکیزگی حاصل کرلو، اور اگر تم بیمار ہو یا تم حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی ایک قضاء حاجت سے فارغ ہو کر آئے یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کرو، سو اپنے چہروں پر اور اپنے (پورے) ہاتھوں پر اس پاک مٹی سے ملو، اللہ تم کو تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتے، لیکن اللہ تمہیں خوب پاک فرمانا چاہتے ہیں اور اس لیے کہ تم پر اپنی نعمت کو مکمل فرما دیں تاکہ تم اللہ کا شکر ادا کرو O

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٧﴾

اور تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو اور اس عہد کو یاد کرو جو اس نے تم سے پختگی سے لیا تھا جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ دلوں کی تمام باتوں کو جاننے والے ہیں O

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ

قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾

اے ایمان والو! تم اللہ کے لیے انصاف کے ساتھ گواہی پر قائم رہنے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس کے ساتھ ناانصافی کرنے پر برانگیختہ نہ کرے، تم (ہمیشہ) انصاف کرتے رہو اور انصاف کرنا تقویٰ اور پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ ہی سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والے ہیں O

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۙ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٩﴾

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے، اللہ نے اُن سے مغفرت کا اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے O

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١٠﴾

اور جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا اور ہماری آیات کی تکذیب کی، وہی لوگ دوزخی ہیں O

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾ ع

اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب ایک قوم نے تمہاری طرف لڑنے کے لیے اپنے ہاتھوں کو بڑھانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے اُن کے ہاتھوں کو تم سے روک لیا اور تم اللہ سے ہی ڈرتے رہو، اور مومنین کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو (اور تمہارا وضو نہ ہو) تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوؤ اور اپنے سروں پر مسح کرو (یعنی سروں پر گیلا ہاتھ پھیرو) اور اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت دھوؤ، اور اگر تم پر غسل واجب ہو تو اچھی طرح پاکیزگی حاصل کرلو، اور اگر تم بیمار ہو یا تم حالتِ سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی ایک قضاءِ حاجت سے فارغ ہو کر آئے یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کرو، سو اپنے چہروں پر اور اپنے (پورے) ہاتھوں پر اس پاک مٹی سے ملو، اللہ تم کو تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتے، لیکن اللہ تمہیں خوب پاک فرمانا چاہتے ہیں اور اس لیے کہ تم پر اپنی نعمت کو مکمل فرما دیں تا کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو O'' (المائدہ: ٦)

اس پر دلیل کہ نماز کے ارادہ کے وقت وضو کرنا واجب ہے نہ کہ نماز کے لیے اٹھنے کے وقت

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ٧١٠ ھ، المائدہ: ٦ تا ١١ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ'': اس آیت پر بہ ظاہر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: جب بھی تم نماز میں قیام کرو تو وضو کرو، حالانکہ ہر دفعہ نماز میں قیام کے لیے وضو کرنا ضروری نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر ارادہ کا لفظ محذوف ہے یعنی جب بھی تم نماز میں قیام کا ارادہ کرو تو وضو کرو، اور اس کی نظیر یہ ہے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔'' (النحل:٩٨) ''اور اس آیت کا بہ ظاہر ترجمہ اس طرح ہے: (اے رسولِ اکرم! آپ جب بھی قرآن پڑھیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں)، حالانکہ قرآن مجید پڑھنے سے پہلے شیطان مردود سے پناہ طلب کی جاتی ہے نہ کہ قرآن مجید پڑھتے وقت، اس کا جواب بھی اسی طرح ہے کہ یہاں پر لفظِ ارادہ محذوف ہے یعنی جب بھی آپ قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ کریں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں، سو اسی طرح یہاں بھی اس طرح معنی ہے کہ جب بھی آپ نماز میں قیام کا ارادہ کریں تو وضو کریں۔

اس پر دلیل کہ جب بے وضو شخص نماز کے لیے اٹھے تو اس پر وضو کرنا واجب ہے نہ کہ مطلقاً نماز کے لیے اٹھنے کے وقت

اس پر پھر اعتراض ہوتا ہے کہ اگر آدمی باوضو ہو اور وہ نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو کیا اس وقت بھی اس پر وضو کرنا لازم ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر یہ لفظ محذوف ہے ''وَاَنْتُمْ مُحْدِثُوْنَ'' یعنی جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو اور تم بے وضو ہو تو پھر تم پر وضو کرنا لازم ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ''اَوْ مِنَ النَّوْمِ'' یعنی جب تم نیند سے اٹھ کر نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو وضو کرو، کیونکہ نیند بے وضو ہونے کی دلیل ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ابتداء میں ہر نماز کے لیے وضو کرنا واجب تھا، پھر بعد میں یہ وجوب منسوخ ہو گیا۔

ایک وضو کے ساتھ متعدد نمازیں پڑھنے کا جواز

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک وضو سے تمام نمازیں پڑھیں اور موزوں پر مسح کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آج آپ نے ایسا کام کیا ہے جو آپ اس سے پہلے نہیں کرتے تھے، آپ نے فرمایا: اے عمر! میں نے یہ کام عمداً کیا ہے۔

(صحیح مسلم: ٢٧٧، الرقم المسلسل: ٦٤٠، رقم حدیث الباب: ٨٦، سنن ابوداؤد: ١٧٢، سنن ترمذی: ٦١، سنن نسائی: ١٣٣، سنن ابن ماجہ: ٥١٠)

محمد، جو اسد بن عمرو کے والد ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے وضو کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے لیے الگ وضو فرماتے تھے اور ہم متعدد نمازیں ایک وضو کے ساتھ پڑھ لیتے تھے۔

(سنن ابوداؤد: ١٧٠، صحیح البخاری: ٢١٤)

ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونے کا وجوب

''وَاَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ'': اس آیت میں ''اِلٰی'' انتہاء کے معنی میں ہے یعنی ہاتھوں کو دھونے کی انتہاء کہنیوں تک ہے، اور حکم میں اس کا دخول اور خروج دلیل کے ساتھ گردش کرتا ہے، اور جب اس میں حکم سے خروج کی دلیل نہ ہو تو یہ اپنی اصل پر رہتا

ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے: ''وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَیْسَرَةٍ ۔۔۔ (البقرہ: ٢٨٠)'' (اور اگر وہ مقروض تنگدست ہو تو اس کو خوشحالی تک مہلت دینا لازم ہے)، کیونکہ مہلت دینے کی علت مقروض کی تنگدستی ہے، اور جب مقروض خوشحال ہو جائے گا تو تنگدستی زائل ہو جائے گی، اور اگر خوش حالی اس میں داخل ہوتی تو اس کو تنگدستی اور خوشحالی دونوں صورتوں میں مہلت دینا واجب ہوتا، اسی طرح قرآنِ مجید میں ارشاد ہے: ''ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَى الَّیْلِ ۔۔۔ (البقرہ: ١٨٧)'' (پھر رات کو آنے تک روزہ پورا کرو)، کیونکہ اگر رات بھی روزہ رکھنے کے حکم میں داخل ہوتی تو پھر وصال کا روزہ واجب ہو جاتا، اس لیے یہاں پر ''اِلٰی'' کا لفظ حکم سے خروج کے لیے ہے، یعنی رات تک روزہ پورا کیا جائے گا اور جس جگہ حکم میں دخول کی دلیل ہو تو پھر ''اِلٰی'' کے بعد جو حکم ہے وہ خارج نہیں ہوگا جیسے تم کہو: ''میں نے قرآن مجید کو حفظ کیا اول سے لے کر آخر تک'' تو یہ کلام پورے قرآن کو حفظ کرنے کے لیے لایا گیا ہے، لہٰذا یہاں پر قرآن مجید کو حفظ کرنا حکم سے خارج نہیں ہوگا، اور اسی طرح قرآن مجید میں ہے ''مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ۔۔۔ (بنی اسرائیل: ١)''، کیونکہ یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس تک سیر نہیں کرائی گئی تھی (بلکہ اس کے آگے تک سیر کرائی گئی تھی) یعنی اس سیر کی انتہاء بیت المقدس پر نہیں ہوئی تھی۔ اور ''اِلَى الْمَرَافِقِ'' میں دو امروں میں سے کسی ایک پر دلیل نہیں ہے، پس جمہور نے احتیاط پر عمل کیا ہے اور انہوں نے کہا کہ کہنیاں دھونے کے حکم میں داخل ہیں، اور امام زُفر اور داؤد ظاہری نے یقینی صورت پر عمل کیا تو انہوں نے کہنیوں کو دھونے کے حکم میں داخل نہیں کیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ کہنیوں کے اوپر بھی پانی بہاتے تھے۔ (سنن دارقطنی: ج ١ ص ٨٣)، سو اس حدیث سے جمہور کے موقف کی تائید ہوتی ہے کہ کہنیاں بھی دھونے کے حکم میں داخل ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھویا جائے۔

سر پر مسح کرنے کے متعلق مذاہبِ ائمہ

''وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ'': اس سے مراد ہے مسح کو سر کے ساتھ ملانا، اور جو سر کے بعض حصہ کا مسح کرے اور جو پورے سر کا مسح کرے دونوں پر یہ صادق آتا ہے کہ انہوں نے مسح کو سر کے ساتھ ملایا ہے، پس امام مالک نے احتیاط پر عمل کیا اور انہوں نے پورے سر کے مسح کرنے کو واجب قرار دیا اور امام شافعی نے متیقن پر عمل کیا، سو انہوں نے کہا کہ کم از کم اتنی مقدار پر مسح کرے جس پر مسح کا لفظ صادق آ جائے، اور ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان پر عمل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کا مسح کیا تو پیشانی کی مقدار پر مسح فرمایا اور انہوں نے ذکر کیا عمامہ کے اوپر۔ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم موزوں پر مسح فرماتے اور پیشانی کی مقدار پر مسح فرماتے اور عمامہ پر۔ (سنن ابوداؤد: ١٥٠)

اور پیشانی کی مقدار کو چوتھائی سر کے برابر کا اندازہ کیا گیا ہے، (اس حدیث میں عمامہ پر مسح کا بھی ذکر ہے، اس کی توجیہ یہ ہے کہ آپ عذر کی صورت میں عمامہ پر مسح فرماتے تھے، یعنی جب سر میں کوئی تکلیف ہوتی تو بجائے سر کے عمامہ پر مسح فرما لیتے۔ اس کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ آپ نے سر کا مسح کرنے کے بعد عمامہ کو سر پر سیدھا کر کے رکھا، تو اس سے راوی نے یہ سمجھا کہ آپ نے عمامہ پر بھی مسح فرمایا ہے۔ اور اس کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ مسح دھونے کا بدل ہے، اب اگر سر کے مسح کے بعد عمامہ پر مسح کیا جائے تو لازم آئے گا کہ سر کے مسح کا بدل عمامہ پر مسح ہے، حالانکہ بدل کا بدل نہیں ہوتا۔ سعیدی غفرلہٗ)

وضو میں پیروں کے دھونے پر دلائل

''وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ'': شامی، نافع، علی اور حفص نے ''اَرْجُلَكُمْ'' پر زبر پڑھی ہے اور آیت کا معنی اس طرح ہے: پس تم اپنے چہروں کو دھوؤ اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوؤ اور پیروں کو ٹخنوں تک دھوؤ اور اپنے سروں کا مسح کرو۔ اور آیت میں ''اَرْجُلَكُمْ'' مقدم ہے اور معنی میں مؤخر ہے، اور دوسرے قراء نے ''وَ اَرْجُلِكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ'' پڑھا اور اس کا عطف ''رؤوس'' پر ہے یعنی اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پیروں پر ٹخنوں تک مسح کرو، کیونکہ ''اَرْجُلٌ'' کا لفظ تین اعضاء مغسولہ کے درمیان ہے اور ان پر پانی بہا کر دھویا جائے گا، پس یہ اسراف کے محل میں تھا جو کہ ممنوع ہے، اس لیے اس کا عطف ''ممسوح'' پر کیا گیا ہے نہ اس لیے کہ پیروں پر مسح کیا جائے لیکن تا کہ اعتدال پر تنبیہ کی جائے جو پانی کو خرچ کرنے میں واجب ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ ''اِلَى الْكَعْبَیْنِ'' اس لیے کہا گیا کہ کوئی شخص یہ گمان کر سکتا تھا کہ پیروں پر بھی مسح کیا جائے، کیونکہ مسح کی شریعت میں کوئی انتہا نہیں ہے۔ اور ''جامع العلوم'' میں یہ بیان کیا ہے ''اَرْجُلِكُمْ'' جوار کی وجہ سے مجرور ہے یعنی اصل میں منصوب ہے لیکن چونکہ اس سے پہلا لفظ مجرور ہے ''وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ'' تو اس کے جوار کی وجہ سے اس پر جر آ گئی ہے۔ اور پیروں کے دھونے کے وجوب پر یہ حدیث دلیل ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے پیچھے رہ گئے، پھر آپ آ کر ہمارے ساتھ مل گئے اور ہم نماز کے وقت میں تاخیر کر چکے تھے اور ہم وضو کر رہے تھے تو ہم اپنے پیروں پر مسح کرنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے ندا فرمائی: ''وَیْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ'' (بے دھلی ایڑیوں پر آگ کا عذاب ہو)، یہ آپ نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ فرمایا۔ (صحیح البخاری: ٦٠، ٩٦، ١٦٣، صحیح مسلم: ٢٤١، سنن نسائی: ١١١، سنن ابوداؤد: ٩٧، مسند احمد: ٧ ٦٩٣)

چونکہ اس حدیث میں پیروں کے نہ دھونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عذاب کی وعید سنائی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ پیروں کا دھونا واجب ہے کیونکہ پیروں پر مسح کرنے والوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عذاب کی وعید سنائی ہے۔

اور عطاء بیان کرتے ہیں: اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کو نہیں جانا جس نے پیروں پر مسح کیا ہو، اور ان اعضاء کو دھونے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تا کہ یہ میل کچیل سے صاف ہو جائیں، کیونکہ یہ اعضاء عموماً کھلے رہتے ہیں۔ اور نماز میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اور اس کی خدمت میں حاضر ہونا ہے اور اس کے سامنے کھڑا ہونا ہے اور میل کچیل سے صاف ہو کر کھڑے ہونا تعظیم کے زیادہ قریب ہے اور خدمت کے زیادہ لائق ہے، اور جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ جب کوئی شخص بادشاہ کے سامنے کھڑے ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو میل کچیل سے صاف کر لیتا ہے، اس لیے کہا گیا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ مرد اپنے سب سے اچھے کپڑوں میں نماز پڑھے اور سر پر عمامہ باندھ کر نماز پڑھنا ننگے سر نماز پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ اس میں زیادہ تعظیم ہے۔

پیروں کے دھونے پر مزید دلائل

قرآن مجید، احادیث اور اجماع علماء سے وضو میں پیروں کے دھونے کی فرضیت ثابت ہے اور وضو میں پیروں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے اور شیعہ اس کے قائل ہیں کہ وضو میں پیروں پر مسح کیا جائے، ان کو دھویا نہ جائے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے ''اَرْجُلَكُمْ'' اور لام پر نصب ہے اور اس کا عطف ''وُجُوْهَكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ'' پر ہے، یعنی اپنے چہروں، ہاتھوں اور پیروں کو دھوؤ۔

صحابہ میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہی قراءت ہے اور قراء میں سے ابن عامر، نافع اور کسائی کی یہی قراءت ہے اور عاصم سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ (الحاوی الکبیر ج ا ص ۹۴) اور اس قراءت کا یہ تقاضا ہے کہ پیروں کا دھونا فرض ہو اور حسب ذیل احادیث میں بھی اس پر دلیل ہے کہ پیروں کا دھونا فرض ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے پیچھے رہ گئے۔ پھر آپ ہم سے آ ملے درآنحالیکہ ہم نے عصر کی نماز میں تاخیر کردی تھی، سو ہم وضو کرنے لگے اور پیروں پر مسح کرنے لگے، تو آپ نے بہ آواز بلند دو یا تین بار فرمایا: "ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہو"۔

یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جن ایڑیوں کو دھویا نہ گیا ہو، ان کو آگ کا عذاب ہو۔

(صحیح البخاری ج ا ص ۱۶۵۔ ۱۶۳، صحیح مسلم: ۲۴۲۔ ۲۴۱۔ ۲۴۰، سنن ترمذی: ۴۱، سنن ابوداؤد: ۹۷، سنن نسائی: ۱۱۱، سنن ابن ماجہ: ۴۵۰، مسند احمد: ۲۴۵۷۰)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مغیرہ بن حنین بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ایک شخص وضو کر رہا تھا اور وہ اپنے پیروں کو دھو رہا تھا، آپ نے فرمایا: مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ حارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنے پیروں کو ٹخنوں تک دھوؤ۔

ابوقلابہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جس نے اپنے پیر میں ناخن جتنی جگہ دھونے سے چھوڑ دی تھی، آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اپنے وضو اور نماز کو دہرائے۔ (جامع البیان ج ٦ ص ۱۷۲، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

پیروں کو دھونے پر علماء شیعہ کے اعتراضات کے جوابات

شیعہ کا ایک اعتراض یہ ہے کہ اس آیت کی دو قراءتیں ہیں۔ نصب کی قراءت (أَرْجُلَكُمْ) سے دھونا ثابت ہوتا ہے اور جر کی قراءت (أَرْجُلِكُمْ) سے مسح ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اس صورت میں اس کا عطف "بِرُءُوْسِكُمْ" پر ہوگا۔ اس اعتراض کے کئی جواب ہیں: پہلا جواب یہ ہے کہ جر کی تقدیر پر بھی "أَرْجُلِكُمْ" کا عطف "اَيْدِيَكُمْ" پر ہے، اور اس پر جوار کی وجہ سے جر ہے، اس کی نظیر یہ آیت ہے: "اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ (ہود: ۲٦)" (بے شک میں تم پر دردناک عذاب کے دن کا خوف رکھتا ہوں)۔

اس آیت میں "اَلِيْمٍ" عذاب کی صفت ہے، اس اعتبار سے اس پر نصب (زبر) ہونی چاہیے تھی، لیکن چونکہ اس کے جوار میں "يَوْمٍ" پر جر ہے، اس لیے اس کو بھی جر دی گئی، اس کو جرِ جوار کہتے ہیں۔ اسی طرح "أَرْجُلَكُمْ" کا عطف "وُجُوْهَكُمْ" اور "وَاَيْدِيَكُمْ" پر ہے۔ اس وجہ سے اس پر نصب ہونی چاہیے تھی لیکن اس کے جوار میں "بِرُءُوْسِكُمْ" چونکہ مجرور ہے، اس لیے اس کو بھی جر دی گئی، لہٰذا یہ جرِ جوار ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ "أَرْجُلِكُمْ" کا عطف "بِرُءُوْسِكُمْ" پر ہے اور اس سے پہلے "وَامْسَحُوْا" مقدر ہے، لیکن "وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ" میں مسح کا معنی حقیقی مراد ہے۔ یعنی گیلا ہاتھ پھیرنا اور "وَامْسَحُوْا بِاَرْجُلِكُمْ" میں مسح کا مجازی معنی مراد ہے، یعنی دھونا۔ اہلِ عرب کہتے ہیں "مسح المطر الارض" بارش نے زمین کو دھو ڈالا۔ سو مسح مجازاً دھونے کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور یہاں یہی مراد ہے۔ معطوف علیہ میں حقیقت اور معطوف میں مجاز مراد ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی نظیر یہ آیت ہے:

’’يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا۔ (النساء: ٤٣)‘‘ (اے ایمان والو! تم نشہ کی حالت میں اس وقت تک نماز کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ تم جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو، اور نہ حالتِ جنابت میں مسجد کے قریب جاؤ سوا راستہ عبور کرنے کے حتیٰ کہ تم غسل کرلو)۔

اس آیت میں ’’وَ لَا جُنُبًا‘‘ کا عطف ’’لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ‘‘ پر ہے اور اس سے پہلے بھی ’’لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ‘‘ مقدر ہے، لیکن معطوف علیہ میں الصلوٰۃ کا معنی حقیقتاً مراد ہے یعنی نماز، اور معطوف میں الصلوٰۃ کا معنی مجازاً مراد ہے یعنی مسجد اور محل صلوٰۃ۔ اسی طرح آیت وضو میں بھی ’’وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ‘‘ میں مسح کا حقیقی معنی مراد ہے یعنی سروں پر گیلا ہاتھ پھیرو، اور ’’وَ امْسَحُوْا بِاَرْجُلِكُمْ‘‘ میں مسح کا مجازی معنی مراد ہے یعنی دھونا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ’’اَرْجُلَكُمْ‘‘ اور ’’اَرْجُلِكُمْ‘‘ دو متواتر قراءتیں ہیں اور جس طرح قرآن مجید کی آیات میں باہم تعارض نہیں ہے، اسی طرح قرآن مجید کی قراءت میں بھی باہم تعارض نہیں ہے اور ’’اَرْجُلَكُمْ‘‘ کا معنی ہے: پیروں کا دھونا اور ’’اَرْجُلِكُمْ‘‘ کا معنی ہے پیروں پر مسح کرنا۔ اسی لیے ’’اَرْجُلَكُمْ‘‘ کی قراءت اس حال پر محمول ہے جب وضو کرنے والے نے موزے نہ پہنے ہوں اور ’’اَرْجُلِكُمْ‘‘ کی قرأت اس حال پر محمول ہے جب اس نے موزے پہنے ہوئے ہوں۔ یعنی جب موزے پہنے ہوں تو پیروں پر مسح کرلو اور جب موزے نہ پہنے ہوں تو پیروں کو دھولو، اس طرح ان دونوں قراءتوں میں کوئی تعارض نہیں رہے گا۔

پیروں پر مسح کرنے کے متعلق علماءِ شیعہ کی دلیل کا جواب

علماءِ شیعہ نے کہا کہ قاعدہ یہ ہے کہ وضو میں ان اعضاء کو دھویا جاتا ہے جن پر تیمم میں مسح کیا جاتا ہے اور جن اعضاء کو تیمم میں ترک کردیا جاتا ہے، ان پر وضو میں مسح کیا جاتا ہے۔ اگر وضو میں پیروں کو دھونے کا حکم ہوتا تو تیمم میں پیروں پر مسح کیا جاتا اور جبکہ تیمم میں پیروں کو ترک کردیا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ وضو میں پیروں کا حکم مسح کرنا ہے نہ کہ دھونا۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ قرآن مجید میں مذکور ہے نہ حدیث میں، یہ محض ان کی ذہنی اختراع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وضو میں جن اعضاء کو دھونے کا حکم دیا ہے اور وہ چہرہ، ہاتھ اور پیر ہیں تو ان کو دھویا جائے گا اور جس عضو پر مسح کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ سر ہے تو اس پر مسح کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے تیمم یا وضو میں سے کسی ایک کو دوسرے پر قیاس کرنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ دونوں کے لیے الگ الگ صراحتاً احکام بیان فرمائے اور ان دونوں کا تفصیلی حکم اسی آیت میں ہے۔ قیاس اس وقت کیا جاتا ہے جب کسی چیز کا صراحتاً حکم بیان نہ فرمایا گیا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ بالفرض اگر یہ قیاس مان لیا جائے تب بھی یہ قاعدہ غسل سے ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ تیمم جس طرح وضو کی فرع ہے، اسی طرح غسل کی فرع ہے، اور جب تیمم میں چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا جاتا ہے اور باقی بدن کو ترک کردیا جاتا ہے، تو چاہیے کہ غسل میں صرف چہرے اور ہاتھوں کو دھولیا جائے اور باقی بدن پر صرف مسح کرلیا جائے اور جب کہ بالاتفاق غسل میں ایسا نہیں کیا جاتا، تو معلوم ہوا کہ یہ قاعدہ اور قیاس فاسد ہے۔

وضو میں پیروں کو دھونے پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فعل اور آپ کے حکم اور آثارِ صحابہ سے دلائل

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حُمران نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھا، انہوں نے پانی

منگوایا، پھر اپنی ہتھیلیوں پر تین مرتبہ برتن سے پانی ڈالا، پھر اپنے ہاتھوں کو دھویا، پھر اپنے دائیں ہاتھ کو پانی کے برتن میں ڈالا، پس کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک تین مرتبہ دھویا، پھر اپنے سر پر مسح کیا، پھر اپنے دونوں پیروں کو تین مرتبہ ٹخنوں تک دھویا، پھر بیان کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا، پھر دو رکعت نماز پڑھی اور اس نماز کے درمیان اپنے دل سے کوئی بات نہیں کی تو اس کے پچھلے (صغیرہ) گناہ معاف فرما دیئے جائیں گے۔ (صحیح البخاری: ١٥٩، صحیح مسلم: ٢٢٦، سنن نسائی: ٨٤، سنن ابوداؤد: ١٠٦، سنن دارمی: ٦٩٣)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بندۂ مسلم یا بندۂ مومن وضو کرے، سو اپنا چہرہ دھوئے تو اس کے چہرے سے پانی کے ساتھ یا فرمایا: پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ، ہر وہ گناہ نکل جاتا ہے جس کی طرف اس نے دیکھا ہو، پس جب وہ بندہ اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوئے تو پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ ہر وہ گناہ نکل جاتا ہے جس کو اس نے اپنے ہاتھوں کے ساتھ پکڑا ہو، پھر جب وہ بندۂ مومن یا مسلم اپنے پیروں کو دھوئے تو پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ ہر وہ گناہ نکل جاتا ہے جس گناہ کی طرف وہ اپنے دونوں پیروں سے چل کر گیا ہو حتیٰ کہ وہ گناہوں سے پاک ہو کر نکلتا ہے۔
(صحیح مسلم: ٢٤٤، الرقم المسلسل: ٥٧٦، سنن ترمذی: ٢، مسند احمد: ٨٠٢٦)

حضرت المستورد بن شداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب وضو فرماتے تو اپنے پیروں کی انگلیوں کو اپنے ہاتھ کی چھنگلی سے ملتے۔ (سنن ابوداؤد: ١٤٨)

ابو حیۃ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے وضو کیا، پس انہوں نے بتایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہر عضو کو تین تین مرتبہ دھویا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے سر کا مسح کیا، پھر اپنے دونوں پیروں کو ٹخنوں سمیت دھویا، پھر کہا: میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کرنے کو دکھاؤں۔ (سنن ابوداؤد: ١١٦)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، پس اس نے پوچھا: یا رسول اللہ! کس طرح وضو کیا جائے؟ تو آپ نے ایک برتن میں پانی منگوایا، پس اپنی ہتھیلیوں کو تین تین مرتبہ دھویا، پھر اپنے چہرہ کو تین مرتبہ دھویا، پھر اپنی کلائیوں کو تین مرتبہ دھویا، پھر اپنے سر پر مسح کیا اور اپنی دو انگلیوں میں سے ایک انگلی دونوں کانوں کے سوراخ میں ڈالی، اور اپنے انگوٹھوں سے دونوں کانوں کے ظاہر پر اور دونوں کانوں کے باطن پر مسح فرمایا، پھر آپ نے دونوں پاؤں کو تین تین مرتبہ دھویا، پھر آپ نے فرمایا: اسی طرح وضو کیا جائے، پس جس نے اس وضو پر اضافہ کیا یا اس میں کوئی کمی کی تو اس نے برا کام کیا اور اپنی جان پر ظلم کیا، یا فرمایا: اس نے اپنی جان پر ظلم کیا یا برا کام کیا۔ (سنن ابوداؤد: ١٣٥، یہ حدیث صحیح ہے)۔

خالد نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض اصحاب سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرد کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور اس کے پیر کی پشت میں درہم کے برابر خشک جگہ تھی جس پر پانی نہیں لگا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو حکم فرمایا کہ وہ وضو اور نماز دونوں دہرائے۔ (سنن ابوداؤد: ١٧٥)

میں کہتا ہوں کہ یہ احادیث پیروں کے دھونے کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیروں کے دھونے کا حکم بھی دیا ہے اور خود پیروں کو دھویا ہے، اس کے علاوہ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر اصحاب سے ایسی احادیث

روایت کی ہیں جن میں بشمول حضرت علی رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے وضو میں پیروں کو دھویا۔

''وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا'': یعنی پس تم اپنے بدنوں کو دھوؤ۔

''وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ'' امام رازی نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: اور تم میں سے کوئی ایک آئے حتی کہ مریض اور مسافر پر بلا حدث تیمم کرنا لازم نہ آئے۔ ''مِّنَ الْغَآئِطِ'' یعنی زمین کے گڑھے سے آئے اور یہ قضاء حاجت سے کنایہ ہے۔ '' اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ'' یعنی عورتوں سے تم نے جماع کیا ہو۔

مسلمانوں سے تنگی زائل کرنے کے لیے تیمم کی مشروعیت

''فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ'': یعنی تم پر ان صورتوں میں تیمم کرنا اس لیے فرض کیا ہے تا کہ طہارت کے باب میں تم پر کوئی تنگی نہ ہو۔

''وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ'': یعنی اللہ تعالیٰ یہ ارادہ فرماتے ہیں کہ تم کو مٹی سے پاک فرما دیں، جب تمہارے لیے پانی سے تطہیر حاصل کرنا دشوار ہو۔ ''وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ'': اور تا کہ تم پر اپنی رخصت کے انعام کو مکمل فرما دیں۔

''لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ'': اور اس لیے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو تو اللہ تم کو ثواب عطاء فرمائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو اور اس عہد کو یاد کرو جو اس نے تم سے پختگی سے لیا تھا جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ دلوں کی تمام باتوں کو جاننے والے ہیں O'' (المائدہ: ٧)

''وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ'': یعنی تم کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی جو نعمت عطاء فرمائی ہے اس کو یاد کرو۔

مسلمانوں سے لیے ہوئے عہد کی دو تفسیریں

''وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا'': یعنی اللہ تعالیٰ نے تم سے جو پختہ عہد لیا، اور یہ وہ عہد تھا جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی کہ تنگی ہو یا کشادگی، خوشی ہو یا ناخوشی، وہ ہر حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں گے، اور مسلمانوں نے کہا: ہم نے آپ کا یہ ارشاد سن لیا اور اس کی اطاعت کر لی، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے وہ میثاق مراد ہے جو لیلۃ العقبہ کو لیا تھا اور وہ میثاق مراد ہے جو بیعتِ رضوان کے موقع پر لیا تھا، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ۔۔۔ (الفتح: ١٠)'' (بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ حقیقت میں اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں)۔

''وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ'': اور اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو توڑنے میں تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کو جانتے ہیں خواہ وہ خیر ہوں یا شر ہوں، اس آیت میں وعد بھی ہے اور وعید بھی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! تم اللہ کے لیے انصاف کے ساتھ گواہی پر قائم رہنے والے بن

جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس کے ساتھ ناانصافی کرنے پر برانگیختہ نہ کرے، تم (ہمیشہ) انصاف کرتے رہو اور انصاف کرنا تقویٰ اور پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ ہی سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والے ہیںO'' (المائدہ: ۸)

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ'': ''القسط'' سے مراد العدل ہے۔

کفار کے ساتھ حالتِ جنگ میں عدل کرنے کا بیان

''وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا'':

اور کسی قوم کا بغض تمہیں اس قوم کے ساتھ بے انصافی پر نہ برانگیختہ کرے۔ یعنی اے مسلمانو! تم کو جو مشرکین سے شدید بغض ہے، اس کی وجہ سے تم اُن کے ساتھ عدل کرنے کو ترک نہ کرو اور نہ تم اُن پر زیادتی کرو اور نہ اُن کاموں کو کرو جن کا کرنا جائز نہیں ہے مثلاً جنگ میں دشمنوں کو مثلہ کر دو یعنی ان کے اعضاء کاٹ دو، اور اُن پر ناجائز تہمت لگاؤ، اور اُن کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرو، اور اُن سے کیے ہوئے عہد کو توڑ دو۔

''اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى'' یعنی عدل کرنا تقویٰ اور پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے، اللہ تعالیٰ نے پہلے اُن کو بغض اور دشمنی سے منع فرمایا، پھر اُن کو عدل کے ترک کرنے سے منع فرمایا، پھر نئے سرے سے فرمایا کہ کفار کے ساتھ عدل کرنا بھی تقویٰ کے قریب ہے اور جب کفار کے ساتھ عدل کرنا بھی تقویٰ کے قریب ہو تو مومنین اور اللہ عزوجل کے اولیاء کے ساتھ عدل کرنے کا کیا ٹھکانا ہوگا!

''وَاتَّقُوا اللّٰهَ'': اور جس چیز کا اللہ تعالیٰ حکم فرمائیں اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ منع فرمائیں، اس چیز کو بجا لانے میں اور اس سے رکنے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔

''اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ'': اس آیت میں وعد اور وعید دونوں ہیں، اس لیے اس کو وعد کی آیت کے بعد ذکر فرمایا۔ روایت ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس آیت کے ساتھ مکلف فرمایا، یعنی کفار تمہارے ساتھ جو زیادتی کر چکے ہیں، فتح مکہ کے بعد تم کافروں سے اس کا بدلہ نہ لو، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن کفار کو معاف فرما دیا اور اُن کافروں کا نام الطُّلَقَاء رکھا گیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے، اللہ نے اُن سے مغفرت کا اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہےO'' (المائدہ: ۹)

''وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'': یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرائض، واجبات اور مستحبات پر عمل کیا، اور انہی فرائض اور واجبات میں سے عدل کرنا ہے اور تقویٰ کے تقاضوں پر عمل کرنا ہے۔ ''لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ'': یعنی ان کی خطاؤں اور گناہوں کے لیے مغفرت ہے۔ ''وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ'': یعنی اُن کے تھوڑے نیک عمل کا بھی اللہ تعالیٰ زیادہ ثواب عطاء فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا اور ہماری آیات کی تکذیب کی، وہی لوگ دوزخی ہیں O'' (المائدہ: ١٠)

''وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا'': یعنی ہم نے قرآن کی آیات میں اُن کو جو عدل اور تقویٰ کرنے کا حکم فرمایا ہے اس کی انہوں نے خلاف ورزی کی۔ ''أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ'': جو لوگ ایسا کریں گے وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب ایک قوم نے تمہاری طرف لڑنے کے لیے اپنے ہاتھوں کو بڑھانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے اُن کے ہاتھوں کو تم سے روک لیا اور تم اللہ سے ہی ڈرتے رہو، اور مومنین کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے O'' (المائدہ: ١١)

مسلمانوں پر اللہ کی نعمت کی تعیین میں دو تفسیریں

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ'': اس آیت میں جس نعمت کا ذکر فرمایا ہے، اس کی تفصیل میں دو روایتیں ہیں: (١) مجاہد، الکلبی اور عکرمہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک مرد نے بنوسُلیم کے دو مردوں کو قتل کر دیا اور اُن مردوں کی قوم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان معاہدہ تھا، پس اُن دو مردوں کی قوم اُن دو مردوں کی دیت کو طلب کر رہی تھی، اس سلسلہ میں گفتگو کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنوقریظہ کے پاس تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم تھے، پس یہ سب کعب بن الاشرف کے پاس گئے اور بنونضیر اُن کی دیت کے معاملہ میں مدد کر رہے تھے، پس انہوں نے کہا: ہاں اے ابوالقاسم! اب آپ ہمارے پاس آئے ہیں اور آپ ہم سے اپنی حاجت کا سوال کر رہے ہیں، آپ تشریف رکھیں، ہم آپ کو کھانا کھلاتے ہیں اور جس چیز کا آپ نے سوال کیا ہے وہ آپ کو عطاء کرتے ہیں، پس آپ بیٹھے گئے اور آپ کے اصحاب بھی بیٹھ گئے، پس انہوں نے آپس میں تنہائی میں یہ مشورہ کیا کہ جتنے محمد اب تمہارے قریب ہیں اس سے زیادہ قریب ان کو کبھی نہیں پاؤ گے، پس کوئی اس گھر کی چھت پر چڑھے اور ان کے اوپر کوئی وزنی پتھر پھینک دے اور ہم کو ان سے نجات دلا دے، تو عمرو بن جحاش بن کعب نے کہا: میں اس کام کے لیے اٹھتا ہوں، پس وہ ایک بہت بڑی چکّی لے کر آیا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس وقت پھینک دے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ کو روک لیا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے آ کر آپ کو اس واقعہ کی خبر دی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے نکل آئے اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ''۔ (اسباب نزول القرآن للواحدی: ٣٨٧، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(٢) دوسری تفسیر کے متعلق روایت درج ذیل ہے:

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ وہ نجد کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے، سو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوٹے تو وہ بھی آپ کے ساتھ لوٹے، پس انہیں دوپہر کے وقت ایک ایسی وادی میں نیند آ گئی جس میں ببول کے درخت بہت زیادہ تھے، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (سواری سے) اترے اور لوگ منتشر ہو کر درختوں کے سائے میں آرام کرنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ببول کے درخت کے نیچے اترے اور اس پر اپنی تلوار لٹکا دی اور ہم بھی سو گئے، پس

اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں بلا رہے تھے اور آپ کے پاس ایک اعرابی تھا، پس آپ نے فرمایا: جس وقت میں سویا ہوا تھا تو اس نے مجھ پر تلوار سونت لی، میں بیدار ہوا تو وہ تلوار اس کے ہاتھ میں سونتی ہوئی تھی، اس نے کہا: اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے تین بار کہا: اللہ! آپ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی اور بیٹھ گئے۔

(صحیح البخاری ٢٩١٠، ٢٩١٣، ٤١٣٤، ٤١٣٥، ٤١٣٦، ٤١٣٩، صحیح مسلم: ٨٤٣، الرقم المسلسل: ١٨٣٣)

امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درخت کے نیچے اترے اور آپ نے اپنے گیلے کپڑے اتار کر ایک درخت پر سوکھنے کے لیے پھیلا دیئے جو بارش سے بھیگ گئے تھے، تو کافروں نے اپنے سردار دعثور سے کہا اور وہ بہت بہادر شخص تھا کہ اس وقت (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اکیلے ہیں، اب تم ان پر حملہ کرو، چنانچہ وہ تلوار لے کر آیا اور آپ کے سر کے اوپر کھڑا ہو گیا، اور کہنے گا: آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ تب حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کے سینہ پر ضرب لگا کر اس کو دھکا دیا تو تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تلوار کو پکڑ کر اٹھا لیا اور فرمایا: آج تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا: کوئی نہیں! آپ نے فرمایا: اب تم جاؤ اور اپنا کام کرو! پھر وہ دوبارہ آیا اور اس نے اسلام قبول کر لیا، اور کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں، پھر وہ اپنی قوم کے پاس گیا اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔

(عمدۃ القاری ج ١٤ ص ٢٦٥۔٢٦٦، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

(مدارک التنزیل ج ١ ص ٤٢٩۔٤٣٣، دار ابن کثیر، بیروت، ١٤٣٢ھ)

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۲﴾

اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا، اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر فرمائے، اور اللہ نے فرمایا: بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں بہ شرطیکہ تم نماز کو قائم رکھتے رہے اور تم زکوٰۃ دیتے رہے اور تم میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہے اور ان کی تعظیم آمیز مدد کرتے رہے اور اللہ کو قرضِ حسن دیتے رہے تو میں ضرور بہ ضرور تمہاری خطاؤں کو معاف فرما دوں گا اور ضرور بہ ضرور میں تم کو ایسی جنتوں میں داخل فرماؤں گا جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہوں گے، پھر اس عہد و پیمان کے بعد جس نے تم میں سے کفر کو اختیار کیا تو بے شک وہ بہت دور کی گمراہی میں بہک گیا O

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً ۚ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳﴾

سو اُن کے اس عہد کو توڑنے کی وجہ سے ہم نے اُن پر لعنت فرمائی اور ہم نے اُن کے دلوں کو سخت فرما دیا، وہ اللہ کے کلام کو اس کی جگہوں سے تبدیل کر دیتے ہیں، اور جن چیزوں کی اُن کو نصیحت فرمائی گئی تھی اس کے بڑے حصے کو وہ فراموش کر بیٹھے، اور اے رسولِ اکرم! آپ ہمیشہ اُن کی کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے سوا اُن میں سے چند لوگوں کے، سو آپ اُن کو معاف کر دیں اور اُن سے درگزر کریں، بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں O

وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓی اَخَذْنَا مِیْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ یُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور ہم نے اُن لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا جنہوں نے کہا: ہم نصاریٰ ہیں، سو انہوں نے بھی ان نصیحتوں میں سے بڑا حصہ فراموش کر دیا جس کی اُن کو نصیحت فرمائی گئی تھی، سو ہم نے قیامت تک اُن کے درمیان عداوت اور بغض کو لازم فرما دیا اور اللہ عنقریب اُن کو اُن کے کیے ہوئے کاموں کی خبر دیں گے O

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾ۙ

اے اہلِ کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے جو تمہارے لیے بہت سی ایسی چیزیں بیان کرتا ہے جن کو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے وہ درگزر کرتا ہے، بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آ گیا ہے اور کتاب مبین (آ گئی ہے) ○

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٦﴾

اس کتاب کے ذریعہ اللہ اُن لوگوں کو سلامتی کی راہوں پر چلاتے ہیں جو اُس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں اور اُن کو اپنے اذن سے اندھیروں سے نور کی طرف لاتے ہیں اور اُن کو صراطِ مستقیم پر چلاتے ہیں ○

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا: یقیناً اللہ ہی المسیح ابن مریم ہیں، آپ کہیے کہ اگر اللہ المسیح ابن مریم کو اور ان کی ماں کو اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرمائیں تو کون اُن کو اللہ سے بچا سکتا ہے! اور تمام آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اُن سب کے اللہ ہی مالک ہیں، وہ جو چاہتے ہیں پیدا فرماتے ہیں، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہیں ○

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٨﴾

اور یہود اور نصاریٰ نے کہا: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، آپ کہیے: (اگر یہ سچ ہے تو) پھر اللہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے تمہیں کیوں عذاب دیں گے، بلکہ تم اُن میں سے ایک بشر ہو جن کو اللہ نے پیدا فرمایا ہے، اللہ جسے چاہیں گے بخش دیں گے اور جسے چاہیں گے عذاب دیں گے، اور تمام آسمان اور زمینیں اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ○

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾

اے اہلِ کتاب! رسولوں کی آمد کے منقطع ہونے کے بعد بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے جو تمہارے سامنے ہمارے احکام بیان کرتے ہیں کہ کہیں تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا آیا ہی نہیں تھا، پس تحقیق تمہارے پاس ثواب کی بشارت دینے والے اور عذاب سے ڈرانے والے رسول آ گئے ہیں، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا، اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر فرمائے، اور اللہ نے فرمایا: بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں بہ شرطیکہ تم نماز کو قائم رکھتے رہے اور تم زکوٰۃ دیتے رہے اور تم میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہے اور ان کی تعظیم آمیز مدد کرتے رہے اور اللہ کو قرضِ حسن دیتے رہے تو میں ضرور بہ ضرور تمہاری خطاؤں کو معاف فرمادوں گا اور ضرور بہ ضرور میں تم کو ایسی جنتوں میں داخل فرماؤں گا جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہوں گے، پھر اس عہد و پیمان کے بعد جس نے تم میں سے کفر کو اختیار کیا تو بے شک وہ بہت دور کی گمراہی میں بھٹک گیا O'' (المائدہ: ۱۲)

القاضی مجیر الدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ، المائدہ: ۱۲ تا ۱۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ'': یعنی اللہ تعالیٰ نے تورات میں بنی اسرائیل سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے تمام نبیوں پر ایمان لائیں گے اور تورات میں جو احکام لکھے ہوئے ہیں، اُن پر عمل کریں گے۔

عوج بن عنق کی غیر معمولی جسامت اور اس کی ہلاکت کا قصہ

''وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا'': مقاتل نے کہا: یعنی بنی اسرائیل کی قوم میں سے اللہ تعالیٰ نے بارہ (۱۲) نقباء (سردار) بھیجے، اور بنی اسرائیل کے بارہ (۱۲) قبیلوں میں سے ہر قبیلہ سے ایک مرد کو منتخب فرمالیا تا کہ اُن میں سے ہر مرد اپنے قبیلہ سے عہد لے اور یہ بارہ (۱۲) نقباء اپنی قوم کے اوپر گواہ ہو جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن بارہ (۱۲) نقباء کو جبارین کے خلاف جاسوسی کرنے کے لیے بھیجا، اور جبارین میں سے عوج بن عنق اور اس کے اصحاب تھے، اور اس کی نسبت ام عناق کی طرف ہے جو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹی تھیں، اور عوج بن عنق کا طول تین ہزار تین سو تینتیس (۳۳۳۳) ہاتھ تھا، اور وہ بادل کو گود میں اٹھا لیتا تھا اور اس سے پانی پی لیتا تھا، اور سمندر کی تہہ میں سے مچھلی کو نکال لیتا اور اس کو سورج کی گرمائی سے بھون لیتا تھا پھر اس کو کھا لیتا تھا، اور وہ تین ہزار سال تک زندہ رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہلاک فرمادیا، اس کا سبب یہ ہوا کہ اس نے ایک چٹان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کی مقدار کے برابر کاٹا تا کہ وہ چٹان اُن کے لشکر پر پھینک دے اور اُن کا لشکر فرسخ در فرسخ

تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ''الھُدھُد'' کو بھیجا، اس نے اپنی چونچ سے اس چٹان میں سوراخ کر دیا اور وہ چٹان عوج بن عنق کے گلے میں آ گئی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اُس پر چھلانگ لگائی اور اُن کی چھلانگ دس ہاتھ کی تھی اور حضرت موسیٰ کا طول بھی دس ہاتھ کا تھا اور اُن کی لاٹھی کا طول بھی دس ہاتھ کا تھا، (پس یہ چھلانگ تیس ہاتھ کی تھی) تب بھی وہ لاٹھی عوج بن عنق کے ٹخنے کے اوپر والے پٹھے پر جا کر لگی، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر ضرب لگائی اور اس کو قتل کر ڈالا اور اس کو اسی جگہ چھوڑ دیا۔ اور اس کے اوپر پتھر اور ریت کو ڈال دیا تو وہ مصر کے صحراء میں ایک بڑے پہاڑ کی مانند تھا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اُریحا کی طرف جانے کا حکم دیا تو اُن سے فرمایا: میں نے تمہارے لیے ایک قرار کی جگہ لکھ دی ہے تم وہاں کی طرف روانہ ہو اور جو لوگ وہاں پر ہیں ان کے خلاف جہاد کرو، میں تمہاری اُن کے خلاف مدد فرماؤں گا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے بارہ (١٢) نقیب منتخب فرمائے اور اُن سے یہ معاہدہ کیا کہ وہ اپنی قوم کی کفالت کریں، اور اپنی قوم کو آ کر یہ نہ بتائیں کہ انہوں نے جبارین کو کس طرح پایا ہے، پس جب اُن نقیبوں نے جبارین کے لمبے چوڑے اجسام دیکھے تو انہوں نے اس عہد کو توڑ دیا اور بنی اسرائیل کو جبارین کے قد اور قامت کے بارے میں بتا دیا، سوا کالب بن یوقنا کے جو یہوذا کی اولاد سے تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سسرالی رشتہ داروں میں سے تھا، اور سوا یوشع بن نون کے جو افرا ئیم بن یوسف کی اولاد میں سے تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شاگرد تھا، اور رہے باقی دس نقباء جنہوں نے عہد کو توڑ دیا تھا ان کے نام یہ ہیں: (١) شموع بن زکور، جو روبین کی اولاد سے تھا (٢) اور شافاط بن حوری، جو شمعون کی اولاد میں سے تھا، (٣) اور یغال بن یوسف، جو یساخر کی اولاد میں سے تھا، (٤) اور بلطی بن رافوا، جو بنیامین کی اولاد میں سے تھا، (٥) اور کدی بن سودی، جو زبولون کی اولاد میں سے تھا، (٦) اور کدی بن سوی، جو منشا بن یوسف کی اولاد میں سے تھا، (٧) اور عمیال بن کملی، جو ''دان'' کی اولاد میں سے تھا، (٨) اور ستور بن میخائیل، جو آشر کی اولاد میں سے تھا، (٩) اور نحبی بن وقسی، جو نفتالی کی اولاد میں سے تھا، (١٠) اور کوئیل بن ماخی، جو کادی کی اولاد میں سے تھا۔ پس یہ وہ بارہ (١٢) نقباء ہیں جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جبارین کی جاسوسی کے لیے بلایا تھا، پس وہ سب ہلاک ہو گئے اور موسیٰ علیہ السلام ان پر ناراض تھے۔

(تفسیر الطبری ج ٨ ص ٢٣٧-٢٤٠، دار عالم الکتب، ریاض، ١٤٣٤ھ، معالم التنزیل ج ٢ ص ٢٩-٣٠، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤٢٠ھ، تفسیر القرآن العظیم للحافظ ابن کثیر، ج ٢ ص ٣٨-٣٩، دار الفکر، بیروت، ١٤١٧ھ)

''وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ'': اللہ تعالیٰ نے نقباء سے فرمایا: بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں، اور تمہارا مددگار رہوں، تمہاری حفاظت فرماؤں گا اور تمہاری نصرت فرماؤں گا۔ ''لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ'' یعنی جب تک تم نماز ادا کرتے رہو گے۔ ''وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ'' اور تم زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے اور میرے رسولوں کی تصدیق کرتے رہو گے۔ ''وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ'' یعنی جب تک تم اُن کی تعظیم کے ساتھ مدد کرتے رہو گے۔ ''وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا'' اور تم اپنی قوم سے یہ کہتے رہو گے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اللہ تعالیٰ تم کو اس کی جزاء اور ثواب عطا فرمائیں گے۔ ''لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ'' یعنی میں ضرور بہ ضرور تمہارے گناہوں کو مٹا دوں گا۔ ''وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ'' اور میں ضرور بہ ضرور تم کو ایسی جنتوں میں داخل فرما دوں گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں۔ ''فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ'' پھر تم میں سے جس شخص نے اس عہد و پیمان کے بعد کفر کو اختیار کیا تو اس نے سیدھے راستہ سے خطاء کی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو اُن کے اس عہد کو توڑنے کی وجہ سے ہم نے اُن پر لعنت فرمائی اور ہم نے اُن کے دلوں کو سخت فرمادیا، وہ اللہ کے کلام کو اس کی جگہوں سے تبدیل کر دیتے ہیں، اور جن چیزوں کی اُن کو نصیحت فرمائی گئی تھی اس کے بڑے حصے کو وہ فراموش کر بیٹھے، اور اے رسولِ اکرم! آپ ہمیشہ اُن کی کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے سوا اُن میں سے چند لوگوں کے، سو آپ اُن کو معاف کر دیں اور اُن سے درگزر کریں، بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں O'' (المائدہ: ١٣)

''فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ'': پس چونکہ ان لوگوں نے اس میثاق کو توڑ دیا۔ ''لَعَنّٰهُمْ'': تو ہم نے اُن پر لعنت فرمائی اور اُن کو اپنی رحمت سے نکال دیا، یعنی اُن کی صورتیں مسخ فرمادیں۔ ''وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً'': اور ہم نے ان کے دلوں کو ایمان کی مٹھاس سے خالی فرمادیا۔ ''يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ'' یعنی وہ تورات میں مذکور حضرت محمد ﷺ کی صفت کو اس کی جگہ سے تبدیل کر دیتے تھے۔ اور اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار فرمایا تھا، ان کو یہ حلال قرار دیتے تھے۔

''وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ'' یعنی ان سے جن چیزوں کا عہد لیا گیا تھا، اس کو انہوں نے بھلا دیا۔

''وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ'': اور اے رسولِ اکرم! انہوں نے جو وعدہ خلافی کی ہے اور عہد شکنی کی ہے، اس پر آپ ہمیشہ مطلع ہوتے رہیں گے۔ ''اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ'' یعنی ان اہلِ کتاب میں سے چند لوگ تھے جنہوں نے خیانت نہیں کی تھی۔

''فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ'': سو آپ ان کو معاف کریں اور سزا نہ دیں۔

''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ'': بے شک اللہ تعالیٰ اُس کو پسند فرماتے ہیں جو کسی کی خطاء معاف کر دیتا ہے، اور اُن کو معاف کرنے کا یہ حکم اس سے پہلے تھا جب یہود و نصاریٰ کے خلاف آپ کو قتال کرنے کا حکم فرمایا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے اُن لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا جنہوں نے کہا: ہم نصاریٰ ہیں، سو انہوں نے بھی ان نصیحتوں میں سے بڑا حصہ فراموش کر دیا جس کی اُن کو نصیحت فرمائی گئی تھی، سو ہم نے قیامت تک اُن کے درمیان عداوت اور بغض کو لازم فرمادیا اور اللہ عنقریب اُن کو اُن کے کیے ہوئے کاموں کی خبر دیں گے O'' (المائدہ: ١٤)

''وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى'': اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے حال کا ذکر فرمایا اور اُن کے عہد کے توڑنے کا ذکر فرمایا، اور اس کے بعد فرمایا کہ نصاریٰ کے اعمال بھی یہود سے بہتر نہیں تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے معاملات کا ذکر فرمایا۔ ''اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ'': ہم نے نصاریٰ سے بھی انجیل میں عہد لیا کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے احکام پر عمل کریں گے۔

''فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ'': پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد و پیمان کے ایک بڑے حصہ پر عمل کرنے کو ترک کر دیا اور جس طرح یہود نے عہد شکنی کی تھی انہوں نے بھی عہد شکنی کی۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو نصاریٰ اس لیے کہا کہ وہ ایسی بستی میں رہتے تھے جس بستی کو ناصرہ کہا جاتا تھا اور وہیں پر عیسیٰ علیہ السلام آکر ٹھہرے تھے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے

اپنے آپ کو نصاریٰ اس لیے کہا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ" (آل عمران: ۵۲) "تو انہوں نے کہا: ہم اللہ کے دین کی طرف مددگار ہیں۔

"فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ": یعنی ہم نے یہود اور عیسائیوں کے درمیان عداوت اور بغض کو ڈال دیا۔ لغت میں "الاغراء" کا معنی ہے "الالصاق"، جب تم کسی آدمی کے ساتھ چپک جاؤ تو کہا جاتا ہے "اغریت الرجل اغراء" یعنی میں اس مرد کے ساتھ چپک گیا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے درمیان عداوت ایک انسان نے ڈال دی تھی جس کا نام "بولس" تھا، اُس کے اور نصاریٰ کے درمیان لڑائی رہتی تھی اور وہ بولس یہودی تھا، اس نے بہت سارے عیسائیوں کو قتل کر دیا تھا۔

اس میں اشارہ ہے کہ نصاریٰ کے متعدد فرقے ہو گئے، ان میں سے یعقوبیہ اور نسطوریہ اور الملکانیہ تھے، اور وہ ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے تھے، اور اللہ عزوجل نے کفار سے عداوت اور بغض رکھنے کا حکم فرمایا ہے، پس ہر فرقہ کو یہ حکم فرمایا گیا تھا کہ وہ دوسرے فرقہ سے عداوت اور بغض رکھیں کیونکہ وہ کفار تھے۔ "وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ": اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن کو ڈرایا ہے کہ انہوں نے جو اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو توڑا ہے، اس کی سزا اُن کو عنقریب قیامت کے دن ملے گی۔

(فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن ج ۲ ص ۲۶۲ ۔ ۲۶۷ ملخصاً وملتقطاً، دار النوادر، لبنان، ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اے اہلِ کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے جو تمہارے لیے بہت سی ایسی چیزیں بیان کرتا ہے جن کو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے وہ درگزر کرتا ہے، بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آ گیا ہے اور کتابِ مبین (آ گئی ہے) O" (المائدہ: ۱۵)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، المائدہ: کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ": اس آیت میں "الکتاب" اسم جنس ہے اور یہ الکتب کے معنی میں ہے، پس اس آیت میں تمام اہل کتاب کو خطاب ہے۔ "قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا": یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ "يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ" یعنی تم جو اپنی کتابوں میں بعض آیات کو چھپاتے تھے مثلاً رجم کی آیت کو اور اُن یہودیوں کے قصہ کو جنہوں نے ہفتہ کے دن شکار کیا اور اس کی سزا میں اُن کو بندر بنا دیا گیا۔ "وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ" اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض چھپائی ہوئی آیات کا ذکر نہیں فرماتے تھے، آپ صرف اُن آیات کا ذکر فرماتے تھے جن میں آپ کی نبوت پر دلیل تھی اور آپ کی رسالت کی گواہی پر دلیل تھی، اور جن چھپائی ہوئی آیات میں اس پر تنبیہ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی اُن کو ترک فرما دیتے تھے۔ اور اس آیت کا ایک معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ اکثر آیتوں سے آپ درگزر فرماتے تھے اور اُن کی خبر نہیں دیتے تھے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہود کے علماء میں سے ایک عالم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے یہ سوال کیا: آپ نے ہماری کچھ باتوں کو معاف کر دیا ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعراض کیا اور اس سے بیان نہیں کیا، اور یہودی کا ارادہ یہ تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں تناقض کو ظاہر کرے، پس جب آپ نے بیان نہیں کیا تو وہ آپ کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا اور اپنے اصحاب سے کہا: میرا گمان ہے کہ یہ اپنے قول میں صادق ہیں، کیونکہ ان کی کتاب میں یہ مذکور ہے کہ جو ان سے سوال کیا جائے گا یہ اس کا جواب نہیں دیں گے، سو میں نے ان سے سوال کیا اور انہوں نے جواب نہیں دیا۔

''قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ'': اس آیت میں ''نُوْرٌ'' کے متعدد محامل ہیں: (۱) روشنی (۲) الاسلام (۳) محمد علیہ السلام۔ اور زجاج سے منقول ہے کہ اس سے مراد ہے ''وَ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ'' یعنی القرآن، کیونکہ وہ احکام کو بیان فرماتا ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ المائدہ: ۱۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ'': یعنی اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نورِ عظیم آ گیا ہے جو تمام انوار کا نور ہے اور وہ النبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قتادہ اور زجاج کا یہی مذہب ہے۔ اور ابو علی الجبائی نے کہا کہ اس لفظ سے مراد قرآنِ مجید ہے، کیونکہ قرآنِ مجید ہدایت کے طریقوں کو کھولتا ہے اور الزمخشری نے بھی اسی تفسیر پر اقتصار کیا ہے، پھر اس پر ''كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ'' کا عطف اس وجہ سے ہوگا کہ ''نُوْرٌ'' اور ''كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ'' ہر چند کہ دونوں کا مصداق واحد ہے لیکن ان میں عنوان کے اعتبار سے فرق ہے، اور میرے نزدیک یہ بعید نہیں ہے کہ نور اور کتابِ مبین دونوں سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، اور عطف اس اعتبار سے ہو جس طرح الجبائی نے کہا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نور اور کتابِ مبین دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتے ہیں۔

(روح المعانی جز ۵ ص ۱۴۴، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اس کتاب کے ذریعہ اللہ اُن لوگوں کو سلامتی کی راہوں پر چلاتے ہیں جو اُس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں اور اُن کو اپنے اذن سے اندھیروں سے نور کی طرف لاتے ہیں اور اُن کو صراطِ مستقیم پر چلاتے ہیں O'' (المائدہ: ۱۶)

''يَهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ'': یعنی اس کتاب کے ساتھ اللہ اُن کو ہدایت فرماتے ہیں جو اللہ کی رضا کی پیروی کریں۔ ''سُبُلَ السَّلٰمِ'': یعنی سلامتی کے اُن راستوں کی ہدایت فرماتے ہیں جو دار السلام تک پہنچاتے ہیں۔ ''دار السلام'' سے مراد وہ جگہ ہے جو ہر قسم کی آفت سے منزہ ہے۔ حسن بصری نے کہا: اور وہ جنت ہے۔

''السَّلٰمِ'': اس سے مراد اللہ عزوجل ہیں اور معنی یہ ہے کہ جو اللہ کے دین کی پیروی کرتے ہیں۔

''وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ'': یعنی کفر اور جہالت کے اندھیروں سے اسلام اور ہدایت کے نور کی طرف نکالتے ہیں۔ ''بِاِذْنِهٖ'' یعنی اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے ارادہ سے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۶ ص ۱۱۶، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا: یقیناً اللہ ہی المسیح ابن مریم ہیں، آپ کہیے کہ اگر اللہ المسیح ابن مریم کو اور ان کی ماں کو اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرمائیں تو کون اُن کو اللہ سے بچا سکتا ہے! اور تمام آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اُن سب کے اللہ ہی مالک ہیں، وہ جو چاہتے ہیں پیدا فرماتے ہیں، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہیں O'' (المائدہ: ۱۷)

القاضی مجیر الدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ، المائدہ: ۱۷ تا ۱۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ'': یہ عیسائیوں کا وہ فرقہ ہے جو الیعقوبیہ اور الملکانیہ ہے، یہ کہتے

تھے کہ مسیح خود اللہ ہیں۔

''قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا'': یعنی اللہ کی قدرت سے اور اس کی گرفت سے کون کسی کو بچا سکتا ہے؟

''اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا'': اس آیت سے اللہ سبحانہٗ نے یہ بتایا ہے کہ اگر مسیح ابن مریم ''الٰہ'' ہوتے تو وہ اپنی ذات پر آئی ہوئی ہلاکت کو دور کرنے پر قادر ہوتے، حالانکہ عیسائی عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اُن پر موت طاری فرمائی اور اُن کی ماں پر موت طاری فرمائی اور وہ موت کو اپنے سے دور کرنے پر قادر نہ ہوئے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک فرما دیتے تو اس ہلاکت کو کون دور کر سکتا تھا!

''وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا'': اور مسیح اور اُن کی ماں آسمانوں اور زمینوں کے درمیان میں ہیں، اور مخلوق اور محدود ہیں، اور جس چیز کا کسی حد نے اور انتہاء نے احاطہ کیا ہوا ہو وہ ''الٰہ'' ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

''يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ'': وہ جو چاہتے ہیں پیدا فرما دیتے ہیں، مرد ہو یا عورت ہو، اور عورت سے بغیر مرد کے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا، اور مرد سے بغیر عورت کے جیسے حضرت حواء کو پیدا فرمایا، اور بغیر مرد اور عورت دونوں کے جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ پر اس کی تخلیق میں اور اس کی ملکیت میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔

''وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ'': یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور یہود اور نصاریٰ نے کہا: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، آپ کہیے: (اگر یہ سچ ہے تو) پھر اللہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے تمہیں کیوں عذاب دیں گے، بلکہ تم اُن میں سے ایک بشر ہو جن کو اللہ نے پیدا فرمایا ہے، اللہ جسے چاہیں گے بخش دیں گے اور جسے چاہیں گے عذاب دیں گے، اور تمام آسمان اور زمینیں اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے O'' (المائدہ: ١٨)

''وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ'': اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ کی مراد یہ تھی کہ اللہ اُن کے لیے رحمت اور شفقت میں باپ کی مثل ہیں اور وہ اللہ سے قُرب میں اس کے بیٹوں کی مثل ہیں۔ ''قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ'' تب اللہ سبحانہٗ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم فرمایا کہ اُن پر رد کرتے ہوئے اُن سے یہ کہیں کہ اگر تمہارا زعم صحیح ہے تو پھر اللہ تمہارے گناہوں پر تمہیں عذاب کیوں دیں گے، کیونکہ کوئی شخص اپنے محبوب کو عذاب نہیں دیتا۔ اور والد اپنے بیٹے کو عذاب نہیں دیتا، حالانکہ تم کو بہت پہلے مسخ کیا گیا تھا اور تم نے یہ اعتراف کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ تم کو چند ایام کے لیے دوزخ میں عذاب دیں گے۔ ''بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ'': یعنی بنو آدم سے ''يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ'' اور وہ مومنین ہیں۔ ''وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ'' اور وہ کفار ہیں۔ ''وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا'': پس اس کا کوئی شریک نہیں ہے جو آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت میں اس کا معارض ہو۔ ''وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ'' بندوں کے معاملات آخرت میں اسی کی طرف لوٹیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے اہلِ کتاب! رسولوں کی آمد کے منقطع ہونے کے بعد بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے جو تمہارے سامنے ہمارے احکام بیان کرتے ہیں کہ کہیں تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا آیا ہی نہیں تھا، پس تحقیق تمہارے پاس ثواب سے بشارت دینے والے اور عذاب سے ڈرانے والے رسول آ گئے ہیں، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہیں O'' (المائدہ:١٩)

''یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا'': اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ''یُبَیِّنُ لَكُمْ'': وہ تمہارے لیے اسلام کے احکام بیان کرتے ہیں۔ ''عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ'': یعنی جب رسولوں کا وجود منقطع ہو چکا تھا۔

اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان رسولوں کے انقطاع کی مدت پانچ سو ستر (٥٧٠) سال ہے، اور ایک قول اس کے علاوہ بھی ہے، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک رسول لگاتار مبعوث ہوتے رہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی نبی نہیں آیا۔

''اَنْ تَقُوْلُوْا'' تاکہ تم بہ طورِ معذرت یہ نہ کہو۔ ''مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّ لَا نَذِیْرٍ'': یعنی تم یہ عذر پیش نہ کرنا کہ ہمارے پاس کوئی ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا آیا ہی نہ تھا۔

''فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّ نَذِیْرٌ'': یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب یہود نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں فرمائی اور نہ آپ کے بعد کوئی ثواب کی بشارت دینے والا اور کوئی عذاب سے ڈرانے والا بھیجا۔

''وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ'': اور اللہ ہر چیز پر قادر ہیں، پس وہ اس پر قادر ہیں کہ جب چاہیں اپنی مخلوق میں سے کوئی رسول بھیج دیں۔ (فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن ج ٢ ص ٢٦٨-٢٧١، دار النوار، لبنان، ١٤٣٢ھ)

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٢٠﴾

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اللہ نے تم پر جو احسانات فرمائے ہیں اُن کو یاد کرو کہ اس نے تم میں انبیاء پیدا فرمائے اور تم کو بادشاہ بنایا، اور تم کو وہ کچھ عطاء فرمایا جو اُس زمانہ میں اور کسی کو عطا نہیں فرمایا تھا O

یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿٢١﴾

اے میری قوم! تم ارضِ مقدسہ (یعنی شام کی سرزمین) میں داخل ہو جاؤ، جس کو اللہ نے تمہارے لیے مقدر فرما دیا ہے، اور (مقابلہ کے وقت) تم اپنی پیٹھوں کو نہ پھیرنا ورنہ تم نقصان اٹھاتے ہوئے لوٹو گے O

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖۗ وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ

يَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾

انہوں نے کہا: اے موسیٰ! اس بستی میں بڑے زورآور لوگ آباد ہیں اور ہم ہرگز اس میں داخل نہ ہوں گے حتیٰ کہ وہ لوگ اس سرزمین سے نکل جائیں، پھر اگر وہ اس سرزمین سے نکل گئے تو ہم ضرور اس میں داخل ہو جائیں گے O

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾

اور اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دو مردوں نے کہا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا تھا: تم دروازہ سے اُن پر داخل ہو جاؤ، جب تم دروازہ میں داخل ہو جاؤ گے تو بے شک تم ہی غالب رہو گے، اور اللہ پر ہی توکل کرو اگر تم ایمان والے ہو O

قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾

انہوں نے کہا: اے موسیٰ! ہم اس میں کبھی بھی داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ زورآور لوگ اس میں موجود ہیں، پس آپ اور آپ کا رب جائیں، آپ دونوں اُن سے قتال کریں، بے شک ہم تو یہیں بیٹھنے والے ہیں O

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾

موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! مجھے صرف اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر اختیار ہے، پس آپ ہمارے اور نافرمان لوگوں کے درمیان تفریق فرما دیں O

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ ع

(اللہ نے) فرمایا: پس یہ ارضِ مقدسہ ان پر چالیس سال تک حرام رہے گی، یہ اسی سرزمین میں حیران پھرتے رہیں گے، سو (اے موسیٰ) آپ نافرمان لوگوں کے (انجام کے) متعلق غمزدہ نہ ہوں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اللہ نے تم پر جو احسانات فرمائے ہیں اُن کو یاد کرو کہ اس نے تم میں انبیاء پیدا فرمائے اور تم کو بادشاہ بنایا، اور تم کو وہ کچھ عطاء فرمایا جو اُس زمانہ میں اور کسی کو عطاء نہیں فرمایا تھا O'' (المائدہ: ٢٠)

بنی اسرائیل میں سے جس کے پاس گھر ہوتا، بیوی ہوتی اور نوکر چاکر ہوتے اور خدام ہوتے تو اس کو بادشاہ قرار دیا جاتا تھا

علامہ ابوالمظفر السمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ھ، المائدہ: ۲۰ تا ۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ '': یعنی اللہ نے تم میں سے بعض افراد کو نبوت پر سرفراز فرمایا۔

''وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی تم میں سے ایسے لوگ پیدا فرمائے جن کے بہت خدام تھے اور اُن کا بہت دبدبہ تھا۔ قتادہ نے بیان کیا: اس سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے لوگ نہیں تھے کہ جن کے بہت خدام ہوں اور ان کا دبدبہ ہو، پس جب اُن کے بہت خدام ہو گئے تو اُن کو بادشاہ قرار دیا۔ اور مجاہد نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم پر کوئی شخص تمہاری اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوتا تھا، اور جس پر اس کی اجازت کے بغیر کوئی داخل نہ ہو تو وہ بادشاہ ہوتا ہے، اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: بنی اسرائیل میں سے جس کے خدام ہوں اور اس کی بیویاں ہوں اور اس کی سواریاں ہوں تو وہ بادشاہ ہوتا تھا۔ اور روایت ہے کہ ایک مرد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا کہ میں فقراء مہاجرین میں سے ہوں، تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے پوچھا: کیا تمہارا گھر ہے جس میں تم رات گزارو؟ اس نے کہا: جی ہاں! انہوں نے پوچھا: کیا تمہارے پاس بیوی ہے جس سے تم رات کو سکون پاؤ؟ اس نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا: تم الاغنیاء یعنی مال دار لوگوں میں سے ہو۔ اس مرد نے کہا: اور میرا ایک خادم بھی ہے جو میری خدمت کرتا ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کہا: پھر تم بادشاہوں میں سے ہو۔

''وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ '': یعنی تم کو ''المن والسلوی'' عطاء فرمایا، اور تمہارے لیے پتھر پھٹ گئے اور ان سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے، اور تم پر بادلوں نے سایا کیا، اور اس طرح کی اور بہت نعمتیں جو تم کو عطاء فرمائیں اور دوسروں کو عطاء نہیں فرمائی تھیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے میری قوم! تم ارضِ مقدسہ (یعنی شام کی سرزمین) میں داخل ہو جاؤ، جس کو اللہ نے تمہارے لیے مقدر فرما دیا ہے، اور (مقابلہ کے وقت) تم اپنی پیٹھوں کو نہ پھیرنا ورنہ تم نقصان اٹھاتے ہوئے لوٹو گے O'' (المائدہ: ۲۱)

ارضِ مقدسہ کے مصداق میں متعدد اقوال

''یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ '': ارضِ مقدسہ کے مصداق میں کئی اقوال ہیں: ایک قول یہ ہے کہ یہ دمشق اور فلسطین اور اُردن کا بعض علاقہ ہے، قتادہ نے کہا: یہ شام کا تمام علاقہ ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ بیت المقدس اور طور کی سرزمین ہے۔

''الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ '': اس کا معنی یہ ہے کہ جو زمین اللہ تعالیٰ نے تم کو عطاء فرما دی ہے، دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض فرما دیا ہے کہ تم اس سرزمین میں داخل ہو، اور مقابلہ کے وقت اس زمین کے

لوگوں سے پیٹھ نہیں پھیرو گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''انہوں نے کہا: اے موسیٰ! اس بستی میں بڑے زور آور لوگ آباد ہیں اور ہم ہرگز اس میں داخل نہ ہوں گے حتیٰ کہ وہ لوگ اس سرزمین سے نکل جائیں، پھر اگر وہ اس سرزمین سے نکل گئے تو ہم ضرور اس میں داخل ہوجائیں گے O'' (المائدہ: ۲۲)

''جَبَّارِيْنَ'' کا معنی اور مصداق

''قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ'': الجبار کا معنی ہے: ہر وہ سرکش شخص جو لوگوں پر جبر کر کے اپنی مراد پوری کرے، اور اللہ تعالیٰ جبار ہیں اور مخلوق پر اپنی مراد پوری کرنے کے لیے جبر فرماتے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر حق ہے، اور اس کے جبر فرمانے میں اس کی مدح ہے۔ اور مخلوق میں سے کسی کا دوسرے پر جبر کرنا مذموم ہے، اور اس زمین کے لوگوں کو 'جبارین' اس لیے فرمایا ہے کہ ان کے قد بہت لمبے تھے اور وہ اپنی جسمانی قوت سے دوسروں پر غالب رہتے تھے، اور اس کا قصہ یہ ہے کہ یہ لوگ شام کے ایک شہر ''اُریحا'' میں رہتے تھے اور اُس شہر میں ایک ہزار بستیاں تھیں اور ہر بستی میں ایک ہزار باغ تھے، اور اُس شہر میں ''العمالقہ'' رہتے تھے اور قومِ عاد کے بقیہ لوگ رہتے تھے، اور یہ الجبّارین کا شہر تھا۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت موسیٰ صلوات اللہ علیہ نے اس شہر کی طرف بارہ (۱۲) نقیبوں کو بھیجا تا کہ وہ وہاں کے لوگوں کے احوال معلوم کریں، پس جب وہ نقیب اس شہر کی طرف پہنچے تو اس شہر والوں میں سے ایک مرد اُن سے ملا، پس اُس نے ان سب کو اٹھا کر اپنی آستین میں ڈال دیا اور اُن کو لے کر اپنے بادشاہ کے پاس آیا اور بادشاہ کے سامنے اُن سب کو زمین پر ڈال دیا اور حقارت سے کہا: یہ لوگ ہم سے لڑنے کے لیے آئے ہیں! بادشاہ نے اُن نقیبوں سے کہا: تم واپس جاؤ اور جو بھی تم کو ملے اس سے یہ واقعہ بیان کرنا، سو وہ لوٹ گئے۔ پھر جب وہ لوٹ کر گئے تو انہوں نے بنو اسرائیل کو اُن سے ڈرایا اور کہا: بے شک تم اُن کا مقابلہ نہیں کرسکو گے مگر تم میں سے دو مرد، یوشع بن نون، اور کالب بن یوقنا ان کا مقابلہ کرسکیں گے، ان دونوں کا ذکر دوسری آیت میں فرمایا ہے۔ اور رہے دوسرے بنی اسرائیل کے سردار تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی مخالفت کی اور جبارین سے لڑنے سے انکار کردیا اور کہا: اے موسیٰ! اس شہر میں تو جبارین رہتے ہیں۔ ''وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا'': جب تک جبارین اس شہر سے نہ نکل جائیں، ہم اس شہر میں داخل نہیں ہوں گے۔ ''فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ'' پس اگر وہ اس شہر سے نکل گئے تو پھر ہم داخل ہوجائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دو مردوں نے کہا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا تھا: تم دروازہ سے اُن پر داخل ہوجاؤ، جب تم دروازہ میں داخل ہوجاؤ گے تو بے شک تم ہی غالب رہو گے، اور اللہ پر ہی توکل کرو اگر تم ایمان والے ہو O'' (المائدہ: ۲۳)

''قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا'': یہ دو مرد یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا تھے۔ انہوں نے کہا:

''اُدْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ '': اور اس دروازہ کو وہ پہچانتے تھے کہ جو اس دروازہ سے داخل ہوتا ہے وہ غالب رہتا ہے۔

''وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ '': اور ان دونوں نے کہا: تم اللہ پر توکل کرو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''انہوں نے کہا: اے موسیٰ! ہم اس میں کبھی بھی داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ زور آور لوگ اس میں موجود ہیں، پس آپ اور آپ کا رب جائیں، آپ دونوں اُن سے قتال کریں، بے شک ہم تو یہیں بیٹھنے والے ہیں O'' (المائدہ: ٢٤)

جن یہودیوں نے اریحا میں داخل ہونے سے انکار کر دیا تھا، ان کا شرعی حکم

''قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا'': پھر انہوں نے کہا: ''فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ'': حسن بصری نے کہا کہ وہ بنی اسرائیل اس قول کی وجہ سے کافر ہو گئے، اور دوسروں نے کہا: بلکہ فاسق ہو گئے اور یہی قول صحیح ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی دعا میں ان کو فاسق فرمایا تھا، اور فاسق ہونے کی وجہ یہ ہے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی، اور ان کو کافر اس لیے نہیں کہا جائے گا کہ ان کے قول کی یہ تاویل ہے کہ آپ جائیں اور آپ کا رب اُن سے لڑنے میں آپ کی مدد فرمائے گا۔ اور دوسری تاویل یہ ہے کہ آپ جائیں اور آپ کا رب جائے، یعنی آپ کا بڑا بھائی ہارون جائے، اور عرب بڑے کو رب کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا ہے: ''اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ''۔ (یوسف: ٢٣)'': یعنی وہ عزیز مصر مجھ سے بڑا ہے اور اس نے میرے ٹھہرنے کا اچھا انتظام کیا ہے۔ اور بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو یہ کہا تھا کہ ''آپ جائیں اور آپ کا رب جائے''، وہ جہالت کی وجہ سے تھا، اور اس قول کی وجہ سے وہ فاسق ہو گئے۔

احادیث میں بنی اسرائیل کے قول کا بہ طور مذمت ذکر

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جب آپ غزوۂ بدر میں جنگ کے لیے نکلے تو آپ سے المقداد بن عمرو نے کہا: ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا: ''فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ''۔ (پس آپ اور آپ کا رب جائیں، آپ دونوں اُن سے قتال کریں، بے شک ہم تو یہیں بیٹھنے والے ہیں)۔ لیکن ہم آپ سے یہ عرض کریں گے کہ آپ جہاں جانا چاہتے ہیں جائیں، ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔

(صحیح البخاری: ٤٦٠٩، السنن الکبریٰ للنسائی: ١١١٤٠، المستدرک ج ٣ ص ٢١)

دوسری روایت ہے کہ انصار نے کہا: یا رسول اللہ! اگر آپ ''برک الغماد'' تک کا سفر کریں (برک الغماد ایک جگہ کا نام ہے) تو ہم آپ کے ساتھ جائیں گے۔ (صحیح مسلم: ١٧٧٩، صحیح ابن حبان: ٤٧٢٢)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! مجھے صرف اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر اختیار ہے، پس آپ ہمارے اور نافرمان لوگوں کے درمیان تفریق فرما دیں O'' (المائدہ: ٢٥)

''قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَ اَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ '': اس آیت کا معنی ہے: مجھے تو صرف اپنی جان اور اپنے بھائی پر اختیار ہے، اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ میری اطاعت صرف میرا نفس کرتا ہے اور صرف میرا بھائی کرتا ہے۔ پس آپ ہمارے اور ہماری نافرمان قوم کے درمیان تفریق فرمادیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اللہ نے) فرمایا: پس یہ ارضِ مقدسہ ان پر چالیس سال تک حرام رہے گی، یہ اسی سرزمین میں حیران پھرتے رہیں گے، سو (اے موسیٰ) آپ نافرمان لوگوں کے (انجام کے) متعلق غمزدہ نہ ہوں O'' (المائدہ:٢٦)

''ارضِ مقدسہ'' کا حدود اربع اور بنی اسرائیل کے اس میں سرگرداں ہونے والوں کی تعداد

''قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ '': اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ارضِ مقدسہ ان بنی اسرائیل پر ہمیشہ حرام رہے گی۔ اور یہ اس میں ہرگز داخل نہ ہوسکیں گے، البتہ ان کی اولاد اس میں داخل ہوگی اور وہ چالیس سال تک اس سرزمین میں سرگرداں پھرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو میدانِ ''تیہ'' میں ان کی سزا کے طور پر ٹھہرا دیا، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی۔

ایک قول یہ ہے کہ ''تیہ'' کی سرزمین جس پر بنی اسرائیل چالیس سال تک سرگرداں رہے، اس کا طول چھ فرسخ تھا اور اس کا عرض بارہ فرسخ تھا۔ اور جو بنی اسرائیل اس میں سرگرداں رہے، ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ وہ اسی سرزمین میں رہے، چلتے چلتے جب وہ شام کو ایک جگہ پہنچتے تو صبح کو پھر اسی جگہ ہوتے، اور جب صبح کسی جگہ پہنچتے تو پھر شام کو اسی جگہ ہوتے، اور اسی طرح ہر روز ہوتا رہا حتیٰ کہ یہ اسی سرزمین میں مر گئے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام بھی انہی میں تھے اور وہ بھی میدان ''تیہ'' میں فوت ہو گئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ان میں نہیں تھے کیونکہ میدانِ ''تیہ'' میں ہونا تو نافرمان بنی اسرائیل کے لیے سزا تھی۔ پس جب یہ بنی اسرائیل میدانِ ''تیہ'' میں مر گئے اور ان کی اولاد بڑی ہوئی تو یوشع بن نون ان کی اولاد کو ساتھ لے کر ارضِ مقدسہ کی طرف گئے اور انہوں نے العمالقہ سے جنگ کی اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی مدد فرمائی حتیٰ کہ وہ شہر فتح ہو گیا اور وہ جمعہ کا دن تھا۔ اور دن کم ہو رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے سورج کو اُن کے لیے ایک گھنٹہ کے لیے ٹھہرا دیا حتیٰ کہ وہ شہر فتح ہو گیا، پھر سورج ہفتہ کی رات کو غروب ہو گیا، کیونکہ ان کے لیے ہفتہ کے دن عمل کرنا جائز نہ تھا، پس اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو جمعہ کے دن فارغ کر دیا۔

(تفسیر القرآن العظیم للسمعانی ج ٢ ص ٢٥۔ ٢٨، دارالوطن، ریاض، ١٤١٨ھ)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٧﴾

اور اے رسولِ اکرم! آپ ان لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر سنائیں جب دونوں نے قربانی پیش کی، پس اُن دونوں میں سے ایک کی قربانی قبول فرمائی گئی اور دوسرے سے اس کی قربانی قبول نہیں فرمائی گئی، (تو دوسرے نے) اس سے کہا: میں ضرور بہ

ضرور تم کو قتل کر دوں گا، اس (پہلے) نے کہا: اللہ صرف پرہیزگاروں کی قربانی قبول فرماتے ہیں O

لَئِنۢ بَسَطتَّ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَآ أَنَا۠ بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ ۖ إِنِّيٓ أَخَافُ ٱللَّهَ رَبَّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٢٨﴾

اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا (تو میں انتقاماً) تجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کے رب ہیں O

إِنِّيٓ أُرِيدُ أَن تَبُوٓأَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلنَّارِ ۚ وَذَٰلِكَ جَزَٰٓؤُا۟ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٢٩﴾

میں یہ چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ کے ساتھ لوٹے، پس تو دوزخ والوں میں سے ہو جائے اور یہی ظالموں کی سزا ہے O

فَطَوَّعَتْ لَهُۥ نَفْسُهُۥ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُۥ فَأَصْبَحَ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٣٠﴾

پس اس (دوسرے) کو اس کے نفس نے اس کے بھائی کے قتل پر تیار کر لیا، سو اس نے اس کو قتل کر ڈالا اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا O

فَبَعَثَ ٱللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي ٱلْأَرْضِ لِيُرِيَهُۥ كَيْفَ يُوَٰرِى سَوْءَةَ أَخِيهِ ۚ قَالَ يَٰوَيْلَتَىٰٓ أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَٰذَا ٱلْغُرَابِ فَأُوَٰرِىَ سَوْءَةَ أَخِى ۖ فَأَصْبَحَ مِنَ ٱلنَّٰدِمِينَ ﴿٣١﴾

پس اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کو کریدتا تھا تا کہ اس کو دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش کو چھپائے، اس نے کہا: ہائے افسوس! کیا میں اس کوے کی مثل بھی نہ ہو سکا تا کہ میں اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا، پھر وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا O

مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ أَنَّهُۥ مَن قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِى ٱلْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ ٱلنَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَآ أَحْيَا ٱلنَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِٱلْبَيِّنَٰتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم بَعْدَ ذَٰلِكَ فِى ٱلْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ ﴿٣٢﴾

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر فرض فرمایا کہ جس نے کسی جان کو بغیر کسی جان کے بدلہ قتل کیا، یا ناحق زمین میں دہشت گردی کرنے کے لیے قتل کیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا، اور جس نے اس (کسی جان) کو بچا لیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو بچا لیا، اور بے شک ان کے پاس ہمارے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے ہیں، پھر بھی اس کے باوجود ان میں سے بہت سے زمین میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں O

معانقة ٥

وقف النبی

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٣٣﴾

جولوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں دہشت گردی کرتے ہیں، ان کی سزا یہی ہے کہ ان کو چُن چُن کر قتل کیا جائے یا اُن کو سولی پر چڑھایا جائے یا اُن کے ہاتھ اور اُن کے پیر مخالف جانبوں سے کاٹ دیئے جائیں، یا اُن کو اُن کے وطن سے نکال دیا جائے، یہ اُن کی دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں اُن کے لیے بڑا عذاب ہے O

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٤﴾ ع

سوا اُن لوگوں کے جنہوں نے تمہارے گرفتار کرنے سے پہلے توبہ کرلی، پس یاد رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اے رسولِ اکرم! آپ ان لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر سنائیں جب دونوں نے قربانی پیش کی، پس اُن دونوں میں سے ایک کی قربانی قبول فرمائی گئی اور دوسرے سے اس کی قربانی قبول نہیں فرمائی گئی، (تو دوسرے نے) اس سے کہا: میں ضرور بہ ضرور تم کو قتل کر دوں گا، اس (پہلے) نے کہا: اللہ صرف پرہیزگاروں کی قربانی قبول فرماتے ہیں O'' (المائدہ: ٢٧)

ہابیل کی قربانی قبول ہونے پر قابیل کا ردِ عمل

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ٣٧٥ھ، المائدہ: ٢٧ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا'': اس کا قصہ یہ ہے کہ حضرت حواء علیہا السلام کے ہاں ایک حمل سے ایک لڑکا اور لڑکی پیدا ہوئے۔ لڑکا قابیل تھا اور اس کی بہن اقلیما پیدا ہوئی، پھر دوسرے حمل سے ہابیل اور اس کی بہن لیوذا پیدا ہوئی، جب وہ بڑے ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اُن میں سے ہر ایک کا نکاح اس کی بہن کے ساتھ کر دیا جائے اور قابیل کی بہن زیادہ حسین تھی، پس قابیل نے ہابیل کے ساتھ اس کے نکاح کا انکار کیا بلکہ اس نے کہا: ہم میں سے ہر ایک اپنی اپنی بہن سے نکاح کرے گا، پس حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی بات کا حکم فرمایا ہے، تو قابیل نے حضرت آدم سے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم نہیں دیا لیکن آپ ہابیل کی طرفداری کر رہے ہیں، پس حضرت آدم علیہ السلام نے اُن دونوں کو قربانی کرنے کا حکم فرمایا اور کہا: پس تم میں سے جس کی بھی قربانی قبول ہوگئی وہ اس لڑکی کا زیادہ حق دار ہوگا۔ پس قابیل نے قربانی کا قصد کیا اور قابیل کھیتی باڑی کرنے والا تھا اور اس نے اپنی قربانی کو پہاڑ کے پاس رکھ دیا، اور ہابیل مویشی پالتا تھا، اس نے ایک بہترین بکری کو پہاڑ کے پاس رکھ دیا اور قابیل اپنے دل میں یہ منصوبہ بنا رہا تھا کہ اس کی قربانی قبول ہو یا نہ ہو، وہ اپنی بہن ہابیل کے حوالہ نہیں کرے گا، پس

آسمان سے ایک آگ آئی اور اس نے ہابیل کی قربانی کو کھالیا، اور یہ قربانی کے قبول ہونے کی علامت تھی اور اس آگ نے قابیل کی قربانی کو چھوڑ دیا، اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا معنی ہے کہ دونوں نے قربانی پیش کی۔

''فَتُقُبِّلَ مِنۡ اَحَدِهِمَا وَلَمۡ یُتَقَبَّلۡ مِنَ الۡاٰخَرِ'': یعنی ہابیل کی قربانی قبول فرمائی گئی اور دوسرے یعنی قابیل کی قربانی نہیں قبول فرمائی گئی۔ ''قَالَ لَاَقۡتُلَنَّكَ'' تب قابیل نے ہابیل سے کہا: میں ضرور بہ ضرور تم کو قتل کردوں گا۔ ہابیل نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قربانی قبول کرلی ہے اور میری قربانی کو مسترد کردیا ہے، تو ہابیل نے اس کے جواب میں کہا: ''اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ'': اور میری طرف سے گناہ نہیں ہوا تھا اور تمہاری قربانی اس لیے قبول نہیں ہوئی کہ تم نے خیانت کی اور بدنیتی کی۔ بعض حکماء نے کہا ہے کہ عقلمند شخص وہ ہوتا ہے جو اپنی نیکیوں کے باوجود اللہ سے ڈرتا رہتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ صرف ان کی قربانی قبول فرماتے ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں'' اور نقصان زدہ شخص وہ ہوتا ہے جو اللہ کے عذاب سے بے خوف ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فَلَا یَاۡمَنُ مَكۡرَ اللّٰهِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ۝ (الاعراف: ٩٩)'' (اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہوتے ہیں ۝)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا (تو میں انتقاماً) تجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کے رب ہیں ۝'' (المائدہ: ٢٨)

ہابیل کا قابیل سے انتقام نہ لینا

''لَئِنۡ بَسَطۡتَّ اِلَیَّ یَدَكَ'': یعنی ہابیل نے قابیل سے کہا: اگر تم نے میری طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ ''لِتَقۡتُلَنِیۡ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیۡكَ لِاَقۡتُلَكَ ۚ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ'': ((تو میں انتقاماً) تجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کے رب ہیں)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''میں یہ چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ کے ساتھ لوٹے، پس تو دوزخ والوں میں سے ہوجائے اور یہی ظالموں کی سزا ہے ۝'' (المائدہ: ٢٩)

ہابیل کو قتل کرنے پر قابیل کی سزا

''اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓاَ بِاِثۡمِیۡ وَاِثۡمِكَ'': یعنی تو مجھے قتل کرکے اس گناہ کے ساتھ لوٹے، اور اس گناہ کے ساتھ لوٹے جو تو نے مجھے قتل کرنے سے پہلے کیا ہے اور وہ قربانی میں خیانت کرنا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ میرے گناہ اور تیرے گناہ کی تجھ سے گرفت کی جائے۔ ''فَتَكُوۡنَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِ'': اور تو دوزخ والوں میں سے ہوجائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس اس (دوسرے) کو اس کے نفس نے اس کے بھائی کے قتل پر تیار کرلیا، سو اس نے اس کو قتل کر ڈالا اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگیا ۝'' (المائدہ: ٣٠)

''فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ'': پس اس کا نفس اس کے بھائی کے قتل کرنے پر تیار ہو گیا۔ قتادہ نے کہا: اس کے نفس نے اس کے بھائی کے قتل کو مزین کیا۔

قابیل کا اپنے بھائی کی لاش کو دفن کرنے کی تدبیر میں سرگرداں ہونا

''فَقَتَلَهٗ'': بعض مفسرین نے کہا: اس کو پتا نہیں تھا کہ وہ اپنے بھائی کو کیسے قتل کرے گا حتیٰ کہ ابلیس آیا اور اس نے دو مردوں کی مثال بنائی، پس اُن میں سے ایک نے پتھر کو پکڑا اور اس پتھر سے دوسرے کو مارا حتیٰ کہ اس کو ہلاک کر دیا۔ تو اس طرح اس نے اس کو قتل کرنا سکھا دیا۔ اور دوسرے مفسرین نے کہا: بلکہ وہ خود اپنی طبیعت سے جانتا تھا کہ کسی کو کیسے قتل کیا جائے، اس لیے کہ انسان نے اگرچہ پہلے کسی کے قتل کو نہیں دیکھا تھا لیکن وہ اپنی طبیعت سے جانتا تھا کہ نفس فانی ہے اور اس کو ہلاک کرنا ممکن ہے، پس اس نے ایک پتھر کو پکڑا اور اس پتھر کے ساتھ ارضِ ہند میں اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ پھر جب قابیل حضرت آدم کی طرف لوٹا تو حضرت آدم نے اس سے فرمایا: تو نے ہابیل کے ساتھ کیا، کیا تو قابیل نے اُن کو جواب دیا: کیا آپ نے مجھے ہابیل پر نگہبان بنایا تھا، پھر وہ جہاں چاہا چلا گیا، حضرت آدم علیہ السلام نے وہ رات بہت غم میں گزاری، پھر جب صبح ہوئی تو قابیل اس جگہ کی طرف گیا جہاں اس نے ہابیل کو قتل کیا تھا، پس وہاں اس نے ایک کوا دیکھا۔ اور بعض مفسرین نے کہا کہ قابیل کئی دنوں تک اپنے بھائی کی لاش کو اپنے کندھے پر اٹھا کر پھرتا رہا، لیکن اس کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس لاش کو کیا کرے حتیٰ کہ اس نے ایک مُردہ کوا دیکھا، پھر دوسرا کوا آیا اور اس نے اپنے پیروں سے زمین کو کُھرچا اور مُردہ کوا اس گڑھے میں ڈال دیا اور یہ اس ارشاد کا مطلب ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کو کریدتا تھا تاکہ اس کو دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش کو چھپائے، اس نے کہا: ہائے افسوس! کیا میں اس کوّے کی مثل بھی نہ ہو سکا تاکہ میں اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا، پھر وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا O'' (المائدہ: ۳۱)

کوّے کی رہنمائی سے قابیل کا ہابیل کو دفن کرنا اور قابیل کا انجام

''فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ'': قابیل اس کوّے کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس آیت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے ایک کوّا بھیجا جو مٹی کرید کر مُردہ کوّے پر ڈال رہا تھا۔ ''لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ'': یعنی اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے، اور اس موقع پر قابیل نے کہا: ''يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ'': یعنی کیا میں اس کوّے سے بھی گیا گزرا ہو گیا کہ ''فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ'' اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا۔ ''فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: اگر قابیل کو ہابیل کے قتل کرنے پر ندامت تھی تو یہ قابیل کی طرف سے توبہ ہو گئی، اور کہا جاتا ہے کہ بے شک حضرت آدم اور حضرت حوا دونوں ہابیل کی قبر پر گئے اور وہ دونوں کئی دن تک اس پر روتے رہے۔ پھر قابیل کسی پہاڑ کی بلندی پر گیا، وہاں ایک بیل نے اس پر سینگ مارا تو وہ پہاڑ سے نیچے جا گرا اور اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے خلاف دعا کی تو وہ زمین میں دھنس گیا۔ اور مقاتل نے کہا ہے کہ اس سے پہلے درندے اور پرندے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ مانوس تھے، جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو وہ درندے اور پرندے بھاگ گئے، پرندے فضاء میں چلے گئے اور درندے جنگل

میں چلے گئے، پھر حضرت شیث علیہ السلام نے اقلیما سے نکاح کر لیا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا، اس کے قتل کے گناہ کا ایک حصہ آدم کے پہلے بیٹے پر ہوگا کیونکہ اس نے سب سے پہلے قتل کرنے کا طریقہ ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری: ۳۳۳۵، صحیح مسلم: ۱۶۷۷، سنن ترمذی: ۲۶۷۳، سنن نسائی: ۳۹۸۵، سنن ابن ماجہ: ۲۶۱۶، مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۸ ص ۳۶۴، مصنف عبد الرزاق: ۱۸۷۱۸، مسند ابو یعلیٰ: ۵۱۷۹، صحیح ابن حبان: ۵۹۸۳، مسند احمد: ۳۶۳۰، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر فرض فرمایا کہ جس نے کسی جان کو بغیر کسی جان کے بدلہ قتل کیا، یا ناحق زمین میں دہشت گردی کرنے کے لیے قتل کیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا، اور جس نے اس (کسی جان) کو بچالیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو بچالیا، اور بے شک ان کے پاس ہمارے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے ہیں، پھر بھی اس کے باوجود ان میں سے بہت سے زمین میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں O'' (المائدہ: ۳۲)

قصاص کا مشروع ہونا

''مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِکَ'': یعنی اس وجہ سے کہ آدم کے بیٹے نے خیانت کی اور اپنے بھائی کو ناحق قتل کر دیا۔

''کَتَبۡنَا عَلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ'': یعنی ہم نے بنی اسرائیل پر فرض فرمادیا اور اُن پر ہم نے تورات میں سختی کی اور یہ لکھ دیا کہ:

''اَنَّهٗ مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَیۡرِ نَفۡسٍ'' یعنی جس نے بغیر قصاص کے اور بغیر کسی جان کے بدلہ لینے کے کسی کو قتل کیا۔

''اَوۡ فَسَادٍ فِی الۡاَرۡضِ'': یعنی زمین میں فساد کیا، اور سب سے بڑا فساد اللہ عزوجل کا شریک بنانا ہے۔

''فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیۡعًا'': یعنی جب اس نے کسی جان کو بغیر جرم کے قتل کیا اور اس کے قتل کرنے کو حلال جانا، پس گویا کہ اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا، یعنی جب اس نے کسی جان کو قتل کیا تو اس کی سزا یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

''وَمَنۡ اَحۡیَاهَا'': یعنی اس نے کسی جان کو غرق ہونے سے بچایا، یا آگ میں جلنے سے بچایا، یا قصاص میں اس کے قتل ہونے کو معاف کر دیا۔ ''فَکَاَنَّمَاۤ اَحۡیَا النَّاسَ جَمِیۡعًا'': یعنی اس کو اتنا اجر ملے گا گویا کہ اس نے تمام لوگوں کو زندہ کیا، کیونکہ ایک نفس کی حیات میں تمام لوگوں کی منفعت ہے۔

''وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا بِالۡبَیِّنٰتِ'': یعنی بنی اسرائیل کے پاس ہمارے رسولوں نے آکر احکام بیان کئے کہ اللہ تعالیٰ فلاں چیز کا حکم دیتے ہیں اور فلاں چیز سے منع فرماتے ہیں۔

''ثُمَّ اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنۡهُمۡ بَعۡدَ ذٰلِکَ فِی الۡاَرۡضِ لَمُسۡرِفُوۡنَ'' یعنی بہت لوگ رسولوں کے بیان کرنے کے باوجود زمین میں اسراف کرتے ہیں یعنی حد سے تجاوز کرتے ہیں اور وہ مشرکین ہیں جو اللہ کے حکم پر عمل کرنے کو ترک کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں دہشت گردی

کرتے ہیں، ان کی سزا یہی ہے کہ ان کو چُن چُن کر قتل کیا جائے یا اُن کو سولی پر چڑھایا جائے یا اُن کے ہاتھ اور اُن کے پیر مخالف جانبوں سے کاٹ دیئے جائیں، یا اُن کو اُن کے وطن سے نکال دیا جائے، یہ اُن کی دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں اُن کے لیے بڑا عذاب ہے O'' (المائدہ: ۳۳)

ڈاکوؤں کی سزا

''اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ'': یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو کھلے عام ترک کرتے ہیں۔ ''وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا'' اور زمین میں دہشت گردی کرتے ہیں یعنی لوگوں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ان کا مال لوٹ لیتے ہیں، تو ان لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان کو ''اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا'' چُن چُن کر قتل کیا جائے اور ان کو سولی پر چڑھایا جائے۔ مقاتل نے کہا ہے: یہ آیت بنو عرینہ کے سات مردوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو مدینہ آئے، پس مدینہ ان کو راس نہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم لوگ ہمارے اونٹوں اور اونٹنیوں کی طرف جاؤ اور اُن کے دودھ اور ان کے پیشاب کو پیو تو انہوں نے اس طرح کیا، پس وہ تندرست ہو گئے، پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہوں پر حملہ کیا اور ان کو قتل کر ڈالا، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے تعاقب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اُن کو پکڑ کر لے آئے، پس ان کے ہاتھوں کو اور اُن کے پیروں کو کاٹا گیا، اور اُن کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں اور اُن کو پتھریلی زمین میں پھینک دیا حتیٰ کہ وہ مر گئے۔ یہ حدود کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عُکل یا عُرینہ سے کچھ لوگ آئے، انہیں مدینہ موافق نہیں آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ وہ دودھ والی اونٹنیوں کے باڑے میں چلے جائیں اور اُن کا پیشاب اور دودھ پییں، پس وہ اونٹنیوں کے پاس چلے گئے، جب وہ تندرست ہو گئے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہوں کو قتل کر کے اور اونٹوں کو ہانک کر کے لے گئے، دن کے ابتدائی حصہ میں یہ خبر آپ کے پاس آئی، آپ نے ان کے پیچھے آدمیوں کو دوڑایا، جب دن چڑھ گیا تو ان کو لایا گیا، آپ نے ان کے ہاتھ اور پیر کاٹنے کا حکم دیا اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیں پھیری گئیں اور ان کو سیاہ پتھریلی زمین پر ڈال دیا گیا، وہ پانی مانگتے رہے تو اُن کو پانی نہیں دیا گیا، ابوقلابہ نے کہا: ان لوگوں نے چوری کی اور قتل کیا اور ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی۔

(صحیح البخاری: ۲۳۳، صحیح مسلم: ۱۶۷۱، سنن ابوداؤد: ۴۳۶۴، ۴۳۶۵، ۴۳۶۶، سنن نسائی: ۴۰۴۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۳۴۹۵، مسند ابویعلیٰ: ۲۸۱۶، صحیح ابن حبان: ۴۴۷۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۱۹۷، سنن بیہقی ج ۳ ص ۶۷، مسند احمد: ۱۲۹۳۶، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقہ کے اونٹ تھے جو مالِ غنیمت میں سے آپ کا حصہ تھے۔

جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کے پیشاب کی نجاست میں ائمہ مذاہب

اس حدیث سے امام مالک اور امام احمد نے یہ استدلال کیا ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب پاک ہے اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام ابویوسف نے کہا کہ ہر پیشاب نجس ہے۔ اور عُرینیین کو ان کے مرض کی ضرورت کی وجہ سے

اونٹنیوں کا پیشاب پینے کی اجازت دی تھی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سے جان لیا تھا کہ اُن کی شفاء اسی میں ہے، اور ہر حرام چیز سے شفاء طلب کرنا جائز ہے بہ شرطیکہ اس سے شفاء کا حصول ممکن ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پیشاب سے بچو، کیونکہ عام عذابِ قبر اسی سے ہوتا ہے۔ (سنن دارقطنی: ٤٥٧)

ڈاکوؤں کی سزا کی تین قسمیں

ڈاکوؤں کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے: ڈاکوؤں کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جو صرف مال لوٹتے ہیں اور قتل نہیں کرتے، اور دوسری قسم وہ ہے جو مال بھی لوٹتے ہیں اور قتل بھی کرتے ہیں، اور تیسری قسم وہ ہے جو صرف قتل کرتے ہیں اور مال نہیں لوٹتے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جب امام کے سامنے کوئی ڈاکو پیش کیا جائے جس نے ان تین قسموں میں سے کسی ایک قسم پر عمل کیا ہو تو امام کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کے اوپر ان تین سزاؤں میں سے کوئی ایک سزا جاری کرے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا'' یعنی قاضی کو اختیار دیا ہے کہ وہ ان میں سے جو سزا مناسب سمجھے وہ جاری کر دے، یہ حسن بصری اور عطاء کا قول ہے۔

''اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ'': اور بعض فقہاء نے کہا: ان میں سے ہر ڈاکو کی الگ الگ سزا ہے اور ہمارے اصحابِ احناف کا مختار یہ ہے کہ اگر اس نے صرف مال لوٹا ہے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، اس کا سیدھا ہاتھ اور الٹا پیر کاٹ دیا جائے گا۔ اور اگر اس نے صرف قتل کیا ہے اور مال نہیں لوٹا تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ اور اگر اس نے قتل بھی کیا ہے اور مال بھی لوٹا ہے تو اس کے ہاتھ پیر مخالف جانب سے کاٹے جائیں گے اور اس کو قتل بھی کیا جائے گا۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے، اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کے ہاتھ پیر نہیں کاٹے جائیں گے۔ اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ اگر ڈاکو نے قتل کیا ہے تو اسے قتل کیا جائے گا اور اگر اس نے قتل بھی کیا ہے اور مال بھی لوٹا ہے تو اس کے ہاتھ پیر کاٹ کر صلیب پر چڑھایا جائے گا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ اسی طرح منقول ہے۔ اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اس کو قتل کیا جائے گا، پھر اس کو بہ طورِ عبرت صلیب پر لٹکا دیا جائے گا، اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اس کو زندہ صلیب پر لٹکا دیا جائے گا پھر اس کی گردن کے پہلو میں نیزہ چبھویا جائے گا، پھر یونہی چھوڑ دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ مر جائے۔

''اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ'': یعنی اس کو وطن سے نکال دیا جائے گا۔

''ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا'': یعنی ڈاکو کو قتل کرنا اور اس کے ہاتھ پیر کاٹنا، یہ دنیا میں اس پر عذاب ہے اور یہ اُس کے گناہ کا کفارہ نہیں ہوگا، اگر اس نے گرفتار ہونے سے پہلے توبہ نہ کی ہو۔

''وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ'': اور آخرت میں اُن کے لیے اس سے بھی زیادہ شدید عذاب ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سوا اُن لوگوں کے جنہوں نے تمہارے گرفتار کرنے سے پہلے توبہ کر لی، پس یاد رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O'' (المائدہ: ٣٤)

''اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ'': اللہ تعالیٰ نے اُن کی سزا سے استثناء فرمایا، یعنی جن لوگوں نے اپنے

گرفتار ہونے سے پہلے اپنے ڈاکہ ڈالنے سے توبہ کرلی اور لوٹا ہوا مال واپس کر دیا، تو ان کو نہ دنیا میں سزا دی جائے گی اور نہ آخرت میں سزا دی جائے گی، اور اللہ تعالیٰ اُن کے گناہ کو معاف فرما دیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
"فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ": یعنی اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بخشنے والے ہیں اور ان پر رحم فرمانے والے ہیں، جب وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرلیں۔ (تفسیر السمرقندی ج۱ص۴۲۹۔۴۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیابی پاؤ O

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾

بے شک جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا اگر اُن کے پاس زمین کی تمام چیزیں ہوتیں اور اس کے ساتھ اتنی ہی اور چیزیں ہوتیں تاکہ وہ قیامت کے عذاب سے بچنے کے لیے (اُن چیزوں کا) فدیہ دیں تو اُن سے یہ فدیہ نہ قبول کیا جاتا اور اُن کے لیے سخت دردناک عذاب ہے O

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾

وہ چاہیں گے کہ کسی بھی طرح دوزخ کی آگ سے نکل جائیں اور وہ اس سے نہ نکل سکیں گے، اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے O

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾

اور (اے حکام!) چور مرد اور چور عورت کے دائیں ہاتھوں کو کاٹ دو، یہ اُن کی چوری کی اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہے، اور اللہ بہت غالب، بے حد حکمت والے ہیں O

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾

پھر جس نے اپنی جان پر ظلم کے بعد توبہ کرلی اور اپنی اصلاح کرلی تو بے شک اللہ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے، بے شک اللہ بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ

لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۴۰﴾

(اے رسولِ اکرم!) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جسے چاہتے ہیں عذاب دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں معاف فرمادیتے ہیں، اور اللہ جو چاہیں اس پر قادر ہیں O

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ لَا یَحۡزُنۡکَ الَّذِیۡنَ یُسَارِعُوۡنَ فِی الۡکُفۡرِ مِنَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَ لَمۡ تُؤۡمِنۡ قُلُوۡبُهُمۡ ۚۛ وَ مِنَ الَّذِیۡنَ هَادُوۡا ۚۛ سَمّٰعُوۡنَ لِلۡکَذِبِ سَمّٰعُوۡنَ لِقَوۡمٍ اٰخَرِیۡنَ ۙ لَمۡ یَاۡتُوۡکَ ؕ یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ یَقُوۡلُوۡنَ اِنۡ اُوۡتِیۡتُمۡ هٰذَا فَخُذُوۡهُ وَ اِنۡ لَّمۡ تُؤۡتَوۡهُ فَاحۡذَرُوۡا ؕ وَ مَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ فِتۡنَتَهٗ فَلَنۡ تَمۡلِکَ لَهٗ مِنَ اللّٰہِ شَیۡـًٔا ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُرِدِ اللّٰہُ اَنۡ یُّطَهِّرَ قُلُوۡبَهُمۡ ؕ لَهُمۡ فِی الدُّنۡیَا خِزۡیٌ ۚۖ وَّ لَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۴۱﴾

اے رسول! آپ کو وہ لوگ غمگین نہ کریں جو کفر کے راستوں میں تیزی سے دوڑ رہے ہیں، ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اپنے مونہوں سے کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے، اور اُن میں سے بعض لوگ یہودی ہیں، جاسوسی کرنے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں، وہ اُن لوگوں کے لیے جاسوس ہیں جو ابھی تک آپ کے پاس نہیں آئے، وہ اللہ کے کلام کو اس کی جگہوں سے تبدیل کردیتے ہیں، وہ کہتے ہیں: اگر ہمارا بتایا ہوا یہ حکم تمہیں دیا جائے تو اس کو مان لینا، اور اگر وہ حکم نہ دیا جائے تو اس سے اجتناب کرنا، اور جس کو اللہ گمراہ کرنے کا ارادہ فرمالیں تو (اے مخاطب!) تم ہرگز اس کے حق میں اللہ سے کسی چیز کے لینے کی طاقت نہ رکھو گے، یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا، ان کے لیے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O

سَمّٰعُوۡنَ لِلۡکَذِبِ اَکّٰلُوۡنَ لِلسُّحۡتِ ؕ فَاِنۡ جَآءُوۡکَ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَهُمۡ اَوۡ اَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ ۚ وَ اِنۡ تُعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ فَلَنۡ یَّضُرُّوۡکَ شَیۡـًٔا ؕ وَ اِنۡ حَکَمۡتَ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ﴿۴۲﴾

(یہ لوگ) جاسوسی کرنے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں اور یہ بہت زیادہ حرام کھانے والے ہیں، سو اگر یہ لوگ آپ کے پاس آئیں تو آپ (کو اختیار ہے کہ) ان کے درمیان فیصلہ کریں یا ان سے مونہہ پھیرلیں، اور اگر آپ ان سے مونہہ پھیرلیں تو وہ ہرگز آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچاسکیں گے، اور اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو عدل کے ساتھ ان کا فیصلہ کریں، بے شک اللہ عدل کرنے

مع الوقف على الاول اجوز ١٢

والوں کو پسند فرماتے ہیں O

وَ كَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور یہ لوگ آپ کو کیسے منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم (موجود) ہے، پھر اس کے بعد (بھی) یہ روگردانی کرتے ہیں، اور یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیابی پاؤ O'' (المائدہ: ۳۵)

''اَلْوَسِيْلَةَ'' کا لغوی اور اصطلاحی معنی

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ'':

السید محمد مرتضیٰ بن محمد الحسینی الزبیدی المتوفی ۱۲۰۵ھ، لکھتے ہیں:

الجوہری نے کہا: 'اَلْوَسِيْلَةَ' وہ کام ہے جس سے کسی دوسرے کا تقرب حاصل کیا جائے اور اس کی جمع ''الوسل'' اور ''الوسائل'' ہے۔ اذان کی حدیث میں ہے: ''اللھم اٰت محمد ا الوسیلۃ''۔ ابن الاثیر نے کہا: حدیث میں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا قرب ہے، دوسرا قول ہے کہ اس سے مراد قیامت کے دن کی شفاعت ہے، اور تیسرا قول ہے کہ جنت کے درجات میں سے ایک درجہ ہے۔ (تاج العروس من جواہر القاموس جز ۱۵ ص ۳۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ، لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی عبادت کے راستہ کی رعایت کی جائے اور شرعی احکام کو عمل کرنے کے لیے تلاش کیا جائے۔ (المفردات فی غریب القرآن ج ۲ ص ۶۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ سید علی بن محمد الحسینی الجرجانی الحنفی المتوفی ۸۱۶ھ، لکھتے ہیں:

جس کام سے دوسرے کا قرب حاصل کیا جائے وہ وسیلہ ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۱۷۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ ''الوسیلۃ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء اور مجاہد نے کہا کہ ''الوسیلۃ'' کا معنی ہے ''القربۃ''۔ اور ابن زید نے کہا: ''الوسیلۃ'' کا معنی ہے: محبت، یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت کو حاصل کرو۔

القاضی مجیر الدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ، المائدہ: ۳۵ تا ۴۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ'': وسیلہ کا معنی ہے: کسی چیز کی طرف رغبت سے اس کا قرب حاصل کرنا۔ ''وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ'': اور اللہ کے راستہ میں پہنچنے کی کوشش کرو، تاکہ تمہیں آخرت میں عزت

حاصل ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا اگر اُن کے پاس زمین کی تمام چیزیں ہوتیں اور اس کے ساتھ اتنی ہی اور چیزیں ہوتیں تاکہ وہ قیامت کے عذاب سے بچنے کے لیے (اُن چیزوں کا) فدیہ دیں تو اُن سے یہ فدیہ نہ قبول کیا جاتا اور اُن کے لیے سخت دردناک عذاب ہے O'' (المائدہ:٣٦)

''اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ'': یعنی جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا، اگر اُن کے پاس اموال کی تمام اقسام میں سے چیزیں ہوتیں اور اتنی ہی چیزیں اور بھی ہوتیں تاکہ وہ ان چیزوں کو آخرت کے عذاب سے نجات کے لیے فدیہ میں دیں تو اس کو قبول نہ کیا جاتا۔ ''وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ'' اور ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہوتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ چاہیں گے کہ کسی بھی طرح دوزخ کی آگ سے نکل جائیں اور وہ اس سے نہ نکل سکیں گے، اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے O'' (المائدہ:٣٧)

''یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ'': یعنی اُن کے لیے دائمی عذاب ہوگا اور وہ اس عذاب سے نہیں نکل سکیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے حکام!) چور مرد اور چور عورت کے دائیں ہاتھوں کو کاٹ دو، یہ اُن کی چوری کی اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہے، اور اللہ بہت غالب، بے حد حکمت والے ہیں O'' (المائدہ:٣٨)

چوری کے نصاب میں مذاہب ائمہ

''اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا'': ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے بہ قدرِ نصاب مال کو کسی محفوظ جگہ سے چرایا تو اس کا دایاں ہاتھ پہنچے سے کاٹ دیا جائے گا، اور اس پر داغ لگایا جائے گا۔ اور نصاب سے کم چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ نصاب کی مقدار میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ نے کہا: وہ ایک دینار ہے یا چاندی کے دس درہم ہیں، یا ایسی چیز ہے جس کی قیمت دس دراہم ہو۔

امام مالک اور امام احمد نے کہا ہے: سونے کے دینار کا چوتھائی حصہ ہے، یا چاندی کے تین درہم ہیں، یا ایسی چیز ہو جو ان میں سے کسی ایک کے برابر ہو۔ اور امام شافعی نے کہا: اس کی مقدار چوتھائی دینار ہے یا اس کی قیمت دراہم کے اعتبار سے ہے۔

(2014ء میں پاکستانی بینک ریٹ کے مطابق ایک درہم دو سو پاکستانی روپے کے برابر ہے، اس حساب سے دس درہم تقریباً دو ہزار روپے چوری کا نصاب ہے اور یہی کم سے کم مہر کی مقدار ہے)

متعدد بار چوری کرنے پر اس کا ہاتھ یا اس کا پیر کاٹنے میں مذاہب

پھر جب اس نے دوسری بار چوری کی تو اس کا بایاں پیر مفصل قدم سے کاٹ دیا جائے گا، پھر اگر اس نے تیسری مرتبہ یا چوتھی

مرتبہ چوری کی تو امام ابوحنیفہ اور امام احمد نے کہا ہے: اس کو قید میں ڈال دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ توبہ کرے، اور ایک ہاتھ اور ایک پیر سے زیادہ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور امام مالک اور امام شافعی نے کہا کہ تیسری مرتبہ چوری میں اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور چوتھی مرتبہ چوری میں اس کا دایاں پیر کاٹ دیا جائے گا، پھر اگر اس نے اس کے بعد چوری کی تو اس پر تعزیر لگائی جائے گی اور اس کو قید کر دیا جائے گا حتیٰ کہ اس سے توبہ ظاہر ہو جائے۔

چور کے اقرار سے چوری کے ثبوت میں مذاہبِ ائمہ

اس میں اختلاف ہے کہ اگر چور کے اقرار سے چوری کا ثبوت ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک نے کہا کہ چور کے ایک مرتبہ اقرار سے چوری ثابت ہو جائے گی اور امام احمد نے کہا: دو مرتبہ چور اقرار کرے تو پھر چوری ثابت ہوگی صرف ایک مرتبہ اقرار سے اس کی چوری ثابت نہیں ہوگی۔ امام ابو یوسف اور امام زُفر کا بھی یہی قول ہے، پھر اگر اس نے اقرار سے رجوع کر لیا تو اس کے رجوع کو قبول کیا جائے گا اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس سے ہاتھ کو کاٹنا ساقط ہو جائے گا۔ اور امام مالک کے نزدیک اگر اس نے شُبہ کی طرف رجوع کیا تو اس سے ہاتھ کو کاٹنا ساقط ہو جائے گا اور اگر بغیر شبہ کے رجوع کیا تو پھر ان سے دو روایتیں ہیں، اور رہا مال تو وہ بالاتفاق ساقط نہیں ہوگا۔ اور جو لوٹ مار کرنے والا ہو اور زبردستی مال کو چھیننے والا ہو یا خیانت کرنے والا ہو تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

"جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ": یعنی چوری کے جرم کی صرف یہی سزا ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اور اس سزا پر کوئی اور اضافہ نہیں ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پھر جس نے اپنی جان پر ظلم کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے، بے شک اللہ بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O" (المائدہ: ۳۹)

"فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ": یعنی جو شخص چوری کے ارتکاب سے رجوع کر لے اور اپنے اعمال درست کر لے، تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے اور اس کو آخرت میں عذاب نہیں دیں گے۔ رہا ہاتھ کو کاٹنا تو امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک توبہ کرنے سے ہاتھ کا کاٹنا ساقط نہیں ہوگا۔ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جب اس نے چوری کے ثبوت سے پہلے توبہ کر لی تو محض توبہ کرنے سے ہاتھ کا کاٹنا ساقط ہو جائے گا اس سے پہلے کہ وہ اپنے عمل کی اصلاح کرے۔

اور جب چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور چوری کا مال چور سے ضائع ہو چکا تھا تو امام ابوحنیفہ نے کہا: اب چور کے اوپر اس مال کا دینا واجب نہیں ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک دو سزائیں جمع نہیں ہوں گی کہ ہاتھ بھی کاٹا جائے اور چوری کے مال کی ضمان بھی دی جائے، اور باقی تین ائمہ نے کہا کہ اس سے چوری کے مال کا تاوان لیا جائے گا مگر امام مالک نے کہا: جب وہ چور تنگدست ہو تو پھر اس سے مال نہیں لیا جائے گا۔ اور جب چوری کا مال چور کے پاس موجود ہو تو وہ مال اس سے بالاتفاق واپس لیا جائے گا، کیونکہ ہاتھ کا کاٹنا اللہ کا حق ہے اور مال کا تاوان بندے کا حق ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جسے چاہتے ہیں عذاب دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں معاف فرمادیتے ہیں، اور اللہ جو چاہیں اس پر قادر ہیں O'' (المائدہ: ۴۰)

''اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'': اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اور مراد تمام مسلمان ہیں۔ ''یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ'': وہ جس کو چاہیں صغیرہ گناہ پر عذاب دیں۔ ''وَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ'': اور جس کو چاہیں کبیرہ گناہ پر معاف فرمادیں۔ ''وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ'': اور اللہ تعالیٰ ہر چاہے ہوئے پر قادر ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے رسول! آپ کو وہ لوگ غمگین نہ کریں جو کفر کے راستوں میں تیزی سے دوڑ رہے ہیں، ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اپنے مونہوں سے کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے، اور اُن میں سے بعض لوگ یہودی ہیں، جاسوسی کرنے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں، وہ اُن لوگوں کے لیے جاسوس ہیں جو ابھی تک آپ کے پاس نہیں آئے، وہ اللہ کے کلام کو اس کی جگہوں سے تبدیل کردیتے ہیں، وہ کہتے ہیں: اگر ہمارا بتایا ہوا یہ حکم تمہیں دیا جائے تو اس کو مان لینا، اور اگر وہ حکم نہ دیا جائے تو اس سے اجتناب کرنا، اور جس کو اللہ گمراہ کرنے کا ارادہ فرمالیں تو (اے مخاطب!) تم ہرگز اس کے حق میں اللہ سے کسی چیز کے لینے کی طاقت نہ رکھو گے، یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا، ان کے لیے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O'' (المائدہ: ۴۱)

''یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ'': یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے نازل فرمائی ہے۔ ''الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ'': یعنی جو لوگ کفار کے ساتھ دوستی رکھنے میں جلدی کرتے ہیں۔ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ منافقین جو کفار کے ساتھ دوستی قائم کرنے میں جلدی کرتے ہیں، اُن کی وجہ سے آپ پریشان نہ ہوں، کیونکہ میں آپ کی مدد فرمانے والا ہوں۔ ''مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ'': اور وہ منافقین ہیں۔ ''وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا'': یعنی یہودی۔

''سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ'': یعنی یہودیوں کے علماء جو اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹی باتیں گھڑتے ہیں، ان کو وہ قبول کرتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''سمع اللہ لمن حمدہ'' یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی، اللہ نے اس کی حمد قبول فرمائی۔

''سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ'': یعنی وہ کسی قوم کے لیے باتیں سنتے ہیں۔ ''اٰخَرِیْنَ لَمْ یَاْتُوْكَ'': اس آیت کا معنی یہ ہے: یعنی یہودیوں کی جو جماعت آپ کے پاس آئی ہے، وہ ایک اور جماعت کے لیے جاسوسی کرنے والی ہے جن میں سے لوگ آپ کے پاس نہیں آئے، کیونکہ ایک یہودی نے کسی یہودیہ سے زنا کیا تھا اور وہ دونوں اہلِ خیبر کے نزدیک شادی شدہ اور معزز تھے اور اُن کے ہاں زنا کی حد رجم کرنا تھی، پس انہوں نے ان دونوں کے رجم کرنے کو ناپسند کیا، پس انہوں نے ان دونوں کے ساتھ بنوقریظہ اور بنونضیر کی

ایک جماعت بھیجی تا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کی حد کے متعلق سوال کریں اور انہوں نے آپس میں کہا کہ اگر (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں کوڑے مارنے کا حکم دیں تو اس کو قبول کر لینا اور اگر تم کو رجم کرنے کا حکم دیں تو اس حکم سے اجتناب کرنا، اس بناء پر پہلا ''سَمّٰعُوۡنَ'' کا لفظ اہلِ خیبر کے لیے ہے، اور دوسرا ''سَمّٰعُوۡنَ'' کا لفظ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے لیے ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو رجم کرنے کا حکم فرمایا، پس اُن دونوں کو مسجد کے دروازہ کے ساتھ رجم کر دیا گیا۔ اور اُن کو رجم اس وقت کیا گیا جب حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اُن کو تورات میں یہ حکم دکھا دیا، پس عورت کے ساتھ زنا کرنے والا رجم کی حالت میں عورت پر جھک رہا تھا تا کہ اس کو پتھروں سے بچائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میں وہ پہلا شخص ہوں جس نے آپ کے حکم کو زندہ کیا جب لوگوں نے اس حکم پر عمل کرنے کو چھوڑ دیا تھا۔

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی کے پاس سے گزرے جس کا مونہہ کالا کر کے اس پر کوڑے مارے گئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بلایا، پس فرمایا: کیا تم اپنی کتاب میں زنا کی حد اسی طرح پاتے ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے اُن کے علماء میں سے ایک مرد کو بلایا، پس فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ پر تورات کو نازل فرمایا، کیا تم اسی طرح اپنی کتاب میں زنا کی حد پاتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں! اور اگر آپ مجھے یہ قسم نہ دیتے تو میں آپ کو اس کی خبر نہ دیتا، ہم تورات میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اُس کو رجم کیا جائے، لیکن یہ شخص ہمارے معزز لوگوں میں سے تھا، پس جب ہم کسی معزز شخص کو اس جرم میں ملوث پاتے تو اس کو چھوڑ دیتے، اور جب ہم کسی کمزور شخص کو اس جرم میں ملوث پاتے تو ہم اس پر حد جاری کرتے، ہم نے کہا: آؤ ہم ایک ایسی سزا پر متفق ہو جائیں جس کو معزز اور غیر معزز دونوں پر جاری کریں، پس ہم نے کہا کہ جو بھی زنا کرے اس کو رجم کے بجائے اس کا مونہہ کالا کرو اور اس کو کوڑے مارو، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میں وہ پہلا شخص ہوں جس نے آپ کے حکم کو زندہ کیا جب کہ انہوں نے اس حکم پر عمل کرنے کو چھوڑ دیا تھا، پھر آپ نے حکم فرمایا کہ اس شخص کو رجم کیا جائے، پھر اللہ عزوجل نے المائدہ: ۴۱ نازل فرمائی: ''یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ لَا یَحۡزُنۡكَ ...''۔

(صحیح مسلم: ۱۷۰۰، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۷، ۴۴۴۸، سنن ابن ماجہ: ۲۳۲۷، ۲۵۵۸)

''یُحَرِّفُوۡنَ الۡكَلِمَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَوَاضِعِهٖ'': یعنی آیات کو اُن کے محل سے ہٹا دیتے ہیں اور کہتے ہیں: ''یَقُوۡلُوۡنَ اِنۡ اُوۡتِیۡتُمۡ هٰذَا فَخُذُوۡهُ وَاِنۡ لَّمۡ تُؤۡتَوۡهُ فَاحۡذَرُوۡا'' اگر تم کو تبدیل شدہ حکم دیا جائے یعنی کوڑے مارنا تو اس کو قبول کر لینا اور اگر (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں کوئی اور حکم دیں تو اس سے اجتناب کرنا۔

''وَمَنۡ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتۡنَتَهٗ'': یعنی اللہ تعالیٰ جس کو گمراہ کرنے کا اور عذاب میں مبتلاء کرنے کا ارادہ فرمائیں ''فَلَنۡ تَمۡلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیۡئًا'': تو آپ اس کے حکم کو ٹالنے پر بالکل قادر نہیں ہیں۔

''اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُرِدِ اللّٰهُ اَنۡ یُّطَهِّرَ قُلُوۡبَهُمۡ'': یعنی ان لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کفر سے پاک کرنے کا ارادہ نہیں فرماتے۔ اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں۔

''لَهُمۡ فِی الدُّنۡیَا خِزۡیٌ ۚ وَّلَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ'': ان لوگوں کے لیے یہ رسوائی ہے کہ دنیا میں ان کے اوپر جزیہ دینے کو لازم فرما دیا اور انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اُن کے اصحاب سے ان چیزوں کو دیکھا جن کو وہ ناپسند کرتے تھے اور آخرت

میں ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''(یہ لوگ) جاسوسی کرنے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں اور یہ بہت زیادہ حرام کھانے والے ہیں، سواگر یہ لوگ آپ کے پاس آئیں تو آپ (کو اختیار ہے کہ) ان کے درمیان فیصلہ کریں یا ان سے مونہہ پھیر لیں، اور اگر آپ ان سے مونہہ پھیر لیں تو وہ ہرگز آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو عدل کے ساتھ ان کا فیصلہ کریں، بے شک اللہ عدل کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں O''(المائدہ:۴۲)

رشوت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

''سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ'':ابن کثیر، ابوجعفر، ابوعمرو، یعقوب اور الکسائی نے پڑھا:''السُحُت''، اور باقی قراء نے پڑھا''لِلسُّحْت''۔''السُحُت'' کا معنی ہے:وہ حرام چیز جس کو کھانے یا لینے سے عار آئے، یہ سَحَتَہٗ سے ماخوذ ہے۔ ''سَحَتَہٗ'': کا معنی ہے جو کسی چیز کی برکت کو ختم کر دے، رشوت کو سُحت کہا جاتا ہے کیونکہ رشوت مروّت اور دینداری کو ختم کر دیتی ہے۔ اور رشوت اُسے کہتے ہیں جو کسی باطل کو حق کر دے یا حق کو باطل کر دے، یعنی کوئی شخص رشوت لے کر غلط فیصلہ کرے اور حق کے متعلق فیصلہ کرے کہ وہ باطل ہے اور باطل کے متعلق فیصلہ کرے کہ وہ حق ہے۔

رشوت کی تحریم کے متعلق صحیح حدیث

ائمہ کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ رشوت لے کر کسی حق کو باطل کرنا یا کسی ناجائز کام کے لیے رشوت لینا حرام ہے، اور اس پر اتفاق ہے کہ رشوت لے کر جو فیصلہ کیا جائے وہ نافذ نہیں ہوتا، حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔(مسند ابوداؤد الطیالسی:۲۳۹۰، مصنف ابن ابی شیبہ:۲۱۹۶۶، ۲۲۰۹۱، ۲۲۰۹۲، مسند احمد:۶۵۳۲، ۶۷۷۸، ۶۷۷۹، ۶۸۳۰، ۹۰۲۱، ۹۰۳۲، ۲۲۳۹۹، سنن ابوداؤد:۳۵۸۰، سنن ترمذی:۱۳۳۶، ۱۳۳۷، مسند البزار، ج۱۰ ص۹۷)

رشوت کی اقسام

علامہ حسین بن منصور اوزجندی المعروف بہ قاضی خان متوفی ۵۹۲ھ، لکھتے ہیں:

رشوت کی چار قسمیں ہیں:

(۱) منصب قضاء کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا۔ اس رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔

(۲) کوئی شخص اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لیے قاضی کو رشوت دے، یہ رشوت جانبین سے حرام ہے خواہ وہ فیصلہ حق اور انصاف پر مبنی ہو یا نہ ہو، کیونکہ فیصلہ کرنا قاضی کی ذمہ داری اور فرض ہے، اسی طرح کسی افسر کو اپنا کام کرانے کے لیے رشوت دینا، یہ بھی جانبین سے حرام ہے کیونکہ وہ کام کرنا اس افسر کی ڈیوٹی ہے۔(سعیدی غفرلہٗ)

(۳) اپنی جان اور مال کو ظلم اور ضرر سے بچانے کے لیے رشوت دینا، یہ لینے والے پر حرام ہے دینے والے پر حرام نہیں ہے۔ اسی طرح اپنے مال کو حاصل کرنے کے لیے بھی رشوت دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔

(۴) کسی شخص کو اس لیے رشوت دی کہ وہ اس کو بادشاہ یا حاکم تک پہنچا دے تو اس کا رشوت دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔

(فتاویٰ قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ج ۲ ص ۳۶۲ ـ ۳۶۳ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ)

قاضی کے فیصلہ پر اُجرت لینے کے متعلق مذاہبِ ائمہ

امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک جب قاضی کا بیت المال سے وظیفہ مقرر نہ ہو اور وہ خصم سے فیصلہ کرنے کی اُجرت لے اور اس کا فیصلہ صحیح ہو تو اس کا اجرت لینا جائز ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جب قاضی فیصلہ لکھنے کا ارادہ کرے اور اس پر اجرت لے اور اتنی ہی اجرت لے جتنی دوسروں سے لیتا ہے تو جائز ہے۔ اور امام مالک کے نزدیک اُجرت لینا اس وقت جائز ہے جب وہ کسی مجرم کو قید کرنے کا فیصلہ کرے یا اس سے جزیہ لینے کا یا اہلِ ذمہ سے ٹیکس لینے کا۔

''فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ'': اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے اگر چاہیں تو ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں اور اگر چاہیں تو ترک فرما دیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ کیا اب بھی حاکم کو یہ اختیار ہے کہ اہلِ ذمہ جب اُن کے پاس مقدمہ دائر کریں تو ان کے درمیان فیصلہ کرے یا نہ کرے، پس اکثر اہلِ علم نے کہا کہ یہ حکم ثابت ہے اور سورۂ مائدہ میں کوئی حکم منسوخ نہیں ہوا ہے، اور حکام مسلمین کو اہلِ کتاب کے درمیان فیصلہ کرنے کا اختیار ہے اگر چاہیں تو فیصلہ کریں اور اگر چاہیں تو فیصلہ نہ کریں، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا یہی قول ہے۔

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ اس آیت کا یہ حکم منسوخ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ... (المائدہ:۴۹)'' (اور اے رسولِ اکرم! آپ ان کے درمیان اس حکم کے ساتھ فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے)۔

پس مسلمانوں کے حاکم پر واجب ہے کہ اہلِ ذمہ کے درمیان فیصلہ کریں، اور یہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ پس جب مسلمان اور ذمی کے درمیان خصومت ہو تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا بالاتفاق واجب ہے، کیونکہ مسلمان کے لیے اہلِ ذمہ کے حکم کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے۔

''وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ'': یعنی اگر آپ اہلِ ذمہ کے درمیان فیصلہ کرنے سے اعراض کریں۔ ''فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا'': تو وہ آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔ ''وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ'': یعنی اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو عدل کے ساتھ فیصلہ کریں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور یہ لوگ آپ کو کیسے منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم (موجود) ہے، پھر اس کے بعد (بھی) یہ روگردانی کرتے ہیں، اور یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں O'' (المائدہ:۴۳)

''وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ'': یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منصف بنانے پر تعجب ہے۔''وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ'': اور ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے اور وہ حکم رجم کرنا ہے۔''ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ'': پھر یہ اس رجم کے فیصلہ سے روگردانی کرتے ہیں۔''وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ'': یعنی یہ رجم کے فیصلہ میں آپ کی تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔

(فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن، ج ۲ ص ۲۹۲۔۳۰۰، دار النوادر، لبنان، ۱۴۳۲ھ)

موجودہ بائبل میں رجم کا ثبوت

اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ تورات میں شادی شدہ زانیوں کے متعلق رجم کرنے کا حکم موجود ہے، تورات کی جس آیت میں یہ حکم مذکور ہے وہ آیت یہ ہے:

''پر اگر یہ بات سچ ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائے اور اس کے شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مرجائے، کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی ہے کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ پن کیا، یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا ○''۔

''اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی۔ یوں تو بنی اسرائیل میں سے ایسی برائی کو دفع کرنا ○''۔

''اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہو گئی ہو اور کوئی دوسرا آدمی اُسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے ○''۔

''تو تم اُن دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور اُن کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مرجائیں، لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلّائی، اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنے ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا، یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا ○''۔(استثناء، باب: ۲۲، آیت: ۲۰۔۲۴، کتاب مقدس ص ۱۸۷، بائبل سوسائٹی، لاہور ۱۹۹۲ء)

قرآن مجید کی حقانیت پر یہ دلیل ہے کہ قرآن کریم نے دعویٰ کیا کہ تورات میں رجم کا ثبوت ہے اور ہزاروں سال سے یہودی تورات میں تحریف کر رہے ہیں اس کے باوجود وہ رجم کی اس آیت کو تورات سے نہیں نکال سکے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور نور ہے، اس کے مطابق اللہ کے متبع نبی یہودیوں کے متعلق فیصلے کرتے رہے اور اللہ والے اور علماء فیصلے کرتے رہے، کیونکہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ بنائے گئے تھے اور وہ اس کتاب پر گواہ تھے، پس تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو اور میری آیتوں کے بدلہ میں حقیر قیمت نہ لو، اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے حکم کے مطابق

فیصلہ نہ کریں تو وہی لوگ کافر ہیں O

وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور ہم نے تورات میں اُن پر فرض فرمایا تھا کہ جان کا بدلہ جان ہے اور آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے اور ناک کا بدلہ ناک ہے اور کان کا بدلہ کان ہے اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور زخموں کا بدلہ ہے، سو جو شخص بدلہ معاف کر دے تو اس کا یہ معاف کرنا اس کے گناہوں کا کفارہ ہے اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی لوگ ظالم ہیں O

وَ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌ ۙ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ؕ

اور ہم نے اُن نبیوں کے پیچھے اُن کے قدموں کے نشانوں پر عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جو اپنے سامنے تورات کی تصدیق کرنے والے تھے اور ہم نے اُن کو انجیل عطاء فرمائی جس میں ہدایت اور نور تھا اور وہ اس کی تصدیق کرنے والی تھی جو اس کے سامنے تورات میں تھا، اور ہدایت تھی اور متقین کے لیے نصیحت تھی O

وَ لْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور انجیل والے اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل فرمایا ہے، اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے، تو وہی لوگ نافرمان ہیں O

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ

جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور اے رسولِ اکرم! ہم نے آپ پر حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اُن (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس کے سامنے ہیں اور اُن پر نگہبان ہے، سو آپ اِن لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ نے نازل فرمایا ہے، اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے اُس سے ہٹ کر اِن کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ شریعت اور واضح راہِ عمل بنائی ہے، اور (اے لوگو!) اگر اللہ چاہتے تو تم سب کو ایک امت بنا دیتے لیکن وہ تم کو (ان) الگ الگ احکام سے آزماتے ہیں جو اُس نے تم کو عطاء فرمائے ہیں، پس تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو، تم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، پس وہ تم کو اس کی خبر دیں گے جس میں تم اختلاف کرتے تھے O

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور اے رسولِ اکرم! آپ اُن کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور اِن کی خواہشوں کی اتباع نہ کریں، اور آپ ان سے بچتے رہیں کہیں وہ آپ کو اُن بعض احکام سے پھیر نہ دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف نازل فرمائے ہیں، پس اگر وہ روگردانی کریں تو یاد رکھیے! کہ اللہ انہیں اُن کے بعض گناہوں کی وجہ سے سزا دینا چاہتے ہیں، اور بے شک لوگوں میں سے بہت نافرمان ہیں O

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۱۱

کیا وہ جاہلیت کا حکم طلب کر رہے ہیں، اور یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر کون حکم دینے والا ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور نور ہے، اس کے مطابق اللہ کے متبع نبی یہودیوں کے متعلق فیصلے کرتے رہے اور اللہ والے اور علماء فیصلے کرتے رہے، کیونکہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ بنائے گئے تھے اور وہ اس کتاب پر گواہ تھے، پس تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو اور میری آیتوں کے بدلہ میں حقیر قیمت نہ لو، اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی لوگ کافر ہیں O“ (المائدہ: ۴۴)

جن نبیوں نے تورات کے مطابق حکم دیا اور جن نبیوں نے تورات کے مطابق حکم نہیں دیا، ان دونوں کا بیان

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، المائدہ: ۴۴ تا ۵۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''إِنَّآ أَنزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيهَا هُدًى وَّنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا'': یعنی جن نبیوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہ بیان فرمایا ہے: ''إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۙ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِينَ۔۔۔(البقرہ: ١٣١)'' ((اے رسول اکرم! یاد کیجئے) جب ابراہیم سے ان کے رب نے فرمایا: اسلام لاؤ! تو انہوں نے کہا: میں رب العالمین کے لیے اسلام لے آیاO) اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا۔۔۔(آل عمران: ٨٣)'' (حالانکہ تمام آسمانوں والوں اور زمینوں والوں نے خوشی اور ناخوشی سے اسی کے لیے گردن جھکائی ہے)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے اُن نبیوں کا ارادہ فرمایا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث فرمائے گئے تا کہ وہ تورات کے مطابق حکم دیں اور وہ تورات کے حکم کو مان چکے تھے اور اس کے مطابق حکم دیتے تھے، کیونکہ بعض نبی ایسے تھے جن کو تورات کے مطابق حکم دینے کا حکم نہیں فرمایا گیا تھا، اُن میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ''لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا۔۔۔(المائدہ: ٤٨)'' (ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ شریعت اور واضح راہِ عمل بنائی ہے)۔ حسن بصری اور السدّی نے کہا ہے: اس آیت سے مراد یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود پر رجم کا حکم فرمایا ہے اور اس کو جمع کے لفظ سے اس طرح ذکر فرمایا ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جمع کے لفظ سے ذکر فرمایا ہے: ''إِنَّ إِبْرٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا۔ (النحل: ١٢٠)'' (بے شک ابراہیم (اپنے کمالات کے اعتبار سے خود) ایک امت تھے فرمانبردار)۔ اس آیت کا معنی ہے: یعنی جس کے ساتھ وہ نبی فیصلہ کرتے ہیں جو اللہ کے حکم کے اطاعت گزار ہیں اور اللہ والے اور علماء فیصلہ کرتے ہیں۔

''الرَّبّٰنِيُّوْنَ'' اور ''الْأَحْبَارُ'' کے معانی

''وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِن كِتٰبِ اللّٰهِ'': ''الرَّبّٰنِيُّوْنَ'' کا معنی ہے اللہ والے اور ''وَالْأَحْبَارُ'' علماء کو کہتے ہیں، ''احبار'' حبر کی جمع ہے اور یہ پختہ عالم کو کہتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ''وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ'' سے مراد یہاں پر نصاریٰ ہیں اور ''الْأَحْبَارُ'' سے مراد یہود ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے حکم کے مطابق حکم نہ دینے والوں کے متعلق وعید

''فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ'': قتادہ اور الضحاک نے بیان کیا کہ یہ تین آیتیں یہود کے متعلق نازل ہوئی ہیں نہ کہ ہماری امت میں سے برا کام کرنے والوں کے متعلق۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ''وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ'' اور ''الظّٰلِمُوْنَ'' اور ''الْفٰسِقُوْنَ'' یہ سب کافر ہیں۔

اس سوال کا جواب کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے کسی ایک حکم پر عمل نہ کرے تو کیا وہ کافر، ظالم اور فاسق ہو جائے گا؟ مثلاً اگر کوئی شخص ایک وقت کی فرض نماز ترک کر دے یا ایک دن کا فرض روزہ ترک کر دے تو کیا وہ کافر، ظالم اور فاسق ہو جائے گا؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور طاؤس نے کہا: یہ ایسا کفر نہیں ہے جیسے کوئی شخص اسلام کو چھوڑ کر کسی اور ملت کی طرف منتقل

ہو گیا ہو یا جس نے اللہ کے ساتھ اور آخرت کے ساتھ کفر کیا ہو، اور عطاء نے کہا: یہ کم درجہ کا کفر ہے اور کم درجہ کا ظلم ہے اور کم درجہ کا فسق ہے۔ اور عکرمہ نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے انکار کرتے ہوئے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کیا تو اس نے کفر کیا اور جس نے اللہ کے نازل کیے ہوئے حکم کا اقرار کیا اور اس کے مطابق حکم نہیں کیا تو وہ ظالم اور فاسق ہے۔ اور عبدالعزیز بن یحییٰ الکنانی سے ان آیات کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اس کا معنی ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے تمام نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کیا تو وہ کافر ہے نہ وہ جس نے بعض احکام کے مطابق فیصلہ نہ کیا ہو۔ اور ہر وہ شخص جس نے اللہ کے تمام نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کیا تو وہ کافر، ظالم اور فاسق ہے۔ اور رہا وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کے متعلق نازل کیے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ کیا اور شرک کو ترک کر دیا، پھر اس نے بعض نازل کیے ہوئے احکامِ شرعیہ کے مطابق عمل نہیں کیا تو وہ ان آیات کے حکم کا مصداق نہیں ہو گا۔ اور علماء نے کہا ہے کہ یہ اس وقت ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کی تصریح کو عمداً رد کر دے تو وہ کافر ظالم اور فاسق ہے لیکن جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم مخفی رہا یا اس نے اس کی تاویل میں خطاء کی اور پھر اس کے مطابق عمل نہیں کیا تو پھر وہ ظالم، کافر اور فاسق کا مصداق نہیں ہو گا۔

مذکورہ توجیہات کا خلاصہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی توجیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جس نے کسی ایک حکم پر عمل نہیں کیا، یہ کفر تو ہے مگر ایسا کفر نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ ملتِ اسلامیہ سے نکل جائے، اور عطاء نے کہا کہ یہ کم درجہ کا کفر ہے، اور عکرمہ نے کہا: جس نے کسی حکم کا انکار کرتے ہوئے اس پر عمل نہیں کیا تو وہ کافر ہو جائے گا، اور عبدالعزیز بن یحییٰ الکنانی نے کہا: جس نے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کے مطابق عمل نہیں کیا تو وہ کافر، ظالم اور فاسق ہو جائے گا اور جمہور علماء نے کہا: جو اللہ تعالیٰ کے صریح احکام کو عمداً رد کر دے وہ ظالم، کافر اور فاسق ہو جائے گا، لیکن جس پر یہ احکام مخفی رہے یا اس نے تاویل میں خطاء کی تو وہ ظالم، کافر اور فاسق نہیں ہو گا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور ہم نے تورات میں اُن پر فرض فرمایا تھا کہ جان کا بدلہ جان ہے اور آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے اور ناک کا بدلہ ناک ہے اور کان کا بدلہ کان ہے اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور زخموں کا بدلہ ہے، سو جو شخص بدلہ معاف کر دے تو اس کا یہ معاف کرنا اس کے گناہوں کا کفارہ ہے اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی لوگ ظالم ہیں O“ (المائدہ: ۴۵)

”وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ“: یعنی ہم نے تورات میں بنی اسرائیل پر فرض فرمایا۔ ”اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ“: یعنی مقتول کی جان کے بدلہ میں قاتل کی جان کو قتل کیا جائے۔ ”وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ“: آنکھ کے بدلہ میں آنکھ نکالی جائے۔ ”وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ“: ناک کے بدلہ میں ناک کاٹی جائے۔ ”وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ“: یعنی کان کے بدلہ میں کان کاٹا جائے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: اللہ تعالیٰ نے تورات میں یہ حکم دیا تھا کہ جان کے بدلہ میں جان ہے، ایک کے بدلہ میں ایک، پس ان کو کیا ہوا کہ وہ اس حکم کی مخالفت کرتے تھے اور ایک جان کے بدلہ میں دو جانوں کو قتل کرتے تھے، اور ایک آنکھ کے بدلہ میں دو آنکھیں نکالتے تھے۔

”وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ“: اور ایک دانت کے بدلہ میں ایک دانت توڑا جائے، اور باقی اعضاء بھی بدلہ میں اسی قیاس پر ہیں۔

''وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ'': اور زخموں میں بدلہ ہے، یہ تخصیص کے بعد عمومی حکم ہے، کیونکہ پہلے خصوصیت سے آنکھ، ناک، کان اور دانت کا ذکر کیا، پھر فرمایا: ''وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ''۔ یعنی جن زخموں میں بدلہ لیا جا سکتا ہو مثلاً ہاتھ کے بدلہ میں ہاتھ کاٹ دیا جائے اور پیر کے بدلہ میں پیر کاٹ دیا جائے اور زبان کے بدلہ میں زبان کاٹ دی جائے۔ اور جن زخموں میں قصاص یعنی برابری ممکن نہ ہو مثلاً ہڈی توڑ دی یا گوشت زخمی کر دیا یا پیٹ میں زخم ڈال دیا تو اس میں برابری متصور نہیں ہے، کیونکہ اس کی انتہاء پر واقفیت ممکن نہیں ہے۔

بدلہ نہ لینے کی فضیلت میں احادیث

''فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ'': یعنی جس نے بدلہ لینے کو معاف کر دیا تو وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

حضرت عُبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کے جسم میں کوئی زخم ڈالا گیا اور اس نے اس زخم کا صدقہ کر دیا تو اس نے جتنے زخم کا صدقہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اتنے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔

(مسند احمد: ٢٢٧٠١، مسند ابوداؤد الطیالسی: ٥٨٧، سنن بیہقی ج ٨ ص ٥٦، مسند ابویعلیٰ: ٦٨٦٩، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔ سنن ترمذی: ١٣٩٣، سنن ابن ماجہ: ٢٦٩٣، نیز عدی بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک مرد نے دوسرے مرد کی مونہہ کی ہڈی توڑ دی تو اس کو دیت دی گئی تو اس نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ اس کو تین مرتبہ دیت پیش کی گئی، تو اس مرد نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے اپنی جان کا صدقہ کیا یا اس سے کم کا صدقہ کیا تو وہ صدقہ اس کے یوم پیدائش سے لے کر صدقہ کے دن تک اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ مسند ابویعلیٰ: ٦٨٦٩، ابن عاصم فی الدیات: ٣١٠، مجمع الزوائد: ١٠٨٠٠)

بدلہ نہ لینے کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے: یہ زخمی کرنے والے اور قتل کرنے والے سے کنایہ ہے یعنی جس کو زخمی کیا گیا ہے اس نے زخمی کرنے والے کو معاف کر دیا تو یہ زخمی کرنے والے کے گناہ کا کفارہ ہے، اور اب اس سے آخرت میں مواخذہ نہیں کیا جائے گا جیسا کہ قصاص کفارہ ہوتا ہے، اور رہا معاف کرنے والے کا اجر تو وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۔۔۔ (الشوریٰ: ٤٠)'' (پھر جو معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم) پر ہے)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے اُن نبیوں کے پیچھے اُن کے قدموں کے نشانوں پر عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جو اپنے سامنے تورات کی تصدیق کرنے والے تھے اور ہم نے اُن کو انجیل عطاء فرمائی جس میں ہدایت اور نور تھا اور وہ اس کی تصدیق کرنے والی تھی جو اُس کے سامنے تورات میں تھا، اور ہدایت تھی اور متقین کے لیے نصیحت تھی O'' (المائدہ: ٤٦)

''وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ'': یعنی جو انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مطیع ہو چکے تھے، ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جو اپنے سامنے تورات کی تصدیق کرنے والے تھے اور ہم نے اُن کو انجیل عطاء فرمائی جس میں ''هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ'':

ہدایت اور نور تھا اور وہ اپنے سامنے تورات کی تصدیق کرنے والی تھی اور اس میں ہدایت تھی اور متقین کے لیے نصیحت تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور انجیل والے اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل فرمایا ہے، اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے، تو وہی لوگ نافرمان ہیں O'' (المائدہ: ٤٧)

''وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيهِ ۚ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ'':

مقاتل بن حیان نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ''ربانیین'' اور ''الاحبار'' کو حکم فرمایا کہ وہ تورات کے مطابق احکام دیں اور ''قِصِّیصِین'' (واعظین) اور ''رھبان'' (پیروں) کو حکم دیا کہ وہ انجیل کے مطابق احکام دیں، پس انہوں نے کفر کو اختیار کیا اور انہوں نے کہا: ''عزیر'' اللہ کا بیٹا ہے اور ''المسیح'' اللہ کا بیٹا ہے۔ اور یہ لوگ اللہ عزوجل کے حکم سے نکلنے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اے رسولِ اکرم! ہم نے آپ پر حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اُن (آسمانی) کتابوں کی تصدیق فرمانے والی ہے جو اس کے سامنے ہیں اور اُن پر نگہبان ہے، سو آپ اِن لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کیجیے جو اللہ نے نازل فرمایا ہے، اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے اُس سے ہٹ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ شریعت اور واضح راہِ عمل بنائی ہے، اور (اے لوگو!) اگر اللہ چاہتے تو تم سب کو ایک امت بنا دیتے لیکن وہ تم کو (اِن) الگ الگ احکام سے آزماتے ہیں جو اُس نے تم کو عطاء فرمائے ہیں، پس تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو، تم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، پس وہ تم کو اس کی خبر دیں گے جس میں تم اختلاف کرتے تھے O'' (المائدہ: ٤٨)

''وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ'': یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ قرآن مجید نازل فرمایا ہے جو اس سے پہلے نازل کی ہوئی آسمانی کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہے اور اُن پر نگہبان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی اُن پر شاہد ہے اور گواہ ہے، اور یہی مجاہد، قتادہ، السدی اور الکسائی کا قول ہے۔ سعید بن جبیر اور ابوعبیدہ نے کہا: یعنی یہ قرآن پچھلی آسمانی کتابوں پر امین ہے، پس اہلِ کتاب اپنی کتابوں سے جو خبر دیں، اگر وہ قرآن مجید کے موافق ہو تو اس کی تصدیق کرو، ورنہ اس کی تکذیب کرو۔ اور خلیل نے کہا: قرآن مجید اُن پچھلی کتابوں پر نگہبان اور اُن پر محافظ ہے، اور معانی متقارب ہیں۔ اور سب کا معنی یہ ہے کہ ہر وہ کتاب جس کے صدق کی قرآن مجید شہادت دے، وہ اللہ کی کتاب ہے ورنہ نہیں ہے۔

''فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ'': یعنی اے محمد! جب اہلِ کتاب آپ کے پاس کوئی مقدمہ پیش کریں تو آپ قرآن کے مطابق اُن کا فیصلہ فرمائیں۔ اور حق سے ہٹ کر اہلِ کتاب کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں، یعنی حق سے ہٹ کر کوئی بات نہ کہیں اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں۔

''لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا'': ابن عباس، حسن اور مجاہد نے کہا: یعنی سبیلًا وسنۃً، پس ''الشرعۃ'' اور

''المنہاج'' کا معنی ہے: واضح راستہ۔ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ شریعتیں مختلف ہیں اور ہر اہلِ ملت کے لیے ایک شریعت ہے، قتادہ نے کہا: یہ تینوں امتوں کے لیے خطاب ہے امتِ موسیٰ کے لیے، امتِ عیسیٰ کے لیے اور امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔ پس تورات بھی ایک شریعت ہے، الانجیل بھی ایک شریعت ہے اور القرآن بھی ایک شریعت ہے اور دین واحد ہے اور وہ توحید ہے۔

''وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمۡ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً'': یعنی اگر اللہ چاہتے تو تم سب کو ایک ملت پر فرما دیتے۔ ''وَ لٰکِنۡ لِّیَبۡلُوَکُمۡ فِیۡ مَاۤ اٰتٰکُمۡ'': لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائش میں ڈالتے ہیں کہ تم کو جو کتابیں عطاء فرمائی ہیں اور تمہارے لیے جو شریعتیں بیان فرمائی ہیں، آیا تم ان پر عمل کرتے ہو یا نہیں۔ پس اطاعت کرنے والا، نافرمانی کرنے والے سے ممتاز ہو جاتا ہے اور موافق، مخالف سے متمیز ہو جاتا ہے۔

''فَاسۡتَبِقُوا الۡخَیۡرٰتِ'': تم نیک اعمال کی طرف ایک دوسرے پر سبقت کرو۔ ''اِلَی اللّٰہِ مَرۡجِعُکُمۡ جَمِیۡعًا فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ فِیۡہِ تَخۡتَلِفُوۡنَ'': یعنی تم سب نے بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے اور جن امور میں تم اختلاف کرتے تھے اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ تمہیں آخرت میں خبر دیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اے رسولِ اکرم! آپ اُن کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور اِن کی خواہشوں کی اتباع نہ کریں، اور آپ ان سے بچتے رہیں کہیں وہ آپ کو اُن بعض احکام سے پھیر نہ دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف نازل فرمائے ہیں، پس اگر وہ روگردانی کریں تو یاد رکھیے! کہ اللہ انہیں اُن کے بعض گناہوں کی وجہ سے سزا دینا چاہتے ہیں، اور بے شک لوگوں میں سے بہت نافرمان ہیں O'' (المائدہ ۴۹)

''وَ اَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ'': یعنی اللہ عزوجل نے آپ کی طرف جو احکام نازل فرمائے ہیں، اُن کے مطابق فیصلہ کیجئے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں۔ ''وَ احۡذَرۡہُمۡ اَنۡ یَّفۡتِنُوۡکَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ اِلَیۡکَ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ کعب بن اسد اور عبداللہ بن سوریا اور شاس بن قیس جو یہود کے رؤسا میں سے تھے، انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: چلو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلیں شاید ہم اُن کو اُن کے دین سے پھیر لیں، تو وہ آپ کے پاس آئے، پس کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم!) آپ کو معلوم ہے کہ ہم یہود کے علماء اور یہود کے معززین میں سے ہیں، بے شک اگر ہم نے آپ کی پیروی کر لی تو یہود ہماری مخالفت نہیں کریں گے اور ہمارے اور لوگوں کے درمیان کچھ جھگڑے ہیں، ہم آپ کو اُن جھگڑوں میں حاکم بناتے ہیں، تو آپ ہمارے حق میں اُن کے خلاف فیصلہ کریں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے، اور دوسرے ہماری پیروی کریں گے، اور اُن لوگوں کا مقصد ایمان لانا نہیں تھا، اُن کا مقصد تو لوگوں کو دھوکے میں ڈالنا تھا، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّصِیۡبَہُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِہِمۡ ؕ وَ اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ'': اگر یہ ایمان لانے سے روگردانی کریں اور قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرنے سے اعراض کریں تو آپ یاد رکھیں کہ اللہ یہ ارادہ فرماتے ہیں کہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی سزا دیں۔ یعنی آپ یاد رکھیں کہ ان کا اعراض کرنا اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ

ان کو دنیا میں ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے جلد سزا دینا چاہتے ہیں اور ان میں سے زیادہ تر یہود نافرمان ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا وہ جاہلیت کا حکم طلب کر رہے ہیں، اور یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر کون حکم دینے والا ہے O'' (المائدہ:٥٠)

''اَفَحُکْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ'': ابن عامر نے اس آیت میں ''تَبْغُوْنَ'' پڑھا ہے اور دوسروں نے ''يَبْغُوْنَ'' پڑھا، یعنی یہ طلب کرتے ہیں۔ ''وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ'': اور ایمان والوں کے نزدیک اللہ سب سے بہتر حکم نازل فرمانے والے ہیں۔ (معالم التنزیل ج ٢ ص ٥٤۔ ٥٨، دار احیاء التراث العربی بیروت، ١٤٢٠ھ)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾

اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ، (تمہارے خلاف) وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور تم میں سے جس نے اُن کو اپنا دوست بنایا تو اس کا شمار ان ہی میں سے ہوگا، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں عطاء فرماتے O

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ؕ

پس آپ دیکھتے ہیں کہ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ یہود و نصاریٰ کی طرف دوڑتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمیں خطرہ ہے کہ ہم پر کوئی مصیبت نہ آجائے، پس عنقریب اللہ فتح کو لے آئیں گے یا اپنی طرف سے فتح کی کسی نشانی کو لے آئیں گے، پھر وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے نفاق پر پچھتانے والے ہوجائیں گے O

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٥٣﴾

اور اس وقت ایمان والے کہیں گے: کیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے تاکید کے ساتھ اللہ کی پکی قسمیں کھا کر کہا تھا کہ بے شک ہم ضرور تمہارے ساتھ ہیں، ان کے تمام اعمال ضائع ہوگئے اور وہ نقصان اٹھانے والے ہوگئے O

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ

لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (٥٤)

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا تو اللہ (اس کے بدلہ میں) ایسے لوگوں کو لے آئیں گے جن سے اللہ محبت فرمائیں گے اور وہ اللہ سے محبت کریں گے، وہ مومنین پر نرم ہوں گے اور کفار پر سخت ہوں گے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے جس کو وہ چاہتے ہیں اسے عطاء فرماتے ہیں، اور اللہ بہت وسعت والے، سب کچھ جاننے والے ہیں O

اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ (٥٥)

تمہارے دوست صرف اللہ ہیں اور اس کا رسول ہیں اور وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ اللہ کے سامنے عاجزی سے جھکنے والے ہیں O

وَ مَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (٥٦)

اور جس نے اللہ کو اور اس کے رسول کو دوست بنایا اور ایمان والوں کو (دوست بنایا) تو بے شک اللہ کا گروہ ہی غالب ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ، (تمہارے خلاف) وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور تم میں سے جس نے اُن کو اپنا دوست بنایا تو اس کا شمار ان ہی میں سے ہوگا، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں عطاء فرماتے O'' (المائدہ:٥١)

علامہ مصطفیٰ الخیری الحصنی المنصوری الحنفی المتوفی ١٣٩٠ھ، المائدہ:٥١ تا ٥٦ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'': یہ خطاب تمام مومنین کو عام ہے، اور اُن کو ایمان کے عنوان سے اس لیے خطاب فرمایا ہے تاکہ وہ اُن چیزوں سے باز رہیں جن چیزوں سے اُن کو منع فرمایا گیا ہے۔ ''لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ'': یعنی تم میں سے کوئی ایک بھی یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بنائے۔ ''بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ'': یعنی اُن میں سے ہر فریق دوسرے کا دوست ہے اور وہ ایک کلمہ پر متفق ہیں، اور وہ سب اس پر متفق ہیں کہ تم کو ضرر پہنچائیں، اور وہ تمہارے لیے مصائب اور مشکلات کو طلب کرتے ہیں، پس تمہارے اور اُن کے درمیان دوستی کیسے متصور ہوگی!

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرا ایک کاتب نصرانی ہے، تو انہوں نے کہا: تمہیں کیا ہوا؟ اللہ تمہیں ہلاک کرے، تم نے کسی مسلمان کو کاتب کیوں نہیں رکھا، کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ''، میں نے کہا: اس کا دین اس کے لیے ہے اور میرے لیے تو وہ لکھتا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اُن کو عزت نہ دو جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل قرار فرمایا ہے، میں نے کہا: میرے لکھنے کا

کام اس کے بغیر نہیں چل سکتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فرض کر و وہ نصرانی مر گیا، پھر تم اس کے بعد کیا کرو گے؟

''وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ'': یعنی جو اُن سے دوستی رکھے گا، اس کا انہی میں سے شمار ہوگا، اور یہ آیت تشدید پر اور زجر میں مبالغہ پر محمول ہے۔

''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ'': یعنی جن لوگوں نے کفار کے ساتھ دوستی رکھ کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اللہ تعالیٰ اُن کو ایمان کی طرف ہدایت نہیں عطاء فرماتے بلکہ اُن کو ان ہی کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں، پس وہ کفر اور گمراہی میں مبتلاء رہتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس آپ دیکھتے ہیں کہ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ یہود و نصاریٰ کی طرف دوڑتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمیں خطرہ ہے کہ ہم پر کوئی مصیبت نہ آ جائے، پس عنقریب اللہ فتح کو لے آئیں گے یا اپنی طرف سے فتح کی کسی نشانی کو لے آئیں گے، پھر وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے نفاق پر پچھتانے والے ہو جائیں گے O'' (المائدہ: ۵۲)

''فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ'': جیسے عبداللہ بن اُبی اور اس جیسے لوگ تھے اور اس آیت میں خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا اُن کو ہے جن کے لیے اس خطاب کی اہلیت تھی۔

''يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ'': یعنی اُن کے ساتھ دوستی رکھنے میں اور اُن کی معاونت کرنے میں دوڑتے ہیں۔ (اس سے مراد اہلِ مدینہ کے منافقین ہیں جو یہود سے دوستی رکھنے میں جلدی کرتے تھے اور نجران کے نصاریٰ سے دوستی رکھنے میں، کیونکہ یہ مال دار لوگ تھے، پس وہ ان سے مل جل کر رہتے تھے تاکہ دنیاوی خسیس منافع ان کو حاصل ہو جائیں، اور یہ اہلِ نفاق کی علامات ہیں کیونکہ دنیا کے لیے ان سے محبت رکھنا بہت سنگین ہے)۔

''يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ'': یعنی وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ ہمیں یہ خطرہ ہے کہ ہمیں کوئی مصیبت پہنچے گی۔ ''دَآئِرَةٌ'' اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز کا احاطہ کر لیتی ہے اور یہاں مراد ہے مصائب الدہر، یعنی دنیا کی مصیبتیں۔ اور اس وقت مسلمانوں کے اوپر کفار کی حکومت تھی، پس ہم اُن کی طرف محتاج ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے ان باطل بہانوں کو رد فرما دیا اور مومنین کو اپنے اس ارشاد سے بشارت دی: ''فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ'': پس اللہ تعالیٰ نے اُن سے فتح کا وعدہ فرمایا اور اس سے مراد فتح مکہ ہے، یہ کلبی کا قول ہے اور الضحاک نے کہا: اس سے مراد یہود کی بستیوں کی فتح ہے۔ اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما لیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کے مخالفین کے خلاف مدد فرمائیں گے اور دین کو سربلند فرمائیں گے۔ ''اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ'': یعنی اللہ تعالیٰ کوئی ایسا فیصلہ فرمائیں گے کہ جس سے یہود قتل کر دیئے جائیں یا اُن کو جلاوطن کر دیا جائے، یا منافقین کے رازوں کو ظاہر کر دیا جائے۔

''فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ'': پھر یہ منافقین اپنے دلوں میں اس نفاق پر نادم ہوں گے جس کو انہوں نے اپنے دلوں میں چھپایا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں جو کفر اور شک کو انہوں نے چھپایا تھا، اس پر نادم ہوں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اس وقت ایمان والے کہیں گے: کیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے تاکید کے ساتھ اللہ کی پکی قسمیں کھا کر کہا تھا کہ بے شک ہم ضرور تمہارے ساتھ ہیں، ان کے تمام اعمال ضائع ہو گئے اور وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے O'' (المائدہ: ۵۳)

''وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ'': مومنین سے یہ قول اس وقت صادر ہوگا جب منافقین کی ندامت ظاہر ہو جائے گی، اور اس آیت کا معنی اس طرح ہے کہ مومنین یہود سے مخاطب ہوتے ہوئے کہیں گے اور اُن منافقین کی طرف اشارہ کریں گے کہ جو یہود سے دوستی رکھتے تھے، یعنی مومنین صادقین ایک دوسرے سے کہیں گے: کیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے یہود کے سامنے قسمیں کھائی تھیں کہ وہ اُن کے ساتھ ہیں، پھر جب یہود پر وہ مصیبتیں آئیں جو آئیں تو پھر منافقین نے جو خفیہ دوستی رکھی تھی اس کو ظاہر کر دیں گے، اور ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور وہ خسارہ پانے والے ہو جائیں گے۔ یا تو یہ مومنین کا قول ہے اور یا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا تو اللہ (اس کے بدلہ میں) ایسے لوگوں کو لے آئیں گے جن سے اللہ محبت فرمائیں گے اور وہ اللہ سے محبت کریں گے، وہ مومنین پر نرم ہوں گے اور کفار پر سخت ہوں گے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے جس کو وہ چاہتے ہیں اسے عطاء فرماتے ہیں، اور اللہ بہت وسعت والے، سب کچھ جاننے والے ہیں O'' (المائدہ: ۵۴)

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ'': جب اللہ تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ سے دوستی سے منع فرمادیا اور منافقین کے انجام کو بیان فرمادیا تو اب مرتدین کے حال کو بیان کرنا شروع فرمایا۔ اور مرتدین سے مراد وہ ہیں جو عقیدہ اور عمل سے مرتد ہو جائیں، جیسے زکوٰۃ کی ادائیگی سے منع کرنے والے۔ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں بعض لوگ اسلام سے مرتد ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ'': یعنی ایسے لوگ آئیں گے جو دنیا اور آخرت کی بھلائی کے حامل ہوں گے، جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا ارادہ کریں گے اور اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی سے احتراز کریں گے۔ اور اس قوم سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے اوصاف کے ساتھ متصف ہوں گے، وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ کے دین کو پھیلائیں گے خواہ وہ عرب سے ہوں یا عجم سے ہوں۔

''اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ'': مومنین پر نرم ہوں گے، یہ ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ'' یعنی مسلمانوں کے لیے تواضع کرنے والے ہوں گے۔ اور ''الذِّلّ'' کا معنی ہے: نرمی جو سختی کی ضد ہے، یعنی وہ مسلمانوں پر مہربان ہوں گے۔ ''اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ'': یعنی کفار پر سخت ہوں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ۔ (الفتح: ۲۹)''۔ پھر ان کی دوسری صفت بیان فرمائی: ''يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'': یعنی یہ ان کی عزت کا دوسرا سبب ہے۔ ''وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ'': یعنی وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی صفت کے جامع ہوں گے اور دین میں متصلب ہوں گے، اور اس میں منافقین کے

ساتھ تعریض ہے، کیونکہ جب وہ مسلمانوں کے لشکر میں نکلتے تو وہ اپنے یہودی دوستوں کی ملامت سے ڈرتے رہتے تھے۔

''ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ'': یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا لطف اور احسان ہے جس کو وہ اپنی مصلحت سے جسے چاہیں عطاء فرماتے ہیں۔ ''وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ'': اور اللہ تعالیٰ بہت فضل اور بہت لطف وکرم فرمانے والے ہیں، ''عَلِيْمٌ'' جو تمام چیزوں کے جاننے والے ہیں، پس جس کو چاہتے ہیں، فضل اور عزت عطاء فرماتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''تمہارے دوست صرف اللہ ہیں اور اس کا رسول ہیں اور وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ اللہ کے سامنے عاجزی سے جھکنے والے ہیں O'' (المائدہ: ۵۵)

''اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا'': اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مومنین کو کفار کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرمایا تھا، اب یہ بتایا کہ تمہیں کس کو دوست بنانا چاہیے، پس فرمایا: تمہارے ولی ''اللہ'' ہیں اور یوں نہیں فرمایا کہ تمہارے اولیاء اللہ ہیں اور اس کا رسول ہیں اور مومنین ہیں، اس میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ اصل میں تمہارا ولی ''اللہ'' ہے اور اس کا رسول اور مومنین تمہارے ولی بالتبع ہیں۔

''الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ'': اس آیت میں اُن مومنین کی صفات بیان فرمائی ہیں جو مومنین کے اولیاء ہیں، پس فرمایا کہ یہ وہ مومنین ہیں جو نماز کی حفاظت کرتے ہیں اور زکوٰۃ اس کے مستحقین کو ادا کرتے ہیں، پس وہ اللہ تعالیٰ کا بھی حق ادا کرتے ہیں اور بندوں کا بھی حق ادا کرتے ہیں، اور وہ خشوع کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرنے والے ہیں، اور وہ نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے صرف اللہ عزوجل کی رضاجوئی کا قصد کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جس نے اللہ کو اور اس کے رسول کو دوست بنایا اور ایمان والوں کو (دوست بنایا) تو بے شک اللہ کا گروہ ہی غالب ہے O'' (المائدہ: ۵٦)

''وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا'': یعنی جو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور مومنین کو دوست بناتا ہے۔

''فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ'': ''الحزب'' کا معنی ہے: لوگوں کی ایک جماعت، اُن کو اللہ کی جماعت تعظیماً قرار دیا، گویا کہ جو اُن سے دوستی رکھے گا تو وہ اللہ کی جماعت سے دوستی رکھے گا اور اللہ کی جماعت ہی غالب ہونے والی ہے۔

اس آیت میں ''حزب'' کا لفظ ہے، حزب کا معنی ہے: لوگوں کی ایک قسم۔ اور ''حزب الرجل'' کا معنی ہے: کسی مرد کے اصحاب، اور ''الحزب'' کا معنی ہے الورد یعنی وظیفہ، حدیث میں ہے:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص رات کے کسی وظیفہ سے سو گیا یا وظیفہ کے کسی حصہ سے سو گیا، پھر اس نے اُس کو فجر اور ظہر کی نماز کے درمیان پڑھ لیا، اس کے صحیفۂ اعمال میں لکھا جائے گا گویا کہ اس نے اس وظیفہ کو رات ہی کو پڑھ لیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۷۴۷، سنن ابوداؤد: ۱۳۰۹، سنن ترمذی: ۵۸۱، سنن ابن ماجہ: ۱۳۴۳)

کفار سے دوستی رکھنے کی مذمت میں احادیث

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب بنوقینقاع نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کی تو عبداللہ بن اُبی ابن

سلول بنوقینقاع کے ساتھ ہو گیا اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گئے اور جن لوگوں نے عبداللہ بن ابی ابن سلول کی موافقت کی تھی اُن سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف بے زاری کا اظہار کیا، اور بنوعوف بن الخزرج میں سے کچھ لوگ عبداللہ بن ابی ابن سلول کے حلیف تھے تو انہوں نے اُن کو چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لاحق ہو گئے اور کہا: میں نے ان کفار کی حمایت کا جو حلف اٹھایا تھا اس سے میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بری ہوتا ہوں، سو اُن کے متعلق اور عبداللہ بن اُبی کے متعلق سورۂ مائدہ کی یہ آیات نازل ہوئی ہیں: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ۔۔الی قولہ۔۔۔فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔۔(المائدہ:٥١۔٥٦)''۔

(سیرت ابن اسحاق ج ٣ ص ١١، تفسیر ابن جریر ج ٦ ص ١٧٨، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ٣ ص ١٧٤، ١٧٥)

نیز امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن ابی ابن سلول نے اسلام کا اظہار کیا، پھر کہا کہ میرے اور بنوقریظہ اور بنونضیر کے درمیان ایک حلفیہ معاہدہ ہے اور میں مصائب کے نزول سے ڈرتا ہوں، پس وہ مرتد ہو کر کافر ہو گیا اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے قریظہ اور نضیر کی حمایت میں جو حلف اٹھایا تھا میں اس سے اللہ کی طرف بری ہوتا ہوں اور اللہ اور اس کے رسول کی حمایت کرتا ہوں، تب یہ آیت نازل ہوئی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ فی الفضائل: ١٢٣٥١، تفسیر ابن جریر ج ٦ ص ١٧٧، ١٧٨)

اور الزہری نے بیان کیا ہے: جب غزوہ بدر میں قریش شکست کھا گئے تو مسلمانوں نے اُن کے سرپرست یہودیوں سے کہا: تم اس سے پہلے ایمان لے آؤ کہ تم پر بھی ایسی رسوائی کا دن آ جائے جیسا کہ معرکۂ بدر میں قریش پر آیا ہے، تو مالک بن السیف یہودی نے کہا: تم قریش سے لڑ کر اور اُن پر فتح حاصل کر کے دھوکہ میں مبتلاء ہو، قریش کو لڑائی کے معاملات کا علم نہیں تھا، جب تمہاری ہمارے ساتھ جنگ ہو گی تو ہم تم پر ایسی قوت کے ساتھ حملہ کریں گے کہ تمہیں آئندہ ہم سے لڑائی کی ہمت نہیں ہو گی، تو اس کے جواب میں حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے اسی طرح ذکر کیا جس طرح پہلی حدیث میں گزرا ہے۔ (تفسیر ابن جریر ج ٦ ص ١٧٠)

(المقتطف من عیون التفاسیر ج ٢ ص ٤٧۔٥١، دارالقلم، دمشق، ١٤١٦ھ)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿٥٧﴾

اے ایمان والو! اُن لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا لیا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے، اور نہ تم کفار کو دوست بناؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو O

وَ اِذَا نَادَیْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ﴿٥٨﴾

اور جب تم اذان دے کر لوگوں کو نماز کے لیے بلاتے ہو تو یہ لوگ اس اذان کو مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں، کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے O

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

آپ کہیے: اے اہلِ کتاب! کیا تم کو ہماری صرف یہ بات بری لگی ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور اس پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل فرمایا گیا ہے اور اس پر ایمان لائے ہیں جو اس سے پہلے نازل فرمایا گیا ہے، اور بے شک تم میں سے اکثر نافرمان لوگ ہیں O

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾

آپ کہیے: کیا میں تم کو بتاؤں کہ اللہ کے نزدیک اس سے بھی بدتر سزا پانے والے کون لوگ ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت فرمائی اور جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا، اور ان لوگوں میں سے بندر اور خنزیر بنا دیے اور جنہوں نے شیطان کی پرستش کی، ایسے لوگوں کا بہت برا ٹھکانا ہے اور وہ سیدھے راستہ سے بہت دور ہیں O

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾

اور جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، حالانکہ وہ کفر میں داخل ہو چکے ہیں اور کفر ہی کو لے کر جاتے ہیں، اور جن چیزوں کو یہ چھپاتے ہیں، اللہ اُن کو خوب جاننے والے ہیں O

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور آپ ان میں سے اکثر لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ گناہ میں اور سرکشی میں اور حرام کھانے میں تیزی سے دوڑتے ہیں، اور بے شک جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ بہت برا کام ہے O

لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾

ان کے پیر اور ان کے علماء ان کو گناہ کی باتوں سے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے؟ بے شک وہ بہت برا کرتے ہیں O

وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ ؕ غُلَّتْ اَیْدِیْھِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ یَدٰہُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ یُنْفِقُ کَیْفَ یَشَآءُ ؕ وَلَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ طُغْیَانًا وَّکُفْرًا ؕ وَاَلْقَیْنَا بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ؕ کُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَھَا اللّٰہُ ۙ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ۝

اور یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا ہے، (اس قول کی سزا میں) ان ہی کے ہاتھ (گردن سے) باندھے جائیں، اور اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی، بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ جس طرح چاہتے ہیں خرچ فرماتے ہیں، اور اے رسولِ اکرم! آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے جو نازل فرمایا گیا ہے، اس سے ان لوگوں کی سرکشی اور کفر میں اور اضافہ ہوگا، اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے بغض اور عداوت کو ڈال دیا ہے، جب بھی یہ جنگ کے لیے آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اس کو بجھا دیتے ہیں، اور یہ زمین میں فساد پھیلانے کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں، اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے O

وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْکِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَکَفَّرْنَا عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَلَاَدْخَلْنٰھُمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝

اور اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے اور اللہ سے ڈرتے رہتے، تو ہم ان سے ان کے گناہوں کو مٹا دیتے اور ان کو ضرور دائمی جنتوں میں داخل فرما دیتے O

وَلَوْ اَنَّھُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ مِّنْ رَّبِّھِمْ لَاَکَلُوْا مِنْ فَوْقِھِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِھِمْ ؕ مِنْھُمْ اُمَّۃٌ مُّقْتَصِدَۃٌ ؕ وَکَثِیْرٌ مِّنْھُمْ سَآءَ مَا یَعْمَلُوْنَ ۝۶۶

اور اگر یہ لوگ تورات اور انجیل کے احکام کو قائم کرتے اور جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے (اس کو قائم کرتے) تو یہ اپنے اوپر سے اور اپنے پیروں کے نیچے سے رزق کھاتے، اور ان میں سے کچھ لوگ معتدل اور میانہ رو ہیں، اور بہت سے ایسے ہیں جو برے کام کرتے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اُن لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنالیا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے، اور نہ تم کفار کو دوست بناؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو O'' (المائدہ: ۵۷)

علامہ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۰ھ، المائدہ: ۵۷ تا ۶۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا'': یعنی جس دین کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت دی ہے، اس دین کو جن لوگوں نے مذاق اور کھیل بنالیا ہے ان کے ساتھ تم دوستی نہ رکھو، پھر اُن کا بیان فرمایا: ''مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ''، یعنی یہ وہ یہودی ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے۔ ''وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ'': یعنی بت پرست اور دیگر کفار ہیں۔ یعنی پہلے تخصیص فرمائی کہ یہودیوں کو دوست نہ بناؤ، پھر بر سبیل عموم فرمایا ''اور کفار کو دوست نہ بناؤ''، کیونکہ یہ دونوں فریق تمہارے خلاف حسد کرنے پر متفق ہیں، اس لیے تمہارا ان کو دوست بنانا صحیح نہیں ہے۔

''وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ'': یعنی جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں منع فرمایا ہے، ان سے تم اجتناب کرو اگر تم اپنے ایمان میں صادق ہو، کیونکہ برحق ایمان کا یہی تقاضا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب تم اذان دے کر لوگوں کو نماز کے لیے بلاتے ہو تو یہ لوگ اس اذان کو مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں، کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے O'' (المائدہ: ۵۸)

''وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا'': یعنی اُن لوگوں کو دوست نہ بناؤ کہ جب تم اذان دیتے ہو اور نماز کی طرف بلاتے ہو تو وہ نماز کی طرف بلانے کو مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں، بایں طور کہ اذان کا مذاق اڑاتے ہیں اور ہنستے ہیں۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اذان پانچوں نمازوں کے لیے مشروع فرمائی گئی ہے۔

اذان کا مذاق اڑانے والے کا انجام

''ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ'': امام طبرانی نے روایت کی ہے کہ مدینہ میں ایک نصرانی تھا، جب وہ مؤذن سے سنتا ''اشهد ان محمد رسول الله'' تو کہتا: اللہ تعالیٰ کاذب کو جلا دے، پھر ایک دن اس کا خادم گھر میں آگ لے کر داخل ہوا اور گھر والے سوئے ہوئے تھے تو اس کی چنگاریوں سے گھر میں آگ لگ گئی، وہ نصرانی بھی جل گیا اور گھر والے بھی جل گئے۔ کیونکہ حماقت جہل کی طرف پہنچاتی ہے اور جہل مذاق اڑانے کی طرف پہنچاتا ہے اور عقل اس سے منع کرتی ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ٦۵۵۷ تفسیر الطبری ج ٨ ص ۵٣٦)

ایک قول یہ ہے کہ اس مقام کے سوا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اذان کا ذکر نہیں ہے۔ اور رہی سورۂ جمعہ کی یہ آیت: ''اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ۔۔۔ (الجمعہ: ۹)'' سو یہ جمعہ کی اذان کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اہلِ علم کا اس میں اختلاف ہے کہ اذان واجب ہے یا غیر واجب ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: اے اہلِ کتاب! کیا تم کو ہماری صرف یہ بات بری لگی ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور اس پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل فرمایا گیا ہے اور اس پر ایمان لائے ہیں جو اس سے پہلے نازل فرمایا گیا ہے، اور بے شک تم میں سے اکثر نافرمان لوگ ہیں O'' (المائدہ: ۵۹)

''قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ'': اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم ہم سے صرف اس چیز کا انکار کرتے ہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور جو اللہ نے ہماری طرف نازل فرمایا ہے، اس پر ایمان

لائے ہیں اور جو ہم سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی طرف نازل فرمایا گیا اس پر ایمان لائے ہیں۔

''وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ'': اور تمہارا یہ انکار اور ایمان کو قبول نہ کرنا فسق ہے، اس لیے فرمایا ہے کہ تم میں سے اکثر فاسق ہیں یعنی نافرمان ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: کیا میں تم کو بتاؤں کہ اللہ کے نزدیک اس سے بھی بدتر سزا پانے والے کون لوگ ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت فرمائی اور جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا، اور اُن لوگوں میں سے بندر اور خنزیر بنادیے اور جنہوں نے شیطان کی پرستش کی، ایسے لوگوں کا بہت برا ٹھکانا ہے اور وہ سیدھے راستہ سے بہت دور ہیں O'' (المائدہ:٦٠)

برے انجام کے لیے ''مَثُوْبَةً'' کے لفظ پر اعتراض کا جواب

''قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ'': یعنی اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم!) آپ ان سے کہیے کہ میں تمہیں اس سے بدتر چیز کی خبر دیتا ہوں، یعنی جس کو تم برا کہہ رہے ہو، میں اللہ کے نزدیک تمہیں اس سے بدتر چیز کی خبر دیتا ہوں۔

اس آیت میں ''مَثُوْبَةً'' کا لفظ ہے اور ''مَثُوْبَةً'' کا لفظ احسان کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ ''العقوبۃ'' شر کے ساتھ مخصوص ہے۔تو یہاں پر اُن کی بدتر سزا کے لیے ''مَثُوْبَةً'' کا لفظ کیسے مناسب ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تہکم ہے یعنی بہ طورِ استہزاء ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: ''فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔۔۔(آل عمران:٢١)'' کیونکہ بشارت ثواب کی دی جاتی ہے نہ کہ عذاب کی۔سو کفار کو بہ طورِ استہزاء فرمایا: تمہیں عذاب کی بشارت ہے۔

یہودیوں کو بندر بنایا گیا اور عیسائیوں کو خنزیر

''مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ'': کیونکہ یہود یہ کہتے تھے کہ دینِ اسلام کا اعتقاد رکھنا شر ہے، تو اُن سے جواباً کہا گیا: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اسی طرح ہے لیکن جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے اور جس پر غضب فرمایا ہے اور جن کی صورتیں مسخ فرمادی ہیں، وہ اس سے زیادہ شر ہے۔ یعنی اگر تمہارے قول کے مطابق دینِ اسلام شر ہے تو اس سے زیادہ شر تو پھر یہ ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی اور غضب فرمایا اور ان کی صورتیں مسخ فرمادیں۔اور اس آیت میں جن پر لعنت کا ذکر فرمایا ہے، وہ یہود ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے بہت دور فرمادیا اور ان پر ان کے کفر کی وجہ سے اور اُن پر دلائل پیش کرنے کے باوجود ان کے گناہوں میں ڈوبے رہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن میں سے بعض کو بندر بنادیا، اور یہ وہ یہودی تھے جنہوں نے ہفتہ کے دن عمداً شکار کیا تھا، اور بعض کو خنزیر بنادیا اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں میں سے وہ تھے جن پر مائدہ یعنی آسمان سے دسترخوان نازل فرمایا تھا اور انہوں نے اس دسترخوان کے معاملہ میں نافرمانی کی تھی، اور کہا گیا ہے کہ یہ دونوں مسخ ہفتہ کے دن نافرمانی کرنے والوں میں ہوئے، ان کے جوانوں کو بندر بنادیا گیا اور ان کے بوڑھوں کو خنزیر بنادیا گیا۔

روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمان یہود کو عار دلاتے تھے اور ملامت کرتے تھے اور کہتے تھے اے بندروں اور خنزیروں کے بھائی! تو وہ اپنے سروں کو جھکا لیتے تھے۔

موجودہ بندروں اور خنزیروں کا مسخ شدہ بندروں کی نسل سے نہ ہونا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے دعا کی: اے اللہ! مجھے میرے خاوند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نفع عطاء فرما اور میرے باپ ابوسفیان کے ساتھ نفع عطاء فرما اور میرے بھائی معاویہ کے ساتھ نفع عطاء فرما، تو اُن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک آپ نے اللہ تعالیٰ سے اُن چیزوں کے متعلق سوال کیا ہے جن کی مدتیں مقرر ہو چکی ہیں اور جن کے آثار لکھے جا چکے ہیں اور جن کے رزق تقسیم کیے جا چکے ہیں، اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اس کے وقت سے پہلے واقع نہیں فرماتے اور نہ کسی چیز کو اس کے وقت کے بعد مؤخر فرماتے ہیں، اگر آپ اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرتیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیں اور قبر کے عذاب سے محفوظ رکھیں تو یہ آپ کے لیے بہتر تھا، ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ! یہ بندر اور خنزیر کیا اُن میں سے ہیں جن کو مسخ کیا گیا تھا؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل کسی قوم کو ہلاک نہیں فرماتے یا کسی قوم کو عذاب نہیں دیتے پھر اس کی نسل چلاتے ہیں اور بندر اور خنزیر تو اس سے پہلے بھی ہوتے تھے۔ (صحیح مسلم: ٢٦٦٣، الرقم المسلسل: ٦٧١٤، رقم حدیث الباب: ٣٣)

طاغوت کا معنی اور مصداق

اور اس آیت میں ہے "وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ" اور اس کا معنی ہے کہ جس نے شیطان کی عبادت کی۔ طاغوت سے مراد ہے شیطان یا بچھڑا، کیونکہ یہود نے اللہ کو چھوڑ کر بچھڑے کی عبادت کی تھی اور اُن کا بچھڑے کی عبادت کرنا اس وجہ سے تھا کہ شیطان نے ان کے لیے بچھڑے کی عبادت کو مزین کر دیا تھا، پس اُن کا بچھڑے کی عبادت کرنا درحقیقت شیطان کی عبادت کرنا تھا جو طاغوت ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ طاغوت کے معنی کاہن ہیں، اور ہر وہ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں شیطان کی اطاعت کرے وہ طاغوت ہے۔

"مِنْهُمْ" میں لفظ "مَنْ" کی رعایت کی ہے اور اس سے مراد یہود ہیں، جن پر لعنت فرمائی گئی اور جن کی صورتیں مسخ فرما دی گئیں، وہ بدترین ہیں، کیونکہ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ سیدھے راستہ سے زیادہ گمراہ ہیں۔

اس سوال کا جواب کہ یہود زیادہ شر پر ہیں، اس کا تقاضا یہ ہے کہ مومنین میں بھی نفسِ شر ہے

اگر یہ سوال کیا جائے کہ لفظ "شَرٌّ" اور لفظ "أَضَلُّ" کا ذکر اس کا تقاضا کرتا ہے کہ مومنین بھی کفار کے ساتھ نفسِ شر اور نفسِ ضلال میں شریک تھے لیکن کفار کا شر زیادہ تھا اور ان کی ضلالت زیادہ تھی، کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ "یہودیوں کا شر اس سے زیادہ ہے اور اُن کی گمراہی اس سے زیادہ ہے"، اس سے پتا چلا کہ نفسِ شر اور نفسِ ضلالت میں مومنین بھی کفار کے ساتھ شریک تھے، حالانکہ مومنین کسی چیز میں بھی کفار کے ساتھ شریک نہیں تھے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے یعنی یہودیوں اور کافروں کا آخرت میں مقام شر ہوگا اور ہدایت سے دور ہوگا بہ نسبت دنیا میں مومنین کے مقام کے، کیونکہ کفار اور یہودیوں کو آخرت میں شر اور ضلال لاحق ہوگا۔ یا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بر سبیلِ تنزل ہے اور خصم کی

بات کو تسلیم کرنے کی بنیاد پر ہے، یعنی اگر تمہارے قول کے مطابق مان لیا جائے کہ مومنین شر پر ہیں تو اس سے زیادہ شر پر تو تم ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، حالانکہ وہ کفر میں داخل ہو چکے ہیں اور کفر ہی کو لے کر جاتے ہیں، اور جن چیزوں کو یہ چھپاتے ہیں، اللہ اُن کو خوب جاننے والے ہیں O'' (المائدہ: ٦١)

''وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ'': جب یہ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ جو اُن کو وعظ کرتے ہیں اور ڈراتے ہیں، ان میں سے کسی چیز کا ان کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور آپ اِن میں سے اکثر لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ گناہ میں اور سرکشی میں اور حرام کھانے میں تیزی سے دوڑتے ہیں، اور بے شک جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ بہت برا کام ہے O'' (المائدہ: ٦٢)

''وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ'': یعنی آپ اکثر یہودیوں اور منافقین کو دیکھیں گے کہ وہ تیزی کے ساتھ گناہوں میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس آیت میں ''الْاِثْمِ'' اور ''الْعُدْوَانِ'' کا لفظ ہے ''الْاِثْمِ'' کا معنی ہے: جو کام فی نفسہٖ ظلم اور گناہ ہو اور اُن کے ساتھ مخصوص ہو، اور ''الْعُدْوَانِ'' وہ گناہ ہے جس کا ضرر دوسروں تک پہنچے۔ اور اس آیت میں ''السُّحْتَ'' کا ذکر ہے، سُحت کا معنی ہے حرام جیسے رشوت۔

''لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ'': یعنی فی نفسہٖ گناہ کرنا اور دوسروں کو گناہوں سے ضرر پہنچانا اور حرام کھانا برے کام ہیں جو یہ کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اِن کے پیر اور ان کے علماء اِن کو گناہ کی باتوں سے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے؟ بے شک وہ بہت برا کرتے ہیں O'' (المائدہ: ٦٣)

''لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ'':

''الرَّبَّانِيُّون'': سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا کو چھوڑ کر کلیسا میں رہتے ہیں۔ اور ''الْاَحْبَارُ'' سے مراد ہیں علماء۔ ان کے راہب اور ان کے علماء ان کو جھوٹ بولنے سے کیوں منع نہیں کرتے، اور رشوت کا مال کھانے سے کیوں منع نہیں کرتے۔

المائدہ: ٦٢ میں برے کام کرنے والوں کے لیے ''لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ'' فرمانے اور المائدہ: ٦٣ میں برے کاموں کے انکار پر ترک کرنے والوں کے لیے ''لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ'' فرمانے کی توجیہ

پہلی آیت المائدہ: ٦٢ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ'' اور دوسری آیت المائدہ: ٦٣ میں فرمایا ہے: ''لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ''، کیونکہ پہلی آیت میں اُن کے برے کاموں کے کرنے کا ذکر تھا اور دوسری آیت میں برے کاموں پر انکار نہ کرنے کا ذکر تھا۔ اور معصیت پر انکار نہ کرنا معصیت کے ارتکاب سے زیادہ قبیح ہے اور زیادہ لائق مذمت ہے، کیونکہ معصیت کے ارتکاب سے نفس کو اس معصیت میں لذت حاصل ہوتی ہے اور معصیت پر انکار کو ترک کرنے سے نفس کو کوئی

لذت حاصل نہیں ہوتی، اس لیے معصیت پر انکار نہ کرنا معصیت کے ارتکاب کرنے سے زیادہ قبیح ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ سب سے سخت آیت ہے جو قرآن مجید میں نازل ہوئی ہے۔ اور الضحاک نے کہا: میرے نزدیک قرآن مجید میں سب سے زیادہ ڈرانے والی یہ آیت ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ کسی کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں اور اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن سب کے اوپر عذاب نازل فرمائیں۔
(سنن ترمذی: ٢١٦٨،٥٠٧٠، سنن ابوداؤد: ٤٣٣٨، سنن ابن ماجہ: ٤٠٠٥)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا ہے، (اس قول کی سزا میں) اِن ہی کے ہاتھ (گردن سے) باندھے جائیں، اور اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی، بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ جس طرح چاہتے ہیں خرچ فرماتے ہیں، اور اے رسولِ اکرم! آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے جو نازل فرمایا گیا ہے، اس سے اِن لوگوں کی سرکشی اور کفر میں اور اضافہ ہوگا، اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے بغض اور عداوت کو ڈال دیا ہے، جب بھی یہ جنگ کے لیے آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اس کو بجھا دیتے ہیں، اور یہ زمین میں فساد پھیلانے کی تگ ودو میں لگے رہتے ہیں، اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے O'' (المائدہ: ٦٤)

''وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ'': ہاتھوں کا گردن کے ساتھ بندھا ہوا ہونا بُخل سے کنایہ ہے اور ہاتھوں کا کھلا ہوا ہونا سخاوت سے کنایہ ہے، اور اسی سے یہ آیت بھی ہے: ''وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا... (بنی اسرائیل: ٢٩)'' (اور اپنا ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ بندھا ہوا نہ رکھیں اور نہ اسے پوری طرح کھول دیں کہ ملامت کیے ہوئے تھکے ہارے بیٹھے رہیں)۔ اور اس آیت سے یہ مقصود نہیں ہے کہ ہاتھ کا اثبات کیا جائے اور نہ باندھنے کا اثبات کیا جائے اور نہ کھولنے کا اثبات کیا جائے، اور اگر کوئی شخص بہت زیادہ عطاء کرے تو کہتے ہیں کہ اس نے عطاء کرنے کے لیے اپنا ہاتھ کتنا کھول رکھا ہے، کیونکہ ہاتھ کا کھولنا اور ہاتھ کا بند کرنا یہ دونوں بخل اور سخاوت سے کنایہ کیے جاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہود اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ بخیل ہیں۔

''غُلَّتْ اَیْدِیْهِمْ'': یعنی دنیا میں قیدیوں کی طرح ان کے ہاتھ باندھے جائیں گے اور آخرت میں جہنم کے اندر ان کے ہاتھ باندھے ہوئے ہوں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا اس آیت میں ارشاد ہے: ''اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ یُسْحَبُوْنَ ۙ فِی الْحَمِیْمِ ۬ ۙ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ O (المومن: ٧١-٧٢)'' (جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی اس حال میں کہ ان کو گھسیٹا جائے گا O سخت گرم پانی میں، پھر بھڑکتی ہوئی آگ میں ان کو جھونک دیا جائے گا O)۔

''وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا'': یعنی اللہ تعالیٰ کی جناب کریم سے اُن کو دھتکار دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ کہا تھا

کہ اس کے دونوں ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہیں۔

''بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ'': اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ بہت کشادہ ہیں کیونکہ وہ دونوں ہاتھوں سے سخاوت فرماتے ہیں، اور وہ خرچ کرنے میں مختار ہیں، کبھی تنگی فرماتے ہیں اور کبھی فراخی فرماتے ہیں، وہ اپنی مشیّت اور حکمت کے اعتبار سے تنگی بھی فرماتے ہیں اور کشادگی بھی فرماتے ہیں۔

''وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ'': یعنی جن کو اللہ تعالیٰ فتنہ میں ڈالنا چاہتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق اس سے اور زیادہ سخت باتیں کرتے ہیں۔

''مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ'': یعنی آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ نازل فرمایا گیا ہے ''طُغْيَانًا وَّكُفْرًا'' وہ اس کا انکار کرتے ہیں اور اللہ کی آیات کا کفر کرتے ہیں، پھر وہ اپنی سرکشی میں اور کفر میں اور زیادہ ہوتے ہیں، جیسا کہ جو شخص بیمار ہوتا ہے اور وہ تندرستوں والی غذا کھاتا ہے تو وہ اس کو اور نقصان دیتی ہے۔

''وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ'': اور ہم نے یہود اور نصاریٰ کے درمیان قیامت تک کے لیے بغض اور عداوت کو ڈال دیا، پس ہر فرقہ دوسرے فرقہ کا مخالف ہے اور ان کے قلوب ایک دوسرے کے موافق ہوتے ہیں اور نہ ان کے اقوال ایک دوسرے کے موافق ہوتے ہیں۔

''كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ'': یعنی جب بھی یہ جنگ کا ارادہ کرتے ہیں تو مغلوب ہوتے ہیں اور مقہور ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے لیے مدد فراہم نہیں فرماتے، اور ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے تورات کی مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر بخت نصر کو مسلط فرما دیا، پھر انہوں نے خرابیاں کیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر فطرس رومی کو مسلط فرما دیا، پھر انہوں نے خرابیاں کیں تو ان کے اوپر مجوس کو مسلط فرما دیا، پھر انہوں نے خرابیاں کیں تو ان کے اوپر مسلمانوں کو مسلط فرما دیا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے خلاف مسلمانوں کی مدد فرماتے ہیں۔ اور قتادہ نے بیان کیا: تم یہودیوں کو جس شہر میں بھی دیکھو گے تو ان کو وہاں سب سے زیادہ ذلیل پاؤ گے۔

''وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا'': یعنی وہ زمین میں اسلام کی مخالفت میں کوشش کرتے رہتے ہیں اور اپنی کتابوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو مٹاتے رہتے ہیں اور جنگ کی اور فتنوں کی آگ بھڑکاتے رہتے ہیں۔

''وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ'': لہٰذا اللہ تعالیٰ ان کو ان کے شر کی سزا دیتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے اور اللہ سے ڈرتے رہتے، تو ہم ان سے ان کے گناہوں کو مٹا دیتے اور ان کو ضرور دائمی جنتوں میں داخل فرما دیتے O'' (المائدہ: ٦٥)

یہود اور نصاریٰ کے بڑے بڑے اور سنگین گناہوں کا بھی توبہ سے معاف ہو جانا

''وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ'': اور اگر اہلِ کتاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتے اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو دین لے کر آئے ہیں اس پر ایمان لے آتے اور کفر سے اجتناب

کرتے تو انہوں نے جو برے کام کیے ہیں، ہم ان کو مٹا دیتے، ہم ان پر مواخذہ نہ فرماتے، اور ہم اُن کو ضرور دائمی جنتوں میں مسلمانوں کے ساتھ داخل فرما دیتے۔ اس آیت میں یہود کے بڑے بڑے گناہوں کی خبر دی ہے اور نصاریٰ کے بہ کثرت گناہوں کی خبر دی ہے، اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کے اوپر دلیل ہے، اور یہ دلیل ہے کہ ہر نافرمان کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے خواہ اس کے گناہ بڑے بڑے کیوں نہ ہوں، اور یہود و نصاریٰ کی برائیوں تک پہنچے ہوئے ہوں، اور اسلام پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے خواہ وہ بڑے بڑے گناہ ہوں، اور یہ کہ کتابی اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اسلام نہ لے آئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر یہ لوگ تورات اور انجیل کے احکام کو قائم کرتے اور جو اِن کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے (اس کو قائم کرتے) تو یہ اپنے اوپر سے اور اپنے پیروں کے نیچے سے رزق کھاتے، اور ان میں سے کچھ لوگ معتدل اور میانہ رو ہیں، اور بہت سے ایسے ہیں جو برے کام کرتے ہیں O'' (المائدہ:٦٦)

''وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ'': اور اگر یہود و نصاریٰ تورات اور انجیل کے احکام کو قائم کرتے اور تورات اور انجیل میں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے اس کو ظاہر کرتے، اور جو ان کی طرف آسمانی کتابوں سے نازل فرمایا گیا ہے اس کو ظاہر کرتے ''لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ'' تو یہ اپنے اوپر سے بھی رزق کھاتے اور اپنے نیچے سے بھی رزق کھاتے، یعنی ان کے اوپر رزق میں وسعت دی جاتی بایں طور کہ ان کے اوپر آسمانوں اور زمینوں کی برکات کھول دی جاتیں، اور ان کے پھل دار درختوں میں افزائش ہوتی۔ اور زمین جو نیچے سے پیداوار لاتی تو ساری پیداوار ان کو مل جاتی جس پیداوار کو اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر اور ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے روک لیا تھا، نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے فیضان میں کمی تھی۔

''مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ'': ان اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ وہ ہے جو متوسط عقائد کے اوپر ہے اور وہ حضرت عبداللہ بن سلام اور اُن کے اصحاب ہیں اور اڑتالیس (۴۸) عیسائی ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

''وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ'': اور ان میں زیادہ ایسے ہیں جو اپنی عداوت میں بڑھ چڑھ کر ہیں اور وہ کعب بن اشرف اور اس کے اصحاب ہیں۔ (السراج المنیر ج۲ ص ۵۴۔۵۹، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾

اے رسول! جو کچھ آپ کے رب کے پاس سے آپ کی طرف نازل فرمایا گیا ہے، اس کو پہنچا دیجئے، اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا، اور اللہ آپ کو لوگوں (کے ضرر) سے بچائیں گے، بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا O

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾

آپ کہیے: اے اہلِ کتاب! تم کسی حق بات پر نہیں ہو حتیٰ کہ تم تورات (کے احکام) کو قائم کرو اور انجیل (کے احکام) کو قائم کرو اور جو کچھ تمہارے رب کے پاس سے تمہاری طرف نازل فرمایا گیا ہے اس (کے احکام) کو قائم کرو، اور (اللہ) ان میں سے بہت سے لوگوں کو جو آپ کی طرف نازل فرمایا گیا ہے اس کے کفر اور سرکشی میں ضرور زیادہ فرما دیں گے، سو آپ کافروں پر غمگین نہ ہوں O

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾

بے شک جو لوگ (زبان سے) ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہیں اور جو صابئین ہیں اور عیسائی ہیں، ان میں سے جو بھی (دل سے) اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کئے تو ان کے اوپر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿٧٠﴾

بے شک ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور اُن کی طرف متعدد رسول بھیجے، جب بھی ان کے پاس کوئی رسول ایسا حکم لے کر آیا جو اُن کی نفسانی خواہشات کے خلاف تھا، تو انہوں نے نبیوں کے ایک گروہ کی تکذیب کی اور ایک گروہ کو قتل کر دیا O

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٧١﴾

اور انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ انہیں کوئی عذاب نہیں پہنچے گا، سو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے، پھر بھی اللہ نے اُن کی توبہ قبول فرمالی، پھر دوبارہ اُن میں سے بہت سے اندھے اور بہرے ہو گئے، اور اللہ اُن کے تمام اعمال کو خوب دیکھنے والے ہیں O

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ

عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ یقیناً اللہ ہی المسیح ابن مریم ہیں، اور حالانکہ المسیح نے کہا تھا: اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، اور بے شک جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا تو اللہ نے اس کے اوپر جنت کو حرام فرما دیا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا O

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا: یقیناً اللہ تین میں کا تیسرا ہے، حالانکہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، سوا ایک معبودِ برحق کے، اور اگر وہ اپنی ان کفریہ باتوں سے باز نہ آئے تو جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا، اُن کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا O

اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾

تو کیا وہ اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے اور اس سے مغفرت نہیں طلب کرتے، حالانکہ اللہ بہت مغفرت فرمانے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾

مسیح ابن مریم صرف اللہ کے رسول ہیں، بے شک اُن سے پہلے بہت رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں صدّیقہ ہیں، وہ دونوں کھانا کھاتے تھے، آپ دیکھیے! ہم کس طرح ان کے لیے کھول کھول کر اپنی آیات بیان فرماتے ہیں، پھر دیکھیے وہ کہاں بھٹکتے پھر رہے ہیں O

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾

آپ کہیے: کیا تم اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے کسی نقصان کا مالک ہے اور نہ کسی نفع کا (مالک) ہے، اور اللہ سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں O

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ

ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ﴿۷۷﴾

آپ کہیے: اے اہلِ کتاب! تم اپنے دین میں ناحق اضافہ نہ کرو، اور نہ اس قوم کی نفسانی خواہشات کی پیروی کرو جو پہلے ہی گمراہ ہو چکی ہے اور اس نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے، اور خود بھی سیدھے راستہ سے بھٹک چکے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے رسول! جو کچھ آپ کے رب کے پاس سے آپ کی طرف نازل فرمایا گیا ہے، اس کو پہنچا دیجئے، اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا، اور اللہ آپ کو لوگوں (کے ضرر) سے بچائیں گے، بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتے O'' (المائدہ: ٦٧)

اہلِ کفر کی اقسام

امام ابو منصور محمد بن محمود الماتریدی الحنفی التوفی ٣٣٣ھ، المائدہ: ٦٧ تا ٧٧ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ'': اہلِ کفر کی تین قسمیں تھیں:

(۱) بعض کفار یہ کہتے تھے کہ ''وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ لَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ۔ (سبا: ٣١)'' (اور کافروں نے کہا: ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اُن کتابوں پر ایمان لائیں گے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں)۔

(۲) دوسری قسم وہ تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خوفزدہ کرتی تھی اور آپ کو قتل کرنے کی سازشیں کرتی تھی: ''وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ وَ یَمْكُرُوْنَ وَ یَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ﴿۳۰﴾ (الانفال: ٣٠)'' (اے رسولِ اکرم! یاد کیجئے: جب کفار آپ کے خلاف خفیہ تدبیریں کر رہے تھے تاکہ وہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو بے وطن کر دیں اور وہ اپنی سازشوں میں لگے ہوئے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرما رہے تھے، اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والے ہیں)۔

(۳) تیسری قسم وہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی عورتوں کو اور اپنے مال و دولت کو پیش کرتے تھے تاکہ آپ توحید کا پیغام پہنچانے سے باز آ جائیں۔

پس اللہ عزوجل نے آپ کو حکم فرمایا کہ آپ تبلیغ رسالت پر برقرار رہیں اور یہ جو آپ کو ڈرا رہے ہیں کہ وہ آپ کو قتل کر دیں گے تو آپ ان کی دھمکیوں سے مت ڈریں اور نہ اس سے ڈریں کہ یہ آپ کی تکذیب کریں گے، آپ کو ایذاء پہنچائیں گے، اور ان میں سے کوئی چیز آپ کو تبلیغ رسالت سے نہ روکے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ'' کا معنی یہ ہو یعنی آپ کے اوپر جو احکام سے متعلق آیات نازل فرمائی گئی ہیں اور دینِ اسلام کی حقانیت پر جو دلائل و براہین نازل فرمائے گئے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی رسالت کی علامتیں بنا دیا ہے اور آپ کی نبوت کے آثار بنا دیے ہیں، آپ ان کی تبلیغ فرمائیے۔

جس طرح کسی مسلمان کو کلمۂ کفر نہ کہنے پر جان سے مارنے کی دھمکی دی جائے تو اس کے لیے کلمۂ کفر کہنا جائز ہو جاتا ہے، اس طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ اسلام ترک کرنے پر دھمکی دی جائے تو آپ کے لیے تبلیغ اسلام ترک کرنا جائز نہیں

''وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ'': اور آپ ان کی دھمکیوں سے نہ گھبرائیں، اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو رسالت کا پیغام پہنچانے کے متعلق کسی صورت میں بھی معذور نہیں قرار دیا خواہ آپ کو اپنی جان کی ہلاکت کا خوف ہو، اور یہ اس طرح نہیں ہے جس طرح کسی آدمی کو کلمۂ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے تو اس کے لیے جان بچانے کے لیے کلمۂ کفر کہنا جائز ہو جاتا ہے جب کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو جب اسے اپنی جان پر ہلاکت کا خوف ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے پیغام رسالت کے ترک کرنے کو کسی صورت میں بھی مباح نہیں قرار دیا خواہ آپ کو اپنی جان کے اوپر خوف ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تبلیغ رسالت کا تعلق زبان کے ساتھ ہے نہ کہ دل کے ساتھ، اور ایمان کا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ زبان کے ساتھ، اور جب انسان کو کلمۂ کفر پڑھنے پر مجبور کیا جائے تو اس کے لیے کلمۂ کفر پڑھنا مباح ہو جاتا ہے جب کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، لیکن اللہ کا پیغام پہنچانے میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے، وہ صرف زبان سے پیغام پہنچایا جائے گا، اس لیے اس پیغام کے پہنچانے کو ترک کرنا کسی صورت مباح نہیں ہے خواہ جان کا خطرہ ہو، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا ہم کہتے ہیں کہ کسی آدمی کو طلاق دینے پر مجبور کیا جائے یا غلام آزاد کرنے پر مجبور کیا جائے تو جب بھی وہ زبان سے طلاق دے گا یا زبان سے غلام آزاد کرے گا تو اس کی بیوی کو طلاق پڑ جائے گی اور اس کا غلام آزاد ہو جائے گا، کیونکہ اس فعل کا تعلق زبان کے ساتھ ہے دل کے ساتھ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سلامتی کی ضمانت دینا

''وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ'': یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کے ضرر پہنچانے سے محفوظ فرما یا ہے، جس طرح حضرت ہود علیہ السلام نے کہا تھا: ''اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ (ہود: ۵۴۔۵۵)'' (بے شک میں ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو O اللہ کے سوا، تم سب مل کر میرے خلاف سازشیں کرو، پھر تم مجھے کچھ مہلت نہ دو O)۔ حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو یہ چیلنج دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کروں گا، تم مجھے جو نقصان پہنچا سکتے ہو پہنچاؤ، پھر حضرت ہود علیہ السلام کے مخالفین کی طرف سے انہیں کوئی ضرر نہیں پہنچ سکا۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کی ضمانت پر اعتماد فرما کر اپنے محافظین کو واپس فرما دینا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی جاتی تھی، پس جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا: ''وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خیمہ سے اپنا سر باہر نکالا، آپ نے صحابہ کو حکم دیا: تم اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت فرما دی ہے۔

(سنن ترمذی: ۳۰۴۶، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۴ ص ۱۱۷۳، رقم: ۶۶۱۵، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۳۱۳، ۳۱۲، سنن بیہقی ج ۹ ص ۸)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: اے اہلِ کتاب! تم کسی حق بات پر نہیں ہو حتیٰ کہ تم تورات (کے احکام) کو قائم کرو اور انجیل (کے احکام) کو قائم کرو اور جو کچھ تمہارے رب کے پاس سے تمہاری طرف نازل فرمایا گیا ہے اس (کے احکام) کو قائم کرو، اور (اللہ) ان میں سے بہت سے لوگوں کو جو آپ کی طرف نازل فرمایا گیا ہے اس کے کفر اور سرکشی میں ضرور زیادہ فرمادیں گے، سو آپ کافروں پر غمگین نہ ہوں O'' (المائدہ: ٦٨)

''قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ لَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ '':

یہود نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ اللہ کے دین پر ہیں اور وہ کہتے تھے ''نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ '' یعنی ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، یا وہ کہتے تھے: ''لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۔۔۔ (البقرہ: ١١١)'' وہ کہتے تھے کہ جنت میں صرف وہی داخل ہوگا جو یہودی ہو یا نصرانی ہو۔ اور اس قسم کی اُن کی دیگر آرزوئیں اور دعاوی جن کا وہ اپنے لیے دعویٰ کرتے تھے، تب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرمایا: آپ ان سے کہیے: ''لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ''۔

تورات اور انجیل کو قائم کرنے سے مراد تورات اور انجیل میں کی ہوئی تحریفات کو زائل کرنا ہے

حسن بصری نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا جو ارشاد ہے: ''حَتّٰى تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ '' اس کا معنی یہ ہے حتیٰ کہ تم نے تورات اور انجیل میں جو تحریف کر دی ہے اور جو آیتیں بدل دی ہیں تو جب تک کہ تم اصل آیات کو ثابت نہیں کرو گے اور ان پر ایمان نہیں لاؤ گے جو آیات اصل میں نازل ہوئی ہیں اس وقت تک تمہارا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اور دوسروں نے کہا: حتیٰ کہ تم تورات اور انجیل کی تصدیق نہیں کرو گے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے حتیٰ کہ تم تورات اور انجیل میں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صفات ذکر فرمائی گئی ہیں اور آپ کی نعت اور آپ کی بعثت اور آپ کی نبوت کا ذکر فرمایا گیا ہے، جب تک تم اس کو نہیں مانو گے اور جب تک تم لوگوں کے سامنے اس کو بیان نہیں کرو گے تو اس وقت تک تمہاری کسی چیز کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اور تمہارے انبیاء کی کتابوں میں جو لکھا ہوا ہے جب تک تم اس کا اقرار نہیں کرو گے اور اس پر ایمان نہیں لاؤ گے اس وقت تک تمہاری کسی بات کا اعتبار نہیں ہوگا۔

''وَ لَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا '': بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ہم نے آپ کی طرف جو قرآنِ مجید نازل فرمایا ہے اور اس میں جو رجم کرنے کا حکم ہے اور قصاص لینے کا حکم ہے تو یہود اس کا انکار کریں گے اور ان کی سرکشی اور کفر زیادہ ہو جائے گا۔

''فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ '': آپ اُن کے کفر پر غمگین نہ ہوں، اس آیت کی مثال ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۔۔۔ (الشعراء: ٣)'' (اے رسولِ اکرم! شاید آپ اپنی پیاری جان اس غم میں دے بیٹھیں گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائے)، اور جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ ۔۔۔ (فاطر: ٨)''

(تو آپ کی پیاری جان اُن پر حسرتوں کی وجہ سے فرطِ غم میں چلی نہ جائے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جو لوگ (زبان سے) ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہیں اور جو صابئین ہیں اور عیسائی ہیں، ان میں سے جو بھی (دل سے) اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کئے تو ان کے اوپر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O'' (المائدہ:٦٩)

''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی زبانوں سے ایمان لائے تھے اور اُن کے دل ایمان نہیں لائے تھے، اور بعض مفسرین نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو بعض رسولوں پر ایمان لائے تھے اور یہودیت اور نصرانیت کے ناموں کے ساتھ متصف نہیں ہوئے تھے۔

''وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰی'': یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں یہود و نصاریٰ سے مراد وہ لوگ ہوں جو کہتے تھے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور روزِ آخرت پر ایمان لائے، پس ہم پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ غم ہوگا۔ لیکن اُن کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کا اس طرح ذکر فرمایا ہے ''وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۔۔۔ (البقرہ:٢٨٥)'' (اور مومنین بھی، یہ سب اللہ پر اور اس کے تمام فرشتوں پر اور اس کی تمام کتابوں پر اور اس کے تمام رسولوں پر (یہ کہتے ہوئے) ایمان رکھتے ہیں (کہ) ہم (ایمان لانے میں) رسولوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے)۔

اور یہودیوں نے رسولوں پر ایمان لانے میں فرق کیا، وہ کہتے تھے: ''نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۔۔۔ (النساء:١٥٠)'' (ہم بعض رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض رسولوں کا انکار کرتے ہیں)، پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جن یہودیوں کا ذکر فرمایا ہے، یہ وہ ہیں جو تمام رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور تمام کتابوں پر ایمان لاتے ہیں۔ پس جب اُن کا ایمان اس طرح ہوگا تو اُن کو آخرت میں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ غم ہوگا۔

دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اللہ پر ایمان لانے کا ذکر فرمایا ہے اور اللہ پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ اس کے تمام رسولوں پر ایمان لایا جائے اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان لایا جائے، لیکن وہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں، اس لیے وہ اس آیت کے مصداق میں داخل نہیں ہیں۔

تیسرا محمل یہ ہے کہ اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ انہوں نے نیک اعمال کیے ہوں۔ اور بعض رسولوں کا کفر کرنا نیک عمل نہیں ہے، لہٰذا یہود اور نصاریٰ اس آیت میں داخل نہیں ہیں۔

''وَالصّٰبِئُوْنَ'': ''الصابئین'' میں اختلاف ہے، حسن بصری اور قتادہ نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں اور زبور کی تلاوت کرتے ہیں۔ اور سعید بن جبیر نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو ستاروں کی عبادت کرتے ہیں، اور مجاہد نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جن کے عقائد یہود اور مجوس کے درمیان درمیان ہیں۔

''مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ'': خواہ ان لوگوں کے اَدیان مختلف ہوں اور ان کے مذاہب متفرق ہوں، اگر یہ اللہ پر ایمان لے آئے تو حالتِ کفر میں ان سے جو اعمال سرزد ہوئے اُن پر ان سے مواخذہ نہیں فرمایا جائے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اِنَّ

یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ۔۔ (الانفال: ٣٨)'' (اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو پہلے جو گناہ ہو چکے ہیں وہ ان کے لیے بخش دیئے جائیں گے)۔ ''وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ'': یعنی جو نعمتیں اُن کو عطاء فرمائی تھیں، اُن نعمتوں کے فوت ہونے پر وہ غمزدہ نہیں ہوں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور اُن کی طرف متعدد رسول بھیجے، جب بھی ان کے پاس کوئی رسول ایسا حکم لے کر آیا جو اُن کی نفسانی خواہشات کے خلاف تھا، تو انہوں نے نبیوں کے ایک گروہ کی تکذیب کی اور ایک گروہ کو قتل کر دیا O'' (المائدہ: ٧٠)

''لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ'':

اللہ عزوجل نے تمام بشروں سے پختہ عہد لیا تھا، اور یہاں پر بنی اسرائیل کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں بہت رسول بھیجے جو اُن کو اس میثاق کی یاد دلاتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَ اَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمْ رُسُلًا'' یعنی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف ایسے رسول بھیجے جنہوں نے اس پختہ وعدہ کو قبول کیا، نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ۔۔ (المائدہ: ١٢)'' (بہ شرطیکہ تم نماز کو قائم رکھتے رہے اور تم زکوٰۃ دیتے رہے اور تم میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہے)۔

''كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ'': اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ یہودی تمام رسولوں کے دین کی مخالفت کرتے تھے، کیونکہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے تھے اور اگرچہ رسولوں کی آمد کے اوقات مختلف تھے لیکن تمام رسول اس بات کی دعوت دیتے تھے کہ دین واحد ہے۔

''فَرِیْقًا كَذَّبُوْا وَ فَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ'': بعض یہودی انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرتے تھے اور بعض انبیاء علیہم السلام کو قتل کر دیتے تھے، لیکن جن انبیاء علیہم السلام کو وہ قتل کر دیتے تھے وہ رسول نہیں تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔۔ (مومن: ٥١)'' (بے شک ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی ضرور مدد فرمائیں گے دنیا کی زندگی میں)، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کی مدد فرمائیں گے، اور جن رسولوں کو یہودیوں نے قتل کر دیا تو اُن کی مدد نہیں فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ یہودیوں نے انہی نبیوں کو قتل کیا جو رسول نہیں تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ انہیں کوئی عذاب نہیں پہنچے گا، سو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے، پھر بھی اللہ نے اُن کی توبہ قبول فرمالی، پھر دوبارہ اُن میں سے بہت سے اندھے اور بہرے ہو گئے، اور اللہ اُن کے تمام اعمال کو خوب دیکھنے والے ہیں O'' (المائدہ: ٧١)

''وَ حَسِبُوْۤا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ'': یہود نے جو یہ گمان کیا تھا کہ اب کوئی فتنہ نہیں ہوگا، اس میں اختلاف ہے کہ یہاں فتنہ سے اُن کی کیا مراد تھی، بعض مفسرین نے کہا: اُن کی مراد یہ تھی کہ اب رسول آکر اُن کو ایسی آزمائش میں نہیں ڈالیں گے جو اُن کی خواہشات کے خلاف ہو۔ اور دوسرے مفسرین نے کہا کہ اُنہوں نے یہ گمان کیا کہ اب اُن کو ہلاک نہیں کیا جائے گا اور اُن کی تکذیب کی وجہ

سے اُن پر عذاب نہیں آئے گا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انہوں نے یہ گمان کیا کہ اب شرک نہیں ہوگا۔ اور بعض مفسرین نے کہا: انہوں نے یہ گمان کیا کہ انہوں نے جو رسولوں کی تکذیب کی تھی اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا تھا، اس جرم کی وجہ سے اُن پر کوئی مصیبت نہیں آئے گی اور قحط نہیں آئے گا۔ پس وہ ہدایت کے حصول سے اندھے ہو گئے اور انہوں نے ہدایت کو نہ دیکھا اور ہدایت کے قبول کرنے سے بہرے ہو گئے، پس انہوں نے ہدایت کو نہ سنا، کیونکہ انہوں نے ہدایت سے نفع نہیں اٹھایا، پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی اور اُن سے مصائب اٹھا لیے، اور مصائب کے اٹھنے کے باوجود انہوں نے توبہ نہیں کی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ یقیناً اللہ ہی المسیح ابن مریم ہیں، اور حالانکہ المسیح نے کہا تھا: اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، اور بے شک جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا تو اللہ نے اس کے اوپر جنت کو حرام فرما دیا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا O'' (المائدہ: ٧٢)

''لَقَدۡ کَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ'':

اس آیت کے دو محمل ہیں کہ جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کفر کیا، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عیسائیوں کی تکذیب کی، عیسائیوں نے کہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کا رد فرمایا اور یہ فرمایا:

''یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اعۡبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیۡ وَرَبَّکُمۡ ؕ اِنَّہٗ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ الۡجَنَّۃَ'': اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کا اپنے اس قول سے رد فرمایا: ''قَالَ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ ۟ؕ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَجَعَلَنِیۡ نَبِیًّا (مریم: ٣٠)''، پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ خبر دی کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، اور اللہ نہیں ہیں نہ اللہ کے بیٹے ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے بلند اور برتر ہیں۔

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ عیسائی اپنے علم کے باوجود کافر ہو گئے، کیونکہ اُن کو علم تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مریم کے بیٹے ہیں اور وہ حضرت عیسیٰ کو ابنِ مریم کہتے تھے، پھر انہوں نے کہا کہ وہ اللہ ہیں یا اللہ کے بیٹے ہیں، پس اگر وہ مریم کے بیٹے تھے تو اُن کے لیے الوہیت کہاں سے ثابت ہوئی، اور جب اُن کی ماں الوہیت کی مستحق نہیں ہوئی جب کہ اُن کی ماں اُن پر مقدم ہے تو جو اُن کی ماں کے بعد پیدا ہوا وہ کیسے ''الٰہ'' ہوگا، لیکن انہوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ یا اللہ کا بیٹا کہا۔

''مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ الۡجَنَّۃَ وَمَاۡوٰىہُ النَّارُ'': ایک قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کہا گیا ہے۔ حسن بصری نے کہا کہ اُن کو مسیح اس لیے کہا گیا ہے کہ اُن پر برکات کو پھیرا گیا تھا اور دجال کو بھی مسیح کہا گیا ہے کیونکہ اس کے اوپر لعنت کو پھیرا گیا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو مسیح کہا گیا ہے وہ فعیل بہ معنی فاعل ہے، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیمار پر ہاتھ پھیرتے تھے، مادر زاد اندھے پر ہاتھ پھیرتے تھے، برص کے مریض پر ہاتھ پھیرتے تھے تو وہ تندرست ہو جاتے، اور مُردوں پر ہاتھ پھیرتے تو وہ زندہ ہو جاتے، اس وجہ سے ان کو مسیح فرمایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا: یقیناً اللہ تین میں کا تیسرا ہے، حالانکہ

اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، سوا ایک معبودِ برحق کے، اور اگر وہ اپنی ان کفریہ باتوں سے باز نہ آئے تو جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا، اُن کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا O'' (المائدہ: ٧٣)

''لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ'': وہ اس لیے کافر ہو گئے کہ اُن کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ واحد ہیں، پھر اللہ تعالیٰ تین میں کا تیسرا کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ وہ واحد ہیں۔ پس جب انہوں نے کہا ''وہ اللہ ہے'' تو وہاں پر نہ دوسرا ہے اور نہ تیسرا ہے، اور یہ عقل میں تناقض ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کا وَلَد ہو تو یا وہ وَلَد قدیم ہوگا یا حادث ہوگا، قدیم اس لیے نہیں ہو سکتا کہ قدیم واجب الوجود لذاتہ ہوتا ہے اور جو واجب الوجود لذاتہ ہو وہ دوسروں سے مستغنی ہوتا ہے، لہٰذا اس کا کسی کا بیٹا ہونا ممتنع ہوگا۔ اور اگر اس کا بیٹا حادث ہو تو یہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ واجب ہیں تو اس کا بیٹا بھی واجب ہوگا اور حادث نہیں ہوگا۔

''وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ'': یعنی وہ یہ جانتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے لیکن اس کے باوجود وہ ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے۔

''وَاِنْ لَّمْ یَنْتَهُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ'': یعنی اگر وہ اپنے کفریہ عقائد سے باز نہیں آئے تو پھر ان کو زبردست عذاب پہنچے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''تو کیا وہ اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے اور اس سے مغفرت نہیں طلب کرتے، حالانکہ اللہ بہت مغفرت فرمانے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O'' (المائدہ: ٧٤)

''اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ'': یعنی وہ اپنی شرکیہ باتوں سے رجوع کیوں نہیں کرتے، اگر وہ شرکیہ کلمات سے رجوع کر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ (الانفال: ٣٨)'' (اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو پہلے جو گناہ ہو چکے ہیں وہ ان کے لیے بخش دیئے جائیں گے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''مسیح ابن مریم صرف اللہ کے رسول ہیں، بے شک اُن سے پہلے بہت رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں صدّیقہ ہیں، وہ دونوں کھانا کھاتے تھے، آپ دیکھیے! ہم کس طرح ان کے لیے کھول کھول کر اپنی آیات بیان فرماتے ہیں، پھر دیکھیے وہ کہاں بھٹکتے پھر رہے ہیں O'' (المائدہ: ٧٥)

حضرت المسیح ابن مریم کی رسالت اور ان کی عبدیت کا ثبوت

''مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ'': اس آیت میں عیسائیوں کے دونوں فرقوں کے خلاف دلیل ہے، اُن میں سے ایک فرقہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رسول ہونے کا منکر تھا اور دوسرا فرقہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ربوبیت اور الوہیت کا دعوے دار تھا، پس اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: بے شک عیسیٰ مریم کے بیٹے ہیں اور مریم کا بیٹا اس کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ وہ اللہ ہو یا اللہ کا بیٹا ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ''ابن اللہ'' ہونے کا رد

اس آیت کی دوسری تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں اور اُن سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں، اور اُن رسولوں کے متعلق گزشتہ امتوں میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ اللہ ہیں یا اللہ کے بیٹے ہیں، پس کیسے تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہتے ہو کہ حضرت عیسیٰ اللہ ہیں، اور بے شک ان کے متعلق ایسی آیات اور براہین ہیں جو اُن کے رسول ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

حضرت مریم کا نام یا لقب ''صدیقہ'' کی توجیہ

''وَ اُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ'': ایک قول یہ ہے کہ اُن کی والدہ حضرت مریم ہر قسم کی گندگی سے پاک تھیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی نیک بندی تھیں، دوسرا قول یہ ہے کہ اُن کی والدہ حضرت مریم نبیوں کے مشابہ تھیں، کیونکہ جب اُن کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے کہا: ''اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ﳓ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا (مریم:۱۹)'' (جبریل نے کہا: اے مریم! میں صرف تمہارے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں تاکہ تمہیں پاک بیٹا دوں)۔ تو حضرت مریم نے حضرت جبریل کی بلاواسطہ اس طرح تصدیق کی جس طرح انبیاء و رسل فرشتوں کی تصدیق کرتے ہیں، رہی باقی مخلوق تو وہ فرشتوں کی تصدیق رسولوں کی خبر دینے کے واسطہ سے کرتے ہیں۔ اور حضرت مریم نے صرف حضرت جبریل علیہ السلام کے خبر دینے سے ان کی تصدیق کر دی کہ وہ فرشتے ہیں اور رسول ہیں، اسی لیے حضرت مریم کا لقب صدیقہ ہے۔

ہر مومن کا صدیق ہونا

ایک قول یہ ہے کہ ہر مومن صدیق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ﳓ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ (الحدید:۱۹)'' (اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر کامل ایمان لائے، وہی اپنے رب کے حضور صدّیق اور شہید ہیں)۔

''كَانَا یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ'': اس آیت میں دو طرح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا نہ ہونے پر دلیل ہے:

(۱) بھوک حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ دونوں پر غالب آجاتی تھی اور انہیں اس کا محتاج کرتی تھی کہ وہ اپنے جسم سے بھوک کو دور کریں۔ اور جس پر بھوک غالب آتی ہو اور اسے کچھ کھانے پینے پر مجبور کرتی ہو وہ کیسے رب اور الٰہ ہوسکتا ہے۔

(۲) جب وہ دونوں کھانے کے محتاج ہوتے تھے اور کھانا اُن کے پیٹ میں چلا جاتا تھا تو وہ اپنے پیٹ سے اس کھانے کے فضلات کو دور کرنے کے لیے اس کے محتاج ہوتے تھے وہ کسی پوشیدہ جگہ پر جائیں اور اپنے پیٹ سے ان فضلات کو نکال کر دور کریں۔ اور جس کا یہ حال ہو وہ اس سے بہت بعید ہوگا کہ وہ خدا ہو یا خدا کا بیٹا ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا نہ ہونے پر دلائل

''اُنْظُرْ كَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الْاٰیٰتِ'': اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا یا خدا کا بیٹا نہ ہونے پر حسب ذیل دلائل فراہم فرمائے ہیں:

(الف) حضرت عیسیٰ علیہ السلام، مریم کے بیٹے تھے اور جو خود کسی کا بیٹا ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

(ب) حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اللہ کے رسول اور اس کے بھیجے ہوئے ہیں، اور دلائل اور معجزات سے ثابت ہے کہ ان سے پہلے اور بھی متعدد رسول آئے اور اُن رسولوں میں سے کسی نے بھی الوہیت اور ربوبیت کا دعویٰ نہیں کیا، تو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اُن جیسے رسول ہیں تو وہ کیسے الوہیت اور ربوبیت کا دعویٰ کر سکتے ہیں!

(ج) حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھوک سے مغلوب ہو کر طعام کھاتے تھے اور جو کسی دوسرے سے مغلوب ہو جائے، وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔

(د) جو طعام کھاتا ہو، وہ اپنے جسم سے اس طعام کے سڑنے کے بعد اس کو اپنے جسم سے دور کرنے کا محتاج ہوتا ہے، اور کسی پوشیدہ جگہ میں جا کر اس کو اپنے جسم سے نکالتا ہے اور جس کا یہ حال ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔

(ہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام وجود میں آنے سے پہلے معدوم تھے، اور جس کے وجود سے پہلے اس کا عدم ہو وہ حادث ہوتا ہے اور حادث خدا نہیں ہو سکتا۔

(و) عیسائی عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے پھانسی دے دی تھی اور وہ فوت ہو گئے تھے، اور جو زندہ ہونے کے بعد مر جائے وہ فانی ہے اور فانی خدا نہیں ہو سکتا۔

''ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ'': یعنی وہ کہاں سے جھوٹ بول رہے ہیں۔

امام ابو عبید نے کہا: ''يُؤْفَكُوْنَ'' کا معنی ہے ''يُصْرَفُوْنَ'' یعنی وہ کہاں سے پھیرے جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۔۔۔ (الاحقاف: ٢٨)'' (اور یہ ان کا جھوٹ تھا اور وہ بہتان تھا جو وہ باندھتے تھے)۔ یعنی اللہ نے اُن کو گمراہ فرما دیا، پس جب اُن کو گمراہ فرما دیا تو ان کو ہدایت سے پھیر دیا۔ ابو عوسجہ نے کہا: میرے نزدیک ''اِفْكٌ'' کا معنی ہے: کسی کو حق سے پھیر دینا۔ اور اصل میں ''الافكُ'' کا معنی ہے الکذب یعنی جھوٹ۔ اور القتبی نے کہا ہے: ''يُؤْفَكُوْنَ'' کا معنی ہے: انہیں حق سے پھیر دیا جاتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: '' آپ کہیے: کیا تم اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے کسی نقصان کا مالک ہے اور نہ کسی نفع کا (مالک) ہے، اور اللہ سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں O'' (المائدہ: ٧٦)

''قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا'': یعنی جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، اگر تم اُن کی مخالفت کرو تو وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اور اگر تم اُن کی اطاعت کرو تو وہ تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی یوں ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں نفع پہنچانے کا ارادہ فرمائیں تو وہ اس نفع کو چھین نہیں سکتے۔

''وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ'': یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بہ نسبت اللہ ہی تمہاری عبادت کو جاننے والے ہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''السَّمِيْعُ'' کا معنی ہو کہ تمہاری دعاؤں کو قبول فرمانے والے ہیں اور ''الْعَلِيْمُ'' کا معنی ہو: تمہاری نیات کو جاننے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: '' آپ کہیے: اے اہلِ کتاب! تم اپنے دین میں ناحق اضافہ نہ کرو، اور نہ اس قوم کی نفسانی خواہشات کی پیروی کرو جو پہلے ہی گمراہ ہو چکی ہے اور اس نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے، اور خود بھی

سیدھے راستہ سے بھٹک چکے ہیں O'' (المائدہ:٧٧)

''قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ '': اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کو دین میں غلو کرنے سے منع فرمایا اور اہلِ شرک کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح سے خطاب نہیں فرمایا، ایک اور جگہ ارشاد ہے: ''یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ۔ (النساء:١٧١)'' (اے اہلِ کتاب! تم اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو اور اللہ کے متعلق حق کے سوا کوئی بات نہ کہو)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ کتاب نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ انبیاءِ سابقین اور رُسلِ سابقین کے دین پر ہیں، تو اللہ عزوجل نے اُن کو دین میں غلو سے منع فرمایا اور غلو کا معنی ہے: حد سے تجاوز کرنا اور افراط کرنا، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دین میں اس حد سے تجاوز نہ کرو جو اُلوہیت اور ربوبیت کی حد ہے۔ اور اللہ کے غیر کی طرف الوہیت اور ربوبیت کی نسبت نہ کرو اور نہ اللہ کے غیر کی عبادت کرو، اور رہے مشرکین تو وہ غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے اور اس کو نیکی سمجھتے تھے، اور رہے اہلِ کتاب تو وہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ انبیاء ورسل کے دین پر ہیں۔

''وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ '': یعنی اپنے پیشواؤں کے طریقہ پر نہ چلو، کیونکہ تمہارے پیشوا ہدایت کے طریقہ سے بھٹک چکے ہیں۔

(تاویلات اہل السنہ: ج ٣ ص ٥٥٦ـ٥٦٩، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿٧٨﴾

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا اُن پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی، کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے O

كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿٧٩﴾

وہ ایک دوسرے کو اس برے کام سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیا تھا، وہ بہت برا کام تھا جو وہ کرتے تھے O

تَرٰى كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْاؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ فِی الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿٨٠﴾

اے رسولِ اکرم! آپ اُن میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھیں گے جو کافروں سے دوستی رکھتے ہیں، وہ کیسا برا کام ہے جس کو انہوں نے اپنے لیے آگے بھیجا ہے کہ اللہ اُن پر ناراض ہوئے اور وہ عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے O

وَ لَوْ كَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِیِّ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِیَآءَ وَ لٰكِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾

اور اگر وہ اللہ پر ایمان لے آتے اور نبی پر اور جو نبی کی طرف نازل فرمایا گیا ہے (اس پر ایمان لے آتے) تو وہ کافروں کو دوست نہ بناتے، لیکن اُن میں سے اکثر نافرمان ہیں O

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا الۡیَهُوۡدَ وَالَّذِیۡنَ اَشۡرَكُوۡا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقۡرَبَهُمۡ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنۡهُمۡ قِسِّیۡسِیۡنَ وَرُهۡبَانًا وَّاَنَّهُمۡ لَا یَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۸۲﴾

آپ ضرور مومنوں سے سب سے زیادہ دشمنی رکھنے والے اُن لوگوں کو پائیں گے جو یہود ہیں اور جو مشرکین ہیں، اور آپ ضرور اُن میں سے سب سے زیادہ مومنین سے دوستی رکھنے والے اُن لوگوں کو پائیں گے جو کہتے ہیں: ہم نصاریٰ ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن میں سے بعض عالم ہیں اور بعض زاہد ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا اُن پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی، کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے O'' (المائدہ:۷۸)

جن بنی اسرائیل پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے لعنت کی تھی، ان کا مصداق

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ المائدہ: ۷۸ تا ۸۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''لُعِنَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ'': اکثر مفسرین نے کہا ہے: ''ایلة'' کے رہنے والوں نے جب ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کیا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اُن کے خلاف دعا کی: اے اللہ! ان پر لعنت فرما اور ان کو عذاب کی نشانی بنا دے، پس اُن کو مسخ کر کے بندر بنا دیا گیا اور اصحابِ مائدہ نے جب دسترخوان سے کھایا اور ایمان نہیں لائے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کے خلاف دعا کی: اے اللہ! ان پر اس طرح لعنت فرمائیں جس طرح آپ نے ہفتہ کے دن تجاوز کرنے والوں پر لعنت فرمائی تھی، پس صبح کو وہ سب مسخ کر کے خنزیر بنا دیئے گئے اور وہ پانچ ہزار مرد تھے اُن میں نہ کوئی عورت تھی اور نہ کوئی بچہ تھا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہود اس پر فخر کرتے تھے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی اولاد ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا تا کہ معلوم ہو جائے کہ ان لوگوں پر انبیاء علیہم السلام کی زبانوں سے لعنت فرمائی گئی ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت دی اور اُن دونوں نے اس پر لعنت کی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرے۔

''عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیۡسَى ابۡنِ مَرۡیَمَ'': یعنی اس آیت میں لسان سے مراد داؤد اور عیسیٰ علیہما السلام کی لغت نہیں ہے بلکہ زبان سے مراد عضو ہے جیسا کہ ابوحیان اندلسی نے بیان کیا ہے، یعنی ان نبیوں کی زبان سے اِن لوگوں پر لعنت فرمائی گئی تھی۔

علامہ الزمخشری نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کی زبان سے ان پر لعنت فرمائی اور انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ان پر لعنت فرمائی، اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبور میں اُن پر لعنت فرمائی جنہوں نے بنی اسرائیل میں

سے کفر کیا، اسی طرح انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اُن لوگوں پر لعنت فرمائی جنہوں نے عیسائیوں میں سے کفر کیا، اور الزجاج نے کہا: حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو علم تھا کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نبی ہیں جن کو مبعوث فرمایا جائے گا، اور ان دونوں نے اُن لوگوں پر لعنت کی جو اِن کا کفر کریں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ ایک دوسرے کو اس برے کام سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیا تھا، وہ بہت برا کام تھا جو وہ کرتے تھے O'' (المائدہ: ۷۹)

برے کام کرنے والوں کے ساتھ میل جول رکھنے کا عذاب

''كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ'': حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں جب کوئی شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کو کوئی منع کرنے والا گناہ سے منع کرتا، پھر اگلے دن وہ شخص اس کے پاس جاتا اور اس کے ساتھ کھاتا اور پیتا، گویا کہ اس نے کل اس کو کوئی گناہ کا کام کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، جب اُن میں ایسا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کے دل دوسرے بعض لوگوں کے مطابق کر دیئے، اور اُن میں سے بندر اور خنزیر بنا دیئے اور اُن پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت فرمائی گئی کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہو گے اور برائی سے روکتے رہو گے اور تم ضرور بے وقوفوں کے ہاتھوں کو پکڑتے رہو گے، ورنہ اللہ تمہارے دل ایک دوسرے کے مشابہ فرما دیں گے اور تم پر اسی طرح لعنت فرمائیں گے جس طرح ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (تفسیر الطبری ج ۴ ص ۶۵۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب بنو اسرائیل نافرمانیوں میں مبتلاء ہو گئے تو اُن کے علماء نے اُن کو منع کیا، پس وہ باز نہ آئے، پھر وہ ان کی مجلسوں میں بیٹھتے رہے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل ایک دوسرے کے مطابق فرما دیئے اور ان پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زبان سے لعنت فرمائی کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا: نہیں اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے حتیٰ کہ تم اُن کو حق کے اوپر موڑ دو۔ (سنن ترمذی: ۳۰۵۸، سنن ابوداؤد: ۴۳۳۶، سنن ابن ماجہ: ۴۰۰۶، مسند احمد: ۳۷۱۳)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے رسولِ اکرم! آپ اُن میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھیں گے جو کافروں سے دوستی رکھتے ہیں، وہ کیسا برا کام ہے جس کو انہوں نے اپنے لیے آگے بھیجا ہے کہ اللہ اُن پر ناراض ہوئے اور وہ عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے O'' (المائدہ: ۸۰)

''تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'': ہوسکتا ہے کہ اس طرح کا معنی آنکھ سے دیکھنا ہو، یعنی بہت سے جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاصر تھے، وہ ان لوگوں کو دیکھتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر وہ اللہ پر ایمان لے آتے اور نبی پر اور جو نبی کی طرف نازل فرمایا گیا ہے (اس پر ایمان لے آتے) تو وہ کافروں کو دوست نہ بناتے، لیکن اُن میں سے اکثر نافرمان ہیں O'' (المائدہ: ۸۱)

''وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ''۔

اس آیت کا معنی اس طرح ہے کہ اگر یہ یہود اللہ پر ایمان لاتے اور نبی پر ایمان لاتے جو کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور جو اُن کی طرف نازل فرمایا گیا ہے، تو یہ مشرکین کو اپنا دوست نہ بناتے، کیونکہ مشرکین سے دوستی کی تحریم تورات میں بہت تاکید سے بیان فرمائی گئی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ ضرور مومنوں سے سب سے زیادہ دشمنی رکھنے والے اُن لوگوں کو پائیں گے جو یہود ہیں اور جو مشرکین ہیں، اور آپ ضرور اُن میں سے سب سے زیادہ مومنین سے دوستی رکھنے والے اُن لوگوں کو پائیں گے جو کہتے ہیں: ہم نصاریٰ ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن میں سے بعض عالم ہیں اور بعض زاہد ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے O'' (المائدہ: ۸۲)

''لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا'': جب کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کی مسلمانوں کے ساتھ عداوت کا ذکر فرمایا تو انہوں نے یہود کو مسلمانوں سے عداوت رکھنے میں مشرکین کی مثل قرار دیا بلکہ اس پر تنبیہ فرمائی کہ یہ یہود مشرکین سے بڑھ کر مسلمانوں سے عداوت رکھتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب بھی دو یہودی تنہائی میں ملتے ہیں تو وہ دونوں مسلمانوں کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ (کشف الخفاء، حدیث: ۲۲۱۰)

''وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مراد النجاشی ہیں، اور اُن کی وہ قوم جو حبشہ سے آئی تھی، اور وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے اور اس سے تمام نصاریٰ مراد نہیں ہیں، کیونکہ نصاریٰ بھی یہود کی طرح مسلمانوں سے عداوت رکھتے ہیں اور وہ بھی یہود کی طرح مسلمانوں کو قتل کرنے کے درپے رہتے ہیں اور انہیں قید کرنے کے درپے رہتے ہیں اور ان کے شہروں کو ویران کرنے کے درپے رہتے ہیں اور ان کی مساجد کو جلانا چاہتے ہیں اور اس آیت میں اُن کی کوئی عزت افزائی نہیں ہے بلکہ یہ آیت اُن لوگوں کے متعلق ہے جو عیسائیوں میں سے اسلام لے آئے۔

اور دوسرے علماء نے کہا: یہود کا فاسد مذہب یہ ہے کہ جو لوگ اُن کے دین میں مخالف ہیں اُن کو جس طرح بھی ضرر اور شر پہنچایا جاسکتا ہو پہنچا دیا جائے۔ پس اگر وہ اپنے مخالفین کو قتل کرنے پر قادر ہوں تو اُن کو قتل کر دیا جائے ورنہ اُن کا مال لوٹ لیا جائے یا چوری کر لیا جائے یا کسی بھی فاسد طریقہ سے اُن کا مال جس طرح بھی ضبط کیا جاسکے کر لیا جائے۔ اور رہے نصاریٰ تو اُن کا یہ مذہب نہیں ہے بلکہ اُن کے دین میں دوسروں کو ایذاء پہنچانا حرام ہے، اور یہ فرق ہے یہود اور نصاریٰ کے دین میں۔

نصاریٰ اور یہود کی وجہ تسمیہ

نصاریٰ کو نصاریٰ کہنے کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نصاریٰ نے کہا تھا: ''اِنَّا نَصٰرٰی'' یعنی ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کے مددگار ہیں۔ اور رہے یہود تو اُن کو یہود کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ یہوذا بن یعقوب کی اولاد سے ہیں تو اس وجہ سے اُن کو یہود کہا جاتا ہے۔

''قِسِّیْسِیْنَ'' اور ''رُهْبَان'' کے نام کی توجیہ

''ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ'':

اور عروہ بن الزبیر نے کہا: نصاریٰ نے انجیل کو ضائع کر دیا اور جو کچھ انجیل میں لکھا ہوا تھا اس کو ضائع کر دیا، اور اُن میں سے ایک مرد باقی بچ گیا جس کا نام ''قسیس'' تھا، پس جو شخص اس کے دین پر باقی رہا اور اس نے دین میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور اسی کی سیرت پر قائم رہا تو اس کو ''قسیس'' کہا جاتا تھا۔

اور ''الرُّهْبَان'' راہب کی جمع ہے جیسے راکب کی جمع رکبان ہے اور فارس کی جمع فرسان ہے، اور قرآن مجید میں یہ لفظ جمع کے صیغہ کے ساتھ آیا ہے، اور علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ ''الرُّهْبَان'' واحد بھی ہے اور جمع بھی ہے، اور اللیث نے کہا ہے کہ ''الرُّهْبَانِیة'' ترهُّب کا مصدر ہے یعنی جو لوگ گرجا میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ نصاریٰ کا کفر یہود کے کفر سے زیادہ بُرا ہے، اس لیے کہ نصاریٰ الٰہیات اور نبوّات دونوں میں اختلاف کرتے ہیں، اور یہود صرف نبوّات میں اختلاف کرتے ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نصاریٰ کا کفر زیادہ برا ہے۔ لیکن نصاریٰ کے دل میں آخرت کی طرف کچھ میلان ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے اُن کو شرف عطاء فرمایا ہے اور یہ فرمایا کہ مومنوں کے زیادہ قریب وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ اور رہے یہود تو باوجود اس کے کہ اُن کا کفر نصاریٰ کے کفر سے کم درجہ کا ہے، اللہ تعالیٰ نے اُن کو دھتکار دیا اور اُن پر مزید لعنت فرمائی کیونکہ وہ دنیا کی حرص پر بہت شدید تھے۔

(اللباب فی علوم الکتاب، ج ۷ ص ۴۶۵۔ ۴۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّۚ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۳﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) جب ان عیسائیوں نے سنا جو (اللہ کے) رسول کی طرف نازل فرمایا گیا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوں گے کیونکہ انہوں نے حق کو پہچان لیا، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، پس آپ ہمیں (توحید پر) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ دیجئے O

وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّۙ وَ نَطْمَعُ اَنْ یُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۴﴾

اور ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس حق پر ایمان نہ لائیں جو ہمارے پاس آچکا ہے اور ہم کیوں نہ یہ طمع کریں کہ ہمارے رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ شامل فرما دیں گے O

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۵﴾

سواللہ نے اُن کے اس قول کے سبب اُن کوایسی جنتیں عطاء فرمادیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اوروہ اُن جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں،اور نیکی کرنے والوں کا یہی بدلہ ہے O

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۸۶﴾

اور جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہی دوزخی ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''اور (اے رسولِ اکرم!) جب اِن عیسائیوں نے سنا جو (اللہ کے) رسول کی طرف نازل فرمایا گیا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوں گے کیونکہ انہوں نے حق کو پہچان لیا، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، پس آپ ہمیں (توحید پر) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ دیجئے O'' (المائدہ:۸۳)

اُن لوگوں کا مصداق جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن مجید کی آیات سُن کر رو پڑے تھے

امام محمد بن عمر رازی الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ المائدہ:۸۳، کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ'': جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن مجید کی آیات سُن کر رو پڑے تھے یہ ''قسیسین'' اور ''الرھبان'' تھے اور جو اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے۔ اور اس آیت میں ''الرَّسُوْلِ'' سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اور جو لوگ آپ سے قرآن مجید کی آیات سن کر رو پڑے تھے، اس سے مراد النجاشی اور اُن کے اصحاب تھے، اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت جعفر طیار نے ان لوگوں کے سامنے سورۂ مریم کی تلاوت کی تو نجاشی نے زمین سے تنکا اٹھایا اور کہا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے انجیل میں جو کچھ فرمایا ہے المسیح اس سے تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہے، پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے قرآن پڑھنے کی وجہ سے وہ مسلسل روتے رہے۔

''تَرٰۤى اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ'': یعنی اُن کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور جب اُن پر قرآن مجید کی تلاوت کی گئی تو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے خوف سے اُن کی آنکھوں سے آنسو اُبل پڑے۔

''مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ'': یعنی انہوں نے جان لیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو قرآن نازل ہوا ہے وہ برحق ہے۔

''یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ'': یعنی ہم نے قرآن مجید کی جو آیات سُن لیں اور ہم نے پہچان لیا کہ یہ اللہ کا برحق کلام ہے تو انہوں نے دعا کی اے اللہ! ہمیں بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں داخل فرمادیں جو حق کی شہادت دیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت (المائدہ:۸۳) نجاشی اور اس کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی

ہے۔(السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۰۸۳، ج ۱۰ ص ۸۴، مسند البزار: ۲۷۵۸)

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ، المائدہ: ۸۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

السدی نے بیان کیا کہ النجاشی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بارہ (۱۲) مردوں کو بھیجا جو آپ کے دین کے متعلق سوال کرتے تھے اور آپ کی خبر لے کر آئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت فرمائی، پس وہ روئے اور اُن میں سات ''رُھبان'' تھے اور پانچ ''قسیسین'' تھے، تب اللہ عزوجل نے المائدہ: ۸۳ نازل فرمائی۔

(تفسیر الطبری ج ۸ ص ۱۰۲، تفسیر ابن ابی حاتم: ۶۶۸۰، الطبرانی: ۲۵۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۳۴۸، ۳۴۹، سیرتِ ابن ہشام ج ۱ ص ۳۹۲)

نجاشی کے دربار میں مسلمانوں کا پہنچنا، اور نجاشی اور نجاشی کے درباریوں کا قرآن مجید کی آیات سن کر رونا

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ہم سرزمین حبش میں اترے تو ہمیں نجاشی کی صورت میں بہترین پڑوسی ملا، جس سے ہمیں دین کے متعلق اطمینان حاصل ہوا، ہم نے وہاں اللہ کی عبادت اس طرح کی کہ ہمیں کوئی نہ ستاتا تھا اور نہ ہم کوئی ناپسندیدہ بات سنتے تھے، قریش کو جب اس کی خبر پہنچی تو انہوں نے مشورہ کیا کہ قریش کے دو مضبوط آدمیوں کو نادر و نایاب تحائف کے ساتھ نجاشی کے پاس بھیجا جائے، اُن لوگوں کی نگاہوں میں سب سے زیادہ عمدہ اور قیمتی چیز ''چمڑا'' شمار ہوتی تھی، چنانچہ انہوں نے بہت سا چمڑا اکٹھا کیا اور نجاشی کے ہر سردار کے لیے بھی ہدیہ اکٹھا کیا اور یہ سب چیزیں عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کے حوالہ کر کے انہیں ساری بات سمجھائی اور کہا کہ نجاشی سے ان لوگوں کے حوالہ سے کوئی بات کرنے سے قبل ہر سردار کو اس کا ہدیہ پہنچا دینا، پھر نجاشی کی خدمت میں ہدایا وتحائف پیش کرنا اور اس سے پہلے کہ وہ ان لوگوں سے کوئی بات کرے، تم اس سے یہ درخواست کرنا کہ وہ ان مسلمانوں کو تمہارے حوالہ کر دے۔

وہ دونوں مکہ مکرمہ سے نکل کر نجاشی کے پاس پہنچے، اس وقت تک ہم بڑی بہترین رہائش اور بہترین پڑوسیوں کے درمیان رہ رہے تھے۔ ان دونوں نے نجاشی سے کوئی بات کرنے سے پہلے اس کے ہر سردار کو تحائف دیے اور ہر ایک سے یہی کہا کہ شاہ حبشہ کے اس ملک میں ہمارے کچھ نادان نوجوان آ گئے ہیں جو اپنی قوم کے دین کو چھوڑ چکے ہیں اور تمہارے دین میں داخل نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے خود ہی ایک نیا دین ایجاد کر لیا ہے جسے نہ ہم جانتے ہیں اور نہ آپ لوگ جانتے ہیں، اب ہمیں ہماری قوم کے معززین نے بھیجا ہے تاکہ ہم انہیں یہاں سے واپس لے جائیں، جب بادشاہ سے ان کے متعلق ہم گفتگو کریں تو آپ بھی یہی مشورہ دیں کہ بادشاہ سلامت ان سے کوئی بات کیے بغیر انہیں ہمارے حوالہ کر دیں، کیونکہ ان کی قوم کی نگاہیں ان سے زیادہ گہری ہیں اور وہ اس چیز سے بھی زیادہ واقف ہیں جو انہوں نے ان پر عیب لگائے ہیں، اس پر سارے سرداروں نے انہیں اپنے تعاون کا یقین دلایا۔

اس کے بعد ان دونوں نے نجاشی کی خدمت میں اپنی طرف سے تحائف پیش کیے جن کو اس نے قبول کر لیا، پھر ان دونوں نے نجاشی سے کہا: اے بادشاہ! آپ کے شہر میں ہمارے ملک کے کچھ نادان نوجوان آ گئے ہیں جو اپنی قوم کا دین چھوڑ کر آئے ہیں اور آپ کے دین میں داخل نہیں ہوئے، بلکہ انہوں نے ایک نیا دین خود ہی ایجاد کر لیا ہے جسے نہ آپ جانتے ہیں نہ ہم جانتے ہیں، اب ان کے سلسلہ میں ان کی قوم کے چند معززین نے ''جن میں ان کے باپ، چچا اور خاندان والے شامل ہیں'' ہمیں آپ کے پاس بھیجا تاکہ آپ انہیں ہمارے حوالہ کر دیں۔

اس وقت ان دونوں کی نگاہوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز یہ تھی کہ کہیں نجاشی ہماری بات سننے کے لیے تیار نہ ہوجائے، ادھراس کے پاس موجوداس کے سرداروں نے بھی کہا: اے بادشاہ! یہ لوگ سچ کہہ رہے ہیں، اس لیے آپ ان لوگوں کو ان دونوں کے حوالہ کردیجئے تا کہ یہ انہیں واپس ان کے شہر اور قوم میں لے جائیں، اس پر نجاشی کو غصہ آ گیا اور وہ کہنے لگا: نہیں، بخدا! میں ایک ایسی قوم کو ان لوگوں کے حوالہ نہیں کرسکتا جنہوں نے میرا پڑوسی بننا قبول کیا، میرے ملک میں آئے اور دوسروں پر مجھے ترجیح دی، میں پہلے انہیں بلاؤں گا اور اُن سے اس چیز کے متعلق پوچھوں گا جو یہ دونوں ان کے حوالہ سے کہہ رہے ہیں، اگر وہ لوگ ویسے ہی ہوئے جیسے یہ کہہ رہے ہیں تو میں انہیں ان کے حوالہ کردوں گا اور انہیں ان کے شہر اور قوم میں واپس بھیج دوں گا اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر میں انہیں ان کے حوالہ نہیں کروں گا بلکہ اچھا پڑوسی ہونے کا ثبوت پیش کروں گا۔

اس کے بعد نجاشی نے پیغام بھیج کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بلایا، جب قاصد صحابہ کرام کے پاس آیا تو انہوں نے اکٹھے ہوکر مشورہ کیا کہ بادشاہ کے پاس پہنچ کر کیا کہا جائے؟ پھر انہوں نے آپس میں طے کرلیا کہ ہم وہی کہیں گے جو ہم جانتے ہیں یا جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا، جو ہوگا سو دیکھا جائے گا، چنانچہ یہ حضرات نجاشی کے پاس چلے گئے، نجاشی نے اپنے پادریوں کو بھی بلا لیا تھا اور وہ اس کے سامنے آسمانی کتابیں اور صحیفے کھول کر بیٹھے تھے۔

نجاشی نے ان سے پوچھا کہ وہ کون سا دین ہے جس کی خاطر تم نے اپنی قوم کے دین کو چھوڑا، نہ میرے دین میں داخل ہوئے اور نہ اقوام عالم میں سے کسی کا دین اختیار کیا؟ اس موقع پر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کلام کیا اور فرمایا: بادشاہ سلامت! ہم جاہل لوگ تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بے حیائی کے کام کرتے تھے، رشتہ داریاں توڑ دیا کرتے تھے، پڑوسیوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے تھے اور ہمارا طاقتور ہمارے کمزور کو کھا جاتا تھا، ہم اسی طرزِ زندگی پر چلتے رہے حتیٰ کہ اللہ نے ہماری طرف ہم ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جس کے حسب نسب، صدق وامانت اور عفت وعصمت کو ہم جانتے ہیں، انہوں نے ہمیں اللہ کو ایک ماننے، اس کی عبادت کرنے، اور اس کے علاوہ پتھروں اور بتوں کی ''جن کی ہمارے آباء واجداد پرستش کرتے تھے'' اُن کی عبادت چھوڑ دینے کی دعوت پیش کی، انہوں نے ہمیں گفتگو میں سچائی، امانت کی ادائیگی، صلہ رحمی، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے، حرام کاموں اور قتل وغارت گری سے بچنے کا حکم دیا، انہوں نے ہمیں بے حیائی کے کاموں سے بچنے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال ناحق کھانے اور پاک دامن عورت پر بدکاری کی تہمت لگانے سے روکا، انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ صرف ایک خدا کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور انہوں نے ہمیں نماز، زکوٰۃ اور روزے کا حکم دیا، ہم نے ان کی تصدیق کی، ان پر ایمان لائے، ان کی لائی ہوئی شریعت اور تعلیمات کی پیروی کی، ہم نے ایک اللہ کی عبادت شروع کردی، ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے تھے، ہم نے ان کی حرام کردہ چیزوں کو حرام اور حلال قرار دی ہوئی اشیاء کو حلال سمجھنا شروع کردیا، جس پر ہماری قوم نے ہم پر ظلم وستم شروع کردیا، ہمیں طرح طرح کی سزائیں دینے لگے، ہمیں ہمارے دین سے برگشتہ کرنے لگے تا کہ ہم دوبارہ اللہ کی عبادت چھوڑ کر بتوں کی پرستش شروع کردیں، اور پہلے جن گندی چیزوں کو زمانہ جاہلیت میں حلال سمجھتے تھے، انہیں دوبارہ حلال سمجھنا شروع کردیں۔

جب انہوں نے ہم پر حد سے زیادہ ظلم شروع کردیا اور ہمارے لیے مشکلات کھڑی کرنا شروع کردیں اور ہمارے اور ہمارے

دین کے درمیان رکاوٹ بن کر حائل ہونے لگے تو ہم وہاں سے نکل کر آپ کے ملک میں آ گئے، ہم نے دوسروں پر آپ کو ترجیح دی، ہم نے آپ کے پڑوس میں اپنے لیے رغبت محسوس کی اور بادشاہ سلامت! ہمیں امید ہے کہ آپ کی موجودگی میں ہم پر ظلم نہیں ہوگا۔

نجاشی نے ان سے کہا کہ کیا اس پیغمبر پر اللہ کی طرف سے جو وحی آتی ہے، اس کا کچھ حصہ آپ کو یاد ہے؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں! اس نے کہا کہ پھر مجھے وہ پڑھ کر سنایئے! حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اس کے سامنے سورۂ مریم کا ابتدائی حصہ تلاوت فرمایا، بخدا! اسے سن کر نجاشی اتنا رویا کہ اس کی ڈاڑھی اس کے آنسوؤں سے تر ہوگئی، اس کے پادری بھی اتنا روئے کہ ان کے سامنے رکھے ہوئے آسمانی کتابوں کے نسخے بھی ان کے آنسوؤں سے تربتر ہوگئے، پھر نجاشی نے کہا: بخدا! یہ وہی کلام ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا، اور ان دونوں کا منبع ایک ہی ہے، یہ کہہ کر قریش کے ان دو مردوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم دونوں چلے جاؤ، اللہ کی قسم! میں انہیں کسی صورت تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب وہ دونوں نجاشی کے دربار سے نکلے تو عمرو بن عاص نے کہا: بخدا! کل میں نجاشی کے سامنے ان کا عیب بیان کر کے رہوں گا اور اس کے ذریعے ان کی جڑ کاٹ کر پھینک دوں گا، عبداللہ بن ابی ربیعہ ''جو ہمارے معاملے میں کچھ نرم تھا'' کہنے لگا کہ ایسا نہ کرنا، کیونکہ اگرچہ یہ ہماری مخالفت کر رہے ہیں لیکن ہیں تو ہمارے ہی رشتہ دار، عمرو بن عاص نے کہا کہ نہیں، میں نجاشی کو یہ بتا کر رہوں گا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی خدا کا بندہ کہتے ہیں۔

چنانچہ اگلے دن آ کر عمرو بن عاص نے نجاشی سے کہا: بادشاہ سلامت! یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے بڑی سخت بات کہتے ہیں، اس لئے انہیں بلا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے ان کا عقیدہ دریافت کیجئے، بادشاہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پھر اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لیے بلا بھیجا، اس وقت تک ہمارے اوپر اس جیسی کوئی پریشانی نازل نہ ہوئی تھی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین باہم مشورہ کے لیے جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ جب بادشاہ تم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق پوچھے گا تو تم کیا کہو گے؟ پھر انہوں نے یہ طے کر لیا کہ ہم ان کے متعلق وہی کہیں گے جو اللہ نے فرمایا اور جو ہمارے نبی نے بتایا ہے، جو ہوگا سو دیکھا جائے گا، چنانچہ یہ طے کر کے وہ نجاشی کے پاس پہنچ گئے، نجاشی نے ان سے پوچھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سلسلے میں ہم وہی کچھ کہتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے، اس کے پیغمبر، اس کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جسے اللہ نے حضرت مریم کی طرف القاء کیا تھا جو کہ کنواری اور اپنی شرم و حیاء کی حفاظت فرمانے والی تھیں، اس پر نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین کی طرف بڑھا کر ایک تنکا اٹھایا اور کہنے لگا کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے اس تنکے کی نسبت بھی زیادہ نہیں ہیں۔

جب نجاشی نے یہ بات کہی تو یہ اس کے اردگرد بیٹھے ہوئے سرداروں کو بہت بری لگی اور غصہ سے ان کے نرخروں سے آواز نکلنے لگی، نجاشی نے کہا: تمہیں جتنا مرضی برا لگے، بات صحیح ہے، تم لوگ جاؤ، آج سے تم اس ملک میں امن کے ساتھ رہو گے اور تین مرتبہ کہا کہ جو شخص تمہیں برا کہے گا اسے اس کا تاوان ادا کرنا ہوگا، مجھے یہ بات پسند نہیں کہ تم میں سے کسی کو تکلیف پہنچاؤں، اگرچہ اس کے عوض مجھے ایک پہاڑ کے برابر بھی سونا مل جائے، اور قریش کے ان مردوں کو ان کے تحائف اور ہدایا واپس کر دو، بخدا! اللہ نے جب مجھے میری حکومت واپس لوٹائی تھی تو اس نے مجھ سے رشوت نہیں لی تھی کہ میں بھی اس کے معاملہ میں رشوت لیتا پھروں، اور اس

نے میرے معاملے میں لوگوں کی بات نہیں مانی تھی کہ اب میں ان مسلمانوں کے معاملے میں لوگوں کی بات مانوں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اس کے بعد قریش کے ان دو مردوں کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیا گیا اور وہ جو بھی ہدایا لے کر آئے تھے، وہ سب انہیں واپس لوٹا دیئے گئے، اور ہم نجاشی کے ملک میں بہترین گھر اور بہترین پڑوس کے ساتھ زندگی گزارتے رہے، اس دوران کسی نے نجاشی کے ملک پر حملہ کر دیا، اس وقت ہمیں انتہائی غم اور افسوس ہوا اور ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ حملہ آور نجاشی پر غالب ہی نہ آجائے، اور نجاشی کی جگہ ایک ایسا آدمی برسر اقتدار آجائے جو ہمارے حقوق کا اس طرح خیال نہ رکھے جیسے نجاشی رکھتا تھا۔

بہر حال! نجاشی جنگ کے لیے روانہ ہوا، دونوں لشکروں کے درمیان دریائے نیل کی چوڑائی حائل تھی، اس وقت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایک دوسرے سے کہا کہ ان لوگوں کی جنگ میں حاضر ہو کر ان کی خبر ہمارے پاس کون لائے گا؟ ''حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جو اس وقت ہم میں سب سے کم سن تھے'' نے اپنے آپ کو پیش کیا، لوگوں نے انہیں ایک مشکیزہ دے دیا، وہ انہوں نے اپنے سینے پر لٹکا لیا اور اس کے اوپر تیرنے لگے، یہاں تک کہ نیل کے اس کنارے کی طرف نکل گئے جہاں دونوں لشکر صف آراء تھے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ کر سارے حالات کا جائزہ لیتے رہے اور ہم نجاشی کے حق میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کرتے رہے کہ اسے اس کے دشمن پر غلبہ نصیب ہو، اور وہ اپنے ملک میں حکمرانی پر فائز رہے، اور اہل حبشہ کا نظم ونسق اسی کے ہاتھ میں رہے، کیونکہ ہمیں اس کے پاس بہترین ٹھکانا نصیب تھا، یہاں تک کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آگئے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں ہی تھے۔

(مسند احمد: ۱۷۴۰، (ج ۱ ص ۲۰۲)، اس حدیث کی سند حسن ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں جو بخاری اور مسلم کے راوی ہیں، اور یہ حدیث سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۵۷-۳۶۲ میں از ابن اسحاق مذکور ہے، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۱۵-۱۱۶، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۳۰۱-۳۰۴، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۱۹۴، الطبرانی: ۱۴۹۷، صحیح ابن خزیمہ مختصراً: ۲۲۶۰، المستدرک للحاکم: ۳۲۰۸)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس حق پر ایمان نہ لائیں جو ہمارے پاس آچکا ہے اور ہم کیوں نہ یہ طمع کریں کہ ہمارے رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ شامل فرمادیں گے O سو اللہ نے اُن کے اس قول کے سبب اُن کو ایسی جنتیں عطاء فرمادیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور وہ اُن جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اور نیکی کرنے والوں کا یہی بدلہ ہے O'' (المائدہ: ۸۴-۸۵)

محض حق کا اقرار کرنے اور عمل نہ کرنے سے جنت کا مستحق نہ ہونا

''وَمَالَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ'': اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل فرمادیں گے جو اللہ عزوجل کی رضا کا گھر ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ...'' (الحج: ۵۹) ''(اللہ انہیں ضرور ایسی جگہ داخل فرمائیں گے جس سے وہ راضی ہوجائیں گے)۔

''فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ'':

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ وہ لوگ محض اس قول کی وجہ سے جنت کے مستحق ہو گئے۔ اور یہ ممکن نہیں ہے اس لیے کہ محض قول سے کوئی شخص ثواب کا مستحق نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ وہ لوگ مخلص تھے کیونکہ حق کی معرفت کی وجہ سے اُن کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ پس جب اُن کی معرفت اور اخلاص کا علم ہو گیا اور اُن کی کامل اطاعت کا پتا چل گیا تو اُن کا ایمان کامل ہو گیا اور اُن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے کامل ایمان کی وجہ سے جنت کی نوید سنائی۔

مومن مرتکبِ کبیرہ کے متعلق اہلِ سنت و جماعت اور المعتزلہ کے درمیان فرق

نیز اس آیت سے معتزلہ کا یہ کہنا باطل ہو گیا کہ مومن فاسق ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو گئی اور اس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کر لیا اور اس نے یہ دعا کی کہ اس کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائیں، اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ جنت میں داخل فرما دیں گے، پھر اگر اس نے کوئی گناہِ کبیرہ کیا ہے تو یہ تو ممکن نہیں ہے کہ جنت سے نکال کر اس کو اس گناہ کے عذاب کے لیے دوزخ میں داخل فرمائیں، اس لیے لازماً یہ ہو گا کہ یا تو اس کے اس گناہ کو اللہ تعالیٰ پہلے اس کی توبہ سے معاف فرما دیں گے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے معاف فرما دیں گے یا اپنے فضلِ محض سے معاف فرما دیں گے، اور اگر اس کو عذاب دینا ناگزیر ہوا تو پہلے اس کو اس کے گناہ پر عذاب دیں گے پھر اس کے بعد اس کو جنت میں داخل فرما دیں گے اور یہی اہل سنت و جماعت کا نظریہ ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہی دوزخی ہیں O'' (المائدہ:۸۶)

''وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ'':

یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا اور قرآن مجید کی آیات کی تکذیب کی تو وہ دوزخی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ''اَلْجَحِیْم'' دوزخ کے اس طبقہ کو کہتے ہیں جس میں آگ کی بہت شدت ہوتی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴۱۴۔۴۱۶، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۸۷﴾

اے ایمان والو! جن پسندیدہ چیزوں کو اللہ نے تمہارے لیے حلال فرما دیا ہے تم ان کو حرام قرار نہ دو اور حد سے تجاوز نہ کرو، بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا O

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور اللہ کے دیے ہوئے حلال اور پاکیزہ رزق سے کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھنے والے ہو O

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

تمہاری بے مقصد کھائی ہوئی قسموں پر اللہ تمہاری گرفت نہیں فرمائیں گے لیکن تمہاری پختہ کھائی ہوئی قسموں پر اللہ تعالیٰ تمہارا مواخذہ فرمائیں گے، سوایسی قسموں کا کفارہ دس مسکینوں کو ایسا کھانا کھلانا ہے جس قسم کا درمیانی کھانا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا دس مسکینوں کو کپڑے دینا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، پس جو شخص اِن میں سے کسی چیز کو نہ پائے تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری اُن قسموں کا کفارہ ہے جن قسموں کو تم کھاؤ (اور ان کو توڑ بیٹھو)، اور تم اپنی قسموں کی ٹوٹنے سے حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات کو کھول کھول کر بیان فرماتے ہیں تا کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور جوے کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں سے ہیں، سوتم اُن سے اجتناب کرو تا کہ تم اخروی کامیابی حاصل کرو○

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾

شیطان صرف یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ تمہارے درمیان شراب اور جوے کے سبب سے عداوت ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے سے روک دے، تو کیا تم ان کاموں سے باز آنے والے ہو؟○

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾

اور تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور نافرمانی کرنے سے بچو، پھر اگر تم نے روگردانی کی تو یاد رکھو کہ ہمارے رسول کی ذمہ داری صرف احکام کو وضاحت سے پہنچانا ہے○

لَيْسَ عَلَي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَ

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

ایمان والوں نے اورنیکو کاروں نے (ان چیزوں کی حرمت کے نزول سے پہلے) جو کچھ کھالیا اس پر ان کو کوئی گناہ نہیں ہوگا بہ شرطیکہ وہ اللہ سے ڈرتے رہے اور ایمان پر قائم رہے اور نیکی کے کام کرتے رہے، پھر بھی ڈرتے رہے اور ایمان پر قائم رہے، پھر (مزید) ڈرتے رہے اور نیک کام کرتے رہے، اور اللہ نیک کام کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! جن پسندیدہ چیزوں کو اللہ نے تمہارے لیے حلال فرمادیا ہے تم ان کو حرام قرار نہ دو اور حد سے تجاوز نہ کرو، بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے O''

(المائدہ:۸۷)

حلال اور پسندیدہ چیزوں سے اجتناب کرنے کی ممانعت

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، المائدہ:۸۷ تا ۹۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ'': یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دن قیامت کے ہولناک واقعات کے متعلق سنا اور دوزخ اور حساب کتاب کا خوف اُن پر غالب ہوا، پس وہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے گھر جمع ہو گئے اور انہوں نے آپس میں یہ عہد کیا کہ وہ اپنے آپ کو حلال اور پسندیدہ چیزوں سے مجتنب رکھیں گے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے گھر گئے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق پوچھا، جب آپ کی ازواج نے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق بتایا تو گویا انہوں نے اس عبادت کو کم سمجھا، پس انہوں نے کہا: کہاں ہم کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم! (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تو کم عبادت بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت مرتبہ کی ہوتی ہے)، بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے تمام خلافِ اولیٰ کاموں کی مغفرت فرمادی ہے، اُن میں سے ایک نے کہا: رہا میں، تو میں رات بھر ہمیشہ نماز پڑھوں گا، اور دوسرے نے کہا کہ میں ساری عمر روزے رکھوں گا اور روزہ نہیں چھوڑوں گا، اور تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا، پس اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، آپ نے فرمایا: تم لوگوں نے اس طرح اور اس طرح کہا ہے، سنو! اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ کا خوف رکھنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں، اور میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں، اور میں رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور رات کو سوتا بھی ہوں، اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا، سو وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۰۶۳، صحیح مسلم: ۱۴۰۱، سنن نسائی: ۳۲۱۷، مسند احمد: ۱۳۶۳۱، ج ۱ ص ۱۸۶، سنن دارمی: ج ۲ ص ۱۳۳)

جب ان بعض صحابہ نے یہ عہد کرلیا کہ وہ رہبانیت اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی: ''يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ''۔ (اے ایمان والو! جن پسندیدہ چیزوں کو اللہ نے تمہارے لیے

حلال فرمادیا ہے تم ان کو حرام قرار نہ دو)۔

سعید بن المسیّب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن مظعون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: یارسول اللہ! مجھ پر میرے نفس کی بات غالب آگئی اور میں یہ نہیں چاہتا کہ میں کوئی نیا کام کروں حتیٰ کہ میں آپ سے معلوم کرلوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عثمان! تمہارے دل میں کیا بات آئی ہے، تو انہوں نے کہا: میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ میں خصی ہوجاؤں؟ آپ نے فرمایا: ٹھہرو اے عثمان! میری امت کے لیے ان کا خصی ہونا اُن کے روزے رکھنا ہے، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا کر اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہوں؟ آپ نے فرمایا: ٹھہرو اے عثمان! میری امت کی رہبانیت اس میں ہے کہ تم مساجد میں بیٹھ کر نمازوں کا انتظار کرو۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ میں زمین میں سیر وسیاحت کروں؟ آپ نے فرمایا: ٹھہرو اے عثمان! میری امت کی سیر وسیاحت اللہ کی راہ میں جہاد کرنے میں ہے اور حج کرنے میں ہے اور عمرہ کرنے میں ہے، انہوں نے کہا: بے شک میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ میں اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کردوں؟ آپ نے فرمایا: ٹھہرو اے عثمان! اگر تم اپنی جان اور اپنے بال بچوں پر خرچ کرنے کے لیے اور مسکینوں اور یتیموں پر خرچ کرنے کے لیے اپنے مال کو روک کر رکھو تو یہ اس سے افضل ہے۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! بے شک میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ میں خولہ کو طلاق دے دوں؟ آپ نے فرمایا: ٹھہرو اے عثمان! بے شک میری امت میں ہجرت ہے اور جس نے اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے ہجرت کرلی یا میری زندگی میں میری طرف ہجرت کرلی یا میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کرلی اور وہ اس حال میں فوت ہوگیا کہ اس کی ایک بیوی ہو یا دو بیویاں ہوں یا تین بیویاں ہوں یا چار بیویاں ہوں (تو یہ اس کے لیے بہتر ہے)، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! اگر آپ مجھے اپنی بیوی کو طلاق دینے سے منع فرماتے ہیں تو میرے دل میں یہ بات آتی ہے کہ میں اس سے کبھی بھی مجامعت نہ کروں؟ آپ نے فرمایا: ٹھہرو اے عثمان! پس بے شک مسلمان مرد جب اپنی بیوی سے مجامعت کرتا ہے یا اپنی باندی سے وطی کرتا ہے اور اس کے اس عمل سے اس کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تو اس کے لیے جنت میں اس کی خدمت کے قابل لڑکے ہوں گے، اور اگر اس مباشرت کے نتیجہ میں بیٹا ہوگیا اور وہ اپنے باپ سے پہلے فوت ہوگیا تو قیامت کے دن اس کا بیٹا اس کا پیش رو ہوگا اور اس کی شفاعت کرنے والا ہوگا، اور اگر وہ اپنے باپ کی وفات کے بعد فوت ہوا تو وہ اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگا، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ میں کبھی بھی گوشت نہ کھاؤں؟ آپ نے فرمایا: ٹھہرو اے عثمان! پس بے شک میں گوشت کو پسند کرتا ہوں اور جب مجھے گوشت مل جائے تو میں اسے کھاتا ہوں، اور اگر میں اپنے رب سے سوال کرتا کہ وہ مجھے ہر روز گوشت کھلائیں تو وہ ضرور مجھے ہر روز گوشت کھلاتے، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ میں کبھی بھی خوشبو نہ لگاؤں؟ آپ نے فرمایا: ٹھہرو اے عثمان! کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے یہ حکم پہنچایا ہے کہ میں کبھی کبھی خوشبو لگایا کروں، اور آپ نے فرمایا: اے عثمان! ان کاموں کو ترک نہ کرنا اور میری سنت سے اعراض نہ کرنا، پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا پھر وہ اس پر توبہ کرنے سے پہلے مرگیا تو قیامت کے دن فرشتے اس کا چہرہ میرے حوض سے دور کردیں گے اور پھر یہ آیت نازل ہوئی: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ''۔

''وَلَا تَعْتَدُوْا'': یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا ہے، اس کو حرام نہ قرار دو۔

''اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ '': یعنی اللہ تعالیٰ کے حلال فرمائے ہوئے کو حرام کرنے والا ایسا ہے جیسے اللہ کے حرام کیے ہوئے کو حلال کرنے والا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ کے دیے ہوئے حلال اور پاکیزہ رزق سے کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھنے والے ہوO'' (المائدہ:۸۸)

''وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا'': پاکیزہ طعام اور مشروب سے کھاؤ اور پیو۔

''وَاتَّقُوا اللّٰهَ'': جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال فرما دیا ہے، ان کو حرام نہ قرار دو۔

''الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ '': یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی تصدیق کرنے والے ہو، تو اللہ تعالیٰ کے حلال کئے ہوئے کو حلال قرار دو اور اس کے حرام کیے ہوئے کو حرام قرار دو۔

حلال چیز کو حرام قرار دینا شرعاً قسم ہے اور اس کے متعلق دیگر مسائل

پھر اللہ تعالیٰ نے مومنین کو یہ حکم دیا کہ اپنی قسموں کا کفارہ ادا کریں، کیونکہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حلال کئے ہوئے کو اپنے اوپر حرام قرار دیا تو یہ ان کی طرف سے قسم ہوگئی۔ اسی وجہ سے ہمارے اصحاب احناف نے کہا ہے کہ جب کسی مرد نے کسی حلال چیز کے لیے یوں کہا کہ یہ چیز مجھ پر حرام ہے تو یہ قسم ہے، پس اللہ تعالیٰ نے اُن کو حکم دیا کہ وہ اس چیز کو کھائیں اور اپنی قسموں کا کفارہ ادا کریں۔ اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جب مرد نے کسی چیز کے نہ کھانے کی قسم کھائی تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ قسم توڑ دے اور اپنی قسم کا کفارہ دے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ کفارہ قسم توڑنے کے بعد ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کھانے کا حکم دے کر قسم توڑنے کا حکم دیا ہے اور پھر اُن کو کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''تمہاری بے مقصد کھائی ہوئی قسموں پر اللہ تمہاری گرفت نہیں فرمائیں گے لیکن تمہاری پختہ کھائی ہوئی قسموں پر اللہ تعالیٰ تمہارا مواخذہ فرمائیں گے، سو ایسی قسموں کا کفارہ دس مسکینوں کو ایسا کھانا کھلانا ہے جس قسم کا درمیانی کھانا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا دس مسکینوں کو کپڑے دینا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، پس جو شخص اِن میں سے کسی چیز کو نہ پائے تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری اُن قسموں کا کفارہ ہے جن قسموں کو تم کھاؤ (اور ان کو توڑ بیٹھو)، اور تم اپنی قسموں کی ٹوٹنے سے حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات کو کھول کھول کر بیان فرماتے ہیں تا کہ تم اللہ کا شکر ادا کروO'' (المائدہ:۸۹)

یمینِ لغو کے متعلق آثار

''لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ '': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ لغو قسم یہ ہے کہ ایک مرد کسی چیز پر اللہ کی قسم کھائے اور اس کا گمان یہ ہو کہ وہ اس قسم میں سچا ہے حالانکہ واقع میں وہ اس قسم میں جھوٹا تھا۔

(تفسیر الطبری ج ۴ ص ۲۰، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۲ھ)

اسی طرح الحسن البصری نے بھی اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ یمینِ لغو وہ ہے کہ تم کسی چیز پر قسم کھاؤ اور تمہارے خیال میں اسی طرح ہو جیسے تم نے قسم کھائی ہے اور واقع میں اس طرح نہ ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ تمہارا مواخذہ نہیں فرمائیں گے اور نہ اس پر کفارہ ہوگا۔

(تفسیر الطبری ج۸ ص ۶۱۸، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)

امام ابوبکر الجصاص المتوفی ۳۷۰ھ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یمینِ لغو کی یہی تعریف ذکر فرمائی ہے۔

(احکام القرآن للجصاص ج۲ ص ۵۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

فقہائے احناف کے نزدیک یمین لغو کی تعریف

شمس الائمہ امام ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہیل السرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

علماء کا یمین اللغو کی صورت میں اختلاف ہے۔ اور یمین اللغو میں گرفت کا نہ ہونا قرآن مجید میں منصوص ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِكُمْ ... (البقرہ: ۲۲۵)'' (اور اللہ تمہاری بلا قصد کھائی ہوئی قسموں پر گرفت نہیں فرمائیں گے)۔

پس ہمارے نزدیک یمین اللغو کی صورت یہ ہے کہ ماضی کی کسی بات پر حلف اٹھایا جائے یا حال کی کسی بات پر حلف اٹھایا جائے اور حلف اٹھانے والا یہ سمجھتا ہو کہ وہ حق پر ہے، پھر واقع میں اس کے خلاف ظاہر ہو، یہ تعریف حضرت زرارۃ بن ابی اوفی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی دو روایتوں میں سے ایک روایت میں منقول ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۹ھ نے یمینِ لغو کی تعریف میں کہا: کسی مرد کا اپنے کلام میں یہ کہنا ہے: ''نہیں خدا کی قسم، ہاں خدا کی قسم'' اور یہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے قول کے قریب ہے، کیونکہ ان کے نزدیک یمینِ لغو وہ ہے جو انسان کی زبان پر بلا قصد جاری ہو جاتی ہے ماضی میں ہو یا مستقبل میں ہو، اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے، انہوں نے کہا: یمین اللغو، یمین الغضب ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمین اللغو کی تفصیل میں فرمایا: یہ مرد کا قول ہے: ''نہیں اللہ کی قسم، یا ہاں خدا کی قسم'' اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے، اور اس کی تاویل ہمارے ہاں یہ ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب ماضی کی کسی بات کی خبر دی ہو، کیونکہ یمین اللغو وہ ہے جو کسی فائدہ سے خالی ہو، اور ماضی کی خبر یمین کے فائدہ سے خالی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، پس وہ لغو ہوگی، لیکن جو خبر مستقبل میں ہو اور اس میں قصد نہ کیا گیا ہو تو اس میں قسم کا فائدہ منتفی نہیں ہوتا، اور شریعت میں یہ وارد ہے کہ مذاق اور سنجیدگی یمین میں دونوں برابر ہیں۔

(المبسوط، جزو ۸ ص ۱۳۶۔۱۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

رہی یمین لغو، تو اس کی تفسیر میں اختلاف ہے، ہمارے اصحابِ احناف نے یہ کہا ہے کہ یہ وہ جھوٹی قسم ہے جو خطأً کھائی جائے یا غلطی سے کھائی جائے اور اس کا تعلق ماضی کے ساتھ ہو یا حال کے ساتھ، اور وہ یہ ہے کہ وہ ماضی یا حال کے واقعہ کی خبر اپنے ظن سے

دے اور اس کا ظن واقع کے خلاف ہو مثلاً وہ کہے: اللہ کی قسم! میں نے زید سے کلام نہیں کیا اور اس کا ظن اور گمان یہی ہو کہ اس نے زید سے کلام نہیں کیا، یا وہ کہے کہ اللہ کی قسم! میں نے زید سے کلام کیا ہے اور اس کا ظن اور گمان یہی ہو کہ اس نے زید سے کلام کیا ہے۔

اور اسی طرح ابن رستم نے امام محمد سے نقل کیا ہے کہ یمین لغو یہ ہے کہ ایک آدمی کسی چیز کی قسم کھائے اور اس کو گمان یہ ہو کہ یہ حق ہے حالانکہ وہ حق نہ ہو۔ (بدائع الصنائع جز ۴ ص ۸-۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بہ ابن الہمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

یمینِ لغو کی تعریف یہ ہے کہ کسی گزشتہ بات پر قسم کھائی جائے اور وہ یہ گمان کرتا ہو جس طرح اس نے کہا ہے اور واقعہ اس کے خلاف ہو، مثلاً وہ کہے: اللہ کی قسم! میں گھر میں داخل ہوا ہوں، اور اللہ کی قسم! میں نے زید سے بات نہیں کی، اور دوسری صورت کی مثال جیسا کہ الخلاصہ میں مذکور ہے کہ ایک مرد نے بادشاہ کے سامنے قسم اٹھائی کہ اس کو فلاں بات کا پتا نہیں ہے، پھر اس کو یاد آیا کہ اس کو پتا ہے تو امید ہے کہ اس پر گرفت نہیں کی جائے گی، پس اس قسم میں ہمیں امید ہے کہ اس قسم کھانے والے پر گرفت نہیں کی جائے گی۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۵۸-۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

یمین کی اقسام

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، لکھتے ہیں:

وہب بن منبہ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا: ''لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ...'' (المائدہ:۸۹) تو انہوں نے کہا: یمین کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم یمینِ لغو ہے اور دوسری قسم یمین منعقدہ ہے اور تیسری قسم یمینِ صبر ہے یعنی سنجیدگی سے جو قسم کھائی جائے۔ رہی یمینِ لغو تو اس کی تعریف یہ ہے کہ کوئی شخص کہے ''نہیں خدا کی قسم'' اور ''ہاں خدا کی قسم'' اور وہ دل سے یہ قسم نہ کھائے۔ اور رہی یمینِ منعقدہ تو وہ یہ ہے کہ ایک مرد قسم کھائے کہ وہ فلاں کام نہیں کرے گا پھر وہ اس کام کو کر لے تو اس پر کفارہ لازم ہے، اور رہی یمین الصبر، وہ یہ ہے کہ وہ کسی مال کو حاصل کرنے کے لیے قسم کھائے تو اس قسم میں کفارہ نہیں ہے، اور ابو مالک الغفاری سے منقول ہے کہ یمین کی تین قسمیں ہیں: ایک وہ قسم ہے جس میں کفارہ لازم آتا ہے اور دوسری وہ قسم ہے جس میں کفارہ لازم نہیں آتا، اور تیسری قسم وہ ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ گرفت نہیں فرمائیں گے۔

قسم کے کفارہ کا بیان

''فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ'': (سو ایسی قسموں کا کفارہ دس مسکینوں کو ایسا کھانا کھلانا ہے جس قسم کا درمیانی کھانا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا دس مسکینوں کو کپڑے دینا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، پس جو شخص ان میں سے کسی چیز کو نہ پائے تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری اُن قسموں کا کفارہ ہے جن قسموں کو تم کھاؤ (اور ان کو توڑ بیٹھو))۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس قسم کے کفارہ میں صبح کا کھانا ہے اور شام کا کھانا ہے، اور شریح سے کفارہ کے

متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: روٹی اور زیتون اور سرکہ اور پسندیدہ کھانے کی چیز، پھر سائل نے کہا: یہ بتایئے کہ اگر میں روٹی اور گوشت کھلا دوں؟ تو انہوں نے کہا: یہ تمہارے گھر والوں کے کھانوں میں سب سے بلند کھانا ہے، اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ دونوں سے مروی ہے، انہوں نے کہا: ہر مسکین کے لیے ایک صاع (چار کلوگرام) گندم۔ پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَوْ كِسْوَتُهُمْ'' مجاہد نے کہا: اس کا کم سے کم ایک کپڑا ہے اور زیادہ سے زیادہ جتنا تم چاہو، اور ابراہیم النخعی نے کہا: ہر مسکین کے لیے ایک کپڑا ہے، اور الحسن البصری نے کہا: دو سفید کپڑے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ'' یعنی وہ ایک غلام کو آزاد کرے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ شرط نہیں لگائی کہ مسلمان غلام کو آزاد کرے، پس کافر اور مومن میں سے کسی غلام کو بھی آزاد کردے تو کفارہ ادا ہو جائے گا اور مرد کو تینوں قسموں کے کفارہ میں اختیار ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ'' یعنی جس شخص کو کفارہ میں نہ طعام میسر ہو نہ کپڑا میسر ہو نہ آزاد کرنے کے لیے غلام میسر ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ تین دن کے روزے رکھے۔ اور سفیان بن عیینہ نے ابن ابی نجیح سے روایت کی ہے کہ طاؤس سے کفارہ کے روزوں کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: الگ الگ تین روزے رکھے، تو اُن سے مجاہد نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کی قراءت کرتے تھے کہ تین دن مسلسل روزے رکھے۔

اور امام مالک نے از حمید از مجاہد روایت کی ہے کہ میرے والد قراءت کرتے تھے ''فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ متتابعات''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ'': یعنی مرد کو چاہیے کہ وہ یہ جان لے کہ اس نے کس چیز کی قسم کھائی ہے اور اس کے حساب سے اس کا کفارہ دے جب قسم توڑ دے۔

''كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ'':

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں قسم کھانے اور قسم توڑنے کے احکام بیان فرما دیئے ہیں، تم ان کے مطابق عمل کرو تا کہ ان نعمتوں کے رب کا شکر ادا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں سے نکلنے کی جگہ کفارہ کے ساتھ بیان فرما دی ہے، اور لغت میں کفارہ کا معنی ہے: کسی چیز کو ڈھانپ لینا، یعنی کفارہ ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ قسم توڑنے والے کے گناہ کو ڈھانپ لیتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بُت اور جوئے کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں سے ہیں، سو تم اُن سے اجتناب کرو تا کہ تم اخروی کامیابی حاصل کرو O'' (المائدہ: ۹۰)

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ'':

یہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، کیونکہ وہ لوگ الخمر (انگور کی شراب) پیتے تھے اور وہ اُن کے لیے حلال تھی، پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور انصار کے ایک مرد کے درمیان باتوں میں اپنے اپنے نسب پر فخر کرنے کا ذکر ہوا، پس وہ دونوں لڑ پڑے، پس حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا سر پھٹ گیا، سو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دعا کی: اے اللہ! ہمیں الخمر کے متعلق اپنی رائے سے مطلع فرمائیں، کیونکہ الخمر مال کو ضائع کرتی ہے اور عقل کو لے جاتی ہے، تب سورۃ البقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی: ''يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۔ (البقرہ: ۲۱۹)'' (اے رسولِ اکرم!) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا (شرعی) حکم معلوم کرتے ہیں)۔ تب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے لیے الخمر میں شافی بیان نازل فرمادیں۔ تبھی یہ آیت نازل ہوئی: ''یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَالۡمَیۡسِرُ وَالۡاَنۡصَابُ وَالۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ''۔ یعنی یہ حرام ہیں اور شیطان نے ان کو خوش نما بنادیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۷۴۳۹، تفسیر الطبری ج ۸ ص ۶۵۹، مسند البزار: ۱۱۴۹)

مصعب بن سعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے انصار کے لوگوں کے ساتھ شراب پی تو میں نے ان میں سے ایک مرد کی ناک پر اونٹ کی ہڈی ماری اور اس کی ناک توڑ دی، پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے یہ واقعہ بیان کیا تو تھوڑی دیر بعد شراب کی تحریم کا حکم نازل ہوگیا۔

دوسری روایت میں مذکور ہے کہ سالم بن عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے خمر کی حرمت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت سعد بن ابی وقاص اور ان کے اصحاب نے شراب پی اور لڑ پڑے، تو انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی ناک توڑ دی، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر الطبری ج ۸ ص ۶۶۰)

''فَاجۡتَنِبُوۡهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ'': سو تم اس سے اجتناب کرو تا کہ تم اخروی فلاح پاؤ، یعنی شراب پینے کو ترک کردو۔ اور اس کا معنی ہے: اُن چیزوں سے اجتناب کرو جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور تم کو اُن میں مشغول ہونے سے منع فرمادیا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''شیطان صرف یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے کے سبب سے عداوت ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے سے روک دے، تو کیا تم ان کاموں سے باز آنے والے ہو؟O'' (المائدہ: ۹۱)

''اِنَّمَا یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّوۡقِعَ بَیۡنَكُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ فِی الۡخَمۡرِ وَالۡمَیۡسِرِ وَیَصُدَّكُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ'':

''ذِكۡرِ اللّٰهِ'' سے مراد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، نیز فرمایا: ''وَعَنِ الصَّلٰوةِ'' کیونکہ مسلمانوں کو حالتِ نشہ میں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا تھا، اور اس لیے بھی کہ جب انسان نشے میں ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور نماز ادا کرنے سے غافل ہوجاتا ہے، اس کے بعد فرمایا:

''فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَهُوۡنَ'' یعنی تم شراب کے پینے سے باز آجاؤ، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے میرے رب! ہم باز آگئے۔ (سنن ترمذی: ۳۰۴۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۱۱۲، مسند احمد: ۳۷۸، سنن ابوداؤد: ۳۶۷۰، سنن نسائی: ۵۵۵۵، مسند البزار: ۳۳۴، المستدرک ج ۲ ص ۲۷۸، ج ۴ ص ۱۸۳، سنن بیہقی ج ۸ ص ۲۸۵، تفسیر الطبری ج ۸ ص ۶۵۸، تفسیر ابن ابی حاتم: ۶۷۶۹،۵۳۵۱،۲۰۴۴)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن یتیموں کے متعلق سوال کیا جو خمر کے وارث ہوگئے تھے تو آپ نے فرمایا: اس شراب کو بہادو، انہوں نے عرض کیا: ہم اس کو سرکہ نہ بنالیں؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں۔
(سنن ابوداؤد: ۳۶۷۰، صحیح مسلم: ۱۹۸۳، ۱۹۸۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے، اور جو مرد مرگیا اور وہ دائماً شراب پیتا تھا تو آخرت میں وہ شراب سے محروم رہے گا۔ (سنن ابوداؤد: ۳۶۷۴، صحیح مسلم: ۲۰۰۲)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم باز آ گئے، ہم باز آ گئے۔ (سنن ترمذی: ۳۰۶۰)

عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کعب الاحبار سے پوچھا: کیا الخمر تورات میں حرام کی گئی تھی؟ انہوں نے کہا: ہاں اور یہ آیت: ''اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ ۔۔۔ (المائدہ: ۹۰)'' بھی تورات میں لکھی ہوئی ہے کہ ہم نے حق کو نازل فرمایا تاکہ ہم اس حق کے سبب سے باطل کو مٹا دیں اور اس آیت کے سبب سے لہو ولعب اور دف اور المز امیر کو چھوڑ دیں۔ اور شراب پینے کے متعلق اللہ عزوجل نے قسم کھا کر فرمایا: جو شراب پیتا رہا وہ قیامت کے دن پیاسا رہے گا اور جس نے شراب پینے کو ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کو پاکیزہ شراب پلائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور نافرمانی کرنے سے بچو، پھر اگر تم نے روگردانی کی تو یاد رکھو کہ ہمارے رسول کی ذمہ داری صرف احکام کو وضاحت سے پہنچانا ہے O'' (المائدہ: ۹۲)

''وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ'': یعنی شراب کو حرام قرار دینے میں تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور فرمایا: ''وَاحْذَرُوْا'' یعنی شراب پینے سے باز رہو۔

''فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ'': یعنی اگر تم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے روگردانی کی تو ''فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ'' یعنی تم یاد رکھو کہ ہمارے رسول پر تو صرف احکام کو وضاحت سے پہنچا دینا ہے، اس آیت میں شراب پینے والوں کو ڈرایا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ایک یہودی حُيَيّ بن اخطب نے کہا: پھر اُن لوگوں کا کیا حال ہوگا جو شراب پیتے تھے اور پھر فوت ہو گئے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو اس سے ڈرایا تو صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حکم دریافت کیا، تب یہ آیت نازل ہوئی:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ایمان والوں نے اور نیکو کاروں نے (ان چیزوں کی حرمت کے نزول سے پہلے) جو کچھ کھا لیا اس پر ان کو کوئی گناہ نہیں ہوگا بہ شرطیکہ وہ اللہ سے ڈرتے رہے اور ایمان پر قائم رہے اور نیکی کے کام کرتے رہے، پھر بھی ڈرتے رہے اور ایمان پر قائم رہے، پھر (مزید) ڈرتے رہے اور نیک کام کرتے رہے، اور اللہ نیک کام کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں O'' (المائدہ: ۹۳)

''لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا'': یعنی جنہوں نے شراب کی تحریم کا حکم نازل ہونے سے پہلے شراب پی اور اُن کو شراب کی تحریم کی خبر نہیں تھی تو اُن پر کوئی حرج نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بعض صحابہ سفر میں تھے تو انہوں نے شراب کی تحریم نازل ہونے کے بعد شراب پی اور اُن کو معلوم نہیں تھا کہ شراب حرام ہو چکی ہے، پھر جب وہ سفر سے واپس آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حکم معلوم کیا، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ''۔

(سنن ترمذی: ۳۰۵۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۱۵۳، صحیح مسلم: ۲۴۵۹، تفسیر طبری ج ۸ ص ۲۶۸، تفسیر ابن ابی حاتم: ۶۷۷۶، الطبرانی:

۱۰۰۱۱۔ المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۱۴۳)

''اِذَا مَا اتَّقَوْا'' جب کہ وہ لوگ شرک سے اجتناب کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قرآن مجید کی تصدیق کرتے تھے اور نیک عمل کرتے تھے، پھر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اجتناب کرتے تھے۔

''وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ'':

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جن مسلمانوں نے شراب کی تحریم نازل ہونے سے پہلے شراب پی تو ان پر کوئی حرج نہیں ہے جب کہ تحریم کے بعد وہ شراب پینے سے اجتناب کرتے تھے۔

شراب پینے کی سزا کا بیان

عطاء بن السائب از عبدالرحمن السلمی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہلِ شام کی ایک جماعت نے شراب پی، اس زمانہ میں اُن پر حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما حاکم تھے اور انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے لیے حلال ہے اور انہوں نے یہ تاویل کی کہ قرآن مجید میں ہے: ''لَیْسَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا'' تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب بھیج کر یہ سوال کیا، پھر جب وہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کو جمع فرمایا اور پوچھا: اب تمہاری کیا رائے ہے؟ تو سب صحابہ نے کہا: ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ پر عمداً جھوٹ باندھا اور دین میں اس کام کو شروع کیا جس کی ان کو اجازت نہیں دی گئی تھی، تو آپ ان کی گردنیں ماردیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ خاموش رہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے علی! آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے توبہ طلب کریں، پس اگر یہ توبہ کرلیں تو ان پر اسی (۸۰) کوڑے ماریں (یعنی اسی مرتبہ لاٹھی سے ماریں یا جوتوں سے ماریں) اور اگر یہ توبہ نہ کریں تو پھر آپ ان کی گردنیں اڑادیں، پھر ان لوگوں سے توبہ طلب کی تو انہوں نے توبہ کرلی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر اسی (۸۰) کوڑے مارے اور ان کو چھوڑ دیا۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۴۵۴۔۴۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُهٗۤ اَیْدِیْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّخَافُهٗ بِالْغَیْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۹۴﴾

اے ایمان والو! اللہ تم کو ضرور ایسے شکاروں سے آزمائیں گے جو تمہارے ہاتھوں اور تمہارے نیزوں کی پہنچ میں ہوں، تاکہ اللہ یہ ظاہر فرمادیں کہ کون بن دیکھے اللہ سے ڈرتا ہے، پھر اس کے بعد جس نے حد سے تجاوز کیا تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے ○

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْیًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِیَامًا لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا

سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

اے ایمان والو! تم حالتِ احرام میں شکار کو قتل نہ کرو اور تم میں سے جس نے حالتِ احرام میں عمداً شکار کو قتل کیا تو اس کا بدلہ مویشیوں میں سے اسی مویشی کی مثل ہے جس کو اس نے قتل کیا ہے، تم میں سے دو منصف یہ فیصلہ کریں کہ کون سا مویشی اس میں قتل کیے ہوئے مویشی کی مثل ہے اور وہ مویشی کعبہ کو پہنچنے والی قربانی ہو، یا مسکینوں کو کھانا کفارہ میں دے یا اس کے برابر روزے رکھے تا کہ حالتِ احرام میں شکار کرنے والا اپنے کیے ہوئے کام کا مزا چکھے، جو کچھ گزر چکا ہے اس کو اللہ نے معاف فرما دیا ہے اور جس نے دوبارہ حالتِ احرام میں شکار کیا تو اللہ اس سے انتقام لیں گے اور اللہ بہت غالب انتقام لینے والے ہیں O

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾

تمہارے لیے سمندری شکار کو اور سمندر کے پھینکے ہوئے طعام (مچھلی) کو حلال فرما دیا گیا ہے، یہ تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے ہے، اور جب تک تم حالتِ احرام میں ہو تم پر خشکی کا شکار کرنا حرام فرما دیا گیا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو جن کے سامنے تم سب کو جمع کیا جائے گا O

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾

اللہ نے کعبہ کو جو حرمت والا گھر ہے لوگوں کے قیام کا سبب بنا دیا ہے، اور حرمت والے مہینہ کو اور قربانی کو اور قربانیوں کے گلے میں بہ طورِ علامت ڈالے ہوئے پٹوں کو حرمت والا قرار دیا ہے، تا کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ آسمانوں میں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے اس کو اور سب چیزوں کو جاننے والے ہیں O

اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ ؕ

یاد رکھو کہ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والے ہیں، اور بے شک اللہ بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾

رسول کے ذمہ صرف احکام کو پہنچا دینا ہے، اور اللہ خوب جانتے ہیں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو O

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي

الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع

آپ کہیے کہ ناپاک اور پاک دونوں برابر نہیں ہیں، خواہ تمہیں ناپاک چیزوں کی کثرت اچھی لگتی ہو، سو تم اللہ سے ڈرتے رہو اے عقل والو! تاکہ تم اخروی فلاح پانے والے ہو جاؤ O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اللہ تم کو ضرور ایسے شکاروں سے آزمائیں گے جو تمہارے ہاتھوں اور تمہارے نیزوں کی پہنچ میں ہوں، تاکہ اللہ یہ ظاہر فرمادیں کہ کون بن دیکھے اللہ سے ڈرتا ہے، پھر اس کے بعد جس نے حد سے تجاوز کیا تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے O'' (المائدہ: ۹۴)

اس سوال کا جواب کہ آزمائش تو وہ کرتا ہے جس کو انجام کا پتا نہ ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو تو ہر چیز کا پتا ہے

علامہ مصطفیٰ الخیری الحصنی المنصوری الحنفی المتوفی ۱۳۹۰ھ، المائدہ: ۹۴ تا ۱۰۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ'': اس آیت میں ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کے ساتھ خطاب فرمایا ہے اور یہ خطاب مومنین کی عزت افزائی کے لیے ہے، اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ عزوجل ضرور تمہیں آزمائیں گے، اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ آزماتا تو وہ شخص ہے جس کو انجام کا پتا نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ تو سمیع و بصیر ہیں، عالم الغیب ہیں، اُن کا آزمانا کس طرح صحیح ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ وہ معاملہ فرمائیں گے جو کسی کے ساتھ اس کو آزمانے والا معاملہ کرتا ہے، اور فرمایا: ''بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ'' یعنی خشکی کے شکار کے ساتھ مسلمانوں کو آزمائیں گے خواہ وہ شکار اس قسم کا ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہے یا اس قسم کا ہو جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا۔

''تَنَالُهٗۤ اَیْدِیْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ'': اور وحشی جانور اُن کی سواریوں کو ڈھانپ لیتے تھے اور وہ اس پر قادر ہوتے تھے کہ اپنے ہاتھوں سے اُن وحشی جانوروں کو پکڑ لیں یا اپنے نیزوں سے اُن کو شکار کر لیں اور وہ حالتِ احرام میں ہوں۔ ''بِشَیْءٍ'' میں تنوین تقلیل کے لیے ہے، اس میں یہ تنبیہ ہے کہ یہ آزمائش بہت بڑے کاموں سے نہیں ہے جس میں قدم پھسل جائیں جیسے اللہ کی راہ میں جان کو خرچ کرنا اور مال کو خرچ کرنا، تو یہ اتنی بڑی آزمائش نہیں ہے۔ تو جو شخص اس معمولی آزمائش پر پورا نہیں اترے گا تو اس سے بڑی آزمائش میں وہ کیسے پورا اترے گا، سو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حالتِ احرام میں خشکی کے شکار کرنے سے منع فرمادیا ہے جس طرح بنی اسرائیل کو سمندری شکار سے منع فرمادیا تھا لیکن اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو محفوظ رکھا اور انہوں نے اس میں سے کسی چیز کو شکار نہیں کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا: جو شکار اُن کے ہاتھوں کی قدرت میں تھے جیسے پرندوں کے بچے اور چھوٹے وحشی جانور اور جو اُن کے نیزوں کی زد میں ہوتے تھے وہ بڑے شکار ہوتے تھے۔

''لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّخَافُهٗ بِالْغَیْبِ'': اللہ تعالیٰ نے حالتِ احرام میں خشکی کے شکار سے اس لیے منع فرمایا تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہر فرمادیں کہ کون بن دیکھے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور خشکی کا شکار نہیں کرتا۔

"فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ": اور جس نے حالتِ احرام میں خشکی کا شکار کر کے اللہ تعالیٰ کی ممانعت سے تجاوز کیا تو اس کو دردناک عذاب ہوگا، کیونکہ جو شخص اتنے آسان کاموں میں اپنے نفس کی لگام کو روکنے پر قادر نہ ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی رعایت نہیں کی تو اس سے سنگین کاموں میں اور بڑے کاموں میں وہ اللہ تعالیٰ کی ممانعت پر کیسے عمل کرے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اے ایمان والو! تم حالتِ احرام میں شکار کو قتل نہ کرو اور تم میں سے جس نے حالتِ احرام میں عمداً شکار کو قتل کیا تو اس کا بدلہ مویشیوں میں سے اسی مویشی کی مثل ہے جس کو اس نے قتل کیا ہے، تم میں سے دو منصف یہ فیصلہ کریں کہ کون سا مویشی اس میں قتل کیے ہوئے مویشی کی مثل ہے اور وہ مویشی کعبہ کو پہنچنے والی قربانی ہو، یا مسکینوں کو کھانا کفارہ میں دے یا اس کے برابر روزے رکھے، تاکہ حالتِ احرام میں شکار کرنے والا اپنے کیے ہوئے کام کا مزا چکھے، جو کچھ گزر چکا ہے اس کو اللہ نے معاف فرما دیا ہے اور جس نے دوبارہ حالتِ احرام میں شکار کیا تو اللہ اس سے انتقام لیں گے اور اللہ بہت غالب انتقام لینے والے ہیں O" (المائدہ: ۹۵)

خشکی کے جانوروں کو شکار کرنے کی جزاء

"يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ": اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم شکار کو حالتِ احرام میں قتل نہ کرو اور اس آیت میں قتل کا لفظ ذکر فرمایا ہے ذبح کا لفظ نہیں فرمایا، اور اس میں یہ خبر دی ہے کہ شکار کو خواہ ذبح کر لیا جائے وہ مُردار کے حکم میں ہے، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور امام مالک کا یہی مذہب ہے اور یہی امام شافعی کا قولِ جدید ہے اور اُن کا قولِ قدیم یہ ہے کہ اگر اس کو ذبح کر لیا جائے تو وہ مردار کے حکم میں نہیں ہوگا اور دوسروں کے لیے اس کا کھانا جائز ہے اور مُحرِم کے لیے حرام ہے۔

"وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا": یعنی جس شخص کو یہ یاد ہو کہ وہ حالتِ احرام میں ہے اور اس کو یہ معلوم ہو کہ حالتِ احرام میں شکار کو قتل کرنا ممنوع ہے، پھر بھی اگر وہ شکار کو قتل کردے "فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ" تو اس کی جزا یہ ہے کہ جس جانور کو اس نے قتل کیا ہے اس کی مثل کسی جانور کی قیمت کا صدقہ کرے، اور مثل کا اعتبار قیمت سے ہوگا، جہاں اس نے شکار کیا ہے وہاں پر اس جانور کی قیمت معلوم کی جائے گی، اگر اس کی قیمت قربانی کے جانور کی قیمت کو پہنچ جائے تو شکار کرنے والے کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ اس قیمت سے کوئی جانور خرید لے اور اس کو حرم میں قربان کرنے کے لیے بھیج دے، اور یا اس قیمت سے وہ طعام خریدے اور ہر مسکین کو نصف صاع گندم (یعنی دو کلو گرام گندم) صدقہ دے، اور اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ ہر مسکین کو ایک دن کھانا کھلانے کے بدلہ میں ایک دن کا روزہ رکھے۔

وحشی جانور کی مثلِ معنوی پر دلیل

"مِنَ النَّعَمِ": اس میں بیان ہے کہ وہ اس کی قیمت کے برابر کوئی جانور خرید کر قربانی کے لیے بھیج دے، اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک مثل میں اس کی خلقت کا اعتبار ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید نے مثل کو واجب فرمایا ہے اور مثل کا اطلاق اس پر کیا جاتا ہے جو صورتاً اور معناً برابر ہو، اور یہ معنی یہاں پر بالاجماع مراد نہیں ہے، پھر یہی کہا جائے گا کہ مثل سے مرادِ مثلِ معنوی

ہے یعنی قیمت، اور اس پر مزید دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ'': یعنی دو مسلمان عادل اس کے مثل ہونے کا فیصلہ کریں، کیونکہ قیمت ڈالنے میں غور و فکر اور اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ صورتاً مماثلت میں اس کی ضرورت ہوتی ہے، اور ''ذَوَا عَدْلٍ'' سے مراد تعدد ہے اور اس سے مراد کم سے کم دو مرد ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے الضبع (بجّو) کو شکار کرنے میں ایک مینڈھے کے صدقہ کا فیصلہ کیا اور خرگوش کے شکار میں بکری کے بچہ کا فیصلہ کیا اور جنگلی چوہے کے شکار میں بکری کے بڑے بچہ کا فیصلہ کیا۔ (شرح السنہ:۱۹۸۶، الموطاج ا ص ۴۱۴)

روایت ہے کہ ایک اعرابی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، پس اس نے کہا: میں نے فلاں شکار کو شکار کرلیا ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، تو اعرابی نے کہا: میں آپ کے پاس سوال کرنے کے لیے آیا تھا اور آپ کسی دوسرے سے سوال کر رہے ہیں، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ'' تو میں نے اپنے ساتھی سے مشورہ کیا، پس جب ہم کسی ایک بات پر متفق ہو جائیں گے تو پھر ہم تم کو اس کا حکم دیں گے۔

''هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ'': اس کا معنی یہ ہے کہ وہ جانور کعبہ تک پہنچ جائے پھر اس کو حرم میں ذبح کیا جائے۔

''اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا'': یعنی اس کی جزا یہ ہے کہ جو جانور قتل کیا گیا ہے اس کے مماثل کوئی جانور کعبہ میں پہنچا کر اس کو ذبح کیا جائے، یا اُس کی قیمت کا طعام خرید کر مساکین کو دیا جائے، یا اتنے روزے رکھے جائیں ''لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ'' تاکہ وہ اس جرم کی سزا پائے جو اس نے حالتِ احرام میں شکار کر کے حَرم کی حُرمت کو پامال کیا۔

''عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ'': یعنی تحریم کا حکم نازل ہونے سے پہلے جس نے حالتِ احرام میں جانور کو ذبح کر دیا تو اس کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے۔ ''وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ'': یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کے منع فرمانے کے باوجود حالتِ احرام میں کسی شکار کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس سے انتقام لیں گے، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حرام کیے ہوئے کی حرمت کو پامال کیا۔ اور جس نے بار بار یہ جرم کیا تو اس کو بار بار کفارہ دینا ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس کو تعزیر اً مارا جائے گا۔

''وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝'': یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتا ہے اور اس پر اصرار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لیں گے، اور اللہ تعالیٰ غالب انتقام لینے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''تمہارے لیے سمندری شکار کو اور سمندر کے پھینکے ہوئے طعام (مچھلی) کو حلال فرما دیا گیا ہے، یہ تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے ہے، اور جب تک تم حالتِ احرام میں ہو تم پر خشکی کا شکار کرنا حرام فرما دیا گیا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو جن کے سامنے تم سب کو جمع کیا جائے گا O'' (المائدہ:۹۶)

سمندری شکار کا بیان

''اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ'':

''صَيْدُ الْبَحْرِ'': سے مراد وہ شکار ہے جو پانی میں رہتا ہے خواہ وہ سمندر میں ہو یا دریا میں ہو، اور وہ ایسا شکار ہے جو پانی میں

زندہ رہتا ہے، عام ازیں کہ اس کو کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو۔ ''وَ طَعَامُهٗ'': اس کا معنی ہے کہ تمہارے لیے تمام اُن جانوروں کا شکار کرنا حلال فرمادیا گیا ہے جو پانی میں رہتے ہیں اور ان سے نفع حاصل کرنا بھی جائز قرار دیا گیا ہے، اور اس سے مراد مچھلی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جس کو سمندر نے مُردہ حالت میں پھینک دیا ہو، یہ تمہارے نفع کے لیے حکم مشروع فرمایا ہے، اور تمہارے مسافروں کے لیے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یارسول اللہ! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس پانی کم مقدار میں ہوتا ہے، اگر ہم اس پانی سے وضو کرلیں تو پیاسے رہیں گے، تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کرلیا کریں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مُردار (یعنی مچھلی) حلال ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۸۳، سنن ترمذی: ۶۹، سنن نسائی ج ۱ ص ۵۰، سنن ابن ماجہ: ۳۸۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۳۱، التاریخ الکبیر للبخاری: ج ۳ ص ۴۷۸، ابن الجارود: ۴۳، صحیح ابن خزیمہ: ۱۱۱، صحیح ابن حبان: ۱۲۴۳، المستدرک ج ۱ ص ۱۴۰)

غیرمُحرِم کے کیے ہوئے شکار کو مُحرِم کے لیے کھانے کے جواز میں اختلافِ ائمہ

''وَحُرِّمَ عَلَیْكُمْ صَیْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا'': اور تمہارے اوپر خشکی کے شکار کو حرام فرمادیا ہے۔ اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ غیرمُحرِم نے جو شکار کیا ہے تو وہ بھی مُحرِم پر حرام ہے خواہ مُحرِم کا اس میں دخل ہو یا نہ ہو، اور یہ حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور سَلَف صالحین کی ایک جماعت کا قول ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیر نے کہا کہ غیرمُحرِم نے جو شکار کیا ہے وہ مُحرِم کے لیے حلال ہے جب کہ اس نے شکار کی طرف اشارہ نہ کیا ہو اور نہ شکار کی طرف رہنمائی کی ہو، اور یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کیونکہ اس آیت میں احرام باندھنے والوں سے خطاب ہے دوسروں سے نہیں ہے، اور امام ابوحنیفہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

امام ابوحنیفہ کے موقف پر دلیل

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقامِ القاحہ میں تھے جو مدینہ سے تین منزل کے فاصلہ پر ہے اور ہم میں سے بعض صحابہ مُحرِم تھے اور بعض صحابہ غیرمُحرِم تھے، پھر میں نے دیکھا کہ میرے اصحاب ایک دوسرے کو کوئی چیز دکھا رہے ہیں، پھر میں نے غور کیا تو وہ ایک جنگلی گدھا تھا (پھر میں گھوڑے پر سوار ہوا اور میں نے نیزہ اور چابک ساتھ لیا)، میرا چابک گر گیا، پس میرے اصحاب نے کہا: ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کریں گے کیونکہ ہم مُحرِم ہیں، میں نے خود وہ چابک اٹھالیا، پھر میں نے ٹیلے کے پیچھے سے اس جنگلی گدھے پر حملہ کیا اور اس کو زخمی کر کے اپنے اصحاب کے پاس لے آیا، پھر ان میں سے بعض نے کہا: اس کو کھاؤ اور بعض نے کہا: نہ کھاؤ، پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ ہم سے آگے تشریف لے جاچکے تھے، میں نے آپ سے اس کو کھانے کے متعلق استفسار کیا تو آپ نے فرمایا: اس کو کھالو، وہ حلال ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۲۳، صحیح مسلم: ۱۱۹۶، سنن ابوداؤد: ۱۸۵۲، سنن ترمذی: ۸۴۷، سنن نسائی: ۲۸۱۵)

نیز ایک اور حدیث میں ہے کہ ہم اس شکار کے بچے ہوئے گوشت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے، آپ نے پوچھا: کیا

تم میں سے کسی نے اُس پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا یا اُس کی طرف اشارہ کیا تھا، تو انہوں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: پھر اس کا باقی ماندہ گوشت بھی کھالو۔ (صحیح البخاری: ۱۸۲۴)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے شکار کا گوشت اس وقت تک حلال ہے جب تک کہ تم نے نہ خود شکار کیا ہو نہ تمہارے لیے شکار کیا گیا ہو۔ (سنن ابوداؤد: ۱۸۵۱، سنن ترمذی: ۸۴۶، سنن نسائی: ج ۵ ص ۱۸۷، صحیح ابن حبان: ۳۹۷۱، سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۹۰، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۴۵۲، سنن بیہقی ج ۵ ص ۱۹۰)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ نے کعبہ کو جو حرمت والا گھر ہے لوگوں کے قیام کا سبب بنا دیا ہے، اور حرمت والے مہینہ کو اور قربانی کو اور قربانیوں کے گلے میں بہ طورِ علامت ڈالے ہوئے پٹوں کو حرمت والا قرار دیا ہے، تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ آسمانوں میں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے اس کو اور سب چیزوں کو جاننے والے ہیں O'' (المائدہ: ۹۷)

''جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ '': اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو ''الْبَيْتَ الْحَرَامَ '' کا نام دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے الکعبہ میں قتل وغارت گری کو حرام قرار دیا، اور اس کی تعظیم فرمائی اور اس کو بزرگی عطاء فرمائی، اور اللہ تعالیٰ نے حَرم میں شکار کرنے کو حرام قرار دیا اور کعبہ کے درختوں کے کاٹنے کو حرام قرار دیا اور اس آیت میں ''الْبَيْتَ الْحَرَامَ '' سے مراد تمام حَرم ہے، کیونکہ الکعبہ جس طرح وحشی جانوروں کے امن کا سبب ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے الکعبہ کو تمام نیکیوں کے حصول کا سبب قرار دیا۔

''قِيٰمًا لِّلنَّاسِ '': الکعبہ کو اللہ تعالیٰ نے خوفزدہ جانوروں اور انسانوں کی پناہ قرار دیا، اور اس میں کمزور محفوظ ہو جاتے ہیں اور تاجر یہاں آکر نفع حاصل کرتے ہیں اور حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے کعبہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

''الْهَدْيَ '' اور ''الْقَلَآئِدَ '' کے معنی

''وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ '': اور وہ مہینہ جس میں حج کیا جاتا ہے۔ ''وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ '': ''الْقَلَآئِدَ '' سے مراد وہ اونٹ ہیں جن کے گلوں میں کوئی ہار بنا کر ڈال دیا جاتا ہے تاکہ وہ اس بات کی علامت ہوں کہ یہ قربانی کے جانور ہیں۔

''ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ '': اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو مشروع فرمایا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو جانتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں، کیونکہ یہ شعائر اس لیے ہیں تاکہ دینی اور دنیاوی ضرر کی چیزوں کو دور کیا جا سکے۔

''وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ '': یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کی مصلحتوں سے متعلق تمام امور کو جاننے والے ہیں۔ اور یہ کہ کس چیز میں بندوں کی خیر ہے اور سعادت ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یاد رکھو کہ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والے ہیں، اور بے شک اللہ بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O'' (المائدہ: ۹۸)

''اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ'': اس آیت میں اُن لوگوں کے متعلق وعید ہے جو اللہ تعالیٰ کی حرام فرمائی ہوئی حدود کو پامال کریں اور اُن پر اصرار کریں۔

''وَ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ'': اور اللہ تعالیٰ بہت مغفرت فرمانے والے اور بہت رحم فرمانے والے ہیں، اس میں ان لوگوں کے لیے بشارت ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی حدود کی رعایت کریں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''رسول کے ذمہ صرف احکام کو پہنچا دینا ہے اور اللہ خوب جانتے ہیں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو O'' (المائدہ:۹۹)

''مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ'': یعنی رسول کے ذمہ صرف رسالت کا پیغام پہنچانا ہے اور رسول نے اس پیغام کو پہنچا دیا اب اس کے بعد تمہارے لیے کون سا عذر باقی ہے؟

''وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ'': یعنی تمہارے احوال اور تمہارے اعمال سے کوئی چیز اللہ عزوجل پر مخفی نہیں ہے، سو اللہ تعالیٰ تمہارے احوال اور تمہارے اعمال پر مواخذہ فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے کہ ناپاک اور پاک دونوں برابر نہیں ہیں، خواہ تمہیں ناپاک چیزوں کی کثرت اچھی لگتی ہو، سو تم اللہ سے ڈرتے رہو اے عقل والو! تاکہ تم اخروی فلاح پانے والے ہو جاؤ O'' (المائدہ:۱۰۰)

''قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَ الطَّیِّبُ'': ''اَلْخَبِیْثُ'' سے مراد ہے ردّی اور ''اَلطَّیِّبُ'' سے مراد ہے جیّد، یعنی ان دونوں قسموں میں مساوات نہیں ہے، نہ اشخاص میں، نہ اعمال میں، نہ اموال میں۔ اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ ہر جیّد چیز میں رغبت کی جائے اور ہر ردّی چیز سے اجتناب کیا جائے۔

''وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِیْثِ'': یعنی اے دیکھنے والے! اگرچہ تم کو ردّی چیزوں کی کثرت بھلی معلوم ہوتی ہو، کیونکہ جو چیز محمود ہے وہ اگرچہ کم ہو وہ مذموم چیز سے بہتر ہے اگرچہ وہ زیادہ ہو۔ اور یہ مثال اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے تاکہ مومن اور کافر کے درمیان تمیز ہو اور نیکوکار اور فاجر کے درمیان فرق ہو، اور حلال اور حرام کے درمیان فصل ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''فَاتَّقُوا اللّٰهَ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ'': یعنی اے عقل والو! تم اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو اور جن چیزوں سے اس نے منع فرمایا ہے، اُن سے اجتناب کرو۔ ''لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ'': یہ امید کرتے ہوئے کہ تم عظیم ثواب کو کامیابی کے ساتھ حاصل کرو گے اور دائمی نعمتوں کو حاصل کرو گے۔ (المقتطف من عیون التفاسیر ج ۲ ص ۷۴۔۷۸، دار القلم، دمشق، ۱۴۱۶ھ)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ (۱۰۱)

اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو جو اگر تمہارے لیے ظاہر فرمادی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں گی، اور اگر تم اس وقت سوال کرو گے جب قرآن مجید نازل ہو رہا ہو تو وہ تم پر منکشف فرمادی جائیں گی، اللہ نے تمہارے ان سوالوں سے درگزر

فرمایا، اور اللہ بہت بخشنے والے، بے حد بُردبار ہیں O

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

تم سے پہلے بعض لوگوں نے ایسی چیزوں کے متعلق سوال کیا، پھر وہ ان چیزوں کا انکار کرنے والے ہو گئے O

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اللہ نے جانوروں میں کوئی بحیرہ مقرر نہیں فرمایا، اور نہ سائبہ، اور نہ وصیلہ، اور نہ حام، اور لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ پر جھوٹ بول کر بہتان تراشتے ہیں، اور اُن میں سے اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے O

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے: اس چیز کی طرف آؤ جس کو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور رسول کی طرف آؤ تو وہ کہتے ہیں: ہمیں وہ چیز کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے خواہ اُن کے باپ دادا نہ کچھ علم رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں O

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو، جب تم ہدایت پر قائم ہو گئے تو کوئی گمراہ تمہیں ضرر نہیں پہنچا سکے گا، تم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، پھر وہ تمہیں تمہارے کاموں کی خبر دیں گے O

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو وصیت کے وقت اس طرح گواہی دی جائے کہ تم میں سے دو نیک مرد یا دوسرے مذہب کے دو شخص گواہی دیں اگر تم زمین میں سفر کر رہے ہو پھر تم میں سے کسی کو موت آ جائے تو اُن دونوں گواہوں کو نماز کے بعد

روک لو، اگر تمہیں اُن پر شک ہو تو وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم اس قسم کے عوض کوئی معاوضہ نہیں لیں گے خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں اور وہ قسم کھا کر کہیں کہ ہم اللہ کی گواہی کو نہیں چھپائیں گے اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم گنہگاروں میں سے ہوں گے O

فَاِنۡ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسۡتَحَقَّاۤ اِثۡمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوۡمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيۡنَ اسۡتَحَقَّ عَلَيۡهِمُ الۡاَوۡلَيٰنِ فَيُقۡسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنۡ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعۡتَدَيۡنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾

پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں گواہ کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہوں تو دوسرے دو گواہ اُن کی جگہ قائم کیے جائیں، وہ اُن لوگوں میں سے ہوں جن کا حق پہلے گواہوں نے ضائع کیا، پھر وہ دونوں اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ درست ہے، اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا، اگر ہم نے ایسا کیا ہو تو اس وقت ہم ظالموں میں سے ہوں گے O

ذٰلِكَ اَدۡنٰۤى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجۡهِهَاۤ اَوۡ يَخَافُوۡۤا اَنۡ تُرَدَّ اَيۡمَانٌۢ بَعۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسۡمَعُوۡا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾

یہ طریقہ اس کے زیادہ قریب ہے کہ گواہی دینے والے اس طرح گواہی دیں جس طرح گواہی دینے کا حق ہے یا وہ اس سے ڈریں کہ اُن کی قسمیں (ورثاء میت کی طرف) لوٹا دی جائیں گی، اور تم اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کا حکم سنو، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں عطا فرماتے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو جو اگر تمہارے لیے ظاہر فرما دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں گی، اور اگر تم اس وقت سوال کرو گے جب قرآن مجید نازل ہو رہا ہو تو وہ تم پر منکشف فرما دی جائیں گی، اللہ نے تمہارے ان سوالوں سے درگزر فرمایا، اور اللہ بہت بخشنے والے، بے حد بُردبار ہیں O'' (المائدہ:۱۰۱)

آیاتِ مذکورہ کا گزشتہ آیات سے ارتباط

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ المائدہ:۱۰۱ تا ۱۰۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَسۡـَٔلُوۡا عَنۡ اَشۡيَآءَ اِنۡ تُبۡدَ لَكُمۡ تَسُؤۡكُمۡ'': اس آیت کا گزشتہ آیات کے ساتھ تین وجوہ سے ارتباط ہے:

(۱) اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا کہ رسول کے ذمہ صرف احکام کو پہنچا دینا ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ رسول نے تم کو جو احکام پہنچائے ہیں ان پر عمل کرو اور اُن کی اطاعت کرو۔ اور جو احکام رسول نے تم کو نہیں پہنچائے ان کے متعلق سوال نہ

کرو اور نہ اُن کے متعلق غور و خوض کرو، کیونکہ اگر تم نے اُن چیزوں میں غور و خوض کیا جن کا تم کو مکلف نہیں کیا ہے تو بعض اوقات اس سبب سے تم پر ایسے احکام وارد ہوں گے جو تم پر دشوار اور ثقیل ہوں گے۔

(۲) جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ رسول کے ذمہ صرف احکام پہنچا دینا ہے تو اس میں آپ کی رسالت کا دعویٰ تھا، پھر کفار آپ سے بہ طور سرکشی دیگر معجزات کے ظہور کا مطالبہ کرتے تھے جیسے قرآن مجید میں فرمایا ہے، کفار نے کہا:

وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾

(بنی اسرائیل: ۹۰ ـ ۹۳)

اور انہوں نے کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دیں O یا آپ کے لیے کوئی کھجوروں کا باغ ہو اور انگوروں کا، پھر آپ اس کے درمیان بہتے ہوئے دریا جاری کر دیں O یا جیسا کہ آپ نے کہا ہے، آپ ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں، یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے بے حجاب لے آئیں O یا آپ کا سونے کا کوئی گھر ہو اور آپ آسمان پر چڑھ جائیں تو ہم (آپ کے آسمان پر چڑھنے پر) بھی ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہم پر ایسی کتاب نازل کریں جس کو ہم خود پڑھیں، آپ کہیے: میرا رب پاک ہے، میں تو صرف بشر اور اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں O

اور اس کا معنی یہ ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور مجھے احکامِ شرعیہ پہنچانے کا حکم فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے میرے دعویٰ رسالت پر بہ کثرت معجزات نازل فرمائے ہیں، اب اُن معجزات کے ہوتے ہوئے دیگر معجزات کو طلب کرنا محض عناد اور سرکشی ہے، اور ان معجزات کو پیش کرنا میری طاقت میں نہیں ہے، اور ہوسکتا ہے کہ اُن معجزات کا اظہار تمہارے لیے رنج اور مشقت کا باعث ہو، کیونکہ ان مطلوبہ اور فرمائشی معجزات کے آنے کے بعد جس نے میرے دعویٰ رسالت کی مخالفت کی تو اس پر دنیا میں شدید عذاب نازل ہوگا۔ پھر مسلمانوں نے جب کفار کا یہ مطالبہ سنا تو اُن کے دلوں میں بھی ان معجزات کے ظہور کا میلان پیدا ہوا، پھر اس آیت سے اُن کو معلوم ہوگیا کہ اُن کے لیے مزید معجزات کا مطالبہ کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ بسا اوقات ان معجزات کا اظہار اُن کے لیے رنج اور تکلیف کا سبب ہوگا۔

(۳) یہ آیت اس آیت سے متصل ہے جس میں فرمایا ہے: ''وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ ـــ (المائدہ:۹۹)'' (اور اللہ خوب جانتے ہیں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو O)۔ یعنی تم تمام معاملات کو ان کے ظاہر پر چھوڑ دو اور جو احوال پوشیدہ ہیں ان کے متعلق سوال نہ کرو، کیونکہ اگر وہ پوشیدہ احوال تم پر ظاہر فرما دیئے گئے تو تم کو قلق ہوگا۔

''اَشْيَآءَ'': (۱) ابن الخطیب نے کہا: یہ لفظ غیر منصرف ہے، کیونکہ اس کا وزن اصل میں فعلاء ہے جیسے حمراء ہے، اور وہ غیر منصرف ہے۔ (۲) الکسائی نے کہا کہ یہ افعال کے وزن پر ''شَيْءٌ'' کی جمع ہے۔

آیتِ مذکورہ کے نزول کا سبب

قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوالات کیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غضب ناک ہو کر منبر پر چڑھ گئے اور آپ نے فرمایا: تم آج مجھ سے جس چیز کے متعلق بھی سوال کرو گے میں اس کو بیان کروں گا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں دائیں اور بائیں طرف دیکھتا رہا تو ہر مرد اپنے سر کو اپنے کپڑے میں لپیٹے ہوئے رو رہا تھا، اور ایک مرد دوسرے مردوں سے ملتا تو اسے اس کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کر کے پکارا جاتا، پس اس نے پوچھا: یارسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارا باپ حذافہ ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں اور اسلام کو دین مان کر راضی ہیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول مان کر راضی ہیں اور ہم فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے خیر اور شر کو آج کی مثل کبھی نہیں دیکھا، مجھے جنت اور دوزخ کی تصویریں دکھائی گئیں حتیٰ کہ میں نے اس دیوار کے پیچھے جنت اور دوزخ کو دیکھا۔ (صحیح البخاری:۷۰۸۹، ۹۲، صحیح مسلم:۲۳۵۹، مسند احمد:۱۱۶۳۳، تفسیر طبری ج۹ ص۱۴، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے متعلق فرمایا کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استہزاءً سوالات کرتے تھے، کوئی مرد پوچھتا: میرا باپ کون ہے؟ اور کوئی مرد پوچھتا: میری اونٹنی گم ہوگئی ہے بتائیں میری اونٹنی کہاں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔

(صحیح البخاری:۴۶۲۲، صحیح مسلم:۲۳۵۹، سنن ترمذی:۳۰۵۶، مسند احمد:۱۱۶۳۳، تفسیر طبری ج۹ ص۱۴، تفسیر ابن ابی حاتم:۶۸۷۷، الطبرانی:۱۲۶۹۵)

علی بن عبد الاعلیٰ بیان کرتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی: ''وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا۔۔ (آل عمران:۹۷)'' (اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ وہ اس کے گھر کا حج (قصد) کریں جو اس گھر کے راستہ (پر جانے) کی طاقت رکھتے ہوں)، تو لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! کیا ہم پر ہر سال حج کرنا فرض ہے؟ پس آپ خاموش رہے، پھر انہوں نے کہا: کیا ہم پر ہر سال حج فرض ہے، پھر آپ خاموش رہے، انہوں نے پھر پوچھا: تو آپ نے فرمایا: نہیں! اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج فرض ہو جاتا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــٴَـلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ۔۔۔ (المائدہ:۱۰۱)''۔

(مسند احمد:۹۰۵، سنن ترمذی:۸۱۴، ۳۰۵۵، سنن ابن ماجہ:۲۸۸۴، مسند البزار:۹۱۳، تفسیر الطبری ج۹ ص۱۸، تفسیر ابن ابی حاتم:۶۸۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا، پس آپ نے فرمایا: اے لوگو! اللہ نے تمہارے اوپر حج فرض کر دیا ہے، پس محصن الاسدی کھڑے ہوئے اور انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا ہر سال میں حج فرض فرما دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: سنو! اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج فرض ہو جاتا، اور اگر ہر سال حج فرض ہو جاتا تو پھر تم حج کو چھوڑ دیتے تو تم گمراہ ہو جاتے، جس بات کو میں نہ بتاؤں تو تم میری بات سن کر خاموش رہا کرو، کیونکہ تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہو گئے کہ وہ اپنے انبیاء سے زیادہ سوالات کرتے تھے اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرتے تھے، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــٴَـلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ۔۔۔ (المائدہ:۱۰۱)''۔

(مسند احمد:۱۰۶۰۷، صحیح مسلم:۱۳۳۷، سنن نسائی:۲۶۱۸، سنن دار قطنی ج۲ ص۲۸۱، صحیح ابن حبان:۳۷۰۴، ۳۷۰۵)

''وَ اِنْ تَسْــٴَـلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ'': اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم پر کوئی چیز فرض فرمائی جائے یا کسی کام سے منع

فرمایا جائے تو تم اس کے متعلق صبر کرو حتیٰ کہ قرآن مجید خود بیان فرمادے۔

''عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ○ '': ایک قسم یہ ہے کہ جس چیز کا کتاب میں اور سنت میں ذکر نہ ہو، اس کے متعلق سوال کرنے سے اس آیت میں منع فرمادیا گیا ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ جس چیز کے متعلق قرآن مجید میں کوئی حکم نازل ہوا لیکن سننے والے نے اس کو صحیح طریقہ سے نہیں سمجھا تو اس وقت اس پر واجب ہے کہ وہ اس کے متعلق سوال کرے حتیٰ کہ اس پر اس آیت کا معنی واضح ہو جائے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ آیت درج ذیل آیت کے معارض ہے:

''فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ ... (الانبیاء: ۷)''(سو علم والوں سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے ○)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے اور اس کا وجوب ثابت ہو چکا ہے اور اس کی کیفیت بندوں پر منکشف نہیں ہوئی تو اس کے متعلق اہلِ علم سے سوال کرنا جائز ہے، اور جس سوال سے منع فرمایا ہے، وہ یہ ہے کہ جس کام کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے کرنے کا قصد نہیں فرمایا اور نہ اپنی کتاب میں اس کا ذکر فرمایا ہے، اس کے متعلق سوال کرنا منع ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''تم سے پہلے بعض لوگوں نے ایسی چیزوں کے متعلق سوال کیا، پھر وہ ان چیزوں کا انکار کرنے والے ہو گئے ○'' (المائدہ: ۱۰۲)

''قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ○ '': مفسرین نے کہا: یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اُن سے اونٹنی کے متعلق سوال کیا، پھر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے سوال کیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دکھائیں تو یہ اُن کے اوپر عذاب کا باعث ہو گیا۔ پس ایک قوم نے اپنے نبی علیہ السلام سے سوال کیے، پھر کفر کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں کو اُن کے سوال کے مطابق دیا گیا، پھر بھی وہ ایمان نہیں لائے تو اُن پر عذاب آیا، لہٰذا تم بھی سوالات نہ کرو، ہو سکتا ہے کہ تمہارے سوالات کے مطابق تمہیں دیا جائے اور پھر تم اس پر عمل نہ کرو تو وہ تمہارے لیے عذاب کے نزول کا سبب ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ نے جانوروں میں کوئی بحیرہ مقرر نہیں فرمایا، اور نہ سائبہ، اور نہ وصیلہ، اور نہ حام، اور لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ پر جھوٹ بول کر بہتان تراشتے ہیں، اور اُن میں سے اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ○'' (المائدہ: ۱۰۳)

''مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ '': جب کہ لوگوں کو اس سے منع فرمایا کہ جن کاموں کا تمہارے ساتھ تعلق نہ ہو، ان میں بحث نہ کرو کیونکہ کفار نے اپنے اوپر ان حیوانات سے نفع اٹھانے کو حرام کر لیا تھا، اگرچہ ان کو ان سے نفع اٹھانے کی شدید ضرورت ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ تمہارا ان جانوروں سے نفع اٹھانے کو حرام قرار دینا باطل ہے۔

علمائے لغت کے نزدیک ''اَلْبَحِيْرَة، اَلسَّآئِبَة، اَلْوَصِيْلَة اور ''اَلْحَام'' کے معانی

''بَحِيْرَة'' اس اونٹنی کو کہتے ہیں کہ جس کا کان چیرا ہوا ہوتا ہے۔ امام ابوعبید نے کہا ہے: یہ وہ اونٹنی ہے جو پانچ بچے جنتی ہے اور آخری بچہ نر ہوتا ہے تو اس کا کان چیر دیا جاتا ہے اور اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے، نہ کوئی اس پر سوار ہوتا تھا اور نہ کوئی اس کا دودھ دوہتا تھا

اور نہ اس کو کسی چراگاہ سے بھگایا جاتا تھا اور نہ اس کو پانی سے دور کیا جاتا تھا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر ہے۔ اور دوسروں نے کہا کہ جب اونٹنی کے پانچ بچے ہو جاتے تو پانچویں بچہ میں غور و فکر کیا جاتا، اگر وہ نَر ہوتا تو اس کو ذبح کر کے کھا لیتے تھے، اور اگر وہ مادہ ہوتی تو اس کا کان چیر دیتے اور اس کو چھوڑ دیتے، وہ زمین پر چَرتی اور پھرتی، نہ اس پر کوئی سوار ہوتا اور نہ اس کا دودھ دوہا جاتا، اور یہی ''اَلْبَحِيْرَة'' ہے۔

''السَّائِبَة''

ایک قول یہ ہے کہ جب کوئی مرد کسی سفر سے واپس آتا یا کسی نعمت کا شکر ادا کرتا تو ایک اونٹ کو چھوڑ دیتا اور اس پر سواری نہ کی جاتی اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا جو ''اَلْبَحِيْرَة'' کے ساتھ کیا جاتا، اور یہی امام ابوعبید کا قول ہے۔ اور دوسرا قول ہے کہ ''سَآئِبَةٍ'' اس اونٹنی کو کہتے ہیں کہ جو دس اونٹنیاں جنتی۔

''الْوَصِيْلَة''

الفراء نے کہا: یہ وہ بکری ہے جو سات بچے جنتی اور جب اس کے آخر میں ایک نَر ہوتا تو وہ کہتے تھے کہ یہ اپنے بھائی کے ساتھ مل گئی اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کرتے جو ''سَآئِبَةٍ'' کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور الزجاج نے کہا: یہ وہ بکری ہے کہ جب وہ کوئی نَر بچہ جنتی تو وہ ان کے معبودوں کے لیے ہوتا اور جب وہ کوئی مادّہ جنتی تو وہ ان کے لیے ہوتا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ بکری ہے جو سات بچے جنتی ہے اور جب ساتواں بچہ مادّہ ہوتا تو عورتیں اس سے فائدہ نہیں اٹھاتی تھیں حتیٰ کہ وہ مر جاتی، پھر اس کو مرد بھی کھاتے اور عورتیں بھی کھاتیں۔ اور ابن قتیبہ نے کہا: اگر ساتواں بچہ نَر ہوتا تو اس کو ذبح کر لیا جاتا اور صرف مرد اس کو کھاتے عورتیں نہ کھاتیں، وہ کہتے تھے ''وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا۔ (الانعام: ۱۳۹)'' (جو بچہ ان مویشیوں کے پیٹ میں ہے وہ ہمارے مردوں کے ساتھ مخصوص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے)۔

''اَلْحَامِ''

ابن عطیہ نے کہا کہ یہ وہ نَر اونٹ ہے جس کی پُشت سے دس بچے پیدا ہوتے ہیں، پھر وہ کہتے تھے کہ اب اس کی پُشت سے مزید بچوں کی پیدائش منع ہو گئی ہے، پھر وہ اس کو اسی طرح چھوڑ دیتے جس طرح ''سَآئِبَةٍ'' کو چھوڑ دیا جاتا، اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے، اور اسی کی طرف امام ابوعبید کا میلان ہے۔

''اَلْبَحِيْرَة، السَّائِبَة، الْوَصِيْلَة اور ''اَلْحَام'' کے معانی کے متعلق احادیث

سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ مشرکین ''اَلْبَحِيْرَة'' اس اونٹنی کو کہتے تھے جس کا دودھ بتوں کا (تقرب حاصل کرنے کے لیے) روک دیا جاتا تھا، پس لوگوں میں سے کوئی شخص بھی اس کا دودھ نہیں دوہتا تھا، اور ''السَّائِبَه'' اس اونٹنی کو کہتے تھے جس کو وہ اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے، اس کے اوپر کوئی بوجھ نہیں لادا جاتا تھا، ابن المسیب نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے عمرو بن عامر الخزاعی کو دیکھا (یعنی خواب میں دیکھا)، وہ اپنی آنتوں کو دوزخ میں گھسیٹ رہا تھا، اور وہ پہلا شخص تھا جس نے بتوں کے نام پر اونٹنیاں چھوڑنے کی رسم نکالی تھی، اور ''الْوَصِيْلَة'' اس جوان اونٹنی کو کہتے

تھے جو پہلی مرتبہ نَر بچہ دیتی، پھر یکے بعد دیگرے دو مادہ بچے دیتی، اور وہ اس کو بھی اپنے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، اور اگر وہ یکے بعد دیگرے دو مادہ بچے دیتی تو پھر وہ اس کو بھی ''الوَصِیلۃ'' کہتے تھے، اور ''الْحَام'' اُس نر اونٹ کو کہتے تھے جو معین مرتبہ جُفتی کرتا، پس جب وہ مُعین مرتبہ جُفتی کر لیتا تو وہ اس اونٹ کو بھی بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اس کو بوجھ لادنے سے معاف کر دیتے، اور اس پر کوئی بوجھ نہیں لادا جاتا تھا۔ اور وہ اُس اونٹ کو ''الحامی'' کہتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۳۵۲۱، ۴۶۲۳، صحیح مسلم: ۲۸۵۶، الرقم المسلسل: ۷۰۸۶، شرح مشکل الآثار: ۱۴۷۹، صحیح ابن حبان: ۶۲۶۰، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۹، سنن کبریٰ: ۱۱۱۵۶، مسند ابو یعلیٰ: ۶۱۲۱، مسند احمد: ۸۷۸۷، موسسۃ الرسالہ بیروت)

شارحین حدیث کے نزدیک ''الْبَحِیرَۃ، السَّائِبَۃ، الْوَصِیلۃ اور ''الْحَام'' کے معانی

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''البَحِیرۃ'': زمانہ جاہلیت میں جب کوئی اونٹنی پانچ بچے جنتی اور اس کے آخر میں نَر بچہ ہوتا تو وہ اس اونٹنی کے کان چیر دیتے اور اس پر سوار ہونے کو اور اس کا دودھ دوہنے کو حرام قرار دیتے، اس کو کسی گھاٹ پر پانی پینے سے منع کیا جاتا اور نہ کسی چراگاہ میں چرنے سے روکا جاتا، اس کو صرف بتوں کی تعظیم کے لیے چھوڑ دیا جاتا اور وہ لوگ اس اونٹنی کو ''البحیرۃ'' کہتے تھے۔

''السَّائِبَۃ'': زمانہ جاہلیت میں کوئی شخص کہتا تھا: اگر میں سفر سے واپس آ گیا یا میں بیماری سے تندرست ہو گیا تو میری اونٹنی سائبہ ہو گی، اور سائبہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جس کو وہ اپنے بتوں کی تعظیم کے لیے چھوڑ دیتے تھے، اس کے بعد اس پر کسی قسم کا بوجھ نہیں لادا جاتا تھا۔

''التلویح'' میں مذکور ہے کہ ہر قسم کے مویشیوں کی مادہ اولاد کو وہ سائبہ کہتے تھے، ایک شخص اپنی اونٹنیوں، گایوں اور بکریوں میں سے جس کو چاہتا اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتا، اور وہ صرف مادہ جانور کو بتوں کے لیے چھوڑتا تھا، پھر اس مادہ کی پشت، اس کے بال اور اس کا اون صرف اُن کے بتوں کے لیے مخصوص ہوتا اور اس کا دودھ اور اس کے دیگر منافع صرف مردوں کے لیے ہوتے تھے نہ کہ عورتوں کے لیے۔

''الوَصِیلۃ'': امام ابن اسحاق کی روایت ہے کہ جس بکری کے سات بچے ہوتے، پس اگر اس کا ساتواں بچہ نَر ہوتا تو وہ اس کو ذبح کر کے بتوں کی بھینٹ چڑھا دیتے، اور اگر وہ مادہ ہوتی تو وہ اس کو زندہ رہنے دیتے، اور اگر وہ نَر اور مادہ دو بچے جنتی تو وہ نَر کو مادہ کی وجہ سے زندہ رہنے دیتے اور کہتے کہ یہ اپنے بھائی سے مل گئی ہے، پس اس کو ذبح نہ کرتے۔

مقاتل نے کہا ہے کہ اس کی منفعت صرف مردوں کے لیے ہوتی تھی نہ کہ عورتوں کے لیے، اور اگر وہ مُردہ بچہ جنتی تو اس کے کھانے میں مرد اور عورت دونوں شریک ہوتے۔

''الحَام'': یہ اس نَر کو کہتے تھے جس کے بچہ کے بچہ پر بھی سواری کی جاتی اور یہ عدد دس یا اس سے کچھ کم تک پہنچ جاتا، تو اس پر نہ سواری کی جاتی، نہ اس پر بوجھ لادا جاتا، اس کو کسی گھاٹ پر پانی پینے سے منع کیا جاتا نہ کسی چراگاہ میں چرنے سے منع کیا جاتا، اس کو کبھی بھی ذبح نہ کیا جاتا حتیٰ کہ وہ طبعی موت مر جاتا، پھر اس کو مرد کھاتے تھے، عورتیں نہیں کھاتی تھیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے عمرو بن لحی کو دیکھا

وہ اپنی آنتوں کو دوزخ میں گھسیٹ رہا تھا، یہ وہ پہلا شخص تھا جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین کو تبدیل کر دیا، اس نے بتوں کے لیے جانوروں کی بھینٹ چڑھانے کی رسم مقرر کی، اس نے سائبہ کو بتوں کے لیے نامزد کیا اور بحیرہ کی رسم ایجاد کی اور وصیلہ اور حامی کی اصطلاح وضع کی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۶ ص ۱۲۶۔۱۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں:

عمرو بن لحی وہ پہلا شخص تھا جس نے عرب کے شہروں میں بت پرستی کو ایجاد کیا، اس نے ملکِ شام سے ہبل نامی بت خریدا اور اس کو کعبہ شریف کے اندر رکھ دیا، یہ پست قامت شخص تھا۔ (الکوثر الجاری ج ۶ ص ۳۵۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

”وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝“:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اس آیت میں کفار سے مراد عمرو بن لحی اور اس کے اصحاب اور اعوان ہیں، وہ اللہ تعالیٰ پر یہ جھوٹ باندھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اسی طرح حکم دیا ہے، اور ان کے پیروکار اکثر عام لوگ تھے اور وہ عقل سے کام نہیں لیتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور جب اُن سے کہا جاتا ہے: اس چیز کی طرف آؤ جس کو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور رسول کی طرف آؤ تو وہ کہتے ہیں: ہمیں وہ چیز کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے خواہ اُن کے باپ دادا نہ کچھ علم رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں ۝“ (المائدہ: ۱۰۴)

ہدایت یافتہ عالم کی تقلید کرنے کا جواز اور اندھی تقلید کا عدم جواز

”وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝“:

اور جب اُن سے کہا جاتا کہ اللہ اور اس کے رسول نے کھیتوں اور مویشیوں کے حلال کرنے کے متعلق جو شرعی احکام بیان فرمائے ہیں اُن پر عمل کرو تو وہ کہتے: ہمارے عمل کے لیے وہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا خواہ اُن کے باپ دادا عقل نہ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں، اس آیت میں اُن لوگوں کا رد ہے جو اندھی تقلید کرتے ہیں۔

ہدایت یافتہ عالم کی تقلید کرنا جائز ہے جس کا قول حجت اور دلیل پر مبنی ہو، اور جو ہدایت یافتہ عالم نہ ہو اس کی اقتداء اور تقلید کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو، جب تم ہدایت پر قائم ہو گئے تو کوئی گمراہ تمہیں ضرر نہیں پہنچا سکے گا، تم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، پھر وہ تمہیں تمہارے کاموں کی خبر دیں گے ۝“ (المائدہ: ۱۰۵)

”يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ“:

جب اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ یہ جاہل لوگ اللہ تعالیٰ کے ڈرانے اور اس کے خوشخبری دینے سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ اپنی جہالت اور گمراہی پر برقرار رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مسلمانو! تم ان کی جہالات کی پرواہ نہ کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ نے جن احکام کا تم کو مکلف فرمایا ہے، اُن پر عمل کرو تو پھر ان کی گمراہی تم کو ضرر نہیں پہنچائے گی۔

المائدہ: ۱۰۵ کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اہلِ کتاب سے جزیہ قبول فرمایا اور دوسرے کفار سے جزیہ قبول نہیں فرمایا تو اس پر بعض کفار ملامت کرتے تھے کہ آپ کچھ لوگوں سے جزیہ قبول کرتے ہیں اور کچھ سے نہیں کرتے، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ جب تم ہدایت پر ہو تو ملامت کرنے والوں کی ملامت سے تم کو کوئی ضرر نہیں ہوگا۔

(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴۴۸، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، انہوں نے کہا: اے لوگو! تم اس آیت کی تلاوت کرتے ہو: ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (المائدہ: ۱۰۵)'' پس بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ کسی برائی کو دیکھیں اور اس میں تبدیلی نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن سب پر عذاب نازل فرمائیں۔

(سنن ابوداؤد: ۴۳۳۸، سنن ترمذی: ۲۱۶۸، سنن ابن ماجہ: ۴۰۰۵، صحیح ابن حبان، موارد الظمآن: ۱۸۳۷)

اور ایک روایت میں مذکور ہے: ''تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہو اور تم ضرور بہ ضرور برائی سے روکتے رہو ورنہ تم پر تمہارے برے لوگ مسلط کر دیئے جائیں گے اور وہ تم کو برا عذاب چکھائیں گے، پھر تمہارے نیک لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ اُن کی دعاؤں کو قبول نہیں فرمائیں گے''۔ (سنن ترمذی: ۲۱۶۹)

المائدہ: ۱۰۵ کا صحیح محمل

امام ابوعبیدہ نے کہا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ تھا کہ لوگ اس آیت کی غلط تاویل کریں گے، پھر لوگوں کو نیکی کے حکم کے ترک کی دعوت دیں گے، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ یہ آیت اس طرح نہیں ہے، اور اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ ''جب تم ہدایت پر ہو تو کسی گمراہ کی گمراہی تمہیں ضرر نہیں پہنچائے گی''، اس سے مراد یہ ہے کہ جب تم توحید پر قائم ہو تو مشرکین کا شرک تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا اور اس سے مراد اہلِ ذمہ ہیں، یعنی اہلِ ذمہ کے شرک کرنے سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اگر اہلِ اسلام نافرمانی کریں اور گناہوں کے کام کریں تو اُن کو تم اُن کی نافرمانی اور گناہوں کے کاموں سے نہ روکو، وہ اس میں داخل نہیں ہیں۔

اس اعتراض کا جواب کہ المائدہ: ۱۰۵ کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا واجب نہیں ہے؟

اعتراضِ مذکور کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) یہ آیت اس پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو اطاعت گزار ہو اس سے نافرمانوں کے گناہوں کا مواخذہ نہیں فرمایا جائے گا، رہا نیکی کے حکم دینے کا وجوب تو وہ دیگر دلائل سے ثابت ہے۔

(۲) یہ آیت اُن کفار کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنے کفر پر اصرار کرتے تھے اور نیکی کا حکم دینے سے اور برائی سے روکنے کے باوجود کفر کو ترک نہیں کرتے تھے۔

(۳) یہ آیت اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے جب انسان کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی وجہ سے اپنی جان، اپنی عزت اور اپنے مال پر حملہ کا خوف ہو۔

(۴) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم نے نیکی کا حکم دے دیا اور برائی سے روک دیا، پھر بھی اگر کوئی برائی سے باز نہ آئے تو پھر تم سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

''اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝'': پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ گمراہ اور ہدایت یافتہ دونوں کو اللہ تعالیٰ کے پاس جمع کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اُن کو ان کے اعمال کی جزاء عطاء فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو وصیت کے وقت اس طرح گواہی دی جائے کہ تم میں سے دو نیک مرد یا دوسرے مذہب کے دو شخص گواہی دیں اگر تم زمین میں سفر کر رہے ہو پھر تم میں سے کسی کو موت آجائے تو اُن دونوں گواہوں کو نماز کے بعد روک لو، اگر تمہیں اُن پر شک ہو تو وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم اس قسم کے عوض کوئی معاوضہ نہیں لیں گے خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں اور وہ قسم کھا کر کہیں کہ ہم اللہ کی گواہی کو نہیں چھپائیں گے اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم گناہگاروں میں سے ہوں گے O'' (المائدہ:۱۰۶)

قرآن مجید میں لفظِ شہادت کے متعدد معانی

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ۭ تَحْبِسُوْنَهُمَا'':

(۱) شہادت کا معنی حاضر ہونا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے: ''فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ... (البقرہ:۱۸۵)''۔ (سو تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں حاضر ہو تو وہ ضرور اس مہینہ کے روزے رکھے)۔

(۲) دوسرا معنی ہے بتلانا، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ... (آل عمران:۱۸)''۔ (اللہ نے یہ بتلایا کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے)۔

(۳) امام ابوعبیدہ نے کہا: تیسرا معنی ہے اقرار کرنا، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ... (النساء:۱۶۶)''۔ (اور فرشتے (بھی) اقرار کرتے ہیں)۔

(۴) ''شَھِدَ'' کا معنی ہے ''حَکَمَ'' جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا۔۔ (یوسف:۲۶)'' (اور اس عورت کے رشتہ داروں میں سے ایک گواہ نے یہ کہا)۔

(۵) ''شَھِدَ'' کا معنی ہے ''حَلَفَ'' یعنی اس نے قسم کھائی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ۔۔۔ (النور:۶)'' (تو اُن میں سے کسی ایک شخص کی قسم یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ ضرور سچوں میں سے ہے O)

(۶) ''شَھِدَ'' بہ معنی وصیت کی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ۔۔۔ (المائدہ:۱۰۶)'' (اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو وصیت کے وقت اس طرح گواہی دی جائے)۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے وصیت کے لیے حاضر ہونا، کہا جاتا ہے ''شهدت وصية فلان'' (میں فلاں شخص کی وصیت کے وقت حاضر ہوا)۔ اور امام ابوجعفر الطبری نے کہا ہے کہ یہاں پر شہادت بہ معنی الیمین ہے، اور آیت کا معنی اس طرح ہوگا کہ تمہارے درمیان قسم اس طرح ہے کہ دو آدمی حلف اٹھائیں، اور قفال نے اسی قول کو اختیار کیا، اور یمین کا نام شہادت اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ یمین سے بھی وہی حکم صادر ہوتا ہے جو شہادت سے حکم صادر ہوتا ہے۔ اور ابن عطیہ کا مختار یہ ہے کہ یہاں پر شہادت کی حفاظت کی جائے تا کہ وقت پر اس کو ادا کیا جائے۔ (المحرر الوجیز ج ۲ ص ۲۵۲) (اللباب فی علوم الکتاب ج ۷ ص ۵۶۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۲۰۱۱ء)

المائدہ:۱۰۶ کا شانِ نزول

علامہ علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی الشافعی الشہیر الخازن المتوفی ۷۲۵ھ لکھتے ہیں:

تمیم بن اوس الداری اور عدی بن بدّاء، یہ دونوں مدینہ سے تجارت کے لیے شام کی طرف گئے اور یہ دونوں نصرانی تھے، اور ان دونوں کے ساتھ حضرت بُدیل رضی اللہ عنہ تھے جو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام تھے، اور وہ (یعنی حضرت بُدیل رضی اللہ عنہ) مسلمان تھے، پس جب وہ شام پہنچے تو حضرت بُدیل رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے، پس انہوں نے ایک مکتوب لکھا اور اس میں اپنے تمام سامان کی فہرست لکھی اور اس فہرست کو اپنے سامان میں ڈال دیا اور اپنے اُن دو صاحبوں (یعنی تمیم اور عدی) کو اس کی خبر نہیں دی، پس جب اُن کا مرض زیادہ ہو گیا تو انہوں نے تمیم اور عدی کو یہ وصیت کی اور یہ کہا کہ جب مدینہ واپس جائیں تو اُن کا سامان اُن کے اہل وعیال کو پہنچا دیں، اور حضرت بدیل رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے، پھر (تمیم اور عدی نے) اُن کے سامان کی تلاشی لی تو اس میں چاندی کا ایک برتن پایا جس پر سونے کے نقش ونگار بنے ہوئے تھے اور وہ برتن (جام) تین سو مثقال چاندی کا تھا، اُن دونوں نے اس برتن کو غائب کر دیا، پھر وہ دونوں جب اپنے کام کاج سے فارغ ہو گئے اور مدینہ واپس گئے تو انہوں نے وہ سامان حضرت بُدیل رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کو دے دیا، گھر والوں نے اس سامان کی تلاشی لی تو اس میں اُن کو ایک پرچہ ملا اور اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ اس سامان کے ساتھ وہ سونے کے نقش ونگار والا برتن (جام) ہے، پس گھر والے تمیم اور عدی کے پاس گئے اور اُن سے کہا: کیا ہمارے صاحب نے یعنی حضرت بُدیل رضی اللہ عنہ نے اپنے سامان سے کوئی چیز بیچی تھی؟ انہوں نے کہا: نہیں! انہوں نے کہا: کیا انہوں نے کوئی تجارت کی تھی؟ ان دونوں نے کہا: نہیں! پھر انہوں نے کہا: جب اُن کی بیماری لمبی ہو گئی تو کیا انہوں نے اپنے علاج کے لیے کچھ اس میں سے سامان بیچ کر خرچ کیا تھا؟ انہوں نے کہا: نہیں، گھر والوں نے کہا: ہمیں اُن کے سامان میں سے ایک پرچہ ملا ہے جس میں ایک چاندی کے

برتن (جام) کا ذکر ہے جس پر سونے کے نقش ونگار تھے اور وہ برتن تین سو مثقال چاندی کا تھا، ان دونوں نے یعنی تمیم بن اوس اور عدی بن بداء نے کہا: ہمیں پتا نہیں، انہوں نے ہماری طرف جو وصیت کی تھی اور ہم سے کہا تھا کہ اسے آپ لوگوں تک پہنچائیں، تو ہم نے وہ پہنچا دیا اور ہمیں کسی اور برتن کا علم نہیں ہے، پھر گھر والوں نے یہ مقدمہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو تمیم اور عدی دونوں نے اپنے انکار پر اصرار کیا اور ان دونوں نے قسم کھالی کہ انہیں اس برتن کا پتا نہیں ہے، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یہ مفسرین کا قول ہے۔ (تفسیر الخازن ج ۲ ص ۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قصہ مذکورہ کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما المائدہ:۱۰۶ کی تفسیر میں از تمیم داری بیان کرتے ہیں: اس برتن کی چوری سے میرے سوا اور عدی بن بدّاء کے سوا لوگ بری ہو گئے اور تمیم داری اور عدی بن بداء یہ دونوں نصرانی تھے، یہ قبل از اسلام شام کی طرف آتے جاتے رہتے تھے، پس یہ دونوں شام اپنی تجارت کے سلسلہ میں آئے اور ان کے پاس بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلام جن کا نام حضرت بُدیل بن ابی مریم تھا وہ بھی تجارت کے لیے آئے اور ان کے پاس چاندی کا ایک جام تھا، اُن کا یہ ارادہ تھا کہ وہ جام بادشاہ کو پیش کریں گے اور یہ اُن کی تجارت کا عظیم مقصد تھا، سو وہ بیمار ہو گئے تو حضرت بُدیل رضی اللہ عنہ نے ان دونوں (یعنی تمیم داری اور عدی بن بداء) کو وصیت کی اور انہیں یہ کہا کہ اُن کے اہل وعیال کو اُن کا یہ ترکہ پہنچا دیں، تمیم نے کہا: جب ہم نے حضرت بُدیل رضی اللہ عنہ کے سامان سے وہ جام نکال لیا تو ہم نے اس کو ایک ہزار درہم میں بیچ دیا، پھر میں نے اور عدی بن بدّاء نے ایک ہزار درہم کو آپس میں تقسیم کر لیا، پس جب ہم ان کے گھر والوں کے پاس گئے تو اُن کو وہ سامان دے دیا جو ہمارے پاس تھا، اور گھر والوں نے اس میں اس جام کو نہ پایا، انہوں نے ہم سے اس کے متعلق سوال کیا، ہم نے کہا کہ حضرت بُدیل رضی اللہ عنہ نے اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں چھوڑی تھی جو ہم نے آپ کو دے دیا ہے، اور اس سامان کے علاوہ ہمیں اور کوئی چیز نہیں دی، تمیم داری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ آنے کے بعد جب میں نے اسلام قبول کر لیا تو میں نے اپنے اس گزشتہ فعل کو گناہ سمجھا، پھر میں حضرت بدیل رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے پاس گیا اور اُن کو پورا قصہ بیان کیا اور میں نے اپنے حصہ کے پانچ سو درہم بھی اُن کو دے دیے اور میں نے ان کو یہ بتایا کہ میرے ساتھی عدی بن بداء کے پاس بھی اتنے ہی یعنی پانچ سو درہم ہیں، پھر حضرت بدیل رضی اللہ عنہ کے گھر والے عدی بن بداء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے کر آئے، پس آپ نے اُن گھر والوں سے گواہ کا سوال کیا تو انہیں کوئی گواہ نہیں ملا، پھر آپ نے اُن کو حکم دیا کہ اُن کے دین میں جو معتبر قسم ہے وہ قسم کھائیں، سو انہوں نے قسم کھالی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

”اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو وصیت کے وقت اس طرح گواہی دی جائے کہ تم میں سے دو نیک مرد یا دوسرے مذہب کے دو شخص گواہی دیں اگر تم زمین میں سفر کر رہے ہو پھر تم میں سے کسی کو موت آ جائے تو اُن دونوں گواہوں کو نماز کے بعد روک لو، اگر تمہیں اُن پر شک ہو تو وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم اس قسم کے عوض کوئی معاوضہ نہیں لیں گے خواہ وہ تمہارے قریبی رشتہ دار ہوں اور وہ قسم کھا کر کہیں کہ ہم اللہ کی گواہی کو نہیں چھپائیں گے اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم گناہگاروں میں سے ہوں گے O (المائدہ:۱۰۶)“۔

پھر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور ایک اور مرد کھڑے ہوئے اور اُن دونوں نے قسم کھائی، پھر بقیہ پانچ سو درہم عدی بن بداء

سے وصول کر لیے گئے۔ (صحیح البخاری: ۲۷۸۰، سنن ابوداؤد: ۳۶۰۶، سنن ترمذی: ۳۰۶۰، سنن دارقطنی ج ۴ ص ۱۶۶، الطبری: ۱۲۶۷۰، الجصاص فی الاحکام، ج ۴ ص ۱۶۰، الطبرانی ج ۱۲ ص ۷۱، الواحدی: ۴۲۱، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۶۵)

صحیح البخاری میں یہ روایت حسبِ ذیل ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنو سہم سے ایک مسلمان (حضرت بدیل رضی اللہ عنہ) تمیم داری اور عدی بن بدّاء کے ساتھ سفر پر نکلے، پس سہمی یعنی حضرت بدیل رضی اللہ عنہ ایسے علاقہ میں فوت ہو گئے جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا، پھر جب وہ دونوں ان کے ترکہ کو لے کر مدینہ آئے تو ان کے ورثاء نے چاندی کا ایک جام گم پایا جس پر سونے کا کام کیا گیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے قسم لے لی، پھر وہ چاندی کا جام مکہ میں پایا گیا، ان لوگوں نے کہا: ہم نے یہ جام تمیم اور عدی سے خریدا ہے، پھر حضرت بدیل رضی اللہ عنہ کے دو رشتہ دار کھڑے ہوئے اور انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ ہماری گواہی تمیم اور عدی کی گواہی سے زیادہ معتبر ہے اور یہ جام ان کے رشتہ دار ہی کا ہے یعنی حضرت بدیل رضی اللہ عنہ کا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت یعنی المائدہ: ۱۰۶ ان ہی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۷۸۰)

سفر میں وصیت پر غیر مسلموں کو گواہ بنانے کا جواز

علامہ علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ اصل میں مسلمان گواہوں کو مقرر کرنا چاہیے اور یہ کہ ضرورت کے پیش نظر غیر مسلموں کو بھی گواہ بنایا جا سکتا ہے، اس آیت میں فرمایا ہے: تم میں سے دو شخص گواہ ہوں' اس کا معنی ہے: تمہارے دین اور تمہاری ملت سے دو گواہ ہوں، یہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، شریح ابن سیرین اور شعبی کا قول ہے، امام احمد کا بھی یہی مختار ہے۔ پھر فرمایا کہ سفر میں غیروں میں سے بھی دو گواہ بنا لیے جائیں، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور دیگر مذکور الصدر فقہاء تابعین کے نزدیک اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمہارے دین اور تمہاری ملت کے غیر ہوں، یعنی اہلِ کتاب میں سے ہوں، اور حسن اور عکرمہ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تمہارے اقرباء اور رشتہ داروں کے غیر ہوں، اور جب یہ مراد لی جائے کہ غیروں سے مراد غیر مسلم اور اہلِ کتاب ہیں اور یہ کہ سفر میں وصیت پر اہلِ کتاب کو گواہ بنا لیا جائے تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت غیر محکمہ اور منسوخ ہے، یا یہ کہ اب یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن المسیب، ابن جبیر، ابن سیرین، قتادہ، شعبی، سفیان ثوری اور امام احمد کے نزدیک یہ آیت محکمہ ہے، اور اب بھی اہلِ کتاب کو سفر میں وصیت پر گواہ بنانا جائز ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت، اس آیت سے منسوخ ہو گئی: ''وَ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ۔'' (الطلاق: ۲) '' (اور اپنوں یعنی مسلمانوں میں سے دو شخصوں کو گواہ بنا لو)۔

زید بن اسلم، امام مالک اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ کا بھی اسی طرف میلان ہے، انہوں نے کہا ہے کہ اہلِ کفر عادل (نیک) نہیں ہیں، اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ حاجت اور ضرورت کا مقام ہے اور ایسے موقع پر صرف عورتوں کی گواہی بھی صحیح ہوتی ہے جیسے حیض، نفاس اور بچہ کی پیدائش میں عورتوں کی گواہی ہی صحیح ہوتی ہے۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۵۹۵-۵۹۶، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

نماز کے بعد گواہی لینے کی توجیہ

"مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝" : السدی نے کہا: اگر وہ گواہ تمہارے دین سے تعلق نہ رکھتے ہوں تو اُن کے دین کے مطابق نماز کے بعد اُن سے قسم لی جائے کیونکہ وہ عصر کی نماز کی پرواہ نہیں کریں گے اور نہ ظہر کی نماز کی پرواہ کریں گے، پھر اگر تمہیں اُن کی گواہی پر شک ہو تو اُن سے اُن کی نماز کے بعد قسم لی جائے اور اگر وہ گواہ مسلمان ہوں تو اُن سے قسم نہیں لی جائے گی۔

روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی اور تمیم داری اور عدی بن بداء کو بلایا اور اُن سے منبر کے پاس قسم لی کہ وہ اس ذات کی قسم کھاتے ہیں جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے کہ اُن کو جو چیز دی گئی تھی انہوں نے اس میں کسی قسم کی خیانت نہیں کی، پس جب انہوں نے حلف اٹھالیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا راستہ چھوڑ دیا۔

المائدہ: ۱۰۶ کے منسوخ یا غیر منسوخ ہونے کے متعلق فقہاء کا اختلاف

ابراہیم النخعی اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اہلِ ذمہ کی شہادت ابتداء میں مقبول تھی، پھر منسوخ ہوگئی، اور بعض علماء نے کہا کہ اُن کی شہادت ثابت ہے، انہوں نے کہا: جب مسلمان گواہ ہمیں نہیں ملیں گے تو ہم کافروں کو گواہ بنالیں گے، قاضی شریح نے کہا: جب تم کسی اجنبی زمین میں ہو اور وہاں وصیت پر کوئی مسلمان گواہی دینے والا نہ ملے تو کافروں کو گواہ بنالو خواہ اُن کا کسی دین کے ساتھ تعلق ہو، وہ اہلِ کتاب میں سے ہوں یا بُت پرستوں میں سے ہوں، سو اُن کی شہادت جائز ہے، اور کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف جائز نہیں ہے سوائے سفر میں وصیت کے معاملہ پر۔

اور الشعبی سے روایت ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک مرد کو "دقوقا" میں وفات آگئی اور وہاں اس کو کوئی مسلمان نہیں ملا جو اس کی وصیت پر گواہی دے تو اس نے اہلِ کتاب میں سے دو مردوں کو گواہ بنالیا، پس وہ دونوں گواہ کوفہ میں اس کے ترکہ کو لے کر آئے اور وہ دونوں اشعری کے پاس آئے اور ان کو اس ترکہ کی اور وصیت کی خبر دی تو اشعری نے کہا: یہ وہ معاملہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے بعد نہیں ہوا، انہوں نے ان دونوں گواہوں سے حلف لیا اور ان کی شہادت کو جائز قرار دیا۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۹۷۔۹۸)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں گواہ کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہوں تو دوسرے دو گواہ اُن کی جگہ قائم کیے جائیں، وہ اُن لوگوں میں سے ہوں جن کا حق پہلے گواہوں نے ضائع کیا، پھر وہ دونوں اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ درست ہے، اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا، اگر ہم نے ایسا کیا ہو تو اس وقت ہم ظالموں میں سے ہوں گے ○" (المائدہ: ۱۰۷)

"فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝":

غیر مسلموں کی گواہی پر فیصلہ کے خلاف مسلمانوں کی گواہی پر فیصلہ کی ترجیح

پس جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمرو بن العاص اور حضرت المطلب بن ابی وداعہ السہمی رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے اور انہوں نے عصر کی نماز کے بعد اللہ کی قسم کھائی اور انہوں نے وہ برتن میت کے ورثاء کی طرف دے دیا اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد کہتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے، میں نے یہ برتن لیا تھا، پس میں اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرتا ہوں اور استغفار کرتا ہوں۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ تمیم داری سے روایت کرتے ہیں، تمیم داری نے کہا: ہم نے یہ برتن ایک ہزار درہم میں بیچا تھا، پس میں نے اور عدی بن بداء نے وہ ہزار درہم آپس میں تقسیم کر لیے، جب میں نے اسلام قبول کر لیا تو میں نے اس کو گناہ سمجھا، پھر میں میت کے ورثاء کے پاس گیا اور ان کو خبر دی کہ اتنے ہی یعنی پانچ سو درہم میرے ساتھی عدی بن بداء کے پاس ہیں، اور حضرت عمرو بن العاص اور مطلب بن وداعہ نے حلف اٹھالیا، پھر عدی بن بداء سے پانچ سو درہم لے لیے گئے اور میں نے پانچ سو درہم واپس کر دیئے۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۹۹)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ طریقہ اس کے زیادہ قریب ہے کہ گواہی دینے والے اس طرح گواہی دیں جس طرح گواہی دینے کا حق ہے یا وہ اس سے ڈریں کہ اُن کی قسمیں (ورثاءِ میت کی طرف) لوٹا دی جائیں گی، اور تم اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کا حکم سنو، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں عطاء فرماتے O'' (المائدہ:۱۰۸)

''ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ یَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَیْمَانٌۢ بَعْدَ اَیْمَانِهِمْ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۠ ۝'': یعنی تم اللہ کی جھوٹی قسم کھانے سے ڈرو اور امانت میں خیانت کرنے سے ڈرو، اور نصیحت کو سنو، اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ہدایت عطاء نہیں فرماتے۔

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

جس دن اللہ رسولوں کو جمع فرمائیں گے، پھر استفسار فرمائیں گے: تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا؟ رسول عرض کریں گے: ہمیں کچھ علم نہیں، بے شک آپ ہی تمام غیوب کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں O

اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ وَ عَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۫ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَ كَهْلًا ۚ وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ ۚ وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِیْ وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى

وقف لازم

بِاِذْنِيْ ۚ وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

جب اللہ فرمائیں گے: اے عیسیٰ ابن مریم! آپ اپنے اوپر اور اپنی والدہ کے اوپر میری نعمت کو یاد کریں، جب میں نے روح القدس سے آپ کی مدد فرمائی، آپ لوگوں سے پنگوڑے میں اور ادھیڑ عمر میں کلام کرتے تھے، جب میں نے آپ کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائی، اور جب آپ میرے حکم سے پرندے کی شکل بناتے تھے، پھر آپ اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ شکل میرے حکم سے پرندہ ہو جاتی تھی اور آپ میرے حکم سے مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو تندرست کر دیتے تھے، اور جب آپ میرے حکم سے مردوں کو زندہ کر کے (قبروں سے) نکالتے تھے، اور جب میں نے بنی اسرائیل کو آپ سے روک لیا جب آپ اُن کے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے، تو اُن میں سے کافروں نے کہا: یہ صرف کھلا ہوا جادو ہے ○

وَ اِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَ بِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

اور جب میں نے حواریین کو الہام فرمایا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لے آؤ، تو انہوں نے کہا: ہم ایمان لے آئے اور اے اللہ! آپ گواہ ہو جائیں کہ بے شک ہم مسلمان ہیں ○

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب ہمارے اوپر آسمان سے کھانے کا دسترخوان نازل فرما سکتا ہے؟ عیسیٰ نے کہا: اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان رکھنے والے ہو ○

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَ نَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

حواریوں نے کہا: ہم یہ چاہتے تھے کہ ہم اس دسترخوان سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم یقین کر لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم اس دسترخوان پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں ○

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے رب، ہم پر آسمان سے کھانے کا دسترخوان نازل فرما دیجئے جو ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید کا دن ہو جائے اور آپ کی طرف سے نشانی ہو جائے، اور ہمیں رزق عطاء فرمائیں اور آپ سب سے بہتر رزق عطاء فرمانے والے ہیں O

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۵﴾

اللہ نے فرمایا: بے شک میں اس دسترخوان کو تم پر نازل فرماؤں گا، پھر جس نے اس کے بعد کفر کو اختیار کیا تو بے شک میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ سارے جہان والوں میں سے کسی کو بھی ایسا عذاب نہ دیا ہوگا O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جس دن اللہ رسولوں کو جمع فرمائیں گے، پھر استفسار فرمائیں گے: تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا؟ رسول عرض کریں گے: ہمیں کچھ علم نہیں، بے شک آپ ہی تمام غیوب کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں O'' (المائدہ:۱۰۹)

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ المائدہ:۱۰۹ تا ۱۱۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۰۹﴾'':

اللہ عزوجل کا قرآنِ مجید میں اسلوب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مختلف قسم کے احکامِ شرعیہ بیان فرماتے ہیں تو اس کے بعد الٰہیات کا ذکر فرماتے ہیں، یا تو انبیاء علیہم السلام کے احوال کی شرح فرماتے ہیں اور یا قیامت کے احوال کی شرح فرماتے ہیں، تاکہ اس سے احکامِ تکلیفیہ اور احکامِ شرعیہ کی تاکید ہو جائے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں پر احوالِ قیامت کا ذکر فرمایا اور پھر اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔ اور اس آیت کا ماحصل یہ ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع فرمائیں گے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ عزوجل رسولوں کو جمع فرمائیں گے، پس استفسار فرمائیں گے: آپ کو آپ کی امتوں نے کیا جواب دیا؟ یعنی جب آپ نے اپنی قوم کو میری توحید اور میری اطاعت کی طرف دعوت دی تو انہوں نے آپ کو کیا جواب دیا؟ تو انبیاء علیہم السلام عرض کریں گے: ہمیں اس بات کا کوئی علم نہیں ہے کہ آپ نے ہم سے جو سوال فرمایا ہے اس سے آپ کی کیا حکمت ہے، آپ ہم سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ ابن جریج رحمہ اللہ نے کہا: ہمیں اُن کی عاقبت کی کوئی خبر نہیں ہے، بے شک آپ ہی تمام غیوب کے جاننے والے ہیں، ہم تو صرف اسی چیز کو جانتے ہیں جس کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے حق میں شہادت نہیں دیں گے حالانکہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا ﴿۴۱﴾ (النساء:۴۱)'' (پس اس وقت کیسا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لے کر آئیں گے اور (اے رسولِ اکرم!) ہم آپ کو اُن سب پر گواہ

بنا کرلائیں گے)۔

اسی طرح اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔۔۔ (البقرہ: ۱۴۳)'' اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تم کو بہترین امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ، اور یہ رسول بھی تمہارے حق میں گواہ ہوں)۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ ہماری امت تمام امتوں کے متعلق گواہی دے گی، تو جب ہماری امت، امتوں کے متعلق گواہی دے گی تو انبیاء علیہم السلام تو بہ طریقِ اولیٰ اپنی امتوں کے متعلق شہادت دیں گے۔ اس اعتراض کے چند جوابات ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری اور مجاہد نے کہا کہ قیامت کے دن بہت ہولناکیاں ہوں گی، اور لوگ خوفزدہ ہوں گے، اور قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام اکثر باتوں کو بھول جائیں گے، پس کہیں گے: ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔ پھر جب اُن کے دل مطمئن ہو جائیں گے اور خوف دور ہو جائے گا اس وقت وہ اپنی امتوں کے لیے گواہی دیں گے۔

اس جواب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو انبیاء علیہم السلام اور کاملین کے لیے فرمایا: ''لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ۔۔۔ (الانبیاء: ۱۰۳)'' (سب سے بڑی گھبراہٹ اُن کو خوف زدہ نہیں کرے گی)۔ نیز اللہ عزوجل نے فرمایا: ''وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾۔۔۔ (عبس: ۳۸۔۳۹)'' (کتنے چہرے اس دن چمکتے ہوں گے O مسکراتے ہوئے ہشاش بشاش O)۔ تو انبیاء اور رسل علیہم السلام کا حال اس سے کم تو نہیں ہوگا، اور اگر وہ اس دن خوفزدہ ہوتے تو ان لوگوں سے ان کا مرتبہ کم ہوتا جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ خوفزدہ نہیں ہوں گے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جو عرض کریں گے کہ ہمیں کوئی علم نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں عرض کریں گے، یعنی آپ کے علم کے مقابلہ میں ہمارا کوئی علم نہیں ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی مراد یہ ہے کہ ہمیں اُن کے جواب کا اسی وقت علم تھا جب ہم دنیا میں حیاتِ ظاہری کے ساتھ زندہ تھے اور ہماری وفات کے بعد کیا حال ہوا، اس کا ہمیں علم نہیں ہے وہ آپ ہی جانتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جب اللہ فرمائیں گے: اے عیسیٰ ابن مریم! آپ اپنے اوپر اور اپنی والدہ کے اوپر میری نعمت کو یاد کریں، جب میں نے روح القدس سے آپ کی مدد فرمائی، آپ لوگوں سے پنگوڑے میں اور ادھیڑ عمر میں کلام کرتے تھے، جب میں نے آپ کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائی، اور جب آپ میرے حکم سے پرندے کی شکل بناتے تھے، پھر آپ اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ شکل میرے حکم سے پرندہ ہو جاتی تھی اور آپ میرے حکم سے مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو تندرست کر دیتے تھے، اور جب آپ میرے حکم سے مردوں کو زندہ کر کے (قبروں سے) نکالتے تھے، اور جب میں نے بنی اسرائیل کو آپ سے روک لیا جب آپ اُن کے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے، تو اُن میں سے کافروں نے کہا: یہ صرف کھلا ہوا

جادو ہے O‘‘ (المائدہ:۱۱۰)

’’اِذْقَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْ کُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ وَ عَلٰی وَالِدَتِكَ‘‘:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو وہ نعمت یاد دلائی جواُن پر اوران کی والدہ پر ہے، اوراس کی حسبِ ذیل وجوہ ہیں:

(۱) تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امتوں پر اُن نعمتوں کی تلاوت فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کواوراُن کی والدہ کوکتنی عزت اورکرامت کے ساتھ سرفراز فرمایا اورکتنے بلند مرتبہ پر فائز فرمایا۔

(۲) تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان نعمتوں کے ساتھ اپنی حجت کی تاکید فرمائیں اور منکرین کا رد کریں، ان نعمتوں کے بیان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روح القدس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تائید فرمائی۔ روح القدس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، اورقُدس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، گویا کہ حضرت جبریل کی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف اضافت تعظیماً فرمائی، پس اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پاکیزہ، نورانیہ، مشرقہ، علویہ روح کے ساتھ مخصوص فرمایا۔

’’تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَ كَهْلًا‘‘: اس کا معنی یہ ہے کہ آپ لوگوں سے بچپن میں بھی کلام فرمائیں گے اوراُدھیڑ عمر میں حالتِ نبوت میں بھی کلام فرمائیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کوتیس سال کی عمر میں رسول بنایا، پھرآپ تیس مہینے تک اپنی رسالت پر فائز رہے، پھراللہ تعالیٰ نے آپ کواپنی طرف اٹھالیا۔

’’وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ‘‘: ایک قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد الشریعۃ ہے۔ اورحکمت سے مراد علم اورفہم ہے، اورکتاب کے بعد تورات اورانجیل کا ذکر بہ طورِ تعظیم فرمایا، کیونکہ کتبِ الٰہیہ پر اطلاع اسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ کوئی شخص تمام علومِ شرعیہ کی اصناف کا حامل ہو۔ نیز التوراۃ والانجیل میں یہ اشارہ ہے کہ کتاب کے اسرار پر وہی مطلع ہوسکتا ہے جواکابرِ انبیاء میں سے ہو۔

’’فَتَنْفُخُ فِیْهَا‘‘ کی ضمیر کے مرجع میں مفسرین کا اشکال اورعلامہ ابن عطیہ کا جواب

’’وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـٴَـةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِیْ‘‘:

علامہ ابن عطیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال مضطرب ہیں، مکی نے کہا کہ آل عمران: ۴۹ میں یہ ضمیر طائر کی طرف لوٹ رہی ہے اور المائدہ میں یہ ضمیر الھیئۃ کی طرف لوٹ رہی ہے، اورکہا ہے کہ اگراس کے برعکس بھی ہوتب بھی صحیح ہے، اورمکی کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ یہ ضمیرِ مذکور ’’الطین‘‘ کی طرف لوٹ رہی ہے، علامہ ابن عطیہ نے کہا: اس ضمیر کا طیر کی طرف لوٹنا بھی صحیح نہیں ہے اور’’الطین‘‘ کی طرف لوٹنا بھی صحیح نہیں ہے اورنہ الھیئۃ کی طرف لوٹنا صحیح ہے، کیونکہ طیر یا طائر جو مٹی سے بنتے ہیں وہ اسی شکل پر ہوتے ہیں اوراس میں پھونک نہیں ماری جاتی اورنہ اس کی مخصوص شکل میں پھونک ماری جاتی ہے، اسی طرح مٹی عام ہے اوراس میں بھی نفخ نہیں ہے۔ پھرعلامہ ابن عطیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ اس کی توجیہ یہ ہے کہ مؤنث کی ضمیر اس کی طرف لوٹتی ہے جوآیت کا بداہۃً تقاضا ہے یعنی صُوَر یا اشکال یا اجسام کی طرف۔ (المحرر الوجیز ج ۲ ص ۲۵۸)

’’وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ‘‘:

الخلیل نے کہا ہے "اَلۡاَکۡمَهَ" وہ شخص ہے جو نابینا پیدا ہوا ہو، اور وہ شخص ہے جو بینا پیدا ہوا اور پھر نابینا ہو گیا۔

"وَاِذۡ تُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰی": یعنی آپ اُن کی قبروں سے میرے حکم سے مردوں کو زندہ کر کے نکالتے ہیں، یعنی آپ کی دعاء سے میں زندہ کرتا ہوں، جب آپ میت سے کہتے ہیں "اخرج باذن اللہ" (اے مردے! تو اللہ کے حکم سے قبر سے نکل آ)۔ اور یہ اذن ان افعال میں اس پر مبنی ہے کہ حقیقتِ فعل کی اضافت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف ہوتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَمَا کَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تَمُوۡتَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ..." (آل عمران:۱۴۵) "(اور کوئی شخص اللہ کے حکم کے بغیر مر نہیں سکتا)، یعنی کوئی شخص اس وقت تک نہیں مر سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی موت کو خلق نہ کرے۔

"وَاِذۡ کَفَفۡتُ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَنۡكَ اِذۡ جِئۡتَهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ": یعنی آپ بنی اسرائیل کے پاس دلائلِ واضحہ اور معجزاتِ ظاہرہ لے کر آئے۔

روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب یہ معجزاتِ عجیبہ ظاہر فرمائے، سو یہود نے آپ کو قتل کرنے کا قصد کیا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہود کے شر سے نجات عطاء فرمائی اور آپ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا۔

"فَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡهُمۡ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ۝":

ھود:۷ اور الصف:۶ میں اسمِ فاعل کے صیغہ کے ساتھ "اِلَّا سَاحِرٌ" مذکور ہے اور دوسرے مواقع پر مصدر کے ساتھ "اِلَّا سِحۡرٌ" مذکور ہے، اور یہاں دونوں قراءتوں کی گنجائش موجود ہے، باقی قراء کی قراءت اس پر محمول ہے کہ یہ "بیّنات" کی طرف اشارہ ہے، یعنی جنہوں نے سحر کا لفظ کہا ہے تو یہ بیّنات کی طرف اشارہ ہے، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو معجزات لے کر آئے ہیں وہ سحر ہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اشارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہو، وہ کہنا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ساحر چاہتے تھے مگر مبالغۃً انہوں نے آپ کو سحر کہا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہو یعنی ذو سحر، جادو کرنے والے۔

ایک اعتراض کا جواب

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطاء فرمائی ہوئی نعمتوں کا ذکر فرمایا اور کفار نے جو آپ کے حق میں یہ کہا "اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ۝" یہ نعمتوں میں سے تو نہیں ہے، تو اس کا ذکر یہاں کیسے مناسب ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر نعمت سے حسد کیا جاتا ہے، پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطاء فرمائی تھیں ان پر کفار نے حسد کیا، اور یہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہت عظیم نعمت عطاء فرمائی تھی جس کی وجہ سے کفار آپ سے حسد کرتے تھے، لہٰذا نعمتوں میں کفار کے حسد کا ذکر کرنا غیر مناسب نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جب میں نے حواریین کو الہام فرمایا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لے آؤ، تو انہوں نے کہا: ہم ایمان لے آئے اور اے اللہ! آپ گواہ ہو جائیں کہ بے شک ہم مسلمان ہیں O"

(المائدہ:۱۱۱)

"وَاِذۡ اَوۡحَیۡتُ اِلَی الۡحَوَارِیّٖنَ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِیۡ وَبِرَسُوۡلِیۡ": اس آیت میں "اَوۡحَیۡتُ" کا لفظ ہے، جس کا معنی ہے: میں نے

حوار یین کی طرف وحی فرمائی۔

حوار یین کے متعلق اختلاف ہے، بعض علماء نے کہا کہ یہ انبیاء تھے، تو یہ وہ وحی ہے جو انبیاء علیہم السلام کی طرف فرمائی جاتی ہے، اور بعض علماء نے کہا کہ وہ انبیاء نہیں تھے تو اس وحی سے مراد الہام ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے: "وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى... (القصص: ۷)" (اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام فرمایا)۔ اور اسی طرح قرآن مجید میں ہے: "وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ... (النحل: ۶۸)" (اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا)۔ ان آیات سے واضح ہوا کہ وحی کی نسبت غیر انبیاء علیہم السلام کی طرف بھی کی جاتی ہے، سو اگر الحوار یین نبی نہیں ہیں تو اُن کی طرف وحی کی نسبت مجازاً ہے، اور یہ نعمتوں کے گنوانے کے بیان میں ذکر ہے، کیونکہ جب کسی انسان کا قول لوگوں کے نزدیک مقبول ہوتا ہے تو وہ ان کے دلوں میں محبوب ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس وحی کو اُن کے دلوں میں ڈالا، پس وہ ایمان لے آئے اور انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔

اس آیت میں پہلے ایمان کا ذکر فرمایا ہے اور پھر اسلام کا، یعنی الحوار یین کی طرف یہ وحی فرمائی کہ مجھ پر ایمان لاؤ اور میرے رسولوں پر، تو انہوں نے کہا: ہم ایمان لائے اور اے اللہ! آپ گواہ ہوجائیں کہ ہم مسلمان ہیں، سو اس کی توجیہ یہ ہے کہ ایمان دل کی صفت ہے اور اسلام ظاہری اعضاء سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرنا ہے یعنی الحوار یین اپنے دلوں سے ایمان لے آئے اور اپنے ظاہر اعضاء سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کی۔

ایک اعتراض کا جواب

اللہ تعالیٰ نے المائدہ: ۱۱۰ میں فرمایا ہے: "اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَ عَلٰى وَالِدَتِكَ"، اور اس آیت میں جن نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے وہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہیں اور اُن کی والدہ کے ساتھ اُن نعمتوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بیٹے کو جو عظیم نعمتیں حاصل ہوں اور بلند درجات ملیں تو وہ سب اس کی والدہ کو بھی ضمناً اور تبعاً حاصل ہوتی ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: "وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰيَةً۔ (المومنون: ۵۰)" (اور ہم نے ابنِ مریم اور اُن کی ماں کو اپنی قدرت کی نشانی بنایا)۔ پس ان دونوں کو معاً آیتِ واحدہ قرار دیا، کیونکہ ہر ایک دوسرے کے ساتھ شدت کے ساتھ متصل ہیں۔

روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: "اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَ عَلٰى وَالِدَتِكَ" وہ نعمت یہ تھی کہ وہ دونوں اون کا لباس پہنتے تھے اور درخت سے کھاتے تھے اور کل کے لیے کچھ بچا کے نہیں رکھتے تھے، اور ہر دن جو رزق ملتا، اس کو بچا کے نہیں رکھتے تھے تاکہ وہ خراب نہ ہوجائے، اور نہ اُن کی کوئی اولاد تھی جس کے مرنے کا خطرہ ہوتا، وہ جہاں بھی شام کرتے وہیں رات گزار دیتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب ہمارے اوپر آسمان سے کھانے کا دسترخوان نازل فرماسکتا ہے؟ عیسیٰ نے کہا: اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان رکھنے والے ہو O"

(المائدہ: ۱۱۲)

"اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ":

یہاں پر دو قراءتیں ہیں: ایک قراءت میں ہے''''یعنی''ربک، یستطیع کا فاعل ہے اور دوسری قراءت ہے''ھل تستطیع''اس میں تاءِ خطاب ہے اور''ربَّكَ''منصوب ہے، حضرت معاذ، حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور سعید بن جبیر نے کہا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے''ھل تستطیع رَبَّكَ''پڑھایا ہے، اور اب اس قراءت میں اختلاف ہو گیا کہ آیا یہاں پر مضاف محذوف ہے یا نہیں، پس جمہور نحوی یہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے:''ھل تستطیع سوال ربك''یعنی کیا آپ اپنے رب سے یہ سوال کر سکتے ہیں؟

ابن الانباری نے کہا: کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ الحواریین کے متعلق یہ وہم کرے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک تھا، اور اسی سے ظاہر ہو گیا کہ زمخشری کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حواریین مومن نہیں تھے، بلکہ زمخشری کا یہ قول اجماع کے خلاف ہے، علامہ ابن عطیہ نے کہا: اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وہ مومن نہیں تھے۔ (المحرر الوجیز ج ۲ ص ۲۶۰)

رہی پہلی قراءت جس میں یہ لفظ''ھل یستطیع ربُّكَ''ہے یعنی حواریین نے یہ کہا: کیا آپ کا رب ایسا کر سکتا ہے؟ اس کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) ایک جواب یہ ہے: کیا آپ کے لیے یہ آسان ہو گا کہ آپ اپنے رب سے یہ سوال کریں، جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے: کیا آپ اٹھنے کی طاقت رکھتے ہیں حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ وہ اس کی طاقت رکھتا ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ انہوں نے خبر طلب کرنے کے لیے سوال کیا، یعنی کیا اُن پر آسمان سے دسترخوان نازل کیا جائے گا یا نہیں، پس اگر آسمان سے دسترخوان نازل کیا جائے گا تو آپ ہمارے لیے سوال کریں۔

(۳) اور تیسرا جواب یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ ایسے کریں گے اور کیا یہ دعا قبول ہو گی؟ اور اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا: کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ ہمیں دکھائیں کہ کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو فرماتے تھے؟ یعنی کیا آپ اس کو پسند کرتے ہیں۔

(۴) ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آسمان سے دسترخوان کے نازل کرنے پر کیا اللہ تعالیٰ ہم سے کوئی عبادت طلب فرمائیں گے۔

ثابت نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوطالب کی اُن کی بیماری میں عیادت کی تو ابوطالب نے کہا: اے بھتیجے! آپ اپنے اس رب سے دعا کیجئے جس کی آپ عبادت کرتے ہیں کہ وہ مجھے عافیت میں رکھیں یعنی تندرست فرما دیں، تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! میرے چچا کو شفا عطاء فرما دیں، تو ابوطالب بیماری سے اس طرح اٹھ کر کھڑے ہو گئے جیسا کہ رسی سے بندھے ہوئے ہوں اور کھل گئے ہوں، پھر انہوں نے کہا: اے میرے بھتیجے! بے شک آپ کا رب جس کی آپ عبادت کرتے ہیں وہ ضرور آپ کی اطاعت کرتے ہیں یعنی آپ کی دعا قبول فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا: اور آپ اے چچا! اگر میرے رب کی اطاعت کریں تو اگر آپ اللہ کی اطاعت کریں گے تو وہ ضرور آپ کی موافقت فرمائیں گے یعنی ضرور آپ کی دعا قبول فرمائیں گے اور آپ کو آپ کے مقصود تک پہنچائیں گے۔

(المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۵۴۲، تاریخ بغداد للخطیب ج ۸ ص ۲۷۷، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۱۸۴)

ایک قول یہ ہے کہ ''هل یستطیع'' کا معنی ہے ''یطیع'' تو اس میں سین زائد ہے جیسے کہتے ہیں ''استجاب'' اور وہ ''اَجابَ'' کے معنی میں ہے۔

اس اعتراض کے متعدد جوابات کہ حاضرین نے یہ کیوں کہا کہ کیا آپ کا رب آسمان سے مائدہ نازل فرما سکتا ہے؟

ابن الخطیب نے کہا ہے کہ دوسری قراءت میں ہے، الحوارین نے کہا: ''هل تستطیع ان تسألَ ربكَ'' اے حضرتِ عیسیٰ! کیا آپ اپنے رب سے یہ سوال کر سکتے ہیں؟ اس پر یہ اشکال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الحوارین کے متعلق فرمایا، انہوں نے کہا: ''ہم ایمان لے آئے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں''، تو ایمان لانے کے بعد یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شک ہو؟ اس اعتراض کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُن کو ایمان اور اسلام کے ساتھ متصف نہیں فرمایا بلکہ یہ بیان فرمایا ہے کہ اُن کا ادّعاء یہ تھا کہ وہ مومن اور مسلمان ہیں، پھر اس کے بعد ان سے یہ حکایت کی کہ انہوں نے کہا: کیا آپ کا رب ایسا کر سکتے ہیں کہ ہم پر آسمان سے دسترخوان نازل فرمائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ شک میں تھے اور توقف کرتے تھے، کیونکہ جو شخص کامل الایمان ہو وہ ایسا نہیں کہہ سکتا۔ نیز انہوں نے کہا کہ ہم کو یقین ہے کہ آپ نے سچ فرمایا ہے، یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے دل میں بیماری تھی، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن سے فرمایا: ''اتَّقُوا اللّٰهَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۝'' اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو، یہ اس پر دلیل ہے کہ وہ کامل الایمان نہیں تھے۔

(۲) الحوارین کامل مومن تھے مگر انہوں نے یہ معجزہ اس لیے طلب کیا تھا کہ ان کو مزید اطمینان حاصل ہو، اسی لیے انہوں نے کہا: ''وَ تَطۡمَىِٕنَّ قُلُوۡبُنَا'' اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں۔

(۳) الحواریون نے جو کہا کہ کیا آپ کا رب آسمان سے دسترخوان نازل کر سکتا ہے؟ تو رب سے اُن کی مراد اللہ عزوجل کی ذاتِ مقدسہ نہ تھی بلکہ اس سے ان کی مراد حضرت جبریل علیہ السلام تھے، کیونکہ اللہ عزوجل نے اس آیت کے شروع میں فرمایا ہے: ''اِذۡ اَیَّدۡتُّكَ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ'' اور اس کا معنی یہ ہے کہ آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ روح القدس آپ کی تربیت کرتے ہیں اور آپ کو متعدد کرامات کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں، تو کیا حضرت جبریل آپ کے اوپر آسمان سے دسترخوان کو بھی نازل کر سکتے ہیں؟

(۴) اس سوال سے یہ مقصود نہیں تھا کہ حواریون کو اس بات میں شک تھا کہ اللہ عزوجل آسمان سے دسترخوان نازل کر سکتے ہیں، بلکہ اس سے مقصود یہ تھا کہ یہ چیز بہت ظاہر ہے جیسے کوئی شخص کسی ضعیف آدمی کا ہاتھ پکڑے اور کہے: کیا سلطان اس شخص کو پیٹ بھر کر کھلا سکتا ہے اور اس کی غرض یہ ہے کہ یہ امر بالکل واضح ہے اور کسی عقل مند کو اس میں شک نہیں کرنا چاہیے۔

''قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۝'': یعنی تم اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک نہ کرو۔

دوسرا قول یہ ہے کہ تم اس بات سے ڈرو کہ تم اس چیز کا سوال کرو جو تم سے پہلے پچھلی امتوں میں سے کسی نے سوال نہیں کیا، تو اللہ عزوجل نے اُن کو ایمان لانے کے بعد معجزات کے طلب کرنے سے منع فرمایا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو تقویٰ کا حکم دیا کہ تم اللہ سے ڈرو تا کہ تمہیں یہ مطلوب حاصل ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ ...(المائدہ: ۳۵)'' (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''حواریوں نے کہا: ہم یہ چاہتے تھے کہ ہم اس دسترخوان سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہوجائیں اور ہم یقین کرلیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم اس دسترخوان پر گواہی دینے والوں میں سے ہوجائیں O'' (المائدہ: ۱۱۳)

حوارئین کے نزولِ مائدہ کی طلب کی توجیہ

''قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝'':

حوارئین نے کہا: ہم نے جو دسترخوان کی طلب کی ہے تو ہم اس دسترخوان سے بہ طورِ تبرک کھانا چاہتے تھے، ہمیں کھانے کی ضرورت نہیں تھی، اور اس لیے کہ ہمارے دل مطمئن ہوجائیں اور بے شک ہم یہ جانتے ہیں کہ دلائل سے اللہ تعالیٰ کی قدرت ثابت ہے لیکن ہم اس کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ دسترخوان آسمان سے نازل ہوجائے اور ہمارا یقین زیادہ ہوجائے اور ہمارا اطمینان قوی ہوجائے۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ اے عیسیٰ ابن مریم! ہم کو آپ کے صدق کا یقین ہے اور سارے معجزات سے ہمیں اس پر وثوق ہے لیکن جب ہم اس معجزہ کا بھی مشاہدہ کرلیں گے تو ہمارا یقین اور عرفان زیادہ ہوجائے گا اور ہم جان لیں گے کہ آپ نے سچ فرمایا ہے اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

ایک اور قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم نے حوارئین کو حکم دیا کہ وہ تیس دن کے روزے رکھیں، پس جب وہ یہ روزے پورے کرلیں گے تو اللہ تعالیٰ سے وہ جس چیز کا بھی سوال کریں گے اللہ تعالیٰ ان کو وہ عطاء فرمادیں گے، سوانہوں نے ایسا کیا اور اللہ تعالیٰ سے آسمان سے نازل ہونے والے دسترخوان کا سوال کیا اور کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ نے سچ فرمایا ہے اور ہم نے تیس دن کے روزے رکھے، اور ہم جس چیز کا بھی اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں عطاء فرمادیتے ہیں۔

ایک اور قول یہ ہے کہ اے حضرت عیسیٰ! آپ نے جتنے بھی معجزات پیش کیے ہیں، وہ سب زمین سے تعلق رکھتے ہیں اور ہم نے جو اس معجزہ کو طلب کیا ہے اس کا تعلق آسمان ہے اور یہ زیادہ تعجب خیز ہے، زیادہ عظیم ہے اور ہم اس کے اوپر شہادت دینے والے ہوں گے، اور جو بنی اسرائیل اس موقع پر شاہد نہیں ہوں، ہم ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی شہادت دیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے رب، ہم پر آسمان سے کھانے کا دسترخوان نازل فرمادیجئے جو ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید کا دن ہوجائے اور آپ کی طرف سے نشانی ہوجائے، اور ہمیں رزق عطاء فرمائیں اور آپ سب سے بہتر رزق عطاء فرمانے والے ہیں O'' (المائدہ: ۱۱۴)

''قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَاۤىِٕدَةً مِّنَ السَّمَاۤءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝'': اس آیت میں فرمایا ہے: ''اَللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ''، اَللّٰهُمَّ سے اللہ تعالیٰ کو نداء کی ہے اور ''رَبَّنَا'' سے بھی اللہ تعالیٰ کو نداء کی ہے، دوسری بار فرمایا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا'' ''تَكُوْنُ'' کی ضمیر مائدہ کی طرف لوٹ رہی ہے جو اس کا اسم ہے، اور اس کی خبر میں دو احتمال ہیں، ظاہر یہ ہے کہ وہ عید ہے، اور ''لَنَا'' کے متعلق دو ترکیبیں ہیں، یہ ''عِيْدًا'' سے حال ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ تکون میں جو ضمیر ہے یہ اس سے حال ہے۔

عید کا معنی

لفظِ عید ''العود'' سے ماخوذ ہے، کیونکہ عید کا دن ہر سال لوٹ کر آتا ہے۔ ابن الانباری نے کہا: نحوی کہتے ہیں ''یومُ العید'' کیونکہ یہ خوشی اور سرور کے ساتھ آتا ہے، تو یہ تمام مخلوق کی خوشی کا دن ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ قیدیوں سے اس دن کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا جاتا اور نہ اُن کو سزا دی جاتی ہے اور نہ اس دن وحشی جانوروں اور وحشی پرندوں کا شکار کیا جاتا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ عید کا دن اس لیے ہے کہ ہر انسان اُس دن اپنی قدر و منزلت کی طرف لوٹتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ لوگ اس دن مختلف لباس پہنتے ہیں، مختلف ہیئات میں ہوتے ہیں، مختلف کھانے کھاتے ہیں، بعض ان میں مہمان نوازی کرتے ہیں، بعضوں کو مہمان بنایا جاتا ہے، اور بعض اُن میں سے رحم کرتے ہیں، اور بعض اُن میں سے وہ ہیں جن پر رحم کیا جاتا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس دن کو عید اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ معزز دن ہے۔ خلیل نے کہا: عید ہر اُس دن کو کہتے ہیں جس دن لوگ جمع ہوتے ہیں۔

علامہ راغب اصفہانی نے کہا: عید اس حالت کو کہتے ہیں جو انسان پر لوٹ آتی ہے اور دہراتی ہے۔

السدی نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ جس دن مائدہ نازل ہو وہ ہمارے زمانہ والوں کے لیے بھی عید ہو جائے اور جو لوگ ہمارے زمانہ کے بعد آئیں گے اُن کے لیے بھی عید ہو جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اُس دن آخری لوگ اس طرح کھائیں گے جس طرح پہلے لوگ کھاتے تھے۔

''وَاٰيَةً مِّنْكَ'': یعنی آپ کی طرف سے وہ دلالت اور حجت ہو جائے۔

''وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝'': ایک قول یہ ہے کہ اتوار کے دن دسترخوان نازل ہوا، تو نصاریٰ نے اس دن کو عید بنا لیا، اور ''وَارْزُقْنَا'' کا معنی یہ ہے کہ ہمیں ایسا طعام عطاء فرمائیں جس کو ہم کھائیں اور آپ سب سے بہتر عطاء فرمانے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ نے فرمایا: بے شک میں اس دسترخوان کو تم پر نازل فرماؤں گا، پھر جس نے اس کے بعد کفر کو اختیار کیا تو بے شک میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ سارے جہان والوں میں سے کسی کو بھی ایسا عذاب نہ دیا ہو گا O'' (المائدہ:۱۱۵)

''قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝'':
اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آسمان سے دسترخوان نازل ہونے کے بعد تم میں سے جو اس کے کفر کو اختیار کرے گا تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ اس عذاب کی جنس میں سے جہان والوں میں سے کسی کو عذاب نہ دیا ہو گا۔ پھر ایک قوم نے اس کا انکار کیا اور مائدہ کے نزول کے بعد کفر کو اختیار کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہیں خنزیر بنا دیا گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ انہیں بندر بنا دیا گیا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ انہیں ایسا

عذاب دیا گیا جیسا عذاب کسی کو بھی نہیں دیا گیا تھا۔ الزجاج نے کہا: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ عذاب دنیا میں دے دیا گیا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ عذاب آخرت میں دیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب منافقین کو دیا جائے گا اور اُن کو دیا جائے گا جنہوں نے اصحابِ مائدہ میں سے کفر کیا اور آلِ فرعون کو۔ (تفسیر الطبری ج۵ ص ۳۶)

مجاہد اور حسن بصری نے کہا: یہ عذاب نازل نہیں کیا گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اُن کے کفر سے ڈرایا تو وہ اس کا انکار کرنے سے ڈرے اور کہا کہ ہم اس عذاب کا ارادہ نہیں کرتے تو یہ عذاب نازل نہیں ہوا۔ اور جمہور کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ عذاب نازل ہو چکا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم پر یہ عذاب نازل فرماؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی خبر کے خلاف نہیں ہوتا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث متواتر ہیں کہ یہ عذاب نازل ہو چکا ہے۔

المائدہ کے مشمولات کے متعلق اقوالِ مفسرین

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن سے فرمایا تھا کہ تم تیس دن کے روزے رکھو، پھر تم اللہ تعالیٰ سے جو مانگو گے اللہ تعالیٰ تمہیں عطاء فرمائیں گے، سو انہوں نے روزے رکھے، پس جب وہ فارغ ہو گئے تو انہوں نے کہا: اے عیسیٰ! اگر ہم کسی کے لیے کوئی کام کرتے اور وہ کام پورا کر لیتے تو وہ ہمیں کھانا کھلاتا، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دسترخوان کا سوال کیا، تو فرشتے اُن کے لیے دسترخوان کو اٹھا کر لائے جس میں سات روٹیاں تھیں اور سات خوان تھے، حتیٰ کہ وہ ان کے سامنے رکھ دیے، پس اخیر تک سب لوگ کھاتے رہے۔

کعب الاحبار نے کہا: وہ دسترخوان اوندھا نازل ہوا، فرشتے اس کو آسمان اور زمین کے درمیان لے کر اڑتے تھے، اس میں گوشت کے سوا ہر قسم کا طعام تھا۔ (الدر المنثور ج۲ ص ۶۱۳)

سعید بن جبیر نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ مائدہ پر ہر چیز نازل کی گئی سوائے روٹی اور گوشت کے۔

قتادہ نے کہا: اس میں جنت کے پھلوں میں سے پھل تھے۔ عطیہ الاوفی نے کہا: آسمان سے مچھلی نازل ہوئی جس میں ہر چیز کا ذائقہ تھا۔ الکلبی نے کہا کہ دسترخوان کے اوپر چاول کی روٹی تھی اور سبزی تھی۔

عطاء بن ابی رباح نے از سلمان فارسی روایت کی ہے کہ جب حواریین نے مائدہ کا سوال کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اون کا لباس پہنا اور روئے اور دعاء کی: اے اللہ! ہم پر آسمان سے مائدہ نازل فرما، تو دو بادلوں کے درمیان سرخ چمڑا نازل ہوا، ایک بادل اس کے نیچے تھا اور ایک بادل اس کے اوپر تھا اور وہ اس کی طرف دیکھ رہے تھے، اور وہ نیچے کی جانب گر رہا تھا حتیٰ کہ ان کے سامنے گر گیا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام رونے لگے اور کہا: اے اللہ! مجھے شکر گزاروں میں سے بنا دے، اے اللہ! اس دسترخوان کو رحمت بنا اور اس کو عذاب نہ بنا۔ اور یہود ایسی چیز کی طرف دیکھ رہے تھے کہ اس جیسی چیز انہوں نے پہلے نہیں دیکھی تھی اور اس سے زیادہ عمدہ خوشبو انہوں نے اس سے پہلے نہیں سونگھی تھی، پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم میں سے جو سب سے نیک عمل کرتا ہو، وہ کھڑا ہو جائے اور وہ اللہ کا نام لیں، تو شمعون السفار جو حواریوں کا سردار تھا، اس نے کہا: آپ ہم سب سے زیادہ اس کے لائق ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے، آپ نے وضو کیا اور نماز پڑھی اور بہ کثرت گریہ کیا، پھر آپ نے رومال کھولا اور کہا: بسم اللہ خیر

الرازقین، تو وہاں ایک بھنی ہوئی مچھلی آئی جس میں نہ کانٹے تھے، نہ چربی تھی اور اس کے سر پر نمک تھا اور اس کی دم میں سرکہ تھا اور اس کے اردگرد انواع واقسام کی سبزیاں تھیں، اور پانچ روٹیاں تھیں، ایک روٹی پر زیتون تھا اور دوسری روٹی پر شہد تھا اور تیسری روٹی پر گھی تھا اور چوتھی روٹی پر پنیر تھا، اور پانچویں روٹی پر گوشت تھا، تو شمعون نے کہا: یا روح اللہ! آیا یہ دنیا کا طعام ہے یا آخرت کا طعام ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہ ان دونوں میں سے نہیں ہے لیکن یہ وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے بنایا ہے، تم اس کو کھاؤ جس کا تم نے سوال کیا تھا اور اللہ کا شکر ادا کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے فضل سے اور عطاء فرمائیں گے۔

(اللباب فی علوم الکتاب ج ۷ ص ۶۱۵ ۔ ۶۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

اور جب اللہ ارشاد فرمائیں گے: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری والدہ کو دو معبود قرار دو، عیسیٰ عرض کریں گے: اے اللہ! آپ (ہر عیب سے) پاک ہیں، میرے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ میں کوئی ناحق بات کہوں، اگر میں نے یہ کہا ہوتا تو ضرور آپ اسے جان لیتے، آپ اس کو جانتے ہیں جو میرے دل میں ہے اور میں اس کو نہیں جانتا جو آپ کے علم میں ہے، بے شک آپ تمام غیوب کے جاننے والے ہیں O

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾

میں نے لوگوں سے صرف وہی کہا ہے جس کا آپ نے مجھے حکم فرمایا تھا کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، اور میں اُن پر اس وقت تک نگہبان تھا جب تک میں اُن میں رہا، پھر جب آپ نے مجھے (آسمانوں پر) اٹھالیا تو پھر آپ ہی ان پر نگہبان ہیں، اور آپ ہر چیز پر نگہبان ہیں O

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

(اے اللہ!) اگر آپ ان لوگوں کو عذاب دیں تو بے شک یہ سب آپ کے بندے ہیں، اور اگر آپ ان کو معاف فرمادیں تو بے شک آپ ہی بہت غالب، بے حد حکمت والے ہیں O

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۹﴾

اللہ ارشاد فرمائیں گے: یہ وہ دن ہے جس دن سچ بولنے والوں کو اُن کا سچ نفع پہنچائے گا، اُن کے لیے ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، وہ اُن جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہےO

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا فِیْهِنَّ ؕ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۲۰﴾

اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں تمام آسمان اور تمام زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے، اور وہ ہر اس چیز پر قادر ہیں جس کو وہ چاہیںO

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب اللہ ارشاد فرمائیں گے: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری والدہ کو دو معبود قرار دو، عیسیٰ عرض کریں گے: اے اللہ! آپ (ہر عیب سے) پاک ہیں، میرے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ میں کوئی ناحق بات کہوں، اگر میں نے یہ کہا ہوتا تو ضرور آپ اسے جان لیتے، آپ اس کو جانتے ہیں جو میرے دل میں ہے اور میں اس کو نہیں جانتا جو آپ کے علم میں ہے، بے شک آپ تمام غیوب کے جاننے والے ہیںO'' (المائدہ:۱۱۶)

اللہ عزوجل کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوالِ مذکور کے وقت کے متعدد محامل

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، المائدہ:۱۱۶ تا ۱۲۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَاِذْقَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'':

اس سوال کے وقت کے تین محامل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے یہ سوال اس وقت فرمایا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کے درمیان تھے، تاکہ اللہ عزوجل کا استفسار اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب آپ کے اُن پیروکاروں کے لیے جو صحیح راستہ سے ہٹ گئے تھے اور گمراہ ہو چکے تھے نشانی اور دلیل ہو جائے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زبان سے براءت ظاہر فرمائی کہ انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دو معبود بنالو۔

(۲) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ اس وقت کہا ہو جب اُن کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا تھا، اور اُن کے سامنے اللہ تعالیٰ نے یہ اقرار کرایا کہ اُن کی قوم اُن کے متعلق ایسا کہے گی جب وہ اپنی قوم سے جدا ہو جائیں گے۔

(۳) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت کے دن یہ استفسار فرمائیں گے، اور اس آیت میں ''اِذْقَالَ اللّٰهُ'' کا معنی ہے ''اذ یقول اللہ'' یعنی قیامت کے دن اللہ عزوجل ارشاد فرمائیں گے جیسا کہ اس آیت میں ہے: ''یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا... (المائدہ:۱۰۹)'' (جس دن اللہ رسولوں کو جمع فرمائیں گے، پھر استفسار فرمائیں گے:

تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا؟ رسول کہیں گے: ہمیں کچھ علم نہیں)۔ اور قرآنِ مجید میں بہت جگہوں پر قال بہ معنی یقول آتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ کی الوہیت کا باطل ہونا

جب لوگوں نے یہ مان لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن کے بیٹے ہیں، تو اُن کے متعلق الوہیت کا دعویٰ باطل ہو گیا، کیونکہ جو کسی کا بیٹا ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جب لوگوں نے یہ مان لیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں تو اُن کی والدہ کے متعلق بھی الوہیت کا دعویٰ باطل ہو گیا، کیونکہ جو عورت کسی کی ماں ہو وہ خدا نہیں ہو سکتی، کیونکہ خدا تو وہ ہے جو نہ کسی سے پیدا ہو اور نہ اس سے کوئی اور پیدا ہو۔

ایک سنگین اعتراض کا جواب

اس اعتراض کا جواب کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا علم تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری والدہ کو دو خدا مان لو، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیوں فرمایا ''ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ''۔

اگر اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ اس سے غرض نصاریٰ کو زجر و توبیخ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا نہ مانیں، تو ہم کہیں گے کہ نصاریٰ میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ حضرت مریم اللہ کے سوا معبود ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف اس قول کی نسبت کیوں فرمائی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے یہ ارادہ فرمایا کہ اس طور کے سوال و جواب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اپنی زبان سے اپنی عبودیت اور اپنے بندہ ہونے کا اقرار کریں، اور پھر اُن کی قوم پر واضح ہو جائے کہ جو اللہ کو چھوڑ کر اُن کی پرستش کرتے ہیں اور ان کو معبود مانتے ہیں، وہ اُن پر بھی جھوٹ باندھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر بھی بہتان باندھتے ہیں۔

''قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ'': یعنی میرے لیے یہ سزاوار اور مناسب نہیں ہے کہ میں کوئی ناحق بات کہوں۔

''اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ'':

اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی نفس کا ذکر ہے اور اللہ عزوجل کے لیے بھی نفس کا اطلاق ہے اور دونوں کے معنی الگ الگ ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے جو نفس کا لفظ آیا ہے اس کا معنی ہے جو میں چھپاتا ہوں، یعنی آپ کو علم ہے جو میں چھپاتا ہوں۔ اور دوسرا محمل یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ آپ کو اس کا علم ہے جو میرے نزدیک ہے اور مجھے اس کا علم نہیں ہے جو آپ کے نزدیک ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو اس کا علم ہے جو کچھ میں نے کہا اور میں آپ کے غیب پر مطلع نہیں ہوں۔

''اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۱۶﴾'': یعنی آپ اُن تمام چیزوں کے بہت زیادہ جاننے والے ہیں جو چیزیں مخلوق سے غائب ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''میں نے لوگوں سے صرف وہی کہا ہے جس کا آپ نے مجھے حکم فرمایا تھا کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، اور میں اُن پر اس وقت تک نگہبان تھا جب تک

میں اُن میں رہا، پھر جب آپ نے مجھے (آسمانوں پر) اٹھالیا تو پھر آپ ہی ان پر نگہبان ہیں، اور آپ ہر چیز پر نگہبان ہیں O" (المائدہ: ۱۱۷)

"مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖ": یعنی میں نے لوگوں کو صرف اسی چیز کی طرف دعوت دی ہے جس کی طرف دعوت دینے کا آپ نے مجھے حکم فرمایا تھا کہ میں انہیں آپ کی توحید کی طرف بلاؤں اور آپ کی عبادت کرنے کی دعوت دوں۔

"وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا": اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے یہ مکالمہ اس وقت ہوا جب اُن کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا تھا، یا یہ مکالمہ قیامت کے دن ہوگا۔ اور اس کا یہ بھی محمل ہے کہ میں اُن پر اس وقت تک گواہ تھا اور نگہبان تھا جب تک میں اُن کے درمیان تھا۔

"فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ": پھر جب آپ نے مجھے آسمانوں کی طرف اٹھالیا تو پھر آپ ہی اُن کے نگہبان اور محافظ ہیں۔

"وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدٌ ۝": اور آپ نے جو مجھے اپنی توحید کا اور اپنی عبادت کے انجام دینے کا حکم فرمایا تھا، آپ اس پر بھی گواہ ہیں اور آپ ہر چیز پر گواہ ہیں اور آپ اس پر بھی گواہ ہیں جو لوگوں نے مجھ پر اور میری والدہ پر خدا ہونے کا جھوٹ باندھا تھا۔

اور بعض تفاسیر میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: "ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تمام بدن لرزنے لگا اور وہ ڈرے کہ کہیں انہوں نے ایسا نہ کہہ دیا ہو، پس انہوں نے کہا: "سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ"۔

اور مفسرین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور اللہ کا دشمن ابلیس لعنہ اللہ کلام کریں گے، رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام تو وہ یہ ہے کہ جب اللہ عزوجل ارشاد فرمائیں گے: "ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" تو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کہیں گے: "سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝"۔

اور ابلیس لعین یہ کہے گا: "وَ قَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَ مَا كَانَ لِیَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَ لُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ ؕ اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ---(ابراہیم: ۲۲)" (اور قیامت کے دن فیصلہ ہو چکنے کے بعد شیطان کہے گا: بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ فرمایا تھا اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا میں نے اس وعدہ کی خلاف ورزی کی، اور میرا تم پر کوئی غلبہ نہ تھا سوا اس کے کہ میں نے تمہیں (گناہ کی) دعوت دی سو تم نے میری دعوت کو قبول کرلیا، سو اب تم مجھ کو ملامت نہ کرو اور خود اپنے آپ کو ملامت کرو، نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو، تم نے اس سے پہلے جو مجھے اللہ کا شریک قرار دیا تھا میں اس کا انکار کرنے والا ہوں، بے شک ظلم کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے O)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے اللہ!) اگر آپ ان لوگوں کو عذاب دیں تو بے شک یہ سب آپ کے بندے ہیں، اور اگر آپ ان کو معاف فرمادیں تو بے شک آپ ہی بہت غالب، بے حد حکمت والے ہیں O''

(المائدہ:۱۱۸)

''اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ'':

حسن بصری نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن یہ دعا کریں گے کہ جن لوگوں نے اللہ عزوجل کے متعلق یہ شرکیہ بات کہی تھی اگر وہ اسی قول پر مر گئے، اور آپ نے ان کو عذاب دیا تو بے شک وہ سب آپ کے بندے ہیں۔

''وَ اِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ'': یعنی جن کو آپ نے اسلام کی ہدایت دے کر ان کو عزت عطاء فرمائی اور پھر ان کو معاف فرمادیا تو بے شک آپ بہت غالب، بے حد حکمت والے ہیں۔

اور دوسرے مفسرین نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں یہ دعا کی کہ جو لوگ اپنے کفریہ قول پر مر گئے، سو اگر آپ اُن کو عذاب دیں تو بے شک وہ سب آپ کے بندے ہیں، اور اگر آپ اُن کو معاف فرمادیں جن کو آپ نے اسلام کی ہدایت عطاء فرمادی ہے ''فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ'' تو بے شک آپ بہت غالب ہیں، اور یہ آپ کے عاجز بندے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں ابراہیم:۳۶ اور المائدہ:۱۱۸ پڑھ کر اپنی امت کی شفاعت کرنا اور اللہ تعالیٰ کا اس شفاعت کو قبول فرمانا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ ابراہیم کی یہ آیت تلاوت کی: ''رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضۡلَلۡنَ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنۡ تَبِعَنِيۡ فَاِنَّهٗ مِنِّيۡ ۚ وَمَنۡ عَصَانِيۡ فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ'' (ابراہیم:۳۶) ''(اے میرے رب! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا، سو جس نے میری پیروی کی تو بے شک وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی سو آپ یقیناً بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں O)۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کی تلاوت کی: ''اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ'' (المائدہ:۱۱۸)''، پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند فرمائے اور دعا کی: اے اللہ! میری امت! میری امت! اور آپ روئے تو اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: اے جبریل! محمد کے پاس جاؤ اور آپ کا رب سب کچھ جاننے والا ہے، پس اُن سے پوچھو کہ آپ کو کیا چیز رُلا رہی ہے؟ سو آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر ہوئے، پس آپ سے سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بتایا کہ آپ نے کیا دعا کی تھی، اور اللہ سب کچھ جاننے والے ہیں، پس اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: اے جبریل! محمد کے پاس جاؤ، پس ان سے کہو: ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی فرمادیں گے اور آپ کو رنجیدہ ہونے نہیں دیں گے۔ (صحیح مسلم:۲۰۲، الرقم المسلسل:۴۹۸)

اس حدیث میں پہلے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس ان سے کہو: ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی فرمادیں گے''، اس کے بعد فرمایا: ''اور آپ کو رنجیدہ ہونے نہیں دیں گے''، اب سوال یہ ہے کہ جب پہلے فرمادیا کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی فرمادیں گے تو پھر اس ارشاد کی کیا ضرورت تھی ''اور آپ کو رنجیدہ ہونے نہیں دیں گے''؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ کی امت کے چند گناہگاروں کی بھی مغفرت فرما دی جاتی تو آپ راضی ہو جاتے، لیکن اگر آپ کا ایک امتی بھی دوزخ میں رہ جاتا تو آپ اس سے رنجیدہ ہوتے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دینے کے لیے فرمایا کہ ہم آپ کے کسی ایک امتی کو بھی دوزخ میں نہیں رہنے دیں گے تاکہ آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات نماز پڑھی اور صبح تک رکوع اور سجدہ میں یہ آیت پڑھتے رہے ہیں "اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ... (المائدہ:۱۱۸)"، پس جب صبح ہوئی تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ صبح تک یہی آیت رکوع اور سجود میں پڑھتے رہے ہیں، تو آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے اپنی امت کی شفاعت کا سوال کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ شفاعت عطاء فرمادی، اور یہ شفاعت ان شاء اللہ میری امت میں سے ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جو اللہ عزوجل سے شرک نہیں کرتا ہوگا۔

(مسند احمد: ۲۱۳۲۸، مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۱۱ ص ۴۹۷۔۴۹۸، مسند البزار: ۴۰۶۱، سنن بیہقی ج ۳ ص ۱۳، سنن ترمذی: ۴۴۸، شمائل ترمذی: ۲۷۱، شرح السنہ: ۹۱۴، (اس حدیث کی سند صحیح ہے))۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اللہ ارشاد فرمائیں گے: یہ وہ دن ہے جس دن سچ بولنے والوں کو اُن کا سچ نفع پہنچائے گا، اُن کے لیے ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، وہ اُن جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے ۝" (المائدہ:۱۱۹)

"قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ": یعنی اللہ عزوجل قیامت کے دن فرمائیں گے کہ جو لوگ دنیا میں سچ بولتے تھے تو سچ بولنے والوں کو اُن کا سچ قیامت کے دن نفع پہنچائے گا، کیونکہ جب اُن کا صدق معلوم ہو جائے گا تو اُن کا قول قبول کیا جائے گا۔

پھر اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس آیت میں صادقین سے مراد کون ہیں، بعض مفسرین نے کہا: وہ تمام مومنین ہیں یعنی قیامت کے دن مومنین کو اُن کا ایمان نفع پہنچائے گا، اور جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم تھے اور اس کو بیان کرتے تھے، اُن کو نفع پہنچائے گا جیسے اللہ تعالیٰ کا اس آیت میں ارشاد ہے: "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ... (الحدید:۱۹)" (اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر کامل ایمان لائے وہی صدیق اور شہید ہیں، اپنے رب کے حضور اُن کے لیے اُن کا اجر ہے اور ان کا نور ہے)۔

اور دیگر مفسرین نے کہا: "الصادقین" سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۸۲)

"لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا": اس آیت کو اللہ تعالیٰ نے بطور تاکید ذکر فرمایا ہے۔

"رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ": یعنی دنیا میں انہوں نے اللہ عزوجل کی رضا کے لیے جو کوششیں کی تھیں، اللہ نے ان کو قبول فرما لیا اور اُن سے راضی ہو گئے۔ "وَرَضُوْا عَنْهُ" اور وہ بھی اللہ سے اس کا ثواب حاصل کر کے راضی ہو گئے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو دنیا میں نیک کاموں کی توفیق عطاء فرمائی تھی اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔

''ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۹﴾ '': یہ اس لیے بہت بڑی کامیابی ہے کہ اس کے بعد موت کا خوف نہیں ہوگا اور نہ اخروی انعامات کے ضائع ہونے کا خوف ہوگا، پس یہ بہت بڑی کامیابی ہے، دنیا میں ایسی کامیابی کی کوئی مثال نہیں ہے، کیونکہ دنیا کی کسی بھی کامیابی میں مرنے کا بھی خوف ہوتا ہے اور اس کامیابی کے ضائع ہونے کا بھی خوف ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں تمام آسمان اور تمام زمینیں اور جو کچھ اِن میں ہے، اور وہ ہر اس چیز پر قادر ہیں جس کو وہ چاہیں O'' (المائدہ:۱۲۰)

''لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْهِنَّ '':

یعنی یہ لوگ کس طرح متعدد خداؤں کو مانتے ہیں اور اللہ کی اولاد کو مانتے ہیں؟ حالانکہ تمام آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے، اُن کی ملکیت اللہ ہی کے پاس ہے اور سب اللہ تعالیٰ کے مملوک بندے اور غلام ہیں!

''وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۲۰﴾ '': اللہ عزوجل کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، اور گناہوں سے باز رہنا اور نیکیوں کی طاقت رکھنا اللہ عزوجل کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ، ج ۳ ص ۶۵۲۔۶۵۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الانعام
(٦)
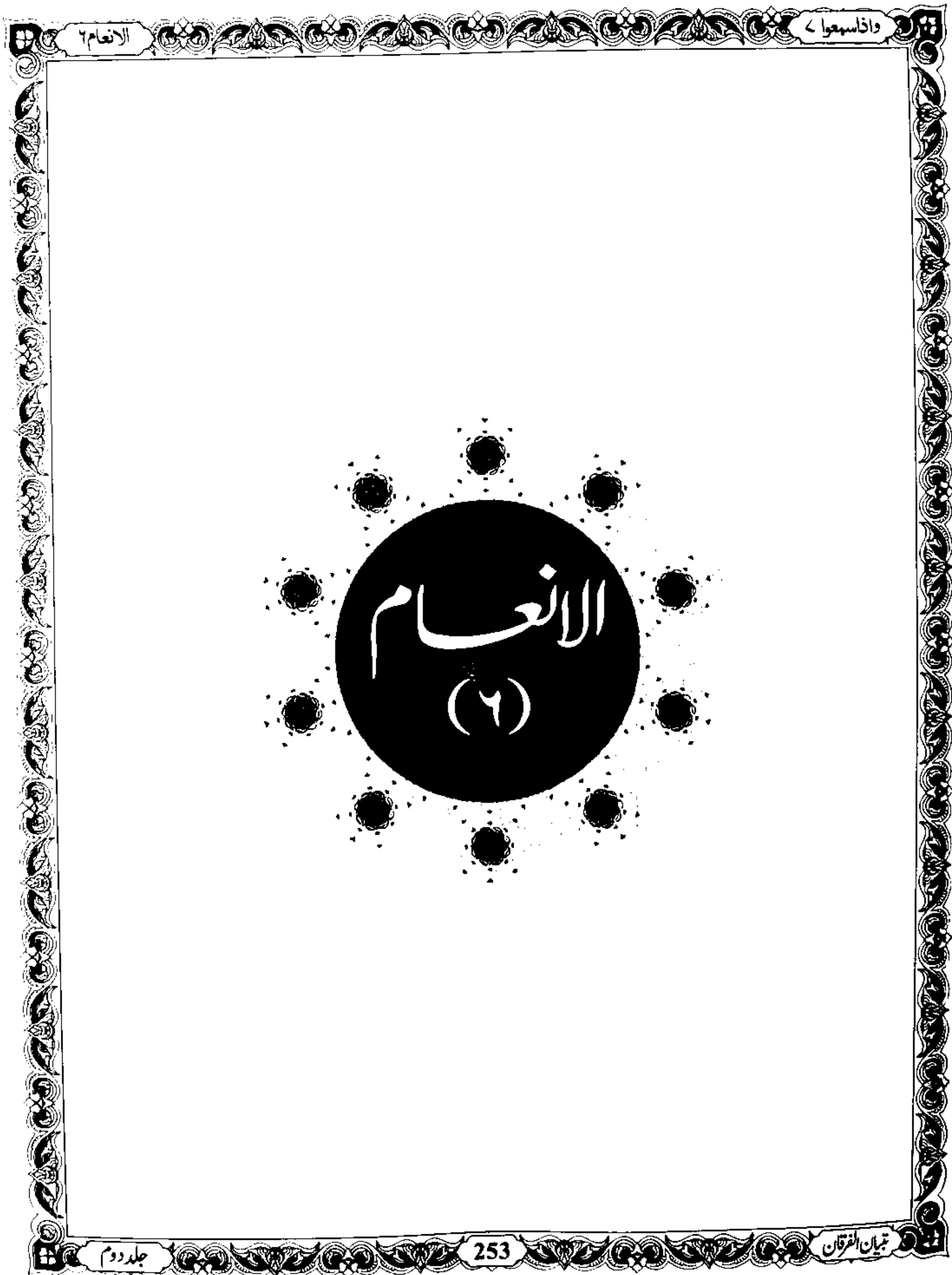
لفظ نَعَم کا لغوی اور عرفی معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، لکھتے ہیں:

''النَّعَم'' میں نون اور عین دونوں پر زبر ہے اور کبھی عین پر جزم بھی ہوتی ہے، اس کا اطلاق اونٹ، گائے اور بکری پر ہوتا ہے۔ زمخشری نے بکرے اور دنبے کا بھی اضافہ کیا ہے۔

علامہ الواحدی نے کہا ہے کہ اہل اللغۃ کا اس پر اجماع ہے اور اسی کے موافق قرآن مجید کی درج ذیل آیت ہے:

''فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْیًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ۔۔۔ (المائدہ: ۹۵)'' (اے ایمان والو! تم حالتِ احرام میں شکار کو نہ مارو، اور تم میں سے جس کسی نے جان بوجھ کر شکار مارا تو) اس کا بدلہ مویشیوں میں سے اسی کی مثل ہے جو اس نے مارا ہے، (اس کی مثل کا) تم میں سے دو منصف فیصلہ کریں اس حال میں کہ وہ قربانی کعبہ کو پہنچنے والی ہو)۔

یعنی شکار کی طرف دیکھا جائے گا، پھر اس کی قیمت سے جو دراہم حاصل ہوں، ان کو صدقہ کیا جائے گا۔

الازہری نے کہا ہے: یہاں پر ''النَّعَم'' میں اونٹ، گائے اور بکری داخل ہیں، ابن الاعرابی نے کہا: یا یہ لفظ نَعَم اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔

کہا گیا ہے کہ ''النَّعَم'' کو اونٹ کے ساتھ اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ اہلِ عرب کے نزدیک اونٹ بہت عظیم نعمت ہے۔

نَعَم کی جمع اَنْعَام ہے۔ علامہ الجوہری نے ''الصحاح'' میں لکھا ہے کہ النَعَم واحد ہے اور الانعام جمع ہے، اور یہ چرنے والے مویشی ہیں، نَعَم کا زیادہ تر اطلاق اونٹ پر ہوتا ہے۔ اس کی جمع نُعْمان پر بھی آتی ہے جیسے حَمَل کی جمع حُملان ہے۔ اور لفظ الاَنعام مذکر بھی ہوتا ہے اور مونث بھی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ اس کی طرف مذکر کی ضمیر لوٹائی ہے اور دوسری جگہ مؤنث کی ضمیر لوٹائی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا: ''مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ۔۔۔ (النحل: ٦٦)''، یہ ضمیر مذکور کی مثال ہے، اور دوسری جگہ فرمایا: ''مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا۔۔۔ (المومنون: ۲۱)''، یہ ضمیرِ مؤنث کی مثال ہے۔

الفرّاء نے کہا ہے کہ عرب جب ''النَّعَم'' کا الگ ذکر کریں تو اس سے صرف اونٹ مراد ہوتے ہیں، اور جب وہ الاَنعام ذکر کریں تو اس سے ان کی مراد اونٹ، بکری اور گائے ہوتی ہے۔

علامہ الراغب الاصفہانی نے کہا ہے کہ اَنعام کا لفظ اسی وقت کہا جاتا ہے جب اس میں اونٹ ہوں۔

اس کی جمع الجمع اناعِیم ہے۔ علامہ الجوہری نے کہا ہے: اس سے مراد صرف کثرت ہوتی ہے، کیونکہ جمع الجمع سے مراد یا تو کثرت ہوتی ہے یا اس کی مختلف اقسام ہوتی ہیں۔ اور لفظِ ''النَعَاعِیم'' چاند کی منازل میں سے ایک منزل ہے، یہ آٹھ ستارے ہیں، گویا کہ وہ ایک ٹیڑھے پاؤں والا تخت ہے۔

''اَنْعَمَ فی الامر'' کے معنی ہیں اس نے مبالغہ کیا، نمازِ ظہر کے متعلق حدیث میں ہے: ''فَاَبْرَدَ بالظهرِ واَنعَم'' یعنی آپ نے ظہر کی نماز کو بہت ٹھنڈا کر کے پڑھا اور نماز مؤخر فرمائی، اور جب کوئی شخص کسی چیز میں زیادہ غور و فکر کرے تو کہا جاتا ہے ''اَنْعَمَ النَّظَرَ فی الشیء''۔ (تاج العروس من جواہر القاموس، جز۳۳ ص ۲۹۰۔ ۲۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

بعض علماء نے لکھا ہے: عرف میں اَنعام سے مراد وہ مویشی ہوتے ہیں جنہیں عام طور پر لوگ پالتے ہیں اور وہ مویشی انسان

سے مانوس ہوجاتے ہیں، سورۃ النحل میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَ لَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ... (النحل: ۵۔۷)'' (اور اس نے تمہارے نفع کے لیے مویشیوں کو پیدا فرمایا جن میں تمہارے لیے گرم لباس ہے اور دیگر فوائد ہیں اور بعض مویشیوں کو تم کھاتے ہو O اور ان مویشیوں میں تمہارے لیے سامانِ زینت ہے جب تم اُن کو شام کے وقت چرا کر واپس لاتے ہو اور جب تم اُن مویشیوں کو چراگاہ میں چھوڑتے ہو O اور وہ مویشی تمہارے وزنی سامان کو اٹھا کر ایسے شہر تک لے جاتے ہیں جس شہر تک بغیر مشقت اٹھائے تم نہیں پہنچ سکتے ہو، بے شک تمہارے رب نہایت مہربان اور بہت شفقت فرمانے والے ہیں O)۔

بہر حال اس سورت کا نام ''الْاَنْعَام'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورت میں مویشیوں کا ذکر ہے اور اُن کی حلت اور حرمت کے احکام بیان فرمائے ہیں اور اس سورت میں شرک کی اس قسم کا بھی رد فرمایا ہے جو عرب مویشیوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرتے تھے۔

سورۃ الْاَنْعَام کا تعارف، اس کی فضیلت اور اس کی خصوصیات

قرآنِ مجید کی چھٹی سورت، اس سے پہلے سورۃ الفاتحہ، سورۃ البقرہ، سورہ آل عمران، سورۃ النساء، سورۃ المائدۃ اور اس کے بعد سورۃ الانعام ہے۔

امام محمد بن عمر الرازی الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ الانعام: ۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مکمل سورۃ الانعام ایک ہی مرتبہ مکہ میں نازل ہوئی اور تمام وادی اس سے بھر گئی، اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کاتبین کو بلایا اور یہ پوری سورت لکھوائی سوا چھ آیتوں کے اور وہ چھ آیتیں مَدَنی ہیں: الانعام: ۱۵۱ سے لے کر آخر تک تین آیتیں اور ''وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ... (الانعام: ۹۱)'' اور ''وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا... (الانعام: ۹۳)''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: سورۃ الانعام کے علاوہ اور کوئی مکمل سورت مجھ پر نازل نہیں ہوئی، اور سورۃ الانعام کے علاوہ اور کسی سورت کے لیے اتنے شیاطین جمع نہیں ہوئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ دیگر پچاس ہزار فرشتے نازل فرمائے جنہوں نے اس سورت کو میرے سینہ میں اتارا، جس طرح پانی کو حوض میں جمع کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سورت سے مجھے عزت بخشی اور تمہیں عزت بخشی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ ہمیں شرمندہ نہیں ہونے دیں گے۔ اس میں مشرکین کے رد میں آیات ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں جن کی وہ مخالفت نہیں فرمائیں گے۔

ابن المنکدر بیان کرتے ہیں: جب سورۃ الانعام نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تسبیح پڑھی اور فرمایا: اس سورت کو رخصت کرنے کے لیے اتنے زیادہ فرشتے نازل ہوئے جنہوں نے آسمان کے کناروں کو بھر لیا۔

اس سورت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں التوحید، العدل، النبوۃ اور المعاد کے دلائل ہیں اور ملاحدہ کے مذاہب کو باطل فرمایا ہے، اور اس میں وہ احکام نازل فرمائے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی مصلحت کے اعتبار سے نازل فرمایا ہے۔ اور اس میں

حال اور مستقبل سے متعلق خبریں ہیں۔ (تفسیر کبیرج ۴ ص ۴۷۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

سورۃ الانعام کی اس سے پہلی سورتوں کے ساتھ مناسبت

قرآن مجید کی پہلی سورت الفاتحہ ہے، سورۃ الفاتحہ میں تورات، انجیل، زبور اور قرآنِ مجید کے مضامین کا خلاصہ ہے، یہ وہی سورت ہے جس کو ہم نماز میں بھی پڑھتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ سورت، سورۃ الصلوٰۃ بھی کہی جاتی ہے۔ سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ البقرہ ہے، اس سورت میں انفرادی احکام سے لے کر تمام اجتماعی احکام کا بیان آ گیا ہے، سورۃ البقرہ میں زیادہ تر یہودیوں کے باطل عقائد کا ذکر ہے، اور سورۂ آل عمران میں نصاریٰ کی بدعقیدگیوں کا ذکر ہے، یہودی اور عیسائی دونوں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور اُن کے پیروکار ہونے کی دعویٰ دار ہیں مگر ملتِ ابراہیمیہ کے بگاڑ اور اس کے فساد کے ذمہ دار بھی یہی دونوں گروہ ہیں، اسی وجہ سے ان دونوں سورتوں میں اِن دونوں گروہوں سے خطاب فرمایا گیا ہے، ملتِ ابراہیمیہ میں تحریف اور بگاڑ کے زیادہ ذمہ دار مشرکینِ عرب بھی ہیں، اسی وجہ سے سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ میں ان تینوں گروہوں سے خطاب فرمایا گیا ہے یعنی یہود، نصاریٰ اور مشرکینِ عرب سے۔ یہاں تک قرآنِ مجید کی پانچ سورتوں کا تعارف ہو چکا ہے، ان کے بعد چھٹی سورت الانعام ہے اور ساتویں سورت الاعراف ہے، اور اِن ساتوں سورتوں کا مجموعہ ایک باب کے مرتبہ میں ہے۔ سورۃ المائدہ اور سورۃ الانعام میں اہلِ کتاب کے باطل عقائد کا ذکر فرمایا گیا ہے، نیز ان دونوں سورتوں میں مسائلِ فرعیہ بھی بیان فرمائے گئے ہیں، اور کھانے کی جو چیزیں اُن پر حرام فرمادی گئی تھیں ان کا بیان فرمایا گیا ہے۔

سورۃ الانعام کے مشمولات

(۱) اس سورت میں عقائدِ باطلہ کے رد کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلائل کی تلقین فرمائی گئی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔۔۔ (الانعام: ۱۲)'' (اے رسولِ اکرم! آپ اِن سے پوچھیے: تمام آسمانوں میں اور تمام زمینوں میں جو کچھ ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟ آپ ان کو بتایئے: وہ سب اللہ کی ملکیت ہیں، اس نے محض اپنے فضل سے اپنی ذات پر رحمت لازم فرمادی ہے، بے شک وہ تمہیں ضرور بہ ضرور قیامت کے دن جمع فرمائیں گے جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۟ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ۔۔۔ (الانعام: ۱۹)'' (اے رسولِ اکرم! آپ ان سے پوچھیے: سب سے بڑی گواہی کس کی ہے؟ آپ کہیے: سب سے بڑی گواہی اللہ کی ہے، وہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہیں)۔

نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَ خَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝۔۔۔ (الانعام: ۴۶)'' (اے رسولِ اکرم! آپ کہیے: اے لوگو! یہ بتاؤ: اگر اللہ تمہاری سماعت اور بصارت کو سلب فرمالیں اور تمہارے دلوں پر مہر لگادیں تو اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو یہ چیزیں تمہیں مہیا کر دے! آپ دیکھیے: ہم کس طرح بار بار دلائلِ توحید بیان فرماتے ہیں پھر بھی یہ لوگ روگردانی کرتے ہیں)۔

(۲) اس سورت میں بہ طورِ استدلال اور بہ طورِ اقناع اسلام کے مسلّمہ عقائد کو ثابت فرمایا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی توحید، اس کی صفات اور انسان کے اندر اور اس کے باہر جو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں، ان کا ذکر فرمایا ہے۔

(۳) اس سورت میں نبوت، رسالت اور وحی کے ثبوت پر دلائل پیش فرمائے ہیں اور مشرکین کے شبہات کا عقلی اور علمی اور حسی دلائل سے رد فرمایا ہے۔

(۴) اس سورت میں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر دلائل پیش فرمائے ہیں اور نیک اور بد اعمال کی جزاء اور سزا جو قیامت کے دن ملے گی اس کا ذکر فرمایا ہے، اگر نیک کام کئے ہیں تو ان کی اچھی جزاء ہوگی اور اگر برے کام کیے ہیں تو ان پر سزا ملے گی۔

(۵) اس سورت میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام تک تمام انبیاء کا دین واحد ہے، یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کے اصول اور عقائد مشترک ہیں، البتہ اُن کی شرائع مختلف ہیں، کیونکہ ہر نبی نے اپنے زمانہ کے مخصوص حالات اور مخصوص مخاطبین کے لحاظ سے احکامِ فرعیہ مقرر فرمائے۔

(۶) نیز اس سورت میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ انسان کے اعمال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے لیکن اُن اعمال کی تخلیق بندوں کے کسب کے اعتبار سے ہے، اگر وہ کسی نیک کام کا ارادہ کریں تو اللہ تعالیٰ اُن کے لیے نیک کام پیدا فرما دیتے ہیں، اور اگر وہ کسی برے کام کا ارادہ کریں تو اللہ تعالیٰ اُن کے لیے برے کام پیدا فرما دیتے ہیں، اس لیے نہ بندوں پر کوئی جبر و اکراہ ہے اور نہ ہی بندے اپنے افعال کے خالق ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے اور جبریہ کہتے ہیں کہ انسان پتھر کی طرح مجبورِ محض ہے اور اہل سنت کا مذہب اس کے بین بین ہے۔

سورۃ الانعام کے متعلق احادیث

(۱) امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورۃ الانعام مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

(۲) امام ابن المنذر، امام الطبرانی اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ مکمل سورۃ الانعام مکہ میں ایک رات میں نازل فرمائی گئی اور اس کے اردگرد ستر ہزار فرشتے تھے جو بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھ رہے تھے۔

(۳) امام الطبرانی اور امام ابن مردویہ نے حضرت اسماء بنت یزید سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مکمل سورۃ الانعام ایک رات میں نازل فرمائی گئی اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی کی مُہار پکڑی ہوئی تھی اور اس سورت کے ثقل کی وجہ سے قریب تھا کہ اونٹنی کی ہڈیاں ٹوٹ جاتیں۔

(۴) امام الطبرانی اور امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر سورۃ الانعام اس حال میں نازل فرمائی گئی کہ میرے ساتھ اتنے فرشتے تھے جن کی تعداد سے آسمان اور زمین بھر جائیں، وہ تسبیح اور تقدیس پڑھ رہے تھے جس کی آواز گونج رہی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھ رہے تھے: سبحان اللہ العظیم، سبحان اللہ العظیم۔

(۵) امام حاکم نیشاپوری اور امام بیہقی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب سورۃ الانعام نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسبیح پڑھی، پھر آپ نے فرمایا: اس سورت کے ساتھ اتنے فرشتے تھے کہ جن سے آسمان اور زمین بھر جاتے۔

(۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس بیمار پر سورۃ الانعام کی تلاوت کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو شفاء عطاء فرما دیتے ہیں۔ (الدر المنثور ج ۳ ص ۲۲۲۔ ۲۲۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اٰیاتھا ۱۶۵ ۶ سُوْرَۃُ الْاَنْعَامِ مَکِّیَّۃٌ ۵۵ رکوعاتھا ۲۰

(سورۃ الانعام مکی ہے اور اس میں ایک سو پینسٹھ آیات اور بیس رکوع ہیں)

سورۃ الانعام میں ایک سو پینسٹھ (۱۶۵) آیات ہیں اور تین ہزار باون (۳۰۵۲) کلمات ہیں اور بارہ ہزار چار سو بائیس (۱۲۴۲۲) حرف ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ؕ۬ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ①

تمام تعریفیں اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں جنہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تاریکیوں اور روشنی کو پیدا فرمایا، پھر جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کو اختیار کیا وہ (دوسروں کو اپنے رب کا) شریک قرار دیتے ہیں O

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ②

وہی ہیں جنہوں نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا، پھر اس کی (زندگی کی مدت) مقرر فرمادی، اور (قیامت کا) معین وقت اللہ ہی کے پاس ہے، پھر تم شک کرتے ہو O

وَ هُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ فِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ یَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③

اور اللہ ہی تمام آسمانوں میں اور تمام زمینوں میں عبادت کے مستحق ہیں، وہ تمہاری پوشیدہ اور ظاہر کردہ باتوں کو خوب جانتے ہیں اور وہ جانتے ہیں تم جو کچھ کرتے ہو O

وَ مَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ④

اور اُن کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی کوئی نشانی آتی ہے وہ اس سے روگردانی کرتے ہیں O

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ یَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ⑤

پس جب بھی ان کے پاس حق آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا، سو عنقریب اُن کے پاس اُن چیزوں کی خبریں آجائیں گی جن کا وہ

مذاق اڑاتے تھے O

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۶﴾

کیاانہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم اُن سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک فرما چکے ہیں جن کو ہم نے زمین میں ایسی قوت عطا فرمائی تھی جو ہم نے تم کو عطا نہیں فرمائی، اور ہم نے ان پر آسمان سے موسلا دھار بارش نازل فرمائی، اور ہم نے دریا بنائے (جو اُن کے مکانوں اور باغوں کے) نیچے بہتے ہیں، پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب سے ہلاک فرما دیا، اور ہم نے اُن کے بعد دوسری قوم پیدا فرما دی O

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِىْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب آپ پر نازل فرماتے جس کو وہ اپنے ہاتھوں سے چھو لیتے (تب بھی) کفار کہتے: یہ تو صرف کھلا ہوا جادو ہے O

وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِىَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ﴿۸﴾

اور انہوں نے کہا کہ اس (رسول) پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل فرمایا گیا، اور اگر ہم فرشتہ نازل فرما دیتے تو ان کا کام تمام ہو چکا ہوتا، پھر اُن کو مہلت نہ دی جاتی O

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴿۹﴾

اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بنا دیتے تو ضرور ہم اس کو مرد (ہی کی صورت میں) بناتے، اور ہم ان پر وہی شُبہ ڈال دیتے جو شُبہ وہ اب کر رہے ہیں O

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع

اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی مذاق کیا گیا تھا تو اُن میں سے مذاق اڑانے والوں کا اسی عذاب نے احاطہ کر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''تمام تعریفیں اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں جنھوں نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا

فرمایا اور تاریکیوں اور روشنی کو پیدا فرمایا، پھر جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کو اختیار کیا وہ (دوسروں کو اپنے رب کا) شریک قرار دیتے ہیں O (الانعام:۱)''

اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ ابتداء اور انتہاء کرنے کے اسرار

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ الانعام:۱ تا ۱۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ'':

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید کی ابتداء الحمد کے ساتھ فرمائی، سو فرمایا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ'' اور حمد پر ہی اپنے کلام کی انتہاء فرمائی، سو فرمایا: ''وَ قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ قِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ ---- (الزمر:۷۵)'' (اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دیا جائے گا اور کہا جائے گا: سب تعریفیں اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے O)۔ اللہ عزوجل نے خود اپنی ذات کی حمد فرمائی تا کہ اس کے بندوں کو پتا چلے کہ اللہ عزوجل کی حمد کس طرح کی جاتی ہے، اس سلسلہ میں درج ذیل حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، ام المومنین نے فرمایا: ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بستر سے گم پایا، میں آپ کو ڈھونڈتی رہی تو میرا ہاتھ آپ کے قدموں کے تلووں پر پڑا، اس وقت آپ مسجد میں تھے اور آپ اپنے دونوں پیروں کو نصب کر کے یہ دعا کر رہے تھے: ''اللهم اعوذ برضاك من سخطك، وبمعافاتك من عقوبتك، واعوذبك منك لا احصی ثناء عليك، انت كما اثنيت علی نفسك'' (اے اللہ! میں آپ کی ناراضی سے آپ کی رضا کی پناہ میں آتا ہوں، اور آپ کی سزا سے آپ کی معافی کی پناہ میں آتا ہوں، اے اللہ! میں آپ ہی سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں، میں آپ کی اس طرح حمد اور ستائش نہیں کر سکتا جس طرح آپ نے خود اپنی حمد اور ستائش فرمائی ہے)۔ (صحیح مسلم:۴۸۶، الرقم المسلسل: ۱۰۹۰، سنن ابوداود:۸۷۹، سنن نسائی:۱۶۹، ۱۰۹۹، سنن ترمذی: ۳۵۰۴، مسند ابویعلیٰ: ۴۷۵ ۲، مسند ابوداود الطیالسی: ۱۲۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۷۵۳، کتاب الدعاء للطبرانی:۷۵۱، سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۰۶، ج ۱۰ ص ۳۸۶، مسند عبد بن حمید:۸۱)

حمد، شکر اور مدح کی تعریفات اور ان کی باہمی نسبتیں

حمد کی تعریف یہ ہے کہ ''اللہ عزوجل کے اوصافِ کمالیہ کو زبان سے بیان کیا جائے خواہ اس نے کوئی نعمت عطاء فرمائی ہو یا نہ عطاء فرمائی ہو، جیسے کوئی بیمار شخص کہے: الحمد للہ علی کل حال''۔

شکر کی تعریف یہ ہے کہ ''کسی شخص کے احسان کرنے اور نعمت عطاء کرنے کی وجہ سے جو اس کی تعظیم کی جائے خواہ زبان سے خواہ دیگر اعضاء سے، جیسے کوئی شخص کہے کہ حاتم بہت سخی ہے یا فلاں شخص بہت بڑا عالم ہے''۔

شکر کی دوسری تعریف یہ ہے کہ ''بندہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کو اُن کاموں میں صَرف کرے جن کاموں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بندہ کو وہ نعمتیں عطاء فرمائی ہیں''۔

مدح کی تعریف یہ ہے کہ ''کسی شخص یا کسی چیز کے کمال پر اس کی تعریف کی جائے خواہ اس کا وہ کمال اختیاری ہو یا غیر اختیاری

ہو، جیسے کوئی شخص کہے: "سمندر بہت وسیع ہے یا موتی بہت خوبصورت ہے"۔

پس حمد مورد کے اعتبار سے خاص ہے اور متعلق کے اعتبار سے عام ہے یعنی زبان سے جو تعظیم کی جائے خواہ نعمت کے مقابلہ میں ہو یا غیر نعمت کے مقابلہ میں، وہ حمد ہے۔

پس شکر مورد کے اعتبار سے عام ہے اور متعلق کے اعتبار سے خاص ہے یعنی نعمت ملنے پر جو تعظیم کی جائے وہ شکر ہے۔

مدح کا تعلق ذوی العقول کے ساتھ بھی ہے اور غیر ذوی العقول کے ساتھ بھی ہے۔

"اَلظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ" کا مصداق

اس آیت میں فرمایا ہے: "وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ" اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا، اور آسمانوں اور زمینوں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ظلمت یعنی تاریکی اور نور یعنی روشنی کو پیدا فرمایا۔

قتادہ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو زمین سے پہلے پیدا فرمایا، اور ظُلمت یعنی اندھیرے کو نُور یعنی روشنی سے پہلے پیدا فرمایا، اور جنت کو دوزخ سے پہلے پیدا فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ظلمت میں پیدا فرمایا، پھر اُن کے اوپر اپنے نور کو ڈال دیا، پس جس کو وہ نور پہنچ گیا وہ ہدایت پا گیا اور جس کو یہ نور نہیں پہنچا وہ گمراہ ہو گیا، اسی وجہ سے میں نے یہ کہا ہے کہ جو کچھ ہونے والا تھا اس کو لکھ کر قلم خشک ہو گیا۔ (سنن ترمذی: ۲۶۴۲، مسند احمد: ۶۸۵۴، ۶۶۴۴)

نیز دوسری حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک حضرت سلیمان بن داوٗد علیہما السلام نے اللہ عزوجل سے تین چیزوں کا سوال کیا، پس اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں انہیں عطاء فرما دیں اور ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو تیسری چیز بھی عطاء فرما دیں گے، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو حکومت عطاء فرمائیں، سو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکومت عطاء فرما دی اور انہوں نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی مملکت عطاء فرمائیں جو ان کے بعد کسی اور کے لیے سزاوار نہ ہو، سو اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی مملکت عطاء فرما دی، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ جو مرد بھی اپنے گھر سے صرف اس مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے نکلے تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے اس دن اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا فرمایا ہو، پس ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے ان کا یہ سوال بھی پورا فرما دیا۔ (مسند احمد: ۶۶۴۴، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۳۰-۳۱، سنن نسائی ج ۸ ص ۳۱۷، سنن ابن ماجہ: ۷۷ ۱۴، صحیح ابن حبان: ۵۴۵۷، سنن الدارمی ج ۲ ص ۱۱۱-۱۱۲، شعب الایمان للبیہقی: ۵۵۸۱، السنۃ لابن ابی عاصم: ۲۴۳-۲۴۴، صحیح ابن حبان: ۶۱۵۹، الشریعۃ للآجری: ۱۷۵، شرح اصول الاعتقاد للالکائی: ۱۰۷۹، سنن ترمذی: ۲۶۴۲، مسند البزار: ۵۱۴۵، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۹۳-۱۹۴، سنن ابن ماجہ: ۱۴۰۸، صحیح ابن خزیمہ: ۱۳۳۴، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

شیخ ابن تیمیہ کا شرک کی دو قسموں کا اختراع کرنا، شرک فی الالوہیۃ اور شرک فی الربوبیۃ

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

شرک کی دو قسمیں ہیں: ایک شرک فی الالوہیۃ ہے اور دوسری قسم شرک فی الربوبیۃ ہے۔ شرک فی الالوہیۃ کی تعریف یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک قرار دیا جائے مثلاً اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کوئی شریک قرار دیا جائے، یا اس کی محبت میں، یا اس سے خوف میں، یا اس سے امید رکھنے میں، یا اس کی طرف رجوع اور توبہ کرنے میں، سو یہ وہ شرک ہے کہ جس کی اللہ تعالیٰ بغیر اُس شرک سے توبہ کے مغفرت نہیں فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَۚ وَ اِنْ یَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ ۝۔۔۔ (الانفال: ۳۸)'' (اے رسولِ اکرم! آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ (کفر سے) باز آجائیں تو اُن کے پہلے گناہ معاف فرما دیئے جائیں گے، اور اگر وہ دوبارہ وہی شرکیہ اور کفریہ کام کریں تو بے شک (قانون قدرت کے مطابق) اس سے پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے O)۔

اور یہی وہ شرک ہے جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین عرب سے قتال کیا تھا، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں شرک کیا تھا، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اَلْقِیَا فِیْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِیْدٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ مُّرِیْبِ ۝ الَّذِیْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِیٰهُ فِی الْعَذَابِ الشَّدِیْدِ ۝۔۔۔ (ق: ۲۴۔۲۶)'' ((دونوں فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) ہر بڑے ناشکرے سرکش کو جہنم میں ڈال دو O جو نیکی کو سختی سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا ہے O جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا اعبادت کا مستحق قرار دیا، سو تم دونوں اس کو سخت عذاب میں جھونک دو O)۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے باپ حصین سے استفسار فرمایا: اے حصین! تم ایک دن میں کتنے خداؤں کی عبادت کرتے ہو؟ میرے والد نے جواب دیا: چھ خداؤں کی زمین میں عبادت کرتا ہوں اور ایک خدا کی آسمان میں عبادت کرتا ہوں، آپ نے پوچھا: تم ان میں سے کس کو اپنی رغبت اور اپنے خوف کے لیے شمار کرتے ہو (یعنی تم کس سے اپنی مطلب براری کے لیے امید رکھتے ہو اور کس کے عذاب سے ڈرتے ہو؟)، میرے باپ نے کہا: اس خدا سے جو آسمان میں ہے، آپ نے فرمایا: اے حصین! لیکن اگر تم اسلام قبول کرلو تو میں تمہیں ایسی دو باتوں کی تعلیم دوں گا جو تم کو نفع پہنچائیں گی، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے کہا: پس جب میرے باپ حصین نے اسلام قبول کرلیا تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! اب آپ مجھے ان دو باتوں کی تعلیم دیجئے جن کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا، آپ نے فرمایا: تم یہ دعا کرو: اے اللہ! مجھے اپنی طرف ہدایت کا الہام عطا فرمائیں اور مجھے میرے نفس کے شر سے پناہ میں رکھیں۔

(سنن ترمذی: ۳۴۸۳، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔)

شرک فی الربوبیۃ کا ثبوت اور اس کا شرعی حکم

عالمی اسکالر حافظ عبدالمجید (برسٹل) نے مجھ سے کہا کہ اس آیت کی تفسیر میں آپ شیخ ابن تیمیہ کے اس قول کا رد کریں کہ انہوں نے کہا ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا اقرار کرتے تھے اور اس میں شرک کرتے تھے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار نہیں دیتے تھے۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ۝'' اس سے معلوم ہوا کہ کفار اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں دوسروں کو شریک کرتے تھے اور یہ ابن تیمیہ کی تصریح کے خلاف ہے، سو آپ اس کا مفصل رد کریں۔ لہٰذا اللہ پر توکل کرتے ہوئے میں نے اس آیت کی تفسیر میں حافظ عبدالمجید برسٹل کی فرمائش کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے:

مشرکین اللہ تعالیٰ کی الوہیت کو مانتے تھے اور اس کا اقرار کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۔۔۔ (لقمان: ۲۵)" (اے رسولِ اکرم! اور اگر آپ ان مشرکین سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا فرمایا ہے؟ تو وہ ضرور بہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے پیدا فرمایا ہے)۔

اور مشرکین میں سے کسی کا ہرگز ہرگز یہ اعتقاد نہیں تھا کہ بُت بارش برساتے ہیں اور تمام جہان والوں کو رزق دیتے ہیں اور تمام جہان والوں کی تدبیر کرتے ہیں، ان کا شرک صرف یہ تھا کہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر کئی خود ساختہ معبود بنا لیے تھے اور اُن سے وہ اس طرح محبت کرتے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کرنی چاہیے، اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس نے اللہ کو چھوڑ کر کسی اور سے ایسی محبت رکھی جو اللہ سے رکھنی چاہیے تو اس نے شرک کیا، پس رب تبارک وتعالیٰ سبحانہٗ وہی مالک ہیں، مدبر ہیں، عطاء فرمانے والے ہیں، روکنے والے ہیں، نقصان پہنچانے والے ہیں، نفع پہنچانے والے ہیں، پست کرنے والے ہیں، بلند کرنے والے ہیں، عزت عطاء فرمانے والے ہیں، ذلت دینے والے ہیں، پس جس نے یہ شہادت دی کہ عطاء کرنے والا، یا روکنے والا، یا نقصان پہنچانے والا، یا نفع دینے والا، یا عزت دینے والا یا ذلت دینے والا، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں شرک کیا۔ (مجموعۃ الفتاویٰ جز ۱ ص ۱۷۔ ۲۷، دار الجیل، السعودیۃ العربیہ ۱۴۱۸ھ)

شرک فی الربوبیت کے متعلق شیخ ابن تیمیہ کے افکار پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں کہ شیخ ابن تیمیہ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ "اور مشرکین میں سے کسی کا ہرگز ہرگز یہ اعتقاد نہیں تھا کہ بُت بارش برساتے ہیں اور تمام جہان والوں کو رزق دیتے ہیں اور تمام جہان والوں کی تدبیر کرتے ہیں، ان کا شرک صرف یہ تھا کہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر کئی خود ساختہ معبود بنا لیے تھے" کیونکہ زیرِ تفسیر آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ۝ --- (الانعام: ۱)" (پھر جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کو اختیار کیا وہ (دوسروں کو اپنے رب کا) شریک قرار دیتے ہیں)۔ اس آیت سے یہ واضح ہوا کہ مشرکین عرب ربوبیت میں بھی دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے تھے، سو شیخ ابن تیمیہ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ "دنیا میں آج تک کسی نے اللہ کے سوا دوسروں کو ربوبیت میں شریک نہیں قرار دیا"۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وہی ہیں جنہوں نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا، پھر اس کی (زندگی کی مدت) مقرر فرما دی، اور (قیامت کا) معیّن وقت اللہ ہی کے پاس ہے، پھر تم شک کرتے ہو ۝ (الانعام: ۲)"

الانعام: ۲ کا الانعام: ۱ کے ساتھ ارتباط

"هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ":

الانعام: ۱ میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی تخلیق اور دن اور رات کے یکے بعد دیگرے آنے سے اللہ تعالیٰ کی صنعت اور اس کی قدرت پر استدلال فرمایا تھا، اب اس کے بعد الانعام: ۲ میں انسان کی تخلیق سے اللہ تعالیٰ کی صنعت اور قدرت پر استدلال فرمایا ہے اور ان میں مناسبت یہ ہے کہ یہ کائنات عالمِ کبیر ہے اور انسان عالمِ صغیر ہے تو جس طرح عالمِ کبیر کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے صانع اور حکیم ہونے پر دلالت کرتی ہے، اسی طرح عالمِ صغیر کی تخلیق بھی اللہ تعالیٰ کے صانع، قادر اور حکیم ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

اس آیت میں فرمایا: ''وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا'' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد حضرت آدم کی تخلیق ہو جو ابوالبشر ہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے انسان کی تخلیق مراد ہو، اس پر یہ اشکال ہوگا کہ انسان کب مٹی سے پیدا ہوا ہے، انسان تو منی اور حیض کے خون سے پیدا ہوا ہے اور یہ دونوں چیزیں خون سے پیدا ہوتی ہیں اور خون غذا سے بنتا ہے، اور غذا یا حیوانی ہوتی ہے جیسے مویشیوں کا گوشت، اور یا نباتی ہوتی ہے جیسے سبزیاں اور پھل، بہرحال غذا حیوانی ہو یا نباتی ہو دونوں مٹی سے پیدا ہوتی ہیں، کیونکہ سبزیاں اور پھل بھی مٹی سے پیدا ہوتے ہیں اور مویشی بھی مٹی سے پیدا ہوتے ہیں، پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نطفہ سے انسان کو پیدا فرمایا ہے، وہ نطفہ ایک حقیر پانی کی بوند ہے، اس سے اللہ تعالیٰ نے مختلف اعضاء پیدا فرمائے جن کی صفات، صورتیں اور رنگ اور شکلیں مختلف ہیں جیسے دل، دماغ اور جگر ہے، اور جیسے ہڈیاں اور پٹھے، اور ان اعضاء کے افعال بھی مختلف ہیں اور ان کی جگہیں بھی مختلف ہیں، دماغ انسان کے سر میں ہوتا ہے، دل انسان کی پسلیوں کے ساتھ ہوتا ہے، جگر بھی انسان کے پیٹ میں ایک جگہ ہوتا ہے، دماغ سے انسان غور و فکر کرتا ہے، دل پورے خون کو پمپ کر کے جسم میں رواں دواں رکھتا ہے، جگر خون کو پیدا کرتا ہے، رگوں میں خون ہوتا ہے اور مثانہ میں پیشاب ہوتا ہے اور انتڑیوں میں فضلہ ہوتا ہے، جس طرح دنیا میں بعض انسانوں کو دوسرے بعض انسانوں پر فضیلت ہوتی ہے، اسی طریقے سے انسان کے جسم کے ان اعضاء کو ایک دوسرے پر فضیلت ہوتی ہے، سب سے افضل عضو دماغ ہے، کیونکہ دماغ سے سوچ و بچار کر کے انسان توحید پر استدلال کرتا ہے، رسالت کا اقرار کرتا ہے، اور دل چونکہ پورے خون کو جسم میں گردش میں لاتا ہے تو حیات کا اُسی پر مدار ہے، اگر دل فاسد اور خراب ہوجائے تو انسان کی حیات منقطع ہوجاتی ہے، پھر انسان کے جسم کا نظام اُسی وقت قائم رہ سکتا ہے جب یہ اعضاء اپنی اپنی جگہوں پر کام کریں۔ اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ پیشاب کو مثانہ میں کیوں رکھا اور خون کو رگوں میں کیوں رکھا ہے، کیونکہ اگر پیشاب مثانہ کی بجائے رگوں میں آجائے اور خون رگوں کی بجائے مثانہ میں آجائے تو انسان کی موت واقع ہوجائے گی، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جس ترتیب کے ساتھ انسانی جسم کو بنایا ہے، وہ اسی ترتیب پر رہے تو جسم برقرار رہے گا ورنہ فنا ہوجائے گا۔ اسی طرح اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو جس جگہ رکھا ہے وہ اسی جگہ پر رہے گی تو کائنات قائم رہے گی، اگر یہ ترتیب پلٹ جائے یا بدل جائے تو کائنات تباہ ہوجائے گی۔ پھر اس میں یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ انسان کا اندر اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرمانبردار ہے مثلاً معدہ اور جگر اُسی کے حکم سے کام کر رہے ہیں، غذا کو ہضم کر رہے ہیں، خون بنا رہے ہیں، اسی طرح باہر ہم دیکھیں تو سورج، چاند اور ستارے، بادل اور برسات سب اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کام کر رہے ہیں، سو اگر انسان اپنے باہر دیکھے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا مطیع ہے اور اگر انسان اپنے اندر دیکھے تو اس کا اندر بھی اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرمانبردار ہے، کاش! انسان باہر سے ہدایت حاصل کر لیتا یا اپنے اندر سے ہدایت حاصل کر لیتا تو اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرمانبردار ہوجاتا۔

قضاء کے تین معانی

''ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنۡدَہٗ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تَمۡتَرُوۡنَ ۝'': قضاء کا معنی حکم دینا اور خبر دینا ہے اور کسی کام کو اس کے تمام تک پہنچانا ہے، پہلے معنی کی مثال ہے: ''وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ'' (بنی اسرائیل: ۲۳) ''(اور آپ کے رب نے حکم فرمایا کہ اے لوگو! اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو)، اور دوسرے معنی کی مثال ہے: ''وَ قَضَیۡنَاۤ اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ فِی الۡکِتٰبِ

لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ○ (بنی اسرائیل:۴)''(اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں قطعی خبر دے دی کہ تم ضرور بہ ضرور زمین میں دو مرتبہ فساد کرو گے اور تم ضرور بہ ضرور بہت بڑی سرکشی کرو گے ○)، اور تیسرے معنی کی مثال ہے:
''فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ يَوْمَيْنِ ... (حم السجدہ:١٢)''(تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دو دن میں پورے سات آسمان بنا دیا)۔

''اَجَل'' کا لغوی اور عرفی معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ١٢٠۵ھ، لکھتے ہیں:

''اجل'' کا معنی ہے: انسان کے وقت کی انتہاء، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○ ... (النحل:٦١)'' (اگر لوگوں کے ظلم کی وجہ سے اللہ اُن کا مواخذہ فرماتے تو زمین پر کوئی بسنے والا جاندار نہ چھوڑتے، لیکن اللہ انہیں ایک مدتِ مقررہ تک ڈھیل دیتے ہیں، پس جب ان کا مقرر وقت آجائے گا تو نہ وہ ایک ساعت اس مقرر وقت سے مؤخر ہو سکیں گے اور نہ اس مقرر وقت پر مقدم ہو سکیں گے ○)۔

''ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى'': اس آیت میں پہلی اجل سے مراد ہے اس دنیا میں مدتِ حیات، اور دوسری اَجَل سے مراد ہے آخرت میں بقاء۔ حسن بصری نے کہا ہے کہ دوسری اَجَل سے مراد ہے موت سے لے کر حشر تک کا وقت۔ تیسرا قول یہ ہے کہ پہلی اَجَل سے مراد ہے نیند اور دوسری اَجَل سے مراد ہے موت۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت میں دونوں اَجَلوں سے مراد موت ہے، کیونکہ موت دو قسم کی ہوتی ہے، ایک موت طبعی ہوتی ہے اور دوسری موت کسی عارضہ یا حادثہ کی وجہ سے ہوتی ہے، مثلاً چھت گرنے سے انسان مرجائے یا کسی درندہ کے مارنے کی وجہ سے مرجائے۔

(تاج العروس من جواہر القاموس، جز ٢٨، ٢٦٣، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١۴٣٣ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ ہی تمام آسمانوں میں اور تمام زمینوں میں عبادت کے مستحق ہیں، وہ تمہاری پوشیدہ اور ظاہر کردہ باتوں کو خوب جانتے ہیں اور وہ جانتے ہیں تم جو کچھ کرتے ہو ○ (الانعام:٣)''

الانعام:٣ کا الانعام:٢ کے ساتھ ارتباط

''وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ'': الوہیت کا مدار دو چیزوں پر ہے: (١) قدرت (٢) علم، یعنی جو قادر ہوگا وہی اس جہان کو پیدا کر سکے گا، اور جو اس جہان کی ہر چیز کا عالم ہوگا وہی اپنے بندوں کی ضروریات پر مطلع ہو کر ان کو پورا کر سکے گا، پہلی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ذکر فرمایا ہے، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کا ذکر فرمایا ہے۔

آیتِ مذکورہ کا معنی

اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں بھی موجود ہیں اور زمین میں بھی موجود ہیں، بلکہ اس آیت کا یہ معنی ہے کہ آسمان والوں کی تدبیر بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور زمین والوں کی تدبیر بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں میں موجود ہوتے تو پھر وہ محدود اور متناہی ہوتے اور ہر جو محدود اور متناہی ہو، وہ ممکن ہوتا

ہے اور جو ممکن ہو وہ حادث ہوتا ہے اور جو حادث ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا۔

عطف الشیء علیٰ نفسہ کا جواب

نیز اس آیت میں ارشاد فرمایا: ''یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ○ ''، اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ انسان کے افعال کا تعلق یا دل سے ہوگا یا ظاہری اعضاء سے ہوگا، اور جن افعال کا تعلق دل کے ساتھ ہے وہ انسان کا ''سِر'' ہیں اور جن افعال کا تعلق ظاہری اعضاء کے ساتھ ہے، وہ انسان کا ''جهر'' ہیں، پھر فرمایا: ''وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ''، اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ عطف الشیء علیٰ نفسہ ہو، اور عطف الشیء علیٰ نفسہ کلامِ بلیغ کے مناسب نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ''مَا تَكْسِبُوْنَ ○ '' کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنے افعال پر جو ثواب اور عقاب کا مستحق ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت المُکتَسَب پر محمول ہے، جیسے کہا جاتا ہے: یہ مال فلاں کا کسب ہے، اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ فلاں کی کوشش سے حاصل شدہ مال ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اُن کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی کوئی نشانی آتی ہے وہ اس سے روگردانی کرتے ہیں ○ '' (الانعام: ۴)

آیتِ مذکورہ میں ''آیات'' کے دو محمل

''وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ○ '':

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار و مشرکین کے لیے جو ایسی دلیل ظاہر کی جاتی ہے جس میں غور و فکر کرنا ضروری ہوتا ہے، تو کفار اس دلیل سے اعراض کرتے ہیں۔ اور اس آیت میں ''آیات'' سے مراد ایسے معجزات ہیں جیسے چاند کا شق کرنا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآنِ مجید کا صادر ہونا جس کی نظیر لانے سے تمام عالَمِ عرب عاجز ہو گیا، سو وہ اِن معجزات کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور نبوت پر ایمان نہیں لاتے اور روگردانی کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔

عطاء نے کہا: اس آیت میں ''آیات'' سے مراد قرآن مجید ہے، یعنی جب بھی قرآنِ مجید کی کوئی آیت نازل ہوتی ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ظاہر ہوتی ہے مثلاً اس میں غیب کی خبر ہوتی ہے یا مستقبل کی پیش گوئی ہوتی ہے، تو اہلِ مکہ غور و فکر کر کے اس پر ایمان نہیں لاتے بلکہ پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس جب بھی ان کے پاس حق آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا، سو عنقریب اُن کے پاس اُن چیزوں کی خبریں آجائیں گی جن کا وہ مذاق اڑاتے تھے ○ '' (الانعام: ۵)

کفارِ مکہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں نازل کیے ہوئے معجزات کا شدت کے ساتھ انکار کرنا اور اللہ تعالیٰ کا اُن کو اس انکار کی سزا دینا

''فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ '': جار اللہ زمخشری نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ آیات سے اعراض کرتے ہیں

تو وہ اس سے پہلے اس سے بھی عظیم اور بڑی آیات سے اعراض کر چکے ہیں۔

اس آیت میں ''الحق'' کا ذکر فرمایا ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں، اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تمام معجزات ہیں۔ (الکشاف ج ۲ ص ۵، البحر المحیط ج ۴ ص ۷۹)

اللہ عزوجل نے اعراض کے بعد تکذیب کا ذکر فرمایا ہے، اور یہ اُن کی سرکشی میں اضافہ ہے، کیونکہ جو شخص کسی چیز سے اعراض کرے کبھی وہ اس کی تکذیب کرنے والا نہیں ہوتا بلکہ وہ کبھی اس چیز سے غافل ہوتا ہے اور جب وہ اس چیز کی تکذیب کرے تو وہ اس کے اعراض پر اضافہ ہے، یعنی وہ صرف تامل اور تفکر اور دلائل میں غور وفکر اور معجزات میں نظر کرنے سے اعراض ہی نہیں کرتے بلکہ ان کی تکذیب بھی کرتے ہیں، پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ وہ اُن معجزات کا مذاق اڑاتے ہیں، کیونکہ جو شخص کسی چیز کی تکذیب کرے تو کبھی وہ اس حد تک نہیں پہنچتا کہ اس چیز کا مذاق بھی اڑائے اور جب وہ اس حد پر پہنچ جائے، یعنی وہ دلائل میں غور وفکر نہیں کرتے بلکہ اُن کی تکذیب کرتے ہیں، اس پر بھی مستزاد یہ ہے کہ وہ اُن دلائل کا مذاق اڑاتے ہیں، اور یہ اُن کفار کا انتہاء درجہ کا انکار اور کفر ہے۔

اللہ عزوجل نے فرمایا: ''فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝'': یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے معجزات سے اعراض کرتے ہیں اور ان کی تکذیب کرتے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں، سو عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو اس کی سزا دیں گے، ایک قول یہ ہے کہ اس کی سزا اُن کو غزوہ بدر میں اُن کی بھاری شکست کی صورت میں دی گئی، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی سزا اُن کو قیامت کے دن دی جائے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم اُن سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک فرما چکے ہیں جن کو ہم نے زمین میں ایسی قوت عطا فرمائی تھی جو ہم نے تم کو عطا نہیں فرمائی، اور ہم نے ان پر آسمان سے موسلا دھار بارش نازل فرمائی، اور ہم نے دریا بنائے (جو اُن کے مکانوں اور باغوں کے) نیچے بہتے ہیں، پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب سے ہلاک فرما دیا، اور ہم نے اُن کے بعد دوسری قوم پیدا فرمادی O'' (الانعام:٦)

''قرن'' کا معنی اور مصداق

''اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ'': اس آیت میں ''قرن'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے لوگوں کی جماعت اور اس کی جمع ''قرون'' ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قرن زمانہ کی مدت کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ وہ مدت اسی (۸۰) سال ہے، اور ایک اور قول ہے کہ وہ مدت ساٹھ (۶۰) سال ہے، اور ایک اور قول ہے کہ وہ مدت چالیس (۴۰) سال ہے، اور ایک اور قول ہے کہ وہ مدت تیس (۳۰) سال ہے، اور ایک اور قول ہے کہ وہ مدت سو (۱۰۰) سال ہے، کیونکہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن بشر المازنی سے فرمایا: ''تعیش قرنا'' (تم ایک قرن تک زندہ رہو گے)، سو وہ ایک سو سال تک زندہ رہے۔ (اللباب فی علوم الکتاب، ج ۸ ص ۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

صاحب اللباب کی حدیث کے راوی اور متنِ حدیث میں خطاء کا بیان

میں کہتا ہوں: صاحب اللباب نے اس حدیث کے یہی الفاظ لکھے ہیں لیکن یہ الفاظ صحیح نہیں ہیں:

(١) امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم الجعفی البخاری المتوفی ٢٥٦ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا: ''یعیش هذا الغلام قرنا'' (یہ لڑکا ایک قرن تک زندہ رہے گا)، سو وہ ایک سو سال تک زندہ رہے۔ (کتاب التاریخ الکبیر، ج ا ص ٣٠٦، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٢ھ)

(کتاب الجرح والتعدیل للامام ابن ابی حاتم ج ٢ ص ٣٩٦)

(٢) نیز امام بخاری نے اپنی ''التاریخ الصغیر ج ا ص ٢١٦'' میں لکھا ہے از عبداللہ بن بسر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا: ''یعیش هذا الغلام قرنا'' انہوں نے بیان کیا: پھر وہ ایک سو سال تک زندہ رہے۔

(٣) نیز امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ٣١٠ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن بُسر المازنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ اُن کے سر پر رکھا اور فرمایا: ''سیعیش هذا الغلام قرنا'' (عنقریب یہ لڑکا ایک قرن تک زندہ رہے گا)، میں نے پوچھا: قرن کتنی مدت ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک سو سال۔ (تفسیر الطبری جز ١٤ ص ٥٣٤، دار عالم الکتب، ریاض، ١٤٣٤ھ)

(٤) امام ابن ابی حاتم المتوفی ٣٢٧ھ نے بھی اپنی سند کے ساتھ اسی طرح روایت کی ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ٨ ص ٢٦٩٥)

(٥) نیز امام البزار نے ''مسند البزار: ٣٥٠٢'' میں بھی اسی طرح روایت کی ہے۔

(٦) اور امام طبری نے اپنی تاریخ میں بھی اسی طرح روایت کی ہے۔ (تاریخ الطبری ج ٢ ص ٢٣٦)

(٧) اور امام الحاکم نے ''المستدرک ج ٢ ص ٥٤٩ اور ج ٤ ص ٥٠٠'' میں اسی طرح یہ روایت ذکر کی ہے۔

(٨) اور الحارث بن ابی اسامہ نے اپنی مسند: ١٠٣٦ میں اسی طرح روایت کی ہے۔

(٩) امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ٥١٦ھ کی تفسیر کے مُخَرِّج نے اس حدیث کی اسی طرح روایت کی ہے۔

(١٠) حافظ نورالدین الہیثمی المتوفی ٨٠٧ھ نے ''مجمع الزوائد: ١٦١١٩'' میں امام الطبرانی اور امام البزار کے حوالہ سے یہ مکمل روایت ذکر کی ہے۔

(١١) حافظ جلال الدین السیوطی المتوفی ٩١١ھ نے الحاکم اور امام ابن ابی حاتم کے حوالہ سے لکھا ہے از حضرت عبداللہ بن بُسر المازنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ میرے سر پر رکھا اور فرمایا: ''سیعیش هذا الغلام قرنا'' (عنقریب یہ لڑکا ایک قرن تک زندہ رہے گا)، محمد بن القاسم کہتے ہیں: پھر ہم ہمیشہ اس کی عمر کا شمار کرتے رہے حتیٰ کہ ایک سو سال پورے ہو گئے، پھر حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ وفات پا گئے۔ (تفسیر الدرالمنثور ج ٣ ص ٤٣٤۔٤٣٥، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ١٤٢١ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم تھا کہ کون کتنے سال تک زندہ رہے گا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس پر اعتماد تھا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تصدیق کی، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کی واضح دلیل ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ ابن عطیہ الاندلسی نے کہا کہ جس زمانہ کے بوڑھے لوگ فوت ہو جائیں اور بچے پیدا ہو جائیں تو اس زمانہ کو قرن کہتے ہیں، کیونکہ قرآنِ مجید میں ہے: ''وَ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِيۡنَ ۝ ۔۔۔ (الانعام:٦)'' (اور ہم نے اُن کے بعد دوسری قوم پیدا فرمادی)۔ اور ایک قول یہ ہے کہ قرن کا معنی ہے: ایک زمانہ کے لوگ، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''خیر الناس قرنی''۔
(صحیح البخاری:٢٦٥٢، صحیح مسلم:٢٥٣٣، سنن ترمذی:٣٨٥٩، سنن ابن ماجہ:٢٣٦٢، مسند احمد:٣٩٥٣)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب آپ پر نازل فرماتے جس کو وہ اپنے ہاتھوں سے چھو لیتے (تب بھی) کفار کہتے: یہ تو صرف کھلا ہوا جادو ہے ۝'' (الانعام:٧)

قرطاس کا لغوی معنی

''وَ لَوۡ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ كِتٰبًا فِيۡ قِرۡطَاسٍ فَلَمَسُوۡهُ بِاَيۡدِيۡهِمۡ لَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۝'':
الکلبی اور مقاتل نے کہا کہ یہ آیت النضر بن الحارث اور عبداللہ بن ابی امیہ اور نوفل بن خویلد کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے کہا تھا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم!) ہم اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے پاس ایسی کتاب لے کر آئیں جس کے ساتھ چار فرشتے ہوں اور وہ اس بات کی گواہی دیں کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اور (اے رسولِ اکرم!) اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب آپ پر نازل فرماتے جس کو وہ اپنے ہاتھوں سے چھو لیتے (تب بھی) کفار کہتے: یہ تو صرف کھلا ہوا جادو ہے۔۔۔ (الانعام:٧)''۔

قرطاس کا معنی

اس آیت میں ''القرطاس'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: الصحیفۃ، جس میں کوئی چیز لکھی جائے، اور قرطاس عجمی اسم ہے جس کو عربی بنالیا گیا ہے، اور ''قرطاس'' اسی وقت کہا جاتا ہے جب کاغذ پر کچھ لکھا ہوا ہو، ورنہ اس کو طرس کہا جاتا ہے۔ (لسان العرب:٢٦٥٥)
اس آیتِ کریمہ کا معنی یہ ہے کہ ان کفار اور مشرکین کو کوئی چیز نفع نہیں دے سکتی، کیونکہ مجھے اس کا پیشگی علم ہے کہ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور انہوں نے کہا کہ اس (رسول) پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل فرمایا گیا، اور اگر ہم فرشتہ نازل فرمادیتے تو ان کا کام تمام ہو چکا ہوتا، پھر اُن کو مہلت نہ دی جاتی ۝'' (الانعام:٨)

منکرینِ نبوت کے مطالبہ کے باوجود اُن کے پاس فرشتہ نہ بھیجنے کی حکمتیں

''وَ قَالُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوۡ اَنۡزَلۡنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الۡاَمۡرُ ثُمَّ لَا يُنۡظَرُوۡنَ ۝'':
یہ بھی منکرینِ نبوت کے ایک شبہ کا جواب ہے، وہ کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف کوئی رسول بھیجتے تو ضروری تھا کہ وہ رسول فرشتوں میں سے ہوتا، کیونکہ فرشتوں کا علم انسانوں سے زیادہ ہوتا ہے اور ان کی قدرت بھی انسانوں سے زیادہ ہوتی ہے، اور حکیم جب کسی اہم چیز کے حصول کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے حصول کے لیے اس سے مدد حاصل کرتا ہے جس کو اس چیز کے حصول پر

زیادہ قدرت ہو، تو اس لیے ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتے۔

اللہ تعالیٰ منکرینِ نبوت کے اس شُبہ کو زائل کرنے کے لیے یا اس کا جواب دینے کے لیے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاریہ ہے کہ جب وہ کسی قوم کے مطالبہ پر کوئی معجزہ نازل فرماتے ہیں، اور پھر بھی وہ قوم ایمان نہیں لاتی تو اللہ تعالیٰ ایسا عذاب نازل فرماتے ہیں جو اس قوم کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے۔

اس جواب کی دوسری تقریر یہ ہے کہ اگر منکرینِ نبوت فرشتہ کو دیکھ لیتے تو اس کی ہیبت سے اُن کے جسموں سے جان نکل جاتی، کیونکہ یا تو وہ فرشتوں کو اس کی اصلی صورت میں دیکھتے یا انسانی صورت میں دیکھتے، اگر وہ فرشتہ کو اس کی اصلی صورت میں دیکھتے تو ان کے ہوش اڑ جاتے، اور اگر وہ فرشتہ کو انسانی صورت میں دیکھتے تو ان کا اشکال پھر لوٹ آتا کیونکہ وہ کہتے کہ یہ تو انسان ہے، فرشتہ نہیں ہے، ہم تو فرشتہ کو دیکھ کر ایمان لائیں گے۔ غرض یہ کہ وہ فرشتہ کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لاتے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ○ ... (الانعام: ۱۱۱)'' (اور اگر ہم اُن کی طرف فرشتے نازل فرماتے اور (قبروں سے نکل کر) مردے ان سے باتیں کرتے اور ہم ان پر (ان کے) سامنے ہر چیز کو جمع کر دیتے تو وہ پھر بھی ایمان نہ لاتے، مگر یہ کہ اللہ جس کا ایمان چاہتے، اور ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں ○)۔

اور جب وہ ایمان نہ لاتے تو اُن سب کو ہلاک کرنا واجب ہو جاتا، اور رہا اُن کے مطالبہ پر فرشتہ کو نازل نہ فرمانا، اس کی ایک حکمت تو یہ ہے کہ اگر فرشتہ کے نازل کرنے کے بعد بھی وہ ایمان نہ لاتے تو تمام منکرینِ نبوت ہلاک کر دیئے جاتے، دوسری حکمت یہ ہے کہ عام لوگ فرشتوں کو دیکھنے پر قادر نہیں ہیں، اور تیسری حکمت یہ ہے کہ فرشتہ کو نازل کرنا بہت عظیم معجزہ ہے اور فرشتہ کو دیکھ کر ایمان لانا اس کے سوا ممکن نہیں ہے کہ اُن میں جبراً ایمان کو پیدا کر دیا جائے اور یہ لوگوں کو مکلف کرنے کی مصلحت کے خلاف ہے۔

نیز اگر اللہ تعالیٰ اُن کی طرف فرشتہ کو نازل فرماتے تو کسی آدمی اور مرد کی صورت میں نازل فرماتے، کیونکہ وہ فرشتوں کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے، حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دحیہ کلبی کی صورت میں آتے تھے اور دو فرشتے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس دو مردوں کی صورت میں آئے۔

حضرت ابو عثمان بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ خبر دی گئی کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور اس وقت آپ کے پاس حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں، پس آپ (حضرت جبریل سے) باتیں کرنے لگے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ یا جو بھی آپ نے فرمایا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ حضرت دحیہ ہیں، پس جب آپ کھڑے ہوئے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے یہی گمان کیا تھا کہ یہ حضرت دحیہ ہیں حتیٰ کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ سنا جس میں آپ حضرت جبریل علیہ السلام کے آنے کی خبر دے رہے تھے یا جس طرح آپ نے فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۴۹۸۰، صحیح مسلم: ۲۴۵۱، الاصابہ ج ۱ ص ۴۷۳، رقم: ۲۳۹۰)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بنا دیتے تو ضرور ہم اس کو مرد (ہی کی صورت میں) بناتے،

اور ہم ان پر وہی شُبہ ڈال دیتے جو شبہ وہ اب کر رہے ہیں O" (الانعام:۹)

"وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝": یعنی اگر منکرین نبوت کے پاس فرشتہ نازل ہوتا تو وہ آدمی ہی کی صورت میں نازل ہوتا اور اُن پر پھر وہی اشکال لوٹ آتا اور وہ کہتے کہ یہ تو مرد اور آدمی ہے، فرشتہ نہیں ہے، کیونکہ وہ فرشتہ کو دیکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی مذاق کیا گیا تھا تو اُن میں سے مذاق اڑانے والوں کا اسی عذاب نے احاطہ کر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے O" (الانعام:۱۰)

"وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝":

اس آیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی عطا فرمائی گئی ہے کہ اگر آپ کے پیش کردہ معجزات کو دیکھنے کے باوجود یہ اپنے کفر پر جمے رہتے ہیں اور آپ کا مذاق اڑاتے ہیں تو آپ اس سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں، کیونکہ آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا ہے، پھر مذاق اڑانے والوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے عذاب نازل فرمایا ہے۔

(اللباب فی علوم الکتاب، ج ۸ ص ۴۔ ۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝

(اے رسولِ اکرم!) آپ (ان منکرین سے) کہیے: تم زمین میں سفر کرو پھر غور و فکر کرو کہ اللہ کی آیات کی تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا O

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

آپ ان سے پوچھیے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کی چیزیں کس کی ملکیت میں ہیں؟ (پھر آپ ہی ان کو جواب دیں کہ) سب چیزیں اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں، اس نے (محض اپنے کرم سے) اپنی ذات پر رحمت لازم فرمالی ہے، بے شک وہ تم سب کو ضرور بہ ضرور قیامت کے دن جمع فرمائیں گے جس دن کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے، جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈال دیا ہے تو وہ ایمان نہیں لائیں گے O

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

اور جو کچھ رات اور دن میں ساکن رہتا ہے وہ اسی کی ملکیت میں ہے، اور وہ سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں O

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْۤ

أُمِرْتُ أَنْ أَكُوْنَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾

آپ کہیے: کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو معبود قرار دوں؟ جو تمام آسمانوں اور زمینوں کے پیدا فرمانے والے ہیں، اور وہ سب کو کھلاتے ہیں اور ان کو نہیں کھلایا جاتا، آپ کہیے: مجھے یہ حکم فرمایا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اللہ کے حضور گردن جھکانے والا ہو جاؤں اور یہ کہ آپ ہرگز ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں O

قُلْ إِنِّيْٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

آپ کہیے: اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے بہت بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے O

مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

اس دن جس سے عذاب کو پھیر دیا گیا تو بے شک اللہ نے اس پر بہت رحم فرمایا، اور یہی روشن کامیابی ہے O

وَإِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ إِلَّا هُوَ ؕ وَإِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

اور اگر اللہ آپ کو کوئی ضرر پہنچائیں تو اللہ کے سوا اس ضرر کو کوئی دور فرمانے والا نہیں ہے، اور اگر اللہ آپ کو کوئی نفع پہنچائیں تو وہ ہر اس چیز پر قادر ہیں جس کو وہ چاہیں O

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾

اور اللہ ہی تمام بندوں پر غالب ہیں اور وہی نہایت حکمت والے، سب باتوں کی خبر رکھنے والے ہیں O

قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۚ وَأُوْحِيَ إِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ ؕ أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ أَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً أُخْرٰى ؕ قُلْ لَّآ أَشْهَدُ ۚ قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّإِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾

آپ کہیے: سب سے بڑی گواہی کس کی ہے؟ (پھر آپ ہی جواب دیں کہ) اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہیں، اور میری طرف اس قرآن کی وحی نازل فرمائی گئی ہے تا کہ میں اس قرآن کے ساتھ تمہیں آخرت کے عذاب سے ڈراؤں اور اُن کو ڈراؤں جن تک قرآنِ مجید کا یہ پیغام پہنچے، کیا تم ضرور یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اس کے سوا دوسرے معبود ہیں؟ آپ کہیے: میں یہ گواہی نہیں دیتا، آپ کہیے: صرف اللہ واحد مستحق عبادت ہیں، اور بے شک میں ان سب سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو O

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۲۰

جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطاء فرمائی ہے، وہ (اس نبی کو) اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈال دیا سو وہ ایمان نہیں لائیں گے ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ (ان منکرین سے) کہیے: تم زمین میں سفر کرو پھر غور وفکر کرو کہ اللہ کی آیات کی تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا ○'' (الانعام: ۱۱)

منکرین نبوت کو حسّی آیات کا مشاہدہ کرانا

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، الانعام: ۱۱ تا ۲۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۱'':

اس آیت سے یہ مراد نہیں ہے کہ منکرینِ نبوت کو زمین میں سفر کرایا جائے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ زمین میں سفر کر کے اور گھوم پھر کر یہ دیکھیں کہ اُن سے پہلے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تکذیب کی اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں اور نبیوں کی رسالت اور نبوت کا انکار کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پر کس طرح کے عذاب نازل فرمائے تا کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ منکرینِ نبوت کا کیا انجام ہوتا ہے، کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کو عقلی اور سمعی نشانیاں دکھائیں لیکن انہوں نے ان نشانیوں سے کوئی نفع حاصل نہیں کیا، تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو حسّی آیات دکھائیں تا کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ جن لوگوں نے اللہ کے نبی کی نبوت کا انکار کیا اور تکذیب کی اور ان سے عناد رکھا، ان کا کیسا انجام ہوا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ ان سے پوچھیے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کی چیزیں کس کی ملکیت میں ہیں؟ (پھر آپ ہی ان کو جواب دیں کہ) سب چیزیں اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں، اس نے (محض اپنے کرم سے) اپنی ذات پر رحمت لازم فرمالی ہے، بے شک وہ تم سب کو ضرور بہ ضرور قیامت کے دن جمع فرمائیں گے جس دن کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے، جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈال دیا ہے تو وہ ایمان نہیں لائیں گے ○ اور جو کچھ رات اور دن میں ساکن رہتا ہے وہ اسی کی ملکیت میں ہے، اور وہ سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں ○'' (الانعام: ۱۲-۱۳)

مشرکین کے دلوں میں اللہ عزوجل کی خالقیت کو تسخیر فرمانا

''قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۱۳'':

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اس کے غضب پر غالب ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اس نے (محض اپنے کرم سے) اپنی ذات پر رحمت لازم فرمالی ہے''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا فرما چکے تو انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا جو عرش کے اوپر ہے کہ ''بے شک میری رحمت میرے غضب کے اوپر غالب ہے''۔

(صحیح البخاری: ٣١٩٤، ٧٤٠٤، ٧٤١٢، ٧٤٥٣، ٧٥٥٣، ٧٥٥٤، صحیح مسلم: ٢٧٥١، الرقم المسلسل: ٦٨٦٣، سنن ترمذی: ٣٥٤٣، سنن ابن ماجہ: ١٨٩، ٤٢٩٥، مسند احمد: ٩١٥٩، صحیح ابن خزیمہ ج ١ ص ١٣٥، صحیح ابن حبان: ٦١٤٣، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ٨٤١، ٨٨١، شرح السنہ للبغوی: ٤٠٧٣، تاریخ بغداد للخطیب ج ٩ ص ٣٧١، کتاب الزہد لابن المبارک: ٨٩٣، الادب المفرد للامام بخاری: ص ١٠٠، سنن دارمی ج ٢ ص ٣٢١، المعجم الاوسط للطبرانی: ٩٩٥، کتاب الآداب للبیہقی: ٣٥)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا عموم اور شمول

نیز امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کو پیدا فرمایا تو اس نے سو رحمتیں پیدا فرمائیں، اس نے ننانوے رحمتیں اپنے پاس رکھ لیں اور ایک رحمت تمام مخلوق میں بھیج دی، اگر کافر کو ان تمام رحمتوں کا علم ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں تو وہ جنت سے مایوس نہیں ہوگا۔ اور اگر مومن کو ان تمام عذابوں کا علم ہو جائے جو اللہ کے پاس ہیں تو وہ دوزخ سے بے خوف نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری: ٦٠٠٠، ٦٤٦٩، صحیح مسلم: ٢٧٥٢، سنن ترمذی: ٣٥٤١، سنن ابن ماجہ: ٤٢٩٣، مسند احمد: ٩٣٢٦، سنن دارمی: ٢٧٨٥)

نیز امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیدی آئے، پس اُن قیدیوں میں ایک عورت تھی، وہ اپنے پستان سے دودھ پلانے کے لیے دودھ نکال رہی تھی، جب وہ اپنے بچے کو دیکھتی تو اس کو پکڑ کر اپنے سینے سے چمٹاتی اور اس کو دودھ پلاتی، پس ہم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارا گمان ہے کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ ہم نے کہا: نہیں! اگر وہ اس کو آگ میں نہ ڈالنے پر قادر ہوگی تو نہیں ڈالے گی، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں جتنا یہ عورت اپنے بچے پر رحم کرتی ہے۔

(صحیح البخاری: ٥٩٩٩، صحیح مسلم: ٢٧٥٤، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ١٠٣٩)

اللہ تعالیٰ کا دنیا میں بعض بندوں کو مصائب اور بیماریوں میں مبتلاء فرمانا، اور آخرت میں بعض بندوں کو دوزخ میں ڈالنا اللہ عزوجل کی رحمت کے خلاف نہیں ہے

اس حدیث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب بندوں سے ماں سے زیادہ رحمت فرماتے ہیں تو پھر بندوں کو مصائب میں کیوں مبتلا فرماتے ہیں؟ ان پر آفات کیوں نازل فرماتے ہیں؟ ان پر بیماریاں کیوں مسلط فرماتے ہیں؟ علیٰ ھذا القیاس۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مصائب اور قدرتی آفات اور بیماریاں بھی بندوں پر ان کے گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں، اور ان مصائب اور بیماریوں کی وجہ سے بندہ گناہوں سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے اور جتنے زیادہ اس پر مصائب آئیں گے یا بیماریاں

آئیں گی اتنا زیادہ وہ گناہوں سے پاک ہوگا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ اس مصیبت کے سبب سے اس کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں حتیٰ کہ جو کانٹا بھی اس کو چبھتا ہے، اس کی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گناہوں کا کفارہ فرما دیتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۶۴۰، صحیح مسلم: ۲۵۷۲، سنن ترمذی: ۹۶۵، مسند احمد: ۲۴۳۰۷، موطا امام مالک: ۱۷۵۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسلمان پر جو بھی تھکاوٹ آتی ہے یا بیماری آتی ہے یا پریشانی آتی ہے یا غم آتا ہے، یا کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور صدمہ پہنچتا ہے، حتیٰ کہ اس کو جو کانٹا بھی چبھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کے گناہوں کا کفارہ فرما دیتے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۵۶۴۲، صحیح مسلم: ۲۵۷۳، سنن ترمذی: ۹۶۶، مسند احمد: ۷۹۶۷)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام السائب یا ام المسیب کے پاس آئے، تو آپ نے فرمایا: اے ام السائب، یا فرمایا: اے ام المسیب! تم کیوں آوازیں نکال رہی ہو؟ انہوں نے کہا: بخار! اللہ اس میں برکت نہ دے، آپ نے فرمایا: تم بخار کو برا نہ کہو، کیونکہ یہ بنو آدم کے گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جیسا کہ بھٹی لوہے کے زنگ کو مٹا دیتی ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۵۷۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمیشہ بندہ مومن پر یا مومنہ پر مصیبت نازل ہوتی ہے، حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۰۸۱۱، ۱۰۸۱۷، سنن ترمذی: ۲۳۹۹)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمیشہ بندے پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ مصیبت اس بندہ کو اس حال میں چھوڑتی ہے کہ وہ زمین پر چلتا ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

(سنن ترمذی: ۲۳۹۸، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے)

اور بعض نیک لوگوں پر بھی مصائب آتے ہیں جیسے اہل بیت کرام پر مصائب آئے اور بعض صحابہ کرام کو تکلیفیں پہنچیں، سو وہ ان کے درجات بلند کرنے کے لیے ہوتے ہیں، حتیٰ کہ قیامت کے دن دنیا میں مصائب اٹھانے والوں کے درجات جنت میں اتنے بلند ہوں گے کہ جن مومنین پر دنیا میں مصائب نہیں آئے تھے وہ حسرت سے انہیں دیکھ کر کہیں گے: کاش! ہم پر وہ مصائب آتے اور ہمیں بھی یہ مرتبہ اور ثواب ملتا جو مرتبہ اور ثواب تم کو ملا ہے۔

اسی طرح اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دوزخ میں تو بہرحال ڈالیں گے، پھر یہ کیسے درست ہوگا کہ یہ عورت تو اپنے بچے کو آگ میں نہیں ڈالتی اور اللہ تعالیٰ جو اس عورت سے زیادہ اپنے بندوں پر رحم فرمانے والے ہیں، وہ اپنے بعض بندوں کو آگ میں ڈال دیں گے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ "اپنے" بندوں کو دوزخ میں نہیں ڈالیں گے، جن کو دوزخ میں ڈالیں گے ان میں سے کوئی بھی اپنے آپ کو اللہ کا بندہ نہیں کہتا ہوگا، وہ اپنے آپ کو سورج کا بندہ کہتا ہوگا، کوئی اپنے آپ کو آگ کا بندہ کہتا ہوگا، کوئی پتھر کی بنائی ہوئی

مورتیوں اور بتوں کا بندہ کہتا ہوگا، کوئی اپنے آپ کو پیپل کے درخت کا بندہ کہتا ہوگا، سو جو اللہ کا بندہ ہے اور اپنے آپ کو وہ اللہ کا بندہ کہتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں نہیں ڈالیں گے۔

پھر اس پر یہ سوال ہے کہ بعض مومنین کو بھی تو دوزخ میں ڈالا جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو دوزخ میں عذاب کے لیے نہیں ڈالا جائے گا بلکہ ان کو گناہوں سے پاک کرنے کے لیے دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ یہ ایسا ہے کہ جیسے بچے کے بدن پر میل کچیل ہو تو ماں بچے کو صابن سے رگڑ رگڑ کر نہلاتی ہے، بچہ روتا ہے چلاتا ہے لیکن ماں بچے کی بھلائی کی خاطر اس کو رگڑ رگڑ کر نہلاتی رہتی ہے۔

مشرکینِ مکہ سے ان کے رب کے متعلق سوال کرنے کی حکمتیں اور توجیہات

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝''۔۔۔ (المومنون: ۸۴-۸۵) (اے رسولِ اکرم! آپ ان مشرکین سے پوچھئے: زمین اور جو کچھ زمین میں ہے وہ کس کی ملکیت میں ہے اگر تم جانتے ہو؟ O عنقریب وہ کہیں گے: سب کچھ اللہ کی ملکیت میں ہے، آپ کہیے: پھر کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟ O)۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝''۔۔۔ (المومنون: ۸۸-۸۹) (آپ کہیے: ہر چیز کی بادشاہی کس کے قبضہ وقدرت میں ہے اور وہ لوگوں کو پناہ دیتے ہیں اور اس کے خلاف کسی کو پناہ نہیں دی جاسکتی، (بتاؤ!) اگر تم جانتے ہو؟ O عنقریب وہ کہیں گے: یہ سب کچھ اللہ ہی کی ملکیت میں ہے، آپ کہیے: پھر تم کہاں جادو زدہ پڑے ہوئے ہو؟ O)۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ۙ۬ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَ النُّوْرُ ۚ۬ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝''۔۔۔ (الرعد: ۱۶) (آپ ان سے پوچھئے: آسمانوں اور زمینوں کا رب کون ہے؟ (آپ خود ہی کہیے:) اللہ آسمانوں اور زمینوں کے رب ہیں، آپ کہیے: کیا تم نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے مددگار بنا لیے ہیں جو اپنے لیے بھی کسی نفع اور ضرر کے مالک نہیں ہیں! آپ کہیے: کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہیں؟، یا کیا تاریکیاں اور روشنی برابر ہیں؟ کیا انہوں نے اللہ کے لیے ایسے شریک قرار دیے ہیں جنہوں نے اللہ کی تخلیق کی طرح کوئی چیز پیدا کی ہے تو کیا ان پر مخلوق مشتبہ ہوگئی؟ آپ کہیے: اللہ ہی ہر چیز کے خالق ہیں اور وہ ایک ہیں جو سب پر غالب ہیں O)۔

اسی نہج پر سورۃ الانعام میں سوال فرمایا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اس جواب کو مسخر فرمایا، اس کے بعد اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝''۔۔۔ (لقمان: ۲۵) (اے رسولِ اکرم! اور اگر آپ ان مشرکین سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا فرمایا ہے؟ تو وہ ضرور بہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے پیدا فرمایا ہے، آپ کہیے: تمام تعریفیں اللہ عزوجل ہی کے ساتھ مخصوص ہیں، بلکہ مشرکین میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے O)۔

بعض مفسرین نے کہا: آپ ان سے یہ سوال کیجئے، اگر انہوں نے یہ جواب دیا کہ آسمانوں اور زمینوں کو تخلیق کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں تو فبھا، ورنہ آپ خود کہیں کہ اللہ ہی نے ان سب کو پیدا فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اپنے اوپر رحمت کو لازم فرمانے کی مزید متعدد توجیہات

''كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ'': حسن بصری نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے اوپر رحمت کو توابین کے لیے لازم فرما دیا ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو توبہ کرنے والوں کو جنت میں داخل فرما دیں گے، اور کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوگا، جو لوگ بھی جنت میں داخل ہوں گے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے، اسی طرح حدیث میں مذکور ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو ہرگز اس کا عمل نجات نہیں دے گا، صحابہ نے پوچھا: کیا آپ کو بھی یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: اور مجھ کو بھی، سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لیں، سو تم درست کام کرتے رہو اور درمیانی کام کرتے رہو اور صبح کے وقت میں نیک عمل کرو اور شام کے وقت میں نیک عمل کرو اور کچھ رات کے اندھیرے کے وقت میں نیک عمل کرو، اور ہر کام میں اعتدال کو لازم رکھو، ہر کام میں اعتدال کو لازم رکھو، سو تم منزل پر پہنچ جاؤ گے۔ (صحیح البخاری: ۶۴۶۳، صحیح مسلم: ۲۸۱۶، سنن ابن ماجہ: ۴۲۰۱، مسند احمد: ۷۱۶۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ٹھیک کام کرتے رہو اور صحت کے قریب کام کرو اور یاد رکھو! تم میں سے کسی کو اس کا عمل ہرگز جنت میں داخل نہیں کرے گا، اور بے شک اللہ عزوجل کے نزدیک پسندیدہ اعمال وہ ہیں جو دائمی ہوں خواہ تھوڑے ہوں۔ (صحیح البخاری: ۶۴۶۴، صحیح مسلم: ۲۸۱۸، مسند احمد: ۲۴۴۲۰)

اس حدیث میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ میانہ روی مستحب ہے اور یہ کسی کام میں اعتدال کو قائم رکھنا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ افراط اور تفریط کے درمیان متوسط طریقہ کو اختیار کرنا صحیح ہے، اور مداومت کا مطلب یہ ہے کہ کسی نیک عمل پر مداومت کی جائے۔

اس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر رحمت کو اپنے کرم سے لازم فرمالیا ہے کہ وہ ان کو قیامت کے دن جمع فرمائیں گے، یعنی لوگوں کو قیامت کے دن جمع فرمانا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دشمن کے لیے عذاب کو تیار فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست کے لیے ثواب کو تیار فرمایا ہے، سو اللہ تعالیٰ کی رحمت یہ ہے کہ وہ سب کو حشر کے دن جمع فرمائیں گے، اپنے دشمن کو سزا دیں گے اور اپنے دوست کو ثواب عطاء فرمائیں گے۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت یہ ہے کہ سب لوگوں کو حشر کے دن جمع فرمائیں گے، پس نافرمان کو عذاب سے ڈرایا ہے اور نیک کام کرنے والے اطاعت شعار سے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے، تاکہ نافرمان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آجائے اور اطاعت شعار اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رغبت کرے، اور یہ اللہ عزوجل کی رحمت ہے۔

نیز اس کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امتِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے یہ لکھ دیا ہے کہ وہ ان کو تکذیب سے ایسا عذاب نہیں دیں گے کہ ان کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے جیسے اس سے پہلی امتوں کو ان کی تکذیب کی وجہ سے ایسا عذاب دیا جس نے ان کو جڑ سے اکھاڑ دیا، پس اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے جو تاخیر رکھی ہے وہ اس کی رحمت کی وجہ سے ہے۔

''لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ'': یعنی اللہ تعالیٰ تم سب کو قبروں میں جمع فرمائیں گے اور پھر دوبارہ قیامت کے دن حشر کے میدان میں جمع فرمائیں گے۔ اور قبروں میں اور حشر کے دن جمع فرمانے میں ان کے نزدیک کوئی شک نہیں ہے جن کا اس پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ فرمائیں گے تاکہ مومنین کو ثواب اور کفار کو عذاب دیا جائے۔

''اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝'': یعنی جن لوگوں نے ایمان کے بجائے کفر کو اختیار کیا، انہوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈال لیا، سو ان پر کسی نصیحت کا اثر نہیں ہوگا اور وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل

''وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝'': اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ جو چیز رات اور دن میں ساکن ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی مقہور اور مغلوب ہے، کیونکہ جابر بادشاہوں اور مطلق العنان حکمرانوں کے بس میں رات اور دن کو اپنی جگہ سے پھیرنا ممکن نہیں ہے، اور کیسا ہی ظالم اور جابر حکمران کیوں نہ ہو وہ لامحالہ دن اور رات کو پاتا ہے خواہ وہ دن اور رات میں رہنا چاہے یا نہ رہنا چاہے، اور اللہ تعالیٰ کی سلطنت رات اور دن پر جاری ہے، پھر رات اور دن کا سلسلہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے مطابق جاری ہے اور ایک ہی طور اور ایک ہی طریقہ سے رات اور دن کا تحقق ہوتا ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ رات اور دن کے ایک کے بعد آنے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا دخل نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کفارِ اہلِ مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا: اے محمد! ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ہمیں جس دین کی دعوت دے رہے ہیں وہ کسی ضرورت کی وجہ سے ہے، ہم آپ کی وہ ضرورت پوری کر دیں گے، آپ اس دعوت کو چھوڑ دیں، ہم آپ کو اتنا مال دیں گے کہ آپ عرب میں سب سے زیادہ مال دار ہو جائیں گے، سو آپ یہ مال لے لیں اور اس دعوت کو چھوڑ دیں، پس یہ آیت: ''وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (الانعام: ۱۳)'' نازل ہوئی۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۴ ص ۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اسی روایت کے مثل درج ذیل حدیث ہے:

امام ابوبکر احمد بن الحسن البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل اور قریش کی ایک جماعت نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت اور ان کا دین بہت پھیل گیا ہے، تم کوئی ایسا مرد ڈھونڈو جو جادو میں ماہر ہو اور کہانت اور شعر میں ماہر ہو، پھر وہ ان سے بات کرے، پھر ہمارے پاس ایک شخص آیا، عتبہ نے کہا: میں نے جادوگروں اور کاہنوں اور شاعروں کو کلام سنایا اور ان کا کلام ایسا نہیں ہے، پھر عتبہ نے کہا: اے محمد! تم بہتر ہو یا ہاشم بہتر ہیں، تم بہتر ہو یا عبد المطلب بہتر ہیں، تم بہتر ہو یا عبد اللہ بہتر ہیں؟ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا، اس نے کہا: پھر آپ ہمارے خداؤں کو برا کیوں کہتے ہیں اور کیوں ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ قرار دیتے ہیں، اگر آپ کو ریاست کی ضرورت ہے تو ہم آپ کے لیے جھنڈے گاڑ دیتے ہیں، آپ ہمارے سردار بن جائیں گے، اگر آپ نکاح کرنا چاہتے ہیں تو ہم دس عورتیں پیش کریں گے آپ ان میں سے جس سے چاہیں نکاح کر لیں، اگر آپ کو مال کی ضرورت ہو تو ہم آپ کے لیے مال جمع کر دیں گے، ہم آپ کو اتنا مال دیں گے کہ وہ آپ کے لیے بھی کافی ہوگا اور آپ کے بعد آپ کی اولاد کے لیے بھی کافی ہوگا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور آپ نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، پھر جب وہ اپنی پیش کش سے فارغ ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۞ -- پھر آپ نے یہ آیت یہاں تک پڑھی: فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۞ --- (حم السجدہ: ١۔ ١٣)'' (اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والا، نہایت مہربان ہے ○ حا میم ○ یہ نہایت رحمت والے، بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے نازل کیا ہوا کلام ہے ○ یہ کتاب ہے جس کی آیتیں واضح طور پر بیان فرمائی گئی ہیں، عربی قرآن ان لوگوں کے لیے جو علم والے ہیں ۔۔۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو آپ کہیے کہ میں نے تمہیں کڑک (کے عذاب) سے ڈرا دیا ہے جیسے عاد اور ثمود پر کڑک (کا عذاب) آیا تھا ○)۔ پھر عتبہ نے اپنے مونہہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

(دلائل النبوۃ و معرفۃ احوال صاحب الشریعہ، ج ٢ ص ٢٠٢۔ ٢٠٣، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٣ھ)

''وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞'': یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی مصلحتوں کو جاننے والے ہیں اور ان کی دعاؤں کو سننے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو معبود قرار دوں؟ جو تمام آسمانوں اور زمینوں کے پیدا فرمانے والے ہیں، اور وہ سب کو کھلاتے ہیں اور ان کو نہیں کھلایا جاتا، آپ کہیے: مجھے یہ حکم فرمایا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اللہ کے حضور گردن جھکانے والا ہو جاؤں اور یہ کہ آپ ہرگز ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں ○'' (الانعام: ١٤)

''قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'':

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت اس طرح ہے: ''قل اغیر اللہ اتخذ ربًّا فاطر السماوات والارض'' یعنی آپ کہیے: کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو رب قرار دوں جو تمام آسمانوں اور زمینوں کے پیدا فرمانے والے ہیں، گویا کہ یہ آیت اس آیت کے ساتھ ملی ہوئی ہے: ''قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ --- (الانعام: ١٢)'' (آپ ان سے پوچھیے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کی چیزیں کس کی ملکیت میں ہیں؟ (پھر آپ ہی ان کو جواب دیں کہ) سب چیزیں اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں)، یعنی جب تم نے اس کا اقرار کر لیا کہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں، پھر کیوں کر تمہارے لیے یہ جائز ہوگا کہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے من گھڑت شرکاء قرار دو، تم اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہو حالانکہ وہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا فرمانے والے ہیں، تم اللہ کے غیر کی طرف عبادت کس لیے پھیرتے ہو؟

''وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ'': اہل التاویل نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے: حالانکہ وہ سب کو رزق دیتے ہیں اور ان کو کوئی رزق نہیں دیتا، اور مخلوقات میں سے بعض دوسرے بعض کو رزق دیتے ہیں اور اس کے عوض ان سے نفع اٹھاتے ہیں، اور اللہ عزوجل نے مخلوقات کو پیدا فرمایا اور اپنے کسی نفع کے لیے پیدا نہیں فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ بذاتہٖ غنی ہیں اور تمام مخلوق ان کی طرف محتاج ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۞ --- (فاطر: ١٥)''، (اے لوگو! تم سب

اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز ہیں، سب خوبیوں والے O)۔

''قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ'': حسن بصری نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مجھے یہ حکم فرمایا گیا ہے کہ میں اپنی قوم میں سب سے پہلے اسلام لاؤں، یعنی میں سب سے پہلے اللہ کے حضور سرِ اطاعت جھکاؤں اور ان کے سامنے عاجزی کروں، پھر تم کو بھی اس کا حکم دوں۔

بعض علماء نے اس آیت سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جو شخص اسلام لانے کا حکم دیے جانے سے پہلے مرجائے تو اس پر کوئی ضرر نہیں ہے، لہٰذا جو زمانہ فترت میں مرگیا، اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی، لیکن یہ تقریر صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مجھے یہ حکم فرمایا گیا ہے کہ پہلے میں خود اسلام کو قبول کروں اس کے بعد پھر دوسروں کو اسلام لانے کا حکم دوں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے بہت بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے O'' (الانعام:١٥)

''قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۞'':

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس آیت کا محمل یہ ہے کہ آپ کفارِ اہلِ مکہ سے یہ کہیے کہ مجھے یہ علم ہے کہ اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اپنے رب کو چھوڑ کر کسی اور کی پرستش کی تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے، کیونکہ کفار اور مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کہتے تھے کہ ہم آپ کو مال پیش کرتے ہیں اور آپ کو اپنا سردار مان لیتے ہیں تو آپ ہمارے آباء واجداد کے دین کو برا کہنے سے باز آجائیں، تو گویا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے اُن کو جواب دلوایا کہ میں ایسا نہیں کرسکتا، کیونکہ مجھے بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرنے کی توجیہ

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے عذاب سے ڈرتے تھے، اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے جب یہ فرمادیا: ''اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۞ لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ... (الفتح:١-٢)'' (ہم نے آپ کو علانیہ فتح عطاء فرمادی ہے O تاکہ اللہ آپ کے لیے آپ کی اگلی اور پچھلی تمام ظاہری خطاؤں (خلاف اولیٰ یا مکروہِ تنزیہی کے ارتکاب) کی مغفرت فرمادیں)، تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن کے عذاب سے کیوں ڈرتے تھے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیامت کے عذاب سے ڈرنا اللہ تعالیٰ کی جلالِ ذات کی وجہ سے تھا، کیونکہ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت کا اعلان فرمادیا ہے، اس کے باوجود وہ بے نیاز ہیں، غنی بذاتہ ہیں، چاہیں تو ایک آن میں تمام نیکوکاروں کو دوزخ میں جھونک دیں، اور چاہیں تو اپنی رحمت سے سب کو معاف فرمادیں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی جلالِ ذات اور اس کے بے نیاز ہونے کی وجہ سے اس سے ڈرتے رہتے تھے، نہ اس وجہ سے کہ آپ نے کوئی خطاء کی تھی جس پر آپ کو مواخذہ کا ڈر تھا، اس کی نظیر درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام ہانی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے

کہ ان کی ڈاڑھی مبارک آنسوؤں سے بھیگ جاتی، ان سے کہا گیا کہ آپ جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے تو قبر کو دیکھ کر اس قدر کیوں روتے ہیں؟ سو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے، اگر بندہ اس منزل سے نجات پا گیا تو بعد کی منزلیں اس کے لیے اس سے زیادہ آسان ہیں، اور اگر اس منزل پر اس نے نجات نہیں پائی تو اس کے بعد کی منزل اس سے زیادہ سخت ہے، اور انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے جو منظر بھی دیکھا قبر اس منظر سے زیادہ خوف اور گھبراہٹ پیدا کرنے والی ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۳۱۵، سنن ابن ماجہ: ۴۲۶۷، مشکوۃ المصابیح: ۱۳۲)

اس حدیث پر بھی یہی اشکال ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شہادت کی صورت میں موت پائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دوبار جنت کی بشارت دی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قبر کو دیکھ کر اس قدر کیوں روتے تھے؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب

حضرت ابو عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جب محاصرہ کیا گیا تو آپ نے اپنی حویلی سے لوگوں کی طرف جھانک کر دیکھا اور فرمایا: میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: جس نے رومہ کا کنواں خریدا تو اس کے لیے جنت ہے، سو میں نے رومہ کا کنواں خریدا؟ کیا تم نہیں جانتے کہ آپ نے فرمایا: جس نے تنگی کے لشکر (غزوۂ تبوک) کے لیے سامان مہیا کیا تو اس کے لیے جنت ہے، پس میں نے اس لشکر کے لیے سامان مہیا کیا؟ حضرت ابو عبد الرحمٰن نے کہا: پس سب لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی۔ (صحیح البخاری: ۲۷۷۸، سنن نسائی: ۳۶۰۶)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک باغ میں داخل ہوئے اور مجھے حکم دیا کہ میں باغ کے دروازہ کی حفاظت کروں، پس ایک مرد آیا اور اس نے باغ میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: اس کو اجازت دے دو اور اس کو جنت کی بشارت دو، پس وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے، پھر ایک اور مرد آیا اور باغ میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: اس کو باغ میں داخل ہونے کی اجازت دو اور اس کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دو، پس وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، پھر ایک اور مرد آیا اور اس نے باغ میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی، آپ کچھ دیر خاموش رہے، پھر آپ نے فرمایا: اس کو باغ میں داخل ہونے کی اجازت دو اور اس کو ان مصائب کے ساتھ جنت کی بشارت دو جو اس کو پہنچیں گے، تو وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ (صحیح البخاری: ۳۶۹۵، صحیح مسلم: ۲۴۰۳، سنن ترمذی: ۳۷۱۰، مسند احمد: ۱۹۴۹۹)

اور ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت عظیم صدقہ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ماعلی عثمان ماعمل بعدہٗ'' (اس کے بعد عثمان جو کام بھی کریں، اس سے ان کو کوئی ضرر نہیں ہوگا)۔ (سنن ترمذی: ۳۷۰۲، مسند احمد: ۱۶۶۹۶)

ان احادیث سے واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت دی اور ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ آج کے بعد عثمان جو عمل کریں گے، ان کو اس سے کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جنت کی اتنی بشارتیں دے چکے تھے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قبر کو دیکھ کر اس قدر کیوں روتے تھے کہ ان کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگ جاتی تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بشارتوں سے غیر مطمئن نہیں تھے لیکن ان کا خوف اللہ تعالیٰ کی جلالِ ذات سے تھا، وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہر چند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو جنت کی بشارتیں عطا فرمائی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں، غنی بذاتہٖ ہیں، ہوسکتا ہے کہ یہ بشارت کسی قید کے ساتھ مقید ہو جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی وجہ سے ذکر نہ فرمایا ہو، نیز وہ مالک الملک والملکوت ہیں، وہ چاہیں تو ایک آن میں تمام نیکوکاروں کو جہنم میں جھونک دیں، اس سے کوئی سوال نہیں کرے گا، اور وہ چاہیں تو سب کو جنت میں داخل فرمادیں، اس وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان بشارتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کی جلالِ ذات سے ڈرتے تھے، اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مغفرت کا بھی اللہ تعالیٰ اعلان فرما چکے ہیں اور آپ کی شفاعت کی وجہ سے ہم ایسے بے شمار گناہ گار، خطاکار بخشے جائیں گے (آمین)، پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کی جلالِ ذات سے اور اس کی بے نیازی سے ڈرتے تھے اور قیامت کے دن کے عذاب کی ہولناکیوں سے ڈرتے تھے۔

معصوم ہونے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معصیت سے خوف زدہ ہونے کی توجیہ

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے: ''اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ'' (اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو میں قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں)، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حق الیقین تھا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں، اور اللہ کا نبی معصوم ہوتا ہے اور معصوم سے گناہ سرزد نہیں ہوتے، پھر آپ نے کیسے فرمایا کہ ''اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو میں قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں؟''

اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مغفرت اور آپ کی عصمت اس شرط پر موقوف ہو کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں، اور جب کسی بندے کو اللہ تعالیٰ کا خوف ہو تو یہ اس کی کوئی کمی نہیں ہے بلکہ اس کی بہت بڑی عظمت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا خوف نعمت ہے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ ہوتے ہیں انہی کو اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا۔۔۔ (فاطر: ٢٨)'' (اللہ کے بندوں میں سے وہی اللہ سے ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں)، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۚۖ﴿۶۲﴾ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ﴿ؕ۶۳﴾ (یونس: ٦٢-٦٣)'' (سنو! بے شک اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور وہ اللہ سے ڈرتے رہتے تھے)۔

یہاں پر یہ سوال ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کے دوستوں پر کوئی خوف نہیں ہوگا، اور دوسری آیت میں فرمایا: اللہ کے دوست وہ ایمان والے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں، تو پہلے خوف کی نفی فرمائی اور پھر بعد میں خوف کا اثبات فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اولیاء اللہ سے اس خوف کی نفی فرمائی ہے جو ان کے لیے ضرر کا باعث ہو، کیونکہ ''لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ'' فرمایا ہے اور ''علیٰ'' ضرر کے لیے آتا ہے، اور عذاب باعثِ ضرر ہے، سو اولیاء اللہ کو یہ خوف نہیں ہوگا، اور جو خوف باعثِ نفع ہو وہ ان کو حاصل ہوگا اور جو شخص اللہ کا جتنا بڑا مقرب ہوگا، اس کو اللہ تعالیٰ کا اتنا زیادہ خوف ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''اما واللہ انی لاخشاکم للہ واتقاکم لہ'' (سنو! اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے خوف کرنے والا ہوں)۔ (صحیح البخاری: ٥٠٦٣، صحیح مسلم: ١٤٠١، سنن نسائی: ٣٢١٧، مسند احمد: ١٣٦٣١)

امام رازی نے اس آیت (الانعام: ۱۵) کی تفسیر میں کہا: اس آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ آپ کو اپنے نفس پر خوف تھا، بلکہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ اس سے ڈرتے تھے کہ کہیں آپ سے کفر نہ صادر ہو جائے یا کوئی معصیت صادر نہ ہو جائے۔

(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴۹۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے نفس پر کفر یا معصیت کے صدور کا خطرہ کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ آپ نبی معصوم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق فرمایا ہے: ''یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ (یٰس: ۱۔۴)'' (یاسین ○ حکمت والے قرآن کی قسم ○ بے شک ضرور آپ رسولوں میں سے ہیں ○ صراط مستقیم پر قائم ہیں ○)۔

اس لیے امام رازی کا یہ جواب درست نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اس دن جس سے عذاب کو پھیر دیا گیا تو بے شک اللہ نے اس پر بہت رحم فرمایا، اور یہی روشن کامیابی ہے ○'' (الانعام: ۱۶)

''مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَىٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ۝'':

بعض معتزلہ نے کہا ہے کہ اس آیت میں رحمت سے مراد جنت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں دو ''دار'' بنائے ہیں، ایک دار کا نام دوزخ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی ہے، اور دوسرے دار کا نام جنت ہے اور اس کا نام اللہ تعالیٰ نے رحمت رکھا ہے۔

معتزلہ نے یہ تاویل اس لیے کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ازل میں رحمت کے قائل نہیں ہیں، اسی لیے وہ درج ذیل حدیث میں تاویل کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو ہرگز اس کا عمل نجات نہیں دے گا، صحابہ نے پوچھا: کیا آپ کو بھی یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: اور مجھ کو بھی، سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لیں، سو تم درست کام کرتے رہو اور درمیانی کام کرتے رہو اور صبح کے وقت میں نیک عمل کرو اور شام کے وقت میں نیک عمل کرو اور کچھ رات کے اندھیرے کے وقت میں نیک عمل کرو، اور ہر کام میں اعتدال کو لازم رکھو، ہر کام میں اعتدال کو لازم رکھو، سو تم منزل پر پہنچ جاؤ گے۔ (صحیح البخاری: ۶۴۶۳، صحیح مسلم: ۲۸۱۶، سنن ابن ماجہ: ۴۲۰۱، مسند احمد: ۷۱۶۲)

اس حدیث میں معتزلہ رحمت کی تاویل جنت سے کرتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ مجھے جنت کا ثواب عطاء فرمائیں، لیکن ہمارے نزدیک جنت کو رحمت اس لیے فرمایا ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت میں داخل ہوں گے نہ کہ اپنے اعمال کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''الَّذِیْۤ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ... (فاطر: ۳۵)'' ((تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں) جس نے اپنے فضل سے ہمیں ہمیشہ رہنے کے گھر میں اتارا)۔

اسی وجہ سے بارش کو رحمت فرمایا ہے، کیونکہ بارش بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے نازل ہوتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر اللہ آپ کو کوئی ضرر پہنچائیں تو اللہ کے سوا اس ضرر کو کوئی دور فرمانے والا نہیں ہے، اور اگر اللہ آپ کو کوئی نفع پہنچائیں تو وہ ہر اس چیز پر قادر ہیں جس کو وہ چاہیں ○'' (الانعام: ۱۷)

''وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۝'':

اس آیت میں اللہ عزوجل نے یہ خبر دی ہے کہ بندے کو جو بھلائی یا برائی پہنچتی ہے یا نفع اور ضرر پہنچتا ہے تو وہ اللہ عزوجل کی طرف سے پہنچتا ہے، پھر اس ضرر سے مراد یہ ہے کہ انسان میں جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں یا رزق میں تنگی ہوتی ہے یا لوگ جو اس کو تکلیفیں پہنچاتے ہیں یا اس پر ظلم کرتے ہیں، تو ان سب کے خالق اللہ عزوجل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، وہ انسان سے ضرر کو دور فرماتے ہیں اور اس کو بیماریوں سے محفوظ رکھتے ہیں، اسی طرح جو اس کو شفاء پہنچتی ہے یا اسے اور کوئی دنیاوی خیر پہنچتی ہے تو وہ بھی صرف اللہ عزوجل کی طرف سے پہنچتی ہے۔

مصیبت اور پریشانی کے وقت صرف اللہ عزوجل کو یاد کرنے کی تلقین

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غم اور پریشانی کے وقت یہ دعا کرتے تھے:

لا اله الا الله العظیم الحلیم، لا اله الا الله رب السماوات والارض و رب العرش العظیم۔

اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں جو عظیم ہیں اور بردبار ہیں، اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں جو آسمانوں اور زمینوں کے رب ہیں اور عرشِ عظیم کے رب ہیں۔

(صحیح البخاری: ٦٣٤٦، ٧٤٢١، ٧٤٣١، صحیح مسلم: ٢٧٣٠، سنن ترمذی: ٣٤٣٥، سنن ابن ماجہ: ٣٨٨٣، مسند احمد: ٢٠١٣)

مصیبت کے وقت اللہ عزوجل کو یاد کرنے کی برکات اور ثمرات

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ٤٤٩ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حسین مروزی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عیینہ سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ میں کون سا ذکر زیادہ کرتے تھے؟ تو انہوں نے بتایا: آپ یہ ذکر کرتے تھے ''لا الٰہ الا اللہ سبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر وللہ الحمد'' پھر مجھ سے سفیان نے کہا: یہ ذکر ہے اور اس میں دعا نہیں ہے، پھر مجھ سے انہوں نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: جب بندہ مجھ سے سوال کرنے کے بجائے میری حمد وثناء کرنے میں مشغول ہو تو میں اس کو ان سے زیادہ عطا کرتا ہوں جس کا سائلین سوال کرتے ہیں، میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے مجھے یہ حدیث بیان کی اور ابن مہدی نے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی تحریر فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: مجھے ابوبکر رازی نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ میں اصفہان میں شیخ ابونعیم کے پاس تھا اور ان سے سن کر حدیث لکھتا تھا اور وہاں ایک اور شیخ بھی تھے جو ابوبکر بن علی کے نام سے معروف تھے اور تمام شہر والے انہی سے فتوے لیتے تھے۔ بعض شہر والوں نے ان سے حسد کیا اور ان کے خلاف سلطان سے شکایت کی، سلطان نے ان کو قید کرنے کا حکم دیا اور یہ رمضان کے مہینہ کا واقعہ ہے۔ ابوبکر رازی نے بیان کیا: پس میں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی دائیں طرف تھے اور آپ کے ہونٹ ہل رہے تھے اور مسلسل تسبیح پڑھ رہے تھے، پس مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر بن علی سے کہو کہ وہ دعائے کرب کو پڑھیں جو صحیح البخاری میں ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان سے پریشانی کو دور فرما دیں، پس میں صبح کو ان کے

پاس آیا اور ان کو اپنے خواب کی خبر دی، انہوں نے وہ دعا کی اور چند دن کے بعد ان کو قید سے نکال دیا گیا۔ پس اس خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام بخاری کی اس کتاب کی صحت کی خبر دی ہے اور جبریل علیہ السلام کے سامنے دی ہے اور شیطان اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں متمثل ہو جائے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ١٠ ص ١١٢۔ ١١٣، دار الکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢٤ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ٨٠٤ھ نے بھی حسین مروزی کی روایت سے ابوبکر بن علی کا یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ٢٩ ص ٢٧٥۔ ٢٧٦، ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ١٤٢٩ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔

(فتح الباری ج ٧ ص ٤٠٥، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ٢٢ ص ٤٠٧، دار الکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

مصیبت کے وقت صرف اللہ عزوجل کو پکارنے کی تلقین

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا کہ ہر مصیبت میں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارنا چاہیے، اسی سے سوال کرنا چاہیے، اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے، اور اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا چاہیے۔ ہمارے زمانہ میں لوگ اللہ تعالیٰ کو بھول چکے ہیں اور اپنے مصائب میں اور اپنی حاجات میں اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتے۔ ہر چند کہ نمازوں کے بعد اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے ہی سوال کرتے ہیں لیکن وہ رسمی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں، اخلاص سے اور گڑ گڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتے، میں نے رمضان کے مہینوں میں اکثر دیکھا ہے کہ لوگ مسجدوں میں آ کر نمازیوں سے رو رو کر گڑ گڑا کر سوال کرتے ہیں اور آنسو بہاتے ہیں، ان کی آواز رندھی ہو جاتی ہے، لیکن جب نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں تو رسمی طور پر ہونٹ ہلانے پر کفایت کرتے ہیں، یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جب بندوں سے سوال کریں تو گڑ گڑا کر سوال کریں اور جب مولیٰ سے سوال کریں تو رسمی طور پر ہاتھ اٹھا کر ہونٹ ہلائیں "مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ"! اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطاء فرمائیں کہ ہم ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھیں، اسی سے سوال کریں، اسی سے دعا کریں، اسی کے سامنے گڑ گڑائیں، اسی سے مدد چاہیں۔ اور ہر پیش آمدہ مصیبت اور آفت میں اللہ تعالیٰ کو پکاریں، جیسا کہ مسند احمد اور سنن ترمذی کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث گزر چکی ہے۔ اس حدیث کا پورا متن اس طرح ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: اے لڑکے! میں تمہیں چند کلمات کی تعلیم دیتا ہوں، اللہ کو یاد رکھو اللہ تمہاری حفاظت فرمائیں گے، اللہ کو یاد رکھو تم اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے، جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو، اور جب تم مدد طلب کرو، تو اللہ سے مدد طلب کرو۔ اور جان لو کہ پوری امت اگر تمہیں کسی چیز پر نفع پہنچانے پر جمع ہو جائے تو وہ تمہیں کسی چیز کا نفع نہیں پہنچا سکتی سوا اس کے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، اور اگر پوری امت تمہیں ضرر پہنچانے پر جمع ہو جائے تو وہ تمہیں بالکل ضرر نہیں پہنچا سکتی، سوا اس کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر

ضرر لکھ دیا ہے، قلم اٹھالیے گئے ہیں اور صحیفے لکھ کر خشک ہو گئے ہیں۔

(ابن ابی عاصم فی السنہ: ۳۱۶، سنن ترمذی: ۲۵۱۶، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۱، ص ۱۲۳، ۱۷۸، ۲۲۳، ابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ: ۴۲۵، شعب الایمان للبیہقی: ۱۹۵، ۱۰۷۴، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۱۲۶، الآجری فی الشریعۃ ص ۱۹۸، مسند عبد بن حمید: ۶۳۶، العقیلی فی الضعفاء ج ۳ ص ۵۳، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۵۴۱۔۵۴۲، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۱۴، کتاب الآداب للبیہقی: ۱۰۷۳، مسند ابویعلیٰ: ۱۰۹۹، تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۲۵، الدر المنثور ج ص ۱۵۹، امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ مجمع الزوائد: ۱۱۷۹۵، جامع العلوم والحکم ص ۱۷۴، مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۳، رقم الحدیث: ۲۶۶۹، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ ہی تمام بندوں پر غالب ہیں اور وہی نہایت حکمت والے، سب باتوں کی خبر رکھنے والے ہیں O'' (الانعام: ۱۸)

اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید کا مزید ذکر

''وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۞'': اس آیت میں اور اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ بندوں کو جو ضرر اور سختی پہنچتی ہے، اس کو دور کرنے والے صرف اللہ عزوجل ہیں، اور جو اُن کو خیر حاصل ہوتی ہے تو اس خیر کو پہنچانے والے بھی صرف اللہ عزوجل ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ وہی ہر چیز پر قادر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تمام بندوں پر غالب ہیں، قادر ہیں، اور اس کی بندوں پر سلطنت قائم ہے اور تمام بندے اللہ تعالیٰ کی سلطنت کے تحت سرنگوں ہیں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وہ اپنے بندوں پر فوق ہیں'' یعنی سربلند ہیں، اور عظیم ہیں، اور وہ الحکیم ہیں، یعنی ہر چیز کو اس کے لائق جگہ پر رکھتے ہیں، الخبیر ہیں، وہ جانتے ہیں جو کچھ بندے چھپاتے ہیں اور جو کچھ بندے ظاہر کرتے ہیں، ان پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ اور بندوں کو جو ضرر اور سختی عارض ہو تو اللہ عزوجل کے سوا کوئی اس کو دور نہیں کر سکتا، اور اللہ تعالیٰ کے سوا بندوں میں سے کوئی کسی کو نفع نہیں پہنچا سکتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: سب سے بڑی گواہی کس کی ہے؟ (پھر آپ ہی جواب دیں کہ) اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہیں، اور میری طرف اس قرآن کی وحی نازل فرمائی گئی ہے تاکہ میں اس قرآن کے ساتھ تمہیں آخرت کے عذاب سے ڈراؤں اور اُن کو ڈراؤں جن تک قرآنِ مجید کا یہ پیغام پہنچے، کیا تم ضرور یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اس کے سوا دوسرے معبود ہیں؟، آپ کہیے: میں یہ گواہی نہیں دیتا، آپ کہیے: صرف اللہ واحد مستحق عبادت ہیں، اور بے شک میں ان سب سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو O'' (الانعام: ۱۹)

''قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ'': یعنی اے محمد! آپ یہ کہیے کہ اللہ سے بڑی کس کی شہادت ہے؟ پس وہ جواب میں کہیں گے کہ سب سے بڑی شہادت اللہ ہی کی ہے، کیونکہ وہ اس کا اقرار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ

آسمانوں اور زمینوں کے خالق ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے زیادہ عظیم ہیں۔

کفارِ مکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے تھے اور کہتے تھے: ''مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔۔۔ (الزمر:۳)'' (ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں تاکہ یہ (بُت) ہمیں اللہ کے قریب کر دیں)، ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا اقرار کرتے تھے، اور جب اُن سے یہ سوال کیا گیا کہ کس کی سب سے بڑی شہادت ہے، تو وہ کہتے تھے کہ اللہ کی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ جب یہ لوگ آپ سے پوچھیں کہ کس کی سب سے بڑی شہادت ہے؟ تو آپ کہیں: اللہ کی سب سے بڑی شہادت ہے، کیونکہ جب آپ اس طرح کہیں گے تو پھر وہ بھی کہیں گے۔

اللہ تعالیٰ پر شئے (موجود) کے اطلاق کی دلیل

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ پر شئے (موجود) کا اطلاق کرنا جائز ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔۔۔ (القصص:۸۸)'' (اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے (یعنی ممکن ہے))۔

علامہ زمخشری نے کہا ہے کہ محال پر بھی شئے (موجود) کا اطلاق ہوتا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اکثر محققین نے تصریح کی ہے کہ شئے موجود کے ساتھ مخصوص ہے اور انہوں نے معدوم کے اوپر شئے کے اطلاق کو ضعیف قرار دیا ہے، کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے، اور معدوم کے متعلق یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ ہلاک ہونے والا ہے۔ نیز اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ۔۔۔ (بنی اسرائیل:۴۴)'' (اور ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے)، اور معدوم سے تسبیح کرنا متصور نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ شئے کا اطلاق صرف موجود پر ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مکہ کے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس انہوں نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم)، کیا اللہ تعالیٰ کو آپ کے سوا کوئی اور شخص نہیں ملا جس کو وہ رسول بنا کر بندوں کی طرف بھیجتا، ہم نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پیغام اور آپ کے کلام کی کسی نے تصدیق کی ہو، ہم نے آپ کے متعلق یہود اور نصاریٰ سے پوچھا تو انہوں نے یہ کہا کہ ان کے پاس آپ کا کوئی ذکر نہیں ہے، نہ کوئی صفت ہے، نہ آپ کی بعثت کا کوئی ذکر ہے، پس آپ ہمیں بتائیں اور دکھائیں کہ کون آپ کے متعلق یہ گواہی دے گا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں جیسا کہ آپ کا یہ زعم ہے، تب اللہ عزوجل نے فرمایا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم)، آپ ان سے کہہ دیجئے: ''اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً'' یعنی سب سے بڑی شہادت، سب سے بڑی برہان اور سب سے بڑی حجت تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، سو جب اللہ تعالیٰ نے میری رسالت کی گواہی دے دی ہے تو پھر تم کسی اور کی گواہی کو کیوں تلاش کرتے ہو؟ میرے اور تمہارے درمیان گواہ اللہ عزوجل ہیں، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہر اختلاف کا فیصلہ کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں، توحید میں اور رسالت کے ثبوت میں اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے میں اور ہر چیز میں اللہ تعالیٰ ہی گواہ ہیں، اور اس قصہ میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب انہوں نے کہا کہ آپ کے حق میں کون گواہی دے گا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، اور انہوں نے کہا: کیوں نہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی طرف کوئی فرشتہ بھیجتے؟ تو اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: آپ ان سے کہیے: اللہ سے بڑی کس کی شہادت ہے!

دلائلِ توحید کی تقریر

''وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۘ﴿۱۹﴾'': اگر مشرکین یہ کہیں کہ ہاں ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا اور بھی خدا ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا کہ آپ اُن سے یہ کہیے: تم جس کی گواہی دیتے ہو میں اس کی گواہی نہیں دیتا، لیکن میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ وہی صرف ایک عبادت کے مستحق ہیں، اور بے شک میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن چیزوں کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہو۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ'' تا کہ میں تم کو قرآنِ مجید سے ڈراؤں، اس پر یہ سوال ہے کہ قرآنِ مجید سے نہیں ڈرایا جاتا بلکہ جو کچھ قرآن مجید میں ذکر فرمایا گیا ہے اس سے ڈرایا جاتا ہے، کیونکہ قرآنِ مجید میں اُن قوموں کی خبریں ہیں جنہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تو ان کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا، اور اُن پر آخرت میں بھی عذاب نازل ہوگا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر اس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں جس تک قرآن مجید کا یہ پیغام پہنچا ہے، خواہ وہ دنیا میں کسی جگہ پر ہو یا دنیا میں کسی زمانہ کے اندر ہو۔ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر آیات کو اور اس کی ربوبیت پر دلائل اور براہین کو بیان کر چکا ہوں جس سے تم نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارے خالق ہیں، اور وہی آسمانوں اور زمینوں کے خالق ہیں، اور اسی کے حکم سے تم زندہ رہتے ہو، اور اسی کے حکم سے تم مرو گے، اور تم نے اللہ کے ساتھ دوسرے باطل معبودوں کو عبادت میں شریک قرار دیا ہے، حالانکہ تمہیں اس کی عبادت میں اور الوہیت میں دوسروں کو شریک کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، اور میں اس کی شہادت نہیں دیتا، میں صرف اس کی شہادت دیتا ہوں کہ صرف وہی واحد خدا ہیں، اور میں ان تمام چیزوں سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیت میں شریک کرتے ہو۔

احکامِ شرعیہ کی تبلیغ کا حکم

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری طرف سے پہنچا دو خواہ وہ ایک آیت ہو، اور بنی اسرائیل سے حدیث بیان کرو اور کوئی حرج نہیں ہے، اور جس نے عمداً مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔

(صحیح البخاری: ٣٤٦١، سنن ترمذی: ٢٦٦٩، مصنف ابن ابی شیبہ ج ٨ ص ٧٠٧، مسند احمد: ٦٨٤٩، سنن دارمی: ٥٤٢، مشکل الآثار للطحاوی: ١٣٣، المعجم الصغیر للطبرانی: ٤٦٢، تاریخ بغداد للخطیب ج ١٣ ص ١٥٧، صحیح ابن حبان: ٦٢٥٦، مسند الشہاب للقزاعی: ٦٦٢، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج ٦ ص ٧٨، کتاب الآداب للبیہقی: ١٠٤٩)

اس حدیث میں فرمایا ہے: ''میری طرف سے پہنچاؤ خواہ وہ ایک آیت ہو'' قاضی بیضاوی نے کہا ہے: اس سے مراد قرآن مجید کی آیت ہے، آپ نے حدیث نہیں فرمایا، کیونکہ تمام آیات کے پہنچانے کے اللہ تعالیٰ خود کفیل ہیں، کیونکہ حدیث کی تبلیغ بہ طورِ اولیٰ معلوم ہے، اور آپ نے آیت اس لیے فرمایا ہے تا کہ ہر سننے والا آپ سے سنی ہوئی بات کو پہنچانے میں جلدی کرے، اگرچہ اس نے آپ سے کم بات سنی ہو، تا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو بھی احکام لائے ہیں، ان کو پہنچا دیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''بنی اسرائیل سے حدیث بیان کرو''۔ امام مالک نے کہا ہے کہ بنی اسرائیل جو امورِ مستحبہ بیان

کریں ان کی روایت کرو، اور جن باتوں کے متعلق معلوم ہو کہ وہ جھوٹ ہیں، ان کو بیان نہ کرو۔ ایک قول یہ ہے کہ اُن کی وہ احادیث روایت کرو جو قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے مطابق ہوں اور جو ان کے خلاف ہوں ان کو نہ بیان کرو خواہ ان احادیث کی اسانید متصل ہوں یا منقطع ہوں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: ''اور کوئی حرج نہیں ہے''۔ یعنی ان احادیث سے روایت کرنے میں تم پر کوئی تنگی نہیں ہے، یہ آپ نے اس لیے فرمایا کہ پہلے آپ نے ان کی کتابوں کو پڑھنے سے منع فرمایا تھا، اور یہ ممانعت قواعدِ دینیہ اور احکامِ شرعیہ کے مقرر ہونے سے پہلے تھی۔ اور جب قواعدِ دینیہ مقرر ہو گئے اور ان کی احادیث بیان کرنے میں کسی خرابی کا اندیشہ نہیں رہا تو پھر آپ نے ان کی احادیث بیان کرنے کی اجازت دے دی۔ ایک قول یہ ہے کہ تم جو بنی اسرائیل سے عجیب و غریب واقعات سنو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ اس قسم کے واقعات بیان کرتے ہیں۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ پہلے فرمایا: ''بنی اسرائیل سے احادیث بیان کرو''۔ یہ امر کا صیغہ ہے، اس سے بہ ظاہر معلوم ہوتا تھا کہ ان سے احادیث بیان کرنا واجب ہے، بعد میں فرمایا ''اس میں کوئی حرج نہیں ہے''، اور یہ اس پر قرینہ ہے کہ یہاں امر وجوب کے لیے نہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطاء فرمائی ہے، وہ (اس نبی کو) اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈال دیا سو وہ ایمان نہیں لائیں گے O'' (الانعام: ۲۰)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت پر دلائل

''اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡرِفُوۡنَہٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَہُمۡ ۘ اَلَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ فَہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۝'':

اس آیت کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ مشرکین اس کو پہچانتے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے رسول ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں مذکور کتاب سے مراد قرآنِ مجید ہو، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو قرآنِ مجید سنایا اور انہیں یہ حکم فرمایا کہ اگر تمہارے نزدیک یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے، تو تم اس جیسا کلام خود بنا کر لاؤ سو وہ اس سے عاجز رہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مشرکین اہلِ کتاب کے پاس جاتے تھے اور اُن سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت اور رسالت کے متعلق سوال کرتے تھے اور اُن سے آپ کی نعت اور صفت کے متعلق پوچھتے تھے، اور وہ اُن کو آپ کے متعلق خبر دیتے تھے، تو مشرکین نے جان لیا کہ آپ ہی اللہ تعالیٰ کے رسولِ برحق ہیں، جیسا کہ اہلِ کتاب نے اپنی کتابوں میں آپ کی نعت اور صفت کا ذکر پڑھ کر آپ کی نبوت اور رسالت کو پہچان لیا۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اے عبداللہ! قرآن مجید یہ کہتا ہے: ''اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡرِفُوۡنَہٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَہُمۡ'' تو اے عبداللہ! کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایسی معرفت حاصل ہے؟ پس حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عمر! جب میں نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو تم میں دیکھا تو میں نے آپ کو اس طرح پہچان لیا جس طرح میں اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں جب میرا بیٹا بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہوتا ہے، اور مجھے (سیدنا) محمد

(صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی معرفت اپنے بیٹے سے زیادہ شدید ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: یہ کیسے ہوا؟ تو انہوں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ، اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں اور میں نہیں جانتا کہ عورتیں گھروں میں کیا کرتی ہیں، اور بے شک (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی صفت ہماری کتاب میں مذکور ہے، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے سچ کہا اور صحیح کہا۔

(تفسیر الماتریدی ج ۴ ص ۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: امام ماتریدی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے متعلق مذکورہ روایت ذکر کی ہے لیکن مجھے کسی مستند کتاب میں یہ روایت نہیں ملی، ہوسکتا ہے امام ماتریدی نے کسی کتاب میں یہ روایت پڑھی ہو، تاہم امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے ابن جریج سے اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت کی ہے کہ اہلِ مدینہ نے کہا کہ اہلِ کتاب میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کرلیا، وہ یہ کہتے تھے: اللہ کی قسم! ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچانتے ہیں، کیونکہ ہم نے ان کی وہ صفت اور نعت دیکھی ہے جو ہماری کتاب میں مذکور ہے، رہے ہمارے بیٹے تو ہمیں پتا نہیں عورتیں کیا کرتی ہیں۔

(تفسیر الطبری ج ۹ ص ۱۸۷ تفسیر عبدالرزاق ج ۱ ص ۲۰۶ تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۷۱۷۲۔ سعیدی غفرلہٗ)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن سلام بن الحارث ابو یوسف، حضرت یوسف بن یعقوب علیہما السلام کی ذُرّیّت سے تھے، اور خزرج کے حلیف تھے، پہلے اسرائیلی تھے پھر انصاری تھے، ان کا تعلق بنی قینقاع سے تھا، اور ان کا نام الحصین تھا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ نام بدل کر ان کا نام عبداللہ بن سلام رکھا، جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ابتداءً مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہ اسی وقت اسلام لے آئے تھے، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا اسلام لانا آٹھ (۸) ہجری تک مؤخر رہا، الشعبی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات سے دو سال پہلے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔

امام احمد اور اصحاب السنن نے زرارۃ بن ابی اوفیٰ سے روایت کی ہے از عبداللہ بن سلام کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ میں تشریف لائے، پس جب میں نے آپ کا چہرۂ اقدس دیکھا تو میں نے پہچان لیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے، پس میں نے سنا آپ یہ فرمارہے تھے: لوگو! بہ کثرت سلام کرو اور لوگوں کو کھانا کھلاؤ اور رشتہ داروں کے ساتھ ملاپ رکھو اور رات کو اٹھ کر اس وقت نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ گے۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۶۹۲، مسند احمد: ۲۴۴۲، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۱۶۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۳۲، شرح السنہ ج ۱ ص ۵۶۷، المطالب العالیہ: ۲۶۵۱)

صحیح البخاری میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس اس وقت آئے جب آپ مدینہ میں تشریف لائے تھے، پس انہوں نے کہا: میں آپ سے ان تین چیزوں کے متعلق سوال کرتا ہوں جن کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

نیز حدیث صحیح میں ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے سوا نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کسی شخص کے متعلق یہ نہیں سنا جو زمین پر چلتا ہو کہ وہ اہلِ جنت میں سے ہے۔

امام بخاری کی التاریخ الصغیر میں سندِ جید کے ساتھ یزید بن امیرہ سے روایت ہے کہ جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ پر وفات کا وقت آیا تو اُن سے کہا گیا کہ آپ ہمیں کوئی وصیت فرمائیں تو انہوں نے کہا: حضرت ابودرداء، حضرت سلمان فارسی، حضرت ابن

مسعود اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم کے پاس علم کو تلاش کرو، وہ یہودی تھے پھر انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ جنت کے دس میں سے دسویں ہیں۔

(الاصابہ، رقم: ۴۷۴۳، اسد الغابہ: ۲۹۸۶، الاستیعاب: ۱۵۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور اس سے بڑا کون ظالم ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا، بے شک ظالم لوگ اخروی کامیابی حاصل نہیں کریں گے O

وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَیْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور جس دن ہم سب کو جمع فرمائیں گے، پھر ہم ان لوگوں سے فرمائیں گے جنہوں نے شرک کیا: تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جن کا تم دعویٰ کرتے تھے؟ O

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ﴿۲۳﴾

پھر ان کا کوئی عذر نہیں ہوگا مگر وہ یہ کہیں گے: اللہ کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے! ہم شرک کرنے والے نہ تھے O

اُنْظُرْ كَیْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

آپ دیکھئے! انہوں نے اپنے اوپر کیسا جھوٹ بولا اور ان کی تمام بہتان طرازیاں ان سے گم ہوگئیں O

وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْكَ یُجَادِلُوْنَكَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۵﴾

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں، اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں کہ وہ اس کو سمجھ نہ سکیں، اور ان کے کانوں میں ثقل پیدا فرمادیا ہے (کہ وہ سن نہ سکیں)، اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تو ان پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس آپ سے بحث کرنے کے لیے آتے ہیں تو جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا ہے، وہ کہتے ہیں: یہ (قرآن) صرف پہلے لوگوں کی (جھوٹی) کہانیاں ہیں O

وَهُمْ یَنْهَوْنَ عَنْهُ وَیَنْئَوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ یُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور وہ اس (قرآن) سے (لوگوں کو) روکتے ہیں اور (خود بھی) اس سے دور رہتے ہیں، اور وہ صرف اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور وہ شعور نہیں رکھتے O

وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷﴾

کاش! آپ (ان کو اس وقت) دیکھتے جب یہ کفار دوزخ کے کنارے پر کھڑے کیے جائیں گے، پس کہیں گے: اے کاش! ہم پھر (دنیا میں) لوٹا دیے جائیں اور ہم اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں اور ہم مومنین میں سے ہو جائیں O

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾

بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ اب ان پر وہ حقیقت منکشف ہو چکی ہے جس کو وہ اس سے پہلے چھپاتے تھے، اور اگر وہ (بالفرض دنیا کی طرف) پھر لوٹا دیے گئے تو پھر وہی کچھ کریں گے جس سے ان کو منع فرمایا گیا تھا، اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں O

وَقَالُوْۤا اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ﴿۲۹﴾

اور انہوں نے کہا: ہماری تو صرف یہی دنیاوی زندگی ہے اور (مرنے کے بعد) ہم کو اٹھایا نہیں جائے گا O

وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ وُقِفُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

اور اگر آپ اس وقت دیکھتے جب ان کو ان کے رب کے سامنے ٹھہرایا جائے گا، (اللہ) فرمائیں گے: کیا یہ (مرنے کے بعد زندہ ہونا) برحق نہیں؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے رب کی قسم! (یہ ضرور برحق ہے)، (اللہ) فرمائیں گے: سو تم اب اس عذاب کو چکھو جس کا تم انکار کرتے تھے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اس سے بڑا کون ظالم ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا، بے شک ظالم لوگ اخروی کامیابی حاصل نہیں کریں گے O'' (الانعام: ۲۱)

الانعام: ۲۱ کا الانعام: ۲۰ کے ساتھ ارتباط اور ظالموں کا اخروی ثواب سے محروم ہونا اور ان کا خسران

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ الانعام: ۲۱ تا ۳۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾'':

الانعام: ۲۰ میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور مشرکین کے خسران اور نقصان کا ذکر فرمایا تھا، اور اس خسران کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کے لیے ایک ٹھکانا جنت میں بنایا ہے اور ایک ٹھکانا دوزخ میں بنایا ہے۔ پس جب قیامت قائم ہوگی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہلِ دوزخ کے لیے جنت میں جو گھر بنائے ہیں وہ مومنین کو عطاء فرمادیں گے، اور مومنین کے لیے دوزخ میں جو گھر بنائے تھے اُن میں کفار اور مشرکین کو جھونک دیں گے، اور یہی کفار اور مشرکین کا خسران اور نقصان ہے کہ اُن کے لیے جنت میں جو گھر بنائے گئے تھے وہ مومنین کو دے دیے جائیں گے اور مومنین کے لیے دوزخ میں جو گھر بنائے گئے تھے اُن میں کفار اور مشرکین کو جھونک دیا جائے گا۔

کفار اور مومنین میں وہ نسبت ہے جو ایک اور ہزار میں ہوتی ہے، یعنی ہزار میں سے نوسو ننانوے کافر ہوتے ہیں اور ایک مومن ہوتا ہے، یعنی ایک مومن کو نوسو ننانوے وہ جنتیں عطاء فرمائی جائیں گی جو کفار کے لیے بنائی گئی تھیں، اور ایک جنت اس کو اپنے ایمان لانے اور اعمالِ صالحہ کرنے کے صلہ میں عطاء فرمائی جائے گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝ ... (الحج:۱)'' (اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بھاری چیز ہے ۝)، پھر آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کون سا دن ہوگا؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول کو ہی زیادہ علم ہے، آپ نے فرمایا: یہ وہ دن ہے جس دن اللہ عزوجل ارشاد فرمائیں گے: اے آدم! اٹھیے اور دوزخ کے لیے ایک گروہ بھیج دیں، حضرت آدم علیہ السلام پوچھیں گے: دوزخ کے لیے گروہ کی کتنی تعداد ہے؟ آپ نے فرمایا: ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے دوزخ کے لیے ہیں اور ایک جنت کے لیے ہے۔ (مسند البزار: ۴۳۹۷)

اللہ تعالیٰ نے الانعام: ۲۰ میں منکرین اور کفار کا خسران اور نقصان بیان فرمایا تھا اور اس آیت میں اس خسران اور نقصان کا سبب بیان فرمایا ہے اور اس کے دو سبب ہیں، پہلا سبب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے تھے:

(۱) اور ان کا جھوٹا بہتان یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ یہ بُت اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو ان بتوں کی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے ''مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰی ... (الزمر:۳)'' (ہم ان بتوں کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ کے قریب کردیں)۔ نیز ان کا جھوٹا بہتان یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں: ''وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَ خَلَقَهُمْ وَ خَرَقُوْا لَهٗ بَنِیْنَ وَ بَنٰتٍۭ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ ... (الانعام:۱۰۰)'' (اور انہوں نے جنات کو اللہ کا شریک قرار دیا حالانکہ اللہ نے جنات کو پیدا فرمایا ہے، اور انہوں نے بغیر علم کے اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں، اور اللہ اس سے پاک اور بلند ہیں جس کو وہ بیان کرتے ہیں ۝)۔

(۲) یہود اور نصاریٰ یہ کہتے تھے کہ تورات اور انجیل میں جو احکام ہیں، وہ احکام کبھی منسوخ نہیں ہوں گے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جھوٹے بہتان کی اس آیت میں حکایت فرمائی ہے: ''وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَاۤ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ... (الاعراف:۲۸)'' (اور جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم نے اس کام پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان (کاموں) کا حکم فرمایا ہے)۔

(۴) یہود ونصاریٰ یہ کہتے تھے: ''نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ...(المائدہ:۱۸)'' (ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں)، نیز یہود یہ کہتے تھے: ''لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً...(البقرہ:۸۰)'' (ہمیں دوزخ کی آگ صرف چند دنوں تک ہی چھوئے گی)، نیز یہودیوں میں سے جہال یہ کہتے تھے: ''اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ...(آل عمران:۱۸۱)'' (بے شک اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں)۔

(۲) ان کے خسارے اور نقصان کا دوسرا سبب یہ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی آیات کی تکذیب کرتے تھے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں نقص اور عیب نکالتے تھے اور ان پر طعن کرتے تھے، اور وہ قرآنِ عظیم کے معجز ہونے کا انکار کرتے تھے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اُن کے یہ دو سبب بیان فرمائے تو ارشاد فرمایا کہ کفار ظالم ہیں اور وہ کبھی بھی فلاح نہیں پائیں گے، یعنی آخرت میں دوزخ کے عذاب سے نجات نہیں پائیں گے اور جنت اور اس کے ثواب سے محروم رہیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جس دن ہم سب کو جمع فرمائیں گے، پھر ہم ان لوگوں سے فرمائیں گے جنہوں نے شرک کیا: تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جن کا تم دعویٰ کرتے تھے؟O'' (الانعام: ۲۲)

''وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝'':

اللہ تعالیٰ جو مشرکین سے فرمائیں گے کہ تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کو تم الوہیت میں اللہ کا شریک قرار دیتے تھے؟ سو اللہ عزوجل کا یہ سوال اُن کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے اور ان کو جھڑکنے کے لیے ہوگا نہ کہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے دریافت فرمائیں کہ تمہارے خود ساختہ معبود کہاں ہیں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زعم کا لفظ فرمایا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ کی کتاب میں جہاں بھی زعم کا لفظ آیا ہے اس سے مراد کذب اور جھوٹ ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر ان کا کوئی عذر نہیں ہوگا مگر وہ یہ کہیں گے: اللہ کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے! ہم شرک کرنے والے نہ تھے O آپ دیکھئے! انہوں نے اپنے اوپر کیسا جھوٹ بولا اور ان کی تمام بہتان طرازیاں ان سے گم ہوگئیں O'' (الانعام: ۲۳-۲۴)

کفار و مشرکین کا دنیا میں جھوٹ بولنا اور آخرت میں جھوٹ سے احتراز کرنا

''ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝'':

مشرکین قیامت کے دن قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم شرک کرنے والے نہ تھے، سو اُن کا یہ قول واقع کے خلاف ہے کیونکہ واقع میں تو وہ شرک کرنے والے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اُن کے کلام کا محمل یہ ہے کہ ہم اپنے اعتقاد میں اور اپنے گمان میں شرک کرنے والے نہ تھے، کیونکہ دنیا میں مشرکین کا یہی اعتقاد اور یہی گمان تھا کہ وہ شرک کرنے والے نہیں ہیں۔ اس پر پھر یہ اعتراض ہوگا کہ پھر تو ان کا یہ کلام صادق ہوگیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کی دو حالتیں ہیں: ایک وہ حالت ہے جو دنیا میں تھی، سو دنیا میں انہوں نے یہ کہہ کر جھوٹ بولا کہ ہم

شرک کرنے والے نہ تھے، اور آخرت میں انہوں نے جھوٹ سے احتراز کیا اور یہ بتایا کہ ہم اپنے اعتقاد اور گمان میں جھوٹ بولنے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں، اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں کہ وہ اس کو سمجھ نہ سکیں، اور ان کے کانوں میں ثقل پیدا فرما دیا ہے (کہ وہ سن نہ سکیں)، اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تو ان پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس آپ سے بحث کرنے کے لیے آتے ہیں تو جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا ہے، وہ کہتے ہیں: یہ (قرآن) صرف پہلے لوگوں کی (جھوٹی) کہانیاں ہیں O'' (الانعام:۲۵)

''وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۲۵'':

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

آپ اپنے رب کی توحید بیان کرتے ہیں اور اس کے احکام شرعیہ بیان کرتے ہیں، تو کفار اور مشرکین ان کو اپنے دل میں محفوظ نہیں رکھتے اور نہ ان پر غور کرتے ہیں اور نہ کان لگا کر ان کو سنتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ دلائل کو سمجھ سکیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تاکہ انجام کار وہ ان دلائل کو نہ سمجھ سکیں۔ ''اَنْ يَّفْقَهُوْهُ'' سے پہلے یہ عبارت محذوف ہے ''اَنْ لَّا يَفْقَهُوْا''، اس کی نظیر یہ آیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا۔۔۔ (النساء:۱۷۶)'' (اللہ تمہیں اپنے احکام وضاحت سے بیان فرماتے ہیں تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ)۔ اور اُن کے کانوں میں گرانی اور بوجھ ہے یا ڈاٹ ہے تاکہ وہ آپ کا کلام سن نہ سکیں۔ (تفسیر الطبری ج۹ ص۱۹۸، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۲۴ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی کفار کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تو پھر کفار کے ایمان نہ لانے میں ان کا کیا قصور ہے؟

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی اُن کے دلوں پر پردے ڈال دیے اور ان کے کانوں میں گرانی اور ڈاٹ ڈال دی تاکہ نہ وہ آپ کی باتوں کو غور سے سن سکیں اور نہ آپ کی باتوں پر تدبر کر سکیں، تو پھر اگر وہ ایمان نہیں لائے تو اُن کا کیا جرم ہے اور ان کو کیوں عذاب ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کر کے اور سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کی تکذیب کر کے ایسا جرم کیا کہ جس کی سزا میں ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے گئے اور ان کے کانوں میں ڈاٹ ڈال دی گئی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ۔۔۔ (النساء:۱۵۵)'' (بلکہ اللہ نے ان کے کفر کرنے کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی تھی)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور وہ اس (قرآن) سے (لوگوں کو) روکتے ہیں اور (خود بھی) اس سے دور رہتے

ہیں، اور وہ صرف اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور وہ شعور نہیں رکھتے O" (الانعام:۲۶)

"وَهُمۡ يَنۡهَوۡنَ عَنۡهُ وَيَنۡـَٔوۡنَ عَنۡهُ ۚ وَاِنۡ يُّهۡلِكُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ۝":

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل نے کہا ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء پہنچانے سے روکتے تھے اور خود آپ پر ایمان لانے سے دور رہتے تھے۔

(تفسیر عبدالرزاق: ۷۸۵، تفسیر الطبری: ۱۳۱۶۳، ۱۳۱۷۳، ۱۳۱۷۴، ۱۳۱۷۵، سنن بیہقی ج ۲ ص ۳۴۱، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۳۱۵، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۲ ص ۱۳۳، اسباب النزول للواحدی: ۴۲۶)

حتیٰ کہ روایت ہے کہ ابوطالب کے پاس مشرکین کے سردار آئے اور کہنے لگے: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہمارے حوالے کر دو، تو ابوطالب نے کہا: تم نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے، میں اپنا بیٹا تمہارے حوالے کر دوں! تا کہ تم اس کو قتل کر دو؟

(اسباب النزول للواحدی: ۴۲۷)

حافظ عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس الرازی ابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ، الانعام: ۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

محمد بن الحنفیہ نے بیان کیا کہ کفارِ قریش نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نہیں آتے تھے اور لوگوں کو آپ کے پاس آنے سے روکتے تھے۔

(تفسیر ابن ابی حاتم: ۷۲۰۱، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ وہ لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے سے روکتے تھے۔

(تفسیر ابن ابی حاتم: ۷۲۰۰، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی، وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء پہنچانے سے مشرکین کو منع کرتے تھے اور روکتے تھے، حالانکہ خود آپ سے دور رہتے تھے اور آپ کی اتباع نہیں کرتے تھے۔

(تفسیر ابن ابی حاتم: ۷۱۹۹، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ) (تفسیر الطبری ج ۹ ص ۲۰۲، تفسیر عبدالرزاق ج ۱ ص ۲۰۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے خبر دی از والد خود، انہوں نے بیان کیا: جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، پس آپ نے اس کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بن المغیرہ کو دیکھا، پس آپ نے فرمایا: اے میرے چچا! آپ یہ کلمہ پڑھیے: لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے)، میں اس کلمہ کے سبب سے اللہ تعالیٰ کے سامنے آپ کے حق میں جھگڑا کروں گا، پس ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا: کیا تم عبدالمطلب کے دین سے (جو ان کے نزدیک مشرک تھے) اعراض کر رہے ہو؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوطالب پر کلمہ توحید پیش کرتے رہے، اور وہ دونوں اپنی بات دہراتے رہے، آخر کار ابوطالب نے ان سے کہا: وہ عبدالمطلب کے دین پر ہے اور لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے سے انکار کر دیا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں ضرور تمہارے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہیں کیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ يَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ ... (التوبۃ: ۱۱۳)" (یعنی نبی کے لیے اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں) اور اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کے متعلق رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی: ''اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۔۔۔ (القصص:۵٦)'' (بے شک آپ جس کو پسند کریں اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے لیکن اللہ جس کو چاہیں اس کو ہدایت یافتہ بنا دیتے ہیں)۔

(صحیح البخاری: ۱۳٦۰، ۳۸۸۴، ۴٦۷۵، ٦٦۸۱، ٦۷۷۲، صحیح مسلم: ۲۴، الرقم المسلسل: ۱۳۱ سنن نسائی: ۲۰۳۵، السنن الکبریٰ: ۱۳۸۳، مصنف عبدالرزاق: ۴٦۷۵، ۳۸۸۴، الاحاد والمثانی: ۲۰۷، المعجم الکبیر: ۸۲۰، ج ۲۰ ص ۳۴۹، دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۴۳۔ ۳۴۲، الاسماء والصفات ص ۹۸۔ ۹۷، مسند الشامیین: ۳۰۳۳، شرح السنہ: ۱۲۷۴، صحیح ابن حبان: ۹۸۲، شرح مشکل الآثار: ۲۴۸٦، ۲۴۸۵، ۲۴۸۴، مسند احمد ج ۵ ص ۴۳۳ طبع قدیم، مسند احمد: ۲۳٦۷۴، ج ۹ ص ۷۸۔ ۷۹، موسستہ الرسالہ، بیروت، جامع المسانید لابن الجوزی: ٦۲۲۷، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲٦، مسند الطحاوی: ۳۳۴)

جب موت کے وقت کلمہ پڑھنا مفید نہیں ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کو موت کے وقت کلمہ پڑھنے کے لیے کیوں فرمایا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ ھ لکھتے ہیں:

المہلب نے کہا ہے کہ کلمہ توحید پڑھنا اس کو نفع دیتا ہے جو فرشتوں کے روح قبض کرنے کے معائنہ اور مشاہدہ سے پہلے کلمہ پڑھ لے، قرآن مجید میں ہے:

وَ لَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ ۔۔۔ (النساء:۱۸)

اور توبہ کی مقبولیت اُن لوگوں کے لیے نہیں ہے جو مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب اُن میں سے کسی ایک کو موت آتی ہے اس وقت وہ کہتا ہے: میں نے اب توبہ کر لی۔

یعنی جب ملک الموت روح قبض کرنے کے لیے آجائے اور وہ اس کا مشاہدہ کر لے، اور موت کے فرشتوں کو کوئی شخص اسی وقت دیکھ سکتا ہے جب وہ دنیا سے آخرت کی طرف منتقل ہو رہا ہو۔

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے موت کے وقت کہا: آپ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھیں، میں اس کلمہ کی وجہ سے اپنے رب کے سامنے آپ کی شفاعت کروں گا، اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ موت کے وقت کلمہ پڑھنا تو معتبر نہیں ہوتا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے فرمایا: میں اس کلمہ کی وجہ سے آپ کی شفاعت کروں گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ابھی ابو طالب نے موت کے فرشتوں کو نہیں دیکھا تھا لیکن اس کا اعتقاد یہ تھا کہ اس نے کوئی عمل صالح نہیں کیا تھا نہ نماز پڑھی تھی نہ روزہ رکھا تھا نہ زکوٰۃ ادا کی تھی نہ حج کیا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بتلایا کہ جس نے موت سے پہلے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ لیا، وہ مومنین میں داخل ہو جائے گا خواہ اس نے اس کے سوا کوئی اور عمل نہ کیا ہو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ابو طالب نے آخرت کا معائنہ کر لیا تھا اور اس کو موت کا یقین ہو چکا تھا اور وہ اس حالت میں تھا کہ اگر وہ اس وقت ایمان لے آتا تو اس کو ایمان نفع نہ دیتا، اس لیے اس نے روح نکلتے وقت کہا: وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہے، اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ امید ہوئی کہ اگر اس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ لیا اور آپ کی نبوت پر یقین کر لیا تو آپ اس کے لیے شفاعت کریں

گے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ وہ اس سے درگزر فرمائیں اور اس حال میں اس کے ایمان کو قبول فرمالیں، اور یہ ابو طالب کی خصوصیت ہوگی کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کرتا تھا اور آپ کا دفاع کرتا تھا، اس امید کی وجہ سے آپ نے فرمایا: اے چچا! آپ کلمہ توحید پڑھ لیں، میں آپ کی شفاعت کروں گا۔ اس قسم کا جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں:

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نفع پہنچایا ہے خواہ وہ اسلام پر فوت نہیں ہوا، کیونکہ اس کو تمام اہل دوزخ میں سب سے کم عذاب ہوگا، تو اگر وہ اس حال میں کلمہ پڑھ لیتا تو آپ اس کو ضرور نفع پہنچاتے، خواہ اس نے موت کے فرشتوں کو دیکھ لیا ہوتا۔

اس اعتراض کا ایک اور جواب یہ ہے کہ ابو طالب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل دیکھے تھے اور آپ کے معجزات کی تصدیق کی تھی اور اس کو آپ کی نبوت کی صحت میں کوئی شک نہیں تھا، اگرچہ غیرت اور جاہلیت کا تعصب اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب پر ابھارتا تھا، اور باقی مشرکین اپنے سرداروں کی طرف دیکھ رہے تھے اور ان کے قول کی پیروی کر رہے تھے، پس ابو طالب اور اس جیسے لوگ بہت بڑے گناہ کے عذاب کے مستحق تھے کیونکہ ان کے پیروکاروں کے کفر اور ان کی تکذیب کا بوجھ بھی ان کے اوپر تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس توقع پر اس کو کلمہ پڑھنے کے لیے فرمایا کہ جب آپ اس سے فرمائیں گے کہ میں اللہ تعالیٰ کے پاس تمہاری شفاعت کروں گا تو اس کا عناد زائل ہو جائے گا اور وہ ایمان لانے میں تردد اور توقف نہیں کرے گا لیکن اس کے برخلاف ظاہر ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور آپ کی نبوت کی تصدیق نہیں کی۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۳ ص ۳۴۰-۳۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

موت کے وقت کلمہ پڑھنا ابو طالب کی خصوصیت تھی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کے وقت ابو طالب کو کلمہ توحید پڑھنے کے لیے فرمایا، یہ اس کی خصوصیت تھی کیونکہ ابو طالب کے علاوہ کوئی اور شخص موت کے وقت کلمہ توحید پڑھے تو اس وقت کلمہ توحید پڑھنا اس کو نفع نہیں دے گا۔ سورۃ التوبۃ: ۱۱۳ کی تفسیر میں ہم اس مبحث کو زیادہ تفصیل سے لکھیں گے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۷۹۰، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

سورۃ التوبۃ: ۱۱۳ کی تفسیر میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: ہم اس کی شرح ''کتاب الجنائز'' میں ابو طالب کی وفات کے قصہ میں لکھ چکے ہیں اور سورۃ القصص کی تفسیر میں ان شاء اللہ ہم اس پر کچھ مزید کلام کریں گے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۶۲۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۱۳۶۰ میں مذکور ہے: ''آپ نے موت کے وقت ابو طالب سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کے لیے فرمایا''، اس پر یہ اعتراض ہے کہ موت کے وقت تو کلمہ پڑھنا مفید نہیں ہوتا، علامہ کرمانی نے اس کے جواب میں کہا ہے: اس سے مراد ہے: جب ابو طالب پر موت کی علامات وارد ہوئیں، ورنہ اگر وہ ملک الموت کا مشاہدہ کر لیتا تو پھر اس کا ایمان لانا مفید نہ ہوتا خواہ وہ کلمہ توحید پڑھ لیتا، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بار بار کلمہ توحید پڑھنے کے لیے فرماتے رہے اور ابو جہل وغیرہ اس کو منع کرتے رہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ امید ہو کہ اگر اس نے ملک الموت کو دیکھنے کے بعد بھی کلمہ توحید پڑھ لیا تو یہ اس کو مفید ہوگا، اگرچہ دوسروں کو اس حال میں کلمہ توحید پڑھنا مفید نہیں ہوتا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے مرنے کے بعد آپ اس کے لیے تخفیفِ عذاب کی شفاعت کرتے رہے اور بالآخر اس کے عذاب میں تخفیف فرما دی گئی اور اس تخفیف کو اس کے خصائص میں سے شمار کیا گیا ہے۔

بعض علماء نے اس حدیث کو مراسیل صحابہ میں شمار کیا ہے کیونکہ المسیب بیعت رضوان کے موقع پر اسلام لائے تھے اور ابوطالب کی وفات ہجرت سے پہلے ہوئی تھی لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ المسیب کے بعد میں اسلام لانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حالت کفر میں ابوطالب کی وفات کے موقع پر حاضر نہ ہوں جیسے عبداللہ بن ابی امیہ، فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے حالانکہ وہ ابوطالب کی وفات کے موقع پر موجود تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث روایت کی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے فرمایا: آپ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھیے، میں آپ کے حق میں گواہی دوں گا تو ابوطالب نے کہا: اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ قریش مجھے ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ اس کو کلمۂ توحید پڑھنے پر موت کی گھبراہٹ نے برانگیختہ کیا تو میں کلمہ توحید پڑھ کر تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیتا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ۔ (القصص:٥٦)" (بے شک آپ جس میں چاہیں ہدایت پیدا نہیں کر سکتے لیکن اللہ جس میں چاہتے ہیں ہدایت پیدا فرماتے ہیں)۔

(صحیح مسلم:٢٥، الرقم المسلسل:١٣٤، سنن ترمذی:٣١٨٨، مسند احمد ج٢ ص٤٣٤)، (فتح الباری ج٥ ص٧٦٤-٧٦٣، دارالمعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

اس کی توجیہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کے لیے فرمایا۔۔۔اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنے کے لیے نہیں فرمایا

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب سے فرمایا کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھے اور محمد رسول اللہ پڑھنے کے لیے نہیں فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں جملے کمال اتصال کی وجہ سے ایک جملہ کے حکم میں ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ آپ کو اللہ کا رسول تو مانتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار نہیں کرتا تھا۔ (فتح الباری ج٥ ص٧٥، دارالمعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

ابوطالب کے ایمان کے متعلق بعض علماء کے شبہات اور ان کے جوابات

علامہ اسماعیل حقی متوفی ١١٣٧ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والد اور والدہ اور آپ کے چچا ابوطالب کو زندہ فرمایا اور وہ آپ پر ایمان لائے۔

(روح البیان ج١ ص٢٧٤، ج٣ ص٦٦٥، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ١٤٢١ھ)

میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا ایمان تو اہل سنت کے نزدیک اتفاقی ہے لیکن ابوطالب کے متعلق اکثر اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ ان کا ایمان لانا ثابت نہیں ہے۔

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

بہت عجیب وغریب باتوں میں سے ایک یہ عبارت ہے جس کو بعض علماء نے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کی طرح ابوطالب کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے زندہ فرمایا حتیٰ کہ وہ موت کے بعد زندہ ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے۔ میرا گمان ہے کہ یہ شیعوں کی من گھڑت روایت ہے۔ (نسیم الریاض ج ۱ ص ۲۱۰، مرکز اہل سنت، گجرات، دارالفکر، بیروت)

حافظ ابن کثیر الدمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

بعض غالی شیعہ کہتے ہیں کہ ابوطالب اسلام میں فوت ہوئے، عباس بن عبدالمطلب نے کہا: اے میرے بھتیجے! میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھ لیا جس کو پڑھنے کا انہیں حکم دیا تھا یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اس کا جواب کئی وجوہ سے ہے:

اولاً یہ کہ اس کی سند میں کئی مبہم راوی ہیں جن کا حال معلوم نہیں، ثانیاً یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے نہیں سنا، ثالثاً یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تک مجھے منع نہیں فرمایا جائے گا میں آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا، پھر یہ آیت نازل ہوگئی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْۤا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ (التوبۃ: ۱۱۳)

نبی کے لیے اور مومنین کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت طلب کریں خواہ وہ ان کے رشتہ دار ہوں، ان پر یہ واضح ہونے کے بعد کہ ان کے رشتہ دار دوزخی ہیں ۝

(صحیح البخاری: ۳۸۸۴، صحیح مسلم: ۲۴)

اگر ابوطالب اسلام پر فوت ہوئے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لیے استغفار کیوں کرتے رہے اور پھر اس آیت کے نازل ہونے کی کوئی وجہ نہیں رہتی۔

نیز اگر وہ اسلام پر فوت ہوئے تھے تو پھر دوزخ میں داخل نہ ہوتے، حالانکہ حدیث میں ہے کہ وہ دوزخ میں داخل ہوئے:

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: آپ نے اپنے چچا سے کیا برائی دور کی، وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے لیے غضب ناک ہوتے تھے؟ آپ نے فرمایا: وہ دوزخ کے گڑھے میں تھے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتے۔ (صحیح البخاری: ۳۸۸۳، صحیح مسلم: ۲۰۹)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا کا ذکر کیا اور فرمایا: شاید اس کو قیامت کے دن میری شفاعت سے نفع ہوگا، پس اس کو دوزخ کے گڑھے میں داخل کر دیا جائے گا، آگ اس کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔ (صحیح البخاری: ۳۸۸۵، صحیح مسلم: ۲۱۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دوزخ والوں میں سب سے کم عذاب ابوطالب کو ہوگا، اس کو آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جس سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔ (صحیح البخاری: ۶۵۶۴، صحیح مسلم: ۲۱۲)

یہ تمام احادیث حافظ ابن کثیر نے شیعہ کی مذکورہ موضوع روایت کے رد میں ذکر کی ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۴۹۳۔ ۴۹۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اور حافظ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ، اس موضوع روایت کے رد میں لکھتے ہیں:

اگر حضرت عباس کی طرف منسوب یہ روایت صحیح بھی ہوتی تب بھی اس کے معارض یہ احادیث صحیحہ ہیں، چہ جائے کہ یہ روایت صحیح

بھی نہیں ہے، امام ابوداؤد اور امام نسائی نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ابوطالب فوت ہو گئے تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کا بوڑھا گم راہ چچا فوت ہو گیا، آپ نے فرمایا: جاؤ! اس کو زمین میں چھپا دو، میں نے کہا: وہ مشرک ہونے کی حالت میں فوت ہوا ہے، آپ نے فرمایا: جاؤ! اس کو زمین میں چھپا دو۔ (سنن ابوداؤد: ۳۲۱۴، سنن نسائی: ۱۹۰)

(فتح الباری ج ۵ ص ۷۴، دارالمعرفہ، بیروت، عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

ابوطالب کے ایمان نہ لانے کے متعلق مشاہیر علماء اہل سنت کی تصریحات

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کا کفر پر انتقال ہوا۔ (الفقہ الاکبر مع شرح الفقہ الاکبر ص ۱۰۸، مطبع مصطفی البابی، مصر)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

جب کافر مر جائے اور اس کا کوئی مسلمان رشتہ دار موجود ہو تو وہ اس کو غسل دے، کفن پہنائے اور دفن کرے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے باپ ابوطالب کے متعلق اسی طرح حکم دیا گیا تھا، لیکن اس کو غسل اس طرح دیا جائے جیسے ناپاک کپڑے کو دھویا جاتا ہے اور کسی کپڑے میں لپیٹ دیا جائے اور اس کے لیے گڑھا کھودا جائے، کفن پہنانے اور لحد بنانے کی سنت کو ملحوظ نہ رکھا جائے اور نہ ہی اس کو گڑھے میں رکھا جائے بلکہ پھینکا جائے۔ (ہدایہ اولین ص ۱۶۱۔ ۱۶۲، المکتبۃ العربی، دستگیر کالونی، کراچی)

علامہ ابراہیم بن محمد حلبی متوفی ۹۵۶ھ، ہدایہ کی مذکورہ عبارت کی مثل لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

جب ابوطالب کا انتقال ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آ کر کہا: یارسول اللہ! آپ کا گم راہ چچا فوت ہو گیا ہے۔

(غنیۃ المستملی ص ۶۰۳، سہیل اکیڈمی، لاہور)

علامہ سید احمد الطحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ اور علامہ زین الدین ابن نجیم مصری نے بھی اس کے متقارب لکھا ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ج ۲ ص ۲۴۶، مکتبہ غوثیہ کراچی، البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۰، مصر)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہمیں امید ہے کہ عبدالمطلب اور ان کے تمام اہل بیت نجات پائیں گے، ماسوا ابوطالب (اس استثناء میں ابولہب کو بھی شامل کرنا ضروری تھا۔ سعیدی غفرلہٗ) کے، ان کے متعلق حدیث میں ہے کہ وہ پاؤں تک آگ میں ہے، یہ اس کا حال ہے جو کفر پر مرا ہو اور اگر وہ توحید پر مرا ہوتا تو ضرور دوزخ سے نجات پاتا۔ (الاصابہ ج ۱ ص ۲۰۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نیز حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار چچاؤں نے اسلام کا زمانہ پایا، ان میں سے دو مسلمان نہیں ہوئے، ابوطالب ان کا نام عبدمناف ہے اور ابولہب، اس کا نام عبدالعزیٰ ہے، اور دو مسلمان ہوئے: حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۷۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

ابوطالب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتا تھا اور آپ کی مدد کرتا تھا اور آپ سے طبعی محبت کرتا تھا نہ کہ شرعی محبت، پس اس پر تقدیر

غالب آ گئی اور وہ ہمیشہ کفر پر رہا اور اللہ ہی کے لیے قوی حجت ہے۔ (ارشاد الساری ج ٨ ص ٣٩٨، دار الفکر، بیروت، ١٤٢١ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ، حدیث: ٣٨٨٤، التوبہ: ١١٣ اور القصص: ٥٦ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس سب سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابو طالب غیر اسلام پر مرا، اگر تم یہ کہو کہ سہیلی نے لکھا ہے کہ وہ اسلام لے آیا تھا تو میں کہوں گا کہ ان کا یہ قول حدیث صحیح کے معارض نہیں ہوسکتا۔ (عمدۃ القاری ج ١٧ ص ٢٤، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ١٠١٤ھ لکھتے ہیں:

اہل سنت کے نزدیک ابو طالب مسلمان نہیں ہے۔ (مرقات ج ٩ ص ٣٦٠، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی متوفی ١٠٥٢ھ لکھتے ہیں:

حدیث صحیح نے ابو طالب کے کفر کو ثابت کر دیا ہے۔ (مدارج النبوت ج ٢ ص ٤٨، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

روضۃ الاحباب میں بھی ابو طالب کے کفر پر مرنے کی احادیث لائی گئی ہیں۔ (مدارج النبوت ج ٢ ص ٤٩، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا فاضل بریلوی فرماتے ہیں:

علماء کا جابجا کفر ابو طالب پر اجماع نقل فرمانا اور اسلام ابو طالب کا قول مزعوم روافض فرمانا، جس کے نقول اگلے قصوں میں مذکور و منقول اس حکایت بے سروپا کے رد کو بس ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ٢٩ ص ٧١٣، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ رضویہ، لاہور، پاکستان)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: " کاش! آپ (ان کو اس وقت) دیکھتے جب یہ کفار دوزخ کے کنارے پر کھڑے کیے جائیں گے، پس کہیں گے: اے کاش! ہم پھر (دنیا میں) لوٹا دیے جائیں اور ہم اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں اور ہم مومنین میں سے ہو جائیں ○ " (الانعام: ٢٧)

کفار کے دوزخ پر کھڑے ہونے کے محامل

"وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ":

(١) ہوسکتا ہے کہ وہ دوزخ کے نزدیک کھڑے کیے گئے ہوں اور وہ دوزخ کو دیکھ رہے ہوں، اور ان کا دوزخ میں داخل کیا جانا متوقع ہو۔

(٢) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ دوزخ کے اوپر کھڑے ہوں اور دوزخ ان کے نیچے ہو، یعنی وہ پل صراط پر ہوں اور یہ وہ پل ہے جو دوزخ کی آگ کے اوپر ہے۔ "وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۚ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ○ ... (مریم: ٧١-٧٢)" (اور تم میں سے ہر شخص ضرور دوزخ پر سے گزرے گا، آپ کے رب پر یہ بات قطعی فیصلہ شدہ ہے ○ پھر ہم اللہ سے ڈرنے والوں کو دوزخ سے نجات عطا فرمائیں گے اور ہم ظالموں کو اس دوزخ میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے ○)۔

مذکور الصدر آیت کا ایک محمل یہ ہے کہ ہر شخص دوزخ میں داخل ہوگا، پھر کفار کو دوزخ میں چھوڑ دیا جائے گا اور مومنین کو نکال لیا جائے گا، اور دوسرا محمل یہ ہے کہ ہر شخص پل صراط پر وارد ہوگا۔

(۳) ''وُقِفُوْا'' کا معنی ہے کہ جب انہیں دوزخ پر واقف اور مطلع کیا جائے گا، جیسے کہا جاتا ہے ''وقفت فلانا علی کلام فلان'' یعنی میں نے فلاں شخص کو دوسرے شخص کے کلام پر مطلع کیا اور اس کے کلام کا معنی سمجھایا، اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ دوزخ کی آگ میں غوطہ لگا رہے ہوں گے، کیونکہ دوزخ کی آگ کے کئی طبقات ہیں جن میں سے بعض طبقات دوسرے طبقات کے اوپر ہیں۔

اس آیت میں ''لَو'' کا جواب محذوف ہے یعنی اگر آپ دیکھتے جب انہیں دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا تو آپ بہت ہیبت ناک معاملہ دیکھتے اور خوف زدہ منظر دیکھتے۔

''فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾'': پس کہیں گے: اے کاش! ہم پھر (دنیا میں) لوٹا دیئے جائیں اور ہم اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں اور ہم مومنین میں سے ہو جائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ اب ان پر وہ حقیقت منکشف ہو چکی ہے جس کو وہ اس سے پہلے چھپاتے تھے، اور اگر وہ (بالفرض دنیا کی طرف) پھر لوٹا دیئے گئے تو پھر وہی کچھ کریں گے جس سے ان کو منع فرمایا گیا تھا، اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں O'' (الانعام: ۲۸)

الانعام: ۲۸ میں کفار کی تمناؤں کو جھوٹا فرمایا، حالانکہ تمنا سچ یا جھوٹ کے ساتھ متصف نہیں ہوتی، اس اشکال کے جوابات

''بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾'':

اشکال یہ ہے کہ کفار نے یہ تمنا کی تھی کہ ان کو دنیا میں لوٹا دیا جائے اور پھر وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں'' اور ان کی یہ تمنا انشاء کے باب سے ہے، اور انشاء پر نہ صدق داخل ہوتا ہے نہ کذب، صدق اور کذب تو صرف خبروں پر داخل ہوتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں، سو ان کی تمنا کرنے کے متعلق جھوٹا کہنا کس طرح صحیح ہوگا؟ اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) علامہ جار اللہ زمخشری المتوفی ۵۳۸ھ نے اس کے جواب میں کہا ہے: یہ تمنا وعدہ کے معنی کو متضمن ہے، جیسے کوئی شخص دوسرے شخص سے کہے: اے کاش! اللہ مجھے مال عطا فرمائیں تو میں تیرے ساتھ حسن سلوک کروں اور تیرے احسانات کا بدلہ اتاروں، پس یہ کلام بھی تمنا ہے مگر یہ کلام وعدہ کے معنی کو متضمن ہے۔ پس اگر اس کو مال عطا فرمایا گیا اور اس نے اپنے صاحب کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا اور اس کے احسانات کا بدلہ نہیں اتارا تو اس کو جھوٹا قرار دیا جائے گا۔

(۲) اللہ عزوجل نے فرمایا ہے ''وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾'' (اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں)، اس کلام کا تعلق ان کی تمنا کے ساتھ نہیں ہے بلکہ یہ محض اللہ عزوجل کی طرف سے کفار کی خبر ہے بایں طور کہ کفار کی عادت جھوٹ بولنا ہے، پس تمنا کو جھوٹا نہیں فرمایا۔

(۳) ہم یہ نہیں تسلیم کرتے کہ تمنا پر صدق اور کذب داخل نہیں ہوتا بلکہ تمنا پر بھی صدق اور کذب داخل ہوتا ہے جیسا کہ بنو الحارث کا یہ شعر ہے:

مُنًى ان تكن حقا تكن احسن المُنٰى	والا فقد عشنا بها زمنا رغدا
تمنائیں اگر برحق نہ ہوں پھر بھی وہ بہترین آرزوئیں ہیں	ورنہ ہم ان تمناؤں کے ساتھ بہت عرصے تک عافیت سے رہے ہیں

مشرکین قیامت کے بعض مواقع پر شرک کا انکار کردیں گے، پس کہیں گے:''وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝۔۔۔ (الانعام: ۲۳)''(اللہ کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے، ہم شرک کرنے والے نہ تھے O) اور اس وقت اُن کے جسمانی اعضاء کلام کرکے اُن کا رد کریں گے اور اُن کے کفر کی شہادت دیں گے اور اس وقت ان کے شرکیہ عقائد اور ان کے برے اعمال کا وبال ظاہر ہوگا اور اس کا انجام ان پر منکشف ہوگا، اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اگر ان کو دنیا کی طرف لوٹا دیتے تب بھی ان سے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کو ترک کرنا صادر نہ ہوتا اور وہ ایمان نہ لاتے ، بلکہ وہ اپنے پہلے طریقہ پر دائماً قائم رہتے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اہلِ قیامت جب اللہ تعالیٰ کو بالبداہت پہچان لیں گے اور عذاب کی مختلف انواع واقسام کا مشاہدہ کرلیں گے تو عذاب کی ان ہولناکیوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ پھر کفر اور معصیت کی طرف لوٹ جائیں گے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ان کے حق میں یہ مقدر ہو چکا ہے کہ اگر ان کو دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تب بھی وہ اپنے پچھلے کفر پر قائم رہیں گے، کیونکہ ابلیس لعین نے اللہ تعالیٰ کی تمام آیات کا معائنہ اور مشاہدہ کرلیا تھا، اس کے باوجود اس نے عناد کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور کہا: میں آدم سے بہتر ہوں اور برتر ہوں، تو جو بہتر اور برتر ہو وہ ادنیٰ اور کم تر کے سامنے سجدہ کیسے کرے!

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''اور انہوں نے کہا: ہماری تو صرف یہی دنیاوی زندگی ہے اور (مرنے کے بعد) ہم کو اٹھایا نہیں جائے گا O''(الانعام:۲۹)

الانعام:۲۹ کا الانعام:۲۸ کے ساتھ ارتباط

''وَقَالُوْٓا اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ۝'': علامہ الزمخشری المتوفی ۵۳۸ھ نے کہا ہے کہ الانعام:۲۹ کا عطف ''وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۔۔۔ (الانعام:۲۸)'' پر ہے، یعنی اگر ان کفار کو دنیا میں لوٹا دیا جاتا تو یہ ضرور کفر کرتے اور اس وقت بھی یہی کہتے کہ ہماری تو صرف یہی دنیا کی زندگی ہے، جیسا کہ وہ قیامت کو دیکھنے سے پہلے کہتے تھے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا عطف ''لَكٰذِبُوْنَ ۝'' پر ہو یعنی یہ ضرور جھوٹے لوگ ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''اور اگر آپ اس وقت دیکھتے جب ان کو ان کے رب کے سامنے ٹھہرایا جائے گا، (اللہ) فرمائیں گے: کیا یہ (مرنے کے بعد زندہ ہونا) برحق نہیں؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے رب کی قسم! (یہ ضرور برحق ہے)، (اللہ) فرمائیں گے: سوتم اب اس عذاب کو چکھو جس کا تم انکار کرتے تھے O'' (الانعام:۳۰)

''وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۠ ۝'':
بعض المشبہہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اہلِ قیامت کو اللہ تعالیٰ کے پاس کھڑا کیا جائے گا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی ایک جگہ پر ہوتے ہیں اور کبھی دوسری جگہ پر ہوتے ہیں، ان کے مذہب کا رد یہ ہے کہ یہ آیت اس تاویل میں ہے کہ اہلِ قیامت کو رب عزوجل کے فرشتہ کے پاس کھڑا کیا جائے گا، یا اُن کے رب کی جزا کے پاس کھڑا کیا جائے گا۔

''قَالَ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ'': یعنی کسی قائل نے یہ سوال کیا کہ جب اُن کفار کو ان کے رب کے پاس کھڑا کیا گیا تو اُن کے رب نے اُن سے کیا ارشاد فرمایا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اُن کا رب ان سے فرمائے گا کہ کیا یہ قیامت کا دن اور تمہارا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا برحق نہیں ہے؟ دوسری تقریر یہ ہے کہ جب اُن کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو اُن سے سوال کیا جائے گا کہ تم حیات بعد الموت کا انکار کرتے تھے اب تم مر کر دوبارہ زندہ کر دیے گئے ہو، تو کیا تمہارا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا برحق نہیں ہے؟

دوسری تقریر یہ ہے کہ جب اُن کو عذاب دیا جائے گا تو اُن سے پوچھا جائے گا: کیا یہ وہ عذاب نہیں ہے جس کا تم دنیا میں انکار کرتے تھے، کیا یہ برحق نہیں ہے؟ اور اس پر اس آیت کا یہ حصہ دلالت کرتا ہے: ''فَذُوْقُوا الْعَذَابَ'' پس تم اس عذاب کو اب چکھو جس کا تم دنیا میں انکار کرتے تھے۔

ایک اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وَ لَا یُكَلِّمُهُمُ... (آل عمران:۷۷)'' (اور اللہ اُن کے ساتھ کلام نہیں فرمائیں گے)، آل عمران:۷۷ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کلام کرنے کی نفی فرمائی ہے، اور یہاں الانعام:۳۰ میں اللہ عزوجل نے ان سے کلام کیا ہے اور فرمایا ہے: ''اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے کلام کرنے کی نفی فرمائی ہے جو ان کے لیے سودمند ہو اور نفع آور ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قیامت کے دن کئی مواقف ہوں گے، کسی موقف میں وہ اپنے شرک کرنے کا انکار کریں گے اور کہیں گے: ''وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ۝... (الانعام:۲۳)'' اور دوسرے موقف میں وہ اپنے شرک کا اعتراف اور اقرار کریں گے۔

''فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۠ ۝'': اللہ تعالیٰ نے عذاب چکھنے کا ذکر فرمایا ہے، کیونکہ عذاب کا درد اور اس عذاب کی تکلیف کو ہر وقت وہ محسوس کرتے رہیں گے۔ (اللباب فی علوم الکتاب ج۹ ص ۷۰۔۱۰۱ ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۹ھ)

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِیْهَا ۙ وَ هُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ۝

بے شک جن لوگوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا انہوں نے نقصان اٹھایا، حتیٰ کہ جب ان کے پاس اچانک قیامت آ پہنچے گی وہ کہیں گے: ہائے افسوس! اس کوتاہی پر جو قیامت پر ایمان لانے کے سلسلہ میں ہم سے ہوئی، اور وہ اپنی پیٹھوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ

اٹھائے ہوئے ہوں گے، سنو وہ بہت برا بوجھ ہے جس کو وہ اٹھائے ہوئے ہوں گے ○

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے، اور یقیناً آخرت کی زندگی ہی اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے بہتر ہے، پس کیا تم عقل نہیں رکھتے ○

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾

اے رسول اکرم! ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان کفار کی باتیں غمزدہ کرتی ہیں، بے شک وہ آپ کی ذات کی تکذیب نہیں کرتے لیکن ظالم لوگ صرف اللہ کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں ○

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور بے شک آپ سے پہلے بھی رسولوں کی تکذیب کی گئی، سو انہوں نے اس تکذیب کیے جانے پر صبر کیا اور ان کو ایذاء دی گئی حتیٰ کہ ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی، اور اللہ کی تقدیر کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے، اور بے شک آپ کے پاس (گزشتہ) رسولوں کی خبریں آ چکی ہیں ○

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾

اور اگر ان کفار کی روگردانی آپ پر دشوار گزرتی ہو (اور آپ ان کے ایمان لانے کے بے حد خواہش مند ہوں)، تو اگر آپ سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر لیں یا آسمان میں کوئی سیڑھی تلاش کر لیں، پھر آپ ان کے پاس کوئی معجزہ لے آئیں (تب بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے)، اور اگر اللہ چاہتے تو ان سب کافروں کو ہدایت پر جمع فرما دیتے، سو آپ ہرگز ہرگز ناواقفوں میں سے نہ ہو جائیں ○

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؔ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾

صرف وہی لوگ پیغامِ حق قبول کرتے ہیں جو (دل سے) سنتے ہیں، اور مردہ دلوں کو (مرنے کے بعد) اللہ زندہ فرمائیں گے پھر وہ سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے O

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَن يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٧﴾

اور کفارِ مکہ نے کہا: کیوں نہ اس رسول پر اس کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ نازل کیا گیا! آپ کہیے: بے شک اللہ ہر معجزہ نازل فرمانے پر قادر ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ (اللہ کی حکمتوں کو) نہیں جانتے O

وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم ۚ مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿٣٨﴾

اور زمین پر چلنے والا ہر جاندار اور فضا میں اپنے پروں سے اڑنے والا ہر پرندہ صرف تمہاری مثل مخلوق ہیں، اور ہم نے کتاب (لوحِ محفوظ) میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا، پھر وہ سب اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے O

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ ۗ مَن يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ وَمَن يَشَأْ يَجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٣٩﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی، (وہ) بہرے ہیں اور گونگے ہیں اور اندھیروں میں (بھٹک رہے ہیں)، اللہ جس کو چاہتے ہیں اس کو گمراہ فرما دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں اس کو سیدھے راستہ پر قائم رکھتے ہیں O

قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٠﴾

آپ کہیے: ذرا بتاؤ تو سہی اگر تمہارے پاس (اچانک) اللہ کا عذاب آجائے یا تم پر قیامت آجائے، کیا اس وقت بھی اللہ کے سوا کسی اور کو (مستقل مددگار سمجھ کر) پکارو گے؟ (جواب دو!) اگر تم سچے ہو O

بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِن شَاءَ وَتَنسَوْنَ مَا تُشْرِكُونَ ﴿٤١﴾ ع

بلکہ تم اسی کو (بطورِ معبود) پکارو گے، سو اگر اللہ چاہیں گے تو تم سے اس مصیبت کو کھول دیں گے جس کی خاطر تم اس کو پکارو گے، اور تم ان کو بھول جاؤ گے جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے رہے ہو O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک جن لوگوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا انہوں نے نقصان اٹھایا، حتیٰ کہ

جب ان کے پاس اچانک قیامت آ پہنچے گی وہ کہیں گے: ہائے افسوس! اس کوتاہی پر جو قیامت پر ایمان لانے کے سلسلہ میں ہم سے ہوئی، اور وہ اپنی پیٹھوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے، سنو وہ بہت برا بوجھ ہے جس کو وہ اٹھائے ہوئے ہوں گے O‘‘ (الانعام: ۳۱)

دنیا کا مومن کے لیے بہ منزلہ قید خانہ ہونا اور کافر کے لیے بہ منزلہ جنت ہونا

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، الانعام: ۳۱ تا ۴۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

’’قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ‘‘:

اس آیت میں ’’كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ‘‘ میں لفظ اللہ سے پہلے مضاف مقدر ہے، یعنی ان لوگوں نے نقصان اٹھایا جنہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے کئے ہوئے وعدہ اور اس کی وعید کی تکذیب کی، اور اسی طرح یہ آیت ہے: ’’مَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ ۔۔۔ (العنکبوت: ۵)‘‘ (جو اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہو تو بے شک اللہ کا مقرر فرمایا ہوا وقت ضرور آنے والا ہے، اور اللہ سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں O)۔ اس آیت کی بھی یہ تاویل ہے کہ ’’یرجوا لقاء وعد الله فی الدنیا و وعیده‘‘ یعنی جو شخص دنیا میں اللہ کے وعدہ اور وعید کی امید رکھتا ہو۔ اور اسی طرح درج ذیل حدیث ہے:

عن عائشة انها ذكرت ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: من احب لقاء الله احب الله لقائه ومن كره لقاء الله كره الله لقاءه۔ الحديث۔ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کی ملاقات سے محبت کرتا ہو تو اللہ بھی اس کی ملاقات سے محبت فرماتے ہیں، اور جو شخص اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہو تو اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند فرماتے ہیں)۔ (مسند احمد: ۲۴۲۲۷، ۲۴۳۳۸، ۲۵۷۸۶، صحیح البخاری: ۶۵۰۷، صحیح مسلم: ۲۶۸۴، سنن ترمذی: ۱۰۶۹، سنن نسائی: ۱۸۳۸)

اس حدیث کا بھی یہی محمل ہے کہ جو شخص اس سے محبت کرتا ہو جو اللہ نے اس کے لیے تیار فرمایا ہے۔ اور ’’من كره لقاء الله‘‘ کی تاویل یہ ہے کہ جو شخص اس کو ناپسند کرتا ہو جو اللہ نے اس کے لیے تیار فرمایا ہے، اور اس کی اصل یہ ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کو پسند کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے رجوع کو پسند فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کو ناپسند کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے رجوع کو ناپسند فرماتے ہیں۔

اللہ سے محبت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو اختیار کرنا اور اس کی اطاعت کرنے کو پسند کرنا، اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو دوسروں کے احکام پر ترجیح دینا۔ اسی طرح درج ذیل حدیث ہے:

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: الدنيا سجن المومن وجنة الكافر۔۔۔ الحديث۔

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے)۔
(صحیح مسلم: ۲۹۵۶، سنن ترمذی: ۲۳۳۱، مسند احمد: ۸۲۹۶، سنن ابن ماجہ: ۴۱۱۳)

یعنی دنیا کافر کے لیے جنت ہے کیونکہ وہ دنیا میں کھیلتا کودتا ہے اور اپنی آرزوؤں کو پورا کرتا ہے اور دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور مومن کی راحت موت ہے۔

کیونکہ مومن دنیا میں اپنی خواہشوں کو پورا کرنے سے ڈرتا ہے، کیونکہ اسے موت کا خطرہ ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی باز پرس سے ڈرتا ہے، اور کافر کو اس کی خواہش پورا کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی، وہ دنیا میں جس طرح چاہتا ہے اپنی خواہش پوری کر لیتا ہے، تو اس لیے دنیا اس کے لیے بہ منزلہ جنت ہے اور دنیا مومن کے لیے بہ منزلہ قید خانہ ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ کافر موت کے وقت اپنے اخروی ٹھکانہ کا مشاہدہ کر لیتا ہے اور جو عذاب اس کے لیے آخرت میں تیار کیا گیا ہے، اس کو دیکھ لیتا ہے، پس اب دنیا اس کے لیے بہ منزلہ جنت ہوتی ہے اور وہ اس سے واپس جانے کو ناپسند کرتا ہے اور مومن موت کے بعد جنت میں اپنے ٹھکانہ کو دیکھ لیتا ہے، اس لیے دنیا اس کے لیے بہ منزلہ قید خانہ ہو جاتی ہے۔

قیامت کو ساعت فرمانے کی توجیہ

''حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً'': اس آیت میں قیامت کو ''ساعت'' سے تعبیر فرمایا ہے، کیونکہ قیامت دنیا کی دیگر چیزوں کی طرح نہیں ہے، قیامت بہت سرعت کے ساتھ واقع ہو گی، کیونکہ دنیا میں انسان کے احوال متغیر ہوتے رہتے ہیں، وہ پہلے نطفہ ہوتا ہے، پھر جما ہوا خون بن جاتا ہے، پھر اس کی دوسری تخلیق ہوتی ہے، پھر وہ انسان بنتا ہے، پھر وہ بچہ ہوتا ہے، پھر وہ مرد ہوتا ہے، پھر اس پر احوال مختلف ہوتے رہتے ہیں، وہ جواں مرد ہوتا ہے، پھر ادھیڑ عمر کا ہوتا ہے، پھر شیخ ہوتا ہے، پھر شیخ فانی ہو جاتا ہے، پھر میت ہو جاتا ہے، پھر مقبور ہو جاتا ہے۔ اور رہی قیامت، تو اس میں احوال متغیر نہیں ہوتے، وہ بہت تیزی سے اچانک واقع ہو جاتی ہے اور اس کی اس تیزی کی وجہ سے اس کو ''ساعت'' کہا جاتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ قیامت کو ''ساعت'' اس لیے فرمایا ہے کہ وہ ایک ساعت میں واقع ہو گی، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ... (النحل: ٧٧)'' (اور قیامت کا وقوع صرف ایک پلک جھپکنے کی مثل ہو گا یا اس سے بھی زیادہ قریب)۔

''بَغْتَةً'' کا معنی ہے: اچانک، یعنی قیامت ایک ساعت میں اچانک واقع ہو جائے گی۔

''قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِیْهَا'': اس آیت میں تفریط کا لفظ ہے، تفریط کا معنی ہے: کسی چیز کو بہ تدریج ضائع کرنا، یعنی ہم نے دنیا میں نیک کاموں کو اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ضائع کر دیا، اور اس کا یہ بھی محمل ہے کہ ہم نے دنیا میں اپنے کفر کے سبب سے نیکیوں کے ثواب اور ان کی عظیم جزا کو آخرت میں ضائع کر دیا۔

''وَهُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ'': اس کا معنی یہ ہے کہ کفار نے جن گناہ کے کاموں کو اپنے ساتھ لازم رکھا اور کبھی ان کاموں سے الگ نہیں ہوئے تو گویا انہوں نے ان کاموں کے بوجھ کو اپنی پیٹھوں پر اٹھا لیا، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓىِٕرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ ... (بنی اسرائیل: ١٣)'' (اور ہر انسان کی قسمت کا لکھا ہوا ہم نے اس کی گردن میں ڈال دیا، اور ہم اس کے لیے قیامت کے دن وہ نوشتہ (لکھا ہوا) نکالیں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا O)، گویا ہر انسان کو اس کا لکھا ہوا لازم ہو گا۔

اس کا محمل یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض روایات میں مذکور ہے کہ انسان کے پاس اس کے برے اعمال انتہائی بری صورت میں آئیں گے، انسان اس سے کہے گا: میں تجھے دنیا میں لذات اور شہوات کے ساتھ اٹھاتا تھا اور آج تو میرے اوپر سوار ہے۔

''اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوۡنَ ۝'': سنو وہ بہت برا بوجھ ہے جس کو وہ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے، اور یقیناً آخرت کی زندگی ہی اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے بہتر ہے، پس کیا تم عقل نہیں رکھتے O'' (الانعام: ۳۲)

دنیا کی زندگی کے لہو ولعب ہونے کا محمل

''وَمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَهۡوٌ'':

یعنی خصوصاً دنیا کی زندگی لہو ولعب ہے، کیونکہ جب کوئی عمل آخرت اور اللہ کی رضا کے لیے نہ کیا جائے تو وہ عبث ہوتا ہے، اسی وجہ سے دنیا کی زندگی کو لہو ولعب فرمایا ہے، اور جو عبادت اللہ کی رضا کے لیے انجام دی جائے اور اس سے ثواب کی امید رکھی جائے اور عذاب سے بچنے کی امید رکھی جائے تو وہ لہو ولعب نہیں ہے۔ اسی بناء پر ارشاد ہے: ''اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰكُمۡ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمۡ اِلَیۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ ۝... (المومنون: ۱۱۵)'' (کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں یونہی بے کار پیدا فرمایا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے! O)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا مخلوق کو پیدا فرمانا اس لیے نہ ہو کہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا، تو اس کا مخلوق کو پیدا فرمانا عبث ہوگا، اسی طرح دنیا کی زندگی ہے، کیونکہ اگر دنیا کی زندگی کے بعد انسان کو موت کے بعد دوبارہ زندہ نہ کیا جائے اور اس کے برے کاموں پر سزا نہ ہو اور نیک کاموں پر جزا نہ ہو تو پھر یہ زندگی لہو ولعب ہوگی۔

لہو خصوصیت سے اس کام کو کہتے ہیں جس سے شہوت پوری کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے اور آخرت کا ارادہ نہ کیا جائے، اور لہو اس کام کو بھی کہتے ہیں جس کی کوئی حقیقت نہ ہو اور نہ اس کا کوئی مقصد ہو۔

''وَ لَلدَّارُ الۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۝'' یعنی دارِ آخرت اُن لوگوں کے لیے بہتر ہے جو دنیا کی زندگی میں شرک سے اور تمام بے حیائی کے کاموں سے مجتنب رہتے ہیں اور اس کی اصل یہ ہے کہ اِن کافروں کے نزدیک دنیاوی زندگی لہو ولعب ہے، کیونکہ ان کے نزدیک مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں ہونا، نہ کوئی ثواب ہوگا، نہ کوئی عقاب ہوگا، پس جب ان کے نزدیک دنیا کی زندگی ایسی ہے تو پھر وہ لہو ولعب ہے، یا ایسا ہے کہ جب کوئی آدمی ایسا گھر بنائے جس کا کوئی اچھا انجام نہ ہو اور اس سے کوئی منفعت حاصل نہ ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے رسول اکرم! ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان کفار کی باتیں غمزدہ کرتی ہیں، بے شک وہ آپ کی ذات کی تکذیب نہیں کرتے لیکن ظالم لوگ صرف اللہ کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں O'' (الانعام: ۳۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غم کی متعدد وجوہ

''قَدۡ نَعۡلَمُ اِنَّهٗ لَیَحۡزُنُكَ الَّذِیۡ یَقُوۡلُوۡنَ'':

(۱) یعنی اللہ عزوجل کو یہ علم ہے کہ یہ منکرین آپ کے لوگوں کی طرف مبعوث ہونے اور آپ کی رسالت کا انکار کریں گے اور اللہ

تعالیٰ نے آپ کو ان کی طرف تبلیغ کرنے کا حکم فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہ بھی علم ہے کہ ان کی تکذیب سے آپ کو رنج اور غم ہوگا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی طرف مبعوث فرمایا اور آپ کو ان کی طرف تبلیغ کرنے کا حکم فرمایا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم ہو کہ آپ کے لیے رسالت کی تبلیغ کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے خواہ مشرکین آپ کی تبلیغ کی تکذیب کریں، خواہ آپ کو رنج اور غم ہو لیکن آپ نے بہرحال اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ کرنی ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے افتراء اور بہتان کی وجہ سے غمزدہ ہوتے تھے اور وہ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے تھے، اس سے آپ غمزدہ ہوتے تھے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے غمزدہ ہوتے تھے کہ کفار اور مشرکین آپ کے قرابت داروں اور آپ کے قبیلہ والوں کی تکذیب کرتے تھے اور جب وہ آپ کے قرابت داروں کی تکذیب کرتے تھے تو یہ خطرہ تھا کہ پھر وہ دوسروں کی بھی تکذیب کریں گے تو آپ اس وجہ سے غمزدہ ہوتے تھے۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ آپ طبعی طور پر غمزدہ ہوتے تھے کیونکہ ہر شخص کی طبیعت تکذیب سے متنفر ہوتی ہے۔

(۵) پانچویں وجہ یہ ہے کہ آپ تبلیغ کے باوجود کفار اور مشرکین کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے غمزدہ ہوتے تھے جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے: ''فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ۝ ... (الکہف:٦)'' (تو کہیں آپ (فرطِ غم) سے ان کے پیچھے جان دے بیٹھیں گے اگر وہ اس قرآن پر ایمان نہ لائیں O)، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ ... (فاطر:٨)'' (پس کہیں ان پر حسرتوں (اور فرطِ غم) کی وجہ سے آپ کی مبارک جان نہ نکل جائے)۔

(٦) چھٹی وجہ یہ ہے کہ جب پچھلی امتوں نے اپنے نبی کی تکذیب کی تو اُن پر عام عذاب آیا اور جب کفارِ مکہ نے آپ کی تکذیب کی تو آپ کو اس کا غم تھا کہ کہیں ان کے اوپر بھی عام عذاب نہ آ جائے۔

''فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ'': اس آیت کی دوسری قراءت ہے ''لَا یُكْذِبُوْنَكَ'' یعنی کفارِ مکہ آپ کو کاذب نہیں پاتے، اور اگر ''لَا یُكَذِّبُوْنَكَ'' کی قراءت ہو تو اس کا محمل یہ ہے کہ وہ تنہائی میں آپ کی تکذیب نہیں کرتے لیکن ظاہراً لوگوں کے سامنے آپ کی تکذیب کرتے ہیں۔

''وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ۝'': یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اوپر ظلم کرنے والے ہیں اُن کی عادت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں، دوسرا محمل یہ ہے کہ جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اور ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو غیر محل میں رکھنا، کیونکہ اُن کو جان تو اس لیے دی گئی تھی کہ وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صَرف کریں لیکن جب انہوں نے اس جان کو شرک میں صرف کیا تو انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک آپ سے پہلے بھی رسولوں کی تکذیب کی گئی، سو انہوں نے اس تکذیب کیے جانے پر صبر کیا اور ان کو ایذاء دی گئی حتیٰ کہ ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی، اور اللہ کی تقدیر کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے، اور بے شک آپ کے پاس (گزشتہ) رسولوں کی خبریں آ چکی ہیں O'' (الانعام:٣٤)

''وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ'':

اس آیت میں اللہ عزوجل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی فرمائی ہے کہ آپ پہلے رسول نہیں ہیں جن کی تکذیب کی گئی ہے بلکہ آپ سے پہلے جو انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں، ان کی بھی تبلیغِ رسالت کی وجہ سے تکذیب کی گئی، سوانہوں نے صبر کیا اور ان کو ایذاء پہنچائی گئی لیکن انہوں نے تبلیغِ رسالت کے کام کو ترک نہیں کیا، لہٰذا ان کی تکذیبِ رسالت کے باوجود آپ صبر کریں اور تبلیغِ رسالت کو ترک نہ کریں، اور ان کی تکذیبِ رسالت کی وجہ سے آپ کی تبلیغ نہ کرنے کا کوئی عذر نہیں ہے۔

''فَصَبَرُوْا عَلٰی مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤی اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا'':

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ جب منکرین نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی مدد فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کے مدد فرمانے کا ایک محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے دلائل اور براہین کو غالب فرمادیا حتیٰ کہ سب لوگوں نے جان لیا کہ یہ انبیاء اللہ عزوجل کے رُسل ہیں لیکن انہوں نے انبیاء علیہم السلام سے عناد رکھا اور ان کی تکذیب کی۔

اللہ عزوجل کی مدد کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اگرچہ انبیاء علیہم السلام کو ابتداء میں منکرین کی طرف سے تکلیفیں پہنچیں لیکن انجام کار اللہ تعالیٰ نے اُن منکرین کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے اُن سب کو ہلاک فرمادیا، اور منکرین کو جڑ سے اکھاڑنے اور ان کو ہلاک کرنے میں اور رسل علیہم السلام کو باقی رکھنے میں اُن کی مدد ہے، اللہ عزوجل نے فرمایا: ''اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ ... (المومن: ۵۱)'' (بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی ضرور دنیا کی زندگی میں مدد فرمائیں گے اور آخرت کی زندگی میں بھی، جس دن گواہ کھڑے ہوں گے O)، نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ ... (الصافات: ۱۷۱۔۱۷۲)'' (بے شک ہمارے اُن بندوں کے متعلق جو رسول ہیں یہ بات پہلے سے مقدر ہو چکی ہے O کہ یقیناً وہی مدد فرمائے ہوئے ہیں O)۔

''وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ'': کلمات سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رسولوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کی مدد فرمائیں گے اور منکرین کو جڑ سے اکھاڑ دیں گے اور جو ان پر عذاب کی وعید فرمائی ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

دوسرا محمل یہ ہے کہ کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کے دلائل اور براہین ہیں، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَیُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ ... (یونس: ۸۲)'' (اور اللہ اپنے کلمات سے (یعنی دلائل اور براہین سے) حق کا حق ہونا ثابت فرمادیتے ہیں خواہ مجرم ناپسند ہی کیوں نہ کریں O)۔ اور جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝ ... (الکہف: ۱۰۹)'' (آپ کہیے: اگر سمندر میرے رب کے کلمات (یعنی توحید پر دلائل اور براہین) کے لیے روشنائی ہو جائے تو یقیناً سمندر ختم ہو جائے گا اس سے پہلے کہ میرے رب کے کلمات (یعنی دلائل اور براہین) ختم ہوں خواہ ہم مدد کے لیے (ابد تک) اس کے برابر (اور سمندر) لے آئیں O)۔

''وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِیْنَ ۝'': اس کا ایک محمل یہ ہے کہ ہم نے جو ذکر فرمایا ہے کہ ہم منکرین کو ہلاک فرمادیں گے اور رسولوں کو باقی رکھیں گے، اس کی آپ کے پاس پہلے خبر آچکی ہے۔ اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ منکرین جو رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں اور ان کو ایذاء پہنچاتے ہیں تو اس کی خبر آپ کے پاس پہلے آچکی ہے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی

تلقین فرماتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر ان کفار کی روگردانی آپ پر دشوار گزری ہو (اور آپ ان کے ایمان لانے کے بے حد خواہش مند ہوں)، تو اگر آپ سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر لیں یا آسمان میں کوئی سیڑھی تلاش کر لیں، پھر آپ ان کے پاس کوئی معجزہ لے آئیں (تب بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے)، اور اگر اللہ چاہتے تو ان سب کافروں کو ہدایت پر جمع فرما دیتے، سو آپ ہرگز ہرگز ناواقفوں میں سے نہ ہو جائیں O''

(الانعام: ۳۵)

''وَ اِنۡ كَانَ كَبُرَ عَلَيۡكَ اِعۡرَاضُهُمۡ'': یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی قوم کا کفر اور ان کا ایمان سے اعراض کرنا بہت دشوار ہوتا تھا حتیٰ کہ قریب تھا کہ آپ فرطِ غم سے اپنی جان دے بیٹھیں گے جیسے اللہ تعالیٰ کا اس آیت میں ارشاد ہے: ''فَلَا تَذۡهَبۡ نَفۡسُكَ عَلَيۡهِمۡ حَسَرٰتٍ (فاطر: ۸)'' (پس کہیں ان پر حسرتوں (اور فرطِ غم) کی وجہ سے آپ کی مبارک جان نہ نکل جائے) نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ اَلَّا يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ (الشعراء: ۳)'' (اے رسولِ اکرم! شاید کہ آپ اس غم میں اپنی (پیاری) جان دے بیٹھیں گے کہ یہ لوگ مومن نہیں ہوئے)۔ اسی طرح یہ آیت ہے: ''وَ اِنۡ كَانَ كَبُرَ عَلَيۡكَ اِعۡرَاضُهُمۡ''۔

''فَاِنِ اسۡتَطَعۡتَ اَنۡ تَبۡتَغِيَ نَفَقًا فِي الۡاَرۡضِ اَوۡ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ'': اس آیت میں اللہ عزوجل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار پر غم کھانے سے منع فرمایا ہے، یعنی آپ کفار پر اتنا زیادہ غم نہ کریں جب کہ آپ جانتے ہیں کہ کفار اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ الحارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کے چند لوگوں کے ساتھ آیا، پس ان لوگوں نے کہا: اے محمد! آپ ہمارے پاس اللہ کے پاس سے کوئی ایسا معجزہ لائیں جیسا کہ انبیاء علیہم السلام معجزات لائے تھے تو ہم آپ کی تصدیق کر دیں گے، سو اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی معجزہ نازل فرمانے سے انکار فرمایا، پھر وہ مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اعراض کر کے چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بہت رنج ہوا اور آپ کو ان کے اس اعراض سے بہت تکلیف پہنچی، تب یہ آیت نازل ہوئی۔

(تاویلات اہل السنۃ للماتریدی ج ۴ ص ۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ، تفسیر کبیر ج ۴ ص ۵۲۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ، اللباب فی علوم الکتاب ج ۸ ص ۱۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''فَاِنِ اسۡتَطَعۡتَ اَنۡ تَبۡتَغِيَ نَفَقًا فِي الۡاَرۡضِ اَوۡ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ''۔

''نفق فی الارض'' اور ''سُلَّم فی السماء'' کے معانی

اس آیت میں ''نَفَقًا فِي الۡاَرۡضِ'' مذکور ہے، اس کا معنی ہے: زمین میں کوئی سرنگ، جیسے خرگوش زمین میں سرنگ بنا لیتا ہے، اور اس میں گھسنے اور نکلنے کا راستہ بناتا ہے، پھر اس میں چھپ جاتا ہے۔

''اَوۡ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ'': یعنی آسمان پر چڑھنے کے لیے کوئی آپ سیڑھی بنا لیں اور پھر ان کے پاس آپ کوئی معجزہ لا کر پیش

کر سکیں تو کر دیں۔

القتبی نے کہا ہے کہ ''النفق فی الارض'' کا معنی ہے: داخل ہونے کی جگہ، اور ''اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ'' کا معنی ہے آسمان پر چڑھنے کا آلہ، ابوعوسجع نے کہا ہے ''النفق'' کا معنی ہے الغار۔

میں کہتا ہوں: اس آیت سے یہ واضح ہوا کہ معجزہ صرف اللہ عزوجل کا فعل ہے اور وہ صرف اللہ عزوجل کی قدرت اور اختیار میں ہے، اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں اپنے نبی کے دستِ قدرت پر کوئی معجزہ صادر فرما دیتے ہیں۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چاہنے کے باوجود کفار کے فرمائشی معجزات نہ دکھانے کی وجوہ

امام محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل نے کفار کے فرمائشی معجزات نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عطاء نہیں فرمائے، اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی صورت میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عظیم معجزہ قاہرہ عطاء فرمایا، اب اس کے بعد مزید معجزات کو طلب کرنا محض کفار کی ضد اور ہٹ دھرمی تھی، اگر معجزہ دیکھنے سے صرف یہ مقصود ہو کہ سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی تصدیق ہو جائے اور تسلی ہو جائے تو قرآنِ مجید کے نازل ہونے کے بعد وہ مقصود پورا ہو گیا، اب اس کے بعد مزید کسی دوسرے معجزہ کو عطاء فرمانے کی ضرورت نہیں تھی۔

(۲) جب یہ عظیم معجزۂ قاہرہ اور قوی ترین دلالت ظاہر ہو گئی تو اب کفار کے ایمان لانے کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا، اور اگر اللہ تعالیٰ اُن کے ان فرمائشی معجزات کی طلب کو پورا فرما دیتے تو پھر وہ اور معجزات طلب کرتے اور پھر بھی ان کی تسکین نہ ہوتی اور وہ بار بار معجزات طلب کرتے رہتے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی فرمائش کے سدِّ باب کے لیے یہ آیت نازل فرمائی اور آپ کو کفار کے طلب کردہ معجزات عطاء نہیں فرمائے۔

(۳) اگر اللہ تعالیٰ اُن کی فرمائش اور طلب کے مطابق آپ کو معجزات عطاء فرما دیتے اور کفار پھر بھی ایمان نہ لاتے تو اللہ تعالیٰ کی سنتِ جاریہ کے مطابق کفار اس بات کے مستحق ہوتے کہ اُن پر ایسا عذاب نازل فرما دیا جاتا جس سے ان کو ملیا میٹ فرما دیا جاتا، لہٰذا کفار کے ان فرمائشی معجزات کو عطاء نہ فرمانا کفار کے حق میں رحمت تھا۔

(۴) اللہ عزوجل کو علم تھا کہ کفار ان معجزات کو کسی فائدہ کے لیے طلب نہیں کر رہے بلکہ محض عناد، ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے طلب کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ کفار اِن فرمائشی معجزات کو دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائیں گے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس مطالبہ کو پورا نہیں فرمایا۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۵۲۲۔ ۵۲۳، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

''وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى'':

حسن بصری نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو اُن میں جبراً ہدایت پیدا فرما دیتے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں جبراً ہدایت پیدا فرما دی۔ پھر حسن بصری فرشتوں کو بشر پر فضیلت دیتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ فرشتوں کے ایسے مناقب ہیں جو کسی بشر کو حاصل نہیں ہیں۔ نیز حسن بصری نے یہ بھی کہا کہ اگر فرشتے مجبور اور مقہور ہوتے یعنی ان میں جبراً ہدایت پیدا فرمائی گئی ہوتی تو اس میں ان کی کوئی بڑی منقبت نہیں ہے کیونکہ قابلِ تعریف امر یہ ہے کہ کوئی اپنے اختیار سے ہدایت پر آئے۔

بہر حال ہمارے نزدیک اس آیت کی تاویل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تمام کفار ہدایت کو کفر پر اختیار کرتے لیکن اللہ عزوجل کو یہ علم تھا کہ یہ کفر کو ہدایت پر اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا کہ ان کو ہدایت پر جمع فرماتے۔ اور ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ قہر اور جبر کے ساتھ ہدایت معتبر نہیں ہوتی، ہدایت وہ معتبر ہوتی ہے جو حالتِ اختیار میں ہو۔

اس ارشاد کی توجیہات کہ آپ جاہلوں میں سے نہ ہو جائیں

''فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝'': اس آیت کے متعدد محامل ہیں:

(۱) آپ اللہ تعالیٰ کی قضاء اور اس کے حکم سے ہرگز ناواقفوں میں سے نہ ہو جائیں۔

(۲) آپ اللہ تعالیٰ کے احسان اور اس کے فضل سے ہرگز ناواقفوں میں سے نہ ہو جائیں اور اس کا فضل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے ہدایت پیدا فرمائی۔

(۳) آپ اس چیز سے ہرگز ناواقفوں میں سے نہ ہوں کہ ان میں سے بعض آپ پر ایمان لائیں گے اور بعض آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔

(۴) آپ اس چیز سے غافل نہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ اگر وہ چاہیں تو ان سب کو ہدایت یافتہ بنادیں۔

پھر یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں اور معصوم کے لیے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ وہ جاہلوں میں سے ہو، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ کسی شخص کا معصوم ہونا اس سے احکامِ تکلیفیہ کو نہیں اٹھاتا اور آزمائش اور امتحان کی نفی نہیں کرتا بلکہ اس کا امتحان اور اس کی آزمائش اور زیادہ ہوتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''صرف وہی لوگ پیغامِ حق قبول کرتے ہیں جو (دل سے) سنتے ہیں، اور مردہ دلوں کو (مرنے کے بعد) اللہ زندہ فرمائیں گے، پھر وہ سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے O'' (الانعام:٣٦)

''اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ'':

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے پیغام کو وہی قبول کرتے ہیں جو تبلیغ کو سن کر اس سے نفع اٹھاتے ہیں، ورنہ کانوں سے تو تمام لوگ سنتے ہیں جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝ ... (یٰس:١١)'' (آپ اسی کو آخرت کے عذاب سے ڈراتے ہیں جو نصیحت سن کر اس کی پیروی کرتا ہے اور بغیر دیکھے رحمٰن سے ڈرتا ہے، سو آپ اس کو مغفرت کی اور عزت والے اجر کی بشارت دیجیے O)۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کو عذاب سے ڈراتے تھے خواہ وہ نصیحت کی پیروی کرے یا نہ کرے، لیکن آپ کے ڈرانے سے وہی نفع پاتا تھا جو نصیحت کی پیروی کرتا تھا، اور جو نصیحت کی پیروی نہیں کرتا تھا وہ نفع نہیں پاتا تھا، اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: ''وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ... (الذاریات:٥٥)'' (اور اے رسولِ اکرم! آپ نصیحت کرتے رہیے، کیونکہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے O)۔

کفار کو مردہ فرمانے کی توجیہ

''وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝'': بعض قائلین نے کہا ہے کہ اس آیت میں ''الْمَوْتٰى'' سے مراد کفار ہیں، اور

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کافر کو مردہ اور مومن کو زندہ فرمایا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۔ (الانعام: ۱۲۲)'' (اور کیا جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ فرمادیا اور ہم نے اس کو ایسا نور عطاء فرمایا جس کے سبب سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے، کیا وہ شخص اس کی مثل ہو سکتا ہے جو ایسے اندھیروں میں ہو جن سے نکل نہ سکتا ہو، اسی طرح کافروں کے لیے ان کے وہ کام خوش نما بنادیے گئے جن کو وہ کرتے ہیں O)۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بشر کے لیے دو کان، دو آنکھیں اور دو زندگیاں پیدا فرمائی ہیں، ایک وہ کان ہیں جن سے وہ دنیا میں سنتا ہے، اور دوسرے وہ ابدی کان ہیں جن سے وہ آخرت میں سنے گا، ایک وہ آنکھ ہے جس سے وہ دنیا میں دیکھتا ہے، اور دوسری وہ ابدی آنکھ ہے جس سے آخرت میں دیکھے گا، اسی طرح پھر اللہ تعالیٰ نے سماعت اور بصر اور حیات کی اس سے نفی فرمائی جس نے دنیا میں سماعت، بصارت اور حیات سے آخرت میں ابدی سماعت کا اور ابدی بصارت کا اور ابدی حیات کا قصد نہیں کیا۔

اور سماعت اور بصارت اور حیات اُن کو دنیا میں اس لیے دی گئی ہے تاکہ وہ اپنے معاش اور دنیاوی زندگی کے فوائد حاصل کریں اور آخرت کی تیاری کریں، اسی طرح ان کو زبان دی گئی ہے تاکہ دنیا میں زبان سے اپنی ضروریات کو بیان کریں اور دوسرے لوگوں کو اپنی حاجتوں کا بیان کریں، اور اس سے ازلی فوائد کو حاصل کریں، پس جب انہوں نے ان اعضاء سے ابدی فوائد کو حاصل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے سماعت، بصارت اور حیات کو زائل فرمادیا اور اُن کو اندھا، بہرا اور گونگا فرمایا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے: ''صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ ۔۔۔ (البقرہ: ۱۸)'' (وہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں)، کیونکہ انہوں نے اپنی سماعت، اپنی زبان اور اپنی بصارت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب کسی انسان نے ازلی اور ابدی بصارت کا ادراک نہیں کیا تو اللہ عزوجل نے اس کو اندھا فرمایا، ارشاد فرمایا: ''قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝ ۔۔۔ (طٰہٰ: ۱۲۵)'' (وہ کہے گا: اے میرے رب! آپ نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں دیکھنے والا تھا)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور کفارِ مکہ نے کہا: کیوں نہ اس رسول پر اس کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ نازل کیا گیا! آپ کہیے: بے شک اللہ ہر معجزہ نازل فرمانے پر قادر ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ (اللہ کی حکمتوں کو) نہیں جانتے O'' (الانعام: ۳۷)

''وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ '':

یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل فرمائی ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے عقلی معجزات بھی اتارے تھے اور سمعی اور حسی معجزات بھی اتارے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقلی معجزات

رہے عقلی معجزات تو ان کا ذکر اس آیت میں ہے: ''قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا

يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝ ... (بنی اسرائیل:۸۸)'' (آپ کہیے: اگر تمام انسان اور جنات اس قرآن کی مثل لانے پر جمع ہو جائیں تو وہ اس کی مثل نہ لا سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں O)، یعنی قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے اس مرتبہ پر ہے اور اس درجہ پر پہنچا ہوا ہے کہ انسانوں اور جنات کی قدرت میں یہ نہیں ہے کہ وہ اس جیسا فصیح و بلیغ کلام بنا سکیں، نیز اس کلام میں مستقبل کی پیشگوئیاں ہیں، غیب کی خبریں ہیں، اولین اور آخرین کے قصص ہیں، اور اس کلام کی مثال وہی لا سکتا ہے جس کا علم غیر متناہی ہو، سو نہ کوئی انسان قرآن کی مثل لا سکتا ہے، نہ جنات میں سے کوئی جن قرآن کی مثل لا سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسّی معجزات

اور رہے حسّی معجزے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو غیب کی خبریں دیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان ایک مقام میں تشریف فرما ہوئے، سو آپ نے ہمیں ابتدائے آفرینش عالم سے لے کر خبریں بیان کرنا شروع فرمائیں حتیٰ کہ اہل جنت اپنے اپنے ٹھکانوں میں چلے گئے اور اہل دوزخ اپنے اپنے ٹھکانوں میں چلے گئے، ان خبروں کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور ان کو بھلا دیا جس نے بھلا دیا۔

(صحیح البخاری:۳۱۹۲، صحیح مسلم:۲۸۹۱، سنن ترمذی:۲۱۹۱، مسند احمد:۲۲۷۶۳)

اور ان میں سے بعض یہ ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل صفہ، اہل اسلام کے مہمان تھے، نہ ان کے اہل تھے اور نہ ان کے پاس مال تھا اور اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے! بے شک میں اپنے جگر (کلیجہ) کو بھوک کی شدت سے زمین کے ساتھ چپکا تا تھا اور بھوک کے غلبہ کی وجہ سے پتھر کو اپنے پیٹ پر باندھتا تھا، اور ایک دن میں مسلمانوں کے راستہ پر بیٹھ گیا جہاں سے وہ باہر نکلتے تھے، پس میرے پاس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گزرے، میں نے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت کے متعلق دریافت کیا اور میں نے یہ سوال صرف اس لیے کیا تھا کہ وہ مجھے پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیں، سو وہ گزر گئے اور انہوں نے کچھ نہیں کیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے، میں نے ان سے بھی کتاب اللہ کی ایک آیت کے متعلق سوال کیا اور میں نے یہ سوال صرف اس لیے کیا تھا کہ وہ مجھے پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیں، سو وہ گزر گئے اور انہوں نے بھی کچھ نہیں کیا، پھر ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم گزرے، سو آپ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: ابوہریرہ! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: میرے ساتھ آؤ، میں چل پڑا، آپ کے پیچھے پیچھے گیا اور آپ کے گھر پہنچا، پس میں نے آنے کی اجازت طلب کی، سو آپ نے مجھے اجازت عطاء فرمائی، پھر آپ نے گھر میں دودھ کا ایک پیالہ دیکھا، آپ نے فرمایا: تمہارے پاس یہ دودھ کہاں سے آیا؟ بتایا گیا کہ یہ فلاں شخص نے ہمارے لیے ہدیہ کیا ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوہریرہ! میں نے عرض کیا: جی! آپ نے فرمایا: تمام اہل صفہ کی طرف جاؤ اور انہیں دعوت دو، وہ اہلِ اسلام کے مہمان ہیں، ان کے پاس نہ اہل ہے اور نہ مال ہے، جب آپ کے پاس کوئی صدقہ آتا تو وہ آپ اہل صفہ کی طرف بھیج دیتے تھے اور اس میں سے خود کچھ نہیں کھاتے تھے اور جب آپ کے پاس کوئی ہدیہ آتا تو آپ اس کو ان کے پاس بھیجتے، آپ اس میں سے لیتے اور ان کو بھی اس میں شریک کر لیتے، مجھے اس بات نے غمزدہ کیا، میں نے دل میں کہا: یہ ایک پیالہ تمام اہل صفہ میں کیسے کافی ہوگا؟ اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن کی طرف نمائندہ ہوں، سو عنقریب آپ مجھے حکم فرمائیں گے کہ میں یہ پیالہ ان کے درمیان گھماؤں،

پس قریب ہے کہ میرے لیے تو اس میں سے کچھ بھی نہیں بچے گا! اور میں یہ توقع رکھتا تھا کہ مجھے اس دودھ سے اتنا مل جائے گا جس سے میری بھوک ختم ہو جائے گی، لیکن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، پس میں ان کے پاس گیا، سو ان کو بلایا، پس جب وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو اپنی اپنی جگہوں پر جا کر بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا: ابو ہریرہ! پیالہ اٹھاؤ اور ان کو پیش کرو، پس میں نے دودھ کا پیالہ اٹھایا اور میں ان میں سے ایک مرد کو وہ پیالہ دیتا وہ اس کو پی لیتا حتیٰ کہ وہ سیر ہو جاتا، پھر وہ مجھے پیالہ لوٹا دیتا تو پھر میں دوسرے کو پلاتا، حتیٰ کہ اخیر میں، میں اس پیالے کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا اور تمام صحابہ سیر ہو چکے تھے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیالہ لیا، سو اس کو اپنے ہاتھ پر رکھا، پھر آپ نے اپنا سر اقدس اٹھایا، پھر آپ نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا: ابو ہریرہ! پیو، میں نے دودھ پیا، پھر فرمایا: پیو، میں مسلسل دودھ پیتا رہا اور آپ فرماتے رہے: پیو، پیو، حتیٰ کہ میں نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! اب تو میں اس دودھ کے لیے اپنے پیٹ میں جگہ نہیں پاتا، پس آپ نے وہ پیالہ پکڑا، اللہ عزوجل کی حمد کی، اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھی اور دودھ پیا۔

(سنن ترمذی: ۲۴۸۵، مسند احمد: ۱۰۶۸۴، ۱۰۳۰۱، صحیح البخاری مختصراً: ۶۲۴۶، صحیح ابن حبان: ۶۵۳۵، المستدرک ج ۳ ص ۱۵۔ ۱۶، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج ۱ ص ۳۳۸۔ ۳۳۹، ۳۷۷، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۱۰۱۔ ۱۰۲)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حسّی معجزہ کا بیان ہے کہ ایک پیالہ دودھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ستر سے زیادہ اصحاب دودھ پی کر سیر ہو گئے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی حسّی معجزہ تھا کہ آپ کا رعب ایک ماہ کی مسافت سے طاری ہو جاتا تھا، حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اعطیت خمسا لم یعطهن احد من الانبیاء قبلی: نصرت بالرعب مسیرة شهر'' (مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے انبیاء میں سے کسی کو بھی نہیں دی گئیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر کے میری مدد فرمائی گئی ہے)۔ (صحیح البخاری: ۴۳۸)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزہ کا قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے: ''وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ...'' (سبا: ۱۲) (اور سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر فرما دیا، اس کی صبح کی رفتار ایک مہینے کی راہ تھی اور شام کی رفتار ایک مہینے کی راہ تھی)۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے تخت پر بیٹھ کر ایک ماہ کی مسافت کو صبح کے وقت طے کر لیتے تھے اور ایک ماہ کی مسافت کو شام کے وقت میں طے کر لیتے تھے، اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب معراج ایک پل میں زمینوں سے آسمانوں تک اور آسمانوں سے پھر عرش تک گئے اور اسی پل میں واپس آ گئے۔

اور تیسرا حسّی معجزہ یہ ہے کہ آپ نے زہر آلود بکری کا گوشت کھایا اور اس سے فی الفور آپ پر زہر کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی عورت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس زہر آلود بکری کا گوشت لے کر آئی آپ نے اس سے کھایا، اس عورت کو پکڑ کر لایا گیا، آپ سے عرض کیا گیا: کیا ہم اس عورت کو قتل نہ کر دیں، آپ نے فرمایا: نہیں! نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تالو میں ہمیشہ اس زہر کو پہچانتا رہا۔

(صحیح البخاری: ۲۶۱۷، صحیح مسلم: ۲۱۹۰، سنن ابوداؤد: ۴۵۰۸، مسند احمد: ۱۲۸۷۲)

امام بزار کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس بکری کے اعضاء میں سے ایک عضو مجھے یہ خبر دے رہا تھا کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۸)

نیز آپ کے حسی معجزات میں سے یہ ہے کہ جس لکڑی کے ستون سے ٹیک لگا کر آپ خطبہ دیتے تھے، جب آپ اس ستون کو چھوڑ کر منبر پر رونق افروز ہوئے تو وہ ستون آپ کے فراق میں اس طرح چیخ چیخ کر رو رہا تھا جس طرح اونٹنی اپنے بچہ کے فراق میں چیخ چیخ کر روتی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ پہلے مسجد کی چھت کھجور کے تنوں پر بنی ہوئی تھی، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ فرماتے تو ان میں سے کسی ایک ستون کے سہارے کھڑے ہو جاتے، پس جب منبر بنا دیا گیا تو آپ اس منبر پر تشریف فرما تھے، سو ہم نے سنا کہ اس ستون سے اس طرح چلانے کی آواز آ رہی تھی جیسے دس سال کی حاملہ اونٹنی چلا کر روتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ اس ستون پر رکھ دیا تو وہ پرسکون ہو گیا۔ (صحیح البخاری: ۳۵۸۵، سنن ابن ماجہ: ۱۴۱۷، سنن دارمی: ۳۴)

اور ان ہی حسی معجزات سے آپ کا چاند کو شق فرمانا ہے۔ (سبل الھدیٰ والرشاد ج ۹ ص ۵۹۹)

اور سورج کو آپ کے لیے ٹھہرانا ہے۔

امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری اور امام احمد بن حسین بیہقی نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصر کی نماز قضاء ہو گئی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی تو سورج لوٹ آیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز عصر پڑھ لی، پھر سورج غروب ہو گیا۔ (مشکل الآثار للطحاوی: جزء ۴ ص ۲۶۸، رقم الحدیث: ۳۸۵۰، شرح مشکل الآثار: ۱۰۶۷، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۷ھ، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۲ ص ۹۱، التاریخ الکبیر ج ۱ ص ۲۷۹، شمائل الرسول لابن کثیر ص ۱۴۴۔۱۴۵، ابن الجوزی فی الموضوعات ج ۱ ص ۳۵۵، الطبرانی ج ۲۴ ص ۳۹۰۔۳۹۱، الضعفاء للعقیلی ج ۳ ص ۳۲۷۔۳۲۸، مجمع الزوائد للہیثمی ج ۸ ص ۲۹۷، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۳۸۶، البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۸۰۔۹۰)

لیکن منکرین تمام حسی معجزات دیکھنے کے باوجود آپ پر ایمان نہیں لائے۔

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ، الانعام: ۳۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝" اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: "قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَةً" یعنی کفار نے آپ سے جن معجزات کو طلب کیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو وہ معجزات عطاء فرمانے پر قادر ہیں۔ "وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝" اس آیت کی تفسیر کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) ان کفار میں سے اکثر لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ جب اُن کے سوال کے بعد کوئی معجزہ دکھا دیا جائے، پھر بھی وہ عناد سے ایمان نہ لائیں تو اللہ تعالیٰ اُن کے اوپر ایسا عذاب نازل فرماتے ہیں جس سے اُن تمام کفار کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

(۲) کفار اس بات کو نہیں جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کسی ضرورت کے وقت معجزہ عطاء فرماتے ہیں اور بغیر ضرورت کے معجزہ عطاء نہیں فرمائیں گے، اور وہ کسی ضرورت کی وجہ سے معجزہ طلب نہیں کر رہے تھے بلکہ محض ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے معجزہ طلب کر رہے تھے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ یہ سنتِ جاریہ رہی ہے کہ جب کسی قوم کو اس کے مطالبہ کے مطابق معجزہ عطاء فرما دیا جائے اور وہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو ملیامیٹ فرما دیتے ہیں اور صفحۂ ہستی سے مٹا دیتے ہیں، اور کفار اس بات کو نہیں جانتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور زمین پر چلنے والا ہر جاندار اور فضا میں اپنے پروں سے اڑنے والا ہر پرندہ صرف تمہاری مثل مخلوق ہیں، اور ہم نے کتاب (لوحِ محفوظ) میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا، پھر وہ سب اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے O'' (الانعام:۳۸)

وحشی جانوروں اور پرندوں کے انسانوں کی مثل ہونے کی وجوہ

''وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ'':

''دَآبَّةٍ'' کا معنی ہے: ہر وہ جاندار جو روئے زمین پر چلتا ہے، اور ''طائر'' اس پرندہ کو کہتے ہیں جو فضا میں اڑتا ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے جانداروں اور پرندوں کو پیدا فرمایا ہے تو وہ معجزات عطاء فرمانے پر بھی قادر ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ بغیر ضرورت کے معجزہ نہیں عطاء فرماتے۔

(۱) بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جانوروں اور پرندوں کی بھی آزمائش فرمائی جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ'' یعنی جانور اور پرندے بھی تمہاری مثل مخلوق ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح انسانوں کی آزمائش کی جاتی ہے، اسی طرح جانوروں اور پرندوں کی بھی آزمائش کی جائے گی، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ ---(فاطر:۲۴)'' (اور ہر گروہ میں اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا گزر چکا ہے O)۔ اس سے معلوم ہوا کہ وحشی جانوروں اور پرندوں کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے احکام کا مکلف فرمایا اور انہیں عذاب سے ڈرانے والے رسول بھیجے۔

(۲) دوسرے علماء نے یہ کہا کہ ''اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ'' کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح قیامت کے دن تم سب کو جمع فرمایا جائے گا اور ایک کی دوسرے پر کی ہوئی زیادتی کا قصاص لیا جائے گا اسی طریقہ سے وحشی جانوروں اور پرندوں کو بھی قیامت کے دن جمع فرمایا جائے گا اور ان کا ایک دوسرے سے قصاص لینے کے بعد اللہ عزوجل اُن سے فرمائیں گے: ''کونی ترابا'' (تم سب مٹی بن جاؤ)، اور اس وقت کافر یہ کہے گا: ''وَیَقُوْلُ الْکٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا ---(النبا:۴۰)'' (اور کافر کہے گا: اے کاش! میں مٹی ہو جاتا O)، یعنی میں بھی وحشی جانوروں کی طرح مٹی ہو جاتا اور مجھے عذاب نہ دیا جاتا۔

(۳) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زمین پر چلنے والے وحشی جانور اور فضاء میں اڑنے والے پرندے بھی تمہاری مثل ہیں یعنی تمہاری طرح اُن کا عدد بھی کثیر ہے۔

(۴) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس طرح انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کی پہچان ہے اور جس طرح انسان جانتے ہیں کہ اُن پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حق ہے، اسی طرح وحشی جانور اور پرندے بھی اس چیز کو جانتے ہیں، قرآن مجید میں ہے: ''وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ---(بنی اسرائیل:۴۴)'' (اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی

ہےلیکن تم اُن چیزوں کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام انسانوں کے مماثل نہ ہونا

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنقیص کرنے والے بعض لوگ کہتے ہیں: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔۔۔ (الکہف:١١٠)'' (آپ کہیے: میں صرف تمہاری مثل بشر ہوں)، اس آیت کا صریح تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام انسانوں کی مثل ہیں اور آپ کو خصوصی فضائل اور کمالات حاصل نہیں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں کا عام انسانوں کی آنکھوں کے مماثل نہ ہونا

ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ عام انسانوں کی آنکھیں ہیں لیکن وہ ان آنکھوں سے سامنے بھی بہ مشکل دیکھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مبارک آنکھوں سے سامنے بھی دیکھتے تھے اور اپنی پشت کے پیچھے بھی دیکھتے تھے، حدیث میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ھل ترون قبلتی ھھنا؟ فواللہ ما یخفی علیّ خشوعکم ولا رکوعکم، انی لاراکم من وراء ظھری'' (کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں صرف سامنے دیکھتا ہوں، پس اللہ کی قسم! نہ مجھ سے تمہارا خشوع مخفی ہوتا ہے اور نہ تمہارا رکوع مخفی ہوتا ہے اور میں بے شک ضرور بہ ضرور تمہیں اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں)۔

(صحیح البخاری: ٤١٨، ٧٤١، صحیح مسلم: ٤٢٤، مسند احمد: ٧٩٦٤، موطا امام مالک: ٤٠١)

(١) نیز ہم تو اپنی آنکھوں سے صرف انسانوں کو دیکھ سکتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مبارک آنکھوں سے انسانوں کو بھی دیکھتے تھے، جنات کو بھی دیکھتے تھے، فرشتوں کو بھی دیکھتے تھے، شیاطین کو بھی دیکھتے تھے حتیٰ کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے خود اللہ عزوجل کو بھی دیکھا ''مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۔۔۔ (النجم:١٧)'' (نہ اُن کی آنکھ دوسری طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی)، نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ ۔۔۔ (الفرقان:٤٥)'' (کیا آپ نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھوں کا عام انسانوں کے ہاتھوں کے مماثل نہ ہونا

(٢) ہم اپنے ہاتھوں سے صرف ظاہر میں تصرّف کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مبارک ہاتھوں سے دنیا میں بھی تصرف فرماتے تھے اور جنت میں بھی تصرف فرماتے تھے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورج گرہن کی نماز پڑھاتے ہوئے عین حالتِ نماز میں جنت اور دوزخ کو دیکھا، ''قالوا یا رسول اللہ! رأیناک تناولت شیئا فی مقامک، ثم رأیناک کعکعت قال صلی اللہ علیہ وسلم: انی رایت الجنۃ، فتناولت عنقودا ولو اصبتہ لاکلتم منہ ما بقیت الدنیا، واریت النار فلم ار منظرا کالیوم قط افظع'' (صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! ہم نے آپ کو حالتِ نماز میں دیکھا گویا کہ آپ اپنے قیام کی جگہ سے کسی چیز کو پکڑ رہے ہیں، پھر ہم نے آپ کو پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں نے جنت کو دیکھا، پس میں نے انگوروں کے ایک خوشہ کو پکڑنے کا ارادہ فرمایا، اور اگر میں اس کو پکڑ لیتا تو تم ضرور اس کو قیامت تک کھاتے رہتے، اور مجھے دوزخ دکھائی گئی، پس میں نے آج کی طرح ڈراؤنا منظر اس سے پہلے نہیں دیکھا)۔ (صحیح البخاری: ١٠٥٢، صحیح مسلم: ٩٠٧)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک پیروں کا عام انسانوں کے پیروں کے مماثل نہ ہونا

(۳) ہم اپنے پیروں سے صرف زمین پر چلتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مبارک پیروں سے زمین پر بھی چلتے تھے اور جنت میں بھی چلتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح کی نماز کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''یا بلال! حدثنی بارجیٰ عمل عملته فی الاسلام فانی سمعت دف نعلیک بین یدیّ فی الجنة'' (اے بلال! مجھے بتاؤ! کہ تم نے اسلام میں ایسا کون سا عمل کیا ہے جس کے اجر کی تمہیں سب سے زیادہ توقع ہے، کیونکہ میں نے اپنے سامنے تمہاری جوتیوں کے چلنے کی آواز جنت میں سنی)۔ (صحیح البخاری: ۱۱۴۹، صحیح مسلم: ۲۴۵۸، مسند احمد: ۹۳۸۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک کا عام انسانوں کی زبان کے مماثل نہ ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زبان مبارک سے جس شخص کے متعلق جو فرما دیں، وہ وہی ہو جاتا ہے، حدیث میں ہے:

(۱) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک کی حدیث میں بیان کرتے ہیں: ''فبینما هو علی ذٰلك رای رجلا مبیضاً یزول به السراب، فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: کن ابا خیثمة، فاذا هو ابوخیثمة الانصاری'' (پس اسی حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سفید رنگ کے مرد کو دیکھا جس سے ریگستانی ریت زائل ہو رہی تھی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (تم جو بھی ہو) ابوخیثمہ ہو جاؤ، سو اچانک وہ ابوخیثمہ انصاری ہو گئے)۔

(صحیح مسلم: ۲۷۶۹، الرقم المسلسل: ۶۹۴۷، باب: حدیث توبۃ کعب بن مالک، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۹ ص ۴۲، مصنف عبدالرزاق: ۹۷۴۴، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۲۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۹۳، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ)

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی منزل پر ٹھہرے تو مسلمانوں میں سے کسی دیکھنے والے نے دیکھ کر کہا: یا رسول اللہ! بے شک یہ مرد راستہ پر چل رہا ہے، آپ نے فرمایا: ''کن ابا ذر'' (تم جو بھی ہو ابوذر ہو جاؤ)، صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم وہ ابوذر ہیں۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۲۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ، المستدرک ج ۳ ص ۵۰، دار الباز للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ)

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف بہ الحاکم النیشاپوری المتوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

(۳) حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فلاں شخص (الحکم بن ابی العاصی) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بیٹھتا تھا، سو جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی کلام فرماتے تو وہ اپنا منہ بگاڑ کر ٹیڑھا کر لیتا تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کن کذالك'' (تو اسی طرح ہو جا)، پس اس کا منہ ہمیشہ اسی طرح ٹیڑھا رہا حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی روایت نہیں کی۔ (المستدرک علی الصحیحین ج ۲ ص ۶۲۱، دار الباز للنشر والتوزیع، مکہ المکرمۃ)

حافظ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۸۴۸ھ اس حدیث کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: ''کن کذالك فلم یزل یختلج حتی مات۔ صحیح'' (پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تو اسی طرح ہو جا، سو اس کا منہ ہمیشہ ٹیڑھا رہا حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ یہ حدیث صحیح ہے، میں کہتا ہوں کہ ضرار نے اس حدیث کی روایت کی ہے)۔ (تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۶۲۱، دار الباز للنشر والتوزیع، مکہ المکرمۃ)

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلنے میں لڑکھڑائے تو حکم بن ابی العاصی نے آپ کے چلنے کی استہزاءً نقل اتاری، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف ایک دن مڑ کر دیکھا وہ اسی طرح کر رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "فکذالك فلتکن" (تو اسی طرح ہو جا)، اور اس دن سے حکم بن ابی العاصی چلنے میں کپکپاتا تھا اور لڑکھڑاتا تھا۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج ا ص ۴۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ عز الدین ابن الاثیر ابو الحسن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

الحکم بن ابی العاصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استہزاءً نقل اتارتے ہوئے لڑکھڑا کر چلتا تھا، ایک دن آپ نے مڑ کر اس کو دیکھا تو آپ نے فرمایا: "کُن کذالك" (تو اسی طرح ہو جا)، سو وہ ہمیشہ چلنے میں لڑکھڑاتا اور کپکپاتا رہا۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج ۲ ص ۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

الحکم بن ابی العاصی استہزاءً مونہہ ٹیڑھا کر کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نقل اتارتا تھا تو ہمیشہ اس کا مونہہ ٹیڑھا رہا حتیٰ کہ وہ مر گیا، امام بیہقی نے "دلائل النبوۃ" میں اس سند کے ساتھ اس روایت کا ذکر کیا ہے اور اس کی سند میں ضرار بن صرد ہے اور وہ رفض کی طرف منسوب ہے۔ نیز امام بیہقی نے مالک بن دینار کی سند سے اس حدیث کی ہند بن خدیجہ سے روایت کی ہے کہ حکم بن ابی العاصی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نقل اتارتے ہوئے انگلی سے اشارہ کرتا تھا، آپ نے اس کی طرف مڑ کر فرمایا: "اللھم اجعلہ وزعا" (اے اللہ اس کو رعشہ زدہ فرما دیں)، سو وہ اسی جگہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔ (الاصابہ ج ۲ ص ۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ یوسف بن اسماعیل بن یوسف النبہانی المتوفی ۱۳۵۰ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

(جواہر البحار فی فضائل النبی المختار ج ۳ ص ۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

(۵) ابو بلج الفزاری عمرو بن میمون سے روایت کرتے ہیں: "قال: عذب المشرکون عمارا بالنار، فکان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یمرّبہ، فیمرید ہ علی راسہ، ویقول (يَٰنَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَٰمًا۔۔ (الانبیاء: ۶۹)) علی عمار کما کنت علی ابراھیم۔ (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزرے اس وقت مشرکین اُن کو آگ میں جلا رہے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گزرے، ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور یہ فرما رہے تھے: اے آگ! عمار پر اس طرح ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا جس طرح تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو گئی تھی)۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۵۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ، طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۴۹ از محمد بن سیرین)

اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مبارک زبان سے لفظِ "کُونِی" فرمایا تو آگ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو گئی۔

امام محمد بن محمد الغزالی المتوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

(۶) الحکم بن ابی العاصی (مروان کا باپ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا چچا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چلنے کی استہزاءً نقل اتار رہا

تھا اور لڑکھڑا کر چل رہا تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کذالک فکن'' (تو اسی طرح ہو جا)، سو وہ ہمیشہ چلنے میں لڑکھڑا تا رہا حتیٰ کہ مر گیا۔ (احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۳۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

امام زین الدین ابو الفضل عبد الرحیم بن الحسین العراقی المتوفی ۸۰۶ھ اس حدیث کی تخریج کے متعلق لکھتے ہیں:

الحکم بن ابی العاصی کے لڑکھڑا کر چلنے کی اس روایت کی امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ہند بن خدیج سے سندِ جید کے ساتھ روایت کی ہے اور امام حاکم نے المستدرک میں اس کی حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور انہوں نے اس روایت کا حکم نہیں بیان کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الاخبار، ج ۲ ص ۳۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ السید محمد بن محمد الحسینی الزبیدی الشہیر بمرتضیٰ المتوفی ۱۲۰۵ھ اس حدیث کی تخریج میں لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ امام ابن مندہ نے اس حدیث کی ''معجم الصحابہ'' میں ہند بن ہند بن ہند کے ترجمہ (سوانح) میں از حسان بن عبد اللہ الواسطی از السری بن یحییٰ از مالک بن دینار روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ہند بن خدیجہ نے یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الحکم (مروان کے باپ) کے پاس سے گزرے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چلنے کی استہزاءً نقل اتار رہا تھا اور اپنی انگلی سے اشارہ کر رہا تھا حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف مڑ کر فرمایا ''اجعلہ ارتعاشا'' (اس کو رعشہ زدہ فرما دیں)، سو وہ اسی جگہ لڑکھڑا کر گر گیا، اسی طرح اس حدیث کی ابو حاتم الرازی اور امام عبد اللہ بن احمد نے ''زیادات الزہد'' میں اسی سند کے ساتھ روایت کی ہے اور مالک بن دینار نے ہند بن ابی ہالہ کو نہیں پایا، انہوں نے صرف اس کے بیٹے کو پایا تھا، پس گویا کہ انہوں نے اس کے دادا کی طرف نسبت کر دی اور امام ابن ابی حاتم نے از والد خود روایت کی ہے کہ ہند بن ہند کی اپنے والد سے روایت مرسل ہے، اور امام ابو عمرو بن عبد البر نے ظاہر پر محمول کرتے ہوئے اس حدیث کی ہند بن ابی ہالہ سے روایت کی ہے، اور امام الطبرانی نے حضرت عبد الرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا ہے کہ الحکم بن ابی العاصی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھتا تھا، پس جب آپ گفتگو فرماتے تو یہ اپنا مونہہ ٹیڑھا کر لیتا تھا، سو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو دیکھ لیا، پس آپ نے فرمایا: ''کن کذالک'' (تو اسی طرح ہو جا)، پس اس کا مونہہ ہمیشہ ٹیڑھا رہا حتیٰ کہ وہ مر گیا، اس حدیث کی اسناد میں بحث ہے اور امام بیہقی نے اس سند کے ساتھ اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس حدیث کی سند میں ایک راوی ضرار بن صرد ہے جو رفض کی طرف منسوب تھا، اور اس سے تم نے جان لیا ہو گا کہ عراقی نے جو کہا ہے ''اس حدیث کی سند جید کے ساتھ روایت ہے''، سو یہ درست نہیں ہے، نیز امام بیہقی نے اس حدیث کی مالک بن دینار سے بھی روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ہند بن خدیجہ نے حدیث بیان کی اور اس حدیث کی مثل امام ابن مندہ اور امام ابو حاتم الرازی نے بھی روایت کی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الحکم بن ابی العاصی کو مدینہ منورہ سے الطائف کی طرف نکال دیا تھا، اور حافظ ابو عمرو بن عبد البر نے الحکم بن ابی العاصی کی جلا وطنی کے متعلق یہ سبب بیان کیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چلنے کی استہزاءً نقل اتارتا تھا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ الحکم بن ابی العاصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز افشاء کر دیتا تھا، اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں، اور الحکم بن ابی العاصی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۳۲ھ میں مر گیا تھا۔

(اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین، ج ۷ ص ۱۹۱، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۴ھ)

امام محمد بن محمد الغزالی المتوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا تو اس کے باپ نے کہا: اس عورت کو برص کی بیماری ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامِ نکاح کو رد کرنا چاہتا تھا اور بہ طورِ عذر اس نے اس طرح کہا، حالانکہ اس کی بیٹی کو برص کی بیماری نہیں تھی، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فلتکن کذالک'' (پس وہ عورت اسی طرح ہو جائے)، سو اس عورت کو برص کی بیماری ہو گئی اور اس عورت کا نام ام شبیب بن البرصاء تھا۔ (احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۳۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

امام زین الدین ابو الفضل عبد الرحیم بن الحسین العراقی المتوفی ۸۰۶ھ اس حدیث کی تخریج کے متعلق لکھتے ہیں:

امام عبد الرحمٰن بن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے اس حدیث کا ''التلقیح'' میں ذکر کیا ہے اور اس عورت کا نام جمرۃ بنت الحارث بن عوف المزنی لکھا ہے اور الدمیاطی نے بھی ان کی پیروی کی ہے۔

(المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الاخبار، ج ۲ ص ۳۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ السید محمد بن محمد الحسینی الزبیدی الشہیر بمرتضیٰ المتوفی ۱۲۰۵ھ اس حدیث کی تخریج میں لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: علامہ الدمیاطی نے ایک رسالہ میں لکھا ہے کہ یہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے تھی لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام امامۃ تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام قرصافۃ تھا اور یہی زیادہ مشہور ہے اور یہ الحارث بن عوف بن علی بن حارثۃ المزنی کی بیٹی تھی اور اس کا باپ زمانہ جاہلیت کے گھوڑے سواروں میں سے تھا، اور اس کے اوپر زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگوں کا قصاص تھا، جب اس نے اسلام قبول کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وہ قصاص ساقط فرما دیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیٹی کو نکاح کا پیغام دیا تو اس نے کہا کہ میں اپنی بیٹی کو آپ کے لیے پسند نہیں کرتا، اور اس کے علاوہ آپ کے لیے اور بہت عورتیں ہیں، سو وہ واپس چلا گیا اور اس کی بیٹی کو برص کی بیماری ہو گئی، پھر اس کے عم زاد یزید بن حمزہ المزنی نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا اور اس سے شبیبا نام کی بیٹی پیدا ہوئی جو بنت البرصاء کے نام سے معروف تھی، اور البرصاء کا نام قرصافۃ ہے، اس کا ذکر الرشاطی نے کیا ہے، اور العراقی نے اس کی تخریج میں لکھا ہے کہ یہ دوسرا معجزہ ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین، ج ۷ ص ۱۹۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

علامہ یوسف بن اسماعیل بن یوسف النبہانی المتوفی ۱۳۵۰ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

(جواہر البحار فی فضائل النبی المختار ج ۳ ص ۲۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ عبد الوہاب بن احمد بن علی الشعرانی المصری الحنفی المتوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

(۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک میں اپنے اصحاب کے سامنے کسی شخص کے متعلق فرمایا: ''کن اباذر'' (تو ابوذر ہو جا)، سو وہ شخص ابوذر ہو گیا۔ اور آپ نے کھجور کی ایک شاخ سے فرمایا ''کن سیفا'' (تو تلوار بن جا)، تو وہ شاخ تلوار بن گئی۔

(الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر ص ۲۶۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

(۹) علامہ السید محمود آلوسی الحنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا نے پلک جھپکنے سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے تختِ بلقیس کو حاضر

کر دیا، سو وہ یمن میں جا کر پلک جھپکنے سے پہلے اس تخت کو لے کر نہیں آیا تھا بلکہ اس نے کہا تھا: اے تخت! تو وہاں پر معدوم ہو جا اور یہاں پر موجود ہو جا، سو ایسا ہو گیا، کیونکہ کامل ولی اللہ کا قول اللہ تعالیٰ کے کُن فرمانے کے حکم میں ہوتا ہے۔

(روح المعانی ج ۱۱ (جزء ۱۹) ص ۳۰۶، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۷ ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مماثل قرار دینے والوں سے ایک معارضہ

منکرینِ کمالاتِ رسالت کہتے ہیں: فضائل اور خصوصیات کی بات چھوڑو، یہ ٹھیک ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے ان چیزوں کو نہیں دیکھ سکتے جن چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ہم اپنے ہاتھوں اور پیروں اور زبان سے وہ تصرف نہیں کر سکتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں، پیروں اور زبان سے تصرف فرماتے تھے، لیکن اس چیز میں تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مماثل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو آنکھیں تھیں ہماری بھی دو آنکھیں ہیں، آپ کے دو ہاتھ تھے ہمارے بھی دو ہاتھ ہیں، آپ کے دو پیر تھے ہمارے بھی دو پیر ہیں، آپ کی بھی ایک زبان تھی ہماری بھی ایک زبان ہے، سو واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مماثل ہیں۔

میں اس کے جواب میں یہ کہتا ہوں کہ اس طرح تو کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ تمہاری بھی دو آنکھیں ہیں اور کتے اور خنزیر کی بھی دو آنکھیں ہیں، تمہاری بھی ایک زبان ہے اور کتے اور خنزیر کی بھی ایک زبان ہے، تو کیا یہ کہنا درست ہو گا کہ تم کتے اور خنزیر کی مثل ہو؟ اور اگر تم یہ کہو کہ اس میں تمہاری توہین ہے تو جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسے عام آدمی کے مماثل قرار دو تو کیا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین نہیں ہو گی؟ جب کہ جتنی تمہیں کتے اور خنزیر پر فضیلت ہے اس سے کہیں زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم پر فضیلت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام انسانوں کے کس چیز میں مماثل ہیں، اس کی تحقیق

اور اگر تم یہ آیت پڑھو "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ... (الکہف: ۱۱۰)" (آپ کہیے: میں صرف تمہاری مثل بشر ہوں) "تو کوئی شخص یہ آیت پڑھ سکتا ہے: "وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ... (الانعام: ۳۸)" (اور زمین پر چلنے والا ہر جاندار اور فضا میں اپنے پروں سے اڑنے والا ہر پرندہ صرف تمہاری مثل مخلوق ہیں)، سو اس آیت کی رُو سے زمین پر چلنے والا ہر جانور اور فضا میں اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری مثل ہے اور یہ قرآن مجید کی نص صریح ہے۔

نیز "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ... (الکہف: ۱۱۰)" کے متعلق ہم یہ پوچھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز میں تم عام انسانوں کی مثل ہیں؟ ظاہر ہے کسی وجودی وصف میں تو کوئی بھی آپ کا مماثل نہیں ہے، نہ کسی کی آنکھیں آپ کی مبارک آنکھوں جیسی ہیں نہ کسی کے ہاتھ آپ کے مبارک ہاتھوں جیسے ہیں نہ کسی کے پیر آپ کے مبارک پیروں جیسے ہیں نہ کسی کی زبان آپ کی زبان ایسی ہے، سو قرآن مجید میں ہمارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس مماثلت کا ذکر فرمایا ہے یہ عدمی وصف میں مماثلت ہے، یعنی جس طرح تم خدا نہیں ہو اور معبود اور مستحقِ عبادت نہیں ہو، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا نہیں ہیں اور معبود یا مستحقِ عبادت نہیں ہیں، اور اس چیز میں مماثل ہیں کہ ہمارا بھی خدا ایک ہے اور آپ کا بھی خدا ایک ہے، سو واضح ہوا کہ کوئی شخص بھی کسی وجودی وصف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل نہیں ہے۔

قرآنِ مجید یا لوحِ محفوظ میں ہر چیز کا ذکر ہے، یا اُن چیزوں کا ذکر ہے جن کی انسانوں کو ضرورت ہوتی ہے

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، الانعام: ۳۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ۔۔۔ (الانعام:۳۸)'':

بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے: ہم نے کسی چیز کو نہیں چھوڑا مگر ہم نے اس کی اصل قرآن مجید میں ذکر فرمادی ہے، کیونکہ بعینہٖ تمام چیزوں کا ذکر تو قرآن مجید میں نہیں ہے۔ (تفسیر القرطبی ج۶ ص ۲۷۰ تفسیر الخازن ج۲ ص ۳۷۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: یعنی ہم نے کسی چیز کو نہیں چھوڑا مگر ہم نے اس چیز کو ام الکتاب میں لکھ دیا ہے اور وہ اللوح المحفوظ ہے۔

دوسرے مفسرین نے کہا ہے: جس چیز کی تمہیں ضرورت ہو یا جس چیز میں تمہارا نفع ہو، ہم نے ہر اس چیز کو قرآنِ مجید میں بیان فرمادیا ہے۔ (تفسیر ابن جریر ج۹ ص ۲۳۴، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۷۲۵۹، حافظ سیوطی نے اس تفسیر کو امام ابن المنذر کی طرف منسوب کیا ہے۔ الدر المنثور ج۳ ص۱۱)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں الکتاب سے مراد لوحِ محفوظ ہے جس میں تمام مخلوقات کا مفصل ذکر موجود ہے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جف القلم بما هو كائن الى يوم القيامة'' (قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے، اسے لکھ کر قلم خشک ہو چکا ہے)۔ (مسند احمد: ۶۸۵۴)

دوسرا قول یہ ہے کہ الکتاب سے مراد قرآنِ مجید ہے اور یہ قول زیادہ ظاہر ہے، اور معروف اور معہود یہ ہے کہ مسلمانوں کی کتاب سے مراد قرآن مجید ہوتا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآنِ مجید میں علمِ طب کی تفاصیل مذکور نہیں ہیں، اسی طرح علم حساب کی تفاصیل مذکور نہیں ہیں، اس طرح بہت سارے دیگر علوم کی تفاصیل مذکور نہیں ہیں، اسی طرح قرآن مجید میں لوگوں کے مذاہب کا بھی ذکر نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مراد یہ ہے کہ جن چیزوں کی معرفت واجب ہے اُن کا ذکر قرآن مجید میں مذکور ہے، اور جن چیزوں کی انسانوں کو ضرورت پیش آتی ہے، اُن کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ نیز قرآن مجید کو نازل کرنے سے مقصودِ اصلی یہ ہے کہ اصول اور عقائد کا بیان کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی معرفت کا بیان کیا جائے، لہٰذا یہاں پر جو مطلقاً الکتاب کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کتاب یعنی قرآنِ مجید میں اُن تمام چیزوں کا تفصیلی ذکر ہے جن کا جاننا عقائد اور احکامِ شرعیہ میں ضروری ہے۔ اور مذاہب کے سلسلہ میں جو مجتہدین کے اقوال ہیں اُن کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، رہی علم الفروع کی تفصیلات تو اس کے متعلق علماء کے دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ علم الفروع کی تفصیلات کی اصل بھی قرآن مجید میں مذکور ہے، کیونکہ علماء نے بیان کیا ہے کہ قرآنِ مجید اس پر دلالت کرتا ہے کہ اجماع اور خبر الواحد اور قیاس شریعت میں حجت ہے، پس ہر وہ چیز جو ان اصولِ ثلاثہ پر دلالت کرتی ہے وہ حقیقتاً قرآن مجید میں موجود ہے، امام واحدی متوفی ۴۶۸ھ نے اس کی تین مثالیں ذکر کی ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن، المغیرات'' (گودنے والیوں پر اور گودوانے والیوں پر اور بال نوچنے والیوں پر اور حسن کے لیے دانتوں میں جھری (کشادگی) کرنے والیوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے، جو عورتیں اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تغیر کرنے والیاں ہیں۔ یہ قول بنو اسد کی ایک عورت تک پہنچا جس کو ام یعقوب کہا جاتا ہے، پس وہ (ان کے پاس) آئی اور اس نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ نے اس طرح کی عورتوں پر لعنت کی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے، اور جس پر اللہ کی کتاب میں لعنت ہے، اس عورت نے کہا: میں نے دو لوحوں (رحل) کے درمیان پورا قرآن پڑھا ہے مجھے تو اس میں وہ لعنت نہیں ملی جو آپ فرماتے ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم نے پورا قرآن پڑھا ہوتا تو تم اس لعنت کے ذکر کو پالیتیں، کیا تم نے قرآن مجید میں یہ آیت نہیں پڑھی: ''وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔۔۔ (الحشر:۷)'' (اور رسول جو تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ)، اس عورت نے کہا: کیوں نہیں! حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پس بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے (یعنی گودنے اور گودوانے وغیرہ سے) منع فرمایا ہے۔ اس عورت نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کی بیوی بھی اس طرح کرتی ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پس تم جاؤ اور دیکھو تو وہ عورت گئی اور اس نے دیکھا، پس اس کو اپنی مطلوبہ کوئی چیز نہیں ملی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میری بیوی اس طرح کرتیں تو وہ میرے ساتھ ہرگز نہیں رہ سکتی تھیں۔

(صحیح البخاری: ۴۸۸۶، ۴۸۸۷، ۵۹۳۱، ۵۹۳۹، ۵۹۴۳، ۵۹۴۸، صحیح مسلم: ۲۱۲۵، سنن ترمذی: ۲۷۸۲، سنن نسائی: ۵۰۹۹، سنن ابوداؤد: ۴۱۶۹، مسند احمد: ۴۱۱۸، سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۹، سنن دارمی: ۲۶۴۷)

(۲) مذکور ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے کہا: ''تم مجھ سے جس چیز کے متعلق بھی سوال کرو گے میں تمہیں اس کا اللہ کی کتاب سے جواب دوں گا''، ایک مرد نے کہا: جس شخص نے حالتِ احرام میں تتیا (لال رنگ کی بھڑ، زنبور، ڈینبو) کو مار ڈالا، آپ اس کے متعلق کیا حکم فرماتے ہیں؟ امام شافعی نے فرمایا: اس پر کوئی تاوان نہیں ہے، اس مرد نے پوچھا: یہ مسئلہ کتاب اللہ میں کہاں لکھا ہوا ہے؟ امام شافعی نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۔۔۔ (الحشر:۷)'' پھر اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی: ''فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین'' (تم میری سنت کو لازم رکھو اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کو لازم رکھو)۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۲، سنن ابوداؤد: ۴۶۰۷، سنن ترمذی: ۲۶۷۶)۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے حالتِ احرام میں تتیا کو مار ڈالا اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔

امام واحدی نے کہا کہ امام شافعی نے کہا: مسلمانوں کے اموال میں اصل اور قاعدہ عصمت ہے، یعنی مسلمانوں کے اموال کی حفاظت کی جائے گی، امام شافعی نے اس مسئلہ کو قرآنِ مجید کی تین آیتوں سے نکالا ہے، اول: ''لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۔۔۔ (البقرہ:۲۸۶)'' (کسی شخص نے جو نیک کام کیے ان کا فائدہ اسی کو پہنچے گا اور کسی شخص نے جو برے کام کیے ان کی سزا بھی اسی کو ملے گی)، دوم: ''وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝۳۶ ۔۔۔ (محمد:۳۶)'' (اور اگر تم ایمان لے آؤ اور متقی بن جاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہارے ثواب تمہیں عطاء فرمائیں گے اور تمہارے اموال کو تم سے طلب نہیں فرمائیں گے ۝)،

سوم: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔۔۔ (النساء: ۲۹)'' (اے ایمان والو! تم آپس میں تم ایک دوسرے کے مالوں کو ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ سوا اس کے کہ تم باہمی رضامندی سے تجارت کرو)، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تجارت کے بغیر لوگوں کے اموال کو کھانے سے منع فرمادیا ہے، پس جب تجارت نہ ہو تو ضروری ہے کہ یہ حرمت اپنی اصل پر باقی رہے، اور ان عمومی احکام کا تقاضا یہ ہے کہ جس شخص نے حالتِ احرام میں تتیا کو مار ڈالا ہے اس پر کوئی چیز واجب نہ ہو۔ (یعنی امام شافعی کے قول کا یہ مطلب ہے کہ ہر جزئی، جزئی مسئلہ تو قرآن مجید میں مذکور نہیں ہے لیکن ہر جزئیہ کی اصل اور دلیل قرآن مجید میں مذکور ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

امام شافعی نے جو استدلال فرمایا ہے، اس کے چار مرتبے ہیں:

پہلا مرتبہ یہ ہے کہ امام شافعی نے ''مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ۔۔۔ (الحشر: ۷)'' کے عموم سے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خلفاء راشدین کی اتباع کا حکم فرمایا ہے، اس سے استدلال کیا ہے۔

دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے عموم سے استدلال فرمایا ہے: ''علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی''۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۲، سنن ابوداؤد: ۴۶۰۷، سنن ترمذی: ۲۶۷۶)

اور تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی خلفاء راشدین میں سے ہیں۔

چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں کوئی تاوان واجب نہیں فرمایا، لہٰذا جس شخص نے حالتِ احرام میں تتیا کو مار ڈالا، اس پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوگا۔

(۳) حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہما، وہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دیہاتی نے آکر کہا: یا رسول اللہ! ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ فرمایئے، اس کا فریق مخالف کھڑا ہوا، اس نے کہا: اس نے سچ کہا ہے، ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ فرمایئے، دیہاتی نے کہا: میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا، اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا، پس لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارے بیٹے کو رجم کیا جائے گا تو میں نے سو بکریوں اور ایک باندی کو اپنے بیٹے کے فدیہ میں دیا، پھر میں نے اہل علم سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ تمہارے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم دونوں کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرماؤں گا، رہی باندی اور بکریاں تو وہ تمہیں واپس دی جائیں گی اور تمہارے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا، اور آپ نے ایک مرد سے فرمایا: اور تم اے انیس! صبح اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ اور اس کو سنگسار کردو، پھر صبح کو حضرت انیس رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو رجم کردیا۔ (صحیح البخاری: ۲۳۱۴، ۲۳۱۵، ۲۶۴۹، ۲۶۹۶، ۲۷۲۵، ۶۶۳۴، ۶۸۲۸، ۶۸۳۱، ۶۸۳۶، ۶۸۴۳، ۶۸۶۰، ۷۱۹۴، ۷۲۵۹، ۷۲۷۹، صحیح مسلم: ۱۶۹۸، سنن ترمذی: ۱۴۳۳، سنن نسائی: ۵۴۱۱، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۵۴۹، مسند احمد: ۱۶۵۹۴، موطا امام مالک: ۱۵۵۶، سنن دارمی: ۲۳۱۷)

امام واحدی نے کہا کہ قرآن مجید کی نصِ صریح میں کوڑے مارنے اور جلا وطن کرنے دونوں سزاؤں کا ملا کر دینے کا ذکر نہیں ہے، (میں کہتا ہوں: اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ نے شادی شدہ زانی کی حد صرف رجم ذکر کی ہے اور کوڑے مارنے اور جلا وطن کرنے

کا اضافہ نہیں کیا۔سعیدی غفرلہٗ)اور یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر وہ فیصلہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تو وہ بعینہٖ کتاب اللہ ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں: امام واحدی کی یہ مثال برحق ہے، کیونکہ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:''وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ ۔۔ (النحل: ۴۴)''(اور ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں کو صاف صاف بتادیں کہ اُن کی طرف کیا نازل فرمایا گیا ہے)۔اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان فرمایا ہوا ہر حکم اس آیت کے تحت داخل ہے، پس ان تین مثالوں سے واضح ہوگیا کہ جب قرآن نے اس پر دلالت کی ہے کہ اجماع حجت ہے اور خبرِ واحد حجت ہے اور قیاس حجت ہے، پس ہر وہ حکم جو ان طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے نکالا گیا ہو، وہ حقیقت میں قرآنِ مجید سے نکالا گیا ہے۔(اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ اجماع، خبرِ واحد اور قیاس سے مستنبط تمام مسائل قرآنِ مجید میں مذکور نہیں ہیں بلکہ ان تمام مسائل کی اصل یعنی اجماع، خبرِ واحد اور قیاس کا حجت ہونا اس کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔سعیدی غفرلہٗ)

دوسرا قول یہ ہے کہ قرآنِ مجید تمام احکام کو بیان کرنے کے لیے کافی ہے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ تمام احکام تکلیفیہ میں مکلفین کا ذمہ بری ہو جائے، اور جن احکام کے ساتھ انسان کو مکلف نہیں فرمایا گیا وہ غیر متناہی ہیں، اور غیر متناہی امور کو صراحۃً بیان کرنا محال ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ہزار احکام کا مکلف فرمایا اور ان احکام کو قرآن مجید میں ذکر فرمادیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ ان ایک ہزار احکام کو بندوں تک پہنچادیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا:''مَا فَرَّطۡنَا فِی الۡکِتٰبِ مِنۡ شَیۡءٍ ۔۔ (الانعام: ۳۸)''، سو اس کا معنی یہ ہے کہ ان ہزار احکام کے بعد مزید احکام کا مکلف کرنا اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس مفہوم کو اس آیت سے مؤکد فرمایا:''اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ ۔۔ (المائدہ: ۳)''(آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل فرمادیا ہے)، سو یہ ان علماء کے مذہب کا بیان ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۵۲۷۔۵۲۸، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ابن زید نے اس آیت (الانعام: ۳۸) کی تفسیر میں لکھا ہے: یعنی ہم نے اس کتاب میں کسی چیز سے غفلت نہیں فرمائی اور ہر چیز الکتاب میں مذکور ہے۔(تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۲۳۴، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۷۲۶۰)

میں کہتا ہوں: ظاہر ہے کہ ابن زید کی یہ تفسیر درست نہیں ہے کیونکہ ہر جزئی، جزئی چیز کا بعینہٖ قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے مثلاً برطانیہ کے بحری جہاز ٹائی ٹینک (Titanic)، اسی طرح ایٹم بم، ہائیڈروجن بم، ٹینک اور میزائلوں کا قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے، اسی طرح دنیا کے مشہور ممالک مثلاً امریکا، روس، فرانس اور برطانیہ کا قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے، ہاں ایسی جامع آیات کا ذکر ہے جن سے ان چیزوں کو مستنبط کیا جاسکتا ہے۔(سعیدی غفرلہٗ)

''ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمۡ یُحۡشَرُوۡنَ ﴿۳۸﴾'': اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ پرندوں اور وحشی جانوروں کو دیگر مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے جمع کیا جائے گا، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے اولادِ آدم کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جمع کیا جائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی، (وہ) بہرے ہیں اور گونگے ہیں اور اندھیروں میں (بھٹک رہے ہیں)، اللہ جس کو چاہتے ہیں اس کو گمراہ فرمادیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں اس کو

سیدھے راستہ پر قائم رکھتے ہیں O'' (الانعام:۳۹)

''وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا'': حسن بصری نے کہا ہے: جن لوگوں نے ہمارے دین کی تکذیب کی۔ اور دوسروں نے کہا ہے: جن لوگوں نے ہماری وحدانیت کے دلائل کی تکذیب کی اور رسالت کے دلائل کی تکذیب کی، اور نبوت اور رسالت کے دلائل کی تکذیب کی۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد ہے کہ جن لوگوں نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کے دلائل کی تکذیب کی۔

''صُمٌّ وَّبُكْمٌ'': اس سے مراد ہے اُن سے سماعت اور زبان اور بصارت کی نفی کی، جب کہ انہوں نے سننے اور بولنے اور دیکھنے کی نعمت کی نفی کی۔ ''فِي الظُّلُمٰتِ'': یعنی وہ جہالت اور کفر کے اندھیروں میں ہیں۔ دوسرا محمل یہ ہے کہ وہ سماعت اور بصارت اور دل کے اندھیروں میں ہیں۔

''مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝'': یعنی اللہ عزوجل جس کے لیے چاہتے ہیں اس کو گمراہی پر برقرار رکھتے ہیں اور جس کے لیے چاہتے ہیں، اس کو سیدھے راستہ پر فرما دیتے ہیں۔ اور اس کی اصل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو کافر کے متعلق علم ہوتا ہے کہ وہ کفر کو اختیار کرے گا تو اس کے حق میں کفر کو پیدا فرما دیتے ہیں، اور جس کے متعلق یہ علم ہوتا ہے کہ وہ ایمان کو اختیار کرے گا تو اس کے لیے ایمان اور ہدایت کو پیدا فرما دیتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: '' آپ کہیے: ذرا بتاؤ تو سہی اگر تمہارے پاس (اچانک) اللہ کا عذاب آ جائے یا تم پر قیامت آ جائے، کیا اس وقت بھی اللہ کے سوا کسی اور کو (مستقل مددگار سمجھ کر) پکارو گے؟ (جواب دو!) اگر تم سچے ہو O'' (الانعام:۴۰)

''قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ'': یعنی اگر تمہارے پاس وہ عذاب آ جائے جس کا اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ فرمایا تھا کہ دنیا میں تم پر وہ عذاب آئے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر وعید فرمائی تھی کہ ان پر عذاب آئے گا، یا اللہ تعالیٰ نے یہ وعید فرمائی تھی کہ قیامت آ جائے گی۔

''اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ'': یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد ہو کہ مصائب کے نازل ہونے کے وقت تم اللہ کو چھوڑ کر جسے پکارتے ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر تم جس کی عبادت کرتے ہو، حالانکہ تم دیکھ چکے ہو کہ مصائب کے نزول کے وقت یہ تمہارے لیے شفاعت نہیں کر سکتے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ مصائب کے نزول کے وقت وہ صرف اللہ ہی کے سامنے گڑگڑاتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝ --- (بنی اسرائیل:٦٧)'' (اور جب سمندر میں تم پر کوئی آفت آتی ہے تو اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں، پھر جب اللہ تمہیں خشکی کی طرف نجات دیتے ہیں تو تم (اس سے) مونہہ پھیر لیتے ہو، اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے O)، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ --- (العنکبوت:٦٥)'' (پھر جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو وہ اسی کے لیے اپنے دین کو خالص کرتے ہوئے پکارتے ہیں، پھر جب اللہ انہیں بچا کر خشکی کی طرف لے آتے ہیں تو یکایک وہ شرک کرنے لگتے ہیں O)۔

اللہ عزوجل نے یہ اس لیے ذکر فرمایا کہ جب تم پر آفات اور مصائب آتے ہیں تو اس وقت تم اپنی نجات کے لیے بتوں کو نہیں پکارتے، پھر جب تم پر مصائب نازل نہیں ہوتے تو پھر تم کیسے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بتوں کو شریک کرتے ہو!

''اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○'': اگر تم اس قول میں صادق ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور شرکاء اور معبود ہیں، یا اگر تم اس قول میں صادق ہو کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ اللہ کے سامنے تمہاری سفارش کریں گے یا تمہیں اللہ کے قریب کر دیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بلکہ تم اسی کو (بہ طورِ معبود) پکارو گے، سو اگر اللہ چاہیں گے تو تم سے اس مصیبت کو کھول دیں گے جس کی خاطر تم اس کو پکارو گے، اور تم ان کو بھول جاؤ گے جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے رہے ہو○'' (الانعام: ۴۱)

''بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ○'':
یعنی تم اس وقت میں اللہ ہی کو پکارتے ہو اور اس کے غیر کو نہیں پکارتے، اور تم اُن کو چھوڑ دیتے ہو جن کو تم اللہ کی عبادت میں شریک کیا کرتے تھے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۴ ص ۶۶۔ ۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے متعدد امتوں کی طرف رسولوں کو بھیجا، سو ہم نے اُن کو سختیوں اور مصیبتوں میں مبتلا فرما دیا، تا کہ وہ عاجزی سے گڑگڑائیں○

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب اُن پر ہمارا عذاب آتا تو وہ گڑگڑاتے، لیکن ان کے دل سخت ہو گئے، اور شیطان نے اُن کے لیے اُن کے کاموں کو خوشنما بنا دیا○

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾

پھر جب وہ اس کو بھول گئے جس کی ان کو نصیحت فرمائی گئی تھی تو ہم نے اُن پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے، حتیٰ کہ جب وہ اُن چیزوں پر اترانے لگے جو اُن کو عطا فرمائی گئی تھیں تو اچانک ہم نے ان کو پکڑ لیا، سو اس وقت وہ مایوس ہو کر رہ گئے○

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

پس ظلم کرنے والوں کی جڑ کاٹ دی گئی اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کے پروردگار ہیں O

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَ خَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

آپ کہیے: (اے لوگو!) بتاؤ اگر اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں لے جائیں اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دیں تو اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے جو ان چیزوں کو تمہارے پاس لے آئے؟ آپ دیکھیے ہم کس طرح بار بار توحید کی نشانیاں بیان کرتے ہیں، پھر بھی وہ روگردانی کرتے ہیں O

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾

آپ کہیے: یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اچانک اللہ کا ظاہراً عذاب آجائے تو ظالموں کے سوا کس کو ہلاک کیا جائے گا O

وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور ہم رسولوں کو صرف ثواب کی خوش خبری دینے والے اور عذاب سے ڈرانے والے بنا کر بھیجتے ہیں، سو جو لوگ اللہ پر ایمان لے آئیں اور نیک کام کریں تو ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O

وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، اُن پر اس وجہ سے عذاب آئے گا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے O

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

آپ کہیے: میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کو (از خود) جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی فرمائی جاتی ہے، آپ کہیے: کیا نابینا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور نہیں کرتے! O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے متعدد امتوں کی طرف رسولوں کو بھیجا، سو ہم نے اُن کو سختیوں اور مصیبتوں میں مبتلاء فرما دیا، تاکہ وہ عاجزی سے گڑگڑائیں O'' (الانعام: ۴۲)

حجت اور دلیل کا اصل ہونا

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ الانعام: ۴۲ تا ۵۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ○'':

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آباء واجداد کی اندھی تقلید کے مقابلہ میں حجت اور دلیل کی ترجیح کو بیان فرمایا ہے اور یہ آیت اس پر قوی دلیل ہے کہ آباء واجداد کی اندھی تقلید کو چھوڑ کر حجت اور دلیل کی پیروی کرنی چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بت پرستوں سے فرماتے ہیں کہ جب تم سختیوں اور مصیبتوں کے نزول کے وقت اللہ کی پناہ طلب کرتے ہو اور اس سے مدد چاہتے ہو اور بتوں سے مدد نہیں طلب کرتے تو پھر تم اپنی عبادت میں بتوں کے آگے کیوں جھکتے ہو؟ جن بتوں کی عبادت تمہیں کسی چیز کا نفع نہیں پہنچا سکتی، اور یہ استدلال اسی وقت مفید ہوگا جب کہ دلیل اور حجت کو ترجیح دی جائے۔

''اَلْبَاْسَاء'' اور ''الضَّرَّاء'' کی تفسیر

''اَلْبَاْسَاء'' کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد قحط اور بھوک ہے، اور ''الضَّرَّاء'' کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد عام امراض اور سنگین بیماریاں ہیں، جیسے کسی انسان کا لنگڑا لولا ہونا یا اپاہج ہونا، یہ جانوں کا نقصان ہے، اور اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے، سو اُن امتوں نے ان رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے اُن کو قحط اور بھوک اور جان اور مال کے نقصان میں مبتلاء فرما دیا، تاکہ وہ اللہ کے سامنے ذلت کے ساتھ جھکیں اور گڑگڑا کر ان مصائب کو دور کرنے کے لیے دعا کریں اور اپنے کیے ہوئے گناہوں سے باز آجائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب اُن پر ہمارا عذاب آتا تو وہ گڑگڑاتے، لیکن ان کے دل سخت ہو گئے، اور شیطان نے اُن کے لیے اُن کے کاموں کو خوشنما بنا دیا O'' (الانعام: ۴۳)

''فَلَوْ لَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَ لٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○'':

یہ آیت اس سے پہلی آیتوں کے ساتھ مل کر اہل سنت کے مذہب پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ پہلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ سختیوں اور مصیبتوں یعنی قحط اور بیماریوں کے نزول کے وقت کفار کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے تھا، لیکن شیطان نے اُن کے کیے ہوئے کاموں کو اُن کے لیے مزین کر دیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کیا، اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطاء نہ فرمائیں، وہ ہدایت نہیں پاتا خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل فرمائی ہوئی نشانیوں کا مشاہدہ اور مطالعہ کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے ایسے لوگوں کی طرف رسولوں کو بھیجا جن لوگوں کو سخت مصیبتوں میں اور جسمانی اور مالی نقصانوں میں مبتلاء کیا گیا لیکن انہوں نے پھر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کیا اور اپنی نافرمانیوں کو ترک نہیں کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد

ہے:''وَ لٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝'' (لیکن ان کے دل سخت ہو گئے، اور شیطان نے اُن کے لیے اُن کے کاموں کو خوشنما بنا دیا O)۔

علامہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ کفار نے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی نہیں کی اور وہ نہیں گڑگڑائے، گویا کہ یوں فرمایا گیا ہے کہ جب اُن کے پاس ہمارا عذاب آیا تو وہ نہیں گڑگڑائے لیکن اللہ عزوجل نے یہاں پر لفظ ''لَوْلا'' کا ذکر فرمایا ہے، تاکہ یہ معلوم ہو کہ ان کی سرکشی اور ان کے دلوں کی سختی کے سوا اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی سے گڑگڑانے کے لیے کوئی عذر نہیں تھا، اور اس کے سوا اور کوئی عذر نہیں تھا کہ شیطان نے اُن کے کیے ہوئے کاموں کو اُن کے لیے خوش نما بنا دیا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:'' پھر جب وہ اس کو بھول گئے جس کی ان کو نصیحت فرمائی گئی تھی تو ہم نے اُن پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے، حتیٰ کہ جب وہ اُن چیزوں پر اِترانے لگے جو اُن کو عطا فرمائی گئی تھیں تو اچانک ہم نے ان کو پکڑ لیا، سو اس وقت وہ مایوس ہو کر رہ گئے O'' (الانعام: ۴۴)

''فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ'': یعنی ہم نے اُن پر جو بھوک، قحط اور بیماریوں کو مسلط فرمایا تھا، اُس سے انہوں نے نصیحت حاصل نہیں کی اور ان سختیوں اور مصیبتوں نے انہیں کوئی نفع نہیں پہنچایا اور وہ باز نہیں آئے۔

''فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ'': تو ہم نے ان کے اوپر صحت اور تندرستی اور مال و دولت کی فراوانی اور ہر قسم کی نعمتوں کے دروازے کھول دیے تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھ کر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں، گویا اللہ تعالیٰ نے پہلے اُن کو مصائب سے ڈرا کر ہدایت کی رہنمائی فرمائی، پھر اُن کو نعمتیں عطاء فرما کر انہیں اپنی طرف متوجہ فرمایا جیسا کہ کوئی شفیق باپ اپنی اولاد کی تربیت کرنے اور اس کو سدھارنے کے لیے کبھی اس کو سزا دیتا ہے، ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے اور کبھی اس پر نرمی اور مہربانی سے پیش آتا ہے تاکہ کسی طریقہ سے وہ برے کاموں کو چھوڑ کر نیک کاموں کو اختیار کر لے۔

''حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۝'': حتیٰ کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی ان عطاء فرمائی ہوئی نعمتوں سے خوش ہوئے اور اِترانے لگے، نہ انہوں نے اپنی پچھلی نافرمانیوں اور سرکشیوں پر توبہ کی اور نہ اللہ تعالیٰ کی اِن نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا تو اچانک ہم نے ان کو عذاب میں مبتلاء فرما دیا اور وہ سب حسرت زدہ ہو کر نا امید ہو گئے۔

ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو کر ان نعمتوں پر اِترانا اور پھول کر اکڑنا ایسا تھا جیسا کہ قارون کو جب دنیا کا مال و دولت ملا حتیٰ کہ اس کے خزانوں کی چابیاں کئی خچروں پر لادی جاتی تھیں، سو وہ ان نعمتوں پر اِترانے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اچانک پکڑ لیا اور قارون کو زمین میں دھنسا دیا، اسی طرح یہ لوگ بھی جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اترا رہے ہیں اور مغرور ہو رہے ہیں، جب اللہ تعالیٰ ان کو اچانک پکڑ لیں گے تو پھر یہ ہر خیر سے نا امید ہو کر مایوس ہو جائیں گے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کسی بندہ کو اس کی نافرمانیوں کے باوجود اس کی پسندیدہ چیزیں عطاء فرما دی ہیں تو یہ صرف استدراج ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی

تلاوت فرمائی: ''فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ۝ ۔۔۔ (الانعام: ۴۴)'' (پھر جب وہ اس کو بھول گئے جس کی ان کو نصیحت فرمائی گئی تھی تو ہم نے اُن پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے، حتیٰ کہ جب وہ اُن چیزوں پر اترانے لگے جو اُن کو عطا فرمائی گئی تھیں تو اچانک ہم نے ان کو پکڑ لیا، سو اس وقت وہ مایوس ہو کر رہ گئے O)۔ (مسند احمد: ۱۷۳۱۱، تفسیر طبری ج ۹ ص ۲۴۸، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، المعجم الاوسط للطبرانی: ۹۲۶۸، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۴۸۸، شعب الایمان: ۴۵۴۰، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۷ رقم: ۱۹۵)

خرقِ عادت کی اقسام

اس حدیث میں ''استدراج'' کا لفظ ہے اور یہ خرقِ عادت یا خلافِ عادت کام کی وہ قسم ہے جس کو اللہ تعالیٰ کفار اور نافرمانوں کے لیے ظاہر فرماتے ہیں اور اس سے مقصود ان کو ان کی نافرمانیوں اور گناہوں میں ڈھیل دینا ہوتا ہے تاکہ وہ اور زیادہ نافرمانیاں اور گناہوں کا ارتکاب کر کے زیادہ سے زیادہ عذاب کے مستحق ہو جائیں۔

علماء اور متکلمین نے بیان کیا ہے کہ خلافِ عادت کاموں کی حسبِ ذیل اقسام ہیں:

(۱) استدراج: نافرمانوں اور کفار کے لیے جس خلافِ عادت کام کو ظاہر کیا جائے اس کو ''استدراج'' کہتے ہیں جیسا کہ مذکور الصدر حدیث میں بیان فرمایا ہے۔

(۲) اہانت: جھوٹے مدعیٔ نبوت کے لیے جس خلافِ عادت کام کو ظاہر کیا جائے اس کو ''اہانت'' کہتے ہیں جیسے مسیلمہ کذاب کے پاس ایک کانا شخص آیا اور اس نے کہا: آپ نبی ہیں تو یہ میری کانی آنکھ ٹھیک کر دیں، مسیلمہ کذاب نے دعا کی تو اس کی صحیح آنکھ بھی کانی ہو گئی، سو اس کے دعویٰ کے خلاف واقع ہوا، اور یہ اس کی اہانت تھی۔

آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی متوفی ۱۹۰۸ء نے اپنی نبوت کے صدق کو ظاہر کرنے کے لیے درج ذیل پیش گوئی کی:

(الف) ''میں بار بار کہتا ہوں کہ نفسِ پیشگوئی داماد احمد بیگ (سلطان محمد کی موت) تقدیر مبرم ہے، اس کا انتظار کرو اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوگی اور میری موت آ جائے گی''۔ (انجام آتھم ص ۳۱)

(ب) مرزا غلام احمد قادیانی نے محمدی بیگم سے نکاح کی پیشگوئی کی لیکن اس کا نکاح مرزا غلام احمد کے بجائے مرزا سلطان محمد سے ہو گیا، پھر مرزا غلام احمد قادیانی نے دوسری پیشگوئی کی کہ مرزا سلطان محمد شادی کے ڈھائی سال بعد مر جائے گا اور محمدی بیگم ان کے نکاح میں آ جائے گی، لیکن ہوا یہ کہ مرزا غلام احمد قادیانی فوت ہو گیا اور سلطان محمد ان کی موت کے بعد دیر تک بفضلہٖ تعالیٰ زندہ رہا۔

(ج) اسی طرح انہوں نے عیسائی پادری آتھم کی موت کے متعلق پیشگوئی کی کہ وہ پانچ ستمبر انیس سو چوراسی عیسوی کے دن مر جائے گا، لیکن وہ زندہ رہا اور عیسائیوں نے بڑی شان و شوکت سے اس کا جلوس نکالا، چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک مرید نے مضمون میں لکھا:

''میں نے امرتسر جا کر عبداللہ آتھم کو خود دیکھا، عیسائی اسے گاڑی میں بٹھائے ہوئے بڑی دھوم دھام سے بازاروں میں لیے پھرتے تھے، لیکن اسے دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ واقع میں یہ مر گیا ہے اور یہ صرف اس کا جنازہ ہے جسے لیے پھرتے ہیں، آج نہیں تو کل مر جائے گا''۔ (مضمون رحیم بخش قادیانی مندرجہ الحکم ج ۲۵ ص ۳۴، ۷ دسمبر ۱۹۲۳ء)

مرزا غلام احمد قادیانی کی جو پیشگوئیاں پوری نہ ہو سکیں یا پیشگوئیوں کے خلاف واقعہ رونما ہوا، اُن کا سلسلہ بہت طویل ہے اب ہم صرف ایک پیشگوئی نقل کر رہے ہیں جو مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی موت کے متعلق کی تھی، لکھتے ہیں:

پس خدا مارا هشتاد سال عمر داد یا شاید ازیں زیادہ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسّی (۸۰) سال کی عمر دی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ (مواہب الرحمٰن ص ۲۱)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

(د) ''اور پھر آخر میں اردو میں فرمایا کہ میں تیری عمر بڑھا دوں گا یعنی دشمن جو کہتا ہے کہ صرف جولائی انیس سو سات عیسوی میں چودہ مہینے تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں، یا ایسا ہی جو دوسرے دشمن پیشگوئی کرتے ہیں ان سب کو جھوٹا کروں گا اور تیری عمر کو بڑھا دوں گا''۔ (اشتہار مؤلفہ مرزا غلام احمد قادیانی بہ نام تبصرہ ۱۹۰۷ء)

خلافِ عادت کام جو کفار کے لیے ظاہر کیے جاتے ہیں ان کو ''اہانت'' اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں ان کی پیشگوئی ان کے دعویٰ کے خلاف واقع ہوتی ہے جس سے ان کی اہانت ظاہر ہوتی ہے۔

(۳) ارہاص: انبیاء علیہم السلام کے لیے اعلانِ نبوت سے پہلے جو خلافِ عادت کام ظاہر کیے جاتے ہیں ان کو ''ارہاص'' کہتے ہیں۔ جیسے اعلانِ نبوت سے پہلے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جو خلافِ عادت کام ظاہر کیے گئے، مثلاً اعلانِ نبوت سے پہلے بچپن میں فرشتوں کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ مبارک کو چیرنا اور سینہ سے خون کا نہ نکلنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درد نہ ہونا۔

(دلائل النبوۃ: ۱۶۶، مجمع الزوائد: ۱۳۵۴۳، الوفا باحوال المصطفیٰ: ۱۲۹، روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۹۹۔ ۳۰۰، دار الفکر، بیروت، مجمع الزوائد: ۱۳۸۴۳)

(۴) معجزہ: اعلانِ نبوت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کسی خلافِ عادت کام کو ظاہر کرنا جس سے آپ کے دعویٰ نبوت کی تصدیق اور تائید ہو، اور اس کی قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں بہت مثالیں ہیں، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پتھر پر لاٹھی مار کر بارہ (۱۲) چشمے جاری کر دینا۔

(۱) اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ۔۔۔ (البقرہ: ۶۰)'' (اور (یاد کیجئے) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی (کے حصول) کی دعا کی، پس ہم نے فرمایا: آپ اپنا عصا فلاں پتھر پر ماریں، سو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، بے شک (بنی اسرائیل کے) ہر قبیلہ نے اپنے اپنے پانی پینے کی جگہ (گھاٹ) کو جان لیا تم سب اللہ کے رزق سے کھاؤ اور پیو)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر لاٹھی مار کر بارہ چشمے جاری کیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگلیوں سے اتنا پانی جاری فرما دیا جس سے ستر یا اسّی صحابہ نے وضو کر لیا۔ (صحیح البخاری: ۳۵۷۴)، حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان معجزوں میں فرق یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پتھر پر لاٹھی مار کر پانی کو جاری کر دینا اتنا زیادہ بعید اور محیّر العقول نہیں ہے جتنا انگلیوں سے پانی کو جاری کرنا بعید اور محیر العقول ہے، کیونکہ بہرحال زمین میں اور پتھروں میں پانی ہوتا ہے اور لوگ عادتاً مختلف آلات کے ذریعہ زمین اور پتھروں سے پانی نکال لیتے ہیں، لیکن انگلیوں میں تو عادتاً پانی ہوتا نہیں ہے، سو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہاں سے پانی نکالا جہاں عادتاً پانی ہوتا ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگلیوں سے پانی جاری فرمایا جہاں پر عادتاً پانی ہوتا ہی نہیں ہے، اس لیے حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کی بہ نسبت ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ زیادہ وقیع اور زیادہ محیر العقول ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی حنفی متوفی ۷۹۱ ھ لکھتے ہیں:

معجزہ اس کام کو کہتے ہیں جو خلافِ عادت ہو اور اس کو نبوت کے مدعی کے ہاتھ پر اس وقت ظاہر کیا جائے جب منکرین دعویٰ نبوت کا انکار کر رہے ہوں اور نبوت کا مدعی اس خلافِ عادت کام کو اس طور پر ظاہر کرے جو اس کے دعویٰ نبوت کے موافق ہو اور منکرینِ نبوت کو للکارے کہ وہ اس کام کی مثل نہیں لا سکتے، اور منکرین اس کام کی نظیر نہ لا سکیں، نبی کے لیے معجزہ اس لیے ضروری ہے کہ اگر نبی کی تائید معجزہ کے ساتھ نہ ہو تو اس کے قول کو قبول کرنا واجب نہیں ہوگا، اور دعویٰ نبوت اور رسالت میں نبی کا صدق ظاہر نہیں ہوگا اور سچا نبی جھوٹے مدعی نبوت سے متمیز نہیں ہوگا۔ (شرح عقائد نسفی ص ۹۸، دستگیر کالونی، کراچی)

قرآنِ مجید سے معجزہ کے تحقق کا ثبوت

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّ لَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤی اَقْبِلْ وَ لَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ۝ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّ اضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۠ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۝ (القصص: ۳۰۔۳۲)

پھر جب موسیٰ آگ کے پاس آئے تو انہیں میدان کے دائیں کنارے سے برکت والے مقام میں ایک درخت سے نداء فرمائی گئی کہ اے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ ہوں تمام جہانوں کا رب O اور یہ کہ آپ اپنا عصا ڈال دیں، پھر جب موسیٰ نے اس عصا کو لہراتے ہوئے دیکھا گویا کہ وہ سانپ ہے پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا، (نداء آئی) اے موسیٰ! سامنے آیئے، اور خوف نہ کیجئے، بے شک آپ امن والوں میں سے ہیں O آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیے، وہ سفید چمکتا ہوا بے عیب نکلے گا، اور خوف دور ہونے کے لیے اپنا بازو اپنی طرف (سینہ سے) ملائیں، سو یہ دونوں آپ کے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف (آپ کی نبوت پر) قوی دلیلیں ہیں، بے شک وہ نافرمان لوگ ہیں O

نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚۛ بِاٰیٰتِنَاۤ ۚۛ اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ۝ (القصص: ۳۵)

(اللہ عزوجل نے) فرمایا: ہم عنقریب آپ کے بازو کو آپ کے بھائی کے ساتھ مضبوط فرما دیں گے اور ہم آپ دونوں کو غلبہ عطاء فرمائیں گے، سو وہ (مخالفین) ہماری ان نشانیوں (معجزوں) کے سبب آپ دونوں تک نہ پہنچ سکیں گے، آپ دونوں اور آپ کے متبعین ہی غالب رہیں گے O

میں کہتا ہوں: قرآن مجید اور احادیث میں معجزہ کے لیے آیت کا لفظ وارد ہوتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو عصا اور ید بیضاء کے دو معجزے عطاء فرمائے گئے تھے ان کے لیے قرآن مجید میں ''بُرْهَان'' کا لفظ بھی وارد ہے اور ''آیت'' کا لفظ بھی وارد ہے۔

سر سید احمد خان متوفی ۱۸۹۸ء کا ثبوتِ معجزہ سے انکار کرنا

سر سید احمد خان لکھتے ہیں:

بحث اس میں ہے جب کہ معجزات کو مافوق الفطرت قرار دیا جائے جس کو انگریزی میں ''سُپر نیچرل'' کہتے ہیں اور اس سے انکار کہتے ہیں اور ان کا وقوع ایسا ہی ناممکن قرار دیتے ہیں جیسا کہ قولی وعدے کا ایفاء نہ ہونا۔ اور علانیہ کہتے ہیں کہ ایسے کسی امر کے واقع ہونے کا ثبوت نہیں ہے جو مافوق الفطرت ہو، اور جس کو تم معجزہ قرار دیتے ہو اور اگر بفرض محال خدا کی قدرت کے حوالہ پر اس کو تسلیم بھی کریں تو وہ ایک بیفائدہ امر ہوگا جو مثبت کسی امر کا ہے اور نہ مسکت للخصم۔

نیز لکھتے ہیں:

ہم نہایت ادب سے عرض کریں گے کہ آپ اس بات کو ثابت نہیں کر سکتے کہ قرآنِ مجید میں معجزات مافوق الفطرت موجود ہیں۔

(تفسیر القرآن وھوالھدی والفرقان جلد اول ص ۱۰۔۱۱، سر سید ریسرچ اکیڈمی، لاہور، ۲۰۱۰ء)

سر سید احمد خان کے انکارِ معجزہ پر مصنف کا تعاقب

ہم نے قرآن مجید سے القصص: ۳۰۔ ۳۲، ۳۵ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کا ذکر کیا ہے اور اس معجزہ کو اللہ تعالیٰ نے آیت اور بُرھان فرمایا ہے اور یہ معجزہ خلافِ فطرت واقع ہوا ہے، کیونکہ عام عادت اور فطرت یہ نہیں ہے کہ لاٹھی کو زمین پر مارا جائے تو وہ لاٹھی سانپ بن جائے، اور نہ یہ عادت اور فطرت ہے کہ کوئی شخص اپنے ہاتھ کو بغل میں ڈالے تو وہ چمکتا ہوا سفید بن جائے، لہٰذا قرآنِ مجید کی ان آیتوں میں حضرت سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزہ کا واضح ثبوت ہے۔

نیز ہم قرآن مجید کی یہ آیت پیش کر چکے ہیں، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ--- (البقرہ: ۶۰)'' (اور (یاد کیجئے) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی (کے حصول) کی دعا کی، پس ہم نے فرمایا: آپ اپنا عصا فلاں پتھر پر ماریں، سو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، بے شک (بنی اسرائیل کے) ہر قبیلہ نے اپنے اپنے پانی پینے کی جگہ (گھاٹ) کو جان لیا، تم سب اللہ کے رزق سے کھاؤ اور پیو)۔

سو ہم سر سید احمد خان کے جواب میں لکھتے ہیں: پتھر پر لاٹھی مارنا اور اس سے پانی نکل آئے یہ کوئی عام قاعدہ نہیں ہے اور نہ عام فطرت کے مطابق ہے، اگر یہ عام قاعدہ اور فطرت کے مطابق ہوتو ہر انسان پتھر پر لاٹھی مارے تو اس سے پانی نکل آئے لیکن ایسا نہیں ہوتا، اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جب پتھر پر لاٹھی ماری اور اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے تو اُن کا یہ فعل خلافِ قاعدہ اور خلافِ فطرت تھا اور یہی معجزہ ہے۔ سو قرآنِ مجید سے معجزہ ثابت ہو گیا۔

اسی طرح ہم نے صحیح البخاری: ۳۵۷۴ سے یہ حدیث پیش کی ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ پر اپنی چار انگلیاں رکھیں تو اُن سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے اور یہ فعل بھی عام قاعدہ اور فطرت کے خلاف ہے ورنہ ہر شخص کے لیے یہ ممکن ہو کہ وہ

پیالہ پر چار انگلیاں رکھے تو اس سے چشمے پھوٹ پڑیں، پس اس حدیث سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ثابت ہوگیا، ہوسکتا ہے سرسید احمد خان اور اس کے متبعین اس حدیث کا انکار کردیں، سو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور معجزہ قرآن مجید سے پیش کررہے ہیں:

قرآنِ مجید میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۝۸۸ --- (بنی اسرائیل: ۸۸)'' (اے رسولِ اکرم! آپ کہیے: اگر تمام انسان اور جنات اس قرآن کی مثل لانے پر جمع ہوجائیں تو وہ اس کی مثل نہ لاسکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوجائیں O)، نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۲۳ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۝۲۴ --- (البقرہ: ۲۳۔۲۴)'' (اور اگر تم اس قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کے متعلق کسی شک میں مبتلاء ہو جس کو ہم نے اپنے بندہ (محمد عربی) پر نازل فرمایا ہے تو اس قرآن کی مثل کوئی ایک سورت بنا کر لے آؤ، اور (اس کام کے لیے) اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو، اگر تم سچے ہو O پھر اگر تم (ایسا) نہ کرسکو اور تم ہرگز نہ کرسکو گے تو (دوزخ کی) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو کافروں (کے عذاب) کے لیے تیار کی گئی ہے O)۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا کلام نازل فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا کلام کسی انسان پر نازل ہونا عام قانونِ فطرت اور عام طریقہ عادت کے خلاف ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَكِیْمٌ ۝۵۱ وَ كَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۵۲ --- (الشوریٰ: ۵۱۔۵۲)'' (اور کسی بشر کے یہ لائق نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام فرمائیں سوا وحی کے یا پردہ کے پیچھے سے یا اپنا کوئی فرشتہ بھیج دیں، جو اس کے حکم سے اس پیغام کو پہنچادے جو اللہ چاہیں، بے شک اللہ بہت بلند، بڑی حکمت والے ہیں O اور (اے رسولِ اکرم!) اسی طرح ہم نے آپ کی طرف روح کی اپنے حکم سے وحی فرمائی (نزولِ وحی سے پہلے) آپ ازخود یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ کتاب کے کیا تفصیلی احکام ہیں لیکن ہم نے (اس کتاب کو) نور بنادیا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں ہدایت فرماتے ہیں، اور (اے رسولِ اکرم!) بے شک آپ ضرور سیدھے راستہ کی طرف چلانے والے ہیں O)۔

ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر قرآن مجید سے دلائل

الشوریٰ: ۵۱، ۵۲ سے یہ واضح ہوگیا کہ کسی عام انسان پر اللہ عزوجل کے کلام کا نزول عادت اور فطرت کے مطابق نہیں ہے، بلکہ عام فطرت اور عادت کے خلاف اللہ عزّ اسمہ اپنے کلام کو براہِ راست نبی کے سینہ پر یا اس کے دل پر نازل فرماتے ہیں، یا حجاب کی اوٹ سے اس سے کلام فرماتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حجاب کی اوٹ سے کلام فرمایا، یا اللہ عزوجل نبی علیہ السلام کی طرف اپنے فرشتہ حضرت جبریل علیہ السلام کو نازل فرماتے ہیں، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۹۲ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ۝۱۹۳ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ۝۱۹۴ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ۝۱۹۵ --- (الشعراء: ۱۹۲۔۱۹۵)'' (اور بے شک وہ (قرآن

مجید) رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے O جسے الروح الامین (جبریل) نے نازل کیا O آپ کے قلب پر تا کہ آپ عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں O کھلی عربی زبان میں O)۔ یا اللہ تعالیٰ نبی کی طرف حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجتے ہیں اور وہ آپ کے پاس اللہ کا حکم پہنچاتے ہیں۔

قرآنِ مجید کا پہلا معجزہ کہ کوئی اس کی نظیر نہیں لا سکتا

ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن کریم ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو ظاہر فرمایا اور اس زمانہ کے تمام بلغاء کو للکارا اور چیلنج فرمایا کہ اگر وہ اس قرآن کو اللہ کا کلام نہیں مانتے تو اس کی مثل کلام بنا کر لے آئیں، وہ بلغاء انتہائی بلاغت کو پہنچے ہوئے تھے اس کے باوجود وہ قرآن مجید کی کسی چھوٹی سورت کی مثل لانے سے عاجز رہے حالانکہ وہ اس پر بہت حریص تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا ثابت کریں، انہوں نے کلام اللہ کی نظیر لانے کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے اور تلواروں سے مقابلہ کرنے کو اختیار کیا، اگر ان کے بس میں ہوتا کہ وہ قرآنِ مجید کی نظیر لا سکیں تو وہ قرآنِ مجید کی نظیر لاتے، اور متعدد مواقع پر آپ سے لڑنے اور ہلاک ہونے سے احتراز کرتے، اور اب جب کہ چودہ صدیاں گزر چکی ہیں اور دینِ اسلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین بہت زیادہ ہیں اور لغت اور علم وفن میں بہت ترقی ہو چکی ہے اور فصاحت اور بلاغت پر متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں، سو اگر کسی مخالف کے لیے یہ ممکن ہوتا کہ وہ قرآنِ مجید کی کسی سورت کی مثل لا سکے تو وہ ضرور لے آتا، اور جب چودہ سو سال کے باوجود کوئی قرآن مجید کی کسی ایک سورت کی مثل بھی نہیں لا سکا جو فصاحت و بلاغت میں انتہائی درجہ پر ہو اور اس میں غیب کی خبر ہو اور مستقبل کی ایسی پیشین گوئی ہو جس کا پورا ہونا متعدد خبروں اور واقعات سے واضح ہو چکا ہو تو معلوم ہوا کہ قرآنِ مجید کا یہ دعویٰ برقرار ہے کہ کوئی اس کی مثل نہیں لا سکتا۔

قرآنِ مجید کا دوسرا معجزہ کہ اس کی آیتوں میں کوئی آیت کم نہیں ہو سکتی

نیز قرآنِ مجید کی صورت میں دوسرا معجزہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝ --- (الحجر:۹)'' (بے شک ہم ہی نے قرآنِ مجید نازل فرمایا اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں O)۔ یہ آیت اس دعویٰ کو متضمن ہے کہ قرآنِ مجید میں سے کسی آیت کی کمی نہیں ہو سکتی۔

قرآنِ مجید کا تیسرا معجزہ کہ کوئی قرآن مجید کی آیات میں اپنی طرف سے کوئی آیت بنا کر نہیں داخل کر سکتا

قرآن مجید کی صورت میں تیسرا معجزہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں سے کسی آیت کی کمی نہیں ہو سکتی، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ۝ --- (حم السجدہ:۴۲)'' (قرآن کے پاس باطل نہیں آ سکتا نہ اس کے سامنے سے اور نہ اس کے پیچھے سے، (قرآن) بہت حکمت والے، خوب حمد کیے ہوئے کی طرف سے نازل فرمایا ہوا ہے O)۔

قرآنِ مجید کی ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں اور ہر سورت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ دعویٰ ہے کہ نہ اس سورت کی کوئی مثل لا سکتا ہے اور نہ اس سورت میں کسی آیت کی کمی ہو سکتی ہے اور نہ اس سورت میں کوئی شخص اپنی طرف سے کوئی آیت بنا کر ڈال سکتا ہے، سو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہوئی ایک سو چودہ سورتوں میں سے جب ہر سورت کے متعلق یہ تین دعاوی ہیں اور آج تک کوئی بھی ان میں سے کسی ایک دعویٰ کو جھوٹا ثابت نہیں کر سکا تو گویا قرآن مجید کی سورتوں کے ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تین سو بیالیس معجزات ہیں، بلکہ ہم کہتے ہیں: اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ''فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ○ ... (الطور: ۳۴)'' (سو انہیں چاہیے کہ وہ اس قرآن کی کسی آیت کی مثل بنا کر لے آئیں اگر وہ سچے ہیں○)۔

قرآنِ مجید کی چھ ہزار دو سو چھتیس (۶۲۳۶) آیات ہیں، اور ہر آیت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تین معجزوں پر مشتمل ہے یعنی قرآن مجید کی کسی آیت کی نہ کوئی مثل لا سکتا ہے نہ قرآن مجید کی کسی آیت میں کوئی کمی کر سکتا ہے، نہ قرآن مجید کی کسی آیت میں کوئی اضافہ کر سکتا ہے، اور چودہ صدیاں گزر چکی ہیں اور قرآن مجید کی کسی آیت کی کوئی مخالف نہ مثل لا سکا نہ اس میں کوئی کمی کر سکا اور نہ اس میں کوئی اضافہ کر سکا، پس ثابت ہو گیا کہ قرآنِ مجید کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھارہ ہزار سات سو آٹھ (۱۸۷۰۸) معجزات ہیں۔ فالحمد للہ رب العالمین!

عیسائیوں کے خود ساختہ قرآن بہ نام ''الفرقان الحق'' کا بطلان

۲۰۰۱ء میں یورپ کے عیسائیوں نے ایک کتاب چھاپی ہے جس کا نام انہوں نے ''THE TRUE FURQAN'' (الفرقان الحق) رکھا ہے، اس کے متعلق ان کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ کتاب بھی قرآن مجید کی مثل ہے، اس میں انہوں نے ستتر (۷۷) سورتیں درج کی ہیں، اس کتاب کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ یہ قرآن مجید کی مثل ہے اور قرآن مجید نے جو یہ چیلنج دیا ہے کہ قرآن کی مثل کوئی نہیں بنا سکتا، سو ہم نے اس چیلنج کو توڑ دیا ہے اور قرآن مجید کی مثل ''الفرقان الحق'' پیش کی ہے۔

میں کہتا ہوں: ''الفرقان الحق'' کی ستتر (۷۷) سورتوں میں سے کوئی ایک سورت بھی فصاحت و بلاغت کے انتہائی درجہ پر ہے نہ اس میں کوئی غیب کی خبر ہے اور نہ کوئی پیش گوئی ہے، میں ''الفرقان الحق'' کی سورۃ النساء کی آیت بارہ (۱۲) پیش کر رہا ہوں اور اس پر اپنا تبصرہ کر رہا ہوں۔

''تهددونهن بالطلاق والتسريح والتبديل تقولون لهن: عسى الله ان طلقنا كن ان يبدلنا ازواجا خيرا منكن ثيبا وابكارا'' (الفرقان الحق، سورۃ النساء، آیت: ۱۲)

(12. Yes, you threaten them with divorce, letting them go, or even exchanging them, pronouncing, "It may be that if we divorce them God will give us instead better wives, both widows and virgins."

اردو ترجمہ: ''تم اپنی بیویوں کو طلاق کی دھمکی دیتے ہو اور چھوڑنے کی دھمکی دیتے ہو اور دوسری بیویوں کو ان سے تبدیل کرنے کی دھمکی دیتے ہو، تم ان سے کہتے ہو: عنقریب اگر ہم نے تم کو طلاق دے دی تو اللہ ہمیں اس کے بدلہ میں دوسری بیویاں دے گا جو تم سے بہتر ہوں گی جو بیوہ ہوں گی اور کنواریاں ہوں گی''۔

یہ آیت فصاحت و بلاغت کے انتہائی درجہ پر کیا ہوتی فی نفسہ صحیح بھی نہیں ہے، کیونکہ پہلے تین چیزوں کا ذکر کیا ہے: (۱) طلاق کا (۲) چھوڑنے کا (۳) اور تبدیل کرنے کا۔ اب اس کے جواب میں بھی تین چیزوں کا ذکر ہونا چاہیے تھا، لیکن اس کے جواب میں

صرف ایک چیز یعنی طلاق کا ذکر ہے، چھوڑنے اور تبدیل کرنے کا ذکر نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص یہاں یہ سوال کرے کہ قرآن مجید کی سورۂ تحریم میں بھی صرف ''طلاق'' کا ذکر ہے ''عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنۡ طَلَّقَكُنَّ'' اور چھوڑنے اور تبدیل کرنے کا ذکر نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ الفرقان الحق میں پہلے تین چیزوں کا ذکر کیا ہے: طلاق کی دھمکی دینا، چھوڑنا اور دوسری بیویوں سے تبدیل کرنا، اس لیے یہاں پر بعد میں ان تین چیزوں کا ذکر ہونا چاہیے تھا جب کہ صرف ایک چیز طلاق کا ذکر ہے اور سورۂ تحریم میں پہلے تین چیزوں کا ذکر نہیں ہے، اس لیے الفرقان الحق کی آیت صحیح نہیں ہے اور قرآنِ مجید سے اس کا معارضہ کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔

نیز اس میں ''ازواجا'' جمع کا صیغہ ہے لہٰذا اس کے مقابلہ میں بھی جمع ہونا چاہیے تھا، حالانکہ اس کے مقابلہ میں ''ثیّبا'' واحد ہے اور ''ابکارا'' جمع کا صیغہ ہے اور اس آیت میں انہوں نے جمع کا عطف واحد پر کیا ہے اور یہ قاعدہ کے خلاف ہے، چاہیے تھا کہ جب معطوف علیہ میں ''ابکارا'' جمع ہے تو معطوف میں بھی جمع کا صیغہ ہوتا، لیکن معطوف علیہ میں ''ثیّبا'' واحد کا صیغہ ہے، اس کے برخلاف قرآن مجید میں اس طرح ہے: ''عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنۡ طَلَّقَكُنَّ اَنۡ يُّبۡدِلَهٗۤ اَزۡوَاجًا خَيۡرًا مِّنۡكُنَّ مُسۡلِمٰتٍ مُّؤۡمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبۡكَارًا ۝'' (التحریم: ۵) (اگر وہ (نبی علیہ السلام) تمہیں طلاق دے دیں تو بعید نہیں کہ ان کے رب بدل دیں ان کے لیے تم سے بہتر بیویاں فرمانبردار، ایمان دار، باادب، توبہ شعار، عبادت گزار، روزہ دار، شوہر دیدہ اور (بعض) کنواریاں ○)۔ سو یہ آیت فی نفسہٖ صحیح نہیں ہے چہ جائیکہ یہ آیت فصاحت و بلاغت کے انتہائی درجہ پر ہوتی، نیز ''الفرقان الحق'' میں ستتر (۷۷) سورتیں درج کی ہیں اور کوئی ایک سورت بھی ایسی نہیں ہے جس کی کسی آیت میں کوئی غیب کی خبر ہو یا کسی آیت میں مستقبل کی کوئی پیش گوئی ہو۔

قرآن مجید میں ''ثَيِّبٰتٍ وَّاَبۡكَارًا ۝'' ہے، اور معطوف میں ''اَبۡكَارًا'' جمع ہے اسی طرح معطوف علیہ میں ''ثَيِّبٰتٍ'' بھی جمع ہے، ان لوگوں نے قرآن مجید کی نقل میں آیت بنائی لیکن ان سے چوک ہوگئی اور ''ثَيِّبٰتٍ وَّاَبۡكَارًا ۝'' کی جگہ انہوں نے ''ثیبا و ابکارا'' لکھا، سو یہ آیت قواعدِ عربیہ کے اعتبار سے صحیح بھی نہیں ہے، اس کا فصاحت و بلاغت کے انتہائی درجہ پر ہونا تو بہت دور کی بات ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزات کے متعلق احادیث

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے کسی سفر میں روانہ ہوئے، آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب میں سے چند لوگ تھے، وہ سفر کر رہے تھے کہ نماز کا وقت آ گیا اور انہیں وضو کرنے کے لیے پانی نہیں ملا، پس ان لوگوں میں سے ایک شخص گیا اور ایک پیالہ میں تھوڑا سا پانی لایا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس پیالہ کے پانی سے وضو کیا، پھر آپ نے اپنے ہاتھ کی چار انگلیوں کو پیالہ پر رکھا، پھر فرمایا: اٹھو! پس وضو کرو تو لوگوں نے وضو کیا حتیٰ کہ جو لوگ وضو کرنا چاہتے تھے سب نے وضو کر لیا اور وہ لوگ ستر (۷۰) یا اسی (۸۰) کی مثل تھے۔ (صحیح البخاری: ۳۵۷۴، مسند احمد: ۱۲۸۵۴)

(۲) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (صلح) حدیبیہ کے دن لوگوں کو پیاس لگی ہوئی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے چمڑے کا ایک چھوٹا سا ڈول تھا، آپ نے اس سے وضو کیا، پس لوگ اس میں پانی لینے کے لیے جھپٹ پڑے۔ آپ نے پوچھا:

تمہیں کیا ہوا ہے؟ انہوں نے بتایا: ہمارے پاس وضو کرنے کے لیے اور پینے کے لیے پانی نہیں ہے سوا اس ڈول کے جو آپ کے سامنے ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ڈول میں اپنا ہاتھ رکھا تو آپ کی انگلیوں سے جوش کے ساتھ اس طرح پانی نکلنے لگا جس طرح چشموں سے پانی نکلتا ہے، سو ہم نے پانی پیا (بھی) اور وضو (بھی) کیا۔ راوی نے کہا: میں نے پوچھا: آپ لوگ کل کتنے تھے؟ انہوں نے کہا: اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو ہمیں وہ پانی کافی ہو جاتا لیکن ہم پندرہ سو افراد تھے۔

(صحیح البخاری: ۳۵۷۶، ۴۱۵۲، ۴۱۵۳، ۴۱۵۴، ۴۸۴۰، ۵۶۳۹، صحیح مسلم: ۱۸۵۶، الرقم المسلسل: ۴۷۰۶، مسند احمد: ۱۴۱۱۳)

(۳) حضرت البراء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم (صلح) حدیبیہ کے دن چودہ سو افراد تھے اور حدیبیہ ایک کنواں ہے، ہم نے اس سے تمام پانی نکال لیا حتیٰ کہ ہم نے اس میں ایک قطرہ بھی نہیں چھوڑا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کنویں کی منڈیر پر بیٹھ گئے، آپ نے پانی منگوا کر کلی کی، پھر اس کنویں میں کلی کر دی، پھر ہم تھوڑی دیر ٹھہرے، پھر ہم نے (اس کنویں سے) پانی پیا حتیٰ کہ ہم سیراب ہو گئے اور ہمارے اونٹ بھی سیراب ہو گئے یا پانی پی کر لوٹ گئے۔ (صحیح البخاری: ۳۵۷۷، ۴۱۵۰، ۴۱۵۱، مسند احمد: ۱۸۰۹۲)

(۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی اس میں کمزوری تھی، میں نے اس میں بھوک کو محسوس کیا، کہا: پس تمہارے پاس (کھانے کی) کوئی چیز ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! پس انہوں نے جو کی چند روٹیاں نکالیں، پھر اپنا دوپٹہ نکالا، پھر اس میں کچھ روٹیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ لپیٹ دیا، اور اس دوپٹہ کے دوسرے حصہ کو میرے ہاتھ کے نیچے دبا دیا اور اس کو نہیں موڑا، پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا۔ میں اس کو لے گیا، پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں دیکھا، آپ کے ساتھ (اور) لوگ بھی تھے، میں ان کے پاس کھڑا ہو گیا، پس مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کو ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھانے کے ساتھ؟ میں نے کہا: جی ہاں! پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے فرمایا جو آپ کے ساتھ تھے: اٹھو! پھر آپ چل پڑے اور میں ان کے سامنے سے چل پڑا حتیٰ کہ میں حضرت ابوطلحہ کے پاس پہنچا اور میں نے ان کو خبر دی، پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ام سلیم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی لوگوں کو لے کر آ رہے ہیں اور ہمارے پاس اتنا کھانا نہیں ہے جو انہیں کھلا دیں! حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں، پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ چل پڑے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی، پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام سلیم! ادھر آؤ، تمہارے پاس کیا ہے؟ تو وہ ان روٹیوں کو لے کر آئیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان روٹیوں کو چورا کرنے کا حکم دیا اور حضرت ام سلیم نے (گھی کی) کپی کو نچوڑا تو وہ سالن بن گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ نے چاہا اس پر پڑھا، پھر آپ نے فرمایا: دس آدمیوں کو آنے کی اجازت دو، سو انہوں نے اجازت دی۔ پس انہوں نے کھایا، وہ سیر ہو گئے، پھر وہ نکل گئے، پھر آپ نے فرمایا: دس (اور) آدمیوں کو اجازت دو، سو انہوں نے کھایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے پھر وہ چلے گئے، پھر آپ نے فرمایا: دس (مزید) آدمیوں کو اجازت دو، انہوں نے اجازت دی، پس انہوں نے کھایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے، پھر وہ نکل گئے، پھر آپ نے فرمایا: دس (اور) آدمیوں کو اجازت دو، پس تمام لوگوں نے کھانا کھا لیا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے اور وہ لوگ ستر (۷۰) یا اسی (۸۰) مرد تھے۔

(صحیح البخاری: ۳۵۷۸، صحیح مسلم: ۲۰۴۰، سنن ترمذی: ۳۶۳۰، موطا امام مالک: ۱۷۲۵)

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں اہل مدینہ پر قحط آ گیا، پس جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے ایک مرد کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! گھوڑے (بھوک سے) مر گئے اور بکریاں مر گئیں، سو آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ ہم پر بارش نازل فرمائیں، پس آپ نے اپنے ہاتھ بلند کئے اور دعا کی، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اس وقت آسمان شیشہ کی طرح شفاف تھا، پھر پر جوش ہوا چلی اور اس نے بادلوں کو اٹھایا، پھر وہ بادل جمع ہوئے، پھر آسمان نے اپنے دہانے کھول دیئے اور (زوردار) بارش ہوئی حتیٰ کہ ہم بارش میں ڈوبتے ہوئے چل رہے تھے یہاں تک کہ ہم اپنے گھروں میں پہنچے، پھر دوسرے جمعہ تک مسلسل بارش ہوتی رہی، پھر وہی مرد کھڑا ہوا یا کوئی دوسرا شخص، پس اس نے کہا: یارسول اللہ! مکانات منہدم ہو گئے، سو آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ اس بارش کو روک دیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے، پھر آپ نے دعا کی: ہمارے اردگرد بارش ہو، ہم پر بارش نہ ہو، پس میں نے بادلوں کی طرف نظر کی تو وہ مدینہ کے گرد پھٹ چکے تھے گویا کہ مدینہ (زروجواہر سے مرصع) تاج کی طرح ہو گیا تھا۔ (صحیح البخاری: ۳۵۸۲، صحیح مسلم: ۸۹۷، سنن نسائی: ۱۵۱۷، سنن ابوداؤد: ۱۱۷۴، مسند احمد: ۱۲۶۰۴)

(۶) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسجد کی چھت کھجور کے تنوں کی چھت سے بنی ہوئی تھی، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خطبہ دیتے تو کھجور کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا لیتے، سو جب آپ کے لیے منبر بنا دیا گیا اور آپ اس پر تشریف فرما ہو گئے تو ہم نے اس تنے کی آواز سنی جیسے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی اپنے بچے کے فراق میں روتی ہے حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور آپ نے اپنا دست مبارک اس کے اوپر رکھا، پھر وہ تنا پرسکون ہو گیا۔ (صحیح البخاری: ۳۵۸۵، سنن ابن ماجہ: ۱۴۱۷، سنن دارمی: ۳۴)

(۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو (کئی روز) نہیں دیکھا، تب ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ! میں آپ کو اس کی خبر لا کر دوں گا، تو وہ حضرت ثابت کے پاس گئے، پس انہوں نے دیکھا وہ اپنے گھر میں سر جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں، انہوں نے پوچھا: آپ کو کیا ہوا ہے؟ تو انہوں نے بتایا: بہت برا ہوا ہے، انہوں نے کہا کہ بات کرتے ہوئے ان کی آواز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے بلند ہوتی ہے، سو ان کے (نیک) عمل ضائع ہو گئے اور وہ اہل دوزخ میں سے ہیں، پھر اس مرد نے آ کر آپ کو خبر دی کہ حضرت ثابت نے اس طرح کہا ہے، پس موسیٰ بن انس نے بیان کیا کہ وہ مرد دوبارہ ان کے پاس بہت بڑی خوش خبری لے کر گیا، آپ نے فرمایا: تم اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ تم اہل دوزخ میں سے نہیں بلکہ اہل جنت میں سے ہو۔ (صحیح البخاری: ۳۶۱۳، صحیح مسلم: ۱۱۹، الرقم المسلسل: ۳۱۵، مسند ابویعلیٰ: ۳۳۳۱، صحیح ابن حبان: ۷۱۶۸، سنن کبریٰ: ۸۲۲۷، مسند احمد: ۱۲۳۹۹، ج ۱۹ ص ۳۹۱، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(۸) مجھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس وقت میں سویا ہوا تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے دونوں ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہیں تو مجھے ان دونوں کی وجہ سے غم ہوا، پس خواب میں میری طرف یہ وحی کی گئی کہ میں ان پر پھونک ماروں، سو میں نے پھونک ماری تو وہ دونوں کنگن اڑ گئے، تو میں نے اس کی یہ تعبیر لی کہ میرے بعد دو جھوٹوں کا ظہور ہوگا، ان میں سے ایک العنسی ہے اور دوسرا مسیلمہ کذاب صاحب الیمامہ ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۶۲۱، ۴۳۷۴، ۴۳۷۵، ۷۰۳۴، ۷۰۳۷، صحیح مسلم: ۲۲۷۴، الرقم المسلسل: ۵۸۳۰، سنن ترمذی: ۲۲۹۲، سنن ابن ماجہ: ۳۹۲۲، مسند احمد: ۲۷۴۶۹)

(۹) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ وہ ان کو کوئی معجزہ دکھائیں تو

آپ نے انہیں چاند کو شق کر کے دکھایا۔

(صحیح البخاری: ۳۶۳۷، ۳۸۶۸، ۴۸۶۷، ۴۸۶۸، صحیح مسلم: ۲۸۰۲، الرقم المسلسل: ۶۹۷۰، سنن ترمذی: ۳۲۹۷)

(۱۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں چاند شق ہو گیا۔

(صحیح البخاری: ۳۶۳۸، ۳۸۷۰، ۴۸۶۶، صحیح مسلم: ۲۸۰۳، الرقم المسلسل: ۶۹۷۳)

(۱۱) امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری اور امام احمد بن حسین بیہقی نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصر کی نماز قضاء ہو گئی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی تو سورج لوٹ آیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز عصر پڑھ لی، پھر سورج غروب ہو گیا۔ (مشکل الآثار للطحاوی: جزء ۴ ص ۲۶۸، رقم الحدیث: ۳۸۵۰، شرح مشکل الآثار: ۱۰۶۷، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۷ھ، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۲ ص ۹۱، التاریخ الکبیر ج ۱ ص ۲۷۹، شمائل الرسول لابن کثیر ص ۱۴۴۔۱۴۵، ابن الجوزی فی الموضوعات ج ۱ ص ۳۵۵، الطبرانی ج ۲۴ ص ۳۹۰۔۳۹۱، الضعفاء للعقیلی ج ۳ ص ۳۲۷۔۳۲۸، مجمع الزوائد للہیثمی ج ۸ ص ۲۹۷، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۳۸۶، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۷۰۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

(۱۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ سے بہ کثرت احادیث سنتا ہوں، پس ان کو بھول جاتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی چادر پھیلاؤ، سو میں نے اپنی چادر پھیلائی، آپ نے اپنے ہاتھ سے (ہوا میں) ایک لپ بھر کر اس میں ڈال دیا، پھر فرمایا: (اس چادر کو اپنے ساتھ) ملا لو، سو میں نے اس چادر کو (اپنے سینہ کے ساتھ) ملا لیا، پھر اس کے بعد میں آپ کی کوئی حدیث نہیں بھولا۔ (صحیح البخاری: ۳۶۴۸، صحیح مسلم: ۲۴۹۲، مسند احمد: ۷۲۳۳)

(۱۳) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب خندق کھودی گئی میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شدید بھوک دیکھی تو میں اپنی بیوی کی طرف مڑا، پس میں نے کہا: کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شدید بھوک کا اثر دیکھا ہے، پس اس نے میری طرف اپنا تھیلا نکالا جس میں ایک صاع (چار کلوگرام) جَو تھے اور ہمارے پاس ایک بکری کا بچہ تھا، سو میں نے اس کو ذبح کیا اور (میری بیوی نے) جَو کو پیسا، پس میری بیوی میرے بکری کے بچے کو ذبح کرتے ہوئے جَو پیس کر فارغ ہو گئی اور میں نے گوشت کے ٹکڑے کر کے اس کو دیگچی میں ڈالا، پھر میں مڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک گیا، میری بیوی نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے سامنے شرمندہ نہ کرنا، سو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے چپکے سے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اپنے بکری کے بچہ کو ذبح کیا ہے اور ہم نے ایک صاع جَو پیس لیے ہیں جو ہمارے پاس تھے، سو آپ تشریف لائیں اور چند اصحاب آپ کے ساتھ ہوں، تب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا: اے اہلِ خندق! جابر نے تمہارے لیے کچھ تیار کیا ہے، سو تم آؤ! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم دیگچی کو (چولہے سے) نہ اتارنا اور نہ روٹی پکانا شروع کرنا حتیٰ کہ میں پہنچ جاؤں، پھر میں آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی لوگوں کے ساتھ تشریف لائے حتیٰ کہ میں اپنی بیوی کے پاس آیا، اس نے کہا: اللہ تمہارے ساتھ برا کرے! (تم اتنے لوگوں کو لے کر آ گئے اور کھانا تھوڑا ہے!) میں نے بتایا کہ میں نے وہی کیا تھا جو تم نے کہا تھا، میری بیوی آپ کے سامنے گوندھا ہوا آٹا لائی، آپ نے اس میں اپنا لعاب مبارک ڈالا اور برکت کی دعا کی، پھر آپ نے ہماری دیگچی کا قصد کیا اور اس میں اپنا لعاب مبارک ڈالا اور برکت کی دعا کی، پھر فرمایا: روٹی پکانے والی کو بلاؤ جو تمہارے ساتھ روٹیاں پکائے اور اپنی

دیگچی سے پیالہ میں سالن ڈالو اور دیگچی کو چولہے سے نہ اتارنا، اور وہ (اہل خندق) ایک ہزار تھے، پس میں اللہ کی قسم کھا کر بتاتا ہوں کہ ان سب نے کھانا کھالیا حتیٰ کہ بچا دیا اور وہ واپس چلے گئے اور ہماری دیگچی میں سالن پہلے کی طرح اُبل رہا تھا اور ہمارے گوندھے ہوئے آٹے سے اسی طرح روٹیاں پک رہی تھیں۔ (صحیح البخاری: ۴۱۰۲)

(۱۴) حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے والد (حضرت عازب بن الحارث رضی اللہ عنہ) کے پاس ان کے گھر آئے اور ان سے ایک پالان خریدا، پس حضرت عازب رضی اللہ عنہ سے کہا: اپنے بیٹے کو میرے ساتھ بھیجیں کہ وہ یہ پالان اٹھا کر لے چلیں، حضرت البراء رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس پالان کو اٹھا کر ان کے ساتھ لے گیا اور میرے والد اس کی قیمت کے روپے پرکھوانے گئے، پھر ان سے میرے والد نے کہا: اے ابوبکر! مجھے بتائیں کہ آپ دونوں نے اس رات کیا کیا تھا جب آپ رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم اس ساری رات سفر کرتے رہے، پھر دن میں بھی سفر کرتے رہے حتیٰ کہ دوپہر ہوگئی اور راستہ بالکل سنسان تھا، وہاں سے کوئی شخص نہیں گزر رہا تھا، پھر ہمیں بہت لمبی چٹان دکھائی دی، اس کا سایا تھا جس پر دھوپ نہیں تھی، ہم وہاں ٹھہرے اور میں نے اپنے ہاتھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک جگہ صاف کی جس پر آپ سوئیں اور اس پر میں نے ایک چادر بچھادی اور میں نے کہا: یارسول اللہ! آپ سو جائیں اور میں آپ کے لیے اردگرد کی جگہ کا خیال رکھتا ہوں، پس آپ سو گئے اور میں آپ کے اردگرد پہرہ دینے لگا، اس وقت میں نے دیکھا ایک چرواہا اپنی بکریوں کو لے کر اس چٹان کی طرف آرہا تھا اور اس کا بھی اس چٹان پر وہی ارادہ تھا جو ہمارا ارادہ تھا، میں نے اس سے پوچھا: تم کس کے غلام ہو؟ اس نے کہا: میں مکہ یا مدینہ والوں میں سے ایک شخص کا غلام ہوں، میں نے پوچھا: کیا تمہاری بکریوں میں دودھ ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! میں نے پوچھا: کیا تم میرے لیے دودھ دوہو گے؟ اس نے کہا: جی ہاں! پس اس نے بکری پکڑی، میں نے کہا: اس کے تھن کو مٹی اور بالوں سے اور تنکوں سے صاف کرلو، ابواسحاق راوی نے کہا کہ میں نے حضرت البراء کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر تھن کو صاف کرنے کی کیفیت بیان کی، پس اس چرواہے نے لکڑی کے ایک پیالہ میں دودھ دوہا، میرے ساتھ چمڑے کا ایک مشکیزہ تھا جس کو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اٹھا کر لایا تھا، آپ اس سے پانی پیتے تھے اور وضو کرتے تھے، پس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، سو میں نے آپ کو بیدار کرنا ناپسند کیا، پھر جب آپ (خود) بیدار ہو گئے تو میں آپ کے پاس آیا، پھر میں نے اس دودھ کے اوپر پانی ڈالا حتیٰ کہ اس کا نچلا حصہ ٹھنڈا ہو گیا، میں نے کہا: یارسول اللہ! (دودھ) پی لیجئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ آپ نے اتنا دودھ پیا حتیٰ کہ میں راضی ہو گیا، پھر آپ نے پوچھا: کیا ابھی کوچ کا وقت نہیں آیا؟ میں نے کہا: کیوں نہیں! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب سورج ڈھل گیا تو ہم نے کوچ کیا اور سراقہ بن مالک ہمارا پیچھا کر رہا تھا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اب تو یہ ہم تک پہنچ گیا ہے، آپ نے فرمایا: تم غم نہ کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہیں، پھر آپ نے اس کے خلاف دعا کی تو اس کا گھوڑا اس سمیت پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ میرا خیال ہے کہ زمین بہت سخت تھی، یہ شک راوی زہیر کو تھا، سراقہ نے کہا: میرا گمان ہے کہ آپ دونوں نے میرے خلاف دعا کی ہے، پس اب آپ دونوں میرے حق میں دعا کریں تو اللہ کی قسم! میں آپ دونوں کی تلاش میں آنے والوں کو لوٹا دوں گا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں دعا کی تو وہ نجات پا گیا، پھر سراقہ کو جو بھی شخص ملتا وہ اس سے کہتا: میں تلاش کر چکا ہوں وہ یہاں تک نہیں ہیں، اور اس کو جو شخص بھی ملتا وہ اس کو واپس کر دیتا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے

کہا: اس نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کر دیا۔ (صحیح البخاری: ۲۴۳۹، ۳۶۱۵، ۳۶۵۲، ۳۹۰۸، ۳۹۱۷، ۵۶۰۷، صحیح مسلم: ۲۰۰۹، الرقم المسلسل: ۵۱۳۲، مسند الحمیدی: ۵، مسند البزار: ۶، ۷، الطبری ج ۴ ص ۹۶)

امام بخاری نے اس حدیث کی یہاں اس لیے روایت کی ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کا ذکر ہے کہ آپ نے سراقہ کے خلاف دعاء ضرر کی تو اس کا گھوڑا زمین میں پیٹ تک دھنس گیا اور جب اس کی معذرت کے بعد اس کے حق میں دعا کی تو گھوڑا زمین سے نکل آیا اور یہ آپ کے دو معجزے ہیں۔

(۱۵) حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا، آپ نے فرمایا: ''تم اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اس نے کہا: میں اس کی طاقت نہیں رکھتا، آپ نے فرمایا: تم اس کی کبھی بھی طاقت نہیں رکھو گے'' اس نے صرف تکبر کی وجہ سے دائیں ہاتھ سے کھانے سے انکار کیا تھا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: پھر وہ اپنا ہاتھ اپنے مونہہ تک (کبھی بھی) نہیں اٹھا سکا۔ (صحیح مسلم: ۲۰۲۱، الرقم المسلسل: ۵۲۳۶)

(۱۶) امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے یہ بتایا کہ ان کے والد رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تھے اور ان پر ایک یہودی کا تیس وسق (سات ہزار دو سو کلوگرام) کھجوروں کا قرض تھا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس یہودی سے قرض کی ادائیگی میں مہلت طلب کی تو اس نے مہلت دینے سے انکار کیا، تب حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ اس یہودی سے میری سفارش کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے اس یہودی سے سفارش فرمائی کہ وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قرض میں ان کے باغ کے تمام پھل قبول کر لے، اس یہودی نے انکار کیا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں داخل ہوئے اور اس باغ میں چلے (یعنی درختوں کے گرد طواف کیا)، پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس باغ کی کھجوریں اتار کر اس یہودی کا قرض ادا کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واپس جانے کے بعد میں نے اس باغ کی کھجوریں اتاریں، پس تیس وسق پورے کر دیئے اور سترہ وسق (چار ہزار اسی کلوگرام) کھجوریں پھر بھی بچ گئیں، پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تا کہ آپ کو خبر دیں کہ تمام قرض ادا ہو گیا اور سترہ وسق کھجوریں پھر بھی بچ گئیں، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھ رہے تھے، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ کو کھجوروں کے زیادہ ہو جانے کی خبر دی تو آپ نے فرمایا: ابن الخطاب کو بھی اس کی خبر دو، حضرت جابر حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو اس کی خبر دینے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تو کھجوروں کے بڑھ جانے کو اسی وقت سمجھ گیا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درختوں کے گرد طواف فرمایا تھا کہ اب ضرور ان میں برکت دی جائے گی۔ (صحیح البخاری: ۲۳۹۶، سنن ابوداؤد: ۲۸۸۴، سنن ابن ماجہ: ۲۴۳۴)

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم ابن الخطاب یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر دو، تا کہ اس معجزہ کے علم سے ان کا ایمان زیادہ ہو کہ جو کھجوریں اس قرض کی ادائیگی کے لیے بھی ناکافی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چکر لگانے کی برکت سے وہ کھجوریں قرض ادا کرنے کے بعد بھی بچ گئیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قرض کی ادائیگی کے متعلق بے حد فکر مند تھے، اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ اپنا خاص کمال اپنے خاص محبین کو بتانا چاہیے تا کہ وہ خوش ہوں اور صاحب کمال سے ان کی محبت اور عقیدت میں اضافہ ہو۔ (سعیدی غفرلہ)

(۱۷) حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں حاضر تھے اور اس کے بعد تمام مشاہد میں حاضر رہے، غزوۂ بدر میں ان کی آنکھ نکل گئی تھی، دوسرا قول ہے کہ غزوۂ خندق میں نکلی تھی، تیسرا قول ہے کہ غزوۂ احد میں نکلی تھی، پھر ان کی آنکھ کا ڈھیلہ آنکھ سے نکل کر لٹکا ہوا تھا، صحابہ نے ارادہ کیا کہ اس کو کاٹ دیں، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، آپ نے ان کی آنکھ کے ڈھیلہ کو اپنے ہاتھ سے اٹھایا اور اس کی جگہ پر رکھ دیا، پھر اپنی مبارک ہتھیلی سے اس کو دبایا اور دعا کی اے اللہ! اس آنکھ کو حسن و جمال عطا فرما۔ پھر ان کی وہ آنکھ دونوں آنکھوں میں سے زیادہ خوبصورت تھی، اور اس کے بعد ان کی آنکھ میں کبھی تکلیف نہیں ہوئی۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج ۳ ص ۳۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

یہ حدیث درج ذیل کتب میں بھی مذکور ہے:

(الاصابہ: ۷۰۹۱، اسد الغابہ: ۴۲۷۷، التاریخ الکبیر ج ۲ ص ۱۸۵۔ ۱۸۴، الجرح والتعدیل ج ۷ ص ۱۳۲، تاریخ ابن عساکر ج ۱۴ ص ۲۰۰، تہذیب الکمال: ۱۱۳۰، تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۵۷، خلاصۃ تذہیب الکمال: ۳۱۵)

حافظ عزالدین ابن الاثیر ابی الحسن علی بن محمد الجزری المتوفی ۶۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

الحارث بن عبید از جد خود روایت کرتے ہیں: کہ میرے والد کی آنکھ غزوۂ احد میں نکل گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا لعاب دہن لگایا تو وہ دونوں آنکھوں میں سے زیادہ خوبصورت آنکھ تھی۔

نیز حافظ ابن اثیر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں از حضرت قتادہ بن نعمان، ان کی آنکھ غزوہ بدر میں نکل گئی، پس اس کا ڈھیلہ ان کے رخسار پر لٹکا ہوا تھا، پس صحابہ نے ارادہ کیا کہ اس کو کاٹ دیں، تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: نہیں! پھر آپ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کی آنکھ کے ڈھیلہ کو اپنی ہتھیلی سے دبایا، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پس مجھے پتا نہیں چلتا تھا کہ میری کونسی آنکھ نکلی تھی۔

نیز حافظ ابن الاثیر اپنی تیسری سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں از عاصم بن عمر بن قتادہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ غزوۂ احد میں نکل گئی حتیٰ کہ ان کے رخسار پر گر گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی جگہ لگا دیا اور وہ دونوں آنکھوں میں سے زیادہ حسین آنکھ تھی۔ (اسد الغابہ ج ۴ ص ۳۷۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

بعض غیر محتاط واعظین اس حدیث کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قتادہ کی نکلی ہوئی آنکھ کو لگایا تو اس کی بینائی پہلے سے زیادہ تھی اور وہ پہلے سے زیادہ روشن تھی، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی آنکھ میں وہ روشنی نہیں تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی آنکھ میں روشنی تھی۔

میں کہتا ہوں: یہ اندازِ بیان گستاخانہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں نقص کا موہم ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنی ایسی تعریف سے خوش نہیں ہوں گے جس تعریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا دیا جائے، حقیقت یہ ہے کہ پہلی آنکھ جو پیدائشی تھی وہ بھی اللہ کی عطا فرمائی ہوئی تھی اور دوسری آنکھ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن لگا کر لگائی وہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تھی، لیکن فرق یہ ہے کہ پہلی پیدائشی آنکھ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو والدین کے واسطہ سے ملی تھی، اور دوسری آنکھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے ملی تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ سب سے اقرب اور سب سے عمدہ وسیلہ ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(۵) کرامت: ولی اللہ، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل متبع جس کا علم عوام کے تمام پیش آمدہ مسائل کے حل پر محیط ہو اور اس کا عمل اس کے علم کے تقاضے کے مطابق ہو اور اسی کو اصطلاحِ شرع میں اللہ کا ولی کہتے ہیں، سو اللہ کے ولی کے لیے کوئی خلافِ عادت کام ظاہر کیا جائے جس سے اس کی ولایت ظاہر ہو جائے۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنو اسرائیل میں ایک شخص کو جریج کہا جاتا تھا، وہ نماز پڑھ رہا تھا، اس حال میں اس کے پاس اس کی ماں آئی اور اس کو بلایا، اس نے ماں کو جواب دینے سے انکار کیا اور (دل میں) کہا: ماں کو جواب دوں یا نماز پڑھوں؟ اس کی ماں پھر اس کے پاس آئی، پس دعا کی: اے اللہ! جریج کی روح اس وقت تک نہ قبض کرنا حتیٰ کہ یہ فاحشہ عورتوں کو دیکھ لے، اور جریج اپنے گرجے میں رہتا تھا تو ایک عورت نے کہا: میں جریج کو ضرور فتنہ میں ڈالوں گی، اس نے خود کو جریج پر پیش کیا اور اس سے بات کی تو جریج نے انکار کیا، پھر وہ ایک چرواہے کے پاس گئی اور اس کو اپنے اوپر قدرت دی، تو اس کے ہاں ایک بچہ پیدا ہو گیا، اس عورت نے کہا: یہ جریج سے پیدا ہوا ہے، پھر لوگ جریج کے پاس آئے اور اس کا گرجا توڑ ڈالا، اس کو گرجا سے نکال باہر کیا اور اس کی بہت مذمت کی، جریج نے وضوء کیا اور نماز پڑھی، پھر نوزائیدہ بچہ کے پاس جا کر کہا: اے لڑکے! تیرا باپ کون ہے؟ اس بچہ نے کہا: چرواہا ہے، لوگوں نے کہا: ہم آپ کے لیے سونے کا گرجا بنا دیتے ہیں، جریج نے کہا: نہیں! صرف مٹی کا بنا دو۔ (صحیح البخاری: ۱۲۰۶، ۲۴۸۲، ۳۴۳۶، ۳۴۶۶، صحیح مسلم: ۲۵۵۰، مسند احمد: ۸۰۶۸)

حدیث مذکور کے مسائل اور فوائد

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے اس حدیث کے حسب ذیل فوائد ذکر کیے ہیں:

(۱) والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی بہت اہمیت ہے اور ماں کی دعا اور بددعا دونوں قبول ہوتی ہیں۔

(۲) جب اللہ تعالیٰ کے نیک بندے کسی مشکل میں مبتلاء ہوں تو اللہ ان کے لیے مشکل سے نکلنے کی راہ پیدا فرما دیتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے: ''وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ ... (الطلاق: ۲)'' (اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے (مشکل حالات میں) کشادگی کی راہ پیدا فرما دیتے ہیں O)۔ اور ان سے جو شدت اور سختی طاری ہوتی ہے اس سے ان کا اجر زیادہ ہوتا ہے۔

(۳) جب کوئی مشکل پیش آئے تو وضوء کر کے نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔

(۴) وضوء کرنا ہماری امت سے پہلی امتوں میں بھی مشروع اور معمول تھا۔

(۵) اس میں اولیاء اللہ کی کرامات کا ثبوت ہے، اور یہی اہل سنت کا مذہب ہے، معتزلہ اس کے خلاف ہیں۔

(۶) بعض اوقات اولیاء اللہ کی کرامات ان کی طلب اور ان کے اختیار سے واقع ہوتی ہیں، یہی صحیح مذہب ہے۔

(علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۷ ص ۴۱۳ میں اور علامہ ابن حجر نے فتح الباری ج ۴ ص ۶۱۵ میں اس کو نقل کیا ہے)۔

(۷) کرامات ہر قسم کے خوارق کو شامل ہیں، بعض لوگوں نے کہا: اس کا تعلق صرف دعا قبول ہونے کے ساتھ ہے، یہ غلط ہے اور مشاہدہ کے خلاف ہے، بلکہ کرامات سے حقائق بدل جاتے ہیں اور کوئی چیز عدم سے وجود میں آ جاتی ہے۔

(صحیح مسلم بشرح نووی ج ۱۰ ص ۶۵۵۱، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

(۲) حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اصحابِ صفہ فقراء تھے اور ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے

پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے شخص کو کھلانے کے لیے اصحابِ صفہ میں سے کسی کو لے جائے، اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو تو وہ اصحابِ صفہ میں سے پانچ آدمیوں کو لے جائے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اصحابِ صُفہ میں سے تین کو لے گئے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ اصحابِ صُفہ میں سے دس آدمیوں کو لے گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رات کا کھانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھایا پھر وہیں ٹھہرے رہے حتیٰ کہ عشاء کی نماز پڑھ لی گئی، پھر لوٹ کر آئے، پھر ٹھہرے رہے حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھالیا، اور کافی رات کا حصہ گزرنے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر آئے تو ان کی بیوی نے ان سے پوچھا: آپ اپنے مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں رہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا آپ نے اُن کو کھانا نہیں کھلایا؟ اُن کی بیوی نے کہا: انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ آپ خود آ جائیں، سو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے اور قسم کھائی، اللہ کی قسم! میں اس کھانے کو کبھی نہیں کھاؤں گا اور اُن کی بیوی نے بھی قسم کھالی کہ وہ بھی اس کھانے کو نہیں کھائیں گی اور مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ وہ بھی اس کھانے کو نہیں کھائیں گے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ قسم شیطان کی طرف سے تھی، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی کھانا کھایا اور مہمانوں نے بھی کھانا کھایا، پس وہ اس کھانے میں سے ایک لقمہ کو اٹھاتے تو نیچے سے وہ کھانا اس سے بھی زیادہ بڑھ جاتا، تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے کہا: اے بنو فراس کی بہن! یہ کیا معاملہ ہے؟ ان کی بیوی نے کہا: مجھے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم! یہ کھانا تو پہلے کی بہ نسبت تین گنا زیادہ بڑھ گیا ہے، پھر اُن سب نے وہ کھانا کھایا اور وہ باقی کھانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر پیش کر دیا گیا، پھر بتایا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کھانے سے تناول فرمایا۔ (صحیح البخاری: ۶۰۲، ۳۵۸۱، ۶۱۴۰، ۶۱۴۱، صحیح مسلم: ۲۰۵۷، الرقم المسلسل: ۵۲۷۶، سنن ترمذی: ۱۸۲۰، سنن ابن ماجہ: ۳۲۵۵، سنن دارمی: ۲۰۴۴، مسند احمد: ۱۷۰۴)

میں کہتا ہوں: ستمبر ۱۹۹۰ء میں میں مفتی سید شجاعت علی قادری رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں برطانیہ کے تبلیغی دورے پر گیا، وہاں ایک دن صبح کے وقت ہم صاحبزادہ حبیب الرحمٰن زید حبہٗ کے ہاں ناشتہ کے دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے، صاحبزادہ حبیب الرحمٰن ایک پلیٹ میں کوئی مخصوص چیز رکھ کر کھا رہے تھے جو دوسروں کو نہیں دی تھی، میں نے کہا: مجھے بھی اس میں سے کچھ دیں، انہوں نے کہا: یہ تو میرا جوٹھا ہے، میں نے کہا: پھر کیا ہوا؟ انہوں نے کہا: آپ کوئی ایسی حدیث بیان کریں کہ شاگرد کا جوٹھا استاذ نے کھایا ہو، پھر میں آپ کو دوں گا، تو میں نے یہی حدیث اُن کو سنا دی، مفتی سید شجاعت علی قادری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہاں یہ حدیث صحیح البخاری میں ہے، پھر انہوں نے مجھے وہ مخصوص کھانے کی چیز دے دی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(۳) سعید بن عبد العزیز بیان کرتے ہیں کہ ایام الحرۃ میں تین دن تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نہ اذان دی گئی اور نہ اقامت کہی گئی، سعید بن المسیب (تابعی) مسجد سے نہیں نکلے اور وہ نماز کا وقت صرف اس سے پہچانتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور سے اذان کی آواز آتی تھی جس کو وہ سنتے تھے۔ (سنن دارمی: ۹۳)

پہلی حدیث میں حضرت عبد الرحمٰن بن ابوبکر اور حضرت ابوبکر اور ان کی زوجہ رضی اللہ عنہم کے لیے یہ خلافِ عادت امر ظاہر فرمایا گیا کہ اُن کا طعام کھانے کے بعد دگنا ہو گیا اور صحابہ کرام کے ہاتھ پر خلافِ عادت کام ظاہر فرمایا گیا، سو یہ اُن کی کرامت ہے، اور دوسری حدیث میں سعید بن المسیب جو تابعی ہیں ان کے سامنے یہ خلافِ عادت امر ظاہر فرمایا گیا کہ نمازوں کے اوقات میں مسجدِ نبوی سے اذان اور اقامت کی آواز آتی تھی، سو یہ حضرت سعید بن المسیب تابعی کی کرامت ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی حنفی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں اور ولی کی تعریف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا عارف ہو اور جس قدر ممکن ہو اللہ تعالیٰ کی عبادات پر دوام کرے اور گناہِ کبیرہ سے مجتنب ہو اور لذات اور شہوات میں منہمک ہونے سے اعراض کرنے والا ہو۔

ولی کی کرامت یہ ہے کہ اس سے کسی خلافِ عادت کام کا ظہور ہو اور وہ دعویٰ نبوت سے مقارن نہ ہو، پس جس خلافِ عادت کام کا ظہور ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ مقرون نہ ہو وہ استدراج ہوتا ہے اور جو خلافِ عادت کام دعویٰ نبوت کے ساتھ مقرون ہو وہ معجزہ ہوتا ہے، اور کرامت کے برحق ہونے پر یہ دلیل ہے کہ صحابہ کرام اور بعد کے تابعین وغیرہم سے کرامت کا صدور اس قدر تواتر کے ساتھ منقول ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اگرچہ ہر جزئی، جزئی کرامت کا ثبوت اخبار احاد سے ہے، نیز قرآنِ مجید ناطق ہے کہ حضرت مریم سے کرامت کا صدور ہوا۔

(۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (آل عمران: ۳۷)'' (سو عمران کی بیوی کے رب نے مریم کو عمدہ طریقہ سے قبول فرما لیا اور اس کی نہایت حسین پرورش فرمائی اور زکریا کو اس کا کفیل بنا دیا، جب بھی زکریا اپنی عبادت کے حجرہ میں مریم کے پاس تشریف لے جاتے تو اس کے پاس تازہ ترین پھل پاتے، زکریا نے کہا: اے مریم! تمہارے پاس یہ (بے موسم) پھل کہاں سے آئے؟ مریم نے کہا: یہ پھل اللہ کے پاس سے آئے ہیں، بے شک اللہ جس کو چاہتے ہیں بے حساب رزق عطا فرماتے ہیں O)۔

(۵) اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا سے کرامت صادر ہوئی اور انہوں نے تین سو میل کی مسافت سے تختِ بلقیس کو پلک جھپکنے سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے حاضر کر دیا۔ (شرح عقائد نسفی ص ۱۰۵۔۱۰۶، دستگیر کالونی، کراچی)

قرآن مجید میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ۝ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ... (النمل: ۳۸۔۴۰)''

((سلیمان نے) کہا: اے میرے درباریو! تم میں سے کون ہے جو بلقیس کے اطاعت شعار ہونے سے پہلے میرے پاس اس کا تخت لے آئے؟ O ایک بہت بڑے جن نے کہا: میں آپ کے پاس وہ تخت آپ کے اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے لے آؤں گا، اور بے شک میں اس پر ضرور قوت والا امانت دار ہوں O جس کے پاس کتاب کا علم تھا (یعنی آصف بن برخیا) نے کہا: میں آپ کے پاس وہ تخت آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے لے آتا ہوں، پھر جب سلیمان نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرے رب کا فضل ہے! O)۔

حضرت سلیمان علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ بلقیس کے اطاعت شعار ہو کر آنے سے پہلے اس کا تخت اُن کے پاس آ جائے، اور یہ مقصد اس ''عفریت الجن'' کے اس تخت کو ان کے دربار کے برخاست ہونے سے پہلے حاضر کر دینے سے بھی پورا ہو جاتا تھا، لیکن انہوں نے چاہا کہ پلک چھپکنے سے بھی پہلے وہ تخت حاضر کر دیا جائے اور اس سے اُن کا مقصد یہ دکھانا اور بتانا تھا کہ عفریت الجن کی

قوت کی جہاں انتہاء ہوتی ہے، اس سے ماوراء اللہ کے ولی کی قوت کی ابتداء ہوتی ہے، سو یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کے ایک ولی کی قوت کا ذکر ہے، پس غور کریں! اُن کی امت کے ولی کی قوت کا کیا ٹھکانا ہوگا جن کے سامنے حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ایک امتی کی مانند ہیں۔

(۶) معونت: کسی عام مسلمان کے لیے کسی خلافِ عادت کام کو ظاہر کیا جائے، اس کو "معونت" کہتے ہیں۔

مصنف کی زندگی میں معونت کی مثالیں

میری زندگی میں معونت کی حسبِ ذیل مثالیں ہیں:

(۱) ۱۹۵۸ء میں، میں ۲۱ سال کی عمر میں پیر الٰہی بخش کالونی کراچی میں ایک گھر میں رہتا تھا، وہاں پر ایک پالتو کتا تھا جو ہر وقت گھر میں گھسا رہتا تھا، اس وقت میں پریس میں کام کرتا تھا، ابھی علمِ دین پڑھنا شروع نہیں کیا تھا، پھر جب کچھ دینی معلومات ہوئیں تو معلوم ہوا کہ کتا نجس ہے اور اب اس کا گھر میں آنا جانا مجھے ناگوار ہوتا تھا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! اب یہ کتا گھر میں نہ آیا کرے، سو ایسا ہی ہوگیا۔

(۲) اسی طرح کا دوسرا واقعہ یہ ہے کہ تقریباً ۱۹۶۸ء میں، میں نے جامعہ نعیمیہ، لاہور میں ترمذی شریف پڑھاتے ہوئے کہا: "عَذَابَ یَوۡمٍ اَلِیۡمٍ" میں نے طلباء سے پوچھا: بتاؤ اس سے پہلے آیت میں کیا ہے؟ کلاس میں متعدد حفاظ تھے کسی کے ذہن میں نہیں آیا، اچانک میری زبان سے نکل گیا "اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ اَلِیۡمٍ ---(ہود: ۲۶)" حالانکہ میں حافظ نہیں تھا، تب دورۂ حدیث کے ایک طالب علم نے کہا: یہ استاذ صاحب کی کرامت ہے، دوسرے نے کہا: نہیں نہیں یہ "معونت" ہے۔

(۳) یہ انیس سو پچاسی (۱۹۸۵ء) کا واقعہ ہے، میں اُن دنوں جامعہ نعیمیہ، لاہور میں پڑھاتا تھا، اُن دنوں میری کمر میں شدید درد تھا اور میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ سے زیادہ زمین پر بیٹھ نہیں سکتا تھا، البتہ کرسی پر تقریباً تین گھنٹے بیٹھ جاتا تھا، ماہِ رمضان کی چھٹیاں گزر چکی تھیں اور شوال کا مہینہ شروع ہو چکا تھا، اور اب نیا تعلیمی سال شروع ہونے والا تھا، جامعہ نعیمیہ کے مہتمم مفتی محمد حسین نعیمی نے مجھ سے کہا: آپ دو گھنٹہ زمین پر بیٹھ کر مشکوٰۃ اور جلالین پڑھائیں، اور باقی وقت اپنے کمرے میں خواہ لیٹ کر یا جس طرح بھی ہو پڑھائیں، میں سوچ میں پڑ گیا کہ میں تو دو گھنٹہ بھی زمین پر نہیں بیٹھ سکتا، اب کیا کروں گا؟، اسی وقت ٹیلیفون کی گھنٹی بجی، مفتی محمد حسین نعیمی نے کہا: آپ کا فون ہے، میں نے فون اٹھایا تو کراچی سے مفتی منیب الرحمٰن فون کر رہے تھے، انہوں نے کہا: دار العلوم نعیمیہ، کراچی کے احباب نے بالاتفاق مشورہ کر کے کہا ہے کہ آپ نئے تعلیمی سال کراچی میں آ کر دورۂ حدیث کے اسباق پڑھائیں، آپ کو دو ہزار روپیہ مہینہ مشاہرہ دیا جائے گا اور آپ کے کمرہ کے پیچھے اٹیچ باتھ (Attach bath) بنا دیا جائے گا، اس بات کے دوران مفتی محمد حسین نعیمی اٹھ کر دفتر سے باہر نکل گئے، میں نے کہا: میں کرسی پر بیٹھ کر زیادہ سے زیادہ تین گھنٹے پڑھا سکتا ہوں، زمین پر بیٹھ کر نہیں پڑھا سکتا، آپ کرسی پر پڑھانے کا انتظام کر دیں تو میں آ جاؤں گا، مفتی منیب الرحمٰن نے کہا: میں باقی ٹرسٹیز (Trusties)، (مفتی سید شجاعت علی قادری، مولانا جمیل احمد نعیمی، اور مولانا اقبال حسین نعیمی) سے مشورہ کر کے آپ کو بتاتا ہوں، میں نے کہا: آپ مجھے شام کو جامعہ نظامیہ، لاہور میں فون کر دیں میں وہاں پہنچ جاؤں گا، وہاں پر آزادی سے بات چیت ہو جائے گی، پھر فون منقطع کر دیا، مفتی نعیمی ہنوز دفتر میں نہیں آئے تھے، میں اٹھ کر اپنے کمرہ میں چلا گیا اور جا کر سو گیا، اور اللہ تعالیٰ

کی اس نعمت پر اس کا شکر ادا کرتا رہا کہ اس نے مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی پریشان ہونے نہیں دیا اور اس وقت میرے ذہن میں قرآن مجید کی یہ آیت آئی: ''وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا ۙ وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ۔ (الطلاق: ۲۔۳)'' (اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے (مشکل حالات میں) کشادگی کی راہ پیدا فرمادیتے ہیں O اور اس کو وہاں سے رزق دیتے ہیں جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو اللہ پر بھروسا کرے تو اللہ اسے کافی ہیں)، پھر شام کو میں جامعہ نظامیہ لوہاری منڈی میں گیا اور وہاں پر مفتی منیب الرحمن صاحب کا فون آیا اور انہوں نے بتایا کہ آپ کے لیے کرسی پر پڑھانے کا انتظام کردیا جائے گا، پھر میں نے کہا: میں تین روز بعد فلاں فلائٹ سے کراچی پہنچ جاؤں گا، پھر اس دن شام کو مفتی محمد حسین نعیمی نے مجھے بلایا اور مجھ سے پوچھا: آپ نے اس سال اپنے پڑھانے کے سلسلہ میں کیا فیصلہ کیا؟ میں نے کہا: آپ مجھے اجازت دے دیں میں کراچی جارہا ہوں، انہوں نے پوچھا: کیا پہلے سے اُن سے بات چیت چل رہی تھی؟ میں نے کہا: نہیں، بس اسی وقت کراچی سے فون آیا تھا، مفتی محمد حسین نعیمی نے کہا: سعیدی صاحب کی قسمت بہت اچھی ہے۔ پھر چھ جولائی انیس سو پچیاسی (۱۹۸۵ء) کو میں کراچی آگیا اور دارالعلوم نعیمیہ میں کتب حدیث پڑھانی شروع کردیں اور تا ایں دم دارالعلوم نعیمیہ میں کتبِ حدیث پڑھا رہا ہوں اور یہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت اور قوت عطاء فرمائی اور یہاں آکر میں نے پہلے ''شرح صحیح مسلم'' سات جلدوں میں مکمل کی، پھر بارہ جلدوں میں ''تفسیر تبیان القرآن'' مکمل لکھی، اس کے بعد سولہ جلدوں میں ''نعمۃ الباری شرح صحیح البخاری''، لکھی (شرح صحیح بخاری کی پہلی سات جلدیں فرید بک اسٹال نے شائع کیں، پھر میں نے فرید بک اسٹال سے معاہدہ ختم کردیا اور شرح صحیح بخاری کی باقی جلدیں میں نے ضیاء القرآن پبلی کیشنز کو شائع کرنے کے لیے دیں اور آٹھویں جلد سے لے کر سولہویں جلد تک نو جلدیں ''نعم الباری'' کے نام سے طبع ہوئیں) اور اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں قرآن مجید کی دوسری تفسیر ''تبیان الفرقان'' کے نام سے کمپیوٹر پر لکھوا رہا ہوں، تبیان القرآن کے بعد تبیان الفرقان لکھنے کی غرض یہ ہے کہ تبیان القرآن بہت مبسوط تفسیر ہے جو بارہ ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے، مزید یہ کہ تفسیر تبیان القرآن میں، میں نے زیادہ تر امام رازی کی ''تفسیر کبیر'' سے استفادہ کیا تھا اور ''تبیان الفرقان'' میں، میں زیادہ تر ''تاویلات اہل السنۃ للماتریدی'' سے استفادہ کررہا ہوں، نیز تفسیر تبیان الفرقان میں، میں آزاد منش (Liberal) اسکالرز کے خلافِ اسلام افکار پر تعاقب کررہا ہوں، یہ چیز تبیان القرآن میں نہیں ہے، علاوہ ازیں اس میں، میں تبیان القرآن کی بہ نسبت زیادہ احادیث اور آثار پیش کررہا ہوں۔ نیز یہ کہ تبیان الفرقان میں جو میں نے قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ کیا ہے وہ تبیان القرآن میں کیے ہوئے آیات کے ترجمہ سے بہت زیادہ مختلف اور منفرد ہے۔ اس سے پہلے لاہور میں، میں نے جو کتابیں تصنیف کیں وہ حسبِ ذیل ہیں: (۱) حیاتِ استاذ العلماء (۲) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا فقہی مقام (۳) توضیح البیان (۴) ذکر بالجہر (۵) تذکرۃ المحدثین (۶) تاریخ نجد و حجاز (یہ کتاب میں نے مفتی عبدالقیوم ہزاروی کے نام سے شائع کرادی تھی)، (۷) مقالاتِ سعیدی (۸) مقام ولایت و نبوت۔

اور یہ سارا کام محض اللہ جل مجدہٗ کے فضل و کرم، اس کی عنایت اور اس کی توفیق سے ہوا ہے، ورنہ میں تو اب اناسی (۷۹) سال کا بوڑھا ہوں، بہت کمزور، نحیف اور لاغر ہوں اور طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلاء ہوں، پہلے کمر کی تکلیف تھی، پھر دونوں گھٹنوں کی ہڈیوں میں فصل (Gap) ہوگیا اور میں چلنے پھرنے سے اور کھڑے ہوکر نماز پڑھنے سے اور رکوع اور سجود کرنے سے معذور ہوگیا،

سوجھ میں کہاں اتنی قوت اور طاقت تھی کہ میں یہ تمام کام کر سکتا، یہ سب وہی کرا رہے ہیں، میرا اس میں کچھ نہیں ہے!

(۴) اسی طرح کا چوتھا واقعہ یہ ہے کہ انیس سو چورانوے (۱۹۹۴ء) میں جب میں حج کے لیے گیا، اُن دنوں میری کمر میں بہت شدید درد رہتا تھا، نہ میں زیادہ دیر کھڑا رہ سکتا تھا اور نہ زیادہ دیر بیٹھ سکتا تھا، میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر کے پاس لوگوں کی ایک لمبی لائن تھی جو ایک ایک کر کے وہاں نفل پڑھ رہے تھے، مجھے بھی بہت اشتیاق تھا کہ میں بھی اس متبرک جگہ نفل پڑھنے کا شرف اور سعادت حاصل کروں، مگر اتنی لمبی لائن دیکھ کر میرا حوصلہ پست ہو جاتا کہ میں تو اتنی دیر کھڑا نہیں رہ سکتا، دوسرے دن دیکھا تو منبر رسول خالی تھا کوئی بندہ بھی نہیں تھا اور میں نے وہاں پر کھڑے ہو کر سیر ہو کے نمازیں پڑھیں۔

(۵) میں نے اس حج میں چار عمروں کی سعادت حاصل کی: پہلا عمرہ واجب تھا جو حجِ تمتع کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، دوسرا عمرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عمرہ کی نذر کرنے کے لیے ادا کیا، تیسرا عمرہ امی کی طرف سے کیا اور چوتھا عمرہ اپنے والد مرحوم کی طرف سے کیا، اس کے بعد میں خاص اپنی طرف سے عمرہ ادا کرنا چاہتا تھا مگر شدید تھکاوٹ کی وجہ سے یہ عمرہ ادا نہ کر سکا، لیکن اس کا مجھے بہت قلق ہو رہا تھا کہ میں اپنی طرف سے عمرہ نہیں کر سکا، اسی شام کو جب میں معمول کے مطابق اپنی رہائش گاہ سے ''طیب بھائی'' کے ساتھ حرم شریف میں نماز عصر ادا کرنے جا رہا تھا، اثناء گفتگو میں، میں نے طیب بھائی سے پوچھا کہ آپ نے کس کس کی طرف سے عمرہ ادا کیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ میں نے علامہ غلام رسول سعیدی کی طرف سے عمرہ ادا کیا ہے، یہ سن کر میں نے اپنے رب کریم کا بے حد شکر ادا کیا کہ میں از خود عمرہ تو نہ کر سکا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے لیے طیب بھائی سے یہ عمرہ کرا دیا۔

(۶) میں بہت بوڑھا کمزور اور بیمار شخص ہوں، اپنے جسمانی اعذار کی وجہ سے میں اس حج کے بعد دوبارہ عمرہ کرنے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام عرض کرنے کی اپنے اندر ہمت نہیں پاتا تھا مگر میرے محبِ گرامی سید عمیر الحسن برنی اللہ کے فضل سے صحت مند، جوان اور توانا مرد ہیں، وہ تقریباً ہر سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے اور جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تو موبائل فون سے روضۂ رسول پر کھڑے ہو کر مجھ سے کہتے کہ اب آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کر دیں اور میں باادب اور باوضو کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں سلام عرض کرتا اور اُن سے شفاعت کا سوال کرتا اور عرض کرتا: ''اسئلك الشفاعة یا رسول اللہ''۔

(۷) مجھے نفلی حج اور عمرہ کرنے کی شدید خواہش ہے مگر بڑھاپا، کمزوری اور متعدد امراض کی وجہ سے حج بیت اللہ کے بعد، دوبارہ حرم شریف کی حاضری سے عاجز رہا اور ہنوز عاجز ہوں مگر اللہ کریم نے کرم فرما کر اس کا بھی انتظام فرما دیا ہے، میرے محبِ گرامی سید عمیر الحسن برنی جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے تقریباً چار سال سے مسلسل حج پر جا رہے ہیں، ہر سال وہ میری طرف سے ایک عمرہ ادا کرتے ہیں، اس سال ۲۰۱۴ء میں انہوں نے شروع سے نیت کی تھی کہ وہ اس مرتبہ میری طرف سے حج بیت اللہ ادا کریں گے، اور یہ اللہ تعالیٰ کا کرم بالائے کرم ہے کہ ۲۰۱۴ء میں حجِ اکبر تھا، سو سید عمیر الحسن برنی نے جو میری طرف سے حج بیت اللہ کیا وہ بھی حج اکبر تھا جس طرح انیس سو چورانوے (۱۹۹۴ء) میں، میں نے از خود جو حج کیا تھا وہ بھی حج اکبر تھا، اللہ عزوجل کے اس خصوصی کرم پر میں اپنے مولا کا جس قدر بھی شکر ادا کروں کم ہے۔

معونت کی دیگر مثالیں، میری امی کی یاد میں

٨ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ/ ۷ اگست ۲۰۰۳ء کو میری امی محترمہ شفیق فاطمہ رحمہا اللہ علیہا، اس دار الفناء سے کوچ کر کے دار البقاء کی طرف روانہ ہوگئیں، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ! وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً ۸۶ برس تھی اور اب میری عمر ۷۹ برس ہے، اور امی کی وفات کے وقت میری عمر ٦٦ برس تھی، گویا ٦٦ برس تک میں ان کی شفیق نگاہوں اور مستجاب دعاؤں کے زیر سایہ رہا۔

وہ عابدہ، زاہدہ خاتون تھیں، شب بیدار اور تہجد گزار تھیں، وہ اس آیت کا مصداق تھیں: ''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ... (البقرہ: ١٦٥)'' (اور جو ایمان والے ہیں وہ اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں)۔ اگر ان کے سامنے یہ کہا جاتا کہ فلاں شخص پر ظلم ہوگیا تو وہ غصہ میں آجاتیں اور کہتیں: ''اللہ کسی پر ظلم نہیں فرماتے، ضرور اس نے زندگی میں کسی پر ظلم کیا ہوگا جس کی اس کو سزا ملی ہے''۔

وہ ہر نیک کام اور ہر نعمت خواہ کسی سے ملی ہو اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتی تھیں، وہ نفل نماز پڑھ رہی ہوں یا اوراد و وظائف پڑھ رہی ہوں، اس دوران کوئی ملنے آجائے تو وہ اس کی طرف بالکل التفات نہیں کرتی تھیں، ایک دفعہ میں ان کی کوئی دوائی لے کر آیا، اس وقت وہ وظیفہ پڑھ رہی تھیں، میں کافی دیر کھڑا رہا کہ یہ فارغ ہوں تو میں اس دوا کے متعلق بتاؤں، لیکن انہوں نے توجہ نہیں کی، بالآخر نہایت بے زار ہو کر کہا: ''بالآخر بولنا ہی پڑتا ہے''۔ ایک دفعہ وہ دن میں نوافل پڑھ رہی تھیں کہ میری خالہ (امی کی بڑی بہن) ان سے ملنے آگئیں، سلام پھیرنے کے بعد جب امی دوبارہ نماز کی نیت باندھنے لگیں تو خالہ بیگم نے ان سے کہا: ابھی تو تم نے نماز پڑھی تھی! پھر نماز پڑھنے لگیں! امی نے بہت ناگواری سے کہا: ''آپ میری نماز کو نہ ٹوکا کریں''۔ ایک دفعہ میں ان سے ملنے گھر گیا تو وہ نوافل پڑھ رہی تھیں، کافی دیر تک پڑھتی رہیں، میں انتظار میں بیٹھا رہا، کچھ دیر بعد انہیں رحم آیا تو کہا: ''تم گھبرانا نہیں! ابھی میں نے سو رکعات نوافل پڑھنے ہیں اور ہر نفل میں اتنی اتنی بار سورۂ اخلاص پڑھنی ہے''۔ میں نے کہا: امی میں جا رہا ہوں اور میں چلا آیا۔

ان کا سب سے زیادہ دل اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگتا تھا۔ انہوں نے بچپن سے قرآن مجید پڑھانا شروع کیا اور وفات سے چند سال پہلے تک قرآن مجید پڑھاتی رہیں، ان گنت لڑکوں اور لڑکیوں کو انہوں نے قرآن مجید پڑھایا، میں نے بھی قرآن مجید ان ہی سے پڑھا تھا اور جب تک ان کے پڑھائے ہوئے لوگ قرآن مجید پڑھتے رہیں گے ان کو ثواب پہنچتا رہے گا، وہ خود قرآن مجید کی بہت زیادہ تلاوت کرتی تھیں، ایک دن میں سترہ سترہ پارے تلاوت کر لیا کرتی تھیں، سورۂ یٰسین، سورۂ رحمان، سورۂ واقعہ، سورۂ ملک اور سورۂ مزمل بہت دل گداز اور دل سوز آواز میں پڑھتی تھیں، قاری غلام رسول صاحب لاہور (رحمہ اللہ علیہ) کا ترتیل سے پڑھا ہوا قرآن مجید جو پچھتر (۷۵) کیسٹس (Cassetes) پر مشتمل تھا، وہ میں نے امی کو لا کر دے دیا تھا، وہ قرآن مجید کو ان کیسٹس سے سنتی بھی تھیں، پھر جب ان کی نظر بہت کمزور ہوگئی اور وہ دیکھ کر قرآن مجید پڑھنے سے معذور ہوگئیں تو پھر وہ ان کیسٹس سے قرآن مجید سنتی رہتی تھیں، پھر ایک وقت آیا کہ ان کی سماعت اس قدر کمزور ہوگئی کہ وہ کیسٹس سے بھی نہیں سن سکتی تھیں اور ہر وقت ملول اور افسردہ رہتی تھیں کہ اب میں قرآن مجید پڑھ سکتی ہوں، نہ سن سکتی ہوں، میں نے ان کو یہ حدیث سنائی:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے جسم میں کوئی بیماری ہو جائے تو اللہ تعالیٰ

اس کے اعمال کی حفاظت کرنے والے فرشتوں سے فرماتے ہیں: میرا بندہ جو نیک عمل کرتا تھا، اس کے صحیفۂ اعمال میں ہر روز وہ عمل لکھتے رہو۔ (مسند احمد: ۱۶۱۷۳، ج ۴ ص ۱۴۶، المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۲۸۴، المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۲۵۷، المعجم الکبیر ج ۱۷: ۷۸۲، شرح السنۃ للبغوی: ۱۴۲۸، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۲۹۰، ج ۴ ص ۳۰۸، ۳۰۹)

نیز حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ کسی اچھے طریقے سے عبادت کر رہا ہو پھر وہ بیمار ہو جائے تو جو فرشتہ اس پر مامور ہو اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تندرستی کے ایام میں جو عمل کرتا تھا اس کا وہ عمل لکھتے رہو حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے۔ (مسند احمد: ۶۸۹۵، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۳)

لیکن قرآن مجید پڑھنے اور سننے کی لذت سے وہ محروم ہو گئیں تھیں، اس کی وجہ سے ان کا غم نہیں جاتا تھا، اس کے بعد وہ ہر وقت تسبیح پڑھتی رہتی تھیں۔ اس کے باوجود وہ رات کو اٹھتی تھیں اور جس قدر ہو سکتا تھا اس قدر نمازیں پڑھتی تھیں۔ ان کو ۱۹۷۵ء سے ذیابیطس (Diabetes) ہو گئی تھی، وہ بہت سخت پرہیز کرتی تھیں، شوگر کی وجہ سے ان کو کوئی خطرناک عارضہ نہیں ہوا، آخری سات سالوں میں ان کی شوگر لو (Low) رہتی تھی اور ڈاکٹروں نے ان کی شوگر کنٹرول کرنے والی دوا بند کرادی تھی، البتہ عمر کے تقاضے سے اور مقوی خوراک نہ کھا سکنے کی وجہ سے بے حد کمزور، نحیف اور لاغر تھیں۔

قرآن اور حدیث سے ماں کا مقام

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۗ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ○ (لقمان: ۱۴)'' (اور ہم نے آدمی کو اس کے والدین کے متعلق (نیکی کا حکم فرمایا)، اس کی ماں نے اسے کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے (پیٹ میں) اٹھایا، اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے کہ میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کر، میری ہی طرف لوٹنا ہے ○)۔

ماں اور باپ دونوں کی اطاعت واجب ہے لیکن ماں کی اطاعت کا حق چار میں سے تین حصہ ہے اور باپ کی اطاعت کا حق ایک حصہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم!) میرے نیک سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہاری ماں'' اس نے کہا: پھر کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: ''تمہاری ماں'' اس نے پوچھا: پھر کون ہے؟ فرمایا: ''تمہاری ماں'' اس نے کہا: پھر کون ہے؟ فرمایا: ''تمہارا باپ''۔ (صحیح البخاری: ۵۹۷۱، صحیح مسلم: ۲۵۴۸، مسند احمد: ۸۸۳۸، سنن ترمذی: ۱۸۹۷، سنن ابوداؤد: ۵۱۳۹، سنن ابن ماجہ: ۲۷۰۶)

حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں جہاد کے لئے جانا چاہتا ہوں، آپ نے پوچھا: کیا تمہاری ماں ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: پھر اس کے ساتھ چمٹے رہو، کیونکہ جنت اس کے پیروں کے پاس ہے، وہ پھر دوبارہ کسی اور وقت گئے، پھر سہ بارہ کسی اور وقت گئے تو آپ نے یہی جواب فرمایا۔

(سنن نسائی: ۳۱۰۴، سنن ابن ماجہ: ۲۷۸۱، مسند احمد: ۱۵۵۳۸، موسسۃ الرسالہ، بیروت، اس حدیث کی سند حسن ہے، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۶، مصنف عبدالرزاق: ۹۲۹۰، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۲۴، المستدرک ج ۲ ص ۱۰۴، شعب الایمان: ۷۸۳۳، الاحاد والمثانی ۱۳۱۷، المعجم الکبیر

:۴۰ ۲۲۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۴۷۴، مشکوٰۃ: ۴۹۳۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''الجنۃ تحت اقدام الامہات'' جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ (جمع الجوامع ج ۴ ص ۱۸۵، رقم الحدیث: ۱۱۱۴۲، المستدرک ص ۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنی ماں کی دو آنکھوں کے درمیان بوسا دیا تو یہ بوسا اس کے لئے (دوزخ کی) آگ سے حجاب بن جائے گا۔ (شعب الایمان ج ۶ ص ۱۸۷، رقم الحدیث: ۷۸۶۱)

نفس میت کو بوسا دینے کے ثبوت میں یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے فوت شدہ جسم کو بوسا دیا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۱۶۳، سنن ترمذی: ۹۸۹، سنن ابن ماجہ: ۱۴۵۶)

الحمد للہ رب العالمین! اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں نے ان تمام احادیث پر عمل کیا ہے، میں امی سے رخصت ہوتے وقت ہمیشہ ان کے پاؤں کو ہاتھ لگاتا تھا کہ یہ میری جنت ہیں اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسا دیتا تھا اور ان کی وفات کے بعد کئی بار میں نے ان کے ماتھے پر اور ان کے پیروں پر بوسا دیا، اس وقت وہ کفن میں ملفوف تھیں، ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور اشک بار آنکھوں سے ان کے لئے دعا کی اور تدفین کے بعد دعا کی، ان کی نماز جنازہ میں کثیر تعداد میں علماء (جن میں حضرت مفتی محمد حسن حقانی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمٰن، مفتی محمد اسماعیل نورانی، مولانا صابر حسین نورانی، مولانا سید عمیر الحسن برنی اور کراچی کے دیگر مشہور علماء) اور طلباء شامل تھے اور ان سب کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے، جن کی تعداد سات سو کے لگ بھگ تھی اور اس میں بھی ان کی مغفرت کی بشارت ہے۔

جن احادیث سے امی کی مغفرت متوقع ہے

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو مسلمان بھی فوت ہو اور اس کی نماز جنازہ میں چالیس مسلمان ہوں جو اللہ سے بالکل شرک نہ کرتے ہوں، اللہ تعالیٰ اس میت کے حق میں ان کی شفاعت کو قبول فرمائیں گے۔

(صحیح مسلم: ۹۴۸، سنن ابوداؤد: ۳۱۷۰، سنن ابن ماجہ: ۱۴۸۹، مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۷ طبع قدیم، مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۷ طبع جدید، رقم الحدیث: ۲۵۰۹، صحیح ابن حبان: ۳۰۸۲، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۱۵۸، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۳۰، شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۲۴۹، شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۵۰۵)

میری امی جمعہ کی شب تقریباً ساڑھے گیارہ بجے فوت ہوئیں اور جمعہ کی شب فوت ہونے میں بھی ان کی مغفرت کی بشارت ہے، حدیث میں ہے:

(۲) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان بھی جمعہ کے دن فوت ہوتا ہے یا جمعہ کی شب فوت ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبر کے فتنہ سے محفوظ رکھتے ہیں۔

(سنن ترمذی: ۱۰۷۴، مصنف عبد الرزاق: ۵۵۹۴، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۹ طبع قدیم، مسند احمد ج ۱۱ ص ۱۴۷، رقم الحدیث: ۶۵۸۲، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، الترغیب والترہیب للمنذری ج ۴ ص ۳۷۳، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۳۶۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۰۴۵)

(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے دن فوت ہو جائے اس کو عذابِ قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔

(المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۲۷۱، الکامل لابن عدی ص ۲۵۵۴)

(۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی شب فوت ہو، اس کو عذابِ قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس پر شہداء کی مہر ہوگی۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۸۱، رقم الحدیث: ۳۶۲۹، تقریب البغیہ ج ۱ ص ۴۳۳، رقم الحدیث: ۱۲۱۶)

میری امی کے لیے خلافِ عادت امور (معونت) کو ظاہر فرمانا

اللہ تعالیٰ کے نزدیک میری امی کا بہت بڑا درجہ تھا، اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو قبول فرماتے تھے اور ان کی خواہشوں کو بھی پورا فرماتے تھے۔

(۱) کوئی اکیس (۲۱) سال پہلے کی بات ہے، آدھی رات کو میری اچانک آنکھ کھل گئی اور دل میں سخت بے چینی تھی، لگتا تھا کہ کسی کی یاد آ رہی ہے، میں سوچتا رہا کہ مجھے کس کی یاد آ رہی ہے لیکن دل مطمئن نہیں ہوا، آخر میں نے سوچا کہ امی کی وجہ سے دل بے چین ہے، میں نے فیصلہ کر لیا کہ کل میں امی کے پاس جاؤں گا، پھر دل مطمئن ہو گیا اور میں سو گیا۔ دوسرے روز میں امی کے پاس پہنچا تو امی نے کہا: میں نے رات کو تہجد میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ کل نجمی (میرا گھریلو نام) کو میرے پاس بھیج دیں۔

(۲) امی کی ایک خواہش تھی کہ ان کو چلتے پھرتے موت آئے، کسی کی محتاج نہ ہوں، سو ایسا ہی ہوا، ان کی خواہش تھی کہ ان کی وفات کے وقت ان کی بڑی بیٹی بھی موجود ہوں، مجھے رات ۱۲ بجے موبائل فون پر اطلاع ہوئی کہ امی کا انتقال ہو گیا، میں بڑی بہن کو فون کرتا رہا لیکن ان کا فون خراب تھا، انہوں نے نیا گھر لیا تھا اور وہ میرا دیکھا ہوا نہیں تھا، بڑی مشکل سے رات کو اڑھائی بجے میں نے اپنی خالہ زاد بہن (خورشید بانو) کو فون کر کے ان کا پتا معلوم کیا اور میں اپنے ایک کرم فرما محترم محمد شمیم خان کے ساتھ اللہ پر بھروسہ کر کے رات تین بجے ان کا گھر ڈھونڈنے نکلا، ہم اس علاقہ میں گھر ڈھونڈ رہے تھے کہ ایک شخص جو اکیس (۲۱) سال پہلے شمیم صاحب کے ساتھ سعودی عرب میں کام کر چکا تھا، وہ ان کی آواز سن کر چونکا اور اس نے شمیم صاحب کو پہچان لیا، وہ اس علاقہ میں رہتا تھا، اس کے تعاون سے ہم نے گھر ڈھونڈ لیا اور اس طرح حیرت انگیز طریقہ سے امی کی یہ خواہش پوری ہوئی اور میں نے بڑی بہن کو امی کے پاس پہنچا دیا۔

(۳) اس سلسلہ میں تیسرا خلافِ عادت (معونت) واقعہ یہ ہوا کہ میں رات کو اپنا موبائل فون آف (Off) کر دیتا تھا، امی کی وفات سے ایک ہفتہ پہلے میری چھوٹی بہن صبیحہ نے مجھے فون کر کے کہا کہ آپ موبائل فون آف نہ کیا کریں، پھر میں نے موبائل فون آف نہیں کیا، اگر اس رات میرا موبائل فون آف ہوتا تو رات بارہ بجے صبیحہ بہن مجھے مدرسہ کے فون پر اطلاع دیتیں اور رات بارہ بجے مدرسہ کے فون کو اٹینڈ (Attend) کرنے والا کوئی نہ ہوتا اور شاید پھر میرے بہنوئی امی کی تجہیز و تکفین کرتے اور مجھے یہ سعادت نہ ملتی اور امی کی یہ خواہش پوری نہ ہوتی کہ ان کی تجہیز و تکفین ان کے بیٹے کریں، وہ بار بار کہتی تھیں اور دعا کرتی تھیں کہ میرے بیٹے میری تجہیز و تکفین اور تدفین کریں۔

(۴) اس سلسلہ میں چوتھا خلافِ عادت (معونت) واقعہ یہ ہوا کہ میرے چھوٹے بھائی محمد خلیل، ریاض میں تھے۔ امی کی یہ خواہش

تھی کہ ان کی تدفین میں ہم دونوں شریک ہوں، جمعہ کی شب بارہ بجے میرے پاس صبیحہ بہن کا فون آیا تھا کہ امی فوت ہوگئی ہیں، اس کے دس پندرہ منٹ بعد میرے بھائی خلیل کا فون آیا کہ آپ تدفین مؤخر کر دیں، میں ہر صورت ہفتہ کو کراچی پہنچوں گا، اگلے دن جمعہ تھا، جمعہ کو سعودی عرب میں تمام دفاتر بند ہوتے ہیں اور جب تک ان کے پاسپورٹ (Passport) پر ایگزٹ ری انٹری ویزا (Exit re Entry Visa) نہ لگ جائے وہ سعودی عرب سے نکل نہیں سکتے تھے، بھائی کا پاسپورٹ کمپنی کے آفس میں تھا، اس کے لئے ایک فارم بھرنا پڑتا ہے، وہ فارم بھی آفس میں تھا، آفس جمعہ کی وجہ سے بند تھا، اس فارم پر ان کی کمپنی کے ڈائریکٹر کے دستخط ہونا لازمی تھا، وہ ڈائریکٹر اس وقت جرمنی میں تھا، اس کا موبائل فون نمبر بھائی کے پاس نہیں تھا، اس کے سیکرٹری کے پاس اس کے موبائل فون کا نمبر تھا، وہ جمعہ کی چھٹی کی وجہ سے اردن روانہ ہو چکا تھا، نیز اس دن ریاض سے کراچی کی کوئی فلائٹ نہیں تھی، بہ ظاہر یہ ایسے عوارض تھے کہ بھائی کا ہفتہ کے دن کراچی پہنچنا ناممکن تھا اور ہم تدفین میں زیادہ تاخیر نہیں کرنا چاہتے تھے، لیکن اللہ اپنے نیک بندوں کی خواہش پوری فرمانے کے لیے بڑی سے بڑی رکاوٹ دور فرما دیتے ہیں، بھائی کو معلوم ہوا کہ ڈائریکٹر کے سیکرٹری کی فلائٹ کسی وجہ سے ملتوی ہوگئی ہے، وہ بس سے اردن جا رہا تھا، بھائی نے اس کو موبائل پر فون کیا، اس سے ڈائریکٹر کا فون نمبر لیا، پھر ڈائریکٹر سے بات کی، اس نے غیر معمولی تعاون کیا، بھائی نے متعلقہ یمنی شخص کی مدد سے آفس کھلوایا، اپنا پاسپورٹ نکلوایا اور وہ فارم نکلوا کر عربی میں بھروایا، ادھر ان کی کمپنی کے ڈائریکٹر نے اپنے ایک دوست کے ذمہ لگایا تو وہ جمعہ کی نماز کے بعد بھائی کا پاسپورٹ لے کر پاسپورٹ آفس پہنچ گیا، اس نے پاسپورٹ آفس کھلوا کر اس پر ری انٹری ایگزٹ ویزا لگایا اور شام چار بجے بھائی کو پاسپورٹ دے دیا جس پر ایگزٹ ری انٹری ویزا لگا ہوا تھا، ریاض سے کراچی کی کوئی فلائٹ نہیں تھی، جدہ سے تھی، بھائی نے جدہ اپنے دوست کو فون کیا، انہوں نے بھائی کا ٹکٹ لیا، بھائی ریاض سے جدہ پہنچے اور جدہ ایئر پورٹ پر اپنے دوست سے ٹکٹ لے کر جہاز میں سوار ہوگئے اور ہفتہ کو صبح ساڑھے چار بجے کراچی پہنچ گئے اور ساڑھے آٹھ بجے میں نے امی کی نماز جنازہ پڑھائی اور دس بجے ہم تدفین سے فارغ ہوگئے۔

امی کی تعزیت کے لئے کراچی کے مشاہیر اور قابل ذکر علماء میرے پاس آئے، ان کے اسماء یہ ہیں: قائد ملت اسلامیہ سینیٹر علامہ شاہ احمد نورانی، مفتی محمد حسن حقانی، شاہ فرید الحق، مفتی اعظم پاکستان علامہ منیب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم نعیمیہ، مولانا غلام محمد سیالوی، مولانا غلام دستگیر افغانی، مولانا غلام ربانی، مولانا غلام نبی فخری، مفتی محمد اطہر نعیمی، مولانا جمیل احمد نعیمی، علامہ خالد محمود سیالوی، مفتی محمد اسماعیل نورانی، مولانا سید ناصر علی قادری، مفتی رفیق حسنی، مفتی منظور احمد فیضی، مفتی حبیب ابوبکر صدیق، مفتی فیض رسول، مولانا محمد الیاس رضوی، ڈاکٹر مسعود احمد اور کراچی کے دینی مدارس کے دیگر علماء اور فضلاء۔

صاحب زادہ محمد حبیب الرحمٰن نے بریڈ فورڈ برطانیہ سے اور ثمینہ بہن اور مولانا عبد المجید نے برسٹل برطانیہ سے ٹیلی فون کے ذریعے تعزیت کی، مولانا الیاس قادری بانی و امیر دعوت اسلامی نے دبئی سے مکتوب بھیجا، مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری، ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی شہید اور مولانا غلام نصیر الدین نے لاہور سے، مولانا محمد حفیظ نیازی ایڈیٹر "ماہنامہ رضائے مصطفیٰ" نے گوجرانوالہ سے، مولانا محمد عارف چشتی نے لندن سے اور دیگر احباب نے تعزیتی مکاتیب لکھے، میں ان سب علماء اور احباب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری غم گساری کی، میں اپنے قارئین سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر میری امی

کو ثواب پہنچائیں اور ان کے لئے دعائے مغفرت کریں۔

اور آخر میں سید عمیر الحسن برنی، مولانا محمد نصیر اللہ نقشبندی، محترم محمد شمیم خان اور مولانا محمد اعظم نورانی صاحب کے لئے دعا کرتا ہوں جو آدھی رات کو اٹھ کر نماز فجر تک امی کی تجہیز و تکفین کے سلسلہ میں میرے ساتھ رہے اور سید معراج کے لیے دعا کرتا ہوں، جنہوں نے تدفین کے مراحل میں میری مدد کی اور خصوصاً محترم و مکرم محمد شفیق قریشی زید حبہٗ ولطفہٗ کے لئے دعا گو ہوں جنہوں نے قدم قدم پر میری غم گساری کی، قاری عامر حسین قادری، مولانا سید محمد علی قادری، مولانا محمد صابر نورانی، مولانا محمد عادل قادری، محمد ناصر خان چشتی، مولانا عبد المجید ہزاروی، مولانا وکیل حسین چشتی، حافظ اکرام اللہ، حافظ محمد اویس، حافظ محمد جمشید، حافظ محمد فاروق، بابر نفیس، سید امجد اور دیگر احباب کے لئے دعا گو ہوں جنہوں نے اس سلسلہ میں بہت تعاون کیا۔ (مذکور الصدر تحریر کی تاریخ 8 دسمبر 2014ء)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس ظلم کرنے والوں کی جڑ کاٹ دی گئی اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کے پرودگار ہیں O'' (الانعام: ۴۵)

''فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝'': یعنی تمام کفار کو ایک ایک کر کے فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا اور اُن میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑا گیا، سو کفار کے ہلاک کیے جانے پر اللہ ہی کے لیے حمد ہے، کیونکہ وہی مصائب کو نازل فرمانے والے ہیں، وہی مصائب کو دور فرمانے والے ہیں۔ اس آیت کی نظیر یہ ہے: ''وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ۝ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝''۔۔۔ (الشعراء: ۱۷۳۔۱۷۴)'' (اور ہم نے اُن پر (پتھروں کی) بارش کی، سو وہ کیسی بری بارش تھی جس سے لوگوں کو ڈرایا گیا O بے شک اس میں ضرور نشانی ہے، اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے O)۔

ظالموں کو نیست و نابود کرنے پر اللہ عزوجل کی حمد بجالانے کی تعلیم

اس کے بعد فرمایا: ''وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝'' یعنی سرکش لوگوں کے ہلاک کرنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حمد فرمائی۔

(الکشاف، ج ۲ ص ۲۴، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ نے کفار کی جڑ کاٹنے پر اپنی ذات کی حمد فرمائی، کیونکہ کفار کو ملیا میٹ کر دینا اللہ تعالیٰ کی اپنے رسولوں پر نعمت ہے، سو اللہ تعالیٰ نے اُن رسولوں کو اور اُن پر ایمان لانے والوں کو تعلیم دینے کے لیے اپنی حمد فرمائی تا کہ وہ بھی نافرمانوں، ظالموں اور کافروں کے شر کو نیست و نابود کرنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد کریں اور تا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے اصحاب بھی مکذبین کے ہلاک کرنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد کریں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: (اے لوگو!) بتاؤ اگر اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں لے جائیں اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دیں تو اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے جو ان چیزوں کو تمہارے پاس لے آئے؟ آپ دیکھیے ہم کس طرح بار بار توحید کی نشانیاں بیان کرتے ہیں، پھر بھی وہ روگردانی کرتے ہیں O'' (الانعام: ۴۶)

''قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَ خَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ۝'':

اے مشرکو! یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری سماعت کو لے جائیں حتیٰ کہ تم کسی چیز کو نہ سُن سکو اور تمہاری بصارت کو لے جائیں حتیٰ کہ تم کسی چیز کو نہ دیکھ سکو اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دیں حتیٰ کہ تم کسی چیز کو نہ سمجھ سکو اور اپنے دنیاوی معاملات پر غور وفکر نہ کر سکو تو اللہ تعالیٰ کے سوا کیا کوئی دوسرا خدا ہے جو تمہارے پاس اِن چھینی ہوئی چیزوں کو واپس لے آئے؟ آپ دیکھیے! ہم کس طرح توحید اور رسالت پر اپنی آیتوں اور علامتوں کو دہراتے ہیں، پھر بھی یہ مکذبین اعراض کرتے ہیں!

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے صانع اور قادر ہونے پر دلیل

اس آیت سے اس پر دلیل قائم کرنا مقصود ہے کہ اس دنیا میں ایک ایسے صانع ہیں جو حکیم اور مختار ہیں، کیونکہ انسان کے سب سے افضل اعضاء اس کے کان، اس کی آنکھیں اور اس کا دل ہیں، اور کان قوتِ سامعہ کا محل ہے اور آنکھیں قوتِ باصرہ کی محل ہیں اور دل حیات، علم اور عقل کا محل ہے، پس اگر انسان کی یہ صفات زائل ہو جائیں تو انسان کی دنیا اور دین کے معاملات فاسد اور باطل ہو جائیں گے۔

اور یہ بداہۃً معلوم ہے کہ ان قوتوں کو دوبارہ لانے پر اور ان کو آفات سے محفوظ رکھنے پر اللہ عزوجل کے سوا کوئی قادر نہیں ہے اور جب ایسا ہے تو ان عظیم نعمتوں کو انعام فرمانے والے صرف اللہ سبحانہٗ ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: '' آپ کہیے: یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اچانک اللہ کا ظاہراً عذاب آ جائے تو ظالموں کے سوا کس کو ہلاک کیا جائے گا؟'' (الانعام: ۴۷)

''قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ۝'': اس سے پہلے جو دلائل ذکر کئے گئے ہیں، یہ اس کے ساتھ مخصوص ہیں جو کان اور آنکھیں اور دل کی قوتوں کو سلب کر لے، اور یہ عذاب، عذاب کی تمام اقسام کو محیط ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ عذاب کی اقسام میں سے کسی قسم کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں ہے، اور خیر کی تمام اقسام کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عطاء کرنے والا نہیں ہے۔

ایک اعتراض کا جواب

جب اس قسم کا عام عذاب نازل ہو تو نیکوکار اور بدکار کے درمیان تمیز نہیں ہوگی، کیونکہ جب عذاب عام ہو تو وہ اچھوں اور بروں سب پر نازل ہوتا ہے مگر ہلاکت صرف ظالموں کے ساتھ مخصوص ہے اور نیکوکاروں پر اگر یہ عذاب نازل ہو تو اُن کو اس سے عظیم ثواب اور بلند درجات حاصل ہوتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم رسولوں کو صرف ثواب کی خوش خبری دینے والے اور عذاب سے ڈرانے والے بنا کر بھیجتے ہیں، سو جو لوگ اللہ پر ایمان لے آئیں اور نیک کام کریں تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ

غمگین ہوں گے O'' (الانعام:۴۸)

''وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾'':

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام صرف نیکوکاروں کو عبادات پر ثواب کی بشارت دینے کے لیے بھیجے گئے ہیں، اور بدکاروں کو اُن کی نافرمانیوں پر عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجے گئے ہیں، اور اللہ کی نشانیوں اور معجزات کے اظہار پر اُن کو ذاتی قدرت نہیں ہے، بلکہ معجزات کا اظہار صرف اللہ تعالیٰ کی مشیئت اور اس کی حکمت پر موقوف ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، اُن پر اس وجہ سے عذاب آئے گا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے O'' (الانعام:۴۹)

فُساق مومنین پر عذاب کی وعید کے متعلق معتزلہ کے استدلال کا جواب

''وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا یَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾'':

القاضی ابوالحسن عبدالجبار بن احمد الاسد آبادی المعتزلی المتوفی ۴۱۵ ھ، اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے کفار پر عذاب بھیجنے کا یہ سبب بیان فرمایا ہے کہ وہ نافرمانی کرتے ہیں اور فاسق ہیں، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر فاسق عذاب کا مستحق ہو، لہٰذا مومن مرتکبِ کبیرہ بھی عذاب کا مستحق ہوگا۔ (التفسیر الکبیر او المحیط ص ۱۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء)

اس کا یہ جواب ہے کہ یہاں فاسق سے مراد مطلق فاسق نہیں ہے بلکہ وہ فاسق مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات کے مکذِّب ہوں جیسا کہ الانعام:۴۹ میں اس پر واضح دلیل ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کو (از خود) جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی فرمائی جاتی ہے، آپ کہیے: کیا نابینا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور نہیں کرتے !O'' (الانعام:۵۰)

''قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ'': کفار یہ کہتے تھے کہ اگر آپ اللہ کے سچے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ سے یہ مطالبہ کریں کہ ہم پر وہ دنیا کی منفعتیں اور دنیا کی اچھائیاں کشادہ فرما دیں، تب اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ آپ ان سے کہیے: میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، تمام خزانوں کے اللہ تعالیٰ مالک ہیں، وہ اپنے خزانوں میں سے جس کو چاہتے ہیں جتنا چاہتے ہیں، عطاء فرماتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں محروم کرتے ہیں، وہ جس کو چاہتے ہیں عزت دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں ذلت میں مبتلا فرما دیتے ہیں۔

الخَزَائِن ''خِزَانَة'' کی جمع ہے، خزانہ اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں کوئی چیز محفوظ کر کے رکھی جاتی ہے تا کہ دوسروں کے ہاتھ اس چیز تک نہ پہنچ سکیں۔

غیب کا اصطلاحی معنی

''وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ'': غیب اس پوشیدہ چیز کو کہتے ہیں جس کا نہ حواسِ ظاہرہ یا باطنہ سے ادراک کیا جا سکے، اور نہ بداہتِ عقل سے اس کا ادراک کیا جا سکے۔

حواسِ خمسہ ظاہرہ اور حواسِ خمسہ باطنہ کی تفصیل اور ان کی مثالیں

(حواسِ ظاہرہ پانچ ہیں: سمع یعنی سننا، بصر یعنی دیکھنا، لمس یعنی چھونا، ذوق یعنی چکھنا، حس یعنی کسی چیز کو محسوس کرنا، اسی طرح حواسِ باطنہ بھی پانچ ہیں: حسِ مشترک، خیال، وہم، حافظہ، اور متصرفہ) حسِ مشترک: حواسِ ظاہرہ کی صورتیں، خیال: حواسِ ظاہرہ کا خزانہ، وہم: محسوسات میں معانی جزئیہ کا ادراک کرنا مثلاً شیر اور بھیڑیے کو دیکھ کر ہلاک کرنے اور سانپ کو دیکھ کر دشمن کا ادراک کرنا، حافظہ: وہم کا خزانہ ہے، اور متصرفہ وہ قوت ہے جو ایک صورت حسِ مشترک سے لیتی ہے اور ایک صورت حافظہ سے لیتی ہے اور دونوں کو ملا کر کوئی نتیجہ نکالتی ہے، سو جاندار ان دس حواس سے کسی چیز کو جان لیتا ہے مثلاً بکری جب اپنی آنکھوں سے شیر یا بھیڑیے کو دیکھتی ہے تو باصرہ سے اس کی صورت، خیال کو پہنچا دیتی ہے، پھر وہم شیر یا بھیڑیے کی صورت میں ہلاک کرنے اور دشمنی کے معنی کا ادراک کرتا ہے کہ یہ مہلک ہے، ہلاک کر دے گا، پھر قوتِ متصرفہ ان دونوں صورتوں کو ملا کر یہ نتیجہ نکالتی ہے کہ بھاگ جاؤ، سو بکری شیر یا بھیڑیے کو دیکھ کر بھاگ جاتی ہے۔

بداہتِ عقل سے کسی چیز کو جاننا

سو انسان حواسِ ظاہرہ اور حواسِ باطنہ سے کسی چیز کو جان لیتا ہے اور بعض اوقات بداہتِ عقل سے کسی چیز کو جان لیتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا واحد ہونا، اس کو ہم حواسِ ظاہرہ یا حواسِ باطنہ سے نہیں جان سکتے اور نہ بداہتِ عقل سے جان سکتے ہیں جس طرح ہم سردی اور گرمی کو بداہتِ عقل سے جان لیتے ہیں، اس طرح ہم اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کو نہ حواس سے جان سکتے ہیں اور نہ بداہتِ عقل سے جان سکتے ہیں بلکہ عقل سے غور و فکر کر کے یہ جان لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ واحد ہیں۔

عقل سے غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کو جاننا

اللہ تعالیٰ واحد ہیں، کیونکہ یہ تمام کائنات ایک نمطِ واحد اور طرزِ واحد پر بنی ہوئی ہے اور اس کا نمطِ واحد اور طرزِ واحد پر بنا ہوا ہونا اس پر دلیل ہے کہ اس کا بنانے والا بھی واحد ہے، کیونکہ اگر اس کے بنانے والے متعدد ہوتے تو ہر خدا اس کائنات کو اپنی نمط اور اپنی طرز پر بناتا اور تمام کائنات کا نظام واحد نہ ہوتا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس پوری کائنات کا نظام واحد ہے، ہمیشہ نسلِ انسانی کی افزائش مرد و زن کے اختلاط سے ہوتی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیشہ آگ جلاتی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیشہ پانی کسی چیز کو ٹھنڈا کرتا ہے تو اس پوری کائنات کا نظامِ واحد پر جاری رہنا اس پر قوی دلیل ہے کہ اس نظام کا بنانے والا ناظم بھی واحد ہے۔

اسی طرح ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے، مثلاً کسی تعلیمی ادارے میں طلباء کی کثرت ہو تو وہ کسی ایک استاذ کے تابع ہوتے ہیں اور جب اساتذہ کی کثرت ہو تو وہ کسی ایک پرنسپل یا مہتمم کے تابع ہوتے ہیں، اسی طرح جب صوبائی وزراء کی کثرت ہو تو وہ کسی ایک وزیرِ اعلیٰ کے تابع ہوتے ہیں اور جب وفاقی وزراء کی کثرت ہو تو وہ کسی ایک وزیرِ اعظم کے

تابع ہوتے ہیں، غرض ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے، کسی صوبے کا وزیرِ اعلیٰ ایک ہوتا ہے، اسی طرح کسی ملک کا وزیرِ اعظم بھی ایک ہوتا ہے اور اسی طرح صدر بھی ایک ہوتا ہے، اگر متعدد وزرائے اعلیٰ ہوں یا متعدد وزرائے اعظم ہوں یا متعدد صدور ہوں تو اُن میں اتفاق نہیں ہوگا، کوئی ایک کسی پالیسی کو نافذ کرے گا تو دوسرا اس سے اختلاف کرے گا، لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں تمام امور ایک ہی طریقہ کے مطابق جاری ہیں تو معلوم ہوا کہ یہاں پر متعدد خدا نہیں ہیں، صرف ایک ہی خدا ہے اور ساری کثرت اسی کے تابع ہے، اور یہی قرآن مجید کی اس آیت کا تقاضا ہے: ''لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۲۲)'' (اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو ضرور آسمان وزمین دونوں تباہ ہوجاتے، سو اللہ عرش کے مالک، ان سب (خرافات) سے پاک اور منزہ ہیں جو مشرکین بیان کرتے ہیں)۔

عقل سے غور وفکر کر کے قیامت کے وقوع کو جان لینا

اسی طرح قیامت کے وقوع کو بھی نہ ہم حواس سے جان سکتے ہیں نہ بداہتِ عقل سے جان سکتے ہیں بلکہ عقل سے غور وفکر کر کے ہم قیامت کے وقوع کو جان لیتے ہیں، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں اس دنیا میں بعض ظالم ظلم کرتے رہتے ہیں اور ظلم کرتے کرتے مرجاتے ہیں اور اُن کو اس دنیا میں کوئی سزا نہیں ملتی اور اسی طرح اس دنیا میں بعض مظلوم ظلم سہتے سہتے مرجاتے ہیں اور اس دنیا میں ان کو ان کی مظلومیت پر کوئی جزاء نہیں ملتی، پس اگر یہ جہان یونہی ختم ہوجائے اور اس جہان کے بعد کوئی اور جہان نہ ہو جس میں ظالم کو اس کے ظلم پر سزا مل سکے اور مظلوم کو اس کی مظلومیت پر کوئی جزاء مل سکے تو یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کے عدل کے خلاف ہوگا، اس لیے ضروری ہے کہ یہ مانا جائے کہ اس جہان کے بعد کوئی اور جہان ہے جہاں ظالم کو اس کے ظلم کرنے پر سزا ملے گی اور مظلوم کو اس کی مظلومیت پر جزاء ملے گی، اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ جہان، اس جہان کے ختم ہونے کے بعد واقع ہو، کیونکہ جب تک یہ جہان قائم ہے، اس وقت تک لوگوں کے اعمال کا سلسلہ منقطع نہیں ہوگا، کیونکہ انسان مرجاتا ہے اور بہ ظاہر دنیا میں اس کے اعمال منقطع ہوجاتے ہیں لیکن حقیقت میں اس کے اعمال منقطع نہیں ہوتے اور اس کے اعمال نامہ میں نیکیوں اور برائیوں کے لکھنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے، ایک شخص کوئی شراب خانہ یا جوئے خانہ یا قحبہ خانہ بنا کر مرجاتا ہے لیکن اس کے مرنے کے بعد بھی شراب خانے میں شراب پی جاتی رہتی ہے، جوئے خانہ میں جوا کھیلا جاتا رہتا ہے، اور قحبہ خانے میں بدکاری کا اڈا چلتا رہتا ہے اور جب تک یہ بدکاری کے اڈے قائم رہیں گے اور ان میں بدکاریاں ہوتی رہیں گی، اس کے نامۂ اعمال میں برائیاں لکھی جاتی رہیں گی، اسی طرح ایک شخص کوئی مسجد یا دینی مدرسہ بنا کر مرجاتا ہے، بہ ظاہر اس کے مرنے کے بعد اس کے نیک اعمال کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے لیکن حقیقت میں اس کے نیک اعمال کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور جب تک اس کی بنائی ہوئی مسجد میں اللہ تعالیٰ کو سجدے کیے جاتے رہیں گے، نمازیں پڑھی جاتی رہیں گی، قرآنِ مجید کی تلاوت ہوتی رہے گی، تسبیحات اور تہلیلات کی جاتی رہیں گی تو ان سب کا ثواب اس کے نیک اعمال میں لکھا جاتا رہے گا، اسی طرح جو شخص کوئی دینی مدرسہ بنا کر مرجاتا ہے، بہ ظاہر اس کے مرنے کے بعد اس کے نیک اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے لیکن حقیقت میں جب تک اس دینی مدرسہ میں قرآن اور حدیث کو پڑھا، پڑھایا جاتا رہے گا اور دینی کتب کی تعلیم دی جاتی رہے گی، اس کے اعمال نامہ میں اس کی نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی، اسی طرح کوئی شخص قرآن مجید کی تفسیر لکھ کر یا حدیث کی کسی کتاب کی شرح لکھ کر مرجاتا ہے، بہ ظاہر اس کے مرنے کے بعد اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، لیکن حقیقت

میں اس کے نیک اعمال کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا جب تک اس کی لکھی ہوئی تفسیر کو لوگ پڑھتے رہیں گے اور اس کو پڑھ کر نیک اعمال کرتے رہیں گے، اس کے نیک اعمال میں نیکیوں کا سلسلہ لکھا جاتا رہے گا، اور جب تک اس کی لکھی ہوئی حدیث کی شرح کو لوگ پڑھتے رہیں گے اور پڑھ کر نیک عمل کرتے رہیں گے، اس کے نیک اعمال کا سلسلہ جاری رہے گا۔

اس لیے قیامت کا وقوع اس وقت ہوگا جب سب لوگ مر جائیں گے، کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا اور نیک اعمال کا سلسلہ بھی منقطع ہو چکا ہوگا اور برے اعمال کا سلسلہ بھی بند ہو چکا ہوگا، سو قیامت کے وقوع کے لیے یہ ضروری ہے کہ دنیا کے سب لوگ مر جائیں، کوئی بھی زندہ نہ رہے، پھر اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کو قائم فرمائیں گے اور جزا اور سزا کا نظام قائم فرمائیں گے اور ظالموں، کافروں اور نافرمانوں کو اُن کے ظلم، کفر اور فسق کی سزا دیں گے اور مسلمانوں اور مظلوموں کو اُن کے نیک اعمال اور اُن کی مظلومیت کے اوپر جزاء عطاء فرمائیں گے اور ثواب عطاء فرمائیں گے، سو اس لیے عقل سلیم یہ چاہتی ہے کہ قیامت قائم ہو اور جزا اور سزا کا نظام قائم ہو، سو بداہتِ عقل سے ہم قیامت کے وقوع کو نہیں جان سکتے بلکہ عقل سے غور وفکر کر کے ہم جان لیتے ہیں کہ قیامت واقع ہونی چاہیے اور جزاء اور سزا کا نظام قائم ہونا چاہیے۔

وحی اور الہام اور معجزہ اور کرامت

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ غیب اس مخفی چیز کو کہتے ہیں جس کا ادراک نہ حواس سے ہو سکے خواہ حواس ظاہرہ ہوں یا باطنہ اور نہ بداہتِ عقل سے اس کا ادراک ہو سکے۔ پھر غیب کا ادراک یا صرف عقل سے غور وفکر کر کے ہوتا ہے جیسے ہم عقل سے غور وفکر کر کے جان لیتے ہیں کہ اللہ ہیں اور واحد ہیں اور اللہ تعالیٰ غیب ہیں اور اسی طرح ہم عقل سے غور وفکر کر کے قیامت کے وقوع کو جان لیتے ہیں اور قیامت بھی غیب ہے، اور یا غیب کا ادراک انبیاء علیہم السلام کی خبر دینے سے ہوتا ہے مثلاً جنت غیب ہے، ہم نہ اپنی آنکھوں سے جنت کو دیکھ سکتے ہیں، نہ جنت کی آواز سن سکتے ہیں، نہ جنت کے کسی پھل کو چکھ کر اس کا ادراک کر سکتے ہیں، نہ جنت کو مس کر کے اور چھو کر جان سکتے ہیں، سو اس غیب کے جاننے کا صرف یہ ذریعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے ہمیں جنت کی خبر دیں، اور اسی طرح دوزخ کی خبر دیں، نیز ہم فرشتوں کو حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام کو نہیں دیکھ سکتے، ان کے ادراک کی بھی صرف یہ سبیل ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے ہمیں فرشتوں کی خبر دیں، پھر جس طرح اللہ تعالیٰ ہمیں انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے غیب پر مطلع فرماتے ہیں، اسی طرح اولیاء کرام کی وساطت سے بھی ہمیں غیب پر مطلع فرماتے ہیں، فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہمیں جس غیب پر خبر دیں وہ خبر قطعی ہوتی ہے اور اولیاء کرام ہمیں جس غیب پر مطلع کریں وہ غیب ظنی ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام جس غیب کی خبر دیں وہ ان کا معجزہ ہوتا ہے اور اولیاء کرام ہم کو جس غیب پر مطلع کریں وہ ان کی کرامت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے غیر پر عالم الغیب کے اطلاق کا عدم جواز

ہمارے نزدیک عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہیں، ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور الہام کے ذریعہ سے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو بھی علم غیب ہوتا ہے، بلکہ عام مسلمانوں کو بھی علم غیب ہوتا ہے کیونکہ ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، فرشتوں اور جنت اور دوزخ کا علم ہے، اور چونکہ یہ سب امورِ غیب ہیں اس لیے ان کا علم، علم غیب ہے لیکن عرفِ شرع میں عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی صفت مخصوصہ ہے، اس لیے خواہ عام مسلمانوں کو علم غیب حاصل ہو لیکن ان کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں ہے، جیسے ہمارے نبی سیدنا محمد

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عزیز اور جلیل ہیں لیکن محمد عزوجل کہنا جائز نہیں ہے اور جیسے آپ صاحب برکت اور صاحب علو ہیں لیکن محمد تبارک وتعالیٰ کہنا جائز نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کہلوانے کی توجیہ کہ اگر میں غیب کو جانتا تو خیر کثیر جمع کر لیتا

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ کثرت واقعات کی خبر دی ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم معجزوں میں سے ہے تو آیت کریمہ "قُلۡ لَّاۤ اَمۡلِكُ لِنَفۡسِیۡ نَفۡعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوۡ كُنۡتُ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ لَاسۡتَكۡثَرۡتُ مِنَ الۡخَیۡرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوۡٓءُ ۔۔۔ (الاعراف:۱۸۸)" (اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: میں از خود اپنی جان کے لیے نہ کسی نفع کا مالک ہوں اور نہ کسی نقصان کا، مگر (اس کا) جو اللہ چاہیں، اور اگر میں (از خود) غیب جانتا ہوتا تو ضرور (از خود) بہت سی اچھائیوں کو جمع کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی)، اور دیگر اُن احادیث میں کیسے تطبیق ہوگی جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ کثرت غیب کی خبریں دی ہیں۔

پس میں کہوں گا کہ ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہ طور تواضع اور ادب از خود علمِ غیب نہ جاننے کے کلمات کہلوائے ہوں، اور اس آیت (الاعراف:۱۸۸) کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مطلع اور قادر کیے بغیر میں غیب کو نہیں جانتا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غیب پر مطلع فرمانے سے پہلے یہ کلمات کہلوائے ہوں، پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہ کثرت غیوب پر مطلع فرمادیا تو آپ نے غیب کی خبریں دیں، جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے: "عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡهِرُ عَلٰی غَیۡبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ ۔۔۔ (الجن:۲۶-۲۷)" (اللہ غیب کے جاننے والے ہیں، سو وہ اپنے غیب پر کسی کو (کامل) اطلاع نہیں عطاء فرماتے ○ مگر اُن کو اطلاع فرماتے ہیں جو اس کے سب پسندیدہ رسول ہیں)۔

یا اس آیت (الاعراف:۱۸۸) میں کفار کے سوال کا جواب ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سارے مغیبات پر مطلع فرمایا تو آپ نے ان کی خبریں دیں اور یہ آپ کا معجزہ ہوگیا اور آپ کی نبوت کی صحت پر دلیل ہوگئی۔

(روح المعانی ج ۶ جز ۹ ص ۱۹۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

یہ کلام براہ ادب وتواضع ہے، معنی یہ ہیں کہ میں اپنی ذات سے غیب نہیں جانتا جو جانتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی عطاء اور اس کی اطلاع سے جانتا ہوں۔ (خازن) حضرت مترجم (اعلیٰ حضرت) قدس سرہ نے فرمایا: بھلائی جمع کرنا اور برائی نہ پہنچنا اسی کے اختیار میں ہوسکتا ہے جو ذاتی قدرت رکھے اور ذاتی قدرت وہی رکھے گا جس کا علم بھی ذاتی ہو، کیونکہ جس کی ایک صفت ذاتی ہے تو اس کی تمام صفات ذاتی ہوتی ہیں، پس معنی یہ ہوئے کہ اگر مجھے غیب کا علم ذاتی ہوتا تو قدرت بھی ذاتی ہوتی اور میں بھلائی جمع کر لیتا اور برائی نہ پہنچنے دیتا، بھلائی سے مراد راحتیں اور کامیابیاں اور دشمنوں پر غلبہ ہے اور برائیوں سے مراد تنگی اور تکلیف اور دشمنوں کا غالب آنا ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بھلائی سے مراد سرکشوں کا مطیع اور نافرمانوں کا فرمانبردار اور کافروں کا مومن کر لینا ہو، اور برائی سے بدبخت لوگوں کا باوجود دعوت کے محروم رہ جانا ہو، لہٰذا حاصل کلام یہ ہوگا کہ اگر میں نفع اور ضرر کا ذاتی اختیار رکھتا تو اے منافقین

وکافرین تم سب کو مومن کر ڈالتا اور تمہاری کفری حالت دیکھنے کی تکلیف مجھے نہ پہنچتی۔

(خزائن العرفان علی حاشیۃ کنز الایمان ص ۲۴۰ مجلس المدینۃ العلمیہ، کراچی ۱۴۳۲ھ)

علماء دیو بند نے بھی اسی کے قریب اس آیت کی تفسیر کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم الغیب کہنے اور آپ کی طرف علم غیب کی نسبت کرنے میں علماء دیو بند کا نظریہ

مفتی محمد شفیع دیو بندی متوفی ۱۳۹۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اس کا اعلان کر دیں کہ میں اپنے نفس کے لیے بھی نفع نقصان کا مالک نہیں، دوسروں کے نفع نقصان کا تو کیا ذکر ہے۔

اسی طرح یہ بھی اعلان کر دیں کہ میں عالم الغیب نہیں ہوں کہ ہر چیز کا علم ہونا میرے لیے ضروری ہو، اور اگر مجھے علم غیب ہوتا تو میں ہر نفع کی چیز کو ضرور حاصل کر لیا کرتا اور کوئی نفع میرے ہاتھ سے فوت نہ ہوتا۔ اور ہر نقصان کی چیز سے ہمیشہ محفوظ ہی رہتا اور کبھی کوئی نقصان مجھے نہ پہنچتا، حالانکہ یہ دونوں باتیں نہیں ہیں، بہت سے کام ایسے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حاصل کرنا چاہا مگر حاصل نہیں ہوئے اور بہت سی تکلیفیں اور مضرتیں ایسی ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچنے کا ارادہ کیا مگر وہ مضرت و تکلیف پہنچ گئی۔ غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر آپ صحابہ کرام کے ساتھ احرام باندھ کر عمرہ کا ارادہ کر کے حدود حرم تک پہنچ گئے مگر حرم میں داخلہ اور عمرہ کی ادائیگی اس وقت نہ ہو سکی سب کو احرام کھول کر واپس ہونا پڑا۔

اسی طرح غزوۂ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زخم پہنچا اور مسلمانوں کو عارضی شکست ہوئی، اسی طرح کے اور بہت سے واقعات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں معروف و مشہور ہیں۔ اور شاید ایسے واقعات کے ظاہر کرنے کا مقصد ہی یہ ہو کہ لوگوں پر عملاً یہ بات واضح کر دی جائے کہ انبیاء علیہم السلام اگر چہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول اور افضل خلائق ہیں مگر پھر بھی وہ خدائی علم وقدرت کے مالک نہیں تا کہ لوگ اس غلط فہمی کے شکار نہ ہو جائیں جس میں عیسائی اور نصرانی مبتلاء ہو گئے کہ اپنے رسول کو خدائی صفات کا مالک سمجھ بیٹھے اور اس طرح شرک میں مبتلاء ہو گئے۔

اس آیت نے بھی یہ واضح کر دیا کہ انبیاء علیہم السلام نہ قادر مطلق ہوتے ہیں نہ عالم الغیب بلکہ ان کو علم وقدرت کا اتنا ہی حصہ حاصل ہوتا ہے جتنا من جانب اللہ ان کو دے دیا جائے۔

ہاں اس میں شک وشبہ نہیں کہ جو حصہ علم کا ان کو عطاء ہوتا ہے وہ ساری مخلوقات سے بڑھا ہوا ہوتا ہے، خصوصاً ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا گیا تھا۔ یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کو جتنا علم دیا گیا تھا وہ سب اور اس سے بھی زیادہ آپ کو عطا فرمایا گیا تھا۔ اور اسی عطا شدہ علم کے مطابق آپ نے ہزاروں غیب کی باتوں کی خبریں دیں جن کی سچائی کا ہر عام وخاص نے مشاہدہ کیا۔ اس کی وجہ سے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہزاروں لاکھوں غیب کی چیزوں کا علم عطا کیا گیا تھا، مگر اس کو اصطلاح قرآن میں علم غیب نہیں کہہ سکتے اور اس کی وجہ سے رسول کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔

(معارف القرآن ج ۴ ص ۱۴۸-۱۴۷، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۹۹۳ء)

مفتی شفیع دیوبندی کی ''معارف القرآن'' پر مصنف کا تبصرہ

مفتی شفیع دیوبندی نے کہا ہے: ''عطاء شدہ ہزاروں لاکھوں غیب کی چیزوں کے علم کو اصطلاحِ قرآن میں علم غیب نہیں کہہ سکتے''۔

میں کہتا ہوں: مفتی شفیع دیوبندی کا یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ مومنین کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن غیب کی خبروں کا علم عطاء فرمایا مثلاً جنت، دوزخ، فرشتوں، جنات، عرش، کرسی وغیرہا ان کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ۔۔ (البقرہ: ۲۔۳)'' (یہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے O جو غیب پر ایمان لاتے ہیں)۔

''يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ'' کا معنی ہے ''یصدقون بالغیب'' اور تصدیق علم کی قسم ہے، سو اس کا معنی ہے: ''یعلمون بالغیب''۔ لہٰذا اس آیت میں اللہ عزوجل نے متقین کو جن غیب کی خبروں کا علم عطاء فرمایا تھا، اس پر اللہ تعالیٰ نے علمِ غیب کا اطلاق فرمایا ہے، اس کو آسان الفاظ میں یوں کہیں گے کہ متقین غیب کی خبروں پر ایمان لاتے ہیں (مثلاً جنت اور دوزخ وغیرہ پر)۔ اور غیب کی خبروں پر اسی وقت ایمان ہوگا جب اُن کو غیب کا علم ہوگا، اور یہ اصطلاحِ قرآن کی بات نہیں ہے بلکہ عینِ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے متقین کے علم پر، علمِ غیب کا اطلاق فرمایا ہے، سو مفتی شفیع کی مذکور الصدر تفسیر خلافِ قرآن ہے، اور رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم الغیب کا اطلاق تو وہ ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنے اور آپ کی طرف علم غیب کی نسبت کرنے میں امام احمد رضا بریلوی کا نظریہ

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

علم غیب عطا ہونا اور لفظ عالم الغیب کا اطلاق اور بعض اجلہ اکابر کے کلام میں اگر چہ بندہ مومن کی نسبت صریح لفظ ''یعلم الغیب'' وارد ہے کما فی مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح للملاعلی القاری (ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں: ونعتقد ان العبد ینقل فی الاحوال حتی یصیر الی نعت الروحانیۃ فیعلم الغیب۔ مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۱۲۸، المکتبۃ الحقانیہ پشاور۔) بلکہ خود حدیث سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما میں سیدنا خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ارشاد ہے کان یعلم علم الغیب (امام ابوجعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق نقل کرتے ہیں: ''انه کان رجلا یعمل علی الغیب قد علم ذالك'' (تفسیر الطبری ج ۱۵ ص ۳۳۴، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)) مگر ہماری تحقیق میں لفظ عالم الغیب کا اطلاق حضرت عزت عز جلالہ کے ساتھ خاص ہے کہ اس سے عرفاً علم بالذات متبادر ہے۔ کشاف میں ہے المراد به الخفی الذی لا ینفذ فیه ابتداء الا علم اللطیف الخبیر ولهذا لا یجوز ان یطلق فیقال فلان یعلم الغیب (غیب سے مراد وہ پوشیدہ چیز ہے جس میں ابتداء صرف اللہ تعالیٰ کا علم نافذ ہوتا ہے، اس لیے مطلقاً یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فلاں شخص غیب کو جانتا ہے)۔

اور اس سے انکارِ معنی لازم نہیں آتا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً بے شمار غیوب و ما کان و ما یکون کے عالم ہیں مگر عالم الغیب صرف اللہ عزوجل کو کہا جائے گا، جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً عزت و جلالت والے ہیں تمام عالم میں ان کے برابر کوئی عزیز و جلیل نہ ہے نہ ہوسکتا ہے مگر محمد عزوجل کہنا جائز نہیں بلکہ اللہ عزوجل و محمد صلی اللہ علیہ وسلم (کہا جائے گا)۔ غرض صدق و صورت معنی کو جواز اطلاق لفظ لازم نہیں بلکہ منع اطلاق لفظ کو نفی صحت معنی، امام ابن المنیر اسکندری کتاب الانتصاف میں فرماتے ہیں: کم من معتقد لا یطلق

القول به خشية ايهام غيره مما لا يجوز اعتقاده فلا ربط بين الاعتقاد والاطلاق (کتنے عقائد ایسے ہیں جن کا مطلقاً قول نہیں کیا جاتا، مبادا ان کے غیر کا وہم کیا جائے جن کا اعتقاد جائز نہیں ہے، اس لیے کسی چیز کا اعتقاد رکھنے اور اس کا اطلاق کرنے میں کوئی تلازم نہیں ہے) یہ سب اس صورت میں ہے کہ مقید بقید اطلاق، اطلاق کیا جائے یا بلا قید علی الاطلاق مثلاً عالم الغیب یا عالم الغیب علی الاطلاق اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ بالواسطہ یا بالعطا کی تصریح کر دی جائے تو وہ محذور نہیں کہ ایہام زائل اور مراد حاصل۔ علامہ سید شریف قدس سرہ حواشی کشاف میں فرماتے ہیں: ولان المراد بالغيب ما ذكر وانما لم يجز الاطلاق في غيره تعالىٰ لانه يتبادر منه تعلق علم به ابتداء فيكون مناقضا واما اذا قيد وقيل اعلمه الله تعالىٰ الغيب او اطلعه عليه فلا محذور فيه (حاشیۃ السید الشریف علی الکشاف ص ۱۲۸، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر) (اللہ تعالیٰ کے غیر کے لیے علم غیب کا اطلاق کرنا اس لیے جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ علم کا تعلق ابتداءً ہے، تو یہ قرآن مجید کے خلاف ہو جائے گا لیکن جب اس کو مقید کیا جائے اور یوں کہا جائے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبر دی ہے یا اس کو غیب پر مطلع فرمایا ہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۸۱، مطبوعہ دار العلوم امجدیہ، کراچی)

نیز امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ فرماتے ہیں:

علم ما فی الغد (کل کا علم) کے بارہ میں ام المومنین کا قول ہے کہ جو یہ کہے کہ حضور کو علم ما فی الغد (کل کا علم) تھا وہ جھوٹا ہے۔ اس سے مطلق علم کا انکار نکالنا محض جہالت ہے علم جب کہ مطلق بولا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی خبر کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔ اس کی تصریح حاشیہ کشاف پر میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے کر دی ہے اور یہ یقیناً حق ہے کہ کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔ (ملفوظات ج ۳ ص ۳۴، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی)

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے یہ تصریح کی ہے کہ علوم اولین و آخرین کے حامل ہونے اور بہ کثرت غیب پر مطلع ہونے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا اور آپ کی طرف علم غیب کی نسبت کرنا ہر چند کہ از روئے لغت اور معنی صحیح ہے لیکن اصطلاحاً صحیح نہیں ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ رسالت پر کفار کے شبہ کا جواب

"وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝": کفار یہ کہتے تھے کہ اگر آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں اور اس کے رسول ہیں تو پھر ہمیں بتائیے کہ مستقبل میں ہمارے لیے کیا فائدے کی چیزیں ہیں اور کیا نقصان کی چیزیں ہیں، تاکہ ہم اُن فائدہ کی چیزوں کو حاصل کر لیں اور نقصان کی چیزوں سے بچ جائیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ میں غیب کو نہیں جانتا اور نہ میں فرشتہ ہوں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے تھے: "وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ... (الفرقان: ۷)" (اور کفار نے کہا: اس رسول کو کیا ہوا ہے کہ یہ کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے ہیں)، اور یہ لوگوں سے مل جل کر رہتے ہیں اور شادیاں کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے رد میں فرمایا: آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں فرشتوں میں سے تو نہیں ہوں کہ کھانا نہ کھاؤں اور بازاروں میں نہ چلوں اور شادی نہ کروں۔

خلاصہ یہ ہے کہ میں الوہیت کا دعویٰ نہیں کرتا اور نہ فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں، لیکن میں رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔

(اللباب فی علوم الکتاب ج ۸ ص ۱۴۷ ـ ۱۵۸ ملخصاً و مضیفاً و مزیداً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّ لَا شَفِیْعٌ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ (۵۱)

اور (اے رسولِ اکرم!) آپ اس قرآن سے ان لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے جو اپنے رب کے سامنے جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں، اس حال میں کہ اللہ کے سوا نہ اُن کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا (آپ انہیں عذاب سے ڈرایئے) تاکہ وہ متقی بن جائیں O

وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَیْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَیْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (۵۲)

اور ان (مسکین مسلمانوں) کو (اپنے سے) دور نہ کیجئے جو صبح اور شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، جو صرف اپنے رب کی رضا چاہتے ہیں، اور اُن کے حساب سے آپ کے ذمہ کچھ نہیں، اور نہ آپ کے حساب سے ان کے ذمہ کوئی چیز ہے، پھر (بھی اگر بالفرض) آپ انہیں خود سے دور کریں گے تو (معاذ اللہ) آپ ناانصافی کرنے والوں میں سے ہوجائیں گے O

وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّیَقُوْلُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنْۢ بَیْنِنَا ؕ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِیْنَ (۵۳)

اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے آزمایا کہ انجام کار (مال دار کفار فقراء مومنین کو دیکھ کر کہیں:) کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان فرمایا ہے؟ (اے منکرو!) کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جاننے والا نہیں ہے! O

وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۵۴)

اور جب آپ کے پاس ہماری آیات پر ایمان لانے والے آئیں تو آپ کہیں: تم پر سلام ہو، تمہارے رب نے (از راہِ کرم) خود پر رحمت کو لازم فرمالیا ہے کہ تم میں سے جس نے نادانی سے کوئی برا کام کیا، پھر اس کے بعد اس نے توبہ کرلی اور اپنی اصلاح کرلی تو بے شک اللہ بہت زیادہ بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ وَلِتَسۡتَبِيۡنَ سَبِيۡلُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۵۵﴾

اور ہم اسی طرح تفصیل سے (اپنی) آیات کو بیان فرماتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ متمیز ہو جائے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) آپ اس قرآن سے ان لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے جو اپنے رب کے سامنے جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں، اس حال میں کہ اللہ کے سوا نہ اُن کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا (آپ انہیں عذاب سے ڈرایئے) تاکہ وہ متقی بن جائیں O'' (الانعام: ۵۱)

خصوصیت سے حشر پر ایمان رکھنے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کی توجیہ

علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، الانعام: ۵۱ تا ۵۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَاَنۡذِرۡ بِهِ الَّذِيۡنَ يَخَافُوۡنَ اَنۡ يُّحۡشَرُوۡۤا اِلٰى رَبِّهِمۡ لَيۡسَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ وَلِىٌّ وَّلَا شَفِيۡعٌ لَّعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ﴿۵۱﴾'':
ہر چند کہ قرآنِ مجید تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا ہے، لیکن اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ اُن لوگوں کو قرآنِ مجید سے ڈرانے کا حکم فرمایا ہے جو حشر پر یقین رکھتے تھے، کیونکہ اُن پر عذاب سے ڈرانے کی وعید زیادہ ظاہر ہے اور حشر پر ایمان رکھنے والے اہلِ کتاب ہیں اور مسلمان ہیں، سو مسلمانوں کو اس لیے عذاب سے ڈرائیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر زیادہ دل جمعی کے ساتھ عمل کریں، اور اہلِ کتاب کو اس لیے اللہ کے عذاب سے ڈرائیں کہ وہ مرنے کے بعد زندہ کیے جانے پر ایمان رکھتے ہیں، اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مددگار اور اس کے سامنے سفارش کرنے والا نہیں ہے، کیونکہ ''وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ وَالنَّصٰرٰى نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ۔۔۔ (المائدہ: ۱۸)'' (اور یہود اور نصاریٰ نے کہا: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں)، اس آیت میں اللہ عزوجل نے یہ بتایا کہ ان کا نہ کوئی ولی ہوگا اور نہ ان کے حق میں کوئی سفارش کرنے والا ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اُن (مسکین مسلمانوں) کو (اپنے سے) دور نہ کیجیے جو صبح اور شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، جو صرف اپنے رب کی رضا چاہتے ہیں، اور اُن کے حساب سے آپ کے ذمہ کچھ نہیں، اور نہ آپ کے حساب سے ان کے ذمہ کوئی چیز ہے، پھر (بھی اگر بالفرض) آپ انہیں خود سے دور کریں گے تو (معاذ اللہ) آپ ناانصافی کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے O'' (الانعام: ۵۲)

''وَلَا تَطۡرُدِ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِىِّ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ ؕ مَا عَلَيۡكَ مِنۡ حِسَابِهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ وَّمَا مِنۡ حِسَابِكَ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ فَتَطۡرُدَهُمۡ'':

الانعام: ۵۲ کا شانِ نزول

یہ آیت پانچ یا چھ فقراء مسلمین کے متعلق نازل ہوئی ہے: حضرت ابن مسعود، حضرت صہیب، حضرت عمار، حضرت مقداد اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم۔ کفارِ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم اس کو پسند نہیں کرتے کہ ہم ان لوگوں کی پیروی کریں، آپ

ان لوگوں کو اپنے پاس سے دور کیجئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں وہ چیز آئی جس کو اللہ تعالیٰ نے چاہا، تب یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت کے متعلق حسبِ ذیل احادیث بھی روایت کی گئی ہیں:

(۱) حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ آیت ہمارے متعلق نازل ہوئی ہے، ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں بہت کمزور لوگوں میں شمار ہوتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں صبح اور شام قرآن مجید کی اُن آیات کی تعلیم دیتے تھے جو ہمارے لیے نفع آور ہوتی تھیں، پس ایک دن آپ کے پاس الاقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن آئے، ان دونوں نے کہا: ہم اپنی قوم کے معزز لوگوں میں سے ہیں، اور ہم اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ لوگ ہمیں ان فقراء کے ساتھ دیکھیں، پس جب ہم آپ کی مجلس میں ہوں تو آپ ان لوگوں کو اٹھا دیا کریں، آپ نے فرمایا: ''ہاں!'' پھر انہوں نے کہا: ہم اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ہمارے متعلق ایک مکتوب نہ لکھ دیں، پس آپ کے پاس چمڑے کا ایک قطعہ اور دوات لائی گئی اور آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھنے کے لیے بلایا، پس جب آپ نے لکھوانے کا ارادہ کیا تو آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے: ''وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ... (الانعام: ۵۲)''، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس چمڑے کے قطعہ کو پھینک دیا اور ہم کو بلایا، ہم آپ کے پاس آئے اور اس وقت آپ فرما رہے تھے: تم پر سلام ہو، تمہارے رب نے از راہِ کرم خود پر رحمت کو لازم فرما لیا ہے، پھر اس دن ہم آپ کے اتنے قریب ہوئے کہ ہم نے اپنے زانو آپ کے زانو کے اوپر رکھے۔

(سنن ابن ماجہ: ۴۱۲۷، تفسیر الطبری: ۱۳۲۶۱، الوسیط للواحدی ج ۲ ص ۲۷۴، اسباب النزول للواحدی: ۴۳۲)

اس حدیث کی صحت پر یہ اعتراض ہے کہ الانعام: ۵۲ مکی ہے اور یہ حدیث مدنی ہے، کیونکہ الاقرع اور عیینہ مدینہ میں رہتے تھے۔

(۲) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھ اصحاب کے متعلق نازل ہوئی، اُن میں، میں تھا، حضرت ابن مسعود تھے، حضرت بلال تھے، اور ہذیل سے تعلق رکھنے والا ایک مرد تھا، اور دو اور مرد تھے۔ تو مشرکین نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: ان کو اپنے پاس سے اٹھا دیں، یہ ہمارے ساتھ بیٹھنے کی جرأت نہ کریں، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

(صحیح مسلم: ۲۴۱۳، سنن ابن ماجہ: ۴۱۲۸، مسند ابویعلیٰ: ۸۲۶، تفسیر الطبری: ۱۳۲۶۶، اسباب النزول للواحدی: ۴۳۱، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۳۱۹، مسند احمد: ۱۵۰۲، المعجم الکبیر: ۱۰۵۰۲، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۰۔۲۱، مسند عبد بن حمید: ۱۳۱، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۰، مصنف عبد الرزاق: ۱۴۰۴۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۱۵۰، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانی المتوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

(۳) عکرمہ نے بیان کیا کہ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے وہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، قرظۃ بن عبد عمرو بن نوفل، الحارث بن عامر بن نوفل، مطعم بن عدی بن الخیار بن نوفل اور دوسرے اشرافِ کفار تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲۵۶۴، سنن ابن ماجہ: ۴۱۲۷، المعجم الکبیر: ۳۶۹۳، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۴۶۔۱۴۷، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۳۵۲۔۳۵۳)

(۴) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: قریش کے چند لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرے اور اس وقت آپ کے پاس حضرت خباب، حضرت صہیب، حضرت بلال اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم تھے، انہوں نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم!) آپ ان

لوگوں سے راضی ہیں، کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم ان کی پیروی کریں! تب الانعام: ۵۲ نازل ہوئی۔

(یہ حدیث حسن ہے، مسند احمد: ۳۹۷۵، مسند البزار: ۲۲۰۹، المعجم الکبیر: ۱۰۵۲۰، مجمع الزوائد: ۱۰۹۹۷)

''فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ'' کی ابن الانباری کی طرف سے توجیہ اور مصنف کا اس سے اختلاف

''فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾'': ابن الانباری نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ آیت بہت سنگین تھی اور آپ کو یہ خوف ہوا کہ کہیں آپ کو بھی ظالموں میں داخل نہ کر دیا جائے، کیونکہ آپ کے دل میں یہ بات آئی تھی کہ آپ اُن رؤساء قریش کو فقراء مسلمین پر مقدم کر دیں اور ان مال دار کافروں کو فقراءِ مسلمین پر ترجیح دیں۔

میں کہتا ہوں: اس آیت سے مقصود صرف فقراءِ مسلمین کا اللہ عزوجل کے نزدیک مرتبہ اور مقام بیان فرمانا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ضرور خواہش رکھتے تھے کہ معززینِ قریش اسلام قبول کر لیں پھر ان کی پیروی میں دیگر کفار بھی اسلام قبول کر لیں گے، مگر آپ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ آپ قریش کے مال دار کفار کو اُن فقراءِ مسلمین پر ترجیح دیں جو صبح شام اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے تھے، ہر چند کہ آپ کی یہ خواہش نہیں تھی تاہم یہ ممکن تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغِ اسلام کی شدتِ حرص کی بناء پر کفارِ قریش کی بات مان لیتے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی آپ کو خبردار فرما دیا کہ آپ ایسا نہ کریں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے آزمایا کہ انجامِ کار (مال دار کفار فقراءِ مومنین کو دیکھ کر کہیں): کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان فرمایا ہے؟ (اے منکرو!) کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جاننے والے نہیں ہیں! O'' (الانعام: ۵۳)

''وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا'': اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے مالداروں کو تنگدستوں کے ساتھ آزمایا، اور ہم نے ان کو ایک دوسرے کے ساتھ مبتلاء فرمایا تاکہ مال دار متکبر حقارت سے یہ کہیں: کیا یہی وہ فقراء اور تنگدست لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دے کر ہم پر ترجیح دی ہے، یہ استفہام انکار کے معنی میں ہے، گویا کہ انہوں نے اس بات کا انکار کیا کہ یہ تنگدست اور فقراء کسی فضیلت کی بناء پر ہم سے برتر ہیں، اللہ عزوجل نے فرمایا:

''اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾'': کیا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جاننے والے نہیں ہیں کہ جب اُن کو اللہ تعالیٰ ہدایت کی نعمت عطاء فرمائیں تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں، اور یہ استفہام برائے تقریر ہے، یعنی اللہ ضرور جاننے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب آپ کے پاس ہماری آیات پر ایمان لانے والے آئیں تو آپ کہیں: تم پر سلام ہو، تمہارے رب نے (از راہِ کرم) خود پر رحمت کو لازم فرما لیا ہے کہ تم میں سے جس نے نادانی سے کوئی برا کام کیا، پھر اس کے بعد اس نے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ بہت زیادہ بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O'' (الانعام: ۵۴)

الانعام: ۵۴ میں مذکور مومنین کے مصداق کے متعلق چار اقوال

''وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا'':

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ آیت کن لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس میں مفسرین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ آیت اُن مردوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے عرض کیا: ہم سے بڑے بڑے گناہ ہو گئے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکوت فرمایا، تب یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) حسن بصری اور عکرمہ نے کہا کہ یہ آیت اُن نادار صحابہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا تھا کہ آپ ان کو خود سے دور نہ کریں۔

(۳) عطاء بن ابی رباح نے کہا: یہ آیت حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت حمزہ، حضرت جعفر، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت ابوعبیدہ، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت سالم، حضرت ابوسلمہ، حضرت الارقم بن ابی الارقم، حضرت عمار اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(۴) ابوسلیمان الدمشقی نے کہا: یہ آیت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر بشارت دینے کے لیے نازل ہوئی ہے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے اس آیت کی تلاوت کی۔

اللہ تعالیٰ کے سلام بھیجنے کا معنی، ''سُوْٓءًا'' کی تفسیر اور جہالت سے کیے ہوئے گناہوں کا معنی

''فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝'': اس آیت کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) حسن بصری اور عکرمہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان فقراء صحابہ کی عزت افزائی کے لیے ان کو سلام کرنے کا حکم دیا۔

(۲) الزجاج نے کہا: سلام کا معنی کسی انسان کے لیے یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو آفات سے اور مصائب سے محفوظ رکھیں۔

''سُوْٓءًا'': اس کی تفسیر میں بھی دو قول ہیں:

(۱) ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو شرک سے محفوظ رکھیں۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو نافرمانیوں سے محفوظ رکھیں۔

جہالت کی تفسیر ہم سورۃ النساء میں بیان کر چکے ہیں۔

یعنی یہ توبہ اُن کے لیے ہے جو نادانی سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کر بیٹھیں اور اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ بے علمی سے کوئی گناہ کریں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ آخرت میں اس گناہ کے عذاب پر غور و فکر کیے بغیر گناہ کا کوئی کام کر بیٹھیں، پھر موت آنے سے پہلے توبہ کر لیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم اسی طرح تفصیل سے (اپنی) آیات کو بیان فرماتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ متمیز ہو جائے ○'' (الانعام: ۵۵)

''وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَ لِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ۠ ﴿۵۵﴾'': یعنی جس طرح ہم نے اس سورت میں اپنے دلائل وضاحت سے بیان فرمائے ہیں، اسی طرح ہم منکرین اور مشرکین کے سامنے اپنے دلائل اور براہین کی وضاحت فرماتے ہیں۔

مجرموں کے راستہ کا مصداق

اس آیت کی تفسیر میں بھی دو قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مجرموں کے راستہ سے مراد اُن کا شرک اور اُن کا کفر ہے اور اس کے نتیجہ میں ان کا دوزخ میں اور دنیا کی رسوائی میں مبتلاء ہونا ہے۔

(۲) ابوسلیمان الدمشقی نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ مال دار مشرکین فقراء مسلمین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنے سے جو منع کرتے تھے، اس کی وجہ صرف ان کا حسد اور ان کا تکبر تھا۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۳۱-۳۵ ملخصا ومخرجا، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾

(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: بے شک مجھے اُن کی عبادت کرنے سے منع فرمایا گیا ہے جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، آپ کہیے: میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا، (اگر بالفرض میں نے ایسا کیا) تو اس وقت میں ضرور گمراہ ہو جاؤں گا اور میں ہدایت پانے والوں میں سے نہ ہوں گا O

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَ هُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾

آپ کہیے: بے شک میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر قائم ہوں، اور تم نے اس دلیل کو جھٹلایا، جس (عذاب) کو تم جلد طلب کر رہے ہو وہ میرے اختیار میں نہیں ہے، حکم صرف اللہ کا ہے، وہ حق بیان فرماتے ہیں اور وہ سب سے عمدہ فیصلہ فرمانے والے ہیں O

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾

آپ کہیے: اگر میرے اختیار میں وہ (عذاب) ہوتا جس کو تم جلد طلب کر رہے ہو، تو ضرور میرے اور تمہارے درمیان (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والے ہیں O

وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ وَ مَا تَسْقُطُ

مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿٥٩﴾

اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، اس کے سوا کوئی (از خود) ان چابیوں کو نہیں جانتا، اور وہ ہر اس چیز کو خوب جانتے ہیں جو خشکی میں اور دریاؤں میں ہے، اور جو پتا بھی گرتا ہے اس کو وہ جانتے ہیں، اور وہ زمین کی تاریکیوں میں (پڑے ہوئے) ہر دانہ کو خوب جانتے ہیں، اور ہر تر اور ہر خشک چیز روشن کتاب میں لکھی ہوئی ہے O

وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٠﴾ ع

اور وہی ہیں جو رات کے وقت تمہاری روحوں کو قبض فرمالیتے ہیں، اور وہ اُن تمام کاموں کو جانتے ہیں جو تم نے دن میں کئے ہیں، پھر وہ تمہیں دن میں اٹھادیتے ہیں تاکہ مقررہ مدت پوری فرمادی جائے، پھر انہی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے، پھر وہ تمہیں اُن کاموں کی خبر دیں گے جو تم دنیا میں کرتے تھے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: بے شک مجھے اُن کی عبادت کرنے سے منع فرمایا گیا ہے جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، آپ کہیے: میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا، (اگر بالفرض میں نے ایسا کیا) تو اس وقت میں ضرور گمراہ ہو جاؤں گا اور میں ہدایت پانے والوں میں سے نہ ہوں گا O'' (الانعام:٥٦)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ٥١٦ھ، الانعام:٥٦ تا ٦٠ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿٥٦﴾'': یعنی مجھے بتوں کی عبادت کرنے سے اور فقراءِ مسلمین کو اپنے پاس سے دھتکارنے سے منع فرمایا گیا ہے، اور اگر بالفرض میں نے ایسا کیا تو میں ہدایت کے راستہ اور صراطِ مستقیم کو چھوڑنے والا ہوں گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: بے شک میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر قائم ہوں، اور تم نے اس دلیل کو جھٹلایا، جس (عذاب) کو تم جلد طلب کر رہے ہو وہ میرے اختیار میں نہیں ہے، حکم صرف اللہ کا ہے، وہ حق بیان فرماتے ہیں اور وہ سب سے عمدہ فیصلہ فرمانے والے ہیں O'' (الانعام:٥٧)

کفار جس چیز کو جلد طلب کرتے تھے اس کا مصداق

''قُلْ اِنِّیْ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ

الْفٰصِلِیْنَ ۝ ‘‘:

یعنی مجھے اس پر شرح صدر ہے اور مکمل بصیرت ہے کہ میں جو احکام شرعیہ بیان کررہا ہوں، میں اُن میں اپنے رب کی ہدایت پر ہوں، اور تم مجھ سے جس عذاب کے جلد بھیجنے کا مطالبہ کررہے ہو، کیونکہ کفار کہتے تھے، (اللہ عزوجل نے کفار کے اس قول کی اس طرح حکایت فرمائی ہے): ’’وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ ۔۔۔ (الانفال:۳۲)‘‘ (اور جب اُن کافروں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق (نازل شدہ) ہے (تو اس کے انکار کی وجہ سے) ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب لے آO)۔

دوسرا قول یہ ہے کہ کفار آپ سے قیامت کو جلد لانے کا مطالبہ کرتے تھے، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ’’يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ۝ ۔۔۔ (الشوریٰ:۱۸)‘‘ (وہ لوگ قیامت کو جلد طلب کرتے ہیں جو اس پر یقین نہیں رکھتے، اور جو لوگ قیامت کے آنے پر یقین رکھتے ہیں وہ قیامت سے ڈرتے رہتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ قیامت کا وقوع برحق ہے، سنو! جو لوگ قیامت کے وقوع کے متعلق جھگڑ رہے ہیں وہ ضرور پرلے درجہ کی گمراہی میں ہیں O)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ’’آپ کہیے: اگر میرے اختیار میں وہ (عذاب) ہوتا جس کو تم جلد طلب کررہے ہو، تو ضرور میرے اور تمہارے درمیان (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والے ہیں O‘‘

(الانعام:۵۸)

’’قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ ‘‘:

(۱) امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ کہیے: اگر اس عذاب کو بھیجنا میری قدرت اور اختیار میں ہوتا تو میں تم پر بہت جلد اس عذاب کو لے آتا، لیکن اس عذاب کا بھیجنا اس کے قبضہ وقدرت میں ہے جو اپنی مخلوق کی مصلحتوں کو مجھ سے اور تمام مخلوقات سے زیادہ جانتے ہیں۔

(تفسیر الطبری ج ۹ ص ۲۸۱، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۲۴ھ، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۴ ص ۱۳۰۳، رقم: ۷۳۶۰)

(۲) امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ کہیے: اگر تم پر اس عذاب کو بھیجنا میرے اختیار میں ہوتا تو میں تم پر یہ عذاب بھیج چکا ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت کی بناء پر تم سے اس عذاب کو مؤخر فرما دیتے ہیں۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۴ ص ۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

(۳) امام ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ کہیے: اگر میرے قبضہ میں وہ عذاب ہوتا جس کو تم جلد طلب کررہے ہو تو میں تم کو عذاب دے کر فارغ ہو چکا ہوتا اور تم کو ہلاک کر چکا ہوتا، حتیٰ کہ تم سے نجات پا چکا ہوتا۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۲۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۴) علامہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

آپ کہیے: یعنی اگر میری قدرت اور میرے امکان میں تم پر اس عذاب کو جلد بھیجنا ہوتا تو میں اپنے رب کی وجہ سے تم پر غضب

کی بناء پر تمہیں ہلاک کر ڈالتا اور تم نے جو میری تکذیب کی ہے اس کے بدلہ میں تم کو فوراً ہلاک کر دیتا اور تم سے چھٹکارا پا لیتا، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کفار کو عذاب نہ دینے میں اس کی کیا حکمت ہے۔

(الکشاف ج ۲ ص ۳۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(۵) علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی الحنبلی التوفی ۵۹۷ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی آپ کہیے: اگر میرے پاس وہ عذاب ہوتا جس کا تم جلد مطالبہ کر رہے ہو تو میں تم کو ایک ساعت کی بھی مہلت نہ دیتا اور ضرور تم کو ہلاک کر دیتا۔ (زاد المسیر فی علم التفسیر ج ۲ ص ۳۷، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

(۶) امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ کہیے: اگر میری قدرت اور امکان میں تم پر اس عذاب کو جلد بھیجنا ہوتا تو میں تم کو اپنے رب کے غضب کی بناء پر اور تم جو میری تکذیب کرتے ہو اس کا بدلہ لینے کی بناء پر تم کو ہلاک کر چکا ہوتا اور تم سے جلد چھٹکارا پا چکا ہوتا۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

(۷) علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اگر یہ عذاب میرے پاس ہوتا تو میں تم پر یہ عذاب نازل کر دیتا حتیٰ کہ فیصلہ ہو جاتا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۶ ص ۴۰۱، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۸) علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اگر میری قدرت اور امکان میں وہ عذاب ہوتا جس کو تم مجھ سے جلد طلب کرتے ہو تو میں تم کو بہت جلد ہلاک کر دیتا۔

(تفسیر النسفی (مدارک التنزیل وحقائق التاویل) ج ۱ ص ۵۰۹، دار ابن کثیر، دمشق، ۱۴۳۲ھ)

(۹) علامہ علاؤ الدین علی بن محمد البغدادی الشہیر بالخازن التوفی ۷۲۵ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اگر اس عذاب کو نازل کرنا میرے اختیار میں ہوتا تو میں اس عذاب کو تم پر نازل کر دیتا جس کے تم مستحق ہو۔

(لباب التاویل فی معانی التنزیل، ج ۲ ص ۱۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۰ء)

(۱۰) حافظ اسماعیل بن کثیر الدمشقی الشافعی التوفی ۷۷۴ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اگر اس عذاب کو بھیجنے کا مرجع میری طرف مفوّض ہوتا تو میں تم پر وہ عذاب واقع کر دیتا جس کے تم مستحق ہو۔

(تفسیر القرآن العظیم ج ۲ ص ۱۵۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(۱۱) علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی التوفی ۸۸۰ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اگر میری قدرت اور میرے امکان میں تم پر اس عذاب کو جلد بھیجنا ہوتا تو میں تم سب کو جلد ہلاک کر دیتا۔

(اللباب فی علوم الکتاب ج ۸ ص ۱۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

(۱۲) القاضی مجیر الدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی التوفی ۹۲۸ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اگر میرے پاس وہ عذاب ہوتا جس کو تم جلد طلب کر رہے ہو تو میں اس عذاب کو تم پر نازل کر دیتا اور تم سے چھٹکارا پا لیتا۔

(فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن ج ۲ ص ۴۰۷، دارالنوادر، لبنان، ۱۴۳۲ھ)

(۱۳) قاضی ابو سعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ کہیے کہ اگر میری قدرت اور اختیار میں اس عذاب کو لانا ہوتا تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا کہ تمہارے جلد مطالبہ کی وجہ سے اللہ یہ عذاب نازل فرما دیتے۔ (تفسیر ابو سعود ج ۲ ص ۳۹۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(۱۴) علامہ سید محمود آلوسی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی علامہ زمخشری کی تفسیر کو بلا تبصرہ نقل کیا ہے۔

(روح المعانی جز۷ ص ۲۴۷، دارالفکر، بیروت)

(۱۵) شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی متوفی ۱۳۶۴ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس (یعنی میری قدرت میں) وہ چیز ہوتی (یعنی عذاب) جس کا تم تقاضا کر رہے ہو تو (اب تک) میرا اور تمہارا باہمی قصہ (کبھی) کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ (تفسیر بیان القرآن ج ۱ ص ۵۶۱، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

(۱۶) صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

کفار استہزاءً حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کرتے تھے کہ ہم پر جلدی عذاب نازل کرائیے، اس آیت میں انہیں جواب دیا گیا ہے اور ظاہر کر دیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال کرنا نہایت بے جا ہے، تم جس عذاب کو جلد طلب کر رہے ہو، اگر وہ میرے پاس ہوتا تو میں تمہیں ایک ساعت کی مہلت نہ دیتا اور تمہیں رب کا مخالف دیکھ کر بے درنگ ہلاک کر ڈالتا، لیکن اللہ تعالیٰ حلیم ہیں، عقوبت میں جلدی نہیں فرماتے۔ (خزائن العرفان مع کنز الایمان ص ۲۵۷، مجلس المدینۃ العلمیہ، کراچی، ۱۴۳۲ھ)

(۱۷) غلام احمد پرویز متوفی ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان سے کہو کہ جس تباہی کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو، اگر اس کا جلد لے آنا میرے اختیار میں ہوتا تو میرے اور تمہارے درمیان کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا، لیکن (یہ چیز) میرے بس کی نہیں ہے۔

(مطالب الفرقان ج ۵ ص ۳۸، طلوع اسلام ٹرسٹ، گلبرگ، لاہور، اکتوبر ۱۹۹۴ء)

(۱۸) شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ اگر وہ چیز جس کے لیے تم جلدی مچائے ہوئے ہو، میرے اختیار میں ہوتی تو میرے اور تمہارے درمیان جھگڑے کا فیصلہ ہو جاتا۔ (تدبر قرآن ج ۳ ص ۶۸، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۴۳۴ھ)

(۱۹) شیخ صوفی عبد الحمید سواتی متوفی ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بہر حال فرمایا: اگر تمہاری مطلوبہ چیز میرے پاس ہوتی یعنی میں تمہارے کہنے پر عذاب لا سکتا تو تمہارے اور میرے درمیاب کب کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور تم اس وقت تک ہلاک ہو چکے ہوتے، مگر یہ میرے بس کی بات نہیں۔

(معالم العرفان فی دروس القرآن ج ۷ ص ۱۶۹، مکتبہ دروس القرآن، گوجرانوالہ، ۱۴۳۴ھ)

(۲۰) مشہور غیر مقلد عالم صلاح الدین یوسف، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اگر اللہ تعالیٰ میرے طلب کرنے پر فوراً عذاب بھیج دیتا یا اللہ تعالیٰ میرے اختیار میں یہ چیز دے دیتا تو پھر تمہاری خواہش کے مطابق عذاب بھیج کر جلدی فیصلہ کر دیا جاتا۔

(القرآن الکریم (مع اردو ترجمہ وتفسیر) ص ۳۶۰۔۳۶۱، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس، سعودیہ عربیہ)

الانعام: ۵۸ کی تفسیر میں مصنف کا متقدمین ومتاخرین مفسرین سے اختلاف اور مصنف کا اُن کی تفسیر کو مقام رسالت کے نامناسب قرار دینا

میں کہتا ہوں: مذکور الصدر مفسرین کی یہ تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج اور آپ کے مقام کے مناسب نہیں ہے، کیونکہ انبیاء سابقین تو کفار کی نافرمانیوں کی وجہ سے یہ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اُن پر عذاب نازل فرمائیں جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: ''وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ لَا یَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ --- (نوح: ۲۶۔۲۷)'' (اور نوح نے دعا کی: اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ O بے شک اگر آپ نے ان کافروں کو چھوڑا تو وہ آپ کے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور ان کی جو اولاد بھی پیدا ہوگی وہ بدکار اور شدید کافر ہو گی O) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی: ''وَ قَالَ مُوْسٰى رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِیْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۸۸﴾ --- (یونس: ۸۸)'' (اور موسیٰ نے دعا کی: اے ہمارے رب! آپ نے فرعون کو اور اس کے ارکانِ حکومت کو دنیاوی زینت کا سامان عطاء فرمایا ہے اور دنیا کی زندگی میں بہت اموال عطاء فرمائے ہیں، اے ہمارے رب! تا کہ وہ انجام کار لوگوں کو آپ کے راستہ سے گمراہ کر دیں، اے ہمارے رب! ان کے اموال کو ہلاکت میں ڈال دیں اور ان کے دلوں کو سخت فرما دیں تا کہ وہ ایمان نہ لا سکیں حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں O)۔

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ نے ان کو حدیث بیان کی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: کیا آپ کے اوپر کوئی ایسا دن بھی آیا جو آپ کے نزدیک غزوۂ اُحد کے دن سے بھی زیادہ شدید تھا؟ آپ نے فرمایا: تمہاری قوم سے مجھے جو مصائب پہنچے سو پہنچے اور ان تمام مصائب میں سے سب سے زیادہ سخت مصیبت وہ تھی جو مجھے عقبہ کے دن پہنچی، جب میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال پر پیش کیا، اس نے میرے ارادہ کے مطابق میری دعوت کو قبول نہیں کیا، میں وہاں سے بہت مغموم حالت میں چل پڑا، پھر جب میں قرن الثعالب پر پہنچا تو میری حالت سنبھلی، پس میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو مجھ پر ایک بادل نے سایا کیا ہوا تھا، پھر میں نے غور کیا تو اس میں (حضرت) جبریل تھے، انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا: بے شک اللہ نے آپ کی قوم کی باتیں سن لی ہیں اور انہوں نے آپ کو جو جواب دیا ہے وہ بھی سن لیا ہے اور اللہ نے آپ کی طرف پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تا کہ آپ اس کو ان لوگوں کے متعلق جو چاہیں حکم دے دیں، پھر مجھ کو پہاڑوں کے فرشتہ نے آواز دی، پس اس نے مجھ کو سلام کیا، پھر اس نے کہا: اے محمد! اس نے بھی یہی کہا: آپ جو چاہیں، اگر آپ چاہیں تو جن دو پہاڑوں کے درمیان یہ لوگ ہیں، ان دو پہاڑوں کو آپس میں ملا دوں (جس سے یہ ان کے درمیان پس جائیں)، تب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ ان لوگوں کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو نکالیں گے جو صرف اللہ وحدہٗ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک

نہیں کریں گے۔ (صحیح البخاری: ۳۲۳۱، ۷۳۸۹، صحیح مسلم: ۱۷۹۵، الرقم المسلسل: ۴۵۴۵)

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ مزاج نہیں تھا کہ کفار پر کوئی آسمانی عذاب بھیجا جائے، آپ کو یہ اختیار دیا جاتا کہ جن کافروں نے آپ پر ظلم کیا ہے آپ فرشتہ کو حکم دیں تو وہ ان کافروں کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دے، تب بھی آپ نے یہی فرمایا: "بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ لوگ اسلام لے آئیں اور اگر یہ اسلام نہ لائیں تو ان کی پشتوں سے ایسی اولاد پیدا ہو جو اسلام لے آئے"، بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کفار کو عذاب میں مبتلاء فرمانا نہیں چاہتے تھے، اس لیے جن مفسرین نے الانعام: ۵۸ کی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ "اگر میرے قبضہ میں وہ عذاب ہوتا جس کو تم جلد طلب کر رہے ہو تو میں تم کو عذاب دے کر فارغ ہو چکا ہوتا اور تم کو ہلاک کر چکا ہوتا، حتیٰ کہ تم سے نجات پا چکا ہوتا" میرے نزدیک یہ اور اس جیسی دوسری تفاسیر صحیح نہیں ہیں اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقام کے مناسب نہیں ہیں، یہ تو حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقام کے مناسب تفسیر ہے۔

حافظ ابن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ ھ نے بھی الانعام: ۵۸ کو اس حدیث کے خلاف قرار دیا ہے، پھر وہ اس آیت اور حدیثِ مذکور کی تطبیق میں یوں لکھتے ہیں کہ الانعام: ۵۸ میں کفار کے مطالبہ پر یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر میری قدرت میں اس عذاب کو نازل کرنا ہوتا تو میں تم پر یہ عذاب نازل کر دیتا اور حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ طائف کے کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے آسمانی عذاب کو طلب کیا تھا، بلکہ آپ کے سامنے پہاڑوں کا فرشتہ آیا اور اس نے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں طائف کے کفار کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دوں، سو آیت اور حدیث دونوں کے محل الگ الگ ہیں۔ (تفسیر القرآن العظیم ج ۲ ص ۱۵۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ ھ)

غیر مقلد عالم صلاح الدین یوسف نے بھی حافظ ابن کثیر کا جواب نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

یہ حدیث، آیتِ زیرِ وضاحت کے خلاف نہیں ہے جیسا کہ بہ ظاہر معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ آیت میں عذاب طلب کرنے پر عذاب دینے کا اظہار ہے جب کہ اس حدیث میں مشرکین کے طلب کئے بغیر صرف ان کی ایذا دہی کی وجہ سے ان پر عذاب بھیجنے کا ارادہ کیا گیا ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پسند نہیں فرمایا۔

(القرآن الکریم (مع اردو ترجمہ وتفسیر) ص ۳۶۰-۳۶۱، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس، سعودیہ عربیہ)

شیخ عبد الحمید سواتی نے بھی اس جواب کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

آپ نے اپنے اختیارات کی نفی اس وقت کی تھی جب کفار نے اپنی مرضی کی نشانیاں طلب کیں، اس وقت آپ نے فرمایا کہ یہ چیز میرے اختیار میں نہیں ہے، اس کے برخلاف طائف کے واقعہ میں خود اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کو بھیج کر آپ کی منشاء معلوم کی تھی مگر آپ نے کفار کی ہلاکت کی بات کو پسند نہ کیا۔ ان دونوں واقعات میں یہ فرق ہے۔

(معالم العرفان فی دروس القرآن ج ۷ ص ۱۶۹، مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ، ۱۴۳۴ ھ)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن کثیر کا جواب صحیح نہیں ہے، کیونکہ بے شک دونوں واقعے الگ الگ ہیں لیکن حدیث مذکور سے یہ واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کفار کو عذاب دیا جانا پسند نہیں تھا بلکہ آپ یہ چاہتے تھے کہ ان پر عذاب نازل نہ فرمایا جائے، ہو سکتا ہے کہ ان کی نسلوں میں سے کوئی اسلام قبول کر لے اور الانعام: ۵۸ میں یہ تصریح ہے کہ اگر کفار پر عذاب کو نازل کرنا میری قدرت اور اختیار میں ہوتا تو میں اُن پر ضرور عذاب کو نازل فرما دیتا اور ان کا قصہ تمام ہو چکا ہوتا اور مجھے اُن سے چھٹکارا حاصل ہو چکا ہوتا، سو

بہر حال صحیح البخاری اور مسلم کی یہ حدیث الانعام:۵۸ کے خلاف ہے۔اور حافظ ابن کثیر اور شیخ سواتی اور شیخ صلاح الدین یوسف نے جو یہ تطبیق دی ہے کہ الانعام:۵۸ میں کفار کے مطالبہ پر فرمایا ہے: میری قدرت میں اگر تم پر عذاب دینا ہوتا تو میں کبھی کا تم پر عذاب دے چکا ہوتا اور اس آیت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کفار کو عذاب دینا چاہتے تھے، اور حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ کفار پر عذاب کا نزول نہیں چاہتے تھے، کیونکہ ہوسکتا ہے وہ خود بعد میں اسلام قبول کر لیں یا اُن کی نسلوں میں سے کوئی اسلام قبول کر لے، سوالانعام:۵۸ اور حدیثِ مذکور کا تعارض اس فرق سے دور نہیں ہوتا کہ الانعام:۵۸ میں کفار کے مطالبہ پر عذاب کا ذکر ہے اور حدیث میں کفار کی ایذاءدہی پر عذاب کے نزول کو نازل فرمایا ہے۔

میرے نزدیک اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ ''لَّوۡ اَنَّ عِنۡدِىۡ مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِهٖ لَقُضِىَ الۡاَمۡرُ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ'' کی تفسیر یہ ہے کہ اے کافرو! تم جس عذاب کو جلد طلب کر رہے ہو، اگر میرے علم میں یہ مقرر اور ثابت ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کو مقدر فرما دیا ہے تو میں چاہتا کہ اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر کو جاری فرما دیں، لیکن میرے علم میں یہ مقرر ہے کہ جب تک میں کافروں کے درمیان موجود ہوں اللہ تعالیٰ اُن پر عذاب نازل نہیں فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَاَنۡتَ فِيۡهِمۡ--- (الانفال:۳۳)'' (اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ انہیں اس وقت عذاب دیں جس وقت اے رسولِ مکرم! آپ ان میں موجود ہیں)۔

سو واضح ہو گیا کہ الانعام:۵۸ اور حدیثِ مذکور کا تعارض صرف اسی صورت میں دور ہو سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن میں القاء فرمایا اور میرے دل و دماغ میں وہ نور پیدا فرمایا جس کی روشنی میں حدیثِ مذکور کا الانعام:۵۸ سے تعارض دور ہو گیا۔ وللہ الحمد علی ذالک۔ (سعیدی غفرلہٗ)

''وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِالظّٰلِمِيۡنَ ۝'': اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو تم کو جلدی عذاب دیں گے اور اگر چاہیں گے تو تم سے عذاب کو مؤخر فرما دیں گے۔

(۲) اللہ ہی جانتے ہیں کہ عاقبتِ امر میں کیا ہو گا، کبھی ایک قوم ہدایت پا لیتی اور دوسری قوم ہدایت نہیں پاتی، اس لیے اللہ تعالیٰ ان سے عذاب کو مؤخر فرما دیتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، اس کے سوا کوئی (از خود) ان چابیوں کو نہیں جانتا، اور وہ ہر اس چیز کو خوب جانتے ہیں جو خشکی میں اور دریاؤں میں ہے، اور جو پتا بھی گرتا ہے اس کو وہ جانتے ہیں، اور وہ زمین کی تاریکیوں میں (پڑے ہوئے) ہر دانہ کو خوب جانتے ہیں، اور ہر تر اور ہر خشک چیز روشن کتاب میں لکھی ہوئی ہے O'' (الانعام:۵۹)

''مَفَاتِحُ الۡغَيۡبِ'' کے متعلق حدیث اور مفسرین کے اقوال

''وَعِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَيۡبِ لَا يَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ'': ''مَفَاتِحُ الۡغَيۡبِ'' سے مراد ہے غیب کے خزائن، مفاتح مفتح کی جمع ہے اور ''مَفَاتِحُ الۡغَيۡبِ'' کے متعلق حسبِ ذیل حدیث ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''مَفَاتِحُ الۡغَيۡبِ'' (غیب

کی چابیاں) پانچ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا از خود کوئی نہیں جانتا، کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ ماؤں کے پیٹوں میں کیا ہے، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ زمین پر کس جگہ مرے گا، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی۔ (صحیح البخاری: ۱۰۳۹، ۴۶۲۷، ۴۶۹۷، ۴۷۷۸، ۷۳۷۹، مسند احمد: ۴۷۶۶، صحیح ابن حبان: ۷۰، ۶۱۳۴، شرح السنہ: ۱۱۷۰، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۳۳۴۶)

الضحاک اور مقاتل نے کہا ہے: ''مَفَاتِحُ الْغَيْبِ'' سے مراد غیب کے خزانے ہیں، اور نزولِ عذاب کا علم ہے۔

اور عطاء نے کہا: یعنی تم سے جو ثواب اور عقاب غائب ہے۔ اور ایک قول ہے: انسانوں کی مدت ہائے حیات کا علم۔ دوسرا قول ہے: بندوں کے خواتیم اعمال اور ان کی سعادت اور شقاوت کا علم۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے نبی کو ''مَفَاتِحُ الْغَيْبِ'' کے سوا ہر چیز کا علم دیا گیا ہے۔ (میں کہتا ہوں: اس سے مراد ''مَفَاتِحُ الْغَيْبِ'' کا ذاتی علم ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

''وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ'': مجاہد نے کہا: ''الْبَرِّ'' سے مراد جنگلات اور میدان ہیں اور ''الْبَحْرِ'' سے مراد بستیاں اور شہر ہیں، یعنی جنگلوں اور شہروں کی ہر چیز کا اللہ عزوجل کو علم ہے۔

''وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا'': یعنی درختوں کے پڑے ہوئے تمام پتوں کا بھی اس کو علم ہے۔

''وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ'': یعنی زمین کے پیٹوں میں جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ دوسرا قول ہے: ساتوں زمینوں کے نیچے جو چیز پیدا ہوتی ہے۔

''وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''الرطب'' سے مراد پانی ہے اور ''الیابس'' سے مراد خشکی ہے، دوسرا قول ہے: خواہ کوئی چیز زندہ ہو یا مردہ ہو، ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔

''اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٥٩﴾'': ''كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ'' کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) مقاتل نے کہا: اس سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔ (۲) اور الزجاج نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا قطعی علم ہے جس کو تقدیرِ مبرم کہتے ہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کائنات کی تمام چیزوں اور تمام حوادث کو کتاب میں لکھنے کا کیا فائدہ ہے؟

علامہ ابن الانباری نے اس کے درج ذیل جوابات لکھے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں اور حوادث کو کتاب میں اس لیے لکھ دیا تاکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے علم کے نفاذ پر مطلع ہو جائیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ بندوں کا حساب بہت اہم چیز ہے اور بندوں کو یہ بتلایا ہے کہ تم جو کچھ کرتے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے۔

(۳) کتاب سے مراد اللہ عزوجل کا علمِ ازلی ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ثابت ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور وہی ہیں جو رات کے وقت تمہاری روحوں کو قبض فرما لیتے ہیں، اور وہ اُن تمام کاموں کو جانتے ہیں جو تم نے دن میں کئے ہیں، پھر وہ تمہیں دن میں اٹھا دیتے ہیں تاکہ مقررہ مدت پوری فرما

دی جائے، پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے، پھر وہ تمہیں اُن کاموں کی خبر دیں گے جو تم دنیا میں کرتے تھےO'' (الانعام:۶۰)

''وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ '': یعنی جب تم رات کو سو جاتے ہو تو وہ تمہاری روحوں کو قبض فرما لیتے ہیں۔

''وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ '': اور تم دن میں جو کچھ کرتے ہو، اس کو وہی جانتے ہیں۔

''لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى '': تا کہ تمہاری مدتِ حیات پوری فرما دی جائے۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۲۸۔۱۳۱ ملخصاً و مخرجاً و مضیفاً، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾

اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہیں اور وہی تم پر اپنے نگہبان (فرشتے) بھیجتے ہیں، یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی ایک کو موت آ جائے تو اس (کی روح) کو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے قبض کر لیتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتےO

ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۫ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ ﴿۶۲﴾

پھر وہ سب اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو اُن کے حقیقی مالک ہیں، سنو! اسی کا حکم ہے، اور وہ سب سے جلد حساب لینے والے ہیںO

قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً ۚ لَىٕنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۶۳﴾

آپ کہیے: تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں (مصائب سے) کون نجات دیتا ہے، جس کو تم گڑگڑا کر اور آہستہ آہستہ پکارتے ہو، کہ اگر اس نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی تو ہم ضرور بہ ضرور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں گےO

قُلِ اللّٰهُ یُنَجِّیْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾

آپ کہیے: اللہ ہی تمہیں اس مصیبت سے اور ہر آفت سے بچاتے ہیں، پھر (بھی) تم شرک کرتے ہو؟O

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ یَلْبِسَكُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

آپ کہیے: وہی اس پر قادر ہیں کہ تم پر تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجیں، یا تم کو مختلف گروہ بنا دیں،

اور تم کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی کا مزا چکھا دیں، دیکھیے ہم کس طرح بار بار (اپنی توحید کی) نشانیاں بیان فرماتے ہیں تا کہ یہ لوگ سمجھ سے کام لیں O

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ ﴿۶۶﴾

اور اس (قرآن) کو آپ کی قوم نے جھٹلایا حالانکہ یہ برحق ہے، آپ کہیے: میں تم پر نگہبان نہیں ہوں O

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ؗ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾

ہر خبر (کے ظہور) کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم جان لو گے O

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) جب آپ اُن لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں فضول بحث کرتے ہیں تو آپ اُن سے اعراض کریں، حتیٰ کہ وہ کسی اور بات میں بحث کرنے لگیں، اور (اے رسولِ اکرم!) اگر (بالفرض) شیطان آپ کو بھلا دے تو آپ یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھیں O

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور منکروں کے حساب سے اللہ سے ڈرنے والوں پر کچھ نہیں ہے، لیکن (اُن پر) نصیحت کرنا لازم ہے تا کہ وہ (منکرین) باز آ جائیں O

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖۤ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) آپ اُن لوگوں کو چھوڑ دیجیے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا ہے اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے، اور آپ قرآن کے ساتھ نصیحت کرتے رہیں تا کہ کوئی شخص اپنے کیے ہوئے برے کاموں کی وجہ سے ہلاکت میں نہ مبتلا ہو جائے، اس حال میں کہ اس کے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی مددگار ہو اور نہ کوئی سفارش کرنے والا، اور اگر وہ ہر برے کام کے بدلہ میں معاوضہ دے تو اس سے وہ معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کیے ہوئے کاموں کی وجہ سے ہلاکت میں

ڈال دیئے گئے ہیں، ان کے پینے کے لیے نہایت گرم پانی ہے اور دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ کفر کو اختیار کرتے تھے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہیں اور وہی تم پر اپنے نگہبان (فرشتے) بھیجتے ہیں، یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی ایک کو موت آجائے تو اس (کی روح) کو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے قبض کر لیتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتے O'' (الانعام: ۶۱)

بندوں کی جانوں کو صرف مَلَکُ الموت قبض کرتے ہیں یا اُن کے ساتھ دیگر مددگار فرشتے بھی ہوتے ہیں؟

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، الانعام: ۶۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَهُوَالْقَاهِرُفَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۖ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝'':

''الحَفَظَة'' کا واحد حافظ ہے اور اس کی جمع حَفَظَة ہے جیسے کاتب کی جمع کَتَبَةٌ ہے، فرشتے جس چیز کی حفاظت کرتے ہیں اس کے متعلق دو تفسیریں ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد بنو آدم کے اعمال ہیں۔

(۲) السدی نے کہا: اس سے مراد اُن کے اعمال اور ان کے اجسام ہیں۔

''رُسُلُنَا'': رُسُل کے متعلق حسبِ ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ وہ فرشتے ہیں جو مَلَکُ الموت کے مددگار ہیں۔

(۲) مقاتل نے کہا: ''الرُّسُل'' سے مراد صرف مَلَکُ الموت ہیں۔

(۳) الزجاج نے کہا: اس سے مراد ''الحَفَظَة'' ہیں۔

اس آیت پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ الانعام: ۶۱ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوگوں کی روحوں کو قبض کرتے ہیں، اور دوسری جگہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے: ''قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ (السجدہ: ۱۱)'' (آپ کہیے: تم کو مَلَکُ الموت وفات دیتے ہیں)، سو ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ الانعام: ۶۱ میں بھی ''الرُّسُل'' سے مراد صرف مَلَکُ الموت ہیں، کیونکہ جمع کا واحد پر اطلاق کرنا جائز ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ السجدہ: ۱۱ میں مضاف محذوف ہے یعنی مَلَکُ الموت کے اعوان اور مددگار روح قبض کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر وہ سب اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو اُن کے حقیقی مالک ہیں، سنو! انہی کا حکم ہے، اور وہ سب سے جلد حساب لینے والے ہیں O'' (الانعام: ۶۲)

''ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ'': اس آیت کی دو تفسیریں ہیں:

(۱) فرشتے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹاتے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ بندوں کو دوبارہ زندہ فرما کر آخرت کی طرف لوٹا دیتے ہیں۔

''اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۫ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝'':

یعنی بندوں کا صرف وہی فیصلہ فرماتے ہیں، یا وہی سرعت کے ساتھ حساب لیتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں (مصائب سے) کون نجات دیتا ہے، جس کو تم گڑگڑا کر اور آہستہ آہستہ پکارتے ہو، کہ اگر اس نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی تو ہم ضرور بہ ضرور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے O'' (الانعام: ۶۳)

''قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝'':

''تَضَرُّعًا'' کا معنی ہے: کسی چیز کی بہت زیادہ ضرورت کے وقت گڑگڑانا۔

''خُفْيَةً'': اس لفظ کی دو قراءات ہیں: ''خُفْيَةً'' اور ''خِيْفَةً''۔ اور اس آیت کا معنی ہے: تم اس کو اپنے دلوں میں پکارتے ہو جس طرح تم ظاہراً پکارتے ہو، یا اس کا معنی ہے: تم اس کو ڈرتے ہوئے پکارتے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ قریش جب خشکی میں اور سمندر میں سفر کرتے تھے، پھر جب اُن سے راستہ گم ہو جاتا اور اُن کو یہ خطرہ ہوتا کہ اب وہ ہلاک ہو جائیں گے تو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کرتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: اللہ ہی تمہیں اس مصیبت سے اور ہر آفت سے بچاتے ہیں، پھر (بھی) تم شرک کرتے ہو؟ O'' (الانعام: ۶۴)

''قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝'':

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو ملامت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری پکار کو سُن کر تمہیں مصائب سے نجات دے دیتے ہیں، پھر بھی تم ان کے ساتھ شرک کرتے ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: وہی اس پر قادر ہیں کہ تم پر تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجیں، یا تم کو مختلف گروہ بنا دیں، اور تم کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی کا مزا چکھا دیں، دیکھیے ہم کس طرح بار بار (اپنی توحید کی) نشانیاں بیان فرماتے ہیں تاکہ یہ لوگ سمجھ سے کام لیں O'' (الانعام: ۶۵)

''قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ'':

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور السدی اور مقاتل نے کہا کہ اُن کے اوپر سے جو عذاب آئے وہ ایسا ہے جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے اوپر آسمان سے پتھروں کی بارش فرمائی گئی تھی اور ابرہہ کے ہاتھیوں کے اوپر ابابیل نے اپنی چونچ سے جو کنکریاں ماری تھیں، اور اُن کے نیچے سے جو عذاب آئے وہ ایسا ہے جیسا کہ قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا تھا۔

اور علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اُن کے اوپر سے جو عذاب آئے، اس سے مراد یہ ہے کہ اُن کے امراء اور حکام کی طرف سے اُن پر عذاب آئے، اور اُن کے نیچے سے اُن پر جو عذاب آئے، اس سے مراد ہے کہ اُن کے

ماتحت لوگوں کی طرف سے اُن پر جو عذاب آئے۔

''اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ '':

یعنی لوگ مختلف گروہوں اور فرقوں میں بٹ جائیں اور وہ ایک دوسرے کو قتل کریں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن العالیہ سے آئے حتیٰ کہ جب آپ بنو معاویہ کی مسجد کے پاس سے گزرے تو آپ نے اس مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز پڑھی، ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی، نماز کے بعد آپ نے اپنے رب سے بہت طویل دعا کی، پھر آپ نے ہماری طرف مڑ کر فرمایا: میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے دو چیزیں عطاء فرمادیں اور تیسری چیز کے سوال سے مجھے روک دیا، میں نے اپنے رب سے سوال کیا تھا کہ میری امت کو قحط سالی میں مبتلاء کر کے ہلاک نہ کیا جائے، سو اللہ عزوجل نے مجھے یہ چیز عطاء فرمادی، اور میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ کیا جائے، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ چیز بھی عطاء فرمادی، اور میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت ایک دوسرے کے ساتھ جنگوں اور لڑائیوں میں نہ مبتلاء کی جائے، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دعا سے روک دیا۔

(صحیح مسلم: ۲۸۹۰، الرقم المسلسل: ۷۱۸۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۳۲۰، مسند ابویعلیٰ: ۷۳۴، صحیح ابن حبان: ۷۲۳۷، سنن ابوداؤد: ۴۲۵۲، سنن ترمذی: ۲۱۷۶، سنن ابن ماجہ: ۳۹۵۲، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۵۲۶۔۵۲۷، شرح السنہ: ۳۹۱۰، تہذیب الکمال للمزی ج ۱۴ ص ۷۴۴، المعجم الکبیر: ۳۶۲۱، ۳۶۲۲، ۳۶۲۴)

میں کہتا ہوں: اللہ عزوجل نے آپ کے سوال کے مطابق دو چیزیں آپ کو عطاء فرمادیں اور تیسری چیز کے سوال سے آپ کو منع فرمادیا، کیونکہ تیسری چیز کے سوال کو پورا فرمانا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر فرمادیا ہے کہ آپ کی امت آپس میں لڑے گی اور ایک دوسرے کو ہلاک کرے گی، جیسا کہ تاریخ شاہد ہے ایسا ہی ہوا ہے، اور ہمارے دور میں بھی کراچی شہر میں کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس دن کسی شخص کو بغیر کسی قصور یا بغیر کسی سبب کے موت کے گھاٹ نہ اتارا جاتا ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوال کریں اور اللہ تعالیٰ اس کو عطاء نہ فرمائیں تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ محبوبیت کے خلاف ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سوال کرنے سے ہی منع فرمادیا، تاکہ نہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی مخالفت ہو اور نہ آپ کی شانِ محبوبیت کے خلاف ہو۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اس (قرآن) کو آپ کی قوم نے جھٹلایا حالانکہ یہ برحق ہے، آپ کہیے: میں تم پر نگہبان نہیں ہوں O'' (الانعام:٦٦)

''وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ'':

''قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ'': اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) حسن بصری نے کہا: میں تمہارے اعمال پر نگران نہیں ہوں تاکہ تمہیں اُن اعمال کی جزا دوں، میں تو صرف عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔

(۲) الزجاج نے کہا: میں تم پر نگران نہیں ہوں کہ تمہیں ایمان کے ساتھ پکڑوں، میں تو تمہیں صرف اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ہر خبر (کے ظہور) کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم جان لو گے O''
(الانعام: ٦٧)

''لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝'':

السدی نے کہا: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جو عذاب کی وعید سنائی ہے، اس کا وقوع غزوۂ بدر میں ہوا۔

اور مقاتل نے کہا: اس کا وقوع دنیا میں غزوۂ بدر میں ہوا اور آخرت میں جہنم میں ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) جب آپ اُن لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں فضول بحث کرتے ہیں تو آپ اُن سے اعراض کریں، حتیٰ کہ وہ کسی اور بات میں بحث کرنے لگیں، اور (اے رسولِ اکرم!) اگر (بالفرض) شیطان آپ کو بھلا دے تو آپ یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھیں O'' (الانعام: ٦٨)

''وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۚ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝'':

جو لوگ ہماری آیات میں فضول بحث کرتے ہیں، اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد مشرکین ہیں، دوسرا قول ہے کہ اس سے مراد یہود ہیں، تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں۔

مشرکین ان آیات میں فضول بحث کرتے تھے اور اُن کا مذاق اڑاتے تھے، اسی طرح یہود اور دیگر فساق بھی قرآن مجید کی آیات کا مذاق اڑاتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب آپ مشرکین اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑاتے ہوئے دیکھیں تو پھر اُن کے ساتھ نہ بیٹھیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور منکروں کے حساب سے اللہ سے ڈرنے والوں پر کچھ نہیں ہے، لیکن (اُن پر) نصیحت کرنا لازم ہے تا کہ وہ (منکرین) باز آجائیں O'' (الانعام: ٦٩)

''وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝'':

مسلمانوں نے کہا کہ اگر ہم نے ان کفار کو قرآن مجید کی آیات میں فضول بحث کرنے سے نہ روکا تو ہمیں خطرہ ہے کہ ہم گناہگار ہوں گے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تسلی دی کہ تم ایسے موقع پر ان سے اعراض کرو اور اُن کی مجلس میں نہ بیٹھو، اور اُن کی اس کج بحثی کا عذاب صرف ان کو ہی ہوگا۔

مقاتل نے کہا: تم پر تو صرف یہ لازم ہے کہ تم اُن کے پاس سے اٹھ جاؤ۔ اور دوسروں نے کہا: تم پر یہ لازم ہے کہ تم اُن کو نیکی کی نصیحت کرتے رہو۔

بعض علماء نے کہا کہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن مجید میں فضول بحث کرنے والوں کے ساتھ بیٹھنا جائز ہے جب کہ اُن کو نصیحت کرنے پر اکتفاء کرلی جائے۔اور دوسروں نے کہا کہ اس آیت کا حکم منسوخ ہے، کیونکہ اللہ عزوجل نے فرمایا: ''وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ ...(النساء: ۱۴۰)''(اور بے شک اللہ نے کتاب میں تم پر یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ جب تم یہ سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جارہا ہے اور اُن کا مذاق اڑایا جارہا ہے تو اُن لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو)۔سو اس آیت میں اللہ عزوجل نے ایسے لوگوں کے ساتھ مطلقاً بیٹھنے سے منع فرمادیا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) آپ اُن لوگوں کو چھوڑ دیجئے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنالیا ہے اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے، اور آپ قرآن کے ساتھ نصیحت کرتے رہیں تاکہ کوئی شخص اپنے کیے ہوئے برے کاموں کی وجہ سے ہلاکت میں نہ مبتلاء ہوجائے، اس حال میں کہ اس کے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی مددگار ہو اور نہ کوئی سفارش کرنے والا، اور اگر وہ ہر برے کام کے بدلہ میں معاوضہ دے تو اس سے وہ معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کئے ہوئے کاموں کی وجہ سے ہلاکت میں ڈال دیئے گئے ہیں، ان کے پینے کے لیے نہایت گرم پانی ہے اور دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ کفر کو اختیار کرتے تھے O''(الانعام: ۷۰)

''وَذَرِالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ ذَكِّرْ بِهٖٓ'':

اس آیت کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ایک قول یہ ہے کہ ان لوگوں سے مراد کفار ہیں۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ ان لوگوں سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں۔

اور ان لوگوں نے جو دین کو لہو اور لعب بنالیا تھا، اس کی تفسیر میں تین اقوال ہیں:

(۱) یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کو سن کر ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی عید اور دینی تہوار پر لہو ولعب کرتے تھے اور کھیل تماشا برپا کرتے تھے، اس کے برخلاف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اپنی عیدوں کے موقع پر نماز پڑھتے تھے، اللہ تعالیٰ کی تکبیر پڑھتے تھے، نیک اور اچھے کام کرتے تھے۔

(زاد المسیر فی علم التفسیر ج ۲ ص ۴۲، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

(میں کہتا ہوں: آج کل کے مسلمانوں کو اس آیت سے عبرت حاصل کرنی چاہیے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر پاکستان کے مختلف شہروں میں جو جلوس نکالے جاتے ہیں، اس میں نوجوان فلمی گانوں کی ریکارڈنگ کرتے ہیں، رقص کرتے ہیں اور گھروں میں بیٹھی ہوئی خواتین شرکاءِ جلوس پر پھل پھینکتی ہیں، یا حلوہ اور دیگر تبرکات تھیلی میں ڈال کر پھینکتی ہیں، اور نوجوان اس کو لپک کر اٹھاتے ہیں، اور نمازوں کے اوقات میں بھی جوش وخروش کے ساتھ جلوس چلتا رہتا ہے اور شرکاءِ جلوس نماز

نہیں پڑھتے الا ماشاء اللہ، ہم یہ نہیں کہتے کہ عید میلاد النبی کے موقع پر جلوس نہ نکالا جائے، ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر غیر شرعی کام نہ کئے جائیں، اس کے برخلاف علمائے دیوبند نفسِ جلوس کو ہی بدعت اور ناجائز کہتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ پہلے نکاح کے بعد ولیمہ کی تقریب سادگی سے ہوتی تھی، مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا اور کوئی غیر شرعی کام نہیں کیا جاتا تھا، لیکن اب ہم دیکھتے ہیں کہ جب ولیمہ کی تقریب منعقد کی جاتی ہے، اس میں بھی فلمی گانوں کی ریکارڈنگ ہوتی ہے اور اور مرد اور اجنبی عورتیں بے پردہ ایک ساتھ محفل میں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں، اور یہ تمام امور غیر شرعی ہیں لیکن ہم نے نہیں سنا کہ کسی دیوبندی عالم نے یہ کہا ہو کہ اس وجہ سے ولیمہ کی تقریب کو بند کر دیا جائے، سو اسی طرح ہم یہ کہتے ہیں کہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں جلوس نکالنا جائز ہے اور مستحسن کام ہے، البتہ اس جلوس میں جو غیر شرعی کام کئے جاتے ہیں ان کو نہ کیا جائے اور علماء کو چاہیے کہ اس سے منع کریں اور روکیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۖ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۷۱﴾

آپ کہیے: کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان (بتوں) کی عبادت کریں جو ہمیں نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی نقصان، اور ہم اپنے اُلٹے پیروں پر لوٹا دیئے جائیں؟ اس کے باوجود کہ اللہ نے ہمیں ہدایت عطاء فرمادی ہے اس شخص کی مثل جسے زمین میں شیطانوں نے گمراہ کر دیا ہو اس حال میں کہ وہ حیران اور پریشان ہو، اس کے ساتھی اسے ہدایت کی طرف دعوت دے رہے ہوں کہ ہمارے پاس آجاؤ، آپ کہیے: بے شک اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے، اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سارے جہانوں کے رب کے سامنے جھک جائیں ○

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِىْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور یہ (کہ اے مسلمانو!) تم نماز قائم کرتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور وہی ہیں جس کی طرف تم سب جمع کیے جاؤ گے ○

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۬ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

اور اللہ ہی ہیں جنہوں نے تمام آسمانوں کو اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا، اور جس دن وہ (ہر فنا شدہ سے) فرمائیں گے: تم زندہ ہو جاؤ تو وہ زندہ ہو جائیں گے، ان کا ارشاد برحق ہے، اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو انہی کی حکومت ہوگی، وہ ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز کو جاننے والے ہیں اور وہی نہایت حکمت والے، ہر چیز کی خبر رکھنے والے ہیں ○

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۴﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) یاد کیجئے: جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ آزر سے کہا: کیا تم (خود) بتوں کو تراش کر معبود قرار دیتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں مبتلاء دیکھتا ہوں O

وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ﴿۷۵﴾

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو تمام آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت دکھائی تا کہ وہ (علم الیقین کے ساتھ ساتھ) عین الیقین والوں میں سے (بھی) ہو جائیں O

فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ﴿۷۶﴾

پھر جب ان پر رات تاریک ہوگئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا، کہا: یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ستارہ ڈوب گیا تو کہا: میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا O

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ﴿۷۷﴾

پھر جب انہوں نے چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے؟ پھر جب چاند ڈوب گیا تو انہوں نے کہا: اگر میرے رب مجھے ہدایت عطاء نہ فرمائیں تو میں ضرور بہ ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں گا O

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾

پھر جب انہوں نے سورج کو جگمگاتا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے؟ یہ (ان سب سے) بڑا ہے، پھر جب سورج غروب ہو گیا تو انہوں نے کہا: اے میری قوم! بے شک میں اُن چیزوں سے بے زار ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو O

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾ۚ

بے شک میں نے یکسو ہو کر اپنا رُخ اسی ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا ہے، اس حال میں کہ میں ان باطل نظریات سے الگ ہونے والا ہوں اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں O

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْــٴًـا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور اُن کی قوم کے لوگوں نے اُن سے جھگڑا کیا، انہوں نے کہا: کیا تم مجھ سے اللہ کی ذات کے متعلق جھگڑ رہے ہو حالانکہ اللہ نے مجھے ہدایت عطاء فرمادی ہے، اور تم جن کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہو میں اُن سے نہیں ڈرتا سوا اس کے کہ میرے رب ہی کچھ چاہیں، میرے رب کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے، پس کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟ O

وَكَیْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۘ﴿۸۱﴾

اور میں اُن (بتوں) سے کیسے ڈر سکتا ہوں جن کو تم نے (اللہ کا) شریک قرار دیا ہے، جب کہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ اُن کو شریک قرار دے ڈالا ہے جن کی (الوہیت کے متعلق) اللہ نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، سو (اب تم ہی بتاؤ) کہ ہر دو فریقوں میں سے کون امن اور سلامتی کا زیادہ مستحق ہے؟ اگر تم علم رکھتے ہو O

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ نہیں ملایا، انہی لوگوں کے لیے امن اور سلامتی ہے اور وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر اُن (بتوں) کی عبادت کریں جو ہمیں نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی نقصان، اور ہم اپنے الٹے پیروں پر لوٹا دیئے جائیں؟ اس کے باوجود کہ اللہ نے ہمیں ہدایت عطاء فرمادی ہے اس شخص کی مثل جسے زمین میں شیطانوں نے گمراہ کر دیا ہو اس حال میں کہ وہ حیران اور پریشان ہو، اس کے ساتھی اسے ہدایت کی طرف دعوت دے رہے ہوں کہ ہمارے پاس آجاؤ، آپ کہیے: بے شک اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے، اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سارے جہانوں کے رب کے سامنے جھک جائیں O'' (الانعام: ۷۱)

امام ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، الانعام: ۷۱ تا ۸۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ فِی

الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۠ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ '':
اللہ تعالیٰ نے یہ مثال اُن دو آدمیوں کے لیے بیان فرمائی ہے جن میں سے ایک بتوں کی پرستش کی دعوت دے، اور دوسرا اللہ کی عبادت کی دعوت دے، جیسے کوئی مرد اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہو اور اس کو شیاطین نے راستہ سے بھٹکا دیا ہو، اور اس کے ساتھی اس کو صحیح راستہ کی طرف بلائیں اور شیاطین اس کو دوسرے راستوں کی طرف بھٹکا رہے ہوں تو وہ حیران اور پریشان ہو کہ وہ کہاں جائے، پس اگر وہ شیاطین کے بتائے ہوئے راستہ پر چلے تو وہ اسے ہلاکت میں مبتلاء کر دیں گے اور اگر وہ اپنے اُن ساتھیوں کی دعوت پر لبیک کہے تو وہ ہدایت پا جائے گا، اللہ تعالیٰ بتوں کی عبادت کی طرف بلانے والوں کو جھڑکتے ہوئے فرماتے ہیں: تم ایسا نہ کرو کیونکہ ہدایت حقیقت میں وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے، اس کے سوا اور کوئی راستہ ہدایت نہیں ہے، اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اسلام پر قائم رہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور یہ (کہ اے مسلمانو!) تم نماز قائم کرتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور وہی ہیں جس کی طرف تم سب جمع کیے جاؤ گے O'' (الانعام: ۷۲)

'' وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ '': یعنی ہم کو نماز قائم کرنے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور تم سب میدانِ حشر میں اسی کے سامنے حساب کے لیے پیش کیے جاؤ گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ ہی ہیں جنہوں نے تمام آسمانوں کو اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا، اور جس دن وہ (ہر فنا شدہ سے) فرمائیں گے: تم زندہ ہو جاؤ تو وہ زندہ ہو جائیں گے، ان کا ارشاد برحق ہے، اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو انہی کی حکومت ہوگی، وہ ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز کو جاننے والے ہیں اور وہی نہایت حکمت والے، ہر چیز کی خبر رکھنے والے ہیں O'' (الانعام: ۷۳)

'' وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ '':
اس آیت میں ''خَلَقَ'' کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی تقدیر مقرر فرمادی ہے، اور اللہ تعالیٰ جس چیز سے فرمائیں گے: تم زندہ ہو جاؤ، تو وہ زندہ ہو جائے گی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ عزوجل مخلوق کے لیے فرمائیں گے: تم سب مر جاؤ تو وہ سب مر جائیں گے، پھر اُن سے فرمائیں گے: تم زندہ ہو کر کھڑے ہو جاؤ تو وہ سب زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے۔ اور اللہ عزوجل کا قول برحق ہے اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

'' وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ '': یعنی اس دن تمام بادشاہوں اور حاکموں کی سلطنت زائل ہو جائے گی، اور صُور ایک سینگ ہے جس میں پھونک ماری جائے گی۔ مجاہد نے کہا: وہ سینگ بُوق (بھونپو) کی مثل ہے، اور اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:
حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا، سو اس نے پوچھا: صُور کیا چیز ہے، آپ نے فرمایا: وہ ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا۔

(سنن ابوداؤد: ۴۷۴۲، سنن ترمذی: ۳۲۴۴، مسند احمد: ۶۵۱۷، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۳۱۲، ۱۱۳۸۱، سنن دارمی: ج ۲ ص ۳۲۵، صحیح ابن حبان:

۴۳۱۲، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۴۳۶، ۵۰۶، حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۲۴۳، تہذیب الکمال للمزی ج ۴ ص ۱۳۰)

نیز حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں کس طرح چین سے آرام کروں حالانکہ صاحب الصور نے صُور اپنے مونہہ میں ڈالا ہوا ہے اور اس کے کان اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف متوجہ ہیں، اس نے اپنی پیشانی جھکائی ہوئی ہے اور منتظر ہے کہ کب اسے صور میں پھونک مارنے کا حکم دیا جائے گا؟ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ ہمیں اس صورت میں کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم کہو: ''حسبنا اللہ ونعم الوکیل''۔ (سنن ترمذی: ۲۴۳۱، ۳۲۴۳، مسند احمد: ۱۱۰۳۹، کتاب الزہد لابن المبارک: ۱۵۹۷، مسند الحمیدی: ۷۵۴، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۰۵، شرح السنۃ: ۴۱۹۳، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۵۵۹، المعجم الکبیر للطبرانی: ۵۰۷۲)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) یاد کیجئے: جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ آزر سے کہا: کیا تم (خود) بتوں کو تراش کر معبود قرار دیتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں مبتلاء دیکھتا ہوں O'' (الانعام: ۷۴)

''وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝'':

''آزر'' عجمی اسم ہے اور غیر منصرف ہے، امام محمد بن اسحاق، الضحاک اور الکلبی نے کہا: آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام ہے اور اس کا نام تارخ بھی ہے جیسے اسرائیل اور یعقوب ایک ہی شخص کے دو نام ہیں، اور یہ الکوفہ کے مضافات میں رہتے تھے، اور مقاتل بن حیان اور دوسروں نے کہا: آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا لقب ہے، اور اُن کا نام تارخ ہے، سلیمان التیمی نے کہا: یہ لفظ ''سبّ'' (گالی) ہے اور عیب ہے، اور اُن کی لغت میں اس کا معنی ہے: جو راہِ راست سے منحرف ہو، دوسرا قول ہے اس کا معنی ہے: بہت بوڑھا۔ اور سعید بن المسیّب اور مجاہد نے کہا کہ آزر بُت کا نام ہے۔ اس تقدیر پر لفظِ آزر پر زبر ہے اور اس کا معنی ہے: کیا میں آزر کو معبود قرار دوں، لیکن یہ تفسیر اس آیت کے سیاق کے خلاف ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو مخاطب کر کے فرمایا: ''کیا تم (خود) بتوں کو تراش کر معبود قرار دیتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں مبتلاء دیکھتا ہوں'' اور پتھر کے بُت کے ساتھ یہ کلام مناسب نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو تمام آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت دکھائی تاکہ وہ (علم الیقین کے ساتھ ساتھ) عین الیقین والوں میں سے (بھی) ہو جائیں O (الانعام: ۷۵)

ملکوت کا معنی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی نشانیاں دکھانے کی تفصیل

''وَكَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝'':

مَلَکُوت کا معنی مُلک ہے اور اس میں تاء کا مبالغہ کے لیے اضافہ کیا گیا ہے جیسے جبروت، رحموت اور رہبوت ہے۔ سعید بن جبیر اور مجاہد نے کہا: یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمینوں کی نشانیاں دکھائیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک چٹان پر کھڑا کیا اور اُن کے سامنے تمام آسمانوں اور زمینوں کی نشانیوں کو منکشف فرما دیا حتیٰ کہ عرش سے لے کر زمین کے سب سے نچلے طبقہ تک، حتیٰ کہ انہوں نے زمینوں اور آسمانوں کے درمیان کی تمام نشانیوں کو دیکھ لیا، نیز انہوں نے جنت میں اپنے مقام کو بھی

دیکھ لیا، جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے: ''وَاٰتَيۡنٰهُ اَجۡرَهٗ فِى الدُّنۡيَا۔۔ (العنکبوت:۲۷)'' (اور ہم نے ابراہیم کو اس دنیا میں اُن کا اجر عطاء فرما دیا)۔

قتادہ نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں کی نشانیوں میں سے سورج، چاند اور ستاروں کو دکھایا اور زمین کی نشانیوں میں سے پہاڑوں، درختوں اور سمندروں کو دکھایا، تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مخلوق کے وجود سے خالق کے وجود پر استدلال کریں، کیونکہ کوئی موجود بغیر کسی موجد کے وجود میں نہیں آسکتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر جب ان پر رات تاریک ہوگئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا، کہا: یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ستارہ ڈوب گیا تو کہا: میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا O پھر جب انہوں نے چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے؟ پھر جب چاند ڈوب گیا تو انہوں نے کہا: اگر میرے رب مجھے ہدایت عطاء نہ فرمائیں تو میں ضرور بہ ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں گا O پھر جب انہوں نے سورج کو جگمگاتا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے؟ یہ (ان سب سے) بڑا ہے، پھر جب سورج غروب ہوگیا تو انہوں نے کہا: اے میری قوم! بے شک میں اُن چیزوں سے بے زار ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو O''

(الانعام:۷۶-۷۷-۷۸)''

الانعام:۷۶ تا ۷۸ پر اشکال کے امام طبری کی طرف سے جوابات

ان تین آیتوں پر یہ اشکال ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی معصوم ہیں اور نبی معصوم کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ستارے، چاند اور سورج کے متعلق یہ کہیں کہ یہ میرا رب ہے، سو حضرت ابراہیم علیہ السلام ستارے، چاند اور سورج کے متعلق یہ کیسے کہہ سکتے تھے یہ میرا رب ہے؟

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آزر ایک کوفی مرد تھا جو کوفہ کے مضافات کی ایک بستی میں رہتا تھا، اس زمانہ میں مشرق کی سلطنت پر نمرود مسلط تھا، پس جب اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُن کی قوم کے خلاف حجت اور اپنا رسول بنانے کا ارادہ فرمایا اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان صرف حضرت ہود اور حضرت صالح نبی تھے، پس جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت کا زمانہ قریب آیا تو کاہن اور نجومی نمرود کے پاس آئے اور اس سے کہا: ہمیں اپنے علم سے یہ معلوم ہوا ہے کہ عنقریب اس بستی میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام ابراہیم ہوگا، وہ تمہارے دین سے جدا ہوگا اور تمہارے بتوں کو فلاں فلاں مہینہ اور فلاں فلاں سال توڑ دے گا، پس جب وہ سال آیا تو نمرود نے اس بستی کی ہر حاملہ عورت کی طرف اپنے کارندوں کو بھیجا اور اُن حاملہ عورتوں کو قید کر لیا سوائے آزر کی بیوی (حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ماں) کے، کیونکہ آزر کو اپنی بیوی کے حاملہ ہونے کا علم نہیں تھا، اس کی بیوی کم سن تھیں اور اُن کو نہیں پتا چل سکا کہ ان کے پیٹ میں حمل ہے، پھر جب نمرود نے اپنی سلطنت کی بقاء

کے لیے یہ حکم دیا کہ اس مہینہ میں جولڑکا پیدا ہواس کو قتل کر دیا جائے، سواُس مہینہ میں جس حاملہ عورت کے ہاں بھی لڑکا پیدا ہوا اس کو ذبح کر دیا گیا، آزر کی بیوی اپنے بچہ کو بچانے کے لیے ایک غار میں چلی گئی اور وہیں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہو گئے، اس نے غار کے مونہہ پر ایک پتھر رکھ دیا، پھر وہ اپنے گھر لوٹ آئی، جب واپس آئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زندہ پایا اور وہ اپنا انگوٹھا چوس رہے تھے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رزق ان کے انگوٹھے میں رکھ دیا تھا، آزر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ماں سے اُن کے حمل کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ ایک لڑکا پیدا ہوا تھا اور وہ مر گیا، آزر نے اس کی تصدیق کی اور خاموش رہا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت جلد پرورش پاتے رہے حتیٰ کہ جب پندرہ مہینے گزر گئے تو انہوں نے اپنی ماں سے کہا: مجھے باہر نکالو، میں باہر کا منظر دیکھنا چاہتا ہوں، سواُن کی ماں نے رات کے وقت اُن کو نکالا، پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باہر کی چیزیں دیکھیں اور آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق میں غور وفکر کیا اور کہا: جس ذات نے مجھے پیدا کیا ہے اور مجھے رزق دیا ہے اور مجھے کھلایا ہے اور مجھے پلایا ہے ضرور وہی میرا رب ہے، اس کے سوا میرا اور کوئی رب نہیں ہو سکتا، پھر انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا تو ایک ستارے کو دیکھا، پس کہا: یہ میرا رب ہے، پھر دوبارہ اس کی طرف دیکھا تو وہ ستارہ غائب ہو چکا تھا، تو انہوں نے کہا: میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا، پھر چاند طلوع ہوا تو انہوں نے چمکتا ہوا چاند دیکھا، تو کہا: یہ میرا رب ہے، پھر اس کو دیکھتے رہے حتیٰ کہ چاند غائب ہو گیا، سو جب چاند غائب ہو گیا تو انہوں نے کہا: اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دے تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں گا، پھر جب دن ہوا اور سورج طلوع ہو گیا تو انہوں نے سورج کو بہت عظیم جانا اور انہوں نے غور کیا کہ اس سے پہلے انہوں نے جو روشن چیزیں دیکھی تھیں، ان میں سے کوئی چیز بھی سورج سے زیادہ روشن نہیں تھی، تب انہوں نے کہا: یہی میرا رب ہے اور یہ سب سے بڑا ہے، پھر جب سورج غروب ہو گیا تو انہوں نے کہا: اے میری قوم! میں اس سے بیزار ہوں جس کو تم اللہ کا شریک بنا رہے ہو: ''بے شک میں نے یکسو ہو کر اپنا رُخ اسی ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا ہے، اس حال میں کہ میں ان باطل نظریات سے الگ ہونے والا ہوں اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں O ـــ (الانعام: ۷۹)''۔

اور آزر اُن بتوں کو بناتا تھا جن بتوں کی اس کی قوم پرستش کرتی تھی، پھر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہ بُت دیتا کہ ان کو فروخت کر دیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام اُن بتوں کو لے کر جاتے، پس کہتے کہ کون ان کو خریدے گا جو نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع پہنچا سکتے ہیں، سو ان سے کوئی بھی ان بتوں کو نہ خریدتا حتیٰ کہ لوگوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس روش کا پتا چل گیا اور وہ اس کو عیب قرار دیتے تھے۔

اہلِ علم نے اس روایت کو مسترد کر دیا ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارے، چاند یا سورج کے متعلق یہ کہا کہ یہ میرا رب ہے، کیونکہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور اللہ کا نبی ہر وقت اور ہر حال میں مؤحد اور اللہ تعالیٰ کا عارف ہوتا ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کسی وقت بھی ستارے، چاند یا سورج کے متعلق کہے کہ یہ میرا رب ہے۔

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو کہا تھا ''هذا ربی'' اس سے پہلے ہمزہ استفہام محذوف ہے، آپ نے بہ طورِ انکار اور زجر وتوبیخ کہا: یہ میرا رب ہے! یعنی یہ میرا رب نہیں ہے۔

(تفسیر الطبری، ج۹ ص ۳۵۶ ـ ۳۶۰، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)

الانعام: ۷۶ تا ۷۸ پر اشکال کے امام ماتریدی کی طرف سے جوابات

الانعام: ۷۵ تا ۷۸ پر اشکال کے جواب میں امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ، نے حسبِ ذیل جوابات دیے ہیں:

(۱) بعض مفسرین نے اس آیت کو ظاہر پر محمول کیا ہے اور کہا ہے: اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے رب کی مکمل معرفت نہیں تھی، ان کو حواس سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور وحدانیت کا علم نہیں ہوا تھا، بعد میں اُن کو جب آیات سے اور آثارِ عقل سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی وحدانیت کی معرفت ہوئی تو انہوں نے کہا: ''اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝۷۹ ---(الانعام: ۷۹)'' (بے شک میں نے یکسو ہو کر اپنا رُخ اسی ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا ہے، اس حال میں کہ میں ان باطل نظریات سے الگ ہونے والا ہوں اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوںO)۔

دیگر مفسرین نے اس تفسیر کو دلائل سے رد کر دیا ہے، کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ نبی پر کوئی ایسا وقت گزرا ہو جس میں اس کو اللہ عزوجل کی معرفت نہ ہو اور وہ موحد نہ ہو۔

(۲) بعض مفسرین نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ اس وقت کہا تھا جب وہ نابالغ تھے اور احکام کے مکلف نہیں تھے، کیونکہ انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن بتوں کے حال میں غور کیا تو اُن پر منکشف ہوا کہ یہ بُت نہ کسی کی بات سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں، نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں، نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں تو انہوں نے جان لیا کہ جو ایسے ہوں، وہ کسی چیز کے خالق نہیں ہو سکتے، انہوں نے غور کیا کہ رات کا جبر سورج کی روشنی کو چھپا لیتا ہے اور سورج اور چاند بھی ایک وقت میں غروب ہو جاتے ہیں تو انہوں نے جان لیا کہ ان میں سے کوئی چیز بھی اس کائنات کی خالق نہیں ہو سکتی، لیکن یہ جواب بھی درست نہیں ہے کیونکہ اللہ کا نبی خواہ بالغ ہو یا نابالغ وہ ہر حال میں اللہ کا عارف اور اس کا موحد ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ''وَاِنَّ مِنْ شِیْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِیْمَ ۝۸۳ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ۝۸۴ --- (الصافات: ۸۴)'' (اور بے شک ان کے گروہ سے ضرور ابراہیم ہیںO جب وہ نہایت پاکیزہ دل کے ساتھ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوئےO) اور ''سَلِیْمٍ ۝'' کا معنی ہے کہ وہ شرک سے معصوم تھے اور اُن میں شرک کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ۝۸۳ --- (الانعام: ۸۳)'' (اور یہ ہماری قوی دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو اُن کی قوم کے مخالف لوگوں کے خلاف عطاء فرمائی ہے، ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند فرماتے ہیں، (اے رسولِ اکرم!) بے شک آپ کے رب نہایت حکمت والے، سب کچھ جاننے والے ہیںO)۔

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمیشہ سے اللہ عزوجل کے عارف اور موحد تھے۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت بھی اللہ عزوجل کی مکمل معرفت رکھتے تھے اور موحد تھے، لیکن آپ نے اپنی قوم کو تدریجاً تبلیغ فرمائی، پس پہلے انہوں نے ستارے، چاند اور سورج کے متعلق اپنی قوم کے اعتقاد کے مطابق اُن کے لیے تعظیمی کلمات کہے، کیونکہ وہ لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے تاکہ لوگ ان کی بات توجہ سے سنیں اور اُن کی طرف راغب ہوں، پھر بعد میں یہ ظاہر فرمایا کہ یہ تو

غروب ہونے والے اور ڈوبنے والے ہیں، اور جو غروب ہونے والا اور ڈوبنے والا ہو، وہ کیسے اس کائنات کا موجد اور مربی ہو سکتا ہے، کیونکہ جس وقت میں وہ غروب ہو چکا تھا اور اس کا نام و نشان نہیں تھا حالانکہ یہ کائنات اس وقت بھی موجود اور باقی تھی، تو اس وقت اس کائنات کو کس نے باقی اور برقرار رکھا، لہٰذا ان میں سے کوئی چیز بھی اس کائنات کی خالق نہیں ہو سکتی۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے شرکیہ عقائد کا استہزاء کرنے کے لیے اور اُن کا رد کرنے کے لیے اس طرح فرمایا کہ تم ایسوں کو خدا مانتے ہو جو ڈوب جاتے ہیں اور غروب ہو جاتے ہیں۔

(تاویلات اہل السنہ ج ۴ ص ۱۳۴-۱۴۱، ملخصاً وملتقطاً وموضحاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الانعام: ۷۶ تا ۷۸ پر اشکال کے امام بغوی کی طرف سے جوابات

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، اس اشکال کے جواب میں لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض مفسرین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان اقوال کو ظاہر پر محمول کیا، انہوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہدایت کو تلاش کر رہے تھے اور توحید کو طلب کر رہے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہدایت عطاء فرمائی، اور حالتِ استدلال میں انہوں نے جو کچھ کہا، اس سے انہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہ اقوال اُن کے بچپن کے زمانہ میں تھے، اس سے پہلے کہ وہ بالغ ہوتے اور اُن پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہوتی، لہٰذا اُن کا چاند اور ستاروں کو رب کہنا کفر نہیں ہے۔ اور بالغ ہونے سے پہلے انسان غیر مکلف ہوتا ہے۔

دوسرے مفسرین نے اس جواب سے اختلاف کیا ہے اور انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول پر جو ساعت بھی آتی ہے، وہ اس ساعت میں مومن اور موحد ہوتا ہے اور اللہ عزوجل کا عارف ہوتا ہے اور اللہ عزوجل کے سوا ہر معبود سے بری ہوتا ہے، سو جس ذات کو اللہ تعالیٰ نے معصوم بنایا ہو اور اس کو بچپن میں ہی ہدایت عطاء فرمادی ہو، اس سے یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ وہ چاند، سورج اور ستاروں میں خدا کو تلاش کرتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''وَ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۞ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۞ ... (الصافات: ۸۴)'' (اور بے شک ان کے گروہ سے ضرور ابراہیم ہیں ○ جب وہ نہایت پاکیزہ دل کے ساتھ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوئے ○)۔

نیز اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۞ ... (الانعام: ۷۵)'' (اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو تمام آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت دکھائی تاکہ وہ (علم الیقین کے ساتھ ساتھ) عین الیقین والوں میں سے (بھی) ہو جائیں ○)۔

پس جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی توحید کی نشانیاں دکھا دیں تو کیسے ممکن ہے کہ وہ ستارے کو دیکھ کر کہیں کہ یہ میرا رب ہے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کے متعلق حسب ذیل توجیہات کی گئی ہیں:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم ستاروں کی بہت تعظیم کرتی تھی اور ان کی پرستش کرتی تھی اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ تمام امور ستاروں کی طرف مفوّض ہیں، سو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کو یہ دکھایا کہ جس کی تم پرستش اور عبادت کرتے ہو، وہ تو ناقص ہے وہ غروب ہو جاتا ہے، تاکہ اپنی قوم کے عقیدہ کو غلط ثابت کریں۔

(۲) دوسری تاویل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول سے پہلے ہمزہ استفہام مقدر ہے یعنی ''اَھٰذَا رَبِّیْ؟'' (کیا یہ میرا رب ہے؟)، جیسے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے: ''وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۝۳۴ --- (الانبیاء: ۳۴)'' (اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لیے (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنے کو مقدر نہیں فرمایا، پس اگر آپ کی وفات ہو جائے تو کیا یہ لوگ (یہاں) ہمیشہ رہیں گے؟O)۔ اس آیت میں ''فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۝۳۴'' سے پہلے بھی ہمزہ استفہام مقدر ہے۔ سو اسی طرح اس آیت میں بھی ''ھٰذَا رَبِّیْ'' سے پہلے ہمزہ استفہام مقدر ہے۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے ستارہ پرستوں کے خلاف حجت قائم کرنے کے لیے اس طرح فرمایا، یعنی ''ھٰذَا رَبِّیْ بزعمکم؟'' (تمہارے زعم میں یہ میرا رب ہے؟)، پھر جب ستارہ غروب ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اگر یہ خدا ہوتا تو غروب نہ ہوتا، جیسے اللہ عزوجل کے اس ارشاد میں زعم مقدر ہے: ''ذُقْ ۚۙ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ۝۴۹ --- (الدخان: ۴۹)'' (لے (عذاب کا مزا) چکھ! بے شک تو ہی (اپنے زعم میں) بڑا اعزیز مکرم ہے O)، یعنی تو اپنے دل میں اور اپنے نزدیک بہت عزیز اور مکرم ہے۔

اس کا پس منظر یہ ہے: سامری نے بنی اسرائیل سے مستعار لیے ہوئے زیورات کو ڈھال کر ایک بچھڑا بنا لیا اور لوگوں سے یہ کہا کہ یہ موسیٰ کا خدا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ طور سے واپس آ کر اس سے باز پرس کی اور سامری کو زجر و توبیخ کی اور اسی اثناء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِی الْحَیٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَ اِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰۤی اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا۝۹۷ --- (طٰہٰ: ۹۷)'' (موسیٰ نے سامری سے کہا: تو (اب یہاں سے) دفع ہو جا، بے شک اب تیری بقیہ زندگی میں یہ سزا ہوگی کہ تو (ہر ایک سے) کہتا پھرے گا: سنو! مجھے نہ چھونا اور بے شک اس کے علاوہ تیرے لیے (آخرت میں عذاب کا) وعدہ ہے جو ہرگز تجھ سے نہ ٹلے گا اور (اب تو) اپنے خدا کو دیکھ جس کی پرستش میں تو جم کر بیٹھا رہا تھا، ہم ضرور بہ ضرور اس (سونے کے بچھڑے یعنی تیرے خدا) کو آگ میں جلا دیں گے، پھر ہم ضرور بہ ضرور اس (کی راکھ) کو (اڑا کر) دریا میں بہا دیں گے O)۔

اس آیت میں مذکور ہے ''وَ انْظُرْ اِلٰۤی اِلٰهِكَ'' یعنی تو اس کو دیکھ جو تیرے زعم میں تیرا خدا تھا، سو جس طرح اس آیت میں زعم مقدر ہے ''اس کو دیکھ جو تیرے زعم میں تیرا خدا تھا''، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس ارشاد میں زعم مقدر ہے یعنی ''ھذا ربی بزعمکم؟'' (تمہارے زعم میں یہ میرا رب ہے؟)

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو کہا تھا ''ھذا ربی'' اس سے پہلے محذوف ہے ''یقولون''، یعنی ''یقولون ھذا ربی'' (یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ میرا رب ہے)۔ اس کی نظیر درج ذیل آیت ہے:

''وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۝۱۲۷ --- (البقرہ: ۱۲۷)'' (اور (یاد کیجئے!) جب ابراہیم اور اسماعیل خانہ (کعبہ) کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (اور یہ کہہ رہے تھے:) اے ہمارے رب! ہم سے (اس کو) قبول فرمایئے، بے شک آپ (سب کچھ) سننے والے (سب کچھ) جاننے والے ہیں O)

''رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا'' سے پہلے ''یقولان'' مقدر ہے، یعنی ''یقولان ربنا تقبل منا'' (حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل

علیہالسلام خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے: رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا۔۔ الخ''۔اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول ''هذا ربی'' سے بھی پہلے''یقولون'' محذوف ہے، یعنی لوگ کہتے ہیں کہ یہ میرا رب ہے۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۳۷۔۱۳۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

الانعام: ۷۶ تا ۷۸ پر اشکال کے امام رازی کی طرف سے جوابات

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، اس اشکال کے جواب میں لکھتے ہیں:

لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ اس جہان کا نظام یہ ستارے چلاتے ہیں اور انہوں نے ہر ستارے کے مقابلہ میں ایک بُت تراش لیا تھا جس کی وہ عبادت کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام نے اس پر دلائل قائم کیے کہ ان ستاروں کی اس جہان کے نظام کو چلانے میں کوئی تاثیر نہیں ہے، بلکہ یہ ستارے تو خود اللہ تعالیٰ کے احکام کے تابع ہیں، اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے (عرفی) باپ آزر سے کہا: ''وَ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ لِاَبِيۡهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصۡنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيۡۤ اَرٰٮكَ وَ قَوۡمَكَ فِيۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۞۔۔۔ (الانعام: ۷۴)'' (اور (اے رسولِ اکرم!) یاد کیجئے: جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ آزر سے کہا: کیا تم (خود) بتوں کو تراش کر معبود قرار دیتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں مبتلاء دیکھتا ہوں O)

پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کلام سے یہ فتویٰ دیا کہ بتوں کی عبادت کرنا جہالت ہے، پھر انہوں نے اس پر یہ دلیل قائم کی کہ ستاروں، چاند اور سورج میں سے کوئی بھی اس لائق نہیں ہے کہ اس کو خدا کہا جائے، اس سے تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ بتوں کی عبادت کو باطل کرنے کا یہی طریقہ تھا کہ ستاروں، چاند اور سورج کے خدا ہونے کے عقیدہ کو باطل کیا جائے۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۰۔۳۱، ملخصاً وملتقطاً وموضحاً، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

الانعام: ۷۶ تا ۷۸ پر اشکال کے علامہ آلوسی کی طرف سے جوابات

علامہ سید محمود آلوسی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ، اس اشکال کے جواب میں لکھتے ہیں:

(۱) بعض علماء کا یہ زعم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارے، چاند اور سورج کو میرا رب اس وقت کہا تھا جب وہ نابالغ تھے لیکن محققین نے اس جواب کو رد کر دیا ہے کیونکہ اللہ کا نبی کسی وقت بھی اپنے رب سے جاہل نہیں ہوتا، اور ہر آن اور ہر وقت میں وہ اللہ تعالیٰ کا عارف اور موحد ہوتا ہے۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بر سبیلِ استہزاء فرمایا کہ ''کیا یہ میرا رب ہے؟''

علامہ آلوسی نے اس طرح کے اور بھی جوابات دیئے ہیں جن کا ذکر ہم اس سے پہلے دیگر مفسرین کی عبارات میں بیان کر چکے ہیں۔ (روح المعانی جزء ۷ ص ۲۹۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

الانعام: ۷۶ تا ۷۸ کے متعلق عالمی ریسرچ اسکالر علامہ حافظ عبدالمجید زید جبہم (برسٹل، برطانیہ) کی رائے

الانعام: ۷۶، الانعام: ۷۷ اور الانعام: ۷۸ میں صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کا ذکر نہیں ہے کیونکہ ان تینوں آیات میں دو جگہ لفظ ''قَالَ'' مذکور ہے، پہلے ''قَالَ'' کا فاعل آزر ہے اور دوسرے ''قَالَ'' کے فاعل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، مثلاً الانعام: ۷۶

میں ارشاد ہے: ''فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ ۔۔۔ (الانعام:۷۶)'' اس تمہید کی روشنی میں الانعام:۷۶ کا ترجمہ اس طرح ہوگا: ''پھر جب ابراہیم پر رات تاریک ہوگئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا، آزر نے کہا: یہ میرا رب ہے، جب وہ ستارہ ڈوب گیا تو ابراہیم نے کہا: میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا O''۔

اور الانعام:۷۷ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ ۔۔۔ (الانعام:۷۷)'' اس آیت کا ترجمہ اس طرح ہوگا: ''پھر جب ابراہیم نے چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو آزر نے کہا: یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ چاند غروب ہوگیا تو ابراہیم نے کہا: اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں بھی ضرور گمراہ ہونے والے لوگوں میں سے ہوجاتا O''۔

اور الانعام:۷۸ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ ۔۔۔ (الانعام:۷۸)'' اس آیت کا ترجمہ اس طرح ہوگا: ''پھر جب ابراہیم نے سورج کو جگمگاتا ہوا دیکھا تو آزر نے کہا: یہ میرا رب ہے، یہ بہت بڑا ہے، پھر جب سورج غروب ہوگیا تو ابراہیم نے کہا: اے میری قوم! میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو O''۔

رہا یہ سوال کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ آزر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان یہ مکالمہ ہو رہا تھا اور ان آیات میں آزر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں کے اقوال کا ذکر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۔۔۔ (الانعام:۸۰)'' (اور ابراہیم کی قوم کے لوگوں نے ابراہیم سے جھگڑا کیا)۔

آزر نے اپنا موقف پیش کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے موقف کو دلیل سے رد کیا کہ ستارہ بھی ڈوب گیا، چاند بھی غروب ہوگیا اور سورج بھی غروب ہوگیا، سو جو چیزیں غروب ہوگئیں سو پہلے ان کا ظہور تھا، پھر ان کا ظہور نہیں رہا، تو وہ چیزیں پوری کائنات کا رب کیسے ہوسکتی ہیں!

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّىْ فِى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۔۔۔ (الانعام:۸۰)'' (ابراہیم نے کہا: کیا تم مجھ سے اللہ کی ذات کے متعلق مناظرہ کر رہے ہو اور جھگڑ رہے ہو حالانکہ اللہ نے مجھے ہدایت عطاء فرمادی ہے)۔

اور مناظرہ اور جھگڑا دو آدمیوں کے درمیان ہوتا ہے، صرف ایک آدمی کا اپنے نفس سے مناظرہ یا جھگڑا نہیں ہوتا۔

نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''فَاَىُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۔۔۔ (الانعام:۸۱)'' (پس ان دونوں فریقوں میں سے کس کا قول امن اور سلامتی کا زیادہ حق دار ہے)۔

اس آیت سے بھی واضح ہوگیا کہ الانعام:۷۶، ۷۷ اور ۷۸ میں جو کلام مذکور ہے وہ دو فریقوں کے درمیان ہو رہا تھا، وہ صرف ایک شخص کا کلام نہیں تھا جس کی بناء پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہ اشکال ہوا ہے کہ انہوں نے ستارے، چاند اور سورج کے متعلق کہا کہ یہ میرا رب ہے۔

الانعام:۸۱ میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمادیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آزر دو فریقوں کے درمیان یہ مناظرہ ہو رہا تھا پھر اس

کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''تم غور وفکر کر کے بتاؤ کہ ان میں سے کس فریق کا قول حق اور صواب کے زیادہ قریب ہے؟''۔

نیز اس کے بعد اللہ عزوجل نے الانعام: ۸۳ میں ارشاد فرمایا: ''وَ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ'' (اور یہ ہماری قوی دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو اُن کی قوم کے لوگوں کے خلاف عطاء فرمائی)۔

اس آیت سے بھی واضح ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر سے مناظرہ فرمار ہے تھے، لہٰذا ستارے، چاند اور سورج کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول نہیں ہے کہ یہ میرا رب ہے بلکہ یہ آزر کا قول ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا رد یہ کہہ کر فرمایا کہ یہ سب تو ڈوبنے والے ہیں، یہ پوری کائنات کا رب کیسے ہو سکتے ہیں!

ہر چند کہ متقدمین مفسرین میں سے کسی نے بھی یہ جواب نہیں دیا، صرف عالمی اسکالر علامہ عبدالمجید (برسٹل) نے قرآنِ مجید میں غور وفکر کر کے ان آیات کا یہ محمل تلاش کیا ہے اور اس کو انہوں نے انکسار سے صرف اپنی رائے قرار دیا ہے اور اس کو قرآن مجید کی مذکورہ آیات کی تفسیر نہیں کہا، تاہم اُن کی اس تحقیق سے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دامن سے یہ گرد وغبار دور ہو جاتا ہے کہ انہوں نے ستارے، چاند اور سورج کو اپنا رب قرار دیا حالانکہ ان کی ذات اس سے بری ہے جیسا کہ انہی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا ہے: ''اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ ... (الانعام: ۷۹)'' (ابراہیم نے کہا:) بے شک میں نے یکسو ہو کر اپنا رُخ اسی ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا ہے، اس حال میں کہ میں ان باطل نظریات سے الگ ہونے والا ہوں اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں O)۔''

عالمی اسکالر علامہ حافظ عبدالمجید نے مجھے بتایا کہ انہوں نے ڈاکٹر ڈیوڈ مارشل (Dr. David marshal) سے کہا کہ تورات اور انجیل میں انبیاء علیہم السلام کی طرف کفریہ اقوال کی نسبت کی گئی ہے، اس وجہ سے یہ آسمانی اور الہامی کتابیں نہیں ہو سکتیں، اس پر ڈاکٹر ڈیوڈ مارشل نے یہ معارضہ کیا کہ قرآن مجید میں بھی یہ ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارے، چاند اور سورج کو کہا کہ یہ میرا رب ہے، سو انہوں نے بھی کفر کیا، مولانا عبدالمجید نے ڈیوڈ مارشل کو جوابِ مذکور دیا اور بتایا کہ ستارے، چاند اور سورج کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ یہ میرا رب ہے، یہ صرف آزر نے کہا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا رد کیا اور بتایا کہ یہ سب ڈوبنے والے ہیں اور جو ڈوبنے والا ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا، سو حضرت ابراہیم علیہ السلام تو ہمیشہ سے عارف باللہ اور موحد تھے، تب ڈیوڈ مارشل نے عالمی اسکالر حافظ عبدالمجید کے جواب پر غور وفکر کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کفر کی نسبت کرنے سے رجوع کر لیا۔

اللہ تعالیٰ عالمی اسکالر علامہ حافظ عبدالمجید (برسٹل) کی اس فکر انگیز تفسیر کو قبول فرمائیں اور انہیں قرآن مجید کی فہم میں مزید نکات الہام فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے متعلق امام رازی کی رائے

امام محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر ہے، لیکن تمام نساب اس پر متفق ہیں کہ ان کے والد کا نام تارح یا تارخ ہے، لیکن یہ

قول ضعیف ہے، صریح قرآن نے آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد قرار دیا ہے، تاہم یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے دو نام ہوں، اس کا اصلی نام آزر ہو اور تارح اس کا لقب ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۰۔۳۱ ملخصاً وملتقطاً وموضحاً، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے متعلق علامہ آلوسی کی رائے

اہلسنت کے جم غفیر نے اس پر اعتماد کیا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام نہیں ہے، کیونکہ آزر بت پرست اور کافر تھا، اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء واجداد میں کوئی کافر بالکل نہیں تھا، اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لم ازل انقل من اصلاب الطاهرين الى ارحام الطاهرات والمشركون نجس'' (میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا ہوں اور مشرکین نجس ہیں)۔

پاک پشتوں کی پاک رحموں کے ساتھ تخصیص کا تقاضا ہے کہ آپ کبھی بھی زنا سے پیدا نہیں ہوئے۔

(روح المعانی جزء ۷ ص ۲۸۳، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء واجداد کے ایمان کے متعلق علامہ آلوسی کی ذکر کردہ حدیث کا بے اصل ہونا

میں کہتا ہوں: اولاً تو یہ حدیث دعویٰ کے مطابق نہیں ہے کیونکہ دعویٰ یہ تھا کہ آپ کے آباء واجداد میں سے کوئی کافر نہیں ہے اور اس حدیث سے آپ کے آباء واجداد کا مومن ہونا لازم نہیں آتا، اس حدیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے آباء واجداد سب نکاح سے پیدا ہوئے کوئی زنا سے پیدا نہیں ہوا۔ ثانیاً ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کا ثبوت کسی کتاب میں نہیں ہے۔

المکتبۃ الشاملۃ نے اس سلسلہ میں ایک سو انچاس (۱۴۹) متونِ حدیث کے الفاظ درج کئے ہیں اور کسی حدیث میں علامہ آلوسی کی ذکر کردہ روایت کے الفاظ نہیں ہیں، البتہ المکتبۃ الشاملۃ نے امام ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری الشافعی المتوفی ۳۶۰ھ کے حوالہ سے اُن کی سند کے ساتھ درج ذیل حدیث کے الفاظ لکھے ہیں:

''عن علی رضی الله عنه ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: خرجت من نكاح ولم اخرج من سفاح، من لدن آدم، الى ان ولدنی ابی وامی، لم يصبنی من سفاح الجاهلية شیء''۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں اور زنا سے پیدا نہیں ہوا، حضرت آدم سے لے کر یہاں تک کہ میں اپنے والد اور والدہ سے پیدا ہوا اور مجھے زمانہ جاہلیت کے زنا میں سے کسی چیز نے نہیں چھوا)۔

(کتاب الشریعۃ للآجری، رقم: ۹۵۷، ص ۴۳۳، موسسۃ الریان للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، الطبعۃ الرابعۃ، ۱۴۲۹ھ)

رہا یہ کہ جب علامہ آلوسی کی ذکر کردہ حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء کرام کا ایمان ثابت نہیں ہوتا تو پھر وہ کون سی حدیث ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء کرام کا ایمان ثابت ہوتا ہے، اس کے جواب میں، میں یہ کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء کرام کے ایمان پر اُن احادیث میں دلیل ہے جن میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو آدم کے سب سے بہتر قرن سے مبعوث فرمایا ہے اور قرآن مجید کی اصطلاح میں سب سے بہتر مومن ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ

مِّنْ مُّشْرِكٍ ۔۔۔ (البقرہ:۲۲۱)'' (اور توحید پر ایمان رکھنے والا غلام شرک کرنے والے (آزاد مرد) سے بہتر ہے)۔ اور اس نوع کی احادیث درج ذیل ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء واجداد کے ایمان کے ثبوت میں مصنف کی پیش کردہ مستند احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے بنو آدم کے ہر قرن اور ہر طبقہ میں سب سے بہتر قرن اور طبقہ سے مبعوث فرمایا جاتا رہا حتیٰ کہ جس قرن میں، میں ہوں۔

(صحیح البخاری:۳۵۵۷، مسند احمد:۹۳۶۰، ۸۸۴۳، مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۷، مشکوٰۃ المصابیح:۵۷۳۹، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۷۵، کنز العمال:۳۲۰۰۵)

اور بنو آدم کے ہر قرن اور ہر طبقہ میں سب سے بہتر وہی لوگ ہوں گے جو مومن ہوں، کیونکہ کفار میں کوئی خیر نہیں ہے۔

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے حضرت ابراہیم کی اولاد سے حضرت اسماعیل کو چن لیا اور حضرت اسماعیل کی اولاد سے بنو کنانہ کو چن لیا اور بنو کنانہ سے قریش کو چن لیا اور قریش سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم سے مجھے چن لیا۔

(سنن ترمذی:۳۶۰۵، الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۸، مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۷، البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۰۱، ۱۴۱۸ھ)

اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین میں سے کسی کو منتخب فرماتے ہیں اور کسی کو چنتے ہیں نہ کہ کافروں میں سے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین کے دو حصے کیے اور مجھے ان میں سے سب سے خیر حصہ میں رکھا، پھر اس نصف کے تین حصے کیے اور مجھے اس تیسرے حصہ میں رکھا جو سب سے خیر، اور سب سے افضل تھا، پھر لوگوں میں سے عرب کو چن لیا، پھر عرب میں سے قریش کو چن لیا، پھر قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا، پھر بنو ہاشم میں سے حضرت عبدالمطلب کو چن لیا، پھر حضرت عبدالمطلب کی اولاد میں سے مجھ کو چن لیا، (اس حدیث میں خیر کا لفظ ہے اور مومن اور کافر میں سے مومن خیر ہے، سو آپ کے تمام آباء مومن ہیں)۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۸، جمع الجوامع رقم الحدیث:۳۰۷ ۱۵، کنز العمال رقم الحدیث:۳۲۱۲۲)

یہ حدیث آپ کے تمام آباء کے ایمان پر عموماً اور حضرت عبدالمطلب کے ایمان پر خصوصاً دلیل ہے۔

حافظ ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان المعروف بہ ابن شاہین المتوفی ۳۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام حجون پر بہت افسردگی اور غم کی حالت میں اترے اور جب تک آپ کے رب عزوجل نے چاہا آپ وہاں ٹھہرے رہے، پھر آپ وہاں سے بہت خوش خوش واپس ہوئے، میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ مقام حجون پر بہت افسردگی کے عالم میں اترے تھے، پھر آپ بہت خوش خوش واپس ہوئے، آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری والدہ کو زندہ فرمادیا، وہ مجھ پر ایمان لائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت کو لوٹا دیا۔

(الناسخ والمنسوخ رقم الحدیث:۶۳۰، ص ۲۸۴، مطبوعہ دار الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلی المتوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں:

قاضی ابوعمران احمد بن ابی الحسن نے ایک سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں چند مجہول راوی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان

کرتی ہیں کہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ وہ ان کے والدین کو زندہ فرمادیں، پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ان کو زندہ فرمادیا اور وہ دونوں آپ پر ایمان لے آئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری فرمادی۔

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، اور اس کی رحمت اور قدرت کسی چیز سے عاجز نہیں ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے اہل ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جس وصف سے چاہیں اپنے فضل سے خاص فرمادیں اور اپنے کرم سے آپ کو جس نعمت سے چاہیں نواز دیں۔ صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (الروض الانف ج ۱ ص ۲۹۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک میں نے یکسو ہوکر اپنا رُخ اسی ذات کی طرف کرلیا ہے جس نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا ہے، اس حال میں کہ میں ان باطل نظریات سے الگ ہونے والا ہوں اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں O'' (الانعام: ۷۹)

''اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝'': اس آیت کی تفسیر ضمناً گزرچکی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اُن کی قوم کے لوگوں نے اُن سے جھگڑا کیا، انہوں نے کہا: کیا تم مجھ سے اللہ کی ذات کے متعلق جھگڑ رہے ہو حالانکہ اللہ نے مجھے ہدایت عطاء فرمادی ہے، اور تم جن کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہو میں اُن سے نہیں ڈرتا سوا اس کے کہ میرے رب ہی کچھ چاہیں، میرے رب کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے، پس کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟O'' (الانعام: ۸۰)

''وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْــٴًـا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝'':

آزر نے اور اس کی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے توحید کے معاملہ پر مباحثہ اور مجادلہ کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کرنے پر مجھ سے جھگڑتے ہو! حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے توحید کی ہدایت عطاء فرمادی ہے، انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: تم ہمارے بتوں سے ڈرو، ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ تمہیں کوئی ضرر پہنچائیں گے، تم کو جنون ہوجائے گا یا کوئی اور آفت آجائے گی، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میں اُن سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے ہو، ہاں! اگر اللہ تعالیٰ ہی مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہیں تو وہ مالک ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور میں اُن (بتوں) سے کیسے ڈرسکتا ہوں جن کو تم نے (اللہ کا) شریک قرار دیا ہے، جب کہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ اُن کو شریک قرار دے ڈالا ہے جن کی (الوہیت کے متعلق) اللہ نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، سو (اب تم ہی بتاؤ) کہ ہر دو فریقوں میں سے کون امن اور سلامتی کا زیادہ مستحق ہے؟ اگر تم علم رکھتے ہوO'' (الانعام: ۸۱)

"وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝": یعنی میں اُن بتوں سے کیسے ڈر سکتا ہوں جو نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ کسی کو ضرر پہنچا سکتے ہیں نہ کسی کو نفع دے سکتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ نہیں ملایا، انہی لوگوں کے لیے امن اور سلامتی ہے اور وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں O" (الانعام: ۸۲)

"اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝":

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ... (الانعام: ۸۲)" (جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا)، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے عرض کیا: ہم میں سے کون اپنے آپ پر ظلم نہیں کرتا؟ تب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: "اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝... (لقمان: ۱۳)" "بے شک شرک کرنا بہت بڑا ظلم ہے O"

(صحیح البخاری: ۳۲، ۳۳۶۰، ۳۴۲۸، ۳۴۲۹، ۴۶۲۹، ۴۷۷۶، ۶۹۱۸، ۶۹۳۷، صحیح مسلم: ۱۲۴، سنن ترمذی: ۳۰۶۷، مسند احمد: ۳۵۸۷، مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۷۳-۷۴، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۸۵، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۷۰، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۱۶۵، مسند ابویعلیٰ: ۵۱۵۹، صحیح ابن حبان: ۲۵۳)

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝۸۳

اور یہ ہماری قوی دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو (ان کے مخالف پر غالب آنے کے لیے) عطاء فرمائی، ہم جس کے چاہیں درجات بلند فرماتے ہیں، بے شک آپ کے رب نہایت حکمت والے، سب کچھ جاننے والے ہیں O

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۸۴

اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطاء فرمائے، ہم نے ان سب کو ہدایت عطاء فرمائی، اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت عطاء فرمائی اور اُن کی اولاد سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو ہدایت عطاء فرمائی، اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزاء عطاء فرماتے ہیں O

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۸۵

اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس (ان سب کو ہدایت عطاء فرمائی)، یہ سب نیکوکاروں میں سے ہیں O

وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ يُوْنُسَ وَ لُوْطًا ؕ وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۸۶﴾

اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط (کو ہدایت عطاء فرمائی)، اور ہم نے ان سب کو (ان کے زمانہ کے) تمام جہان والوں پر فضیلت عطاء فرمائی O

وَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ ۚ وَ اجْتَبَيْنٰهُمْ وَ هَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾

اور ہم نے ان کے باپ دادا اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کو چن لیا اور اُن سب کو سیدھے راستہ کی ہدایت عطاء فرمائی O

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

یہ اللہ کی ہدایت ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں اسے یہ ہدایت عطاء فرماتے ہیں، اور اگر (بالفرض) وہ شرک کے مرتکب ہوتے تو اُن کے تمام نیک اعمال ضائع ہو جاتے O

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور احکام شرعیہ اور نبوت عطاء فرمائی، سو اگر ان چیزوں کے ساتھ یہ لوگ کُفر کریں تو بے شک ہم نے ان چیزوں پر ایسی قوم کو مقرر فرما دیا ہے جو ان چیزوں سے انکار کرنے والے نہیں ہیں O

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ ع

(یہ) وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت عطاء فرمائی ہے، سو آپ (بھی) ان کے طریقہ پر چلیں، آپ کہیے: میں اس (دین کی تبلیغ) پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، یہ صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور یہ ہماری قوی دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو (ان کے مخالف پر غالب آنے کے لیے) عطاء فرمائی، ہم جس کے چاہیں درجات بلند فرماتے ہیں، بے شک آپ کے رب نہایت حکمت والے، سب کچھ جاننے والے ہیں O'' (الانعام: ۸۳)

علامہ ابوالفرج عبد الرحمٰن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، الانعام: ۸۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ تِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیْنٰهَاۤ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ''(۸۳):

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی قوم کے درمیان جو مناظرہ ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جن دلائل سے اپنی قوم کے مخالفین پر غالب آئے، سو یہ دلائل ہمارے عطاء فرمائے ہوئے تھے۔ اور ہم رسالت سے سرفراز کر کے جس کے چاہیں درجات بلند فرماتے ہیں یا ہم علم اور فہم میں غلبہ عطاء فرما کر جس کے چاہیں درجات بلند فرماتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطاء فرمائے، ہم نے ان سب کو ہدایت عطاء فرمائی، اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت عطاء فرمائی اور اُن کی اولاد سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو ہدایت عطاء فرمائی، اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزاء عطاء فرماتے ہیں O اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس (ان سب کو ہدایت عطاء فرمائی)، یہ سب نیکوکاروں میں سے ہیں O اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط (کو ہدایت عطاء فرمائی)، اور ہم نے ان سب کو (ان کے زمانہ کے) تمام جہان والوں پر فضیلت عطاء فرمائی O اور ہم نے ان کے باپ دادا اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کو چن لیا اور اُن سب کو سیدھے راستہ کی ہدایت عطاء فرمائی O'' (الانعام: ۸۴۔۸۵۔۸۶۔۸۷)

''وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَیْنَا ۚ وَ نُوْحًا هَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ'': اس آیت میں فرمایا ہے: ''وَ مِنْ ذُرِّیَّتِهٖ'' ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ ضمیر حضرت نوح علیہ السلام کی طرف راجع ہے، اور عطاء بن ابی رباح نے کہا ہے کہ یہ ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور الزجاج نے کہا ہے کہ دونوں قول جائز ہیں۔ ''وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ''(۸۴): یعنی جس طرح ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو توحید پر قائم رہنے کی جزاء عطاء فرمائی اور اُن کی اولاد میں انبیاء اور اتقیاء عطاء فرمائے، اسی طرح ہم محسنین کو جزاء عطاء فرماتے ہیں۔

''وَ زَكَرِیَّا وَ یَحْیٰى وَ عِیْسٰى وَ اِلْیَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ''(۸۵) ''وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ الْیَسَعَ وَ یُوْنُسَ وَ لُوْطًا ؕ وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ''(۸۶) ۔۔۔ (الانعام: ۸۵۔۸۶)'': اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس آیت میں لوط کا ذکر فرمایا ہے، حالانکہ اس آیت کے سیاق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا ذکر ہے اور حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں تھے، ابوسلیمان الدمشقی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں مراد اس طرح ہے کہ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُن کی مدد کے لیے حضرت لوط علیہ السلام عطاء فرمائے۔ رہے عیسیٰ اور الیاس اور الیسع اور لوط، یہ عجمی اسماء ہیں۔

''وَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ ۚ وَ اجْتَبَیْنٰهُمْ وَ هَدَیْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ''(۸۷) ۔۔۔ (الانعام: ۸۷)'': اس آیت میں ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے، الزجاج نے کہا ہے: اس آیت کا معنی ہے: ہم نے ان کو ہدایت عطاء فرمائی اور ان کے بعض آباء و اجداد اور ان کی اولاد کو ہدایت عطاء فرمائی۔ ''وَ اجْتَبَیْنٰهُمْ'': یعنی ہم نے اُن کو چن لیا اور اُن کو فضیلت عطاء فرمائی اور صراطِ مستقیم سے مراد ہے اُن کو توحید پر قائم رکھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”یہ اللہ کی ہدایت ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں اسے یہ ہدایت عطاء فرماتے ہیں، اور اگر (بالفرض) وہ شرک کے مرتکب ہوتے تو اُن کے تمام نیک اعمال ضائع ہو جاتے O“ (الانعام: ۸۸)

”ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ“: یعنی جس ہدایت پر وہ قائم ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی عطاء فرمائی ہوئی ہدایت ہے۔ ”وَ لَوْ اَشْرَكُوْا“: یعنی اگر یہ انبیاء علیہم السلام بالفرض شرک کرتے تو ان کے تمام نیک اعمال زائل اور باطل ہو جاتے، کیونکہ اللہ عزوجل مشرک کا کوئی عمل قبول نہیں فرماتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور احکامِ شرعیہ اور نبوت عطاء فرمائی، سو اگر ان چیزوں کے ساتھ یہ لوگ کفر کریں تو بے شک ہم نے ان چیزوں پر ایسی قوم کو مقرر فرما دیا ہے جو ان چیزوں سے انکار کرنے والے نہیں ہیں O“ (الانعام: ۸۹)

”اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ“: الکتاب سے مراد وہ آسمانی کتابیں اور صحائف ہیں جو اِن انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائے گئے، اور الحُکم سے مراد ہے الفقه اور العلم۔ ”فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ“: اس کی تفسیر میں تین اقوال ہیں: (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن المسیب اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد اہلِ مکہ ہیں۔ (۲) السدی نے کہا: اس سے مراد قریش ہیں۔ (۳) حسن بصری نے کہا: اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔ ”فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا“: اس کی تفسیر میں چار اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد اہلِ مدینہ ہیں۔ (۲) حسن بصری نے کہا: اس سے مراد انبیاء علیہم السلام اور صالحین ہیں۔ اور قتادہ نے کہا: اس سے وہ اٹھارہ انبیاء علیہم السلام مراد ہیں جن کا ان آیتوں میں ذکر فرمایا ہے۔ (۳) ابو رجاء نے کہا: اس سے مراد فرشتے ہیں۔ (۴) بعض نے کہا: اس سے مراد مہاجرین اور انصار ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”(یہ) وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت عطاء فرمائی ہے، سو آپ (بھی) ان کے طریقہ پر چلیں، آپ کہیے: میں اس (دین کی تبلیغ) پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، یہ صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے O“ (الانعام: ۹۰)

الانعام: ۹۰ کی تفسیر میں دیگر مفسرین کی تحقیق

”اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ“:

”اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ“: یعنی جن انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرمایا ہے، ان کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطاء فرمائی ہے۔

”فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ“: اس کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ (۱) ابن زید نے کہا: آپ ان انبیاء سابقین کی شرائع اور سُنن کے موافق عمل کیجیے۔ (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان انبیاء سابقین علیہم السلام نے اللہ کی راہ میں جس طرح مشکلات اور مصائب پر صبر

کیا آپ بھی اسی طرح مشکلات اور مصائب پر صبر کریں۔ (تفسیر الطبری ج۹ ص۹۰، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)

الانعام: ۹۰ کی تفسیر میں مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں: یہ دونوں قول واضح نہیں ہیں، الانعام: ۹۰ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انبیاء سابقین کے عقائد اور اصول میں اقتداء کرنے کا حکم فرمایا ہے نہ اُن کی شرائع پر عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے، عقائد اور اصول میں اس لیے اقتداء کا حکم نہیں دیا جاتا کیونکہ اصول اور عقائد میں تقلید نہیں کی جاتی بلکہ عقلی دلائل اور وحی کے مطابق عقائد اختیار کیے جاتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ۔۔۔ (الشوریٰ: ۱۳)'' (اے مسلمانو! تمہارے لیے اسی دین کا راستہ مقرر فرمایا گیا ہے جس کا حکم اللہ نے نوح کو دیا تھا اور جس دین کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے اور جس دین کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ (اسی) دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو)۔

اور احکامِ شرعیہ میں اس لیے اقتداء کا حکم نہیں دیا جاتا کیونکہ ہر نبی کی شریعت الگ الگ ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (المائدہ: ۴۸)'' (ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ شریعت اور واضح راہِ عمل بنائی ہے)۔ پس کوئی نبی دوسرے نبی کی اقتداء نہیں کرتا۔ لہٰذا اس آیت میں مراد یہ ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام میں فرداً فرداً محاسنِ اخلاق تھے، سو آپ اپنی ذات میں اُن تمام انبیاء علیہم السلام کے تمام محاسنِ اخلاق اور اُن کی تمام صفاتِ کمالیہ کو جمع کر لیجیے، گویا تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کی سیرت ہائے مبارکہ اور اُن کی شخصیاتِ کریمہ کے تمام کمالات متن متین ہیں اور آپ کی سیرت اور آپ کی شخصیت اُن انبیاء سابقین کے سب کمالات کی شرحِ جمیل ہے، گویا آپ کی صفات اور آپ کے کمالات کو پھیلاؤ تو وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی سیرتیں اور اُن کے کمالات ہیں اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی سیرتوں اور اُن کے کمالات کو سمیٹو تو وہ حقیقتِ محمدی ہے، (یعنی آپ کی صفات اور آپ کے کمالات)۔

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضاء داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

''قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا'': یعنی میں اس قرآن مجید کی تبلیغ پر اور تمہیں وعظ و نصیحت کرنے پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا۔

''اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾'': العالمین سے مراد یہاں پر جن اور انسان ہیں۔

(زاد المسیر فی علم التفسیر ج۲ ص۵۰۔۵۲، ملتقطاً وملخصاً ومزیداً، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ

ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾

اور (یہود نے) اللہ کی اس طرح قدر نہیں پہچانی جس طرح اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا، جب انہوں نے کہا کہ "اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی" آپ کہیے: (پھر) اس کتاب کو کس نے نازل فرمایا ہے جسے موسیٰ لے کر آئے جو کتاب لوگوں کے لیے (علم کی) روشنی تھی اور ہدایت تھی، تم نے اس کتاب کے الگ الگ کاغذ بنا لیے جن میں سے تم (بعض کو) ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپا لیتے ہو، اور تمہیں وہ کچھ سکھایا گیا جس کو پہلے تم نہ جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادا، آپ کہیے: اللہ (ہی نے اس کتاب کو نازل فرمایا ہے) پھر ان کو ان کی کج بحثی میں الجھتا ہوا چھوڑ دیجیے O

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور یہ کتاب (قرآن مجید) جس کو ہم نے نازل فرمایا ہے برکت والی ہے، اُن اصل آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں، اور ہم نے قرآنِ مجید اس لیے نازل فرمایا ہے تاکہ آپ اس سے اہلِ مکہ کو اور اس کے اردگرد (ساری زمین میں) رہنے والوں کو ڈرائیں، اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس قرآن پر بھی ایمان لاتے ہیں، اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں O

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے، یا کہے: "میری طرف وحی کی گئی ہے" حالانکہ اس کی طرف کسی چیز کی وحی نہ کی گئی ہو، اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو کہے کہ "میں عنقریب ایسا کلام نازل کروں گا جیسا کلام اللہ نے نازل فرمایا ہے" اور کاش! آپ ان ظالموں کو اس وقت دیکھتے جب وہ موت کی سختیوں میں مبتلاء ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے کہہ رہے ہوں گے: "اپنی جانوں کو نکالو" آج کے دن تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی کیونکہ تم اللہ پر ناحق بہتان باندھتے تھے اور تم اللہ کی آیات پر ایمان لانے سے تکبر کرتے تھے O

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ

ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾

اور بے شک اب تم ہمارے پاس اسی طرح تنہا آئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی بار (تنہا) پیدا فرمایا تھا، اور جو کچھ ہم نے تم کو عطاء فرمایا تھا وہ سب کچھ تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو، اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھ رہے جن کے متعلق تمہارا یہ زعم تھا کہ وہ تمہارے کام میں ہمارے شریک ہیں، بے شک تمہارا باہمی تعلق منقطع ہو چکا ہے اور تم دنیا میں جو دعوے کیا کرتے تھے وہ سب تم سے گم ہو چکے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (یہود نے) اللہ کی اس طرح قدر نہیں پہچانی جس طرح اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا، جب انہوں نے کہا کہ ''اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی'' آپ کہیے: (پھر) اس کتاب کو کس نے نازل فرمایا ہے جسے موسیٰ لے کر آئے جو کتاب لوگوں کے لیے (علم کی) روشنی تھی اور ہدایت تھی، تم نے اس کتاب کے الگ الگ کاغذ بنا لیے جن میں سے تم (بعض کو) ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپا لیتے ہو، اور تمہیں وہ کچھ سکھایا گیا جس کو پہلے تم نہ جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادا، آپ کہیے: اللہ (ہی نے اس کتاب کو نازل فرمایا ہے) پھر ان کو ان کی کج بحثی میں الجھتا ہوا چھوڑ دیجئے O'' (الانعام: ۹۱)

الانعام: ۹۱ کے شانِ نزول کے متعلق مفسرین کی آراء

امام ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، الانعام: ۹۱ تا ۹۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ''

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ یہود میں سے ایک مرد آیا جس کا نام مالک بن الصیف تھا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ میں مباحثہ کر رہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے تورات کو حضرت موسیٰ پر نازل فرمایا، کیا تم تورات میں یہ لکھا ہوا نہیں پاتے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ موٹے عالم کو ناپسند فرماتے ہیں اور مالک بن الصیف موٹا عالم تھا، سو وہ غصہ میں آ گیا اور اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں فرمائی۔

السدی نے بیان کیا کہ یہ آیت فنحاص بن عازوراء کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس قصہ میں یہ مذکور ہے کہ جب مالک بن الصیف کے اس قول کو یہودیوں نے سنا تو وہ اس پر ناراض ہوئے اور انہوں نے کہا: کیا بے شک اللہ تعالیٰ نے موسیٰ پر تورات کو نازل نہیں فرمایا، سو تم نے یہ کیونکر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں فرمائی؟ پس مالک بن الصیف نے کہا: مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے غصہ میں مبتلاء کر دیا تھا سو اس وجہ سے میں نے اس طرح کہا، تو یہودیوں نے کہا: تم غصہ میں آ کر اللہ تعالیٰ کے متعلق ناحق بات کہتے ہو؟ سو یہودیوں نے مالک بن الصیف کو الحبر اور عالم کے منصب سے معزول کر دیا اور اس کی جگہ پر کعب بن

الاشرف کو مقرر کر دیا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) کیا آپ پر اللہ نے کوئی کتاب نازل کی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! یہودیوں نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ نے آسمان سے کوئی کتاب نازل نہیں کی، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ'' (اور (یہود نے) اللہ کی اس طرح قدر نہیں پہچانی جس طرح اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا، جب انہوں نے کہا کہ ''اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی'' آپ کہیے: (پھر) اس کتاب کو کس نے نازل کیا ہے جسے موسیٰ لے کر آئے جو کتاب لوگوں کے لیے (علم کی) روشنی تھی اور ہدایت تھی)۔

میں کہتا ہوں: سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ ہوتی ہے، پس جب یہودیوں نے کہا: اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی اور یہ سلب کلی کا دعویٰ تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں موجبہ جزئیہ نازل فرمایا کہ اگر اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں فرمائی تو پھر تم یہ کیسے مانتے ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے تورات نازل فرمائی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''آپ کہیے: (پھر) اس کتاب کو کس نے نازل فرمایا ہے جسے موسیٰ لے کر آئے جو کتاب لوگوں کے لیے (علم کی) روشنی تھی اور ہدایت تھی'' اگر یہود اس جواب کو تسلیم کر لیں تو فبہا ورنہ آپ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو نازل فرمایا ہے جس کو حضرت موسیٰ لے کر آئے۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۴۲۔ ۱۴۳، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ نے اس تفسیر سے اختلاف کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں صحیح قول یہ ہے کہ ''وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ'' سے مراد مشرکین قریش ہیں یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی قدر نہیں کی جیسی اس کی قدر کرنی چاہیے تھی، اور اس آیت کے شروع میں یہود کا ذکر نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہود اللہ تعالیٰ کی ناقدری کرتے تھے تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

مجاہد نے کہا: ''قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ'' یہ قول بھی مشرکین قریش کے متعلق ہے، کیونکہ اس آیت کا سیاق مشرکین کے متعلق ہے نہ کہ یہودیوں کے متعلق ہے۔ (تفسیر طبری ج ۹ ص ۳۹۷۔ ۳۹۸، دارعالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور یہ کتاب (قرآن مجید) جس کو ہم نے نازل فرمایا ہے برکت والی ہے، اُن اصل آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں، اور ہم نے قرآنِ مجید اس لیے نازل فرمایا ہے تاکہ آپ اس سے اہلِ مکہ کو اور اس کے اردگرد (ساری زمین میں) رہنے والوں کو ڈرائیں، اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس قرآن پر بھی ایمان لاتے ہیں، اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں○'' (الانعام: ۹۲)

''وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ

بِالۡاٰخِرَةِ یُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ وَهُمۡ عَلٰی صَلَاتِهِمۡ یُحَافِظُوۡنَ ﴿۹۲﴾ '': اس آیت میں '' اُمَّ الۡقُرٰی '' کا لفظ ہے، اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ مکہ مکرمہ کو '' اُمَّ الۡقُرٰی '' کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ تمام روئے زمین مکہ مکرمہ کے نیچے سے نکال کر پھیلائی گئی ہے، سو مکہ مکرمہ تمام زمینوں کی اصل ہے جیسا کہ ماں اپنی تمام اولاد کی اصل ہوتی ہے۔ اور مکہ مکرمہ سے صرف خصوصاً مکہ مکرمہ مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد مشرق اور مغرب کی وہ تمام زمین ہے جو اس کے گرد ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: '' اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے، یا کہے: '' میری طرف وحی کی گئی ہے'' حالانکہ اس کی طرف کسی چیز کی وحی نہ کی گئی ہو، اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو کہے کہ '' میں عنقریب ایسا کلام نازل کروں گا جیسا کلام اللہ نے نازل فرمایا ہے'' اور کاش! آپ ان ظالموں کو اس وقت دیکھتے جب وہ موت کی سختیوں میں مبتلاء ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے کہہ رہے ہوں گے: '' اپنی جانوں کو نکالو'' آج کے دن تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی کیونکہ تم اللہ پر ناحق بہتان باندھتے تھے اور تم اللہ کی آیات پر ایمان لانے سے تکبر کرتے تھے ○ '' (الانعام: ۹۳)

جھوٹے مدعیان نبوت کا ابطال

'' وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوۡ قَالَ اُوۡحِیَ اِلَیَّ وَلَمۡ یُوۡحَ اِلَیۡهِ شَیۡءٌ وَّمَنۡ قَالَ سَاُنۡزِلُ مِثۡلَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوۡ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوۡنَ فِیۡ غَمَرٰتِ الۡمَوۡتِ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوۡۤا اَیۡدِیۡهِمۡ ۚ اَخۡرِجُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ اَلۡیَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ عَذَابَ الۡهُوۡنِ بِمَا كُنۡتُمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ غَیۡرَ الۡحَقِّ وَكُنۡتُمۡ عَنۡ اٰیٰتِهٖ تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۹۳﴾ '':

اس آیت سے جھوٹے مدعیانِ نبوت کا رد فرمایا ہے جن کا یہ زعم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو نبی بنا کر بھیجا ہے اور وہ کہیں کہ ہماری طرف وحی کی جاتی ہے حالانکہ ان کی طرف بالکل وحی نہیں کی گئی۔

امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسیلمہ کے دو ایلچی (قاصد) ابن النواحۃ اور ابن اثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے فرمایا: کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ ان دونوں نے کہا: ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لاتا ہوں، اور اگر میں کسی ایلچی یا قاصد کو قتل کرتا تو تم دونوں کو قتل کر دیتا۔

(دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۳۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۱۱، نشر السنہ، ملتان، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۵۲، دارالباز للنشر والتوزیع، المکۃ المکرمہ، معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۴۳۔ ۱۴۴، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت میں سویا ہوا تھا تو مجھے روئے زمین کے تمام خزانے عطاء فرمائے گئے، پس میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن رکھ دیئے گئے، سو یہ دونوں سونے کے کنگن مجھ پر دشوار ہوئے

اور انہوں نے مجھے پریشان کر دیا، پس اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی فرمائی کہ میں ان دونوں کنگنوں کو پھونک مار کر اڑا دوں، پس میں نے ان دونوں کنگنوں پر پھونک ماری تو وہ اڑ گئے، لہٰذا میں نے اس خواب کی یہ تعبیر لی کہ یہ میرے زمانہ میں دو جھوٹے مدعیانِ نبوت ہیں، اُن میں سے ایک صاحب صنعاء ہے اور دوسرا صاحب الیمامہ ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۶۲۱، ۴۳۷۴، ۴۳۷۵، ۴۳۷۹، ۷۰۳۴، ۷۰۳۷، صحیح مسلم: ۲۲۷۴، الرقم المسلسل: ۵۸۳۰، سنن ترمذی: ۲۲۹۲، سنن ابن ماجہ: ۳۹۲۲، مسند احمد: ۲۷۴۶۹)

صاحب صنعاء سے آپ کی مراد الاسود العنسی ہے اور صاحب الیمامہ سے آپ کی مراد مسیلمۃ الکذاب ہے، اور جس نے اس کی طرح نبوت کا دعویٰ کیا ہو۔ (مرزا غلام احمد قادیانی متوفی ۱۹۰۸ء بھی ان ہی جھوٹے مدعیانِ نبوت میں سے ایک ہے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک اب تم ہمارے پاس اسی طرح تنہا آئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی بار (تنہا) پیدا فرمایا تھا، اور جو کچھ ہم نے تم کو عطاء فرمایا تھا وہ سب کچھ تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو، اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھ رہے جن کے متعلق تمہارا یہ زعم تھا کہ وہ تمہارے کام میں ہمارے شریک ہیں، بے شک تمہارا باہمی تعلق منقطع ہو چکا ہے اور تم دنیا میں جو دعوے کیا کرتے تھے وہ سب تم سے گم ہو چکے ہیں O'' (الانعام: ۹۴)

''وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝'':

لفظِ ''فُرَادٰى'' ''فردان کی جمع ہے جیسے سکران ''سکاریٰ'' کی جمع ہے اور کسلان ''کسالیٰ'' کی جمع ہے۔

''كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ'': یعنی جس طرح جب تم پیدا ہوئے تو برہنہ بدن، برہنہ پیر اور غیر مختون تھے، اسی طرح تم کو اٹھایا ہے۔

''وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا'': کیونکہ مشرکین کا یہ زعم تھا کہ وہ بتوں کی اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ وہ اللہ عزوجل کے شریک ہیں اور اس کی بارگاہ میں مشرکین کی شفاعت کریں گے۔

''لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ'': یعنی تمہارے اور اُن بتوں کے درمیان جو وصل متوقع تھا وہ منقطع ہو گیا۔ نیز جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝'' (البقرہ: ۱۶۶) ''(اور جس وقت (کافروں کے) پیشوا اپنے پیروکاروں سے براءت کا اظہار کریں گے (اور وہ دونوں) عذاب کو دیکھ چکے ہوں گے اور ان کے باہمی تعلقات ٹوٹ جائیں گے O)۔

یعنی نچلے درجہ کے بت پرست جب اپنے سے اوپر کے بت پرستوں کو جن کی وہ دنیا میں پیروی کرتے تھے دوزخ کے عذاب میں مبتلاء دیکھیں گے تو اُن سے براءت کا اظہار کر دیں گے اور اُن کے باہمی اسباب منقطع ہو جائیں گے۔

الثعلبی نے کہا ہے: اسباب سے مراد وہ اسباب ہیں جن اسباب کے ساتھ وہ دنیا میں ایک دوسرے سے رابطہ رکھتے تھے، اور دوسرے مفسرین نے کہا: ان کی ایک دوسرے کے ساتھ جو محبت اور اخوت تھی وہ ٹوٹ جائے گی۔

(معالم التنزیل، ج ۲ ص ۱۴۲۔۱۴۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى ؕ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾

بے شک اللہ دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے ہیں، وہ زندہ کو مُردہ سے نکالتے ہیں اور مُردہ کو زندہ سے نکالتے ہیں (وہ ایسی شان والے) اللہ ہیں، سوتم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو؟ O

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَ جَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۹۶﴾

(وہ) رات کی تاریکی کو چیر کر صبح کی روشنی نکالنے والے ہیں، اور انہوں نے ہی رات کو آرام اور سکون کے لیے بنایا ہے، اور سورج اور چاند کو گنتی اور حساب کے لیے بنایا ہے، یہ بہت غالب اور سب کچھ جاننے والے کا مقرر کردہ نظام ہے O

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾

اور وہی ہیں جنہوں نے تمہارے لیے ستاروں کو بنایا تاکہ تم اُن ستاروں سے خشکی اور سمندروں کے اندھیروں میں راستہ کی ہدایت پاؤ، بے شک ہم نے علم والوں کے لیے کھول کھول کر اپنی آیات کو بیان فرمادیا ہے O

وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾

اور اللہ وہی ہیں جنہوں نے تم کو ایک جان سے پیدا فرمایا، پھر (تمہارے لیے) ٹھہرنے کی جگہ اور سپرد کیے جانے کی جگہ بنائی، بے شک جو لوگ سمجھنا چاہتے ہیں، ہم نے ان کے لیے واضح طور پر اپنی آیات کو بیان فرمادیا ہے O

وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَ مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ الزَّیْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْۤا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَ یَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

اور وہی ہیں جنہوں نے آسمان سے پانی نازل فرمایا، سو ہم نے اس سے ہرا اُگنے والی چیز نکالی، پھر ہم نے اس سے سرسبز فصل نکالی

جس سے ہم اوپر نیچے چڑھتے ہوئے دانے نکالتے ہیں، اور کھجور کے شگوفوں سے کھجوروں کے ایسے خوشے نکالتے ہیں جو جھکے ہوئے ہوتے ہیں، اور ہم نے انگوروں اور زیتون اور انار کے باغ پیدا فرمائے جو دوسرے کے مشابہ بھی ہیں اور غیر مشابہ بھی ہیں، اے لوگو! درخت کے پھلوں کو دیکھو جب وہ پھل لائیں اور اُن کے پکنے کو دیکھو، بے شک ان میں ایمان لانے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع

اور ان لوگوں نے جنات کو اللہ کا شریک قرار دیا ہے حالانکہ ان جنات کو اللہ نے پیدا فرمایا ہے، اور ان لوگوں نے بغیر علم کے اللہ کے لیے بیٹوں اور بیٹیوں کو گھڑ لیا ہے، وہ (ان سب سے) پاک ہیں اور اس سے بہت بلند اور برتر ہیں جو وہ اس کے متعلق بیان کرتے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے ہیں، وہ زندہ کو مُردہ سے نکالتے ہیں اور مُردہ کو زندہ سے نکالتے ہیں (وہ ایسی شان والے) اللہ ہیں، سو تم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو؟ O'' (الانعام: ۹۵)

اللہ تعالیٰ کی الوہیت، اس کی توحید اور اس کی تخلیق پر دلائل

علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، الانعام: ۹۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾'':

اس آیت میں ''فَالِقُ'' کا لفظ ہے، اس کے دو معنی ہیں: (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اس آیت میں ''فَالِقُ'' بہ معنی خالق ہے، یعنی اللہ تعالیٰ دانوں اور گٹھلی کو پیدا فرمانے والے ہیں۔ الضحاک اور مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔

(۲) حسن بصری اور السدی اور ابن زید نے کہا: ''فلق'' کا معنی پھاڑنا اور چیرنا ہے۔

''يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ'': اس کی تفسیر میں تین اقوال ہیں: (۱) حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا: جس طرح آپ زندہ انسان کو مُردہ نطفہ سے نکالتے ہیں اور مُردہ نطفہ کو زندہ انسان سے نکالتے ہیں، اسی طرح مُردہ انڈے سے زندہ پرندے کو نکالتے ہیں۔ (۲) الضحاک نے بیان کیا کہ زندہ سے مراد مومن ہے اور مُردہ سے مراد کافر ہے، اللہ تعالیٰ مومن سے کافر کو پیدا فرما دیتے ہیں جیسے حضرت نوح علیہ السلام سے ان کے کافر بیٹے کنعان کو پیدا فرمایا اور اللہ تعالیٰ کافر سے مومن کو پیدا فرما دیتے ہیں جیسے ابوجہل سے اس کے بیٹے عکرمہ کو پیدا فرمایا جو مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (۳) الزجاج نے کہا: اللہ تعالیٰ تر و تازہ نباتات کو خشک بیج سے پیدا فرما دیتے ہیں اور خشک بیج کو تر و تازہ پھلوں سے پیدا فرما دیتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(وہ) رات کی تاریکی کو چیر کر صبح کی روشنی نکالنے والے ہیں، اور انہوں نے ہی رات کو آرام اور سکون کے لیے بنایا ہے، اور سورج اور چاند کو گنتی اور حساب کے لیے بنایا ہے، یہ بہت غالب

اور سب کچھ جاننے والے کا مقرر کردہ نظام ہے O'' (الانعام:۹۶)

''فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝'':

یعنی اللہ عزوجل نے رات کو سکون اور طمانیت کا باعث بنایا ہے۔

''وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا'': اس آیت میں ''حُسْبان'' کی تفسیر میں تین اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے سورج اور چاند کے چلنے کے لیے جو مدت مقرر فرمائی ہے، اس مدت تک وہ چلتے رہیں گے۔ (۲) السدّی نے کہا ہے کہ سورج اور چاند ایک حساب سے اپنی اُن منازل کی طرف چلتے رہتے ہیں جو منازل اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر فرمادی ہیں۔ (۳) مقاتل نے کہا: سورج اور چاند کا چلنا اس لیے ہے تاکہ لوگ سالوں اور مہینوں کا حساب رکھیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور وہی ہیں جنہوں نے تمہارے لیے ستاروں کو بنایا تاکہ تم اُن ستاروں سے خشکی اور سمندروں کے اندھیروں میں راستہ کی ہدایت پاؤ، بے شک ہم نے علم والوں کے لیے کھول کھول کر اپنی آیات کو بیان فرمادیا ہے O'' (الانعام:۹۷)

''وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝'':

اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنا احسان اس لیے فرمایا ہے کہ لوگ صحراؤں میں اور سمندروں میں سفر کرتے ہیں تو صرف ستاروں سے اپنی منازل کی رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ وہی ہیں جنہوں نے تم کو ایک جان سے پیدا فرمایا، پھر (تمہارے لیے) ٹھہرنے کی جگہ اور سپرد کیے جانے کی جگہ بنائی، بے شک جو لوگ سمجھنا چاہتے ہیں، ہم نے ان کے لیے واضح طور پر اپنی آیات کو بیان فرمادیا ہے O'' (الانعام:۹۸)

''وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ۝'':

''المستقر'' اور ''المستودع'' کی تفسیر میں حسبِ ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر اور مجاہد نے کہا: انسان کے نطفہ کا ماں کے رحم میں استقرار ہوتا ہے اور باپ کی پشت میں اُس کا نطفہ ودیعت ہوتا ہے۔ (۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ماں کے رحم میں انسان کے نطفہ کا استقرار ہوتا ہے اور قبر میں انسان کو ودیعت کیا جاتا ہے یعنی رکھا جاتا ہے۔ (۳) ابن جبیر نے کہا: انسان کا زمین میں استقرار ہوتا ہے اور باپ کی پشت میں اس کو ودیعت کیا جاتا ہے۔ (۴) مقسم نے کہا: زمین میں انسان کا اس کی حیات تک استقرار ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور وہی ہیں جنہوں نے آسمان سے پانی نازل فرمایا، سو ہم نے اس سے ہر اُگنے والی چیز نکالی، پھر ہم نے اس سے سرسبز فصل نکالی جس سے ہم اوپر نیچے چڑھتے ہوئے دانے نکالتے ہیں، اور کھجور

کے شگوفوں سے کھجوروں کے ایسے خوشے نکالتے ہیں جو جھکے ہوئے ہوتے ہیں، اور ہم نے انگوروں اور زیتون اور انار کے باغ پیدا فرمائے جو دوسرے کے مشابہ بھی ہیں اور غیر مشابہ بھی ہیں، اے لوگو! درخت کے پھلوں کو دیکھو جب وہ پھل لائیں اور اُن کے پکنے کو دیکھو، بے شک ان میں ایمان لانے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O'' (الانعام: ۹۹)

''وَهُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً '': ''مَاءً'' سے مراد بارش ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بارش کو نازل فرمایا۔

''فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیۡءٍ '': اس کی تفسیر میں دو قول ہیں: (۱) ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارش سے ہر قسم کے پھل پیدا فرمائے۔ (۲) دوسرا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارش سے ہر چیز کی غذا پیدا فرمائی ہے۔

''فَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهُ خَضِرًا '': یعنی پانی سے پھلوں اور سبزہ کو پیدا فرمایا۔

''وَمِنَ النَّخۡلِ مِنۡ طَلۡعِهَا قِنۡوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّالزَّيۡتُوۡنَ وَالرُّمَّانَ مُشۡتَبِهًا وَّغَيۡرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنۡظُرُوۡۤا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَيَنۡعِهٖ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكُمۡ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ۝ '':

''قِنۡوَانٌ '': اس کا معنی ہے خوشہ۔ ''مُشۡتَبِهًا وَّغَيۡرَ مُتَشَابِهٍ '': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ پھل دکھائی دینے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور ذائقہ میں مشابہ نہیں ہیں۔ اور قتادہ نے کہا: درختوں کے پتے ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور اُن کے پھل ایک دوسرے کے مشابہ نہیں ہیں۔

الزجاج نے کہا: زیتون کو انار کے ساتھ ذکر کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ ان دونوں درختوں کو عرب جانتے پہچانتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اِن لوگوں نے جِنّات کو اللہ کا شریک قرار دیا ہے حالانکہ اِن جنات کو اللہ نے پیدا فرمایا ہے، اور اِن لوگوں نے بغیر علم کے اللہ کے لیے بیٹوں اور بیٹیوں کو گھڑ لیا ہے، وہ (ان سب سے) پاک ہیں اور اس سے بہت بلند اور برتر ہیں جو وہ اس کے متعلق بیان کرتے ہیں O'' (الانعام: ۱۰۰)

''وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الۡجِنَّ وَخَلَقَهُمۡ '': مشرکین نے جنات کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیا تھا، اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حسن بصری اور الزجاج نے کہا: مشرکین نے بتوں کی عبادت میں شیاطین کی اطاعت کی تو گویا انہوں نے شیاطین کو اللہ کا شریک بنا لیا اور شیاطین جنات ہیں، اس لیے فرمایا کہ ان مشرکین نے جنات کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیا۔ (۲) قتادہ، سدی اور ابن زید نے کہا: مشرکین نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا، سو گویا انہوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیا۔ اس آیت میں فرشتوں پر جن کا اطلاق فرمایا ہے کیونکہ جن بھی چھپا ہوا ہوتا ہے اور فرشتے بھی چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ (۳) ابن السائب نے کہا کہ زندیقوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نور، پانی اور مویشیوں کا خالق ہے اور ابلیس اندھیرے، درندوں، سانپوں اور بچھوؤں کا خالق ہے، گویا انہوں نے ابلیس کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیا اور وہ جن ہے۔

''وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِیْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَیْرِ عِلْمٍؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یَصِفُوْنَ'':

مشرکین کا اللہ کے لیے بیٹے گھڑنا اس وجہ سے ہے کہ یہود نے کہا کہ عزیر، اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ المسیح، اللہ کا بیٹا ہے۔ اور بیٹیاں گھڑنا اس وجہ سے ہے کہ مشرکینِ عرب نے کہا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

(زادالمسیر ج ۲ ص ۵۷۔۶۱، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِؕ اَنّٰى یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۱﴾

(وہ) آسمانوں اور زمینوں کے موجد ہیں، اُن کی کیونکر اولاد ہوگی! حالانکہ ان کی بیوی (بھی) نہیں ہے، اور انہوں نے ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے، اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں O

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۱۰۲﴾

یہ ہیں اللہ جو تمہارے رب ہیں، ان کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ہر چیز کے پیدا فرمانے والے ہیں سو تم انہی کی عبادت کرو، اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہیں O

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ٘ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَۚ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۰۳﴾

نگاہیں ان کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ سب نگاہوں کا احاطہ فرما رہے ہیں، اور وہ ہر چیز کی باریکیوں کو جاننے والے ہیں اور ہر ظاہر و باطن کی خبر رکھنے والے ہیں O

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآىٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَاؕ وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۱۰۴﴾

بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کے پاس سے ہدایت کی روشن نشانیاں آ چکی ہیں، سو جس نے آنکھیں کھول کر دیکھ لیا تو وہ اس کے اپنے فائدہ کے لیے ہے، اور جو اندھا بنا رہا تو اس کا اسی کو نقصان ہوگا، (آپ کہیے:) اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں O

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَلِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور ہم اسی طرح بار بار اپنی آیات کو بیان فرماتے ہیں اور انجامِ کار لوگ یہ کہیں کہ آپ نے دوسروں سے قرآن اچھی طرح پڑھ لیا ہے اور ہم علم کے متلاشیوں کے لیے ضرور بہ ضرور اس (قرآن) کو وضاحت سے بیان فرمائیں گے O

اِتَّبِعۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ﴿۱۰۶﴾

(اے رسول اکرم!) آپ اس کی پیروی کیجیے جس کی آپ کی طرف آپ کے رب کے پاس سے وحی فرمائی گئی ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اور آپ مشرکین سے روگردانی کر لیں O

وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشۡرَكُوۡا ؕ وَمَا جَعَلۡنٰكَ عَلَیۡهِمۡ حَفِیۡظًا ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡهِمۡ بِوَكِیۡلٍ ﴿۱۰۷﴾

اور اگر اللہ چاہتے تو وہ شرک نہ کرتے، اور ہم نے آپ کو اُن کا ذمہ دار نہیں بنایا، اور آپ اُن پر نگہبان نہیں ہیں O

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدۡوًۢا بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَیَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمۡ ۪ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمۡ مَّرۡجِعُهُمۡ فَیُنَبِّئُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۰۸﴾

اور (اے مسلمانو!) تم اُن (بتوں) کو برا نہ کہو جن کی (یہ مشرکین) اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، ورنہ وہ سرکشی اور جہالت سے اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے، اسی طرح ہم نے ہر جماعت کے لیے اس کا عمل مزین فرما دیا ہے، پھر اُنہوں نے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے، سو وہ اُن کو ہر اس کام کی خبر دیں گے جس کو وہ کرتے تھے O

وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَیۡمَانِهِمۡ لَئِنۡ جَآءَتۡهُمۡ اٰیَةٌ لَّیُؤۡمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلۡ اِنَّمَا الۡاٰیٰتُ عِنۡدَ اللّٰهِ وَمَا یُشۡعِرُكُمۡ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾

اور ان (مشرکین) نے اللہ کی پکی قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی (معجزہ) آجائے تو وہ ضرور بہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے، آپ کہیے: تمام معجزات اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ معجزہ آنے کے بعد بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے O

وَنُقَلِّبُ اَفۡـِٕدَتَهُمۡ وَاَبۡصَارَهُمۡ كَمَا لَمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾ ع

اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو پھیر دیتے ہیں، (سو وہ ایمان نہیں لائیں گے) جس طرح وہ پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے اور ہم اُن کو اُن کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑے رکھتے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(وہ) آسمانوں اور زمینوں کے موجد ہیں، اُن کی کیونکر اولاد ہوگی! حالانکہ ان کی بیوی (بھی) نہیں ہے، اور انہوں نے ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے، اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں O''

(الانعام:۱۰۱)

امام ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، الانعام: ۱۰۱ تا ۱۱۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'': وہ (اللہ عزوجل) آسمانوں اور زمینوں کو بغیر کسی پہلے نمونہ یا مثال کے بنانے والے ہیں۔

''اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ'': توان کی اولاد کیونکر ہوگی! ''وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ'': اوران کی بیوی بھی نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ ہیں اللہ جو تمہارے رب ہیں، ان کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ہر چیز کے پیدا فرمانے والے ہیں سو تم انہی کی عبادت کرو، اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہیں O'' (الانعام: ۱۰۲)

''فَاعْبُدُوْهُ'': یعنی تم انہی کی اطاعت کرو۔ ''وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ'': یعنی وہ ہر چیز کے محافظ اور اس کے مدبر ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ سب نگاہوں کا احاطہ فرما رہے ہیں، اور وہ ہر چیز کی باریکیوں کو جاننے والے ہیں اور ہر ظاہر و باطن کی خبر رکھنے والے ہیں O'' (الانعام: ۱۰۳)

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق معتزلہ اور اہل سنت کا نظریہ

''لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ'': معتزلہ نے اس آیت (الانعام: ۱۰۳) سے اللہ تعالیٰ کے دکھائی نہ دینے پر استدلال کیا ہے۔ اور اہل سنت و جماعت کا یہ مذہب ہے کہ اللہ عزوجل کی ذات بالمشافہ دکھائی دے گی جیسا کہ قرآن مجید کی درج ذیل آیات اس پر دلیل ہیں:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے پر اہلسنت و جماعت کے قرآن مجید سے دلائل

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ'' ... (القیامۃ: ۲۲۔۲۳) ''(بہ کثرت چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے O اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے O)۔ نیز اللہ عزاسمہ نے ارشاد فرمایا: ''كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ'' ... (المطففین: ۱۵) ''(حق بات یہ ہے کہ بے شک وہ مشرکین قیامت کے دن اپنے رب کے دیدار سے ضرور محروم ہوں گے O)۔

امام مالک رضی اللہ عنہ نے کہا ہے: اگر مومنین بھی قیامت کے دن اپنے رب کو نہ دیکھتے تو اللہ تعالیٰ کفار کو اپنے دیدار کی محرومی پر ملامت نہ فرماتے، اور میں کہتا ہوں کہ اگر مومنین بھی اللہ جل مجدہٗ کو قیامت کے دن نہ دیکھ سکتے تو مومنین اور کفار کا حال ایک جیسا ہوتا، تو پھر یہ آیت کفار کے لیے باعث حسرت نہ ہوتی۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے پر اہلسنت و جماعت کے حدیث سے دلائل

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''انکم سترون ربکم عیانا'' (بے شک تم سب عنقریب اپنے رب کو بالمشافہ دیکھو گے)۔ (صحیح البخاری: ۵۵۴، ۴۸۵۱، ۷۴۳۴، ۷۴۳۵، صحیح مسلم: ۶۳۳، سنن ابوداؤد: ۴۷۲۹، سنن ترمذی: ۲۵۵۱، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۷۶۱، ۱۱۳۳۰، سنن ابن ماجہ: ۱۷۷، السنہ لابن ابی عاصم: ۴۴۶، ۴۴۹، ۴۶۱، مسند الحمیدی: ۷۹۹، مسند احمد: ۱۸۷۲۳، صحیح ابن خزیمہ (باب التوحید ص ۱۶۷، ۱۶۸) صحیح ابن حبان: ۷۴۴۲، ۷۴۴۳، الشریعہ للآجری: (باب التصدیق بالنظر:

۲۳، ۲۴، ۲۵) المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۲۲۴، ۷، ۲۲۳، شرح السنۃ للبغوی: ۸: ۷۸، ۳ـ۳۷۹)

ادراک کے معنی کی تحقیق

"لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ": ادراک کا معنی رؤیت نہیں ہے کیونکہ ادراک کا معنی ہے: کسی چیز کی کُنہ پر مطلع ہونا اور کسی چیز کا احاطہ کرنا، اور رؤیت کا معنی ہے کسی چیز کو دیکھنا، اس کا معائنہ اور مشاہدہ کرنا۔ اور کبھی رؤیت بغیر ادراک کے ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا: "فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝" (الشعراء: ۶۱) "(پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے اصحاب نے کہا: بے شک ہم ضرور پکڑے گئے O)۔ یعنی موسیٰ کے اصحاب نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا اور ایک دوسرے کا احاطہ نہیں کیا تھا۔

"لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ" قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے خلاف نہیں ہے

سعید بن المسیب نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں۔ عطاء نے کہا: مخلوق کی نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل نے کہا: دنیا میں نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور آخرت میں مسلمان اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔ "وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ": یعنی اللہ سبحانہٗ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

"وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ اپنے اولیاء پر لطف فرمانے والے ہیں، اور الازہری نے کہا: وہ اپنے بندوں پر لطیف ہیں، ایک قول یہ ہے کہ لطیف کا معنی ہے: جو کسی چیز کی طرف لُطف اور ملائمت سے دیکھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ لطیف کا معنی ہے: جو ذات اپنے بندوں سے اُن کے گناہوں کو بھلادے گی تا کہ وہ قیامت کے دن شرمندہ نہ ہوں۔ اور لُطف کا لغوی معنی ہے: تمام چیزوں کو باریک بینی سے دیکھنا۔

معتزلہ کے رد اور ابطال پر مصنف کی دلیل

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دکھائی نہ دینے کی دلیل یہ ہے کہ کسی کو دیکھنا اس وقت ثابت ہوتا ہے جب دکھائی دینے والا دیکھنے والے کے بالمقابل ہو، اگر مسلمان اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے تو ضروری ہوگا کہ مسلمان ایک جانب میں ہوں اور اللہ تعالیٰ اُن کے سامنے دوسری جانب میں ہوں اور اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے کسی جانب میں ہونا اور جہت میں ہونا لازم آتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور بلند ہیں۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ بتاؤ اللہ تعالیٰ مخلوق کو دیکھتے ہیں یا نہیں، اگر تم کہو کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو دیکھتے ہیں تو تمہارے قاعدہ کے مطابق یہ لازم آئے گا کہ مخلوق ایک جانب ہو اور اللہ تعالیٰ اس کے مقابل دوسری جانب ہوں، اور پھر وہی خرابی لازم آئے گی کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت اور کسی جانب میں ہونا لازم آئے گا، اور اگر تم کہو کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو نہیں دیکھتے تو اس سے قرآن مجید کی متعدد آیات کا انکار لازم آئے گا جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنے کی نسبت کی گئی ہے۔

نیز ہم کہتے ہیں کہ دکھائی دینے کا یہ عقلی قاعدہ کلیہ نہیں ہے مخلوق میں تو یہ جاری ہوتا ہے اللہ تعالیٰ پر یہ قاعدہ جاری نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہیں اور مخلوق کے بنائے ہوئے تمام قواعد سے بلند اور برتر ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کے پاس سے ہدایت کی روشن نشانیاں آ چکی ہیں، سو جس نے آنکھیں کھول کر دیکھ لیا تو وہ اس کے اپنے فائدہ کے لیے ہے، اور جو اندھا بنا رہا تو اس کا اسی کو نقصان ہوگا، (آپ کہیے:) اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں O“ (الانعام: ۱۰۴)

”قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ“: یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے دلائل قائم فرمائے جا چکے ہیں جن سے تم بصیرت حاصل کر سکتے ہو اور ہدایت کو گمراہی سے اور حق کو باطل سے متمیز کر سکتے ہو۔ ”فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا“: یعنی جس نے ان دلائل کو پہچان لیا اور اُن پر ایمان لے آیا تو اس کے ایمان لانے کا نفع صرف اسی کو ہوگا اور جو اِن دلائل کو دیکھنے سے اندھا بنا رہا اور اس نے ان دلائل کو نہیں پہچانا اور ان کی تصدیق نہیں کی تو اس کا ضرر بھی اسی کو ہوگا۔ ”وَ مَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ O“: یعنی میں تمہارے اعمال پر نگہبان نہیں ہوں، میں صرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جو تمہارے پاس اللہ کے پیغامات کو پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی تم پر نگہبان ہیں جن سے تمہارا کوئی فعل پوشیدہ نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور ہم اسی طرح بار بار اپنی آیات کو بیان فرماتے ہیں اور انجامِ کار یہ لوگ کہیں کہ آپ نے دوسروں سے قرآن اچھی طرح پڑھ لیا ہے اور ہم علم کے متلاشیوں کے لیے ضرور بہ ضرور اس (قرآن) کو وضاحت سے بیان فرمائیں گے O“ (الانعام: ۱۰۵)

”وَ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ“: یعنی ہم اسی طریقہ سے ہر طرح اپنی آیات کی بار بار وضاحت اور تفصیل کرتے ہیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ہم بار بار قرآن مجید کی آیات کو دہراتے ہیں تاکہ انجامِ کار کچھ لوگ اس قرآن کو سُن کر بدبختی کا شکار ہو جائیں اور دوسرے لوگ اس قرآن کو سُن کر ایمان لے آئیں اور اطاعت شعار ہو جائیں، سو جس نے یہ کہا کہ آپ نے یہ قرآن مجید دوسروں سے سیکھ لیا ہے، سو وہ بدبختی کا اور گمراہی کا شکار ہو گیا اور جس پر یہ منکشف ہو گیا کہ یہ قرآن مجید برحق ہے تو وہ نیک بخت ہے اور ایمان والا ہے۔

”لِیَقُوْلُوْا“ میں لام کے تین محمل اور لامِ عاقبت کی نظیر

”وَلِیَقُوْلُوْا“: ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ باتیں آپ سیکھے ہوئے ہیں، اور دوسرا قول یہ ہے کہ انجام کار لوگ یہ کہیں گے کہ آپ نے کسی اور سے یہ قرآن پڑھ لیا ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ لوگ یہ کہیں گے: آپ اہلِ کتاب کی کتابوں سے پڑھ کر بیان کرتے ہیں۔ سو اس آیت میں ”لِیَقُوْلُوْا“ کا لام ”لامِ عاقبت“ ہے جس کا ترجمہ ہے انجامِ کار۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے: ”فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِیَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا ؕ“ (القصص: ۸) ”(سو موسیٰ کو فرعون کے گھر والوں نے اٹھا لیا تاکہ انجامِ کار موسیٰ اُن کے لیے دشمن اور باعثِ غم ہو جائیں)۔ اور یہ معلوم ہے کہ آلِ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس لیے نہیں اٹھایا تھا کہ وہ اُن کے دشمن اور اُن کے لیے باعثِ غم ہو جائیں، لیکن اللہ عزوجل نے یہ ارادہ فرمایا کہ بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اٹھانا اُن کے لیے اُن کی دشمنی اور غم کا باعث ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ نے فرمایا: الانعام: ۱۰۵ کا یہ معنی ہے: جب آپ اہلِ مکہ کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کریں گے تو بالآخر وہ یہ کہیں گے کہ آپ نے اس قرآن مجید کو ''یسار اور خبر'' سے سیکھ لیا ہے، جو روم کے قیدیوں میں سے دو غلام تھے، پھر یہ قرآن آپ ہم کو پڑھ کر سناتے ہیں اور آپ کا یہ زعم ہوتا ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے، اور الفرّاء المتوفی ۲۰۷ ھ نے کہا ہے کہ کفار یہ کہیں گے کہ آپ نے یہود سے یہ قرآن مجید سیکھ لیا ہے جس کو آپ ہمیں پڑھ کر سنا رہے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ اس کی پیروی کیجئے جس کی آپ کی طرف آپ کے رب کے پاس سے وحی فرمائی گئی ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اور آپ مشرکین سے روگردانی کرلیں O'' (الانعام: ۱۰۶)

''اِتَّبِعۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ'': یعنی آپ کے رب کی طرف سے جو آپ پر قرآن نازل فرمایا گیا ہے، آپ اس میں مذکور احکام کی پیروی کیجئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر اللہ چاہتے تو وہ شرک نہ کرتے، اور ہم نے آپ کو اُن کا ذمہ دار نہیں بنایا، اور آپ اُن پر نگہبان نہیں ہیں O'' (الانعام: ۱۰۷)

''وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشۡرَكُوۡا'': یعنی اگر اللہ چاہتے تو تمام کافروں کو جبراً مومن بنا ڈالتے۔ ''وَمَا جَعَلۡنٰكَ عَلَیۡهِمۡ حَفِیۡظًا'': یعنی آپ کو اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ آپ مشرکین کی عذاب سے حفاظت فرمائیں، آپ کو تو صرف احکام پہنچانے والا اور مبلغ بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو!) تم اُن (بتوں) کو برا نہ کہو جن کی (یہ مشرکین) اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، ورنہ وہ سرکشی اور جہالت سے اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے، اسی طرح ہم نے ہر جماعت کے لیے اس کا عمل مزین فرما دیا ہے، پھر اُنہوں نے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے، سو وہ اُن کو ہر اس کام کی خبر دیں گے جس کو وہ کرتے تھے O'' (الانعام: ۱۰۸)

سدِّ ذرائع کے لیے کسی جائز کام سے منع فرمانا تاکہ وہ جائز کام کسی ناجائز کام کا پیش خیمہ نہ بن جائے

''وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدۡوًۢا بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَیَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمۡ ۪ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمۡ مَّرۡجِعُهُمۡ فَیُنَبِّئُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۰۸﴾'':

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، جب یہ آیت: ''اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنۡتُمۡ لَهَا وٰرِدُوۡنَ ﴿۹۸﴾ ...... (الانبیاء: ۹۸)'' (بے شک تم اور اللہ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو، وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں، تم سب اس میں داخل ہونے والے ہو) نازل ہوئی، تب مشرکین نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ہمارے خداؤں کو برا کہنے سے باز آجائیں ورنہ ہم آپ کے رب کی ہجو کریں گے، سو اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو کفار کے بتوں کی مذمت کرنے سے منع فرما دیا۔

اور قتادہ نے کہا کہ مسلمان کفار کے بتوں کو برا کہتے تھے تو اللہ عزوجل نے اس سے منع فرمادیا تا کہ وہ اللہ عزوجل کو برا نہ کہیں، کیونکہ وہ جاہل لوگ تھے۔ اس حکم کی نظیر درج ذیل حدیث ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بڑا گناہِ کبیرہ یہ ہے کہ کوئی مرد اپنے ماں باپ کو گالی دے، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کوئی مرد اپنے ماں باپ کو کیونکر گالی دے گا؟ آپ نے فرمایا: ایک مرد کسی دوسرے مرد کے باپ کو گالی دے تو وہ مرد اس کے باپ کو گالی دے گا، اور ایک مرد کسی کی ماں کو گالی دے تو وہ مرد اس کی ماں کو گالی دے گا۔ (صحیح البخاری: ۵۹۷۳، صحیح مسلم: ۹۰، سنن ترمذی: ۱۹۰۲، سنن ابوداؤد: ۵۱۴۱، مسند احمد: ۶۴۹۳)

یعنی جب تم کسی شخص کے ماں باپ کو گالی دو گے تو وہ پلٹ کر انتقام لینے کے لیے تمہارے ماں باپ کو گالی دے گا، لہٰذا تمہارا کسی کے ماں باپ کو گالی دینا اس کا سبب ہو گا کہ تمہارے ماں باپ کو گالی دی جائے، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سد ذرائع اور سد باب کے لیے کسی کے ماں باپ کو گالی دینے سے منع فرمادیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ان (مشرکین) نے اللہ کی پکی قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی (معجزہ) آجائے تو وہ ضرور بہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے، آپ کہیے: تمام معجزات اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ معجزہ آنے کے بعد بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے O" (الانعام: ۱۰۹)

"وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰۹": محمد بن کعب القرظی اور الکلبی نے کہا کہ کفارِ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم)، آپ ہمیں یہ خبر دیتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک عصا تھا جس کو وہ پتھر پر مارتے تو اس سے بارہ (۱۲) چشمے پھوٹ پڑتے تھے، اور آپ ہمیں خبر دیتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے، سو آپ بھی ہمارے سامنے ایسے معجزات پیش کریں تا کہ ہم آپ کی نبوت کی تصدیق کریں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا: تم کیا چیز پسند کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: آپ ہمارے لیے صفا پہاڑ سونے کا بنادیں اور ہمارے چند مُردوں کو زندہ کردیں حتیٰ کہ ہم ان سے سوال کریں کہ آیا آپ جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ حق ہے یا باطل ہے، اور ہم کو فرشتے دکھائیں جو آپ کی نبوت کی گواہی دیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں نے یہ کام کردیئے تو کیا تم میری نبوت کی تصدیق کرو گے؟ کفارِ قریش نے کہا: ہاں! اللہ کی قسم! اگر آپ نے یہ معجزات دکھادیئے تو ہم سب آپ کی پیروی کرلیں گے، اور صحابہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ان کے سامنے وہ معجزات پیش کردیں تا کہ یہ سب ایمان لے آئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر اللہ عزوجل سے دعا کی کہ وہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنادیں، تب حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور آپ سے کہا: آپ جو چاہیں وہ ہو جائے گا، اگر آپ چاہیں کہ صفا پہاڑ سونے کا ہو جائے تو وہ سونے کا ہو جائے گا لیکن اگر انہوں نے پھر بھی آپ کی نبوت کی تصدیق نہیں کی تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں ان پر عذاب نازل فرماؤں گا، اور اگر آپ چاہیں تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں حتیٰ کہ ان میں سے کوئی توبہ کرنے والا توبہ کرلے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ ان کو توبہ کرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: "وَ

اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِهَاؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَا یُشْعِرُكُمْۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۝۱۰۹ ۔۔۔ (الانعام:۱۰۹)''۔ (اور ان (مشرکین) نے اللہ کی پکی قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی (معجزہ) آجائے تو وہ ضرور بہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے، آپ کہیے: تمام معجزات اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ معجزہ آنے کے بعد بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے O)۔(تفسیر طبری ج ۹ ص ۴۸۵، دار عالم الکتب ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج ۴ رقم: ۷۶۸۱، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ، تفسیر مجاہد ص ۳۲۶)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو پھیر دیتے ہیں، (سو وہ ایمان نہیں لائیں گے) جس طرح وہ پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے اور ہم اُن کو اُن کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑے رکھتے ہیں O'' (الانعام:۱۱۰)

''وَ نُقَلِّبُ اَفْىِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ نَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ۝۱۱۰'':

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر ہم ان کے طلب کردہ معجزات عطا فرمادیں تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے جس طرح یہ پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے، کیونکہ اس سے پہلے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا معجزہ دکھایا گیا اور یہ پھر بھی ایمان نہیں لائے تھے، دوسرا قول یہ ہے کہ جس طرح اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ان کی قوم ایمان نہیں لائی تھی اسی طرح یہ بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۴۸۔۱۵۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓىِٕكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ۝۱۱۱

اور اگر ہم اُن کی طرف فرشتے (بھی) نازل فرمادیتے اور (قبروں سے نکل کر) مردے ان سے باتیں (بھی) کرتے اور ہم ان کے سامنے ہر چیز جمع (بھی) فرمادیتے تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لاتے سوا اُن کے جن کا ایمان لانا اللہ چاہتے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں O

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًاؕ وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا یَفْتَرُوْنَ۝۱۱۲

اور اسی طرح ہم نے سرکشی کرنے والے انسانوں اور جنات کو ہر نبی کے لیے دشمن بنادیا جو دھوکہ دینے کے لیے ایک دوسرے کی طرف ملمع کی ہوئی جھوٹی باتیں خفیہ طریقوں سے پہنچاتے ہیں، اور اگر آپ کے رب چاہتے تو وہ یہ کام نہ کرتے، سو آپ ان کو ان کی بہتان تراشیوں کے ساتھ چھوڑ دیں O

وَ لِتَصْغٰۤى اِلَیْهِ اَفْىِٕدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ لِیَرْضَوْهُ وَ لِیَقْتَرِفُوْا

مَاهُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور تا کہ وہ لوگ ان (شیاطین) کی باتوں کو غور سے سنیں اور اُن لوگوں کے دل ان (شیاطین) کی طرف مائل رہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور تا کہ وہ ان (شیاطین) کی باتوں کو پسند کریں اور تا کہ وہ اُن گناہوں کو کرتے رہیں جو وہ کرتے ہیں O

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

(اے رسولِ اکرم! آپ کہیے:) کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور فیصلہ کرنے والا تلاش کروں حالانکہ انہی نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل فرمادی ہے، اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطاء فرمائی ہے، وہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل فرمایا ہوا ہے تو (اے رسولِ اکرم!) آپ (بالفرض) شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں O

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾

آپ کے رب کی بات صدق اور عدل کے تقاضے سے پوری ہو چکی ہے اور اللہ کی باتوں کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں ہے، اور وہ سب کچھ سننے والے اور سب کچھ جاننے والے ہیں O

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) اگر آپ نے بالفرض زمین کے اکثر لوگوں کی بات مانی تو وہ آپ کو اللہ کے راستہ سے گم راہ کر دیں گے، وہ لوگ صرف (اپنے) گمان کی پیروی کرتے ہیں، اور وہ صرف اٹکل پچو سے بات کرتے ہیں O

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

بے شک آپ کے رب ہی خوب جاننے والے ہیں کہ کون اللہ کے راستہ سے گم راہ ہوتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتے ہیں O

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

سو (اے مسلمانو!) تم اس (جانور) کو کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے، اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھنے والے ہو O

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا

اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

اور (اے اہلِ کتاب) تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اس (جانور) کو نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ اللہ نے تمہارے لیے اُن چیزوں کو کھول کر بیان فرما دیا ہے جن کو تم پر حرام فرمایا ہے، سوا اُن چیزوں کے جن کو کھانے کی طرف تم مجبور ہو جاؤ، اور بے شک بہت لوگ لاعلمی کی وجہ سے اپنی خواہشوں کے مطابق ضرور گمراہ کرتے ہیں اور بے شک آپ کے رب حد سے بڑھنے والوں کو ضرور جانتے ہیں ○

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

اور (اے مسلمانو! تم) کھلے ہوئے گناہ اور پوشیدہ گناہ کو چھوڑ دو، بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں (اگر وہ بغیر توبہ کیے مر گئے تو) عنقریب اُن کو اُن کے گناہوں کی وجہ سے ضرور سزا دی جائے گی ○

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

اور تم اس (جانور) کو نہ کھاؤ جس کو اللہ کے نام پر ذبح نہیں کیا گیا، بے شک اس کا کھانا اللہ کی نافرمانی ہے، اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں ضرور وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں، اور اگر تم نے اُن کا کہنا مان لیا تو تم ضرور مشرک ہو جاؤ گے ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر ہم اُن کی طرف فرشتے (بھی) نازل فرما دیتے اور (قبروں سے نکل کر) مردے ان سے باتیں (بھی) کرتے اور ہم ان کے سامنے ہر چیز جمع (بھی) فرما دیتے تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لاتے سوا اُن کے جن کا ایمان لانا اللہ چاہتے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں ○'' (الانعام:۱۱۱)

الانعام:۱۱۱ کا شانِ نزول

علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ ھ، الانعام:۱۱۱ تا ۱۲۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

'' وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ '': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا مذاق اڑانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جماعت کے ساتھ آئے، پس انہوں نے آپ سے فرمائش کی کہ آپ ہمارے لیے ہمارے بعض مُردوں کو زندہ کر دیں تاکہ ہم

اُن سے سوال کریں کہ آیا آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے یا باطل ہے، یا آپ ہم کو فرشتے دکھائیں جو اس بات کی گواہی دیں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں، یا آپ اللہ کو ہمارے سامنے روبرو لے آئیں، تب یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر الطبری ج۹ ص ۴۹۴، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۴ ص ۱۳۷۵، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ اُن کا رد فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ''یعنی اکثر اہلِ مکہ اس بات سے جاہل ہیں کہ معجزات کا ظہور صرف اللہ عزوجل کی مشیت پر موقوف ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اس بات سے جاہل ہیں کہ اگر اُن کے فرمائشی تمام معجزات بھی اللہ تعالیٰ نے عطاء فرما دیے پھر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اسی طرح ہم نے سرکشی کرنے والے انسانوں اور جنات کو ہر نبی کے لیے دشمن بنا دیا جو دھوکہ دینے کے لیے ایک دوسرے کی طرف ملمع کی ہوئی جھوٹی باتیں خفیہ طریقوں سے پہنچاتے ہیں، اور اگر آپ کے رب چاہتے تو وہ یہ کام نہ کرتے، سو آپ اِن کو ان کی بہتان تراشیوں کے ساتھ چھوڑ دیں۔'' (الانعام: ۱۱۲)

''وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا'': اس آیت میں ''جن'' کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) حسن بصری اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد سرکش انسان اور جن ہیں۔ (۲) عکرمہ اور السدی نے کہا کہ شیاطین الانس وہ ہیں جو انسانوں کے ساتھ رہتے ہیں، اور شیاطین الجن وہ ہیں جو جنات کے ساتھ رہتے ہیں۔ (۳) مجاہد نے کہا: شیاطن الانس اور شیاطین الجن سے مراد کفار ہیں۔ ''يُوْحِيْ'': الوحی کا لغوی معنی ہے خبر دینا اور پوشیدہ طریقہ سے رہنمائی کرنا۔ اور اس کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) شیاطین حکم دیتے ہیں (۲) شیاطین وسوسہ ڈالتے ہیں (۳) شیاطین اشارہ کرتے ہیں۔

''زُخْرُفَ الْقَوْلِ'': الزخرف کا لغوی معنی ہے سونا، اور چونکہ انسانی طبیعت کو سونا اور سنہری چیزیں خوشنما معلوم ہوتی ہیں، اس لیے اس سے مراد ہے خوشنما باتیں۔ قتادہ نے کہا: جنات میں سے بھی شیاطین ہیں اور انسانوں میں سے بھی شیاطین ہیں، اور مالک بن دینار نے کہا کہ شیاطین الانس، شیاطین الجن سے زیادہ شدید ہوتے ہیں، کیونکہ جب میں شیاطین الجن سے اللہ کی پناہ طلب کروں تو وہ بھاگ جاتے ہیں اور شیاطین الانس تو مجھے ظاہراً اور بالمشافہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی طرف گھسیٹتے رہتے ہیں۔

''وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ'': ''مَا فَعَلُوْهُ'' کی ضمیر کے مرجع کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) ایک قول یہ ہے کہ یہ ضمیر وسوسہ کی طرف لوٹتی ہے یعنی اگر آپ کے رب چاہتے تو وہ وسوسہ نہ ڈالتے (۲) یہ ضمیر کفر کی طرف راجع ہے یعنی اگر آپ کے رب چاہتے تو یہ کفار، کُفر نہ کرتے۔ (۳) یہ ضمیر غرور اور انبیاء کی ایذاء کی طرف لوٹتی ہے یعنی اگر آپ کے رب چاہتے تو یہ لوگوں کو دھوکہ نہ دیتے اور انبیاء علیہم السلام کو ایذاء نہ پہنچاتے۔

''فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ'': مقاتل نے کہا: یعنی آپ کفارِ مکہ کو اور اُن کی افتراء پردازیوں کو چھوڑ یں۔ اور دوسروں نے

کہا: آپ مشرکین کو اور اُن کی مخاصمت کو چھوڑیں اور اس آیت کا اتنا حصہ جہاد کی آیت سے منسوخ ہو چکا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تا کہ وہ لوگ ان (شیاطین) کی باتوں کو غور سے سنیں اور اُن لوگوں کے دل ان (شیاطین) کی طرف مائل رہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور تا کہ وہ ان (شیاطین) کی باتوں کو پسند کریں اور تا کہ وہ اُن گناہوں کو کرتے رہیں جو وہ کرتے ہیں O'' (الانعام: ۱۱۳)

''وَلِتَصْغٰۤى اِلَیْهِ اَفْـٕدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِیَرْضَوْهُ وَلِیَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾'': ابن الانباری نے کہا: ہم نے یہ معاملہ اُن کے ساتھ اس لیے کیا ہے تا کہ اُن لوگوں کے دل باطل کی طرف مائل ہوں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم! آپ کہیے:) کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور فیصلہ کرنے والا تلاش کروں حالانکہ اسی نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل فرمادی ہے، اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطاء فرمائی ہے، وہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل فرمایا ہوا ہے تو (اے رسولِ اکرم!) آپ (بالفرض) شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں O'' (الانعام: ۱۱۴)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی البصری المتوفی ۴۵۰ھ اس آیت کے شانِ نزول میں لکھتے ہیں:

''اَفَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ حَكَمًا'': اس آیت کی دو تفسیریں ہیں:

(۱) کیا کسی کے لیے اللہ کے حکم سے اعراض کرنا جائز ہے حتیٰ کہ میں بھی اللہ کے حکم سے اعراض کروں! (۲) کیا کسی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو حَکَم بنائے حتیٰ کہ میں بھی اس کو حَکَم بناؤں!

(النکت والعیون ج ۲ ص ۱۵۹، موسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کے رب کی بات صدق اور عدل کے تقاضے سے پوری ہو چکی ہے اور اللہ کی باتوں کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں ہے، اور وہ سب کچھ سننے والے اور سب کچھ جاننے والے ہیں O''

(الانعام: ۱۱۵)

''وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا'': اس آیت میں ''الکلمات'' کا لفظ مذکور ہے، اس کے متعلق تین اقوال ہیں:

(۱) قتادہ نے کہا: اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ (۲) اس سے مراد قرآن مجید کے کئے ہوئے فیصلے ہیں۔ (۳) اس سے مراد قرآن مجید کے وعد اور وعید ہیں۔ ''لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ'': اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) کفار قرآن مجید میں زیادتی یا کمی کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ (۲) اللہ تعالیٰ کی وعید کے خلاف نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا حکم بدل سکتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) اگر آپ نے بالفرض زمین کے اکثر لوگوں کی بات مانی تو

وہ آپ کو اللہ کے راستہ سے گم راہ کر دیں گے، وہ لوگ صرف (اپنے) گمان کی پیروی کرتے ہیں، اور وہ صرف اٹکل پچو سے بات کرتے ہیں O" (الانعام: ۱۱٦)

"وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ O": الفراء المتوفی ۲۰۷ھ نے کہا ہے: اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ کفار نے مسلمانوں سے کہا: تم اس جانور کو تو کھاتے ہو جس کو تم نے مارا ہے اور تم اس جانور کو نہیں کھاتے جس کو تمہارے رب نے مارا ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی۔

(سنن ابوداؤد: ۱۸۱۸، سنن ابن ماجہ: ۳۱۷۳، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۱۱۳، سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۴۱)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک آپ کے رب ہی خوب جاننے والے ہیں کہ کون اللہ کے راستہ سے گم راہ ہوتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتے ہیں O" (الانعام: ۱۱۷)

"اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ O": الزجاج نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ ہی خوب جاننے والے ہیں کہ لوگوں میں سے کون اس کے راستہ سے گم راہ ہوں گے۔ اور ابوسلیمان الدمشقی نے کہا: آپ ان لوگوں کے ایمان لانے سے ملول خاطر نہ ہوں، کیونکہ وہی لوگ ایمان لائیں گے جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے ازل میں ایمان کو مقدر فرما دیا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "سو (اے مسلمانو!) تم اس (جانور) کو کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے، اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھنے والے ہو O" (الانعام: ۱۱۸)

"فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰیٰتِهٖ مُؤْمِنِیْنَ O": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مُردار کو حرام فرما دیا تو مشرکین نے مسلمانوں سے کہا: تمہارا یہ زعم ہے کہ تم اللہ عزوجل کی عبادت کرتے ہو، سو جس کو اللہ تعالیٰ نے مار ڈالا ہے (یعنی جو جانور طبعی موت سے مر کر مردار ہوا ہے) وہ اُن جانوروں کی بہ نسبت کھانے کے زیادہ لائق ہے جس کو تم نے ذبح کر کے مارا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور (اے اہلِ کتاب) تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اس (جانور) کو نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ اللہ نے تمہارے لیے اُن چیزوں کو کھول کر بیان فرما دیا ہے جن کو تم پر حرام فرمایا ہے، سوا اُن چیزوں کے جن کو کھانے کی طرف تم مجبور ہو جاؤ، اور بے شک بہت لوگ لاعلمی کی وجہ سے اپنی خواہشوں کے مطابق ضرور گمراہ کرتے ہیں اور بے شک آپ کے رب حد سے بڑھنے والوں کو ضرور جانتے ہیں O" (الانعام: ۱۱۹)

"وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ": الزجاج نے کہا: تم اس جانور کو کیوں نہیں کھاتے جس کو اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہے! "وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ": یعنی اللہ عزوجل نے تمہارے لیے حلال کو حرام سے متمیز فرما دیا ہے اور اضطرار کی

صورت میں تمہارے لیے محرمات کے حلال ہونے کو بیان فرما دیا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو! تم) کھلے ہوئے گناہ اور پوشیدہ گناہ کو چھوڑ دو، بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں (اگر وہ بغیر توبہ کیے مر گئے تو) عنقریب اُن کو اُن کے گناہوں کی وجہ سے ضرور سزا دی جائے گی O'' (الانعام: ۱۲۰)

''وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾'':

اس آیت میں ''اثم'' کی تفسیر میں تین قول ہیں: (۱) ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ اس سے مراد گناہ ہے اور اس صورت میں ظاہر اثم اور باطن اثم کی تفسیر میں دو قول ہیں: (۱) الضحاک اور السدی نے کہا: ظاہر اثم سے مراد کھلم کھلا زنا کرنا ہے اور باطن اثم سے مراد چھپ کر گناہ کرنا ہے۔ الضحاک نے کہا: مشرکین چھپ کر زنا کرنے کو حلال سمجھتے تھے (۲) سعید بن جبیر نے کہا: ظاہر اثم سے مراد محرمات سے نکاح کرنا ہے مثلاً ماؤں سے اور بیٹیوں سے اور باپ کی منکوحہ (یعنی سوتیلی ماں) سے نکاح کرنا، اور باطنِ اثم سے مراد ہے زنا۔

(۲) ابوالعالیہ، مجاہد اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد ہر گناہ ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ تم تمام نافرمانیوں کو چھوڑ دو خواہ وہ چھپ کر نافرمانی کی جائے یا علی الاعلان نافرمانی کی جائے، اور ابن الانباری نے کہا کہ تم ہر جہت سے گناہ کو چھوڑ دو۔

(۳) ابن زید نے کہا: الاثم سے مراد ہے المعصیۃ، اور ظاہر الاثم سے مراد ہے بیت اللہ کا برہنہ طواف کرنا، اور باطن الاثم سے مراد ہے زنا کرنا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم اس (جانور) کو نہ کھاؤ جس کو اللہ کے نام پر ذبح نہیں کیا گیا، بے شک اس کا کھانا اللہ کی نافرمانی ہے، اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں ضرور وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں، اور اگر تم نے اُن کا کہنا مان لیا تو تم ضرور مشرک ہو جاؤ گے O'' (الانعام: ۱۲۱)

الانعام: ۱۲۱ کا شانِ نزول

''وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ مشرکین مومنین سے جھگڑتے تھے کہ تم اپنے مارے ہوئے کو تو کھا لیتے ہو اور جس کو اللہ نے مارا ہے (یعنی جو طبعی موت مرا ہے) اس کو نہیں کھاتے۔

اس آیت میں فرمایا ہے ''جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کو نہ کھاؤ'' اس کی تفسیر میں چار اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد مردار ہے (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت ہے کہ اس سے مراد مُردار ہے اور وہ ہے جو گلا گھٹنے سے مر گیا ہو۔ (۳) عطاء بن ابی رباح نے کہا: اس سے مراد عربوں کے وہ ذبیحے ہیں جن کو وہ بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کرتے تھے۔ (۴) عبداللہ بن یزید الخطمی اور محمد بن سیرین نے کہا: یہ آیت اُن تمام

جانوروں کے متعلق عام ہے جن کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔

جس جانور کے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کے متعلق مذاہبِ فقہاء

جس جانور پر ذبح کے وقت عمداً بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کے اس جانور کے متعلق دو قول ہیں: (۱) اگر بھولے سے ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنے کو ترک کر دیا تو وہ جانور مباح ہے، اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ وہ جانور ہر دو صورت میں حرام ہے۔ اور ہمارے شیخ علی بن عبید اللہ نے کہا ہے کہ اگر اس نے عمداً ذبح کے وقت بسم اللہ کو ترک کر دیا تو اس کی اباحت ممنوع ہے اور اہلِ کتاب کے ذبائح کی حرمت اس آیت کے عموم سے منسوخ ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے: ''وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ...(المائدہ:۵)'' (اور اہلِ کتاب کا ذبیحہ بھی تمہارے لیے حلال فرمادیا گیا ہے)۔

''وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ'': یعنی جن جانوروں پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا گیا تو اُن کو کھانا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔

(زاد المسیر ج ۲ ص ۶۷-۷۲، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور کیا وہ شخص جو مُردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ فرمادیا اور ہم نے اس کے لیے نور پیدا فرمایا جس نور کے ساتھ وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے، کیا وہ شخص اس کی مثل ہوسکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہو، اُن اندھیروں سے نکل نہ سکتا ہو، اسی طرح کافروں کے لیے اُن کے وہ کام خوشنما بنا دیے گئے جن کو وہ کرتے تھے O

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اُس بستی کے مجرموں کو سردار بنادیا تاکہ وہ اس بستی میں سازشیں کریں، اور وہ صرف اپنی جانوں کے ساتھ سازشیں کرتے ہیں اور وہ اس کو نہیں سمجھتے O

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اور جب اُن کے پاس (اللہ کی طرف سے) کوئی نشانی آتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ ہمیں بھی ایسی نشانیاں دی جائیں جیسی نشانیاں اللہ کے رسولوں کو عطاء فرمائی گئی ہیں، اللہ اپنی رسالت رکھنے کی جگہ کو خوب جانتے ہیں، عنقریب

مجرموں کو اللہ کے پاس سے ذلت پہنچے گی اور سخت عذاب (پہنچے گا) کیونکہ وہ سازشیں کرتے تھے O

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

سو اللہ جس کو ہدایت عطاء فرمانا چاہتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں، اور جس کو اللہ گمراہی میں رکھنا چاہتے ہیں اس کا سینہ قبولِ اسلام کے لیے نہایت تنگ فرما دیتے ہیں گویا کہ وہ مشقت سے آسمانوں میں چڑھ رہا ہے، اسی طرح اللہ اُن لوگوں پر عذاب ڈالتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے O

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

اور یہ (اسلام) آپ کے رب کا (پسندیدہ) سیدھا راستہ ہے، ہم نے نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے اپنی آیات تفصیل سے بیان فرما دی ہیں O

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

ان کے لیے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور وہی ان کے مددگار ہیں کیونکہ وہ (دنیا میں نیک) کام کرتے تھے O

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

اور جس دن اللہ اُن سب کو جمع فرمائیں گے (اور ارشاد فرمائیں گے:) اے جنات کے گروہ! تم نے بہت سے انسانوں کے گروہوں کو گمراہ کر دیا اور انسانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے ایک دوسرے سے (ناجائز) فائدے اٹھائے ہیں اور ہم اپنی اس میعاد کو پہنچ گئے ہیں جو آپ نے ہمارے لیے مقرر فرمائی تھی، (اللہ ارشاد فرمائیں گے:) تمہارا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے جس میں تم ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوگے، ان کے سوا جن کو اللہ دوزخ میں نہ ڈالنا چاہیں، بے شک آپ کے رب نہایت حکمت والے، سب کچھ جاننے والے ہیں O

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع

اور اسی طرح ہم ظالموں کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ایک دوسرے پر مسلط فرما دیتے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور کیا وہ شخص جو مُردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ فرمادیا اور ہم نے اس کے لیے نور پیدا فرمایا جس نور کے ساتھ وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے، کیا وہ شخص اس کی مثل ہوسکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہو، اُن اندھیروں سے نکل نہ سکتا ہو، اسی طرح کافروں کے لیے اُن کے وہ کام خوشنما بنادیے گئے جن کو وہ کرتے تھے O'' (الانعام: ۱۲۲)

لوگوں کے ایمان یا کفر کے اختیار کا حکمِ ازلی کے مطابق ہونا

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، الانعام: ۱۲۲ تا ۱۲۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ'': یعنی جو شخص گمراہ کافر تھا، سو ہم نے اس کو اسلام اور توحید کی طرف ہدایت عطا فرمادی۔

''وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ'': یعنی ہم نے اس کو اپنی معرفت کے ساتھ مکرّم فرمایا، دوسرا قول یہ ہے کہ ہم نے اس کے لیے ایمان پیدا فرمادیا جس کے ساتھ وہ نیکیوں اور نجات کے راستوں کی ہدایت پاتا ہے اور مومنین کے درمیان چلتا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ہم قیامت کے دن اس کے لیے نور پیدا فرمائیں گے جس نور کے ساتھ وہ پل صراط پر مومنین کے ساتھ چلے گا، اس کا حال اس شخص کی طرح کیسے ہوسکتا ہے ''كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ'': یعنی جس شخص کے لیے کفر کو مقدر فرمادیا گیا اور وہ کفر میں رسوائی کے ساتھ اترا ''لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا'': یعنی وہ اس کفر سے رجوع کرنے والا نہیں ہے:

الکلبی نے کہا: یہ آیت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی ہے یعنی اُن کا حال کفار کے حال کی طرح نہیں ہے۔

''كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝'': یعنی ہم اسی طرح اس کو عذاب دیتے ہیں جو ایمان پر کفر کو اختیار کرتا ہے، ہم اس کی بداعمالیوں کے سبب اس کے دل پر کفر کی مہر لگادیتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اُس بستی کے مجرموں کو سردار بنادیا تاکہ وہ اس بستی میں سازشیں کریں، اور وہ صرف اپنی جانوں کے ساتھ سازشیں کرتے ہیں اور وہ اس کو نہیں سمجھتے O''

(الانعام: ۱۲۳)

''وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا'': یعنی ہم نے ہر بستی کے مجرموں کو اس بستی کا سردار بنادیا ہے جس طرح ہم نے اہلِ مکہ میں بڑے مجرموں کو مکہ کا سردار بنادیا ہے ''لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا'' تاکہ وہ اُن بستیوں میں سازشیں کریں اور رسولوں کی تکذیب کریں ''وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝'' اور وہ جو بھی سازشیں کرتے ہیں، ان سازشوں کا وبال اُن پر ہی پڑتا ہے اور وہ سمجھتے نہیں ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب اُن کے پاس (اللہ کی طرف سے) کوئی نشانی آتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ ہمیں بھی ایسی نشانیاں دی جائیں جیسی نشانیاں اللہ کے رسولوں کو عطاء فرمائی

گئی ہیں، اللہ اپنی رسالت رکھنے کی جگہ کو خوب جانتے ہیں، عنقریب مجرموں کو اللہ کے پاس سے ذلت پہنچے گی اور سخت عذاب (پہنچے گا) کیونکہ وہ سازشیں کرتے تھے O'' (الانعام: ۱۲۴)

''وَ اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ'': یعنی جب اُن بستیوں کے سرداروں کے پاس اللہ تعالیٰ کی کوئی نشانی آتی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ جب کفارِ مکہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ آیا اور انہوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ''قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ'': یعنی ہم ہرگز اس معجزہ کی وجہ سے آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لائیں گے ''حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ'': یعنی جب تک ہمیں بھی ایسے معجزات عطاء نہ کیے جائیں جیسے معجزات سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء فرمائے گئے ہیں اور دوسرا قول ہے: ہم آپ کی اس وقت تک تصدیق نہیں کریں گے حتیٰ کہ ہم پر بھی ایسی وحی نازل کی جائے جس طرح اللہ کے رسولوں کی طرف وحی نازل کی گئی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ الولید بن المغیرہ اور ابو مسعود ثقفی ان دونوں نے کہا کہ اگر واقعی اللہ تعالیٰ وحی نازل فرماتا تو ہم پر نازل فرماتا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے خصوصیت سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا اور دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے تمام رسولوں کو مراد لیا۔

''اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ'': اللہ کو علم ہے کہ کون نبوت کی صلاحیت اور استعداد رکھتا ہے اور کون نبوت کی صلاحیت اور استعداد نہیں رکھتا، سو اس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت اور نزولِ وحی کے ساتھ خاص فرمالیا۔

''سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ'': یعنی جن لوگوں نے شرک کیا، عنقریب اُن پر ذلت والا عذاب آئے گا، یعنی جس عذاب کو اللہ تعالیٰ نے دین کے ساتھ استہزاء کرنے والوں کے لیے تیار فرمارکھا ہے۔ ''وَ عَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا كَانُوْا یَمْكُرُوْنَ ۝'': اُن کو رسولوں کی تکذیب کرنے کی وجہ سے سخت عذاب ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو اللہ جس کو ہدایت عطاء فرمانا چاہتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں، اور جس کو اللہ گمراہی میں رکھنا چاہتے ہیں اس کا سینہ قبولِ اسلام کے لیے نہایت تنگ فرمادیتے ہیں گویا کہ وہ مشقت سے آسمانوں میں چڑھ رہا ہے، اسی طرح اللہ اُن لوگوں پر عذاب ڈالتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے O'' (الانعام: ۱۲۵)

''فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ'': یعنی اللہ جس کی ہدایت کا ارادہ فرماتے ہیں اسے اسلام کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور اس کا دل قبولِ اسلام کے لیے نرم فرمادیتے ہیں اور اس میں اسلام کے نور اور اس کی مٹھاس کو داخل فرمادیتے ہیں۔

''وَ مَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا'': یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں برقرار رکھنا چاہتے ہیں وہ اسلام کو قبول نہیں کرتا اور اس کا سینہ اسلام کو قبول کرنے کے لیے تنگ ہوجاتا ہے۔ ''كَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ'': یعنی اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو مشقت سے آسمان کی طرف چڑھنے کا ارادہ کرے اور نہ چڑھ سکے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور یہ (اسلام) آپ کے رب کا (پسندیدہ) سیدھا راستہ ہے، ہم نے نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے اپنی آیات تفصیل سے بیان فرمادی ہیں O'' (الانعام: ۱۲۶)

''وَ هٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝'': یعنی اللہ عزوجل کی توحید آپ کے رب کا دین ہے اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ راستہ ہے، ہم نے اپنی آیات اُن لوگوں کے لیے تفصیل سے بیان فرمادی ہیں جو نصیحت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید میں غور وفکر کرتے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اب کسی کے لیے ایمان نہ لانے کا کوئی عذر باقی نہیں رہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی کے طریقے بیان فرمادیئے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا جو اس نے مومنین کے لیے آخرت میں اجر تیار فرمارکھا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ان کے لیے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور وہی ان کے مددگار ہیں کیونکہ وہ (دنیا میں نیک) کام کرتے تھے O'' (الانعام: ۱۲۷)

''لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ'': دارالسلام سے مراد جنت ہے جس میں بیماریوں، آفات، مصائب، کمزوری اور بڑھاپے سے سلامتی ہے، پس ''سلام'' اللہ عزوجل کی ذاتِ مقدسہ ہے اور جنت اس کا گھر ہے یعنی رب العزت کا گھر اس کے اولیاء کو ثواب عطاء فرمانے کے لیے تیار فرمارکھا ہے۔ ''وَهُوَ وَلِيُّهُمْ'': یعنی اللہ تعالیٰ مومنین کی حفاظت فرمانے والے ہیں اور دنیا میں اُن کی نصرت عطاء فرمانے والے ہیں اور وہی آخرت میں ان کو ثواب عطاء فرمانے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جس دن اللہ اُن سب کو جمع فرمائیں گے (اور ارشاد فرمائیں گے:) اے جنات کے گروہ! تم نے بہت سے انسانوں کے گروہوں کو گمراہ کردیا اور انسانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے ایک دوسرے سے (ناجائز) فائدے اٹھائے ہیں اور ہم اپنی اس میعاد کو پہنچ گئے ہیں جو آپ نے ہمارے لیے مقرر فرمائی تھی، (اللہ ارشاد فرمائیں گے:) تمہارا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے جس میں تم ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوگے، ان کے سوا جن کو اللہ دوزخ میں نہ ڈالنا چاہیں، بے شک آپ کے رب نہایت حکمت والے، سب کچھ جاننے والے ہیں O'' (الانعام: ۱۲۸)

''وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ'': یعنی آپ اس دن کو یاد کیجئے جس دن میں اللہ تعالیٰ تمام جنّات اور انسانوں کو جمع فرمائیں گے اور پھر ارشاد فرمائیں گے: اے جنات کے گروہ! تم نے بہت سارے انسانوں کو گمراہ کردیا۔ ''وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ'': یعنی جن انسانوں کو جنات نے گمراہ کردیا وہ کہیں گے: ''رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ'': یعنی اے ہمارے رب! ہم نے ایک دوسرے سے دنیا میں فائدہ اٹھایا، انسان جنات سے دنیا میں اس طرح فائدہ اٹھاتے تھے کہ جب زمانۂ جاہلیت میں انسانوں میں سے کوئی انسان سفر کرتا، پھر شام کو وہ جنگل کے کسی علاقہ میں پہنچتا اور وہ رات کے خطرات پیش آنے سے ڈرتا تو کہتا: ''میں اس وادی کے سردار کی پناہ طلب کرتا ہوں'' پس وہ اُن کے پاس صبح تک رات گزارتا اور جنات کا انسانوں سے فائدہ اٹھانا اس طرح تھا کہ جنات انسانوں کے لیے گمراہیوں اور نافرمانیوں کو خوش نما بنا کر دکھاتے اور انسان اُن پر عمل کرتے اور اُن کی اطاعت کرتے، اور اس سے جنات خوش ہوتے کہ انسان ہماری اطاعت کررہے ہیں۔

''وَ بَلَغْنَاۤ اَجَلَنَا الَّذِیْۤ اَجَّلْتَ لَنَا'': یعنی آپ نے ہمارے لیے موت کا جو وقت مقرر فرمایا تھا، ہم نے اس وقت کو پالیا۔یعنی آپ نے ہمارے لیے جو شقاوت مقدر فرمائی تھی ہم اس کو پہنچ گئے۔''قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ'': یعنی اے جنات اور انسانو! دوزخ تمہارا ٹھکانہ ہے۔''خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ'': تم اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہو۔''اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ'': یعنی اللہ جس کو برزخ اور قیامت میں رکھنا چاہیں گے اس کو اُن میں رکھیں گے اور جس کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں ہمیشہ رکھنا چاہیں گے اس کو ہمیشہ دوزخ میں رکھیں گے۔اور''اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ'' کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل دوزخ میں سے موحدین کو نکال دیں گے۔

''اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾'': یعنی اللہ عزاسمہ حکیم ہیں اور علیم ہیں، وہ اپنی حکمت اور علم کے تقاضے سے جس کو دوزخ میں رکھنا چاہیں گے اس کو دوزخ میں رکھیں گے اور جس کو دوزخ سے نکالنا چاہیں گے اس کو دوزخ سے نکال دیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''اور اسی طرح ہم ظالموں کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ایک دوسرے پر مسلط فرمادیتے ہیں O''(الانعام:۱۲۹)

لوگوں کے اعمال کے اعتبار سے اُن پر حکام کو مقرر کیا جانا

''وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا'': یعنی ہم کفارِ جن کو کفارِ انس پر مسلط فرمادیتے ہیں۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم ظالموں کو ایک دوسرے پر مسلط فرمادیتے ہیں، سو وہ اُن کو ہلاک کردیتے ہیں اور ان کو ذلت میں مبتلاء کردیتے ہیں، اور یہ کلام ظالموں کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے ہے تاکہ وہ ظلم سے باز آجائیں، کیونکہ اگر وہ ظلم سے باز نہ آئے تو اللہ عزوجل اُن کے اوپر کسی اور ظالم کو مسلط فرمادیں گے۔جو حاکم اپنی رعایا پر ظلم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُن ظالم حکام کو لوگوں پر اُن کی نافرمانیوں کی وجہ سے مسلط فرمادیتے ہیں:

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی الجراحی المتوفی ۱۱۶۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی الشافعی المتوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ الحسن البصری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سنا ایک مرد حجاج بن یوسف کو بددعا دے رہا تھا تو انہوں نے کہا: تم حجاج بن یوسف کو بددعا نہ دو، حکمران تم میں سے ہی مسلط کیے جاتے ہیں اور ہمیں یہ ڈر ہے کہ اگر حجاج بن یوسف کو معزول کردیا گیا یا وہ مرگیا تو تمہارے اوپر بندروں اور خنزیروں کو مسلط کردیا جائے گا کیونکہ روایت ہے''اعمالکم عمالکم و کما تکونوا یولی علیکم''(یعنی تمہارے اعمال ہی تمہارے حکام ہوتے ہیں اور جیسے تم ہو تم پر ویسے ہی حاکم مقرر کیے جاتے ہیں)۔(کشف الخفاء و مزیل الالباس جز ۱ ص ۱۴۶۔۱۴۷، مکتبۃ الغزالی، دمشق)

ہمارے زمانہ میں تاجر تجارت کے ذریعہ عوام پر آٹھ دس گنی مہنگی چیزیں فروخت کر کے ظلم کرتے ہیں اور جعلی دوائیں اور ملاوٹ شدہ غذائیں فروخت کر کے عوام کی جانوں سے کھیلتے ہیں، ڈاکو اور لٹیرے اور رہزن لوٹ مار کر کے لوگوں پر ظلم کرتے ہیں، افسر شاہی کے ذریعے مختلف محکموں کے مجاز افسران ضرورت مند عوام پر ظلم کرتے ہیں اور اُن کے کام کے عوض ڈھیروں رشوت طلب کرتے ہیں، اسٹریٹ کرائم (Street Crime) کے مرتکبین بازاروں میں چلنے والے لوگوں سے ٹی ٹی (T.T) اور گن پوائنٹ (Gun POint) کے زور پر ان کی رقوم اور موبائل فون چھین لیتے ہیں حتیٰ کہ کوئی شخص بینک سے رقم نکلوا کر آتا ہے تو گن پوائنٹ

کے زور پر اس سے نکلوائی ہوئی رقم چھین لی جاتی ہے، اسی طرح لوگ اے ٹی ایم (ATM) سے رقم نکال کر آتے ہیں تو ٹی ٹی کے زور پر اُن سے رقم چھین لی جاتی ہے اور اگر کوئی شخص مزاحمت کرے تو فی الفور گولی ماردی جاتی ہے، اور اسی طرح بینک ڈکیتی (Bank Robbery) کی وارداتیں ہوتی ہیں اور آئے دن بینکوں سے لاکھوں روپے لوٹ لیے جاتے ہیں اور مزاحمت کرنے والوں کو گولی ماردی جاتی ہے، سواس طرح لوگ ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ ان ظالموں پر ان سے بڑے دوسرے ظالموں کو مسلط فرمادیتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب اللہ جل مجدہٗ کسی قوم سے خوش ہوتے ہیں تو اس قوم پر اس کے نیک لوگوں کو حاکم بنادیتے ہیں اور جب اللہ جلّ وعلا کسی قوم سے ناراض ہوتے ہیں تو اس قوم کے بدترین لوگوں کو اُن پر حاکم بنادیتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں قتادہ نے بیان کیا: اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کے اعتبار سے اُن پر حکام مقرر فرماتے ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۷۸۹۹، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

مسلمانوں نے اللہ کے نظام کو قائم کرنے کے نعرہ پر پاکستان بنانے کا اعلان کیا، اللہ تعالیٰ نے ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کو پاکستان کی آزاد مملکت عطاء فرمائی لیکن چوبیس سال تک انہوں نے پاکستان میں اسلامی نظام کو قائم نہیں کیا، اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء میں مسلمانوں سے یہ متحدہ پاکستان چھین لیا اور بنگلہ دیش کی صورت میں پاکستان دولخت کردیا گیا، اور اب ۲۰۱۵ء تک چونتیس سال (۳۴) گزر چکے ہیں اور اب بھی پاکستان میں اسلامی نظام قائم نہیں ہوا اور حکومت کی سرپرستی میں سودی نظام قائم ہے اور دیدہ دلیری سے سود کا لین دین ہو رہا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سودی لین دین پر سخت وعیدیں فرمائی ہیں، اس کی سزا اللہ تعالیٰ نے اس طرح دی کہ ایسے حکام مسلط فرمادیئے جو ملک کے عوام کی رگوں سے خون نچوڑ رہے ہیں، اس ملک کا ارب پتی حکمران صرف پانچ ہزار روپے سالانہ انکم ٹیکس (Income Tax) دیتا ہے اور ماضی میں اس ملک کے ایسے حکمران آئے جنہوں نے اربوں ڈالر ملک سے لوٹ کر سوئیٹزرلینڈ کے بینکوں میں رکھوادیئے، اب سے چھ سال پہلے پاکستان میں پندرہ روپے کلوگرام آٹا دستیاب تھا اور اب پچاس روپے کلوگرام میں بہ مشکل آٹا دستیاب ہوتا ہے، اور چھ سال پہلے پیٹرول ساٹھ روپے لیٹر (Litter) تھا اور اب چوراسی روپے لیٹر ہے، چھ سال پہلے پچاس روپے کا امریکن ڈالر تھا اور اب سو روپے کا ایک امریکن ڈالر ہے، بنگلہ دیش ہمارے بعد آزاد ہوا تھا اور اُن کی کرنسی کے مقابلہ میں ہماری کرنسی کی قدر (Value) آدھی ہے، اور افغانی کرنسی جو پہلے ہماری کرنسی کے مقابلہ میں بہت کم تھی اب اس کی قدر ہماری کرنسی کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے، تو ہم پر ان لٹیرے حکمرانوں کا عذاب مسلط فرمادیا گیا ہے اور یہ سب ہماری بداعمالیوں اور اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانیوں کا نتیجہ ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

اے جنات اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ جو تم پر میری آیات کی تلاوت کرتے تھے

اور تمہیں تمہارے اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے، وہ کہیں گے: ہم نے اپنی جانوں کے خلاف گواہی دی اور اُن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا اور وہ خود اپنی جانوں کے خلاف گواہی دیں گے کہ بے شک وہ کفر کرنے والے تھے O

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ یَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

(اے رسولِ اکرم!) رسولوں کو مبعوث فرمانا اس سبب سے ہے کہ آپ کے رب بستیوں کو (اُن کے) ظلم کی وجہ سے ہلاک کرنے والے نہیں ہیں جب کہ اُن بستیوں میں رہنے والے (رسولوں کی بعثت سے) بے خبر ہوں O

وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْاؕ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور ہر ایک کے لیے اُس کے اعمال کے اعتبار سے درجات ہیں اور آپ کے رب اُن کے کاموں سے بے خبر نہیں ہیں O

وَ رَبُّكَ الْغَنِیُّ ذُو الرَّحْمَةِؕ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا یَشَآءُ كَمَاۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّیَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِیْنَؕ ﴿۱۳۳﴾

اور آپ کے رب بے نیاز ہیں رحمت والے، اے لوگو! اگر اللہ چاہیں تو تم سب کو فنا فرما دیں اور تمہارے بعد تمہارے پیچھے اُن کو پیدا فرما دیں جنہیں وہ پیدا فرمانا چاہیں جیسے دوسرے لوگوں کی اولاد سے تم کو پیدا فرمایا ہے O

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍۙ وَّ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۱۳۴﴾

بے شک قیامت کے جس دن کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور آنے والا ہے اور تم (اپنے رب کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو O

قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو بے شک میں اپنی جگہ عمل کرنے والا ہوں، سو تم عنقریب (حقیقت کو) جان لو گے کہ آخرت میں بہترین انجام کس کے لیے ہے، بے شک ظلم کرنے والے اخروی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے O

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآىِٕنَاۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآىِٕهِمْ فَلَا یَصِلُ اِلَى اللّٰهِۚ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ یَصِلُ اِلٰى شُرَكَآىِٕهِمْؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

اور (ان مشرکین نے) کھیتوں اور مویشیوں میں سے اللہ کا ایک حصہ مقرر کر لیا، سو انہوں نے کہا: یہ (حصہ) اُن کے زعم میں اللہ کا ہے اور یہ (دوسرا حصہ) ہمارے شریکوں کا ہے، سو جو حصہ اُن کے شریکوں کا ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا، اور جو حصہ انہوں نے اللہ کا قرار دیا ہے وہ اِن کے شریکوں کو پہنچ جاتا ہے، یہ (مشرکین) کیسا غیر منصفانہ فیصلہ کرتے ہیں O

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اور اسی طرح اُن کے شریکوں نے بہت سے مشرکین کے لیے اُن کی اولاد کے قتل کرنے کو مزیّن کر دیا تاکہ وہ اُن کو ہلاک کر دیں اور اُن کے دین کو اُن پر مشتبہ کر دیں اور اگر اللہ چاہتے تو وہ ایسا نہ کرتے، سو آپ اُن کو اُن کی بہتان تراشیوں کے ساتھ چھوڑ دیجئے O

وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

اور ان مشرکین نے کہا: یہ مویشی اور کھیت ممنوع ہیں، ان کو اُن کے سوا کوئی نہ کھائے جن کو ہم اپنے زعم کے مطابق چاہیں، اور کچھ ایسے مویشی ہیں جن کی پشتوں (پر سوار ہونے اور بوجھ لادنے) کو (مشرکین کی طرف سے) حرام کر دیا گیا ہے اور کچھ ایسے مویشی ہیں جن پر ذبح کے وقت وہ اللہ پر افتراء کرتے ہوئے اللہ کا نام نہیں لیتے، عنقریب اللہ اُن کو اُن کے افتراء کی سزا دیں گے O

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾

اور انہوں نے کہا: جو بچہ ان مویشیوں کے پیٹ میں ہے وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے حلال ہے اور ہماری عورتوں پر وہ بچہ حرام ہے، اور اگر مُردہ بچہ پیدا ہو تو اس میں مرد اور عورتیں سب شریک ہیں، عنقریب اللہ اُن کو اُن کی اِن خود ساختہ باتوں پر سزا دیں گے، بے شک وہ بے حد حکمت والے سب کچھ جاننے والے ہیں O

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ ع

بے شک وہ لوگ برباد ہو گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو حماقت سے اور بغیر علم کے قتل کر ڈالا، اور انہوں نے اللہ پر افتراء باندھتے

ہوئے اس رزق کوحرام قرار دیا جو اللہ نے اُن کو عطاء فرمایا تھا، بے شک وہ گمراہ ہوگئے اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے جنات اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ جو تم پر میری آیات کی تلاوت کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے، وہ کہیں گے: ہم نے اپنی جانوں کے خلاف گواہی دی اور اُن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا اور وہ خود اپنی جانوں کے خلاف گواہی دیں گے کہ بے شک وہ کفر کرنے والے تھے O'' (الانعام: ۱۳۰)

جنات کی طرف بھی رسول بھیجے گئے ہیں یا نہیں؟

''يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ'':

(۱) مشہور معتزلی مفسر ابو علی الجبائی المعتزلی المتوفی ۳۰۳ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آخرت میں جب سب لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے، اس وقت اللہ عزوجل جو خطاب فرمائیں گے، اس آیت میں اس خطاب کی حکایت ہے اور دنیا میں اُن سے خطاب کی حکایت نہیں ہے، جب کہ وہ اللہ کے سامنے حاضر نہیں تھے ورنہ یہ خطاب قبیح ہوتا۔ (تفسیر ابو علی الجبائی ص ۲۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۷ء)

(۲) امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ضحاک سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جنات میں کوئی رسول ہوتا تھا تو ضحاک نے کہا: کیا تم نے اللہ عزوجل کا یہ قول نہیں سنا: ''يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ'': اللہ عزوجل کی اس آیت سے یہ مراد ہے کہ انسانوں میں سے بھی رسول ہیں اور جنات میں سے بھی رسول ہیں، اور دوسرے فقہاء نے کہا: جنات میں سے اُن کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا گیا، رسول صرف انسانوں سے بھیجے گئے ہیں، رہے جنات تو اُن میں سے ڈرانے والے بھیجے گئے ہیں، اور اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ''اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ'': یعنی من احد الفریقین (کیا تمہارے پاس رسولوں کے دو فریقوں میں سے کوئی رسول نہیں آیا؟) جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ ... (الرحمٰن: ۲۲)'' (ان دونوں میٹھے اور نمکین سمندروں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں O) حالانکہ موتی اور مونگے صرف میٹھے سمندر سے نکلتے ہیں، تو اس آیت کا بھی یہ محمل ہے کہ ان دونوں سمندروں میں سے کسی ایک سمندر میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔

(تفسیر طبری ج ۹ ص ۵۶۰۔ ۵۶۱، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)

(۳) امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ جنات میں سے کوئی رسول نہیں بھیجا گیا، رسول صرف انسانوں سے بھیجے گئے ہیں اور اس آیت میں دونوں فریقوں کی طرف اضافت فرمائی گئی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ ... (الرحمٰن: ۲۲)'' (ان دونوں میٹھے اور نمکین سمندروں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں O) حالانکہ موتی اور مونگے صرف میٹھے سمندر سے نکلتے ہیں اور جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّ

جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا (النوح: ۱۵-۱۶)'' (کیا تم نے نہیں دیکھا اللہ نے کیسے ایک دوسرے کے اوپر سات آسمان بنائے O اور ان سات آسمانوں میں چاند کو روشن فرمایا) حالانکہ چاند صرف آسمانِ دنیا میں ہے، سات آسمانوں میں نہیں ہے۔ اور کبھی کسی چیز کی جماعت کی طرف نسبت کردی جاتی ہے حالانکہ وہ چیز کسی ایک میں ہوتی ہے، اور اسی اعتبار سے رسولوں کی جنات اور انسانوں کی طرف اضافت کی گئی ہے حالانکہ رسول صرف انسانوں میں ہوتے ہیں۔

اور دوسرے مفسرین نے کہا کہ دونوں فریقوں سے رسولوں کو بھیجا گیا ہے جنات کے لیے جن ہی کو رسول بھیجا گیا ہے اور انسانوں کے لیے انسان کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اور دیگر مفسرین نے کہا: جو رسول انسانوں میں سے ہوتا ہے وہی دونوں فریقوں کا رسول ہوتا ہے، اور جنات میں سے پہلے عذاب سے ڈرانے والے ہوتے تھے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ ... (الاحقاف: ۲۹)'' (اور (اے رسولِ اکرم!) یاد کیجئے: جب ہم آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو بہ غور قرآن سنتے ہوئے پھیر لائے، سو جب وہ اس کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے (آپس میں) کہا: خاموش رہو، پھر جب قرآن کی تلاوت ہو چکی تو وہ اپنی قوم کی طرف عذاب سے ڈراتے ہوئے واپس گئے O)۔

(تاویلات اہل السنہ ج ۴ ص ۲۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

(۴) امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جنات کی طرف جنات میں سے رسول بنا کر بھیجے اور انسانوں کی طرف انسانوں میں سے رسول بنا کر بھیجے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ جن سات جنات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے قرآن مجید سنا تھا، پھر وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ کر گئے تو انہوں نے اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہوئے کہا: اے ہماری قوم! اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی دعوت پر لبیک کہو، اور یہ بھی کہا جاتا ہے: ''اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ'' سے مراد یہ ہے کہ صرف انسانوں سے رسول بھیجے گئے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول صرف انسانوں کی طرف بھیجے گئے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنات اور انسان سب کی طرف بھیجا گیا۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۵۱۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

تمام مخلوق کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے کے ثبوت میں مستند احادیث

میں کہتا ہوں کہ جنات اور انسان سب کی طرف آپ کے مبعوث ہونے کی تائید درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے تمام انبیاء پر چھ وجوہ سے فضیلت عطا فرمائی گئی ہے آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! وہ کونسی وجوہ ہیں؟ آپ نے فرمایا: (۱) مجھے جوامع الکلم عطاء فرمائے گئے (۲) رعب کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی (۳) اور میرے لیے مالِ غنیمت کو حلال فرما دیا گیا (۴) اور میرے لیے تمام روئے زمین کو پاکیزہ اور سجدہ گاہ بنا دیا گیا (۵) اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا (۶) اور مجھ پر نبیوں کو ختم فرما دیا گیا۔

(صحیح مسلم: ۵۲۳، سنن ابن ماجہ: ۵۶۷، سنن ترمذی: ۱۵۵۳، مسند ابو یعلیٰ: ۶۴۹۱، صحیح ابو عوانہ: ج ۱ ص ۳۹۵، مشکل الآثار للطحاوی: ۱۰۲۵، صحیح ابن حبان: ۲۳۱۳، سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۳۳، شرح السنہ للبغوی: ۳۶۱۷، مسند احمد: ۹۳۳۷، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۲) حضرت یعلیٰ بن مرۃ الثقفی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تین معجزات دیکھے: اُن میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ ہم ایک سفر میں جارہے تھے سو ہم ایک اونٹ کے پاس سے گزرے، جب اس اونٹ نے آپ کو دیکھا تو وہ بڑبڑانے لگا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹھہر گئے، آپ نے پوچھا: اس اونٹ کا مالک کہاں ہے؟ سو وہ آیا، آپ نے اس سے فرمایا: مجھے یہ اونٹ فروخت کردو، اس نے کہا: نہیں! بلکہ میں یہ اونٹ آپ کو ہبہ کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: نہیں تم یہ اونٹ مجھے فروخت کردو، اس نے کہا: نہیں! بلکہ ہم یہ اونٹ آپ کو ہبہ کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اس اونٹ نے مجھ سے تمہاری شکایت کی ہے کہ تم اس سے کام زیادہ لیتے ہو اور اس کو چارہ کم کھلاتے ہو، سو تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹوں کی زبان بھی سمجھتے تھے، اونٹ آپ سے اپنی تکالیف کی شکایت کرتے اور آپ اس کا ازالہ فرمادیتے۔)

(مسند احمد: ۱۷۵۵۶، ۱۷۵۶۹، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۲، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

(۳) نیز حضرت یعلیٰ بن مرۃ الثقفی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مامن شیء الا ویعلم انی رسول اللہ، الا کفرۃ او فسقۃ الجن والانس'' (کفار اور فساق انسانوں اور جنات کے سوا ہر چیز پہچانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں)۔

(البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۴، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

(۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کے ایک باغ میں داخل ہوئے اور آپ کے ساتھ اس وقت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور انصار کے ایک مرد بھی تھے اور اس باغ میں ایک بکری تھی، اس نے آپ کو سجدہ کیا، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! اس بکری کی بہ نسبت ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں، آپ نے فرمایا: کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دوسرے کو سجدہ کرے، اور اگر کسی کے لیے دوسرے کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۷، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں بھی یہ ثبوت ہے کہ بکری اس بات کو پہچانتی تھی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(۵) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کرتی ہیں: جس وقت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک پتھریلی زمین میں تھے تو کوئی چلّانے والا چلّا کر کہہ رہا تھا: یارسول اللہ! یارسول اللہ! آپ نے مڑ کر دیکھا تو کوئی نظر نہیں آیا، پھر آپ تھوڑی دور چلے تو پھر ایک آواز آئی یارسول اللہ! یارسول اللہ! آپ نے مڑ کر دیکھا تو کوئی نظر نہیں آیا، پھر ایک چلّانے والا چلّا رہا تھا، آپ نے فرمایا کہ میں نے اس آواز کا پیچھا کیا، وہاں ایک ہرنی زنجیروں سے بندھی ہوئی تھی اور ایک اعرابی دھوپ میں چادر اوڑھ کر سویا ہوا تھا، پس اس ہرنی نے کہا: یارسول اللہ! اس اعرابی نے تھوڑی دیر پہلے مجھے شکار کیا اور میرے دو چھوٹے بچے پہاڑ کی سرنگ میں ہیں، اگر آپ چاہیں تو مجھے کھول دیں اور میں ان بچوں کو دودھ پلا کر پھر ان زنجیروں کی طرف لوٹ آتی ہوں، آپ نے فرمایا: تم ایسا کرو گی؟ اس ہرنی نے کہا: اللہ تعالیٰ مجھے سخت عذاب دیں اگر میں ایسا نہ کروں تو، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ہرنی کو کھول دیا سو وہ چلی گئی، اس نے اپنے بچہ کو دودھ پلایا اور آ گئی، جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ہرنی کو زنجیروں سے باندھ رہے تھے تو اس اعرابی نے کہا: یارسول اللہ! آپ پر میرے باپ اور میری ماں قربان ہوں، میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے اس ہرنی کو شکار کیا تھا اگر آپ کو اس کی ضرورت ہے تو آپ اس کو رکھ لیں، آپ نے فرمایا: ہاں! اعرابی نے کہا: یہ آپ کی ہے، آپ نے اس ہرنی کو آزاد کردیا، وہ صحرا میں خوشی خوشی

دوڑتی ہوئی گئی اور وہ اپنے پیر زمین پر مارتی ہوئی یہ کہہ رہی تھی اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ۔

(البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۴۲ ۔ ۵۴۳، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ ہرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانتی تھی اور آپ کے سامنے اپنی مصیبت کو بیان کرتی تھی اور آپ اس کی مصیبت کا ازالہ فرماتے تھے اور اس میں یہ بھی ثبوت ہے کہ ہرنی نے آپ کی رسالت کی شہادت دی اور آپ کا کلمہ پڑھا۔

جنات میں سے اُن کی طرف رسول بھیجنے کے متعلق دیگر مفسرین کی تصریحات

(۵) امام ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں تین قول ہیں: (۱) الضحاک نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جنات کی طرف بھی رسولوں کو بھیجا ہے جس طرح انسانوں کی طرف رسولوں کو بھیجا ہے (۲) الفراء اور الزجاج نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جنات کی طرف جنات میں سے رسول نہیں بھیجے، ان کی طرف انسانوں میں سے رسول بھیجے (۳) جنات کی طرف، جنات میں سے صرف عذاب سے ڈرانے والے بھیجے گئے۔

(النکت والعیون ج ۲ ص ۱۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(۶) مشہور شیعہ مفسر ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اکثر مفسرین ابن جریج، الفراء، الزجاج، الرمانی، البلخی اور الطبری وغیرہم نے کہا ہے کہ صرف انسانوں میں سے رسولوں کو بھیجا گیا ہے، اور اس آیت میں جنات اور انسان دونوں کی طرف رسولوں کے بھیجنے کی اضافت کی گئی ہے، یہ اضافت ایسے ہے جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۞ ... (الرحمٰن: ۲۲)'' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انسانوں میں سے جو رسول ہیں انہی کو جنات کی طرف بھیجا گیا ہے۔ اور الضحاک کا قول ہے کہ انسانوں کی طرف انسان رسول بھیجے اور جنات کی طرف جنات رسول بھیجے، اس آیت میں آخرت میں جو جنات اور انسانوں سے فرمایا جائے گا اس کی حکایت کی گئی ہے اور یہ دنیا میں جنات اور انسانوں کی طرف رسول بھیجنے کی حکایت نہیں ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ جنات میں سے بھی رسولوں کو بھیجا گیا ہے۔ (التبیان فی تفسیر القرآن، جلد ۴ جزو ۸ ص ۲۷۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(۷) امام ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، الانعام: ۱۳۰ تا ۱۴۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ'': اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا جنات کی طرف بھی کوئی رسول بھیجا گیا ہے یا نہیں، الضحاک سے جب اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: کیوں نہیں! جنات کی طرف رسول کیوں نہیں بھیجے گئے، کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے چند رسول انسانوں سے بھیجے اور چند رسول جنات سے بھیجے۔

الکلبی نے کہا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے انسانوں اور جنات دونوں کی طرف رسول بھیجے جاتے تھے۔

مجاہد نے کہا: انسانوں میں سے رسول بھیجے جاتے تھے اور جنات میں سے عذاب سے ڈرانے والے بھیجے جاتے تھے، پھر انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا: ''وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ

فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ۝ ـ ـ ـ (الاحقاف: ٢٩) ''(اور (اے رسولِ اکرم!) یاد کیجئے: جب ہم آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو بہ غور قرآن سنتے ہوئے پھیر لائے، سو جب وہ اس کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے (آپس میں) کہا: خاموش رہو، پھر جب قرآن کی تلاوت ہوچکی تو وہ اپنی قوم کی طرف عذاب سے ڈراتے ہوئے واپس گئے O)۔ اور یہ وہ لوگ تھے جو رسولوں کا کلام سن کر جنات تک اسے پہنچاتے تھے جو انہوں نے سنا تھا اور جنات میں سے کوئی رسول نہیں تھا، سو اس بناء پر اس آیت میں ''رُسُلٌ مِّنْكُمْ'' کی توجیہ یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: کیا تمہارے پاس ان دو قسموں میں سے ایک قسم میں سے رسول نہیں آئے؟ یعنی کیا تمہارے پاس جنات اور انسانوں میں سے ایک قسم میں سے رسول نہیں آئے؟ اور وہ قسم انسان ہیں، اور اس توجیہ کی نظیر یہ آیت ہے: ''یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ ـ ـ ـ (الرحمٰن: ٢٢) ''(ان دونوں میٹھے اور نمکین سمندروں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں O) حالانکہ موتی اور مونگے صرف میٹھے سمندر سے نکلتے ہیں، تو اس آیت کا بھی یہ محمل ہے کہ ان دونوں سمندروں میں سے کسی ایک سمندر میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔

(٨) امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ٦٠٦ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اکثرین کا قول یہ ہے کہ رسول صرف انسانوں سے بھیجے گئے ہیں اور جنات میں سے کوئی رسول نہیں بھیجا گیا، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اس پر اجماع ہے، امام رازی اس دلیل پر اعتراض کرتے ہیں کہ اجماع کا قول کیسے درست ہوسکتا ہے جب کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ (تفسیر کبیر ج ٥ ص ١٥١، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ١٤١٥ ھ)

(٩) علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پہلے رسول صرف انسانوں کی طرف مبعوث کیے جاتے تھے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنات اور انسان دونوں کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں، لہٰذا جنات کی طرف جنات میں سے کوئی رسول نہیں بھیجا گیا بلکہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی جنات کی طرف رسول ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ٧ ص ٧٧، دارالکتاب العربی، بیروت، ١٤٢٠ ھ)

(١٠) امام قاضی ناصر الدین ابوسعید عبداللہ ابوعمر بن محمد الشیر ازی البیضاوی الشافعی المتوفی ٦٨٥ ھ لکھتے ہیں:

رسول صرف انسانوں سے بھیجے گئے ہیں اور اس آیت کے خطاب میں جنات کو بھی جمع فرمایا ہے اور اس کی نظیر یہ آیت ہے: ''یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ (الرحمٰن: ٢٢)''۔ (انوار التنزیل واسرار التاویل ج ٢ ص ٥٣ ٤، دارالفکر، بیروت، ١٤١٦ ھ)

(١١) علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ٨٨٠ ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس پر اجماع ہے کہ جنات کی طرف، جنات میں سے کوئی رسول نہیں بھیجا گیا، اور بے شک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی انسانوں اور جنات کی طرف رسول ہیں اور یہی حق ہے کہ جنات کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا گیا۔

(اللباب فی علوم الکتاب، ج ٨ ص ٤٣٥ ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ٢٠١١ء)

(١٢) علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ١٢٧٠ ھ الانعام: ١٣٠ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

متعدد علماء نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں رسولوں سے مراد عام ہیں، خواہ وہ خود رسول ہوں یا رسولوں کے رسول ہوں۔ اور اس آیت کے ظاہر کا یہ تقاضا ہے کہ جنات اور انسان اور دونوں کی طرف رسولوں کو بھیجا ہے اور بعض نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے کہ

جنات کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا گیا، رسول صرف انسانوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

(روح المعانی جز ۸ ص ۴۱۔ ۴۲ ملخصاً، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(۱۳) شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ" کا خطاب قیامت کے دن ہوگا اور مخاطب جن وانس کا یعنی کل مکلفین کا مجموعہ ہے، ہر جماعت الگ الگ مخاطب نہیں، جو یہ اعتراض ہو کہ رسول تو ہمیشہ انسانوں میں سے آئے قومِ جن میں سے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا گیا، پھر "رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ" فرمانا کس طرح صحیح ہوگا۔

(القرآن الکریم مع ترجمہ قرآن ص ۱۹۲، خادم الحرمین الشریفین الملک فھد بن عبد العزیز آل سعود، سعودیہ عربیہ)

(۱۴) مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی متوفی ۱۳۹۱ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

رسول صرف انسان ہوتے ہیں، رب فرماتے ہیں: "وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ۔۔۔ (الانبیاء: ۷)" (اور ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف ہم وحی فرماتے ہیں)، اور یہاں چونکہ جن وانس دونوں سے خطاب ہے لہٰذا "مِّنۡكُمۡ" فرمایا گیا، یا تبلیغاً یہ ارشاد ہوا جیسے رب فرماتے ہیں: "يَخۡرُجُ مِنۡهُمَا اللُّؤۡلُؤُ وَالۡمَرۡجَانُ ۞۔۔۔ (الرحمٰن: ۲۲)" حالانکہ موتی اور مونگا صرف کھارے سمندر سے نکلتا ہے، بہر حال اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جنات میں نبی آئے ہاں جنات کے لیے نبی آتے مگر انسان، اس سے معلوم ہوا کہ پچھلے نبی بعض جنات کے بھی نبی ہوتے تھے اور ہمارے نبی سارے جنات کے نبی ہیں۔ (تفسیر نور العرفان ص ۲۲۹، ادارہ کتب اسلامیہ، گجرات، پاکستان)

(۱۵) مصنف کا بھی یہی مختار ہے کہ رسول ہمیشہ سے انسانوں میں سے آتے رہے ہیں اور جنات میں سے کسی جن کو رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ اور الانعام: ۱۳۰ میں جو جنات اور انسان دونوں کی طرف رسولوں کے بھیجنے کی اضافت فرمائی گئی ہے، اس کی وہی توجیہات ہیں جو مذکور الصدر مفسرین نے کی ہیں کہ یا تو یہ خطاب آخرت میں ہے، اس کا تعلق دنیا کے ساتھ نہیں ہے اور اگر اس کا تعلق دنیا کے ساتھ ہو تو پھر اس کی وہی توجیہات ہیں جو "يَخۡرُجُ مِنۡهُمَا اللُّؤۡلُؤُ وَالۡمَرۡجَانُ ۞۔۔۔ (الرحمٰن: ۲۲)" اور "اَلَمۡ تَرَوۡا كَيۡفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۞ وَّجَعَلَ الۡقَمَرَ فِيۡهِنَّ نُوۡرًا (النوح: ۱۵۔۱۶)" کی توجیہات ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

الانعام: ۱۳۰ کی بقیہ تفسیر

"يَقُصُّوۡنَ عَلَيۡكُمۡ": یعنی وہ تم پر قرآنِ مجید کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے ہیں، اور اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے۔ "قَالُوۡا شَهِدۡنَا عَلٰٓى اَنۡفُسِنَا" کفار اپنے خلاف گواہی اس وقت دیں گے جب ان کے اعضاء ان کے شرک اور کفر پر ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ "وَغَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا": حتیٰ کہ وہ ایمان نہیں لائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اے رسولِ اکرم!) رسولوں کو مبعوث فرمانا اس سبب سے ہے کہ آپ کے رب بستیوں کو (اُن کے) ظلم کی وجہ سے ہلاک کرنے والے نہیں ہیں جب کہ اُن بستیوں میں رہنے والے (رسولوں کی بعثت سے) بے خبر ہوں O" (الانعام: ۱۳۱)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، الانعام: ۱۳۱ تا ۱۴۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝'': یعنی ہم نے آپ کے سامنے رسولوں کا جو قصہ بیان فرمایا ہے اور رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کے جس عذاب کا ذکر فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی قوم کے شرک کی وجہ سے اللہ اس قوم کو اس حال میں عذاب دینے والے نہیں ہیں کہ وہ لوگ غافل ہوں اور اُن کو عذاب سے ڈرایا نہ گیا ہو حتیٰ کہ اُن کی طرف رسولوں کو بھیج دیا جائے جو اُن کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں، اور الکلبی نے کہا: اللہ لوگوں کو اُن کے گناہوں کی وجہ سے اُن کے پاس رسولوں کے آنے سے پہلے ہلاک نہیں فرماتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہر ایک کے لیے اُس کے اعمال کے اعتبار سے درجات ہیں اور آپ کے رب اُن کے کاموں سے بے خبر نہیں ہیں O'' (الانعام: ۱۳۲)

''وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝'': یعنی لوگوں کو اُن کے دنیا میں کیے ہوئے کاموں کے اعتبار سے ثواب اور عذاب دیا جاتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور آپ کے رب بے نیاز ہیں رحمت والے، اے لوگو! اگر اللہ چاہیں تو تم سب کو فنا فرمادیں اور تمہارے بعد تمہارے پیچھے اُن کو پیدا فرمادیں جنہیں وہ پیدا فرمانا چاہیں جیسے دوسرے لوگوں کی اولاد سے تم کو پیدا فرمایا ہے O'' (الانعام: ۱۳۳)

''وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء پر اور اطاعت گزاروں پر رحم فرمانے والے ہیں، ''اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ'': اس آیت میں اہلِ مکہ کو عذاب سے ڈرایا ہے۔ ''وَيَسْتَخْلِفْ'': یعنی تمہارے سوا ایسی مخلوق پیدا فرمادیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزار ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک قیامت کے جس دن کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور آنے والا ہے اور تم (اپنے رب کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو O'' (الانعام: ۱۳۴)

''اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝'': یعنی تم جہاں کہیں بھی ہو تم پر موت آجائے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو بے شک میں اپنی جگہ عمل کرنے والا ہوں، سو تم عنقریب (حقیقت کو) جان لو گے کہ آخرت میں بہترین انجام کس کے لیے ہے، بے شک ظلم کرنے والے اخروی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے O'' (الانعام: ۱۳۵)

''قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝'': یعنی عنقریب تمہیں قیامت کے دن معلوم ہو جائے گا کہ کونسا فریق برحق ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور (ان مشرکین نے) کھیتوں اور مویشیوں میں سے اللہ کا ایک حصہ مقرر کرلیا، سو انہوں نے کہا: یہ (حصہ) اُن کے زعم میں اللہ کا ہے اور یہ (دوسرا حصہ) ہمارے شریکوں کا ہے، سو جو حصہ اُن کے شریکوں کا ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا، اور جو حصہ انہوں نے اللہ کا قرار دیا ہے وہ اِن کے شریکوں کو پہنچ جاتا ہے، یہ (مشرکین) کیسا غیر منصفانہ فیصلہ کرتے ہیں O“ (الانعام: ۱۳۶)

”وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا“: مشرکین نے اپنے کھیتوں اور اپنے مویشیوں اور اپنے پھلوں میں سے اور باقی اموال میں سے حصص مقرر کرلیے تھے اور بتوں کے لیے بھی ایک حصہ مقرر کرلیا تھا، پس جو حصہ اللہ کے لیے مقرر کیا ہوا ہوتا اس میں سے مہمانوں اور مسکینوں کو کھلاتے تھے اور جو حصہ انہوں نے بتوں کے لیے اور اُن کے خدام کے لیے مقرر کیا ہوا ہوتا تھا تو اگر اس میں سے کوئی چیز ساقط ہوجاتی تو وہ اس کو چھوڑ دیتے اور کہتے کہ اللہ اس سے غنی ہے۔ اور اگر بتوں کے حصہ میں سے کوئی چیز گر جاتی تو وہ اس کو بتوں کی طرف لوٹا دیتے اور کہتے: یہ ضرورت مند ہیں۔

”فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ“: یعنی بتوں کے لیے جو حصہ مقرر کیا ہوا ہوتا، اس میں سے کوئی چیز کم ہوجاتی تو وہ اس کو اللہ کے لیے مقرر کیے ہوئے حصہ میں سے پورا کرلیتے۔ اور اللہ کے لیے جو حصہ مقرر کیا ہوا ہوتا اس میں سے کوئی چیز کم ہوجاتی تو اس کو بتوں کے مقرر کردہ حصہ میں سے لے کر پورا نہیں کرتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور اسی طرح اُن کے شریکوں نے بہت سے مشرکین کے لیے اُن کی اولاد کے قتل کرنے کو مزیّن کردیا تاکہ وہ اُن کو ہلاک کردیں اور اُن کے دین کو اُن پر مشتبہ کردیں اور اگر اللہ چاہتے تو وہ ایسا نہ کرتے، سو آپ اُن کو اُن کی بہتان تراشیوں کے ساتھ چھوڑ دیجیے O“ (الانعام: ۱۳۷)

”وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝“: یعنی جس طرح مشرکین کے لیے کھیتوں اور مویشیوں کو مزین فرمادیا ہے اسی طرح مشرکین کے لیے ان کی اولاد کے قتل کو مزین فرمادیا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور ان مشرکین نے کہا: یہ مویشی اور کھیت ممنوع ہیں، ان کو اُن کے سوا کوئی نہ کھائے جن کو ہم اپنے زعم کے مطابق چاہیں، اور کچھ ایسے مویشی ہیں جن کی پشتوں (پر سوار ہونے اور بوجھ لادنے) کو (مشرکین کی طرف سے) حرام کردیا گیا ہے اور کچھ ایسے مویشی ہیں جن پر ذبح کے وقت وہ اللہ پر افتراء کرتے ہوئے اللہ کا نام نہیں لیتے، عنقریب اللہ اُن کو اُن کے افتراء کی سزا دیں گے O“ (الانعام: ۱۳۸)

”وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ“: مجاہد نے کہا: مویشیوں سے اُن کی مراد البحیرۃ، السائبۃ، الوصیلۃ اور الحام ہے۔

”لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ“: یعنی ان کو مرد کھائیں اور عورتیں نہ کھائیں۔

''وَ اَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا'': یعنی جو اونٹ الحامی ہو اس پر وہ سوار نہیں ہوتے تھے۔

''وَ اَنْعَامٌ لَّا یَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا'': یعنی ان مویشیوں کو وہ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے اور اللہ کا نام نہیں لیتے تھے۔ ابووائل نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ ان مویشیوں پر سوار ہو کر حج نہیں کرتے تھے اور کسی نیک کام کو کرنے کے لیے اُن پر سوار نہیں ہوتے تھے۔ ''افْتِرَآءً عَلَیْهِ'': اُن کے یہ تمام کام اللہ تعالیٰ پر افتراء اور جھوٹ تھے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اسی طرح کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء تھا۔

''سَیَجْزِیْهِمْ بِمَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾'': عنقریب اللہ تعالیٰ اُن کو ان کے اس افتراء کی سزا دیں گے۔

علمائے لغت کے نزدیک ''الْبَحِیْرَة، السَّآئِبَة، الْوَصِیْلَة اور ''الْحَام'' کے معانی

''بَحِیْرَة'' اس اونٹنی کو کہتے ہیں کہ جس کا کان چیرا ہوا ہوتا ہے۔ امام ابو عبید نے کہا ہے: یہ وہ اونٹنی ہے جو پانچ بچے جنتی ہے اور آخری بچہ نر ہوتا ہے تو اس کا کان چیر دیا جاتا ہے اور اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے، نہ کوئی اس پر سوار ہوتا تھا اور نہ کوئی اس کا دودھ دوہتا تھا اور نہ اس کو کسی چراگاہ سے بھگایا جاتا تھا اور نہ اس کو پانی سے دور کیا جاتا تھا۔

''السَّآئِبَة''

ایک قول یہ ہے کہ جب کوئی مرد کسی سفر سے واپس آتا یا کسی نعمت کا شکر ادا کرتا تو ایک اونٹ کو چھوڑ دیتا اور اس پر سواری نہ کی جاتی اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا جو ''الْبَحِیْرَہ'' کے ساتھ کیا جاتا۔

''الْوَصِیْلَة''

الفراء نے کہا: یہ وہ بکری ہے جو سات بچے جنتی اور جب اس کے آخر میں ایک نر ہوتا تو وہ کہتے تھے کہ یہ اپنے بھائی کے ساتھ مل گئی اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کرتے جو ''سَآئِبَة'' کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

''اَلْحَامِی''

ابن عطیہ نے کہا کہ یہ وہ نر اونٹ ہے جس کی پشت سے دس بچے پیدا ہوتے ہیں، پھر وہ کہتے تھے کہ اب اس کی پشت سے مزید بچوں کی پیدائش منع ہو گئی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور انہوں نے کہا: جو بچہ ان مویشیوں کے پیٹ میں ہے وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے حلال ہے اور ہماری عورتوں پر وہ بچہ حرام ہے، اور اگر مُردہ بچہ پیدا ہو تو اس میں مرد اور عورتیں سب شریک ہیں، عنقریب اللہ اُن کو اُن کی اِن خود ساختہ باتوں پر سزا دیں گے، بے شک وہ بے حد حکمت والے سب کچھ جاننے والے ہیں O'' (الانعام: ۱۳۹)

''وَقَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ یَّكُنْ مَّیْتَةً فَهُمْ فِیْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَیَجْزِیْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۳۹﴾'': یعنی انہوں نے کہا کہ پیٹ کے بچوں کا کھانا صرف ہمارے مردوں کے لیے جائز ہے

اور ہماری بیویوں کے لیے حرام ہے۔

قتادہ اور الشعبی نے کہا کہ البحائر اور السوائب کے پیٹوں کے بچے، سو جو ان میں سے زندہ پیدا ہو وہ مردوں کے لیے خصوصاً حلال ہے نہ کہ عورتوں کے لیے، اور جو مردہ پیدا ہوا اس کا کھانا مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے حلال ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک وہ لوگ برباد ہو گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو حماقت سے اور بغیر علم کے قتل کر ڈالا، اور انہوں نے اللہ پر افتراء باندھتے ہوئے اس رزق کو حرام قرار دیا جو اللہ نے اُن کو عطاء فرمایا تھا، بے شک وہ گمراہ ہو گئے اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے O'' (الانعام: ۱۴۰)

''قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ'': یہ آیت ربیعہ اور مُضر اور عرب کے بعض دوسرے قبیلوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو بیٹیوں کو قید ہونے اور تنگی رزق کے خوف سے زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ ''وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ'': یعنی انہوں نے البحیرہ، السائبہ، الوصیلہ اور الحام کو حرام قرار دیا تھا ''افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ'': اور ان کا ان مویشیوں کو حرام قرار دینا محض اللہ پر افتراء تھا۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۶۰۔ ۱۶۴، ملتقطاً وملخصاً وموضحاً ومخرجاً، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ ھ)

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۴۱﴾

اور اللہ ہی ہیں جنہوں نے ایسے باغ پیدا فرمائے جن کی بیلیں چھپروں پر چڑھائی ہوئی ہیں، (اور ایسے باغ پیدا فرمائے) جن میں بیلیں چھپروں پر نہیں چڑھائی ہوئیں (بلکہ وہ زمین پر کھڑے ہوئے درخت ہیں) اور کھجور کے درخت اور کھیت جن کے ذائقے مختلف ہیں اور زیتون اور انار جو (رنگ میں) ایک جیسے بھی ہیں اور ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں، جب وہ پھل دیں تو اس کے پھلوں سے کھاؤ اور فصل کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو اور فضول خرچ نہ کرو، بے شک اللہ فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے O

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۴۲﴾

اور (اللہ نے) بوجھ اٹھانے والے قد آور مویشی پیدا فرمائے اور زمین سے چپکے ہوئے چھوٹے قد کے جانور پیدا فرمائے، تمہیں اللہ نے جو رزق عطاء فرمایا ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے O

ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ

الۡاُنۡثَیَیۡنِ اَمَّا اشۡتَمَلَتۡ عَلَیۡهِ اَرۡحَامُ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ؕ نَبِّـُٔوۡنِیۡ بِعِلۡمٍ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۴۳﴾ۙ

(اللہ نے) آٹھ قسم کے جوڑے پیدا فرمائے، دو بھیڑ سے (نر و مادہ) اور دو بکری سے، آپ ان سے کہیے: کیا اس نے دونوں نر حرام فرمائے ہیں یا دونوں مادہ، یا اس کو جس کو دونوں مادہ اپنے پیٹ میں لیے ہوئے ہیں، علمی دلیل سے مجھے بتاؤ اگر تم سچے ہو O

وَمِنَ الۡاِبِلِ اثۡنَیۡنِ وَمِنَ الۡبَقَرِ اثۡنَیۡنِ ؕ قُلۡ ءٰٓالذَّکَرَیۡنِ حَرَّمَ اَمِ الۡاُنۡثَیَیۡنِ اَمَّا اشۡتَمَلَتۡ عَلَیۡهِ اَرۡحَامُ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ؕ اَمۡ کُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ وَصّٰکُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا لِّیُضِلَّ النَّاسَ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۴۴﴾ ع

(اور اللہ نے) اونٹ سے دو پیدا فرمائے اور گائے سے دو پیدا فرمائے، آپ کہیے: کیا اللہ نے دونوں نر حرام فرمائے ہیں یا دونوں مادہ حرام فرمائی ہیں، یا وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہوئے ہیں، کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا تھا؟ سو اس سے بڑا اور کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بول کر بہتان باندھے تا کہ لوگوں کو بغیر علم کے گمراہ کرے، بے شک اللہ ظلم کرنے والوں کو ہدایت نہیں عطاء فرماتے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ ہی ہیں جنہوں نے ایسے باغ پیدا فرمائے جن کی بیلیں چھپروں پر چڑھائی ہوئی ہیں، (اور ایسے باغ پیدا فرمائے) جن میں بیلیں چھپروں پر نہیں چڑھائی ہوئیں (بلکہ وہ زمین پر کھڑے ہوئے درخت ہیں) اور کھجور کے درخت اور کھیت جن کے ذائقے مختلف ہیں اور زیتون اور انار جو (رنگ میں) ایک جیسے بھی ہیں اور ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں، جب وہ پھل دیں تو اس کے پھلوں سے کھاؤ اور فصل کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو اور فضول خرچ نہ کرو، بے شک اللہ فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے O'' (الانعام:۱۴۱)

درختوں سے پھل اتارنے یا فصل کی کٹائی کے دن صدقہ کرنے کا حکم

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، الانعام:۱۴۱ تا ۱۴۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَهُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَ جَنّٰتٍ مَّعۡرُوۡشٰتٍ وَّغَیۡرَ مَعۡرُوۡشٰتٍ'':
یعنی اللہ عزوجل نے ایسے باغات پیدا فرمائے جن میں چھپروں پر پھلوں کی بیلیں چڑھی ہوئی ہیں اور ایسے باغ پیدا فرمائے جن میں زمین پر کھڑے ہوئے درختوں پر پھل ہیں۔

''وَّالنَّخۡلَ وَالزَّرۡعَ مُخۡتَلِفًا اُکُلُهٗ'': اللہ تعالیٰ نے کھجور کے درخت پیدا فرمائے اور کھیت پیدا فرمائے جو بہ ظاہر دیکھنے میں

ایک جیسے ہیں لیکن اُن کے پھلوں کے ذائقے مختلف ہیں۔

''وَ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ'': اور زیتون اور انار کے درخت پیدا فرمائے جو رنگ اور صورت میں ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہیں اور غیر مشابہ بھی ہیں، اور اُن کے ذائقے مختلف ہیں۔

''كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ'':

یعنی جب درختوں پر پھل پک جائیں تو تم اُن سے کھاؤ، اور جب باغات سے پھل اتارے جائیں تو جس دن تم اُن پھلوں کو فروخت کرنے کے لیے اُن کی ناپ تول کرو تو اس دن ان کا عُشر یا نصفِ عشر بھی ادا کرو۔ (بارانی زمین کی زرعی پیداوار میں سے دسواں حصہ دینا فرض ہے جس کو عُشر کہتے ہیں اور جس زمین میں مشقت سے پانی دیا جائے یا خرید کر پانی دیا جائے اس میں سے پانچواں حصہ دینا فرض ہے جس کو نصفِ عشر کہتے ہیں)۔

حسن بصری نے کہا: مذکور الصدر حکم یعنی فصل کی کٹائی کے دن صدقہ دینے کے حکم کو زکوٰۃ کی آیت نے منسوخ کر دیا اور ابراہیم النخعی نے کہا: عُشر اور نصفِ عشر کی ادائیگی کے احکام سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ الضحاک نے کہا: فرضیتِ زکوٰۃ کی آیت نے قرآنِ مجید میں مذکور ہر صدقہ کی فرضیت کو منسوخ کر دیا، عکرمہ کا بھی یہی قول ہے۔

سفیان نے کہا: میں نے السدی سے ''وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ'' کے متعلق پوچھا: انہوں نے بتایا کہ یہ سورت مکی ہے اور اس کے حکم کو عُشر اور نصفِ عشر کی فرضیت نے منسوخ کر دیا، میں نے پوچھا: یہ آپ کہاں سے کہتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ علماء نے اسی طرح بیان کیا ہے۔

الفقیہ نے کہا ہے: بغیر حساب اور بغیر اندازے کے فصل کی کٹائی کے دن کچھ صدقہ کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا کہ تم عشر یا نصفِ عشر کا اندازہ کر کے صدقہ ادا کرو۔

فضول خرچ کرنے کے متعدد محامل

''وَ لَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾'':

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے کھجور کے پانچ سو درختوں سے پھل اتارے اور ایک دن میں وہ سارے پھل تقسیم کر دیے، جب شام ہوئی تو اُن کے گھر والوں کے لیے کچھ بھی نہیں بچا تھا، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''وَ لَا تُسْرِفُوْا'' یعنی سارے مال کو صدقہ نہ کرو اور اپنے گھر والوں کے لیے بھی کچھ بچا کے رکھو۔

اور امام عبدالرزاق نے ابن جریج سے روایت کی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنے کھجور کے درخت کے پھل اتارے اور اُن تمام پھلوں کو صدقہ کرتے رہے حتیٰ کہ کچھ بھی باقی نہیں بچا، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''وَ لَا تُسْرِفُوْا''۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ''وَ لَا تُسْرِفُوْا'' کا محمل یہ ہے کہ تم اپنے پھلوں کو اللہ کی نافرمانی میں خرچ نہ کرو، مجاہد نے کہا: اگر تم ابوقبیس پہاڑ کے برابر سونا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرو تو یہ اسراف نہیں ہے اور اگر تم نے ایک درہم بھی شیطان کی اطاعت میں خرچ کیا تو یہ اسراف ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اللہ نے) بوجھ اٹھانے والے قد آور مویشی پیدا فرمائے اور زمین سے چپکے ہوئے چھوٹے قد کے جانور پیدا فرمائے، تمہیں اللہ نے جو رزق عطاء فرمایا ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہےO'' (الانعام: ۱۴۲)

''وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا'':

یعنی اللہ عزوجل نے تمہارے لیے اونٹ، گائے اور بیل کی مثل قد آور جانور پیدا فرمائے ہیں جو تمہارا ساز وسامان اور بوجھ اٹھاتے ہیں، اور چھوٹے جانور بھی پیدا فرمائے ہیں جو بوجھ اٹھانے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

''كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ'':

یعنی زمین کی پیداوار اور مویشیوں میں سے جو حلال طیب ہو اس میں سے کھاؤ (حلال کا مطلب یہ ہے: جو فی نفسہ نجس نہ ہو اور نجس جیسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت یا جیسے خنزیر اور خون، یہ فی نفسہ نجس ہیں، اور طیب سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز فی نفسہ تو طاہر ہو لیکن ناجائز ذرائع سے اس کا حصول ہوا ہو جیسے چوری کا مال یا غصب شدہ مال یا سود کی کمائی)۔

''وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ'': یعنی اس راستے پر نہ چلو جس راستے پر شیطان تمہیں چلنے کے لیے ابھارتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اللہ نے) آٹھ قسم کے جوڑے پیدا فرمائے، دو بھیڑ سے (نر و مادہ) اور دو بکری سے، آپ ان سے کہیے: کیا اس نے دونوں نر حرام فرمائے ہیں یا دونوں مادہ، یا اس کو جس کو دونوں مادہ اپنے پیٹ میں لیے ہوئے ہیں، علمی دلیل سے مجھے بتاؤ اگر تم سچے ہوO'' (الانعام: ۱۴۳)

''ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ'': یعنی میں نے تمہارے لیے آٹھ قسم کے مویشی پیدا فرمائے ہیں۔

یہ آیت مالک بن عوف اور اس کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے یہ کہا تھا کہ ان مویشیوں کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ ہمارے مردوں کے لیے حلال ہے اور ہماری بیویوں پر حرام ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے استفسار فرمایا ہے کہ یہ بتاؤ کہ ان جانوروں کی حرمت کا کیا سبب ہے، کیا ان کی حرمت کا سبب ان کا مونث ہونا ہے اور مذکر ہونا ہے، یا رحم میں جن جانوروں کو اٹھایا ہوا ہے وہ حرمت کا سبب ہے، پس اگر حرمت کا سبب ان جانوروں کا مونث ہونا ہے تو پھر چاہیے کہ ہر مونث جانور حرام ہو، اور اگر حرمت کا سبب ان جانوروں کا مذکر ہونا ہے تو پھر چاہیے کہ ہر مذکر جانور حرام ہو، اور اگر حرمت کا سبب یہ ہے کہ اُن کے پیٹ میں بچہ ہے تو پھر چاہیے کہ تمام بچے حرام ہو جائیں۔

''مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ'': یعنی بھیڑ میں سے دو نر اور مادہ ''وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ'': یعنی بکری کی جنس میں سے دو نر اور مادہ۔

''قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ'': آپ ان سے پوچھیے کہ یہ حرمت ان کے نر ہونے کی وجہ سے آئی یا ان کے مادہ ہونے کی وجہ سے آئی۔ ''اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ'': یا جو پیٹ میں اٹھائے ہوئے ہیں اس کی وجہ سے حرمت آئی۔

''نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ'': یعنی مجھے تم اس تحریم کا سبب بتاؤ ''اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝'': اگر تم اس قول میں سچے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان

چیزوں کو حرام فرمایا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اور اللہ نے) اونٹ سے دو پیدا فرمائے اور گائے سے دو پیدا فرمائے، آپ کہیے: کیا اللہ نے دونوں نر حرام فرمائے ہیں یا دونوں مادہ حرام فرمائی ہیں، یا وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہوئے ہیں، کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا تھا؟، سو اس سے بڑا اور کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بول کر بہتان باندھے تاکہ لوگوں کو بغیر علم کے گمراہ کرے، بے شک اللہ ظلم کرنے والوں کو ہدایت نہیں عطاء فرماتے O" (الانعام: ۱۴۴)

"وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا": یعنی یہ تحریم کہاں سے آئی، اگر تم عقلی دلائل سے ان چیزوں کی تحریم کی علت نہ بیان کر سکو تو تمہارے پاس کسی آسمانی کتاب میں ان کی تحریم پر کوئی دلیل ہے؟ مالک بن عوف ان آیات کو سن کر حیران رہ گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: کیا وجہ ہے تم بولتے کیوں نہیں، اس نے کہا: آپ ہی بولیے میں سنوں گا۔

"فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝": یعنی اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اپنی طرف سے چیزوں کو حرام قرار دے اور پھر افتراء پردازی کر کے اللہ کی طرف اس تحریم کی نسبت کر دے، تاکہ وہ لوگوں کو بغیر دلیل کے گمراہ کرے، بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں عطاء فرماتے۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۵۱۸ ـ ۵۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰي طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۴۵

(اے رسول اکرم!) آپ کہیے: میری طرف جو وحی فرمائی جاتی ہے اس میں، میں کسی کھانے والے کے اس کھانے کو حرام نہیں پاتا جسے وہ کھاتا ہو سوا اس کے کہ وہ کھانا مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو، سو بے شک وہ نجس ہے یا جس جانور پر ذبح کے وقت بہ طور نافرمانی غیر اللہ کا نام پکارا جائے (وہ بھی نجس ہے)، سو جو شخص (بھوک کی شدت سے) بے قرار ہو، سرکشی کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو تو بے شک آپ کے رب بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ

بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام فرما دیا تھا، اور گائے اور بکری کی چربی ہم نے اُن پر حرام فرما دی تھی سوا اس چربی کے جو اِن جانوروں کی پیٹھوں یا آنتوں میں لگی ہوئی ہو یا جو چربی اُن کی ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو، یہ ہم نے انہیں اُن کی سرکشی کا بدلہ دیا ہے، اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں O

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

پھر اگر وہ آپ کی تکذیب کریں تو آپ کہیے: تمہارے رب، بہت وسیع رحمت والے ہیں اور اُن کا عذاب جرم کرنے والے لوگوں سے ٹالا نہیں جاسکتا O

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾

عنقریب مشرکین کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتے تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے، اسی طرح اُن سے پہلے لوگوں نے بھی (ہمارے عذاب کی) تکذیب کی تھی حتیٰ کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا ذائقہ چکھا، آپ کہیے: کیا تمہارے پاس اس پر کوئی علمی دلیل ہے؟ (اگر ہے) تو اس دلیل کو ہمارے سامنے لاؤ، تم صرف گمان کی پیروی کرتے ہو، اور تم محض غلط اندازے لگاتے ہو O

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

(آپ کہیے:) اللہ ہی کے لیے پختہ دلیل ہے، سو اگر اللہ چاہتے تو ضرور تم سب کو (جبراً) ہدایت فرما دیتے O

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ع

(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: تم اپنے اُن گواہوں کو لاؤ جو اس پر گواہی دیں کہ بے شک اللہ نے ان چیزوں کو حرام فرمایا ہے،

پھر اگر وہ جھوٹی گواہی دے دیں تو (بالفرض) آپ اُن کے ساتھ گواہی نہ دیں اور نہ ہماری آیتوں کی تکذیب کرنے والوں کی نفسانی خواہشوں کی اتباع کریں، اور نہ اُن لوگوں کی اتباع کریں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ دوسروں کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: میری طرف جو وحی فرمائی جاتی ہے اس میں، میں کسی کھانے والے کے اس کھانے کو حرام نہیں پاتا جسے وہ کھاتا ہو سوا اس کے کہ وہ کھانا مُردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو، سو بے شک وہ نجس ہے یا جس جانور پر ذبح کے وقت بہ طورِ نافرمانی غیر اللہ کا نام پکارا جائے (وہ بھی نجس ہے)، سو جو شخص (بھوک کی شدت سے) بے قرار ہو، سرکشی کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو تو بے شک آپ کے رب بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O'' (الانعام: ۱۴۵)

الانعام: ۱۴۵ کے منسوخ یا محکم ہونے میں فقہاء کا اختلاف

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، الانعام: ۱۴۵ تا ۱۵۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قُلۡ لَّاۤ اَجِدُ فِیۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطۡعَمُهٗۤ'': اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ کسی چیز کا حرام ہونا یا حلال ہونا صرف وحی سے ثابت ہوتا ہے۔ ''اِلَّاۤ اَنۡ یَّكُوۡنَ مَیۡتَةً'': یعنی جس جانور کو کھایا گیا ہے وہ مُردہ ہو۔ ''اَوۡ دَمًا مَّسۡفُوۡحًا'': قتادہ نے کہا: رگوں سے بہنے والا خون حرام فرمایا گیا ہے لیکن جو خون گوشت کے ساتھ ملا ہوا ہو، اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ''اَوۡ فِسۡقًا اُهِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰهِ بِهٖ'': یعنی جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، اس کو فسق فرمایا ہے اور فسق کا معنی ہے: دین سے نکلنا۔ اس آیت کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ یہ مُحۡكَمه ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا عموم منسوخ ہے، کیونکہ ان چار کے سوا سورۃ المائدۃ میں اُن جانوروں کو بھی حرام فرمایا ہے جو گلا گھٹنے کی وجہ سے مر گئے ہوں یا جو جانور چوٹ کھانے سے مر گئے ہوں اور جو جانور بلندی سے گر کر مر گئے ہوں، اسی طرح سنت سے پالتو گدھوں کے کھانے کو بھی حرام فرمایا گیا ہے اور ہر وہ درندہ جو کچلیوں سے شکار کرتا ہو، اور ہر وہ پرندہ جو اپنے پنجوں سے شکار کرتا ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جن جانوروں کو سورۃ المائدۃ میں حرام فرمایا گیا ہے، وہ سورۃ الانعام کی اس آیت میں داخل ہیں کیونکہ وہ تمام جانور مُردہ ہیں اور اس آیت میں مردار کو حرام فرمایا گیا ہے۔

جن جانوروں کو سنت سے حرام فرمایا گیا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچلیوں سے شکار کرنے والے ہر درندے کے کھانے کو حرام فرمادیا ہے اور پنجوں سے شکار کرنے والے ہر پرندے کو حرام فرمادیا ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۳۴، شرح السنۃ: ۲۷۸۹، مسند احمد: ۲۷۴۷، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۷۴۵، صحیح ابوعوانہ ج ۵ ص ۱۴۲، سنن بیہقی ج ۹ ص ۳۱۵، تاریخ بغداد للخطیب ج ۷ ص ۲۷۸، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ جانور فاسق ہیں، ان کو حرم میں قتل کر دیا جائے: (۱) چوہا (۲)

بچھو (۳) چیل (۴) کوا (۵) کاٹنے والا کتا۔

(صحیح البخاری: ۱۸۲۹، صحیح مسلم: ۱۱۹۸، سنن ترمذی: ۸۳۷، سنن نسائی: ۲۸۸۸، سنن ابن ماجہ: ۳۰۸۷، مسند احمد: ۲۴۰۴۸، سنن دارمی: ۱۸۱۷)

میں کہتا ہوں: علمائے دیوبند کو چاہیے کہ اس حدیث پر عمل کریں اور کوا کھانے کو کارِ ثواب نہ قرار دیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ لکھتے ہیں:

سوال: جس جگہ زاغِ معروفہ کو اکثر حرام جانتے ہوں اور کھانے والے کو برا کہتے ہوں تو ایسی جگہ اس کوا کھانے والے کو کچھ ثواب ہوگا یا نہ ثواب ہوگا نہ عذاب۔ (مرسلہ حکیم غلام احمد صاحب بچھرایوں ضلع مراد آباد)

جواب: ثواب ہوگا۔ فقط۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۴۹۳، محمد سعید اینڈ سنز، تاجران کتب، قرآن محل، کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانوروں کو مارنے سے منع فرمایا ہے: (۱) چیونٹی (۲) شہد کی مکھی (۳) ہدہد (۴) صرد (ایک قسم کی چھوٹی چڑیا)۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۲۴۲، سنن ابوداؤد: ۵۲۶۷)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام فرما دیا تھا، اور گائے اور بکری کی چربی ہم نے اُن پر حرام فرما دی تھی سوا اس چربی کے جو اِن جانوروں کی پیٹھوں یا آنتوں میں لگی ہوئی ہو یا جو چربی اُن کی ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو، یہ ہم نے انہیں اُن کی سرکشی کا بدلہ دیا ہے، اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں ○“ (الانعام: ۱۴۶)

”وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ“: ”ذِيْ ظُفُرٍ“ کی تفسیر میں حسبِ ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر وغیرہ نے کہا: یہ وہ جانور ہیں جن کے پنجوں میں کشادگی نہ ہو جیسے اونٹ، شتر مرغ اور بطخ وغیرہ۔ (۲) ابن زید نے کہا: اس سے مراد فقط اونٹ ہیں۔ (۳) ابن قتیبہ نے کہا: پیر کو ناخن والا مجازاً فرمایا ہے۔ ”اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَا“: (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ چربی ہے جو پیٹھ کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے۔ (۲) ابو صالح اور السدی نے کہا: اس سے مراد کولہا ہے۔ (۳) قتادہ نے کہا: جو چربی پشت اور پہلو کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے۔ ”اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ“: (۱) السدی نے کہا: اس سے مراد پیٹ اور کولہے کی چربی ہے، کیونکہ پیٹ اور کولہا ہڈی پر ہوتا ہے۔ (۲) ابن جریج نے کہا کہ پیروں میں اور پہلو میں اور سر میں اور دونوں آنکھوں میں اور دونوں کانوں میں جو چربی ہو وہ بھی اس میں داخل ہے کیونکہ وہ بھی ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے۔ ”ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾“: یعنی ان چیزوں کو ہم نے یہود کی بغاوت اور سرکشی کی بناء پر حرام فرمایا ہے اور اُن کی سرکشی کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے تھے اور سود کھاتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جو چیزیں اُن کے لیے حلال فرمائی گئی ہیں ان کو حرام قرار دیتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”پھر اگر وہ آپ کی تکذیب کریں تو آپ کہیے: تمہارے رب بہت وسیع رحمت والے ہیں اور اُن کا عذاب جُرم کرنے والے لوگوں سے ٹالا نہیں جا سکتا ○“ (الانعام: ۱۴۷)

”فَاِنْ كَذَّبُوْكَ“: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے فرمایا: یہ وہ چیزیں ہیں جن کی

میری طرف وحی فرمائی گئی ہے کہ یہ چیزیں مسلمانوں اور یہود پر حرام ہیں تو مشرکین نے کہا: آپ نے درست نہیں کہا۔اور ''المکذبین'' کے متعلق دو قول ہیں: (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ وہ مشرکین ہیں۔ (۲) مجاہد نے کہا: وہ یہود ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''عنقریب مشرکین کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتے تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے، اسی طرح اُن سے پہلے لوگوں نے بھی (ہمارے عذاب کی) تکذیب کی تھی حتیٰ کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا ذائقہ چکھا، آپ کہیے: کیا تمہارے پاس اس پر کوئی علمی دلیل ہے؟ (اگر ہے) تو اس دلیل کو ہمارے سامنے لاؤ، تم صرف گمان کی پیروی کرتے ہو، اور تم محض غلط اندازے لگاتے ہو O'' (الانعام: ۱۴۸)

''سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ'': مشرکین نے جو کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا شرک کرتے، ان کا یہ قول بہ طورِ استہزاء تھا، اور ان کے خلاف جو حجت قائم کی گئی تھی اس کو ٹالنے کے لیے کہا تھا، سو اُن سے کہا جائے گا: پھر تم اپنے مخالفین کے متعلق یہ کیوں کہتے ہو کہ وہ گمراہ ہے حالانکہ اُن کی گمراہی بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کی بناء پر ہے، تو اُن کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مشیت تمام ممکنات کو شامل ہے اور بندہ اس کی مشیت کے مطابق عمل کرنے کا مکلف نہیں ہے، بندہ اس کا مکلف ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرے۔ ''كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پچھلی امتوں کے لوگوں نے بھی اپنے رسولوں سے ایسے ہی کہا تھا جس طرح یہ مشرکین آپ سے کہہ رہے ہیں، حتیٰ کہ انہوں نے ہمارے عذاب کو چکھ لیا۔ ''قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ'': یعنی کیا تمہاری طرف، اللہ کی طرف سے کوئی کتاب آئی ہے جس میں اُن چیزوں کی تحریم بیان کی گئی ہے جن کو تم حرام قرار دے رہے ہو؟۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(آپ کہیے:) اللہ ہی کے لیے پختہ دلیل ہے، سو اگر اللہ چاہتے تو ضرور تم سب کو (جبراً) ہدایت فرما دیتے O'' (الانعام: ۱۴۹)

''قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ'': اللہ تعالیٰ کی حجتِ بالغہ یہ ہے کہ اس نے اپنی توحید پر دلائل بیان فرما دیئے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کو معجزات دے کر مبعوث فرمایا ہے۔ ''فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾'': یعنی اگر اللہ چاہتے تو تمہیں عالمِ میثاق میں ہی جبراً مسلمان بنا دیتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: تم اپنے اُن گواہوں کو لاؤ جو اس پر گواہی دیں کہ بے شک اللہ نے ان چیزوں کو حرام فرمایا ہے، پھر اگر وہ جھوٹی گواہی دے دیں تو (بالفرض) آپ اُن کے ساتھ گواہی نہ دیں اور نہ ہماری آیتوں کی تکذیب کرنے والوں کی نفسانی خواہشوں کی اتباع کریں، اور نہ اُن

لوگوں کی اتباع کریں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ دوسروں کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں○“ (الانعام: ۱۵۰)

”قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا“: مجاہد نے کہا: یہ آیت مشرکین کے اس قول کے جواب میں ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے البحیرۃ اور السائبۃ وغیرہ کو حرام فرمایا ہے، مقاتل نے کہا: وہ یہ گواہی دیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کھیتوں اور مویشیوں کو حرام فرمایا ہے۔ ”فَاِنْ شَهِدُوْا“: اگر وہ اس پر گواہ لے آئیں کہ اللہ نے اس کو حرام فرمایا ہے۔ ”فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ“: یعنی آپ اُن کے قول کی تصدیق نہ کریں۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۸۷۔۹۰ ملخصاً وملتقطاً، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: آؤ میں تمہارے سامنے اُن چیزوں کی تلاوت کروں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمادیا ہے، (وہ یہ ہیں کہ) تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو، اور اپنی اولاد کو تنگدستی کے باعث قتل نہ کرو، ہم تم کو (بھی) رزق دیتے ہیں اور اُن کو (بھی)، اور بے حیائی کے قریب نہ جاؤ خواہ وہ بے حیائی ظاہر ہو یا پوشیدہ، اور حق کے سوا اس جان کو قتل نہ کرو جس کو اللہ نے حرام فرمادیا ہے، یہی وہ کام ہیں جن کا اللہ نے تمہیں مؤکد حکم فرمایا ہے تاکہ تم سمجھو○

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

اور عمدہ طریقہ کے سوا یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، حتیٰ کہ وہ یتیم اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا پورا کرو، ہم ہر جان کو اس کی طاقت کے مطابق مکلف فرماتے ہیں، اور جب تم کوئی بات کہو تو حق کہو خواہ وہ تمہارا رشتہ دار ہو، اور اللہ کے عہد کو پورا کرو، یہی وہ کام ہیں جن کا اللہ نے تم کو مؤکد حکم فرمایا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو○

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے سو اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ راستے تم کو اللہ کے راستہ سے جدا کر دیں گے، اسی کا تمہیں موکد حکم فرمایا ہے تاکہ تم متقی ہو جاؤ O

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٥٤﴾

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عطاء فرمائی تاکہ نیکوکار پر نعمت پوری ہو جائے، جس کتاب میں ہر (ضروری) چیز کی تفصیل ہے اور وہ ہدایت اور رحمت ہے تاکہ لوگ اپنے رب سے ملاقات پر ایمان لائیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: آؤ میں تمہارے سامنے اُن چیزوں کی تلاوت کروں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرما دیا ہے، (وہ یہ ہیں کہ) تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو، اور اپنی اولاد کو تنگدستی کے باعث قتل نہ کرو، ہم تم کو (بھی) رزق دیتے ہیں اور اُن کو (بھی)، اور بے حیائی کے قریب نہ جاؤ خواہ وہ بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ، اور حق کے سوا اس جان کو قتل نہ کرو جس کو اللہ نے حرام فرما دیا ہے، یہی وہ کام ہیں جن کا اللہ نے تمہیں موکد حکم فرمایا ہے تاکہ تم سمجھو O'' (الانعام: ۱۵۱)

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ، الانعام: ۱۵۱ تا ۱۵۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قُلْ تَعَالَوْا'': آپ اُن سے کہیے جنہوں نے از خود کھیتوں اور مویشیوں کو حرام قرار دیا ہے: ''تَعَالَوْا'' کا صیغہ عُلو سے ماخوذ ہے اور اس کا اصل استعمال اس شخص کے لیے ہے جو کسی بلند جگہ پر ہو اور وہ کسی نچلی جگہ والے سے کلام کرے، پھر کثرتِ استعمال کی بناء پر اس سے مراد عام ہے خواہ کلام کرنے والا اونچی جگہ پر ہو یا نہ ہو۔ ''اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ'': یعنی جن چیزوں کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرما دیا ہے، ان کو بیان کروں۔ ''اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا'': یعنی اللہ کے سوا کسی کو واجب الوجود، قدیم اور عبادت کا مستحق نہ قرار دو۔ ''وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا'': ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ ''وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ'': تنگ دستی کے خوف سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو۔ ''نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ'': کیونکہ بندوں کا رزق ان کے مولا پر ہے۔ ''وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا'': لوگوں کے سامنے بے حیائی کے کام نہ کرو۔ ''وَمَا بَطَنَ'': خلوت اور تنہائی میں جب تم صرف اللہ کے سامنے ہو، پھر بھی بے حیائی کے کام نہ کرو۔ ''وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ'': جن صورتوں میں کسی بندے کو قتل کرنا جائز ہے مثلاً قصاص میں یا کسی کو مرتد ہونے کی بناء پر یا شادی شدہ زانی یا زانیہ کو سنگسار کرنے کی بناء پر، ان کے سوا کسی بے قصور کو ناحق قتل نہ کرو۔ ''ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ'': ان تمام کاموں کا تمہارے رب نے تمہیں موکد حکم فرمایا ہے۔ ''لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١٥١﴾'': تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان ممنوعہ کاموں کی اہمیت اور سنگینی کو سمجھ لو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور عمدہ طریقہ کے سوا یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، حتیٰ کہ وہ یتیم اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا پورا کرو، ہم ہر جان کو اس کی طاقت کے مطابق مکلف فرماتے ہیں، اور جب تم کوئی بات کہو تو حق کہو خواہ وہ تمہارا رشتہ دار ہو، اور اللہ کے عہد کو پورا کرو، یہی وہ کام ہیں جن کا اللہ نے تم کو مؤکد حکم فرمایا ہے تا کہ تم نصیحت قبول کرو O'' (الانعام: ۱۵۲)

''وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ'': یعنی یتیم کے مال کی صرف حفاظت کرنے کے لیے اور تجارت میں یتیم کے مال کو بڑھانے کے لیے اس کے مال کے قریب جاؤ۔ ''حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ'': یعنی یتیم بالغ ہونے کی عمر کو پہنچ جائے اور اس میں سمجھداری کے آثار پیدا ہو جائیں۔ ''وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ'': یعنی عدل کے ساتھ پوری پوری ناپ تول کرو۔

''لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا'': یعنی ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کا مکلف نہیں فرماتے۔

''وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا'': جب تم بات کرو تو سچ بولو۔ ''وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى'': یعنی جس کے متعلق تم بات کر رہے ہو خواہ وہ تمہارا رشتہ دار ہو یا نہ ہو۔ ''وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا'': اللہ تعالیٰ نے یوم میثاق کو تم سے جو عہد لیا تھا اس کو پورا کرو، اور جو تم نے نذر مانی ہے اس کو پورا کرو، اور جو قسم کھائی ہے اس کو پورا کرو۔ ''ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ'': اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کاموں کا مؤکد حکم فرمایا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے سو اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ راستے تم کو اللہ کے راستہ سے جدا کر دیں گے، اسی کا تمہیں مؤکد حکم فرمایا ہے تا کہ تم متقی ہو جاؤ O'' (الانعام: ۱۵۳)

''وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا'': اس آیت میں لامِ تعلیل مقدر ہے، کیونکہ یہ سابقہ احکام کی علت ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہیں ان کاموں کا مؤکد حکم اس لیے فرمایا ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے۔ ''فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ'': یعنی تم دینِ اسلام کو اختیار کرو اور یہودیت، نصرانیت، مجوسیت اور تمام بدعات اور گمراہیوں سے اجتناب کرتے رہو۔ ''فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ'': یعنی اگر تم نے کسی اور راستہ کو اختیار کیا تو وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے ہٹا دے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک لکیر کھینچی، پھر آپ نے فرمایا: یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر اس لکیر کے دائیں اور بائیں جانب اور چھوٹی چھوٹی لکیریں کھینچیں، (اس طرح)، (درمیان کی سیدھی لکیر اللہ کا راستہ ہے جو اسلام ہے اور دائیں بائیں جو چھوٹی لکیریں ہیں وہ شیطانی راستے ہیں)، پھر فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک کے راستہ پر شیطان کھڑا اپنی طرف بلا رہا ہے، پھر آپ نے الانعام: ۱۵۳ کی تلاوت فرمائی۔

(مسند احمد: ۴۱۴۲، شرح السنۃ للبغوی: ۹۷، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۴۴، سنن دارمی ج ۱ ص ۶۷، السنۃ لابن ابی عاصم: ۱۷، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۱۷۴، مسند البزار: ۲۲۱۰، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰۱۶۸، صحیح ابن حبان: ۶-۷، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۳۱۸، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: ج ۶ ص ۲۶۳، امام حاکم نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی روایت نہیں کی اور امام ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی ہے)۔

یہ مختلف راستے بہتر (۷۲) ہیں۔ ''ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۱۵۳'': اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ تمام مؤکد احکام فرمائے ہیں تا کہ تم تقویٰ کے حصول کی امید پر ان کاموں کو کرو یا تا کہ تم سمجھ سے کام لو، یا تا کہ تم آخرت کو یاد کر کے ان احکام پر عمل کرو اور

نصیحت حاصل کرو اور حرام کاموں کے ارتکاب سے بچو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عطاء فرمائی تا کہ نیکو کار پر نعمت پوری ہو جائے، جس کتاب میں ہر (ضروری) چیز کی تفصیل ہے اور وہ ہدایت اور رحمت ہے تا کہ لوگ اپنے رب سے ملاقات پر ایمان لائیں O'' (الانعام: ۱۵۴)

''ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا'': پھر ہم تمہیں یہ خبر دیتے ہیں کہ ہم نے موسیٰ کو مکمل کتاب عطاء فرمائی، اور اس جملہ کا عطف ''قُلْ تَعَالَوْا'' پر ہے، یعنی پھر آپ یہ کہیے کہ ہم نے موسیٰ کو مکمل کتاب عطاء فرمائی۔ ''عَلَى الَّذِیْٓ اَحْسَنَ'': یعنی جو نیک کام کرنے والا ہو اور اس سے مراد تمام نیک کام کرنے والے ہیں۔ یا ''الَّذِیْٓ اَحْسَنَ'' سے مراد خصوصاً حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، یعنی جس بندہ نے اللہ تعالیٰ کی نہایت حسین اور مکمل اطاعت کی اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

''وَتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ'': یعنی تورات میں اُن تمام احکام کی تفصیل ہے جن کی لوگوں کو ضرورت پیش آسکتی ہے۔

''وَّهُدًى وَّرَحْمَةً'': اور وہ تورات ہدایت ہے اور رحمت ہے۔ ''لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ'': یعنی تا کہ بنی اسرائیل اللہ سے ملاقات کرنے کی تصدیق کریں۔

(تفسیر النسفی (مدارک التنزیل وحقائق التاویل) ج۱ ص۱۰۷، ملتقطاً ومخرّجاً، دارابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

اور یہ کتاب (قرآن مجید) جس کو ہم نے نازل فرمایا ہے برکت والی ہے، سو (اے مسلمانو!) تم اس کی اتباع کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم فرمایا جائے O

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىٕفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِیْنَ ﴿۱۵۶﴾

(اس کتاب کو اس لیے نازل فرمایا ہے) کہ کہیں تم یہ (نہ) کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے صرف دو گروہوں پر نازل فرمائی گئی تھی، اور بے شک ہم ان (لوگوں) کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے O

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّاۤ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِی الَّذِیْنَ یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

یا تم یہ (نہ) کہو کہ اگر ہم پر کتاب نازل فرمائی جاتی تو ہم ان (لوگوں) سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے، سو بے شک تمہارے پاس

(بہ صورت قرآن) تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آ گئی اور وہ ہدایت اور رحمت ہے، پس اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی اور اُن سے روگردانی کی، ہم عنقریب اُن لوگوں کو بہت برے عذاب کی سزا دیں گے جو ہماری آیات سے روگردانی کرتے ہیں، کیونکہ وہ (ہماری آیات سے) روگردانی کرتے تھے O

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

(یہ کفار) اس کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آ جائیں یا ان کے پاس آپ کے رب آ جائیں یا آپ کے رب کی کوئی نشانی آ جائے، جس دن آپ کے رب کی بعض (مخصوص) نشانیاں آ جائیں گی اس دن کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو یا جس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک کام نہ کیا ہو، (اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی منتظر ہیں O

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں مختلف فرقے بنا دیے اور وہ (خود) بہت سے فرقوں میں بٹ گئے، آپ کا اُن سے کوئی تعلق نہیں، اُن کا معاملہ اللہ ہی کے سپرد ہے، پھر اللہ انہیں ان کے اُن تمام کاموں کی خبر دیں گے جو وہ کرتے تھے O

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

جس نے ایک نیکی کی تو اس کو اس کی مثل دس نیکیوں کا اجر ملے گا، اور جس نے کوئی برا کام کیا تو اس کو صرف اسی ایک برائی کی سزا ملے گی، اور ان پر بالکل ظلم نہیں فرمایا جائے گا O

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: بے شک مجھے میرے رب نے سیدھے راستہ کی ہدایت عطاء فرمائی ہے، جو مستحکم دین ہے، ابراہیم کی ملت ہے، جو ہر باطل راستے سے الگ محض حق کے ساتھ تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے O

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾

آپ کہیے: بے شک میری نماز اور میرا حج وقربانی (تمام عبادات) اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کے رب ہیں O

لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

ان کا کوئی شریک نہیں ہے، اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں O

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ؕ وَ لَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا ۚ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

آپ کہیے: کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کوئی دوسرا رب تلاش کروں حالانکہ وہ ہر چیز کے رب ہیں، اور جو شخص بھی کوئی برا کام کرتا ہے تو وہ برا کام اسی کے ذمہ ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، پھر تم سب کا اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے، سو وہ تمہیں ان تمام چیزوں کی خبر دیں گے جن میں تم اختلاف کرتے تھے O

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖؗ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۵﴾

اور وہی ہیں جنہوں نے تمہیں زمین میں اپنا خلیفہ (نائب) بنایا، اور تم میں سے بعض کو دوسروں پر کئی درجات بلندی عطاء فرمائی، تا کہ انہوں نے تمہیں جو نعمتیں عطاء فرمائی ہیں، ان میں تمہارے حال کو ظاہر فرمائیں، بے شک آپ کے رب بہت جلد سزا دینے والے ہیں، اور بے شک وہ ضرور بہت زیادہ مغفرت فرمانے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور یہ کتاب (قرآن مجید) جس کو ہم نے نازل فرمایا ہے برکت والی ہے، سو (اے مسلمانو!) تم اس کی اتباع کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم فرمایا جائے O'' (الانعام: ۱۵۵)

قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کی ترغیب اور ترہیب

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، الانعام: ۱۵۵ تا ۱۶۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ'': یعنی قرآنِ مجید جس میں اُن کے لیے برکت ہے جو اس پر ایمان لائیں اور اُن کے گناہوں کی مغفرت ہے۔ ''فَاتَّبِعُوْهُ'': یعنی قرآنِ مجید میں جو امر اور نہی ہے، اس کے مطابق عمل کرو۔ ''وَاتَّقُوْا'': یعنی قرآن مجید کے سوا

اور کسی چیز پر عمل کرنے سے اجتناب کرو۔

''لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾'': تا کہ تم پر رحم فرمایا جائے اور تم کو عذاب نہ دیا جائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اس کتاب کو اس لیے نازل فرمایا ہے) کہ کہیں تم یہ (نہ) کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے صرف دو گروہوں پر نازل فرمائی گئی تھی، اور بے شک ہم ان (لوگوں) کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے O'' (الانعام:١٥٦)

''اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا'': یعنی ہم نے اس قرآن کو اس لیے نازل فرمایا ہے تا کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم سے پہلے دو گروہوں یعنی یہود اور نصاریٰ پر کتاب نازل فرمائی گئی ہے، کیونکہ کفارِ مکہ یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کر ڈالے وہ کس طرح اپنے نبیوں کی تکذیب کرتے ہیں، اللہ کی قسم! اگر ہمارے پاس کوئی اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا آتا اور کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم اُن سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے، سو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کو اُن پر بہ طورِ حجت کے نازل فرمایا۔

''وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِیْنَ ﴿۱۵۶﴾'': یعنی تا کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم اس کتاب کو پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یا تم یہ (نہ) کہو کہ اگر ہم پر کتاب نازل فرمائی جاتی تو ہم ان (لوگوں) سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے، سو بے شک تمہارے پاس (بہ صورت قرآن) تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آ گئی اور وہ ہدایت اور رحمت ہے، پس اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی اور اُن سے روگردانی کی، ہم عنقریب اُن لوگوں کو بہت برے عذاب کی سزا دیں گے جو ہماری آیات سے روگردانی کرتے ہیں، کیونکہ وہ (ہماری آیات سے) روگردانی کرتے تھے O'' (الانعام:١٥٧)

''اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّاۤ اَهْدٰى مِنْهُمْ'': یعنی تا کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم اُن سے زیادہ دین دار ہوتے۔

''فَقَدْ جَآءَكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ'' پس تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حجت آ چکی ہے اور وہ ہمارے نبی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور ہماری کتاب قرآنِ مجید ہے۔

''وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ'': یعنی یہ کتاب گمراہی سے ہدایت ہے اور عذاب سے رحمت ہے اور اس کتاب میں وہ دلائل ہیں جو تمہارے شبہات کا قلع قمع کرتے ہیں۔

''فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا'': یعنی اُس سے زیادہ ظلم کرنے والا اور کفر میں شدید کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرے اور اس پر ایمان لانے سے اعراض کرے۔

''سَنَجْزِی الَّذِیْنَ یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾'': یعنی ہم عنقریب اُن لوگوں کو سخت سزا دیں گے جو ہماری آیات پر ایمان لانے سے اعراض کرتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(یہ کفار) اس کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آ جائیں یا اِن کے پاس آپ کے رب آ جائیں یا آپ کے رب کی کوئی نشانی آ جائے، جس دن آپ کے رب کی بعض (مخصوص) نشانیاں آ جائیں گی اس دن کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو یا جس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک کام نہ کیا ہو، (اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی منتظر ہیں O''

(الانعام:۱۵۸)

''هَلْ يَنْظُرُوْنَ'': اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کافروں کے خلاف حجت قائم فرمادی اور ہم نے ان پر کتاب نازل فرمادی، یہ پھر بھی ایمان نہیں لائے، اب یہ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں۔

''اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ'': اب وہ صرف اس چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ فرشتے آ کر اُن کی روحوں کو قبض کرلیں، یا ان پر عذاب نازل کرنے کے لیے آپ کے رب کا حکم آ جائے گا۔

''اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ'': یا اِن کے پاس قیامت کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی آ جائے مثلاً سورج مغرب سے طلوع ہو جائے۔

''يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ'': یعنی جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو پھر اس وقت کسی کا ایمان لانا اس کے حق میں مفید نہیں ہوگا جو اس نشانی کے ظہور سے پہلے ایمان نہ لایا ہو۔ یعنی کافر جب اس وقت میں ایمان لے آئے تو اس کا ایمان مقبول نہیں ہوگا کیونکہ جب انہوں نے اپنی آنکھوں سے عذاب کے نزول کو دیکھ لیا تو پھر اُن کے ایمان لانے کے لیے کوئی آزمائش نہ رہی اور ایمان وہ معتبر ہوتا ہے جو عذاب کی نشانیوں کو دیکھے بغیر لایا جائے۔

''اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا'': یعنی مسلمان بھی اس علامت کو دیکھنے کے بعد جو نیک عمل کرے گا وہ مقبول نہیں ہوگا۔

زر بن حبیش از صفوان بن عسال المرادی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر میں تھے، اچانک آپ کے پاس ایک اعرابی آیا اور آپ سے چند چیزوں کے متعلق سوال کیا حتیٰ کہ اس نے توبہ کا بھی ذکر کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: مغرب میں توبہ کا ایک دروازہ ہے جو ستر سال یا چالیس سال کی مسافت پر ہے، توبہ کا وہ دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے حتیٰ کہ جب آپ کے رب کی ایک علامت آ جائے گی تو وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۸ ص ۶۵، مکارم الاخلاق للخطر ائطی: ۴۱، کنز العمال: ۱۰۱۹۵)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سورج کے غروب ہونے کے وقت مسجد میں تھا، آپ نے فرمایا: اے ابوذر! کیا تم جانتے ہو سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو ہی زیادہ علم ہے، آپ نے فرمایا: بس بے شک سورج چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق ہے:

''وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ ... (یس:۳۸)'' (اور سورج اپنی مقرر شدہ منزل تک چلتا رہتا ہے، یہ بہت غالب بے حد علم والے کا بنایا ہوا نظام ہے O)۔

(صحیح البخاری: ۳۱۹۹، ۴۸۰۲، ۴۸۰۳، ۷۴۲۴، ۷۴۳۳، صحیح مسلم: ۱۵۹، سنن ترمذی: ۳۲۲۷، مسند احمد: ۲۱۳۴۲)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق سوال کیا: ''وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ ... (یس:۳۸)'' (اور سورج اپنی مقرر شدہ منزل تک چلتا رہتا ہے، یہ بہت غالب بے حد علم والے کا بنایا ہوا نظام ہے O)، آپ نے فرمایا: اس کی منزل عرش کے نیچے ہے۔

(صحیح البخاری:۳۱۹۹، ۴۸۰۲، ۴۸۰۳، ۷۴۲۴، ۷۴۳۳، صحیح مسلم:۱۵۹، سنن ترمذی:۳۲۲۷، مسند احمد:۶۸۴۲)

عرش کے نیچے سجدہ کرنے کے متعلق علامہ بدرالدین عینی حنفی کی تقریر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پہلی حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟ اور دوسری حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ سورج کہاں غروب ہوتا ہے اور پہلی حدیث میں مذکور ہے کہ سورج عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور اس کا انکار اس لیے نہیں کیا جائے گا کہ سورج اپنے چلنے اور اپنی رفتار میں عرش کے بالمقابل ہوتا ہے اور قرآن مجید میں مذکور ہے کہ سورج اور چاند اور ستارے سب اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں۔

اور اگر تم یہ اعتراض کرو کہ دوسری جگہ قرآن مجید میں مذکور ہے: ''حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ ... (الکہف:۸۶)'' (حتیٰ کہ جب وہ (ذوالقرنین) غروب آفتاب کی جگہ پہنچے تو انہوں نے اسے سیاہ دلدل کے چشمے میں غروب ہوتے ہوئے پایا)۔

ان حدیثوں میں مذکور ہے کہ سورج غروب کے وقت عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور اس آیت میں مذکور ہے کہ سورج سیاہ دلدل کے چشمے میں غروب ہوتا تھا اور ان میں تعارض ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں تعارض نہیں ہے، اس لیے کہ اس آیت میں سورج کے غروب کے وقت بصر کے ادراک کی انتہاء کا بیان ہے اور حدیث میں جو ذکر ہے کہ وہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے، وہ غروب کے بعد کا واقعہ ہے اور سیاہ دلدل کے چشمے میں غروب کا یہ معنی نہیں ہے کہ سورج اس چشمے میں گر جاتا ہے بلکہ اس آیت میں ذوالقرنین کے سفر کی انتہاء کو بیان کیا گیا ہے حتیٰ کہ انہیں اس کے بعد کوئی بڑا راستہ نہیں ملا جیسے کوئی شخص ساحل سمندر پر کھڑا ہو تو وہ غروب آفتاب کے وقت یہ دیکھے گا کہ سورج سمندر میں غروب ہو رہا ہے اور در حقیقت وہ اس سمندر کے نیچے غروب ہو رہا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کو حقیقت حال کا علم ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

عرش کے نیچے سجدہ کرنے کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی تقریر

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام نسائی نے اس حدیث کو از اسحاق بن ابراہیم از ابونعیم شیخ بخاری روایت کیا ہے اور اس کی یہ عبارت ہے کہ سورج عرش کے نیچے اپنے رب کے پاس چلتا رہتا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرتا ہے تو اس کو طلوع کی اجازت عطاء فرمائی جاتی ہے اور قریب ہے کہ سورج اجازت طلب کرے گا تو اسے اجازت عطاء نہیں فرمائی جائے گی، اس وقت اس سے کہا جائے گا: تم اس جگہ سے طلوع ہو جاؤ۔ (یہ اس وقت ہوگا جب قیامت آئے گی)۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ سورج چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور عنقریب کتاب التوحید میں آئے گا کہ سورج چلتا رہے گا، پھر وہ سجدہ کی اجازت طلب کرتا ہے تو اس کو اجازت عطاء فرمائی جاتی ہے گویا کہ اس سے کہا جائے گا: تو جہاں سے آیا ہے وہیں طلوع ہو، اور امام عبدالرزاق کی روایت ہے کہ جب سورج غروب ہوگا تو وہ سلام کرے گا، سجدہ کرے گا اور اجازت طلب کرے گا تو اس کو اجازت نہیں دی جائے گی، پس جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے سورج ٹھہرا رہے گا، پھر اس سے فرمایا جائے گا: جہاں سے تو غروب ہوا ہے وہیں سے طلوع ہو جا، پس اس وقت سے لے کر قیامت تک جو شخص اس وقت ایمان نہیں لایا ہے اسے ایمان لانے کا فائدہ نہیں ہوگا، اور جو حدیث میں ہے کہ سورج عرش کے نیچے سجدہ کرے گا تو کہا گیا ہے کہ عرش کی محاذات میں سجدہ کرے گا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۹۳۔ ۷۹۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

عرش کے نیچے سجدہ کرنے کے متعلق مصنف کی تقریر

ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت میں مستقر کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) اس مستقر سے مراد ظرف زمان ہے اور وہ قیامت تک کا وقت ہے یعنی قیامت آنے تک سورج مسلسل چلتا رہے گا اور قیامت آنے کے بعد سورج کی حرکت منقطع ہو جائے گی۔

(۲) کسی ایک خطۂ زمین میں رات آنے تک سورج چلتا رہتا ہے اور جب رات آجاتی ہے تو وہ اس خطہ زمین میں غروب ہو چکا ہوتا ہے اور کسی دوسرے خطۂ زمین میں اس کی حرکت شروع ہو جاتی ہے مثلاً جب امریکا میں سورج غروب ہو جاتا ہے تو دوسرے خطۂ زمین مثلاً ایشیا میں سورج طلوع ہو جاتا ہے، اقبال کا ایک شعر ہے۔

جہاں میں اہلِ ایمان صورتِ خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

اور یہ صرف ظاہری اعتبار سے ہے ورنہ حقیقت میں سورج کی حرکت قیامت تک منقطع نہیں ہوگی۔

(۳) سورج ایک سال تک اپنے مستقر تک سفر کرتا رہتا ہے اور دوسرے سال اس کا پھر نیا سفر شروع ہو جاتا ہے۔

''قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾'': یعنی تم بھی عذاب کا انتظار کرو اور ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہے ہیں حتیٰ کہ ہم دیکھ لیں گے کہ کون کامیاب ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں مختلف فرقے بنا دیے اور وہ (خود) بہت سے فرقوں میں بٹ گئے، آپ کا اُن سے کوئی تعلق نہیں، اُن کا معاملہ اللہ ہی کے سپرد ہے، پھر اللہ انہیں ان کے اُن تمام کاموں کی خبر دیں گے جو وہ کرتے تھے O'' (الانعام:۱۵۹)

''اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ'': یعنی جو لوگ دینِ اسلام کو ترک کر کے یہودیت اور نصرانیت میں داخل ہو گئے اور بعض رسولوں پر ایمان لائے ''وَ كَانُوْا شِیَعًا'': یعنی وہ مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ السدی نے بیان کیا کہ یہ یہود اور نصاریٰ ہیں جنہوں نے اپنے اپنے دین کو ترک کر دیا اور مختلف فرقے اختیار کر لیے۔

''لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ'': یعنی آپ کو ان سے قتال کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، پھر بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور سورۂ توبہ میں آپ کو اُن سے قتال کرنے کا حکم فرمایا گیا۔

حضرت ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کی ہے کہ یہ لوگ خوارج ہیں۔

اس آیت میں مسلمانوں کو یہ ترغیب دی ہے کہ اُن سب کو ایک ہی نظریہ پر قائم رہنا چاہیے اور اُن کو دین میں تفرقہ نہیں کرنا چاہیے اور جہاں تک ہو سکے نئی نئی بدعات کو اختیار نہیں کرنا چاہیے (یعنی بدعاتِ سیئہ کو)۔

بدعت کی پانچ اقسام

(۱) بعض بدعات مباحہ ہیں جیسے ایسے قیمتی کپڑے پہننا جو عہدِ رسالت اور صحابہ میں نہیں پہنے جاتے تھے جیسے پاشا، ڈائنسٹی (Dynasty) وغیرہ، اور ایسے نئے نئے لذیذ کھانے جو پہلے نہیں کھائے جاتے تھے جیسے لبِ شیریں، نرگسی کوفتے، گھیکوار کا حلوہ، پیزا (Pizza)، چکن بروسٹ (Chicken BrOast)، نہاری اور متنجن وغیرہ۔

(۲) بعض بدعات مستحبہ ہیں جیسے درسِ نظامی کی کتابیں پڑھنا پڑھانا، دورۂ حدیث پڑھنا پڑھانا، کالجز اور یونیورسٹیاں بنانا۔

(۳) بعض بدعات واجبہ ہیں جیسے گمراہ فرقوں کا رد کرنا مثلاً مرزائیہ کا، رافضیہ کا، ناصبیہ کا، قدریہ اور مرجئہ وغیرہ کا۔

صرف دو بدعات ایسی ہیں جن سے اجتناب کرنا لازم ہے بدعاتِ مکروہہ اور بدعاتِ محرمہ۔

(۴) بدعاتِ مکروہہ یہ ہیں کہ کسی مستحب کام کے ساتھ واجب کا معاملہ کیا جائے مثلاً عمامہ باندھ کر نماز پڑھنا اور پڑھانا مستحب ہے، لیکن اگر کوئی عمامہ باندھنے کو واجب قرار دے اور عمامہ نہ باندھنے والے کو ملامت کرے تو یہ بدعتِ مکروہہ ہے۔

(۵) بدعاتِ محرمہ یہ ہیں مثلاً وضو میں پہلے پیروں کو دھونا اور پھر چہرے اور ہاتھوں کو دھونا، یا جن چیزوں کو شریعت نے حرام قرار نہیں دیا ہے، ان کو حرام قرار دینا مثلاً بارہ (۱۲) ربیع الاول کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فضائل اور محاسن بیان کرنے کے لیے جلسے منعقد کرنا، اور آپ کی پیدائش کی خوشی میں جلوس نکالنا، یا مہینہ کی گیارہویں تاریخ کو حضرت غوثِ اعظم عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کی فاتحہ دلانا یہ مستحب کام ہیں، لیکن اکثر دیوبندی اور وہابی علماء ان کاموں کو حرام کہتے ہیں، سو اُن کا یہ حرام کہنا بدعتِ محرمہ ہے اور بجائے خود حرام ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

''اِنَّمَاۤ اَمۡرُهُمۡ اِلَى اللّٰهِ'': یعنی حکم فرمانا اللہ تعالیٰ کا منصب ہے۔

''ثُمَّ یُنَبِّئُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۱۵۹﴾'': پھر دنیا میں وہ جو کچھ کرتے رہے تھے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ آخرت میں خبر دیں گے اور اُن کی توبہ قبول کرنا یا اُن کو عذاب دینا یہ آپ کا منصب نہیں ہے۔

عزیزہ سعدیہ کوثر بنت حافظ عبد المجید مدظلہٗ (برسٹل) کے ایک اشکال کا جواب

اس آیت کے مقام پر عزیزہ سعدیہ کوثر (مقیم برسٹل (BristOl) یو۔کے) نے یہ سوال قائم کیا ہے کہ عام طور پر ہمارے علماء اس آیت میں فرقوں سے مراد مسلکی فرقے لیتے ہیں جیسے دیوبندی، وہابی اور یا مذہبی فرقے مراد لیتے ہیں جیسے حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی وغیرہ، حالانکہ اس آیت کے بعد آگے چل کر ''وَ اَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۱۶۳﴾'' (الانعام:۱۶۳) فرمایا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں وہ فرقے مراد ہیں جو اسلام کے بالمقابل ہیں، اسلام کے فرقے مراد نہیں ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ ان فرقوں سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں، لہٰذا جن علماء نے ان فرقوں سے اسلام کے فرقے مراد لیے ہیں، ان کا قول درست نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جس نے ایک نیکی کی تو اس کو اس کی مثل دس نیکیوں کا اجر ملے گا، اور جس نے کوئی برا کام کیا تو اس کو صرف اسی ایک برائی کی سزا ملے گی، اور ان پر بالکل ظلم نہیں فرمایا جائے گا O'' (الانعام: ۱۶۰)

''مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا'': یعنی جس نے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی شہادت دی تو پھر وہ دنیا میں جو بھی نیک عمل کرے گا، اس نیک عمل کا اس کو دس گنا ثواب عطاء فرمایا جائے گا۔

''وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ'': یعنی جس نے شرک کا ارتکاب کیا۔

''فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا'': تو اس کو دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا عذاب دیا جائے گا، کیونکہ تمام گناہوں میں سب سے بڑا گناہ شرک ہے اور عذاب کی تمام اقسام میں سب سے بڑا عذاب دوزخ کا دائمی عذاب ہے۔

حضرت خریم بن فاتک الاسدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حالتِ اسلام اور ایمان میں مر گیا اور اس نے اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہیں کیا تو اس کے لیے جنت واجب ہے، اور جو شخص حالتِ کفر میں مر گیا تو اس کے لیے دوزخ واجب ہے، اور جس نے کسی نیک کام کا ''ھم'' (عزم سے کم درجہ کا ارادہ) کیا پھر اس نیک کام کو نہیں کیا اور اللہ کو علم ہے کہ اس کا دل اس کام کی طرف راغب تھا تو اس کے لیے وہ نیکی لکھ دی جائے گی اور جس نے کسی گناہ کا ''ھم'' (عزم سے کم درجہ کا ارادہ) کیا تو اس کا وہ گناہ نہیں لکھا جائے گا (اور جس نے گناہ کا عزم کیا خواہ وہ گناہ نہ کیا ہو پھر بھی اس سے مواخذہ ہوگا) اور جس نے وہ گناہ کا کام کر لیا تو اس کا ایک گناہ لکھ دیا جائے گا اور اس کو دوگنا چوگنا نہیں کیا جائے گا، اور جس نے ایک نیک عمل کیا تو اس کا اسے دس گنا اجر عطاء فرمایا جائے گا اور جس نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا تو اس کو سات سو سے لے کر چودہ سو گنا تک اجر عطاء فرمایا جائے گا۔

(مسند احمد: ۱۹۰۳۵، حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۳۴، اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۳۱، التاریخ الکبیر للبخاری ج ۸ ص ۴۲۳، صحیح ابن حبان: ۶۱۷۱، المعجم الکبیر للطبرانی: ۴۱۵۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۵۳۴، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: بے شک مجھے میرے رب نے سیدھے راستہ کی ہدایت عطاء فرمائی ہے، جو مستحکم دین ہے، ابراہیم کی ملت ہے، جو ہر باطل راستے سے الگ محض حق کے ساتھ تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے O'' (الانعام: ۱۶۱)

''قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾'':

قریشِ مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: آپ میں کونسی فضیلت ہے جس کی وجہ سے آپ کو نبی بنایا گیا ہے، آپ ہماری مثل بشر ہی تو ہیں، اگر آپ نے نبوت کا یہ دعویٰ مال کی طلب کے لیے کیا ہے تو آپ جتنا مال چاہیں ہم آپ کو دیتے ہیں آپ اس نبوت کے دعویٰ سے دستبردار ہو جائیں، تب الانعام: ۱۶۱ آیت نازل ہوئی، یعنی مجھے اللہ عزوجل نے اسلام کی ہدایت عطا فرمائی ہے اور اسلام کی توفیق دی ہے اور یہ ایسا دین ہے جس میں کوئی کجی نہیں ہے، یہ دینِ قیم ہے اور یہ ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہے اور وہ تمام باطل ادیان

سے اعراض کرنے والے تھے اور مشرکین میں سے نہیں تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: بے شک میری نماز اور میرا حج وقربانی (تمام عبادات) اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کے رب ہیں O ان کا کوئی شریک نہیں ہے، اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں O'' (الانعام: ۱۶۲۔۱۶۳)

''قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ'': نُسُك کا معنی ہے: جس عبادت سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے، یعنی آپ کہیے کہ بے شک میری فرض نماز، میری قربانی اور میرا دین اور دنیا میں میرا زندہ رہنا اور زندگی کے بعد میری وفات سب اللہ کے لیے ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ نُسُك سے مراد ہے میری قربانی اور میرا حج، سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

''اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ'' کے چند محامل

''وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ'': اور مجھے قرآن مجید میں اسی پر قائم رہنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔

''وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾'': اور میں اہلِ مکہ میں سے سب سے پہلا مسلم ہوں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ میں یومِ میثاق میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہوں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ''صَلَاتِیْ'' سے مراد ہے عید کی نماز اور ''نُسُكِیْ'' سے مراد ہے الاضحیۃ، یعنی عید الاضحیٰ۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ آپ اپنی قربانی کی طرف کھڑی ہوں اور ذبح کریں اور یہ آیت پڑھیں ''اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾''، اور ایک قول یہ ہے کہ ''اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾'' کا معنی ہے اول المخلصین۔ یعنی میں سب سے پہلے اسلام پر ثابت قدم رہنے والا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کی دلیل

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ ... (البقرہ: ۱۵۴)'' (اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں انہیں مُردہ نہ کہو، (وہ مردہ نہیں) بلکہ وہ زندہ ہیں)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس کی صرف موت فی سبیل اللہ ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہے تو جس کی موت بھی فی سبیل اللہ ہو اور حیات بھی فی سبیل اللہ ہو وہ کیونکر زندہ نہیں ہوگا، سورہ الانعام: ۱۶۲ سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت اور حیات دونوں للہ رب العالمین ہیں، لہٰذا آپ زندہ ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کوئی دوسرا رب تلاش کروں حالانکہ وہ ہر چیز کے رب ہیں، اور جو شخص بھی کوئی برا کام کرتا ہے تو وہ برا کام اسی کے ذمہ ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، پھر تم سب کا اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے، سو وہ تمہیں ان تمام چیزوں کی خبر دیں گے جن میں تم اختلاف کرتے تھے O اور وہی ہیں جنہوں نے تمہیں زمین میں اپنا خلیفہ (نائب) بنایا، اور تم میں سے

بعض کو دوسروں پر کئی درجات بلندی عطاء فرمائی، تاکہ انہوں نے تمہیں جو نعمتیں عطاء فرمائی ہیں، ان میں تمہارے حال کو ظاہر فرمائیں، بے شک آپ کے رب بہت جلد سزا دینے والے ہیں، اور بے شک وہ ضرور بہت زیادہ مغفرت فرمانے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیںO'' (الانعام: ۱۶۴۔۱۶۵)

''قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ'': یعنی آپ کہیے: کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رب کہوں حالانکہ وہ ہر چیز کے رب ہیں۔ ''وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى'': یعنی کوئی نفس دوسرے نفس کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ''ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝'': پھر تم سب نے آخرت میں اللہ کی طرف لوٹنا ہے اور اللہ تعالیٰ اُن چیزوں میں فیصلہ فرمائیں گے اور تمہیں حقیقت کی خبر دیں گے جن چیزوں میں تم دنیا میں اختلاف کرتے تھے۔

''وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ'': یعنی پچھلی امتوں کے گزر جانے کے بعد تم کو زمین میں اُن کا جانشین بنا دیا ہے، کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ کی امت تمام امتوں کی خاتم ہے۔ ''وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ'': یعنی ہم نے تم میں سے بعض کو بعض دوسروں پر مال اور رزق میں فضیلت عطاء فرمائی ہے۔ ''لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ'': یعنی اللہ تعالیٰ یہ ظاہر فرمائیں کہ جس کو مال عطا فرمایا ہے وہ کتنا شکر ادا کرتا ہے اور جو تنگدست ہے وہ کتنا مصائب پر صبر کرتا ہے۔

''اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ'': یعنی جو چیز آنے والی ہے وہ قریب ہے۔ ''وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝'': یعنی جو توبہ کرے، اللہ عزوجل اس کی مغفرت فرمانے والے ہیں اور توبہ کرنے کے بعد اس پر رحم فرمانے والے ہیں۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۵۲۳۔۵۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

الاعراف

(۷)
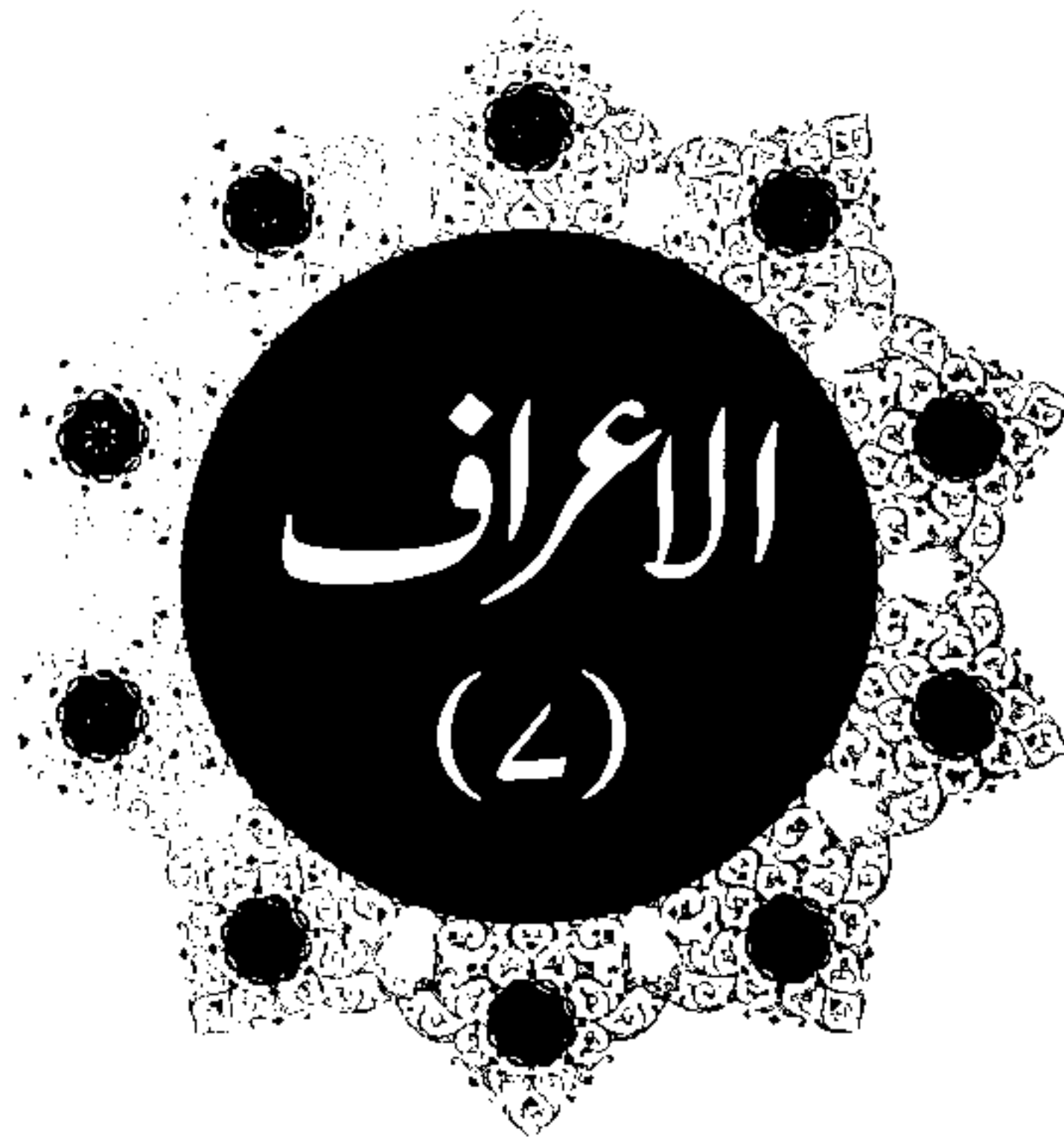
سورۃ الاعراف کا اجمالی تعارف

اس سورۂ مبارکہ کا نام ''الاعراف'' ہے۔ یہ سورۃ رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی میں نازل ہوئی ہے، اس سورۃ کا زمانۂ نزول سورۃ الانعام کے زمانۂ نزول کے قریب ہے۔ اس سورۃ میں دوسو چھ آیات (۲۰۶) اور تین ہزار چھ سو پچیس (۳۶۲۵) کلمات اور چار ہزار تین سو دس (۴۳۱۰) حروف ہیں۔

سورۃ الفاتحہ کے بعد کی سات سورتوں کو ''سبع طوال'' کہا جاتا ہے کیونکہ ان سورتوں میں ایک سو سے زیادہ آیات ہیں، ان کے بعد سورۃ النحل تک کی سورتوں کو ''مثانی'' کہا جاتا ہے کیونکہ ان میں سبع طوال کے بعد زیادہ آیات ہیں اور جن سورتوں میں ایک سو تک آیات ہوں ان کو ''مئین'' کہا جاتا ہے۔

''الاعراف'' کا عرفی معنی

امام اسماعیل بن حماد الجوہری التوفی ۳۹۸ھ لکھتے ہیں:

''الاعراف'' جس کا قرآنِ مجید میں ذکر ہے وہ جنت اور دوزخ کے درمیان دیوار ہے۔

(معجم الصحاح ص ۶۹۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسین زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، لکھتے ہیں:

''الاعراف'' جنت اور دوزخ کے درمیان دیوار ہے، قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا یَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِیْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ۝''۔۔۔ (الاعراف: ۴۸) ''(اور اہلِ اعراف چند اُن دوزخی مردوں کو پکار کر کہیں گے جن کو وہ اُن کی دنیاوی علامتوں سے پہچانتے تھے: ''نہ تمہارے جمع کیے ہوئے لوگ تمہارے کام آئے اور نہ وہ چیزیں کام آئیں جن پر تم تکبر کرتے تھے''O)۔

اور الزجاج نے کہا: ''اصحاب الاعراف'' کے مصداق میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے نیک عمل اور برے عمل برابر ہیں، پس نہ وہ نیکیوں کی وجہ سے جنت کے مستحق ہوئے اور نہ برائیوں کی وجہ سے دوزخ کے مستحق ہوئے، پس وہ جنت اور دوزخ کے درمیان حجاب میں ہوں گے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ''اصحاب الاعراف'' انبیاء علیہم السلام ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ ''اصحاب الاعراف'' فرشتے ہیں جیسا کہ کتبِ تفسیر میں بیان کیا گیا ہے۔

(تاج العروس من جواہر القاموس جزو ۲۴ ص ۸۷۔۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

نیز ''الاعراف'' کے حسبِ ذیل معانی بھی ذکر کیے گئے ہیں:

''الاعراف'': بہشت و جہنم کے درمیان ایک مقام ہے، ایک قسم کی کھجور کا پیڑ۔ ابتدائی ہوائیں، بلند بادل، حجاب اور ریت کی بلندیاں، کلامِ پاک کی ایک سورۃ کا نام ہے۔ (المنجد ص ۶۴۵، دار الاشاعت، کراچی، ۱۹۹۴ء)

سورۃ الاعراف کا موضوع

اس سورۃ میں عقائد کا بیان ہے اور انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مفصل تذکرہ ہے، اللہ عزوجل کی توحید کا بیان ہے اور

مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور جزاء اور سزا کی تاکید ہے، الوحی اور الرسالۃ کا ثبوت ہے، خصوصاً سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے عموم کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا۔۔ (الاعراف:۱۵۸)'' (اے رسولِ اکرم! آپ کہیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں)۔ اور اس کی تائید درج ذیل آیت سے ہوتی ہے:

''وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا (سبا:۲۸)'' (اور اے رسولِ اکرم! ہم نے آپ کو صرف قیامت تک کے تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے، اس حال میں کہ آپ ثواب کی خوشخبری دینے والے ہیں اور عذاب سے ڈرانے والے ہیں)، اور اس کی تائید درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تمام انبیاء پر چھ وجوہ سے فضیلت عطا فرمائی گئی ہے، آپ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! وہ کونسی وجوہ ہیں؟ آپ نے فرمایا: (۱) مجھے جوامع الکلم عطاء فرمائے گئے (۲) رعب کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی (۳) اور میرے لیے مالِ غنیمت کو حلال فرمادیا گیا (۴) اور میرے لیے تمام روئے زمین کو پاکیزہ اور سجدہ گاہ بنادیا گیا (۵) اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا (۶) اور مجھ پر نبیوں کو ختم فرمادیا گیا۔

(صحیح مسلم: ۵۲۳، سنن ابن ماجہ: ۵۶۷، سنن ترمذی: ۱۵۵۳، مسند ابویعلیٰ: ۶۴۹۱، صحیح ابوعوانہ ج ۱ ص ۳۹۵، مشکل الآثار للطحاوی: ۱۰۲۵، صحیح ابن حبان: ۲۳۱۳، سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۳۳، شرح السنۃ للبغوی: ۳۶۱۷، مسند احمد: ۹۳۳۷، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۲) نیز حضرت یعلی بن مرۃ الثقفی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مامن شیء الا ویعلم انی رسول اللہ، الا کفرۃ اوفسقۃ الجن والانس'' (کفار اور فساق انسانوں اور جنات کے سوا ہر چیز پہچانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں)۔

(البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۴، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

سورۃ الاعراف کے مشمولات

(۱) اس سورۃ میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر ہے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم کے لیے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا تھا، اس کا ذکر ہے اور یہ سجدہ ''سجدۂ تعظیم'' تھا، سجدۂ عبودیت نہیں تھا، اور اس سورۃ میں یہ بیان ہے کہ شیطان انسان کا دشمن ہے۔

(۲) اس سورۃ میں توحید کا اثبات ہے اور یہ بیان ہے کہ شرعی احکام میں صرف قرآنِ مجید کی اتباع کی جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ۔۔ (الاعراف:۳)'' (اے لوگو! تمہارے رب کے پاس سے جو کلام تمہاری طرف نازل فرمایا گیا ہے، اس کی پیروی کرو اور اللہ کے خلاف اپنے دوستوں کی پیروی نہ کرو)۔

(۳) اس سورۃ میں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا بیان ہے: ''كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝۲۹۔۔۔ (الاعراف:۲۹)'' (جس طرح اللہ نے تمہیں پیدا فرمایا تھا، اسی طرح تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے)۔

(۴) اس سورۃ میں لوگوں کے تین فرقوں کا بیان ہے: (۱) جو نجات یافتہ ہیں اور وہ اہلِ جنت ہیں (۲) کفار کا فرقہ ہے، جو اہلِ دوزخ ہیں۔ (۳) اصحاب الاعراف ہیں جو جنت اور دوزخ کے درمیان سرحد ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ

اللهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ۞ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۟ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ۞ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۞ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۞ ۔۔۔ (الاعراف: ۴۴۔۴۸)'' (اور اہلِ جنت، اہلِ دوزخ کو پکار کر کہیں گے: ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ فرمایا تھا ہم نے اس کو سچا پالیا، سو تمہارے رب نے تم سے جو وعدہ فرمایا تھا کیا تم نے بھی اس کو سچا پایا؟ وہ کہیں گے: ہاں! پھر ان کے درمیان ایک پکارنے والا پکارے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے O یہ ظالم لوگ وہی ہیں جو دنیا میں لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے تھے اور اس کے راستہ میں کجی تلاش کرتے تھے اور وہ لوگ آخرت کا انکار کرنے والے تھے O اور اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کے درمیان ایک حجاب ہے، اور الاعراف پر کچھ مرد ہوں گے جو ہر ایک جنتی اور دوزخی کو اس کی علامت سے پہچانیں گے، اور اہلِ جنت کو پکار کر کہیں گے: تم پر سلام ہو اور ابھی وہ جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اور وہ اس کے امیدوار ہوں گے O اور اہلِ اعراف چند دوزخی مردوں کو ان کی علامات سے پہچان کر کہیں گے: نہ تمہارے جمع کیے ہوئے لوگ تمہارے کام آئے اور نہ وہ چیزیں کام آئیں جن پر تم تکبر کرتے تھے O)

(۵) اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے قصص کو ذکر فرمایا ہے تاکہ لوگوں کو ان کی نصیحتوں سے سبق حاصل ہو۔

(۶) اس سورۃ میں بنو اسرائیل کے نافرمان لوگوں کو بندروں اور خنزیروں کی صورتوں میں مسخ کرنے کا ذکر ہے۔

(۷) بنی اسرائیل کے ایک عالم ''بلعم باعور'' نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بددعاء کی، اللہ تعالیٰ نے اس کو جو سزا دی اس کا ذکر ہے، ''فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۔۔۔ (الاعراف: ۱۷۶)'' (سو اس کی مثال کتے کی طرح ہے، اگر تم اس پر مشقت ڈالو تو وہ زبان لٹکائے ہوئے ہانپتا ہے اور اگر تم اس کو چھوڑ دو تو پھر بھی زبان لٹکائے ہوئے ہانپتا ہے)۔

(۸) اس سورۃ میں قیامت کے اچانک واقع ہونے کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۔۔۔ (الاعراف: ۱۸۷)'' (اے رسولِ اکرم! یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی؟ آپ کہیے: اس کا (بالذات) علم صرف میرے رب کے پاس ہے، اس کے واقع ہونے کے وقت صرف وہی اس کو ظاہر فرمائیں گے، قیامت آسمانوں اور زمینوں پر بھاری ہے اور وہ تم پر صرف اچانک آئے گی)۔

ان کے علاوہ اس سورۃ میں اور بہت ضروری عقائد کا بیان فرمایا گیا ہے۔

اٰیاتھا ۲۰۶ ۷ سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ ۳۹ رکوعاتھا ۲۴

(سورۃ الاعراف مکی ہے اور اس میں دو سو چھ آیات اور چوبیس رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں۔

الٓمّٓصٓ ۚ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

الف لام میم صاد O یہ کتاب ہے جس کو آپ کی طرف نازل فرمایا گیا ہے، سو آپ کے دل میں اس کی تبلیغ میں کوئی تنگی نہ ہوتا کہ آپ اس کتاب کے ساتھ (لوگوں کو اللہ کے عذاب سے) ڈرائیں اور یہ مومنین کے لئے نصیحت ہے O

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾

اے لوگو! اس کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے نازل فرمایا گیا ہے اور اللہ کو چھوڑ کر (اپنے) حامیوں کی پیروی نہ کرو، تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو O

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾

اور ہم کتنی ہی بستیاں ہلاک فرما چکے ہیں، ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آیا یا اس وقت جب وہ دن میں سو رہے تھے O

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾

پس جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو اس وقت ان کا یہی کہنا تھا کہ بے شک ہم ظلم کرنے والے تھے O

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ﴿۶﴾

سو ہم ضرور بہ ضرور ان لوگوں سے سوال فرمائیں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور ہم ضرور بہ ضرور رسولوں سے (بھی) سوال فرمائیں گے O

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيۡهِمۡ بِعِلۡمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيۡنَ ۝۷

سو ہم اُن کے سامنے اپنے علم سے اُن کے احوال بیان فرمائیں گے اور ہم اُن سے غائب نہ تھے O

وَالۡوَزۡنُ يَوۡمَئِذِ ۣالۡحَقُّ ۚ فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝۸

اور اُس دن (بروزِ قیامت) وزن کرنا برحق ہے، پھر جن (کی نیکیوں) کے پلڑے بھاری ہوئے سو وہی آخرت میں کامیاب ہیں O

وَمَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ بِمَا كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَظۡلِمُوۡنَ ۝۹

اور جن (کی نیکیوں) کے پلڑے ہلکے ہوئے، سو یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو اس وجہ سے نقصان میں ڈالا کہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ظلم کرتے تھے O

وَلَقَدۡ مَكَّنّٰكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَجَعَلۡنَا لَكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ ‌ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ۝۱۰

اور اے مسلمانو! ہم نے تمہیں قوت کے ساتھ زمین میں جگہ عطا فرمائی اور ہم نے تمہارے لئے اس زمین میں زندگی کے اسباب مہیا فرمائے، تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''الف لام میم صاد O'' (الاعراف: ۱)

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، الاعراف: ۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حروفِ مقطعات کی تحقیق

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا معنی ہے: ''انا اللہ اعلم وافصل'' (میں ہی اللہ ہوں جو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں اور سب سے زیادہ تفصیل فرمانے والا ہوں)۔ (تفسیر ابن جریر، ج ۱۰ ص ۵۲، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)

یعنی میں مخلوقات کے تمام امور کو جاننے والا ہوں اور احکام، امور اور تقدیر کی تفصیل فرمانے والا ہوں، اور مخلوقات کی تدبیر کرنے میں میرا کوئی شریک نہیں ہے، اس کا دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے: ''انا اللہ المصور'' (یعنی میں ہی اللہ ہوں جو صورت گری فرماتا ہوں)، اور تیسرا معنی یہ کیا گیا ہے: ''انا اللہ الناصر'' (یعنی میں ہی اللہ ہوں جو مدد فرمانے والا ہوں) اور چوتھا معنی یہ کیا گیا ہے: ''انا اللہ الصادق'' (یعنی میں ہی اللہ ہوں جو سب سے زیادہ سچا ہوں)۔

معمر بن قتادہ نے کہا کہ 'الف لام میم صاد' قرآن کریم کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔

(تفسیر عبدالرزاق ج ۱ ص ۲۲۵ تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۴۳۷)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ کتاب ہے جس کو آپ کی طرف نازل فرمایا گیا ہے، سو آپ کے دل میں اس کی تبلیغ میں کوئی تنگی نہ ہو تاکہ آپ اس کتاب کے ساتھ (لوگوں کو اللہ کے عذاب سے) ڈرائیں اور یہ مومنین کے لئے

نصیحت ہےO'' (الاعراف: ۲)

''كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ '':

علامہ سمرقندی نے کہا ہے: یعنی اے محمد! یہ کتاب آپ کی طرف نازل فرمائی گئی ہے، پس آپ کے دل میں اس کے متعلق اس طرح کا کوئی شک نہ ہو کہ یہ اللہ عزوجل کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور اس سے مراد دوسرے ہیں جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے:

''فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْــَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ ... (یونس: ۹۴)'' (اے رسولِ اکرم! ہم نے آپ کی طرف جو قرآن نازل فرمایا ہے، اگر آپ کو اس کے منزل من اللہ ہونے میں شک ہو تو اُن لوگوں سے سوال کیجئے جو آپ سے پہلے (آسمانی) کتاب پڑھتے ہیں، بے شک آپ کے رب کے پاس سے آپ کی طرف حق آچکا ہے، پس آپ شک کرنے والوں میں سے ہرگز ہرگز نہ ہو جائیں)۔ اس آیت میں بھی خطاب آپ سے ہے اور مراد دوسرے ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس توجیہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اس آیت (الاعراف: ۲) میں شک کا لفظ نہیں ہے، اس توجیہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ علامہ سمرقندی نے اس آیت میں ''حرج'' کا معنی شک کیا ہے، لہٰذا اس آیت کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے، خود علامہ سمرقندی نے بھی اس آیت میں حرج کی تفسیر تنگی سے کی ہے جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ کفار جو آپ کی رسالت کو جھٹلاتے ہیں، سو اُن کے جھٹلانے کی وجہ سے آپ کے دل میں تنگی نہ ہو، اس کی نظیر یہ آیت ہے: ''فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ ... (الکہف: ۶)'' (اے رسولِ اکرم! اگر یہ کفار اس قرآن پر ایمان نہیں لائے تو کہیں (فرطِ غم سے) آپ ان کے پیچھے اپنی جان دے دیں گےO)۔ (سعیدی غفرلہٗ)

''لِتُنْذِرَ بِهٖ'': یعنی آپ اس کتاب کے ساتھ اہلِ مکہ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں۔

''وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ '': یعنی جو مومنین آپ کی پیروی کرتے ہیں، یہ کتاب ان کے لیے نصیحت ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے لوگو! اس کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے نازل فرمایا گیا ہے اور اللہ کو چھوڑ کر (اپنے) حامیوں کی پیروی نہ کرو، تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہوO'' (الاعراف: ۳)

''اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ '': یعنی اس قرآن کی تصدیق کرو، اور تمہارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل فرمایا گیا ہے اس کے تقاضوں پر عمل کرو۔ ''وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ '': یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو رب نہ بناؤ اور اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ ''قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ '': تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ہم کتنی ہی بستیاں ہلاک فرما چکے ہیں، اُن پر ہمارا عذاب رات کے وقت آیا یا اس وقت جب وہ دن میں سو رہے تھےO'' (الاعراف: ۴)

''وَ كَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا '': یعنی ہم نے کتنی ہی بستی والوں کو نصیحت فرمائی، سو انہوں نے ہماری نصیحت کو قبول نہیں کیا تو ہم

نے ان کو ہلاک فرمادیا۔ ''فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا'': یعنی رات کے وقت اُن پر ہمارا عذاب آیا۔ ''اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ○ '': یعنی جب دن کو وہ سورہے تھے، اس وقت ان پر عذاب آیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو اس وقت ان کا یہی کہنا تھا کہ بے شک ہم ظلم کرنے والے تھے O'' (الاعراف: ۵)

''فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○ '': یعنی جس وقت اُن پر عذاب آیا تو وہ اس پر کوئی عذر پیش نہ کر سکے اور انہوں نے گڑگڑاتے ہوئے کہا کہ ہم اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، کیونکہ ہم نے اپنے رب کی توحید کا اقرار نہیں کیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو ہم ضرور بہ ضرور اُن لوگوں سے سوال فرمائیں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور ہم ضرور بہ ضرور رسولوں سے (بھی) سوال فرمائیں گے O'' (الاعراف: ۶)

''فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ○ '': یعنی ہم گزشتہ امتوں سے ضرور بہ ضرور سوال کریں گے: آیا تمہارے پاس رسولوں نے آکر تبلیغ کی تھی اور تم نے اُن رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟ اور ہم اُن رسولوں سے بھی ضرور بہ ضرور سوال کریں گے کہ آپ لوگوں نے کیا پیغام پہنچایا تھا؟

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو ہم اُن کے سامنے اپنے علم سے اُن کے احوال بیان فرمائیں گے اور ہم اُن سے غائب نہ تھے O'' (الاعراف: ۷)

''فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ○ '': سو ہم اُن کو اپنے علم سے ضرور بہ خبر دیں گے کہ وہ دنیا میں کیا کرتے رہے تھے اور رسولوں نے جو پیغام پہنچایا اور اُن کی امتوں نے جو اُن کو جواب دیا، ہم اس سے غافل نہ تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اُس دن (بروزِ قیامت) وزن کرنا برحق ہے، پھر جن کی (نیکیوں کے) پلڑے بھاری ہوئے سو وہی آخرت میں کامیاب ہیں O'' (الاعراف: ۸)

''وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ اِلْحَقُّ '': یعنی قیامت کے دن اعمال کا وزن برحق ہے۔ ''فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ '': سو جس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب ہوئیں ''فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ '': یعنی وہی لوگ نجات یافتہ ہیں۔

اعمال کے وزن کے متعلق متقدمین علماء کی توجیہات اور مصنف کی تحقیق

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اعمال تو از قبیلِ اعراض ہیں اور وزن اعراض کا نہیں جواہر اور اجسام کا ہوتا ہے؟

اس کے جواب میں متقدمین علماء نے کہا کہ اعمال کے صحائف یعنی جن رجسٹروں میں بندوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں اُن کا وزن فرمایا جائے گا، اور بعض علماء نے کہا کہ نیک اعمال کے مقابلہ میں اچھی صورت والے اجسام پیدا فرمائے جائیں گے اور برے اعمال کے مقابلہ میں بری صورت والے اجسام پیدا فرمائے جائیں گے اور ان اجسام کا وزن فرمایا جائے گا۔ اور بعض علماء نے کہا:

اللہ عزوجل نے وزن کرنے کا ذکر فرمایا ہے، سو ہم اس پر ایمان لاتے ہیں خواہ اس کی کیفیت کو نہیں جانتے۔

میں کہتا ہوں: متقدمین علماء نے جو اعمال کے وزن کرنے کی توجیہات کیں کہ اس سے مراد اعمال کے رجسٹروں کا وزن کرنا ہے یا اعمال کے مقابلہ میں جو صورتیں پیدا فرمائی گئی ہیں ان کا وزن کرنا ہے، یہ توجیہات بھی برحق ہیں لیکن ہم پر موجودہ سائنسی آلات کے ذریعے یہ واضح ہو گیا ہے کہ اعمال اور اعراض کا وزن بھی ہوتا ہے، ہم ٹمپریچر بتانے والے آلات کے ذریعے درجۂ حرارت کا وزن کر لیتے ہیں مثلاً آج 7 جنوری 2015ء کو اس وقت گلبرگ کراچی کا کم سے کم درجہ حرارت 13 ڈگری سینٹی گریڈ ہے اور زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت 28 ڈگری سینٹی گریڈ ہے، ہوا کا دباؤ 1012 hpa ہے اور ہوا میں نمی (Humidity) 45 فیصد ہے، ہوا کی رفتار (Wind) 11 میل فی گھنٹہ ہے، اور حرارت اور ہوا کا دباؤ اور ہوا میں نمی اور ہوا کی رفتار، یہ تمام امور از قبیلِ اعراض ہیں اور ہم آلات کے ذریعے ان تمام چیزوں کو جان لیتے ہیں۔

نیز ہم گلوکوز (Glucose) ٹیسٹ (Test) کے آلات کے ذریعے جان لیتے ہیں کہ ہمارے خون میں گلوکوز یعنی شوگر کی کتنی مقدار ہے مثلاً آج دوپہر کو میری رینڈم شوگر کی مقدار 164 ملی گرام تھی، اور شوگر یعنی مٹھاس بھی از قبیلِ اعراض ہے اور ہم اس کی مقدار کو آلات کے ذریعے جان لیتے ہیں۔

نیز خون میں کولیسٹرول (Cholesterol) (چکنائی) کی مقدار کو بھی ہم آلات کے ذریعے جان لیتے ہیں مثلاً اس ہفتے میرے خون میں کولیسٹرول کی مقدار 170 ملی گرام تھی، اور خون میں کولیسٹرول کی مقدار بھی از قبیلِ اعراض ہے۔ سو ہم آلات کے ذریعے ان تمام اعراض کی مقادیر کو جان لیتے ہیں، تو اللہ عزوجل جو اِن تمام آلات کے خالق ہیں، اُن سے کیا بعید ہے کہ وہ اعراض کا وزن فرمائیں! (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جن کی (نیکیوں کے) پلڑے ہلکے ہوئے، سو یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو اس وجہ سے نقصان میں ڈالا کہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ظلم کرتے تھے O'' (الاعراف: ۹)

اس سوال کا جواب کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہیں، پھر میزان قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

''وَمَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ بِمَا كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَظۡلِمُوۡنَ ۝'':

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ عزوجل کو قیامت کے دن اعمال کے وزن کرنے کی کیا ضرورت ہے جب کہ اللہ تعالیٰ تمام بندوں کے اعمال کی مقداروں کو اُن اعمال کے وجود میں آنے سے پہلے ہی جاننے والے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے ہونے والے واقعات کو لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے حالانکہ اللہ عزوجل کو یہ خوف نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کو بھول جائیں گے اور وہ ہر چیز کو ہر حال میں جاننے والے ہیں، اس چیز کے وجود میں آنے سے پہلے بھی اور اس چیز کے وجود میں آنے کے بعد بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر اپنی حجت کو قائم فرمانے کے لئے لوحِ محفوظ میں بھی تمام امور کو لکھا اور بندوں کے اعمال کا وزن بھی فرمایا۔

بندوں کے اعمال کے وزن کرنے کی حسبِ ذیل حکمتیں ہیں:

(١) دنیا میں بندوں کی آزمائش فرمائی جائے کہ وہ میزان پر ایمان رکھتے ہیں یا نہیں۔ (٢) نیکوکاروں کی سعادت کو اہلِ محشر پر ظاہر فرمانا اور بدکاروں کی شقاوت کو ظاہر فرمانا۔ (٣) اس بات کی خبر دینا کہ اللہ تعالیٰ عادل ہیں اور کسی بدکار کو عذاب دینا اُن کا ظلم نہیں ہے۔ (٤) اہلِ محشر پر یہ واضح کرنا کہ نیکوکاروں کے بلند درجات اُن کے نیک اعمال کے سبب سے ہیں۔ (٥) نیکوکاروں کی سرخروئی اور عزت افزائی کے بیان کے لئے اُن کے اعمال کا وزن فرمایا جائے گا اور بدکاروں کی رسوائی اور عذاب کے لئے اُن کے اعمال کا وزن فرمایا جائے گا۔

اعمال کے وزن کے ثبوت کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد کو قیامت کے دن میزان کے پاس لایا جائے گا، اس کے لئے ایک پلڑا رکھا جائے گا، اس میں اس کی خطاؤں اور گناہوں کے ننانوے رجسٹر ہوں گے، پھر انگلی کے پور کے برابر ایک کاغذ لایا جائے گا جس میں ''شهادة ان لا اله الا الله ان محمد اعبده و رسوله'' لکھا ہوا ہوگا، پھر اس پور کے برابر کاغذ کو پلڑے میں رکھا جائے گا تو وہ پلڑا اس کی خطاؤں اور گناہوں سے زیادہ وزنی ہوگا۔ (تفسیر الطبری ج ١٠ ص ٧١، دار عالم الکتب، ریاض، ١٤٣٤ھ، مسند عبد بن حمید: ٣٣٩، مکتبہ ابن عباس، مصر ١٤٣٠ھ، مسند احمد: ٦٩٩٤، سنن ابن ماجہ: ٤٣٠٠، سنن ترمذی: ٢٦٣٩، صحیح ابن حبان: ٢٢٥، المستدرک للحاکم ج ١ ص ٦، شعب الایمان للبیہقی: ٢٨٣، شرح السنۃ للبغوی: ٤٣٢١، مسند ابن المبارک: ١٠٠، المعجم الکبیر للطبرانی ج ١٣ رقم ٣٠، المعجم الاوسط للطبرانی: ٤٧٢٥، کتاب الدعاء للطبرانی: ١٤٨٢، تہذیب الکمال للمزی ج ١٤ ص ٨٤)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت جبریل علیہ السلام قیامت کے دن میزان پر قائم ہوں گے، اُن سے اُن کے رب عزوجل ارشاد فرمائیں گے: لوگوں کے درمیان وزن کریں، اس دن نہ کوئی درہم ہوگا نہ چاندی ہوگی نہ دینار ہوگا، پھر ظالم کو مظلوم کے سامنے پیش کیا جائے گا اور اس ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دے دی جائیں گی، اگر ظالم کی کوئی نیکی نہ ہو تو مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے، پھر ظالم پہاڑ کے برابر گناہوں کو لے کر آئے گا۔

(تفسیر الطبری ج ١٠ ص ٦٩، دار عالم الکتب، ریاض، ١٤٣٤ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نیک اعمال اور برے اعمال میزان میں وزن کئے جائیں گے، اس میزان کی ایک لِسان ہوگی (یعنی ترازو کا وہ ڈنڈا جو تولتے وقت ہاتھ میں ہوتا ہے) اور اس کے دو پلڑے ہوں گے۔ رہا مومن تو اس کے اعمال اچھی صورت میں متمثل ہوں گے اور اُن کو میزان کے پلڑے میں رکھا جائے گا تو اس کا وزن کم ہو جائے گا۔ اور رہا کافر تو اس کے اعمال بہت قبیح صورت میں متمثل کئے جائیں گے اور اس کے گناہ اس کی نیکیوں پر راجح ہوں گے۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ کافر کے عمل کا وزن نہیں کیا جائے گا، وزن صرف اُن اعمال کا کیا جائے گا جن کے مقابلہ میں نیکیاں ہوں گی۔ اس آیت میں موازین فرمایا ہے اور وہ جمع کا صیغہ ہے اور جمع کا صیغہ اس اعتبار سے ہے کہ جن لوگوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا وہ بہت زیادہ ہوں گے۔ (تفسیر السمرقندی ج ١ ص ٥٣١، زاد المسیر ج ٢ ص ١٠٣)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اے مسلمانو! ہم نے تمہیں قوت کے ساتھ زمین میں جگہ عطا فرمائی اور ہم نے

تمہارے لئے اس زمین میں زندگی کے اسباب مہیا فرمائے، تم بہت کم شکرادا کرتے ہو O'' (الاعراف:۱۰)

''وَ لَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ'': یعنی اللہ عزوجل نے تم کو زمین میں جگہ عطا فرمائی اور تم کو زمین میں آباد فرمایا، پھر اللہ تعالیٰ نے جو اُن کو نعمتیں عطاء فرمائی ہیں ان کا ذکر فرمایا تا کہ وہ اپنے رب عزوجل سے حیاء کریں اور اس کی نافرمانی نہ کریں، سوارشاد فرمایا: ''وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ'': یعنی تم کو زمین سے رزق عطا فرمایا جو درختوں کے پھلوں اور کھیتوں کے غلہ کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔ ''قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝'': یعنی تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرادا نہیں کرتے۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۵۳۱۔ ۵۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝۱۱

اور بے شک ہم نے تم کو پیدا فرمایا پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی، پھر ہم نے فرشتوں کو حکم فرمایا: آدم کو سجدہ کرو، سوابلیس کے علاوہ سب نے سجدہ کیا، وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا O

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝۱۲

(اللہ نے) فرمایا: جب میں نے تجھ کو (سجدہ کرنے کا) حکم فرمایا تھا تو کس نے تجھ کو سجدہ کرنے سے روکا؟ (ابلیس نے) کہا: میں آدم سے بہتر ہوں، تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور تو نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے O

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝۱۳

(اللہ نے) فرمایا: سو تو جنت سے نیچے اتر جا تجھے جنت میں تکبر کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، سو نکل جا بے شک تو ذلت والوں میں سے ہے O

قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝۱۴

(ابلیس نے) کہا: مجھے اس دن تک کی مہلت دے یہاں تک کہ تمام لوگوں کو (مرنے کے بعد) اٹھایا جائے O

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝۱۵

(اللہ نے) فرمایا: بے شک تو مہلت پانے والوں میں سے ہے O

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۱۶ ۙ

(ابلیس نے) کہا: کیونکہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے میں ضرور بہ ضرور ان (لوگوں) کی تاک میں تیرے سیدھے راستہ پر بیٹھوں گا O

ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَیْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآىِٕلِهِمْؕ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ ﴿۱۷﴾

پھر میں ضرور بہ ضرور اُن کے پاس اُن کے آگے سے اور اُن کے پیچھے سے اور ان کی دائیں جانب سے اور ان کی بائیں جانب سے آؤں گا اور تو اکثر لوگوں کو اپنا شکر ادا کرنے والا نہ پائے گا O

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًاؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَــٴَـنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۸﴾

(اللہ نے) فرمایا: تو جنت سے بدحال اور مردود ہوتا ہوا نکل جا، جو لوگ تیرے پیچھے چلیں گے میں ضرور بہ ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا O

وَ یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَیْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹﴾

اور اے آدم! آپ اور آپ کی زوجہ (دونوں) جنت میں رہیے، پس آپ دونوں جہاں سے چاہیں کھائیں اور آپ دونوں اس درخت کے قریب نہ جائیں ورنہ آپ دونوں ظالموں میں سے ہو جائیں گے O

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّیْطٰنُ لِیُبْدِیَ لَهُمَا مَا وٗرِیَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَیْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ ﴿۲۰﴾

پھر اُن دونوں کے دلوں میں شیطان نے وسوسہ ڈالا تا کہ اُن دونوں کی اُن شرمگاہوں کو ظاہر کر دے جو اُن دونوں سے چھپائی ہوئی تھیں، اور شیطان نے کہا: تم دونوں کو تمہارے رب نے اس درخت سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے بن جاؤ یا تم دونوں ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ O

وَ قَاسَمَهُمَاۤ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۲۱﴾ۙ

اور اس نے اُن دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تم دونوں کے لئے خیر خواہی کرنے والوں میں سے ہوں O

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا

مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾

پھر اُن دونوں کوفریب دے کر اپنی طرف مائل کرلیا، پھر جب اُن دونوں نے اس درخت کو چکھا تو اُن دونوں کے لیے ان کی شرمگاہیں کھل گئیں اور وہ دونوں اپنے بدن پر جنت کے پتے جوڑنے لگے اور اُن دونوں کو اُن کے رب نے ندا کر کے فرمایا: کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں فرمایا تھا اور میں نے تم دونوں سے یہ ارشاد نہیں فرمایا تھا کہ بے شک شیطان تم دونوں کا کھلا ہوا دشمن ہے O

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

ان دونوں نے عرض کیا: اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ فرمائیں اور ہم پر رحم نہ فرمائیں تو ہم ضرور بہ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے O

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾

(اللہ نے) فرمایا: تم سب (جنت سے) اتر جاؤ، تم میں سے بعض دوسرے بعضوں کے لئے دشمن ہیں اور تمہارے لئے زمین میں عارضی ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک مقرر وقت تک فائدہ اٹھانا ہے O

قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع

(اللہ نے) فرمایا: تم اسی زمین میں زندگی گزارو گے اور اسی زمین میں وفات پاؤ گے اور اسی زمین سے (قیامت کے دن) باہر نکالے جاؤ گے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک ہم نے تم کو پیدا فرمایا، پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی، پھر ہم نے فرشتوں کو حکم فرمایا: آدم کو سجدہ کرو، سو ابلیس کے علاوہ سب نے سجدہ کیا، وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا O'' (الاعراف: ۱۱)

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، الاعراف: ۱۱ تا ۲۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی تمہارے باپ دادا کو پیدا فرمایا، پھر تمہاری ماؤں کے ارحام میں تمہاری صورتیں بنائیں، مجاہد نے کہا: حضرت آدم کی پشت میں تمہاری صورتیں بنائیں۔ اس آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کا جمع کے صیغہ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر ہیں، پس حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ضمن میں ان تمام

لوگوں کی تخلیق ہے جن کو اُن کی پشت سے نکالا گیا، اور عکرمہ نے کہا: تم لوگوں کو مردوں کی پشت میں پیدا فرمایا اور عورتوں کے ارحام میں تمہاری صورتیں بنائیں۔

''ثُمَّ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ '': اس سے مراد یہ ہے کہ پھر ہم نے تم کو یہ خبر دی کہ ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کے لئے سجدہ کرو۔ ''فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ لَمۡ يَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ۝ '': سوا ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے سجدہ کیا، ابلیس آدم کو سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: '' (اللہ نے) فرمایا: جب میں نے تجھ کو (سجدہ کرنے کا) حکم فرمایا تھا تو کس نے تجھ کو سجدہ کرنے سے روکا؟ (ابلیس نے) کہا: میں آدم سے بہتر ہوں، تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور تو نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے O'' (الاعراف: ۱۲)

''قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُكَ '': اس آیت میں لفظ ''لا'' زائد ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب میں نے تجھے سجدہ کرنے کا حکم فرمایا تھا تو تجھ کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا؟ ''قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ ۚ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ ۝ '': ابلیس نے اللہ تعالیٰ کو جواب دیتے ہوئے کہا: میں آدم سے بہتر ہوں، کیونکہ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے، اور آگ مٹی سے زیادہ بہتر اور زیادہ روشن ہے۔

ابلیس لعین کے قیاس کے فساد اور غلطی کی متقدمین مفسرین کی بیان کردہ وجوہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ابلیس نے سب سے پہلے قیاس کیا اور اس قیاس میں خطا کی، اس کا قیاس یہ تھا کہ آگ مٹی کی بہ نسبت روشن ہے اس لئے آگ مٹی سے افضل ہے اور چونکہ مجھے آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اس لئے میں آدم سے افضل ہوں۔

علامہ محمد بن جریر الطبری نے کہا: اس خبیث نے یہ گمان کیا کہ آگ مٹی سے افضل ہے اور اس نے یہ نہیں جانا کہ افضل وہ ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ فضیلت عطا فرمائیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ نے مٹی کو آگ پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔

حکماء نے کہا ہے کہ مٹی آگ سے کئی وجوہ سے افضل ہے: (۱) مٹی کے جوہر میں وقار، حلم اور صبر ہے اور اسی چیز نے حضرت آدم علیہ السلام کو توبہ کرنے کی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع کرنے کی اور گڑگڑانے کی تحریک پیدا کی۔ اور آگ کے جوہر میں طیش، جرأت اور بھڑکنا ہے اور اسی نے ابلیس کو تکبر، انکارِ سجدہ پر اصرار اور سنگ دلی کی تحریک پیدا کی، سو اس پر لعنت اور شقاوت ڈال دی گئی۔ (۲) مٹی اشیاء کو جمع کرنے کا سبب ہے اور آگ اشیاء کو متفرق کرنے کا سبب ہے۔ (۳) مٹی حیات کا سبب ہے کیونکہ درختوں اور نباتات کی حیات مٹی سے ہے اور آگ ہلاکت کا سبب ہے۔ (تفسیر الطبری ج ۱۰ ص ۸۶، دار عالم الکتب، ریاض ۱۴۳۴ھ)

ابلیس لعین کے قیاس کے فساد اور غلطی کی مصنف کی بیان کردہ وجوہ

میں کہتا ہوں کہ ابلیس کے قیاس کے فاسد ہونے کی یہ وجوہات بھی ہو سکتی ہیں کہ کسی چیز کے وجود میں آنے کے چار سبب ہوتے ہیں: (۱) اس چیز کا مادّہ (۲) اس چیز کی صورت (۳) اس چیز کا فاعل اور خالق (۴) اس چیز کی غرض اور غایت۔ ابلیسِ لعین نے

صرف حضرت آدم علیہ السلام کے مادۂ خلقت کو دیکھ کر قیاس کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا مادہ مٹی ہے اور اس کی تخلیق کا مادہ آگ ہے اور آگ مٹی سے افضل ہے لہٰذا وہ حضرت آدم سے افضل ہوا۔ اور ابلیسِ لعین نے حضرت آدم علیہ السلام کی صورت کو نہیں دیکھا: ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے''۔ (صحیح مسلم: ۲۶۱۲، الرقم المسلسل: ۶۵۵۰)

نیز ابلیسِ لعین نے حضرت آدم علیہ السلام کے فاعل اور خالق کی طرف نہیں دیکھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''خَلَقْتُ بِيَدَيَّ۔۔۔ (ص: ۷۵)'' (میں نے آدم کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا فرمایا)۔ اور آدم علیہ السلام کی غرض وغایت زمین پر اللہ تعالیٰ کی خلافت و نیابت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً۔۔۔ (البقرہ: ۳۰)'' ((اے رسولِ مکرم یاد کیجئے!) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا بے شک میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں)۔ سو ابلیسِ لعین کا قیاس اس لئے غلط تھا کہ اس نے صرف حضرت آدم علیہ السلام کے مادۂ خلقت کو دیکھا اور اُن کی صورت اور ان کے فاعل اور ان کی غرض وغایت کو نظر انداز کر دیا، تو اگر مادہ کے اعتبار سے ظاہراً ابلیس آدم سے افضل تھا تو باقی تین وجوہ کے اعتبار سے حضرت آدم علیہ السلام، ابلیس سے افضل ہیں۔ اور آگ کا مٹی سے افضل ہونا بھی ظاہر کے اعتبار سے ہے حقیقت میں مٹی ہی آگ سے افضل ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اللہ نے) فرمایا: سو تو جنت سے نیچے اتر جا تجھے جنت میں تکبر کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، سو نکل جا بے شک تو ذلت والوں میں سے ہے O'' (الاعراف: ۱۳)

''قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا'': یعنی جنت سے نیچے اتر جا۔ اور دوسرا قول ہے آسمان سے زمین کی طرف اتر جا۔

پہلے ابلیس کی زمین پر سلطنت تھی، پھر اس کو سمندر کے جزائر کی طرف نکال دیا گیا، پھر وہ زمین پر چوروں کی طرح ڈرتا ہوا داخل ہوتا تھا۔ ''فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا'': کیونکہ تو نے اللہ تعالیٰ کے سامنے تکبر کیا ہے، اس لئے اب تو جنت میں رہنے کے لائق نہیں ہے۔ ''فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝'': یعنی تو ذلیلوں اور اہانت شدہ لوگوں میں سے ہوتا ہوا نکل جا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(ابلیس نے) کہا: مجھے اس دن تک کی مہلت دے یہاں تک کہ تمام لوگوں کو (مرنے کے بعد) اٹھایا جائے O'' (الاعراف: ۱۴)

''قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝'': تب ابلیس نے کہا: مجھے قیامت تک کی مہلت دے، جب لوگوں کو ان کی قبروں سے اٹھایا جائے گا، اس وقت تک مجھے نہ مارنا۔ اس خبیث کا ارادہ یہ تھا کہ وہ موت کو نہ چکھے کیونکہ قیامت کے بعد موت نہیں آنی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اللہ نے) فرمایا: بے شک تو مہلت پانے والوں میں سے ہے O'' (الاعراف: ۱۵)

''قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝'': اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو مہلت پانے والوں میں سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو مہلت دینے کی مدت دوسری جگہ فرمائی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝۔۔۔ (الحجر: ۳۸)'' یعنی تجھے وقت معلوم تک مہلت ہے، اور وقتِ معلوم سے مراد وہ وقت ہے جب صور پھونکا جائے گا، اور اس وقت تمام مخلوق پر موت آ جائے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(ابلیس نے) کہا: کیونکہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے میں ضرور بہ ضرور ان (لوگوں) کی تاک میں تیرے سیدھے راستہ پر بیٹھوں گا O'' (الاعراف: ۱۶)

''قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ '': ابن الانباری نے کہا: کیونکہ تو نے میرے دل میں گمراہی کو ڈال دیا ہے جو میرے آسمان سے زمین پر آنے کا سبب ہے تو میں بھی ''لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ '': بنو آدم کے راستوں پر بیٹھوں گا تا کہ اُن کو اسلام سے منحرف کر دوں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر میں ضرور بہ ضرور اُن کے پاس اُن کے آگے سے اور اُن کے پیچھے سے اور ان کی دائیں جانب سے اور ان کی بائیں جانب سے آؤں گا اور تو اکثر لوگوں کو اپنا شکر ادا کرنے والا نہ پائے گا O''
(الاعراف:١٧)

''ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ '': یعنی ابلیس نے لوگوں کے لئے برے کاموں کو اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کو مزین کر دیا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس خبیث کو کیسے معلوم ہوا کہ اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کریں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس خبیث نے گمان کیا اور اس کا وہ گمان درست تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ... (سبا:٢٠) '' (اور بے شک ابلیس نے لوگوں کے متعلق اپنے گمان کو سچ کر دکھایا، سو تمام لوگ اس کے پیچھے چل پڑے سوا ایمان لانے والوں کے گروہ کے O)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اللہ نے) فرمایا: تو جنت سے بدحال اور مردود ہوتا ہوا نکل جا، جو لوگ تیرے پیچھے چلیں گے میں ضرور بہ ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا O'' (الاعراف:١٨)

''قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ '': مذءوم کا معنی ہے جس میں عیب ہو، اور مدحور کا معنی ہے دھتکارا ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''مذءوم'' کا معنی ہے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو اور ''مدحور'' کا معنی ہے: لعین اور شقی۔ الکلبی نے کہا: وہ جنت سے دھتکارا ہوا تھا۔

حضرت جبریل علیہ السلام اور ابلیسِ لعین کا مکالمہ

ڈاکٹر اقبال متوفی ١٩٣٨ء نے حضرت جبریل اور ابلیسِ لعین کا مکالمہ نظم کیا ہے جو کہ درج ذیل ہے:

جبریل و ابلیس

جبریل

ہمدمِ دیرینہ! کیسا ہے جہانِ رنگ و بو!

ابلیس

سوز و ساز و درد و داغ و جستجوے و آرزو!

جبریل

ہر گھڑی افلاک پر رہتی ہے تیری گفتگو!
کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاکِ دامن ہو رفو!

ابلیس

آہ اے جبریل تو واقف نہیں اس راز سے
کرگیا سرمست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سبُو
اب یہاں میری گذر ممکن نہیں، ممکن نہیں
کس قدر خاموش ہے یہ عالمِ بے کاخ و کُو!
جس کی نو میدی سے ہو سوزِ درونِ کائنات!
اس کے حق میں تقنطوا اچھا ہے یا لا تقنطوا!

جبریل

کھو دیئے انکار سے تو نے مقاماتِ بلند
چشمِ یزداں میں فرشتوں کی رہی کیا آبرو!

ابلیس

ہے مری جرأت سے مشتِ خاک میں ذوقِ نمو
میرے فتنے جامۂ عقل و خرد کا تارو پو!
دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزم خیر و شر
کون طوفاں کے طمانچے کھا رہا ہے؟ میں کہ تو؟
خضر بھی بے دست وپا، الیاس بھی بے دست وپا
میرے طوفاں یم بہ یم، دردیا بہ دریا، جو بہ جو
گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصۂ آدم کو رنگیں کرگیا کس کا لہو؟
میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح!
تو فقط: اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو!

(بالِ جبریل ص ۱۲۱، کلیاتِ اقبال ص ۳۵۵، الفیصل تاجران وناشران کتب، اردو بازار لاہور، نومبر ۲۰۰۰ء)

بارگاہِ الوہیت میں ڈاکٹر اقبال کے اہانت آمیز اشعار

تنبیہ: ڈاکٹر اقبال نے ابلیس کی زبان سے جو کہلوایا ہے: ''میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح!'' اس میں اللہ عزوجل کی

شان میں کھلی ہوئی گستاخی ہے، خود ڈاکٹر اقبال کو بھی اپنے گستاخ ہونے کا اعتراف ہے، وہ لکھتے ہیں:

یارب! یہ جہانِ گذراں خوب ہے لیکن
کیوں خوار ہیں مردانِ صفا کیش و ہنرمند؟
حاضر ہیں کلیسا میں کباب و مئے گلگوں!
مسجد میں دھرا کیا ہے بجز موعظہ و پند!
فردوس جو تیرا ہے کسی نے نہیں دیکھا
افرنگ کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند
چپ رہ نہ سکا حضرتِ یزداں میں بھی اقبال
کرتا کوئی اس بندۂ گستاخ کا مونہہ بند

(بال جبریل ص ۱۷۔۱۸، کلیات اقبال ص ۲۵۲، الفیصل تاجران و ناشران کتب، اردو بازار لاہور، نومبر ۲۰۰۰ء)

مصنف کہتا ہے: مجھے ڈاکٹر اقبال سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے، صدمہ اس کا ہے کہ انہوں نے بارگاہِ الوہیت میں سخت زہر آفرینی کی ہے، نیز ڈاکٹر اقبال لکھتے ہیں:

ترے شیشے میں مے باقی نہیں ہے بتا کیا تو میرا ساقی نہیں ہے؟
سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم! بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

(بال جبریل ص ۶ کلیات اقبال ص ۲۴۰، الفیصل تاجران و ناشران کتب، اردو بازار لاہور، نومبر ۲۰۰۰ء)

ایک یہودی نے جب اللہ تعالیٰ کو فقیر کہا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کے مونہہ پر تھپڑ امارا اور فقیر کے لفظ میں اتنی اہانت نہیں ہے جتنی بخیل کے لفظ میں اہانت ہے، ڈاکٹر اقبال نے اللہ تعالیٰ کو بخیل کہا، کاش! اس زمانے میں کوئی صدیق اکبر ایسا ایمان رکھنے والا ہوتا تو اس بندۂ گستاخ کا مونہہ بند کر دیتا۔

نیز آج کل مشہور ہے کہ ڈاکٹر اقبال عاشق رسول تھا، ڈاکٹر اقبال انگلینڈ گئے، فرانس گئے، جرمنی گئے، اندلس گئے اور نہیں گئے تو حرمین شریفین نہیں گئے، حج اور عمرہ کی سعادت حاصل نہیں کی، یہ کیسے عاشقِ رسول تھے جو ساری دنیا میں گھومے اور مکۃ المکرمہ اور مدینۃ المنورہ میں حاضری سے محروم رہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اے آدم! آپ اور آپ کی زوجہ (دونوں) جنت میں رہیے، پس آپ دونوں جہاں سے چاہیں کھائیں اور آپ دونوں اس درخت کے قریب نہ جائیں ورنہ آپ دونوں ظالموں میں سے ہو جائیں گے O'' (الاعراف:۱۹)

آیا حضرت آدم علیہ السلام شجرِ ممنوع سے کھانے کی وجہ سے ظالم ہو گئے ؟ اور حضرت آدم علیہ السلام کے شجرِ ممنوع سے کھانے کی توجیہات

''وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝'' :

یعنی اے آدم! آپ اور آپ کی زوجہ (دونوں) جنت میں رہیے، پس آپ دونوں جہاں سے چاہیں کھائیں اور آپ دونوں (قصد اور ارادہ سے) اس درخت کے قریب نہ جائیں ورنہ آپ دونوں ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے جو اس درخت سے کھایا تھا وہ قصد اور ارادہ سے نہیں کھایا تھا بلکہ نسیان اور بھول سے کھایا تھا، خود قرآنِ مجید میں اس کی شہادت ہے: ''وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝'' (طٰہٰ: ۱۱۵) (اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا (کہ وہ اس درخت کے قریب نہ جائیں) سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کی نافرمانی کا کوئی قصد نہیں پایا O)۔

حضرت آدم علیہ السلام نے چونکہ نسیان اور بھول سے درختِ ممنوع سے کھایا تھا، اس لئے نہ وہ ظالم قرار پائے اور نہ گناہ گار ہوئے اور بھولے سے جو کام کیا جائے اس پر مواخذہ نہیں ہوتا، اگر انسان بھولے سے ماہِ رمضان کے روزہ میں کھالے یا پی لے تو اس سے مواخذہ نہیں ہوتا، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص بھول کر روزہ میں کھالے یا پی لے تو وہ اپنا روزہ پورا کرے، کیونکہ اس کو اللہ نے کھلایا ہے اور پلایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۹۳۳، صحیح مسلم: ۱۱۵۵، سنن ترمذی: ۷۲۴، سنن ابوداؤد: ۲۳۹۸، سنن ابن ماجہ: ۱۶۷۳، مسند احمد: ۱۰۲۸۷، سنن دارمی: ۱۷۲۶)

حضرت آدم علیہ السلام کے شجرِ ممنوع سے کھانے کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس درخت سے کھانے سے منع فرمایا تو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے یہ گمان کیا کہ اس معین درخت سے کھانے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، میں اس نوع کے کسی اور درخت سے کھالوں گا، تو یہ ممنوع نہیں ہے، لہٰذا انہوں نے اس معین درخت کے علاوہ اس نوع کے کسی اور درخت سے پھل کھالیا اور اُن کو اس اجتہاد میں خطا ہوئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً اس درخت سے کھانے سے منع فرمایا تھا خواہ اس معین درخت سے کھائیں یا اس نوع کے کسی اور درخت سے کھائیں، اور جب کسی مومن کو اجتہاد میں خطا ہو تب بھی اس کو اجر ملتا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب حاکم اجتہاد کر کے کوئی فیصلہ کرے اور اس کا فیصلہ صحیح ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں، اور اگر اس کو فیصلے میں خطا لاحق ہو تب بھی اس کو ایک اجر ملتا ہے۔

(سنن ترمذی: ۱۳۳۱، صحیح البخاری: ۷۳۵۲، صحیح مسلم: ۱۷۱۶، سنن ابوداؤد: ۳۵۷۴، سنن ابن ماجہ: ۲۳۱۴، مسند احمد: ۱۷۷۸۹)

سو حضرت آدم علیہ السلام نے شجرِ ممنوع سے بھول کر کھایا تھا تب بھی ان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اور یا اجتہادی خطا سے کھایا تب بھی ان کو ایک اجر ملے گا، اور جو لوگ اس وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام پر طعن کرتے ہیں وہ اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام تو معصوم ہیں اور ماجور ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر اُن دونوں کے دلوں میں شیطان نے وسوسہ ڈالا تا کہ اُن دونوں کی اُن شرمگاہوں کو ظاہر کردے جو اُن دونوں سے چھپائی ہوئی تھیں، اور شیطان نے کہا: تم دونوں کو تمہارے رب نے اس درخت سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے بن جاؤ یا تم دونوں ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ O'' (الاعراف: ۲۰)

''فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝'': شیطان نے اُن کے دل میں یہ وسوسہ اس لیے ڈالا تھا تا کہ اُن کی چھپی ہوئی شرمگاہیں کھل جائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اس نے اُن دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تم دونوں کے لئے خیر خواہی کرنے والوں میں سے ہوں O'' (الاعراف: ۲۱)

''وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝'': قتادہ نے بیان کیا کہ شیطان نے اللہ کی قسم کھائی اور کہا: مجھے تم دونوں سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور میں تم دونوں سے زیادہ علم رکھتا ہوں، سو تم دونوں میری پیروی کرو میں تم کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا، اور ابلیس وہ پہلا شخص تھا جس نے اللہ عزوجل کی جھوٹی قسم کھائی، پس جب اس نے قسم کھالی تو حضرت آدم علیہ السلام نے گمان کیا کہ اللہ عزوجل کی قسم کھا کر کوئی شخص غلط بات نہیں کہہ سکتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر اُن دونوں کو فریب دے کر اپنی طرف مائل کر لیا، پھر جب اُن دونوں نے اس درخت کو چکھا تو اُن دونوں کے لیے ان کی شرمگاہیں کھل گئیں اور وہ دونوں اپنے بدن پر جنت کے پتے جوڑنے لگے اور اُن دونوں کو اُن کے رب نے ندا کر کے فرمایا: کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں فرمایا تھا اور میں نے تم دونوں سے یہ ارشاد نہیں فرمایا تھا کہ بے شک شیطان تم دونوں کا کھلا ہوا دشمن ہے O''

(الاعراف: ۲۲)

''فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ'':
الکلبی نے کہا: جب اُن دونوں نے اس درخت سے کھا لیا تو اُن دونوں کے جسموں سے ان کا لباس اُتر گیا حتیٰ کہ ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کی چھپی ہوئی شرمگاہ کو دیکھ لیا اور وہ اس سے پہلے ایک دوسرے کی شرمگاہ نہیں دیکھتے تھے، پھر اُن دونوں کو حیاء آئی اور وہ جنت کے درخت کے پتوں سے اپنے جسموں کو ڈھانپنے لگے۔ کہا گیا ہے کہ وہ درخت انجیر کا تھا۔ الزجاج نے کہا: وہ ایک پتے پر دوسرا پتا چپکا دیتے تا کہ ان کی شرمگاہ چھپ جائے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام کا قد لمبا تھا اور اُن کے سر پر گھنے

بال تھے، جب اُن سے یہ ظاہری خطا سرزد ہوگئی تو وہ جنت میں بھاگے، پھر جنت کا ایک درخت اُن کے سامنے آیا اور اس نے اپنے بالوں سے حضرت آدم علیہ السلام کو جکڑ لیا، حضرت آدم علیہ السلام نے اس درخت سے کہا: مجھے چھوڑ دو، درخت نے کہا: میں آپ کو چھوڑنے والا نہیں ہوں، پھر حضرت آدم علیہ السلام کو اُن کے رب نے ندا فرمائی: اے آدم! کیا تم مجھ سے بھاگ رہے ہو؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: نہیں اے رب! لیکن مجھے آپ سے حیا آ رہی ہے۔

''وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾'':

محمد بن قیس نے بیان کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اُن کے رب نے ندا فرمائی کہ آپ نے اس درخت سے کیوں کھایا جب کہ میں آپ کو اس کے کھانے سے منع فرما چکا تھا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! مجھے اس درخت سے حوا نے کھلا دیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا سے فرمایا: تم نے اس کو کیوں اس درخت سے کھلایا؟ اس نے کہا: مجھے سانپ نے کہا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے سانپ سے فرمایا: تم نے اس کو کیوں اس درخت سے کھانے کے لیے کہا؟ اس نے کہا: مجھے ابلیس نے حکم دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بہر حال اے حوا! اس کی سزا میں تمہیں ہر ماہ حیض آئے گا، اور اے سانپ! تیرے پیر کاٹ دیئے جائیں گے (پہلے سانپ اونٹ کی مثل جسیم جانور تھا اور بہت خوبصورت تھا اور اپنے پیروں سے چلتا تھا) تو زمین پر اپنے پیٹ اور اپنے چہرے کے بل چلے گا اور جو شخص بھی تجھ کو دیکھے گا تیرے سر پر پتھر مارے گا، اور رہا تو اے ابلیس! سو تجھ پر لعنت کی گئی ہے اور تجھے جنت سے دھتکارا گیا ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۲۶۲، کتاب البعث للبیہقی: ۱۹۳، تفسیر الطبری ج ۱۰ ص ۱۱۳، تفسیر سفیان ثوری ص ۱۱۱، تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۸۳۰۲)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ان دونوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ فرمائیں اور ہم پر رحم نہ فرمائیں تو ہم ضرور بہ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے O'' (الاعراف: ۲۳)

''قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾'': حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام سے (صورتاً) خطاء سرزد ہوگئی تو انہوں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا اور عرض کیا: میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حق سے سوال کرتا ہوں کہ آپ میری مغفرت فرما دیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی: محمد کون ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: جب آپ نے مجھے پیدا فرمایا تو میں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا اس پر لکھا ہوا تھا ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' سو میں نے جان لیا کہ آپ کے نزدیک اس شخص سے زیادہ بلند مرتبہ کوئی شخص نہیں ہوگا جس کا نام آپ نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے، تب اللہ عزوجل نے ان کی طرف یہ وحی فرمائی: اے آدم! وہ تمہاری اولاد میں سے تمام نبیوں کے آخر ہیں اور ان کی امت تمہاری اولاد کی امتوں میں سے آخری امت ہے اور اگر وہ نہ ہوتے تو اے آدم! میں تم کو بھی پیدا نہ فرماتا۔

(المعجم الصغیر ج ۲ ص ۸۳، مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۴۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الوفاء لابن الجوزی ص ۳۳، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۶۱۵، دار الباز، مکہ مکرمہ، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۲، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ، الدر المنثور ج ۱ ص ۵۸، مطبع آیات اللہ العظمی، ایران، فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۹۶، السعودیۃ العربیہ، الکشف والبیان للثعلبی ج ۱ ص ۱۸۴)

حضرت آدم علیہ السلام کے شجرِ ممنوع سے کھانے پر اعتراضات اور مصنف کے جوابات

ایک سوال یہ ہے کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام سے گناہ نہیں ہوا تھا تو پھر ان کو سزا کیوں دی گئی اور جنت سے زمین کی طرف کیوں اتارا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے زمین کی طرف آنا کوئی سزا نہیں تھی بلکہ وہ اپنے مقصدِ تخلیق کی تکمیل کے لئے زمین پر آئے، کیونکہ ان کو زمین پر اللہ تعالیٰ کی خلافت قائم کرنے کے لئے پیدا فرمایا تھا، اگر کسی شخص کو کسی جگہ کا حاکم یا بادشاہ بنا دیا جائے تو یہ اس کی سزا نہیں ہوتی بلکہ اس پر انعام ہوتا ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ابلیس حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلوا کر کامیاب ہو گیا اور حضرت آدم علیہ السلام ناکام ہو گئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ابلیس ہی ناکام ہوا، کیونکہ ابلیس تو صرف حضرت آدم علیہ السلام کا جنت میں عارضی وجود برداشت نہیں کر رہا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام زمین پر آنے کے بعد جنت میں دوام اور خلود کے لئے جائیں گے اور شیطان جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ جلے گا۔ نیز ابلیس صرف حضرت آدم علیہ السلام کا جنت میں وجود نہیں برداشت کر رہا تھا، اور حضرت آدم علیہ السلام اپنی بے شمار ذریت کو لے کر جنت میں داخل ہوں گے، سو ابلیس ہی ناکام ہوا اور حضرت آدم علیہ السلام ہر حال میں کامیاب رہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا تو وہ یہ کیوں کہتے رہے: ''رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ ۔۔۔ (الاعراف: ۲۳)''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا یہ قول ان کی تواضع اور انکسار پر مبنی ہے، کیونکہ شیطان نے اللہ تعالیٰ کی عمداً حکم عدولی کی اور پھر کہا: ''رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ ۔۔۔ (الحجر: ۳۹)'' (اے میرے رب! تو نے مجھے گمراہ کیا)، اور حضرت آدم علیہ السلام نے نسیان اور بھول سے شجرِ ممنوع سے کھایا اور پھر کہتے رہے: ''رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۔۔''۔ سو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے گلے میں لعنت کا طوق ڈال دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کے سر پر تاجِ خلافت رکھا۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ محمود غزنوی کے وزراء نے محمود غزنوی سے کہا: آپ ایاز پر بہت زیادہ مہربان ہیں حالانکہ جس طرح وہ آپ کا خدمت گزار ہے ہم بھی آپ کے خدمت گزار ہیں، پھر ہم پر اتنی نوازشیں کیوں نہیں ہیں؟ محمود غزنوی نے کہا: تم ایاز کی طرح نہیں ہو! محمود غزنوی نے سب وزراء کو ایک ایک ہیرا دیا پھر کہا: اس ہیرے کو پتھر سے توڑ دو، جب سب نے ہیرا توڑ دیا تو محمود غزنوی نے ڈانٹ کر پوچھا: یہ ہیرا کیوں توڑا؟ سب نے کہا: حضور آپ نے حکم دیا تھا سو توڑ دیا! ایاز سے پوچھا: یہ ہیرا تم نے کیوں توڑا؟ اس نے کہا: حضور غلطی ہوگئی۔ سو یہی اس کی مثال ہے کہ ابلیس نے عمداً نافرمانی کی اور کہا: تو نے مجھے گمراہ کیا اور حضرت آدم علیہ السلام نے بھول کر شجرِ ممنوع سے کھایا اور جب اللہ تعالیٰ نے پوچھا: کیوں کھایا؟ تو کہا: ''رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا''۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اللہ نے) فرمایا: تم سب (جنت سے) اتر جاؤ، تم میں سے بعض دوسرے بعضوں کے لئے دشمن ہیں اور تمہارے لئے زمین میں عارضی ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک مقرر وقت تک فائدہ اٹھانا ہے O'' (الاعراف: ۲۴)

''قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾'': یعنی حضرت آدم اور حواء اور ابلیس

اور سانپ سب نیچے اتر جاؤ، پس حضرت آدم کی اولاد اور ابلیس کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت قائم ہوگئی، اسی طرح سانپ اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے درمیان بھی قیامت تک کے لیے دشمنی قائم ہوگئی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اللہ نے) فرمایا: تم اسی زمین میں زندگی گزارو گے اور اسی زمین میں وفات پاؤ گے اور اسی زمین سے (قیامت کے دن) باہر نکالے جاؤ گے O'' (الاعراف: ۲۵)

''قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿۲۵﴾'': یعنی تم نے اسی زمین میں زندہ رہنا ہے، اسی زمین میں تم وفات پاؤ گے اور اسی زمین میں تم کو تمہاری قبروں سے باہر نکالا جائے گا۔

(معالم التنزیل واسرار التاویل، ج ۲ ص ۱۸۱۔ ۱۸۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اے اولادِ آدم! بے شک ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس نازل فرمایا جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا ہے اور تمہارے لئے باعثِ زینت ہے اور تقویٰ کا لباس سب سے بہتر ہے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں O

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

اے اولادِ آدم! کہیں شیطان تمہیں اس طرح فتنہ میں نہ مبتلا کر دے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا، ان کا لباس ان سے اتروا دیا تاکہ انہیں ان کی شرمگاہیں دکھائے، بے شک شیطان اور اس کا کنبہ تمہیں اس طرح دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھ پاتے، بے شک ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے O

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم نے اس کام پر اپنے باپ دادا کو پایا، اور اللہ نے ہمیں ان کاموں کا حکم دیا ہے، آپ کہیے: بے شک اللہ بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں فرماتے، کیا تم اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی باتیں کہتے ہو جن کو تم نہیں جانتے O

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۗ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ

الدِّيْنَ ۬ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ؕ

آپ کہیے: میرے رب نے عدل قائم کرنے کا حکم فرمایا ہے اور (اے مسلمانو!) تم ہر نماز کے وقت اپنے چہرے (قبلہ کی طرف) سیدھے رکھو، اور اخلاص کے ساتھ اس کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اس کی عبادت کرو، جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہلے پیدا فرمایا تھا، اسی طرح تم (اس کی طرف) لوٹو گے O

فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

ایک فریق کو اللہ نے ہدایت عطا فرمائی اور دوسرے فریق پر گمراہی ثابت ہوگئی، بے شک ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا مددگار بنا لیا اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں O

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ع

اے اولادِ آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور کھاتے اور پیتے رہو اور فضول خرچ نہ کرو، بے شک اللہ فضول خرچ کرنے والوں سے محبت نہیں فرماتے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے اولادِ آدم! بے شک ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس نازل فرمایا جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا ہے اور تمہارے لئے باعثِ زینت ہے اور تقویٰ کا لباس سب سے بہتر ہے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں O'' (الاعراف:۲۶)

بنو آدم کے لئے لباس نازل فرمانے کی نعمت

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، الاعراف:۲۶ تا ۳۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا'': یعنی ہم نے تمہارے لئے کپڑوں کو پیدا فرمایا۔

''يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ'': جو کپڑے تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتے ہیں، یعنی ہم نے تم پر بارش نازل فرمائی جس سے تمہارے لیے روئی اگائی اور اس کے دھاگوں سے تمہارے لئے لباس بنوایا۔

''وَرِيْشًا'': یعنی ظاہر لباس، پرندے کے پروں کو بھی ریش کہتے ہیں جن پروں سے اللہ تعالیٰ پرندوں کو چھپاتے ہیں۔

''وَلِبَاسُ التَّقْوٰى'': یعنی الحیاء۔

''ذٰلِكَ خَيْرٌ'': یعنی شرم اور حیا کپڑوں سے بہتر ہے، کیونکہ فاسق و فاجر خواہ کپڑے پہنے ہوئے ہو، وہ اپنی شرمگاہ کو ظاہر کرتا ہے۔

''ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ'' : یَذَّكَّرُوْنَ کا معنی ہے یَتَّعِظُوْنَ۔

اللہ عز و جل کا ارشاد ہے: ''اے اولادِ آدم! کہیں شیطان تمہیں اس طرح فتنہ میں نہ مبتلا کر دے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا، ان کا لباس ان سے اتروا دیا تا کہ انہیں ان کی شرمگاہیں دکھائے، بے شک شیطان اور اس کا کنبہ تمہیں اس طرح دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھ پاتے، بے شک ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے O'' (الاعراف: ۲۷)

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور شیطان کی شکار گاہیں

''یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ'' : یعنی کہیں شیطان تمہیں میری عبادت و اطاعت سے گمراہ نہ کر دے اور تم کو جنت سے روک نہ دے۔

''كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ'' : یعنی جب انہوں نے ظاہراً اور صورتاً نافرمانی کی تھی۔

''یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا'' : جس کے نتیجے میں ان سے ان کا لباس اتار لیا گیا اور اس کے بعد انہیں جنت سے باہر آنا پڑا۔ بعض حکماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ایک نحوست ہے جو نافرمانی کرنے والے کو برہنہ کر دیتی ہے۔

''اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ'' : یعنی ابلیس اور اس کا شیطانی لشکر تمہیں اس طرح دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھ پاتے، سو تم اس سے خبردار رہو، کیونکہ شیطان بنو آدم کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ روایت ہے کہ جب ابلیس پر لعنت فرمائی گئی تو اس نے کہا: اے میرے رب! تو نے بنو آدم کی طرف رسول بھیجے ہیں اور کتابیں نازل فرمائی ہیں، سو میرے رسول کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کاہن لوگ، اس نے کہا: میری کتاب کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جسم کو گودنا اور گدوانا، شیطان نے پوچھا: میری قراءت کیا ہے؟ فرمایا: شعر، شیطان نے پوچھا: میری مسجد کیا ہے؟ فرمایا: بازار، پوچھا: میرا مؤذن کون ہے؟ فرمایا: المزامیر (مونہہ سے بجائے جانے والے آلاتِ غنا مثلاً بانسری)۔ اس نے پوچھا: میرا گھر کون ہے؟ فرمایا: حمام، اس نے پوچھا: میری شکار گاہیں کون ہیں؟ فرمایا: عورتیں، اس نے پوچھا: میرا طعام کیا ہے؟ فرمایا: ہر وہ طعام جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے، اس نے پوچھا: میرا مشروب کیا ہے؟ فرمایا: ہر نشہ آور چیز۔ (اس حکایت کا شیخ ابن القیم نے ''اغاثۃ اللھفان'' میں ذکر کیا ہے)۔

''اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ'' : یعنی شیاطین کے مددگار وہ لوگ ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔

اللہ عز و جل کا ارشاد ہے: ''اور جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم نے اس کام پر اپنے باپ دادا کو پایا، اور اللہ نے ہمیں ان کاموں کا حکم دیا ہے، آپ کہیے: بے شک اللہ بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں فرماتے، کیا تم اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی باتیں کہتے ہو جن کو تم نہیں جانتے O'' (الاعراف: ۲۸)

''وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً'' : یعنی جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار فرمایا تھا، مشرکین نے ان چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور وہ بیت اللہ کا برہنہ طواف کرتے تھے اور کہتے تھے: ہم ان کپڑوں کو پہن کر طواف نہیں کریں گے جن میں ہم نے گناہ کیا ہے، اور ان کے

مردون میں طواف کعبہ کرتے تھے اور عورتیں رات میں طواف کرتی تھیں، اور جب ان سے کہا گیا کہ تم یہ کام کیوں کرتے ہو؟

''قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَاۤ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا'': یعنی ہمارے آباء واجداد نے ہمیں ان حلال چیزوں کو حرام قرار دینے کا حکم دیا اور ہمیں برہنہ طواف کرنے کا حکم دیا۔

''قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ'': (اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: اللہ عزوجل بے حیائی کے کاموں اور نافرمانیوں کا حکم نہیں فرماتے۔

''اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾'': کیا تم بغیر علم کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہو؟

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:'' آپ کہیے: میرے رب نے عدل قائم کرنے کا حکم فرمایا ہے اور (اے مسلمانو!) تم ہر نماز کے وقت اپنے چہرے (قبلہ کی طرف) سیدھے رکھو، اور اخلاص کے ساتھ اس کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اس کی عبادت کرو، جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہلے پیدا فرمایا تھا، اسی طرح تم (اس کی طرف) لوٹو گے O'' (الاعراف:۲۹)

''قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ'': یعنی میرے رب نے مجھے درست بات کہنے اور لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینے کا حکم فرمایا ہے۔

''وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ'': آپ کہیے کہ میرے رب نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تم ہر نماز کے وقت اپنے چہروں کو کعبہ کی طرف پھیرلو۔

''وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ'': یعنی اللہ تعالیٰ کو واحد مانو اور اس کی اخلاص سے عبادت کرو۔

''كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾'': یعنی اس طرح نہیں ہے جس طرح تم شرک کرتے ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:'' ایک فریق کو اللہ نے ہدایت عطا فرمائی اور دوسرے فریق پر گمراہی ثابت ہوگئی، بے شک ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا مددگار بنالیا اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں O'' (الاعراف:۳۰)

''فَرِیْقًا هَدٰى'': اس کا مصداق مومنین ہیں، اللہ تعالیٰ کو ان کی اطاعت اور عبادت کا علم ہے۔

''وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ'': اس کا مصداق کفار ہیں جن کو اللہ تعالیٰ رسوا فرمائیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کی معصیت اور کفر کا علم ہے۔

''اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'': کیونکہ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو اپنا مددگار قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اُن کی اطاعت کی۔

''وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾'': یعنی وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں۔

الزجاج نے کہا: اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جس کافر کو اپنے کفر کا علم نہ ہو، وہ بھی کافر ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے اولادِ آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور کھاتے اور پیتے رہو اور فضول خرچ نہ کرو، بے شک اللہ فضول خرچ کرنے والوں سے محبت نہیں فرماتے ○'' (الاعراف:۳۱)

''یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ'': یعنی تم ہر نماز کے وقت اپنے کپڑے پہن لیا کرو کیونکہ کفار بیت اللہ کا برہنہ طواف کرتے تھے۔

''وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا'': اسراف یہ ہے کہ انسان اس چیز کو کھائے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے حلال نہیں فرمایا۔

''اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝'': یعنی جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال فرمادیا ہے، ان کو حرام نہ قرار دو۔

(تفسیر السمرقندی، ج ۱ ص ۵۳۵ ۔ ۵۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝۳۲

(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: اللہ کی (حلال کردہ) اس زینت کو کس نے حرام کیا ہے جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا فرمایا ہے اور اس کے دیئے ہوئے پاکیزہ رزق کو کس نے حرام کیا ہے، آپ کہیے: یہ نعمتیں دنیا کی زندگی میں اُن لوگوں کے لئے ہیں جو ایمان لائے اور قیامت کے دن خاص انہی کے لئے نعمتیں ہوں گی، ہم اسی طرح (اپنی) آیات کو علم والوں کے لئے کھول کر بیان فرماتے ہیں ○

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۳

آپ کہیے: میرے رب نے تو صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام فرمایا ہے خواہ وہ کھلی ہوئی بے حیائیاں ہوں یا چھپی ہوئی، اور گناہ کو حرام فرمایا ہے اور ناحق ظلم کو، اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے کو جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، اور یہ کہ تم اللہ کے متعلق ایسی بات کہو جس کا تمہیں علم نہیں ہو ○

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝۳۴

اور ہر گروہ کے لئے ایک میعاد مقرر ہے، پھر جب اُن کی مقررہ میعاد آجائے گی تو نہ وہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکیں گے ○

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٥﴾

اے اولادِ آدم! اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیات کی تلاوت کریں، سو جو اللہ سے ڈرا اور اس نے نیک کام کئے تو ان لوگوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ (قیامت کے دن) غمگین ہوں گے ○

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٦﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان پر ایمان لانے سے تکبر کیا، سو وہی لوگ دوزخی ہیں جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں ○

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿٣٧﴾

سو اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ بول کر بہتان باندھا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا! ان لوگوں کو ان کا وہ حصہ پہنچ جائے گا جو ان کے لئے مقدر ہے حتیٰ کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ان کی روح قبض کرنے کے لئے آئیں گے تو وہ فرشتے کہیں گے: وہ کہاں ہیں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے؟ وہ لوگ کہیں گے: وہ ہم سے گم ہو گئے اور وہ اپنی جانوں کے خلاف خود گواہی دیں گے کہ بے شک وہ کفر کرتے تھے ○

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ڛ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٨﴾

اللہ فرمائیں گے: تم اس دوزخ کی آگ میں داخل ہو جاؤ جس میں تم سے پہلے جنات اور انسان داخل ہیں، جب بھی دوزخ کی آگ میں کوئی جماعت داخل ہوگی تو وہ اپنے جیسی دوسری جماعت پر لعنت کرے گی حتیٰ کہ جب اس دوزخ میں سب جمع ہو جائیں گے تو ان میں سے متاخرین اپنے متقدمین کے متعلق کہیں گے: اے ہمارے رب! انہوں نے ہی ہمیں گمراہ کیا تھا، سو آپ ان کو دوزخ کی آگ کا دگنا عذاب پہنچائیں، اللہ فرمائیں گے: ہر ایک کے لئے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے ○

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٣٩﴾ ع

اور اُن میں سے متقدمین اپنے سے متاخرین سے کہیں گے: تمہیں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، پس اب تم اپنے کرتوتوں کی وجہ سے عذاب کو چکھوO

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: اللہ کی (حلال کردہ) اس زینت کو کس نے حرام کیا ہے جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا فرمایا ہے اور اس کے دیئے ہوئے پاکیزہ رزق کو کس نے حرام کیا ہے، آپ کہیے: یہ نعمتیں دنیا کی زندگی میں اُن لوگوں کے لئے ہیں جو ایمان لائے اور قیامت کے دن خاص انہی کے لئے نعمتیں ہوں گی، ہم اسی طرح (اپنی) آیات کو علم والوں کے لئے کھول کر بیان فرماتے ہیںO'' (الاعراف: ۳۲)

نت نئے فیشن کے مطابق قیمتی لباس پہننے کا جواز

امام ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی التوفی ۵۱۶ھ، الاعراف: ۳۲ تا ۳۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ'': یعنی طواف کے دوران کپڑے پہننے کو کس نے حرام کیا ہے؟

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نت نئے قیمتی کپڑوں کے خوبصورت لباس نئے فیشن کے مطابق پہننا جائز ہے، بشرطیکہ اس لباس میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جو بدمذہبوں کے دینی شعار پر مبنی ہو، بعض متقشفہ اور غالی صوفیاء اس قسم کا لباس پہننے سے منع کرتے ہیں حالانکہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مزیّن لباس کو پہننا جائز ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

''وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ'': یعنی حج کے ایام میں گوشت اور چکنائی کھانے سے کس نے منع کیا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: اس رزق سے مراد البحائر اور السوائب ہیں جن کو اہلِ جاہلیت نے حرام قرار دے ڈالا تھا۔

''قُلْ هِیَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ'': یعنی مشرکین دنیا کی لذیذ چیزوں کے استعمال میں مومنین کے شریک ہیں اور آخرت میں تمام لذیذ چیزیں صرف مومنین کو حاصل ہوں گی اور مشرکین کو حاصل نہیں ہوں گی۔

''كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝'': یعنی ہم اہلِ علم کے لئے اپنی آیات کو اسی طرح کھول کھول کر بیان فرماتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: میرے رب نے تو صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام فرمایا ہے خواہ وہ کھلی ہوئی بے حیائیاں ہوں یا چھپی ہوئی، اور گناہ کو حرام فرمایا ہے اور ناحق ظلم کو، اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے کو جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، اور یہ کہ تم اللہ کے متعلق ایسی بات کہو جس کا تمہیں علم نہیں ہوO'' (الاعراف: ۳۳)

ظاہراً بے حیائی اور باطناً بے حیائی کے متعدد محامل

''قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ'': یعنی طواف کے دوران بے لباس ہونے سے اللہ تعالیٰ نے حرام فرما دیا ہے۔

''مَا ظَهَرَ مِنْهَا'': مردوں کا دن میں برہنہ طواف کرنا۔''وَ مَا بَطَنَ'': عورتوں کا رات میں برہنہ طواف کرنا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خفیہ طریقے سے یا علی الاعلان زنا کرنا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اللہ عزوجل سے زیادہ کوئی غیرت والا نہیں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمام بے حیائی کے کاموں کو حرام فرمادیا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ باطن۔

(صحیح البخاری: ۴۶۳۴، ۵۲۲۰، ۷۴۰۳، صحیح مسلم: ۲۷۶۰، الرقم المسلسل: ۶۸۸۵، سنن ترمذی: ۳۵۳۰، مسند احمد: ۴۱۴۲)

علامہ ابوحفص عمر بن علی ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

قتادہ نے کہا ہے کہ بے حیائی کے ظاہر کام وہ ہیں جن کو انسان کھلم کھلا کرے، لوگ آزاد عورت کے ساتھ چھپ کر زنا کرتے تھے اور باندی کے ساتھ کھلم کھلا زنا کرتے تھے، ایک قول یہ ہے کہ بے حیائی کے ظاہر کاموں سے مراد ہے شراب پینا اور بے حیائی کے پوشیدہ کاموں سے مراد ہے زنا کرنا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۲ ص ۳۳۸، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

''وَالْاِثْمَ'': یعنی گناہ اور اللہ کی نافرمانی۔ الضحاک نے کہا: اس سے مراد ہے وہ گناہ جس پر کوئی حد نہ ہو۔ حسن بصری نے کہا: اَلْاِثْمَ سے مراد ہے الخمر۔''وَالْبَغْيَ'': اس سے مراد ہے ظلم اور تکبر۔''بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا'': یعنی جس شرک کے ارتکاب پر کوئی حجت اور برہان نہیں ہے۔''وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾'': مقاتل نے کہا: یعنی تم جو کھیتوں کو اور مویشیوں کو حرام قرار دیتے ہو۔ اور دوسروں نے کہا: یہ ہر اس چیز کو عام ہے جس کو لوگ بغیر شرعی دلیل کے از خود حرام قرار دیں۔ (جیسے بعض دیابنہ اور وہابیہ گیارہویں شریف کے کھانے کو حرام قرار دیتے ہیں، یا ۱۲ ربیع الاول کی نیاز کو حرام قرار دیتے ہیں، یا فاتحہ، چہلم اور عرس کے کھانوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہر گروہ کے لئے ایک میعاد مقرر ہے، پھر جب اُن کی مقررہ میعاد آجائے گی تو نہ وہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکیں گے O'' (الاعراف: ۳۴)

''وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ'': یعنی ہر انسان کی زندگی کی مدت معیّن ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء اور حسن بصری نے کہا: یعنی ہر کافر پر عذاب کے نزول کا ایک وقت معیّن ہے۔''فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ'': یعنی جب ان کی مدتِ معیّن پوری ہوجائے گی۔''لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾'': یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کفارِ مکہ نے عذاب کا سوال کیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے اولادِ آدم! اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیات کی تلاوت کریں، سو جو اللہ سے ڈرا اور اس نے نیک کام کئے تو اُن لوگوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ (قیامت کے دن) غمگین ہوں گے O'' (الاعراف: ۳۵)

''يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ'': اس سے مراد تمام رسول ہیں۔ مقاتل نے کہا:''يٰبَنِيْٓ'' سے مراد ہیں مشرکینِ عرب اور''رُسُلٌ'' سے مراد ہیں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

''يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد ہیں میرے فرائض اور میرے احکام۔''فَمَنِ

اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ'': یعنی جس نے شرک سے اجتناب کیا اور اپنے عمل کی اصلاح کی۔

''فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ'': یعنی جب عام لوگ خوف زدہ ہوں گے تو انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا۔ اور جب عام لوگ غمگین ہوں گے تو انہیں کوئی غم نہیں ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور اُن پر ایمان لانے سے تکبر کیا، سو وہی لوگ دوزخی ہیں جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں O'' (الاعراف: ۳۶)

''وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ'': یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے تکبر کیا۔ ''اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ'': سو یہ لوگ دوزخی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ بول کر بہتان باندھا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا! ان لوگوں کو اِن کا وہ حصہ پہنچ جائے گا جو اِن کے لئے مقدر ہے حتیٰ کہ جب اُن کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ان کی روح قبض کرنے کے لئے آئیں گے تو وہ فرشتے کہیں گے: وہ کہاں ہیں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے؟ وہ لوگ کہیں گے: وہ ہم سے گم ہو گئے اور وہ اپنی جانوں کے خلاف خود گواہی دیں گے کہ بے شک وہ کفر کرتے تھے O'' (الاعراف: ۳۷)

''فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا'': یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک قرار دیا۔ ''اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ'': جن مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے کلام یعنی قرآن مجید کی تکذیب کی۔ ''اُولٰٓئِكَ یَنَالُهُمْ نَصِیْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ'': ان کے نصیب کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ حسن بصری اور السدی نے کہا: یعنی اُن کے لیے جو عذاب مقدر فرمایا گیا ہے وہ ان کو پہنچے گا، ان کے چہرے سیاہ ہوں گے اور آنکھیں نیلی ہوں گی۔ اور عطیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

''حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا'': یعنی جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے مَلَکُ الموت اور اس کے مددگار اُن کی روحوں کو قبض کریں گے۔ ''قَالُوْٓا اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'': یعنی وہ فرشتے کفار سے کہیں گے: وہ کہاں ہیں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے۔ فرشتے یہ سوال ان کو جھڑکنے اور ان کی ڈانٹ ڈپٹ کے لیے کریں گے۔

''قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ'': کفار کہیں گے: ہمارے وہ بت ہم سے غائب ہو گئے اور موت کو دیکھ کر وہ اپنے شرک کا اعتراف کرلیں گے۔ ''اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِیْنَ'': اور اپنے کفر کا اعتراف کرلیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ فرمائیں گے: تم اس دوزخ کی آگ میں داخل ہو جاؤ جس میں تم سے پہلے جِنّات اور انسان داخل ہیں، جب بھی دوزخ کی آگ میں کوئی جماعت داخل ہوگی تو وہ اپنے جیسی دوسری جماعت پر لعنت کرے گی، حتیٰ کہ جب اس دوزخ میں سب جمع ہو جائیں گے تو ان میں سے متاخرین اپنے متقدمین کے

متعلق کہیں گے: اے ہمارے رب! انہوں نے ہی ہمیں گمراہ کیا تھا، سو آپ ان کو دوزخ کی آگ کا دگنا عذاب پہنچائیں، اللہ فرمائیں گے: ہر ایک کے لیے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے O" (الاعراف: ۳۸)

"قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ": یعنی اللہ عزوجل قیامت کے دن کفار سے فرمائیں گے کہ تم جنات اور انسانوں کے گروہوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔ "قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ": یعنی گزشتہ امتوں میں سے جو کفار گزر چکے ہیں۔ "كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا": اس سے مراد یہ ہے جو کفار اُن کے دینی اعتبار سے بھائی ہوں گے نہ کہ نسب کے اعتبار سے، پس یہود، یہود کو لعنت کریں گے اور نصاریٰ، نصاریٰ کو لعنت کریں گے اور ہر فرقہ اپنے دینی بھائی پر لعنت کرے گا۔

"حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا": حتیٰ کہ جب وہ دوزخ میں ایک دوسرے سے مل جائیں گے۔ "قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ": مقاتل نے کہا: یعنی کفار کے پیروکار دوزخ میں داخل ہوتے ہوئے اپنے پیشواؤں سے کہیں گے، کیونکہ ان کے پیشوا پہلے دوزخ میں داخل ہوں گے۔ "رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا": یعنی ان پیشواؤں نے ہم کو ہدایت سے گمراہ کیا۔ "فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ" سوائے اللہ! تو ان کو دگنا عذاب دے۔ "قَالَ": اللہ عزوجل فرمائیں گے: "لِكُلٍّ ضِعْفٌ": یعنی تم میں سے ہر ایک کے لیے پیروکاروں کے لئے اور پیشواؤں کے لیے دگنا عذاب ہے۔ "وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝": لیکن تم میں سے ہر فریق اس عذاب کی مقدار کو جانتا نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اُن میں سے متقدمین اپنے سے متاخرین سے کہیں گے: تمہیں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، پس اب تم اپنے کرتوتوں کی وجہ سے عذاب کو چکھو O" (الاعراف: ۳۹)

"وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ": یعنی کفار کے پیشوا اپنے پیروکاروں سے کہیں گے۔ "فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ": کیونکہ تم نے اسی طرح کفر کیا ہے جس طرح ہم نے کفر کیا تھا، پس ہم اور تم کفر کرنے میں برابر ہیں، سو ہم اور تم عذاب میں بھی برابر ہیں۔ "فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝": پس اب تم اپنے کرتوتوں کی وجہ سے عذاب کو چکھو۔

(معالم التنزیل واسرار التاویل، ج ۲ ص ۱۸۸۔۱۹۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور اُن پر ایمان لانے سے تکبر کیا، ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ اس وقت تک جنت میں داخل ہو سکیں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے، اور ہم اسی طرح مجرموں کو سزا دیتے ہیں O

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝

ان کفار کے لیے دوزخ کی آگ کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر اسی آگ کا اوڑھنا ہوگا، اور ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں O

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے (اور) ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتے، وہی لوگ جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں O

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۛ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۗ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور اُن کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف جو رنجش تھی اس کو ہم ان کے دلوں سے نکال لیں گے، ان کے نیچے دریا جاری ہوں گے اور وہ کہیں گے: اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہاں تک پہنچنے کی ہدایت دی، اور اگر ہمیں اللہ ہدایت نہ دیتے تو ہم از خود اس مقام کی ہدایت نہ پا سکتے تھے، بے شک ہمارے رب کے رسول ہمارے پاس دینِ حق لے کر آئے اور اُن سے پکار کر کہا جائے گا: تم کو تمہارے نیک اعمال کے سبب سے اس جنت کا وارث بنایا گیا ہے O

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۗ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

اور جنت والے، دوزخ والوں کو پکار کر کہیں گے کہ بے شک ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا، ہم نے اس کو برحق پالیا تو کیا تمہارے رب نے تم سے جو وعدہ فرمایا تھا، آیا تم نے بھی اس کو برحق پالیا؟ وہ کہیں گے: ہاں! پھر اُن کے درمیان ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو O

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

یہی وہ ظالم ہیں جو لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور اللہ کی راہ میں کجی تلاش کرتے تھے اور یہ لوگ آخرت کا انکار کرنے والے تھے O

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ

الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ۫ لَمْ یَدْخُلُوْهَا وَهُمْ یَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کے درمیان ایک دیوار ہے، اور اعراف پر چند ایسے مرد ہوں گے جو ہر ایک (جنتی اور دوزخی) کو اس کی علامت سے پہچان لیں گے اور اہلِ اعراف، اہلِ جنت کو پکار کر کہیں گے: تم پر سلام ہو، حالانکہ ابھی اہلِ اعراف جنت میں داخل نہیں ہوئے تھے اور وہ اس کی خواہش رکھتے ہوں گے O

وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۷﴾

اور جب اُن کی نگاہیں اہلِ دوزخ کی طرف پھیری جائیں گی تو وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں ظلم کرنے والوں کے ساتھ نہ رکھیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور اُن پر ایمان لانے سے تکبر کیا، ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ اس وقت تک جنت میں داخل ہو سکیں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے، اور ہم اسی طرح مجرموں کو سزا دیتے ہیں O'' (الاعراف:۴۰)

مکذبین اور کافرین کے متعلق وعید

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، الاعراف:۴۰ تا ۴۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِنَّ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا'': یعنی جن لوگوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ مجید کی تکذیب کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور قرآنِ مجید کو قبول کرنے سے انکار کیا، اُن کے لیے ''لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ'': یعنی کفار کا کوئی نیک عمل نہیں ہے، سو اُن کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب کفار مر جائیں گے تو اُن کی روحوں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ اور بعض مفسرین نے کہا: یعنی اُن کے لئے جنت کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔

مصنف کے نزدیک اونٹ کے سوئی کے ناکے میں دخول کا محالِ عادی ہونا

''وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ'': یعنی کفار کبھی بھی جنت میں داخل نہیں ہوں گے جیسا کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اونٹ کا اپنی پوری جسامت کے ساتھ سوئی کے باریک سوراخ میں داخل ہونا محالِ عادی ہے، محالِ عقلی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ اونٹ کی جسامت کو اتنا کم فرما دیں کہ وہ سوئی کے باریک سوراخ میں داخل ہو جائے یا سوئی کے باریک سوراخ کو اتنا وسیع کر دیں کہ اونٹ اپنی اصل جسامت کے ساتھ اس سوراخ میں داخل ہو جائے، اس لئے اونٹ کا سوئی کے باریک سوراخ میں داخل ہونا ممکن بالذات اور محالِ عادی ہے لیکن کفار کے لئے جنت کے

دروازوں کا کھلنا محالِ عقلی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ کفار جنت میں داخل نہیں ہوں گے اور کفار کا جنت میں داخل ہونا اللہ تعالیٰ کے اس کلام کے کذب کو مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ کا کذب محالِ عقلی ہے، لہٰذا کفار کا جنت میں داخل ہونا بھی محالِ عقلی ہے، سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے محالِ عادی کو محالِ عقلی پر معلق فرمایا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

''وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝'': اور ہم اسی طرح مجرموں کو سزا دیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوزخ میں ان کے عذاب کی تفصیل بیان فرمائی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ان کفار کے لیے دوزخ کی آگ کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر اسی آگ کا اوڑھنا ہوگا، اور ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں O'' (الاعراف: ۴۱)

''لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ '': یعنی ان کے سروں پر بھی دوزخ کی آگ ہوگی اور ان کے پیروں کے نیچے بھی دوزخ کی آگ ہوگی۔

''وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝'': اور ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے (اور) ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتے، وہی لوگ جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں O''

(الاعراف: ۴۲)

''وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاۤ٘ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝'': اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کا ذکر فرمایا تھا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی، اب اس کے مقابلہ میں مومنوں کا ذکر فرمارہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان لائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اُن کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف جو رنجش تھی اس کو ہم ان کے دلوں سے نکال لیں گے، ان کے نیچے دریا جاری ہوں گے اور وہ کہیں گے: اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہاں تک پہنچنے کی ہدایت دی، اور اگر ہمیں اللہ ہدایت نہ دیتے تو ہم از خود اس مقام کی ہدایت نہ پاسکتے تھے، بے شک ہمارے رب کے رسول ہمارے پاس دینِ حق لے کر آئے اور اُن سے پکار کر کہا جائے گا: تم کو تمہارے نیک اعمال کے سبب سے اس جنت کا وارث بنایا گیا ہے O'' (الاعراف: ۴۳)

''وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ '': یعنی دنیا میں بعض مسلمان جو دوسرے مسلمانوں کے خلاف دلوں میں کینہ اور بغض رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ جنت میں اُن کے دلوں سے اس کینہ اور بغض کو نکال لیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے اور ان لوگوں کے متعلق جو قیامت تک اُن کے متبع ہیں اور ان کے طریقوں پر عمل کرتے ہیں۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمران بن طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما سے کہا: مجھے امید ہے کہ میں اور تمہارے والد (یعنی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ) اُن لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۷﴾'' (الحجر: ۴۷) (اور جو کچھ ان کے سینوں میں للہ فی اللہ رنجشیں تھیں ہم ان تمام رنجشوں کو ان کے سینوں سے نکال لیں گے، وہ باہم بھائی بھائی ہو کر عزت و کرامت کی مسندوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے)۔

(تفسیر طبری، ج ۱۰ ص ۱۹۹، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر عبد الرزاق ج ۱ ص ۴۲۹ تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۸۴۶۶)

''تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ'': یعنی اہلِ جنت کے بالا خانوں اور محلات کے نیچے درخت ہیں اور دریا بہہ رہے ہیں۔

اہلِ جنت کے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا'' کہنے کے متعدد محامل

''وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا'' یعنی اللہ ہی کے لیے حمد ہے جنہوں نے ہم کو اس عزت اور کرامت سے نوازا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے: جنہوں نے ہمیں ان کاموں کی توفیق دی جن کے کرنے کی وجہ سے ہم اس ثواب کے مستحق ہو گئے، کیونکہ جب اہلِ جنت، جنت کے دروازے تک پہنچیں گے تو وہ ایک درخت کو دیکھیں گے جس کی جڑ سے دو چشمے پھوٹ رہے ہیں، وہ کسی ایک چشمے کی طرف جانے کا قصد کریں گے تاکہ اس سے پانی پئیں، پس اللہ تعالیٰ ان کے پیٹوں سے رنجش اور میل کچیل کو نکال دیں گے۔ پھر وہ دوسرے چشمے کی طرف جانے کا قصد کریں گے کہ اس چشمے سے غسل کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے جسموں کو ہر میل اور ہر حسد اور ہر کینے سے پاک فرما دیں گے، اور ان پر تر و تازگی طاری فرما دیں گے، سو ان کے بال پراگندہ نہیں ہوں گے، نہ ان کے چہرے غبار آلود ہوں گے اور نہ ان کے جسم سے کبھی بدبو آئے گی، جنت کے محافظ ان سے ملیں گے تو ان کے داخل ہونے سے پہلے ان کو ندا کریں گے: یہ وہ جنت ہے جس کے تم ان نیک کاموں کی وجہ سے وارث بنائے گئے ہو جو تم دنیا میں کرتے تھے، پھر اہلِ جنت دونوں چشموں سے غسل کر کے کہیں گے:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا'' یعنی اللہ ہی کے لیے حمد ہے جنہوں نے ہمیں ان دونوں چشموں سے غسل کرنے کی ہدایت عطا فرمائی۔ اور جب وہ جنت کے انعامات اور کرامات کی طرف دیکھیں گے تو کہیں گے:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۗ وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ'': یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق نہ عطا فرماتے تو ہمیں یہ انعامات حاصل نہ ہوتے۔

''لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ'': یعنی ہمارے رب کے فرشتے ہمارے پاس حق لے کر آئے، سو ہم نے حق کی تصدیق کی۔

''وَ نُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾'': بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اہلِ جنت کے، جنت میں داخل ہونے سے پہلے جنت کے محافظ ان سے کہیں گے کہ یہ وہ جنت ہے جس کا تم کو تمہارے نیک کاموں کے عوض وارث بنایا گیا ہے اور حدیث میں ہے کہ اہلِ جنت سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ میرے عفو و کرم کی وجہ سے تم پل صراط سے گزر گئے اور میری رحمت کی وجہ سے جنت میں داخل ہو گئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جنت والے، دوزخ والوں کو پکار کر کہیں گے کہ بے شک ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا، ہم نے اس کو برحق پالیا تو کیا تمہارے رب نے تم سے جو وعدہ فرمایا تھا، آیا تم نے بھی اس کو برحق پالیا؟ وہ کہیں گے: ہاں! پھر اُن کے درمیان ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو O'' (الاعراف: ۴۴)

''وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا'': یعنی ہمارے رب نے ہم سے دنیا میں جو وعدہ فرمایا تھا، ہم نے اس وعدے کو سچا پالیا۔

''فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا'': یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو جو عذاب کی وعید سنائی تھی، کیا تم نے اس کو برحق پالیا؟ ''قَالُوْا نَعَمْ'': پس وہ اپنی جانوں پر گناہوں کا اعتراف کریں گے لیکن اس وقت ان کا یہ اعتراف انہیں مفید نہیں ہوگا۔

''فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ۝'': یعنی جنت اور دوزخ کے درمیان ایک منادی اس طرح ندا کرے گا کہ تمام مخلوق اس ندا کو سنے گی اور وہ ندا یہ ہوگی کہ اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہے اور ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی کرم نوازیاں اور اس کا فضل اور احسان مومنین کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کا عذاب اور اس کی سزا کفار پر ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہی وہ ظالم ہیں جو لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور اللہ کی راہ میں کجی تلاش کرتے تھے اور یہ لوگ آخرت کا انکار کرنے والے تھے O'' (الاعراف: ۴۵)

''الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ'': یعنی کفارِ قریش کے سردار عام لوگوں کو دینِ اسلام قبول کرنے سے روکتے تھے۔

''وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا'': یعنی وہ ملتِ اسلام میں گمراہی تلاش کرتے تھے۔

''وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ۝'': یعنی وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے منکر تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کے درمیان ایک دیوار ہے، اور اعراف پر چند ایسے مرد ہوں گے جو ہر ایک (جنتی اور دوزخی) کو اس کی علامت سے پہچان لیں گے اور اہلِ اعراف، اہلِ جنت کو پکار کر کہیں گے: تم پر سلام ہو، حالانکہ ابھی اہلِ اعراف جنت میں داخل نہیں ہوئے تھے اور وہ اس کی خواہش رکھتے ہوں گے O'' (الاعراف: ۴۶)

''وَبَیْنَهُمَا حِجَابٌ'': اور جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار ہے۔

''وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ'': امام اسماعیل بن حماد الجوہری المتوفی ۳۹۸ھ لکھتے ہیں:

''الاعراف'' جس کا قرآنِ مجید میں ذکر ہے وہ جنت اور دوزخ کے درمیان دیوار ہے۔

(معجم الصحاح ص ۶۹۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اعراف ایک دیوار ہے جیسے مرغ کے سر پر کلغی ہوتی ہے۔ القتبی نے

کہا: جنت اور دوزخ کے درمیان ایک اونچی دیوار ہے جس کی اونچائی کی وجہ سے اس کو الاعراف کہا گیا ہے۔ اور عرب ہر بلند چیز کو اعراف کہتے ہیں۔ اور السدی نے کہا: اس کا نام اعراف اس لئے ہے کہ اعراف والے لوگوں کو پہچان لیں گے۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اصحاب الاعراف سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ کی راہ میں ان کے باپ دادا کے گناہوں کی وجہ سے قتل کیا گیا، سو اُن کو دوزخ میں داخل ہونے سے اس لئے دور رکھا گیا کہ انہوں نے اللہ کی راہ میں قتال کیا تھا، اور ان کو جنت میں داخل ہونے سے اس لئے روکا کہ ان کے آباء و اجداد نے اللہ کی نافرمانی کی تھی۔ (اس حدیث کی امام طبری نے روایت کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے)۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی نیکیاں اور ان کے گناہ برابر برابر تھے تو ان کی نیکیاں زائد نہیں تھیں جس کی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہو جاتے اور نہ ان کے گناہ زیادہ تھے جس کی وجہ سے وہ دوزخ میں داخل ہو جاتے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زنا سے پیدا ہوئے۔ (تفسیر طبری ج ۱۰ ص ۲۱۲، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۴۸۳، سنن سعید بن منصور: ۹۵۵۔۹۵۶، کتاب الزہد لابن المبارک: ۱۴۰۷)

''يَعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ'':

یعنی جب اہلِ جنت اہلِ اعراف کے پاس سے گزریں گے تو اہلِ اعراف اہلِ جنت کو ان کی پیشانیوں کی سفیدی سے پہچان لیں گے اور اہلِ دوزخ کو ان کے چہروں کی سیاہی سے پہچان لیں گے، اور ''سیما'' کا معنی علامت ہے۔

''لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ۝۴۶'' یعنی اصحابِ اعراف، جنت میں داخل نہیں ہوں گے اور وہ جنت میں داخل ہونے کی تمنا کرتے ہوں گے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اہلِ جنت اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ اہلِ اعراف ان کو سلام کریں۔ اور اہلِ اعراف جنت میں داخل ہونے کی خواہش کرتے ہوں گے۔ اور کہا گیا ہے کہ اہلِ دوزخ کبھی بھی جنت میں داخل نہیں ہوں گے اور وہ اس کی تمنا کرتے ہوں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب اُن کی نگاہیں اہلِ دوزخ کی طرف پھیری جائیں گی تو وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں ظلم کرنے والوں کے ساتھ نہ رکھیں O'' (الاعراف: ۴۷)

''وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۷'':

یعنی اصحاب الاعراف اس قدر تیزی سے اصحاب النار کی طرف مڑیں گے گویا اُن کی آنکھوں کو پھیر دیا گیا ہے۔ اور جب وہ اصحاب النار کی طرف دیکھیں گے تو یہ دعا کریں گے: اے ہمارے رب! ہمیں ان کفار اور ظالموں کے ساتھ دوزخ کے عذاب میں مبتلا نہ فرمانا۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۵۴۰۔۵۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۴۸

اور اصحاب الاعراف چند دوزخی مردوں کو ان کی علامتوں سے پہچان کر کہیں گے: نہ تمہارے جمع کیے ہوئے لوگ تمہارے کام

آئے اور نہ وہ چیزیں تمہارے کام آئیں جن پر تم دنیا میں تکبر کرتے تھے O

اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾

(اور فقراء مومنین کو دکھا کر کہیں گے:) کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق تم قسم کھا کر کہتے تھے کہ اللہ انہیں اپنی رحمت سے عطا نہیں فرمائیں گے، (اور ان اصحاب الاعراف کے متعلق اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:) تم سب جنت میں داخل ہو جاؤ، نہ تم پر کوئی خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے O

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ۙ

اور اصحابِ دوزخ، اصحابِ جنت کو پکار کر کہیں گے: ہم پر تھوڑا سا پانی (ہی) ڈال دو یا اس طعام میں سے کچھ دے دو جو تم کو اللہ نے عطا فرمایا ہے، اہلِ جنت کہیں گے: بے شک اللہ نے اس پانی اور طعام کو کفار پر حرام فرما دیا ہے O

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا تھا اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا، سو ہم ان کو آج اسی طرح نظر انداز کر دیں گے جس طرح انہوں نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا، اور جس طرح وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے O

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور بے شک ہم ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جس کو ہم نے اپنے ازلی علم کے مطابق تفصیل سے لکھا ہے اس حال میں کہ وہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے O

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع

آیا وہ اس کتاب پر ایمان لانے کے لیے اس کتاب کی وعید کے منتظر تھے؟ جس دن اس کتاب کی وعید سامنے آئے گی تو جو لوگ اس وعید کو پہلے بھلا چکے تھے وہ کہیں گے کہ بے شک ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے، پس کیا ہمارے کوئی سفارشی ہیں

جو ہمارے حق میں سفارش کریں! یا ہم کو دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تو ہم دنیا میں پہلے کیے ہوئے برے کاموں کے خلاف نیک کام کریں، بے شک انہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈال دیا اور جو کچھ وہ بہتان باندھتے تھے وہ ان سے گم ہو گئے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اصحاب الاعراف چند دوزخی مردوں کو ان کی علامتوں سے پہچان کر کہیں گے: نہ تمہارے جمع کیے ہوئے لوگ تمہارے کام آئے اور نہ وہ چیزیں تمہارے کام آئیں جن پر تم دنیا میں تکبر کرتے تھے O'' (الاعراف: ۴۸)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ ھ، الاعراف: ۴۸ تا ۵۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا یَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ'': اہلِ دوزخ میں سے جو لوگ دنیا میں سردار تھے۔ ''قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰی عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ'' یعنی تم نے دنیا میں جو مال اور اولاد کو اکٹھا کیا تھا، وہ تمہارے کسی کام نہ آئے۔ ''وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝'': اور تم تکبر کر کے ایمان نہیں لاتے تھے۔ الکلبی نے کہا: وہ دیوار سے پکار کر کہیں گے: اے ولید بن المغیرہ، اے ابوجہل بن ہشام، اے فلاں! پھر وہ جنت کی طرف دیکھیں گے تو اس میں فقراء مومنین کو دیکھیں گے جن کا وہ دنیا میں مذاق اڑایا کرتے تھے مثلاً حضرت سلمان فارسی، حضرت صہیب رومی، حضرت خباب بن ارت اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم اور اُن ایسے ضعفاء مسلمین کو دیکھیں گے، تب اصحاب الاعراف ان کافر سرداروں سے کہیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اور فقراء مومنین کو دکھا کر کہیں گے:) کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق تم قسم کھا کر کہتے تھے کہ اللہ انہیں اپنی رحمت سے عطا نہیں فرمائیں گے، (اور ان اصحاب الاعراف کے متعلق اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:) تم سب جنت میں داخل ہو جاؤ، نہ تم پر کوئی خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے O''

(الاعراف: ۴۹)

''اَهٰۤؤُلَآءِ'': یعنی یہ فقراء اور ضعفاء، کیا یہی وہ لوگ ہیں؟ ''الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ'': جن کے متعلق تم قسم کھا کر کہتے تھے کہ وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ پھر اہلِ اعراف سے کہا جائے گا: ''اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ'' اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اصحاب الاعراف جب اصحاب دوزخ سے کہیں گے: کیا یہی وہ لوگ ہیں؟ تو اصحاب الاعراف سے اہلِ دوزخ کہیں گے: ہر چند کہ یہ فقراء مومنین جنت میں داخل ہو گئے ہیں لیکن تم تو جنت میں داخل نہیں ہوئے، اور وہ ان کو عار دلائیں گے اور قسم کھا کر کہیں گے کہ وہ بھی دوزخ میں داخل ہوں گے، تب وہ فرشتے کہیں گے جنہوں نے اصحاب الاعراف کو پل صراط پر روک کر رکھا تھا: ''اَهٰۤؤُلَآءِ'' کیا یہ اصحاب الاعراف وہی ہیں جن کے متعلق تم نے قسم کھائی تھی کہ یہ دوزخی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے انہیں حصہ نہیں ملے گا، پھر فرشتے اصحاب الاعراف سے کہیں گے: تم سب جنت میں داخل ہو جاؤ ''لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝'' نہ تم پر کوئی خوف ہوگا اور نہ تم غمگین ہو گے، سو وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اصحاب دوزخ، اصحاب جنت کو پکار کر کہیں گے: ہم پر تھوڑا سا پانی (ہی) ڈال

دو یا اس طعام میں سے کچھ دے دو جو تم کو اللہ نے عطا فرمایا ہے، اہلِ جنت کہیں گے: بے شک اللہ نے اس پانی اور طعام کو کفار پر حرام فرما دیا ہے O'' (الاعراف: ۵۰)

''وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب اصحاب الاعراف جنت میں پہنچ جائیں گے تو اہلِ دوزخ بھی نجات کی توقع کریں گے اور کہیں گے: اے ہمارے رب! ہماری اہلِ جنت سے رشتہ داریاں ہیں، پس آپ ہمیں ہمارے وہ رشتہ دار دکھائیں تا کہ ہم اُن کو دیکھ کر ان سے باتیں کریں، پھر وہ جنت میں اپنے رشتہ داروں کو دیکھیں گے اور جنت میں اُن پر جو انعامات فرمائے گئے ہیں ان کو دیکھیں گے، پس اصحاب الاعراف کے رشتہ داران کو پہچان لیں گے اور اصحاب الاعراف اپنے رشتہ داروں کو ان کے چہروں کی سیاہی کی وجہ سے نہیں پہچان سکیں گے، تب اہلِ دوزخ اصحاب الجنۃ کے نام لے لے کر پکاریں گے اور اپنی رشتہ داریوں کی خبر دیں گے پھر رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہیں گے کہ: ''اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۭ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝۵۰'' تم ہم پر تھوڑا سا پانی ہی ڈال دو یا تمہیں جو رزق عطا فرمایا گیا ہے اس میں سے کچھ حصہ دے دو تو اصحاب الاعراف کہیں گے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس پانی کو اور اس طعام کو کفار پر حرام فرما دیا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا تھا اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا، سو ہم ان کو آج اسی طرح نظر انداز کر دیں گے جس طرح انہوں نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا، اور جس طرح وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے O'' (الاعراف: ۵۱)

''الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا'': اس سے مراد یہ ہے کہ ان کافروں نے البحیرۃ اور السائبۃ وغیرہ کو از خود حرام قرار دیا اور بیت اللہ کے گرد نمازوں کے اوقات میں تالیاں بجائیں، اور ان کے دیگر وہ برے کام جو وہ زمانۂ جاہلیت میں کرتے تھے۔ ''وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ'': ہم ان کو دوزخ کی آگ میں چھوڑے رکھیں گے۔ ''كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا'': جس طرح انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔ ''وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝۵۱'': اور جس طرح وہ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک ہم ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جس کو ہم نے اپنے ازلی علم کے مطابق تفصیل سے لکھا ہے اس حال میں کہ وہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے O''

(الاعراف: ۵۲)

''وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۲'': اس سے مراد قرآنِ مجید ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آیا وہ اس کتاب پر ایمان لانے کے لیے اس کتاب کی وعید کے منتظر تھے؟ جس دن اس کتاب کی وعید سامنے آئے گی تو جو لوگ اس وعید کو پہلے بھلا چکے تھے وہ کہیں گے کہ بے شک ہمارے

رب کے رسول حق لے کر آئے تھے، پس کیا ہمارے کوئی سفارشی ہیں جو ہمارے حق میں سفارش کریں! یا ہم کو دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تو ہم دنیا میں پہلے کئے ہوئے برے کاموں کے خلاف نیک کام کریں، بے شک انہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈال دیا اور جو کچھ وہ بہتان باندھتے تھے وہ ان سے گم ہو گئے O''

(الاعراف: ۵۳)

''هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا تَاۡوِيۡلَهٗ'': مجاہد نے کہا: وہ صرف اپنی سزا کا انتظار کر رہے ہیں۔ اور السدی نے کہا: وہ اس عذاب کا انتظار کر رہے ہیں جو بالآخر ان کو پہنچنے والا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۹۵۔۱۹۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِيۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ ۚ يُغۡشِى الَّيۡلَ النَّهَارَ يَطۡلُبُهٗ حَثِيۡثًا ۙ وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ وَالنُّجُوۡمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمۡرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۵۴﴾

(اے لوگو!) بے شک تمہارے رب اللہ ہیں جنہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، پھر (اپنی شان کے لائق) عرش پر استوا فرمایا، وہ رات سے دن کو (اور دن سے رات کو) چھپا دیتے ہیں، رات دن کے پیچھے لگی رہتی ہے (اور دن رات کے پیچھے لگا رہتا ہے) اور انہوں نے سورج، چاند اور ستاروں کو پیدا فرمایا، سب اس کے حکم کے تابع ہیں، سنو! وہی پیدا فرمانے اور حکم دینے کے مالک ہیں، اللہ برکت والے ہیں تمام جہانوں کے پروردگار ہیں O

اُدۡعُوۡا رَبَّكُمۡ تَضَرُّعًا وَّخُفۡيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُعۡتَدِيۡنَ ﴿۵۵﴾ۚ

(اے لوگو!) تم اپنے رب کو گڑگڑا کر اور آہستہ آہستہ پکارو، بے شک وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے O

وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا وَادۡعُوۡهُ خَوۡفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۵۶﴾

اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد دہشت گردی نہ پھیلاؤ، اور خوف اور امید کی حالت میں اسی (رب العالمین) کو پکارو، بے شک اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے O

وَهُوَ الَّذِيۡ يُرۡسِلُ الرِّيٰحَ بُشۡرًاۢ بَيۡنَ يَدَىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَاۤ اَقَلَّتۡ سَحَابًا ثِقَالًا سُقۡنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنۡزَلۡنَا بِهِ الۡمَآءَ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخۡرِجُ

الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور وہ (رب العالمین) ہی رحمت کی بارش کی خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتے ہیں حتیٰ کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادل کو اٹھالاتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی غیر آباد زمین کی طرف روانہ فرمادیتے ہیں، پھر ہم اس بادل سے پانی برساتے ہیں، پھر ہم اس پانی سے ہر قسم کے پھل پیدا فرماتے ہیں، اسی طرح ہم قیامت کے دن مردوں کو (قبروں سے) نکال کر زندہ فرمائیں گے، (یہ مثال اس لیے بیان فرمائی ہے) تاکہ تم نصیحت حاصل کروO

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ع

اور زرخیز زمین اللہ کے حکم سے گھنی پیداوار نکالتی ہے اور بنجر زمین سے صرف تھوڑی سی پیداوار نکلتی ہے، اسی طرح ہم بار بار شکر گزار لوگوں کے لیے اپنی آیتوں کو بیان فرماتے ہیںO

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے لوگو!) بے شک تمہارے رب اللہ ہیں جنہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، پھر (اپنی شان کے لائق) عرش پر استوا فرمایا، وہ رات سے دن کو (اور دن سے رات کو) چھپا دیتے ہیں، رات دن کے پیچھے لگی رہتی ہے (اور دن رات کے پیچھے لگا رہتا ہے) اور انہوں نے سورج، چاند اور ستاروں کو پیدا فرمایا، سب اس کے حکم کے تابع ہیں، سنو! وہی پیدا فرمانے اور حکم دینے کے مالک ہیں، اللہ برکت والے ہیں تمام جہانوں کے پروردگار ہیںO'' (الاعراف: ۵۴)

آسمانوں اور زمینوں کو چھ ایام میں پیدا فرمانے پر ایک اشکال کا جواب

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، الاعراف: ۵۴ تا ۵۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ'': اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اس وقت تو سورج کا طلوع تھا اور نہ سورج کا غروب تھا اور دن سورج کے طلوع اور غروب سے متحقق ہوتا ہے، پھر کیسے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چھ دنوں سے مراد چھ دنوں کی مقدار ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ چھ دنوں سے مراد آخرت کے دن ہیں اور آخرت کا ہر دن دنیا کے ایام کے اعتبار سے ہزار دنوں کے برابر ہوگا، اور سعید بن جبیر نے کہا: اللہ عزوجل آسمانوں اور زمینوں کو ایک لمحے میں پیدا فرمانے پر قادر ہیں، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں اس لئے پیدا فرمایا تاکہ مخلوق کو یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ اطمینان سے کام کرتے ہیں جلدی نہیں فرماتے، اور جس کام کو وہ ایک لمحہ اور ایک لحظہ میں کر سکتے ہیں اس کام کو چھ دنوں میں انجام دیتے ہیں، سو بندوں کو بھی چاہیے کہ وہ کسی کام کو کرنے میں جلدی نہ کریں، اطمینان سے کریں۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اطمینان اور تاخیر سے کام کرنا اللہ کی طرف سے ہے اور عجلت اور جلدی سے کام کرنا شیطان کی طرف سے ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۰۱۹، مسند ابو یعلی: ۴۲۵۶، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۰۴، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۹)

''ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ'': الکلبی اور مقاتل نے کہا: اللہ عزوجل عرش پر مستقر ہیں، اور ابوعبیدہ نے کہا: اللہ عزوجل عرش پر چڑھے۔ المعتزلہ نے اس کی تاویل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر غالب ہیں اور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، ہم اس کی کیفیت کو نہیں جانتے لیکن ہمارا اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے علم کی حقیقت کو ہم اللہ عزوجل کے سپرد کرتے ہیں، ایک مرد نے امام مالک بن انس سے اس آیت کے متعلق پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر کس طرح استوا فرمایا؟ امام مالک نے تھوڑی دیر اپنا سر جھکایا، پھر سر کو اٹھا کر کہا: استوا کا معنی معلوم ہے اور اس کی کیفیت عقل میں نہیں آسکتی اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے اور میں تمہارے متعلق یہی گمان کرتا ہوں کہ تم گمراہ ہو، پھر امام مالک کے حکم سے اس شخص کو ان کی مجلس سے نکال دیا گیا۔ سفیان ثوری، الاوزاعی، اللیث بن سعد، سفیان بن عیینہ اور عبداللہ بن المبارک وغیرہم علماء اہلسنت نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: یہ آیت اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات میں سے ہے۔ اس آیت کو اس کی کیفیت جانے بغیر مانو اور لغت میں عرش کا معنی تخت ہے۔ دوسرا قول ہے کہ عرش کا معنی ملک اور سلطنت ہے۔ ''يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ'': یعنی رات دن کے بعد آتی ہے اور دن رات کو ڈھانپ لیتا ہے۔ ''يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا'': یعنی وہ ایک دوسرے کو جلد طلب کرتے ہیں کیونکہ ہر ایک دوسرے کے بعد آتا ہے گویا کہ وہ جلد دوسرے کو طلب کرتا ہے۔ ''وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ'': یعنی اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو اپنے حکم کے تابع فرمالیا ہے۔ ''اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ'': یعنی ان چیزوں کو پیدا فرمانے کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، انہوں نے جس طرح چاہا ان چیزوں کو پیدا فرمایا۔ ''تَبٰرَكَ اللّٰهُ'': یعنی اللہ تعالیٰ بلند اور برتر ہیں۔ ''رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۝'': وہ تمام جہانوں کے پیدا فرمانے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے لوگو!) تم اپنے رب کو گڑگڑا کر اور آہستہ آہستہ پکارو، بے شک وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے O'' (الاعراف: ۵۵)

''اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا'': یعنی اللہ عزوجل کو عجز اور تذلل کے ساتھ پکارو۔ ''وَّ خُفْيَةً'': یعنی آہستگی کے ساتھ پکارو۔ حسن بصری نے کہا: بلند آواز سے پکارنے اور آہستہ پکارنے میں ستر درجات ہیں۔ اور مسلمان بہت کوشش سے دعا کرتے تھے اور ان کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، کیونکہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آہستگی کے ساتھ پکارو۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندے کا ذکر فرمایا ہے اور اس کے فعل پر راضی ہیں۔ ''اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۝'': یعنی جو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے میں حد سے تجاوز کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو پسند نہیں فرماتے۔ دعا میں حد سے تجاوز کرنے کی مثال یہ ہے:

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو دعا کرتے ہوئے سنا، وہ دعا میں کہہ رہے تھے: اے اللہ! میں آپ سے سفید رنگ کے محل کا سوال کرتا ہوں جو جنت میں داخل ہوتے وقت دائیں جانب ہو تو انہوں نے اپنے بیٹے سے

کہا: اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ سے صرف جنت کا سوال کرو (یعنی یہ قید نہ لگاؤ کہ سفید محل کا سوال کرتا ہوں) اور اللہ تعالیٰ سے دوزخ کی پناہ طلب کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عنقریب اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو وضو کرنے میں اور دعا کرنے میں حد سے تجاوز کریں گے۔ (وضو کرنے میں تجاوز یہ ہے کہ کوئی انسان تین بار اعضائے وضو کا دھونا تطہیر کے لئے ناکافی قرار دے کر تین دفعہ سے زیادہ دھوئے)۔ (سنن ابوداود: ۹۶، سنن ابن ماجہ: ۳۸۶۴، مسند احمد: ۱۶۸۰۱، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱۰ ص ۲۸۸، کتاب الدعا للطبرانی: ۵۹، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۱۶۲، صحیح ابن حبان: ۶۷۶۴، المعجم الکبیر للطبرانی: ۵۸)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر پر حملہ کیا تو مسلمانوں نے ایک وادی کے اوپر سے جھانکا اور انہوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنی جانوں پر نرمی کرو، بے شک نہ تم بہرے کو پکارتے ہو اور نہ غائب کو، بے شک تم اس کو پکارتے ہو جو بہت سننے والے اور بہت قریب ہیں۔ (صحیح البخاری: ۴۲۰۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد دہشت گردی نہ پھیلاؤ، اور خوف اور امید کی حالت میں اسی (رب العالمین) کو پکارو، بے شک اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے O'' (الاعراف: ۵۶)

''وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ'': یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے اور اللہ تعالیٰ کے غیر کی عبادت کی دعوت دے کر زمین میں فساد نہ کرو، جب کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کو مبعوث فرما کر اور شریعت نازل فرما کر زمین میں اصلاح فرما چکے ہیں۔ اور علامہ عطیہ نے اس کی تفسیر میں کہا: تم زمین میں اللہ کی نافرمانی نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تم سے بارش کو روک لیں گے اور تمہاری نافرمانیوں کی وجہ سے تمہارے کھیت برباد ہو جائیں گے۔ ''بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا'': یعنی جب اللہ تعالیٰ بارش کو نازل فرما کر زمین کو سرسبز و شاداب فرما چکے ہیں۔ ''وَادۡعُوۡهُ خَوۡفًا وَّطَمَعًا'': یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر اور اس سے مغفرت کی امید رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو پکارو۔

''اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۶﴾'': اس آیت میں رحمت سے مراد نیک اعمال کا ثواب ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور وہ (رب العالمین) ہی رحمت کی بارش کی خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتے ہیں حتیٰ کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادل کو اٹھا لاتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی غیر آباد زمین کی طرف روانہ فرما دیتے ہیں، پھر ہم اس بادل سے پانی برساتے ہیں، پھر ہم اس پانی سے ہر قسم کے پھل پیدا فرماتے ہیں، اسی طرح ہم قیامت کے دن مردوں کو (قبروں سے) نکال کر زندہ فرمائیں گے (یہ مثال اس لیے بیان فرمائی ہے) تاکہ تم نصیحت حاصل کرو O'' (الاعراف: ۵۷)

بارش نازل فرمانے کے متعلق احادیث

''وَهُوَ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًاۢ بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتۡ سَحَابًا ثِقَالًا سُقۡنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنۡزَلۡنَا بِهِ الۡمَآءَ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰی لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۵۷﴾'':

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمان میں بادل کا کوئی ٹکڑا دیکھتے تو کبھی آگے جاتے کبھی پیچھے جاتے،

کبھی گھر کے اندر آتے، کبھی گھر سے باہر جاتے اور آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا، پھر جب وہ بادل برسنے لگتا تو آپ کی یہ کیفیت دور ہو جاتی، پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اس کے متعلق پوچھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نہیں جانتا شاید یہ بادل بھی اس جیسا ہو جس کے متعلق قوم عاد نے کہا تھا: ''فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ۔۔۔ (الاحقاف:۲۴)'' (پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو اپنی وادیوں کی طرف آتے دیکھا)۔

(صحیح البخاری:۳۲۰۶، ۴۸۲۹، صحیح مسلم:۸۹۹، سنن ترمذی:۳۲۵۷، سنن ابن ماجہ:۳۸۹۱، سنن ابوداؤد:۵۰۸۷، مسند احمد:۲۵۵۰۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب آسمان کے کناروں میں بادلوں کو اٹھتے ہوئے دیکھتے تو عمل چھوڑ دیتے خواہ آپ نماز میں ہوں، پھر آپ یہ دعا کرتے: اے اللہ! میں ان بادلوں کے شر سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں، پھر اگر بارش نازل ہو جاتی تو آپ دعا کرتے: اے اللہ! ایسی بارش نازل فرمائیں جو نفع پہنچانے والی ہو۔ (سنن ابوداؤد:۵۰۸۸، صحیح البخاری:۱۰۳۲، سنن نسائی:۱۵۲۳، سنن ابن ماجہ:۳۸۹۰، مسند احمد:۲۳۶۲۴)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور زرخیز زمین اللہ کے حکم سے گھنی پیداوار نکالتی ہے اور بنجر زمین سے صرف تھوڑی سی پیداوار نکلتی ہے، اسی طرح ہم بار بار شکر گزار لوگوں کے لیے اپنی آیتوں کو بیان فرماتے ہیں O''

(الاعراف:۵۸)

''وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ؀ '':

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر مبعوث فرمایا ہے، اس کی مثال اس زیادہ بارش کی ہے جو کسی زمین پر برسے، پس بعض زمینیں زرخیز ہوتی ہیں جو پانی کو قبول کرتی ہیں اور خشک اور زیادہ تر گھاس اگاتی ہیں اور بعض زمینیں بنجر ہوتی ہیں، وہ پانی کو روک لیتی ہیں، پس اللہ اس سے لوگوں کو نفع دیتے ہیں وہ اس پانی کو پیتے ہیں اور اپنے مویشیوں کو پلاتے ہیں اور اس پانی سے کاشت کاری کرتے ہیں اور بارش بعض قسم کی زمینوں پر ہوتی ہے، جو چکنی ہوتی ہیں نہ وہ پانی کو روکتی ہیں اور نہ سبزہ اگاتی ہیں، یہ مثال اس شخص کی ہے جو دین کی فقہ (فہم) حاصل کرے اور اللہ نے مجھے جو علم اور ہدایت دے کر بھیجا ہے، وہ اس کو نفع دے، پس وہ پڑھے اور پڑھائے اور یہ اس شخص کی مثال ہے جو اس ہدایت کی طرف توجہ نہ دے اور اللہ کی اس ہدایت کو بالکل قبول نہ کرے، جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے۔ (صحیح البخاری:۷۹، صحیح مسلم:۲۲۸۲، السنن الکبریٰ للنسائی:۵۸۴۳، مسند ابویعلیٰ:۷۳۱۱، صحیح ابن حبان:۴، مسند احمد:۱۹۵۷۳) (معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۹۷۔۲۰۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ؁

بے شک ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا، پس نوح نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اللہ کے سوا تمہاری

عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے، میں تم پر بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں O

قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۶۰﴾

ان کی قوم کے سرداروں نے کہا: بے شک ہم ضرور آپ کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتے ہیں O

قَالَ یٰقَوۡمِ لَیۡسَ بِیۡ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶۱﴾

نوح نے کہا: اے میری قوم! مجھ میں کوئی گمراہی نہیں ہے لیکن میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں O

اُبَلِّغُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَ اَنۡصَحُ لَكُمۡ وَ اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۲﴾

میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور میں تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں، اور میں اللہ کی طرف سے ان باتوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے O

اَوَ عَجِبۡتُمۡ اَنۡ جَآءَكُمۡ ذِكۡرٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَلٰی رَجُلٍ مِّنۡكُمۡ لِیُنۡذِرَكُمۡ وَ لِتَتَّقُوۡا وَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۶۳﴾

کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی سے ایک مرد پر نصیحت نازل ہوگئی تا کہ وہ تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈرائے اور تا کہ تم اللہ سے ڈرنے والے ہو جاؤ، اور تا کہ تم پر رحم فرمایا جائے O

فَكَذَّبُوۡهُ فَاَنۡجَیۡنٰهُ وَ الَّذِیۡنَ مَعَهٗ فِی الۡفُلۡكِ وَ اَغۡرَقۡنَا الَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا عَمِیۡنَ ﴿۶۴﴾ ع

ع ۸ ۱۵

سو نوح کی قوم نے اُن کو جھٹلایا، پس ہم نے اُن کو نجات عطا فرمائی اور ان لوگوں کو نجات عطا فرمائی جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے اور ہم نے ان لوگوں کو غرق فرما دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا، بے شک وہ اندھے لوگ تھے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا، پس نوح نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اللہ کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے، میں تم پر بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں O'' (الاعراف: ۵۹)

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، الاعراف: ۵۹ تا ۶۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام کا نام ونسب

''لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖ'': یعنی ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کو رسول بنا کر ان کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا پورا نام نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ ہے اور وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی تھے، جس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا، اس وقت ان کی عمر ۵۰ سال تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ۴۰ سال تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ انہیں ۲۵۰ سال کی عمر میں مبعوث فرمایا گیا۔ اور مقاتل نے کہا: ۱۰۰ سال کی عمر میں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کا نام نوح اس لیے رکھا گیا کہ وہ اپنے اوپر بہت زیادہ نوحہ کرتے تھے اور ان کے نوحہ کرنے کے سبب میں بھی اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے چونکہ اپنی قوم کی ہلاکت کی دعا کی تھی اس لیے وہ اپنے اوپر افسوس کرتے تھے اور نوحہ کرتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کنعان کے متعلق اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت کی دعا کی تھی۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۰۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

''فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ'': یعنی اے میری قوم! اللہ کو واحد مانو۔ ''مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ'': اللہ کے سوا تمہارا کوئی رب نہیں ہے۔ ''عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۵۹﴾'': اس عذاب سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو غرق کرنا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ان کی قوم کے سرداروں نے کہا: بے شک ہم ضرور آپ کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتے ہیں O'' (الاعراف: ۶۰)

''قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ'': اس سے مراد اُن کی قوم کے معزز لوگ ہیں۔ ان کو ''الْمَلَاُ'' سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ وہ ان چیزوں سے بھرے ہوئے تھے جن کی لوگوں کو ضرورت پیش آتی تھی۔ ''اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾'': اس سے مراد ہے: ہم آپ کو کھلی ہوئی خطا میں مبتلا پاتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''نوح نے کہا: اے میری قوم! مجھ میں کوئی گمراہی نہیں ہے لیکن میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں O'' (الاعراف: ۶۱)

''قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾'': اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام نے بعد کی نسلوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ جب جاہلوں کو جواب دینا ہو تو نرمی سے جواب دیا جائے۔

ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ کا آپ کی طرف سے براءت کو بیان فرمانا

میں کہتا ہوں کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق نازیبا اور ناشائستہ بات کہی تو انہوں نے از خود اپنی براءت اور صفائی کو بیان فرمایا، لیکن ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جب کافروں نے کوئی نازیبا یا ناشائستہ بات کہی تو اللہ تعالیٰ نے یہ انتظار نہیں فرمایا کہ آپ اپنی براءت اور صفائی خود بیان فرمائیں بلکہ اللہ عزوجل نے آپ کی براءت اور صفائی کو بیان فرمایا، مثلاً جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس پر غمزدہ ہوئے تو عاص بن وائل نے آپ کو ابتر کہا، یعنی آپ کی نسل منقطع ہوگئی ہے۔ اللہ عزوجل نے آپ کی اس لفظ سے براءت اور صفائی نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا: ''اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿۳﴾ (الکوثر: ۳)'' یعنی جس نے آپ کو ابتر اور مقطوع النسل کہا ہے، اس کی خود نسل نہیں چلے

گی۔اور "اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ (الکوثر:۱)" اللہ تعالیٰ نے آپ کو کثرت عطا فرمائی ہے O۔یعنی آپ کی معنوی نسل قیامت تک چلتی رہے گی۔اسی طرح الولید بن المغیرہ نے آپ کو مجنون کہا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی براءت بیان کرتے ہوئے فرمایا: "مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ (القلم:۲)" یعنی آپ اپنے رب کی نعمت سے مجنون نہیں ہیں O اور الولید بن المغیرہ جس نے آپ کو مجنون کہا تھا، اس کی مذمت میں اللہ عزوجل نے اس کے دس عیوب بیان فرمائے: "وَ لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیْنٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیْمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ ۝ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ ۝ (القلم:۱۰۔۱۳)" (پس آپ کسی ایسے شخص کی بات نہ مانیں جو (۱) بہت قسمیں کھانے والا (۲) انتہائی ذلیل ہےO (۳) بڑا طعنہ زن (۴) بہت چلتا پھرتا (۵) چغل خورO (۶) نیکی سے بہت روکنے والا (۷) نافرمانی میں حد سے بڑھنے والا (۸) سخت گناہگارO (۹) نہایت بدخصلت، ان سب کے بعد (۱۰) بداصل (یعنی ولدالزنا)O)۔ہم نے اختصار کے پیشِ نظر صرف دو مثالیں ذکر کی ہیں ورنہ اس نوعیت کی بہت مثالیں ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور میں تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں، اور میں اللہ کی طرف سے ان باتوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتےO" (الاعراف: ۶۲)

"اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ": یعنی میں تم کو فساد اور دہشت گردی سے روکتا ہوں اور تمہیں توحید کی دعوت دیتا ہوں اور تم کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔"وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝": یعنی مجھے یہ علم ہے کہ اگر تم نے اللہ سے توبہ نہ کی تو تم پر اللہ کا عذاب آئے گا اور تم اس بات کو نہیں جانتے، کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو عذاب سے ڈرایا۔حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: "وَ یٰقَوْمِ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِیْۤ اَنْ یُّصِیْبَكُمْ مِّثْلُ مَاۤ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَ مَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِیْدٍ ۝ (ہود:۸۹)" (اور اے میری قوم! تمہیں میری دشمنی ایسی چیز پر برانگیختہ نہ کرے جس کی وجہ سے تم پر نوح کی قوم کی مثل عذاب آئے یا ہود کی قوم کی مثل عذاب آئے یا صالح کی قوم کی مثل عذاب آئے، اور لوط کی قوم تم سے کچھ زیادہ بعید نہیں ہےO)۔اور رہی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم، تو اُن سے پہلے کسی امت پر عذاب نہیں آیا تھا، لہٰذا حضرت نوح علیہ السلام نے اُن سے کہا: "وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝"۔پس اُن کے متکبر اور معزز لوگوں نے پسماندہ لوگوں سے کہا: نوح کی پیروی نہ کرنا، کیونکہ یہ تمہاری مثل ایک بشر ہیں۔سو نوح علیہ السلام نے جواب میں اُن سے کہا:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی سے ایک مرد پر نصیحت نازل ہوگئی تاکہ وہ تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈرائے اور تاکہ تم اللہ سے ڈرنے والے ہو جاؤ، اور تاکہ تم پر رحم فرمایا جائےO" (الاعراف: ۶۳)

"اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ": یعنی کیا تمہیں اس پر تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم ہی میں سے ایک مرد پر جس کا حسب اور نسب تم پہچانتے ہو کتاب نازل فرمائی اور اپنا پیغام نازل فرمایا تاکہ وہ مرد تم کو دوزخ کے عذاب سے ڈرائے اور تم شرک کرنے سے اجتناب کرو اور "وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝": یعنی تم عذاب سے نجات پالو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "سو نوح کی قوم نے اُن کو جھٹلایا، پس ہم نے اُن کو نجات دی اور ان لوگوں کو نجات

دی جوان کے ساتھ کشتی میں تھے اور ہم نے ان لوگوں کو غرق فرما دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا، بے شک وہ اندھے لوگ تھے O" (الاعراف: ۶۴)

"فَکَذَّبُوْہُ": پس انہوں نے نوح کی تکذیب کی۔ "فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ": یعنی جن مومنین نے حضرت نوح علیہ السلام کی پیروی کی تھی اور وہ ان کے ساتھ کشتی میں تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے غرق ہونے سے نجات عطا فرما دی۔

"وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ ۝": یعنی جو لوگ حق سے اندھے تھے اور اس کے نتیجے میں عذاب کے نزول سے اندھے تھے۔ (تفسیر السمر قندی ج ۱ ص ۵۴۸۔ ۵۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۶۵

اور ہم نے "عاد" کی طرف اُن کے (وطنی) بھائی ہود کو مبعوث فرمایا، انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اللہ کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے، کیا پس تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ O

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝۶۶

ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: بے شک ہم ضرور آپ کو کھلی ہوئی جہالت میں دیکھتے ہیں، اور بے شک ہم آپ کو ضرور جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں O

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۶۷

ہود نے کہا: اے میری قوم! مجھ میں کوئی جہالت نہیں ہے لیکن میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں O

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ۝۶۸

میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور میں تمہاری خیر خواہی کرنے والا امانت دار ہوں O

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ ؕ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۶۹

کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد پر نصیحت نازل ہوگئی تاکہ وہ

تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈرائے ، اور یاد کرو جب نوح کی قوم کے بعد اللہ نے تمہیں اس قوم کا جانشین بنادیا اور تمہارے بدن کی جسامت کو بہت زیادہ بڑھادیا، سوتم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تم اخروی کامیابی حاصل کرو O

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۖ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٧٠﴾

ہود کی قوم نے کہا: کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور ان کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء و اجداد عبادت کرتے تھے، سو اگر آپ سچے ہیں تو اس عذاب کو لے آئیں جس سے آپ ہمیں ڈراتے ہیں O

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ ۖ أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ﴿٧١﴾

ہود نے کہا: تمہارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب نازل ہو گیا، کیا تم مجھ سے ان ناموں کے متعلق جھگڑا کر رہے ہو جن کے تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نام رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کے متعلق کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، سو تم انتظار کرو، بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں O

فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٧٢﴾ ع ۹ / ۱۲

سو ہم نے اپنی رحمت سے ہود کو نجات عطا فرمائی اور ان کو نجات عطا فرمائی جو ان کے ساتھ تھے اور جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی تھی ان کی جڑ کاٹ دی اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے ''عاد'' کی طرف اُن کے (وطنی) بھائی ہود کو مبعوث فرمایا، انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اللہ کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے، کیا پس تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟O'' (الاعراف: ۶۵)

حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم ''عاد'' کا قصہ

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ الاعراف: ۶۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ از ابوالطفیل عامر بن واثلہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ حضر موت کے ایک مرد سے پوچھ رہے تھے: کیا تم نے وہاں ایک سرخ ٹیلہ دیکھا ہے جس میں ریت

کے ساتھ سرخ مٹی ملی ہوئی ہے، وہاں ایک جانب پیلو اور بیری کے بکثرت درخت ہیں، وہ حضر موت کی سرزمین میں فلاں فلاں جگہ پر ہے، کیا تم نے وہ ٹیلہ دیکھا ہے؟ اس شخص نے کہا: جی ہاں اے امیر المومنین! آپ نے اس ٹیلے کی صحیح نشاندہی فرمائی ہے، حضرمی نے پوچھا: اے امیر المومنین! آپ اس جگہ کو کیوں پوچھتے ہیں؟ فرمایا: وہاں پر حضرت ہود صلوات اللہ علیہ کی قبر ہے۔

(تفسیر طبری ج ۱۰ ص ۲۶۸-۲۶۹، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۸۶۴۴، تاریخ طبری ج ۱ ص ۲۱۶، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۸۲، عرائس المجالس للثعلبی ص ۵۳، التاریخ الکبیر للبخاری ج ۱ ص ۱۳۵، تاریخ دمشق لابن عساکر جز ۶۷ ص ۱۲۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

میں کہتا ہوں کہ یہ صالحین کے آثار کو ڈھونڈنے کی اور اللہ والوں کے مزار اور ان کے آثار کو باقی رکھنے کی اصل ہے۔

(سعیدی غفرلہ)

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، الاعراف: ۶۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝'':

حضرت ہود علیہ السلام ''عاد'' کے دینی بھائی نہ تھے، السدی نے کہا ہے: ''عاد'' اہل یمن کی ایک قوم تھی، پس حضرت ہود علیہ السلام ان کے پاس آئے اور ان کو ایمان کی دعوت دی، ان کو نصیحت کی تو انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب کی۔ کہا جاتا ہے کہ ''عاد'' ایک بادشاہ کا نام ہے جس کی طرف تمام قوم منسوب تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ''عاد'' بستی کا نام ہے۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۵۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابو محمد عبد الحق بن عطیہ الاندلسی المتوفی ۵۴۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ہود علیہ السلام کی قبر حضر موت کے ریت کے ٹیلوں میں سرخ ٹیلے کے پاس ہے۔

(المحرر الوجیز ص ۷۱۷، دار ابن حزم، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

عثمان بن ابی العاتکہ بیان کرتے ہیں: مسجد دمشق کے قبلہ کی جانب حضرت ہود نبی علیہ السلام کی قبر ہے۔

اور ابن سابط نے کہا کہ مقام ابراہیم اور حجر اسود اور زمزم کے درمیان اناسی (۷۹) انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں اور حضرت ہود، حضرت شعیب، حضرت صالح اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کی قبریں بھی اسی جگہ ہیں۔ (اور دوسرا قول درج ذیل ہے:)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضر موت کے ایک مرد سے کہا: کیا تم نے حضر موت میں ایک سرخ ٹیلہ دیکھا ہے جس میں ریت کے ساتھ سرخ مٹی ملی ہوئی ہے، وہاں پر پیلو کے اور بیری کے بکثرت درخت ہیں وہ حضر موت سے اتنے اتنے فاصلہ پر ہے کیا تم نے اس جگہ کو دیکھا ہے؟ اس شخص نے کہا: ہاں لیکن مجھے یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہاں پر حضرت ہود صلوات اللہ علیہم السلام کی قبر ہے اور ان کے سرہانے ایک درخت ہے یا وہ کیکر کا درخت ہے یا بیری کا درخت ہے۔

امام اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروہ بیان کرتے ہیں: صرف تین انبیاء علیہم السلام کی قبریں معلوم ہیں: (۱) حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر، وہ میزاب رحمت اور حجر اسود کے درمیان ہے۔ (۲) حضرت ہود علیہ السلام کی قبر، وہ یمن کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کے نیچے ٹیلے میں ہے اور اس کے سرہانے ایک درخت ہے اور اس سرزمین میں سب سے زیادہ خیر ہے۔ (۳) سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

قبر مبارک ہے، یہ تمام قبریں برحق ہیں۔ایک قول یہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام کی عمر ایک سو پچاس (۱۵۰) سال تھی۔

(تاریخ دمشق الکبیر جزو ۶۷ ص ۱۲۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ علاؤ الدین علی بن محمد البغدادی الشہیر بالخازن المتوفی ۷۲۵ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر حضر موت میں سرخ ٹیلے کے پاس ہے۔

(تفسیر الخازن ج ۲ ص ۲۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۰ء)

حافظ ابو الفداء اسماعیل ابن کثیر القرشی الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق نے روایت کی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضر موت کے ایک مرد سے پوچھا: کیا تم نے وہ سرخ ٹیلہ دیکھا ہے جس کے ساتھ سرخ مٹی ملی ہوئی ہے، وہاں پیلو کے اور بیری کے بکثرت درخت ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں اے امیر المومنین! اس شخص نے پوچھا: اے امیر المومنین! آپ اس ٹیلے کے متعلق کیوں پوچھتے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ٹیلے میں حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۷۵۸، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام کس جگہ فوت ہوئے، ایک قول یہ ہے کہ حضر موت کے شہر میں درختوں کی سرزمین میں فوت ہوئے اور وہاں ان کی قبر ظاہر ہے، اس کا امام محمد بن سعد نے الطبقات میں ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۳۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ محمد علی بن علی بن محمد الشوکانی المتوفی ۱۲۵۰ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ہود علیہ السلام کی قبر حضر موت میں سرخ ٹیلے کے پاس ہے، اس قبر کے سرہانے بیری کا درخت ہے، امام ابن عساکر نے از عثمان بن ابی العاتکہ لکھا ہے کہ مسجد دمشق کے سامنے حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے۔ ابو الشیخ نے از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام کی عمر چار سو بہتر (۴۷۲) سال تھی۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۳۱۰، دار الوفاء، ۱۴۱۸ھ)

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی متوفی ۱۳۸۹ھ/۱۹۷۰ء لکھتے ہیں:

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک اثر منقول ہے کہ ان کی قبر حضر موت میں کثیب احمر (سرخ ٹیلہ) پر ہے اور ان کے سرہانے جھاؤ کا درخت ہے۔ اور اہلِ فلسطین کا دعویٰ ہے کہ وہ فلسطین میں دفن ہیں اور انہوں نے وہاں ان کی قبر بھی بنا رکھی ہے اور اس کا سالانہ عرس بھی کرتے ہیں۔ (قصص القرآن ج ۱ ص ۱۱۹، دار الاشاعت، کراچی، جنوری ۱۹۷۲ء)

شیخ عبد الماجد دریا بادی متوفی ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء لکھتے ہیں:

حضرت ہود علیہ السلام سامی نسل کے قدیم ترین پیمبروں میں سے ہوئے ہیں۔ عرب آپ سے خوب واقف تھے، جنوبی عرب میں آج بھی قبر نبی ہود علیہ السلام کے نام سے ایک مقام مرجع خلائق و زیارت گاہ ہے جس کا ذکر انگریزی سیاح بھی برابر کرتے ہیں۔

(تفسیر ماجدی ص ۳۰۷، پاک کمپنی اردو بازار، لاہور)

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ آپ ہی کا نام توریت (کتابِ پیدائش) میں عبر کر کے آیا ہے۔ عاد ایک قدیم عرب قوم کا نام ہے

جو جنوبی عرب میں آباد تھی اور اس کے حدود مشرق میں خلیج فارس کے شمال سے مغرب میں بحر قلزم کے جنوب تک وسیع تھے۔ گویا آج کے یمن، عمان وغیرہ سب اس میں شامل تھے۔ اور ان کا پایہ تخت یمنی شہر حضر موت تھا۔ قوم کا نام اپنے مورثِ اعلیٰ کے نام پر ہے اور ان کا مشہور نسب نامہ یہ ہے: عاد بن عوص بن ارم بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح۔ اپنے زمانہ کی متمدن ترین قوم تھی۔ اپنے لمبے لمبے سفروں کے لیے ضرب المثل۔ ''اَخَاهُمْ'': اخ سے مقصود ہے اشتراک وطنیت یا اشتراک قومیت کا اظہار۔ یہ ایک عام سنت الٰہی رہی ہے کہ قوم کی ہدایت کے لیے پیمبر اسی کا ہم قوم و ہم وطن بھیجا جاتا تھا۔ اور ہود بن عبداللہ بن رباح بن الجلود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح، ان کو اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد کی طرف نبی بنا کر بھیجا اور وہ قومِ عاد میں حسب اور نسب کے اعتبار سے سب سے افضل تھے۔ اور عاد ایک قبیلے کا نام ہے، حضرت ہود اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان سات آباء ہیں اور روایت ہے کہ قومِ عاد ۱۳ قبیلوں پر مشتمل تھی، وہ ریت کے ٹیلوں میں رہتے تھے، وہ باغات اور کھیتوں والے تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ حضر موت سے یمن تک کے اطراف میں رہتے تھے اور وہ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اُن کو تبلیغ فرمائی۔

(تفسیر ماجدی ص ۳۰۷، پاک کمپنی اردو بازار، لاہور، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جزء ۷ ص ۲۱۰۔ ۲۱۱، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حضرت ہود علیہ السلام کی قبر کا عکس

ہم نے انٹرنیٹ کی مختلف ویب سائٹس سے حضرت ہود علیہ السلام کے مزار کے متعلق ریسرچ کی تو ایک مستند ویب سائٹ Islamic supreme council.com سے حضرت ہود علیہ السلام کی قبر مبارک کا عکس پیش کر رہے ہیں جو کہ کرک، جورڈان (اردن) میں واقع ہے۔

According to some traditions, Prophet Hud (Peace be upon him) was buried here. This Mazar is located Karak, jordan

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء لکھتے ہیں:

ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ عاد کا علاقہ عُمان سے یمن تک پھیلا ہوا ہے اور قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ ان کا اصل وطن الاحقاف تھا، جہاں سے نکل کر وہ گردوپیش کے ممالک میں پھیلے اور کمزور قوموں پر چھا گئے۔ آج کے زمانے تک بھی جنوبی عرب کے باشندوں میں یہی بات مشہور ہے کہ عاد اسی علاقے میں آباد تھے۔ موجودہ شہر مُکَلّا سے تقریباً ۱۲۵ میل کے فاصلے پر شمال کی جانب حضرَ موت میں ایک مقام ہے جہاں لوگوں نے حضرت ہود کا مزار بنا رکھا ہے اور وہ قبرِ ہود کے نام ہی سے مشہور ہے۔ ہر سال ۱۵ شعبان کو وہاں عرس ہوتا ہے اور عرب کے مختلف حصوں سے ہزاروں آدمی وہاں جمع ہوتے ہیں۔ یہ قبر اگرچہ تاریخی طور پر ثابت نہیں ہے، لیکن اس کا وہاں بنایا جانا اور اور جنوبی عرب کے لوگوں کا کثرت سے اس کی طرف رجوع کرنا کم از کم اس بات کا ثبوت ضرور ہے کہ مقامی روایات اسی علاقے کو قومِ عاد کا علاقہ قرار دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ حضرَ موت میں متعدد خرابے (ruins) ایسے ہیں

جن کو مقامی باشندے آج تک دارِ عاد کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

(تفہیم القرآن، ج ۲ ص ۶۱۵، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، مئی ۲۰۱۲ء)

اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ میں مذکور ہے:

حضرت ہود علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک سو پچاس (۱۵۰) سال تک زندہ رہے۔ان کی قبر کے متعلق یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے، مختلف مقامات پر اس کی موجودگی بیان کی جاتی ہے، ایک قبر ہود 'بئر برہوت' سے کچھ ہی فاصلے پر ہے۔ابن بطوطہ (مطبوعہ پیرس، ۱:۲۰۵، ۳۰۵:۲، ۲۰۳) نے لکھا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام کی قبر دمشق کی جامع مسجد میں ہے، ایک اور روایت کی رو سے وہ خانہ کعبہ کے پاس دیگر اٹھانوے (۹۸) پیغمبروں کی قبور کے ساتھ ہے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، زیر اہتمام: دانش گاہ پنجاب، لاہور، ج ۲۳ ص ۲۲۹، ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء)

صالحین کے عرس کی تحقیق

میں کہتا ہوں: سید ابوالاعلیٰ مودودی کے اس اقتباس سے جہاں الاحقاف کی تاریخی حیثیت پر روشنی پڑتی ہے، وہاں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ نبیوں اور مقدس اور برگزیدہ بندوں کا عرس منانا صرف اہل سنت بریلی مکتبہ فکر کی اختراع نہیں ہے بلکہ دنیا کے ہر خطہ میں مسلمان بزرگوں کا عرس مناتے ہیں۔عرس کی معنوی اصل یہ ہے:

امام محمد بن عمر الواقد متوفی ۲۰۷ھ بیان کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شہداء احد کی قبروں کی زیارت کرتے تھے، جب آپ گھاٹی میں داخل ہوتے تو بہ آواز بلند فرماتے: السلام علیکم! کیونکہ تم نے صبر کیا، پس آخرت کا گھر کیا ہی اچھا ہے! پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہر سال اسی طرح کرتے تھے۔پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہر سال اسی طرح کرتے تھے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔

(کتاب المغازی، ج ۱ ص ۳۱۳، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۴ھ، دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۳۰۸، مطبوعہ بیروت، شرح الصدور ص ۲۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۴ھ، در منثور ج ۴ ص ۵۶۸، مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۷۳ قدیم، رقم الحدیث: ۶۷۴۵ جدید)

مشہور دیوبندی عالم صوفی عبدالحمید سواتی متوفی ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء لکھتے ہیں:

اور دوسری روایت یہ ہے کہ آپ حضر موت میں جا کر فوت ہوئے، یہی روایت زیادہ قرین قیاس ہے، وہیں یمن کے علاقے میں ریت کے ٹیلوں میں آپ کی قبر ہے۔(معالم العرفان فی دروس القرآن، ج ۸ ص ۲۵۴، مکتبہ دروس القرآن، گوجرانوالہ ۲۰۱۳ء)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: بے شک ہم ضرور آپ کو کھلی ہوئی جہالت میں دیکھتے ہیں، اور بے شک ہم آپ کو ضرور جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں O" (الاعراف:٦٦)

"فِیْ سَفَاهَةٍ": یعنی جہالت میں۔"وَ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿٦٦﴾": یعنی آپ کا خود کو اللہ کا رسول کہنا جھوٹ ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ہود نے کہا: اے میری قوم! مجھ میں کوئی جہالت نہیں ہے لیکن میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں O" (الاعراف:٦٧)

"وَلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٦٧﴾": یعنی میں رب العالمین کی طرف سے تمہاری طرف رسول ہوں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور میں تمہاری خیر خواہی کرنے والا امانت دار ہوں O'' (الاعراف: ۶۸)

''اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ'': یعنی آج سے پہلے تم مجھ کو امین قرار دیتے تھے تو اب کیسے تم مجھ پر جھوٹ کی تہمت لگاتے ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد پر نصیحت نازل ہوگئی تاکہ وہ تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈرائے، اور یاد کرو جب نوح کی قوم کے بعد اللہ نے تمہیں اس قوم کا جانشین بنادیا اور تمہارے بدن کی جسامت کو بہت زیادہ بڑھادیا، سو تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم اخروی کامیابی حاصل کرو O'' (الاعراف: ۶۹)

''ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ'': تمہارے رب کی طرف سے پیغام۔ ''عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ'': ایسے مرد پر جس کے حسب ونسب کو تم پہچانتے ہو۔ ''لِیُنْذِرَكُمْ'': تاکہ وہ تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈرائے۔ ''وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ'': یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے ہلاک ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین میں ان کا جانشین بنادیا۔ ''وَّ زَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً'': اور تم کو طویل جسامت دے کر دوسروں پر فضیلت عطا فرمائی۔

قوم عاد کی طویل جسامت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ قوم عاد میں سے لمبے قد کا آدمی سو ذراع (پچاس انگریزی گز) اور چھوٹے قد کا آدمی ساٹھ ذراع (تیس انگریزی گز) کا تھا۔ اور الکلبی کی روایت ہے کہ ان میں سے لمبے قد کا آدمی ایک سو بیس ذراع کا تھا اور چھوٹے قد کا آدمی اسّی (۸۰) ذراع کا تھا۔ قتادہ نے بیان کیا ہے کہ اُن میں سے ہر مرد کا قد بارہ (۱۲) ذراع (چھ انگریزی گز) تھا۔ جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۪ۙ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۪ۙ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ O --- (الفجر: ۶ ـ ۸)'' (اے رسولِ اکرم! کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قومِ عاد کے ساتھ کیسا معاملہ فرمایا O اِرَم کے لوگ ستونوں کی طرح لمبے قد والے O جن کی مثل شہروں میں کوئی پیدا نہیں فرمایا گیا تھا O)۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۰۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک انبیاء علیہم السلام کے درمیان زمانوں کا فاصلہ

کہا جاتا ہے کہ حضرتِ نوح علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان دس آباء ہیں اور وہ سب مسلمان تھے۔ اور حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے پردادا تھے۔ اور حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان کوئی نبی مرسل نہیں تھا، اور حضرت ادریس علیہ السلام نبی تھے اور اُن کو مخلوق کی طرف دعوت دینے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، اور کہا جاتا ہے کہ اُن پر بیس (۲۰) صحیفے نازل ہوئے اور بہت لوگ اُن پر ایمان لائے۔ اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دو

ہزار چالیس سال کا عرصہ ہے۔ اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ ہے۔ اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد علیہ السلام کے درمیان پانچ سو سال کا عرصہ ہے۔

قوم ''عاد'' پر آندھی کا عذاب نازل کرنے کی کیفیت

اور حضرت ہود علیہ السلام حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان تھے، پس جب انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی تو انہوں نے ان کی تکذیب کی، انہوں نے اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر ایک سخت آندھی بھیجیں گے جو آندھی تم کو ہلاک کر دے گی، سو ان کی قوم نے ان کا مذاق اڑایا اور انہوں نے کہا: کونسی آندھی ہم پر قدرت پائے گی؟ سو اللہ تعالیٰ نے آندھی کے محافظ فرشتے کو حکم دیا کہ ان کی طرف ''الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ۝'' (نامبارک یا منحوس آندھی جو رحمت سے خالی ہو) کو نکالے، جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں ارشاد فرمایا ہے: ''وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ۝ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ۝ (الذاریات: ۴۱-۴۲)'' (اور ''عاد'' میں (بھی عبرت کی نشانیاں ہیں) جب ہم نے ان پر الریح العقیم بھیجی O وہ آندھی جس چیز پر سے بھی گزرتی اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی O)۔ سو وہ آندھی آئی اور اس نے ان کے مردوں کو اور ان کی سواریوں کو ہوا میں اس طرح اڑا دیا جس طرح کتاب کے اوراق اڑتے ہیں، سو اُن سب کو ہلاک کر ڈالا، پس ان میں سے کوئی بھی باقی نہ بچا جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ (الاحقاف: ۲۴-۲۶)'' (پھر جب ''عاد'' نے اس (آندھی) کو بادل کی طرح اپنی وادیوں میں آتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا، (نہیں) بلکہ یہ تو وہ (عذاب) ہے جس کو تم نے عجلت سے طلب کیا ہے، وہ ایک سخت آندھی تھی جس میں دردناک عذاب تھا O (وہ آندھی) ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے تہس نہس کر رہی تھی، سو وہ (''عاد'') ایسے حال میں ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا، ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں O اور بے شک ہم نے ''عاد'' کو اُن تمام چیزوں پر قدرت عطا فرمائی تھی جن پر تمہیں قدرت عطا نہیں فرمائی اور ہم نے اُن کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے دل بنائے، سو اُن کے کان اور اُن کی آنکھیں اور اُن کے دل ان کے کسی کام نہ آسکے کیونکہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور اس عذاب نے ان کا احاطہ کر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے O)۔

''الآلاء'' اور ''النعماء'' کا معنی

''فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ'': یعنی تم اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ ''الآلاء'' اور ''النعماء'' میں فرق یہ ہے کہ الآلاء کا معنی ہے نعمتوں کو پہنچانا اور النعماء کا معنی ہے مصائب کو دور کرنا۔ اور اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ الآلاء اور النعماء دونوں مترادف ہیں، یعنی دونوں لفظوں کا معنی واحد ہے۔ ''لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝'': تاکہ تم مصائب سے نجات پاؤ اور اللہ کے عذاب سے محفوظ رہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ہود کی قوم نے کہا: کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور ان کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء و اجداد عبادت کرتے تھے، سو اگر آپ سچے ہیں تو اس عذاب کو لے آئیں جس سے آپ ہمیں ڈراتے ہیں O'' (الاعراف: ۷۰)

''قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ'': قومِ 'عاد' نے کہا: اے ہود! کیا آپ ہمیں یہ حکم دیتے ہیں کہ ہم ربِ واحد کی عبادت کریں؟ ''وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا'': یعنی ہم اُن بتوں کی عبادت کو ترک کر دیں جن کی عبادت ہمارے آباء واجداد کرتے رہے ہیں، حضرت ہود علیہ السلام نے اُن سے فرمایا تھا: اگر تم نے میرے حکم کے مطابق عمل نہیں کیا تو تم پر اللہ کی طرف سے عذاب آئے گا، ''عاد'' نے حضرت ہود علیہ السلام کے جواب میں کہا: ''فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ'': یعنی جس عذاب سے آپ ہمیں ڈرا رہے ہیں، وہ لے آئیں۔ ''اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝'': یعنی اگر آپ اس قول میں سچے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ہود نے کہا: تمہارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب نازل ہو گیا، کیا تم مجھ سے ان ناموں کے متعلق جھگڑا کر رہے ہو جن کے تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نام رکھ لئے ہیں، اللہ نے ان کے متعلق کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، سو تم انتظار کرو، بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں O'' (الاعراف: ۷۱)

''قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ'' یعنی تم پر تمہارے رب کا غضب واجب ہو چکا ہے۔ ''اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ'': یعنی تم لوگ اپنے اور اپنے آباء و اجداد کے قول کو بغیر کسی صحیح دلیل کے حجت قرار دے رہے ہو، حالانکہ تم نے اپنے ہاتھوں سے بتوں کو بنا کر ان کو اپنا معبود قرار دیا ہے۔ ''مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ'': یعنی تمہارے پاس ان بتوں کی عبادت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ ''فَانْتَظِرُوْٓا'': یعنی اب تم ہلاکت کا انتظار کرو۔ ''اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝'': یعنی میں بھی تم پر عذاب نازل ہونے کا انتظار کر رہا ہوں۔ کیونکہ ''عاد'' نے حضرت ہود علیہ السلام کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو ہم نے اپنی رحمت سے ہود کو نجات عطا فرمائی اور ان کو نجات عطا فرمائی جو ان کے ساتھ تھے اور جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی تھی ان کی جڑ کاٹ دی اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے O'' (الاعراف: ۷۲)

''فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا'': یعنی ہم نے اپنی رحمت سے حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کو 'عاد' کے ہلاک کرنے سے نجات عطا فرما دی۔ ''وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا'': اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ ''وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝'': یعنی جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک فرمایا ہے، ان میں سے کوئی بھی ایمان لانے والا نہیں تھا۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۵۵۰۔۵۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے (وطنی) بھائی صالح کو مبعوث فرمایا، انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، ان کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے، بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن نشانی آچکی ہے، وہ اللہ کی پسندیدہ اونٹنی ہے جو تمہارے لیے (اللہ کی طرف سے) نشانی ہے، سو اس کو چھوڑے رکھو وہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے، اور اس کو برے ارادے سے نہ چھونا ورنہ تم کو دردناک عذاب اپنی گرفت میں لے لے گا O

وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۷۴﴾

اور یاد کرو جب اللہ نے قوم "عاد" کے بعد تم کو ان کا جانشین بنایا اور تمہیں زمین میں ٹھکانا دیا، تم اس کی نرم جگہ میں محلات بنا رہے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بنا رہے ہو، سو تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں دہشت گردی نہ کرو O

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾

(صالح کی قوم کے) متکبر سرداروں نے اُن مسلمانوں سے کہا جو پسماندہ تھے: کیا تم کو یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے فرستادہ ہیں؟ اُن مسلمانوں نے کہا: صالح اللہ کے پاس سے جو پیغام لے کر آئے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں O

قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾

اُن متکبرین نے کہا: جس پر تم ایمان لائے ہو ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں O

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَ عَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَ قَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۷۷﴾

پس انہوں نے اونٹنی کو کاٹ ڈالا اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور انہوں نے کہا: اے صالح! اگر تم واقعی رسولوں میں سے ہو تو

وہ عذاب لے کر آؤ جس سے تم ہمیں ڈرا رہے تھے O

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۷۸﴾

سو اُن کو ایک زلزلے نے گرفت میں لے لیا، پس صبح کو (وہ ہلاک ہو کر) اپنے گھروں میں اوندھے مونہہ پڑے رہ گئے O

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۷۹﴾

پس صالح نے اُن سے مونہہ پھیر لیا اور کہا: اے میری قوم! بے شک میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا چکا ہوں اور تم کو نصیحت کر چکا ہوں لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے O

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۰﴾

اور ہم نے لوط کو بھیجا، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جیسی بے حیائی کے کام کو تم سے پہلے تمام جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا O

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾

بے شک تم عورتوں کے بجائے مردوں کے پاس نفسانی خواہش پوری کرنے کے لیے آتے ہو، بلکہ تم (حیوانوں کی) حد سے بھی تجاوز کرنے والے ہو O

وَ مَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْیَتِكُمْۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور ان کی قوم نے ان کو صرف یہی جواب دیا کہ انہوں نے کہا: لوط اور اس کے پیروکاروں کو اپنی بستی سے نکال دو، بے شک یہ لوگ بہت پاک باز بنتے ہیں O

فَاَنْجَیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ﳲ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۸۳﴾

سو ہم نے لوط کو اور ان کے گھر والوں کو نجات عطا فرمائی سوا اُن کی اس بیوی کے جو عذاب میں باقی رہنے والوں میں سے تھی O

وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًاؕ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ۠ ﴿۸۴﴾

اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسائی، سو (اے مسلمانو!) دیکھو مجرموں کا کیسا انجام ہوا! O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے قومِ ثمود کی طرف ان کے (وطنی) بھائی صالح کو مبعوث فرمایا، انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، ان کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے، بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن نشانی آچکی ہے، وہ اللہ کی پسندیدہ اونٹنی ہے جو تمہارے لیے (اللہ کی طرف سے) نشانی ہے، سو اس کو چھوڑے رکھو وہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے، اور اس کو برے ارادے سے نہ چھونا ورنہ تم کو دردناک عذاب اپنی گرفت میں لے لے گاO'' (الاعراف: ۷۳)

امام ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، الاعراف: ۷۳ تا ۸۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قبیلہ ثمود کی وجہ تسمیہ

''وَ اِلٰى ثَمُوْدَ'': اِن کا نام ثمود بن عابر بن اِرَم بن سام بن نوح ہے اور ثمود سے مراد یہاں پر قبیلہ ہے، ابوعمرو بن العلاء نے کہا: اس قبیلے کا نام ثمود اس لئے رکھا گیا کہ وہاں پانی بہت کم تھا اور الثمد کا معنی ہے: کم پانی، ان کے گھر حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ میں پتھروں کے بنے ہوئے تھے۔ ''اَخَاهُمْ صٰلِحًا'': یعنی ہم نے ثمود کی طرف اُن کے نسبی بھائی کو بھیجا نہ کہ دینی بھائی کو، اور اُن کا نام صالح بن عُبید بن آسف بن ماسح بن عبید بن خادر بن ثمود ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ اور ان کی قوم ثمود کی ہلاکت کا بیان

''قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ'': یعنی تمہارے رب کی طرف سے حضرت صالح کے صدق پر اللہ کی یہ اونٹنی ہے۔ ''هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ'': اونٹنی کی اضافت اللہ عزوجل کی طرف تفضیل اور تخصیص کے لئے ہے جیسے کہا جاتا ہے بیت اللہ۔ ''لَكُمْ اٰيَةً'': اس حال میں کہ وہ تمہارے لئے ایک نشانی ہے۔ ''فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ'': تم اس کو میدانوں میں چھوڑ دو تاکہ وہ چرتی پھرے۔ ''وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ'': یعنی اس کو کاٹ نہ دینا۔

''فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝'': ورنہ تم پر دردناک عذاب آئے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور یاد کرو جب اللہ نے قومِ ''عاد'' کے بعد تم کو ان کا جانشین بنایا اور تمہیں زمین میں ٹھکانا دیا، تم اس کی نرم جگہ میں محلات بنا رہے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بنا رہے ہو، سو تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں دہشت گردی نہ کروO'' (الاعراف: ۷۴)

''وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ'': یعنی تم کو زمین میں ایک جگہ ٹھہرا دیا۔

''تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا'': قومِ ثمود پہاڑوں میں سوراخ کر کے گھر بناتی تھی، پس وہ گرمیوں میں مٹی کے گھروں میں رہتے تھے اور سردیوں میں پہاڑوں کے اندر بنائے ہوئے گھروں میں رہتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے کیونکہ مٹی سے بنائے ہوئے گھر زیادہ عرصہ نہیں چلتے تھے اور ان کی عمریں لمبی ہوتی تھیں۔

''فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝'': العیث کا معنی ہے: بہت زیادہ فساد کرنا اور دہشت گردی کرنا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(صالح کی قوم کے) متکبر سرداروں نے اُن مسلمانوں سے کہا جو پسماندہ تھے: کیا تم کو یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے فرستادہ ہیں؟ اُن مسلمانوں نے کہا: صالح اللہ کے پاس سے جو پیغام لے کر آئے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں O'' (الاعراف: ۷۵)

''قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ'': قومِ ثمود کے سرداروں نے اُن مسلمانوں سے کہا جن کو وہ کمزور سمجھتے تھے: ''اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝'' کیا تم کو یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے مبعوث رسول ہیں؟ مسلمانوں نے کہا: وہ جو پیغام لے کر آئے ہیں ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُن متکبرین نے کہا: جس پر تم ایمان لائے ہو ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں O'' (الاعراف: ۷۶)

''قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِيْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝'': یعنی ہم صالح کے رسول ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس انہوں نے اونٹنی کو کاٹ ڈالا اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور انہوں نے کہا: اے صالح! اگر تم واقعی رسولوں میں سے ہو تو وہ عذاب لے کر آؤ جس سے تم ہمیں ڈرا رہے تھے O'' (الاعراف: ۷۷)

''فَعَقَرُوا النَّاقَةَ'': امام اسماعیل بن حماد الجوہری المتوفی ۳۹۸ھ لکھتے ہیں:

''العقر'' کا معنی ہے: جانور کی ایڑی کے پیچھے اس کی ٹانگ کا سخت پٹھا۔ (معجم الصحاح ص ۷۹۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

کیونکہ نحر کرنے والا پہلے اونٹ کی کونچیں کاٹتا ہے، پھر اس کو نحر کرتا ہے۔

یعنی اُن لوگوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ ''وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ'': کیونکہ انہوں نے اس اونٹنی کے متعلق اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی اور اپنے نبی کی تکذیب کی۔ ''وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝'': یعنی اے صالح! آپ ہم کو جس عذاب سے ڈراتے تھے وہ عذاب لے آئیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو اُن کو ایک زلزلے نے گرفت میں لے لیا، پس صبح کو (وہ ہلاک ہو کر) اپنے گھروں میں اوندھے مونہہ پڑے رہ گئے O'' (الاعراف: ۷۸)

''فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ'': الرجفة کا معنی ہے: زمین میں زلزلے کا آنا۔ اور قومِ ثمود کو ایک زبردست چنگھاڑ سے ہلاک کر دیا گیا تھا۔ ''فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝'': وہ اپنے گھروں میں مونہہ کے بل پڑے ہوئے ہلاک کر دیئے گئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس صالح نے اُن سے مونہہ پھیر لیا اور کہا: اے میری قوم! بے شک میں تمہیں

اپنے رب کا پیغام پہنچا چکا ہوں اور تم کو نصیحت کر چکا ہوں لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے O‘‘ (الاعراف: ۷۹)

حضرت صالح علیہ السلام کا اپنی قوم کے مُردوں سے بات کرنا اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی قوم کے مُردوں سے بات کرنا

’’فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۞‘‘:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے اُن کے زلزلے سے ہلاک ہونے کے بعد کیسے اُن سے یہ فرمایا کہ میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا چکا ہوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے کنویں میں پڑے ہوئے مُردوں سے خطاب فرمایا تھا اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام نے ثمود کی ہلاکت کے بعد اُن سے خطاب فرمایا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ از حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے دن صنادیدِ قریش میں سے چوبیس (۲۴) مُردوں کے متعلق حکم فرمایا کہ ان کو اندھے اور گندے کنویں میں پھینک دیا جائے، حتیٰ کہ آپ اس کنویں کی منڈیر پر آکر کھڑے ہوگئے، پھر آپ کفارِ قریش کو ان کے اور اُن کے باپوں کا نام لے کر ندا فرمانے لگے، (آپ فرما رہے تھے:) اے فلاں بن فلاں! اور اے فلاں بن فلاں! کیا تمہارے لئے یہ بات خوش گوار نہ تھی کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے! کیونکہ بے شک ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ فرمایا تھا، ہم نے اس کو برحق پالیا، تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا، آیا تم نے اس کو برحق پایا۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ ایسے اجسام سے باتیں کر رہے ہیں جن میں جانیں نہیں ہیں، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! جو کچھ میں ان سے کہہ رہا ہوں، تم اس کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرما دیا تھا حتیٰ کہ ان کو آپ کی بات سنا دی، یہ سنانا ان کو جھڑکنے، ان کو ذلیل وخوار کرنے، ان کو سزا دینے اور ان کی حسرت اور نامرادی کے لیے تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۹۷۶، صحیح مسلم: ۲۸۷۳، ۲۸۷۵، مسند ابو یعلی: ۱۴۳۱، سنن نسائی: ج ۴ ص ۱۰۹، مسند احمد: ۱۶۳۵۶، المعجم الکبیر للطبرانی: ۴۷۰۱، ۴۷۰۲، مختصر ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۳۵۳، الاحاد والمثانی لابن ابی عاصم: ۱۸۹۰، ۱۸۹۱، ۱۸۹۲، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے اُن مُردوں سے اس لئے خطاب فرمایا تا کہ اُن کے بعد کے لوگوں کو نصیحت اور عبرت حاصل ہو، دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس آیت میں تقدیم اور تاخیر ہے، اصل میں یوں ہے: ’’فتولی عنهم وقال يقوم لقد ابلغتك رسالة ربی فاخذتهم الرجفة‘‘ یعنی پس حضرت صالح علیہ السلام اُن سے مونہہ موڑ کر چلے گئے اور کہا: اے میری قوم! بے شک میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا چکا ہوں، سو اُن کو ایک زلزلے نے اپنی گرفت میں لے لیا۔

قومِ ثمود کی ہلاکت کا قصہ

امام محمد بن اسحاق اور وہب بن منبہ وغیرہما نے بیان کیا ہے کہ جب قومِ ’’عاد‘‘ ہلاک ہوگئی اور اُن کا قصہ پارینہ ہوگیا تو اُن کے

بعد اس زمین پر قوم ثمود آباد ہوئی حتیٰ کہ وہ لوگ وہاں گھر بنانے لگے، وہ مٹی کا گھر بناتے تھے تو وہ منہدم ہو جاتا تھا، لہٰذا انہوں نے ارادہ کیا کہ پہاڑوں کو تراش کر اس میں مضبوط گھر بنائیں، اُن کی معاشی حالت بہت بہتر تھی، پھر انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی، زمین میں فساد اور دہشت گردی کو پھیلایا اور غیر اللہ کی عبادت کی، تب اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا، حضرت صالح علیہ السلام ان ہی کی قوم میں سے تھے اور اُن سب میں باعتبار حسب ونسب سب سے افضل تھے۔

جب حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بہت زیادہ تبلیغ فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے پر اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ کوئی ایسی نشانی دکھلائیں جو حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت کی تصدیق کرے، حضرت صالح علیہ السلام نے اُن سے پوچھا: تم کیسی نشانی چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا: کل آپ ہمارے ساتھ باہر نکلیں، کل ہماری عید کا دن ہے اور وہ سال کے معین دن میں عید مناتے تھے اور اس دن اپنے بتوں کو نکالتے تھے، انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا: آپ اپنے خدا سے دعا کریں اور ہم اپنے بتوں سے دعا کریں گے، اگر آپ کی دعا قبول ہوگئی تو ہم آپ کی پیروی کریں گے اور اگر ہماری دعا قبول ہوئی تو پھر آپ کو ہماری پیروی کرنا ہوگی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: ٹھیک ہے، پھر وہ اپنے بتوں کو نکال کر عید کے دن نکلے، حضرت صالح علیہ السلام بھی ان کے ساتھ باہر گئے، انہوں نے اپنے بتوں سے دعا کی اور یہ کہا کہ صالح جو بھی دعا کریں، ان کی دعا قبول نہ کی جائے۔

پھر جندع بن عمرو بن حراش جو ثمود کا سردار تھا، اس نے کہا: اے صالح! ہمارے لیے اس چٹان سے کوئی اونٹنی نکالیں، اگر آپ نے چٹان سے اونٹنی نکال دی تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے اور آپ پر ایمان لے آئیں گے، سو حضرت صالح علیہ السلام نے اُن سے پکے پکے عہد اور میثاق لیے کہ اگر میں نے ایسا کر دیا تو تم ضرور میری تصدیق کرو گے اور مجھ پر ایمان لاؤ گے، انہوں نے کہا: ہاں! پھر حضرت صالح علیہ السلام نے دو رکعت نماز پڑھی اور اپنے رب سے دعا کی، پھر وہ چٹان پھٹ گئی اور اس میں سے ایک اونٹنی اپنے بچہ کے ساتھ نکلی، پس جندع بن عمرو اور اس کی قوم کے لوگ حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور ثمود کے سرداروں نے بھی ایمان لانے کا ارادہ کیا۔ تب ذؤاب بن عمرو بن لبید نے ان کو منع کیا اور اُن کے بتوں کے محافظ الحباب نے بھی منع کیا جو ثمود کے سرداروں کا کاہن تھا، پس جب اونٹنی نکل آئی تو حضرت صالح علیہ السلام نے کہا: یہ اللہ کی معزز اونٹنی ہے، ایک دن یہ گھاٹ سے پانی پیئے گی اور ایک دن تم پیو گے۔ پس وہ اونٹنی ٹھہری رہی اور درختوں کو چرتی اور پانی پیتی، اور ایک دن چھوڑ کر وہ پانی کے گھاٹ پر وارد ہوتی اور اس دن وہ اس گھاٹ کا سارا پانی پی لیتی ایک قطرہ بھی نہ چھوڑتی، پھر اپنا سر اٹھاتی اور چرنے کے لیے نکل جاتی حتیٰ کہ اگلے دن ثمود آتے اور جتنا چاہتے پانی پیتے اور جتنا چاہتے اونٹنی کی باری کے دن کے لیے چھوڑ دیتے، حتیٰ کہ سردیوں کے دنوں میں اُن کے مویشیوں کے لیے پانی نہیں بچتا تھا اور یہ چیز اُن پر گراں گزری اور اس وجہ سے انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کا ارادہ کیا۔

اُن کی دو عورتیں حضرت صالح سے بہت زیادہ عداوت رکھتی تھیں، ان دو عورتوں میں سے ایک کا نام عنیزہ بنت غنم بن مجلز تھا، اس کی کنیت ام غنم تھی اور وہ ذؤاب بن عمرو کی بیوی تھی اور وہ بوڑھی عورت تھی، اور اس کی خوبصورت اور مال دار بیٹیاں تھیں اور دوسری عورت کا نام صدوق بن المحیا تھا اور وہ بہت خوبصورت مال دار عورت تھی، اس کے بہت مویشی تھے اور وہ تمام لوگوں سے زیادہ حضرت صالح علیہ السلام سے عداوت رکھتی تھی، اور وہ دونوں عورتیں یہ چاہتی تھیں کہ اونٹنی کو کاٹ ڈالا جائے جس کی وجہ سے اُن کے مویشیوں کے لیے پانی نہیں بچتا تھا۔ سو انہوں نے ثمود میں سے الحباب نامی ایک شخص کو بلایا اور اس کو یہ پیشکش کی کہ وہ اُن سے اپنی خواہش پوری

کر لے، بشرطیکہ وہ اونٹنی کو کاٹ ڈالے، اس نے انکار کیا تو انہوں نے اپنے عم زاد کو بلایا جس کا نام مصدع بن مہرج بن الحیاء تھا اور اس کو بھی یہ پیش کش کی کہ وہ ان کے ساتھ اپنی خواہش پوری کر لے اور اس کے عوض میں اس اونٹنی کو کاٹ ڈالے، اور وہ عورت ان سب سے زیادہ حسین تھی اور سب سے زیادہ مال دار تھی تو مصدع بن مہرج نے اُن کی بات مان لی۔ اور عُنیزہ بنت غنم نے قدار بن سالف کو دعوت دی، وہ ایک سرخ رنگ کا نیلی آنکھوں والا پستہ قامت مرد تھا، اور ان کا گمان تھا کہ وہ وَلَدُ الزنا تھا، عنیزہ نے کہا: تم میری بیٹیوں میں سے جس کو بھی طلب کرو گے میں وہ تمہیں دے دوں گی بشرطیکہ تم اس اونٹنی کو کاٹ ڈالو، اور قدار اپنی قوم میں معزز سردار تھا۔

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ خطبہ دے رہے تھے اور آپ نے اس اونٹنی کو اور اس کے کاٹے جانے کا ذکر فرمایا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: "اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۚ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝ ۔ (الشمس: ١٢۔١٤)" (جب قومِ ثمود میں سے بدترین بدبخت اٹھا O پس اللہ کے رسول صالح نے ان سے کہا: خبردار! اللہ کی اونٹنی کو ہاتھ نہ لگانا اور اس کے پانی پینے کی باری کو بند نہ کرنا O سو انہوں نے صالح رسول کی تکذیب کی، پھر اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو ان کے رب نے ان کے اس گناہ کی وجہ سے ان کو ہلاک کر کے ان کی بستی کو ہموار فرما دیا O)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس اونٹنی کو کاٹنے کے لیے عزیز عارم کھڑا ہوا جو اپنی قوم میں ابوزمعہ کی مثل سردار تھا۔

(صحیح البخاری: ٤٩٤٢، ٣٣٧٧، صحیح مسلم: ٢٨٥٥، سنن ترمذی: ٣٣٤٣، السنن الکبریٰ للنسائی: ١١٦٧٥، سنن دارمی ج ٢ ص ١٤٧، صحیح ابن حبان: ٥٧٩٤، مسند احمد: ١٥٧٩٠)

مورخین نے کہا ہے: پس قِدار بن سالف اور مصدع بن مہرج دونوں گئے اور انہوں نے قوم ثمود کے سرکش لوگوں میں سے سات لوگوں کو اکٹھا کیا اور قوم ثمود کے نو قبیلے تھے، پس قِدار اور مصدع اور ان کے اصحاب گئے اور جس دن اس اونٹنی نے پانی پینا تھا انہوں نے اس چٹان کے راستے میں گھات لگائی اور اس اونٹنی کی تاک میں بیٹھے، وہ اونٹنی مصدع کے پاس سے گزری، اس نے اس کی پنڈلی کے پٹھے میں تیر مارا اور عنیزہ کی بیٹی جو بہت مال دار اور بہت حسین تھی، اس نے اپنی ماں کے حکم سے اپنے آپ کو قِدار کے سامنے پیش کر دیا، پس قِدار نے اس اونٹنی پر تلوار ماری اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں، وہ اونٹنی گر گئی اور زور سے چلائی اور یوں قدار نے اس اونٹنی کو مار ڈالا۔

پھر شہر کے لوگ آئے اور انہوں نے اس اونٹنی کے گوشت کو آپس میں تقسیم کر لیا اور اس کو پکایا، جب اونٹنی کے بچے نے یہ منظر دیکھا تو وہ پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا، ایک قول یہ ہے کہ قارۃ نامی ایک شخص حضرت صالح علیہ السلام کے پاس آیا اور اُن سے کہا کہ اس اونٹنی کو کاٹ ڈالا گیا، پس حضرت صالح علیہ السلام آئے اور لوگ آ کر آپ سے ملے اور آپ کے سامنے عذر پیش کیا اور کہا: اے اللہ کے نبی! فلاں شخص نے اس اونٹنی کو کاٹ ڈالا ہے، ہمارا کوئی گناہ نہیں ہے، تب حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: اس اونٹنی کے بچے کو تلاش کرو، اگر تم نے اس کو پا لیا تو تم سے اللہ کا عذاب اٹھا لیا جائے گا۔

پس وہ لوگ اس اونٹنی کے بچے کو تلاش کرنے کے لیے نکلے، جب انہوں نے اس اونٹنی کے بچے کو پہاڑ پر دیکھا تو اس کو پکڑنے کے لیے گئے، پس اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کی طرف وحی فرمائی تو وہ آسمان کی طرف اتنا بلند ہو گیا جتنی بلندی پر پرندے بھی نہیں جا سکتے،

جب اونٹنی کے بچے نے حضرت صالح علیہ السلام کو دیکھا تو وہ رویا اور اس کے آنسو بہتے رہے اور چٹان اس کے آنسوؤں سے بھر گئی، پھر حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: ہر ایک کی ایک مدت ہوتی ہے جس مدت میں وہ فائدہ حاصل کرتا ہے، تم لوگ اپنے گھروں میں تین دن تک آرام سے رہو گے۔

جن نو (۹) آدمیوں نے اونٹنی کو کاٹا تھا انہوں نے آپس میں یہ سازش کی کہ ہم حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کر دیں، اگر حضرت صالح علیہ السلام سچے ہیں تو اس عذاب کے آنے سے پہلے ہم حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کر دیں گے اور اگر وہ جھوٹے ہیں تو ہم حضرت صالح علیہ السلام کو اس کی اونٹنی کے ساتھ ملا چکے ہیں۔ پس انہوں نے رات کو حضرت صالح علیہ السلام کے گھر میں شب خون مارا، سو فرشتوں نے اُن پر پتھروں کی بارش کی، پھر جب وہ اپنے اصحاب کے پاس نہ پہنچ سکے تو لوگ اپنے اصحاب کو ڈھونڈنے کے لیے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر گئے، وہاں دیکھا کہ ان کے اصحاب پتھروں کے مارے جانے سے مُردہ پڑے تھے، لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا: آپ نے ان کو قتل کیا ہے؟ پھر وہ حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے بڑھے تو حضرت صالح علیہ السلام کے اصحاب نے کہا: تم ان کو کبھی قتل نہیں کر سکو گے کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام نے وعدہ کیا ہے کہ تین دن بعد تم پر عذاب آئے گا، اگر وہ سچے ہیں تو تمہارا رب اس اقدام سے تم پر زیادہ ناراض ہوگا اور اگر وہ جھوٹے ہیں تو تم اپنا ارادہ پورا کرو۔ سو لوگ اس رات واپس چلے گئے، پھر جمعرات کا دن انہوں نے خوف کی حالت میں گزارا اور ان سب کے چہرے زرد ہو گئے، اور ان کے چھوٹوں بڑوں کو یقین ہو گیا کہ ان پر عذاب آئے گا اور انہوں نے جان لیا کہ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے سچ فرمایا تھا۔

پھر وہ حضرت صالح علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لیے گئے تاکہ انہیں قتل کر دیں، حضرت صالح علیہ السلام اُن سے بھاگے حتیٰ کہ وادی ثمود کے درمیان میں پہنچ گئے جس جگہ کو بنو غنم کہا جاتا تھا۔ پھر انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے اصحاب کو زدوکوب کیا تاکہ وہ حضرت صالح علیہ السلام کی طرف رہنمائی کریں، حضرت صالح علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک مرد نے کہا: اے اللہ کے نبی! یہ لوگ ہمیں عذاب میں مبتلا کر رہے ہیں تاکہ ہم آپ کی طرف رہنمائی کریں، کیا ہم ان کو رہنمائی کریں؟ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! سو انہوں نے رہنمائی کر دی، پھر وہ لوگ ابوہدب کے پاس گئے اور ان سے حضرت صالح علیہ السلام کے متعلق پوچھا، انہوں نے کہا: ہاں! میرے پاس حضرت صالح علیہ السلام ہیں اور تم ان تک نہیں پہنچ سکتے، انہیں چھوڑ دو۔

پھر جب دوسرا دن گزر گیا تو ان کے چہرے سرخ ہو گئے جیسے وہ خون میں ڈوبے ہوئے ہوں، پس وہ چلّائے اور روئے، جب شام ہو گئی تو انہوں نے کہا: اب ان تین دنوں میں سے دو دن گزر چکے ہیں، پھر جب تیسرا دن آیا تو ان کے چہرے سیاہ ہو گئے جیسے ان پر تارکول ملا ہوا ہو، پھر وہ سب مل کر چلّائے کہ اب ہم پر عذاب آ گیا ہے، پھر ہفتہ کی رات کو حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے پیروکار شام کی طرف چلے گئے اور فلسطین کے ایک ٹیلے کے پاس ٹھہرے اور صبح کو اُن لوگوں نے کفن پہنا، خوشبو لگائی اور اپنے آپ کو زمین پر گرا دیا اور آنکھیں پھاڑ کر کبھی آسمان کی طرف اور کبھی زمین کی طرف دیکھ رہے تھے کہ کہاں سے عذاب آتا ہے، پھر جب ہفتہ کے دن چاشت کا وقت ہو گیا تو آسمان سے ایک چنگھاڑ کی آواز آئی جس چنگھاڑ میں کڑک تھی، پھر ان میں سے کوئی چھوٹا اور بڑا نہ بچا مگر وہ ہلاک ہو گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝“۔

(تفسیر طبری ج ۱۰ ص ۲۸۶۔ ۲۹۳ ملخصاً وملتقطاً، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر ابن ابی حاتم: ۸۶۶۴، ۸۶۶۵، ۸۶۶۸، معالم التنزیل ج

۲ ص ۲۰۸۔۲۱۰، ملتخصاً وملتقطاً، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غزوۂ تبوک میں وادی الحجر میں پہنچے تو آپ نے صحابہ کو حکم فرمایا کہ اس کے کنویں سے پانی نہ پئیں اور نہ اس سے (اپنے جانوروں کو) پانی پلائیں، صحابہ نے عرض کیا: ہم تو اس کے پانی سے آٹا گوندھ چکے ہیں اور پانی نکال چکے ہیں، تب آپ نے حکم دیا کہ اس آٹے کو پھینک دیں اور اس پانی کو گرادیں۔ سبرہ بن معبد اور ابی شموس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طعام کو پھینکنے کا حکم فرمایا اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے اس پانی سے آٹا گوندھا۔ (صحیح البخاری: ۳۳۷۸، ۳۳۷۹، صحیح مسلم: ۲۹۸۱، الرقم المسلسل: ۷۳۶۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ج۵ ص ۲۳۳۔۲۳۴)

اس حدیث میں مذکور ہے: جب آپ وادیٔ حجر میں پہنچے: اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں ثمود کے مکانات ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: اس پانی کو گرادیں، آپ نے یہ حکم اس لیے فرمایا تھا کہ صحابہ اس پانی کو نہ پئیں ورنہ ان میں بھی قومِ ثمود کی طرح سنگ دلی پیدا ہوجائے گی یا اس سے انہیں کوئی اور ضرر پہنچے گا۔

حضرت صالح علیہ السلام پر تقریباً چار ہزار لوگ ایمان لائے تھے، حضرت صالح علیہ السلام ان لوگوں کو لے کر حضرموت کی طرف تشریف لے گئے، جب وہاں پر پہنچے تو حضرت صالح علیہ السلام کی وفات ہوگئی، اس وجہ سے اس جگہ کا نام حضرَموت پڑ گیا، یعنی حضرت صالح علیہ السلام وہاں حاضر ہوئے اور فوت ہوگئے۔ (میں کہتا ہوں کہ یہ عبارت صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام سے پہلے حضرت ہود علیہ السلام حضرَموت پر پہنچے تھے اور وہیں پر سرخ ٹیلے کے پاس ان کی وفات ہوئی تھی اور وہیں ان کی قبر ہے۔ لہٰذا حضرموت کے نام کی یہ وجہ صحیح نہیں ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام وہاں حاضر ہوئے اور فوت ہوئے۔ سعیدی غفرلہٗ)۔ اور مورخین نے کہا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی پچاسی (۸۵) سال کی عمر میں وفات ہوئی اور وہ اپنی قوم میں بیس (۲۰) سال تبلیغ فرماتے رہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے لوط کو بھیجا، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جیسی بے حیائی کے کام کو تم سے پہلے تمام جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا O'' (الاعراف: ۸۰)

''وَلُوْطًا'': یعنی ہم نے لوط کو بھیجا اور ان کا نام لوط بن ہاران بن تارخ ہے۔ ''اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ'': ان کی قوم سدوم کی رہنے والی تھی، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ سفر کرتے ہوئے سرزمین بابل سے آئے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام مومن تھے اور وہ شام کی طرف ہجرت فرمارہے تھے، پس حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین کے مقام پر ٹھہرے اور حضرت لوط علیہ السلام کے پاس اُردن میں قیام فرمایا۔ تب اللہ عزوجل نے حضرت لوط علیہ السلام کو اہلِ سدوم کی طرف مبعوث فرمایا، پس حضرت لوط علیہ السلام نے اہلِ سدَوم سے کہا: ''اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ'': کیا تم بے حیائی کے کام کرتے ہو، یعنی مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو۔ ''مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۝'': تمام جہانوں میں سے تم سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا۔ عمرو بن دینار نے اس کی تفسیر میں کہا کہ قومِ لوط سے پہلے دنیا میں کوئی مرد کسی مرد پر نہیں چڑھا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک تم عورتوں کے بجائے مردوں کے پاس نفسانی خواہش پوری کرنے کے لیے آتے ہو، بلکہ تم (حیوانوں کی) حد سے بھی تجاوز کرنے والے ہو O'' (الاعراف: ۸۱)

قوم لوط میں بدفعلی اور بے حیائی کی ابتداء

''اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝'': یعنی تم مردوں کی دبر میں دخول کر کے اپنی خواہش پوری کرتے ہو، بلکہ تم حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہو۔

الکلبی نے کہا: حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں جس شخص نے سب سے پہلے یہ عمل کیا وہ ابلیس تھا، وہ ایک نوجوان مرد کی صورت میں آیا پھر اُن میں سے کسی کو دعوت دی کہ وہ اس کی دبر میں دخول کرے، سو اس نے اس کی دبر میں دخول کیا اور اس طرح ان میں یہ بے حیائی پھیل گئی۔ دوسری روایت ہے کہ ابلیس ایک بوڑھے کی شکل میں اُن کے پاس آیا اور کہا: اگر تم نے یہ کام کیا تو تم نجات پا جاؤ گے، ان لوگوں نے انکار کیا، جب اس نے بہت زیادہ اصرار کیا تو انہوں نے ایک خوبصورت لڑکے کو پکڑا اور جبراً اس سے بدفعلی کی۔

حسن بصری نے کہا: وہ صرف مسافروں کے ساتھ جبراً بدفعلی کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کو ان کے اوپر پتھر برسانے کا حکم فرمایا اور زمین کو حکم فرمایا کہ وہ ان کو دھنسا دے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ان کی قوم نے ان کو صرف یہی جواب دیا کہ انہوں نے کہا: لوط اور اس کے پیروکاروں کو اپنی بستی سے نکال دو، بے شک یہ لوگ بہت پاک باز بنتے ہیں O'' (الاعراف: ۸۲)

''وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا'': یعنی انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ''اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ'': یعنی حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کو شہر سے نکال دو۔ ''اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝'': یہ لوگ مردوں کی پشت میں دخول کرنے سے منع کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو ہم نے لوط کو اور ان کے گھر والوں کو نجات عطا فرمائی سوا اُن کی اس بیوی کے جو عذاب میں باقی رہنے والوں میں سے تھی O'' (الاعراف: ۸۳)

''فَاَنْجَيْنٰهُ'': یعنی حضرت لوط علیہ السلام کو ہم نے نجات عطا فرمائی۔ ''وَاَهْلَهٗۤ'': اور ان کے پیروکار مومنوں کو ہم نے نجات دی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اہل سے مراد ان کی دو بیٹیاں ہیں۔ ''اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝'': سوا اُن کی بیوی کے، وہ ایک لمبے زمانہ تک قومِ لوط کے ساتھ رہی، پھر عذاب میں ہلاک ہو گئی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسائی، سو (اے مسلمانو!) دیکھو مجرموں کا کیسا انجام ہوا! O'' (الاعراف: ۸۴)

''وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا'': یعنی ہم نے اُن پر نشان زدہ پتھر برسائے۔

''فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝'': امام ابوعبیدہ نے کہا کہ عذاب کے لیے ''امطر'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور رحمت کے لیے ''مطر'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۰۶ ـ ۲۱۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

مردوں سے خواہش پوری کرنے کی وعید کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جن لوگوں کو تم قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کر دو۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۶۲، سنن ترمذی: ۱۴۶۱، سنن ابن ماجہ: ۲۵۶۱، شعب الایمان: ۵۳۸۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ قوم لوط کے عمل کا خطرہ ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۴۶۲، سنن ابن ماجہ: ۲۵۶۳، المستدرک ج ۴ ص ۳۵۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قوم لوط کا عمل کرے سو تم اوپر والے اور نیچے والے دونوں کو رجم کر دو۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۵۶۲، المستدرک ج ۴ ص ۳۵۵، المعجم الاوسط: ۸۱۲۸، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۷۲)

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۗ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور ہم نے قوم مدین کی طرف اُن کے نسبی بھائی شعیب کو مبعوث فرمایا، شعیب نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو! اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے، بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آچکی ہے، سو ناپ اور تول کو پورا پورا کرو اور لوگوں کو اُن کی چیزیں گھٹا کر فروخت نہ کرو، اور زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد نہ کرو، اگر تم ایمان رکھنے والے ہو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے O

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور تم مومنین کو ڈرانے کے لیے ہر راستہ پر نہ بیٹھا کرو، تم ایمان کا قصد کرنے والوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہو اور اس راستہ میں کجی تلاش کرتے ہو، اور یاد کرو جب تم کم تعداد میں تھے تو اللہ نے تمہاری تعداد زیادہ فرمادی، اور دیکھو زمین میں فساد کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا O

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

اور (شعیب نے کہا:) تم میں سے ایک گروہ اس دین پر ایمان لے آیا ہے جس کے ساتھ مجھے مبعوث فرمایا گیا ہے اور دوسرا گروہ

ایمان نہیں لایا، سوتم صبر کرو حتیٰ کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دیں، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے قومِ مدیَن کی طرف اُن کے نسبی بھائی شعیب کو مبعوث فرمایا، شعیب نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو! اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے، بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آچکی ہے، سو ناپ اور تول کو پورا پورا کرو اور لوگوں کو اُن کی چیزیں گھٹا کر فروخت نہ کرو، اور زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد نہ کرو، اگر تم ایمان رکھنے والے ہو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے O'' (الاعراف: ۸۵)

لفظِ مدیَن کی تحقیق

''وَ اِلٰى مَدْيَنَ'': امام اسماعیل بن حماد الجوہری المتوفی ۳۹۸ھ لکھتے ہیں:

مَدَنَ بالمکان کا معنی ہے ''اَقَامَ بِہٖ''، یعنی مدَن کا معنی کسی جگہ قیام کرنا ہے، اسی سے لفظِ المدینہ ماخوذ ہے اور اس کی جمع المدائن ہے۔ اور مدیَن حضرت شعیب علیہ السلام کے شہر کا نام ہے۔ (الصحاح ص ۹۷۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، لکھتے ہیں:

حضرت شعیب علیہ السلام کے شہر کا نام مدیَن ہے، یہ شہر مدیَن بن ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔

(تاج العروس من جواہر القاموس، جز ۳۶ ص ۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، الاعراف: ۸۵ تا ۸۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قتادہ نے کہا: مدیَن ایک چشمہ ہے جس کے پاس حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم رہتی تھی اور اسی طرح الزجاج نے بیان کیا ہے۔ مقاتل نے کہا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے صُلبی بیٹے کا نام مدیَن تھا، اور ابوالسلیمان الدمشقی نے کہا: مدیَن مدیان بن ابراہیم کے بیٹے کا نام ہے۔ اس آیت کا معنی ہے: ہم نے مدیَن کی اولاد کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ اس اعتبار سے مدیَن ایک قبیلے کا نام ہے اور بعض مفسرین نے کہا کہ مدیَن شہر کا نام ہے۔

''وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ'': الزجاج نے کہا ہے: البخس کا معنی ناپ تول میں کمی کرنا ہے۔

''وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا'': اللہ تعالیٰ نے زمین میں عدل کرنے کا حکم فرمایا ہے اور رسولوں کو مبعوث فرما کر زمین میں اصلاح فرمائی ہے، اس کے بعد تم زمین میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں نہ کرو۔ ''اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞'': یعنی میں نے تم کو جو اللہ تعالیٰ کے متعلق خبر دی ہے، اگر تم اس کی تصدیق کرنے والے ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم مومنین کو ڈرانے کے لیے ہر راستہ پر نہ بیٹھا کرو، تم ایمان کا قصد کرنے والوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہو اور اس راستہ میں کجی تلاش کرتے ہو، اور یاد کرو جب تم کم تعداد میں تھے تو اللہ نے تمہاری تعداد زیادہ فرما دی، اور دیکھو زمین میں فساد کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا O'' (الاعراف: ۸۶)

''وَلَا تَقۡعُدُوۡا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوۡعِدُوۡنَ'': مدین کے لوگ حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کو مارنے اور قتل کرنے کی دھمکیاں دیتے تھے، سو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا۔ ''وَتَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ'': یعنی وہ ایمان لانے والوں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مدین کے لوگ راستوں پر بیٹھ جاتے تھے اور جو شخص بھی حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لانے کا ارادہ کرتا تو اس سے کہتے تھے کہ بے شک شعیب کذاب ہے، وہ تمہیں اپنے دین سے ورغلا نہ دے اور ایمان لانے والوں کو قتل کی دھمکی دیتے تھے۔ السدی نے کہا: وہ ناجائز ٹیکس وصول کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شبِ معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ پر ایک ایسی لکڑی کے پاس سے گزر ہوا جو گزرنے والوں کے کپڑوں کو پھاڑ دیتی تھی، آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا: یہ آپ کی امت میں سے ان لوگوں کی مثال ہے جو راستوں پر بیٹھیں گے اور لوگوں کے کپڑے کاٹ دیں گے یا پھاڑ دیں گے۔ پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''وَلَا تَقۡعُدُوۡا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوۡعِدُوۡنَ''۔

(تفسیر الطبری ج ۱۰ ص ۳۱۴، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر ابن ابی حاتم: ۸۷۱۶، الدر المنثور ج ۳ ص ۱۰۲)

ہم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مذکور الصدر روایت ذکر کی ہے، اس میں دلیل ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ علم تھا کہ اللہ کے نبی علیہ السلام حضرت شعیب نے اپنی قوم کو اس آیت سے مسافروں کو لوٹنے اور ان پر ڈاکہ ڈالنے سے منع فرمایا، اور مدین کے لوگ ڈاکو تھے۔

وہ لوگوں کو اللہ کے دین پر ایمان لانے سے روکتے تھے اور اس کے احکام کی اطاعت کرنے سے منع کرتے تھے اور اُن میں ٹیڑھ کو طلب کرتے تھے، یعنی ان کو گمراہی کی طرف مائل اور راغب کرتے تھے۔

(تفسیر الطبری ج ۱۰ ص ۳۱۵، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر ابن ابی حاتم: ۸۷۲۰)

''وَاذۡكُرُوۡۤا اِذۡ كُنۡتُمۡ قَلِيۡلًا فَكَثَّرَكُمۡ'': یعنی پہلے تم کم تعداد میں تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعداد زیادہ فرما دی۔

حضرت شعیب علیہ السلام مدین کے لوگوں کو اُن پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد دلاتے تھے کہ پہلے اُن کی تعداد کم تھی اور وہ بہت ذلیل اور خسیس تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تعداد میں اضافہ فرما دیا، حضرت شعیب علیہ السلام اُن سے کہتے تھے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرو اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اس کی سزا سے اپنے آپ کو بچاؤ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو ترک کرو اور اس کی سزا سے ڈرو۔ (تفسیر الطبری ج ۱۰ ص ۳۱۶، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر ابن ابی حاتم: ۸۷۲۱)

''وَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۸۶﴾'': حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: غور کرو! تم سے پہلے جن امتوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اس کی توحید پر ایمان لانے سے سرکشی کی اور اس کے رسولوں کی حکم عدولی کی تو ان پر اللہ تعالیٰ نے کیسی سزائیں نازل فرمائیں اور انہوں نے اپنی نافرمانیوں پر کیسا عذاب پایا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے اُن میں سے بعض لوگوں کو طوفان سے غرق نہیں فرما دیا اور بعض لوگوں کو پتھروں سے سنگسار نہیں فرما دیا اور بعض لوگوں کو ایک چنگھاڑ نے ہلاک نہیں کر دیا؟

(تفسیر الطبری ج ۱۰ ص ۳۱۶، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر ابن ابی حاتم: ۸۷۱۸، ۸۷۱۹، ۸۷۲۴)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (شعیب نے کہا:) تم میں سے ایک گروہ اس دین پر ایمان لے آیا ہے جس کے

ساتھ مجھے مبعوث فرمایا گیا ہے اور دوسرا گروہ ایمان نہیں لایا، سوتم صبر کرو حتیٰ کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ فرمادیں، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والے ہیں O" (الاعراف: ۸۷)

"وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا": یعنی تم نے مجھے رسول ماننے میں اختلاف کیا، سو تمہارے دو گروہ ہو گئے، ایک گروہ میری تصدیق کرنے والا تھا اور دوسرا گروہ میری تکذیب کرنے والا تھا۔ "فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا": یعنی اللہ تعالیٰ میری تکذیب کرنے والوں پر عذاب نازل فرمائیں گے اور میری تصدیق کرنے والوں کو عذاب سے نجات عطا فرمائیں گے۔ "وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ": یعنی اللہ عزوجل عدل فرمانے والے ہیں۔

(زاد المسیر ج ۲ ص ۷-۱۳۸ـ۱۳۷، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾

شعیب کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا: اے شعیب! ہم تم کو اور تم پر ایمان لانے والوں کو ضرور بہ ضرور اپنے شہر سے نکال دیں گے ورنہ تمہیں ضرور بہ ضرور ہمارے دین میں داخل ہونا پڑے گا، شعیب نے کہا: خواہ ہم تمہارے دین میں دخول کو ناپسند کرتے ہوں؟ O

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾

(اگر ہم نے بالفرض ایسا کیا تو) ہم نے اللہ پر جھوٹ بول کر بہتان باندھا کہ اللہ کے ہمیں شرک سے بچائے رکھنے کے بعد ہم تمہارے دین میں داخل ہوئے اور ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ ہم تمہارے دین میں داخل ہوں سوا اس کے کہ ہمارے رب اللہ جو چاہیں فرمائیں، ہمارے رب اپنے علم اور قدرت کے ساتھ ہر چیز پر محیط ہیں، ہم نے اللہ ہی پر بھروسا کیا ہے، اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری مخالف قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دیجئے، اور آپ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والے ہیں O

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾

اور شعیب کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: (اے لوگو!) اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بے شک تم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے O

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾

سو اُن کو ایک زلزلے نے گرفت میں لے لیا، پھر انہوں نے اس حال میں صبح کی کہ وہ اپنے گھروں میں ہلاک ہو کر اوندھے مونہہ پڑے ہوئے تھے O

الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۛۚ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۲﴾

جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا گویا وہ ان گھروں میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے، جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا وہی نقصان اٹھانے والے ہوئے O

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَیْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿۹۳﴾

پس شعیب ان سے الگ ہو گئے اور کہا: اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچائے تھے اور تمہیں نصیحت کی تھی، پس اب میں کافروں پر کیسے غم کروں گا! O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''شعیب کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا: اے شعیب! ہم تم کو اور تم پر ایمان لانے والوں کو ضرور بہ ضرور اپنے شہر سے نکال دیں گے ورنہ تمہیں ضرور بہ ضرور ہمارے دین میں داخل ہونا پڑے گا، شعیب نے کہا: خواہ ہم تمہارے دین میں دخول کو ناپسند کرتے ہوں؟ O'' (الاعراف:۸۸)

''اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا'': اُن کی مراد یہ تھی کہ تم ہمارے دین کو اختیار کرو اور شرک کا ارتکاب کرو۔

''قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ ﴿۸۸﴾'': یعنی اگر ہم تمہارے دین میں داخل ہونے کو ناپسند کریں تو کیا تم ہم کو جبراً اپنے دین میں داخل کرو گے اور شرک میں مبتلا کرو گے؟

ایک سوال کا جواب

اس آیت میں فرمایا ہے: ''اَوْ لَتَعُوْدُنَّ '' یعنی تم لوٹ کر ہمارے دین میں آجاؤ، اس آیت کا بظاہر معنی یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام پہلے اُن کے دین اور شرک میں مبتلا تھے، پھر انہوں نے توحید کو اختیار کیا تو اب قومِ مدین نے ان سے کہا کہ تم دوبارہ لوٹ کر ہمارے دین اور شرک میں داخل ہو جاؤ، حالانکہ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ سے معصوم ہوتے ہیں، سو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پہلے حضرت شعیب علیہ السلام شرک میں مبتلا ہوں، پھر انہوں نے توحید کو اختیار کیا ہو تو اب اہلِ مدین نے ان سے کہا کہ آپ پھر شرک کو اختیار کر لیں؟ اس سوال کے دو جواب ہیں:

(۱) حضرت شعیب علیہ السلام کے پیروکاروں میں سے بعض وہ لوگ تھے جو پہلے کافر تھے اور پھر حضرت شعیب علیہ السلام کی تبلیغ سے ایمان لے آئے تھے تو قومِ مدین کا یہ خطاب حقیقت میں تو ان کے پیروکاروں کے متعلق تھا کہ تم دوبارہ شرک اور کفر میں داخل ہو جاؤ اور

تغلیباً انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بھی اپنے خطاب میں شامل کر لیا۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ ''اَوْ لَتَعُوْدُنَّ'' کا معنی ہے: ''او لتصیرن الی ملتنا'' یعنی اے شعیب! ہم آپ کو اپنے شہر سے نکال دیں گے ورنہ آپ ہماری ملت اور ہمارے دینِ کفر میں داخل ہو جائیں۔

(۳) میں کہتا ہوں: اس کا ایک تیسرا جواب یہ بھی ہے کہ بعثت سے پہلے حضرت شعیب علیہ السلام ان کو ان گناہوں سے روکتے نہیں تھے، تو وہ اپنی دانست میں سمجھے کہ حضرت شعیب علیہ السلام پہلے ان کے دین کے ماننے والے تھے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اگر ہم نے بالفرض ایسا کیا تو) ہم نے اللہ پر جھوٹ بول کر بہتان باندھا کہ اللہ کے ہمیں شرک سے بچائے رکھنے کے بعد ہم تمہارے دین میں داخل ہوئے اور ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ ہم تمہارے دین میں داخل ہوں سوا اس کے کہ ہمارے رب اللہ جو چاہیں فرمائیں، ہمارے رب اپنے علم اور قدرت کے ساتھ ہر چیز پر محیط ہیں، ہم نے اللہ ہی پر بھروسا کیا ہے، اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری مخالف قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دیجئے، اور آپ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والے ہیں O''

(الاعراف: ۸۹)

''قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ'': اس آیت میں قومِ مدین کے دینِ کفر کو ملت سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ ان لوگوں کا یہ دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس شرکیہ دین کے اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

''اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللهُ رَبُّنَا'': یعنی اللہ تعالیٰ کے علمِ ازل اور اس کی مشیّت میں یہ مقرر ہو کہ ہم نے شرک کرنا ہے اور تمہارے دین میں داخل ہونا ہے تو اور بات ہے، ورنہ ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم تمہارے شرکیہ دین میں داخل ہوں۔

''وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا: اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کے وقوع سے پہلے اس کا علم ہے۔

''عَلَى اللهِ تَوَكَّلْنَا'': تم ہمیں جس عذاب سے ڈراتے ہو، ہم نے اس کے مقابلہ میں اپنے رب عزوجل پر توکل کیا ہے۔

پھر حضرت شعیب علیہ السلام جب اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے اور اُن کو جو یہ امید تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو مان لیں گے اور اس کی اطاعت کریں گے اور ان کی رسالت کا اقرار اور اعتراف کریں گے، جب وہ امید منقطع ہو گئی اور حضرت شعیب علیہ السلام کو یہ خطرہ ہوا کہ وہ اُن کو اور ان کے پیروکاروں کو ضرر پہنچائیں گے تو پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ اے اللہ! آپ نے جو عذاب ان پر بعد میں بھیجنا ہے، وہ عذاب ان پر جلد لے آئیں۔

''رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ'': ہو سکتا ہے اس کا یہ معنی ہو کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اُن پر نزولِ عذاب کی دعا کی ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور شعیب کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: (اے لوگو!) اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بے شک تم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے O'' (الاعراف: ۹۰)

''وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝'': حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے کافر مردوں نے کہا، اور یہ اُن کی قوم کے وہ کافر سردار تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا انکار کیا تھا اور اس کے رسول علیہ السلام کو جھٹلایا تھا اور اپنی سرکشی میں بہت آگے بڑھ چکے تھے، انہوں نے دوسروں سے کہا کہ اگر تم نے شعیب کے پیغام کو قبول کیا اور ان کی دعوت کی پذیرائی کی اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کیا اور ان کی نبوت اور رسالت کو مانا تو یقیناً تم خسارا پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو اُن کو ایک زلزلے نے گرفت میں لے لیا، پھر انہوں نے اس حال میں صبح کی کہ وہ اپنے گھروں میں ہلاک ہو کر اوندھے مونہہ پڑے ہوئے تھے O'' (الاعراف:۹۱)

''فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ'': الکلبی نے کہا: ''الرَّجْفَةُ'' سے مراد ہے زلزلہ۔

''فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کا ایک دروازہ کھول دیا اور اس دروازہ سے ان پر سخت گرمی اور تپش کو بھیجا جس سے ان کے دم گھٹ گئے، اس سے زیادہ تپش انہوں نے کبھی نہیں پائی تھی، سو وہ اس تپش سے گھبرا کر جنگل کی طرف دوڑے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک بادل بھیجا جس میں ٹھنڈی ہوا تھی، اس بادل نے ان پر سایا کر لیا۔ سو اہلِ مدین نے ایک دوسرے کو پکارا کہ آؤ اس بادل کے سائے میں آجاؤ، یہاں پر ٹھنڈک ہے اور سرد ہوائیں ہیں، حتیٰ کہ وہ سب منکرین اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے جن میں مرد بھی تھے، عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس بادل کو آگ سے بھر دیا اور زمین میں زلزلہ آگیا اور وہ سب اس آگ میں جل گئے اور جل کر راکھ ہو گئے۔

اور روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات دن تک ان سے ہوا کو روک کے رکھا، پھر دور سے اُن کو ایک پہاڑ دکھایا، اس پہاڑ کے نیچے دریا اور چشمے تھے تو انہوں نے ایک دوسرے کو اس پہاڑ کے پاس آنے کے لیے بلایا، پھر وہ پہاڑ ان کے اوپر گر گیا اور یہی اس آیت کا بھی معنی ہے: ''فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝'' --- (الشعراء:۱۸۹) ''(پس اہلِ مدین نے شعیب کو جھٹلایا تو ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا، بے شک وہ بہت خوفناک دن کا عذاب تھا)۔

قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اصحاب الایکہ (جنگل والوں) اور اصحابِ مدین کی طرف بھیجا، رہے اصحاب الایکہ تو ان کو اس بادل کے عذاب سے ہلاک فرما دیا گیا اور رہے اصحابِ مدین تو اُن کو ایک چنگھاڑ نے پکڑ لیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے اُن کے اوپر ایک چیخ ماری، سو وہ سارے ہلاک ہو گئے۔

السدی نے بیان کیا ہے: اللہ عزوجل نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مدین کی طرف اور اصحاب الایکہ کی طرف رسول بنا کر بھیجا، اور الایکہ گھنے درختوں کے جنگل کو کہتے ہیں اور یہ لوگ اپنے کفر کے علاوہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اُن کو توحید کی طرف اور صحیح ناپ تول کرنے کی طرف دعوت فرمائی، پس جب انہوں نے سرکشی کی اور حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا اور عذاب کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا اور دوزخ کی تپش نے ان کو ہلاک کر دیا، اور پانی اور سائے نے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک بادل بھیجا جس میں خوشگوار ہوا تھی، انہوں نے ٹھنڈی ہوا پائی تو انہوں نے ایک دوسرے کو ندا کی کہ تم پر ایک سائبان چھا گیا ہے، سو جب اس بادل کے نیچے ان کے مرد، عورتیں

اور بچے جمع ہوئے تو وہ بادل ان پر منطبق ہو گیا اور ان کو ہلاک کر دیا۔

(تفسیر طبری، ج ۱۰ ص ۳۲۲۔ ۳۲۳، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۸۰۷۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا گویا وہ ان گھروں میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے، جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا وہی نقصان اٹھانے والے ہوئے O'' (الاعراف: ۹۲)

''کَاَنۡ لَّمۡ یَغۡنَوۡا فِیۡهَا'': اس آیت کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: گویا کہ وہ اپنے گھروں میں زندہ نہیں رہے تھے۔ (۲) گویا کہ انہوں نے اپنے گھروں میں کوئی نعمت حاصل نہیں کی تھی۔ (۳) مقاتل نے کہا: گویا کہ وہ اپنے گھروں میں ٹھہرے ہی نہ تھے۔ (۴) قتادہ نے کہا کہ گویا کہ ان گھروں میں انہوں نے کبھی کوئی نعمت حاصل ہی نہیں کی تھی۔ ''اَلَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا شُعَیۡبًا'': اس آیت کا مبالغہ کے لیے دوبارہ ذکر فرمایا ہے۔ ''کَانُوۡا هُمُ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۹۲﴾'': وہی لوگ نقصان اٹھانے والے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس شعیب ان سے الگ ہو گئے اور کہا: اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچائے تھے اور تمہیں نصیحت کی تھی، پس اب میں کافروں پر کیسے غم کروں گا! O'' (الاعراف: ۹۳)

''فَتَوَلّٰی عَنۡهُمۡ'': یعنی حضرت شعیب علیہ السلام اُن سے پیٹھ موڑ کر چلے گئے یا چہرہ پھیر کر چلے گئے۔ ''وَ قَالَ یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُکُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَ نَصَحۡتُ لَکُمۡ'': قتادہ نے کہا: حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو سنایا، اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سنایا تھا، اور اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے دن اپنی قوم کو سنایا تھا۔

''فَکَیۡفَ اٰسٰی'': یعنی میں کافروں کے انجام پر کیسے غم کروں۔

(زاد المسیر ج ۲ ص ۱۳۸۔ ۱۴۰، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡیَۃٍ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذۡنَاۤ اَهۡلَهَا بِالۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمۡ یَضَّرَّعُوۡنَ ﴿۹۴﴾

اور ہم جس بستی میں بھی کسی نبی کو بھیجتے ہیں تو پہلے اس بستی کے لوگوں کو تنگی اور سختی میں مبتلا فرماتے ہیں تاکہ وہ اس بدحالی کو دور کرنے کے لیے اللہ کے سامنے گڑگڑائیں O

ثُمَّ بَدَّلۡنَا مَکَانَ السَّیِّئَۃِ الۡحَسَنَۃَ حَتّٰی عَفَوۡا وَّ قَالُوۡا قَدۡ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَۃً وَّ هُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۹۵﴾

پھر ہم ان کی اس بدحالی کو خوش حالی سے بدل دیتے ہیں حتیٰ کہ وہ خوب پھلتے اور پھولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے آباء واجداد پر بھی تنگی اور کشادگی آتی ہی رہتی تھی، آخرکار اچانک ہم ان کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں اور ان کو شعور بھی نہیں ہوتا O

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور اللہ سے ڈرتے رہتے تو ہم اُن کے اوپر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا، سو ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو گرفت میں لے لیا O

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤی اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ ﴿۹۷﴾

کیا اب بستیوں والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اچانک اُن پر اس وقت ہمارا عذاب آ جائے جب وہ سوئے ہوئے ہوں O

اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤی اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًی وَّهُمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾

یا وہ بستیوں والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اچانک دن کے وقت ان پر ہمارا عذاب آ جائے اور اس وقت وہ لہو و لعب میں مشغول ہوں O

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ ع ۱۲

کیا وہ لوگ اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو چکے ہیں، پس اللہ کے عذاب سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہوتے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم جس بستی میں بھی کسی نبی کو بھیجتے ہیں تو پہلے اس بستی کے لوگوں کو تنگی اور سختی میں مبتلا فرماتے ہیں تاکہ وہ اس بدحالی کو دور کرنے کے لیے اللہ کے سامنے گڑگڑائیں O'' (الاعراف: ۹۴)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، الاعراف: ۹۴ تا ۹۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا'': یعنی جب بستی والے ایمان نہیں لائے تو ہم نے ان پر عذاب نازل فرمایا۔ ''بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اَلْبَاْسَاء'' سے مراد فقر اور تنگدستی ہے اور ''وَالضَّرَّآءِ'' سے مراد بیماری اور مرض ہے۔ ''لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾'': تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا کر دعا کریں اور توبہ کریں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر ہم ان کی اس بدحالی کو خوش حالی سے بدل دیتے ہیں حتیٰ کہ وہ خوب پھلتے اور پھولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے آباء واجداد پر بھی تنگی اور کشادگی آتی ہی رہتی تھی، آخر کار اچانک ہم ان کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں اور ان کو شعور بھی نہیں ہوتا O'' (الاعراف: ۹۵)

''ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ'': یعنی جب ہم ان کی بیماری کو صحت سے بدل دیتے ہیں اور ان کی تنگدستی کو خوش حالی سے بدل دیتے ہیں۔ ''حَتّٰی عَفَوْا'': حتیٰ کہ جب ان پر نعمتیں زیادہ ہو گئیں۔ جب بال بڑھ جائیں تو کہا جاتا ہے ''عفا الشعر'' مجاہد

نے کہا: جب ان کے اموال اور اولاد زیادہ ہو گئے۔ ''وَّ قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَ السَّرَّآءُ '': ان کی غفلت کی انتہا یہ تھی کہ انہوں نے کہا: یہ تو زمانہ کی عادتِ قدیمہ ہے کہ بیماریوں کے بعد صحت اور تنگدستی کے بعد خوش حالی آتی رہتی ہے، اس میں کوئی عجیب اور انوکھی بات نہیں ہے۔ اور یہ بات نہیں ہے کہ ہماری نافرمانیوں کی وجہ سے ہم پر یہ مصائب آئے۔ ''فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ﴿۹۵﴾ '': یعنی اچانک اُن پر عین راحت کے ایام میں ہم نے ان پر گرفت فرمائی اور ان کو شعور تک نہ تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور اللہ سے ڈرتے رہتے تو ہم اُن کے اوپر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا، سو ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو گرفت میں لے لیاO'' (الاعراف: ۹۶)

''وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ '': یعنی ہم آسمان سے بارش برسا دیتے اور زمین سے غلہ اگا دیتے اور اُن سے قحط سالی اٹھا دیتے۔ ''وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴿۹۶﴾ '': لیکن وہ اپنی بداعمالیوں پر برقرار رہے، سو ہمارے عذاب نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا اب بستیوں والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اچانک اُن پر اس وقت ہمارا عذاب آ جائے جب وہ سوئے ہوئے ہوںO یا وہ بستیوں والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اچانک دن کے وقت ان پر ہمارا عذاب آ جائے اور اس وقت وہ لہو ولعب میں مشغول ہوںO کیا وہ لوگ اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو چکے ہیں، پس اللہ کے عذاب سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہوتے ہیںO'' (الاعراف: ۹۷۔۹۸۔۹۹)

''اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّ هُمْ نَآىٕمُوْنَ﴿۹۷﴾ '': کیا مکہ اور اس کی اردگرد کی بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ رات کے وقت اچانک ان پر اللہ کا عذاب آ جائے جس وقت وہ سوئے ہوئے ہوں۔

''اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّ هُمْ یَلْعَبُوْنَ﴿۹۸﴾ '': یعنی کیا حجاز اور شام کے رہنے والے اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر دن کے وقت اچانک ہمارا عذاب آ جائے جس وقت وہ کھیل کود میں مشغول ہوں۔

''اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴿۹۹﴾ '': اس آیت میں 'مَكْرَ اللّٰهِ '' کا لفظ ہے، ''مَكْرَ اللّٰهِ '' کا معنی ہے: استدراج، یعنی اللہ تعالیٰ کا اُن کو ان کے کاموں میں ڈھیل دیے رکھنا اور دنیا کی نعمتوں کو ان پر کھلا ہوا رکھنا، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں اسی وجہ سے ان پر عذاب نہیں آتا، پھر اچانک ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ جاتا ہے۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۱۶۔۲۱۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اَوَ لَمْ یَهْدِ لِلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ﴿۱۰۰﴾

جو لوگ پہلی امتوں کی ہلاکت کے بعد اس زمین کے وارث ہوئے کیا اب بھی ان کی آنکھیں نہیں کھلیں کہ اگر ہم چاہیں تو اُن کے گناہوں کی وجہ سے اُن پر عذاب نازل فرمائیں اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیں کہ وہ کچھ نہ سمجھ سکیں O

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآىٕهَا ۚ وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۱﴾

یہ وہ بستیاں ہیں جن کی خبریں ہم آپ کے سامنے بیان فرماتے ہیں اور بے شک ان بستی والوں کے پاس اِن کے رسول واضح دلائل لے کر آئے، وہ پھر بھی ایمان نہ لائے کیونکہ وہ اس سے پہلے رسولوں کی تکذیب کر چکے تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر (ان کے کرتوتوں کی وجہ سے) مہر لگا دیتے ہیں O

وَ مَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَ اِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِیْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں کو عہد پورا کرتے ہوئے نہ پایا اور بے شک ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں کو نافرمان ہی پایا O

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰیٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡىٕهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۰۳﴾

پھر اُن کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا، تو انہوں نے ان نشانیوں پر ایمان نہ لا کر اپنی جان پر ظلم کیا، (اے رسولِ اکرم!) سو آپ دیکھئے کہ فساد پھیلانے والوں کا کیسا انجام ہوا! O

وَ قَالَ مُوْسٰى یٰفِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ لا

اور موسیٰ نے فرعون سے کہا: بے شک میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں O

حَقِیْقٌ عَلٰۤى اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۰۵﴾ ؕ

اور میری شان یہی ہے کہ میں اللہ کے متعلق صرف سچی بات کہوں، بے شک میں تمہارے پاس اپنے رب کی طرف سے قوی دلیل لے کر آیا ہوں، سوائے فرعون! میرے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دے O

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۰۶﴾

فرعون نے کہا: اگر آپ سچوں میں سے ہیں اور کوئی نشانی لے کر آئے ہیں تو اس کو پیش کریں O

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾

سوموسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی، وہ اسی وقت کھلم کھلا اژدھا بن گئی O

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

اور موسیٰ نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو یکایک دیکھنے والوں کے لیے وہ ہاتھ چمکتا ہوا ہو گیا O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو لوگ پہلی امتوں کی ہلاکت کے بعد اس زمین کے وارث ہوئے کیا اب بھی ان کی آنکھیں نہیں کھلیں کہ اگر ہم چاہیں تو اُن کے گناہوں کی وجہ سے اُن پر عذاب نازل فرمائیں اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیں کہ وہ کچھ نہ سمجھ سکیں O'' (الاعراف: ۱۰۰)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، الاعراف: ۱۰۰ تا ۱۰۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ'': اس کا معنی ہے: کیا ہم نے بیان نہیں فرمایا۔ ''وَنَطْبَعُ'': اس آیت کا معنی ہے: ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ماضی پر محمول ہو یعنی ماضی میں ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی تھی۔

''اَنْ لَّوْ نَشَآءُ'': یعنی جس طرح ہم نے ماضی میں ان کے دلوں پر مہر لگائی ہے، اگر ہم چاہیں گے تو مستقبل میں بھی ان کے دلوں پر مہر لگا دیں گے۔

''فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿﴾'': یعنی وہ اللہ کی آیات کو قبول نہیں کریں گے اور ''سَمِعَ يَسْمَعُ'' قبول کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے حدیث میں ہے: ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی، اللہ تعالیٰ نے اس کی حمد کو قبول فرمالیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ وہ بستیاں ہیں جن کی خبریں ہم آپ کے سامنے بیان فرماتے ہیں اور بے شک ان بستی والوں کے پاس اِن کے رسول واضح دلائل لے کر آئے، وہ پھر بھی ایمان نہ لائے کیونکہ وہ اس سے پہلے رسولوں کی تکذیب کر چکے تھے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر (ان کے کرتوتوں کی وجہ سے) مہر لگا دیتے ہیں O'' (الاعراف: ۱۰۱)

''فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ'': اس آیت کی تفسیر میں چار قول ہیں:

(۱) حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے یوم میثاق میں لوگوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا، اس وقت اللہ تعالیٰ کے علمِ ازل میں یہ مقرر تھا کہ یہ لوگ رسولوں کی تکذیب کریں گے اور ایمان نہیں لائیں گے۔ (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور السدی نے کہا کہ اللہ عزوجل کے علم میں یوم میثاق سے یہ مقرر تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ان کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالیں گے تو یہ رسولوں پر ایمان نہیں لائیں گے۔ (۳) مجاہد نے کہا: اگر ان کافروں کو ان کے مرنے کے بعد زندہ کیا جائے تب بھی

یہ رسولوں پر ایمان نہیں لائیں گے۔ (۴) یمان بن رباب نے کہا: چونکہ گزشتہ امتوں میں سے اِن کے آباء واجداد پہلے ایمان نہیں لائے تھے، اس لیے یہ لوگ بھی اب ایمان نہیں لائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں کو عہد پورا کرتے ہوئے نہ پایا اور بے شک ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں کو نافرمان ہی پایا○'' (الاعراف: ۱۰۲)

''وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ'': مجاہد نے کہا: پچھلی امتوں میں سے کسی نے بھی اللہ سے کیے ہوئے اپنے عہد و پیمان کو پورا نہیں کیا۔ حسن بصری نے کہا: انہوں نے انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے مگر انہوں نے یہ عہد پورا نہیں کیا۔ ''وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ○'': ابوعبیدہ نے کہا: یعنی ہم نے ان میں سے اکثر کو نافرمان پایا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر اُن کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا، تو انہوں نے ان نشانیوں پر ایمان نہ لا کر اپنی جان پر ظلم کیا، (اے رسولِ اکرم!) سو آپ دیکھیے کہ فساد پھیلانے والوں کا کیسا انجام ہوا!○'' (الاعراف: ۱۰۳)

''ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ'': یعنی حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام کے بعد۔

''فَظَلَمُوْا بِهَا'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نشانیوں کو جھٹلا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اور ظلم کا معنی ہے: کسی چیز کو اس کی جگہ کے غیر میں رکھنا۔ ان کا ظلم یہ تھا کہ انہوں نے کفر کو ایمان کی جگہ رکھا۔

''فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ○'': اے رسولِ اکرم! آپ دیکھیں ہم نے ان کو کیسی سزا دی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور موسیٰ نے فرعون سے کہا: بے شک میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں○'' (الاعراف: ۱۰۴)

''وَقَالَ مُوْسٰى'': جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں داخل ہوئے تو انہوں نے کہا:

''يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○'': اے فرعون! مجھے اللہ عزوجل نے تیری طرف اپنی الوہیت اور اپنی توحید کا پیغام دے کر مبعوث فرمایا ہے۔ فرعون نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور میری شان یہی ہے کہ میں اللہ کے متعلق صرف سچی بات کہوں، بے شک میں تمہارے پاس اپنے رب کی طرف سے قوی دلیل لے کر آیا ہوں، سوائے فرعون! میرے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دے○'' (الاعراف: ۱۰۵)

''حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ'': یعنی میری صفت یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے متعلق سوائے سچ کے اور کوئی بات نہیں کہتا۔

''قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ'': میں تیرے پاس اپنے رب کی نشانی یعنی لاٹھی کو لے کر آیا ہوں۔ ''فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ

اِسْرَآءِيْلَ ۝ '': سوتو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ روانہ کردے اور ان کو باہر نکلنے سے مزاحم نہ ہو، اور فرعون بنی اسرائیل کو غلام بنا کر اُن سے محنت مزدوری کے سخت کام لیتا تھا، ان سے اینٹیں اٹھواتا تھا، مٹی کھدواتا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''فرعون نے کہا: اگر آپ سچوں میں سے ہیں اور کوئی نشانی لے کر آئے ہیں تو اس کو پیش کریں O'' (الاعراف:۱۰۶)

''قَالَ'': فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں کہا:

''اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ '': یعنی اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو اس کے ثبوت میں کوئی نشانی پیش کریں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سوموسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی، وہ اسی وقت کھلم کھلا اژدھا بن گئی O اور موسیٰ نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو یکا یک دیکھنے والوں کے لیے وہ ہاتھ چمکتا ہوا ہو گیا O''

(الاعراف:۱۰۷۔۱۰۸)

''فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝ '': حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے لاٹھی گرائی تو وہ اچانک اژدھا بن گئی۔ الثعبان کا معنی ہے: بہت بڑا اژ سانپ۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ النمل:۱۰ میں فرمایا ہے: ''كَاَنَّهَا جَآنٌّ'' گویا کہ وہ لاٹھی چھوٹا سانپ بن گئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں وہ اپنی جسامت کے اعتبار سے تو بہت بڑا سانپ تھا اور تیزی سے چلنے میں چھوٹے سے سانپ کی طرح تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور السدی نے کہا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی پھینکی تو وہ زرد رنگ کا بہت بڑا سانپ بن گئی، اس نے اپنا مونہہ کھولا تو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان اسی (۸۰) ذراع (ایک سوبیس فٹ) کا فاصلہ تھا اور زمین سے وہ ایک میل بلند ہو گیا۔ وہ اپنی دُم پر کھڑا ہو گیا اور فرعون کی طرف اسے کھانے کے لیے بڑھا۔

روایت ہے کہ اس نے فرعون کے گنبد کو اپنی دو ڈاڑھوں کے درمیان پکڑ لیا، فرعون اپنے تخت کو چھوڑ کر بھاگا اور اس کا پیشاب پاخانہ نکل گیا۔ اور اس اژدھے نے لوگوں پر حملہ کیا تو لوگ بھاگے اور چیخے اور اُن میں سے پچیس ہزار (۲۵۰۰۰) مر گئے اور انہوں نے رَش اور اژدھام میں ایک دوسرے کو کچل ڈالا اور فرعون اپنے گھر میں داخل ہوا اور چیخ کر کہا: اے موسیٰ! میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے! اس اژدھے کو پکڑ لو اور میں تم پر ایمان لے آؤں گا اور میں تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دوں گا، سو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس اژدھے کو پکڑ لیا اور وہ اسی طرح لاٹھی بن گیا جس طرح پہلے تھا، پھر فرعون نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی اور نشانی بھی ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں۔

''وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ '': یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ ہاتھ سفید ہو گیا، اس میں سے ایسی چمکیلی شعاعیں نکل رہی تھیں جو سورج کی دھوپ پر غالب ہو گئیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام گندم گوں رنگ کے تھے، انہوں نے پھر وہ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال دیا تو وہ پہلے کی طرح گندم گوں ہو گیا۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۱۴۲، دارالکتاب

العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ، معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۱۸۔۲۱۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۹﴾

(یہ دیکھ کر) فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا: بے شک یہ شخص بہت ماہر جادوگر ہے O

یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دے، سو اب تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ O

قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ اَرْسِلْ فِی الْمَدَآىِٕنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۱۱۱﴾

انہوں نے کہا: (اے فرعون!) اس کو اور اس کے بھائی (ہارون) کو روکے رکھو، اور جمع کرنے والے مردوں کو (مختلف) شہروں میں بھیج دو O

یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ﴿۱۱۲﴾

وہ تمہارے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے آئیں گے O

وَ جَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْۤا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور (جمع کئے ہوئے) جادوگر فرعون کے پاس آئے، انہوں نے کہا: اگر ہم غالب آ گئے تو کیا واقعی ہم کو انعام ملے گا؟ O

قَالَ نَعَمْ وَ اِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۱۱۴﴾

فرعون نے کہا: ہاں! اور بے شک تم اس وقت ضرور مقربین میں سے ہو جاؤ گے O

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ ﴿۱۱۵﴾

جادوگروں نے کہا: اے موسیٰ! یا آپ (اپنا) عصا پہلے ڈالیں یا (جو کچھ ہمارے پاس ہے) ہم اس کو ڈالیں O

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْیُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَ جَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۱۶﴾

(موسیٰ نے) کہا: تم ڈالو!، پس جب انہوں نے (اپنی چیزیں) ڈالیں تو انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور اُن کو خوف زدہ کر دیا اور وہ بہت بڑا جادو لے کر آئے O

وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ اب آپ اپنا عصا ڈال دیں، سو وہ عصا فوراً اُن (کے جادو) کی فریب کاری کو نگلنے لگا O

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

سوحق کا غلبہ ظاہر ہو گیا اور جو کچھ وہ جادو دکھا رہے تھے وہ باطل ہو گیا O

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

پس اس وقت فرعون اور اس کے ساتھی مغلوب ہو گئے اور ذلت کے ساتھ واپس لوٹے O

وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

اور جادوگر فوراً (اللہ کے حضور) سجدہ میں گر پڑے O

قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾

انہوں نے کہا: ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے O

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

جو موسیٰ اور ہارون کے رب ہیں O

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

فرعون نے کہا: کیا تم میری اجازت سے پہلے اس پر ایمان لائے ہو؟ بے شک یہ تمہاری خفیہ سازش ہے جو تم نے شہر میں تیار کی ہے تاکہ تم اس شہر کے رہنے والوں کو شہر سے نکال دو، سو اب عنقریب تم اس کا انجام جان لو گے O

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

میں ضرور بہ ضرور تمہارے ہاتھوں کو اور تمہارے پاؤں کو مخالف جانبوں سے کاٹ دوں گا، پھر میں ضرور بہ ضرور تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا O

قَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

انہوں نے کہا: (کچھ خوف نہیں)، ہم بے شک اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں O

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

اور (اے فرعون!) تم کو صرف ہماری یہ بات ناگوار لگی ہے کہ ہمارے پاس جب ہمارے رب کی نشانیاں آئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! ہم پر صبر کے دہانے کھول دیجئے اور ہم کو دنیا سے حالتِ ایمان پر وفات عطا فرمایئے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(یہ دیکھ کر) فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا: بے شک یہ شخص بہت ماہر جادوگر ہے O یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے مُلک سے نکال دے، سو اب تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ O''

(الاعراف: ۱۰۹ـ ۱۱۰)

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، الاعراف: ۱۰۹ تا ۱۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ''O: یعنی یہ شخص جادو میں بہت مہارت رکھتا ہے۔

''يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ''O: یہ تم کو تمہارے ملک سے نکال باہر کرنا چاہتا ہے، یعنی سرزمینِ مصر سے۔ پس اُن سے فرعون نے کہا: سو اب تم کیا مشورہ دیتے ہو؟

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''انہوں نے کہا: (اے فرعون!) اس کو اور اس کے بھائی (ہارون) کو روکے رکھو، اور جمع کرنے والے مردوں کو (مختلف) شہروں میں بھیج دو O وہ تمہارے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے آئیں گے O'' (الاعراف: ۱۱۱ـ ۱۱۲)

''قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ''O: یعنی آپ موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو قتل نہ کریں اور ان کو قید کرلیں۔ ''اَرْجِهْ'' کا لغت میں معنی ہے: ان کے معاملہ کو مؤخر کردیں حتیٰ کہ ماہر جادوگر آپ کے پاس جمع ہوکر آجائیں، سو وہ ان دونوں پر غالب آجائیں۔ کیونکہ اگر آپ نے ان کا حال ظاہر ہونے سے پہلے ان کو قتل کردیا تو لوگ ان کو سچا گمان کریں گے اور جب ان دونوں کا جھوٹ ظاہر ہوجائے، پھر اگر آپ نے ان کو قتل کردیا تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

''يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ''O: یعنی آپ کے پاس ماہر جادوگر آجائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (جمع کئے ہوئے) جادوگر فرعون کے پاس آئے، انہوں نے کہا: اگر ہم غالب آگئے تو کیا واقعی ہم کو انعام ملے گا؟ O فرعون نے کہا: ہاں! اور بے شک تم اس وقت ضرور مقربین میں سے ہو جاؤ گے O'' (الاعراف: ۱۱۳ـ ۱۱۴)

''وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ''۞: یعنی اگر ہم نے ان دونوں پر غلبہ پالیا، تو کیا آپ ہم کو مال و دولت عطا کریں گے۔ ''قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ''۞: فرعون نے کہا: ہاں! مال و دولت دینے کے علاوہ تمہارا اس وقت میرے نزدیک بہت بڑا مرتبہ ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جادوگروں نے کہا: اے موسیٰ! یا آپ (اپنا) عصا پہلے ڈالیں یا (جو کچھ ہمارے

پاس ہے) ہم اس کو ڈالیں O (موسیٰ نے) کہا: تم ڈالو!، پس جب انہوں نے (اپنی چیزیں) ڈالیں تو انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور اُن کو خوف زدہ کر دیا اور وہ بہت بڑا جادو لے کر آئے O"

(الاعراف: ۱۱۵_۱۱۶)

"قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ": ان کے ہاں جو یوم النیر وز تھا جوان کے نزدیک عید کا دن تھا، اس دن وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کے لیے آئے۔ انہوں نے کہا: اے موسیٰ! یا آپ پہلے اپنا عصا زمین پر ڈالیں یا آپ سے پہلے ہم اپنی چیزیں ڈالیں۔

"قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ":

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا: تم ہی ڈالو۔ پس جب جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔ الکلبی نے بیان کیا کہ جادوگروں کی تعداد ستر ہزار (۷۰۰۰۰) تھی، انہوں نے ستر لاٹھیاں اور ستر رسیاں زمین پر ڈالیں۔ اور انہوں نے رسیوں میں پارہ بھر دیا تھا اور جب ان رسیوں کو زمین پر ڈالا تو دھوپ کی گرمی سے وہ پارہ حرکت کرنے لگا اور دھوپ کی وجہ سے وہ رسیاں سانپوں کی مثل دکھائی دینے لگیں اور وہ وادی سانپوں سے بھر گئی، سو لوگ خوف زدہ ہو گئے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور وہ اپنا مکمل جادو لے آئے تھے۔ اور انہوں نے فرعون کی قسم کھا کر کہا کہ ہم ضرور غالب ہوں گے۔

فرعون کے جادوگروں کا کیا ہوا عمل شعبدہ بازی تھی یا نظر بندی تھی یا جادو تھا؟

(۱) ابوالحسن قاضی عبدالجبار بن احمد الاسد آبادی المعتزلی المتوفی ۴۱۵ھ "سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ" (الاعراف: ۱۱۶) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قاضی نے کہا: اگر سحر (جادو) برحق ہوتا تو فرعون کے جادوگر لوگوں کے دلوں پر جادو کرتے نہ کہ آنکھوں پر۔ پس ثابت ہو گیا کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے عجیب وغریب احوال کا خیال لوگوں کے دلوں میں ڈالا اور واقع میں اس طرح نہیں ہوا تھا جس طرح انہوں نے لوگوں کے دلوں میں خیال ڈالا تھا۔ (التفسیر المحیط ص ۱۹۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء)

(۲) علامہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ "سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ" (الاعراف: ۱۱۶) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان جادوگروں نے حیلوں اور شعبدہ بازی سے لوگوں کے دلوں میں حقیقت کے خلاف خیال ڈالا۔

(الکشاف ص ۳۸۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۳۰ھ)

(۳) علامہ ابومحمد عبدالحق بن عطیہ الاندلسی المتوفی ۵۴۱ھ "سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ" (الاعراف: ۱۱۶) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

سحر کا معنی ہے آنکھ پر ایسا اثر ڈالنا کہ آنکھ کسی چیز کو خلاف واقع دیکھے اور بسا اوقات دماغ پر بھی جادو کیا جاتا ہے۔

(المحرر الوجیز ص ۷۳۰، دار ابن حزم، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

(۴) امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ "سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ" (الاعراف: ۱۱۶) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت سے معتزلہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ جادو محض نظر بندی ہے۔ الواحدی نے کہا ہے: بلکہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں پر سحر کر دیا تھا، یعنی انہوں نے اپنی ملمع کاری کی وجہ سے لوگوں کو صحیح ادراک کرنے سے پھیر دیا تھا، کہا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں میں پارہ بھر دیا تھا اور دھوپ کے اثر سے پارہ میں حرکت ہوتی ہے تو اس وجہ سے وہ لاٹھیاں اور رسیاں دوڑتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۳۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

(۵) علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ ''سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ۔۔۔ (الاعراف:۱۱۶)'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اُن جادوگروں نے لوگوں کے ذہن میں یہ خیال ڈالا اور اُن کے ذہن کو اُن چیزوں کے صحیح ادراک سے منقلب کر دیا، انہوں نے ایسی ملمع کاری کی تھی جو شعبدہ اور ہاتھ کی صفائی کے قائم مقام تھی، جس سے وہ رسیاں اور لاٹھیاں متحرک سانپوں کی طرح دکھائی دیں۔ (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، جزء ۷ ص ۲۳۰، دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۶) قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ ''سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ۔۔۔ (الاعراف:۱۱۶)'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بایں طور کہ لوگوں کے ذہنوں میں حقیقت کے خلاف خیال ڈالا۔

(انوار التنزیل واسرار التاویل ج ۳ ص ۲۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

(۷) علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ ''سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ۔۔۔ (الاعراف:۱۱۶)'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

انہوں نے حیلوں اور شعبدہ بازی سے کام لیا اور لوگوں کے ذہنوں میں حقیقت کے خلاف خیال ڈالا اور لوگوں کو وہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپوں کی مثل دوڑتی ہوئی نظر آئیں۔ (مدارک التنزیل وحقائق التاویل ج ۱ ص ۵۹۳۔ ۵۹۴، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

(۸) حافظ اسماعیل بن کثیر الشافعی الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ ''سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ۔۔۔ (الاعراف:۱۱۶)'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

القاسم بن ابی بزہ نے بیان کیا ہے کہ فرعون نے ستر ہزار جادوگر جمع کئے، انہوں نے ستر ہزار رسیاں اور ستر ہزار لاٹھیاں ڈالیں، حتیٰ کہ اُن کے جادو سے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ سانپ دوڑ رہے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ۔۔۔ (الاعراف:۱۱۶)''۔ (تفسیر القرآن العظیم ص ۶۹۷، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

(۹) علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ ''سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ۔۔۔ (الاعراف:۱۱۶)'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ وہ جادوگر رسیاں اور لاٹھیاں لے کر آئے اور انہوں نے اِن رسیوں اور لاٹھیوں میں پارہ بھر دیا تھا، پس جب اُن پر دھوپ کی حرارت پہنچی تو وہ پارہ پگھلنے لگا اور لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال آیا کہ یہ لاٹھیاں اور رسیاں حرکت کر رہی ہیں۔

(اللباب فی علوم الکتاب، ج ۹ ص ۲۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

(۱۰) حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ ''سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ۔۔۔ (الاعراف:۱۱۶)'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام ابن جریر، امام ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے القاسم بن ابی بزہ سے روایت کی ہے کہ فرعون کے جادوگر ستر ہزار تھے، سو انہوں نے ستر ہزار رسیاں اور ستر ہزار لاٹھیاں ڈالیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کے جادو سے وہ لاٹھیاں اور رسیاں دوڑتی ہوئی دکھائی دیں۔ (الدر المنثور ج ۳ ص ۴۶۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۱۱) علامہ سید محمود آلوسی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ ''سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ۔۔۔ (الاعراف:۱۱۶)'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے: ''سَحَرُوْۤا اَعْیُنَ النَّاسِ ''یعنی جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کردیا اور لوگوں کی آنکھوں میں یہ خیال ڈال دیا کہ یہ رسّیاں اور لاٹھیاں سانپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ''سَحَرُوْا'' کہ انہوں نے جادو کیا۔ اور نیز فرمایا ہے: ''یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝ ۔۔۔ (طٰہٰ: ۶۶)'' (یعنی اُن رسیوں اور لاٹھیوں کو دیکھ کر دیکھنے والوں کے دلوں میں یہ خیال آتا تھا کہ یہ دوڑتے ہوئے سانپ ہیں)۔

المعتزلہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے، وہ محض دیکھنے والوں کے دلوں میں خیال ڈالنا ہے اور نظر بندی ہے۔ ان کی اس دلیل پر یہ اعتراض ہے کہ اگر اُن کی مراد یہ ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے اس قصہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے جادو کیا تھا، تب تو ٹھیک ہے اور آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ ہر جادو محض تخییل ہے اور نظر بندی ہے تو یہ تسلیم نہیں ہے اور آیت کی اس پر دلالت نہیں ہے۔ اور جمہور اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ جادو کی کئی اقسام ہیں، بعض ایسے جادو ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی اور بعض ایسے جادو ہیں جن کی حقیقت ہوتی ہے جس طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب خیبر کی کھجوروں کا اندازہ کرنے لگے تو خیبر کے یہودیوں نے ان پر جادو کردیا تھا۔ اور علماء اہلسنت نے ذکر کیا ہے کہ کبھی کوئی شخص جادو کے ذریعے پانی پر چلتا ہے اور ہوا میں اڑتا ہے اور جادو کے کلمات پر یہ اثر اس طرح مرتب ہوتا ہے جیسے کھانے کے بعد سیر ہونے کا اثر مرتب ہوتا ہے اور آگ لگانے سے جلنے کا اثر مرتب ہوتا ہے اور ہر حال میں فاعل حقیقی اللہ عزوجل ہیں۔

(روح المعانی جز ۹ ص ۳۷۔۳۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(۱۲) شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی متوفی ۱۳۶۴ھ ''سَحَرُوْۤا اَعْیُنَ النَّاسِ ۔۔۔ (الاعراف: ۱۱۶)'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور اس آیت میں اژدھا فرمایا، دوسری آیتوں میں ''جانّ'' بمعنی پتلا سانپ فرمایا، جمع ان میں اس طرح ہے کہ یا تو کسی وقت ایسا ہوتا ہو، کسی وقت میں ویسا، یا اول پتلا ہوتا ہو پھر بڑھ جاتا ہو، یا جثّہ میں بڑا ہوتا ہو اور تیزی میں پتلے سانپ کی طرح ہو، اور مبین سے معلوم ہوتا ہے کہ تبدیلِ حقیقت ہو جاتی تھی خیالی قصہ نہ تھا، اور ''للناظرین'' سے کوئی نظر بندی کا شبہ نہ کرے، کیونکہ یہ تاکید ہے اس کے واقعی بیاض کی جیسے کہا کرتے ہیں کہ کھلی آنکھوں لوگوں نے دیکھا اور انقلابِ حقائق کا محال ہونا جو فلاسفہ میں مشہور ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ حقائق ثلٰثہ یعنی وجوب و امتناع و امکان ایک دوسرے کی طرف منقلب نہیں ہوتے ورنہ عناصر کا استحالہ کون نہیں دیکھتا۔ (تفسیر بیان القرآن ج ۲ ص ۴۶، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور)

(۱۳) مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی متوفی ۱۳۹۱ھ ''سَحَرُوْۤا اَعْیُنَ النَّاسِ ۔۔۔ (الاعراف: ۱۱۶)'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

معلوم ہوا کہ اکثر جادو کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی، صرف لوگوں کی نگاہ کچھ کا کچھ دیکھ لیتی ہے۔ جادوگر تین سو اونٹ بھر کر لاٹھیاں لائے تھے جنہیں سانپوں کی شکلوں میں دکھا دیا گیا، تمام میدان سانپوں سے بھر گیا۔ (نور العرفان ص ۲۶۱، ادارہ کتب اسلامیہ، گجرات)

(۱۴) شیخ عبد الماجد دریا آبادی متوفی ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء ''سَحَرُوْۤا اَعْیُنَ النَّاسِ ۔۔۔ (الاعراف: ۱۱۶)'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''سَحَرُوْۤا اَعْیُنَ النَّاسِ'': مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الناس کے تحت میں موسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں، چنانچہ انہیں بھی دھوکا لگا جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ہے: ''یُخَیَّلُ اِلَیْهِ'' تو اس سے امور ذیل مستنبط ہوئے:

(۱) خوارق سے دھوکا نہ کھانا، اس لیے کہ یہ تو اہلِ باطل سے بھی صادر ہو سکتے ہیں۔ (۲) سحر کی ایک قسم خیال میں تصرف کرنا

بھی ہے اور اسی میں مسمریزم داخل ہے (۳) ایسی چیزوں سے متاثر ہو جانا کمالِ باطنی کے منافی نہیں، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام بھی خائف ہوئے۔ (۴) اہل حق کا ایسے امور پر یا ان کے ابطال پر قادر ہونا ضروری نہیں۔ (تفسیر ماجدی ص ۳۸۸، پاک کمپنی، لاہور)

میں کہتا ہوں: شیخ دریابادی کے مرشد تھانوی کا یہ کہنا کہ ”حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی دھوکا لگا“ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں سخت بے ادبی اور گستاخی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ آلوسی حنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ نے ”یُخَیَّلُ اِلَیْهِ۔۔۔ (طٰہٰ: ۶۶)“ کے کئی محامل لکھے ہیں:

(۱) بظاہر ”اِلَیْهِ“ کی ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یہ خیال ڈالا گیا کہ یہ رسیاں دوڑتے ہوئے سانپ ہیں۔ (یہ تفسیر مرجوح ہے، کیونکہ یہ تفسیر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان کے خلاف ہے)۔

(امام احمد رضا بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: جب ہی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے ان کے خیال میں دوڑتی معلوم ہوئیں۔ کنز الایمان ص ۵۹۰)

علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ زمین سانپوں سے بھر گئی اور میلوں کے میدان میں سانپ ہی سانپ دوڑ رہے ہیں اور دیکھنے والے اس باطل نظر بندی سے مسحور ہو گئے۔ (خزائن العرفان مع کنز الایمان ص ۵۹۰، مکتبۃ المدینہ، دعوت اسلامی، کراچی)

(۲) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ علم عطا نہ فرمایا ہوتا کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے تو ہو سکتا ہے اُن کے دل میں بھی ان دوڑتے ہوئے سانپوں کو دیکھ کر خوف طاری ہو جاتا۔

(۳) طٰہٰ: ۶۶ میں مجہول کا صیغہ ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ خیال ڈالا گیا کہ یہ رسیاں دوڑتے ہوئے سانپ ہیں اور خیال ڈالنے والے اللہ عزوجل ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف آزمائش اور امتحان کے لیے یہ خیال ڈالا۔

(۴) الحسن بن یمن نے از ابی حیوۃ نقل کیا ہے کہ یہ لفظ ”نُخَیِّلُ“ ہے یعنی ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ خیال ڈالتے ہیں۔

ان توجیہات سے واضح ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے از خود اُن رسیوں کو دوڑتے ہوئے سانپ نہیں گمان کیا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کے دل میں یہ خیال ڈالا گیا تھا۔ لہٰذا انہوں نے کوئی دھوکا نہیں کھایا تھا۔

نیز شیخ دریابادی نے لکھا ہے: ”ایسی چیزوں سے متاثر ہو جانا کمالِ باطنی کے منافی نہیں، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام بھی خائف ہوئے“۔

میں کہتا ہوں: حضرت موسیٰ علیہ السلام سانپوں سے نہیں ڈرے تھے، حقیقت یہ ہے کہ سانپ ڈس کر لوگوں کو ہلاک کر دیتا ہے سو وہ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا مظہر ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سانپ کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ قہر و غضب کا ادراک کیا، سو وہ ڈرے ضرور تھے مگر سانپ سے نہیں اللہ تعالیٰ کی صفتِ قہر و غضب سے ڈرے تھے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(۱۵) جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی متوفی ۱۴۱۸ھ ”سَحَرُوْۤا اَعْیُنَ النَّاسِ۔۔۔ (الاعراف: ۱۱۶)“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

انہوں نے پوری شدت سے اپنی ساحرانہ مہارت کا نظارا کیا، رسیوں پر منتر پڑھ کر جب میدان میں پھینکا تو ناظرین کو یوں معلوم ہوا کہ زہریلے سانپ ہیں جو ہوا میں لہرا رہے ہیں اور غصہ سے پھنکار رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ایک لمحہ کے لیے ایسا ہی محسوس ہونے لگا، اس سے معلوم ہوا کہ جادو سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدلتی اصل میں نظر بندی ہوتی ہے، اصل چیز کچھ اور ہوتی

ہے اور دیکھنے میں کچھ اور لگتی ہے۔ (ضیاء القرآن ج ۳ ص ۱۲۱، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۱ء)

میں کہتا ہوں: حضرت پیر صاحب کی یہ تفسیر بھی ظاہر کے اعتبار سے ہے حقیقت کے اعتبار سے نہیں ہے۔

(۱۶) شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء لکھتے ہیں:

اس آیت سے یہ بات نکلتی ہے کہ جادو خواہ کتنا ہی بڑا ہو لیکن اس سے کسی شے کی حقیقت و ماہیت نہیں بدلتی، بس دیکھنے والوں کی آنکھوں اور ان کی قوتِ متخیلہ پر اس کا اثر پڑتا ہے جس سے آدمی ایک شے کو اسی شکل میں دیکھنے لگتا ہے جس شکل میں ساحر اسے دکھانا چاہتا ہے۔ (تدبر قرآن ج ۳ ص ۳۴۶، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، پاکستان، ۱۴۳۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس آیت کی تفسیر میں شیخ امین احسن اصلاحی نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جادوگروں کا یہ عمل حقیقتاً جادو تھا اور اُن کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جادو سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدلتی، کیونکہ بعض اوقات جادو سے کسی چیز کی حقیقت بھی بدل جاتی ہے جیسا کہ شیخ تھانوی نے بھی تصریح کی ہے: ''مبین سے معلوم ہوتا ہے کہ تبدیلِ حقیقت ہو جاتی تھی خیالی قصہ نہ تھا، اور ''للناظرین'' سے کوئی نظر بندی کا شبہ نہ کرے، کیونکہ یہ تاکید ہے اس کے واقعی بیاض کی جیسے کہا کرتے ہیں کہ کھلی آنکھوں لوگوں نے دیکھا اور انقلابِ حقائق کا محال ہونا جو فلاسفہ میں مشہور ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ حقائق ثلثہ یعنی وجوب وامتناع وامکان ایک دوسرے کی طرف منقلب نہیں ہوتے''۔ (سعیدی غفرلہٗ)

سحر اور جادو کا لغوی اور عرفی معنی

امام اسماعیل بن حماد الجوہری التوفی ۳۹۸ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ چیز جس کا ماخذ لطیف اور باریک ہو وہ سحر ہے۔ (مجم الصحاح ص ۴۷۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لکھتے ہیں:

شیطان کا تقرب حاصل کر کے اس کی مدد سے جو کام کیا جائے وہ سحر اور جادو ہے اور سحر کی ایک قسم نظر بندی بھی ہے۔

(لسان العرب ج ۷ ص ۱۳۵، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء)

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، لکھتے ہیں:

''التہذیب'' میں مذکور ہے کہ سحر کا لغوی معنی ہے: ''کسی چیز کو اس کی حقیقت سے دوسری طرف پھیر دینا''۔ گویا کہ ساحر باطل کو حق کی صورت میں دکھا دیتا ہے۔ اور کسی چیز کا اس کی حقیقت کے خلاف خیال ڈالتا ہے، گویا اس نے اس چیز کو اس کی حقیقت سے پھیر دیا۔ (تاج العروس من جواہر القاموس، جز ۱۱ ص ۴۷۴۔۴۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

لوئیس مالوف الیسوعی التوفی ۱۸۶۷ء، لکھتے ہیں:

''السحر'': وہ چیز جس کا ماخذ لطیف و باریک ہو، جھوٹ کو سچ بنا کر دکھانا، حیلہ بازی، فساد، ہر وہ چیز جس کے حصول میں شیطانی تقرب سے مدد لی جائے۔ (المنجد مترجم ص ۴۶۰، دارالاشاعت، کراچی ۱۹۹۴ء)

سحر اور جادو کے متعلق متکلمینِ اہلسنت کی تصریحات

علامہ مسعود بن عمر بن عبد اللہ الشہیر بسعد الدین التفتازانی التوفی ۷۹۳ھ لکھتے ہیں:

اعمالِ مخصوصہ کر کے کسی خلافِ عادت امر کو ظاہر کرنا سحر ہے، اس میں سکھانا اور سیکھنا دونوں جاری ہوتے ہیں اور نفس کے شر سے اس میں مدد حاصل کی جاتی ہے، اس کا معارضہ بھی کیا جاتا ہے، اور جادو عقلاً جائز ہے جیسے کرامت اور معجزہ ہے اور دلیلِ سمعی سے ثابت ہے کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: "یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ۔۔۔ (البقرہ: ۱۰۲)" (وہ لوگوں کو (کفریہ) جادو سکھاتے تھے)۔

کیونکہ یہ ثابت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر جادو کیا گیا اور جادوگر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو ضرر پہنچائے یا خلفاء کی حکومت کو زائل کر دے۔

قرآنِ مجید میں ارشاد ہے: "یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی ۞۔۔۔ (طٰہٰ: ۶۶)" (یعنی اُن رسیوں اور لاٹھیوں کو دیکھ کر دیکھنے والوں کے دلوں میں یہ خیال آتا تھا کہ یہ دوڑتے ہوئے سانپ ہیں)"۔ اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر جادو تخییل اور تملیع اور شعبدہ بازی ہے جیسا کہ المعتزلہ کی رائے ہے۔ جادو ایک ایسا خلافِ عادت کام ہے جو نفسِ شریرہ، خبیثہ کے اعمالِ مخصوصہ سے ظہور میں آتا ہے اور اس میں تعلّم اور تلمیذ بھی جاری ہوتے ہیں اور اسی اعتبار سے جادو معجزہ اور کرامت سے متمیز ہے۔ المعتزلہ نے کہا: جادو اس چیز کو دکھانا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی اور یہ ہاتھ کی صفائی اور شعبدہ بازی سے ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جادو فی نفسہٖ ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کو شامل ہے، جادو کا فاعل اور کاسب اور فاعل حقیقت میں اللہ عزوجل ہے۔ جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر جادو کیا گیا تو ان کے ہاتھ کی کلائی ٹیڑھی ہو گئی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر جادو ممکن ہو تو جادوگر انبیاء اور صالحین کو ضرر پہنچا دیتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور جادوگران کو ضرر پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔

نیز ہم کہتے ہیں کہ جادو ہر زمانہ میں اور ہر جگہ کیا جاتا ہے لیکن اس کا حکم ہر وقت نافذ نہیں ہوتا۔

(شرح المقاصد جز ۵ ص ۸۰۔۸۱، منشورات الشریف الرضی، ایران، قم ۱۴۰۹ھ)

مولانا عبدالعزیز پرہاروی شارح شرح عقائد لکھتے ہیں:

ایسے اسباب کو استعمال کرنا جو غیر مشروعہ ہوں اور اُن اسباب کی ضرر پہنچانے میں خاصیت ہو جیسے کسی کو بیمار کر دینا یا ہلاک کر دینا یا زن وشو کے درمیان تفریق کر دینا، ایسے فعل کو جادو کہتے ہیں۔ اس کا ارتکاب وہی کرتا ہے جس کا نفس شریر ہو اور اس میں نیکی بالکل نہ ہو۔ بعض علماء نے کہا: شیاطین کی مدد کے بغیر جادو تمام نہیں ہوتا، اس کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے اور اس پر ان کا اتفاق ہے کہ جادو کرنا گناہِ کبیرہ ہے، ایک قول یہ ہے کہ جادو سکھانے والا اور سیکھنے والا اور جادو کرنے والا کافر ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ فقط جادو کرنے والا کافر ہے۔ اور الشیخ الامام ابو منصور الماتریدی نے کہا: یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جادو مطلقاً کفر ہے بلکہ وہ جادو کفر ہے جس سے تصدیق اور اقرار اور ایمان کا رد ہوتا ہو۔ اور جس نے ایک لحظہ کے لیے جادو سیکھا وہ مومن ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک مختار یہ ہے کہ جب جادوگر کو قتل کیا جائے تو اس کا حکم ڈاکو کی مثل ہے۔ مرد جادو کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا اور عورت جادو کرے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر جادو کے کلمات کفر پر مشتمل ہوں تو فقط مرد کو قتل کیا جائے گا اور علماء اور مشائخ جو قرآن مجید کی آیات اور اسمائے الٰہیہ کو ظالموں کے شر کو دور کرنے کے لیے یا زوجین میں محبت قائم کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں سو وہ جادو نہیں ہے۔

(النبراس، شرح شرح العقائد ص ۳۴۵، شاہ عبدالحق محدث اکیڈمی، دارالعلوم مظہریہ امدادیہ، بندیال، سرگودھا)

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الشامی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

کسی چیز کی حقیقت کا بدل جانا ممکن ہے جیسے نمک کی کان میں گدھا نمک بن جاتا ہے، کیونکہ نمک گوشت اور ہڈیوں کا غیر ہے، پس جب گدھا نمک بن گیا تو اس پر نمک کا حکم لاگو ہوگا، شریعت میں اس کی نظیر یہ ہے کہ نطفہ (منی) نجس ہے اور وہ علقہ (جما ہوا خون) بن جاتی ہے اور وہ بھی نجس ہے اور نطفہ گوشت بن جاتا ہے پھر اس کو پاک قرار دیا جاتا ہے، اور انگور کا شیرہ پاک ہے، پھر وہ خمر بن جائے تو اسے نجس قرار دیا جاتا ہے اور اس میں لیموں نچوڑ دیں تو وہ سرکہ بن جاتا ہے اور پھر اس کو پاک قرار دیا جاتا ہے، اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ کوئی چیز ایک وصف سے دوسرے وصف کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور اس پر احکام شرعیہ لاگو ہو جاتے ہیں۔

تنبیہ: اس نمک کا کھانا جائز ہے اور جو گندی چیز جل کر راکھ ہو جائے اس پر نماز پڑھنا جائز ہے۔

دوسری تنبیہ: اس تحریر کا تقاضا یہ ہے کہ کسی چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے جیسے پیتل سونا بن جاتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ ثابت نہیں ہے کیونکہ انقلابِ حقیقت محال ہے اور قدرت محال کے ساتھ متعلق نہیں ہوتی اور حق یہ ہے کہ کسی چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ پیتل کے بدلہ میں سونا پیدا فرما دیتے ہیں اور اس پر دلیل یہ ہے کہ قرآنِ مجید میں ہے: ''فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی ۝ --- (طٰہٰ: ۲۰)'' یعنی وہ لاٹھی دوڑتا ہوا سانپ بن گئی، سو لاٹھی کی حقیقت سانپ سے بدل جاتی ہے ورنہ معجزہ باطل ہو جائے گا۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار ج۱ ص ۳۶۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

جادو کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں: ان عبارات سے واضح ہو گیا کہ جادو کی کئی قسمیں ہیں، ایک قسم وہ ہے جس میں کسی چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے مثلاً مٹی سونا ہو جائے یا سونا مٹی ہو جائے، اور ایک قسم وہ ہے جس میں کسی چیز کی حقیقت نہیں بدلتی وہ صرف نظر بندی اور شعبدہ بازی ہوتی ہے۔ اور فرعون کے جادوگروں نے جو عمل کیا تھا اس کے متعلق مفسرین کی عبارات مختلف ہیں، بعض کے نزدیک یہ حقیقت میں جادو تھا اور بعض کے نزدیک یہ محض نظر بندی اور شعبدہ بازی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ اب آپ اپنا عصا ڈال دیں، سو وہ عصا فوراً ان (کے جادو) کی فریب کاری کو نگلنے لگا O سو حق کا غلبہ ظاہر ہو گیا اور جو کچھ وہ جادو دکھا رہے تھے وہ باطل ہو گیا O پس اس وقت فرعون اور اس کے ساتھی مغلوب ہو گئے اور ذلت کے ساتھ واپس لوٹے O''

(الاعراف: ۱۱۷۔۱۱۸۔۱۱۹)

''وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۝'':

یعنی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ آپ اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دیں، سو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال دیا تو وہ بہت بڑا سانپ بن گئی، اور انہوں نے جو چیزیں پھینکی تھیں اور جھوٹے سانپ بنائے تھے، ان سب کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ کی صورت میں نگلنے لگی۔ پھر سانپ فرعون کی طرف بڑھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس لاٹھی کو پکڑ لیا تو پھر وہ اپنی اصلی حالت میں لاٹھی بن گئی، پھر جادوگروں نے اپنی لاٹھیوں اور اپنی رسیوں کی طرف دیکھا تو وہ گم ہو چکی تھیں۔

''فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾'': پس حق ظاہر ہو گیا اور جادوگروں نے جو کچھ کیا تھا وہ باطل ہو گیا۔

''فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَ انْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾'' اور اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں پر غالب آ گئے اور جادوگر ذلت کے ساتھ لوٹے۔انہوں نے کہا: اگر یہ جادو تھا تو ہماری لاٹھیاں اور رسیاں کہاں گئیں۔ اگر یہ جادو ہوتا تو ہماری لاٹھیاں اور رسیاں اپنے حال پر رہتیں۔ضرور یہ اللہ کی جانب سے ہوا اور جادو نہیں ہے، سو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:'' اور جادوگر فوراً (اللہ کے حضور) سجدہ میں گر پڑے O انہوں نے کہا: ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے O جو موسیٰ اور ہارون کے رب ہیں O''(الاعراف: ۱۲۰۔۱۲۱۔۱۲۲)

''وَ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾'': یعنی سارے جادوگر اللہ کے حضور سجدہ میں گر پڑے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو سجدہ کرنے کی توفیق عطا فرمادی اور انہوں نے کہا:

''قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾'': ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے، تب فرعون نے کہا: کیا تم رب العالمین کے لفظ سے میرا ارادہ کر رہے ہو؟ تو ان جادوگروں نے کہا:''رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾''۔اور یہ اس لیے ہوا کہ فرعون لوگوں کو یہ مغالطہ دینا چاہتا تھا کہ جادوگر اس پر ایمان لائے، تو جادوگروں نے اس مغالطہ کو رد کرنے کے لیے کہا:''رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾'' ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''فرعون نے کہا: کیا تم میری اجازت سے پہلے اس پر ایمان لائے ہو؟ بے شک یہ تمہاری خفیہ سازش ہے جو تم نے شہر میں تیار کی ہے تاکہ تم اس شہر کے رہنے والوں کو شہر سے نکال دو، سو اب عنقریب تم اس کا انجام جان لو گے O میں ضرور بہ ضرور تمہارے ہاتھوں کو اور تمہارے پاؤں کو مخالف جانبوں سے کاٹ دوں گا، پھر میں ضرور بہ ضرور تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا O''(الاعراف: ۱۲۳۔۱۲۴)

''قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ'': فرعون نے کہا: تم نے میرے اجازت دینے سے پہلے موسیٰ کی تصدیق کی ہے۔''اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ اَهْلَهَا'': یہ ایک سازش ہے جو شہر میں تمہارے اور موسیٰ کے درمیان ہوئی تاکہ تم سرزمین مصر کے رہنے والوں کو وہاں سے نکال دو، پھر ان سے کہا:''فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾'': تم عنقریب جان لو گے کہ میں تمہیں کیا سزا دوں گا۔

''لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾'': میں ضرور بہ ضرور تمہارے ہاتھوں اور پیروں کو مخالف جانبوں سے کاٹ دوں گا، پھر تم سب کو مصر کے دریا کے کنارے سولی پر چڑھا دوں گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''انہوں نے کہا: (کچھ خوف نہیں)، ہم بے شک اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں O اور (اے فرعون!) تم کو صرف ہماری یہ بات ناگوار لگی ہے کہ ہمارے پاس جب ہمارے رب کی نشانیاں آئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! ہم پر صبر کے دہانے کھول دیجئے اور ہم کو دنیا

سے حالتِ ایمان پر وفات عطا فرمایئے O" (الاعراف: ۱۲۵۔۱۲۶)

"قَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾": یعنی ہم کو تیرے سزا دینے کی کوئی پرواہ نہیں ہے، کیونکہ ہمارا اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے۔

"وَمَا تَنۡقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتۡنَا": یعنی تم کو صرف ہماری یہ بات ناگوار ہوئی کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں کو دیکھ کر ایمان لے آئے۔

"رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَیۡنَا صَبۡرًا": اے ہمارے رب! جب ہمارے ہاتھ کاٹے جائیں اور ہمیں سولی پر چڑھایا جائے تو ہم پر صبر انڈیل دینا اور ہمارے دلوں کو ایمان پر برقرار رکھنا حتیٰ کہ ہم کفر کی طرف نہ لوٹیں۔

"وَّ تَوَفَّنَا مُسۡلِمِیۡنَ ﴿۱۲۶﴾": اور ہم کو دینِ موسیٰ پر وفات دینا۔ عبید اللہ بن عمیر نے کہا کہ دن کے پہلے حصہ میں وہ جادوگر کافر اور فاجر تھے اور دن کے آخر میں شہداء اور نیکوکار تھے۔ بعض حکماء نے کہا کہ فرعون کے جادوگروں نے پچاس (۵۰) سال تک کفر کیا، پس صرف ایک بار کے اقرار سے اور ایک سجدہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرمادیا تو اس کا کیا حال ہوگا جو پچاس (۵۰) سال تک سجدہ کرتا رہا ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کی کیونکر امید نہ رکھے گا۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۵۵۹۔۵۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

وَقَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اَتَذَرُ مُوۡسٰی وَقَوۡمَهٗ لِیُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَیَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبۡنَآءَهُمۡ وَنَسۡتَحۡیٖ نِسَآءَهُمۡ ۚ وَاِنَّا فَوۡقَهُمۡ قٰهِرُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا: کیا تم موسیٰ اور ان کے پیروکاروں کو چھوڑ دو گے تاکہ وہ زمین میں فساد پھیلاتے پھریں، اور موسیٰ تمہیں اور تمہارے معبودوں کو چھوڑے رکھیں، (فرعون نے) کہا: ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو بہت زیادہ قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیں گے اور بے شک ہم ان پر غالب ہیں O

قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِهِ اسۡتَعِیۡنُوۡا بِاللّٰهِ وَاصۡبِرُوۡا ۚ اِنَّ الۡاَرۡضَ لِلّٰهِ ۟ۙ یُوۡرِثُهَا مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۲۸﴾

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر کرو، بے شک زمین صرف اللہ کی ملکیت ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں اس کا وارث بنا دیتے ہیں، اور نیک انجام اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہے O

قَالُوۡۤا اُوۡذِیۡنَا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَاۡتِیَنَا وَمِنۡۢ بَعۡدِ مَا جِئۡتَنَا ؕ قَالَ عَسٰی رَبُّكُمۡ اَنۡ یُّهۡلِكَ

عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿١٢٩﴾

موسیٰ کی قوم نے کہا: (اے موسیٰ!) آپ کے ہمارے پاس آنے سے پہلے ہمیں اذیتیں دی گئی تھیں اور آپ کے ہمارے پاس آنے کے بعد بھی اذیتیں دی جارہی ہیں، (موسیٰ نے) کہا: عنقریب تمہارے رب تمہارے دشمن کو ہلاک فرمادیں گے اور (اس کے بعد) تمہیں اس زمین کا حاکم بنادیں گے، پھر وہ ظاہر فرمائیں گے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا: کیا تم موسیٰ اور ان کے پیروکاروں کو چھوڑ دو گے تاکہ وہ زمین میں فساد پھیلاتے پھریں، اور موسیٰ تمہیں اور تمہارے معبودوں کو چھوڑے رکھیں، (فرعون نے) کہا: ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو بہت زیادہ قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیں گے اور بے شک ہم ان پر غالب ہیں O'' (الاعراف: ١٢٧)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ٥١٦ھ، الاعراف: ١٢٧ تا ١٢٩ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ'': حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے پیروکاروں کے فساد پھیلانے سے اُن سرداروں کی مراد یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے پیروکار لوگوں کو فرعون کی عبادت کرنے کے خلاف برانگیختہ کریں گے اور اے فرعون! وہ لوگ تمہیں چھوڑ دیں گے اور تمہاری عبادت نہیں کریں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ فرعون کی ایک گائے تھی جس کی وہ عبادت کرتا تھا اور جب وہ کوئی خوبصورت گائے دیکھتا تو اپنے پیروکاروں سے کہتا کہ اس گائے کی عبادت کرو، اسی وجہ سے السامری نے بنی اسرائیل کے لیے ایک بچھڑا بنایا اور اس کو بنی اسرائیل کا رب قرار دیا۔ حسن بصری نے کہا: فرعون نے اپنے گلے میں ایک صلیب لٹکائی ہوئی تھی اور وہ اس کی عبادت کرتا تھا اور السدی نے کہا کہ فرعون نے اپنی قوم کے لیے چند بُت بنا رکھے تھے اور اس نے اُن کو حکم دیا تھا کہ ان بتوں کی عبادت کریں، اور وہ اپنی قوم سے کہتا تھا: یہ بُت تمہارے خدا ہیں اور میں اِن بتوں کا بھی رب ہوں اور تمہارا بھی رب ہوں، اسی وجہ سے اللہ عزوجل نے فرعون کے اس قول کی حکایت فرمائی ہے، وہ کہتا تھا: ''أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ﴿٢٤﴾ (النازعات: ٢٤)'' (میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں O)۔

''قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ'': یعنی ہم اِن کے بیٹوں کو قتل کر دیں گے اور اِن کی عورتوں کو زندہ چھوڑے رکھیں گے۔ ''وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿١٢٧﴾'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا: جب فرعون کو یہ بتایا گیا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تمہاری حکومت کے زوال کا باعث ہوگا، سو فرعون نے بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ بنی اسرائیل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو رسالت سے سرفراز فرمایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر کرو، بے شک زمین صرف اللہ کی ملکیت ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں اس کا وارث بنادیتے ہیں، اور نیک انجام اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہے O'' (الاعراف: ١٢٨)

''اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ '': یعنی مصر کی سرزمین اللہ عزوجل کی ملکیت ہے۔''وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۰﴾'': یعنی دنیا میں مدد کرنا اور آخرت میں جنت عطا فرمانا متقین کے لیے ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:'' موسیٰ کی قوم نے کہا: (اے موسیٰ!) آپ کے ہمارے پاس آنے سے پہلے ہمیں اذیتیں دی گئی تھیں اور آپ کے ہمارے پاس آنے کے بعد بھی اذیتیں دی جارہی ہیں، (موسیٰ نے) کہا: عنقریب تمہارے رب تمہارے دشمن کو ہلاک فرمادیں گے اور (اس کے بعد) تمہیں اس زمین کا حاکم بنادیں گے، پھر وہ ظاہر فرمائیں گے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو O'' (الاعراف:۱۲۹)

''قَالُوْۤا اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا '': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا: جب فرعون کے جادوگر ایمان لے آئے تو چھ لاکھ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ آپ کے اس منصب رسالت پر فائز ہونے سے پہلے ہمارے بیٹوں کو قتل کیا جارہا تھا۔''وَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا '': اور آپ کے رسول بن کر آنے کے بعد بھی ہم کو قتل کیا جارہا ہے۔

''قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ '': یعنی اللہ تعالیٰ فرعون اور قبطیوں کو ہلاک فرما کر مصر کی سرزمین میں تم کو آباد فرمادیں گے۔''وَ یَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ '': پھر اللہ تعالیٰ نے ایسا فرمادیا، فرعون اور اس کے پیروکار قبطیوں کو سمندر میں غرق فرمادیا اور بنی اسرائیل ان کے گھروں اور ان کے مالوں کے وارث ہوگئے، پھر انہوں نے بچھڑے کو اپنا معبود قرار دے کر اس کی عبادت کی۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۲۱۔ ۲۲۲، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۰ھ)

وَ لَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور بے شک ہم نے فرعون کے پیروکار (قبطیوں) کو قحط سالی میں مبتلا فرمادیا اور پھلوں کی (پیداوار کی) کمی میں مبتلا فرمادیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓىٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

سو جب اُن (قبطیوں) پر خوش حالی آتی تو وہ کہتے: یہ خوش حالی ہماری وجہ سے ہے، اور اگر اُن کو کوئی بدحالی پہنچتی تو وہ اس بدحالی کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے، سنو! ان (کافر قبطیوں) کی صرف نحوست اللہ کے نزدیک مقدر کی جاچکی ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے O

وَ قَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰیَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور ان (قبطیوں) نے کہا کہ اے موسیٰ! تم کیسی ہی نشانی کیوں نہ لاؤ جس کے ذریعہ تم ہم پر جادو کرو، ہم پھر بھی تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں O

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

سو ہم نے ان (قبطیوں) پر طوفان اور ٹڈی دَل اور جوئیں اور مینڈک اور خون کو الگ الگ نشانیوں کے طور پر بھیج دیا، سو انہوں نے تکبر کیا اور وہ تھے ہی مجرم لوگ O

وَ لَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَ لَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۚ﴿۱۳۴﴾

اور جب اُن (قبطیوں) پر کوئی عذاب آتا تو وہ کہتے: اے موسیٰ! ہمارے لیے اپنے رب سے اس عہد کے سبب دعا کیجئے جو اس نے آپ سے عہد فرمایا ہے، اگر آپ نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم ضرور بہ ضرور آپ پر ایمان لے آئیں گے اور ہم ضرور بہ ضرور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دیں گے O

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰۤى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

پھر جب ہم نے اس مدتِ معینہ تک ان سے عذاب کو دور فرما دیا جس تک وہ پہنچنے والے تھے تو وہ اسی وقت اپنا عہد توڑ دیتے O

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

سو ہم نے ان (قبطیوں) سے انتقام لیا اور ان کو سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ ان سے بے اعتنائی برتتے تھے O

وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) کو برکت والی سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جن کو کمزور سمجھا جاتا تھا، اور بنی اسرائیل کے متعلق آپ کے رب کا حسین وعدہ پورا ہو گیا، کیونکہ انہوں نے صبر کیا تھا اور ہم نے فرعون اور اس کے پیروکاروں کی صنعتوں کو اور ان کی بلند عمارتوں کو تباہ و برباد کر دیا O

وَ جٰوَزْنَا بِبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا

يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا سو اُن کا ایسی قوم پر گزر ہوا جو اپنے بتوں کی عبادت پر جمے بیٹھے تھے، بنی اسرائیل نے کہا: اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایسا معبود بنا دیجئے جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں، موسیٰ نے کہا: بے شک تم جہالت کی بات کرتے ہو O

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

یقیناً یہ لوگ جن بتوں کی عبادت میں مشغول ہیں، وہ سب برباد ہونے والے ہیں اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ محض باطل ہے O

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

موسیٰ نے کہا: کیا میں اللہ کے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں؟ حالانکہ اس نے تم کو تمام جہان والوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے O

وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾

ع ۱۶

اور اے بنی اسرائیل اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعون کے پیروکاروں کے مظالم سے نجات عطا فرمائی جو تم کو سخت عذاب میں مبتلا رکھتے تھے، وہ تمہارے بیٹوں کو بکثرت قتل کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے، اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک ہم نے فرعون کے پیروکار (قبطیوں) کو قحط سالی میں مبتلا فرمادیا اور پھلوں کی (پیداوار کی) کمی میں مبتلا فرمادیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O'' (الاعراف: ۱۳۰)

امام ابوالیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، الاعراف: ۱۳۰ تا ۱۴۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَلَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ'': یعنی ہم نے ان پر بھوک اور قحط کو مسلط فرمادیا۔ ''لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾'': شاید وہ نصیحت حاصل کریں اور ایمان لے آئیں۔ لیکن انہوں نے نصیحت حاصل نہ کی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو جب اُن (قبطیوں) پر خوش حالی آتی تو وہ کہتے: یہ خوش حالی ہماری وجہ سے ہے، اور اگر اُن کو کوئی بدحالی پہنچتی تو وہ اس بدحالی کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے، سنو! اِن (کافر قبطیوں) کی صرف نحوست اللہ کے نزدیک مقدر کی جاچکی ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے O''

(الاعراف: ۱۳۱)

''فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ'': یعنی جب اُن کی فصلوں پر اچھائی، کشادگی اور زرخیزی آتی۔ ''قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ'': تو وہ کہتے کہ ہم اس اچھائی اور زرخیزی کے مستحق تھے۔ ''وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ'': یعنی جب اُن پر سختی، مصیبت اور قحط سالی آتی ''یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰی وَ مَنْ مَّعَهٗ'': تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی طرف نسبت کر کے کہتے: یہ اِن کی نحوست کی وجہ سے ہے۔

''اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ'': سنو! اُن پر جو مصائب نازل ہوئے وہ صرف ان کے کرتوتوں کی وجہ سے تھے اور اللہ عزوجل کے علم میں یہ مقرر تھا کہ اِن کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان پر یہ مصائب نازل فرمائے جائیں گے۔

''وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝'': ان کو یہ علم نہیں تھا کہ اُن پر یہ مصائب ازل میں ہی مقدر فرما دیے گئے تھے اور آخرت میں ان کے لیے جو عذاب مقدر ہے اس کا انہیں اندازہ نہیں تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ان (قبطیوں) نے کہا کہ اے موسیٰ! تم کیسی ہی نشانی کیوں نہ لاؤ جس کے ذریعہ تم ہم پر جادو کرو، ہم پھر بھی تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں ۝'' (الاعراف: ۱۳۲)

''وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝'': یعنی انہوں نے کہا: آپ ہمارے ایمان لانے کے لیے جس قدر چاہیں نشانیاں لے کر آئیں، ہم ایمان نہیں لائیں گے۔ اور ہم اس کی تصدیق نہیں کریں گے کہ آپ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ تب موسیٰ علیہ السلام اُن پر غضب ناک ہوئے اور ان کے خلاف دعائے ضرر کی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو ہم نے ان (قبطیوں) پر طوفان اور ٹڈی دَل اور جوئیں اور مینڈک اور خون کو الگ الگ نشانیوں کے طور پر بھیج دیا، سو انہوں نے تکبر کیا اور وہ تھے ہی مجرم لوگ ۝'' (الاعراف: ۱۳۳)

قبطیوں پر طوفان، ٹڈیوں اور جوؤں وغیرہ کا نازل فرمانا

''فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۟ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ۝'': طوفان سے مراد مسلسل بارش ہے جو ایک ہفتہ سے دوسرے ہفتہ تک ہوتی رہی حتیٰ کہ اُن کے گھر منہدم ہو گئے اور بارش کی کثرت سے راستے منقطع ہو گئے اور پورا شہر ایک سمندر کی طرح ہو گیا۔ پھر اُن کو اپنے غرقاب ہونے کا ڈر ہوا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہم سے یہ عذاب اٹھا لے، ہم آپ کے رسول ہونے پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دیں گے، تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش روک لی اور اُن پر آندھیاں بھیجیں جنہوں نے زمین کو خشک کر دیا۔ پھر زمین سے اس قدر پیداوار ہوئی کہ مصر میں انہوں نے ایسی پیداوار کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اور انہوں نے کہا: ہم پر جو یہ مصیبت آئی تھی یہ ہمارے لیے بہتر تھی لیکن ہم سمجھ نہیں سکے، اور اللہ کی قسم! ہم آپ کے رسول ہونے پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کریں گے، سو انہوں نے عہد شکنی کی اور اپنے رب کی نافرمانی کی، وہ اسی حال میں کئی مہینے ٹھہرے رہے، پھر موسیٰ علیہ السلام نے ان کے خلاف دعائے ضرر کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر ٹڈی دَل کے بادل بھیج دیے، اور ان کی کثرت اس قدر تھی کہ وہ زمین اور آسمان میں امتیاز نہیں کر پا رہے تھے، ان ٹڈیوں نے ہر اس چیز کو کھا لیا جس کو زمین نے اگایا تھا، انہوں نے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی اور کہا: اے جادوگر!

اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کرو، یعنی اللہ عزوجل سے سوال کرو کہ وہ ہم سے یہ عذاب اٹھا لے، پھر ہم آپ کے رسول ہونے پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دیں گے، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک آندھی بھیجی جو تمام ٹڈیوں کو اڑا کر لے گئی اور سمندر میں گرا دیا اور مصر کی سرزمین میں ایک ٹڈی بھی باقی نہیں رہی۔

پھر ان سے فرعون نے کہا کہ دیکھو تمہارے پاس کوئی غلہ بچا ہوا ہے؟ انہوں نے تفتیش کی تو ایک سال کا غلہ بچا ہوا تھا، انہوں نے کہا: ہمارے لیے اس سال یہ غلہ کافی ہے، پھر انہوں نے کہا: اے موسیٰ! اللہ کی قسم! ہم ہرگز آپ کے رسول ہونے پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کریں گے، پھر وہ ایک مہینہ ٹھہرے رہے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے خلاف دعائے ضرر کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر جوئیں نازل فرما دیں۔ بعض مفسرین نے کہا: وہ سُرسُریاں تھیں، اور بعض نے کہا: وہ چیچڑیاں تھیں، اس مصیبت کی وجہ سے انہوں نے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی اور کہا: آپ اپنے رب سے اس مرتبہ دعا کر دیں اللہ تعالیٰ ہم سے یہ عذاب دور کر دے پھر ہم آپ کی اطاعت کریں گے اور اپنا عہد پورا کریں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ روانہ کر دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک گرم ہوا کو بھیجا جس نے ان تمام جوؤں، چیچڑیوں اور سُرسُریوں کو جلا دیا، اور ان میں سے کوئی جوں یا سُرسُری باقی نہیں بچی۔

تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے کہا: اب بنی اسرائیل کو میرے ساتھ روانہ کر دو، سو قبطیوں نے کہا: اب تو ایک ایک کر کے سارے مصائب ختم ہو گئے، اب تم اس کے بعد کیا کرو گے؟ اب ہم کیوں تمہارے رسول ہونے پر ایمان لائیں اور کیوں تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کریں، آپ جائیں جو کچھ ہمیں ضرر پہنچا سکتے ہیں پہنچا دیں، پھر وہ ایک مہینہ ٹھہرے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے خلاف دعائے ضرر کی تب اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر مینڈک نازل فرما دیئے، اور سمندر سے اتنی کثیر تعداد میں مینڈک نکلے کہ انہوں نے تمام اہلِ مصر کو ڈھانپ لیا، مینڈک ان کے گھروں میں داخل ہو گئے، ان کے کپڑوں میں گھس گئے، ان کے بستروں میں گھس گئے اور قبطیوں میں سے کوئی مرد رات بھر جا گتا، صبح اس کا بستر مینڈکوں سے بھرا ہوا ہوتا تھا، کوئی مرد اپنے ساتھی سے راستہ میں بات کرتا اور اپنا مونہہ اپنے صاحب کے قریب لے جاتا تاکہ اس کی بات سنے، کیونکہ مینڈکوں کے ٹرّانے کی وجہ سے انہیں کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی اور وہ بہت تنگ اور وحشت زدہ ہو گئے، پھر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی اور کہا کہ اے موسیٰ! اگر یہ مینڈک ہم سے دور کر دیئے گئے تو ہم ضرور بہ ضرور آپ کی رسالت پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دیں گے۔

پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے اپنے رب سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے مینڈکوں کو دور کر دیا، اب موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا: تم میرے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دو، انہوں نے کہا: اچھا آپ بنی اسرائیل کو لے جائیں لیکن ان کے ساتھ ان کے مویشیوں اور ان کے اموال میں سے کوئی چیز نہ لے جائیں۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بنی اسرائیل کو لے جاؤں اور اُن کے اموال اور مویشیوں میں سے کوئی چیز نہ چھوڑوں، تب انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم آپ کے رسول ہونے پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کریں گے، وہ ایک ماہ تک اسی حالت میں ٹھہرے رہے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے خلاف دعائے ضرر کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر خون نازل فرما دیا، پس

ان کے ندی نالے خون سے بھر گئے اور وہ میٹھے پانی کے حصول کو ترس گئے، اور جب بھی آلِ فرعون میں سے کوئی شخص دریا سے میٹھے پانی کو لینے کے لیے جاتا تو وہ خون بن جاتا۔

پھر فرعون اور اس کے معزز درباری بنی اسرائیل کے میٹھے پانیوں پر آئے، پھر جب ان میں سے کوئی شخص چلّو میں میٹھا پانی بھرتا تو وہ اس کے ہاتھ میں خون بن جاتا، وہ اسی طرح سات دن تک رہے اور خون کے سوا کوئی چیز نہیں پی سکتے تھے، ان میں سے بہت سارے مر گئے، پھر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی، پس فرعون نے کہا: اے موسیٰ! آپ اپنے رب کو قسم دیں کہ اگر آپ نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم ضرور بہ ضرور آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دیں گے، سو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے خون کو دور فرما دیا اور ان پر صاف پانی نازل فرما دیا، لیکن وہ دوبارہ اپنے کفر کی طرف لوٹ آئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب اُن (قبطیوں) پر کوئی عذاب آتا تو وہ کہتے: اے موسیٰ! ہمارے لیے اپنے رب سے اس عہد کے سبب دعا کیجئے جو اس نے آپ سے عہد فرمایا ہے، اگر آپ نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم ضرور بہ ضرور آپ پر ایمان لے آئیں گے اور ہم ضرور بہ ضرور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دیں گے O'' (الاعراف: ۱۳۴)

''وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾'': یعنی جب اُن پر مذکورہ عذاب نازل فرمائے گئے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ درخواست کی کہ آپ اپنے رب سے دعا کیجئے اور اگر ہم سے اللہ تعالیٰ نے یہ عذاب اٹھا لیا تو ہم ضرور آپ کے رسول ہونے کی تصدیق کر دیں گے اور ضرور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر جب ہم نے اس مدتِ معیّنہ تک ان سے عذاب کو دور کر دیا جس تک وہ پہنچنے والے تھے تو وہ اسی وقت اپنا عہد توڑ دیتے O'' (الاعراف: ۱۳۵)

''فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾'': وہ عذاب کی مدت پوری ہونے کے بعد پھر اپنے عہد کو توڑ دیتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو ہم نے ان (قبطیوں) سے انتقام لیا اور ان کو سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ ہم سے بے اعتنائی برتتے تھے O'' (الاعراف: ۱۳۶)

''فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾'': اس آیت میں ''اَلْیَمّ'' کا لفظ ہے، عبرانی زبان میں اس کا معنی البحر یعنی سمندر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا تھا کہ وہ رات کے وقت بنی اسرائیل کو نکال کر لے جائیں۔ بنی اسرائیل کی عورتوں نے قبطیوں سے زیورات اور کپڑے عاریۃً لیے ہوئے تھے اور انہوں نے کہا

تھا کہ جب ہم یہاں سے جائیں گے تو وہ تم کو واپس کر دیں گے، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام چھ لاکھ بنی اسرائیل کو لے کر رات کے وقت روانہ ہوئے۔ ان میں مرد، عورتیں اور بچے تھے۔ پھر فرعون کو بتایا گیا کہ بنی اسرائیل یہاں سے نکل رہے ہیں تو صبح کے وقت فرعون نے ایک کروڑ اور دو لاکھ قبطیوں کے ساتھ ان کا تعاقب کیا اور طلوعِ آفتاب کے وقت ان تک پہنچ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر پر پہنچے، آپ نے سمندر پر لاٹھی ماری تو اس میں بارہ (۱۲) راستے بن گئے اور بنو اسرائیل کے بھی بارہ (۱۲) قبیلے تھے، پس ہر قبیلہ نے ایک راستہ کو اختیار کر لیا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر کو عبور کر رہے تھے اس وقت فرعون اور اس کے اصحاب وہاں پہنچے، وہ بھی ان کو پکڑنے کے لیے ان راستوں میں داخل ہو گئے، جب بنو اسرائیل کا آخری فرد ان راستوں سے نکل گیا اور فرعون اور اس کے اصحاب ان راستوں میں داخل ہو چکے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان راستوں کو حکم دیا، وہ راستے ان پر منطبق ہو گئے اور ان سب کو غرق کر دیا، جیسے اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْيَمِّ''۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) کو برکت والی سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جن کو کمزور سمجھا جاتا تھا، اور بنی اسرائیل کے متعلق آپ کے رب کا حسین وعدہ پورا ہو گیا، کیونکہ انہوں نے صبر کیا تھا اور ہم نے فرعون اور اس کے پیروکاروں کی صنعتوں کو اور ان کی بلند عمارتوں کو تباہ و برباد فرما دیا O'' (الاعراف: ۷_۱۳۷)

''وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ'': یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو اُن کا وارث بنا دیا اور وہ مصر کی سرزمین میں آباد ہو گئے۔ ''مَشَارِقَ الْاَرْضِ'': یعنی ارضِ مقدسہ۔ ''وَمَغَارِبَهَا'' یعنی الاردن اور فلسطین۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''مَشَارِقَ الْاَرْضِ'' سے مراد ہے ملکِ شام۔ ''الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِيْهَا'' یعنی جس زمین میں ہم نے برکت رکھی تھی وہاں پانی کی بہت زیادہ مقدار تھی، پھل بہت زیادہ تھے۔ ''وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ'': یعنی آپ کے رب نے جو بنی اسرائیل کی مدد کا وعدہ فرمایا تھا، وہ پورا ہو گیا۔ ''بِمَا صَبَرُوْا'': یعنی بنی اسرائیل نے فرعون اور قبطیوں کی سختیوں کو برداشت کیا اور فرعون کے دین کو قبول نہیں کیا۔ ''وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ'': یعنی فرعون اور اس کی قوم جو کچھ تعمیر کرتی تھی، ہم نے ان سب کو تباہ و برباد فرما دیا۔ ''وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾'': یعنی جو محلات اور باغات بناتے تھے، ان سب کو تہس نہس فرما دیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا سو اُن کا ایسی قوم پر گزر ہوا جو اپنے بتوں کی عبادت پر جمے بیٹھے تھے، بنی اسرائیل نے کہا: اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایسا معبود بنا دیجئے جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں، موسیٰ نے کہا: بے شک تم جہالت کی بات کرتے ہو O یقیناً یہ لوگ جن بتوں کی عبادت میں مشغول ہیں، وہ سب (بت) برباد ہونے والے ہیں اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ محض باطل ہے O''

(الاعراف: ۱۳۸_۱۳۹)

''وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤى اَصْنَامٍ لَّهُمْ'': یعنی بنی اسرائیل سمندر پار کر کے ایسی قوم

کے پاس سے گزرے جو بتوں کی عبادت کر رہی تھی اور بتوں کے سامنے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس آیت میں ''یَّعْکُفُوْنَ'' فرمایا ہے، جو لوگ کسی امر کو لازم کر لیں تو کہا جاتا ہے: یہ اس پر معتکف ہیں۔ اسی وجہ سے جو شخص مسجد میں قیام کو لازم کر لے اسے معتکف کہا جاتا ہے۔

''قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ'': بنی اسرائیل میں سے جاہلوں نے کہا: ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دیں جس کی ہم عبادت کریں، جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں جن کی یہ عبادت کر رہے ہیں۔

''قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝'': حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے فرمایا: تم بغیر علم کے حماقت کی بات کر رہے ہو۔

''اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝'': یعنی یہ لوگ جو بتوں کی عبادت کر رہے ہیں، یہ سب ہلاکت کے کام ہیں، گمراہی کے کام ہیں۔ ''التبار'' کے معنی ہیں: ہلاکت۔ قرآن مجید میں ہے: ''وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا ۝'' (نوح: ۲۸) ''(اور ظالموں کے اوپر صرف ہلاکت کو زیادہ فرما ○)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''موسیٰ نے کہا: کیا میں اللہ کے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں؟ حالانکہ اس نے تم کو تمام جہان والوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے ○'' (الاعراف: ۱۴۰)

''قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْكُمْ اِلٰهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۝'': یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہارے زمانہ کے تمام لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور تم پر متعدد احسانات فرمائے ہیں، تم اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کو نہیں پہچانتے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کو طلب کر رہے ہو؟ اور بنی اسرائیل میں سے یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے سامری کی دعوت پر لبیک کہا تھا جب اس نے ان کو بچھڑے کی عبادت کرنے کی دعوت دی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو یاد دلایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اے بنی اسرائیل اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعون کے پیروکاروں کے مظالم سے نجات عطا فرمائی جو تم کو سخت عذاب میں مبتلا رکھتے تھے، وہ تمہارے بیٹوں کو بکثرت قتل کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے، اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی ○''

(الاعراف: ۱۴۱)

''وَ اِذْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِۚ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْؕ وَ فِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ۝'' کہ اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون اور قبطیوں کے مظالم سے نجات عطا فرمائی تھی، جو تم کو شدید عذاب چکھاتے تھے، تمہارے بیٹوں کو قتل کر دیتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے تاکہ وہ ان سے خدمت لیں۔ اور اس عذاب کو دور فرمانے میں تمہارے رب کی طرف سے تم پر عظیم نعمت تھی۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۵۶۲۔۵۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةًۚ

وَ قَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا اور اُن کو (مزید) دس راتوں کے بعد پورا فرمایا، پس اُن کے رب کی مقرر کردہ مدت چالیس راتوں میں پوری ہوگئی، اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: میری قوم میں میرے نائب (بن کر) رہو اور (ان کی) اصلاح کرتے رہنا اور فساد کرنے والوں کے طریقہ پر نہ چلنا O

وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور انہوں نے اپنے رب سے کلام کیا، عرض کیا: اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھائیں میں آپ کا نظارہ کروں گا، فرمایا: تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے، ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ قائم رہا تو عنقریب تم بھی مجھے دیکھ لوگے، پھر جب اُن کے رب نے پہاڑ پر جلوہ فرمایا، اس کو ریزہ ریزہ کردیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب موسیٰ ہوش میں آئے تو عرض کیا: آپ (ہر عیب سے) پاک ہیں، میں (اپنی جسارت پر) آپ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں O

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَ بِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

فرمایا: اے موسیٰ! میں نے آپ کو (آپ کے زمانہ کے) تمام لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی اور اپنی رسالت اور اپنے کلام سے آپ کو مشرف فرمایا، سو جو کچھ میں نے آپ کو عطا فرمایا وہ لے لیں اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں O

وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّ اْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور ہم نے اُن کے لیے تورات کی تختیوں میں ہر (ضروری) چیز کی نصیحت اور ہر (ضروری) تفصیل لکھ دی، سوا ے موسیٰ! آپ ان تختیوں کو پوری قوت کے ساتھ پکڑ لیں اور اپنی قوم کو حکم دیں کہ اس کے احکام پر عمدہ طریقہ سے عمل کریں، عنقریب میں آپ کو

نافرمانوں کا گھر دکھاؤں گا O

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ (۱۴۶)

میں عنقریب اُن لوگوں کے دلوں کو اپنی آیات سے پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں، اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے، اور اگر وہ اخروی کامیابی کا راستہ دیکھ لیں پھر بھی اس راستہ کو اختیار نہیں کریں گے، اور اگر وہ گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس راستہ کو اختیار کر لیں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے (ہمیشہ) ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ ان سے لا پرواہی کرنے والے تھے O

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۴۷) ع

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا، ان کے (سب) اعمال ضائع ہو گئے، اب (آخرت میں) انہیں انہی کرتوتوں کی سزا ملے گی جو وہ کرتے تھے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا اور اُن کو (مزید) دس راتوں کے بعد پورا فرمایا، پس اُن کے رب کی مقرر کردہ مدت چالیس راتوں میں پوری ہوگئی، اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: میری قوم میں میرے نائب (بن کر) رہو اور (ان کی) اصلاح کرتے رہنا اور فساد کرنے والوں کے طریقہ پر نہ چلنا O'' (الاعراف: ۱۴۲)

پہاڑ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی میعاد

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، الاعراف: ۱۴۲ تا ۱۴۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً'': ذوالقعدہ کا پورا مہینہ ''وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ'': ذوالحجہ کے دس دن۔ ''فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ'': چالیس دن پورے ہونے کے بعد حضرت موسیٰ پہاڑ طور پر مناجات کے لیے گئے اور اپنے بھائی ہارون سے کہا: تم میری غیر موجودگی میں میری قوم پر میرے خلیفہ بن کر رہنا۔ ''وَاَصْلِحْ'': اور اُن کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ترغیب دیتے ہوئے ان کی اصلاح کرتے رہنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کی مراد یہ تھی کہ ان کے ساتھ نرمی اور حسنِ سلوک کرنا۔

''وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾'': یعنی اُن میں سے جولوگ اللہ کی نافرمانی کریں ان کا ساتھ نہ دینا، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے مصر میں یہ وعدہ کیا تھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک فرما دیں گے اور تمہیں ایسی کتاب عطا فرمائیں گے جس میں یہ لکھا ہوگا کہ تم نے کیا کام کرنے ہیں اور کیا کام نہیں کرنے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اُن کے دشمن کو ہلاک فرما دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ اب وہ کتاب عطا فرمائیں جس میں آپ کے احکام ہوں تو اللہ عزوجل نے یہ حکم فرمایا کہ وہ تیس دن روزے رکھیں۔ پھر جب تیس دن کے روزے پورے ہو گئے تو اُن کے مونہہ سے جو بُو آ رہی تھی اسے زائل کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مسواک کی، پس فرشتوں نے کہا کہ آپ کے مونہہ سے مشک کی خوشبو آتی تھی، آپ نے مسواک کر کے اس خوشبو کو زائل کر دیا تو اللہ عزوجل نے حکم فرمایا کہ اب آپ ذوالحجہ کے دس دن مزید روزے رکھیں اور ارشاد فرمایا کہ کیا آپ نہیں جانتے کہ روزہ دار کے مونہہ کی بو میرے نزدیک مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔

روزہ دار کے مونہہ کی بو کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: روزہ ڈھال ہے۔ پس روزہ میں (روزہ دار) بے حیائی کی بات نہ کرے اور نہ جاہلوں کی سی بات کرے۔ اگر کوئی مرد اس سے لڑے یا اس کو گالی دے تو اسے چاہیے کہ اس سے وہ دو دفعہ کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! روزہ دار کے مونہہ کی بو ضرور اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے، روزہ دار اپنے کھانے اور پینے کو اور اپنے شہوت کے تقاضوں کو میری وجہ سے ترک کر دیتا ہے۔ روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں خود اس کی جزاء عطا فرماؤں گا اور ہر نیکی کا اجر دس گنا ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۱۸۹۴، ۱۹۰۴، ۵۹۲۷، ۷۴۹۲، ۷۵۳۸، صحیح مسلم: ۱۱۵۱، سنن ترمذی: ۷۶۴، سنن نسائی: ۲۲۱۶، سنن ابوداؤد: ۲۳۶۳، سنن ابن ماجہ: ۱۶۳۸، مسند احمد: ۷۶۳۶، موطا امام مالک: ۶۸۹)

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف للکتب الستۃ ج ۱۳ ص ۲۳۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

روزہ دار کی فضیلت کی حدیث کی شرح

علامہ احمد علی السہارنفوری المتوفی ۱۲۹۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''الصیام جنۃ'': جُنَّۃٌ کا معنی ہے: جو چیز ساتر (بچانے والی) ہو، اسی وجہ سے ڈھال کو جُنَّۃ کہتے ہیں کیونکہ وہ دشمن کے حملوں سے ساتر ہوتی ہے۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی المتوفی ۵۴۴ھ نے کہا ہے کہ روزہ گناہوں سے بچاتا ہے یا دوزخ کے عذاب سے بچاتا ہے۔ (الاکمال ج ۴ ص ۱۱۰)۔ اور علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے کہ روزہ دوزخ کے عذاب سے بچاتا ہے۔ (المنہاج ج ۸ ص ۲۳۰)

''فلا یرفث'': یعنی بے حیائی کی باتیں نہ کرے۔ ''ولا یجہل'': یعنی زمانۂ جاہلیت کے کاموں میں سے کوئی کام نہ کرے۔ بے وقوفی کی باتیں نہ کرے اور نہ کسی کا مذاق اڑائے۔ اور سنن سعید بن منصور میں یہ اضافہ ہے ''اور جھگڑا نہ کرے''۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۹) اور ایک روایت میں ہے ''نہ کسی سے کوئی چیز چھینے''۔

''فلیقل: انی صائم'': یعنی گالی دینے والے کو اپنی زبان سے کہے کہ میں روزہ دار ہوں یا اپنے دل سے اس کو جھڑ کے اور ایک

قول یہ ہے کہ فرض روزہ میں تو زبان سے کہے اور نفلی روزہ میں دل سے کہے۔ علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ یہ اختلاف نفلی روزہ میں ہے، رہا فرض روزہ تو قطعی طور پر زبان سے کہے۔ (توشیح ج ۴ ص ۱۴۱۳)

''لَخُلُوف'': خاء اور لام دونوں پر پیش ہے اور اس کے بعد واؤ ساکن ہے۔ قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے: یہی روایت صحیح ہے۔ (الاکمال ج ۴ ص ۱۱۱) ۔علامہ الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ ھ نے لکھا ہے کہ بعض مشائخ نے کہا ہے یہ لفظ خَلُوف ہے خاء اور لام پر زبر۔ (اصلاح غلط المحدثین ص ۱۰۱، ۱۰۲) اور ان کا یہ قول غلط ہے۔ علامہ القابسی نے خلوف کی دونوں حرکات کو ذکر کیا ہے اور علامہ نووی نے لکھا ہے کہ خلوف میں خاء پر زبر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (شرح المہذب ج ۴ ص ۱۰۵) اور علامہ السیوطی المتوفی ۹۱۱ ھ نے لکھا ہے کہ خلوف کے لفظ کو غلطی سے خاء کی زبر کے ساتھ لکھا گیا ہے اور اس کا معنی روزہ رکھنے کی وجہ سے مونہہ کی بو ہے۔

''لخُلُوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسك'': اس میں اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے سے کنایہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن اس کے مونہہ کی خوشبو زیادہ ہوگی۔ یعنی میں اس کو بغیر حساب کے جزاء کثیر عطا فرماؤں گا۔

(فتح الباری ج ۴ ص ۱۰۸)

''انا اجزی به'': اس میں روزہ دار کے ثواب کی کثرت کا بیان ہے کیونکہ کریم جب یہ خبر دیتے ہیں کہ وہ خود جزاء عطا فرمائیں گے تو یہ اس جزا کی عظمت اور وسعت کا تقاضا کرتا ہے، یعنی اس کی جزا میں خود عطا فرماؤں گا کوئی اور نہیں دے گا۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۲۷۸، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت ۱۴۳۲ ھ)

روزہ دار کو ''از خود جزا دینے'' کی شرح از مصنف

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی متعدد توجیہات ہیں، ایک توجیہ یہ ہے کہ جس شخص پر بندوں کے حقوق ہوں گے تو ظالم کی تمام نیکیاں مظلوم کو دے دی جائیں گی حتیٰ کہ صرف روزہ رہ جائے گا، قریب تھا کہ ظالم کا روزہ بھی مظلوم کو دے دیا جاتا، اس وقت اللہ عزوجل ارشاد فرمائیں گے: ''روزہ میرے لئے ہے'' یعنی اس کے روزہ کی عبادت کسی اور کو عطا نہیں فرمائی جائے گی۔

(سعیدی غفرلہٗ)

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سفیان بن عیینہ سے سوال کیا کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے روایت کیا ہے کہ ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہوتا ہے ماسوا روزہ کے، کیونکہ روزہ میرے لئے ہے اور اس کی جزا میں خود عطا فرماؤں گا؟

ابن عیینہ نے کہا: یہ بہت عمدہ اور بہت مستحکم حدیث ہے، کیونکہ جب قیامت کا دن ہوگا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے حساب لیں گے اور بندوں کے حقوق میں سے اس کے تمام نیک اعمال صاحب حق کو دے دیے جائیں گے حتیٰ کہ صرف روزہ باقی رہ جائے گا، تو اس بندہ پر بندوں کے جو باقی حقوق ہوں گے ان کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ادا فرمائیں گے اور روزہ کی وجہ سے اس کو جنت میں داخل فرما دیں گے، اور یہی اس حدیث کا معنی ہے ''روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا عطا فرماؤں گا''۔

(الجامع لشعب الایمان ج ۵ ص ۲۰۵، مکتبۃ الرشد، مدینہ منورہ ۱۴۲۳ ھ)

جس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ کسی بندے کی نیکیاں صاحب حق کو دے دی جائیں گی اس حدیث کا متن درج ذیل ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: ہم میں مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی درہم ہو نہ کوئی سامان ہو تو آپ نے فرمایا: میری امت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نمازیں، روزے اور زکوٰۃ اور صدقات لے کر آئے گا اور اس نے کسی شخص کو گالی دی ہوگی اور کسی شخص پر تہمت لگائی ہوگی اور کسی شخص کا مال کھایا ہوگا اور کسی شخص کا خون بہایا ہوگا یا اس کو مارا ہوگا تو اس شخص کی نیکیوں میں سے نیکیاں صاحبِ حق کو دے دی جائیں گی، یعنی جن لوگوں پر اس کے حقوق تھے، پھر جب اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو اصحابِ حقوق کے گناہ اس شخص پر ڈال دیئے جائیں گے پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم: ۲۵۸۱، سنن ترمذی: ۲۴۱۸، مسند احمد: ۸۴۱۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: "روزہ کے سوا ہر عمل کا کفارہ ہو جائے گا، (لیکن) روزہ میرے لیے ہے اس کی جزا میں خود عطا فرماؤں گا"۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۴۶۷، طبع قدیم، مسند احمد: ۱۰۰۲۵، ج ۱۶ ص ۵۷، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور انہوں نے اپنے رب سے کلام کیا، عرض کیا: اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھائیں میں آپ کا نظارہ کروں گا، فرمایا: تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے، ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ قائم رہا تو عنقریب تم بھی مجھے دیکھ لو گے، پھر جب اُن کے رب نے پہاڑ پر جلوہ فرمایا، اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب موسیٰ ہوش میں آئے تو عرض کیا: آپ (ہر عیب سے) پاک ہیں، میں (اپنی جسارت پر) آپ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں O" (الاعراف: ۱۴۳)

پہاڑ طور پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات

"وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ": یعنی جب موسیٰ اس وقت آئے جس وقت کو ہم نے اُنہیں کلام سے مشرف فرمانے کے لیے مقرر کیا تھا، مفسرین نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غسل کیا اور اپنے رب کے پاس مقررہ وقت پر جانے کے لیے پاکیزہ لباس پہنا، پھر جب وہ طور سیناء پر آئے اور اس قصہ میں مذکور ہے کہ اللہ عزوجل نے ایک بادل نازل فرمایا جو چار فرسخ پر محیط تھا اور شیطان کو اس پہاڑ سے دور کر دیا اور حشرات الارض کو بھی وہاں سے ہٹا دیا۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرشتوں کو ہوا میں کھڑے ہوئے دیکھا اور اُن کے سامنے عرش ظاہر تھا اور اللہ عزوجل نے اُن سے کلام فرمایا اور اُن سے مناجات کی حتیٰ کہ ان کو اپنا کلام سنایا۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام اُن کے ساتھ تھے اور انہوں نے نہیں سنا کہ اُن کے رب نے اُن سے کیا کلام فرمایا اور اُن کو اپنے قریب کیا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قلم کے چلنے کی آواز سنی۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اللہ عزّ اسمہ کو دیکھنے کا سوال

پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے رب کا کلام بہت میٹھا لگا اور وہ اپنے رب کو دیکھنے کے مشتاق ہوئے، پس کہا: "رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ

اِلَيْكَ '': الزجاج نے کہا: اس آیت میں اختصار ہے، اصل عبارت یہ ہے: اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھائیں، میں اس کا نظارہ کروں گا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا کیسے ارادہ کیا حالانکہ ان کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں نہیں دکھائی دیں گے؟

حسن بصری نے کہا: اُن پر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا شوق غالب آ گیا، سو اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا سوال کیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اُن کا گمان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں دکھائی دے سکتے ہیں، اللہ سبحانہٗ نے فرمایا: ''لَنْ تَرٰىنِيْ '': یعنی کسی بشر میں اللہ تعالیٰ کو دنیا میں دیکھنے کی طاقت نہیں ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کو دنیا میں دیکھا وہ فوت ہو جائے گا۔ سو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میں نے آپ کا کلام سنا تو میں آپ کو دیکھنے کا مشتاق ہو گیا اور میں آپ کی طرف دیکھوں پھر مر جاؤں، یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں زندہ رہوں اور آپ کو نہ دیکھوں۔ تب اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ '': اور یہ مدین میں سب سے بڑا پہاڑ تھا اس کا نام زبیر ہے۔ السدی نے کہا: جب اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے مشرف فرمایا تو خبیث ابلیس زمین میں دھنس گیا حتیٰ کہ نیچے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدموں کے پاس سے نکلا اور اس خبیث نے کہا: جس نے تم سے کلام کیا ہے وہ شیطان ہے۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی: اے اللہ! مجھے اپنی ذات دکھائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''لَنْ تَرٰىنِيْ ''۔

اللہ تعالیٰ کے دنیا میں دکھائی دینے کے متعلق معتزلہ اور جمہور اہلسنت کا اختلاف

معتزلہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا سوال کرنا جائز نہیں ہے لیکن اُن کی یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ مجھے دنیا میں ہرگز نہیں دیکھ سکتے، یا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اس وقت مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ اور اس آیت میں ''لَنْ '' تابید یعنی دوام کے لیے نہیں ہے، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ تم کبھی بھی مجھے نہیں دیکھ سکتے۔

اللہ تعالیٰ کا دنیا میں دکھائی دینا ممکن ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دکھائی دینے کو پہاڑ کے استقرار پر معلق فرمایا ہے اور اللہ عزوجل کے جلوہ فرما ہونے کے بعد پہاڑ کا اپنی جگہ پر ٹھہرے رہنا محال نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس پہاڑ میں ایسی طاقت پیدا فرما دیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کے باوجود اپنی جگہ ٹھہرا رہے، لہٰذا پہاڑ کا اپنی جگہ پر ٹھہرے رہنا ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دکھائی دینے کو پہاڑ کے اپنی جگہ استقرار پر معلق فرمایا ہے اور جو ممکن پر معلق ہو وہ بھی ممکن ہوتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا اس دنیا میں دکھائی دینا ممکن ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سوال ناجائز نہیں ہے۔

''فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا '': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب آپ کے رب کا نزول زُبیر پہاڑ پر چمکا تو پہاڑ طور ریزہ ریزہ ہو گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: ''فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا '' اور آپ نے اپنے انگوٹھے کی ایک طرف دائیں چھنگلی پر رکھی۔ (یعنی اتنی مقدار تجلی فرمائی) تو پہاڑ زمین میں دھنس گیا۔

(سنن ترمذی: ۳۰۷۴، ۳۰۸۵، السنہ لابن ابی عاصم: ۴۸۱، صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۲۵۸، تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۷۰۹۳، الکامل لابن عدی ج ۲ ص

۶۷۷، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۲۵، مسند احمد: ۱۲۲۶۰، موسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

"فَلَمَّآ اَفَاقَ": یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہونے کے بعد ہوش میں آ گئے اور انہوں نے یہ جانا کہ انہوں نے اللہ عزوجل سے اس چیز کا سوال کیا جو انہیں نہیں کرنا چاہیے تھا تو انہوں نے کہا: "سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ": اے میرے رب! آپ ہر عیب سے پاک ہیں اور میں آپ کو دیکھنے کے سوال سے رجوع کرتا ہوں۔ "وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝": یعنی میں سب سے پہلے اس پر ایمان لانے والوں میں سے ہوں کہ آپ کو دنیا میں نہیں دیکھا جا سکتا۔ اور مجاہد اور السدی نے کہا: یعنی بنی اسرائیل میں سے سب سے پہلے آپ پر ایمان لاتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوالِ دیدار کو پورا نہیں فرمایا، اس کی توجیہات

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے بارالٰہ! مجھے اپنی ذات دکھایئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول نہیں فرمائی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا قبول نہیں فرمائی، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے چھ (قسم کے) مردوں پر لعنت کی ہے اور اللہ نے بھی ان پر لعنت فرمائی ہے اور "کل نبی یجاب" ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے۔ الحدیث

(سنن ترمذی: ۲۱۵۴، ۲۱۶۱، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۳۶، ج ۲ ص ۵۲۵، ج ۴ ص ۹۰، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۶، السنۃ لابن ابی عاصم: ۴۴، شرح مشکل الآثار: ۳۴۶۲، صحیح ابن حبان: ۵۷۴۹، کتاب الدعاء للطبرانی: ۲۰۹۰، المعجم الاوسط: ۱۶۶۷، المعجم الکبیر للطبرانی: ۳۸۸۳، کتاب القضاء والقدر للبیہقی: ۴۲۴، شعب الایمان: ۳۲۷، موارد الظمآن: ۵۲، التیسیر شرح جامع الصغیر ج ۲ ص ۵۵، ۵۶)

دوسری دلیل یہ ہے امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندہ کے متعلق فرماتے ہیں: "وان سالنی لاعطینّہ" اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور بہ ضرور عطا فرماتا ہوں"۔

(صحیح البخاری: ۶۵۰۲، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۵ طبع جدید، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۴۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۴۶، ج ۱۰ ص ۲۱۹، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۴۹۱، صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۵، مشکوۃ رقم الحدیث: ۲۲۶۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۳۲۷)

(مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۶، دار الفکر، طبع قدیم، مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۳ھ، مسند احمد ج ۸ ص ۵۰۶، عالم الکتب بیروت، ۱۴۱۹ھ)، (مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۰۷۱، دار الحدیث، قاہرہ، ۱۴۱۶ھ، مسند احمد: ۲۶۱۹۳، موسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)۔

میں کہتا ہوں: جب اللہ عزوجل عام بندۂ محبوب کے سوال کو ضرور بہ ضرور پورا فرماتے ہیں تو حضرت سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول اور بہت محبوب نبی ہیں، کیسے ممکن ہے کہ وہ سوال کریں اور اللہ عزوجل پورا نہ فرمائیں۔

اس حدیث کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے یہ ارشاد فرمایا ہے "لَنْ تَرٰىنِيْ" یعنی آپ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سوال اس وقت رد ہوتا جب اللہ تعالیٰ یوں فرماتے: "لَنْ اُرِيَكَ" میں آپ کو ہرگز نہیں دکھاؤں گا، سو اس آیت کا محمل یہ ہے کہ اے پیارے موسیٰ! مجھے تو آپ کو اپنی ذات دکھانے سے کوئی انکار نہیں ہے لیکن کریں کیا کہ آپ مجھے دیکھ نہیں سکتے۔ یعنی آپ کی آنکھوں میں وہ طاقت اور قوت نہیں ہے جو میرے جلووں کو سہار سکے، یہ قوت اور طاقت تو میں نے ایک ہی ذات

میں رکھی ہے اور وہ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی ذات ہے جن کے متعلق میں نے خود فرمایا: ''مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ ... (النجم: ۱۷)'' (نہ ان کی آنکھ دوسری طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے متجاوز ہوئی O)۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھوں میں ایسی قوت اور طاقت کا نہ ہونا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کو سہار سکیں

اب اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ مانا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں میں ایسی قوت اور طاقت نہیں تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کو سہار سکتیں، لیکن اللہ تعالیٰ تو اس پر قادر ہیں کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں میں ایسی قوت اور طاقت پیدا فرما دیں جس سے وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کر سکیں اور اس کی تجلیات کو سہار سکیں۔

اس سوال کا جواب کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں میں ایسی قوت اور طاقت کیوں نہ پیدا فرما دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کر سکتے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بعض چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو ہوتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت میں نہیں ہوتیں، مثلاً اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ انسان کا مونہہ چہرے پر ہوتا اور اس کی آنکھیں اس کے پیچھے گدی پر لگا دیتے، لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت میں نہیں تھی، اس کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ جس طرف چہرہ ہے آنکھیں بھی اسی رخ پر ہوں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات متعدد ہیں، سو اللہ تعالیٰ کی صفات کے مظاہر بھی متعدد ہیں، حضرت ایوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی صفتِ صبر کے مظہر ہیں، حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی صفتِ صدق کے مظہر ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حسن کے مظہر ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے شفاء دینے کے مظہر ہیں، سو صفات متعدد ہیں اس لئے اس کے مظاہر بھی متعدد انبیاء علیہم السلام ہیں اور چونکہ اللہ عزوجل کی ذات واحد ہے، اس لئے اس کی ذات کا مظہر بھی واحد ہونا چاہیے، لہٰذا اس کی ذات کے مظہر سیدنا محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا ہیں۔

اس سوال کا جواب کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ذات کا مظہر کیوں نہ بنا دیا؟

اب اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ذات کا مظہر بنا دیتے اور سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی صفت کا مظہر بنا دیتے، ایسا کیوں نہیں کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی ذات میں اور اللہ عزوجل کی ذات میں کئی وجوہ سے مناسبت ہے جو مناسبت کسی اور نبی میں نہیں ہے خواہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوں یا کوئی اور نبی ہو۔ کیونکہ اللہ عزوجل اول، آخر، ظاہر اور باطن ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اول، آخر، ظاہر اور باطن ہیں۔ آپ اول ہیں اس لئے کہ سب سے پہلے آپ کی تخلیق فرمائی گئی، آپ آخر ہیں، اس لئے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے آخر میں آپ کو مبعوث فرمایا گیا، آپ ظاہر ہیں، اس لئے کہ تمام حقائق کائنات نے آپ کی نبوت کا اعتراف کیا اور آپ کا کلمہ پڑھا۔ آپ باطن ہیں، کیونکہ کائنات کے ہر ذرّے میں حقیقتِ محمدی مستور ہے۔ علاوہ ازیں حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بیٹھے ہوئے آپ کا انتظار کر رہے تھے، انہوں نے بیان کیا جب آپ باہر آئے اور صحابہ کے قریب ہوئے، آپ نے سنا وہ آپس میں ذکر کر رہے تھے، ان میں سے کسی نے کہا: کتنے

تعجب کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو خلیل بنانا تھا تو حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا، اور دوسرے نے کہا: اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنا کلیم بنانا تھا تو حضرت موسیٰ کو اپنا کلیم بنایا، ایک اور نے کہا: پس حضرت عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں، اور دوسرے نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے فضیلت عطا فرمائی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور ان کو سلام فرمایا اور آپ نے ارشاد فرمایا: میں نے تمہاری باتیں سنیں اور تمہارا تعجب سنا، بے شک ابراہیم اللہ کے خلیل ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں، اور بے شک موسیٰ اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنے والے ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں، اور عیسیٰ اللہ کی پسندیدہ روح ہیں اور اس کا کلمہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں اور آدم اللہ کے برگزیدہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں، سنو' وانا حبیب اللہ ولا فخر'' میں اللہ کا محبوب ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔ (سنن ترمذی: ۳۶۱۶)

سو حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلیم ہیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا مظہر وہی ہوسکتا ہے جس کی ذات کی اللہ تعالیٰ کے ذات کے ساتھ مناسبت ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو اور وہ اس کائنات میں ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کے سوا اور کوئی نہیں ہے، سو یہ تو ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی صفتِ کلام کا مظہر بنا دیں، لیکن یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی ذات کا مظہر بنا دیں، اور چونکہ اس کی ذات واحد ہے لہٰذا ذات کا مظہر بھی واحد ہی ہوسکتا ہے اور وہ ہمارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''فرمایا: اے موسیٰ! میں نے آپ کو (آپ کے زمانہ کے) تمام لوگوں پر فضیلت دی اور اپنی رسالت اور اپنے کلام سے آپ کو مشرف فرمایا، سو جو کچھ میں نے آپ کو عطا فرمایا وہ لے لیں اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں ○'' (الاعراف: ۱۴۴)

''قَالَ یٰمُوۡسٰۤی اِنِّی اصۡطَفَیۡتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیۡ وَ بِکَلَامِیۡ'': یعنی اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ! میں نے آپ کو لوگوں پر اپنی رسالت اور اپنے کلام سے فضیلت عطا فرمائی: ''فَخُذۡ مَاۤ اٰتَیۡتُکَ وَ کُنۡ مِّنَ الشّٰکِرِیۡنَ ○'': پس جو کچھ میں نے آپ کو عطا فرمایا ہے، اسے مضبوطی سے لے لیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے والے ہو جائیں۔

پہاڑ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا قصہ

اس قصہ میں مذکور ہے: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے کلام کیا تو کوئی شخص ان کی طرف دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ اور ان کے چہرے پر نور اتنا زیادہ تھا کہ جو دیکھتا وہ بے ہوش ہو جاتا، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے چہرہ پر نقاب ڈالے رکھتے تھے۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زوجہ نے اُن سے کہا: جب سے آپ اللہ عزوجل سے کلام کر کے تشریف لائے ہیں میں نے آپ کو نہیں دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے چہرے سے نقاب اتاری تو سورج کی شعاعوں کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چہرہ تابناک نظر آیا، ان کی بیوی نے اپنا ہاتھ اپنے چہرہ پر رکھ دیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر گئیں اور عرض کرنے لگیں: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ جنت میں بھی مجھے آپ کی زوجیت میں رکھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تمہاری یہ تمنا پوری ہو جائے گی بشرطیکہ تم میرے بعد کسی اور شخص سے نکاح نہ کرو۔

پہاڑ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ عزوجل سے مکالمہ

کعب احبار سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے عرض کیا: اے میرے رب! بے شک میں نے ایسی امت کو دیکھا جو جب کسی بلندی پر چڑھتی ہے تو اللہ اکبر کہتی ہے اور جب کسی وادی سے اترتی ہے تو الحمدللہ کہتی ہے، پاک مٹی اُن کے لیے طہارت ہے اور روئے زمین میں وہ جہاں بھی نماز پڑھیں وہ ان کے لیے مسجد ہے، اُن کی پیشانیاں اور اُن کے ہاتھ پیر وضو کے آثار سے سفید اور چمکتے ہوئے ہوں گے، اے بارالٰہ! ان لوگوں کو میری امت بنادیں۔ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: وہ تو ''احمد'' کی امت ہے، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میں نے دیکھا کہ ایسی ایک امت ہے جو جب نیکی کا ارادہ کرے اس پر عمل نہ کرے تب بھی اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر وہ اس نیکی پر عمل کرے تو اس کی نیکی دس سے لے کر سات سو نیکیوں تک لکھ دی جاتی ہے اور جب وہ کسی گناہ کا ارادہ کرے اور اس گناہ کا ارتکاب نہ کرے تو وہ گناہ نہیں لکھا جاتا، اور اگر وہ گناہ کا ارتکاب کرلے تو صرف ایک گناہ لکھا جاتا ہے، اے خداوندا! اس کو میری امت بنادیں۔ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: وہ امت ''محمد'' ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میں نے ایسی امت کو پایا کہ اُن میں سے بعض لوگ گناہ کرکے اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہوں گے، بعض وہ ہوں گے جو نیک کاموں میں اور گناہوں میں معتدل ہوں گے اور بعض وہ ہوں گے جو بڑھ چڑھ کر نیکیاں کرنے والے ہوں گے اور اُن میں سے ہر ایک پر رحم فرمایا گیا ہے، پس اے رب العالمین! اس امت کو میری امت بنادیں۔ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: یہ امتِ ''احمد'' ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میں ایسی امت کو دیکھ رہا ہوں جن کے سینوں میں آپ کی کتاب ہوگی اور وہ اہلِ جنت کے رنگ برنگ لباس پہنیں گے، وہ نماز کی صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائیں گے اور پست آواز سے مسجدوں میں آپ کا ذکر کریں گے، ان میں سے کوئی ایک بھی کبھی دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ اے میرے رب! ان کو میری امت بنادیں۔ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: وہ امتِ ''احمد'' ہے۔ پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس خیر کو حاصل کرتے کرتے تھک گئے جو اللہ تعالیٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی امت کو عطا فرمائی ہے تو انہوں نے کہا: کاش! میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب میں سے ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر درج ذیل آیات نازل فرمائیں: '' قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَ بِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ ...... وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ ... (الاعراف: ۱۴۴۔۱۵۹)'' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے پوری طرح راضی ہوگئے۔

اس اثر کی سند ضعیف ہے، اس اثر کی سند میں رشدین بن سعد ہے اور وہ بالکل ضعیف ہے۔ اس اثر کا ماخذ الاسرائیلیات ہیں کیونکہ کعب الاحبار اسلام لانے سے پہلے علماء اہلِ کتاب میں سے تھے، اس کے بعد وہ مسلمان ہوئے اور انہوں نے علماء یہود سے جو روایات سنی تھیں ان کو ترک نہیں کیا بلکہ اسرائیلیات سے احادیث بیان کرتے تھے۔ اور اگر وہ تمام اسرائیلیات کو ترک کردیتے اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو حفظ کرتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اسی طرح اسماء رجال کے ماہرین نے بیان کیا ہے، ہم اللہ عزوجل سے سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے اُن کے لیے تورات کی تختیوں میں ہر (ضروری) چیز کی نصیحت اور

ہر (ضروری) تفصیل لکھ دی، سوائے موسیٰ! آپ ان تختیوں کو پوری قوت کے ساتھ پکڑ لیں اور اپنی قوم کو حکم دیں کہ اس کے احکام پر عمدہ طریقہ سے عمل کریں، عنقریب میں آپ کو نافرمانوں کا گھر دکھاؤں گا O''

(الاعراف: ۱۴۵)

''وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا'':
حسن بصری نے کہا کہ تورات کی الواح لکڑی کی تھیں۔ الکلبی نے کہا: وہ الواح سبز زمرد کی تھیں اور سعید بن جبیر نے کہا: وہ الواح سرخ یاقوت کی تھیں۔ امام ابن جریج نے کہا کہ وہ الواح زمرد کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم دیا تو وہ اُن الواح کو عدن سے لے کر آئے تھے، وہب بن منبہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ایک پتھر سے اُن الواح کو تراش کر نرم فرمادیا تھا، پھر اپنے ہاتھ سے اُن الواح کو قطع فرمایا۔

عبداللہ بن حارث اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل نے تین چیزوں کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا ہے، حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا ہے اور تورات کو اپنے ہاتھ سے لکھا، اور فردوس میں پودے اپنے ہاتھ سے لگائے۔

(سنن دارقطنی، الصفات: ۲۸، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۶۹۲، کتاب العظمۃ للشیخ: ۲: ۱۰۳، امام بیہقی نے کہا کہ یہ حدیث مرسل ہے)

حضرت الربیع بن انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ تورات کی تختیوں کو ستر اونٹوں پر لادا گیا اور تورات کو صرف چار مردوں نے پڑھا ہے: (۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام، (۲) حضرت یوشع بن نون علیہ السلام (۳) حضرت عزیر علیہ السلام، (۴) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

تورات میں تمام احکام لکھے گئے تھے اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے وہ سب لکھی گئی تھیں اور جہالت سے منع فرمایا تھا اور نصیحت فرمائی تھی اور جن چیزوں سے آخرت میں عذاب کا خطرہ ہو ان چیزوں کا بیان فرمایا تھا۔ اور اس میں اوامر اور نواہی اور حلال اور حرام اور حدود اور احکام کو بیان فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اس کو پوری کوشش کے ساتھ پکڑ لیجئے یا پورے دل کے عزم کے ساتھ پکڑ لیجئے، اور اپنی قوم کو حکم دیجئے کہ اس کے احکام پر اچھے طریقہ سے عمل کریں۔

عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ تورات میں جن چیزوں کو حلال فرمایا ہے ان کو حلال قرار دیں اور جن چیزوں کو حرام فرمایا ہے ان سے اجتناب کریں، اس کی مثالوں کو غور سے پڑھیں، اس کی محکم آیات کو غور سے پڑھیں اور متشابہ آیات پر توقف کریں، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں سب سے زیادہ عبادت کرنے والے تھے، سو انہیں ایسے احکام دیئے گئے جو عام بنی اسرائیل کو نہیں دیے گئے تھے۔

''سَأُورِيكُمْ دَارَ الْفٰسِقِينَ ۞'': الحسن بصری اور عطاء بن ابی رباح نے کہا: یعنی میں تم کو عنقریب دوزخ دکھاؤں گا کہ کہیں تم دوزخیوں کی مثل نہ ہو جاؤ۔ اور قتادہ اور دوسروں نے کہا: عنقریب میں تم کو ملکِ شام میں داخل فرماؤں گا، پھر تم کو گزشتہ قوموں کے ٹھکانے دکھاؤں گا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کی تھی تو ان کا کیا انجام ہوا تا کہ تم اس سے نصیحت حاصل کرو۔ اور السدی نے کہا: دار الفاسقین سے مراد ہے: کفار کے گرنے کی جگہ۔ اور الکلبی نے کہا کہ پچھلی قوموں میں سے عاد اور ثمود کی اُن بستیوں کو دکھاؤں گا جو ہلاک ہو چکی ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”میں عنقریب اُن لوگوں کے دلوں کو اپنی آیات سے پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں، اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے، اور اگر وہ اخروی کامیابی کا راستہ دیکھ لیں پھر بھی اس راستہ کو اختیار نہیں کریں گے، اور اگر وہ گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس راستہ کو اختیار کر لیں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے (ہمیشہ) ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ ان سے لاپرواہی کرنے والے تھے O“ (الاعراف:۱۴۶)

”سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ وَ اِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَ اِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ۚ وَ اِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ۝“: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو تکبر کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے جنگ کرتے تھے، جن کو تمام نشانیاں دکھائی گئیں اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اُن کے عناد کی وجہ سے اُن کو ہدایت سے محروم فرما دیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا، ان کے (سب) اعمال ضائع ہو گئے، اب (آخرت میں) انہیں انہی کرتوتوں کی سزا ملے گی جو وہ کرتے تھے O“ (الاعراف:۱۴۷)

”وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝“: یعنی ان لوگوں نے ہماری نشانیوں کی تکذیب کی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا انکار کیا، ان کے کئے ہوئے نیک اعمال ضائع ہو گئے اور ان کو آخرت میں ان کے کرتوتوں کی سزا ملے گی۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۳۱۔۲۳۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُكَلِّمُهُمْ وَلَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ۝۱۴۸

وقف لازم

اور موسیٰ کے (میقات پر جانے) کے بعد ان کی قوم نے اپنے زیورات کو ڈھال کر بچھڑے کا ایک مجسمہ بنا لیا جس سے بیل کی طرح آواز نکلتی تھی، کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ بچھڑے کا مجسمہ نہ اُن سے بات کر سکتا تھا اور نہ انہیں ہدایت کا راستہ دکھا سکتا تھا، (پھر بھی) انہوں نے اس کو اپنا معبود قرار دے ڈالا اور وہ تھے ہی ظالم لوگ O

وَلَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَیَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝۱۴۹

اور جب وہ سخت نادم ہوئے اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ گمراہ ہو چکے ہیں تو انہوں نے کہا: اگر ہمارے رب ہم پر رحم نہ فرمائیں اور ہماری مغفرت نہ فرمائیں تو ہم ضرور بہ ضرور تباہ ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے O

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًاۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْۚ وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَ كَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ﱪ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَ لَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۰﴾

اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف حالتِ غضب میں افسوس کے ساتھ لوٹے تو (قوم سے) کہا: تم لوگوں نے میرے جانے کے بعد کتنے برے کام کیے، کیا تم نے اپنے رب کا حکم ماننے سے پہلے ہی جلد بازی کی، اور موسیٰ نے (تورات کی) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی (ہارون) کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے، (ہارون نے) کہا: اے میری ماں کے بیٹے! بے شک (ان) لوگوں نے مجھے بے بس کر دیا تھا اور قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کر ڈالتے، سو آپ دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیں اور مجھے (ان) ظالم لوگوں کے ساتھ (شامل) نہ کریں O

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِاَخِیْ وَ اَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ﱪ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾

موسیٰ نے دعا کی: اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی (ہارون) کو بخش دیجیے اور ہمیں اپنی رحمت میں شامل فرما لیجیے اور آپ رحم فرمانے والوں میں سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور موسیٰ کے (میقات پر جانے) کے بعد ان کی قوم نے اپنے زیورات کو ڈھال کر بچھڑے کا ایک مجسمہ بنا لیا جس سے بیل کی طرح آواز نکلتی تھی، کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ بچھڑے کا مجسمہ نہ اُن سے بات کر سکتا تھا اور نہ انہیں ہدایت کا راستہ دکھا سکتا تھا، (پھر بھی) انہوں نے اس کو اپنا معبود قرار دے ڈالا اور وہ تھے ہی ظالم لوگ O'' (الاعراف: ۱۴۸)

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، الاعراف: ۱۴۸ تا ۱۵۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ'': یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پہاڑ طور کی طرف روانہ ہونے کے بعد۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم سے تیس (۳۰) دن کا وعدہ کیا تھا، پس جب ان کو تیس دن سے زیادہ دن ہو گئے تو السامری نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے کہا: تم نے فرعون کے پیروکاروں سے زیورات عاریۃً لیے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تم کو وہ زیورات بنی اسرائیل کو واپس نہ کرنے کی یہ سزا دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمہارے پاس آنے سے روک لیا ہے۔ پس تم وہ سارے

زیورات جمع کرو جوتم نے فرعون کے پیروکاروں سے لئے تھے حتیٰ کہ ہم اُن زیورات کو جلا دیں، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس عمل کو قبول فرمائیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہماری طرف واپس لوٹا دیں۔ سوانہوں نے بنی اسرائیل سے لیے ہوئے زیورات کو جمع کیا اور سامری سونے سے زیورات کو ڈھالنے والا تھا۔

''مِنۡ حُلِیِّهِمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ'': اس نے ان زیورات کو آگ میں ڈالا اور اس پگھلے ہوئے سونے سے ایک بچھڑا تیار کرلیا۔ اور سامری نے حضرت جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے نشانات میں زندگی کے آثار دیکھے تھے، کیونکہ گھوڑی جس جگہ بھی اپنے کھر یعنی پیر کو رکھتی تو اس کے نیچے سے سبزہ پیدا ہو جاتا، تو اس نے اُن کی گھوڑی کے پیروں کے نیچے آنے والی مٹی کو اپنی مٹھی میں بھرلیا اور اس کو اپنے پاس محفوظ رکھا، پھر اس مٹی کو اس بچھڑے کے مجسمہ میں ڈال دیا تو زیورات سے ڈھالا ہوا بچھڑا ایک جسم کی صورت میں ہوگیا اور وہ آواز نکالنے لگا۔

الزجاج نے کہا: جسد اس کو کہتے ہیں کہ جس میں عقل اور تمیز نہ ہو اور یہاں پر جسد کا معنی فقد جثہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ مجسمہ ایسا بچھڑا بن گیا جس میں گوشت اور خون تھا اور وہ ایسی آواز نکال رہا تھا جیسے بچھڑا آواز نکالتا ہے اور اس سے صرف وہی آواز سنائی دیتی تھی۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے: اس نے وہ بچھڑا اس طرح بنایا تھا کہ اس کے سوراخوں سے ہوا گزرتی تھی اور ہوا کے گزرنے سے ایسی آواز پیدا ہوتی تھی جیسے بچھڑے کی آواز ہو، پس السامری نے اپنی قوم سے کہا: یہ بچھڑا تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے، تو بنی اسرائیل میں سے جاہل لوگ اس کی باتوں سے دھوکہ کھا گئے اور انہوں نے اس بچھڑے کی پرستش کرنا شروع کردی۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''اَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّهٗ لَا یُكَلِّمُهُمۡ'': کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ بچھڑا ان سے باتیں کرنے پر قادر نہیں تھا۔

''وَلَا یَهۡدِیۡهِمۡ سَبِیۡلًا'': اور نہ انہیں کسی راستہ کی رہنمائی کرسکتا تھا۔

''اِتَّخَذُوۡهُ وَكَانُوۡا ظٰلِمِیۡنَ ۝'' انہوں نے اس بچھڑے کو اپنا معبود قرار دے ڈالا اور وہ اپنے اس عمل سے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب وہ سخت نادم ہوئے اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ گمراہ ہو چکے ہیں تو انہوں نے کہا: اگر ہمارے رب ہم پر رحم نہ فرمائیں اور ہماری مغفرت نہ فرمائیں تو ہم ضرور بہ ضرور تباہ ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے ○'' (الاعراف: ۱۴۹)

''وَلَمَّا سُقِطَ فِیۡۤ اَیۡدِیۡهِمۡ'': یعنی جب وہ لوگ اپنی کارروائی پر نادم ہوئے، جب کوئی شخص اپنے کسی فعل پر نادم ہو تو کہا جاتا ہے ''سقط فی یدہ''۔

''وَرَاَوۡا اَنَّهُمۡ قَدۡ ضَلُّوۡا'': اور ان پر یہ منکشف ہوگیا کہ وہ سیدھے راستہ سے بھٹک چکے ہیں۔

''قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ یَرۡحَمۡنَا رَبُّنَا وَیَغۡفِرۡ لَنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ۝'': تو انہوں نے کہا کہ اگر ہمارے رب نے ہم پر رحمت

نہ فرمائی اور ہماری توبہ کے بعد ہماری مغفرت نہ فرمائی تو پھر ہم ضرور نقصان زدہ لوگوں میں سے ہو جائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف حالتِ غضب میں افسوس کے ساتھ لوٹے تو (قوم سے) کہا: تم لوگوں نے میرے جانے کے بعد کتنے برے کام کئے، کیا تم نے اپنے رب کا حکم ماننے سے پہلے ہی جلد بازی کی، اور موسیٰ نے (تورات کی) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی (ہارون) کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے، (ہارون نے) کہا: اے میری ماں کے بیٹے! بے شک (ان) لوگوں نے مجھے بے بس کر دیا تھا اور قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کر ڈالتے، سو آپ دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیں اور مجھے (ان) ظالم لوگوں کے ساتھ (شامل) نہ کریںO'' (الاعراف: ۱۵۰)

''وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا'': پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام غم وغصہ اور افسوس کے ساتھ پہاڑ طور سے واپس آئے، اَسِف شدید رنج اور غم کو کہتے ہیں جیسے قرآن مجید میں ہے:

''يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ۔۔۔ (یوسف: ۸۴)'' (ہائے افسوس یوسف کے فراق پر)۔

''قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ'': یعنی تم نے میرے طور پر جانے کے بعد جو بچھڑے کی عبادت کی ہے تو یہ بہت برا کام کیا ہے۔

''اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ'': یعنی تم نے اپنے رب کی میعاد کو پورا کرنے میں بہت شتابی کی۔ اور اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا جاتا ہے: کیا تم نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی اور تم نے جلد بازی میں وہ کام کیا جس کی وجہ سے تم اپنے رب کے عذاب کے مستحق ہو گئے۔

''وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ'': یعنی انہوں نے شدتِ غضب سے اپنے ہاتھوں سے تورات کی تختیاں گرا دیں اور تورات کی تختیاں ٹوٹ گئیں، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ تورات میں جو اللہ کا کلام لکھا ہوا تھا، وہ آسمانوں کی طرف اُڑ گیا۔

بعض دوسرے علماء نے کہا ہے کہ یہ تفسیر بظاہر صحیح نہیں ہے، کیونکہ کلام اللہ عزوجل کی صفت ہے اور صفت موصوف سے الگ نہیں ہوتی، پس یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ کلام چڑھتا ہے اور اترتا ہے لیکن اس کی تاویل یہ ہے کہ وہ تختیاں جب ٹوٹ گئیں تو اُن تختیوں میں جو مکتوب لکھا ہوا تھا، اس کا اثر اُڑ گیا۔ اور یہ تفسیر اس تقدیر پر صحیح ہو گی کہ جب وہ مکتوب احکام کے علاوہ کوئی چیز ہو، رہے احکام تو اُن کا تختیوں سے محو ہونا ممکن نہیں ہے۔ اور حدیث میں مذکور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خبر عطا فرمائی کہ ان کی قوم نے بچھڑے کی عبادت کی ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! ان کو بچھڑا کس نے بنا کر دیا؟ اللہ عزوجل نے فرمایا: السامری نے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: اور اس بچھڑے میں روح کس نے ڈالی؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تو آپ نے میری قوم کو آزمائش میں ڈالا ہے؟ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: میں نے ان کو ان کی مراد کے ساتھ چھوڑ دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبر معائنہ اور مشاہدہ کی مثل نہیں ہوتی، بے شک اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی تھی کہ ان کی قوم نے بچھڑے کے ساتھ کیا معاملہ کیا، تو انہوں نے تورات کی تختیوں کو نہیں پھینکا، پس جب انہوں نے اس چیز کا مشاہدہ کر لیا کہ ان کی قوم نے کس طرح بچھڑے کی پرستش کی ہے تو انہوں نے تورات کی تختیوں کو گرا دیا، سو وہ ٹوٹ گئیں۔

(مسند احمد: ۲۴۴۷، ج ا ص ۲۷۱، المستدرک ج ۲ ص ۳۲۱، صحیح ابن حبان: ۶۲۱۳، الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۲۵۹۶، المعجم الاوسط للطبرانی: ۲۵، مسند البزار: ۲۰۰، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۲۴۵۱، مسند الشہاب للقضاعی: ۱۱۸۲، الموارد الظمآن: ۲۰۸۷، تاریخ بغداد للخطیب ج ۳ ص ۳۶۰، الاستذکار ج ا ص ۴۹)

''وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ'': یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کے سر کو اور ان کی ڈاڑھی کے بالوں کو پکڑا۔

''یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ'': یعنی حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے میری ماں کے بیٹے! میری ڈاڑھی کو نہ پکڑو۔ بعض قراءتوں میں ہے ''یا ابن ام'' جیسے کہا جاتا ہے یا ویلتاہ، یا حسرتاہ۔

''اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ'': یعنی میری قوم نے اس کام پر مجھے مجبور کیا۔

''وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ'': یعنی انہوں نے مجھے مار ڈالنے کا ارادہ کیا۔

''فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ'': یعنی آپ دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیں۔

''وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝'': یعنی آپ یہ گمان نہ کریں کہ میں نے یہ کام اپنی مرضی سے خوش دلی سے کیا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''موسیٰ نے دعا کی: اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی (ہارون) کو بخش دیجئے اور ہمیں اپنی رحمت میں شامل فرما لیجئے اور آپ رحم فرمانے والوں میں سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں ۝'' (الاعراف: ۱۵۱)

''قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ'': اے میرے رب! میری مغفرت فرما اور میرے بھائی ہارون سے جو تقصیر ہوگئی ہے کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت سے نہیں روکا، اس سے آپ درگزر فرمائیں اور انہیں معاف فرمائیں۔

''وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ'': یعنی آپ اپنی جنت میں ہمیں داخل فرما دیں۔

''وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝'': یعنی آپ تمام مہربانی کرنے والوں سے اور ماں باپ سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں۔

(تفسیر السمرقندی ج ا ص ۵۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ۝۱۵۲

بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود قرار دیا، عنقریب انہیں ان کے رب کا غضب پہنچے گا اور دنیا کی زندگی میں ذلت پہنچے گی اور

ہم اسی طرح بہتان باندھنے والوں کو سزا دیتے ہیں O

وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْۤا٘ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۵۳﴾

اور جن لوگوں نے برے کام کیے، پھر ان برے کاموں کے بعد انہوں نے توبہ کر لی اور (کامل) ایمان لے آئے، بے شک آپ کے رب اس کے بعد بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚۖ وَفِیْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو انہوں نے تورات کی تختیاں اٹھا لیں اور ان تختیوں پر یہ لکھا ہوا تھا کہ (تورات) ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں O

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِیَّایَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾

اور موسیٰ نے ہمارے پاس حاضر ہونے کے لیے ستر مردوں کو چن لیا، پھر جب ان لوگوں کو کڑک نے آ لیا تو موسیٰ نے دعا کی: اے میرے رب! اگر آپ چاہتے تو ان کو اور مجھ کو اس سے پہلے ہلاک فرما دیتے، کیا آپ ہم میں سے جاہلوں کے کاموں کی وجہ سے ہمیں ہلاک فرمائیں گے! یہ صرف آپ کی (طرف سے) آزمائش ہے، اس آزمائش کے ذریعے آپ جسے چاہیں گمراہی میں برقرار رہنے دیں اور جسے چاہیں اسے ہدایت عطا فرما دیں، آپ ہمارے مددگار ہیں، سو آپ ہماری مغفرت فرما دیں اور ہم پر رحم فرما دیں اور آپ سب سے بہتر مغفرت فرمانے والے ہیں O

وَاكْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَاۤ اِلَیْكَ ؕ قَالَ عَذَابِیْۤ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۚ ﴿۱۵۶﴾

اور ہمارے لیے اس دنیا کی بھلائی لکھ دیں اور آخرت کی بھلائی (لکھ دیں)، بے شک ہم آپ کی طرف توبہ کرتے ہیں، فرمایا: میرا عذاب اس کو پہنچے گا جسے میں چاہوں گا اور میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے، پس میں اس (دنیا اور آخرت کی بھلائی) کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو (مجھ سے) ڈرتے رہتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں O

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

جو لوگ اُس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو نبی ہیں، اُمّی ہیں، جن کا نام وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ لوگوں کو نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور وہ اُن کے لیے پاک چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام قرار دیتے ہیں اور اُن سے اس بوجھ کو اُتارتے ہیں اور اس طوق کو اُن سے دور کرتے ہیں جو اُن کے گلوں میں تھا، پس جو لوگ اس رسول پر ایمان لائیں گے اور اس کی تعظیم کریں گے اور اس کی مدد کریں گے اور اس نور کی پیروی کریں گے جو اُن کے ساتھ نازل فرمایا گیا ہے، وہی لوگ آخرت میں کامیابی پانے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود قرار دیا، عنقریب انہیں ان کے رب کا غضب پہنچے گا اور دنیا کی زندگی میں ذلت پہنچے گی اور ہم اسی طرح بہتان باندھنے والوں کو سزا دیتے ہیں O''

(الاعراف: ۱۵۲)

امام ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، الاعراف: ۱۵۲ تا ۱۵۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ'': یعنی جن لوگوں نے بچھڑے کو اپنا رب قرار دیا۔ ''سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ'': یعنی اُن کو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے غضب کا سامنا ہوگا۔ ''وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا'': اور دنیا کی زندگی میں ان پر ذلت مسلط کی جائے گی۔ ابوالعالیہ نے کہا: یہ ذلت اس وجہ سے ہے کہ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ تم اپنی جانوں کو قتل کرو۔

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس آیت سے مراد وہ یہودی ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن یہودیوں کو اُن کے آباء واجداد کے فعل پر ملامت فرمائی ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنوقریظہ کو قتل کرنے کا حکم فرمایا تھا کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے ہوئے معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مکہ کے مشرکین کی مدد کی اور شوال ۴ ہجری میں کفار کی تمام جماعتیں مل کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئیں، سو اس خلاف ورزی کی سزا میں سات سو بنوقریظہ کے جوانوں کی گردنیں کاٹ دی گئیں اور بنونضیر کے پاس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیت کے متعلق گفتگو کرنے کے لیے آئے تو ایک یہودی نے

ایک مکان کی چھت پر چڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ ہلاک کرنے کے لیے بھاری پتھر اوپر سے پھینکا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُن کے شر سے بچالیا، اس کی پاداش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کو مدینہ منورہ سے جلا وطن کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ یہ ان یہودیوں کی دنیا کی زندگی میں ذلت تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس ذلت سے مراد اُن پر جزیہ کو مسلط فرمانا ہے۔

''وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ '': ابوقلابہ نے کہا: جو شخص بھی اللہ پر افتراء اور بہتان باندھتا ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل فرمائیں گے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: یہ آیت ہر بدعتِ سیئہ کے مرتکب کو عام ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جن لوگوں نے برے کام کئے، پھر ان برے کاموں کے بعد انہوں نے توبہ کرلی اور (کامل) ایمان لے آئے، بے شک آپ کے رب اس کے بعد بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں O'' (الاعراف: ۱۵۳)

''وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا '': یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے سے رجوع کرلیا اور برے کاموں سے باز آ گئے۔ ''وَ اٰمَنُوْٓا '': یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کی تصدیق کردی۔

''اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا '': یعنی ارتکابِ معاصی کے بعد جب بندہ توبہ کرلے۔ ''لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾ '': یعنی اللہ تعالیٰ اُن کی توبہ قبول فرمائیں گے اور اُن پر رحم فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو انہوں نے تورات کی تختیاں اٹھالیں اور ان تختیوں پر یہ لکھا ہوا تھا کہ (تورات) ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں O'' (الاعراف: ۱۵۴)

''وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ '': یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو انہوں نے تورات کی تختیوں کو اٹھالیا۔ ''وَفِيْ نُسْخَتِهَا '': اس کی تفسیر میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تورات کی وہ تختیاں ہیں جن کو لوحِ محفوظ سے نقل کر کے لکھا گیا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تختیوں کو پھینک دیا تو وہ ٹوٹ گئیں، پھر دوبارہ ان کو لکھا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تختیاں پھینک دیں تو وہ ٹوٹ گئیں، اس کے کفارے میں انہوں نے چالیس دن کے روزے رکھے، پھر ان کی طرف دو تختیاں لوٹا دی گئیں اور ان تختیوں میں لکھا ہوا تھا۔

''هُدًى وَّ رَحْمَةٌ '': یعنی یہ گمراہی سے ہدایت ہے اور عذاب سے رحمت ہے۔ ''لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ '': یعنی ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور موسیٰ نے ہمارے پاس حاضر ہونے کے لیے ستر مَردوں کو چُن لیا، پھر جب اِن لوگوں کو کڑک نے آلیا تو موسیٰ نے دعا کی: اے میرے رب! اگر آپ چاہتے تو اِن کو اور مجھ کو اس سے پہلے ہلاک فرما دیتے، کیا آپ ہم میں سے جاہلوں کے کاموں کی وجہ سے ہمیں ہلاک فرمائیں گے! یہ صرف آپ کی

(طرف سے) آزمائش ہے، اس آزمائش کے ذریعے آپ جسے چاہیں گمراہی میں برقرار رہنے دیں اور جسے چاہیں اسے ہدایت عطا فرمادیں، آپ ہمارے مددگار ہیں، سو آپ ہماری مغفرت فرمادیں اور ہم پر رحم فرمادیں اور آپ سب سے بہتر مغفرت فرمانے والے ہیں O'' (الاعراف:۱۵۵)

''وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا'': اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ آپ بنی اسرائیل کے ان لوگوں کو لے کر آئیں جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی، وہ اللہ عزوجل کے سامنے اس گناہ پر اپنا عذر پیش کریں، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر (۷۰) مردوں کو چن لیا۔

''فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ'': پس جب وہ ستر مرد اُس جگہ پر آئے اور انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے ہم کلام ہونے کی آواز سنی تو انہوں نے سوچا جس کی آواز اتنی دلنشیں ہے اس کی صورت کیسی حسین ہوگی! سو انہوں نے کہا: ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دیکھ لیں۔ سو اُن کو ایک کڑک نے آ کر پکڑ لیا اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔

''قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ'': یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی: اے میرے رب! اگر آپ چاہتے تو ان کو پہلے ہی ہلاک فرمادیتے، یعنی جب انہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی تو تب انہیں ہلاک فرمادیتے، اور میں نے جو قبطی کو قتل کیا تھا، اس کی پاداش میں مجھے ہلاک فرمادیتے۔ ''اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا'': ہم میں سے جاہلوں نے جو کام کیا ہے کیا اس کی وجہ سے آپ ہم سب کو ہلاک فرمادیں گے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی مجرم کے جرم کی وجہ سے دوسروں کو سزا دینے والے نہیں ہیں۔

''اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ'': یعنی ہم میں سے جاہلوں نے جو کام کیا اور اس پر آپ نے جو گرفت فرمائی، یہ محض آپ کی طرف سے آزمائش تھی۔ ''تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا'': آپ جس کو چاہیں اس آزمائش کی وجہ سے گمراہی پر برقرار رہنے دیں اور جس کو چاہیں سیدھے راستہ کی ہدایت عطا فرمادیں، آپ ہمارے ولی ہیں ہمارے مددگار ہیں، ہمارے محافظ ہیں ''فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ'': سو آپ ہماری مغفرت فرمائیں اور آپ سب سے بہتر مغفرت فرمانے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہمارے لیے اس دنیا کی بھلائی لکھ دیں اور آخرت کی بھلائی (لکھ دیں)، بے شک ہم آپ کی طرف توبہ کرتے ہیں، فرمایا: میرا عذاب اس کو پہنچے گا جسے میں چاہوں گا اور میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے، پس میں اس (دنیا اور آخرت کی بھلائی) کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو (مجھ سے) ڈرتے رہتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں O'' (الاعراف:۱۵۶)

''وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ'': یعنی ہمارے لیے اس دنیا میں نعمت اور عافیت کو واجب فرمادیں اور آخرت میں ہمارے لیے مغفرت اور جنت کو واجب فرمادیں، بے شک ہم سب نے آپ کی طرف توبہ کرلی

ہے۔(دنیا کی اچھائی سے مراد یہ ہے کہ ہم پر آسان احکام مقرر فرمائے جائیں جن کو کرنے میں مشقت نہ ہو، اور آخرت کی اچھائی سے مراد یہ ہے کہ کم عمل پر زیادہ ثواب عطا فرمایا جائے)۔(روح المعانی جز ۹ ص ۱۱۵، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

''قَالَ عَذَابِیۡۤ اُصِیۡبُ بِهٖ مَنۡ اَشَآءُ ۚ وَ رَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ '': یعنی اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: میں اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہوں عذاب دیتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز کو عام ہے۔ الحسن البصری اور قتادہ نے کہا: دنیا میں میری رحمت نیک اور بد دونوں کو شامل ہے اور قیامت کے دن میری رحمت اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے مخصوص ہوگی، کیونکہ دنیا میں کفار کو بھی رزق دیا جاتا ہے اور آخرت کا اجر وثواب صرف مومنین کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ قتادہ اور ابن جریج نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی ''وَ رَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ '' تو ابلیس نے کہا: میں بھی اس شئے کے عموم میں داخل ہوں، سو اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''فَسَاَکۡتُبُهَا لِلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ الَّذِیۡنَ هُمۡ بِاٰیٰتِنَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۚ﴿۱۵۶﴾ '': یعنی میں اپنی اس رحمت کو اُن لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں اور وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ سو یہود اور نصاریٰ نے بھی اس رحمت کی تمنا کی اور کہا: ہم بھی اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس مخصوص رحمت کو صرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے خاص فرما دیا اور ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو لوگ اُس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو نبی ہیں، اُمّی ہیں، جن کا نام وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ لوگوں کو نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور وہ اُن کے لیے پاک چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں اور اُن سے اس بوجھ کو اُتارتے ہیں اور اس طوق کو اُن سے دور کرتے ہیں جو اُن کے گلوں میں تھا، پس جو لوگ اس رسول پر ایمان لائیں گے اور اس کی تعظیم کریں گے اور اس کی مدد کریں گے اور اس نور کی پیروی کریں گے جو اُن کے ساتھ نازل فرمایا گیا ہے، وہی لوگ آخرت میں کامیابی پانے والے ہیں O'' (الاعراف: ۱۵۷)

''اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ الَّذِیۡ یَجِدُوۡنَهٗ مَکۡتُوۡبًا عِنۡدَهُمۡ فِی التَّوۡرٰىةِ وَ الۡاِنۡجِیۡلِ ۫ یَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ یَنۡهٰهُمۡ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَ یَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَ الۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡهِمۡ ؕ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِهٖ وَ عَزَّرُوۡهُ وَ نَصَرُوۡهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾ '':

نوف البکالی الحمیری نے کہا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ستر مرد چن لیے تو اللہ عزوجل نے موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: میں تمہارے لیے تمام روئے زمین کو نماز پڑھنے کی جگہ اور تیمم کا آلہ بنا دوں گا، تمہیں جہاں بھی نماز کا وقت آئے پڑھ لینا مگر بیت الخلاء میں یا حمام میں یا قبرستان میں نماز نہ پڑھنا، اور میں تمہارے دلوں میں سکون اور طمانیت ڈال دوں گا اور میں تم کو تورات کا قاری بنا دوں گا، تورات کو مرد، عورت، آزاد، غلام، بچہ اور بوڑھا پڑھیں گے، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو یہ بتایا تو انہوں نے جواب دیا: ہم تو بیت الخلاء میں نماز پڑھنا چاہتے ہیں اور ہمارے دلوں میں سکون اور طمانیت نازل فرما دی جائے ہم اس کا بوجھ

نہیں اٹھا سکتے، اور ہم اپنے دلوں سے تورات کو پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے، ہم تو صرف دیکھ سکتے ہیں۔ تب اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: میں عنقریب اس خاص رحمت کو اُن لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، جو لوگ رسول کی پیروی کرتے ہیں جو النبی الامی ہیں، جن کا نام وہ تورات میں اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو اُن کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں، اور اُن کے لیے پاک چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں، جو اُن سے سخت اور مشکل احکام کے بوجھ کو اور طوق کو اتار دیتے ہیں، پس جو لوگ اُن پر ایمان لائے اور انہوں نے ان کی تعظیم کی اور اُن کی نصرت کی اور اس نور کی پیروی کی جو اُن کے ساتھ نازل فرمایا گیا ہے تو وہی اخروی کامیابی حاصل کرنے والے ہوں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس مخصوص رحمت کو اس امت کے لیے لکھ دیا اور واجب فرما دیا، تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی: اے میرے رب! مجھے بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے بنا دیں، پس اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: تم اُن کو ہرگز نہیں پا سکتے۔

نبی اور رسول کے معنی

''يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ'':

علامہ مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

رسول وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کے لیے بھیجا اور کبھی رسول میں کتاب کی شرط بھی لگائی جاتی ہے۔ اس کے برخلاف نبی عام ہے خواہ اس کے پاس کتاب ہو یا نہ ہو۔ (شرح عقائد نسفی، ص ۱۴)

اس تعریف پر یہ اعتراض ہے کہ رسول تین سو تیرہ ہیں اور کتابیں اور صحائف ملا کر ایک سو چودہ ہیں۔ اور باقی رسولوں کے پاس کتاب نہیں تھی۔ اس لیے علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ تحقیق یہ ہے کہ نبی وہ انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی بغیر کسی بشر کے واسطے کے خبر دے اور ان امور کی خبر دے جن کو محض عقل سے نہیں جانا جا سکتا۔ اور رسول وہ ہے جو ان اوصاف کے علاوہ مرسل الیہم کی اصلاح پر بھی مامور ہو۔ (روح المعانی جز ۹، ص ۷۹)

لیکن یہ فرق بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی بھی انسانوں کی اصلاح پر مامور ہوتا ہے، اس لیے صحیح جواب یہ ہے کہ رسول کے پاس کتاب ہونا ضروری ہے خواہ کتاب جدید ہو یا کسی سابق رسول کی کتاب ہو۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ رسول عام ہے وہ فرشتہ بھی ہوتا ہے اور انسان بھی۔ اس کے برخلاف نبی صرف انسان ہی ہوتا ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ رسول کے لیے ضروری ہے کہ اس پر فرشتہ وحی لائے اور نبی کے لیے یہ ضروری نہیں ہے۔ یہ جائز ہے کہ اس کے دل پر وحی فرمائی جائے، یا خواب میں اس پر وحی فرمائی جائے۔

قرآن اور سنت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اُمی کا اطلاق

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ ـــ (الاعراف:۱۵۷)'' (جو لوگ اُس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو نبی ہیں، اُمی ہیں)۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ ـــ (الاعراف:۱۵۸)'' (اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہیں)۔

امی کا لغوی معنی

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے: "انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب" ہم اُمی لوگ ہیں لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۱۹۱۳، صحیح مسلم: ۱۰۸۰، سنن النسائی: ۲۱۴۱، سنن ابوداؤد: ۲۳۱۹، مسند احمد: ۵۱۱۶) یعنی ہم اپنی ماں سے پیدائش کی اصل پر ہیں۔ لکھنا سیکھا ہے نہ حساب کرنا۔ سو ہم اپنی اصل جبلت پر ہیں اور اسی نہج پر ہے "امیین میں رسول بھیجا گیا"۔ علامہ کرمانی نے کہا: اس میں ام القریٰ کی طرف نسبت ہے یعنی مکہ والوں کی طرف۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عرب میں لکھنے والے بھی تھے اور ان میں سے اکثر حساب جاننے والے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لکھنا نہیں جانتے تھے اور حساب سے مراد ستاروں کا حساب ہے اور وہ اس کو بالکل نہیں جانتے تھے۔ (مجمع بحار الانوار، ج ۱ ص ۱۰۷، مطبوعہ مکتبہ دار الایمان، المدینۃ المنورۃ، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اُمی کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمی اس لیے فرمایا ہے کہ آپ امت عرب کی طرف منسوب ہیں جس کے اکثر افراد لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اور امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ہم امی لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ گنتی کرتے ہیں۔ امام باقر نے کہا ہے کہ آپ ام القریٰ یعنی مکہ کے رہنے والے تھے اس لیے آپ کو اُمی فرمایا، آپ اپنی اُم (ماں) کی طرف منسوب تھے، یعنی آپ اسی حالت پر تھے جس حالت پر اپنی ماں سے پیدا ہوئے تھے۔ آپ کا یہ وصف اس پر تنبیہ کے لیے بیان فرمایا گیا ہے کہ آپ اپنی پیدائشی حالت پر قائم رہے (یعنی کسی سے پڑھنا، لکھنا نہ سیکھا) اس کے باوجود اس قدر عظیم علم رکھتے تھے، سو یہ آپ کا معجزہ ہے۔ اُمی کا لفظ صرف آپ کے حق میں مدح ہے اور باقی کسی کے لیے اَن پڑھ ہونا باعثِ فضیلت نہیں ہے، جیسا کہ تکبر کا لفظ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے باعثِ مدح ہے اور دوسروں کے حق میں باعثِ مذمت ہے۔

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں: علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی وقت لکھنے کا صدور ہوا ہے یا نہیں؟ ایک قول یہ ہے کہ ہاں صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ نے صلح نامہ لکھا (صحیح البخاری: ۲۶۹۹، ۴۲۵۱) اور یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اور احادیث ظاہرہ کا بھی یہی تقاضا ہے کہ آپ لکھے ہوئے الفاظ کو دیکھ کر پڑھتے تھے لیکن اس روایت کی کوئی معتمد سند نہیں ہے، ہاں ابوالشیخ نے اپنی سند کے ساتھ عتبہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک فوت نہیں ہوئے جب تک آپ نے پڑھا اور لکھا نہیں، شعبی نے اس روایت کی تصدیق کی ہے۔ (روح المعانی جز ۹ ص ۷۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے اور پڑھنے پر قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ---- (العنکبوت: ۴۸)" (اس کتاب (کے نزول) سے پہلے آپ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو باطل پرستوں کو شبہ پڑ جاتا)۔

اس آیت کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی استاد سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا، قریش مکہ کے سامنے آپ کی

پوری زندگی تھی، آپ کے اہل وطن اور رشتہ داروں کے سامنے، روز پیدائش سے اعلان نبوت تک آپ کی ساری زندگی گزری اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ آپ نے کبھی کوئی کتاب پڑھی نہ قلم ہاتھ میں لیا اور یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آسمانی کتابوں کی تعلیمات، گزشتہ انبیاء ورسل کے حالات، قدیم مذہب کے عقائد، تاریخ، تمدن، اخلاق اور عمرانی اور عائلی زندگی کے جن اہم مسائل کو یہ اُمی شخص انتہائی فصیح وبلیغ زبان سے بیان کر رہے ہیں، اس کا وحی الٰہی کے سوا اور کوئی سبب نہیں ہوسکتا، اگر انہوں نے کسی مکتب میں تعلیم پائی ہوتی اور گزشتہ مذاہب اور تاریخ کو پڑھا ہوتا تو پھر اس شبہ کی بنیاد ہوسکتی تھی کہ جو کچھ یہ بیان کر رہے ہیں وہ دراصل ان کا حاصل مطالعہ ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے لکھنے اور پڑھنے کی نفی کو آپ کے اعلان نبوت سے پہلے کی قید سے مقید فرمایا ہے اور یہی مقصود ہے، کیونکہ اگر اعلان نبوت اور نزول قرآن سے پہلے آپ کا لکھنا پڑھنا ثابت ہوتا تو اس شبہ کی گنجائش ہوسکتی تھی اور اس آیت سے آپ کی نبوت اور قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے پر استدلال نہ ہوسکتا۔ اور اس قید لگانے کا یہ تقاضا ہے کہ اعلان نبوت کے بعد آپ سے لکھنے اور پڑھنے کا صدور ہوسکتا ہے اور بعد میں آپ کا لکھنا اور پڑھنا اس استدلال کے منافی نہیں ہے۔

علامہ آلوسی نے بعض اجلہ علماء کا یہ قول نقل کیا ہے:

اس قید سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے اور پڑھنے پر قادر تھے اور اگر اس قید کا اعتبار نہ کیا جائے تو یہ قید بے فائدہ ہوگی۔ (روح المعانی جز ۲۱ ص ۵، مطبوعہ بیروت)

صحیح البخاری میں یہ روایت ہے کہ صلح حدیبیہ کا معاملہ جب لکھا جا رہا تھا تو کفار مکہ کے نمائندے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھے جانے پر اعتراض کیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتب (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا کہ اچھا رسول اللہ کا لفظ کاٹ کر محمد بن عبد اللہ لکھ دو، حضرت علی نے لفظ "رسول اللہ" کاٹنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ سے قلم لے کر وہ الفاظ خود کاٹ دیے اور محمد بن عبد اللہ لکھ دیا۔

(صحیح البخاری: ۴۲۵۱، مسند احمد ج ۴ ص ۲۹۸ طبع قدیم، مسند احمد: ۱۸۶۰۳ طبع جدید، جامع الاصول ج ۸ رقم الحدیث: ۶۱۳۳)

عام لوگوں کا ان پڑھ ہونا ان کا نقص اور جہالت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمی ہونا، آپ کا کمال ہے کہ دنیا میں کسی استاد کے آگے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا، کسی مکتب میں جا کر لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا اور براہ راست خدائے لم یزل سے علم پا کر اولین اور آخرین کے علوم بیان فرمائے اور پڑھ کر بھی دکھایا اور لکھ کر بھی دکھایا۔

یتیمے که ناکرده قرآن درست
کتب خانه چند ملت بشست

ترجمہ: جس یتیم نے کسی مکتب میں جا کر پڑھنا نہیں سیکھا، اس نے کتنی ہی ملتوں کے کتب خانے دھوڈالے۔

"مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ":

از عطاء بن یسار، وہ بیان کرتے ہیں کہ میری حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی، میں نے کہا: مجھے تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بتائیے، انہوں نے کہا: اچھا! اللہ کی قسم! تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض وہ صفات

مذکور ہیں جو قرآن مجید میں بھی ہیں، قرآن مجید میں ہے: ''اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے O'' (الاحزاب: ۴۵)۔ اور تورات میں ہے: اَن پڑھ قوم کی حفاظت کرنے والا، آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں، میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے، آپ نہ بدمزاج ہیں نہ سنگ دل اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے ہیں اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ معاف کرتے ہیں اور بخش دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کی روح کو اس وقت تک قبض نہیں فرمائیں گے حتیٰ کہ آپ کے سبب سے ٹیڑھی ملت کو سیدھا کر دیں بایں طور کہ وہ کہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور اس ملت سے اللہ اندھی آنکھوں کو کھول دیں گے اور بہرے کانوں کو ٹھیک فرما دیں گے اور ان کے دلوں کو جن کے اوپر پردے پڑے ہوئے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۲۱۲۵، الادب المفرد: ۲۴۶، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۳۷۵، الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۳۶۰، سنن دارمی: ۵، مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۴ طبع قدیم، مسند احمد: ۶۶۲۲، ج ۱۱ ص ۱۹۳، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

موجودہ تورات میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مذکورہ صفات

اس حدیث میں تورات کا ذکر ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس سے ملتی جلتی صفات موجودہ تورات میں بھی موجود ہیں:

دیکھو میرا خادم جس کو میں سنبھالتا ہوں، میرا برگزیدہ ہے جس سے میرا دل خوش ہے، میں نے اپنی روح اس پر ڈالی، وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا O وہ نہ چلّائے گا اور نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی O وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائے گا، وہ راستی سے عدالت کرے گا O وہ ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرے، جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے O جس نے آسمان کو پیدا کیا اور تان دیا، جس نے زمین کو اور اُن کو جو اس میں سے نکلتے ہیں پھیلایا، جو اس کے باشندوں کو سانس اور اس پر چلنے والوں کو روح عنایت کرتا ہے یعنی خداوند، یوں فرماتا ہے O میں خداوند نے تجھے صدق سے بلایا، میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا، اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لیے تجھے دوں گا O کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں، قید خانہ سے چھڑائے O (کتاب مقدس، پرانا عہد نامہ، یسعیاہ، باب: ۴۲، آیت: ۸۔۱، بائبل سوسائٹی، لاہور، ۱۹۹۲ء)

موجودہ تورات کے متن میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق بشارتیں

موجودہ تورات میں بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے متعلق بشارتیں موجود ہیں:

خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی سننا O یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن جواب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہوتا کہ میں مر نہ جاؤں O اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں O میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا، اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا O جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا O (تورات استثناء، باب: ۱۸، آیت: ۱۹۔۱۵، پرانا عہد نامہ، ص ۱۸۴، مطبوعہ بائبل سوسائٹی، لاہور)

اور مرد خدا موسیٰ نے جو دعائے خیر دے کر اپنی وفات سے پہلے بنی اسرائیل کو برکت دی وہ یہ ہے O اور اس نے کہا:
خداوند سینا سے آیا۔ اور شعیر سے ان پر آشکار ہوا۔ اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لیے آتشی شریعت تھی۔ وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے۔ اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں۔ ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہوگا۔

(تورات استثناء، باب: ۳۳، آیت: ۳۔ ۲، پرانا عہد نامہ، ص ۲۰۱، مطبوعہ بائبل سوسائٹی، لاہور، ۱۹۹۲ء)

تورات کے پرانے (۱۹۲۷ء کے) اردو ایڈیشن میں یہ آیت اس طرح تھی دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں دس ہزار صحابہ کے ساتھ داخل ہوئے تھے، اس طرح یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری طرح منطبق ہوتی تھی، جب عیسائیوں نے یہ دیکھا تو انہوں نے اس آیت کے الفاظ بدل دیے اور یوں لکھ دیا: اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ تورات کے پرانے (۱۹۲۷ء کے) ایڈیشن میں یہ آیات اس طرح تھیں:

اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا، فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے دہنے ہاتھ ایک آتشیں شریعت ان کے لیے تھی۔

(کتاب مقدس، استثناء، باب: ۳۳، آیت: ۲ ص ۱۹۲، مطبوعہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور، ۱۹۲۷ء)

اس کی تائید عربی ایڈیشن سے بھی ہوتی ہے، اس میں یہ آیت اس طرح لکھی ہے:

"واتی من ربوات القدس"۔ دس ہزار قدسیوں میں سے آیا۔ (مطبوعہ دار الکتاب المقدس فی العالم العربی، ص ۳۳۴، ۱۹۸۰ء)

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۵۷۳۔ ۵۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

"وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ": یعنی چربی اور اونٹ کا گوشت جو بنی اسرائیل پر حرام فرمایا گیا تھا، اس کو یہ النبی الأمی اپنی امت کے لیے حلال فرمائیں گے۔ اور مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور الخمر کو حرام فرمائیں گے۔

"وَیَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ": یعنی بنی اسرائیل کی شریعت میں جو مشکل احکام تھے ان کو ساقط کر دیں گے اور جو پاک چیزیں اُن پر حرام فرما دی گئی تھیں، ان کی حرمت کو منسوخ کر دیں گے۔

"وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡهِمۡ": اور اُن کے گلوں میں جو سخت احکام کا طوق تھا، النبی الامی وہ طوق اتار دیں گے۔ کیونکہ اُن کی شریعت میں یہ مقرر تھا کہ جب کپڑے پر پیشاب لگ جائے تو وہ دھونے سے پاک نہیں ہوتا تھا، اس کو کاٹنا ضروری تھا، نیز اُن میں سے کوئی اگر شرک کا ارتکاب کرلے تو اسے قتل کرنے کا حکم تھا "وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِهٖ یٰقَوۡمِ اِنَّکُمۡ ظَلَمۡتُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ بِاتِّخَاذِکُمُ الۡعِجۡلَ فَتُوۡبُوۡۤا اِلٰی بَارِئِکُمۡ فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ عِنۡدَ بَارِئِکُمۡ ؕ فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵۴﴾ (البقرہ: ۵۴)" (اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم نے بچھڑے کو (اپنا معبود بنانے) کے سبب سے اپنے اوپر (بہت بڑا) ظلم کیا، پس (اب) تم اپنے خالق کے حضور توبہ کرو، سو اپنے لوگوں کو قتل کرو، یہ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے لیے بہتر ہے پس اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی بے شک وہی بہت توبہ قبول فرمانے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں O)۔ اور اس امت کے کسی مسلمان سے العیاذ باللہ شرک سرزد ہو جائے تو اس کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اس پر نادم ہو

اور آئندہ شرک نہ کرنے کا عزمِ مصمم کرے اور تجدید ایمان کرے تو اس کی توبہ قبول ہو جائے گی۔

نیز مالِ غنیمت کھانا اُن پر حلال نہیں تھا، قربانی کا گوشت کھانا حلال نہیں تھا اور اس امت کے اوپر مالِ غنیمت کو حلال فرمادیا گیا اور قربانی کے گوشت کو کھانا حلال فرمادیا گیا، اُن کو تیمم کی سہولت حاصل نہیں تھی، اس امت کے لیے تیمم کی سہولت نازل فرمادی، اُن کے لیے مسجد کے سوا کسی اور جگہ نماز پڑھنا جائز نہیں تھا۔ اس امت کے لیے پوری روئے زمین کو مسجد بنادیا گیا۔

اخبرنا جابر ابن عبد اللہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اعطیت خمسا لم یعطھن احد قبلی نصرت بالرعب مسیرۃ شھر، وجعلت لی الارض مسجدا وطھورا فایما رجل من امتی ادرکتہ الصلاۃ فلیصل، واحلت لی المغانم ولم تحل لاحد قبلی، واعطیت الشفاعۃ، وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی الناس عامۃ۔

ہمیں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے ایسی پانچ چیزیں دی گئی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں، میری ایسے رعب سے مدد فرمائی گئی ہے جو ایک ماہ کی مسافت سے طاری ہوتا ہے اور میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنادیا گیا ہے، پس میری امت میں سے جو شخص بھی جس جگہ بھی نماز کا وقت پالے، وہ وہیں نماز پڑھ لے اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال فرمادیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے ان کو حلال نہیں فرمایا گیا، اور مجھے شفاعت عطا فرمائی گئی ہے اور (پہلے) نبی کو کسی خاص قوم کی طرف مبعوث فرمایا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۳۵، ۴۳۸، ۳۱۲۲، صحیح مسلم: ۵۲۱، سنن نسائی: ۴۳۲، ۷۳۶، مسند احمد: ۱۴۸۵۲، سنن دارمی: ۱۳۸۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۰۲، ج ۱۱ ص ۴۳۲، صحیح ابن حبان: ۶۳۹۸، سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۱۲، ج ۲ ص ۴۲۹، دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۷۳۔۴۷۴، شرح السنہ: ۳۶۱۶، مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۴، طبع قدیم، مسند احمد: ۱۴۲۶۴، ج ۲۲ ص ۱۶۶۔۱۶۵، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، جامع المسانید لابن الجوزی: ۹۲۴، مکتبۃ الرشد ریاض، ۱۴۲۶ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پچاسی (۸۵) خصائص

امام محمد بن ابراہیم الخرکوشی النیشاپوری المتوفی ۴۰۶ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کل پچاسی (۸۵) خصائص ہیں جن کی وجہ سے آپ دوسرے انبیاء علیہم السلام سے ممتاز ہیں، ان خصائص کی تفصیل درج ذیل ہے:

وفات کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دس خصائص

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل المرسلین ہیں (۲) آپ خاتم الانبیاء ہیں (۳) آپ سب سے پہلے زمین سے اٹھیں گے (۴) قیامت کے دن آپ کی امت سب نبیوں کی امتوں سے زیادہ ہوگی (۵) آپ تمام نبیوں کے حق میں شہادت دیں گے کہ انہوں نے اپنی امتوں کو تبلیغ کردی تھی (۶) آپ شفاعتِ کبریٰ کریں گے یعنی سب سے پہلے آپ سب کی شفاعت کریں گے (۷) حمد کا جھنڈا آپ

کے دستِ مبارک میں ہوگا (۸) حوض مورود اور نہر کوثر آپ ہی کے لیے ہے (۹) آپ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے (۱۰) ہر شخص سے خود اس کی ذات کے متعلق سوال ہوگا اور آپ سے آپ کی ذات کے بجائے دوسروں کے متعلق سوال ہوگا۔

نفس نبوت کے ساتھ آٹھ خصائص

(۱۱) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کا قیامت تک باقی رہنا (۱۲) آپ کا تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہونا (۱۳) آپ کی کتاب کا معجز ہونا اور اس کی مثال کا محال ہونا (۱۴) آپ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ کی طرح ابل کر نکلنا (۱۵) آپ کو لیلۃ القدر کا عطا فرمایا جانا (۱۶) یوم جمعہ کا آپ کے اور آپ کی امت کے لیے عید ہونا (۱۷) آپ کے حق میں شعر گوئی کا ممنوع ہونا (۱۸) آپ کا پس پشت بھی سامنے کی طرح دیکھنا۔

شریعت کے ساتھ مختص نو (۹) خصائص

(۱۹) آثارِ وضوء کا غرّ محجل ہونا، یعنی قیامت کے دن وضو کرنے والے کا چہرہ اور اس کے ہاتھ پیر سفید ہوں گے (۲۰) تیمم (۲۱) مسواک کا سنتِ مؤکدہ ہونا (۲۲۔۲۳) تمام روئے زمین کا مسجد اور اس کی مٹی کا طہور ہونا (۲۴) آپ کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے اور نیند سے آپ کے وضوء کا نہ ٹوٹنا (۲۵) پانی سے استنجاء کا مستحب ہونا (۲۶) کثیر پانی اور جاری پانی میں نجاست کا مؤثر نہ ہونا (۲۷) نجاست کو پانی سے دھونا، یعنی طہارت کے لیے کپڑے یا کھال کو نہ کاٹنا۔

نماز کے ساتھ مختص نو (۹) خصائص

(۲۸) آپ کو عشاء کی نماز عطا فرمائی گئی، جو اس سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں فرمائی گئی (۲۹) آپ کو جمعہ کی نماز دی گئی، وہ بھی آپ کا خاصہ ہے (۳۰) نماز باجماعت پڑھنا (۳۱) عیدین کی نماز (۳۲) تہجد کی نماز (۳۳) سورج گرہن اور چاند گرہن کی نماز (۳۴) نماز استسقاء (۳۵) اذان اور اقامت (۳۶) وتر، یہ تمام امور اس امت کی خصوصیت ہیں۔

جہاد سے متعلق نو (۹) خصائص

(۳۷) آپ کے لیے مالِ غنیمت حلال فرما دیا گیا، جو اس سے پہلی امتوں میں حرام تھا (۳۸) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو مالِ غنیمت سے حاصل کر کے ان کے ساتھ نکاح فرمایا (۳۹) آپ سب سے تیز رفتار شہسوار تھے (۴۰) آپ جب جنگ کے لیے جاتے تو کبھی رجوع نہیں کرتے تھے (۴۱) آپ قتال کے بغیر ہتھیار نہیں اتارتے تھے (۴۲) خواہ دشمن کی تعداد زیادہ ہو، آپ شکست نہیں کھاتے تھے (۴۳) اپنے لیے زمین رکھنا اور دوسروں کو عطاء کرنا، آپ کے ساتھ مخصوص تھا (۴۴) وصال کے روزے آپ کی خصوصیت تھی (یہ خصوصیت جہاد بالنفس کے اعتبار سے ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) (۴۵) آپ آنکھ سے خفیہ اشارہ نہیں کرتے تھے۔

نکاح کے باب میں پندرہ (۱۵) خصائص

(۴۶) لفظِ ہبہ سے نکاح کا جواز آپ کے ساتھ مخصوص ہے (۴۷) آپ سے مہر کو ساقط فرما دیا گیا اور آپ کے لیے بغیر کسی عوض کے نکاح حلال ہے (۴۸) بغیر ولی اور بغیر گواہ کے آپ کے ساتھ نکاح کا جواز (۴۹) آپ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج سے نکاح کا حرام ہونا (۵۰) آپ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج کے نفقہ کا وجوب (۵۱) ازواج میں آپ پر باریوں کی تقسیم کا واجب نہ

ہونا(۵۲)جب آپ کسی باندی سے دخول کرلیں تو اس کی ماں اور بیٹی کا آپ پر حرام نہ ہونا (یہ صحیح نہیں ہے۔سعیدی غفرلہٗ) (۵۳)بیک وقت چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں رکھنا(۵۴)کسی عورت کو طلاق مغلظ دے کر بغیر حلالہ کے اس سے دوبارہ نکاح کرنا (اس کا وقوع نہیں ہوا۔سعیدی غفرلہٗ)(۵۵)ازواج کے سامنے تخییر پیش کرنے کا آپ پر وجوب(۵۶)تخییر کے بعد آپ پر دوسری عورتوں سے نکاح کا حرام ہونا،ایک قول یہ ہے کہ پھر بھی آپ کے لیے دوسری عورتوں سے نکاح مباح تھا(۵۷)آپ ہر ایک کے کفو تھے،خواہ عورت کسی قدر معزز ہو(۵۸)باندیوں کے ساتھ نکاح کا آپ پر حرام ہونا،الا یہ کہ آپ ان کو آزاد کر کے نکاح فرمائیں۔ (۵۹)آپ پر ذمیات کے ساتھ نکاح کا حرام ہونا(۶۰)اگر بہ فرض محال آپ کی کوئی زوجہ بدکاری کرے تو اس پر دگنا عذاب ہونا۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پچیس (۲۵) جامع خصائص

(۶۱)جب مسلمانوں کے پاس نفقہ نہ ہو تو آپ پر ان کی کفالت کا واجب ہونا(۶۲)آپ پر تہجد،وتر اور مسواک کا واجب ہونا۔(صحیح یہ ہے کہ ابتداء میں آپ پر تہجد واجب تھی،بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہو گیا اور وتر امت پر بھی واجب ہے،لیکن شافعیہ کے نزدیک امت پر وتر واجب نہیں ہے۔سعیدی غفرلہٗ)(۶۳)آپ پر زکوٰۃ اور نفلی صدقہ کا حرام ہونا(۶۴)کسی ناجائز بات کو سن کر آپ پر واجب ہے کہ اس کا رد فرمائیں اور آپ کا کوئی کام ناجائز نہیں ہے(۶۵)تمام لوگوں کو جتنے علوم کا مکلف فرمایا گیا ہے،آپ تنہا ان تمام علوم کے مکلف ہیں(۶۶)آپ ہر روز ستر (۷۰) بار استغفار کرتے ہیں (بلکہ سو بار۔سعیدی غفرلہٗ)(۶۷)آپ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں فرماتے تھے(۶۸)آپ ٹیک لگا کر نہیں کھاتے تھے(۶۹)آپ کچا لہسن،پیاز اور گندنا نہیں کھاتے تھے(۷۰)آپ گوہ نہیں کھاتے تھے(۷۱)آپ مقروض کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے تاوقتیکہ اس کے قرض کا کوئی کفیل نہ ہو جائے(۷۲)آپ کے لیے وصال کے روزوں کا وجوب(۷۳)حالت احرام میں آپ کے لیے نکاح کرنا جائز تھا(۷۴)آپ کے لیے مکہ میں قتال کرنا جائز فرمادیا گیا تھا(۷۵)آپ کی وجہ سے مدینہ کو حرم بنادیا گیا(۷۶)آپ کو تنہا تمام کفار سے قتال کا مکلف فرمایا گیا''فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ...(النساء: ۸۴)''(۷۷)آپ سو جاتے حتیٰ کہ خراٹے لیتے،پھر اٹھ کر بغیر وضوء کے نماز پڑھتے(۷۸)آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے،اس کا اجر بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے برابر تھا (۷۹)آپ اگر کسی نمازی کو دوران نماز بلاتے تو اس پر آپ کے بلانے پر آنا واجب تھا(۸۰)آپ کے متعلق میت سے قبر میں سوال کیا جاتا ہے(۸۱)آپ نے کسی کو اپنے ترکہ کا وارث نہیں بنایا،آپ کی وفات کے بعد آپ کا مال صدقہ تھا(۸۲)آپ کے لیے حالت جنابت میں مسجد میں دخول کو مباح فرمادیا گیا(۸۳)آپ کے لیے یہ مباح فرمادیا گیا کہ آپ اپنے حق میں فیصلہ فرمادیں،اسی طرح آپ کے لیے مباح فرمادیا گیا کہ آپ اپنی اولاد کے حق میں فیصلہ فرمادیں(۸۴)آپ کے لعاب مبارک کا موجب شفا ہونا(۸۵)آپ کے پیشاب اور خون کا طاہر ہونا اور صحابہ کرام کا ان کو پینا،پیشاب پینے والی خاتون کے لیے فرمایا: تمہارے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہوگا،اور خون پینے والے صحابی کے متعلق فرمایا: تم پر دوزخ حرام فرمادی گئی۔

(شرف المصطفیٰ ج ۴ ص ۲۷۷۔۲۴۴،ملخصاً وموضحاً ومضیفاً،دار البشائر الاسلامیہ،مکہ مکرمہ،۱۴۲۳ھ)

یہ تمام خصائص قرآن اور سنت میں مذکور ہیں اور ان سے ثابت ہیں،ہم نے طوالت کی وجہ سے ان کی تصریحات کو ذکر نہیں کیا۔(سعیدی غفرلہٗ)

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٥٨﴾

آپ کہیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، جس کی آسمانوں اور زمینوں میں سلطنت ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہی زندہ رکھتے ہیں اور وہی مارتے ہیں، پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر جو نبی اُمّی ہیں، وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے کلام پر اور تم سب اُن کی پیروی کرو تا کہ تم سب ہدایت یافتہ ہو جاؤ O

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٥٩﴾

اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک ایسا گروہ ہے جو لوگوں کو حق کی ہدایت کرتے ہیں اور حق کے ساتھ انصاف کرتے ہیں O

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿١٦٠﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو بارہ قبیلوں میں گروہ در گروہ تقسیم فرمادیا، اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی طلب کیا تو ہم نے اُن کی طرف وحی فرمائی کہ آپ اپنا عصا پتھر پر ماریں، سو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، ہر گروہ نے اپنے پانی پینے کی جگہ پہچان لی، اور ہم نے اُن پر بادل کا سایا فرمادیا اور ہم نے اُن پر المن اور السلویٰ نازل فرمایا، اُن پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر (نافرمانی کرکے) ظلم کرتے تھے O

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓــٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٦١﴾

اور جب اُن سے فرمایا گیا کہ اس شہر میں رہائش اختیار کرو اور اس شہر سے جہاں سے تم چاہو کھاؤ، اور یوں دعا کرو "حِطَّۃٌ" (ہمارے گناہوں کو معاف فرمائیں) اور تم دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو، ہم تمہارے لیے تمہاری خطاؤں کو بخش دیں گے اور عنقریب ہم نیک کام کرنے والوں کو زیادہ اجر عطا فرمائیں گے O

فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

سواُن میں سے ظلم کرنے والوں نے اس دعا کو بدل دیا جس کی انہیں تعلیم فرمائی گئی تھی، اوراس کے خلاف کہا، سوہم نے اُن پر آسمان سے عذاب نازل فرمایا کیونکہ وہ (نافرمانی کر کے) اپنی جان پر ظلم کرتے تھے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، جس کی آسمانوں اورزمینوں میں سلطنت ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہی زندہ رکھتے ہیں اور وہی مارتے ہیں، پس اللہ پر ایمان لاؤ اوراس کے رسول پر جو نبی اُمی ہیں، وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اوراس کے کلام پر اورتم سب اُن کی پیروی کروتا کہ تم سب ہدایت یافتہ ہوجاؤ O'' (الاعراف: ۱۵۸)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہونا

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، الاعراف: ۱۵۸ تا ۱۶۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ '': یعنی اے اہلِ مکہ! دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں تمام لوگوں سے خطاب فرمایا ہے۔

''اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا'': کہا جاتا ہے کہ یہ پہلی ندا ہے جس کے ساتھ اس آیت میں اہلِ مکہ کو ندا فرمائی ہے۔ اوراس سے پہلے ایک ایک کو الگ ندا فرمائی جاتی تھی۔ پس جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی رسالت کو ظاہر فرمایا کہ اے لوگو! میں رب عزوجل کی طرف سے تم تمام لوگوں کی طرف رسول ہوں۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: مجھے تمام انبیاء پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے، آپ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! وہ کونسی وجوہ ہیں؟ آپ نے فرمایا: (۱) مجھے جوامع الکلم عطاء فرمائے گئے (۲) رعب کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی (۳) اورمیرے لیے مالِ غنیمت کو حلال فرمادیا گیا (۴) اورمیرے لیے تمام روئے زمین کو پاکیزہ اورسجدہ گاہ بنادیا گیا (۵) اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا (۶) اورمجھ پر نبیوں کو ختم فرمادیا گیا۔

(صحیح مسلم: ۵۲۳، سنن ابن ماجہ: ۵۶۷، سنن ترمذی: ۱۵۵۳، مسند ابویعلیٰ: ۶۴۹۱، صحیح ابوعوانہ ج ۱ ص ۳۹۵، مشکل الآثار للطحاوی: ۱۰۲۵، صحیح ابن حبان: ۲۳۱۳، سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۳۳، شرح السنۃ للبغوی: ۳۶۱۷، مسند احمد: ۹۳۳۷، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۲) حضرت یعلی بن مرۃ الثقفی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں تین معجزات دیکھے: اُن میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ ہم ایک سفر میں جارہے تھے، سوہم ایک اونٹ کے پاس سے گزرے، جب اس اونٹ نے آپ کو دیکھا تو وہ بڑبڑانے لگا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ٹھہر گئے، آپ نے پوچھا: اس اونٹ کا مالک کہاں ہے؟ سووہ آیا، آپ نے اس سے فرمایا: مجھے یہ اونٹ فروخت کردو، اس نے کہا: نہیں! بلکہ میں یہ اونٹ آپ کو ہبہ کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: نہیں تم یہ اونٹ مجھے فروخت کردو، اس نے کہا: نہیں! بلکہ ہم یہ اونٹ آپ کو ہبہ کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اس اونٹ نے مجھ سے تمہاری شکایت کی ہے کہ تم اس سے کام زیادہ لیتے ہو اوراس

کو چارہ کم کھلاتے ہو، سوتم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹوں کی زبان بھی سمجھتے تھے، اونٹ آپ سے اپنی تکالیف کی شکایت کرتے اور آپ اس کا ازالہ فرمادیتے۔)

(مسند احمد: ١٧٥٥٦، ١٧٥٦٩، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۲، دارالفکر، بیروت، ١۴١٨ ھ)

(٣) نیز حضرت یعلی بن مرۃ الثقفی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مامن شیء الا ویعلم انی رسول اللہ، الا کفرۃ اوفسقۃ الجن والانس'' (کفار اور فساق انسانوں اور جنات کے سوا ہر چیز پہچانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں)۔

(البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۴، دارالفکر، بیروت، ١۴١٨ ھ)

(۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کے ایک باغ میں داخل ہوئے اور آپ کے ساتھ اس وقت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور انصار کے ایک مرد بھی تھے اور اس باغ میں ایک بکری تھی، اس نے آپ کو سجدہ کیا، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! اس بکری کی بہ نسبت ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں، آپ نے فرمایا: کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دوسرے کو سجدہ کرے، اور اگر کسی کے لیے دوسرے کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵٣٧، دارالفکر، بیروت، ١۴١٨ ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں بھی یہ ثبوت ہے کہ بکری اس بات کو پہچانتی تھی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(۵) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کرتی ہیں: جس وقت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک پتھریلی زمین میں تھے تو کوئی چلّانے والا چلا کر کہہ رہا تھا: یارسول اللہ! یارسول اللہ! آپ نے مڑ کر دیکھا تو کوئی نظر نہیں آیا، پھر آپ تھوڑی دور چلے تو پھر ایک آواز آئی: یارسول اللہ: یارسول اللہ! آپ نے مڑ کر دیکھا تو کوئی نظر نہیں آیا، پھر ایک چلّانے والا چلّا رہا تھا، آپ نے فرمایا کہ میں نے اس آواز کا پیچھا کیا، وہاں ایک ہرنی زنجیروں سے بندھی ہوئی تھی اور ایک اعرابی دھوپ میں چادر اوڑھ کر سویا ہوا تھا، پس اس ہرنی نے کہا: یارسول اللہ! اس اعرابی نے تھوڑی دیر پہلے مجھے شکار کیا اور میرے دو چھوٹے بچے پہاڑ کی سرنگ میں ہیں، اگر آپ چاہیں تو مجھے کھول دیں اور میں ان بچوں کو دودھ پلا کر پھر ان زنجیروں کی طرف لوٹ آتی ہوں، آپ نے فرمایا: تم ایسا کرو گی؟ اس ہرنی نے کہا: اللہ تعالیٰ مجھے سخت عذاب دیں اگر میں ایسا نہ کروں تو، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ہرنی کو کھول دیا سو وہ چلی گئی، اس نے اپنے بچہ کو دودھ پلایا اور آ گئی، جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ہرنی کو زنجیروں سے باندھ رہے تھے تو اس اعرابی نے کہا: یارسول اللہ! آپ پر میرے باپ اور میری ماں قربان ہوں، میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے اس ہرنی کو شکار کیا تھا اگر آپ کو اس کی ضرورت ہے تو آپ اس کو رکھ لیں، آپ نے فرمایا: ہاں! اعرابی نے کہا: یہ آپ کی ہے، آپ نے اس ہرنی کو آزاد کر دیا، وہ صحرا میں خوشی خوشی دوڑتی ہوئی گئی اور وہ اپنے پیر زمین پر مارتی ہوئی یہ کہہ رہی تھی: اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وانک رسول اللہ۔

(البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۴٢۔ ۵۴٣، دارالفکر، بیروت، ١۴١٨ ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ ہرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانتی تھی اور آپ کے سامنے اپنی مصیبت کو بیان کرتی تھی اور آپ اس کی مصیبت کا ازالہ فرماتے تھے اور اس میں یہ بھی ثبوت ہے کہ ہرنی نے آپ کی رسالت کی شہادت دی اور آپ کا کلمہ پڑھا۔

’’اَلَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ‘‘: یعنی آسمانوں اور زمین میں نہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی خالق ہے اور نہ کوئی رازق ہے۔’’ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ‘‘: یعنی وہ قبروں میں سے مُردوں کو بعثت کے لیے زندہ فرمائیں گے۔ اور دنیا میں زندوں کو ماریں گے اور دوبارہ اٹھنے کے لیے زندہ فرمائیں گے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ’’يُحْيٖ‘‘ کی تفسیر یہ ہے کہ وہ بے جان نطفہ سے مخلوق کو پیدا فرمائیں گے اور جب ان کی مدتیں پوری ہوجائیں گی تو اُن پر موت کو طاری فرمائیں گے۔

’’فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ ‘‘: یعنی جو اللہ کی تصدیق کرتے ہیں۔’’ وَكَلِمٰتِهٖ ‘‘: یعنی اس کے کلام کی تصدیق کرتے ہیں، اور یا اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں جو اُس کے کلمہ ’’کُن‘‘ سے وجود میں آئے۔’’ وَاتَّبِعُوْهُ ‘‘: یعنی حضرت محمد ﷺ کی پیروی کرو۔’’لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ ‘‘: شاید کہ تم گمراہی سے ہدایت پاؤ۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:’’اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک ایسا گروہ ہے جو لوگوں کو حق کی ہدایت کرتے ہیں اور حق کے ساتھ انصاف کرتے ہیں O‘‘ (الاعراف:۱۵۹)

’’وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ ‘‘: یعنی ایک جماعت حق کی طرف دعوت دیتی ہے’’ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ ‘‘: یعنی وہ جماعت حق کے ساتھ عمل کرتی ہے۔ بعض مفسرین نے کہا: اس آیت سے اہلِ کتاب کے مومنین مراد ہیں اور وہ حضرت عبداللہ بن سلام اور اُن کے اصحاب ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:’’اور ہم نے بنی اسرائیل کو بارہ قبیلوں میں گروہ در گروہ تقسیم فرمادیا، اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی طلب کیا تو ہم نے اُن کی طرف وحی فرمائی کہ آپ اپنا عصا پتھر پر ماریں، سو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، ہر گروہ نے اپنے پانی پینے کی جگہ پہچان لی، اور ہم نے اُن پر بادل کا سایا کردیا اور ہم نے اُن پر المنّ اور السلویٰ نازل فرمایا، اُن پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر (نافرمانی کرکے) ظلم کرتے تھے O‘‘ (الاعراف:۱۶۰)

’’وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ‘‘: یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو بارہ (۱۲) جماعتوں میں متفرق فرمادیا۔ الاسباط کا لفظ جمع ہے اور بنی اسرائیل میں سبط ایک قبیلہ کی مثل ہے۔

’’وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ‘‘: یعنی ہم نے میدانِ ’’التیہ‘‘ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی۔’’ اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ‘‘: یہ پورا قصہ سورۃ البقرہ میں مذکور ہے۔

عصا کو پتھر پر مارنے اور اس سے چشموں کے پھوٹنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے: (۱) اس نشانی میں اس جہان کے حادث ہونے اور عدم سے وجود میں آنے کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے

ایک ایسے چھوٹے پتھر سے جس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا تھا بارہ چشمے نکال دیے اور ان سے بارہ نہریں بھر دیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بارہ میل پر پھیلی ہوئی تھی اور ان کی تعداد چھ لاکھ تھی، وہ سب اس پتھر سے نکالے ہوئے پانی سے سیراب ہو گئے، اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ وہ تمام پانی اس چھوٹے سے پتھر کے اندر موجود ہو، اس سے واضح ہوا کہ اس پانی کو اللہ تعالیٰ عدم سے وجود میں لائے ہیں، سو جو ذات ایک چھوٹے سے پتھر سے اتنا پانی نکال سکتی ہے جس سے چھ لاکھ افراد سیراب ہو جائیں، اس کا اس جہان کو عدم سے وجود میں لانا کب مستبعد ہو سکتا ہے! (۲) اس واقعہ میں قیامت کے بعد دوبارہ لوگوں کے زندہ فرمانے پر دلیل ہے کیونکہ جو ذات ایک چھوٹے سے پتھر سے اتنا کثیر پانی نکال سکتی ہے وہ اس جہان کو فنا کرنے کے بعد دوبارہ اس جہان کو پیدا فرمانے پر بہ طریقِ اولیٰ قادر ہے۔ (تاویلاتِ اہل السنۃ ج ۱ ص ۴۷۱-۴۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور جب اُن سے فرمایا گیا کہ اس شہر میں رہائش اختیار کرو اور اس شہر سے جہاں سے تم چاہو کھاؤ، اور یوں دعا کرو ”حِطَّۃٌ“ (ہمارے گناہوں کو معاف فرمائیں) اور تم دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو، ہم تمہارے لیے تمہاری خطاؤں کو بخش دیں گے اور عنقریب ہم نیک کام کرنے والوں کو زیادہ اجر عطا فرمائیں گے O“ (الاعراف:۱۶۱)

”وَ اِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَ كُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ“:

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس شہر کی تعیین میں متعدد اقوال ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ شہر ”اریحا“ ہے، یہ جبارین کی بستی ہے اور اس میں قوم عاد کے بقیہ لوگ رہتے تھے جن کو ”العمالقہ“ کہا جاتا تھا اور ان کا سردار عوج بن عنق تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ شہر ”البلقاء“ تھا، اور مجاہد نے کہا: یہ شہر ”بیت المقدس“ تھا، اور الضحاک نے کہا: اس کا مصداق ”الرملہ“ اور ”الاردن“ اور ”الفلسطین“ ہے اور مقاتل نے کہا: اس شہر کا نام ”ایلیاء“ ہے، اور ابن کیسان نے کہا: اس کا نام ”شام“ ہے۔

”وَ قُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا“: اس شہر کے سات دروازے تھے، ان سے فرمایا گیا کہ اس شہر کے دروازہ میں جھکتے ہوئے حالتِ رکوع میں خضوع خشوع کے ساتھ داخل ہو۔ اور وہب بن مُنَبِّہ نے کہا: جب تم اس شہر میں داخل ہو تو اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ شکر کرتے ہوئے داخل ہو اور کہنا ”حِطَّةٌ“، قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے کہ ہم سے ہماری خطاؤں کو ساقط فرما دیں اور ان کو استغفار کرنے کا حکم فرمایا گیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”حِطَّةٌ“ سے مراد ہے ”لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ پڑھتے ہوئے شہر میں داخل ہونا، کیونکہ یہ کلمہ طیبہ گناہوں کو ساقط کر دیتا ہے اور قرآن مجید میں ”حِطَّة“ پر پیش اس لیے ہے کہ یہ اصل میں ”حِطَّةُ مَسْئَلَتِنَا“ ہے یعنی ہمارا یہ سوال ہے کہ ہمارے گناہوں کو ساقط کر دیا جائے، اور جب تم اس طرح کہو گے تو ہم تمہاری خطاؤں کی مغفرت فرما دیں گے، مغفرت کا لفظ ”الغفر“ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے ”الستر“ پس مغفرت کا معنی ہے: گناہوں پر پردہ رکھنا اور فرمایا: ”ہم عنقریب نیکو کاروں کو زیادہ اجر عطا فرمائیں گے“۔

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۲۰-۱۲۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سواُن میں سے ظلم کرنے والوں نے اس دعا کو بدل دیا جس کی انہیں تعلیم فرمائی گئی تھی، اوراس کے خلاف کہا، سوہم نے اُن پر آسمان سے عذاب بھیجا کیونکہ وہ (نافرمانی کرکے) اپنی جان پر ظلم کرتے تھے O'' (الاعراف: ۱۶۲)

''فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾'':

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ دروازۂ شہر میں جھکتے ہوئے داخل ہونا اور ''حِطَّةٌ'' کہنا، سوانہوں نے اس حکم کو تبدیل کردیا پس وہ شہر میں اپنی سرین کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور انہوں نے کہا: ''حَبَّةٌ فِيْ شَعْرَةٍ'' (دانہ جو میں)۔ (صحیح البخاری: ۳۴۰۳، صحیح مسلم: ۳۰۱۵، سنن ترمذی: ۲۹۵۶، سنن ابوداؤد: ۴۰۰۶)

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۵۷۴۔۵۷۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

اور اِن لوگوں سے اُس شہر کے متعلق سوال کیجئے جو شہر سمندر کے کنارے واقع تھا، جب اُن لوگوں نے ہفتہ کے دن (مچھلیوں کا شکار کرکے) حد سے تجاوز کیا جب ہفتہ کے دن مچھلیاں پانی پر تیرتی ہوئیں اُن کے پاس آئیں اور جس دن ہفتہ نہ ہوتا تھا اس دن وہ مچھلیاں ان کے پاس نہیں آتی تھیں، اسی طرح ہم نے ان کو آزمائش میں مبتلا فرمایا کیونکہ وہ لوگ (اللہ کی) نافرمانی کرتے تھے O

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

اور جب اُس شہر کے گروہ نے (نصیحت کرنے والے گروہ سے) کہا: تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کررہے ہو جن کو اللہ ہلاک فرمانے والے ہیں یا اُن کو سخت عذاب دینے والے ہیں، انہوں نے (جواب میں) کہا: ہم (یہ نصیحت) تمہارے رب کی بارگاہ میں اپنی معذرت پیش کرنے کے لیے کرتے ہیں، اور اس امید پر کہ شاید یہ لوگ نافرمانی سے باز آجائیں O

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَـِٔيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾

سوجب انہوں نے اُن سب باتوں کو بھلا دیا جن کے ساتھ ان کو نصیحت فرمائی گئی تھی تو ہم نے برائی سے روکنے والوں کو نجات عطا

دی اور جن لوگوں نے (اللہ کی نافرمانی کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا ان کو سخت عذاب میں گرفتار فرما لیا کیونکہ وہ (اللہ کی) نافرمانی کرتے تھے O

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕیْنَ ﴿۱۶۶﴾

پھر جب وہ انتہائی سرکشی کرتے ہوئے انہی کاموں کا ارتکاب کرتے رہے جس سے ان کو روکا گیا تھا تو ہم نے اُن سے فرمایا: تم ذلیل بندر بن جاؤ O

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ یَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ۚۖ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۷﴾

اور اے رسولِ اکرم! آپ یاد کیجیے جب آپ کے رب نے متنبہ فرما دیا تھا کہ وہ قیامت تک اُن پر ایسے لوگوں کو مسلط فرماتے رہیں گے جو اُن کو سخت عذاب چکھائیں گے، بے شک آپ کے رب ضرور بہت جلد عذاب دینے والے ہیں، اور بے شک وہ بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

وَ قَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ٘ وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾

اور ہم نے اُن کو زمین میں کئی گروہوں میں تقسیم فرما دیا، اُن میں سے بعض نیک ہیں اور دوسرے اُن سے مختلف ہیں اور ہم نے نعمتوں اور مشقتوں کے ساتھ اُن کی آزمائش فرمائی تا کہ وہ (حق کی طرف) رجوع کریں O

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَ یَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا ۚ وَ اِنْ یَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ یَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ مِّیْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَ دَرَسُوْا مَا فِیْهِ ؕ وَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

پھر ان کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے جو تورات کے وارث قرار پائے، وہ آخرت کو چھوڑ کر اسی دنیا کا سامان لیتے تھے اور یہ کہتے تھے: عنقریب ہمیں بخش دیا جائے گا اور (اس کے بعد) اگر ان کے پاس ایسا اور مال بھی آ جاتا تو وہ اس کو بھی لے لیتے، کیا اُن سے تورات میں یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے متعلق حق بات کے سوا کچھ نہ کہیں، اور انہوں نے تورات میں لکھا ہوا سب کچھ پڑھ لیا تھا اور آخرت کا گھر اُنہی لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں، سو کیا تم نہیں سمجھتے! O

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اور انہوں نے نماز قائم کی، تو بے شک ہم اُن لوگوں کا اجر ضائع نہیں فرمائیں گے جو اصلاح کرنے والے ہیں O

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

اور جب ہم نے اُن پر پہاڑ کو اس طرح اٹھالیا گویا کہ وہ سائبان ہے اور انہوں نے یہ گمان کرلیا کہ وہ پہاڑ ضرور ان پر گرنے والا ہے، ہم نے اُن سے فرمایا: جو کچھ ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے، اس کو پوری قوت سے پکڑ لو اور جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے اس کو یاد کرو، اس امید پر کہ تم متقی بن جاؤ O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ان لوگوں سے اُس شہر کے متعلق سوال کیجئے جو شہر سمندر کے کنارے واقع تھا، جب اُن لوگوں نے ہفتہ کے دن (مچھلیوں کا شکار کر کے) حد سے تجاوز کیا جب ہفتہ کے دن مچھلیاں پانی پر تیرتی ہوئیں اُن کے پاس آئیں اور جس دن ہفتہ نہ ہوتا تھا اس دن وہ مچھلیاں ان کے پاس نہیں آتی تھیں، اسی طرح ہم نے ان کو آزمائش میں مبتلا فرمایا کیونکہ وہ لوگ (اللہ کی) نافرمانی کرتے تھے O'' (الاعراف: ۱۶۳)

''ایلۃ'' نام کے جس شہر میں بنی اسرائیل نے ہفتہ کے دن شکار کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی

القاضی مجیر الدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ، الاعراف: ۱۶۳ تا ۱۷۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَسْـَٔلْهُمْ'': یعنی اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم، آپ اُن یہودیوں سے جو آپ کے قریب مدینہ منورہ میں رہتے ہیں، بطورِ سرزنش سوال کیجئے۔ ''عَنِ الْقَرْيَةِ'': یعنی اُن سے اس شہر کی خبر کے متعلق سوال کیجئے۔ ''الَّتِیْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ'': جو شہر سمندر کے کنارے واقع تھا، اس شہر کا نام ''ایلۃ'' ہے، وہ شہر مکہ اور مصر کے درمیان تھا۔ اس شہر کا نام ''ایلۃ بنت مدین بن ابراہیم'' کے نام پر رکھا گیا۔ اور شام کی جہت سے یہ شہر حجاز کی پہلی سرحد ہے۔ اس شہر اور بیت المقدس کے درمیان آٹھ دن کی مسافت ہے۔ اور پہاڑ طور جس پر اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا، وہ وہاں سے ایک دن اور ایک رات کی مسافت پر ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ بنی اسرائیل ''ایلہ'' اور ''الطور'' کے درمیان مدین نامی بستی میں رہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان پر ہفتہ کے دن شکار کرنا حرام فرمادیا تھا اور ساحلِ سمندر پر ہفتہ کے دن مچھلیاں بہت بڑی تعداد میں آتی تھیں اور ہفتہ کا دن گزرنے کے بعد وہ کسی مچھلی کو نہیں دیکھتے تھے نہ چھوٹی مچھلی کو اور نہ بڑی مچھلی کو۔ اور جب ہفتہ کا دن گزر جاتا تو پھر مچھلیاں آجاتیں، اسی طرح عرصہ دراز تک ہوتا رہا، پھر ایک مرد نے چپکے سے ایک مچھلی پر ڈوری باندھ دی اور اس کو ساحلِ سمندر سے کھینچ کر ایک نالہ میں لے آیا حتیٰ کہ جب اگلا دن آیا

یعنی اتوار تو اس نے اس ڈوری کے ذریعہ اس مچھلی کو پکڑ لیا اور دل میں کہا: میں نے اس مچھلی کو ہفتہ کے دن نہیں پکڑا پھر اس کو لے گیا اور اس کو کھا لیا، پھر اگلے ہفتہ کو بھی یہی عمل کرتا رہا اور لوگوں نے مچھلیوں کی خوشبو پائی تو پھر اس شہر کے لوگ اس مرد کے طریقہ پر مطلع ہوئے تو انہوں نے بھی اس مرد کے عمل کی مثل عمل کیا اور ایک زمانہ تک چپکے چپکے ان مچھلیوں کو کھاتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل پر ان کی کوئی گرفت نہیں فرمائی حتیٰ کہ وہ کھلم کھلا ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار کرنے لگے اور ان کو بازاروں میں بیچنے لگے، اور بنی اسرائیل کے ایک دوسرے گروہ نے ان سے کہا کہ اللہ سے ڈرو اور ان کو ان کی اس کارروائی سے منع کیا، اور تیسرے گروہ نے نہ مچھلیاں کھائیں اور نہ لوگوں کو ان کی اس کارروائی سے منع کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان نافرمانی کرنے والوں کو مسخ کر کے بندر بنا دیا، وہ صرف تین دن تک زمین پر زندہ رہے، نہ کھاتے تھے اور نہ پیتے تھے اور نہ ان کی نسل چلی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے: جو گروہ ان کو اس کارروائی سے منع کرتا تھا انہوں نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی اور اپنے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دی، پھر ایک دن وہ نافرمانی کرنے والے ان کو نظر نہیں آئے تو انہوں نے ان کو تلاش کیا اور ان کے گھروں میں جا کر دیکھا تو انہوں نے اپنے گھروں کے دروازے بند کیے ہوئے تھے اور وہ بندر بنا دیئے گئے تھے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۴۶۹۔ ۴۷۰ ملخصاً وملتقطاً، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

''اِذْ يَعْدُوْنَ فِى السَّبْتِ'': جب بنی اسرائیل ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کرتے تھے اور انہیں ہفتہ کے دن شکار نہ کرنے کا جو حکم فرمایا گیا تھا اس کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ ''اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ'': یعنی جب اُن کی آزمائش کے لیے ہفتہ کے دن اُن کے پاس اُن کی مچھلیاں کثرت سے آتی تھیں۔ ''شُرَّعًا'': سمندر کے پانی پر تیرتی ہوئی آتی تھیں۔

''وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ'': اور چھٹی کے دن، جس دن وہ کوئی کام نہیں کرتے تھے تو وہ مچھلیاں نہیں آتی تھیں۔

''كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾'': یعنی شدید آزمائش میں ہم نے اُن کو مبتلا فرمایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب اُس شہر کے گروہ نے (نصیحت کرنے والے گروہ سے) کہا: تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کر رہے ہو جن کو اللہ ہلاک فرمانے والے ہیں یا اُن کو سخت عذاب دینے والے ہیں، انہوں نے (جواب میں) کہا: ہم (یہ نصیحت) تمہارے رب کی بارگاہ میں اپنی معذرت پیش کرنے کے لیے کرتے ہیں، اور اس امید پر کہ شاید یہ لوگ نافرمانی سے باز آ جائیں O'' (الاعراف: ۱۶۴)

''وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ'': ان کی امت میں سے صالحین جب نافرمانی میں حد سے تجاوز کرنے والوں کی اصلاح سے مایوس ہو گئے تو پھر انہوں نے کہا: ''لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا'': یعنی جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اُن کی نافرمانی اور سرکشی میں ڈھیل دی ہوئی ہے جس کی وجہ سے اُن پر عذاب واجب ہو گیا ہے اور اُن پر کوئی نصیحت اثر انداز نہیں ہوتی تو تم اُن کو کیوں نصیحت کرتے ہو؟۔ ''قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ'': بنی اسرائیل کو نافرمانی سے روکنے والوں نے کہا: ہم اس لیے اُن کو نصیحت کر رہے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارا عذر ثابت ہو جائے۔ ''وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾'': اس امید پر کہ وہ اللہ سے ڈریں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو جب انہوں نے اُن سب باتوں کو بھلا دیا جن کے ساتھ ان کو نصیحت فرمائی گئی تھی تو ہم نے برائی سے روکنے والوں کو نجات عطا فرمادی اور جن لوگوں نے (اللہ کی نافرمانی کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا ان کو سخت عذاب میں گرفتار فرمالیا کیونکہ وہ (اللہ کی) نافرمانی کرتے تھے O'' (الاعراف:۱۶۵)

''فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ '': پس جب اس شہر کے لوگوں نے ہفتہ کے دن شکار کی ممانعت کی نصیحت کو بھلا دیا۔

''اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ '': تو ہم نے اُن لوگوں کو نجات عطا فرمادی جو ہفتہ کے دن شکار کرنے سے منع کرتے تھے۔ ''وَ اَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَىِٕيْسٍ '': اور ہفتہ کے دن شکار کرنے والوں پر ہمارا سخت عذاب آ گیا۔ ''بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ '': کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر جب وہ انتہائی سرکشی کرتے ہوئے انہی کاموں کا ارتکاب کرتے رہے جس سے ان کو روکا گیا تھا تو ہم نے اُن سے فرمایا: تم ذلیل بندر بن جاؤ O'' (الاعراف:۱۶۶)

''فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ '': جب اس شہر کے لوگ ہفتہ کے دن شکار کرنے سے باز نہیں آئے۔ ''قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾ '': پس وہ تین دن تک ٹھہرے رہے، پھر اُن کو ہلاک فرما دیا گیا۔ اور اس کی تفصیل سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اے رسولِ اکرم! آپ یاد کیجئے جب آپ کے رب نے متنبّہ فرمادیا تھا کہ وہ قیامت تک اُن پر ایسے لوگوں کو مسلط فرماتے رہیں گے جو اُن کو سخت عذاب چکھائیں گے، بے شک آپ کے رب ضرور بہت جلد عذاب دینے والے ہیں، اور بے شک وہ بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O'' (الاعراف:۱۶۷)

''وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ '': جب آپ کے رب نے اس پر متنبّہ فرمادیا۔ ''لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ '': کہ اللہ عزوجل ضرور بہ ضرور یہود پر ایسے لوگوں کو مسلط فرمائیں گے جو قیامت تک اُن کو ایذاء پہنچاتے رہیں گے۔ سو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد یہود پر بخت نصر کو مسلط فرمادیا جس نے اُن کے گھروں کو برباد کر دیا اور اُن کو مار ڈالا اور اُن کی عورتوں کو اور اُن کے بچوں کو قید کر لیا اور جو باقی لوگ بچے اُن پر جزیہ مقرر کر دیا۔ اور وہ لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک جزیہ ادا کرتے رہے، پس اللہ تعالیٰ نے اُن پر قیامت تک یہ ذلت مسلط فرمادی۔

''اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ '': بے شک آپ کے رب بہت جلد اُن کو دنیا میں عذاب دینے والے ہیں اور بے شک جو توبہ کرے اور ایمان لائے اُن کے لیے بخشنے والے مہربان ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے اُن کو زمین میں کئی گروہوں میں تقسیم فرمادیا، اُن میں سے بعض نیک ہیں اور دوسرے اُن سے مختلف ہیں اور ہم نے نعمتوں اور مشقتوں کے ساتھ اُن کی آزمائش فرمائی تاکہ وہ (حق کی

طرف) رجوع کریں O''(الاعراف:۱۶۸)

''وَ قَطَّعۡنٰهُمۡ فِي الۡاَرۡضِ اُمَمًا'': یعنی ہم نے اُن کو زمین میں کئی گروہوں میں تقسیم فرما دیا۔ ''مِنۡهُمُ الصّٰلِحُوۡنَ'': ان میں سے بعض نیک ہیں اور یہ وہ ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے ہیں۔ ''وَ مِنۡهُمۡ دُوۡنَ ذٰلِكَ'': اور بعض اُن سے پست ہیں اور وہ کفار ہیں۔ ''وَ بَلَوۡنٰهُمۡ بِالۡحَسَنٰتِ'': ہم نے ان کو نعمتیں عطا فرما کر ان کی آزمائش کی۔ ''وَ السَّيِّاٰتِ'': اور ہم نے اُن کو مشقتوں میں مبتلاء فرمایا۔ ''لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۶۸﴾'': شاید کہ وہ کفر سے باز آ جائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر ان کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے جو تورات کے وارث قرار پائے، وہ آخرت کو چھوڑ کر اسی دنیا کا سامان لیتے تھے اور یہ کہتے تھے: عنقریب ہمیں بخش دیا جائے گا اور (اس کے بعد) اگر ان کے پاس ایسا اور مال بھی آ جاتا تو وہ اس کو بھی لے لیتے، کیا اُن سے تورات میں یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے متعلق حق بات کے سوا کچھ نہ کہیں، اور انہوں نے تورات میں لکھا ہوا سب کچھ پڑھ لیا تھا اور آخرت کا گھر اُنہی لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں، سو کیا تم نہیں سمجھتے! O''(الاعراف:۱۶۹)

''فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ'': ان مذکورین کے بعد ایک جماعت آئی، یہ وہ لوگ ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ میں رہنے والے یہودی تھے۔ اور لفظِ الخَلَف میں جب لام پر زبر ہو تو اس کا معنی ہے: بعد میں آنے والے نیک لوگ۔ اور اگر لام پر جزم ہو یعنی الخَلْف تو اس کا معنی ہے: بعد میں آنے والے برے لوگ۔ خَلَف کی جمع اَخلاف آتی ہے اور خَلْف کی جمع خُلوف آتی ہے۔ (الصحاح للجوہری ص ۳۱۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ، لسان العرب ج ۵ ص ۱۳۵، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء)۔ اسی طرح سَلَف کی جمع اَسلاف اور سَلْف کی جمع سُلوف آتی ہے۔ (الصحاح للجوہری ص ۵۰۶، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ، لسان العرب ج ۷ ص ۲۳۳، دار صادر بیروت، ۲۰۰۳ء) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے اعتبار سے صحابہ کرام اور فقہاء تابعین الخَلَف ہیں اور یزید، حجاج بن یوسف اور شمر وغیرہ الخَلْف ہیں، اسی طرح لفظِ سَلَف سے مراد پہلے نیک لوگ ہیں اور سَلْف سے مراد پہلے برے لوگ، پس ہمارے اعتبار سے صحابہ کرام، ائمہ مجتہدین، غوثِ اعظم اور دیگر اولیائے کرام سَلَف ہیں اور ہمارے اعتبار سے حجاج بن یوسف، یزید اور شمر وغیرہ سَلْف ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ)

''وَّرِثُوا الۡكِتٰبَ'': یعنی تورات کے وارث ہوئے۔ ''يَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ هٰذَا الۡاَدۡنٰى'': یعنی یہود میں سے علماءِ سُوء رشوت لے کر تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھی ہوئی صفات اور نعوت کو بدل دیتے تھے اور تورات کے بعض احکام کو بدل دیتے تھے۔ اگر کوئی امیر آدمی بدکاری کرتا تو کہتے: اس کی سزا یہ ہے کہ اس کا مونہہ کالا کر دو اور اگر کوئی مفلس اور نادار بدکاری کرتا تو کہتے: اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو رجم کر دو۔ ''وَيَقُوۡلُوۡنَ سَيُغۡفَرُ لَنَا'': اور وہ کہتے ہیں کہ ہم پر گرفت نہیں کی جائے گی۔

''وَاِنۡ يَّاۡتِهِمۡ عَرَضٌ مِّثۡلُهٗ يَاۡخُذُوۡهُ'': یعنی وہ مغفرت کی توقع رکھتے ہیں اور اپنی پچھلی بدکاریوں کی طرف لوٹتے ہیں حالانکہ مغفرت صرف توبہ کرنے والوں کے لیے ہوتی ہے۔ ''اَلَمۡ يُؤۡخَذۡ عَلَيۡهِمۡ مِّيۡثَاقُ الۡكِتٰبِ'': یعنی تورات میں اُن سے یہ عہد لیا گیا تھا ''اَنۡ لَّا يَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَقَّ'' کہ وہ اللہ عزوجل کے متعلق حق کے سوا کوئی بات نہیں کہیں گے۔ اور تورات میں یہ نہیں لکھا

ہوا تھا کہ معصیت پر اصرار کے باوجود مغفرت ہو جائے گی۔ ''وَ دَرَسُوْا مَا فِیْهِ '': اور وہ تورات میں لکھے ہوئے احکام کو پڑھتے تھے۔ ''وَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ '': یعنی وہ رشوت لے کر جو معمولی پیسے لیتے تھے اس کے بجائے اگر وہ رشوت نہ لیتے اور نیک کام کرتے تو ان کے لیے آخرت بہتر تھی۔ ''اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ '': کیا اُن کو علم نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اور انہوں نے نماز قائم کی، تو بے شک ہم اُن لوگوں کا اجر ضائع نہیں فرمائیں گے جو اصلاح کرنے والے ہیں O'' (الاعراف: ۱۷۰)

''وَ الَّذِیْنَ یُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ '': جو لوگ کتاب، یعنی تورات کے تقاضوں پر عمل کرتے ہیں اور اس میں تحریف نہیں کرتے، نہ اس تورات کی کسی آیت کو چھپاتے ہیں۔ اور یہ لوگ حضرت عبداللہ بن سلام اور اُن کے اصحاب ہیں۔ ''وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَؕ-اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ '': احکامِ شرعیہ میں سے صرف نماز کا ذکر فرمایا ہے، کیونکہ نماز کو دیگر عبادات پر فضیلت حاصل ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب ہم نے اُن پر پہاڑ کو اس طرح اٹھالیا گویا کہ وہ سائبان ہے اور انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ وہ پہاڑ ضرور اُن پر گرنے والا ہے، ہم نے اُن سے فرمایا: جو کچھ ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے، اس کو پوری قوت سے پکڑ لو اور جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے اس کو یاد کرو، اس امید پر کہ تم متقی بن جاؤ O''
(الاعراف: ۱۷۱)

''وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ '': یعنی جب ہم نے پہاڑ طور کو اُن کے سروں کے اوپر اٹھالیا۔ ''كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ '': جیسے لوگوں کے سروں پر بادل ہوتا ہے۔ ''وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ '': اور انہوں نے یہ گمان کر لیا اور یقین کر لیا کہ وہ پہاڑ اُن کے اوپر گرنے والا ہے۔ تب انہوں نے تورات کو قبول کر لیا۔ سو ہم نے اُن سے فرمایا: ''خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ '': ہم نے جو کچھ تمہیں عطا فرمایا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑ لو خواہ تم پر دشوار ہو۔ ''وَّ اذْكُرُوْا مَا فِیْهِ '': یعنی جن احکام کا اس میں ذکر فرمایا گیا ہے، ان کو یاد کرو اور اس پر عمل کرو۔ ''لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ '': شاید کہ تم اپنے برے کاموں سے باز آجاؤ۔ اور پہاڑ طور کو اُن کے سروں پر اس وقت اٹھایا جب انہوں نے تورات کے احکام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے سروں کے اوپر پہاڑ طور کو اٹھایا، پس جب انہوں نے پہاڑ کی طرف نظر کی تو اُن میں سے ہر مرد اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر گیا اور یہ سجدہ انہوں نے بائیں بھوں پر کیا۔ اور داہنی بھوں سے وہ پہاڑ کی طرف دیکھ رہے تھے کہ کہیں یہ گر نہ رہا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ یہودی نماز میں اپنی بائیں بھوں پر سجدہ کرتے ہیں۔ (فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن ج ۳ ص ۴۹۔ ۵۶ ملخصاً وملتقطاً، دار النوادر، لبنان، ۱۴۳۴ھ)

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْؕ قَالُوْا بَلٰىۚۛ شَهِدْنَاۚۛ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَۙ(۱۷۲)

اور اے رسولِ اکرم! آپ یاد کیجیے: جب آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے اُن کی اولاد کو نکالا اور اُن کو اُن کی جانوں پر گواہ بنایا، (فرمایا:) کیا میں تمہارا رب نہیں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں! (یقیناً آپ ہمارے رب ہیں)، ہم اس پر گواہ ہو گئے، (یہ اس

لئے کیا) تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم تو اس عہد سے بے خبر تھے O

اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾

یا تم یہ نہ کہو: صرف ہمارے باپ دادا نے ہی پہلے شرک کیا تھا اور ہم اُن کے بعد اُن کی اولاد تھے، کیا آپ ہمیں اُس فعل کی وجہ سے ہلاک فرمائیں گے جو باطل پرستوں نے کیا تھا! O

وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

اور ہم اسی طرح تفصیل کے ساتھ اپنی آیات بیان فرماتے ہیں تاکہ یہ لوگ حق کی طرف رجوع کریں O

وَ اتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْۤ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۱۷۵﴾

اور آپ اِن کے سامنے اُس شخص کی خبر بیان کریں جس کو ہم نے اپنی آیات عطا فرمائیں، سو وہ اِن آیات سے نکل بھاگا، پس شیطان نے اس کا پیچھا کیا تو وہ گمراہ لوگوں میں سے ہو گیا O

وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ یَلْهَثْؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

اور اگر ہم چاہتے تو ضرور اِن آیتوں کی وجہ سے (اس کا مرتبہ) بلند فرما دیتے، مگر وہ شخص پستی کی طرف جھکا اور اس نے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی کی، سو اس کی مثال کتے کی سی ہے، اگر تم اس پر مشقت کا بوجھ ڈالو تو وہ ہانپے گا اور زبان لٹکائے گا، یا اس کو چھوڑ دو تو پھر بھی وہ ہانپے گا اور زبان نکالے گا، یہ اُن لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، سو آپ یہ قصے لوگوں کے سامنے بیان فرمائیں تاکہ وہ غور و فکر کریں O

سَآءَ مَثَلَا ِۨالْقَوْمُ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

اُن لوگوں کی کیسی بری مثال ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ (نافرمانی کر کے) اپنی جانوں ہی پر ظلم کرتے تھے O

مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِیْۚ وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

جس کو اللہ ہدایت عطا فرمائیں، سو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو اللہ گمراہی پر چھوڑ دیں سو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں O

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اور بے شک ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے جنات اور انسان پیدا فرمائے، اُن کے دل ہیں جن سے وہ غور وفکر نہیں کرتے، اور اُن کی آنکھیں ہیں جن سے وہ بطورِ عبرت نہیں دیکھتے، اور اُن کے کان ہیں جن سے وہ غور سے نہیں سنتے، یہ لوگ چوپایوں کی مثل ہیں بلکہ اُن سے (بھی) زیادہ گمراہ ہیں اور یہی لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں O

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اور اللہ کے سب نام اچھے ہیں سو اللہ کو ان ہی ناموں سے پکارو، اور اُن لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں، عنقریب اِن کو اِن کے کاموں پر سزا دی جائے گی O

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ ع

اور ہم نے جن کو پیدا فرمایا، اُن میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو حق کے راستہ کی ہدایت دیتا ہے اور اس کے مطابق عدل وانصاف کرتا ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اے رسولِ اکرم! آپ یاد کیجئے: جب آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے اُن کی اولاد کو نکالا اور اُن کو اُن کی جانوں پر گواہ بنایا، (فرمایا:) کیا میں تمہارا رب نہیں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں! (یقیناً آپ ہمارے رب ہیں)، ہم اس پر گواہ ہوگئے، (یہ اس لئے کیا) تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم تو اس عہد سے بے خبر تھے O" (الاعراف: ۱۷۲)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، الاعراف: ۱۷۲ تا ۱۸۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ": حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے اُن کی اولاد کو نکالا گیا جس طرح سر میں کنگھی کرکے بال نکالے جاتے ہیں، پھر اُن کو اپنے سامنے چیونٹیوں کی طرح پھیلا دیا، اس آیت میں یہ نہیں فرمایا "مِن ظهرِ آدمَ" کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے بعض اولاد کو دوسری اولاد کی پشت سے نکالا۔ "وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ": اس کی تفسیر میں تین اقوال ہیں: (۱) مقاتل نے کہا: اُن سے اُن کی جانوں پر اقرار کرایا (۲) الزجاج نے کہا: اُن سے توحید پر اقرار کرایا (۳) ابن جریر نے کہا: ان میں سے ہر ایک سے دوسرے

پر اقرار کرایا۔ پھر ان سے بالمشافہ کلام فرمایا: ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ '': یعنی اُن سے فرمایا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟۔ ''قَالُوْا بَلٰى ۛ شَهِدْنَا'': انہوں نے کہا: کیوں نہیں! ہم گواہ ہیں کہ آپ ہمارے رب ہیں۔ السدی نے کہا کہ فرشتوں نے بنو آدم کے اقرار پر گواہی دی اور کلبی نے کہا کہ جب اُن کی اولاد نے کہا: ''بلیٰ'' تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: تم گواہ ہو جاؤ، سو انہوں نے کہا: ہم گواہ ہیں۔ اور ابو العالیہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ اُن سب نے یہ کہا کہ بے شک آپ ہمارے رب ہیں، اللہ عزوجل نے فرمایا: پس بے شک میں سات آسمانوں اور سات زمینوں کو تم پر گواہ بناتا ہوں۔

''اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ'': السدی نے کہا: حضرت آدم کی اولاد میں سے ایک گروہ نے تو خوشی سے کہا کہ آپ ہمارے رب ہیں، اور دوسرے گروہ نے ناخوشی سے کہا۔ ''اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾'': اس آیت میں اولادِ آدم کے میثاق اور اقرار کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ خالق کی معرفت کی طرف اشارہ ہے۔ مفسرین نے کہا: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام مکلفین کو اُن کا عہد و میثاق یاد دلایا ہے اور ان کے خلاف یہ حجت قائم فرمائی ہے تا کہ کفار یہ نہ کہیں کہ ہم اس عہد و میثاق سے غافل تھے، ہم کو یہ یاد نہیں ہے اور ان کے نسیان سے اللہ تعالیٰ کی حجت ساقط نہیں ہو گی، جب کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صادق کی زُبان سے اس عہد و میثاق کی خبر بیان فرما دی ہے۔ (السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۱۹۱، مسند احمد: ۲۴۵۱، الطبری: ۱۵۳۴۹، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۲۷، ج ۲ ص ۵۴۴، تفسیر ابن کثیر ص ۷۹۰، دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یا تم یہ نہ کہو: صرف ہمارے باپ دادا نے ہی پہلے شرک کیا تھا اور ہم اُن کے بعد اُن کی اولاد تھے، کیا آپ ہمیں اُس فعل کی وجہ سے ہلاک فرمائیں گے جو باطل پرستوں نے کیا تھا! O''

(الاعراف: ۱۷۳)

''اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ'': پس ہم نے اپنے باپ دادا کے طریقہ کی پیروی کی کیونکہ ہم آپ کی الوہیت سے ناواقف تھے۔ ''اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾'': کہ انہوں نے کہا تھا کہ آپ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے، سو اللہ تعالیٰ اُن کے اس عذر کو ساقط فرمائیں گے کیونکہ اُن میں سے ہر ایک کو اس کا میثاق یاد دلائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم اسی طرح تفصیل کے ساتھ اپنی آیات بیان فرماتے ہیں تا کہ یہ لوگ حق کی طرف رجوع کریں O'' (الاعراف: ۱۷۴)

''وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾'': یعنی جس طرح ہم نے اس عہد و میثاق کو یاد دلایا ہے تا کہ بندے غور و فکر کریں، اسی طرح ہم اپنی آیات کو تفصیل سے بیان فرماتے ہیں تا کہ وہ بندے شرک سے توحید کی طرف رجوع کریں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور آپ اِن کے سامنے اُس شخص کی خبر بیان کریں جس کو ہم نے اپنی آیات عطا فرمائیں، سو وہ اِن آیات سے نکل بھاگا، پس شیطان نے اس کا پیچھا کیا تو وہ گمراہ لوگوں میں سے ہو گیا O''

(الاعراف: ۱۷۵)

جو مرداللہ کی آیات سے صاف نکل گیا تھا، اس کے مصداق کے متعلق مفسرین کے اقوال

''وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَاَ الَّذِيۡۤ اٰتَيۡنٰهُ اٰيٰتِنَا'': اس آیت کی تفسیر میں چند اقوال ہیں: (۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ بنی اسرائیل میں ایک مرد تھا جس کا نام بلعم بن ابر تھا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا نام بلعم بن باعوراء تھا۔ اور ایک روایت ہے کہ اس کا نام بلعام بن باعور تھا۔ مجاہد، عکرمہ اور السدی کا بھی یہی قول ہے۔ اور العوفی نے بیان کیا ہے کہ بلعم اہلِ یمن سے تھا اور ابنِ ابی طلحہ نے کہا: وہ جبارین کے شہر کا رہنے والا تھا۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ مرد امیہ بن ابی الصلت تھا۔ سعید بن المسیب اور زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے اور امیہ بن ابی الصلت نے تورات پڑھی ہوئی تھی اور اس کو یہ علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک رسول بھیجنے والے ہیں اور اس کو یہ توقع تھی کہ وہ رسول وہی ہوگا، جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرما دیا تو اس نے حسد کیا اور کفر کیا۔

(۳) الشعبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ مرد ابو عامر الراہب تھا، انصار کہتے تھے: یہ وہ راہب تھا جس کے لیے مسجد الشقاق بنائی گئی تھی۔

(۴) عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ بنی اسرائیل میں ایک مرد تھا جس کی تین دعائیں مستجاب تھیں۔ اس کی ایک بیوی تھی جس سے اس کا ایک بیٹا پیدا ہوا، اس کی وہ بیوی بہت بدشکل اور بدصورت تھی، اس نے اس مرد سے کہا کہ تم اللہ سے دعا کرو کہ اللہ مجھے بنی اسرائیل کی حسین ترین عورت بنا دے، اس مرد نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، جب اس عورت کو یہ معلوم ہو گیا کہ بنی اسرائیل میں اس جیسی حسین عورت نہیں ہے تو وہ عورت اپنے خاوند کو چھوڑ کر کسی دوسرے مرد کی طرف راغب ہو گئی، جب اس عورت نے اس مرد سے اعراض کیا تو اس مرد نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس کی بیوی کو بھونکنے والی کتیا بنا دے، سو ایسا ہو گیا۔ تو اس مرد کی دو دعائیں خرچ ہو گئیں، اب اس کے بیٹے اس کے پاس آئے اور کہا: ہم اس پر صبر نہیں کر سکتے کہ ہماری ماں بھونکنے والی کتیا ہو، لوگ ہم کو عار دلائیں گے، آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ ہماری ماں کو پہلی صورت پر لوٹا دے، لہٰذا اس مرد نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو وہ عورت پہلے کی طرح ہو گئی، سو اس مرد کی تینوں دعائیں خرچ ہو گئیں۔

(۵) حسن بصری نے کہا: وہ مرد منافق تھا۔

(۶) عکرمہ کا دوسرا قول یہ ہے: اس سے مراد یہود و نصاریٰ میں سے ہر وہ شخص ہے جس کو اللہ نے کوئی انعام عطا فرمایا ہو اور پھر اس سے چھین لیا ہو۔

اس مرد کو جن آیات کا علم عطا فرمایا گیا تھا ان کے مصداق کے متعلق مفسرین کے اقوال

(۱) علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ان آیات کا مصداق اللہ عزوجل کا اسم اعظم ہے۔

(۲) عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اس سے مراد اللہ عزوجل کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ہے۔

(۳) مجاہد نے کہا: اس مرد کو نبوت عطا کی گئی تھی، سو اُس کی قوم نے اس کو رشوت دی کہ وہ قوم کی برائیوں پر ملامت نہ کرے، سو اُس نے ایسا کیا اور اپنی قوم کو اس کے حال پر چھوڑ دیا، لیکن یہ قول بہت بعید ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نبی معصوم ہوتا ہے۔

(۴) مشہور قول جس کو مفسرین نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک ایسے شہر پر حملہ کیا جس میں وہ مرد تھا اور اس شہر کے لوگ کافر تھے اور وہ مرد مستجاب الدعوات تھا، اس شہر کے بادشاہ نے اس مرد سے کہا: تم موسیٰ علیہ السلام کے خلاف دعا کرو تو اس مرد نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام اُس کے دین پر قائم ہیں اور میرے لیے مناسب نہیں ہے کہ میں اُن کے خلاف دعا کروں۔ پھر بادشاہ نے کہا: اگر یہ دعا نہیں کرتا تو اس کو صلیب پر چڑھا دو، جب اس نے دیکھا کہ اس کو سولی دینے کے لیے صلیب تیار ہوگئی ہے تو وہ خوف زدہ ہو کر ایک گدھی پر سوار ہو کر نکلا تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف دعا کرے۔ پھر جب اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کو دیکھا تو گدھی چلتے چلتے رک گئی، اس نے اس گدھی پر ضرب لگائی، گدھی نے کہا: تم مجھے کیوں مارتے ہو؟ میرے سامنے آگ بھڑک رہی ہے جو مجھے آگے بڑھنے سے روک رہی ہے، پس تم لوٹ جاؤ سو وہ مرد بادشاہ کی طرف لوٹ کر گیا اور اس کو خبر دی، بادشاہ نے کہا: یا تو تم حضرت موسیٰ کے خلاف دعا کرو ورنہ میں تم کو صلیب پر چڑھا دوں گا، پس اس نے اللہ عزوجل کے اسمِ اعظم کے وسیلہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف دعا کی کہ وہ اس شہر میں داخل نہ ہوں، سو اللہ عزوجل نے اس کی دعا قبول فرمالی، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم اس کی دعا کی وجہ سے میدانِ تیہ میں بھٹکتے پھرے۔

پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! آپ نے کس قصور کی وجہ سے ہم کو میدانِ تیہ میں بھٹکا دیا؟ تو اللہ عزوجل نے فرمایا: بلعم کی دعا کی وجہ سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! جس طرح آپ نے میرے خلاف بلعم کی دعا قبول فرمائی ہے تو اب میری دعا اس کے خلاف قبول فرمالیں، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ بلعم سے اسم الاعظم چھین لیا جائے، سو وہ اس سے چھین لیا گیا۔

''فَانْسَلَخَ مِنْهَا'': وہ اُن آیات کے علم سے نکل گیا۔ (یعنی اس سے اسمِ اعظم چھین لیا گیا)۔

''فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ'': یعنی اس نے شیطان کی پیروی کی۔

''فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝'': اس کی تفسیر میں دو قول ہیں: (۱) مقاتل نے کہا: وہ گمراہ لوگوں میں سے ہوگیا۔ (۲) الزجاج نے کہا: وہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہوگیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر ہم چاہتے تو ضرور اِن آیتوں کی وجہ سے (اس کا مرتبہ) بلند فرما دیتے، مگر وہ شخص پستی کی طرف جھکا اور اس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی کی، سو اس کی مثال کتے کی سی ہے، اگر تم اس پر مشقت کا بوجھ ڈالو تو وہ ہانپے گا اور زبان لٹکائے گا، یا اس کو چھوڑ دو تو پھر بھی وہ ہانپے گا اور زبان نکالے گا، یہ اُن لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، سو آپ یہ قصے لوگوں کے سامنے بیان فرمائیں تا کہ وہ غور و فکر کریں O'' (الاعراف:۱۷۶)

''وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا'': جمہور نے کہا: اگر ہم چاہتے تو (اللہ کا اسمِ اعظم پڑھنے کی وجہ سے) اس مرد کے درجات بلند فرما دیتے۔ ''وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ'': الزجاج نے کہا: لیکن وہ مرد دنیا کی طرف راغب ہوا۔ دوسرا قول ہے کہ اُس مرد نے ایک عورت کو راضی کیا جس نے اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف دعا کرنے پر برانگیختہ کیا تھا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ وہ دنیا کی شہوات

کی طرف راغب ہوا۔ ''وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ'': اور اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی۔ ابن زید نے کہا: یہ آیت علماء کو متنبہ کرنے کے لیے بہت شدید ہے کہ جب علماء علم سے اعراض کر کے خواہشِ نفس کی طرف مائل ہوں۔

''فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ یَلْهَثْ'': اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اس کافر کو اگر تم ڈانٹ کر ملامت کرو تو وہ شرمندہ نہیں ہوگا اور اگر تم اس کو چھوڑے رکھو تو وہ ہدایت قبول نہیں کرے گا۔ سو اس کے لیے دونوں حالتیں برابر ہیں خواہ تم اس کو ملامت کرو یا نہ کرو جیسا کہ کتے کا حال ہے، کیونکہ اگر اس کو بھگایا جائے تب بھی وہ ہانپتا ہے اور زبان نکالتا ہے اور اگر چھوڑ دو تب بھی وہ ہانپتا ہے اور زبان نکالتا ہے۔ اُس مرد کو کتے کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ یہ سب سے خسیس اور ذلیل مثال ہے۔ علامہ ابن قتیبہ نے کہا کہ ہر ہانپنے والا شدید تھکاوٹ سے یا شدید پیاس سے ہانپتا ہے سوا کتے کے، کیونکہ وہ راحت کے حال میں بھی ہانپتا ہے اور تھکاوٹ کے حال میں بھی ہانپتا ہے، سو اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال ایسے کتے کے ساتھ دی ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرے، یعنی اگر تم اس کو نصیحت کرو پھر بھی وہ گمراہ ہے اور اگر تم اس کو نصیحت نہ کرو، پھر بھی وہ گمراہ ہے جیسے کتا ہے، اگر تم اس کو ڈانٹ کر بھگاؤ تو وہ ہانپتا ہوا بھاگ جائے گا اور اگر اس کو چھوڑ دو پھر بھی ہانپتا ہوا بھاگ جائے گا۔

مفسرین نے کہا ہے کہ اس مرد کو خواب میں بنی اسرائیل کے خلاف دعا کرنے سے منع کیا گیا، پس وہ باز نہ آیا اور اس کی گدھی نے اس کو نصیحت کی مگر اس نے گدھی کی نصیحت کو بھی قبول نہیں کیا، پس یہ مثال اس کے لیے اور تمام کفار کے لیے ہے، اس لیے اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

''ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا'': کیونکہ کافر کو اگر تم نصیحت کرو پھر بھی وہ گمراہ ہے اور اگر تم اس کو چھوڑ دو، پھر بھی وہ گمراہ ہے۔ اور رسول کے اس کے پاس آنے کے باوجود وہ اس طرح گمراہی پر ڈٹا رہتا ہے گویا کہ اس کے پاس کوئی رسول نہیں آیا تھا۔ ''فَاقْصُصِ الْقَصَصَ'': عطاء نے کہا: آپ کفار اور انبیاء علیہم السلام کے مکذبین کے قصوں کو بیان کیجئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُن لوگوں کی کیسی بری مثال ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ (نافرمانی کر کے) اپنی جانوں ہی پر ظلم کرتے تھے O'' (الاعراف: ۱۷۷)

''سَآءَ مَثَلًا'': یہ ایسے لوگوں کی بری مثال ہے۔ ''اَلْقَوْمُ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ ۝'': یعنی جو لوگ اللہ کی نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جس کو اللہ ہدایت عطا فرمائیں، سو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو اللہ گمراہی پر چھوڑ دیں سو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں O'' (الاعراف: ۱۷۸)

''مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِیْ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝'': یعنی جن کو اللہ عزوجل ہدایت عطا فرمائیں، وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ اور جن کو ان کی گمراہی پر چھوڑ دیں تو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے جنات اور انسان پیدا فرمائے، اُن کے دل ہیں جن سے وہ غور و فکر نہیں کرتے، اور اُن کی آنکھیں ہیں جن سے وہ بطورِ عبرت نہیں دیکھتے، اور اُن

کے کان ہیں جن سے وہ غور سے نہیں سنتے، یہ لوگ چوپایوں کی مثل ہیں بلکہ اُن سے (بھی) زیادہ گمراہ ہیں اور یہی لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں O'' (الاعراف: ۱۷۹)

''وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ'': اس آیت میں اللہ عزوجل نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی تقدیر ان لوگوں پر جاری ہوگی اور وہ اپنے کفر کی وجہ سے اپنے انجام کو پہنچیں گے۔

''لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا'': گویا کہ ان لوگوں نے جب حق سے اعراض کیا اور حق پر غور وفکر نہیں کیا، تو گویا کہ وہ اپنے دلوں سے غور وفکر نہیں کرتے۔

''اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ'': ان کفار کو چوپایوں کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ جس طرح چوپائے سنتے اور دیکھتے ہیں اور کچھ نصیحت حاصل نہیں کرتے، اسی طرح یہ لوگ ہیں۔ ''بَلْ هُمْ اَضَلُّ'': یہ چوپایوں سے زیادہ گمراہ ہیں، کیونکہ چوپائے اپنی نفع کی چیزوں کو دیکھتے ہیں اور انہیں حاصل کرتے ہیں اور اپنے ضرر کی چیزوں کو دیکھتے ہیں اور اُن سے اجتناب کرتے ہیں، اور یہ کفار جانتے ہیں کہ یہ عناد کی وجہ سے کفر کر رہے ہیں، پھر بھی دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں گرنا چاہتے ہیں۔ ''اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴿۱۷۹﴾'': یہی لوگ آخرت کے انجام سے غافل ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ کے سب نام اچھے ہیں سو اللہ کو ان ہی ناموں سے پکارو، اور اُن لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں، عنقریب اِن کو اِن کے کاموں پر سزا دی جائے گی O'' (الاعراف: ۱۸۰)

''وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى'': مقاتل نے کہا: ایک مرد نے دعا میں اللہ اور رحمٰن کو پکارا، تو ابوجہل نے کہا: کیا محمد (ﷺ) اور اُن کے اصحاب کا یہ زعم نہیں ہے کہ وہ ایک رب کی عبادت کرتے ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ وہ دو کو پکارتے ہیں، اللہ کو بھی اور رحمٰن کو بھی۔ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى''۔

رہا لفظ الحُسنٰی، تو یہ احسن کی تانیث ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے تمام اسماء حسین ہیں۔ الماوردی نے ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے ایسے اسماء ہیں جن کی طرف دلوں کا میلان ہوتا ہے، کیونکہ اُن اسماء میں العفو اور الرحمۃ کا ذکر ہے، نہ کہ ناراضی اور انتقام لینے کا ذکر ہے۔

''فَادْعُوْهُ بِهَا'': یعنی اللہ عزوجل کو اُن ناموں کے ساتھ پکارو مثلاً تم کہو: یا اللہ، یا رحمٰن۔

''وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ'': ''يُلْحِدُوْنَ'' کا مصدر ہے الالحاد، اور اس کا معنی ہے: استقامت سے انحراف کرنا۔ الزجاج نے کہا: کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ عزوجل کو ایسے اسم کے ساتھ ندا کرے جس اسم کے ساتھ اللہ عزوجل نے اپنا نام نہیں لیا۔ پس وہ یا جواد کہے اور یا سخی نہ کہے، اور یا قوی کہے اور یا جلد نہ کہے، اور وہ یا رحیم کہے اور یا رفیق نہ کہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت جواد اور قوی اور رحیم کے ساتھ فرمائی ہے اور سخی اور جلد اور رفیق کے ساتھ اپنی صفت نہیں فرمائی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں، شریعت، قرآن اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کا جن اسماء کے ساتھ ذکر آ گیا ہے

انہی اسماء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو متصف کرنا جائز ہے اور دوسرے اسماء کے ساتھ متصف کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کو واجب الوجود اور قدیم کہنا جائز نہیں ہے بلکہ لفظِ اللہ کا معنی ہی یہ ہے کہ وہ قدیم اور واجب الوجود ہیں اور تمام صفاتِ کمالیہ کے جامع ہیں، اللہ تعالیٰ کو علّام کہنا صحیح ہے اور علّامۃ کہنا صحیح نہیں ہے، حالانکہ لفظِ علّامۃ میں علّام کی بہ نسبت ''تا'' کی زیادتی ہے اور زیادتی لفظ زیادتی معنی پر دلالت کرتی ہے۔

اب اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا بھی جائز نہیں ہونا چاہیے؟ (کیونکہ قرآن اور حدیث میں لفظِ خدا کا ذکر نہیں ہے)۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہر لغت کا اطلاق جائز ہے جیسے ترکی زبان میں اللہ تعالیٰ کو تنکری کہتے ہیں، انگریزی میں گاڈ (God) کہتے ہیں، فارسی میں خدا کہتے ہیں اور ہندی میں پرماتما اور ایشور اور بھگوان کہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ پر اسی صفت کا اطلاق کیا جائے گا جس صفت کا اطلاق قرآن اور حدیث میں آچکا ہو اور یہ جو قاعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں، یہ اس کی صفات کے اعتبار سے ہے اور اس کی ذات پر ہر اُس لفظ کا اطلاق جائز ہے جس سے کسی بھی لغت میں اس کی ذات کا ارادہ کیا جاتا ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ الحاد سے مراد یہ ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں جھوٹ بولتے ہیں، اہل المعانی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اُس اسم کا اطلاق کیا جائے جس اسم کے ساتھ اللہ نے اپنی ذات کو تعبیر نہیں فرمایا، اور کتاب اللہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں اس کا اطلاق نہیں آیا، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کو عالم کہا جائے گا عاقل نہیں کہا جائے گا۔ قرآن مجید میں ہے: ''یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ۔۔۔ (النساء: ۱۴۲)'' اور قرآن مجید میں ہے: ''وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ۔۔۔ (آل عمران: ۵۴)'' لیکن دعا میں یہ کہنا جائز نہیں ہے یا مخادع، یا مکار، کیونکہ یخادعون اور مکروا افعال ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق قرآن اور حدیث میں جو افعال وارد ہیں اُن سے اللہ تعالیٰ پر اُن افعال کے مشتقات کا اطلاق جائز نہیں ہے، نیز اِن الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تکریم نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ پر انہی اسماء کا اطلاق کیا جائے گا جن میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تکریم ہو، پس کہا جائے گا: یا اللہ، یا رحمٰن، یا عزیز، یا کریم وغیرہ۔

''سَیُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝'': اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کرتے ہیں اُن کو آخرت میں اس کی سزا دی جائے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے جن کو پیدا فرمایا، اُن میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو حق کے راستہ کی ہدایت دیتا ہے اور اس کے مطابق عدل وانصاف کرتا ہے O'' (الاعراف: ۱۸۱)

''وَمِمَّنْ خَلَقْنَاۤ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ ۝'': اس آیت کی تفسیر میں حسبِ ذیل اقوال ہیں:

(۱) ابن جریج نے بیان کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ میری امت ہے جو حق کو حاصل کرتی ہے اور حق کے مطابق فیصلہ کرتی ہے۔ (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اس کا مصداق مہاجرین اور انصار ہیں اور فقہاء تابعین ہیں۔ (۳) ابن السائب نے بیان کیا: اس کا مصداق انبیاء علیہم السلام ہیں اور علماء ہیں۔

قتادہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا: یہ تمہارے لیے ہے اور تمہارے سامنے ایک

قوم کو بھی اس کی مثل دی گئی ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے کچھ لوگ حق کی ہدایت دیتے تھے اور حق کے ساتھ فیصلہ کرتے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے امر کے ساتھ قائم رہے گا، اور جو شخص ان کی تکذیب کرے گا یا ان کی مخالفت کرے گا اس سے ان کو ضرر نہیں ہوگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا امر آجائے گا اور وہ اسی حال پر ہوں گے۔

(صحیح البخاری: ۷۱، ۳۱۱۶، ۳۶۴۱، ۷۳۱۲، ۷۴۶۰، صحیح مسلم: ۱۰۳۷، سنن ابن ماجہ: ۲۲۱، مسند احمد: ۱۶۴۰۷، موطا امام مالک: ۱۶۶۷، سنن دارمی: ۲۲۴، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۹ رقم: ۷۵۵)

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ہم عنقریب اُن کو (ان کے کفر پر ڈھیل دے کر) تدریجاً ایسی ہلاکت کی طرف لے جائیں گے جس کا انہیں علم بھی نہیں ہوگا ○

وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۗ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾

اور میں اُن کو مہلت دیتا رہتا ہوں، بے شک میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے ○

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ٚ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۗ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾

کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اُن کے پیغمبر پر بالکل جنون نہیں ہے، وہ محض اللہ کے عذاب سے کھول کھول کر ڈرانے والے ہیں ○

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کی نشانیوں کو غور سے نہیں دیکھا اور (اس کو غور سے نہیں دیکھا) جو کچھ بھی اللہ نے پیدا فرمایا، اور (اس پر غور نہیں کیا کہ) شاید ان کا مقرر وقت قریب آچکا ہے، پس قرآن کے بعد وہ اب کس چیز پر ایمان لائیں گے ○

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۗ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

جس کو اللہ گمراہی پر چھوڑ دیں اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے، اور اللہ ان کو چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں ○

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۗ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۗ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ

وقف لازم
وقف منزل

عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

(اے رسولِ اکرم!) لوگ آپ سے قیامت کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہ اس کے آنے کا وقت کب ہوگا؟ آپ کہیے: اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے، قیامت کو اس کے وقت آنے پر صرف وہی ظاہر فرمائیں گے، قیامت آسمانوں اور زمینوں میں بہت بھاری ہے، وہ تم پر صرف اچانک آئے گی، وہ آپ سے قیامت کے متعلق اس طرح پوچھتے ہیں گویا آپ اس کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں، آپ کہیے: اس کے وقوع کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے O

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: میں اپنی جان کے لیے (از خود) نہ کسی نفع کا مالک ہوں اور نہ کسی نقصان کا، سوا اس کے جو اللہ چاہیں، اور اگر میں (از خود) غیب جانتا ہوتا تو میں ضرور بہت بھلائی کو جمع کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی، میں صرف ایمان والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں اور نیکیوں پر اجر کی بشارت دینے والا ہوں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ہم عنقریب اُن کو (ان کے کفر پر ڈھیل دے کر) تدریجاً ایسی ہلاکت کی طرف لے جائیں گے جس کا انہیں علم بھی نہیں ہوگا O'' (الاعراف: ۱۸۲)

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، الاعراف: ۱۸۲ تا ۱۸۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا'': یعنی جن لوگوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید کو جھٹلایا۔

''سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾'': عنقریب ہم اُن کو اس طرح عذاب میں پکڑیں گے کہ انہیں اس کا شعور تک نہیں ہوگا۔ الکلبی نے کہا: یعنی ہم اُن کے لیے اُن کے کاموں کو مزین فرماتے رہیں گے، پھر اچانک ہم اُن کو ہلاک فرمادیں گے۔ یعنی ہم اُن پر عذاب نازل فرمائیں گے اور وہ استہزاء کر رہے ہوں گے۔ القتبی نے کہا: الاستدراج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو تھوڑا تھوڑا کر کے عذاب چکھائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور میں اُن کو مہلت دیتا رہتا ہوں، بے شک میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے O'' (الاعراف: ۱۸۳)

''وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾'': یعنی میری سزا بہت سخت ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اُن کے پیغمبر پر بالکل جنون نہیں ہے، وہ محض

اللہ کے عذاب سے کھول کھول کر ڈرانے والے ہیں O" (الاعراف: ۱۸۴)

"اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ": یعنی وہ اس پر غور وفکر نہیں کرتے کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں یہ حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنے خالق اور رازق کی عبادت کریں جو اُن سے مصائب کو دور فرمانے والے ہیں اور اُس کی عبادت اور پرستش نہ کریں جو اُن میں سے کسی چیز پر قادر نہیں ہیں۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توحید پر جو دلائل پیش کرتے ہیں اور معجزات دکھاتے ہیں اُن پر یہ لوگ غور وفکر نہیں کرتے تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کے پیغمبر کو معاذ اللہ کوئی جنون نہیں ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات پہاڑ صفا پر تشریف فرما ہوئے، پس آپ نے تمام قریش کو ایک ایک کا نام لے لے کر اللہ عز وجل کی عبادت کی طرف بلایا تو اُن میں سے بعض نے کہا کہ تمہارے اس صاحب کو جنون ہے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو نصیحت فرمائی کہ کیا وہ اس پر غور وفکر نہیں کرتے، کیا وہ ان کی مجلس میں بیٹھتے نہیں اور وہ کیا ان سے کلام نہیں کرتے، کیا ان کو جنون ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قریش کو فرداً فرداً اللہ کے عذاب سے ڈرانا

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ہم کو یہ بیان کیا گیا کہ ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفا پہاڑ پر چڑھے، پس آپ نے قریش کو بلایا اور نام لے لے کر ایک ایک کو پکارا، اے بنی فلاں! اے بنی فلاں! پس اُن سب کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا، تو اُن میں سے کسی کہنے والے نے کہا کہ تمہارے اس صاحب کو جنون ہے بایں طور کہ یہ رات سے لے کر صبح تک ڈرانے کے لیے پکارتے رہے ہیں تو اللہ عز وجل نے یہ آیت نازل فرمائی: "اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ"۔

(تفسیر طبری ج ۱۰ ص ۶۰۲، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۱۶۲۴)

"اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝": وہ تو صرف کھلم کھلا رسول ہیں جو اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔

اللہ عز وجل کا ارشاد ہے: "کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کی نشانیوں کو غور سے نہیں دیکھا اور (اس کو غور سے نہیں دیکھا) جو کچھ بھی اللہ نے پیدا فرمایا، اور (اس پر غور نہیں کیا کہ) شاید ان کا مقرر وقت قریب آچکا ہے، پس قرآن کے بعد وہ اب کس چیز پر ایمان لائیں گے O" (الاعراف: ۱۸۵)

"اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ": یعنی یہ لوگ آسمان میں اور سورج میں اور چاند میں اور ستاروں میں غور نہیں کرتے اور پہاڑوں اور سمندروں میں غور نہیں کرتے، (اگر کریں) تو اُن کو معلوم ہو جائے کہ جس ذات نے ان تمام چیزوں کو پیدا فرمایا ہے وہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، کیونکہ اگر یہاں متعدد خدا ہوتے تو سورج اور چاند اور ستارے ہمیشہ ایک وقت میں طلوع اور غروب نہ ہوتے اور جتنے خدا ہوتے وہ ان کے طلوع اور غروب کے اتنے اوقات مقرر کرتے اور جب آسمان اور زمین کی یہ چیزیں نظامِ واحد پر چل رہی ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نظام کو بنانے والے بھی واحد ہیں۔

"وَّاَنْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ": یعنی کیا وہ اس پر غور نہیں کرتے کہ قریب ہے اُن کی مدتِ حیات پوری ہو چکی ہو اور وہ فوت ہو جائیں۔

"فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝": یعنی اگر یہ لوگ قرآنِ مجید پر ایمان نہیں لائے تو اس کے بعد اور کس کتاب پر ایمان

لائیں گے، کیونکہ قرآنِ مجید آخری کتاب ہے اس کے بعد اور کوئی کتاب نازل ہونے والی نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جس کو اللہ گمراہی پر چھوڑ دیں اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے، اور اللہ ان کو چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں O'' (الاعراف: ۱۸۶)

''مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَلَا ہَادِیَ لَہٗ'': یعنی جس کو اللہ تعالیٰ دینِ اسلام سے رسوا فرما دیں تو اس کو اور کوئی ہدایت کی طرف لانے والا نہیں ہے۔

''وَیَذَرُہُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ﴿۱۸۶﴾'': یعنی ان کو اِن کی گمراہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) لوگ آپ سے قیامت کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہ اس کے آنے کا وقت کب ہوگا؟ آپ کہیے: اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے، قیامت کو اس کے وقت آنے پر صرف وہی ظاہر فرمائیں گے، قیامت آسمانوں اور زمینوں میں بہت بھاری ہے، وہ تم پر صرف اچانک آئے گی، وہ آپ سے قیامت کے متعلق اس طرح پوچھتے ہیں گویا آپ اس کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں، آپ کہیے: اس کے وقوع کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے O'' (الاعراف: ۱۸۷)

''یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرۡسٰہَا'': یعنی یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ قیامت کس وقت واقع ہوگی۔

''قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُہَا عِنۡدَ رَبِّیۡ'': یعنی قیامت کے وقوع کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے اور مجھے از خود اس کا علم نہیں ہے۔

''لَا یُجَلِّیۡہَا لِوَقۡتِہَاۤ اِلَّا ہُوَ'': یعنی قیامت کو اس کے وقت پر صرف اللہ عزوجل ظاہر فرمائیں گے اور کوئی شخص اللہ عزوجل کے سوا قیامت کو واقع کرنے پر قادر نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی شخص اس کے وقوع کے وقت کو نہیں جانتا۔

''ثَقُلَتۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ'': یعنی قیامت کے وقوع کے وقت کا علم تمام آسمان والوں اور زمین والوں پر مخفی ہے۔

''لَا تَاۡتِیۡکُمۡ اِلَّا بَغۡتَۃً'': یعنی قیامت تم پر اچانک واقع ہوگی۔

''یَسۡـَٔلُوۡنَکَ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنۡہَا'': مقاتل نے کہا: یہ آپ سے قیامت کے علم کا اس طرح سوال کرتے ہیں جیسے آپ نے قیامت کے وقوع کے علم کو چھپا رکھا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے اور اس طرح سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ کو وقتِ وقوع قیامت کا علم ہے۔

''قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُہَا عِنۡدَ اللّٰہِ'': آپ کہیے کہ قیامت کے وقوع کے وقت کا علم صرف اللہ عزوجل کو ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے۔ پس جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو اس کو تمام لوگ دیکھیں گے اور سب اس پر ایمان لے آئیں گے۔ اور یہ اس وقت ہوگا ''جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی تو اس وقت کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہوگا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو'' (الانعام: ۱۵۸)، اور ضرور قیامت قائم ہوگی اس حال میں کہ دو مرد اپنے درمیان کپڑے کو کھول رہے ہوں گے وہ نہ اس کی خرید و فروخت کریں گے اور نہ اس کو لپیٹیں گے حتیٰ کہ

قیامت واقع ہوجائے گی اور ضرور قیامت قائم ہوگی اس حال میں کہ ایک مرد اپنی اونٹنی کے دودھ کو لے کر مڑے گا اور اسے پی نہیں سکے گا اور ضرور قیامت قائم ہوگی اس حال میں کہ ایک شخص اپنے حوض کو درست کر رہا ہوگا اور اس حوض سے پانی نہیں پی سکے گا، اور ضرور قیامت قائم ہوگی اس حال میں کہ تم میں سے کوئی ایک اپنا لقمہ منہ کی طرف لے کر جائے گا اور اس کو کھا نہیں سکے گا۔

(صحیح البخاری: ۶۵۰۶، صحیح مسلم: ۲۹۵۴، مسند احمد: ۸۸۲۴، صحیح ابن حبان: ۶۸۴۵، کتاب الزہد لابن المبارک: ۱۶۰۳، مسند الحمیدی: ۱۱۰۳، مسند ابویعلیٰ: ۶۲۷۱، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۸۴۹)

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف للکتب الستہ، ج ۱۳ ص ۳۹۷، صحیح البخاری، کتاب الرقاق، رقم الحدیث: ۶۵۰۶، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۹۵۴)

محدث احمد علی سہارنپوری متوفی ۱۲۹۷ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لاینفع نفسا ایمانھا: امام الطبری نے کہا ہے: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص کافر ہو اور مغرب سے سورج کے طلوع ہونے سے پہلے ایمان نہ لایا ہو تو مغرب سے سورج طلوع ہونے کے بعد اس کا ایمان اس کو کوئی نفع نہیں دے گا، کیونکہ ایمان اور نیک عمل اس وقت معتبر ہوتا ہے جب غرغرۂ موت سے پہلے ایمان لایا ہو یا نیک عمل کیا ہو اور غرغرۂ موت کے بعد نہ ایمان نفع دیتا ہے نہ نیک عمل نفع دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''يَوْمَ يَأْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ... (الانعام: ۱۵۸)'' (جس دن آپ کے رب کی بعض (مخصوص) نشانیاں آجائیں گی اس دن کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو)۔ علامہ ابن عطیہ الاندلسی المتوفی ۵۴۱ھ نے کہا: اس آیت میں آپ کے رب کی بعض نشانیوں سے مراد سورج کا مغرب سے طلوع ہے اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔ (المحرر الوجیز ص: ۶۷۹، دار ابن حزم، بیروت ۱۴۲۳ھ)

یلیط حوضہ: ''الاطہ'' کا معنی ہے: جب کوئی شخص اپنے حوض کی اصلاح کرے اور اس کو مٹی سے لیپے۔ (الکواکب الدراری، شرح الکرمانی ج ۲۳ ص ۲۵)۔ ''اکلتہ'' ای لقمتہ۔ ان تمام امور میں یہ بیان فرمایا ہے کہ قیامت اچانک واقع ہوگی، کوئی شخص اپنا لقمہ مونہہ کی طرف لے جانا چاہے گا تو لقمہ مونہہ کی طرف جانے سے پہلے قیامت آجائے گی، کیونکہ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اس وقت واقع ہوگا جب قیامت واقع ہوجائے گی۔ اور ان امور سے یہ بتانا مقصود ہے کہ قیامت اچانک واقع ہوجائے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۵۸۰۔۵۸۱، الکواکب الدراری للکرمانی ج ۲۳ ص ۲۵)

(حاشیۃ الجامع الصحیح للسہارنفوری ج ۱۲ ص ۶۸۷۔۶۸۸، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: میں اپنی جان کے لیے (از خود) نہ کسی نفع کا مالک ہوں اور نہ کسی نقصان کا، سوا اس کے جو اللہ چاہیں، اور اگر میں (از خود) غیب جانتا ہوتا تو میں ضرور بہت بھلائی کو جمع کرلیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی، میں صرف ایمان والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں اور نیکیوں پر اجر کی بشارت دینے والا ہوں O'' (الاعراف: ۱۸۸)

''قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ'': مقاتل نے کہا: یعنی میں اپنے نفس کے لیے کسی خیر کو لانے پر یا اپنے نفس سے کسی ضرر کو دور کرنے پر قادر نہیں ہوں، تو مجھے وقتِ وقوعِ قیامت کا (از خود) کیسے علم ہوگا؟

''وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ'': اگر مجھے غیب سے نفع وضرر کا ازخود علم ہوتا۔

''لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۖ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ'': تو میں ازخود بہت نفع حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی ضرر نہ پہنچتا۔

الکلبی نے بیان کیا کہ اہلِ مکہ نے آپ سے کہا: کیا آپ کے رب آپ کو یہ خبر نہیں دیتے کہ کب چیزیں مہنگی ہونے سے پہلے سستی ملیں گی تو آپ اس وقت اُن چیزوں کو خرید لیں اور نفع حاصل کریں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ ان سے کہیے: اگر میں ازخود غیب کو جانتا ہوتا تو میں فصلوں کی زرخیزی کے وقت بہت نفع حاصل کر لیتا اور قحط سے بچ جاتا، اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ میں کب مروں گا تو میں موت سے پہلے زیادہ نیک عمل کر لیتا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر میں ازخود غیب کو جانتا ہوتا تو میں چھپے ہوئے خزانوں کو جان لیتا۔ ''وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ'': اور مجھے فقر وفاقہ نہ پہنچتا۔

''اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۱۸۸'': یعنی میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں جو گنا ہوں کے ارتکاب پر دوزخ کے عذاب سے ڈراتا ہے اور نیک اعمال کے اوپر جنت کی بشارت دیتا ہے۔

(تفسیر السمر قندی ج ۱ ص ۵۸۵۔۵۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۸۹

(اللہ ہی ہیں) جنہوں نے تم سب کو ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی جان سے اس کی زوجہ بنائی تاکہ وہ مرد اس زوجہ سے سکون حاصل کرے، پس جب مرد نے اس زوجہ کے جسم کو ڈھانپ لیا تو وہ زوجہ خفیف حمل کے ساتھ حاملہ ہوگئی، سو وہ اس کو لیے ہوئے چلتی پھرتی رہی، پھر جب وہ زوجہ بوجھل ہوگئی تو اُن دونوں نے اپنے رب اللہ سے دعا کی کہ (اے رب!) اگر آپ نے ہمیں نیک بیٹا عطا فرمایا تو ہم ضرور بہ ضرور آپ کا شکر ادا کرنے والے ہو جائیں گے O

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۱۹۰

پھر جب (اللہ نے) انہیں بہترین بچہ عطا فرما دیا تو دونوں (مرد وزن) نے اللہ کی خالقیت میں دوسروں کو اس میں شریک قرار دے ڈالا جو اللہ نے انہیں عطا فرمایا تھا، سو اللہ اس سے بلند وبرتر ہیں جس میں وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں O

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝۱۹۱

کیا وہ اُن کو شریک قرار دیتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے ہوئے ہیں O

وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝۱۹۲

اور وہ اُن کے لیے کسی قسم کی مدد کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں O

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾

اور (اے مشرکین!) اگر تم اُن بتوں کو اپنی ہدایت کے لیے پکارو تو وہ تمہاری پکار پر نہ آسکیں گے، سو تمہارے لیے برابر ہے خواہ تم اُن کو پکارو یا چُپ رہو O

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۹۴﴾

بے شک تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری مثل (اللہ کے) بندے ہیں، سو اگر تم سچے ہو تو تم ان کو پکار کر دیکھو کہ (آیا) وہ تمہیں جواب دیتے ہیں؟ O

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِهَاۤ ؗ اَمْ لَهُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِهَاۤ ؗ اَمْ لَهُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِهَاۤ ؗ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِیْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾

کیا ان بتوں کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلیں، یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ کسی چیز کو پکڑیں، یا اِن کی آنکھیں ہیں جن سے وہ کسی چیز کو دیکھیں، یا اِن کے کان ہیں جن سے وہ کسی چیز کو سنیں، (اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: تم اپنے (خودساختہ) شرکاء کو پکارو، پھر مجھ پر اپنا داؤ چلاؤ اور اس کے بعد مجھے مہلت نہ دو O

اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖؗ وَهُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹۶﴾

بے شک میرے مددگار اللہ ہیں جنہوں نے مجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک لوگوں کو دوست رکھتے ہیں O

وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾

اور اللہ کو چھوڑ کر تم جن (بتوں) کی عبادت کرتے ہو، وہ تمہاری (کبھی) مدد نہیں کرسکتے اور نہ وہ خود اپنی مدد کرسکتے ہیں O

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

اور اگر تم اُن بتوں کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ نہ سن سکیں گے اور (اے رسولِ اکرم!) آپ انہیں (اس حال میں) دیکھتے ہیں (گویا) وہ آپ کی طرف (بظاہر) دیکھتے ہیں حالانکہ (وہ حقیقت میں) کچھ نہیں دیکھتے O

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾

آپ معاف کرنے کو اختیار کیجیے اور بھلائی کا حکم دیتے رہیے اور جاہلوں سے چشم پوشی کرتے رہیے O

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾

اور اگر (بالفرض) آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پہنچے تو آپ فوراً اللہ کی پناہ طلب کریں، بے شک وہ بے حد سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں O

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ ج

بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں، جب ان کے دلوں میں شیطان کی طرف سے کوئی خیال آتا ہے، وہ فوراً سنبھل جاتے ہیں، سو اُسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں O

وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَىِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

اور (جو لوگ شیطانوں کے) بھائی ہیں اُن کے (شیطانی) بھائی ان کو گمراہی میں کھینچتے ہیں پھر وہ کوئی تقصیر نہیں کرتے O

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰۤى اِلَىَّ مِنْ رَّبِّىْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) جب آپ اُن کے پاس کوئی معجزہ نہ لائیں تو وہ کہتے ہیں: (آپ اپنی طرف سے) کوئی معجزہ بنا کر کیوں نہ لے آتے، آپ کہیے: میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میرے رب کی طرف سے مجھ پر وحی فرمائی جاتی ہے، یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے واضح دلائل کا مجموعہ ہے اور ہدایت ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے رحمت ہے O

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

اور جب قرآنِ مجید پڑھا جائے تو اے مسلمانو! اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم فرمایا جائے O

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾

اور آپ اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے یاد کیجیے، اور آواز بلند کیے بغیر زبان سے صبح اور شام کے وقت یاد کیجیے اور غفلت کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں O

اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ یُسَبِّحُوْنَهٗ وَ لَهٗ یَسْجُدُوْنَ ۩ (۲۰۶)

بے شک جو لوگ آپ کے رب کی بارگاہ میں مقرب ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور وہ اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اسی کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اللہ ہی ہیں) جنہوں نے تم سب کو ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی جان سے اس کی زوجہ بنائی تاکہ وہ مرد اس زوجہ سے سکون حاصل کرے، پس جب مرد نے اس زوجہ کے جسم کو ڈھانپ لیا تو وہ زوجہ خفیف حمل کے ساتھ حاملہ ہوگئی، سو وہ اس کو لیے ہوئے چلتی پھرتی رہی، پھر جب وہ زوجہ بوجھل ہوگئی تو اُن دونوں نے اپنے رب اللہ سے دعا کی کہ (اے رب!) اگر آپ نے ہمیں نیک بیٹا عطا فرمایا تو ہم ضرور بہ ضرور آپ کا شکر ادا کرنے والے ہو جائیں گے O'' (الاعراف:۱۸۹)

مرد کا اپنی بیوی سے سکون پانا

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی التوفی ۵۱۶ھ اور علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی متوفی ۷۱۰ھ، الاعراف:۱۸۹ تا ۲۰۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ'': یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے۔ ''وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا'': یعنی حضرت حواء، جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کی پسلیوں میں سے ایک پسلی سے پیدا فرمایا۔ ''لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا'': تاکہ حضرت آدم، حضرت حواء سے مانوس ہوں، مطمئن ہوں اور اُن کی طرف مائل ہوں۔ کیونکہ جنس اپنی جنس کی طرف مائل ہوتی ہے خصوصاً اس صورت میں کہ جب وہ اس کا جزو ہو۔ جس طرح انسان اپنی اولاد سے سکون پاتا ہے اور اس کی طرف مائل ہوتا ہے اور اس سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ اس کی اولاد اس کا جزو ہوتی ہے۔

بیوی سے عملِ زوجیت کرنے کے متعدد طریقے

''فَلَمَّا تَغَشّٰهَا'': یعنی جب اُس مرد نے اپنی زوجہ کو ڈھانپ لیا۔

بعض علماء نے اس آیت سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ مرد اپنی بیوی کے ساتھ جب جماع کرے تو اس کے اوپر لیٹ جائے، اور لیٹ کر ازدواجی عمل کرے، کیونکہ اس آیت میں ارشاد ہے: ''فَلَمَّا تَغَشّٰهَا'' جب مرد نے اپنی بیوی کو ڈھانپ لیا، اور ڈھانپنا اسی صورت میں متصور ہوگا جب مرد اپنی بیوی کے اوپر لیٹ جائے۔

تاہم بیوی کو لٹا کر مرد بیٹھ کر اس میں دخول کرے تو یہ بھی شرعاً ثابت ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اذا جلس احدکم بین شعبها الاربع ثم جهدها فقد وجب الغسل وان لم ینزل'' (جب تم میں سے کوئی مرد بیوی کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھ جائے، پھر اس کو تھکا دے تو غسل واجب ہوگیا خواہ انزال نہ ہو)۔ (صحیح البخاری:۲۹۱، صحیح مسلم، رقم الحدیث:۸۷، الرقم المسلسل:۷۸۳، سنن نسائی:۱۹۱، سنن ابن

ماجہ: ۱۹۱۰، سنن دارمی: ۱۶۷۱)

الاعراف: ۱۸۹ سے واضح ہوا کہ عورت کے اوپر لیٹ کر جماع کیا جائے اور احادیثِ مذکورہ سے واضح ہوا کہ مرد بیٹھا ہوا اور عورت لیٹی ہو، اس طرح بھی جماع کرنا صحیح اور ثابت ہے۔

احادیث کی روشنی میں بیوی سے جماع یعنی عملِ زوجیت کرنے کے آداب اور شرائط

امام محمد بن محمد الغزالی الشافعی المتوفی ۵۰۵ ھ، آدابِ جماع میں لکھتے ہیں:

بعض محدثین جماع سے پہلے بلند آواز سے اللہ اکبر پڑھتے تھے تاکہ گھر والے اس کی آواز سن لیں، جماع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے اور شروع میں سورۂ اخلاص پڑھے اور اللہ اکبر پڑھے اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللہِ پڑھے اور یہ پڑھے "بسم اللہ العلی العظیم" اے اللہ! اگر آپ نے اس عمل کے ذریعہ میری پشت سے اولاد کو مقدر فرما دیا ہے تو اس کو ذریتِ طیبہ بنا دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اگر تم میں سے کوئی ایک اپنی بیوی کے پاس جائے تو یہ دعا کرے: اللھم جنبی الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا" اے اللہ! مجھے بھی شیطان سے دور رکھیں اور جو آپ ہمیں اولاد عطا فرمائیں اس کو بھی شیطان سے دور رکھیں۔" پس اگر ان کی اولاد ہوئی تو شیطان اس کو ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱، ۱۶۷۱، ۳۲۷۱، ۳۲۸۳، ۵۱۶۵، ۶۳۸۸، ۷۳۹۶، صحیح مسلم: ۱۴۳۴، سنن ترمذی: ۱۰۹۲، سنن ابوداؤد: ۲۱۶۱، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۹، مسند احمد: ۱۹۱۱، سنن دارمی: ۲۲۱۲)

اور جماع کے وقت قبلہ سے منحرف ہو اور قبلہ کی تعظیم کی وجہ سے جماع کے وقت قبلہ کی طرف منہ نہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو اور اپنی بیوی کو کپڑے سے ڈھانپ لیتے تھے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر کو ڈھانپ رکھتے تھے اور اپنی آواز کو پست رکھتے تھے اور بیوی سے فرماتے: تم سکون کو لازم رکھو۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۳۷۲، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۴ھ، موسوعۃ الدفاع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱۱ ص ۱۷۶، تخریج احادیث الاحیاء، رقم الحدیث: ۱۵۰۹، ج ۲ ص ۵۸، ج ۴ ص ۳۲۲، احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۵۰، ۳۲۲، فیض القدیر: ۶۵۳۴، ج ۵ ص ۹۰، ۱۱۵، الشمائل الشریفہ ج ۱ ص ۵۱، الانساب للسمعانی ج ۵ ص ۳۷۵)

حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے جماع کرے تو میاں بیوی دونوں کپڑے اتار کر برہنہ نہ ہوں جیسا کہ گدھے اس طرح کرتے ہیں"۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۴۱۹، المطالب العالیہ ج ۱ ص ۱۶۲۴، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۰، رقم: ۱۰۴۴۳، کشف الاستار: ۱۴۴۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۹۳، ابن ماجہ: ۱۹۲۱، الطبرانی ج ۱۷ ص ۳۱۵، مسند البزار: ۱۴۴۸، مجمع الاوسط: ۱۷۸۰، التقریب: ۴۲۹۰، لسان المیزان ج ۷ ص ۱۱۱، نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۴۷، المجلس العلمی، ساؤتھ افریقہ، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

امام غزالی فرماتے ہیں: جماع شروع کرنے سے پہلے عورت کے ساتھ لطف کے ساتھ بات کرے اور بوس و کنار کرے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ اس طرح دخول نہ کرے جس طرح جانور کرتا ہے، لیکن ان کے درمیان ایک قاصد ہونا چاہیے، عرض کیا گیا وہ قاصد کیا ہے یا رسول اللہ! فرمایا: بوس

وکناراور لطف کے ساتھ کلام۔ (اس حدیث کی ابومنصور الدیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کی ہے اور یہ حدیث منکر ہے)۔

جن ایام میں جماع کرنا مکروہ ہے

اور مہینے کے اول، آخر اور نصف میں جماع کرنا مکروہ ہے، کہا جاتا ہے کہ ان راتوں میں جماع کے وقت شیطان ہوتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان راتوں میں جماع کے وقت شیاطین بھی اس کے ساتھ شامل ہوتے ہیں۔ پھر جب جماع سے فارغ ہو جائے تو اپنی بیوی کو کچھ مہلت دے حتیٰ کہ وہ بھی ٹھنڈی ہو جائے، کیونکہ بسا اوقات مرد کا انزال دیر سے ہوتا ہے تو عورت کی شہوت بھڑکتی ہے تو فوراً اس کے پاس سے اٹھ جانا اسے ایذاء پہنچانے کا سبب ہوگا۔ اور یہ چاہیے کہ ہر چار راتوں کے بعد ایک مرتبہ جماع کرے کیونکہ بیویوں کی تعداد چار ہے تو اتنی مدت گزار کر جماع کرنا بہتر ہے۔ ہاں اس سے زیادہ بار بھی کرسکتا ہے اور کم بار بھی کرسکتا ہے جیسا اس کے حال کے مناسب ہو۔ اور ایامِ حیض میں بیوی سے جماع نہ کرے، کیونکہ ایامِ حیض میں جماع کرنا صریح قرآن مجید سے حرام ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے بچہ میں جذام پیدا ہو جاتا ہے۔ ہاں جماع کے علاوہ بیوی کے بدن سے دیگر لذات حاصل کرسکتا ہے۔ (احیاء علوم الدین، ج ۲ ص ۴۷۔ ۴۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

جماع کے دیگر احکام

علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر المعروف بہ ابن القیم الجوزیہ الحنبلی التوفی ۷۵۱ھ، لکھتے ہیں:

جماع کرنے سے پہلے بیوی سے بوس وکنار کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہلیہ کے ساتھ بوس وکنار کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے بوس وکنار کرتے تھے۔

(سنن ابوداؤد: ۲۳۸۶، البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔)

الجامع کی شرح میں مذکور ہے کہ ایک جماع کے بعد جب دوبارہ جماع کرنا چاہے تو دو جماع کے درمیان وضو کرے، یعنی جس طرح نماز سے پہلے وضو کرتے ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی اہلیہ کے پاس جائے اور پھر دوبارہ جانے کا ارادہ کرے تو وضو کرے۔ (صحیح مسلم: ۳۰۸، الرقم المسلسل: ۷۰۵، رقم حدیث الباب: ۲۷)

(جامع الفقہ ج ۵ ص ۲۱۲۔ ۲۱۳، دارالوفاء، ۱۴۲۱ھ)

وسئل رحمه الله: عما اذا نظر الرجل الى جميع بدن امرأته ولمسه حتى الفرج عليه شیء ام لا؟

(شیخ ابن تیمیہ حنبلی متوفی ۷۲۸ھ سے سوال کیا گیا: مرد عورت کے تمام بدن کو دیکھے اور اس کو چھوئے حتیٰ کہ اس کی فرج (شرمگاہ) کو بھی دیکھے تو کیا اس پر کوئی تاوان ہے یا نہیں؟)

شیخ ابن تیمیہ حنبلی نے جواب دیا:

مرد پر اپنی بیوی کے بدن کے کسی حصہ کی طرف بھی دیکھنا حرام نہیں ہے نہ اس کو چھونا حرام ہے، لیکن عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھنا مکروہ ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ صرف عملِ زوجیت کے وقت دیکھنا مکروہ نہیں ہے اور باقی اوقات میں دیکھنا مکروہ ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ جز ۳۲ ص ۱۷۱، دارالجیل، المنصورہ، ۱۴۱۸ھ)

جماع اور جماع کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد کے آداب کے متعلق الشاہ احمد رضا خان کی تحقیق

امام اہلسنت، مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی المتوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

علمائے کرام نے اپنی کتب جلیلہ مثل احیاء العلوم وعین العلوم ومدخل وکیمیائے سعادت وغیرہا میں حقوق ولد سے نہایت مختصر طور پر کچھ تعرض فرمایا، مگر میں صرف احادیث مرفوعہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ کرتا ہوں، فضلِ الٰہی جل وعلا سے امید کہ فقیر کی یہ چند حرفی تحریر ایسی نافع وجامع واقع ہو کہ اس کی نظیر کتب مطولہ میں نہ ملے، اس بارہ میں جس قدر حدیثیں اس وقت میرے حافظہ ونظر میں ہیں، انہیں بالتفصیل مع تخریجات لکھے تو ایک رسالہ ہوتا ہے اور غرض صرف افادہ احکام لہٰذا سر دست فقط وہ حقوق کہ یہ حدیثیں ارشاد فرما رہی ہیں، کمال تلخیص واختصار کے ساتھ شمار کروں، وباللہ التوفیق!

(۱) سب سے پہلا حق وجودِ اولاد سے بھی پہلے یہ ہے کہ آدمی اپنا نکاح کسی رذیل کم قوم سے نہ کرے کہ بری رگ ضرور رنگ لاتی ہے۔(۲) دیندار لوگوں میں شادی کرے کہ بچہ پر نانا وماموں کی عادات کا بھی اثر پڑتا ہے۔ (۳) زنگیوں حبشیوں میں قرابت نہ کرے کہ ماں کا سیاہ رنگ بچہ کو بدنما نہ کر دے۔

الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی کی تحقیق کے متعلق مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ تمام اہلِ اسلام ایک دوسرے کے کفو ہیں اور غیر کفو میں نکاح کرنا جائز اور ثابت ہے اور کسی مسلمان کو اس کے حبشی یا زنگی ہونے کی بناء پر حقیر سمجھنا تعلیماتِ اسلام کے خلاف ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بنو بیاضہ! اپنی عورت کا ابوہند سے نکاح کر دو، ابوہند بنو بیاضہ کا فصد لگانے والا غلام تھا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۱۶۴، دارالباز للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ)

میں کہتا ہوں: انگلینڈ میں ایک مشہور گیلانی سید ہیں، ان کے بہت سارے مرید ہیں، ان کی تحقیق یہ ہے کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید سے جائز نہیں ہے اور اگر یہ نکاح کر دیا جائے تو اس سے جو اولاد ہوگی وہ اولاد الزنا ہوگی، اللہ تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ انگلینڈ میں ان کی اپنی بیٹی نے ایک غیر سید سے پسند کی شادی (Love Marriage) کر لی، انہوں نے اپنی اس بیٹی کو عاق کر دیا اور اپنے داماد کو قتل کرنے کی سازش کی مگر انگلینڈ میں اُن کا بس نہیں چلا، پھر انہوں نے پاکستان میں اپنے مریدوں کے زور سے اس داماد کے کسی عزیز کو قتل کروا دیا، غالباً ڈاکٹر اقبال نے ایسے ہی موقع کے لیے کہا ہے۔

تمیز بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

بنو بیاضہ معزز لوگ تھے، ابوہند ان کے غلام تھے اور فصد لگاتے تھے، انہوں نے اس رشتہ کو ناپسند کیا تو قرآنِ مجید کی یہ آیت نازل ہوئی: "یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝ (الحجرات: ۱۳)" (اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا فرمایا ہے اور ہم نے تم کو مختلف قوموں اور قبیلوں میں منقسم فرما دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والے اور ہر چیز کی خبر رکھنے والے ہیں O)۔

پھر وہ لوگ راضی ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو بیاضہ کی عورت سے ابوہند کا نکاح فرما دیا اور حسب ونسب پر تفاخر کے

سارے جام وسبو توڑ ڈالے۔ (مراسیل ابوداؤد، ص ۱۲، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۳۶، کنز العمال ج ۱۶ ص ۳۱۸)

حکم بن عیینہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ایک انصاری کے گھر بھیجا تا کہ وہ اپنے رشتہ کا پیغام دیں، ان انصاری کے گھر والوں نے کہا: یہ تو حبشی غلام ہے! حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمہارے پاس آنے کے لیے نہ کہا ہوتا تو میں کبھی نہ آتا، انصاری کے گھر والوں نے کہا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں حکم دیا ہے؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! انصاری کے گھر والوں نے کہا: تب تم اس رشتہ کے مالک ہو۔۔۔۔الحدیث (مراسیل ابوداؤد ص ۱۱۔۱۲، ولی محمد اینڈ سنز، کراچی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آزاد عربی عورت کا ایک حبشی غلام کے ساتھ نکاح کر کے یہ تعلیم فرمائی ہے کہ حریّت، حسب ونسب اور صنعت وحرفت اصل چیز نہیں ہیں، اصل چیز کسی شخص کا اچھا مسلمان ہونا ہے، کوئی مسلمان حسب ونسب اور صنعت وحرفت میں کفو نہ ہو لیکن وہ اچھا مسلمان ہو تو اس کو رشتہ دے دینا چاہیے، اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی متعدد اسانید کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۳۷)

یحییٰ بن ابی کثیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے پاس ایسے شخص کے نکاح کا پیغام آئے جس کی دین داری اور اخلاق تمہیں پسند ہو تو اس سے نکاح کر دو خواہ وہ کوئی بھی شخص ہو، اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو زمین میں بہت زیادہ فتنہ وفساد پھیلے گا۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۱۵۳، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۹۲ھ، جامع ترمذی ص ۱۷۵، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، المستدرک ج ۲ ص ۱۶۵، دار الباز للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ، سنن ابن ماجہ: ص ۱۴۱، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، کنز العمال ج ۱۶ ص ۳۱۷، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۰۵ھ، مراسیل ابوداؤد، ص ۱۱)، (موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف، ج ۵ ص ۴۲۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ربیعہ بن عبد الشمس کے بیٹے ابوحذیفہ جنگ بدر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو اپنا مونہہ بولا بیٹا بنالیا تھا اور ان کے ساتھ اپنی بھتیجی ہند بنت عبد الولید بن عتبہ کا نکاح کر دیا تھا اور وہ انصار کی ایک عورت کے آزاد کردہ غلام تھے۔۔۔۔الحدیث

(صحیح البخاری: ۴۰۰۰، ۵۰۸۸، سنن نسائی: ۳۲۲۳، سنن ابوداؤد: ۲۰۶۱، مسند احمد: ۲۵۶۵۰، موطا امام مالک: ۲۲۴۷، مصنف عبدالرزاق: ۱۳۸۸۷، سنن دارمی: ۲۳۰۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۴۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۳۱۲، شرح مشکل الآثار: ۲۷۹۶، صحیح ابن حبان: ۴۲۱۵، المعجم الکبیر للطبرانی: ۶۳۷۷، مسند الشامیین للطبرانی: ۳۰۷۹، معالم السنن ج ۳ ص ۱۸۶، المستدرک: ۲۶۹۲، ج ۲ ص ۱۷۷، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۲۵۳۰، معرفۃ السنن والآثار: ۱۵۴۷۲، الاستذکار ج ۶ ص ۲۵۳، شرح السنہ للبغوی ج ۹ ص ۸۵، الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج ۲۰ ص ۴۶۰)

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی اور ان کی بھتیجی کے اسماء

محدث احمد علی سہارنپوری متوفی ۱۲۹۷ھ، صحیح البخاری: ۴۰۰۰ کی شرح میں لکھتے ہیں:

تبنّی سالما: ان کا پورا نام سالم بن معقل ہے۔ حافظ ابن عبد البر مالکی نے لکھا ہے کہ حضرت سالم، حضرت ثبیتۃ بن یعار الانصاریہ کے غلام تھے، وہ حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، سوانہوں نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا اور وہ حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دے دیا۔ علامہ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی بھتیجی کا نام فاطمہ بنت الولید بن عتبہ

تھا جو حضرت سالم رضی اللہ عنہ کی بیوی ہوگئیں۔ (الاستیعاب ج ۴ ص ۱۳۶، رقم: ۸۸۶)

(الجامع الصحیح ج ۸ ص ۶۲، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی بھتیجی حضرت فاطمہ بنت الولید آزاد قریشیہ خاتون تھیں جن کا نکاح حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سالم بن معقل رضی اللہ عنہ سے کردیا جو غلام تھے، اس سے معلوم ہوا کہ آزاد قریشیہ خاتون کا غلام سے نکاح کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ سنتِ صحابہ ہے۔ لہٰذا زنگی، حبشی اور رذیل قوم سے نکاح کرنے کو ناجائز کہنا ان تمام احادیث اور آثار کے خلاف ہے۔

اگرچہ میرا یہ تبصرہ الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی کی بیان کردہ شرائط کے خلاف ہے لیکن میں تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور آپ کی شریعت کا مبلغ ہوں اور میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آپ کے ارشادات ہر شخص کے قول پر مقدم ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

نیز الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

(۴) جماع کی ابتداء بسم اللہ سے کرے ورنہ بچہ میں شیطان شریک ہوجاتا ہے۔ (۵) اس وقت شرمگاہِ زن پر نظر نہ کرے کہ بچہ کے اندھے ہونے کا اندیشہ ہے۔ (۶) زیادہ باتیں نہ کرے کہ گونگے یا توتلے ہونے کا خطرہ ہے۔ (۷) مرد و زن کپڑا اوڑھ لیں جانوروں کی طرح برہنہ نہ ہوں کہ بچہ کے بے حیاء ہونے کا خدشہ ہے۔ (۸) جب بچہ پیدا ہو فوراً سیدھے کان میں اذان بائیں میں تکبیر کہے کہ خللِ شیطان وام الصبیان سے بچے۔ (۹) چھوہارا وغیرہ کوئی میٹھی چیز چبا کر اس کے مونہہ میں ڈالے کہ حلاوت اخلاق کی فال حسن ہے۔ (۱۰) ساتویں اور نہ ہوسکے تو چودھویں ورنہ اکیسویں دن عقیقہ کرے، دختر کے لئے ایک (بکری) اور پسر کے لیے دو (بکریاں) کہ اس میں بچے کو گویا رہن سے چھڑانا ہے۔ (۱۱) (عقیقہ کی بکری کی) ایک ران دائی کو دے کہ بچہ کی طرف سے شکرانہ ہے۔ (۱۲) سر کے بال اتروائے۔ (۱۳) بالوں کے برابر چاندی تول کر خیرات کرے۔ (۱۴) سر پر زعفران لگائے۔ (۱۵) نام رکھے یہاں تک کہ کچے بچے کا بھی (نام رکھے) جو کم دنوں کا گر جائے (یعنی جس کا حمل چھ، سات مہینے سے پہلے ساقط ہوجائے) ورنہ اللہ عزوجل کے یہاں شاکی ہوگا۔ (۱۶) برا نام نہ رکھے کہ بدفال بد ہے۔ (۱۷) عبداللہ، عبدالرحمٰن، احمد، حامد وغیرہ یا عبادت وحمد کے نام یا انبیاء اولیاء یا اپنے بزرگوں میں جو نیک لوگ گزرے ہیں، ان کے نام پر نام رکھے کہ موجب برکت ہے خصوصاً نام پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ اس مبارک نام کی بے پایاں برکت بچہ کے دنیا و آخرت میں کام آتی ہے۔ (۱۸) جب محمد نام رکھے تو اس کی تعظیم وتکریم کرے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۲۴ ص ۴۵۱۔ ۴۵۳، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، پاکستان)

مفتی محمد رفیق الحسنی، مہتمم جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم، کراچی، لکھتے ہیں:

مسائلِ مباشرت

☆ حالتِ جماع میں زوجین کا ایک دوسرے کے لب چوسنا یا زبان چوسنا اور مرد کا بیوی کے پستان مونہہ میں لینا اور بیوی کے چہرہ کے علاوہ دیگر اعضاء کا بوسا لینا بھی جائز ہے، اسی طرح حالت جماع میں حصولِ لذت یا لذت کی کمی زیادتی کے لیے زوجین کا مختلف کیفیات میں جماع کرنا بھی جائز ہے مثلاً جماع قیام یا قعود کی حالت میں ہو یا اضطجاع (لیٹنے) کی حالت میں اقبال اور استدبار کی حالت میں ہو بشرطیکہ فرج اور شرم گاہ میں جماع ہو۔

☆ مسئلہ: بیوی کے ہاتھوں میں یا جسم کے دوسرے اعضاء میں مثلاً بیوی کی رانوں یا پیٹ میں قضاء شہوت بھی جائز ہے۔لیکن عورت کے دبر یا مونہہ میں شہوت رانی اور عورت کا مرد کے آلہ کو مونہہ میں لینا، مرد کا عورت کے فرج کو چوسنا بھی حرام ہے۔

(رفیق العروسین من امۃ سید الکونین، ص ۱۹۱، جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم، کراچی، جون ۲۰۰۵ء)

''حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا'': یعنی اس کا وہ حمل خفیف تھا، ایسا نہیں تھا جیسا کہ بعض حاملہ عورتیں حمل کی وجہ سے کرب اور اذیت کو برداشت کرتی ہیں اور حضرت حواء کو اس حمل کا ایسا بوجھ نہیں ہوا جیسا کہ عام عورتوں کو حمل کا بوجھ ہوتا ہے۔''فَمَرَّتْ بِهٖ'': پس وہ اس کی پیدائش کے وقت تک بغیر کسی نقصان کے چلتی پھرتی رہیں۔''فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ'': جب اُن کے پیٹ میں بچہ بڑا ہو گیا۔''دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا'': تو آدم اور حواء دونوں نے اپنے رب سے دعا کی اور وہی اس کے مستحق ہیں کہ ان سے دعا کی جائے اور ان کی طرف التجاء کی جائے۔پس ان دونوں نے کہا: ''لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا'': اگر آپ نے ہمیں ایسی اولاد عطا فرمائی جس کا بدن صحیح وسالم ہو اور وہ مذکر ہو، کیونکہ مذکر ہونا صلاح کے زیادہ قریب ہے۔

''لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾'': یہ ضمیریں حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کی طرف لوٹ رہی ہیں یا ہر اُس کی طرف جو اُن کی اولاد میں سے ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر جب (اللہ نے) انہیں بہترین بچہ عطا فرمادیا تو دونوں (مردوزن) نے اللہ کی خالقیت میں دوسروں کو اس میں شریک قرار دے ڈالا جو اللہ نے انہیں عطا فرمایا تھا، سو اللہ اس سے بلند و برتر ہیں جس میں وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں O'' (الاعراف: ۱۹۰)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی متوفی ۷۱۰ھ، الاعراف: ۱۹۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا'': جب اللہ تعالیٰ نے اُن کی طلب کے مطابق اُن کو صحیح وسالم بیٹا عطا فرمادیا ''جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا'': تو اُن کی اولاد نے اس عطاء میں اللہ کے شریک قرار دیے۔شرک کرنے والے حضرت آدم اور حواء علیہما السلام نہ تھے، بلکہ ان کی اولاد میں سے بعض شرک کرنے والے تھے، کیونکہ حضرت آدم اور حواء علیہما السلام دونوں شرک سے بری ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں ''يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾'' جمع کا صیغہ ہے، اس لیے اس میں حضرت آدم وحواء علیہما السلام مراد نہیں ہیں بلکہ اُن کی اولاد مراد ہے، اور اُن کی اولاد کا شرک کرنا یہ تھا کہ وہ اپنے بچوں کا نام عبداللہ، عبدالرحمٰن اور عبدالرحیم کے بجائے عبدالعزیٰ اور عبدِ مناف اور عبدِ شمس وغیرہ رکھتے تھے۔اور یہ خطاب اُن قریش کے لیے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھے اور وہ قصی کی اولاد تھے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک جان قصی سے پیدا فرمایا۔اور اس کی جنس میں سے اس کی بیوی عربیہ قرشیہ بنائی تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کریں۔پھر جب اللہ تعالیٰ نے اُن کی طلب کے مطابق ان کو صحیح وسالم اولاد عطاء فرمادی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس عطاء میں شرکاء قرار دیے اور انہوں نے اپنی اولاد کے یہ نام رکھے: عبد مناف، عبدالعزیٰ، عبد قصی، عبدالدار۔

(مدارک التنزیل، ج ۱ ص ۶۴۲، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، الاعراف: ۱۹۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت حواء علیہا السلام حاملہ ہوگئیں تو ابلیس ایک مرد کی صورت میں اُن کے پاس آیا، پس اُن سے پوچھا: تمہارے پیٹ میں کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا: میں نہیں جانتی کیا ہے، ابلیس نے کہا: مجھے یہ خطرہ ہے کہ یہ کوئی وحشی جانور ہو یا کتا ہو یا خنزیر ہو اور تمہیں یہ کیا پتا ہے کہ تمہارے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ آیا تمہاری دُبر سے نکلے گا تو تم کو ہلاک کر دے گا یا تمہارے مونہہ سے نکلے گا اور تمہارے پیٹ کو پھاڑ دے گا، پس حضرت حواء علیہا السلام خوف زدہ ہوگئیں اور اس بات کا حضرت آدم علیہ السلام سے ذکر کیا، پس وہ دونوں فکر اور پریشانی میں مبتلاء رہے، پھر ابلیس دوبارہ حضرت حواء علیہا السلام کے پاس آیا، اس نے کہا: میں تمہارا خیر خواہ ہوں، پس میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ جو کچھ تمہارے پیٹ میں ہے اس کو تمہاری مثل صحیح سالم بچہ بنا دے اور اس کا تمہارے پیٹ سے نکلنا آسان ہو جائے بشرطیکہ تم اس کا نام عبد الحارث رکھو، کیونکہ فرشتوں میں ابلیس کا نام الحارث تھا۔ حضرت حواء علیہا السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا، حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: شاید یہ ہمارا وہی صاحب ہے جس کو تم جانتی ہو، پھر دوبارہ ابلیس آیا اور مسلسل آتا رہا حتیٰ کہ ان دونوں کو ورغلا یا، پس جب بچہ پیدا ہوگیا تو ان دونوں نے اس کا نام عبد الحارث رکھا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم: ۸۶۴۵، ۸۶۴۶، ۸۶۴۷، ۸۶۴۸، ۸۶۴۹، ۸۶۵۰، ۸۶۵۱)

(صحیح یہ ہے کہ یہ تفسیر اسرائیلیات میں سے ہے اور کسی صحیح حدیث میں اس واقعہ کا ذکر نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

الکلبی نے کہا: ابلیس نے حضرت حواء علیہا السلام سے کہا: اگر میں اللہ سے دعا کروں اور تم سے انسان کی پیدائش ہو تو کیا تم اس کا نام میرے نام پر رکھو گی؟ حضرت حواء علیہا السلام نے کہا: جی ہاں! پس جب اُن کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو ابلیس نے کہا: اس کا نام میرے نام پر رکھو، حضرت حواء علیہا السلام نے پوچھا: تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا: الحارث، اور اگر وہ اپنا نام ابلیس بتاتا تو حضرت حواء علیہا السلام اس کو پہچان لیتیں، پس انہوں نے اس کا نام عبد الحارث رکھ دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت حواء علیہا السلام کی حضرت آدم علیہ السلام سے اولاد ہوتی تھی، وہ اس کا نام عبد اللہ، عبید اللہ اور عبد الرحمٰن رکھتی تھیں، پس وہ بچہ مر جاتا تھا، پھر اُن کے پاس ابلیس آیا اور کہا: اگر تمہیں یہ خوشی ہو کہ تمہارا بچہ زندہ رہے تو تم اس کا نام عبد الحارث رکھنا، پس ان کے ہاں بچہ ہوا تو ان دونوں نے اس کا نام عبد الحارث رکھا، پھر وہ بچہ زندہ رہا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم: ۸۶۵۳، ۸۶۵۴، ۸۶۵۵، ۸۶۵۶، ۸۶۵۷)

امام عبد الرزاق نے اپنی تفسیر میں ابن عیینہ کی روایت بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے بلند و برتر ہیں یعنی مشرکین کے شرک سے اور اس آیت میں حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کا ارادہ نہیں فرمایا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: ۸۶۶۰)

السدی نے بیان کیا: اس آیت کو حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ سے منفصل کر کے فرمایا ہے اور یہ آیت عرب کے بُت پرستوں کے متعلق ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: ۸۶۶۱)

اور حدیث میں مذکور ہے کہ ابلیس نے اُن کو دو مرتبہ دھوکا دیا، ایک مرتبہ جنت میں دھوکا دے کر شجر ممنوع سے کھلایا اور دوسری مرتبہ زمین میں دھوکا دیا جب انہوں نے اپنے بچہ کا نام عبد الحارث رکھا۔ (الدر المنثور ج ۳ ص ۲۷۷، یہ حدیث باطل ہے)

قتادہ بیان کرتے ہیں: یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں شرک تھا، اس کی عبادت میں شرک نہیں تھا۔ اور حسن بصری یہ کہتے تھے کہ شرک کرنے والے یہود و نصاریٰ تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے اولاد عطاء فرمائی تو وہ اس کو یہودی بنا دیتے یا نصرانی بنا دیتے۔ (تفسیر ابن

ابی حاتم: ۸۶۵۹)، (معالم التنزیل، ج ۲ ص ۲۵۷، ۲۵۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا وہ اُن کو شریک قرار دیتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے ہوئے ہیں O'' (الاعراف: ۱۹۱)

''اَیُشْرِکُوْنَ مَالَا یَخْلُقُ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾'': علامہ نسفی فرماتے ہیں:

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ کیا یہ لوگ اللہ عزوجل کی تخلیق میں اُن کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں جو کسی چیز کی تخلیق پر قادر نہیں ہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان سب کے خالق ہیں۔ (مدارک التنزیل ج ۱ ص ۶۲۵، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

علامہ بغوی فرماتے ہیں: یعنی یہ کفار ابلیس اور بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہیں، حالانکہ وہ خود مخلوق ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور وہ اُن کے لیے کسی قسم کی مدد کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں O'' (الاعراف: ۱۹۲)

''وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَھُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَھُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾'': علامہ نسفی لکھتے ہیں:

یعنی یہ بُت اپنی عبادت کرنے والوں کی کوئی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، کہ ان سے مصائب کو دور کریں، بلکہ یہ بُت خود اپنے آپ سے کسی ضرر کو دور نہیں کر سکتے، اگر کوئی اُن بتوں کو توڑنے کا ارادہ کرے تو اس کو دور نہیں سکتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مشرکین!) اگر تم اُن بتوں کو اپنی ہدایت کے لیے پکارو تو وہ تمہاری پکار پر نہ آسکیں گے، سو تمہارے لیے برابر ہے خواہ تم اُن کو پکارو یا چپ رہو O'' (الاعراف: ۱۹۳)

''وَاِنْ تَدْعُوْھُمْ اِلَی الْھُدٰی لَا یَتَّبِعُوْکُمْ سَوَآءٌ عَلَیْکُمْ اَدَعَوْتُمُوْھُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾'': اگر تم ان مشرکین کو اسلام کی دعوت دو تو یہ تمہاری بات نہیں مانیں گے، ان کے حق میں برابر ہے خواہ تم ان کو اسلام کی دعوت دو یا تم خاموش رہو، یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری مثل (اللہ کے) بندے ہیں، سو اگر تم سچے ہو تو تم ان کو پکار کر دیکھو کہ (آیا) وہ تمہیں جواب دیتے ہیں؟ O'' (الاعراف: ۱۹۴)

''اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ فَادْعُوْھُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۹۴﴾'': یعنی اے مشرکو! تم جن بتوں کی عبادت کرتے ہو اور اُن کو اپنا خدا قرار دیتے ہو، وہ تمہاری مثل اللہ کے بندے ہیں، اگر تم اِن کو اللہ کا شریک قرار دینے میں سچے ہو تو تم اِن کو کسی نفع اور راحت کے حصول کے لیے پکارو تو چاہیے کہ یہ تمہاری پکار کا جواب دیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا اِن بتوں کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلیں، یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ کسی چیز کو پکڑیں، یا اِن کی آنکھیں ہیں جن سے وہ کسی چیز کو دیکھیں، یا اِن کے کان ہیں جن سے وہ کسی چیز کو سنیں،

(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: تم اپنے (خودساختہ) شرکاء کو پکارو، پھر مجھ پر اپنا داؤ چلاؤ اور اس کے بعد مجھے مہلت نہ دو O" (الاعراف: ۱۹۵)

"اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ": یعنی کیا ان کے پیر ہیں جن سے وہ چلتے ہیں۔ "اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ": یعنی کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ چیزوں کو پکڑتے ہیں۔ "اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا": یعنی کیا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھیں، یا کیا ان کے وہ کان ہیں جن سے وہ سنیں۔ پھر تم کس لیے ان کی پیروی کرتے ہو۔

"قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾": آپ کہیے کہ تم اپنے خودساختہ خداؤں سے میری دشمنی میں مدد طلب کرو، پھر مجھے بالکل مہلت نہ دو، کیونکہ میں تمہاری پرواہ نہیں کرتا۔ اور مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بتوں سے خوف زدہ کرتے تھے۔ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ مخلوق کی طاقت اور قدرت ان اعضاء سے ہوتی ہے اور ان بتوں کے تو یہ اعضاء ہیں نہیں، سو تم ان کی کیونکر عبادت کرتے ہو جن سے تم خود افضل ہو؟

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک میرے مددگار اللہ ہیں جنہوں نے مجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک لوگوں کو دوست رکھتے ہیں O" (الاعراف: ۱۹۶)

"اِنَّ وَلِـيِّۦَ": بے شک میرے مدگار۔ "اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ": اللہ عزوجل ہیں جنہوں نے میری طرف قرآنِ مجید کو نازل فرمایا ہے اور مجھے اپنی رسالت کے ساتھ مشرف فرمایا ہے۔ "وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾": اور اللہ عزوجل کی سنت یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے نیکوکاروں کی مدد فرماتے ہیں اور اُن کو شرمندہ نہیں ہونے دیتے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ عزوجل کے مساوی کسی کو قرار نہیں دیتے، سو اللہ عزوجل اُن کی مدد فرماتے ہیں اور جو اُن سے عداوت رکھے اس کی عداوت سے اُن کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اللہ کو چھوڑ کر تم جن (بتوں) کی عبادت کرتے ہو، وہ تمہاری (کبھی) مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں O" (الاعراف: ۱۹۷)

"وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾": یعنی جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کی پرستش کرتے ہیں، وہ نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اگر تم اُن بتوں کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ نہ سن سکیں گے اور (اے رسولِ اکرم!) آپ انہیں (اس حال میں) دیکھتے ہیں (گویا) وہ آپ کی طرف (بظاہر) دیکھتے ہیں حالانکہ (وہ حقیقت میں) کچھ نہیں دیکھتے O" (الاعراف: ۱۹۸)

"وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾": کفار نے اپنے بتوں کی آنکھوں کے ڈھیلے بنائے تھے جو صورتاً کسی چیز کی طرف دیکھتے تھے اور حقیقت میں کسی چیز کو نہیں دیکھتے تھے۔ اس آیت میں اُن کے دیکھنے سے حقیقت میں دیکھنا مراد نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ معاف کرنے کو اختیار کیجئے اور بھلائی کا حکم دیتے رہیے اور جاہلوں سے چشم پوشی کرتے رہیے O'' (الاعراف: ۱۹۹)

''خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۱۹۹﴾'':

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا، میں نے ابتداءً ہاتھ بڑھا کر آپ سے ہاتھ ملایا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے سب سے افضل عمل کے متعلق بتایئے، آپ نے فرمایا: اے عقبہ! جو تم سے تعلق توڑے تم اس سے تعلق جوڑو، اور جو تم کو محروم کرے تم اسے عطا کرو، اور جو تم پر ظلم کرے تم اس سے اعراض کرو۔

(مسند احمد: ۱۷۳۳۴، الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۸۱۳، تاریخ بغداد للخطیب ج ۸ ص ۲۷۰، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۷ ص ۲۷۰، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۸۸)

ابوعبداللہ الجدلی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ مبارکہ کے متعلق سوال کیا، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ طبعاً بدزبانی کرتے تھے نہ عادتاً بدزبانی کرتے تھے اور بازاروں میں شور نہیں کرتے تھے اور برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے تھے، لیکن معاف فرمادیتے تھے اور درگزر فرماتے تھے۔

(سنن ترمذی: ۲۰۲۳، مسند احمد: ۲۶۰۴۹، شرح السنہ: ۲۵۶۲، الشمائل للترمذی: ۳۴۰، سنن ابوداؤد الطیالسی: ۱۵۲۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۳۱۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۵۱۴، صحیح ابن حبان: ۶۴۴۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے مجھے مکارمِ اخلاق مکمل کرنے کے لیے مبعوث فرمایا اور محاسنِ افعال کو مکمل کرنے کے لیے بھیجا ہے۔

(شرح السنہ: ۳۵۱۶، شعب الایمان للبیہقی: ۷۹۷۹، المعجم الاوسط للطبرانی: ۶۸۹۱، مجمع الزوائد: ۱۳۶۸۴، الادب المفرد للبخاری: ۲۷۳، الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۱ ص ۱۹۲، مسند البزار: ۲۴۷۰، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۶۱۳، مشکل الآثار للطحاوی: ۴۴۳۲، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۹۱، ۱۹۲، موطا امام مالک ج ۲ ص ۹۰۴)

عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ میری حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی، میں نے کہا: مجھے تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت بتایئے، انہوں نے کہا: اچھا! اللہ کی قسم! تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض وہ صفات مذکور ہیں جو قرآن مجید میں ہیں، قرآن مجید میں ہے: ''اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے O (الاحزاب: ۴۵)'' اور اَن پڑھ قوم کی حفاظت کرنے والا، آپ میرے بندے اور بدمزاج ہیں نہ سنگ دل اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے ہیں اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ معاف کرتے ہیں اور بخش دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کی روح کو اس وقت تک قبض نہیں فرمائیں گے حتیٰ کہ آپ کے سبب سے ٹیڑھی ملت کو سیدھا فرمادیں بایں طور کہ وہ کہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور اس ملت سے اللہ اندھی آنکھوں کو کھول دیں گے اور بہرے کانوں کو اور ان دلوں کو جن کے اوپر پردے پڑے ہوئے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۲۱۲۵، ۴۸۳۸، الادب المفرد: ۲۴۶، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۳۷۵، الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۳۶۰، سنن دارمی: ۵، مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۴ طبع قدیم، مسند احمد: ۶۶۲۲، ج ۱۱ ص ۱۹۳، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

علامہ شیخ عبداللہ بن حجازی الشرقاوی الشافعی التوفی ۱۲۲۷ھ صحیح البخاری: ۲۱۲۵ کی شرح میں لکھتے ہیں:

عن صفة رسول الله ﷺ فی التوراة: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے تورات میں رسول اللہ ﷺ کی صفات کے متعلق اس لیے سوال کیا کیونکہ انہوں نے تورات کو پڑھا ہوا تھا۔

واللہ انه لموصوف فی التوراة ببعض صفته فی القرآن: اس جملہ میں کئی تاکیدیں ہیں، ایک تاکید یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی قسم کھا کر بات کی، دوسری اسمیہ جملہ کے ساتھ تاکید ہے، تیسری انَّ کے ساتھ تاکید ہے اور چوتھی تاکید یہ ہے کہ خبر پر لام تاکید کا داخل ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا: یعنی آپ اپنی امت کے متعلق اس کی تصدیق کی گواہی دیں گے اور کافروں کے متعلق اُن کی تکذیب کی گواہی دیں گے۔ اور آپ اس کی شہادت دیں گے کہ رسولوں نے اپنی اپنی امتوں کو تبلیغ کی ہے۔

وَّمُبَشِّرًا: یعنی آپ مومنین کو اجر وثواب کی اور جنت کی بشارت دینے والے ہیں۔

وَّنَذِيْرًا ۝: اور کفار کو اُن کی نافرمانیوں پر عذاب سے ڈرانے والے ہیں، جیسے قرآنِ مجید کی سورۃ الاحزاب (آیت: ۴۵) میں مذکور ہے۔

حرزاً: آپ اُن کی حفاظت کے قلعہ ہیں۔ للأميين: یعنی آپ کی امت آپ کی حفاظت کے قلعہ میں شیطان کی وسوسہ اندازیوں سے حفاظت میں ہے، آپ کی امت کو امیین اس لیے فرمایا کہ آپ کی امت کی اکثریت نہ پڑھتی تھی اور نہ لکھتی تھی۔

اَلْمُتَوَكِّل: یعنی آپ قناعت کی وجہ سے تھوڑے رزق کے ساتھ مستقبل میں کشادگی کی امید کرتے ہوئے اللہ پر توکل کرتے ہیں اور محاسنِ افعال پر مستقیم رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مکمل ہونے پر بھروسا کرتے ہیں۔

ليس بفظ: آپ سخت دل اور بدخُلق نہیں ہیں۔ ولا غليظ: یعنی آپ دُرشت مزاج نہیں ہیں۔

اس حدیث میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے: ''فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔۔۔ (آل عمران: ۱۵۹)''۔

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ اس آیت میں آپ کے غلیظ القلب ہونے کی نفی فرمائی ہے اور التوبہ: ۷۳ میں ارشاد فرمایا ہے: ''وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ'' (یعنی ان پر سختی کیجئے)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آل عمران: ۱۵۹ میں جو آپ کے غلیظ القلب ہونے کی نفی فرمائی ہے، اس کا محمل یہ ہے کہ آپ اپنی طبیعت اور جبلّت سے غلیظ القلب یعنی سخت دل نہیں ہیں۔ اور آپ کو جو التوبۃ: ۷۳ میں غلظۃ، شدت اور سختی کرنے کا حکم فرمایا ہے، یہ کفار اور منافقین کے اعتبار سے ہے اور آل عمران: ۱۵۹ میں جو نفی فرمائی ہے وہ مومنین کے اعتبار سے ہے، یعنی آپ مومنین کے لیے سخت دل نہیں ہیں۔

ولا سخاب: یہ لفظ سین کے ساتھ سخاب بھی ہے اور صاد کے ساتھ صخاب بھی ہے اور وہ زیادہ مشہور ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے بلند آواز سے باتیں نہیں کرتے اور نہ زیادہ ترچیخ چیخ کے باتیں کرتے ہیں۔

فی الاسواق: بلکہ آپ نرمی اور ملائمت سے باتیں کرتے ہیں۔ اس میں بازار والوں کی مذمت ہے، کیونکہ بازار میں چیخ چیخ کر

باتیں کرنا اور شور مچانا مذموم ہے، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "شر البقاع الاسواق" یعنی زمین کا جو ٹکڑا سب سے بدتر ہے وہ بازار ہے، کیونکہ بازار میں خرید و فروخت کے وقت جھوٹی قسمیں کھائی جاتی ہیں اور شور مچایا جاتا ہے، اور زمین کا جو ٹکڑا سب سے بہتر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مساجد ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر بلند کیا جاتا ہے۔

ولا یدفع بالسیئة السیئة: اس حدیث میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے: "اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ۔۔۔ (المومنون:۹۶)" یعنی آپ قرآن مجید کی اس آیت پر عمل کر کے برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے۔

ولکن یعفوا ویغفر: آپ اس وقت تک لوگوں کو معاف فرماتے ہیں جب تک اللہ تعالیٰ کی حدود کو نہ توڑا جائے۔

ولن یقبضه الله حتی یقیم به الملة العوجاء: الملة العوجاء سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت مراد ہے، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں نے برے عمل کر کے اس ملت کو استقامت سے منحرف کر دیا۔ سو آپ اس ٹیڑھی ملت کو سیدھا کر دیں گے، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کو شرک سے منع فرمایا اور اُن کو توحید پر گامزن فرما دیا۔

اس حدیث میں فرمایا ہے "ویفتح به اعینا عمیا": یعنی آپ کلمہ توحید سے اندھی آنکھوں کو بینا کر دیتے ہیں۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ النمل: ۸۱ میں فرمایا ہے: "وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ" یعنی آپ اندھوں کو اُن کی گمراہی سے ہدایت دینے والے نہیں ہیں۔ اور اس حدیث میں ارشاد ہے کہ آپ اندھوں کو ہدایت دیتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ النمل: ۸۱ کا معنی یہ ہے کہ آپ اُن میں یہ ہدایت پیدا نہیں کرتے۔ اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ آپ اللہ کے اذن سے اُن میں ہدایت کو نافذ کرتے ہیں۔ یا اس کا محمل یہ ہے کہ آپ حقیقتاً ہدایت نہیں دیتے اور ظاہراً ہدایت دیتے ہیں۔

وقلوبا غلفا: یعنی جن دلوں پر شرک اور معصیت کی ظلمت کے غلاف ہیں اُن دلوں کو ہدایت کی طرف کھول دیتے ہیں۔

(فتح المبدی بشرح مختصر الزبیدی، ج ۲ ص ۳۱۹۔ ۳۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء)

محدث احمد علی سہارنپوری متوفی ۱۲۹۷ھ، صحیح البخاری: ۲۱۲۵ کی شرح میں لکھتے ہیں:

ولا صخّاب فی الاسواق: الصخب فی نفسہٖ مذموم ہے جب کہ خاص طور پر بازاروں میں چلّا کر بات کی جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۸ ص ۴۰۶)

الملة العوجاء: اس سے مراد عرب کی ملّت ہے۔ اور اس کو العوجاء اس لیے فرمایا کہ انہوں نے ملتِ ابراہیم کو متغیّر کر کے اس میں بُت پرستی کو داخل کر دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۴۰۷)

اعین عمی: الاعیُن عَین کی جمع ہے اور عُمی عمیاء کی جمع ہے۔ (الجامع الصحیح ج ۴ ص ۵۶۲، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اگر (بالفرض) آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پہنچے تو آپ فوراً اللہ کی پناہ طلب کریں، بے شک وہ بے حد سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں O" (الاعراف: ۲۰۰)

"وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ": علامہ نسفی نے کہا ہے: یعنی جب شیطان آپ کو کچوکا لگا کر آپ کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کرنے پر ابھارے۔ "فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ": تو آپ اس کی اطاعت نہ کریں۔ اور النزغ کا معنی ہے: النخس یعنی کچوکا لگانا اور ٹھونگ مارنا۔ یعنی شیطان لوگوں کے دل میں کچوکے لگا کر اور ٹھونگ مار کر اُن کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر

ابھارتا ہے۔

علامہ بغوی نے کہا ہے: شیطان کے نزغ سے مراد ہے: اس کا وسوسہ ڈالنا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں، جب ان کے دلوں میں شیطان کی طرف سے کوئی خیال آتا ہے، وہ فوراً سنبھل جاتے ہیں، سو اُسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں O''

(الاعراف:٢٠١)

''اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا'': علامہ نسفی نے لکھا ہے: طَیْفٌ کا معنی ہے: دل میں گناہِ صغیرہ کا خیال آنا اور یہی وسوسہ ہے۔ اور اس میں یہ تاکید ہے کہ جب شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو اللہ عزوجل سے استغفار کرنا واجب ہے، اور المتقین کی عادت ہے کہ جب ان کے دلوں میں شیطان کوئی ادنیٰ وسوسہ ڈالتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو یاد کرتے ہیں اور جس کام سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اس ممانعت کو یاد کرتے ہیں۔ ''فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝'': پس وہ سیدھی چیز کو دیکھ لیتے ہیں۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ شیطان سے بھاگ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں تو اُن کی بصیرت پہلے سے زیادہ ہو جاتی ہے۔

یعنی وہ نافرمانی سے باز آجاتے ہیں۔ (تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس ص ١٨٦، المکتبۃ العصریہ، بیروت، ١٤٣٣ھ)

علامہ بغوی نے لکھا ہے: الطَّیْف کا معنی ہے الوسوسہ۔ سعید بن جبیر نے کہا کہ مرد کسی بات پر غصہ میں آتا ہے، سو وہ اللہ عزوجل کے حکم کو یاد کرتا ہے اور اپنے غصہ کو پی لیتا ہے۔ اور مجاہد نے کہا: ایک مرد گناہ کا ارادہ کرتا ہے، پھر اللہ کو یاد کرتا ہے تو گناہ کرنے کو ترک کر دیتا ہے۔ مقاتل نے کہا: اللہ سے ڈرنے والے کو جب کوئی شیطان کا وسوسہ پہنچتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتا ہے اور یہ پہچان لیتا ہے کہ یہ اللہ کی نافرمانی ہے، اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرنے سے باز آجاتا ہے۔

حافظ ابوالفدا اسماعیل بن کثیر القرشی الدمشقی المتوفی ٧٧٤ھ، الاعراف: ٢٠١ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

الحافظ ابن عساکر نے عمرو بن جامع کی سوانح بیان کرتے ہوئے اپنی تاریخ یعنی ''تاریخ دمشق'' میں لکھا ہے کہ ایک نوجوان مسجد میں عبادت کرتا تھا، اس پر ایک عورت فریفتہ ہوگئی، اس عورت نے اس نوجوان کو اپنی خواہش نفس پوری کرنے کی دعوت دی، وہ نوجوان اعراض کرتا رہا اور وہ مسلسل اس نوجوان کو دعوت دیتی رہی حتیٰ کہ قریب تھا کہ وہ نوجوان اس عورت کے ساتھ اس گھر میں داخل ہو جاتا، تو اس نوجوان نے اس آیت کو یاد کیا: ''اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝''۔ پس وہ نوجوان خوفِ خدا سے بے ہوش ہو کر گر گیا، پھر اس کو ہوش آیا تو اس نے اُس آیت کو دوبارہ پڑھا، پھر خوفِ خدا کے غلبہ سے مر گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس کا علم ہوا تو وہ اس نوجوان کے والد کے پاس تعزیت کے لیے آئے اور اس نوجوان کو رات میں دفن کیا جا چکا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی قبر پر گئے اور وہاں اپنے دیگر اصحاب کے ساتھ اس کی نمازِ جنازہ پڑھی، (میں کہتا ہوں کہ نمازِ جنازہ کا تکرار جائز نہیں ہے اور خصوصاً قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نوجوان کی قبر پر کیسے نمازِ جنازہ پڑھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر میت کے ولی نے نماز جنازہ نہ پڑھی ہو تو وہ قبر پر نمازِ جنازہ پڑھ سکتا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن کے بعد مسجد کی خادمہ کی نمازِ جنازہ پڑھی کیونکہ آپ ولی تھے، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی چونکہ خلیفہ

المسلمین تھے تو آپ بھی مسلمانوں کے ولی تھے، تو دفن کے بعد ولی کے لیے قبر پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے فرمایا: اے نوجوان! ''وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ ...... (الرحمٰن: ۴۶)'' (یعنی جو مسلمان اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اور گناہ کو ترک کردے اس کے لیے دو جنتیں ہیں O)۔ تو اس نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا: اے عمر! میرے رب عزوجل نے مجھے دو جنتیں عطا فرمادیں۔ (تفسیر القرآن العظیم ص ۸۰۴، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

(مختصر تاریخ دمشق ترجمہ عمرو بن جامع رقم الحدیث: ۱۱۴، ج ۱۹ ص ۱۹۰۔۱۹۱، دارالفکر، بیروت، کنزالعمال رقم الحدیث: ۴۶۳۴۴، شعب الایمان ج ۱ ص ۴۶۸۔۴۶۹، رقم الحدیث: ۷۳۶، الدرالمنثور ج ۶ ص ۱۴۷، طبع قدیم ج ۷ ص ۷۰۸، دارالفکر، بیروت، روح المعانی ج ۷ ص ۱۱۶)

الحافظ المؤرخ ثقۃ الدین ابوالقاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ الشافعی المعروف بہ ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

یحییٰ بن ایوب الخزاعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس سے سنا جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے واقعات بیان کرتا تھا، اس نے کہا: ایک نوجوان نے مسجد میں عبادت کو لازم رکھا ہوا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی کثرت عبادت پر حیران ہوتے تھے، اس نوجوان کا ایک بوڑھا باپ تھا، جب وہ عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوتا تو اپنے والد کی طرف جاتا تھا اور اس کے راستہ میں ایک فاحشہ عورت کا دروازہ تھا، وہ عورت اس کو اپنی جانب مائل کرتی تھی اور گناہ پر اکساتی تھی، ایک رات وہ اس کے پاس سے گزرا، وہ عورت اس کو مسلسل اپنے ساتھ چلنے پر اکساتی رہی حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ گیا، جب دروازہ میں داخل ہوا تو اس کو اللہ عزوجل کا گناہ سے منع فرمانا یاد آیا اور اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہوگئی: ''اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓىِٕفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ (الاعراف: ۲۰۱)'' سو وہ نوجوان بے ہوش ہو کر گر پڑا، اس عورت نے اپنی باندی کو بلایا اور وہ دونوں مل کر اس نوجوان کو اس کے دروازہ پر چھوڑ آئیں، ادھر اس کا باپ اب تک نہ آنے کی وجہ سے پریشان تھا، وہ اپنے بیٹے کو ڈھونڈنے کے لیے نکلا تو اس کا بیٹا دروازہ پر بے ہوش پڑا تھا، اس نے اپنے بعض گھر والوں کو بلایا اور اس کو اٹھا کر لے گئے اور گھر میں داخل کردیا، جب رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد وہ نوجوان ہوش میں آیا تو اس نوجوان کے باپ نے اس سے پوچھا: اے میرے بیٹے کیا ہوا؟ تو نوجوان نے پورا واقعہ بیان کیا، اس کے باپ نے پوچھا: تم نے کون سی آیت پڑھی تھی؟ اس نوجوان نے وہ آیت (یعنی الاعراف: ۲۰۱) دوبارہ پڑھی اور آیت پڑھتے ہی بے ہوش ہو کر گر گیا، گھر والوں نے اس کو ہلایا جلایا لیکن وہ فوت ہو چکا تھا، انہوں نے اس کو غسل دیا اور اس کو گھر سے باہر لے گئے اور رات میں اس کو دفن کردیا، جب صبح ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک یہ خبر پہنچی، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے باپ کے پاس تعزیت کرنے کے لیے تشریف لائے اور فرمایا: آپ نے مجھے کیوں نہیں خبر دی؟ اس کے والد نے کہا: رات کا وقت تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اس نوجوان کی قبر پر لے چلو، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء اس نوجوان کی قبر پر گئے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے فلاں! ''وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ (الرحمٰن: ۴۶)'' تو اس نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا: اے عمر! مجھے میرے رب عزوجل نے مجھے دو مرتبہ دو جنتیں عطا فرمادی ہیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر، جزء ۴۸، ص ۳۰۷، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) گناہ کی ترغیب کے موقع پر اللہ کو یاد کرکے اس کے خوف سے گناہ کو ترک کردینا دو جنتوں کے حصول کا سبب ہے۔

(۲) نیک مسلمان اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔

(۳) نیک مسلمانوں اور اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت کے لیے جانا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔

(۴) کسی فوت شدہ مسلمان کی تعزیت کے لیے اس کے والدین اور اعزہ کے پاس جانا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ ہے۔

(۵) صاحب قبر سے کلام کرنا اور صاحب قبر کا جواب دینا، اس حدیث سے یہ دونوں امر ثابت ہیں۔

(۶) جن احادیث میں مذکور ہے کہ قبر والے ایسا جواب نہیں دیتے جن کو تم سن سکو، اس کا معنی یہ ہے کہ تم ان کا جواب عادۃً نہیں سن سکتے۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ہم کسی ولی اللہ کی قبر پر جاتے ہیں اور اس کو سلام کرتے ہیں یا کچھ معروضات پیش کرتے ہیں تو ہمیں تو اس کا جواب نہیں سنائی دیتا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے نیک اور مقبول بندے اور اولیاء اللہ ضرور زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور اُن کی معروضات پر تبصرہ بھی کرتے ہیں، رہا یہ کہ ہمیں اُن کا جواب سنائی نہیں دیتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے کان نہیں ہیں۔ اگر ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے کان بنالیں تو جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نوجوان کا کلام سنا ہم بھی اولیاء اللہ کے سلام کا جواب سنیں گے اور ہماری معروضات پر جو کچھ وہ فرمائیں گے وہ ہم ضرور سنیں گے لیکن کریں کیا! ہمارے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے کان نہیں ہیں۔

آگ کرسکتی ہے آج بھی اندازِ گلستاں پیدا
کرسکے کوئی جو ابراہیم کا سا ایماں پیدا

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (جو لوگ شیطانوں کے) بھائی ہیں اُن کے (شیطانی) بھائی ان کو گمراہی میں کھینچتے ہیں پھر وہ کوئی تقصیر نہیں کرتے O'' (الاعراف: ۲۰۲)

''وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ'': یعنی مشرکین کے شیطانی بھائی ان کو گمراہی کی طرف کھینچتے ہیں۔ الکلبی نے کہا: ہر کافر کا ایک شیطانی بھائی ہوتا ہے، وہ ان کی گمراہی میں اضافہ کرتے ہیں۔

''ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾'': الضحاک اور مقاتل نے کہا کہ وہ ان کو گمراہی کی طرف کھینچنے میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اور نہ مشرکین کے انسانوں میں سے ان کے شیطانی بھائی ان کو گمراہ کرنے میں کوئی کمی کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) جب آپ اُن کے پاس کوئی معجزہ نہ لائیں تو وہ کہتے ہیں: (آپ اپنی طرف سے) کوئی معجزہ بنا کر کیوں نہیں لے آتے، آپ کہیے: میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میرے رب کی طرف سے مجھ پر وحی فرمائی جاتی ہے، یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے واضح دلائل کا مجموعہ ہے اور ہدایت ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے رحمت ہے O'' (الاعراف: ۲۰۳)

''وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ'': اور جب آپ اُن کے پاس ان کا مطلوبہ معجزہ نہ لائیں۔ ''قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا'': تو وہ کہتے ہیں:

آپ نے از خود کوئی معجزہ کیوں نہ گھڑ لیا۔ ''قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ'': یعنی اے محمد! آپ اُن سے کہیے: میں صرف اپنے رب کی وحی کی پیروی کرتا ہوں۔

''هٰذَا'': یعنی یہ قرآن۔ ''بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ'': تمہارے رب کی طرف سے دلائل اور برہان پر مشتمل ہے۔ بصائر کا واحد بصیرۃ ہے اور اس کا معنی ہے: کسی چیز کا محکم ہونا حتیٰ کہ اس چیز کو انسان دیکھ لے اور اس سے ہدایت حاصل کر لے، یہ وہ دلائل ہیں جو تمہیں حق کی طرف لے جاتے ہیں۔ ''وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ'': اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب قرآنِ مجید پڑھا جائے تو اے مسلمانو! اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے O'' (الاعراف: ۲۰۴)

الاعراف: ۲۰۴ کے متعدد شانِ نزول

''وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ'': علامہ بغوی فرماتے ہیں: اس آیت کے سببِ نزول میں چند اقوال منقول ہیں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نماز میں اپنی ضروریات کی باتیں کرتے رہتے تھے تو انہیں نماز میں خاموش رہنے اور قرآن مجید سننے کا حکم دیا گیا۔ (۲) بعض مفسرین نے کہا کہ امام کے پیچھے بلند آواز سے قراءت کو ترک کرنے کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ زید بن اسلم اپنے والد سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنے والوں کے متعلق نازل ہوئی جو نمازوں میں اپنی آوازیں بلند کرتے تھے۔ اور الکلبی نے کہا کہ جس وقت صحابہ نماز میں قرآن مجید کی جنت اور دوزخ سے متعلق آیات سنتے تو وہ اپنی آوازیں بلند کرتے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے چند صحابہ کو نماز میں امام کے ساتھ قرآن پڑھتے ہوئے سنا، جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے کہا: کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم قرآن مجید کو سمجھو، اور جب قرآن مجید پڑھا جائے تو تم اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو، جیسے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم فرمایا ہے۔ حسن بصری، زہری اور نخعی کا بھی یہی قول ہے کہ یہ آیت نماز میں قرآن پڑھنے کی ممانعت کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور سعید بن جبیر، عطاء اور مجاہد نے کہا: یہ آیت جمعہ کے خطبہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور صحابہ کو یہ حکم دیا گیا کہ جب امام جمعہ کا خطبہ دے تو وہ خاموش ہو کر سنیں، اور سعید بن جبیر نے کہا: یہ آیت عید الاضحیٰ اور عید الفطر اور جمعہ کے خطبہ کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ جب امام جہراً قراءت کرے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو۔ اور عمر بن عبد العزیز نے کہا: یہ ہر واعظ کے وعظ کے وقت خاموش رہنے کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اور زیادہ اولیٰ یہ ہے کہ یہ آیت نماز میں نمازیوں کی قراءت کی ممانعت کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور جمعہ مدینہ میں فرض ہوا تھا۔ اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جب امام خطبہ دے رہا ہو تو اس کو خاموشی سے سننا واجب ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نے جمعہ کے دن اپنے ساتھی سے کہا: چپ کرو اور امام خطبہ دے رہا ہو تو تم نے لغو کام کیا۔ (صحیح البخاری: ۹۳۴، صحیح مسلم: ۸۵۱، الرقم المسلسل: ۱۹۳۳، سنن ترمذی: ۵۱۲، سنن نسائی: ۱۴۰۱،

مسند الحمیدی: ۹۶۶، المنتقی: ۲۹۹، صحیح ابن خزیمہ: ۱۸۰۶، سنن بیہقی ج ۳ ص ۱۹، مصنف عبدالرزاق: ۵۴۱۸، مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۴، طبع قدیم، مسند احمد: ۷۳۳۳، طبع جدید، مسند الطحاوی: ۷۷۷۲)

قراءت خلف الامام کے متعلق مذاہبِ فقہاء

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ ھ، لکھتے ہیں:

نماز میں امام کے پیچھے قرآن مجید پڑھنے کے متعلق اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ امام کے پیچھے قرآن مجید کو پڑھنا واجب ہے خواہ امام بلند آواز سے قرآن پڑھے یا آہستہ آواز سے پڑھے۔ امام اوزاعی اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور عروہ بن الزبیر اور القاسم بن محمد کا مذہب یہ ہے کہ جب امام آہستہ قرآن پڑھے تو اس کے پیچھے نمازی قرآن پڑھیں اور جب امام بلند آواز سے قرآن پڑھے تو پھر نہ پڑھیں۔ الزہری، امام مالک، امام عبداللہ بن المبارک، امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نمازی امام کے پیچھے بالکل قرآن نہ پڑھیں خواہ امام آہستہ قرآن پڑھے یا بلند آواز سے۔ الثوری اور فقہاء احناف کا بھی یہی مذہب ہے۔ ان فقہاء کا استدلال قرآنِ مجید کی اس ظاہر آیت سے ہے: ”وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝“ (اور جب قرآنِ مجید پڑھا جائے تو اے مسلمانو! اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم فرمایا جائے ○)۔

اور جن فقہاء نے نماز میں امام کے پیچھے قرآن پڑھنے کو واجب قرار دیا ہے، انہوں نے کہا: یہ آیت سورۂ فاتحہ کے علاوہ ہے۔ اور جب امام سورۂ فاتحہ پڑھے تو امام کی خاموشی کے وقفہ کے دوران نمازی سورۂ فاتحہ پڑھ لے۔ اور امام کی قراءت میں منازعہ نہ کریں، ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی تو آپ پر قراءت دشوار ہوگئی، آپ نماز سے فارغ ہو کر نمازیوں کی طرف مڑے اور فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے امام کے پیچھے قرآن پڑھ رہے تھے؟ راوی نے کہا: ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہاں اللہ کی قسم! آپ نے فرمایا: ام القرآن یعنی سورۂ فاتحہ کے علاوہ ایسا نہ کرو، کیونکہ جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی، اس کی نماز نہیں ہوئی۔

(سنن ابو داؤد: ۸۲۳، سنن دار قطنی: ج ۱ ص ۳۱۸، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۲۳۸، صحیح ابن حبان: ۱۷۸۵، مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۶، معانی الآثار للطحاوی ج ۱ ص ۲۱۵، صحیح ابن خزیمہ: ۱۵۸۱، صحیح ابو عوانہ ج ۲ ص ۱۲۴، سنن بیہقی ج ۲ ص ۳۷۴، شرح السنۃ: ۵۷۷)

نماز میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے متعلق مذاہبِ فقہاء

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ ھ سنن ابو داؤد: ۸۲۳ کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ نمازیوں پر سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے خواہ نماز آہستہ پڑھی جا رہی ہو یا بلند آواز سے۔ اور سورۂ فاتحہ کے علاوہ بھی امام کے پیچھے نماز میں پڑھنا واجب ہے اور امام احمد، امام مالک اور ایک قول کے مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ صرف جس نماز میں آہستہ قراءت کی جا رہی ہو اس میں سورۂ فاتحہ کا امام کے پیچھے پڑھنا واجب ہے، اور جو جہری نماز

ہو اس میں امام کی قراءت کو غور سے سننا کافی ہے اور امام احمد بن حنبل کے بعض اصحاب یہ کہتے ہیں کہ جہری نماز میں جب امام قراءت کے دوران خاموشی کا وقفہ کرے، اس وقت نمازی سورۂ فاتحہ کو پڑھیں۔ اور بعض فقہاء نے یہ کہا کہ جہری نماز میں اگر نمازی دور ہونے کی وجہ سے امام کی آواز نہیں سن رہا تو جہری نماز میں بھی سورۂ فاتحہ پڑھے۔ اور اگر اس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تب بھی اس کی نماز مکمل ہو جائے گی کیونکہ جس کا امام ہو تو امام کا قرآن پڑھنا مقتدی کا قرآن پڑھنا ہے اور امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل کے اصحاب کے نزدیک یہی چیز معروف ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں عموم ہے ''اذا قرأ فانصتوا'' یعنی جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو۔ امام ترمذی کے سوا باقی صحاح ستہ کی پانچوں کتابوں میں یہ حدیث ہے اور امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ کتاب الخرقی کی شرح (مغنی ابن قدامہ) میں مذکور ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھے، نہ سری نماز میں اور نہ جہری نماز میں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اختلافِ مجتہدین سے نکلنے کے لیے امام کے پیچھے احتیاطاً سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مستحب ہے۔ اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ اس کے متعلق بہت وعیدیں ہیں۔

نماز میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے متعلق وعیدیں اور نماز میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے کے دلائل

(۱) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرتا ہے کاش! اس کے مونہہ میں مٹی بھر دی جائے۔

(شرح معانی الآثار: ۱۲۷۶، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۸۹، مصنف عبد الرزاق: ۲۸۱۰)

(۲) ابراہیم نخعی نے از علقمہ اسی کی مثل روایت کی ہے۔ (شرح معانی الآثار: ۱۲۷۷)

(۳) ابو بجاد نے حضرت سعد سے روایت کیا کہ میری خواہش ہے کہ جو امام کے پیچھے قرآن پڑھے اس کے مونہہ میں انگارے ہوں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۸۲)

(۴) ابراہیم النخعی امام کے پیچھے قرآن پڑھنے کو مکروہ کہتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۹۵)

(۵) ضحاک امام کے پیچھے قرآن پڑھنے سے منع کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۹۷)

(۶) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تمام اصحاب امام کے پیچھے قرآن پڑھنے سے منع کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۹۸، مصنف عبد الرزاق: ۲۸۱۶)

(۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''من قرأ خلف الامام فليس على الفطرة'' (جس نے امام کے پیچھے قرآن پڑھا وہ فطرتِ اسلام پر نہیں ہے)۔ (شرح معانی الآثار: ۱۲۷۲، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے، وہ درج ذیل ہے:

''عن قتادة من الزيادة: واذا قرأ فانصتوا''۔ (قتادہ نے اس حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو)۔

(صحیح مسلم: ۴۰۴، مسند ابو یعلیٰ: ۷۳۲۶، سنن بیہقی ج ۲ ص ۱۵۵، مسند ابو عوانہ ج ۲ ص ۱۳۳، سنن ابن ماجہ: ۸۴۷، سنن دارقطنی: ج ۱ ص ۳۳۰۔۳۳۱، سنن ابو داؤد: ۹۷۳، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۴۲، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۶۱، العلل لدارقطنی ج ۷ ص ۲۵۳، شرح صحیح مسلم للنووی ج ۴

ص ۱۲۳، التمہید لابن عبدالبرج ۱۱ ص ۴۳، مختصر لسنن ابی داؤدج ۱ ص ۳۱۳، حاشیہ نصب الرایہ ج ۲ ص ۱۵، المغنی لابن قدامہ ج ۲ ص ۲۶۱، مسند احمد: ۱۹۵۰۴، ۲۷۰۰۷، ۸۸۸۹، ۱۹۷۲۳، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ، سنن سعید بن منصور المقدمہ ص ۸۳، القراءۃ خلف الامام للبخاری ج ۱ ص ۶۲، مسند البزار ج ۸ ص ۶۳، مسند الرویانی رقم الحدیث: ۵۶۵، صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۸۶۰، مستخرج ابن عوانہ رقم الحدیث: ۱۶۹۸، صحیح ابن حبان: ۲۱۰۷، معرفۃ السنن والآثار: ۳۷۳۷، الاستذکار ج ۱ ص ۴۶۶، شرح علل الترمذی ج ۱ ص ۱۱۷، ۱۵۷، ۴۲۸، عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۵، شرح سنن ابن ماجہ للسیوطی: ج ۱ ص ۶۱، التیسیر لشرح الجامع الصغیر ج ۱ ص ۱۲۱، حاشیۃ السندی علی سنن النسائی ج ۲ ص ۱۴۲، عون المعبود وحاشیہ ابن القیم ج ۳ ص ۱۸۲، العرف الشذی شرح سنن الترمذی ج ۱ ص ۲۵۴، الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج ۲۵ ص ۱۹۲، مختصر تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۹۷، (مکتبۃ الشاملۃ))

امت کا اس پر اجماع ہے کہ مقتدی کے لیے نماز میں جہراً قرآن پڑھنا مکروہ تحریمی ہے خواہ وہ امام کی قراءت نہ سنے۔ اور ان ائمہ کے دلائل یہ احادیث ہیں کیونکہ قراءت نماز کا رکن ہے، پس امام اور مقتدی دونوں اس میں مشترک ہیں خواہ نماز سری ہو یا جہری۔ ہماری دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

''من کان له امام فقراءة الامام له قراءة'' (جس شخص کا کوئی امام ہو، سو امام کی قراءت اس شخص کی قراءت ہے)۔

''من کان له امام فقراءة الامام له قراءة'' کی تخریج

(موطا امام مالک: ۱۲۴ (ص ۹۲)، موطا امام محمد: ۱۱۷، مصنف عبدالرزاق: ۲۷۹۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۷۹، ۳۸۰۲، ج ۱ ص ۳۷۶، مسند احمد: ۱۴۶۴۳، المنتخب من مسند عبد بن حمید: ۱۰۵۱، القراءۃ خلف الامام للبخاری: ۳۳۴، ۳۳۵، سنن ابن ماجہ: ۸۵۰، شرح معانی الآثار: ۱۲۵۲، ۱۲۵۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی، المعجم الاوسط للطبرانی: ۷۸۹۹، ۷۹۰۳، سنن الدارقطنی ج ۱ ص ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۳۱، سنن بیہقی ج ۲ ص ۱۵۹، ۱۶۰، رقم الحدیث: ۱۲۳۳، ۱۲۳۸، ۱۲۵۳، ۱۲۶۴، ۱۵۰۴، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۹، رقم الحدیث: ۲۸۹۷، ۲۸۹۸، معرفۃ السنن والآثار: ۹۱۶، العرف الشذی شرح سنن الترمذی: ج ۱ ص ۲۵۴، الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۷۰۶، ج ۷ ص ۷۷۴، مسند ابوحنیفہ ص ۳۰۷، القراءۃ للبیہقی ۳۵۰، ۳۵۲، ۳۵۳، تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۳۴۰، ج ۱۳ ص ۹۴، العلل المتناہیۃ لابن الجوزی: ۷۲۷، ہم نے یہ تخریج المکتبۃ الشاملہ سے نقل کر کے اصل کتب حدیث میں تحقیق کر کے لکھی ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

حدیث مذکور پر ایک غیر مقلد کے معارضہ کا جواب

ایک غیر مقلد نے اس حدیث سے معارضہ کرتے ہوئے کہا: اس طرح تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے ''من کان له امام فزوجة الامام له زوجة'' (جس شخص کا امام ہو تو امام کی بیوی اس نمازی کی بیوی ہے)۔ میں کہتا ہوں: ان لوگوں کو حیا نہیں آتی، یہ حدیث رسول کے مقابلہ میں حدیث گھڑتے ہیں اور اس حدیث سے معارضہ کرتے ہیں جو مذکور الصدر بکثرت دلائل اور حوالہ جات سے ثابت ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے پر اہلِ اسلام کا اجماع

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

صاحب ہدایہ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ نے کہا ہے کہ اس پر صحابہ کا اجماع ہے اور امام کمال الدین عبدالواحد بن الہمام المتوفی ۸۶۱ھ نے کہا ہے کہ جب امام کے پیچھے قرآن نہ پڑھنے پر صحابہ کا اجماع ہے تو اس کی بناء پر اس کے

خلاف اس حدیث کی تخصیص کرنا واجب ہے جس میں مذکور ہے ''فلا تقرؤا بشیء من القرآن اذا جھرتُ الا بام القرآن'' (جب میں بلند آواز سے نماز میں قرآن پڑھوں تو میرے پیچھے سوائے سورۂ فاتحہ کے اور قرآن مجید نہ پڑھو)۔ (سنن ابوداؤد: ۸۱۹، سنن ترمذی: ۳۱۱، سنن نسائی: ۹۲۰) (لمعات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح، ج ۳ ص ۱۴۹۔ ۱۵۰ ملتقطاً و مضیفاً و مخرّ جاً، مکتبہ محمدیہ، کراچی)

امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی حدیث کی مصنف کے نزدیک تحقیق

جیسا کہ بکثرت احادیث اور آثار سے واضح ہو گیا کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے، اب اگر مقتدی بھی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھے تو ایک نماز میں دو بار سورۂ فاتحہ پڑھنا متحقق ہو گا اور یہ جائز نہیں ہے۔ سو (سنن ابوداؤد: ۸۱۹) کی تاویل یہ ہے کہ جب کوئی شخص امام کے پیچھے ہو اور امام سورۂ فاتحہ پڑھے تو وہ دل میں سورۂ فاتحہ کے معانی پر غور کرے اور اس تاویل کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

''عن ھشام بن زھرۃ یقول: سمعت اباھریرۃ رضی اللہ عنہ یقول قال رسول اللہ ﷺ: من صلی صلاۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج غیر تمام فقلت یا اباھریرۃ انی اکون احیانا وراء الامام قال اقرأبھا فی نفسک، فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: قال اللہ تعالیٰ: قسمت الصلاۃ بینی وبین عبدی نصفین، ولعبدی ماسال، فاذا قال العبد: الحمد للہ رب العالمین، قال اللہ تعالیٰ حمدنی عبدی، واذا قال الرحمٰن الرحیم، قال اللہ تعالیٰ: اثنی علی عبدی، فاذا (واذا) قال: مالک یوم الدین، قال: مجدنی عبدی، وقال مرۃ: فوض الی عبدی۔ فاذا قال ایاک نعبد وایاک نستعین، قال: ھذا بینی وبین عبدی، ولعبدی ماسال، فاذا قال: اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین، قال: ھذا لعبدی ولعبدی ماسال۔

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے ایسی نماز پڑھی جس میں سورۂ فاتحہ کو نہیں پڑھا، آپ نے تین بار فرمایا: اس کی وہ نماز ناقص ہے، نامکمل ہے۔ پس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم اپنے دل میں پڑھو، کیونکہ میں نے نبی ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: میرے اور میرے بندہ کے درمیان صلوٰۃ یعنی سورۂ فاتحہ کو نصف نصف تقسیم کر دیا گیا ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرتا ہے، پس جب بندہ کہتا ہے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ''، اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: میرے بندہ نے میری حمد کی، اور جب بندہ پڑھتا ہے ''الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ ''، اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: میرے بندہ نے میری ثناء کی اور جب بندہ کہتا ہے ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ '' اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: میرے بندہ نے میری تعظیم کی اور جب کہتا ہے ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ '' تو اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرتا ہے، پس جب بندہ کہتا ہے: ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ○ '' اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: یہ میرے بندہ کے لیے ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرتا ہے)۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۹۵، رقم المسلسل: ۸۷۶، رقم الباب: ۳۸، سنن ابوداؤد: ۸۱۶، سنن ترمذی: ۲۹۵۳، سنن ابن ماجہ: ۸۳۸، سنن نسائی:

۹۰۵، موطا امام مالک: ۱۹۲، شرح معانی الآثار: ۱۲۵۰، مسند احمد: ۷۲۹۵، ۷۸۳۶، مصنف عبدالرزاق: ۲۷۶۷، القراءۃ خلف الامام للبخاری: ۷۵، مسند ابوعوانہ ج ۲ ص ۱۲۷، القراۃ خلف الامام للبیہقی: ۵۳، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

سنن ترمذی میں ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مذکور ہے: ''قال یا ابن الفارسی فاقرھا فی نفسک ۔۔۔ الخ'' (سنن ترمذی: ۲۹۵۳)۔ (اے فارسی کے بیٹے! تم اس کو اپنے دل میں پڑھو)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور آپ اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے یاد کیجئے، اور آواز بلند کیے بغیر زبان سے صبح اور شام کے وقت یاد کیجئے اور غفلت کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں O''

(الاعراف: ۲۰۵)

''وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی نماز میں دل میں قراءت کرو۔ جس کا خلاصہ ہے کہ امام قرآن مجید کی جن آیات کی تلاوت کرے، اُن کے معانی میں تدبر اور تفکر کرو۔ ''تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً'': یعنی مجھ سے گڑگڑاتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے سوال کرو۔ یہ سرّی نماز پر محمول ہے۔ ''وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ'': یعنی جہری نماز کے اندر زیادہ بلند آواز سے قراءت نہ کرو بلکہ آہستہ قراءت کرو۔ ''بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ'': یعنی صبح، دوپہر اور سہ پہر کی نماز میں، عصر اور مغرب کے درمیان جو نمازیں آتی ہیں۔ ''وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ ۞'': اور غافلوں میں سے نہ ہو جائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جو لوگ آپ کے رب کی بارگاہ میں مقرب ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور وہ اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اسی کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں O'' (الاعراف: ۲۰۶)

''إِنَّ الَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ'': یعنی ملائکہ مقربین۔ ''لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ'': وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کو اپنی بڑائی کے خلاف نہیں سمجھتے۔ ''وَيُسَبِّحُونَهُ'': وہ اللہ عزوجل کی عیوب اور نقائص سے تنزیہہ بیان کرتے ہیں اور اللہ عزوجل کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں: سبحان اللہ!۔ (مدارک التنزیل وحقائق التاویل ج ۱ ص ۶۲۴-۶۲۸، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ، معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۵۷-۲۶۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

سجدہ کی فضیلت میں احادیث اور آثار

''وَلَهُ يَسْجُدُونَ ۞'': حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابنِ آدم جب آیتِ سجدہ پڑھتا ہے، پس سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا بھاگ جاتا ہے، سو کہتا ہے: ہائے افسوس! ابن آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا، سو اس کے لیے جنت ہے اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا تو میں نے نافرمانی کی تو میرے لیے دوزخ ہے۔

(صحیح مسلم: ۸۱، ابن ماجہ: ۱۰۵۲، مسند احمد: ۹۷۱۳، صحیح ابن حبان: ۲۷۵۹)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو بندہ بھی اللہ عزوجل کے لیے ایک سجدہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند فرما دیتے ہیں اور اس کی ایک برائی کو مٹا دیتے ہیں۔

(صحیح مسلم: ۴۸۸، سنن ترمذی: ۳۸۸، سنن نسائی: ج ۲ ص ۲۲۸، سنن ابن ماجہ: ۱۴۲۳، مسند احمد: ۲۲۳۷۰، ۲۲۳۷۷، ۲۲۴۴۲، ۲۲۴۴۴، مصنف ابن

ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۹۸۶، صحیح ابن خزیمہ: ۳۱۶، صحیح ابن حبان: ۱۷۳۵، شرح السنہ للبغوی: ۶۵۵، مصنف عبدالرزاق: ۴۸۴۶)

''عن ابی ذر الغفاری رضی اللہ عنہ الساجد یسجد علی قدمی اللہ تعالیٰ''۔

(حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سجدہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے دو قدموں پر سجدہ کرتا ہے)۔

(التیسیر شرح جامع الصغیر ج ۱ ص ۱۲۰)

سجدۂ تلاوت کے متعلق مذاہبِ ائمہ

امام مالک کے نزدیک گیارہ سجدۂ تلاوت ہیں، ان میں المفصل یعنی النجم، الانشقاق اور العلق کے تین سجدے شامل نہیں ہیں۔

(موطا امام مالک، باب ماجاء فی سجود القرآن ج ۱ ص ۱۳۳، المکتبۃ التوفیقیہ)

امام شافعی کے قولِ جدید کے مطابق چودہ سجدے ہیں، ان میں سورۂ ص کا سجدہ نہیں ہے اور الحج کا دوسرا سجدہ شامل ہے۔

(المہذب ج ۱ ص ۸۵، دارالفکر، بیروت)

امام احمد کے نزدیک بھی اسی طرح چودہ سجدے ہیں۔ (الکافی ج ۱ ص ۲۷۲، ملخصاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی چودہ سجدے ہیں، ان میں سورۂ ص کا سجدہ شامل ہے اور سورۂ الحج کا دوسرا سجدہ شامل نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد تینوں کے نزدیک المفصل کے تینوں سجدے شامل ہیں، صرف امام مالک کے نزدیک یہ شامل نہیں ہیں، ان کے نزدیک کل گیارہ سجدے ہیں۔

سجدۂ تلاوت کا شرعی حکم

اس میں اختلاف ہے کہ آیا سجدۂ تلاوت سنت ہے یا واجب ہے؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت سجدہ کی آیت پڑھنے والے پر اور اس کو سننے والے دونوں پر واجب ہے، خواہ اس نے اس آیت کو سننے کا قصد کیا ہو یا نہیں۔

اس پر صاحب ہدایہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے: جس نے آیت سجدہ کی تلاوت کی یا اس کو سنا اس پر سجدہ کرنا واجب ہے، علامہ ابن ہمام نے کہا: اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

(فتح القدیر ج ۲ ص ۱۳، مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت عنقریب آ رہی ہے)

سجدۂ تلاوت کے وجوب کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات

سجدۂ تلاوت کے وجوب پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان آیات سے استدلال کیا ہے:

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ۩﴿۲۱﴾ (الانشقاق: ۲۰-۲۱)

انہیں کیا ہوا وہ کیوں ایمان نہیں لاتے ○ اور جب ان پر قرآن کی تلاوت کی جائے تو وہ سجدہ کیوں نہیں کرتے ○!

وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں سجدہ تلاوت نہ کرنے والوں کی مذمت فرمائی گئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت ادا کرنا واجب ہے۔

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۩﴿۶۲﴾ (النجم: ۶۲)

اللہ کے لیے سجدہ کرو اور عبادت کرو ○

وجہ استدلال یہ ہے کہ اس میں سجدہ کرنے کا حکم ہے اور حکم وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ ۔۔۔ (العلق: ١٩) اور سجدہ کریں اور اللہ کے قریب ہو جائیں O

اس آیت میں بھی امر ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

سجدۂ تلاوت کے ثبوت میں آثار صحابہ اور فقہاء تابعین کے اقوال

عطیہ بیان کرتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت اس پر ہے جس نے آیت سجدہ کو سنا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۲۵۲ مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۲۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

ابراہیم، نافع اور سعید بن جبیر نے کہا: جس نے آیت سجدہ کو سنا اس پر واجب ہے کہ وہ سجدہ کرے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۲۴۹ مجلس علمی، بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ، ۴۲۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم نے کہا: جب کوئی شخص بے وضو ہو اور وہ آیت سجدہ کو سنے تو وہ وضو کرے، پھر آیت سجدہ کو پڑھے، پس سجدہ کرے۔ (الحدیث)۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۳۲۵ مجلس علمی، بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۳۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

منصور بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم نے کہا: جو شخص آیت سجدہ کو سنے اور وہ بے وضو ہو تو اگر اس کے پاس پانی ہو تو وہ وضو کرے اور سجدۂ تلاوت کرے اور اگر اس کے پاس پانی نہ ہو تو وہ تیمم کرے اور سجدہ کرے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۳۵۸ مجلس علمی، بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۳۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

دس آیاتِ سجدہ متفق علیہا ہیں

امام طحاوی فرماتے ہیں: دس سجودِ تلاوت میں فقہاء کا اتفاق ہے، ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۩ ۔ (الاعراف: ٢٠٦)

(۲) وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۩ (الرعد: ١٥)

(۳) يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۩ (النحل: ٥٠)

(۴) وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۩ (بنی اسرائیل: ١٠٩)

(۵) اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۩ (مریم: ٥٨)

(۶) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۔۔ (الحج: ١٨)

(۷) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ ۔۔ (الفرقان: ٦٠)

(۸) اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۩ ۔۔ (النمل: ٢٦)

(۹) اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا ۔۔ (السجدہ: ١٥)

(۱۰) فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ۩ (حم السجدہ: ٣٨)

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۴۶۷۔۴۶۶، قدیمی کتب خانہ، کراچی)
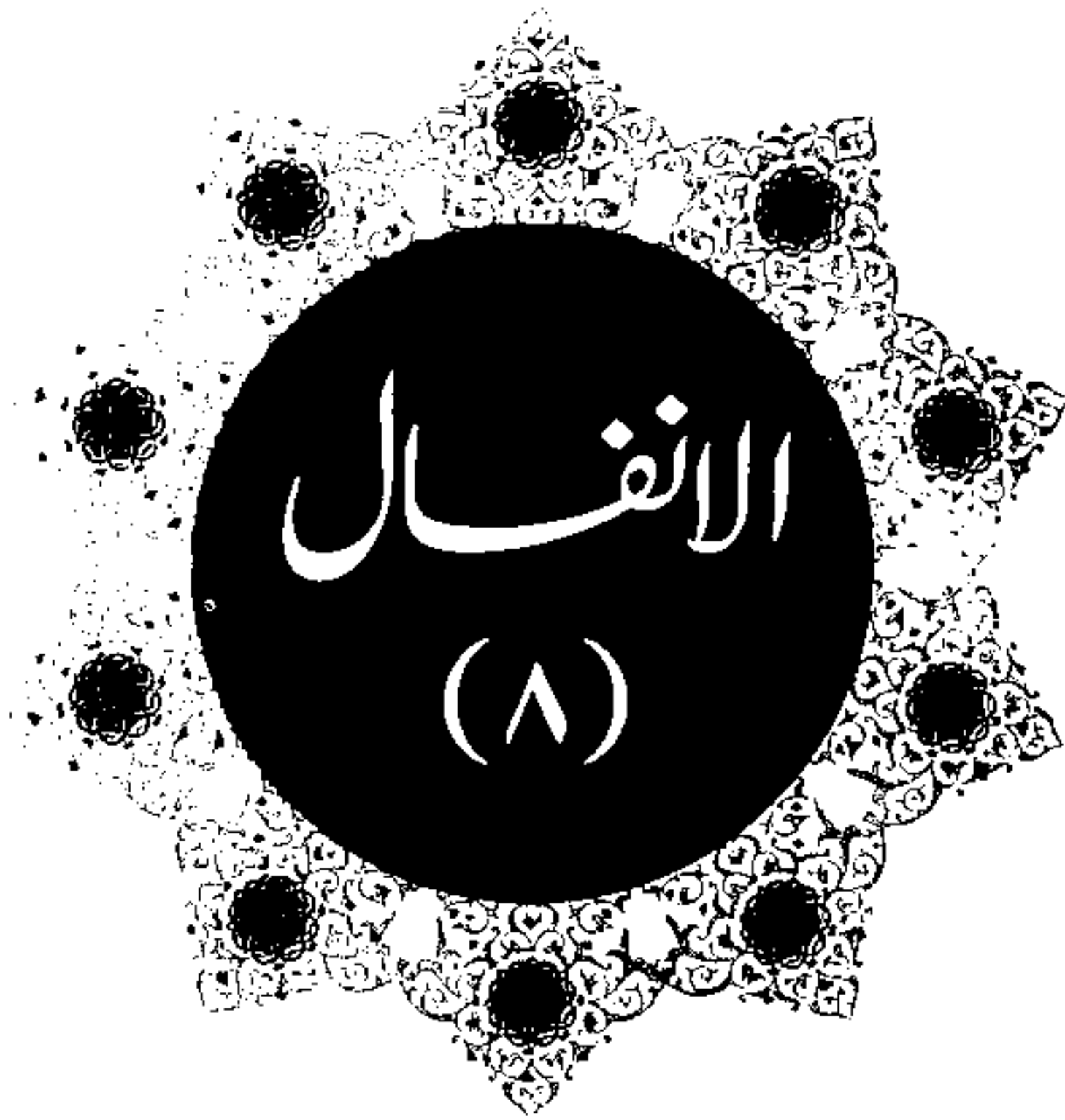
الانفال
(٨)

سورۃ الانفال کا اجمالی تعارف

اس سورۃ کا نام سورۃ الانفال ہے اور یہ سورۃ الاعراف سے ماخوذ ہے۔ انفال کا لفظ نفل کی جمع ہے۔

امام اسماعیل بن حماد الجوہری المتوفی ۳۹۸ھ لکھتے ہیں:

نفل و النافلۃ: اس عطیہ کو کہتے ہیں جس کا دینا واجب نہ ہو، اور اسی سے نفلی نماز ماخوذ ہے۔

(معجم الصحاح ص ۱۰۶۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لکھتے ہیں:

النَّفَل: الغنیمۃ و الھبۃ، اس کی جمع الانفال اور نفال ہے۔ ''نَفَّلْت فلانا تنفیلا'' یعنی کسی شخص کو کوئی چیز عطا کی یا مالِ غنیمت عطا کیا۔ ''نَفَّلَ الامام الجند'' امیرِ لشکر نے لشکر کو مالِ غنیمت عطا کیا۔ اور النافلۃ کا معنی ہے: مالِ غنیمت۔ قرآن مجید میں مذکور ہے: ''یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ۔۔۔ (الانفال: ۱)'' (اے رسولِ اکرم! لوگ آپ سے مالِ غنیمت کے متعلق سوال کرتے ہیں)۔ لوگ آپ سے اس لئے سوال کرتے تھے کہ پچھلی امتوں پر مالِ غنیمت کا لینا حرام تھا، پس اللہ عزوجل نے اس امت کے لیے غنیمتوں کو حلال فرمادیا۔ (لسان العرب ج ۱۴ ص ۲۲۷، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء)

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، لکھتے ہیں:

النَّفَل: اس لفظ میں ہر حرف پر زبر ہے۔ ''التنزیل العزیز'' میں ارشاد ہے: ''یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ۔۔۔ (الانفال: ۱)''۔ کہا جاتا ہے الانفال سے مراد الغنائم ہیں۔ الازہری نے بیان کیا کہ یہ سوال اس لئے کیا گیا کہ مسلمانوں کو غنائم کی وجہ سے پچھلی امتوں پر فضیلت عطا فرمائی گئی ہے کیونکہ ان کے لیے غنائم حلال نہیں تھیں۔

(تاج العروس من جواہر القاموس، جز ۱۳ ص ۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

یہ سورت ہجرت کے بعد ۲ ہجری میں نازل ہوئی جب کہ غزوۂ بدر واقع ہوا تھا۔ اس سے پہلے سورۃ الاعراف اور سورۃ الانعام مکی سورتیں تھیں، البتہ سورۃ المائدہ، النساء، آل عمران اور البقرہ مدنی تھیں، اسی طرح یہ سورۂ مبارکہ بھی مدنی ہے۔ اس کے بعد آنے والی سورۂ توبہ بھی مدنی ہے، اور ان دونوں سورتوں کا مضمون باہم متقارب ہے۔ سورۃ الانفال ہجرت کے ابتدائی دور میں نازل فرمائی گئی جب کہ سورۃ التوبہ ۹ ہجری کے بعد نازل فرمائی گئی ہے۔

سورۃ الانفال میں غزوۂ بدر کے واقعات کا ذکر ہے جب کہ سورۃ التوبہ غزوۂ تبوک کے واقعات پر مشتمل ہے، تاہم یہ دونوں سورتیں جہاد اور اس کے قوانین کے متعلق ہیں۔

سورۃ الانفال کی گزشتہ سورتوں کے ساتھ مناسبت

سورۃ البقرہ میں زیادہ تر خطاب یہود کی جانب متوجہ تھا لہٰذا ''یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ۔۔۔ (البقرہ: ۴۰)'' سے لے کر ''وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ (البقرہ: ۱۲۳)'' بنی اسرائیل سے خطاب ہے۔

سورۂ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو موضوع خطاب بنایا ہے لہٰذا سورت کی ابتداء سے لے کر ''وَاِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

(آل عمران: ۸۳)'' عیسائی فرقہ کا رد فرمایا ہے۔

پھر سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ دونوں میں خصوصاً اہلِ عرب کو ایمان کی دعوت دی گئی ہے، ان سورتوں میں زمانۂ جاہلیت کے عربوں کی بد عقیدگی کا ذکر فرما کر اُن کی اصلاح فرمائی گئی ہے۔ عقیدہ اور عمل دونوں میں زمانۂ جاہلیت کے عرب نے جو برائیاں کی تھیں اُن کی نشاندہی فرمائی ہے اور کھانے پینے میں حلال اور حرام اور معاشرت میں نکاح اور طلاق کے متعلق صحیح طریقہ کی رہنمائی فرمائی ہے۔

سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں مجوسیوں کا ذکر فرمایا ہے، مجوسی آگ کی پرستش کرتے تھے اور دو خداؤں کو مانتے تھے، ان کے نزدیک یزداں اور اہرمن دو الگ الگ خدا ہیں۔ یزداں خیر اور نور کا خالق ہے اور اہرمن شر اور ظلمت کا خالق ہے۔

سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کے انسانوں سے خطاب فرمایا ہے اور اُن سب کے سامنے قرآنِ کریم کی دعوت پیش فرمائی ہے، اس سورتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر تمام انبیاء علیہم السلام کی تاریخ بیان فرمائی ہے، مختلف نبیوں کی دعوت اور اس دعوت کے مقابلہ میں اُن کی قوموں کے ردِ عمل کا ذکر فرمایا ہے۔ اور آخر میں ''یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا۔۔۔ (الاعراف: ۱۵۸)'' سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اقوامِ عالم کی طرف بعثت کا ذکر فرمایا ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے توحید کا پیغام سنایا تو مکہ کے مشرکین آپ کے مخالف ہو گئے اور آپ پر اور آپ کے پیروکاروں پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن مخالفین کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دی اور یہی ارشاد فرمایا: ''فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔۔۔ (البقرہ: ۱۰۹)'' (سو تم (ان کو) معاف کر دو اور (ان سے) درگزر کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا (کوئی اور) حکم نازل فرما دیں)۔ پھر ۲ ہجری میں مسلمانوں کو کفار کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت دی: ''فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ۔۔۔ (التوبۃ: ۵)'' (اے مسلمانو! تم مشرکین کو جہاں پاؤ انہیں قتل کر ڈالو اور ان کو گرفتار کرو اور ان کا محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو)۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جاھدوا المشرکین بالسنتکم وانفسکم واموالکم وایدیکم'' (مشرکین سے اپنی زبانوں سے اور اپنی جانوں سے اور اپنے مالوں سے اور اپنے ہاتھوں سے جہاد کرو)۔

(مسند احمد: ۱۲۵۵۵، مسند عبد بن حمید: ۱۲۹۳، ۱۳۳۸، صحیح مسلم: ۸۹۶، سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۵۷، سنن ابوداؤد: ۱۱۷۱، ۱۴۸۷، صحیح ابن خزیمہ: ۱۴۱۲، اتحاف المہرۃ ج ۱ ص ۴۷۲، سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۵۷، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

جہاد کا اصل مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے یعنی دینِ اسلام کا غلبہ۔ تاہم اس مقصد کی تکمیل کے ساتھ چند زائد چیزیں بھی حاصل ہوتی ہیں، یعنی جب دشمن مغلوب ہو جاتا ہے اور وہ میدانِ جنگ میں اپنا مال چھوڑ جاتا ہے تو فاتح قوم اس مال کو ضبط کر لیتی ہے، اس کو مالِ غنیمت کہا جاتا ہے۔ گزشتہ امتوں میں فاتح قوم کے لیے یہ مال حلال نہیں تھا، لہٰذا اس قسم کا سارا مال اکٹھا کر کے ایک جگہ پر رکھ دیا جاتا تھا، آسمان سے آگ نازل ہوتی جو اس مال کو جلا کر خاک کر دیتی تھی، تاہم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس مالِ غنیمت کو حلال فرما دیا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ جو مال دشمن سے جنگ کر کے حاصل کیا جائے وہ مالِ غنیمت کہلاتا ہے اور جو مال کفار چھوڑ کر بھاگ جائیں اس مال کو فئے کہا جاتا ہے۔ مالِ غنیمت کا حکم تو سورۃ الانفال میں آ رہا ہے کہ یہ مال کن مدات میں خرچ کیا جائے گا اور مالِ فئے کا حکم سورۂ حشر میں آئے گا۔

آیاتھا ۷۵ ۸ سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ ۸۸ رکوعاتھا ۱۰

(سورۃ الانفال مدنی ہے اور اس میں پچھتر آیات اور ۱۰ رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں

يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱

(اے رسولِ اکرم!) لوگ آپ سے غنیمتوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں، آپ کہیے: غنیمتیں اللہ کے لیے ہیں اور رسول کے لیے ہیں، سو تم اللہ سے ڈرتے رہو اور (غنیمت کی تقسیم میں اختلاف نہ کرو) اور اپنے باہمی معاملات کو درست رکھو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتے رہو اگر تم کامل مومن ہو O

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲

مومن صرف وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دل خوف زدہ ہو جائیں اور جب اُن کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کی جائے تو اُن کا ایمان زیادہ ہو جائے اور وہ صرف اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں O

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ ؕ

جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ اُن کو عطا فرمایا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں O

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴ ۚ

یہی لوگ درحقیقت کامل مومن ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے پاس بلند درجات ہیں اور (ان کے رب کی طرف سے) مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے O

كَمَاۤ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵ ۙ

(اے رسولِ اکرم!) جس طرح آپ کے رب نے حق کے ساتھ آپ کو آپ کے گھر سے جہاد کے لیے باہر نکالا اور یقیناً اس وقت

مسلمانوں کا ایک گروہ اس کو دشوار سمجھ رہا تھا O

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿٦﴾

وہ لوگ حق کو ظاہر ہونے کے بعد آپ سے اس میں بحث کر رہے تھے گویا کہ وہ زبردستی موت کے مونہہ میں دھکیلے جا رہے ہوں اور وہ (موت کو) اپنے سامنے دیکھ رہے تھے O

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧﴾

اور (اے مسلمانو!) یاد کرو! جب اللہ تم سے یہ وعدہ فرما رہے تھے کہ دو گروہوں میں سے ایک گروہ یقیناً تمہارے لیے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ تمہارے ہاتھ لگے، اور اللہ یہ ارادہ فرما رہے تھے کہ وہ حق کو اپنے کلمات سے ثابت فرما دیں اور کفار کی جڑ کاٹ دیں O

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٨﴾

تا کہ اللہ حق کو ثابت فرما دیں اور ناحق کو باطل فرما دیں خواہ مجرم لوگ اس کو ناپسند کرتے ہوں O

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴿٩﴾

(اور یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، سو اس نے تمہاری فریاد سن لی کہ میں لگا تار آنے والے ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد فرمانے والا ہوں O

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠﴾

اور اللہ نے اس مدد کو صرف (تمہارے لیے) خوش خبری بنایا تھا اور اس لیے کہ اس مدد سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اور مدد صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، بے شک اللہ بہت غالب اور بے حد حکمت والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) لوگ آپ سے غنیمتوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں، آپ کہیے: غنیمتیں اللہ کے لیے ہیں اور رسول کے لیے ہیں، سو تم اللہ سے ڈرتے رہو اور (غنیمت کی تقسیم میں اختلاف نہ کرو) اور اپنے باہمی معاملات کو درست رکھو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتے رہو اگر تم کامل مومن ہو O'' (الانفال:١)

الانفال کا معنی

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، الانفال ۱ تا ۱۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ": لبید بن ربیعہ المتوفی ۱۴۰ھ جو زمانہ جاہلیت کے شعراء میں سے ہیں اور السبع المعلقات کے قصائد میں سے کسی ایک قصیدہ کے مؤلف ہیں (الاعلام ج ۵ ص ۲۴۰)، انہوں نے کہا ہے کہ الانفال کا واحد نفل ہے اور اس کا معنی غنیمت ہے۔ (خزانۃ الادب ج ۱ ص ۳۳۷۔۳۳۹)

الانفال: ۱ کا سببِ نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ مسلمان آپ سے الانفال کے متعلق سوال کرتے تھے، کیونکہ اس سے پہلے گزشتہ امتوں پر غنیمتیں حرام تھیں، سو لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غنیمتوں کے متعلق سوال کیا، تب یہ آیت نازل ہوئی کہ "لوگ آپ سے غنیمتوں کے متعلق سوال کرتے ہیں"۔

(سنن ابوداؤد: ۲۷۳۷، ۲۷۳۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۳۵۶، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۱۳۱، صحیح ابن حبان: ۵۰۹۳، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۹۱، مصنف عبدالرزاق: ۹۴۸۳، ۹۳۳۴)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کی طرف نکلے، سو آپ کا دشمن سے مقابلہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دے دی، مسلمانوں کی ایک جماعت کفار کو قتل کر رہی تھی اور مسلمانوں کی دوسری جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حفاظت میں لے کر آپ کا احاطہ کیا ہوا تھا اور پہلی جماعت لشکر کو لوٹنے میں مشغول ہوگئی، انہوں نے کہا کہ ہم نے دشمن کو للکارا اور اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دے دی تو اب یہ لوٹ کا مال اور مالِ غنیمت ہمارے لیے ہوا اور دوسری جس جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احاطہ کر کے آپ کو اپنی حفاظت میں لیا ہوا تھا اس نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حفاظت میں لیا تاکہ دشمن آپ کو کوئی ضرر نہ پہنچائے، لہٰذا یہ مالِ غنیمت ہمارے لیے ہوگا، اور جن لوگوں نے کفار کے لشکر پر غلبہ پایا تھا اور ان کا مال لوٹ لیا تھا، انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! تم اس مالِ غنیمت کے ہم سے زیادہ حق دار نہیں ہو بلکہ یہ مالِ غنیمت ہمارے لیے ہے، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: "قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ" (آپ کہیے: غنیمتیں اللہ کے لیے ہیں اور رسول کے لیے ہیں، سو تم اللہ سے ڈرتے رہو اور (غنیمت کی تقسیم میں اختلاف نہ کرو) اور اپنے باہمی معاملات کو درست رکھو)۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں فریقوں کے درمیان مالِ غنیمت کو برابر برابر تقسیم فرمادیا۔

(سنن ابوداؤد: ۲۷۳۴، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۱۳۱، ۱۳۲، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۹۱، تفسیر الطبری ج ۱۱ ص ۱۳، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)

السدی نے کہا ہے: پہلے غنیمتیں اللہ اور اس کے رسول کے لیے تھیں، پھر اس کو درج ذیل آیت سے منسوخ فرمادیا: "وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ--- (الانفال: ۴۱)" (اور اے مسلمانو! یاد رکھو تم نے جو کچھ مالِ غنیمت حاصل کیا ہے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے ہے اور (رسول کے) قرابت داروں کے لیے ہے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے بشرطیکہ تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو)۔ (تفسیر الطبری ج ۱۱ ص ۲۳، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، کتاب الاموال للابی عبید: ۷۶۴، کتاب الناسخ للنحاس ص ۴۵۲)

''فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ'': عکرمہ اور مجاہد نے بیان کیا: یعنی تم سب غنیمت کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے رہو اور اپنے معاملات درست رکھو۔

''وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ'': یعنی غنیمت کے معاملہ میں اور تمام معاملات میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کرتے رہو۔ ''اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○'': یعنی اگر تم اپنے ایمان کے دعویٰ میں سچے ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ تم غنیمت کے معاملہ میں ایک دوسرے سے لڑنے اور جھگڑنے کو چھوڑ دو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''مومن صرف وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دل خوف زدہ ہو جائیں اور جب اُن کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کی جائے تو اُن کا ایمان زیادہ ہو جائے اور وہ صرف اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں ○'' (الانفال: ۲)

مومنین کاملین کا مصداق

''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ'': پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ اگر تم دعویٔ ایمان میں سچے ہو تو غنیمت کے معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر عمل کرو، اب یہ بتایا کہ درحقیقت مومن کون ہوتے ہیں، یعنی مومن وہ ہوتے ہیں کہ جب انہیں کسی کام کا حکم دیا جائے تو اس کی تصدیق کریں لہٰذا جب انہیں مالِ غنیمت میں جھگڑے کو ترک کرنے کا حکم فرمایا تو مومنوں کے دل خوف زدہ ہو گئے، مومن اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے پر عذاب سے ڈر گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول فرما لیا۔

''وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ'': یعنی جب اُن پر اللہ تعالیٰ کے کلام کی آیات کی تلاوت کی گئی۔ ''زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا'': تو اُن کا اللہ تعالیٰ پر ایمان اور قوی ہو گیا۔ ''وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ○'': یعنی انہوں نے اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ دیے اور اُن کے ہاتھوں میں جو مالِ غنیمت تھا اس پر ان کا اعتماد نہ رہا اور اُن کو یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اُن کے رازق ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ اُن کو عطا فرمایا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں ○ یہی لوگ درحقیقت کامل مومن ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے پاس بلند درجات ہیں اور (ان کے رب کی طرف سے) مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے ○'' (الانفال: ۳۔۴)

''اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ'': یعنی جو نمازوں کو اپنے اوقات میں خضوع اور خشوع کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

''وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ○'': یعنی ہم نے اُن کو جو اموال عطا فرمائے ہیں، ان اموال کو ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

''اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا'': یعنی جو مسلمان ان صفات کے حاملین ہیں، وہی درحقیقت مومنینِ کاملین ہیں۔

''لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ'': یعنی آخرت میں اُن کو فضیلتیں حاصل ہوں گی اور ان کے اعمال کے اعتبار سے ان کو بلند درجات ملیں گے۔ ''وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ○'': یعنی اللہ عزوجل ان کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے اور جنت میں ان کو بہترین ثواب عطا فرمائیں گے۔ (تفسیر الطبری ج ۱۱ ص ۲۸، دار عالم الکتب، ریاض ۱۴۲۴ھ، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۶۵۵، ۱۶۵۶)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) جس طرح آپ کے رب نے حق کے ساتھ آپ کو آپ کے گھر سے جہاد کے لیے باہر نکالا اور یقیناً اس وقت مسلمانوں کا ایک گروہ اس کو دشوار سمجھ رہا تھا O'' (الانفال: ۵)

غزوۂ بدر کا پس منظر و پیش منظر

''كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝'': القشیری نے کہا: ان لوگوں نے مالِ غنیمتوں کی برابر برابر تقسیم کو اس طرح طبعاً ناپسند کیا جس طرح ان لوگوں نے آپ کے ساتھ دشمن کے مقابلہ کے لیے نکلنے کو ناپسند کیا تھا، اسی طرح ہم جس کو چاہتے ہیں مالِ غنیمت عطا فرماتے ہیں خواہ کچھ لوگ اس کو ناپسند کرتے ہوں۔ اور اس کی تفسیر یوں بھی کی گئی ہے کہ آپ اپنے طریقہ پر عمل کرتے رہیں جس طرح آپ کے رب عزوجل نے آپ کو حق کے ساتھ آپ کے گھر سے نکالا تھا، اگرچہ مومنین کی ایک جماعت اس کو طبعاً ناپسند کرتی تھی۔

یہ غزوۂ بدر کی طرف نکلنے کے بعد کا واقعہ ہے، غزوۂ بدر ہجرت کے دوسرے سال مدینہ منورہ میں واقع ہوا اور اسی سال میں بیت المقدس سے مسجدِ حرام کی طرف قبلہ کو منتقل کیا گیا تھا، اور غزوۂ بدر رمضان کے مہینہ میں وقوع پذیر ہوا اور اس کا قصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ قریش کا ایک قافلہ شام سے مکہ کی طرف آنے کے لیے نکلا ہے، یہ قافلہ ابوسفیان بن حرب اور مخرمہ بن نوفل کی قیادت میں چالیس مردوں پر مشتمل تھا، یہ لوگ تجارِ قریش تھے، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: یہ قریش کا قافلہ ہے جو شام سے مکہ کی طرف آ رہا ہے تم اس کی طرف بڑھو، شاید کہ اللہ تمہیں اس قافلہ سے مال عطا فرمائیں اور تم اس مال سے اپنے دشمن کے خلاف جہاد پر مدد حاصل کرو، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جُہینہ کے دو مردوں کو روانہ فرمایا، وہ دونوں انصار کے حلیف تھے بایں طور کہ وہ اس قافلہ کی گھات میں رہیں، اور قافلہ کی خبر لے کر آئیں، پس وہ دونوں گئے اور وادیٔ الصفراء میں پہنچے، یہ جگہ شام کے راستہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر تھی، پس اُن دونوں نے اہل الصفراء سے پوچھا: کیا تم نے کسی کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، وہ دونوں نکلے پس دو لڑکیوں کے پاس سے گزرے، اُن میں سے ایک لڑکی نے دوسری سے کہا: تم نے جو میرا ایک درہم دینا تھا وہ مجھے ادا کرو، دوسری نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم آج میرے پاس کوئی درہم نہیں ہے لیکن قریش کا قافلہ فلاں جگہ پر ٹھہرا ہے اور کل یہاں آئے گا، تم اُن کا کام کاج کرنا، پھر تمہیں جو اس کی اجرت ملے گی، اس میں سے تم میرا ایک درہم ادا کر دینا، سو ان دو مردوں نے ان لڑکیوں کی باتیں سن لیں، پھر وہ لوٹ آئے۔

اِدھر ابوسفیان بن حرب شام کے وقت وہاں پہنچا، انہوں نے وادی صفراء کے لوگوں سے پوچھا: کیا تم نے کسی کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں! مگر دو مرد اس ٹیلے کے پاس ٹھہرے تھے، پھر وہ یہاں سے چلے گئے۔ سو ابوسفیان اس جگہ پہنچا، وہاں اس نے اونٹ کی مینگنیاں دیکھیں، اس نے اس مینگنی کو چیرا تو اس میں سے گٹھلی نکلی، اس نے کہا: اللات اور العزیٰ کی قسم! یہ تو اہلِ یثرب کی کھائی ہوئی کھجوریں ہیں، پھر اس نے اس راستہ پر ضمضم بن عمرو الغفاری کو مکہ بھیجا کہ وہ اہلِ مکہ کو یہ خبر دیں کہ بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے قافلہ کے درپے ہو گئے ہیں، سو تم اپنے قافلہ کی مدد کو پہنچو، اِدھر عاتکہ بنت عبد المطلب نے تین دن پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ ضمضم بن عمرو چتکبرے اونٹ پر سوار ہو کر آ رہا ہے اور اس کے ساتھ سیاہ جھنڈا ہے، پس وہ مسجدِ حرام میں داخل ہوا اور اس نے بلند

آواز سے پکارا: اے آلِ فلاں! اے آلِ فلاں! اپنی قتل گاہوں کی طرف دوڑو اور تین دن کے اندر اندر اپنا دفاع کر لو، پھر وہ شتر سوار جبلِ ابوقبیس پر چڑھا اور تین مرتبہ بلند آواز سے پکارا، پھر اس نے ابوقبیس سے ایک چٹان توڑی اور اس کے پتھر اہلِ مکہ پر پھینکے، سو قریش میں سے ہر گھر کے اندر اس چٹان کے ٹکڑے جا کر گرے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۱۰۱۔۱۲۰، السیرۃ النبویہ، ج ۲ ص ۱۸۸۔۱۹۶)

جب صبح ہوئی تو عاتکہ بنت عبد المطلب نے اس خواب کا قصہ اپنے بھائی العباس بن عبد المطلب کو سنایا اور اس نے کہا: مجھے یہ ڈر ہے کہ تمہاری قوم پر کوئی مصیبت آئے گی، عباس بن عبد المطلب یہ سن کر پریشان ہو گئے اور عباس نے یہ قصہ اپنے دوست الولید بن عتبہ سے بیان کیا، ولید بن عتبہ نے یہ قصہ اپنے والد عتبہ بن ربیعہ سے بیان کیا اور عتبہ بن ربیعہ نے یہ قصہ ابوجہل بن ہشام سے بیان کیا، اس طرح عاتکہ کا یہ خواب تمام قریش میں مشہور ہو گیا، پس عباس بن عبد المطلب ایک دن مسجد حرام میں گئے اور وہاں پر قریش کے سارے سردار جمع تھے اور وہ عاتکہ کے خواب کے متعلق بحث کر رہے تھے، پس ابوجہل نے کہا: اے ابوالفضل! تم میں یہ نبیہ کب پیدا ہوئی؟ کیا تم اس پر راضی نہیں ہوئے تھے کہ تم میں ایک نبی پیدا ہو گیا تھا حتیٰ کہ تم نے کہا کہ تم میں اب ایک نبیہ بھی پیدا ہو گئی ہے (یعنی جو غیب کی خبر دے رہی ہے)، پس اللہ کی قسم! ہم تمہارے ساتھ تین دن تک انتظار کریں گے، اگر عاتکہ کے خواب کی تعبیر آ گئی تو فبہا ورنہ ہم تمہارے متعلق یہ لکھ دیں گے کہ تمہارا گھرانا عرب کے گھرانوں میں سب سے زیادہ جھوٹا گھرانا ہے، سو ابوجہل سے عباس نے کہا: اے کذاب! تو بزدل ہے اللہ کی قسم! تو جھوٹا ہونے کے زیادہ لائق ہے، پھر جب تیسرا دن آیا تو ضمضم بن عمرو اس حالت میں آیا کہ اس نے اپنی قمیص پھاڑی ہوئی تھی اور فریاد کر رہا تھا اور اس نے اپنے بالوں میں مٹی ڈالی ہوئی تھی اور وہ بلند آواز سے کہہ رہا تھا: اے قریش کی جماعت! مدد حاصل کرو مدد حاصل کرو، تم اپنے قافلہ کی مدد کو پہنچو کیونکہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیروکار اس قافلہ کے درپے ہیں۔

پس قریش جمع ہوئے اور وہ عاتکہ بنت عبد المطلب کے خواب سے خوف زدہ تھے اور ان کے ساتھ گانے والی لڑکیاں تھیں اور دُف وغیرہ تھے اور وہ اکڑتے ہوئے اور اِتراتے ہوئے نکلے جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ۔۔۔ (الانفال: ۴۷)“ (اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اِتراتے ہوئے اور لوگوں کو (اپنا کارنامہ) دکھاتے ہوئے نکلے)، ادھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے باہر تشریف لائے اور اپنے اصحاب کو آپ نے مدینہ سے نکلنے کا حکم فرمایا، پس آپ کے ساتھ مہاجرین اور انصار پر مشتمل تین سو تیرہ مَرد نکلے اور وہ سب اپنے اپنے اونٹوں پر سوار تھے اور اُن کے پاس اور کوئی سواری نہیں تھی اور اُن کے پاس تین گھوڑے تھے، پس وہ بغیر سامانِ خورد و نوش اور بغیر ہتھیاروں کے نکلے، ان کا یہ خیال نہیں تھا کہ وہاں اُن کا جنگ سے سامنا ہو گا، پس جب وہ مقامِ روحاء پر پہنچے تو حضرت جبریل علیہ السلام سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے اور آپ کو بتایا کہ قریش، مکہ سے اپنے قافلہ کی حفاظت کے لیے نکلے ہیں اور حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمالیا ہے کہ آپ کو دو چیزوں میں سے ایک چیز عطا فرمائیں گے یا قافلہ اور یا دشمن کا لشکر۔

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے پاس تشریف لائے اور آپ نے خبر دی کہ مشرکین، مکہ سے اپنے قافلہ کی حفاظت کے لیے نکلے ہیں، تو بعض صحابہ پر یہ خبر دشوار ہوئی اور انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے پہلے ہمیں یہ خبر کیوں نہ دی کہ وہاں پر جنگ ہو گی تو

ہم آپ کے ساتھ اپنے تیر اور اپنی کمانیں لے کر نکلتے، ہم تو اس لیے نکلے تھے کہ ہم قریش کے قافلہ سے شام سے لایا ہوا مال حاصل کریں گے اور اُن کے نزدیک قافلہ کا مال و اسباب مالِ غنیمت سے زیادہ عظیم تھا، کیونکہ اس مال کا حصول بغیر لڑائی کے متوقع تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: مجھے مشورہ دو، سو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما مشورہ دے رہے تھے کہ آپ بدر کی طرف روانہ ہوں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرما رہے تھے: مجھے مشورہ دو اور آپ کی خواہش یہ تھی کہ انصار بھی کچھ بولیں، تب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ جہاں چاہتے ہیں وہاں روانہ ہوں اور جہاں چاہتے ہیں وہاں ٹھہریں، پس اللہ کی قسم! اگر آپ ہمیں حکم دیں گے کہ سمندر میں اتر جاؤ تو ہم سمندر میں اتر جائیں گے اور ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ نہیں کہیں گے جس طرح انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ''فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝'' (المائدہ: ۲۴) ''(پس آپ اور آپ کا رب جائیں، آپ دونوں اُن سے قتال کریں، بے شک ہم تو یہیں بیٹھنے والے ہیں O)۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ قتال کیجئے، ہم آپ کی پیروی میں قتال کریں گے، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝'' یعنی مومنین کی ایک جماعت کفار سے جنگ اور قتال کو طبعاً ناپسند کر رہی تھی۔ (تفسیر الطبری ج ۱۱ ص ۴۲۔ ۴۵، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۶۶۱، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۴۰۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۷۸۔ ۷۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک جگہ پر تھا، اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو وہ مقام میرے نزدیک ہر چیز سے افضل ہوتا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ مشرکین کے خلاف دعاءِ ضرر کر رہے تھے، اس وقت انہوں نے کہا: ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا: ''جائیں آپ اور آپ کا رب (دشمنوں سے) لڑیں'' (المائدہ: ۲۴) لیکن ہم آپ کی دائیں طرف سے لڑیں گے اور آپ کی بائیں طرف سے لڑیں گے، اور آپ کے سامنے سے لڑیں گے اور آپ کے پیچھے سے لڑیں گے، پس میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے تمتمانے لگا اور آپ ان کی بات سے خوش ہوئے۔ (صحیح البخاری: ۳۹۵۲، ۴۶۰۹، مسند احمد: ۴۰۵۹)

علامہ شیخ عبداللہ بن حجازی الشرقاوی الشافعی المتوفی ۱۲۲۷ھ صحیح البخاری: ۳۹۵۲ کی شرح میں لکھتے ہیں:

بدر کی وجہ تسمیہ

بدر: اس کی نسبت بدر بن مخلد بن النضر بن کنانہ کی طرف ہے جو اس جگہ آ کر ٹھہرے تھے، دوسری وجہ یہ ہے کہ بدر ایک کنویں کا نام ہے اور بدر چودھویں رات کے چاند کو کہتے ہیں اور اُس کا نام بدر اس لیے رکھا گیا کہ وہ چاند کی طرح گول تھا یا اس کا پانی بہت صاف تھا اور چودھویں رات کا چاند اس پانی میں نظر آتا تھا۔

حضرت المقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

المقداد بن الاسود: حضرت مقداد کی نسبت الاسود کی طرف ہے، کیونکہ اَسود نے اُن کو زمانۂ جاہلیت میں اپنا بیٹا بنا لیا تھا، ورنہ مقداد کے والد کا نام عمرو بن ثعلبہ الکندی ہے۔ اصل میں یہ لفظ ابن ہے مگر جو دو علموں کے درمیان اسم آئے تو لکھنے میں اس الف کو گرا دیا جاتا ہے۔ اور دوسرا اسم حقیقت میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے والد کا نام نہیں ہے۔

''فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ''میں لفظ ''رب'' کے محامل

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ: بنی اسرائیل نے اللہ اور رسول کی اہانت کرنے کے لیے یا اُن سے لا پرواہی برتنے کے لیے یہ کہا تھا، اور اس کا معنی یہ ہے کہ آپ جائیں اور آپ کا رب آپ کی مدد فرمائیں گے، کیونکہ ہم جبابرہ سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ السمرقندی نے کہا: ''وَ رَبُّكَ'' سے مراد آپ کا رب نہیں ہے بلکہ اس سے مراد حضرت ہارون علیہ السلام ہیں۔ بنی اسرائیل نے اُن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رب اس لیے کہا کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو سال یا تین سال بڑے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسرور ہونے کی توجیہ

وسرہ: یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت المقداد رضی اللہ عنہ کے قول سے خوش ہوئے، امام ابن اسحاق نے ذکر کیا کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس وقت کہی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی الصفراء تک پہنچے اور آپ کو یہ خبر ملی کہ قریش نے بدر کا قصد کر لیا ہے اور ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشورہ کیا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معرکہ کے متعلق اپنے اصحاب سے مشورہ فرمایا، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمدہ بات کہی، پھر اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی عمدہ بات کہی، پھر حضرت المقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ نے اس طرح کہا جیسا کہ حدیث میں ہے، اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے ''اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے! اگر آپ ہمیں برک الغماد تک جانے کا بھی حکم دیں تو ہم ضرور آپ کے ساتھ جائیں گے'' آپ نے فرمایا: مجھے مشورہ دو، کہا گیا کہ آپ کی مراد انصار کی رائے حاصل کرنا تھی اور آپ کو یہ خطرہ تھا کہ شاید انصار ان صحابہ کی موافقت نہ کریں، کیونکہ انہوں نے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اس لئے بیعت کی تھی کہ جب آپ کی جان کو کوئی خطرہ ہو گا تو وہ دفاع کریں گے، اس پر بیعت نہیں کی تھی کہ آپ کے ساتھ دشمن کی سرکوبی کے لیے جائیں گے، تب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ کفارِ قریش سے لڑنے کے لیے روانہ ہوں، ہم آپ کے ساتھ ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی اس بات سے خوش ہو گئے، کیونکہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ انصار کے سردار تھے۔ (فتح المبدی بشرح مختصر الزبیدی، ج ۳ ص ۱۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء)

محدث احمد علی سہارنپوری متوفی ۱۲۹۷ھ، صحیح البخاری: ۳۹۵۲ کی شرح میں لکھتے ہیں:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر: یعنی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن اپنے اصحاب کی تعداد کی طرف دیکھا تو وہ تین سو تیرہ (۳۱۳) تھے اور مشرکین کی طرف دیکھا تو وہ ایک ہزار سے زیادہ تھے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف مونہہ کیا اور دعا کی: اے اللہ! میں آپ کو آپ کا عہد اور آپ کا وعدہ یاد دلاتا ہوں، یعنی میں آپ سے آپ کے عہد کو پورا کرنے کا سوال کرتا ہوں اور آپ نے جو وعدہ فرمایا تھا کہ آپ مسلمانوں کو کفار پر غلبہ عطا فرمائیں گے اور اپنے رسول کی دین کے اظہار کے لیے مدد فرمائیں گے، تو اس وعدہ اور عہد کو آپ پورا فرمائیں۔ اور آپ نے دعا میں کہا کہ اس غزوہ کے بعد آپ کی عبادت نہ کی جائے گی (صحیح البخاری: ۳۹۵۳) اور صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے دعا میں یہ الفاظ کہے: ''اے اللہ! اگر آپ نے آج مسلمانوں کی اس جماعت کو ہلاک فرما دیا تو زمین میں پھر آپ کی عبادت نہیں کی جائے گی''۔ (صحیح مسلم: ۱۷۶۳) علامہ القسطلانی التوفی ۹۱۱ھ نے آپ کی اس دعا کی شرح میں یہ لکھا ہے: کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ آپ خاتم النبیین ہیں، پس اگر آپ اس جنگ میں شہید ہو گئے اور آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ بھی شہید ہو گئے تو پھر آپ کے بعد اللہ تعالیٰ کسی اور رسول کو نہیں بھیجیں گے جو لوگوں کو ایمان کی دعوت دیں، تو پھر

روئے زمین پر آپ کی عبادت نہیں کی جائے گی۔

(ارشاد الساری ج ۹ ص ۱۴-۱۵) (الجامع الصحیح ج ۸ ص ۱۶، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ لوگ حق کو ظاہر ہونے کے بعد آپ سے اس میں بحث کر رہے تھے گویا کہ وہ زبردستی موت کے مونہہ میں دھکیلے جارہے ہوں اور وہ (موت کو) اپنے سامنے دیکھ رہے تھے O''

(الانفال: ٦)

''يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ'': آپ سے جنگ کرنے کے سلسلہ میں بحث کر رہے تھے۔ ''بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ'': یعنی جب اُن پر یہ واضح ہو چکا تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرِ مو انحراف نہیں کرتے۔ ''كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ O'': گویا کہ وہ اپنے سامنے اپنا مقتول ہونا دیکھ رہے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو!) یاد کرو! جب اللہ تم سے یہ وعدہ فرما رہے تھے کہ دو گروہوں میں سے ایک گروہ یقیناً تمہارے لیے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ تمہارے ہاتھ لگے، اور اللہ یہ ارادہ فرما رہے تھے کہ وہ حق کو اپنے کلمات سے ثابت فرما دیں اور کفار کی جڑ کاٹ دیں O'' (الانفال: ٧)

''وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ'': یعنی یا آپ کو قافلے کا مالِ غنیمت مل جائے گا اور یا آپ کفار کے لشکر پر فتح حاصل کریں گے۔ ''وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ'': یعنی اے مسلمانو! تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ یعنی قافلہ کا مالِ غنیمت تمہیں مل جائے۔ ''وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ'': یعنی اللہ تعالیٰ یہ چاہتے تھے کہ تم کفار کے خلاف جنگ کر کے اُن کو مغلوب کر لو اور اسلام کا غلبہ ہو جائے۔ ''وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ O'': یعنی اللہ تعالیٰ کفار کو ہلاک فرما کر ان کی جڑ کاٹ دیں۔ (صحیح مسلم: ۱۷۶۳، صحیح ابن حبان: ۴۷۹۳، سنن بیہقی ج ۶ ص ۳۲۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۵۱-۵۲، سنن ترمذی: ۳۰۸۱)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''تاکہ اللہ حق کو ثابت فرما دیں اور ناحق کو باطل فرما دیں خواہ مجرم لوگ اس کو ناپسند کرتے ہوں O'' (الاعراف: ۸)

''لِيُحِقَّ الْحَقَّ'': یعنی تاکہ اللہ عزوجل اسلام کو غالب فرما دیں۔ ''وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ'': اور شرک کو مٹا دیں۔

''وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ O'': خواہ مشرکین کو یہ بات ناگوار ہو۔

پس مسلمانوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی برکت پر اعتماد کرتے ہوئے تم روانہ ہو، کیونکہ میں نے کافروں کی زمین پر گرنے کی جگہوں کو دیکھ لیا ہے اور جب کفارِ قریش آئے اور انہوں نے اپنے قافلہ کو صحیح وسالم پالیا، تو اُن میں سے کسی نے کہا: تم لوگ مکہ سے قافلہ کی حفاظت کے لیے روانہ ہوئے تھے، پس جب تم نے قافلہ کو صحیح سلامت پالیا تو اب تم واپس چلے جاؤ، پس ابوجہل نے کہا: ہم اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے ساتھیوں کو قتل نہ کر دیں، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے حتیٰ کہ وادیٔ بدر کے قریبی جانب ٹھہرے اور مشرکین دور کی جانب پانی کے پاس ٹھہرے اور ان دونوں فریقوں کے درمیان وادی تھی،

اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی حتیٰ کہ وتر پڑھے اور یہ رمضان کی پندرہویں شب تھی، اور آپ نے قنوت میں یہ دعا پڑھی: ''اے اللہ! ہمیں ابوجہل بن ہشام اور فلاں فلاں کے فتنہ میں مبتلا نہ فرمائیں''۔

پس مسلمانوں نے وہاں رات گزاری اور بعض مسلمان جنبی ہوگئی اور ان کے پاس غسل کرنے کے لیے پانی نہیں تھا، پس ان کے پاس شیطان آیا اور اس نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ تم یہ زعم کرتے ہو کہ تم اللہ کے دین پر ہو، حالانکہ اب تم بے وضو اور جنبی ہونے کی حالت میں نماز پڑھو گے اور مشرکین کا پانی پر قبضہ ہے، اور اس وادی میں ریت تھی جس میں قدموں کے نشان غائب ہو جاتے تھے، پس اس رات بارش ہوئی حتیٰ کہ اس وادی میں پانی بہنے لگا اور ریت جم گئی اور مسلمانوں نے غسلِ جنابت کر لیا اور پانی پیا اور اپنی سواریوں کو پانی پلایا، جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے: ''اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾ (الانفال: ۱۱)'' (اے مسلمانو! اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے اپنی طرف سے تم پر سکون نازل فرمانے کے لیے ہلکی سی نیند طاری فرما دی اور آسمان سے تم پر بارش کا پانی نازل فرمایا تاکہ اس سے تم کو پاک فرما دیں اور تم سے شیطان کے وسوسہ کو دور فرما دیں اور تمہارے دلوں کو مضبوط فرما دیں اور اس کی وجہ سے تمہارے پاؤں جما دیں O)۔

اور حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے، پھر قریش کے لوگ پانی لینے کے لیے آئے تو ان کو حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے پکڑ لیا اور ان سے ابوسفیان کے متعلق سوال کیا، انہوں نے کہا: ہمیں ابوسفیان کے متعلق کوئی علم نہیں ہے، حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے پوچھا: تمہاری کتنی تعداد ہے؟ انہوں نے کہا: ہمیں پتا نہیں لیکن ہم بہت زیادہ ہیں، پھر ان دونوں نے قریش کے اُن لوگوں کو مارا تب انہوں نے کہا: وہ بہت کم ہیں، پھر حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے اُن کو چھوڑ دیا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انہوں نے سچ بولا تو تم ان کو مار رہے تھے اور جب انہوں نے جھوٹ بولا تو تم نے ان کو چھوڑ دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بلایا اور پوچھا: بتاؤ تم لوگ کتنے ہو؟ انہوں نے کہا: قریش کی تعداد بہت زیادہ ہے، ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ کتنے ہیں، آپ نے پوچھا: تم ہر روز ان کے لیے کتنے جانور نحر کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم ایک دن میں ان کے لیے دس اونٹ نحر کرتے ہیں اور کسی دن نو اونٹ نحر کرتے ہیں۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کفارِ قریش نو سو سے لے کر ایک ہزار تک ہیں اور ان کا شمار نو سو پچاس کیا گیا ہے۔ اور جب وہ مکہ سے نکلے تو بارہ سو پچاس (۱۲۵۰) تھے، پس الاخنس بن شریک بنو زہرہ کے تین سو سواروں کے ساتھ اُن کے قافلہ سے نکل گئے اور نو سو پچاس (۹۵۰) مرد رہ گئے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی اور دونوں ہاتھ بلند کر کے یہ دعا کی: ''اے اللہ! میرے صحابہ کی اس جماعت کو ہلاک نہ فرمانا، کیونکہ اگر آپ نے ان کو ہلاک فرما دیا تو روئے زمین پر آپ کی عبادت نہیں کی جائے گی''۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۵ ص ۱۳۴، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۸۵۳، ۳۶۶۸۴، مسند احمد: ۲۰۸، ۲۲۰، ۱۲۲۲۰، المنتخب من مسند عبد بن حمید: ۱۳، صحیح مسلم: ۱۷۶۳، سنن ابوداؤد ج ۶ ص ۴۰۴، سنن ترمذی: ۳۰۸۱، مسند البزار ج ۱ ص ۲۰۶، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۵۷۴، ۱۰۳۶۷، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ۶۰۵، مستخرج ابن عوانہ: ۶۵۷۹، ۶۵۸۰، تفسیر ماتریدی ج ۵ ص ۱۶۹، صحیح ابن حبان: ۴۷۹۳، ۶۲۲۳، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰۲۷۰، شرح السنہ للبغوی: ۳۷۷۷، زاد المسیر ج ۲ ص ۱۹۱، کشف المشکل ج ۱ ص ۱۳۴، شرح النووی علی المسلم ج ۱۲ ص ۸۴، ۸۵، فتح

الباری لابن رجب ج ۹ ص ۲۱۹، عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۱۹۳، الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج ۱۴ ص ۲۱۴، مختصر تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۸، ۹۳، ۴۳۲)۔ (تفسیر الطبری ج ۱۱ ص ۵۱ - ۵۳، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۳۶۹، سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۶۷، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۶۶۳)

تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مشرکین اب قریب آ پہنچے ہیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! تمہیں خوش خبری ہو، میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا ہے وہ عمامہ باندھے ہوئے ہیں اور آسمان اور زمین کے درمیان ایک گھوڑے پر سوار ہیں، پس اللہ عزوجل نے حضرت جبریل علیہ السلام کی قیادت میں ایک ہزار فرشتوں سے مدد فرمائی اور حضرت میکائیل علیہ السلام کی قیادت میں ایک ہزار فرشتوں سے مدد فرمائی اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کی قیادت میں ایک ہزار فرشتوں سے مدد فرمائی۔ اور اس کی تصدیق اس آیت میں ہے: ''اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ ... (آل عمران: ۱۲۴)'' (جب آپ مسلمانوں سے کہہ رہے تھے: کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تمہاری تین ہزار نازل کیے ہوئے فرشتوں سے مدد فرمائے O)۔

اور اس وقت ابوجہل نے دعا کی: اے اللہ! ان دو دینوں میں سے جو تجھے پسند ہو اس کی مدد فرما، ایک ہمارا پرانا دین ہے اور ایک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نیا دین ہے، اور عتبہ بن ربیعہ نے کہا: اے قریش کی جماعت! بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں سے ایک مرد ہیں، پس اگر وہ واقعی نبی ہیں تو تم تمام لوگوں سے زیادہ سعادت مند ہو، اور اگر وہ بادشاہ ہیں تو تم اپنے بھائی کی سلطنت میں زندہ رہو گے، اور اگر وہ جھوٹے ہیں تو اُن کو دوسرے لوگ قتل کر دیں گے۔ اور میں ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جن کی نیلی آنکھیں ہیں، وہ اس وقت تک نہیں مریں گے جب تک کہ تم میں سے کافی لوگوں کو قتل نہ کر دیں، پس ابوجہل نے کہا: اے ابوالولید! تم نے بزدلی دکھائی ہے، سو ابوجہل سے عتبہ نے کہا: اے کذاب! تو عنقریب جان لے گا کہ ہم میں سے کون بزدل ہے، پھر اس نے اپنے ہتھیار پہنے اور اس کے ساتھ اس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ بھی نکلا اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا الولید بن عتبہ بھی نکلا، پھر وہ اگلے دستے میں شامل ہو گئے اور انہوں نے کہا: اے محمد! ہم سے مقابلہ کے لیے ہمارے جوڑ اور ہماری مثل کے لوگوں کو بھیجیں، پھر انصار کے چند لوگ اُن سے مقابلہ کیلئے نکلے تو انہوں نے پوچھا: تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا: ہم اللہ اور اس کے رسول کے مددگار ہیں، انہوں نے کہا: ہم تم سے مقابلہ کرنا نہیں چاہتے، ہم چاہتے ہیں قریش میں سے ہماری ٹکر کے لوگ ہم سے مقابلہ کے لیے آئیں، سو انصار چلے گئے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بنو ہاشم! تم آگے بڑھو۔

پس حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم آگے بڑھے اور انہوں نے اپنے سروں پر خود پہنے ہوئے تھے، پس اُن سے عتبہ نے کہا: ہمیں اپنے متعلق بتاؤ حتیٰ کہ ہم تمہیں پہچانیں، تب حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اللہ کا شیر ہوں اور اس کے رسول کا شیر ہوں، تب عتبہ نے کہا: تم ہمارے جوڑ کے اور ہم پلہ ہو، یہ باقی دو لوگ کون ہیں؟ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ علی بن ابی طالب ہیں اور عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب ہیں۔ پس بوڑھا بوڑھے کے مقابل ہوا (یعنی حضرت عبیدہ بن الحارث، شیبہ بن ربیعہ کے مقابل ہوئے) اور جوان جوان کے مقابل ہوا (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ، الولید بن عتبہ کے مقابل ہوئے) اور ادھیڑ عمر کا ادھیڑ عمر کے مقابل ہوا (یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، عتبہ بن ربیعہ کے

مقابل ہوئے)۔پس حضرت حمزہ بن عبد المطلب نے عتبہ بن ربیعہ کو قتل کر دیا اور حضرت علی بن ابی طالب نے الولید بن عتبہ کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدہ بن الحارث اور شیبہ بن ربیعہ آپس میں گتھم گتھا ہو گئے، حضرت عبیدہ نے شیبہ بن ربیعہ کے سر پر تلوار سے وار کیا، اور شیبہ بن ربیعہ نے حضرت عبیدہ بن الحارث کی ٹانگ پر تلوار سے وار کیا، پھر حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے شیبہ بن ربیعہ پر حملہ کیا اور اس کو قتل کر ڈالا، پس حضرت عبیدہ بن الحارث مدینہ پہنچنے سے پہلے شہید ہو گئے اور ان کو وادی صفراء میں دفن کر دیا گیا۔

قیس بن عُباد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مولا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں وہ پہلا شخص ہوں جو قیامت کے دن سب سے پہلے رحمٰن کے سامنے اپنے جھگڑے کے لیے دو زانو بیٹھے گا، اور قیس بن عباد نے کہا: ان ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے، یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے متعلق جھگڑا کیا۔ (الحج: ١٩)۔انہوں نے کہا: یہ وہ دو مقابل ہیں جنہوں نے غزوۂ بدر کے دن (اپنے اپنے فریق کو) للکارا تھا، حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ یا حضرت ابو عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم اور شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ۔

(صحیح البخاری: ٣٩٦٥، ٣٩٦٦، ٣٩٦٨، ٣٩٦٩، ٤٧٤٣، ٤٧٤٤ صحیح مسلم: ٣٠٣٣، سنن ابن ماجہ: ٢٨٣٥)

محدث احمد علی سہارنپوری متوفی ١٢٩٧ھ، صحیح البخاری: ٣٩٦٥ کی شرح میں لکھتے ہیں:

تبارزوا یوم بدر: تبارزوا کا لفظ البروز سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: دو صفوں کے درمیان سے قتال اور لڑائی کے لیے نکلنا۔ پس حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو للکارا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے الولید بن عتبہ کو للکارا، اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو للکارا۔ اور کفار قریش میں سب سے بڑی عمر کا عتبہ بن ربیعہ تھا اور حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے اپنے فریق کو بالکل مہلت نہیں دی حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا۔ اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ اور عتبہ بن ربیعہ آپس میں گتھم گتھا ہو گئے، پس ہر ایک نے اپنے صاحب کا خون بہایا اور حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اپنی تلواروں کے ساتھ عتبہ پر حملہ آور ہوئے، پس انہوں نے اس کو قتل کر دیا، ان کی تلوار کے وار سے عتبہ کے گھٹنے میں زخم آیا تھا جس سے وہ مر گیا۔

(الجامع الصحیح ج ٨ ص ٢٤-٢٥، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، ١٤٣٢ھ)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب مشرکین مقابلہ کے لیے للکاریں تو مومنین پر کوئی حرج نہیں ہے اگر وہ امام کی اجازت کے بغیر مقابلہ کے لیے نکلیں جب کہ انہیں منع نہ کیا گیا ہو، کیونکہ انصار ان کی للکار پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے پہلے مقابلہ کے لیے نکلے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ للکارنے والوں میں سے کوئی ایک اپنے صاحب کی مدد کے لیے نکلے تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کی مدد فرمائی اور عتبہ بن ربیعہ کو قتل کر دیا۔ اور اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ جنگ کے وقت فخر کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اللہ اور اس کے رسول کے شیروں میں سے شیر ہوں، اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ دشمن سے مقابلہ کے وقت اکڑ اکڑ کر چلا جائے۔

پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام لڑنے کے لیے معرکۂ بدر میں نکلے، پس دو صفوں کے درمیان سے ایک تیر آ کر اُن کو لگا اور غزوۂ بدر میں وہ سب سے پہلے شہید ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب مسلمانوں کو لڑنے پر برانگیختہ کیا، حضرت عمیر بن الحمام السلمی کھڑے ہوئے اور اُن کے ہاتھ میں چند کھجوریں تھیں جن کو وہ کھا رہے تھے، انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ! اگر

میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا مجھے جنت ملے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! تو جو کھجوریں ان کے ہاتھ میں تھیں وہ انہوں نے پھینک دیں اور اپنی تلوار پکڑی اور کفار پر حملہ کیا، پس لڑے حتیٰ کہ وہ شہید کر دیئے گئے، پھر ابوجہل بن ہشام لعنۃ اللہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر نکلا، پس اس کی طرف انصار کے ایک نوجوان بڑھے جن کو معاذ بن عمرو بن الجموح کہا جاتا تھا، انہوں نے اس کی ران پر تلوار کا ایک وار کیا تو ابوجہل اپنے اونٹ سے گر گیا، سو اس کی طرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نکلے، جب ان کو ابوجہل نے دیکھا تو کہا: اے ابن ام عبد! کون فتح یاب ہوا؟ اور کون شکست خوردہ ہوا؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے دشمن! اللہ اور اس کے رسول کے لیے فتح ہے اور تو فرعون سے بڑا سرکش ہے، کیونکہ فرعون نے غرق کے وقت اللہ سے فریاد کی اور تو اونٹ سے گرنے کے باوجود اپنی گمراہی میں اور بڑھا، پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنا پیر ابوجہل کی گردن پر رکھا، پس اُن سے ابوجہل نے کہا: کل تک تم ذلیل تھے اور آج تم بلند مرتبہ پر پہنچ گئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون یہ دیکھ کر آئے گا کہ ابوجہل کا کیا انجام ہوا؟ سو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ گئے تو اس کو اس حالت میں پایا کہ حضرت عفراء رضی اللہ عنہا کے دو بیٹے اس کو مار چکے تھے اور وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تو ابوجہل ہے؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی ڈاڑھی کو پکڑا تو اس نے کہا: کیا تم نے اس سے بڑے کس آدمی کو بھی قتل کیا؟ یا کہا: اس سے کسی بڑے آدمی کو اس کی قوم نے قتل کیا ہے؟ احمد بن یونس نے کہا: تو ابوجہل ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۹۶۲، ۳۹۶۳، صحیح مسلم: ۱۸۰۰، مسند احمد: ۱۳، ۶۵)

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف، ج ۸ ص ۸۷۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

ابوجہل کے قاتل کی تحقیق

محدث احمد علی سہارنپوری متوفی ۱۲۹۷ھ، صحیح البخاری: ۳۹۶۲ کی شرح میں لکھتے ہیں:

قد ضربہ ابنا عفراء: صحیح مسلم: ۱۷۵۲ میں مذکور ہے "جن دو اصحاب نے ابوجہل کو قتل کیا تھا ان میں ایک حضرت معاذ بن عمرو بن الجموح تھے اور دوسرے حضرت معوذ بن عفراء ابن الحارث تھے" اور عفراء ان کی والدہ کا نام ہے جو عبید بن ثعلبہ النجار یہ کی بیٹی ہے۔ (ارشاد الساری للقسطلانی ج ۹ ص ۲۱)

روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس پر اپنا پیر رکھا اور اس کا سر پکڑا، شیخ نے کہا ہے: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تینوں ابوجہل کے قتل میں شریک ہوں (یعنی حضرت معاذ، حضرت معوذ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم)۔ اور معاذ بن عمرو بن الجموح کی تلوار کے وار سے ابوجہل کا خون بہا تھا، اور جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے پاس آئے تو اس کے اندر رمقِ حیات تھی، سو اس نے اپنا سر ہلایا۔ (الکاشف عن حقائق السنن للطیبی ج ۸ ص ۵۷)

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی الشافعی المتوفی ۷۸۶ھ نے بیان کیا ہے کہ علامہ نووی نے کہا ہے: ابوجہل کو معاذ بن عمرو اور ابن عفراء دونوں نے قتل کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: کہ ہو سکتا ہے کہ دونوں کے فعل سے اس کے قتل کا وقوع ہوا ہو۔ پس ہر راوی نے جو ضرب کا نشان دیکھا اس کی طرف نسبت کر دی۔ اور امام ابو عمر یوسف بن عبد البر قرطبی مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے: زیادہ صحیح یہ ہے کہ عفراء کے دو بیٹوں نے ابوجہل پر ضرب لگائی تھی حتیٰ کہ وہ مر گیا، اسی طرح علامہ الکرمانی نے بیان کیا ہے۔ (تحقیق الکواکب الدراری للکرمانی

ج ۱۵ ص ۱۶۰)

حتی برد: یعنی حتیٰ کہ وہ مر گیا، حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ نے کہا ہے: اس کا معنی ہے حتیٰ کہ وہ ٹھنڈا ہو کر گر گیا۔ (التوشیح علی الجامع الصحیح، ج ٦، رقم: ۲۴۹۰)

علامہ القسطلانی التوفی ۹۱۱ھ نے کہا ہے: امام احمد اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ یہ زیادہ مناسب ہے، کیونکہ ابو جہل نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کلام کیا تھا، اگر وہ مر چکا ہوتا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کلام نہ کرتا، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو ابو جہل ہے، یعنی اے ابو جہل! تو گرا ہوا پڑا ہے۔ (ارشاد الساری للقسطلانی ج ۹ ص ۲۲)

(الجامع الصحیح ج ۸ ص ۲۱۔ ۲۲، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت ۱۴۳۲ھ)

نیز علامہ سمرقندی لکھتے ہیں:

پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا اور اس کا سر اس کے دھڑ سے الگ کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا سر لے کر آئے، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں سجدہ میں گر گئے، پھر آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مجھے ایک مٹھی میں مٹی بھر کر دو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کی وہ مٹھی کفار کے چہروں پر ماری اور فرمایا: شاھت الوجوہ (ان کے چہرے بگڑ جائیں) وہ مٹی تمام کافروں کی آنکھوں میں گھس گئی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب آگے بڑھے، وہ کفار قریش کو قتل کرتے تھے اور ان کو گرفتار کرتے تھے، اور مشرکین کے دلوں میں رعب ڈال دیا گیا، اس معرکہ میں ستر (۷۰) مشرکین قتل کیے گئے اور ستر (۷۰) مشرکین گرفتار کیے گئے، اور اس دن مہاجرین میں سے تیرہ (۱۳) مرد شہید ہوئے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیدیوں اور غنیمتوں کو لے کر مدینہ منورہ پہنچے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے متعلق مشورہ کیا، پس آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابو بکر تم کیا کہتے ہو؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یہ آپ کی قوم ہیں، آپ کے عم زاد ہیں، اگر آپ نے ان سب کو قتل کر دیا تو یہ دوزخ میں جائیں گے، اور اگر آپ نے ان سے فدیہ لے کر ان کی جان بخشی کر دی تو ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی ہدایت عطا فرمادیں اور ان کی وجہ سے ہم کو اور مسلمانوں کو قوت حاصل ہو اور دشمنوں کے خلاف جہاد کرنے کی طاقت حاصل ہو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے، پس آپ نے فرمایا: اے ابو حفص اتم کیا کہتے ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: بے شک آپ کے ہاتھوں میں مشرکین اور ان کے سرداروں کے سر ہیں، آپ ان سب کی گردنیں ماردیں، اور عنقریب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنے فضل سے غنی فرمائیں گے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو بکر! فرشتوں میں تمہاری مثال حضرت میکائیل علیہ السلام ہیں، کیونکہ وہ صرف اللہ کی رحمت کو نازل کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام میں تمہاری مثل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جنہوں نے کہا تھا: "فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ --- (ابراہیم: ۳۶)" (سو جس نے میری پیروی کی، پس بے شک وہ میرا ہے، اور جس نے میری نافرمانی کی تو بے شک آپ بہت زیادہ بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں ○)۔ اور انبیاء میں تمہاری مثل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی: "اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ --- (المائدہ: ۱۱۸)" ((اے اللہ!) اگر آپ ان لوگوں کو عذاب دیں تو بے شک یہ سب آپ کے بندے ہیں، اور اگر آپ ان کو معاف فرمادیں تو بے شک آپ ہی بہت غالب، بے حد حکمت

والے ہیں O)۔

پھر آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے عمر! فرشتوں میں تمہاری مثال حضرت جبریل علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ کفار پر عذاب اور سختیوں کو لے کر نازل ہوتے تھے اور انبیاء علیہم السلام میں تمہاری مثل حضرت نوح علیہ السلام ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی: "رَبِّ لَا تَذَرۡ عَلَى الۡاَرۡضِ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ دَيَّارًا" (نوح: ۲۶) "(اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑیں O)۔ اور انبیاء علیہم السلام میں سے تمہاری مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی: "رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰٓى اَمۡوَالِهِمۡ وَاشۡدُدۡ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَلَا يُؤۡمِنُوۡا حَتّٰى يَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ" (یونس: ۸۸) "(اے ہمارے رب! ان کے اموال کو تباہ فرمادیں اور ان کے دلوں کو مزید سخت فرمادیں، سو یہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں O)۔

اور سماک بن حرب نے از عکرمہ از حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معرکۂ بدر سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: اس قافلہ کو پکڑ لو کیونکہ اب اس کی حفاظت کے لیے کوئی نہیں ہے، پس عباس بن عبدالمطلب جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: یہ آپ کے لیے مناسب نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کس وجہ سے؟ تو انہوں نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے دو گروہوں میں سے ایک گروہ کا وعدہ فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ گروہ عطا فرمادیا جس کا آپ سے وعدہ فرمایا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اور یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، سو اس نے تمہاری فریاد سن لی کہ میں لگاتار آنے والے ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد فرمانے والا ہوں O" (الانفال: ۹)

"اِذۡ تَسۡتَغِيۡثُوۡنَ رَبَّكُمۡ": جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کی کثرت دیکھی اور آپ نے جان لیا کہ اللہ کے سوا مسلمانوں کو کوئی قوت عطا فرمانے والا نہیں ہے تو آپ نے اپنے رب عزوجل سے دعا کی: بے شک آپ نے مجھ سے مدد فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا اور بے شک آپ وعدہ کے خلاف نہیں فرماتے، پس اللہ عزوجل نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور یہ آیت نازل ہوئی: "اِذۡ تَسۡتَغِيۡثُوۡنَ رَبَّكُمۡ"، گویا اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: جب تم اپنے رب عزوجل سے سوال کر رہے تھے اور غزوۂ بدر میں اپنے دشمن کے خلاف فتح اور نصرت کی دعا کر رہے تھے۔ "فَاسۡتَجَابَ لَكُمۡ" پس تمہارے رب نے تمہاری دعا قبول فرمائی۔

"اَنِّىۡ مُمِدُّكُمۡ بِاَلۡفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُرۡدِفِيۡنَ": یعنی میں لگاتار ایک ہزار فرشتے بھیج کر تمہاری مدد فرماؤں گا، اور عکرمہ نے کہا کہ غزوۂ بدر میں ایک ہزار فرشتے بھیج کر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور اس کے بعد تین ہزار فرشتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی وجہ سے بھیجے۔ اور دو ہزار فرشتے مزید بھیجے، سو اس طرح پانچ ہزار فرشتے ہو گئے، اور کہا جاتا ہے کہ ان فرشتوں کو بھیجنا صرف بدر کے دن تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اللہ نے اس مدد کو صرف (تمہارے لیے) خوش خبری بنایا تھا اور اس لیے کہ اس مدد سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اور مدد صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، بے شک اللہ بہت غالب اور بے حد حکمت والے ہیں O" (الانفال: ۱۰)

''وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشۡرٰى'': اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے ان فرشتوں کو صرف مسلمانوں کو بشارت دینے کے لیے بھیجا اور محققین نے کہا ہے کہ بے شک فرشتوں نے قتال نہیں کیا، وہ صرف بشارت دینے کے لیے نازل ہوئے تھے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ غزوۂ بدر میں فرشتوں نے قتال کیا تھا اور غزوۂ الاحزاب اور غزوۂ حنین میں قتال نہیں کیا تھا۔ ''وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ'': یعنی فرشتوں کی مدد صرف بشارت دینے کے لیے تھے، ''وَ لِتَطۡمَئِنَّ بِهٖ قُلُوۡبُكُمۡ'' یعنی تاکہ تمہارے دل پرسکون رہیں۔ ''وَ مَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ'': یعنی فتح اور کامرانی نہ عدد کی قلت پر موقوف ہے نہ عدد کی کثرت پر، وہ درحقیقت اللہ عزوجل کی مدد پر موقوف ہے۔

''اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ۝'': یعنی اللہ تعالیٰ سزا دینے پر بہت قادر ہیں اور اپنی حکمت سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کی مدد فرماتے ہیں اور مشرکین کو شکست دیتے ہیں۔

فرشتوں کے کسی غزوہ میں قتال نہ کرنے کی تحقیق

(۱) امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ، آل عمران: ۱۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فرشتوں نے بالکل قتال نہیں کیا لیکن وہ مسلمانوں کے دلوں میں تسکین ڈالنے کے لیے آئے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وَيُقَلِّلُكُمۡ فِىۡۤ اَعۡيُنِهِمۡ ... (الانفال: ۴۴)'' (اور اللہ نے تمہیں کفار کی نگاہوں میں کم کر کے دکھایا)، اگر فرشتوں نے کفار قریش کے خلاف قتال کیا ہوتا تو مسلمانوں کی تعداد کو کم کر کے دکھانے کا کوئی معنی نہیں تھا، نیز ایک فرشتہ بھی تمام مشرکین کا قلع قمع کرنے کے لیے کافی تھا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے کس طرح حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کو اٹھا کر پلٹ دیا تھا۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۲ ص ۴۰۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

(۲) امام ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، آل عمران: ۱۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فرشتوں نے قتال نہیں کیا، فرشتوں کو صرف فتح کی خوش خبری دینے کے لیے بھیجا تھا اور مومنین کے دلوں کو مطمئن کرنے کے لیے بھیجا تھا، کیونکہ اگر فرشتوں نے کفار سے قتال کیا ہوتا تو صحابہ کی کافروں کو قتل کرنے میں کوئی فضیلت نہ ہوتی، صحابہ کے لیے کفار کو قتل کرنے کی فضیلت اس وقت ہوتی جب کہ صحابہ نے قتال کیا ہوتا اور انہوں نے کفار کو شکست دی ہوتی، اور اگر یہ کہا جائے کہ فرشتے صحابہ کی مدد کرنے کے لیے آئے تھے تو ایک فرشتہ ہی تمام کفارِ قریش کو قتل کرنے کے لیے کافی تھا جیسا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ایک فرشتے یعنی حضرت جبریل علیہ السلام نے ہلاک کر دیا تھا، نیز کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وَيُقَلِّلُكُمۡ فِىۡۤ اَعۡيُنِهِمۡ ... (الانفال: ۴۴)'' (اور اللہ نے تمہیں کفار کی نگاہوں میں کم کر کے دکھایا)، پس صحابہ کی فضیلت کفار کی نگاہوں میں اُن کی کم تعداد میں تھی اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اور اللہ نے فرشتوں کے نازل فرمانے کو تمہارے لیے صرف بشارت بنایا ہے اور تاکہ وہ تمہارے دلوں کو مطمئن رکھیں ... (آل عمران: ۱۲۶)''۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۲۹۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

(۳) علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی البصری الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ، الانفال: ۱۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فرشتوں کے قتال کرنے کے متعلق دو قول ہیں: (۱) فرشتوں نے قتال نہیں کیا وہ صرف بشارت دینے کے لیے اور مومنین کو مطمئن کرنے کے لیے نازل فرمائے گئے تھے ورنہ صرف ایک فرشتہ تمام مشرکین کو ہلاک کر سکتا ہے جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام

نے قومِ لوط کو ہلاک کر دیا تھا۔ (۲) فرشتوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قتال کیا تھا جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابوجہل نے پوچھا: ہم پر ضرب کہاں سے آ رہی تھی ہم کسی شخص کو نہیں دیکھ رہے تھے تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ ضرب فرشتوں کی طرف سے آتی تھی، تب ابوجہل نے کہا: پھر فرشتے ہم پر غالب ہوئے تم ہم پر غالب نہیں ہوئے۔

(النکت والعیون ج ۲ ص ۲۹۹، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت)

(۴) علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے تمہاری امداد کو صرف تمہارے لیے اس بات کی بشارت قرار دیا ہے کہ تمہاری مدد کی جائے گی۔ اور یہ مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے نہ لڑنے والوں کی کثرت کی وجہ سے ہے اور نہ فرشتوں کی طرف سے ہے۔

(الکشاف ج ۱ ص ۴۴۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(۵) علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی المتوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

بہ کثرت فرشتوں کے نازل فرمانے کا فائدہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے حق میں دعا کریں گے، اللہ عزوجل کی تسبیح کریں گے اور لڑنے والوں کی تعداد میں اضافہ کریں گے، اس بناء پر فرشتوں نے بدر کے دن قتال نہیں کیا، وہ صرف دعا کرنے کے لیے اور مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۴ ص ۱۹۰، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۶) علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو صرف تمہیں بشارت دینے کے لیے بھیجا کہ تمہاری مدد کی جائے گی اور تمہارے دلوں کو مطمئن کرنے کے لیے اور مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے نہ لڑنے والوں کی طرف سے اور نہ فرشتوں کی طرف سے۔

(مدارک التنزیل ج ۱ ص ۲۹۰، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

(۷) شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی متوفی ۱۳۶۴ھ آل عمران: ۱۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہاں امداد کی حکمت نہایت تصریح کے ساتھ فرمائی جس میں غور کرنے سے اس مضمون پر کوئی شبہ باقی نہیں رہتا، کیونکہ حاصل اس کا یہ ہوا کہ ان فرشتوں کے نزول سے اصلی مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں کو قلبی سکون ہو۔ باقی طریقِ سکون کیا تھا سو سورۂ انفال میں اس قصہ میں ہے "فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" اور من جملہ وجوہ تثبیت کے یہ بھی ہے کہ اپنے روحانی تصرف سے قلوبِ مومنین میں تصرف پہنچا دیں جیسا کہ مشائخ اہلِ تصرف کیا کرتے ہیں اور جیسا کہ ابتداء نزول وحی میں جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے دبانے کی یہ بھی توجیہ کی جاتی ہے، پس اس بناء پر نہ تو فرشتوں کا نظر آنا ضروری ہے اور نہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ایک ہی فرشتہ سب کفار کو ہلاک کر سکتا تھا، پھر کئی ہزار کی کیا ضرورت تھی، پھر کئی ہزار نے بھی کفار کو ہلاک نہ کیا، وجہِ دفع یہ ہے کہ اصلی کام ان کا قتال نہ تھا جیسا کہ حنین اور احزاب میں بھی ملائکہ آئے اور قتال ان کا منقول نہیں۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۳۵، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، کراچی)

(۸) مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی متوفی ۱۳۹۱ھ آل عمران: ۱۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی بدر میں یہ فرشتے کافروں کو ہلاک کرنے نہ آئے تھے ورنہ ایک فرشتہ ہی کافی تھا جیسا کہ قومِ لوط وغیرہ کا حال ہوا بلکہ وہ صرف تمہاری جماعت بڑھانے اور تمہاری مدد کرنے آئے تھے۔ (حاشیہ نور العرفان بر کنز الایمان ص ۱۰۴، ادارہ کتب اسلامیہ، گجرات، پاکستان)

غزوۂ بدر میں فرشتوں کے عدم قتال کے سلسلہ میں حرفِ آخر

الحمدللہ رب العالمین! مذاہبِ اسلام کے تمام مفسرین کی تصریحات کے مطابق آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا کہ غزوۂ بدر میں فرشتوں نے کفار کے خلاف قتال نہیں کیا تھا، اور بعض لوگوں نے الانفال: ۱۲ سے یہ شبہ پیش کیا تھا کہ فرشتوں کو کفار کی گردنوں پر ضرب لگانے کا حکم فرمایا تھا، اس کا جواب بھی تئیس (۲۳) مفسرین کی تصریحات سے واضح ہوگیا کہ یہ حکم فرشتوں کو نہیں دیا گیا تھا بلکہ مومنین اور صحابہ کو حکم دیا گیا تھا، اور ہم جو فخر سے کہتے ہیں کہ تین سو تیرہ (۳۱۳) صحابہ نے ایک ہزار کفار کو شکست دی یہ تب ہی صحیح ہوگا جب صرف صحابہ نے کفار سے قتال کیا ہو، اور اگر ان کے ساتھ فرشتے بھی اس قتال میں شریک ہوں تو پھر صرف تین سو تیرہ صحابہ کا کفار کو شکست دینا کس طرح صحیح ہوگا، نیز اگر فرشتے بھی صحابہ کے ساتھ قتال میں شریک تھے تو پھر اس میں صحابہ کی کیا فضیلت رہی؟ (اس کی مکمل بحث ہم نے تبیان القرآن کی جلد اول میں آل عمران کی آیت ۱۲۵۔۱۲۶ کی تفسیر میں کی ہے۔)

اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ یُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ یُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَ لِیَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ یُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾

(اے مسلمانو!) اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے اپنی طرف سے تم پر سکون نازل فرمانے کے لیے ہلکی سی نیند طاری فرمادی اور آسمان سے تم پر بارش کا پانی نازل فرمایا تاکہ اس پانی سے تم کو پاک فرمادیں اور تم سے شیطان کے وسوسہ کو دور فرمادیں اور تمہارے دلوں کو مضبوط فرمادیں اور اس کی وجہ سے تمہارے پاؤں جمادیں ○

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىٕكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿ؕ۱۲﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) آپ اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف وحی فرمائی کہ بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں، سو آپ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھیں، میں عنقریب کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈال دوں گا، پس (اے مسلمانو!) تم کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ ○

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾

یہ حکم اس لئے فرمایا ہے کہ کافروں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والے ہیں ○

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

(اے کافرو!) یہ تمہاری سزا ہے، سو اس سزا کو چکھو اور یہ بھی جان لو کہ کافروں کے لیے دوزخ کا (دائمی) عذاب ہے O

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾

اے ایمان والو! جب تمہارا (میدانِ جہاد میں) کفار سے مقابلہ ہو تو تم کفار سے پیٹھ نہ پھیرنا O

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

اور جس نے اس دن کفار سے پیٹھ پھیری تو بے شک وہ اللہ کے غضب کو لے کر پھرا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے، سوا اس شخص کے جو جنگ کی چال چلتا ہوا پیٹھ پھیرے یا مسلمانوں کی جماعت سے ملنے کے لیے پیٹھ پھیرے O

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاۗءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾

سو (اے مسلمانو!) تم نے ان کافروں کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے ہی ان کو قتل فرمایا ہے، اور (اے رسولِ اکرم!) آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جس وقت آپ نے خاک کی مٹھی پھینکی تھی لیکن اللہ نے وہ خاک کی مٹھی پھینکی تھی اور تاکہ اللہ مومنین کو اپنی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائیں، بے شک اللہ سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں O

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

یہ سب ہو چکا ہے اور اللہ کافروں کے مکر کو کمزور فرمانے والے ہیں O

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَاۗءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـــًٔـا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾

(اے کافرو!) اگر تم (اپنے کرتوتوں کا) فیصلہ چاہتے ہو تو تمہارے پاس فیصلہ آ چکا ہے، اور اگر تم (اپنے کرتوتوں سے) باز آ جاؤ تو وہ (دنیا اور آخرت میں) تمہارے لیے بہتر ہے، اور اگر تم نے دوبارہ (ایسے کرتوت) انجام دیے تو ہم دوبارہ تمہیں سزا دیں گے اور تمہارا گروہ تمہارے کسی کام نہ آ سکے گا خواہ وہ گروہ تعداد میں زیادہ ہو، اور بے شک اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اے مسلمانو!) اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے اپنی طرف سے تم پر سکون نازل فرمانے کے لیے ہلکی سی نیند طاری فرما دی اور آسمان سے تم پر بارش کا پانی نازل فرمایا تاکہ اس پانی سے تم کو پاک فرما دیں اور تم سے شیطان کے وسوسہ کو دور فرما دیں اور تمہارے دلوں کو مضبوط فرما دیں اور اس کی وجہ

سے تمہارے پاؤں جمادیں O'' (الانفال:۱۱)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، الانفال ۱۱ تا ۱۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ'': حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حالتِ جہاد اور قتال میں نیند کا طاری ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور حالتِ نماز میں نیند کا طاری ہونا شیطان کی طرف سے ہے۔

''وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝'': اس آیت کا سببِ نزول یہ ہے کہ مسلمان جب غزوۂ بدر کے دن ایک ریت کے ٹیلے پر ٹھہرے، اس جگہ ریت میں اُن کے پیر دھنس رہے تھے اور اُن کی سواریوں کے کھر بھی ریت میں دھنس رہے تھے اور بدر کے کنویں پر مشرکین پہلے قبضہ کر چکے تھے، صبح جب مسلمان اٹھے تو ان میں سے بعض جنبی تھے اور بعض بے وضو تھے، اور ان کو شدید پیاس لگی ہوئی تھی، پس شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ تمہارا یہ زعم ہے کہ تم حق پر ہو اور تم میں اللہ کے نبی ہیں اور تم اللہ کے اولیاء ہو، حالانکہ مشرکین غلبہ سے پانی کو حاصل کر چکے ہیں، اور اب تم نماز بے وضو اور جنابت کی حالت میں پڑھو گے، پھر تم یہ توقع کیسے کر رہے ہو کہ تم ان کافروں پر غالب آ جاؤ گے، تب اللہ عزوجل نے اُن پر بارش نازل فرمائی، جس سے وہ وادی پانی سے بھر گئی، پھر مسلمانوں نے پانی پیا اور غسل کیا اور وضو کیا اور اپنی سواریوں کو بھی پانی پلایا اور اپنی مشکوں کو پانی سے بھر لیا، اور گرد و غبار کو دور کیا حتیٰ کہ اُن کے پیر ریت پر جم گئے اور شیطان کا وسوسہ جاتا رہا اور اُن کے دل خوش ہو گئے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''(اے مسلمانو!) اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے اپنی طرف سے تم پر سکون نازل فرمانے کے لیے ہلکی سی نیند طاری فرمادی تھی اور آسمان سے تم پر بارش کا پانی نازل فرمایا تاکہ اس پانی سے تم کو پاک فرمادیں اور تم سے شیطان کے وسوسہ کو دور فرمادیں اور تمہارے دلوں کو مضبوط فرمادیں اور تمہارے پاؤں ریت پر جمادیں O''۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) آپ اس وقت کو یاد کیجیے جب آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف وحی فرمائی کہ بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں، سو آپ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھیں، میں عنقریب کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈال دوں گا، پس (اے مسلمانو!) تم کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ O'' (الانفال:۱۲)

''اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ'': یعنی جن فرشتوں سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی تھی، ان فرشتوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی۔ ''اَنِّيْ مَعَكُمْ'': یعنی میں مدد فرمانے میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ''فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'': یعنی اے فرشتو! تم مومنین کے دلوں میں تقویت پہنچاؤ۔ مقاتل نے کہا: یعنی انہیں اللہ کی مدد کی بشارت دو۔ اور اس دن فرشتہ مرد کی صورت میں صف کے آگے چلتا اور کہتا: تمہیں خوش خبری ہو، اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمانے والے ہیں۔

''سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ'': عطاء نے کہا: یعنی کفار کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اپنے کامل بندوں کا خوف طاری فرمادیں گے۔ ''فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝'': ایک قول یہ ہے کہ یہ مومنین سے خطاب ہے،

اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ملائکہ سے خطاب ہے۔

اکثر مفسرین کے نزدیک ''فَاضۡرِبُوۡا فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ'' کا خطاب مومنین سے ہے اور بعض کے نزدیک یہ خطاب مومنین سے بھی ہے اور فرشتوں سے بھی ہے

(۱) امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''والصواب من القول فی ذالک ان یقال: ان اللہ امر المومنین معلّمھم کیفیة قتل المشرکین وضربھم بالسیف ان یضربوا فوق الاعناق منھم والایدی والارجل''۔

ترجمہ: (اس آیت کی تفسیر میں صحیح قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو مشرکین کے قتل کی کیفیت کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ ان کی گردنوں پر تلوار سے وار کرو اور ان کے ہاتھوں پر تلوار سے وار کرو اور ان کے پیروں پر)۔

نیز لکھتے ہیں: ''واما قولہ: ''وَاضۡرِبُوۡا مِنۡهُمۡ کُلَّ بَنَانٍ'' فان معناہ ''واضربوا ایھا المومنون من عدوکم کل طرف ومفصل من اطراف الایدی وارجلھم''۔ ترجمہ: (اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مومنو! تم اپنے دشمنوں کے ہاتھوں اور پیروں کی ہر طرف اور ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ)۔ (تفسیر الطبری ج ۱۱ ص ۷۱، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)

(۲) امام ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ثم علّم المومنین کیف یضربون ویقتلون فقال: فَاضۡرِبُوۡا فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ''۔

ترجمہ: (پھر اللہ تعالیٰ نے مومنین کو سکھایا کہ وہ کیسے ضرب لگائیں گے اور کس طرح قتل کریں گے، تو فرمایا: پس تم ان کی گردنوں کے اوپر ضرب لگاؤ)۔ (تفسیر السمرقندی ج ۲ ص ۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

(۳) علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فرشتوں نے پوچھا: ہم مومنین کو کیسے ثابت قدم رکھیں تو ان سے کہا گیا کہ مومنین کے سامنے میرے اس ارشاد کو پڑھو: ''سَاُلۡقِیۡ فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا الرُّعۡبَ'' فالضاربون علی ھذا ھم المومنون۔ ترجمہ: پس اس تقدیر پر کفار کی گردنوں پر ضرب لگانے والے مومنین ہیں۔ (الکشاف ج ۲ ص ۱۹۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(۴) امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَاضۡرِبُوۡا فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ'': اس خطاب کی تفسیر میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ یہ خطاب فرشتوں سے ہے، یہ ابن الانباری کا قول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ خطاب مومنین سے ہے، اور یہ مفسرین کی ایک جماعت کا قول ہے۔

(زاد المسیر ج ۲ ص ۱۹۳۔ ۱۹۴، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

(۵) امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم فرشتوں سے ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم مومنین سے ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو قتال اور حرب کے لیے نازل نہیں فرمایا۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۶۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

(۶) علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی المتوفی ۶۶۸ھ، الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ اس آیت میں فرشتوں کو کفار کی گردنوں پر ضرب لگانے کا حکم فرمایا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں مومنین کو حکم فرمایا ہے کہ وہ کفار کی گردنوں پر ضرب لگائیں۔

(۷) علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ، الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَاضْرِبُوْا'': یہ مومنین کو حکم ہے یا فرشتوں کو حکم ہے۔ (مدارک التنزیل ج ۱ ص ۶۳۵، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

(۸) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ، الانفال: ۱۲ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''پس بزنید اے مسلمانان بالائے گردنہا و بزنید از ایشان ہر طرف دست و پائی را''۔

ترجمہ: (پس اے مسلمانو! کفار کی گردنوں کے اوپر ضرب لگاؤ اور ان کے ہر ہاتھ اور پیر کے جوڑ پر ضرب لگاؤ)۔

(قرآن مجید چہار ترجمہ، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، رودگران دہلی ۱۱۰۰۶)

(۹) علامہ سید محمود آلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَاضْرِبُوْا'': یہ مومنین سے بالذات خطاب ہے۔ (روح المعانی ج ۶ ص ۲۵۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(۱۰) حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی متوفی ۱۳۹۱ھ الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس میں مسلمانوں سے خطاب ہے کہ کفاروں کو جوڑوں پر مارو، اس آیت میں نبوت کے فن کا ثبوت ہے جس میں دشمن کے ہر جوڑ پر چوٹ مارنا سکھایا جاتا ہے۔ (حاشیہ نور العرفان بر کنز الایمان ص ۲۸۳، ادارہ کتب اسلامیہ، گجرات، پاکستان)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ حکم اس لئے فرمایا ہے کہ کافروں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والے ہیں O'' (الانفال: ۱۳)

''ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ'': یعنی ان کفار نے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔

''وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾'': یعنی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے کافرو!) یہ تمہاری سزا ہے، سو اس سزا کو چکھو اور یہ بھی جان لو کہ کافروں کے لیے دوزخ کا (دائمی) عذاب ہے O'' (الانفال: ۱۴)

''ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾'': یعنی اے کافرو! یہ تمہاری سزا ہے، اس سزا کو چکھو اور جان لو کہ کافروں کے لیے دوزخ کا دائمی عذاب ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! جب تمہارا (میدانِ جہاد میں) کفار سے مقابلہ ہو تو تم کفار سے پیٹھ نہ پھیرنا O اور جس نے اس دن کفار سے پیٹھ پھیری تو بے شک وہ اللہ کے غضب کو لے کر پھرا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے، سوا اس شخص کے جو جنگ کی چال چلتا ہوا پیٹھ پھیرے یا مسلمانوں کی

جماعت سے ملنے کے لیے پیٹھ پھیرےO''(الانفال: ۱۵۔۱۶)

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ''؛اس آیت میں حالتِ جہاد میں کفار سے پیٹھ پھیرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔''وَ مَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ '': اور اس صورت میں پیٹھ پھیرنے کی اجازت عطا فرمائی ہے جب کوئی شخص مسلمانوں کی جماعت سے ملنے کے لیے پیٹھ پھیرے اور پھر بعد میں کفار سے لڑنے کے لیے آجائے۔اور جو اس کے علاوہ اور کسی وجہ سے پیٹھ پھیرے گا تو وہ اس وعید کا مصداق ہوگا۔

''فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ '': اس آیت کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ خصوصاً اہلِ بدر کے متعلق ہے، ان کے لیے اس لیے حالتِ جنگ میں کفار سے پیٹھ پھیرنا جائز نہیں تھا کیونکہ وہ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تھے، اور ان کے سامنے اور کوئی مسلمانوں کی جماعت نہیں تھی لیکن اس کے بعد بعض مسلمان دوسرے بعض مسلمانوں کے لیے پشت پناہ تھے۔اور یزید بن ابی حبیب نے کہا: جس شخص نے بدر کے دن پیٹھ پھیری اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے عذاب کی وعید سنائی ہے اور جب غزوۂ احد کا دن ہوا تو اس موقع پر اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْاۚ وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۔۔۔(آل عمران: ۱۵۵)'' (بے شک جو لوگ تم میں سے اس دن پھر گئے تھے جس دن دو فوجیں بالمقابل ہوئی تھیں، بے شک ان کے بعض کرتوتوں کی وجہ سے شیطان نے ان کے قدم پھسلا دیے تھے،اور بے شک اللہ نے ان لوگوں کو معاف فرمادیا، یقیناً اللہ بہت بخشنے والے اور (گرفت فرمانے میں) بے حد حلم والے ہیںO)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جس لشکر کو روانہ فرمایا تھا، ہم اس لشکر میں تھے، پس لوگوں کے ریلے میں آکر ہم بہہ گئے، پس ہم شکست کھا گئے،ہم نے کہا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) ہم الفرّارون (یعنی بھاگنے والے) ہیں،آپ نے فرمایا:''بل انتم الکرّارون'' (یعنی تم مسلمانوں کی طرف پلٹنے والے ہو)۔

(سنن ابوداؤد: ۲۶۴۷، سنن ترمذی: ۱۷۱۶، الادب المفرد للبخاری: ۹۷۲، مسند الحمیدی: ۶۸۷، المنتقی لابن الجارود: ۱۰۵۰، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج ۹ ص ۵۷، سنن بیہقی ج ۹ ص ۷۶) (تاہم یہ حدیث ضعیف ہے،اس حدیث کی سند میں یزید بن ابی زیاد راوی ہے اور وہ ضعیف راوی ہے)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو،صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ!وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا:اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، جس کے قتل کرنے کو اللہ نے حق کے سوا حرام فرمادیا ہے اس کو قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدانِ جہاد سے پیٹھ موڑنا اور پاک دامن جرم سے بری بھولی بھالی مومن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگانا۔(صحیح البخاری: ۲۷۶۶، ۵۷۶۴، ۶۸۵۷، صحیح مسلم: ۸۹، الرقم المسلسل: ۱۶۴، سنن ابوداؤد: ۲۸۷۴، سنن نسائی: ۳۶۷۰)

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف ج ۱ ص ۵۶۱، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ، صحیح مسلم: ۲۵۸، سنن نسائی: ۳۶۷۳)

علامہ شیخ عبداللہ بن حجازی الشرقاوی الشافعی المتوفی ۱۲۲۷ھ صحیح البخاری: ۲۷۶۶ کی شرح میں لکھتے ہیں:

سات ہلاک کرنے والے گناہ حسبِ ذیل ہیں:

(۱) الشرك: یعنی اللہ عزوجل کے سوا کسی اور کو عبادت کا مستحق قرار دیا جائے (۲) السحر: اس کا لغت میں معنی ہے: کسی چیز کو

اس کی حقیقت سے پھیر دیا جائے (۳) قتل ناحق (۴) سود کھانا (۵) یتیم کا مال کھانا، یتیم سے مراد وہ شخص ہے جس کا باپ اس کے بالغ ہونے سے پہلے فوت ہو گیا ہو (۶) جہاد کے دن دشمن سے پیٹھ پھیرنا (۷) پاک دامن مسلمان عورت پر زنا کی تہمت لگانا۔

(فتح المبدی، ج ۲ ص ۵۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء)

محدث احمد علی سہارنپوری متوفی ۱۲۹۷ھ، صحیح البخاری: ۲۷۶۶ کی شرح میں لکھتے ہیں:

(۱) السحر: ساحر کے قول یا فعل میں ایسی چیز ہو جو ایمان کے منافی ہو۔ ملا علی قاری التوفی ۱۰۱۴ھ نے لکھا ہے: علماء اہلسنت کے نزدیک سحر کی حقیقت ہے اور معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ ہمارے مذہب کا حاصل یہ ہے کہ جادو کا فعل کرنا فسق ہے۔ حدیث میں ہے: ''جس نے جادو کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے'' اور جادو کا سیکھنا حرام ہے۔ امام مالک اور ایک جماعت نے کہا کہ جادوگر مطلقاً کافر ہے اور جادو کرنا کفر ہے اور اس کا سیکھنا اور سکھانا بھی کفر ہے، اور جادوگر کو قتل کیا جائے گا اور اس سے توبہ نہیں طلب کی جائے گی خواہ جادو کرنے والا مسلمان ہو یا ذمی ہو۔ (مرقات ج ۱ ص ۲۲۲)

اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ نے لکھا ہے: سحر کا لغت میں معنی ہے دھوکہ دینا، قرآن مجید میں ہے: ''فَاَنّٰی تُسْحَرُوْنَ۝ ... (المومنون: ۸۹)'' (پھر تم کہاں جادو زدہ پڑے ہو۝)۔ یا تو جادو میں ملمع کاری ہوتی ہے یا اجسام کو خلط ملط کیا جاتا ہے جس کو سوائے جادوگر کے اور کوئی نہیں جانتا۔ جادو کا ظہور کفار اور فساق کے ہاتھوں سے ہوتا ہے اور اس سے مراد جادو کا فعل اور جادو کا سیکھنا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ فقط جادو کا فعل مراد ہے اور جادو کا سیکھنا جائز ہے تاکہ جادوگر کا رد کیا جا سکے۔ اسی طرح علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی متوفی ۹۸۶ھ نے ''مجمع بحار الانوار'' میں لکھا ہے۔ (لمعات ج ۳ ص ۴۷)

(۲) والتولی یوم الزحف: ''الصراح'' میں مذکور ہے زحف لشکر کو کہتے ہیں، یعنی دشمن کی طرف جانا اور یہ وہ جماعت ہے جو دشمن کی طرف چل کر جاتی ہے، اسی طرح ملا علی قاری نے لکھا ہے۔ (مرقات ج ۱ ص ۲۲۳) اور علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی متوفی ۹۸۶ھ نے ''الزحف'' کا معنی لکھا ہے: بڑا لشکر۔ اس لشکر کی کثیر تعداد کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ زحف ہے جس طرح بچہ گھٹنوں یا سرین کے بل دھیرے دھیرے گھسٹتا ہے۔ اسی طرح بڑا لشکر بھی دھیرے دھیرے چلتا ہے۔ اور الزحف کا معنی دشمن کی طرف بڑھنے والا لشکر جرار ہے۔ (المنجد اردو، ص ۴۲۷، دار الاشاعت، کراچی)

(۳) قذف المحصنات: یعنی پاک دامن بے قصور مسلمان عورتوں پر زنا کی تہمت لگائی جائے۔ اسی طرح ملا علی قاری نے لکھا ہے۔

(المرقات ج ۱ ص ۲۲۳)۔ (الجامع الصحیح، ج ۵ ص ۴۷۶، دار البشائر الاسلامیہ بیروت، ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو (اے مسلمانو!) تم نے ان کافروں کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے ہی ان کو قتل فرمایا ہے، اور (اے رسولِ اکرم!) آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جس وقت آپ نے خاک کی مٹھی پھینکی تھی لیکن اللہ نے وہ خاک کی مٹھی پھینکی تھی اور تاکہ اللہ مومنین کو اپنی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائیں، بے شک اللہ سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں۝'' (الانفال: ۱۷)

''فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ'': مجاہد نے بیان کیا: اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ جب مسلمان غزوۂ بدر میں

قتال سے واپس مڑے تو کوئی مرد یوں کہتا تھا میں نے فلاں کو قتل کیا ہے، اور دوسرا کہتا تھا: میں نے فلاں کو قتل کیا ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی کہ تم نے ان کفار کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد فرما کر اور تمہیں تقویت دے کر ان کو قتل کرنے کا سبب فراہم فرمایا ہے۔

''وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى'': کیونکہ کسی بشر میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ خاک کی مُٹھی اٹھا کر کفار کی طرف پھینکے اور وہ خاک سب کفار کے چہروں اور ان کی آنکھوں میں پڑ جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں میں رعب ڈالا اور مسلمانوں کی ہیبت ڈال دی حتیٰ کہ وہ شکست کھا گئے۔ یعنی جب آپ نے خاک کی مُٹھی کفار کی طرف پھینکی تو آپ نے ان کے دلوں میں رعب نہیں ڈالا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈالا تھا۔ یا آپ نے حقیقتاً ان کی طرف خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جب آپ نے ظاہراً ان کی طرف خاک کی مٹھی پھینکی تھی، یا آپ نے خاک کی مٹھی پھینکنے کو خلق نہیں کیا جب آپ نے خاک کی مٹھی پھینکنے کا کسب کیا تھا۔

''وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا'': یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ مومنین کے اوپر نعمتِ عظیمہ کا انعام فرمائیں اور ان کو اس جنگ میں فتح اور نصرت سے ہمکنار فرمائیں اور مالِ غنیمت عطا فرمائیں۔ ''اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ'': اللہ تعالیٰ تمہاری دعا کو سننے والے ہیں۔ ''عَلِيْمٌ'': تمہاری نیات کو جاننے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ سب ہو چکا ہے اور اللہ کافروں کے مکر کو کمزور فرمانے والے ہیں O''

(الانفال: ۱۸)

''ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ'': یعنی اس سے پہلے کفار کو قتل کرنے اور ان کی طرف خاک کی مٹھی پھینکنے کا ذکر فرمایا ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے کافرو!) اگر تم (اپنے کرتوتوں کا) فیصلہ چاہتے ہو تو تمہارے پاس فیصلہ آچکا ہے، اور اگر تم (اپنے کرتوتوں سے) باز آجاؤ تو وہ (دنیا اور آخرت میں) تمہارے لیے بہتر ہے، اور اگر تم نے دوبارہ (ایسے کرتوت) انجام دیے تو ہم دوبارہ تمہیں سزا دیں گے اور تمہارا گروہ تمہارے کسی کام نہ آسکے گا خواہ وہ گروہ تعداد میں زیادہ ہو، اور بے شک اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہیں O'' (الانفال: ۱۹)

''اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ'': غزوۂ بدر کے دن جب دو فوجیں آپس میں بالمقابل ہوئیں تو ابوجہل لعنہ اللہ نے کہا: اے اللہ! ان دو فریقوں میں سے ہم میں سے کون سا فریق ہے جو قطع رحم کرنے والا ہے، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۷۳۔۲۸۰، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اور آپ اس وقت کعبہ کے صحن میں اپنی چادر پر بیٹھے ہوئے تھے، پس ہم نے عرض کیا: کیا آپ ہمارے لیے مدد نہیں طلب فرماتے؟ کیا آپ ہمارے لیے دعا نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: تم سے پہلے جو لوگ تھے ان میں سے کسی مرد کو پکڑا جاتا اور اس کے لیے زمین کھودی جاتی، پھر اس کو زمین

میں رکھ دیا جاتا، پھر آری لائی جاتی اور اس کے سر پر رکھی جاتی، پھر اس مرد کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے اور اس کے گوشت اور ہڈی کے درمیان لوہے کی کنگھی کی جاتی، پس یہ ظلم بھی ان کو اپنے دین سے نہیں پھیرتا تھا، اور اللہ تعالیٰ اپنے اس دین کو ضرور مکمل فرمائیں گے حتیٰ کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک کا سفر کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کسی کا ڈر نہیں ہوگا۔ اور بھیڑیا اپنی بکریوں کا محافظ ہوگا لیکن تم لوگ جلدی کرتے ہو۔ (صحیح البخاری: ۳۶۱۲، ۳۸۵۲، ۶۹۴۳، سنن ابوداؤد: ۲۶۴۹، مسند احمد: ۲۰۵۶۸)

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف، ج ۲۰ ص ۶۵۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

علامہ شیخ عبد اللہ بن حجازی الشرقاوی الشافعی المتوفی ۱۲۲۷ھ صحیح البخاری: ۳۶۱۲ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حتی یسیر الراکب من صنعاء: صنعاء یمن کا بہت بڑا شہر ہے۔

الی حضر موت: یہ بھی یمن کا ایک شہر ہے اور صنعاء سے حضر موت تک بہت لمبی مسافت ہے، ایک قول ہے کہ چار دن کی مسافت ہے۔ (فتح المبدی ج ۳ ص ۱۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء)

محدث احمد علی سہارنپوری متوفی ۱۲۹۷ھ، صحیح البخاری: ۳۶۲۲ کی شرح میں لکھتے ہیں:

المنشار: لکڑی کو کاٹنے کا آلہ جس کو اردو میں آری کہتے ہیں۔

لایخاف الا اللہ: علامہ احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ نے کہا ہے: یعنی ان کو اللہ کے سوا اور کسی کا ڈر نہیں ہوگا۔

(الجامع الصحیح ج ۷ ص ۳۲۲، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝۲۰

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی (اطاعت کرو) اور اُس سے روگردانی نہ کرو جب کہ تم سن رہے ہو ○

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝۲۱

اور اے مسلمانو! تم اُن لوگوں کی مثل نہ ہو جانا جنہوں نے کہا تھا: ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے تھے ○

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۲۲

بے شک اللہ کے نزدیک بدترین جاندار وہ ہیں جو بہرے ہوں، گونگے ہوں، جو لوگ کچھ نہیں سمجھتے ○

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۲۳

اور اگر اللہ کے علمِ ازلی میں اُن کے اندر کوئی خیر ہوتی تو اللہ اُن کو ضرور سنا دیتے اور اگر (بالفرض) اللہ اُن کو سنا دیتے تب بھی وہ ضرور روگردانی کرتے ہوئے پیٹھ پھیرنے والے ہوتے ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۲۴

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر فوراً حاضر ہو جاؤ جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفریں ہو، اور یاد رکھو کہ بے شک مرد اور اس کے دل کے درمیان اللہ حائل ہو جاتے ہیں اور بے شک اللہ ہی کی طرف تم سب جمع کیے جاؤ گے O

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

اور (اے مسلمانو!) تم اس عام فتنہ سے بچتے رہو جس کی سزا تم میں سے صرف اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں تک محدود نہیں رہے گی (بلکہ ظلم سے نہ روکنے والوں کو بھی شامل ہو گی)، اور یاد رکھو کہ بے شک اللہ سخت سزا دینے والے ہیں O

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَیَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور (اے مسلمانو!) اس وقت کو یاد کرو جب تم تعداد میں کم تھے اور ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے، تم اس سے خوف زدہ تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچانک اُچک کر نہ لے جائیں، پس اللہ نے تمہیں ٹھکانا دیا اور اپنی مدد سے تمہیں قوت عطا فرمائی اور پاکیزہ چیزوں سے تمہیں روزی عطا فرمائی تاکہ تم اللہ کا شکر ادا کرو O

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

اے ایمان والو! تم اللہ سے اور رسول سے عمداً خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو O

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۸﴾ ع

اور یاد رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد صرف آزمائش ہیں، اور بے شک اللہ ہی کے پاس اجرِ عظیم ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی (اطاعت کرو) اور اُس سے روگردانی نہ کرو جب کہ تم سن رہے ہو O'' (الانفال: ۲۰)

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی التوفی ۳۷۵ھ، الانفال ۲۰ تا ۲۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ'': مالِ غنیمت اور کفار سے صلح کرنے کے متعلق اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ ''وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ'': یعنی اللہ کے حکم سے مونہہ نہ موڑو۔ ''وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝'': جب کہ تم قرآن میں صلح کے متعلق اللہ عزوجل کی نصیحتیں سن رہے ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اے مسلمانو! تم اُن لوگوں کی مثل نہ ہو جانا جنہوں نے کہا تھا: ہم نے سن لیا

حالانکہ وہ نہیں سنتے تھے O'' (الانفال: ۲۱)

ان لوگوں کا مصداق جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو غور وفکر سے نہیں سنتے تھے

''وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ؀'': یعنی تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو تدبر سے نہیں سنتے اور سننے کے بعد اس میں غور وفکر نہیں کرتے۔ الکلبی نے کہا: یہ لوگ بنو عبد الدار سے تھے، ان میں سے صرف دو مرد اسلام لائے تھے: مصعب بن عمیر اور سوید بن حرملة رضی اللہ عنہما۔ اور الضحاک اور مقاتل نے کہا: اس سے مراد منافقین ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ کے نزدیک بدترین جاندار وہ ہیں جو بہرے ہوں، گونگے ہوں، جو لوگ کچھ نہیں سمجھتے O'' (الانفال: ۲۲)

''اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ'': یعنی تمام لوگوں میں اللہ کے نزدیک سب سے برے وہ لوگ ہیں۔ ''الصُّمُّ'': جو ہدایت کی بات سننے سے بہرے ہیں۔ ''الْبُكْمُ'': یعنی جو لوگ خیر کی بات کہنے سے گونگے ہیں۔ ''الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ؀'': جو لوگ ایمان کو نہیں سمجھتے۔ اس آیت میں بنو عبد الدار کے وہ لوگ مراد ہیں جو اسلام نہیں لائے تھے اور دیگر کفار مراد ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر اللہ کے علمِ ازلی میں اُن کے اندر کوئی خیر ہوتی تو اللہ اُن کو ضرور سنا دیتے اور اگر (بالفرض) اللہ اُن کو سنا دیتے تب بھی وہ ضرور روگردانی کرتے ہوئے پیٹھ پھیرنے والے ہوتے O'' (الانفال: ۲۳)

''وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ'': یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ ہوتا کہ وہ سچے ہیں تو وہ ضرور ان کو ایمان عطا فرماتے اور ان کی تکریم فرماتے۔ ''وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ'' یعنی اگر اللہ عزوجل ان کو اسلام سے مکرم فرماتے۔ ''لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ؀'': تو وہ ضرور ایمان لانے سے اعراض کرتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علمِ ازل میں یہ مقرر تھا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر فوراً حاضر ہوجاؤ جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفریں ہو، اور یاد رکھو کہ بے شک مرد اور اس کے دل کے درمیان اللہ حائل ہوجاتے ہیں اور بے شک اللہ ہی کی طرف تم سب جمع کیے جاؤ گے O'' (الانفال: ۲۴)

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ'': یعنی کفار سے قتال کرنے کے سلسلہ میں جب اللہ تعالیٰ حکم دیں تو اس کو مانو۔ ''وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ'': یعنی جب رسول تمہیں کفار سے لڑنے کے بلائیں تو فوراً چلے آو۔ ''لِمَا یُحْیِیْكُمْ'': یعنی جب تمہیں قرآن مجید کے حکم پر عمل کرنے کے لیے بلائیں، جس پر عمل کرنے سے دل زندہ ہوتے ہیں۔ اور ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ تمہیں اس چیز کی طرف دعوت دیں جو آخرت میں تمہاری دائمی حیات کا سبب ہو۔

اللہ عزوجل کا مرد اور اس کے دل کے درمیان حائل ہونا

"وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ عزوجل مومن اور اس کے گناہوں کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں کہ کہیں وہ دوزخ میں نہ چلا جائے۔ اور کافر اور اس کی اطاعت کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں کہ کہیں وہ جنت میں نہ چلا جائے۔ "وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ": یعنی تم آخرت میں اللہ ہی کے پاس جمع کیے جاؤ گے، سو وہ تمہارے نیک کاموں پر تمہیں اجر عطا فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور (اے مسلمانو!) تم اس عام فتنہ سے بچتے رہو جس کی سزا تم میں سے صرف اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں تک محدود نہیں رہے گی (بلکہ ظلم سے نہ روکنے والوں کو بھی شامل ہوگی)، اور یاد رکھو کہ بے شک اللہ سخت سزا دینے والے ہیں O" (الانفال: ۲۵)

"وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً": مقاتل نے کہا: یہ آیت حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ الضحاک نے کہا: یہ آیت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر دبایا تو انہوں نے کہا: اے فتنہ کے قفل (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت فتنہ کے مقابلہ میں قفل تھی، جب تک وہ زندہ ہوں گے تو فتنہ داخل نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوئی فتنہ نمودار نہیں ہوا اور ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت سے فتنوں کا دروازہ کھل گیا)، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: قفل الفتنة سے تمہاری کیا مراد ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایک دن آپ آئے اور لوگوں کے آخر میں بیٹھ گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک تم پر کوئی فتنہ داخل نہیں ہوگا جب تک یہ تمہارے درمیان موجود ہیں، اور مولا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اور عثمان کو اس امت کے لیے فتنہ بنایا ہے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۹۴۵، عمدۃ القاری ج ۱۶ ص ۱۳۰، التیسیر بشرح الجامع الصغیر ج ۱ ص ۸۰، ج ۲ ص ۱۹۱، التفسیر من سنن سعید بن منصور المقدمہ ص ۴۸)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: تم میں سے کس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتنہ کے متعلق حدیث یاد ہے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مرد اپنی اہلیہ اور اپنے مال اور اپنی اولاد اور اپنے پڑوسی کی وجہ سے جس فتنہ (گناہ) میں مبتلاء ہوتا ہے، تو نماز، صدقہ، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اس فتنہ اور گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تم سے اس فتنہ کے متعلق سوال نہیں کر رہا، لیکن میں اس فتنہ کے متعلق سوال کر رہا ہوں جو سمندر کی موج کی طرح اُمڈ کر آئے گا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المومنین! آپ کو اس فتنہ سے کوئی خطرہ نہیں ہے، بے شک آپ کے اور اس فتنہ کے درمیان ایک مقفل دروازہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آیا اس دروازہ کو توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بلکہ توڑا جائے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر وہ دروازہ کبھی بند نہیں ہوگا؟ میں نے کہا: جی ہاں، ہم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ دروازہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! جیسا کہ میں جانتا ہوں کہ دن کے بعد رات آتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ان کو ایسی حدیث بیان کی ہے جس میں کوئی پہیلی اور بجھارت نہیں ہے، پس ہم

لوگ اس سے ڈرے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھتے کہ وہ دروازہ کون ہے؟ پھر ہم نے مسروق سے کہا کہ آپ سوال کریں، تو انہوں نے بتایا کہ وہ دروازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۲۵، ۱۴۳۵، ۱۸۹۵، ۳۵۸۶، ۷۰۹۶، صحیح مسلم: ۱۴۴، سنن ترمذی: ۲۲۵۸، سنن ابن ماجہ: ۳۹۵۵، مسند احمد: ۲۲۹۰۳)

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف، ج ۱۴ ص ۶۸۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

علامہ شیخ عبداللہ بن حجازی الشرقاوی الشافعی التوفی ۱۲۲۷ھ صحیح البخاری: ۵۲۵ کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایکم یحفظ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الفتنۃ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب کی آزمائش اور امتحان کے لیے پوچھا۔

فتنہ کا اطلاق کفر پر اور فضیحت (رسوائی) پر اور عذاب پر اور مصیبت وغیرہ پر ہوتا ہے اور اس کا استعمال خیر اور شر دونوں میں ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ''وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً۔۔۔ (الانبیاء:۳۵)'' (اور ہم تمہاری آزمائش کے لیے تم کو خوش حالی اور بدحالی میں مبتلا فرماتے ہیں)۔

فتنۃ الرجل فی اهله: یعنی کوئی شخص اپنے گھر والوں کے متعلق کوئی ناجائز بات کہے یا اُن کی خاطر کوئی ناجائز کام کرے۔ (جیسے کوئی شخص اپنے گھر والوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے قومی اداروں سے رشوت لے)۔

فتنۃ الرجل فی مالہ: یعنی کسی ناجائز محل سے مال اٹھائے یا ناجائز محل میں مال خرچ کرے۔

فتنتہ فی ولدہ: یعنی اپنی اولاد کی بہتری کی خاطر ناجائز مال حاصل کرے۔

تکفرها الصلاۃ والصوم والصدقۃ والامر والنھی: اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب گناہِ کبیرہ کے اجتناب سے صغائر معاف ہوجاتے ہیں تو پھر پانچ نمازوں سے کون سے کبیرہ گناہ معاف ہوں گے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کبائر سے مجتنب ہونا صغائر کی معافی کے لیے اس وقت تک کافی نہیں ہوتا جب تک کہ اس اجتناب کے ساتھ پانچ نمازیں نہ پڑھی جائیں، اگر وہ گناہِ کبیرہ سے مجتنب رہا اور پانچ نمازیں نہیں پڑھیں تو پھر گناہِ کبیرہ سے اجتناب اس کے صغائر کی معافی کے لیے سبب نہیں ہوگا۔ نیز گناہ بیماریوں کی مثل ہے اور مکفرات دواؤں کی مثل ہیں اور بعض بیماریوں کے مناسب بعض دوائیں نہیں ہوتیں بلکہ اُن سے اور بیماریاں ہوجاتی ہیں۔ اور اگر بندہ کے گناہِ صغیرہ نہ ہوں اور اس کے گناہِ کبیرہ ہوں تو اعمالِ صالحہ کے سبب سے گناہِ کبیرہ جھڑ جاتے ہیں، یا اُن میں تخفیف ہوجاتی ہے۔

قال عمر اذن لا یخلف: یعنی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا جائے گا تو پھر یہ فتنے کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فتنوں میں شہید کیا گیا۔ (فتح المبدی ج ۱ ص ۳۷۵۔۳۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء)

اور دوسرے مفسرین نے کہا: ''لَا تُصِيْبَنَّ'' یہ نہی بصورت نفی ہے اور اس کا معنی ہے: تم فتنہ سے ڈرو، پھر منع فرمایا جیسے فرمایا: ''لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ۔۔۔ (النمل:۱۸)'' یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر کو چیونٹیوں کو کچلنے سے منع فرمایا۔

''وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾'': اس آیت میں فتنہ برپا کرنے والوں کے لیے سخت سزا کی وعید ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب فتنے ہوں گے اس وقت بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہوا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا اور جو ان فتنوں میں جھانکے گا

فتنے اس کو ہلاک کر دیں گے اور جس کو کوئی پناہ یا عافیت کی جگہ مل جائے وہ اس پناہ کو حاصل کر لے۔

(صحیح البخاری: ۳۶۰۱، ۷۰۸۱، ۷۰۸۲، صحیح مسلم: ۲۸۸۶، الرقم المسلسل: ۷۱۴۱، صحیح ابن حبان: ۵۹۵۹، شرح السنہ: ۴۲۲۹، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۳۴۴، سنن بیہقی ج ۸ ص ۱۹۰، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۲ طبع قدیم، مسند احمد: ۷۷۹۶، ج ۱۳ ص ۲۰۷، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف، ج ۱۴ ص ۶۷۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

علامہ شیخ عبداللہ بن حجازی الشرقاوی الشافعی المتوفی ۱۲۲۷ھ صحیح البخاری: ۳۶۰۱ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: تم میں سے جو شخص بھی لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہوگا اس پر قیامت نہیں آئے گی۔ اگر تم یہ اعتراض کرو کہ ایک اور حدیث میں ہے: ''میری امت میں سے چند لوگ ہمیشہ حق پر قائم رہیں گے حتیٰ کہ ان پر قیامت آ جائے گی''۔ اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نیک لوگوں پر بھی قیامت آئے گی۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب ایک خوشبودار ہوا چلے گی اور ہر مسلمان کی روح کو قبض کر لے گی اور صرف زمین پر بدکار لوگ رہ جائیں گے۔ پھر اچانک ان بدکار لوگوں پر قیامت آ جائے گی۔

(فتح المبدی ج ۳ ص ۶۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء)

محدث احمد علی سہارنپوری متوفی ۱۲۹۷ھ، صحیح البخاری: ۳۶۰۱ کی شرح میں لکھتے ہیں:

''من تشرف لها يستشرفه'': اس کا معنی ہے: کسی چیز کے درپے ہونا اور اس کا انتظار کرنا۔

علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے: اس حدیث میں فتنوں سے دور رہنے اور فتنوں سے بھاگنے پر برانگیختہ فرمایا ہے۔ (الکواکب الدراری شرح الکرمانی ج ۱۴ ص ۱۶۸)۔ (الجامع الصحیح ج ۷ ص ۳۰۸، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

حضرت الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اس آیت کو ایک عرصہ تک پڑھتے رہے اور ہمیں یہ گمان نہیں تھا کہ ہم اس آیت کا مصداق ہیں۔ پھر بعد میں ہم کو معلوم ہوا کہ ہم ہی اس آیت کے مصداق ہیں۔

(تفسیر الطبری ج ۱۱ ص ۱۱۴۔۱۱۵، دار عالم الکتب، ریاض ۱۴۳۴ھ تفسیر عبدالرزاق ج ۱ ص ۲۵۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۱۱۵، مسند احمد: ۱۴۱۴، ۱۴۳۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۲۰۶، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۶۸۱، مسند البزار: ۹۷۶، تاریخ دمشق ج ۱۸ ص ۴۰۵، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۱۸۹)

السدی نے کہا: یہ آیت خصوصیت سے اہلِ بدر کے متعلق نازل ہوئی ہے، پھر جنگ جمل میں وہ فتنہ میں مبتلا ہوئے اور انہوں نے ایک دوسرے سے قتال کیا۔ (تفسیر طبری ج ۱۱ ص ۱۱۴۔۱۱۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۲۷۶ تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۶۸۲)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو!) اس وقت کو یاد کرو جب تم تعداد میں کم تھے اور مُلک میں کمزور سمجھے جاتے تھے، تم اس سے خوف زدہ تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچانک اُچک کر نہ لے جائیں، پس اللہ نے تمہیں ٹھکانا دیا اور اپنی مدد سے تمہیں قوت عطا فرمائی اور پاکیزہ چیزوں سے تمہیں روزی عطا فرمائی تاکہ تم اللہ کا شکر ادا کرو O'' (الانفال: ۲۶)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کی حفاظت کرو، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ ''وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ '': یعنی جب تم مکہ مکرمہ میں قہر زدہ تھے۔ ''تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ '': تمہیں اس کا خوف تھا کہ لوگ تم کو روند ڈالیں گے اور کفار تمہیں اٹھا کر لے جائیں گے۔ ''فَاٰوٰىكُمْ '' تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں مدینہ میں پناہ عطا فرمائی۔ ''وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ '': اور غزوہ بدر کے دن تمہاری مدد فرمائی۔ قتادہ نے بیان فرمایا کہ مسلمان دو شیروں کے درمیان تھے یعنی قیصر اور کسریٰ کے درمیان، اور انہیں اس کا خوف تھا کہ ان کو اہلِ فارس یا اہلِ روم مکہ سے اٹھا کر لے جائیں گے۔ ''وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ '': یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو پاکیزہ مالِ غنیمت عطا فرمایا۔ ''لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ '': تا کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اس کی فرمانبرداری کرو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! تم اللہ سے اور رسول سے عمداً خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو'' (الانفال: ۲۷)

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ '': لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے منصوبوں کے متعلق کوئی بات سنتے تو اس کو دوسروں کے درمیان پھیلا دیتے حتیٰ کہ مشرکین تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصوبوں کی خبر پہنچ جاتی، پس اللہ عزوجل نے اس سے منع فرمادیا کہ تم اللہ اور اس کے رسول سے خیانت نہ کرو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہر مومن پر اللہ تعالیٰ کے فرائض امانت ہیں، خواہ وہ ان فرائض کو ادا کرے یا اُن میں خیانت کرے۔ القتبی نے کہا کہ خیانت یہ ہے کہ تمہارے پاس کوئی چیز امانت رکھی جائے اور تم اس امانت رکھنے والے کو وہ چیز ادا نہ کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں سے نافرمانی کرنے والے کو خائن قرار دیا، کیونکہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کے احکام امانت ہیں، وہ ان کی نافرمانی کر کے خیانت کرتا ہے۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی خیانت اور ان کی توبہ

یہ آیت حضرت ابولبابہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جب انہوں نے بنو قریظہ کی طرف یہ اشارہ کیا کہ تم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ پر اپنے قلعہ سے نہ اترنا اور انہوں نے اپنے حلقوم کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ اگر تم ان کے فیصلہ پر قلعہ سے اتر آئے تو تمہارے گلے کاٹ دیے جائیں گے، اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق سے واپس ہو کر بنو قریظہ کا محاصرہ فرمالیا اور ان کے قلعہ کے دروازہ پر ٹھہرے اور اس قلعہ میں چھ سو (یا سات سو) یہودی تھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کے باوجود اس کی خلاف ورزی کی اور آپ کے خلاف قریش کی مدد کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں کو ندا فرمائی: اے بندروں اور خنزیروں کے بھائیو! تم اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق قلعہ سے اتر آؤ، سو یہود نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم!) آپ اس سے پہلے تو اتنی سخت بات نہیں کرتے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس حضرت ابولبابہ بن عبد المنذر انصاری رضی اللہ عنہ کو بھیجا، وہ یہود کے پاس گئے، یہود ان کی طرف مائل ہوئے اور انہوں نے کہا: اے ابولبابہ! آپ کیا مشورہ دیتے ہیں، آیا ہم (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم کے مطابق قلعہ سے نیچے اتر آئیں تو حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ کو اپنے حلقوم کی طرف لے گئے اور اشارہ کیا کہ اگر تم قلعہ سے اتر آئے تو تم کو ذبح کر دیا جائے گا، حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے

کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! کہ ابھی میں اسی جگہ ٹھہرا ہوا تھا کہ میرے ضمیر نے مجھ سے کہا کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے۔ اور انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ باندھ دیا اور کہا: جب اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالیں گے تو میں اپنی زنجیروں کو کھول کر ستون کو چھوڑ دوں گا حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور یہ آیت نازل فرمائی: ''اے ایمان والو! تم اللہ سے اور رسول سے عمداً خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو''۔

الزہری نے بیان کیا کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! نہ میں کوئی طعام چکھوں گا نہ پانی پیوں گا حتیٰ کہ میں مر جاؤں، یا اللہ عزوجل میری توبہ قبول فرمائیں۔ پھر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اسی حال پر سات دن برقرار رہے نہ کچھ کھاتے تھے نہ پیتے تھے حتیٰ کہ وہ بے ہوش ہو کر گر گئے، پھر اللہ عزوجل نے ان کی توبہ قبول فرمائی، ان سے کہا گیا: اے ابولبابہ! اللہ عزوجل نے تمہاری توبہ قبول فرمالی ہے، انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں اپنے آپ کو اس ستون سے نہیں کھولوں گا حتیٰ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ کر مجھے اس ستون سے کھولیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے ان کی زنجیروں کو کھول دیا، پھر حضرت ابولبابہ الانصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری توبہ یہ ہے کہ میں اس گھر کو چھوڑ دوں گا جس گھر میں مجھ سے یہ گناہ ہوا ہے اور اپنے مال کو چھوڑ دوں گا، آپ نے فرمایا: تمہارے لیے تہائی مال کو صدقہ کرنا کافی ہے۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۸۵، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ، تفسیر طبری ج ۱۱ ص ۱۲۱۔ ۱۲۲، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر عبدالرزاق ج ۱ ص ۲۸۶، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۷۳، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۲۷۱، اسباب النزول: ۴۷۷)

''وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾'': یعنی جب کہ تم جانتے ہو کہ تم خیانت کر رہے ہو۔ محمد بن اسحاق نے کہا: تم ظاہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہو اور پوشیدگی میں مخالفت کرتے ہو۔ یہ تمہاری جانوں کی ہلاکت کا سبب ہے اور امانت میں خیانت ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور یاد رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد صرف آزمائش ہیں، اور بے شک اللہ ہی کے پاس اجرِ عظیم ہے O'' (الانفال: ۲۸)

''وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ'': یعنی تمہارے مالوں میں اور تمہاری اولاد میں تمہاری آزمائش ہے۔ کیونکہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اُن یہودیوں کی اس لیے خیر خواہی کی تھی تاکہ ان کو مال مل جائے اور ان کی اولاد جو بنو قریظہ کے قبضہ میں تھی وہ بنو قریظہ سے چھوٹ جائے۔ ''وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾'': یعنی تم میں سے جو صبر کرے گا اور خیانت نہیں کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائیں گے۔ (تفسیر سمرقندی ج ۲ ص ۱۱۔ ۱۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

میں کہتا ہوں: جس طرح بعض سرکاری ملازمین لوگوں سے اس لیے رشوت لیتے ہیں کہ رشوت کے پیسوں سے اپنے گھر والوں کی ضروریات پوری کریں اور اس رقم کو اپنے بال بچوں کی تعلیم اور علاج معالجہ پر خرچ کریں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تم کو باطل سے ممتاز فرما دیں گے اور تم سے تمہارے گناہوں کو مٹا دیں گے اور تمہاری مغفرت فرما دیں گے، اور اللہ بہت بڑے فضل والے ہیں O

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

(اے رسولِ اکرم!) اس وقت کو یاد کیجئے جب کفار آپ کے خلاف خفیہ تدبیریں کر رہے تھے تا کہ وہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو شہید کر دیں یا آپ کو بے وطن کر دیں، وہ اپنے مکر میں مشغول تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرما رہے تھے، اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والے ہیں O

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور جب ان لوگوں پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں: ہم ان آیات کو سن چکے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس کی مثل آیتیں کہیں، یہ صرف پہلے لوگوں کے قصے ہیں O

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

اور آپ یاد کیجئے جب انہوں نے کہا تھا: اے اللہ! اگر یہ (قرآن) آپ کی طرف سے برحق ہے تو آپ ہم پر آسمان سے پتھر برسائیں یا ہم پر دردناک عذاب بھیج دیں O

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان پر اس وقت عذاب بھیجیں جب (اے رسولِ اکرم!) آپ ان کے درمیان موجود ہیں، اور نہ اللہ اُن کو اس وقت عذاب دینے والے ہیں جس وقت وہ اللہ سے مغفرت طلب کر رہے ہوں O

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور اللہ ان پر کیونکر عذاب نہ نازل فرمائیں حالانکہ وہ لوگوں کو مسجدِ حرام (میں جانے) سے روکتے ہیں، جب کہ وہ مسجدِ حرام کے متولی بننے کے مستحق نہیں ہیں، مسجدِ حرام کے متولی بننے کے مستحق تو صرف اللہ سے ڈرنے والے لوگ ہیں، لیکن ان میں سے اکثر

لوگ نہیں جانتے O

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَیْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِیَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور کعبہ کے نزدیک ان کی نماز صرف سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا ہے، سو اب تم اپنے کفر کی وجہ سے عذاب چکھو O

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَیُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ ؕ۬ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ یُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾

بے شک جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا وہ اپنے اموال صرف لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے میں خرچ کرتے ہیں، وہ عنقریب اور بھی خرچ کریں گے، پھر اُن کا اس مال کو خرچ کرنا ان کے لیے باعثِ حسرت ہو جائے گا، پھر وہ لوگ مغلوب فرما دیئے جائیں گے، اور جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا ان کو دوزخ کی طرف ہانک دیا جائے گا O

لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ وَ یَجْعَلَ الْخَبِیْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَیَرْكُمَهٗ جَمِیْعًا فَیَجْعَلَهٗ فِیْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

تاکہ اللہ ناپاک کو پاک سے جدا فرما دیں اور ناپاک لوگوں کو اوپر تلے رکھ دیں، پس اُن سب کا اکٹھا ڈھیر بنا دیں، پھر اُن سب کو دوزخ میں ڈال دیں، یہی لوگ نقصان زدہ ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تم کو باطل سے ممتاز فرما دیں گے اور تم سے تمہارے گناہوں کو مٹا دیں گے اور تمہاری مغفرت فرما دیں گے، اور اللہ بہت بڑے فضل والے ہیں O'' (الانفال: ۲۹)

الانفال: ۲۹ میں فرقان کے محامل

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، الانفال ۲۹ تا ۳۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ'': یعنی اے مسلمانو! تم اللہ کی نافرمانی کو ترک کرو اور اس کے احکام کی اطاعت کرو۔

''یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا'': مجاہد نے کہا: دنیا اور آخرت میں تمہارے لیے مصائب اور مشکلات سے نکلنے کی جگہ بنا دیں گے۔ اور مقاتل بن حیان نے کہا: تمہارے لیے دین میں شبہات سے نکلنے کی جگہ بنا دیں گے۔ اور عکرمہ نے کہا: جن چیزوں سے تم خوف زدہ ہو اُن سے تمہاری نجات کی جگہ بنا دیں گے۔ اور ابن اسحاق نے کہا: تم کو حق اور باطل کے درمیان فصل بنا دیں گے اور اس فصل سے تمہارے برحق ہونے کو ظاہر فرما دیں گے اور باطل کو مٹا دیں گے اور الفرقان کا لفظ الرجحان اور النقصان کی طرح مصدر ہے۔

''وَیُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ'': یعنی تمہارے گزشتہ گناہوں کو مٹا دیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) اس وقت کو یاد کیجئے جب کفار آپ کے خلاف خفیہ تدبیریں کر رہے تھے تا کہ وہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو شہید کر دیں یا آپ کو بے وطن کر دیں، وہ اپنے مکر میں مشغول تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرما رہے تھے، اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والے ہیں O'' (الانفال: ۳۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت

''وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ وَیَمْكُرُوْنَ وَ یَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ O'':

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ جب انصار نے اسلام قبول کر لیا تو قریشِ مکہ اس بات سے ڈرے کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین غالب ہو جائے گا، پس ان کے سب بڑے بڑے دار الندوہ میں مشورہ کے لیے جمع ہو گئے۔ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، ابوسفیان، طعیمہ بن عدی اور النضر بن الحارث، ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسد، حکیم بن حزام، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج اور امیہ بن خلف ان کے سردار تھے۔ پس ابلیس لعنہ اللہ ایک شیخ (بوڑھا) کی شکل میں ان کے پاس آیا، جب قریش کے سرداروں نے اس کو دیکھا تو پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں شیخ نجد ہوں، میں نے تمہارے اجتماع کے متعلق سن لیا تھا، سو میں نے ارادہ کیا کہ میں بھی تمہاری مجلس میں حاضر ہوں اور تم مجھ سے بہتر رائے اور نصیحت کرنے والا کسی اور کو نہیں پاؤ گے، قریش کے سرداروں نے کہا: آجاؤ، سو وہ آ گیا۔

پس ابوالبختری نے کہا: رہا میں، تو میری رائے یہ ہے کہ تم (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گرفتار کر لو اور ان کو ایک گھر میں قید کر لو اور ان کو زنجیروں سے جکڑ دو اور ایک روشن دان کے سوا گھر کے دروازوں کو بند کر دو اور اس روشن دان کے ذریعہ ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں بھیجتے رہو اور انتظار کرو حتیٰ کہ وہ وہیں مر جائیں، جیسا کہ اس سے پہلے شعراء مر چکے ہیں۔ پھر اللہ کے دشمن الشیخ النجدی نے چلّا کر کہا: یہ تو بہت بری رائے ہے، اللہ کی قسم! اگر تم نے ان کو کسی گھر میں قید کر دیا تو ان کے اصحاب ان کو دروازہ توڑ کر نکال لیں گے، پھر وہ تم پر کاری وار کریں گے اور ان کو تمہاری قید سے چھڑا لیں گے، قریش نے کہا: الشیخ النجدی نے سچ کہا۔

پھر ہشام بن عمرو کھڑا ہوا جس کا تعلق بنو عامر بن لوی سے تھا، اس نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ تم ان کو ایک اونٹ پر سوار کر دو اور ان کو اپنے پاس سے بھگا دو، پھر وہ جو کچھ کریں اس سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا اور جہاں کہیں بھی وہ جائیں تو تمہیں ان سے راحت مل جائے گی، پھر ابلیس لعنہ اللہ نے یہ سن کر کہا: یہ رائے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ تم ان کو اپنے پاس سے بھگا دو گے یہ کہیں اور جا کر اپنا دین پھیلائیں گے، کیا تم کو اندازہ نہیں ہے کہ ان کی گفتگو میں کتنی حلاوت اور مٹھاس ہے اور یہ کس قدر چرب زبان ہیں اور لوگوں کے دل ان کی باتیں سننے کی طرف کس قدر مائل ہوتے ہیں۔ اگر تم نے ایسا کیا تو یہ پھر لوگوں کا ایک جتھہ لے کر تم پر حملہ کر دیں گے، قریش نے کہا: شیخ نجدی نے سچ کہا۔

پھر ابوجہل اٹھا، اس نے کہا: میں تمہارے سامنے ایک بہترین رائے پیش کرتا ہوں اور اس سے بہتر کوئی رائے نہیں ہو سکتی، تم

قریش کے ہر قبیلہ سے ایک نوجوان کو لو، پھر ہر نوجوان کو ایک برہنہ شمشیر دے دو، پھر سب مل کر ان کو قتل کر ڈالو، اب ان کے قتل کا الزام کسی ایک فرد پر نہیں آئے گا بلکہ تمام قبیلوں پر آئے گا اور بنو ہاشم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ تمام قبیلوں سے لڑ سکیں۔ ابلیس نے سن کر کہا: اس نوجوان نے سچ کہا۔ یہ بہترین رائے ہے، پھر وہ سب ابوجہل کی رائے پر متفق ہو گئے۔

پھر حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو اس مجلس کے مشوروں کی خبر دی اور آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کا یہ حکم پہنچایا کہ آپ یہ رات اپنے بستر پر نہ گزاریں اور اللہ عزوجل نے آپ کو المکہ سے المدینہ کی طرف نکلنے کی اجازت دی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مولا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ آپ کے بستر پر سو جائیں اور اُن سے فرمایا کہ تم اپنے اوپر میری چادر ڈال لو، پھر بے شک تمہیں کوئی ناپسندیدہ بات نہیں پہنچے گی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلے اور ہاتھ میں خاک کی ایک مٹھی لی اور کفار کی طرف پھینکی، سو اللہ تعالیٰ نے اُن کی آنکھوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اندھا کر دیا اور آپ یہ آیت پڑھتے ہوئے گھر سے باہر نکلے: ''اِنَّا جَعَلْنَا فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝ وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۝ (یٰس: ۸۔۹)'' (بے شک ہم نے ان کی گردنوں میں ٹھوڑیوں تک طوق ڈال دیے ہیں، سو وہ اپنے مونہہ اوپر اٹھائے ہوئے ہیں ○ اور ہم نے ان کے آگے ایک آڑ کھڑی کر دی ہے اور ان کے پیچھے ایک آڑ کھڑی کر دی ہے، پھر ہم نے ان کو ڈھانپ دیا ہے، سو وہ کچھ نہیں دیکھتے ○)۔

حفیظ جالندھری شاعرِ اسلام، مصنف ''شاہنامہ اسلام'' نے اس واقعہ کی عکاسی کرتے ہوئے یہ شعر کہا:۔

وہ دندناتا ہوا وحدت کا دم بھرتا ہوا نکلا
تلاوت سورۂ یٰسین کی کرتا ہوا نکلا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غارِ ثور پہنچ گئے اور مکہ میں آپ نے مولا علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا تاکہ کفار کی جو امانتیں آپ کے پاس رکھی ہوئی تھیں، وہ امانتیں اُن کو ادا کر دیں۔ اور کفار سخت دشمنی اور آپ سے مخالفت کے باوجود آپ کے صدق اور آپ کی امانت داری کی وجہ سے اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھواتے تھے۔ اور ساری رات مشرکین مولا علی رضی اللہ عنہ پر پہرہ دیتے رہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے اور مشرکین ان کے متعلق یہ گمان کر رہے تھے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، پھر جب صبح ہوئی تو وہ سب جھپٹے تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا، سو انہوں نے پوچھا: تمہارے پیغمبر کہاں ہیں؟ مولا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نہیں جانتا، سو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے گئے اور آپ کی طلب میں روانہ ہوئے، جب وہ غارِ ثور پر پہنچے تو دیکھا غار کے مونہہ پر مکڑی نے جالا تنا ہوا ہے، انہوں نے کہا: اگر وہ اس غار میں داخل ہوتے تو مکڑی اس کے دروازہ پر جالا نہ تنتی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس غار میں تین دن رہے، پھر (نو دن سفر کر کے) مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور یہ اس آیت کا معنی ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) اس وقت کو یاد کیجئے جب کفار آپ کے خلاف خفیہ تدبیریں کر رہے تھے تاکہ وہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو شہید کر دیں یا آپ کو بے وطن کر دیں، وہ اپنے مکر میں مشغول تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرما رہے تھے، اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والے ہیں ○''۔

(تفسیر طبری ج ۱۱ ص ۱۳۴۔۱۳۸، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۶۸۸، سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۴۸۰، ج ۲ ص ۹۵۔۹۶، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۴۶۶۔۴۷۰، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۱۵۴، تفسیر عبدالرزاق ج ۱ ص ۲۵۸، مسند احمد: ۱/۳۲۵۱، تاریخ بغداد

للخطیب ج ۱۳ ص ۱۹۱، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۲۱۵۵، معالم التنزیل للبغوی ج ۲ ص ۲۸۷۔۲۸۸، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ، مجمع الزوائدج ۷ ص ۲۷)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب ان لوگوں پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں: ہم ان آیات کو سن چکے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس کی مثل آیتیں کہیں، یہ صرف پہلے لوگوں کے قصے ہیںO'' (الانفال: ۳۱)

النضر بن الحارث کا یہ کہنا کہ ''ہم بھی قرآن کی مثل کلام بنا کر لا سکتے ہیں''

''وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُنَا'': اس قول کا قائل النضر بن الحارث تھا۔

''قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ ھٰذَآ'': اس کی وجہ یہ ہے کہ النضر بن الحارث تاجر تھا اور فارس اور الحیرۃ کی طرف بکثرت آتا جاتا تھا، وہاں اُن لوگوں سے رستم اور اسفندیار کی کہانیاں سنتا تھا، اور عجمیوں کے افسانے سنتا تھا اور یہود اور نصاریٰ کے پاس سے گزرتا تھا، سو وہ دیکھتا کہ وہ لوگ رکوع کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اور التوراۃ اور الانجیل کی تلاوت کرتے ہیں، پھر جب وہ مکہ میں آیا تو دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہیں اور قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں، تو النضر نے کہا: ہم ایسی باتیں سن چکے ہیں، اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام بنا کر لے آئیں۔ ''اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝۳۱'': یہ تو گزشتہ امتوں کی خبریں ہیں اور ان کے نام ہیں۔ اور ''الاساطیر'' اسطورۃ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: لکھا ہوا، اہلِ عرب کہتے ہیں سطرت، یعنی کتبت۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور آپ یاد کیجئے جب انہوں نے کہا تھا: اے اللہ! اگر یہ (قرآن) آپ کی طرف سے برحق ہے تو آپ ہم پر آسمان سے پتھر برسائیں یا ہم پر دردناک عذاب بھیج دیںO'' (الانفال: ۳۲)

''وَاِذْ قَالُوا اللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ'': یہ آیت النضر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی ہے جس کا تعلق بنی عبد الدار سے تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ امتوں کے واقعات بیان فرمائے تو النضر نے کہا: اگر آپ چاہیں تو میں بھی ایسا کلام بنا کر لے آؤں، یعنی یہ تو وہی باتیں ہیں جو گزشتہ امتوں کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں، تب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے کہا: تو اللہ سے ڈر، کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف حق بات کہتے ہیں۔ اس نے کہا: میں بھی حق بات کہتا ہوں، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں لا الٰہ الا اللہ، اس نے کہا: میں بھی کہتا ہوں لا الٰہ الا اللہ، لیکن یہ بت اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

''فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ'': پھر اس نے کہا: اے اللہ! اگر (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کہتے ہیں وہ آپ کے نزدیک برحق ہے تو آپ آسمان سے ہم پر پتھر برسا دیں جیسا کہ آپ نے قومِ لوط پر آسمان سے پتھر برسائے تھے۔

''اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝۳۲'': یعنی جس طرح آپ نے پہلی امتوں پر عذاب نازل فرمایا ہے، اسی طرح ہم پر بھی عذاب نازل فرمادیں۔ سعید بن جبیر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں قریش کے تین کافروں کو قتل فرمایا تھا: طعیمہ بن عدی، عقبہ بن ابی معیط اور النضر بن الحارث۔ (اسباب النزول للواحدی: ۴۷۸)

اس آیت کا دوسرا شانِ نزول درج ذیل ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل نے کہا: اے اللہ! ''اگر یہ قرآن تیری طرف سے برحق ہے، سو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا ہم پر دردناک عذاب نازل کردے'' پس یہ آیت نازل ہوئی: ''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ...'' (الانفال: ۳۳-۳۴)۔ (اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان پر اس وقت عذاب بھیجیں جب (اے رسولِ اکرم!) آپ ان کے درمیان موجود ہیں، اور نہ اللہ اُن کو اس وقت عذاب دینے والے ہیں جس وقت وہ اللہ سے مغفرت طلب کر رہے ہوں O اور اللہ ان پر کیونکر عذاب نہ نازل فرمائیں حالانکہ وہ لوگوں کو مسجدِ حرام (میں جانے) سے روکتے ہیں)۔

(صحیح البخاری: ۴۶۴۸، ۴۶۴۹، صحیح مسلم: ۲۷۹۶، اسباب النزول للواحدی: ۴۷۹)

محدث احمد علی سہارنپوری متوفی ۱۲۹۷ھ، صحیح البخاری: ۴۶۴۸ کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان کان هذا هو الحق: علامہ احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ نے لکھا ہے: یعنی اگر یہ قرآن آپ کے نزدیک برحق نازل شدہ ہے تو آپ ہم پر آسمان سے پتھر نازل فرمادیں، یہ اُن کے انکار کی سزا ہے۔ '' اَوِائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ '': یا کوئی دوسری قسم کا عذاب نازل فرمادیں۔ یہ انہوں نے اپنے عناد اور سرکشی سے کہا۔ (ارشاد الساری ج ۱۰ ص ۲۶۸)

قال ابن عيينة ما سمى الله مطرا فى القرآن الا عذابا: قرآن مجید میں جب بھی مطر کا لفظ آیا ہے تو اس سے مراد عذاب ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ النساء: ۱۰۲ میں ارشاد ہے: '' اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ '' (اگر بارش کی وجہ سے تمہیں کوئی تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو تم پر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو)۔ اس آیت میں مطر کا معنی عذاب نہیں ہے بلکہ عام طور پر جو بارش ہوتی ہے قطعی طور پر مطر سے مراد وہی بارش ہے۔ اور تکلیف سے مراد یہ ہے کہ بارش کی وجہ سے جو کپڑے بھیگ جائیں اور کیچڑ ہوجائے۔ (ارشاد الساری ج ۱۰ ص ۲۶۹)

'' فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا '': امام ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں جو بابِ افعال کا صیغہ ہو مثلاً اُمطِرَتْ، تو اس کا معنی عذاب ہے۔ اور جو ثلاثی مجرد سے ہو مثلاً مُطِرَتْ تو اس کا معنی رحمت ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۰ ص ۲۶۹)

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی الشافعی المتوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے: ابوجہل اللہ کے دشمن کا نام عمرو بن ہشام المخزومی ہے۔

(الکواکب الدراری ج ۱۷ ص ۱۲۳)

(الجامع الصحیح ج ۹ ص ۲۰۶-۲۰۷، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

النضر بن الحارث اور ابوجہل میں سے کس نے یہ دعا کی تھی؟

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، لکھتے ہیں:

اولیٰ یہ ہے کہ یہ دعا ابوجہل نے کی تھی تاہم النضر بن الحارث کی طرف اس دعا کی نسبت کرنا زیادہ لائق ہے، کیونکہ النضر بن الحارث فارس کے شہروں میں جاتا تھا اور وہاں کے بادشاہوں کی خبریں حاصل کر کے آتا تھا، پھر لوگوں سے پوچھتا تھا: بتاؤ! کون عمدہ قصے سناتا ہے میں یا محمد؟ یہی وجہ ہے کہ جب غزوۂ بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس پر قادر فرمایا اور وہ قیدیوں میں

گرفتار ہو کر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ آپ کے سامنے اس کو باندھ کر اس کی گردن اڑا دی جائے، کیونکہ اس نے قرآن مجید کی بے حرمتی کی تھی، سو ایسا کیا گیا۔ اور جس نے اس کو گرفتار کیا وہ حضرت المقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان پر اس وقت عذاب بھیجیں جب (اے رسولِ اکرم!) آپ ان کے درمیان موجود ہیں، اور نہ اللہ اُن کو اس وقت عذاب دینے والے ہیں جس وقت وہ اللہ سے مغفرت طلب کر رہے ہوں O'' (الانفال: ۳۳)

''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝'': الضحاک اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت نازل فرمائی جب آپ مکہ میں مقیم تھے۔ آپ اُن کے درمیان سے نکل گئے اور مکہ میں کچھ مسلمان تھے جو استغفار کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝''۔ یعنی جب مسلمان استغفار کر رہے ہوں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہارے لیے دو امان ہیں، ایک امان ''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ'' ہے اور دوسری امان ''وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝'' ہے۔ رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں، اور استغفار سے امن تمہارے لیے قیامت تک باقی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ ان پر کیونکر عذاب نہ نازل فرمائیں حالانکہ وہ لوگوں کو مسجدِ حرام (میں جانے) سے روکتے ہیں، جب کہ وہ مسجدِ حرام کے متولّی بننے کے مستحق نہیں ہیں، مسجد حرام کے متولّی بننے کے مستحق تو صرف اللہ سے ڈرنے والے لوگ ہیں، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے O''

(الانفال: ۳۴)

''وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ'': یعنی یہ مشرکین مسلمانوں کو بیت اللہ کے طواف سے منع کرتے ہیں، لہٰذا ان پر نزولِ عذاب سے کیا چیز مانع ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ'' سے مراد ہے تلوار سے مشرکین کا قتلِ عام کرنا۔ اور ''وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ'' سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔

''اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝'': یعنی بیت اللہ کی تولیت اور حفاظت کے مستحق صرف اللہ عزوجل کے وہ بندے ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں نہ کہ مشرکین۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور کعبہ کے نزدیک ان کی نماز صرف سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا ہے، سو اب تم اپنے کفر کی وجہ سے عذاب چکھو O'' (الانفال: ۳۵)

''وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور الحسن البصری نے کہا: ''المکاء'' کا

معنی ہے الصفین یعنی حروف سے خالی لمبی آواز (جیسے سیٹی کی آواز)۔ الصفیر لغت میں اس سفید پرندے کو کہتے ہیں جو حجاز میں ہوتا ہے اور وہ سیٹی کی سی آواز نکالتا ہے۔ اور ''التصدیة'' کا معنی ہے التصویق یعنی تالی بجانا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ قریش بیت اللہ میں برہنہ طواف کرتے تھے اور سیٹیاں بجاتے تھے اور تالیاں بجاتے تھے۔ اور مجاہد نے کہا: بنو عبدالدار کی ایک جماعت طواف میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معارضہ کرتے تھے اور آپ کا مذاق اڑاتے تھے اور اپنی انگلیاں اپنے مونہہ میں ڈال کر سیٹی بجاتے تھے۔ اور المکاء کا معنی ہے: انگلیاں جبڑے میں داخل کرنا۔ اور التصدیۃ کا معنی ہے: سیٹی بجانا۔ اور اسی سے الصدی کا لفظ ماخوذ ہے جو پہاڑوں کی گونج کو کہتے ہیں۔

مقاتل نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مسجد میں نماز پڑھتے تو ایک مرد کھڑا ہو جاتا اور اس کی دائیں جانب دو مرد کھڑے ہوتے اور وہ تالیاں بجاتے اور سیٹی بجاتے تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز میں خلل ڈال دیں۔

''فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَکۡفُرُوۡنَ ۝'': یعنی تم اپنے ان کرتوتوں کی وجہ سے عذاب کو چکھو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا وہ اپنے اموال صرف لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے میں خرچ کرتے ہیں، وہ عنقریب اور بھی خرچ کریں گے، پھر اُن کا اس مال کو خرچ کرنا ان کے لیے باعثِ حسرت ہو جائے گا، پھر وہ لوگ مغلوب فرما دیئے جائیں گے، اور جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا ان کو دوزخ کی طرف ہانک دیا جائے گا O'' (الانفال: ۳۶)

''اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ لِیَصُدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ'':

الکلبی اور مقاتل نے کہا: یہ آیت اُن مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو جنگِ بدر میں مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے مشرکوں کو کھانا کھلاتے تھے اور یہ کھانا کھلانے والے بارہ مرد تھے: (۱) ابوجہل بن ہشام (۲) عتبہ بن ربیعہ (۳) شیبہ بن ربیعہ (۴) نبیہ ابن الحجاج (۵) منبہ ابن الحجاج (۶) ابوالبختری بن ہشام (۷) النضر بن الحارث (۸) حکیم بن حزام (۹) ابی بن خلف (۱۰) زمعہ بن الاسود (۱۱) الحارث بن عامر بن نوفل (۱۲) العباس بن عبدالمطلب۔ اور یہ سب قریش میں سے تھے اور ان میں سے ہر ایک مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے مشرکین کو ایک اونٹ ذبح کر کے کھلاتے تھے۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فَسَیُنۡفِقُوۡنَهَا ثُمَّ تَکُوۡنُ عَلَیۡهِمۡ حَسۡرَةً'': یعنی دنیا میں جو یہ مشرکین پر خرچ کر رہے ہیں ان کا یہ خرچ آخرت میں انجام کار ان کے لیے باعثِ حسرت ہوگا۔ ''ثُمَّ یُغۡلَبُوۡنَ'': پھر وہ شکست کھا جائیں گے۔ ''وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا'': یعنی ان میں سے جنہوں نے شرک کا ارتکاب کیا۔ ''اِلٰی جَهَنَّمَ یُحۡشَرُوۡنَ ۝'': کفار کی قید اس لیے لگائی ہے کہ ان میں سے بعض مشرکین نے اسلام قبول کر لیا تھا جیسے حضرت عباس بن عبدالمطلب اور حضرت حکیم بن حزام۔ (رضی اللہ عنہم)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''تاکہ اللہ ناپاک کو پاک سے جدا فرما دیں اور ناپاک لوگوں کو اوپر تلے رکھ دیں، پس اُن سب کا اکٹھا ڈھیر بنا دیں، پھر اُن سب کو دوزخ میں ڈال دیں، یہی لوگ نقصان زدہ ہیں O'' (الانفال: ۳۷)

"لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ": یعنی جو شیطان کے راستہ میں ہے۔ "مِنَ الطَّيِّبِ": یعنی کافر کو مومن سے متمیز فرما دیں۔ پس مومن کو جنت میں ٹھہرایا جائے گا اور کافر کو دوزخ میں۔ الکلبی نے کہا کہ خبیث عمل کو صالح عمل سے ممتاز فرما دیں۔ پس اعمالِ صالحہ کی وجہ سے مومن جنت میں جائے گا اور مشرکین پر خرچ کرنے کی وجہ سے مشرک دوزخ میں جائے گا۔

"وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ": یعنی خبیثوں کو ایک دوسرے پر رکھ دیا جائے گا۔

"فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا": پھر ان کو جمع فرما کے ایک ڈھیر بنا دیا جائے گا جیسا کہ اوپر تلے بادل جمع ہو کر ایک ڈھیر بن جاتے ہیں۔

"أُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ؈": یعنی مشرکین اور کفار پر مال خرچ کرنے والے تا کہ اس مال سے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جائے، یہ سب لوگ آخرت میں نقصان زدہ ہوں گے۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۸۵۔ ۲۹۲، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۰ھ)

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۸

(اے رسولِ اکرم!) آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ کفر سے باز آ جائیں تو اُن کے گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دیا جائے گا، اور اگر وہ پلٹ کر پھر وہی کام کریں تو بے شک (قانونِ قدرت کے مطابق) گزشتہ کافروں کے متعلق (اللہ کی) سنت گزر چکی ہے ○

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۳۹

اور (اے مسلمانو!) ان کافروں سے لڑتے رہو حتیٰ کہ کفر (کا غلبہ) باقی نہ رہے اور پورا دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے، پھر اگر وہ (کافر) باز آ جائیں تو بے شک اللہ اُن کے کاموں کو خوب دیکھنے والے ہیں ○

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝۴۰

اور اگر وہ روگردانی کرتے رہیں تو (اے مسلمانو!) یاد رکھو کہ بے شک اللہ تمہارے مولا ہیں، اور وہ کیسے اچھے مولا اور کیسے اچھے مددگار ہیں ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اے رسولِ اکرم!) آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ کفر سے باز آ جائیں تو اُن کے گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دیا جائے گا، اور اگر وہ پلٹ کر پھر وہی کام کریں تو بے شک (قانونِ قدرت کے مطابق) گزشتہ کافروں کے متعلق (اللہ کی) سنت گزر چکی ہے ○" (الانفال:۳۸)

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، الانفال ۳۸ تا ۴۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا": یعنی آپ ابوسفیان اور اس کے اُن ساتھیوں سے کہہ دیجئے جو کفر کی حمایت میں لڑ رہے تھے۔ "اِنْ

یَّنْتَهُوْا '': یعنی اگر وہ شرک سے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے سے باز آ جائیں۔ ''یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ '': یعنی اُن کے گزشتہ گناہوں اور اُن کے شرکیہ افعال کو معاف فرما دیا جائے گا۔ ''وَ اِنْ یَّعُوْدُوْا '': یعنی اگر وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیروکار مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی طرف پلٹیں۔ ''فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ ۞ '': یعنی گزشتہ امتوں میں اللہ عزوجل کی سنت یہ ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کی مدد فرماتے ہیں اور اپنے دشمنوں پر قہر فرماتے ہیں۔ یعنی ان کو اس لیے سزا دیتے ہیں تاکہ دوبارہ وہ مسلمانوں کے خلاف لڑنا نہ شروع کر دیں۔

مجاہد نے کہا: یعنی غزوۂ بدر میں اور اس سے پہلے گزشتہ امتوں میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کی مدد فرماتے ہیں اور کفار کو شکست سے دوچار فرماتے ہیں۔ ابو نجیح سے بھی اسی طرح تفصیل منقول ہے۔

(تفسیر طبری، ج ۱۱ ص ۱۷۷، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۲۴ھ، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۷۰۰، الدر المنثور ج ۳ ص ۱۸۵)

جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۞ (مومن: ۵۱)'' (بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی اس دنیا کی زندگی میں ضرور مدد فرمائیں گے اور جس دن لوگ گواہی کے لیے کھڑے ہوں گے (ضرور مدد فرمائیں گے O))۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو کفار سے لڑنے پر برانگیختہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو!) ان کافروں سے لڑتے رہو حتیٰ کہ کفر (کا غلبہ) باقی نہ رہے اور پورا دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے، پھر اگر وہ (کافر) باز آ جائیں تو بے شک اللہ اُن کے کاموں کو خوب دیکھنے والے ہیں O اور اگر وہ روگردانی کرتے رہیں تو (اے مسلمانو!) یاد رکھو کہ بے شک اللہ تمہارے مولا ہیں، اور وہ کیسے اچھے مولا اور کیسے اچھے مددگار ہیں O'' (الانفال: ۳۹-۴۰)

''وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ '': یعنی اے مسلمانو! تم کافروں سے اس وقت تک لڑتے رہو حتیٰ کہ مکہ میں شرک نہ رہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حتیٰ کہ کفار اللہ کے ساتھ شریک نہ بنائیں اور صرف اپنے ربِ واحد کی عبادت کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: تم اس وقت تک کفار سے لڑتے رہو حتیٰ کہ شرک نہ رہے۔

(تفسیر طبری ج ۱۱ ص ۱۷۹، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۲۴ھ، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۷۰۱)

حسن بصری نے کہا: اس آیت میں ''الفتنة'' سے مراد الشرک ہے۔

(تفسیر طبری ج ۱۱ ص ۱۷۹، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۲۴ھ، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۷۰۱)

''وَیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ '': یعنی اللہ عزوجل دینِ اسلام کو غلبہ عطا فرما دیں حتیٰ کہ کوئی دین اسلام کے سوا نہ رہے۔

قتادہ نے بیان کیا: حتیٰ کہ لا الٰہ الا اللہ کہا جائے اور اسی کلمۂ اسلام کو ثابت کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے قتال کیا ہے۔ اور اسی کلمۂ اسلام کی طرف آپ نے لوگوں کو دعوت دی۔

السدی نے کہا: حتیٰ کہ شرک نہ رہے۔ (تفسیر طبری ج ۱۱ ص ۱۷۹، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۲۴ھ، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۷۰۱)

ابن جریج نے کہا: حتیٰ کہ کسی مومن کو اس کے دین کی وجہ سے فتنہ میں مبتلاء نہ کیا جائے اور اللہ عزوجل کے لیے توحید خالص ہو جائے جس میں شرک نہ ہو اور اللہ کے سوا جن بتوں کی پرستش کی جاتی رہی ہے ان کی پرستش ترک کر دی جائے۔

(تفسیر طبری ج ۱۱ ص ۱۷۹۔۱۸۰ دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۷۰۱)

''فَاِنِ انْتَهَوْا'': پس اگر وہ شرک سے اور بتوں کی عبادت سے اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے سے باز آ جائیں۔ ''فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝'': یعنی اللہ تعالیٰ ان کے کرتوتوں کی خبر رکھتے ہیں۔

''وَ اِنْ تَوَلَّوْا'': یعنی اگر وہ اس حکم کا انکار کریں اور ایمان لانے سے روگردانی کریں تو اے مسلمانو ''فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ'': یعنی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے محافظ ہیں اور تمہارے مددگار ہیں۔ پھر فرمایا: ''نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ ۝'': یعنی وہ کیسے اچھے محافظ ہیں اور کیسے اچھے دشمنوں سے بچانے والے ہیں۔ (تفسیر السمرقندی ج ۲ ص ۱۷۔۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۴۱

اور (اے مسلمانو!) یاد رکھو کہ تم مالِ غنیمت میں سے جو کچھ بھی حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے ہے اور (رسول کے) قرابت داروں کے لیے ہے اور یتیموں اور مسکینوں کے لیے ہے اور مسافروں کے لیے ہے، اگر تم اللہ پر (کامل) ایمان رکھتے ہو اور (مالِ غنیمت کی اس تقسیم پر) جو ہم نے اپنے (مکرم) بندہ پر فیصلہ کے دن نازل فرمائی (یعنی بدر کے دن)، جس دن دو لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے اور اللہ ہر اس چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں جس کو وہ چاہیں O

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَ هُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَ الرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَ لَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ ۙ وَ لٰكِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬ لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّ یَحْیٰى مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝۴۲

جب تم (وادیٔ بدر کے) قریبی کنارے پر تھے اور مشرکین دور والے کنارے پر تھے اور (تجارتی) قافلہ تم سے نیچے اتر گیا تھا، اور اگر تم آپس میں وعدہ کر لیتے تو ضرور تم وقتِ مقرر (پر پہنچنے) میں اختلاف کرتے، لیکن یہ اس لیے ہوا کہ اللہ اس کام کو پورا فرما دیں جو (اللہ کے علمِ ازلی میں) ہونے والا تھا، تا کہ جس نے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل کے ظہور کے بعد ہلاک ہو اور جس نے زندہ رہنا ہے وہ دلیل کے ظہور کے بعد زندہ رہے، اور بے شک اللہ ضرور سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں O

اِذْ یُرِیْكَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا ؕ وَ لَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ لَتَنَازَعْتُمْ فِی

الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾

(اور اے رسول اکرم!) یاد کیجئے: جب اللہ نے آپ کو آپ کے خواب میں کافروں کا لشکر کم تعداد میں دکھایا اور اگر اللہ آپ کو وہ لشکر بڑی تعداد میں دکھاتے تو (اے مسلمانو!) تم ضرور ہمت ہار جاتے اور تم ضرور آپس میں اس معاملے میں اختلاف کرتے، لیکن اللہ نے تمہیں (اس اختلاف سے اور اس بزدلی سے) بچایا، بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو جاننے والے ہیں O

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾

اور (اے مسلمانو!) اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے مقابلہ کے وقت کافروں کو تمہاری نظروں میں کم کر کے دکھایا، اور ان کی نگاہوں میں تم کو (بھی) کم کر کے دکھایا، تاکہ اللہ اس کام (غلبۂ اسلام) کو پورا فرما دیں جو (اللہ کے علمِ ازلی میں) ہونے والا تھا، اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جاتے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو!) یاد رکھو کہ تم مالِ غنیمت میں سے جو کچھ بھی حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے ہے اور (رسول کے) قرابت داروں کے لیے ہے اور یتیموں اور مسکینوں کے لیے ہے اور مسافروں کے لیے ہے، اگر تم اللہ پر (کامل) ایمان رکھتے ہو اور (مالِ غنیمت کی اس تقسیم پر) جو ہم نے اپنے (مکرم) بندہ پر فیصلہ کے دن نازل فرمائی (یعنی بدر کے دن)، جس دن دو لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے اور اللہ ہر اس چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں جس کو وہ چاہیں O''

(الانفال: ۴۱)

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، الانفال ۴۱ تا ۴۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ '': اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غنیمت کی تقسیم کی تعلیم فرمائی اور مالِ غنیمت کے پانچ حصوں میں سے چار حصے اُن کے لیے مقرر فرمائے جنہوں نے لڑ کر اس مال کو حاصل کیا اور یہ حکم فرمایا کہ مالِ غنیمت کے پانچ حصوں میں سے پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے ہے۔ امام ابوالعالیہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مالِ غنیمت لایا جاتا تو آپ اس کے پانچ حصے فرما دیتے۔ چار حصے اُن مجاہدوں کے لیے جو میدانِ جہاد میں حاضر تھے اور پانچواں حصہ اپنے لیے رکھ لیتے۔ پھر اس پانچویں حصہ کے چھ حصے کرتے، ایک حصہ کعبۃ اللہ کی تعمیر اور آرائش کے لیے رکھتے، ایک حصہ رسول کے لیے رکھتے اور ایک حصہ رسول کے رشتہ داروں کے لیے رکھتے، ایک حصہ یتیموں کے لیے، ایک حصہ مسکینوں کے لیے اور ایک حصہ مسافروں کے لیے رکھتے تھے۔

سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ میں اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چل کر حاضر ہوئے، پس ہم نے عرض کیا کہ آپ نے بنو المطلب کو خیبر کے خمس سے عطاء فرمایا ہے اور ہم کو چھوڑ دیا ہے، حالانکہ ہماری آپ کے ساتھ ایک درجہ کی قرابت بھی ہے! آپ نے فرمایا: بنو ہاشم اور بنو المطلب صرف ایک چیز ہیں، اور حضرت جبیر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عبد شمس اور بنو نوفل کے لیے کچھ تقسیم نہیں فرمایا تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۴۰، ۳۵۰۲، ۴۲۲۹، سنن نسائی: ۴۱۳۷، سنن ابوداؤد: ۲۹۷۸، سنن ابن ماجہ: ۲۸۸۱، مسند احمد: ۱۶۳۴۱، مسند ابویعلیٰ: ۷۳۹۹، سنن بیہقی ج ۶ ص ۳۴۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عثمان اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما سے قرابت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حالانکہ ہماری آپ کے ساتھ ایک درجہ کی قرابت داری ہے: کیونکہ ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں کے بیٹے ہیں، جب کہ حضرت عثمان عبشمی تھے اور حضرت جبیر بن مطعم نوفلی تھے۔

ایک چیز ہیں: کیونکہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے سے جدا نہیں ہوا، جاہلیت میں نہ اسلام میں، اور یہ دونوں خیف بنو کنانہ میں ایک ساتھ محصور رہے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۳۳۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

محدث احمد علی سہارنپوری متوفی ۱۲۹۷ھ، صحیح البخاری: ۳۱۴۰ کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن المسیب: ان کا نام سعید بن المسیب بن حزن ہے اور یہ تابعی ہیں۔

ابن عدی بن نوفل بن عبد مناف: (الکواکب الداری ج ۱۳ ص ۱۱۱)۔

ابن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف: (الکواکب الدراری ج ۱۳ ص ۱۱۱)

بمنزلۃ واحدۃ: کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بنو عبد شمس سے تھے اور جبیر بن مطعم بنو نوفل سے تھے۔ اور عبد شمس اور نوفل اور ہاشم اور المطلب سب برابر ہیں کیونکہ سب عبد مناف کے بیٹے ہیں اور یہ حدیث کے اس فقرہ کا معنی ہے کہ ہم اور وہ آپ سے بمنزلہ واحدہ ہیں، کیونکہ ہم سب عبدِ مناف کی طرف منسوب ہیں۔ سنن ابوداؤد: ۲۹۸۷ میں مذکور ہے ''آپ سے ہماری قرابت اور آپ کی ان سے قرابت واحدہ ہے''۔ اور امام ابن اسحاق کی روایت میں ہے: ''ہم نے کہا: یارسول اللہ! یہ بنو ہاشم ہیں، ہم ان کی فضیلت کا انکار نہیں کرتے''۔ پس ہمارے بھائی بنو المطلب کو مالِ غنیمت نہ دینے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے اُن لوگوں کو عطاء فرمایا ہے اور ہمیں ترک فرما دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۴۵)

شيء واحد: یعنی یہ اور ہم فرقۂ واحدہ کی طرح ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کفار نے صحیفۂ مشہورہ لکھا تو اس میں مطلبیہ کا بھی ذکر کیا اور نوفلیہ اور عبشمیہ کا ذکر نہیں کیا۔ (الجامع الصحیح ج ۶ ص ۴۵۷۔۴۵۸، دارالبشائر الاسلامیہ، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

بعض مفسرین نے کہا کہ اللہ کا اور رسول کا حصہ واحد ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کے حصہ میں اختلاف ہوا۔ بعض فقہاء نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین یعنی خلیفہ مسلمین کے لیے ہے، اور بعض نے کہا کہ خلیفہ کے قرابت داروں کے لیے ہے، پھر ان کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ یہ دونوں حصے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے صرف کیے جائیں، اور اسی طرح حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں ہوتا رہا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں پانچویں حصہ کے پانچ حصے کیے جاتے تھے، ایک حصہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے، دوسرا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت داروں کے لیے، تیسرا حصہ یتیموں کے لیے، چوتھا حصہ مسکینوں کے لیے اور پانچواں حصہ مسافروں کے لیے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے اس پانچویں حصہ کے تین حصے کیے، ایک حصہ یتیموں کے لیے، دوسرا حصہ مسکینوں کے لیے اور تیسرا حصہ مسافروں کے لیے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب نے اسی پر عمل کیا ہے کہ خمس یعنی مالِ غنیمت کے پانچویں حصہ کے اس طرح تین حصے کیے جائیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت داروں میں سے دولت مندوں کو کچھ نہ دیا جائے اور اُن میں سے فقراء کو وہی حصہ دیا جائے جو باقی فقراء کو دیا جاتا ہے، اور اسی طرح ان کے یتیموں کو اور اُن کے مسافروں کو، کیونکہ اللہ عزوجل نے فرمایا: ''فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی''۔

اور پھر فرمایا: ''اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ'': ہوسکتا ہے اس آیت کا تعلق آیت کے اُس حصہ سے ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا معنی اس طرح ہو کہ اگر تم اللہ عزوجل پر ایمان رکھتے ہو تو تم کو جو حکم فرمایا گیا ہے اس کو قبول کرو کہ مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ اس کے مصارف میں خرچ کرو۔

''وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ'': یعنی اگر تم نے اس کی تصدیق کر دی جس کو ہم نے اپنے مقرب بندے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بدر کے دن نازل فرمایا۔ الکلبی نے کہا: بدر کے دن غنیمت کے متعلق فرمایا۔ اور مقاتل نے کہا کہ ہم نے بدر کے دن جو غنیمت کے متعلق حکم فرمایا ہے اس کو مان لو اور تسلیم کرلو۔

''يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ'': یعنی جس دن مسلمانوں اور مشرکوں کے لشکر ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئے۔

''وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۴۱'': یعنی اللہ عزوجل مسلمانوں کی مدد فرمانے پر اور کفار کو شکست دینے پر قادر ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جب تم (وادیٔ بدر کے) قریبی کنارے پر تھے اور مشرکین دور والے کنارے پر تھے اور (تجارتی) قافلہ تم سے نیچے اتر گیا تھا، اور اگر تم آپس میں وعدہ کر لیتے تو ضرور تم وقتِ مقرر (پر پہنچنے) میں اختلاف کرتے، لیکن یہ اس لیے ہوا کہ اللہ اس کام کو پورا فرمادیں جو (اللہ کے علمِ ازلی میں) ہونے والا تھا، تاکہ جس نے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل کے ظہور کے بعد ہلاک ہو اور جس نے زندہ رہنا ہے وہ دلیل کے ظہور کے بعد زندہ رہے، اور بے شک اللہ ضرور سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں ۝'' (الانفال: ۴۲)

''اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا'': یعنی جب تم اس وادی پر تھے جو مدینہ کے قریب تھی۔ ''وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی'': اور مشرکین دوسری جانب پر تھے جو مکہ کے قریب تھی۔ ''وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ'': یعنی کفار کا قافلہ تم سے تین میل نیچے سمندر کے کنارے پر تھا جب کہ وہ ملکِ شام سے آرہے تھے۔

''وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ'': یعنی اگر تم اور مشرکین اتفاق سے لڑائی کا کوئی دن مقرر کر لیتے۔ ''لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ'': تو ضرور تم اس

وقتِ مقررہ پر پہنچنے میں اختلاف کرتے۔

''وَ لٰكِنْ '': لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو وقتِ مقررہ پر جمع فرما دیا۔''لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا '': یعنی اللہ تعالیٰ نے کفار کی شکست اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کی کامیابی کو مقدر فرما دیا تھا۔

''لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ '': یعنی جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کے دلائل کو واضح فرما دیا، اس کے باوجود جو کفر کو اختیار کرے۔''وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ '': اور جو اللہ تعالیٰ کے دلائل اسلام کو ظاہر فرمانے کے بعد ایمان کو اختیار کرے، الکلبی نے کہا: تاکہ جو دلائلِ واضحہ کے بعد کفر کو اختیار کر کے ہلاک ہونا چاہے تو وہ کفر میں ہلاک ہو جائے اور جو دلائلِ واضحہ کے بعد ایمان کو اختیار کرے تو وہ دلائل سے ایمان کو اختیار کرے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ مکہ کے متعلق وعید ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ جو چاہے کہ جنگ بدر میں حق واضح ہونے کے بعد پھر بھی کفر میں قائم رہنا چاہے تو رہے اور جو ایمان کو اختیار کرنا چاہے تو وہ ایمان کو اختیار کرے۔''وَ اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۴۲ '': یعنی اللہ ضرور سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:'' (اور اے رسول اکرم!) یاد کیجئے: جب اللہ نے آپ کو آپ کے خواب میں کافروں کا لشکر کم تعداد میں دکھایا اور اگر اللہ آپ کو وہ لشکر بڑی تعداد میں دکھاتے تو (اے مسلمانو!) تم ضرور ہمت ہار جاتے اور تم ضرور آپس میں اس معاملے میں اختلاف کرتے، لیکن اللہ نے تمہیں (اس اختلاف سے اور اس بزدلی سے) بچایا، بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو جاننے والے ہیں O'' (الانفال: ۴۳)

''اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا '': کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقابلہ سے پہلے خواب میں دیکھا کہ دشمن کی تعداد کم ہے تو آپ نے اپنے اصحاب کو بتا دیا کہ آپ نے خواب میں دیکھا ہے کہ دشمن کی تعداد کم ہے، پس صحابہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب برحق ہے اور اس وقت مشرکین کے مقابلہ میں صحابہ کی تعداد کم تھی، پھر جب ان کا وادیٔ بدر میں مقابلہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نگاہوں میں مشرکین کی تعداد کم دکھائی تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی تصدیق ہو، پھر اللہ عزوجل نے فرمایا:

''وَ لَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ '': یعنی اگر اللہ تعالیٰ مشرکین کی تعداد کو زیادہ دکھاتے تو تم ہمت ہار جاتے اور مقابلہ چھوڑ دیتے۔''وَ لَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ '': یعنی تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننے میں اختلاف کرتے۔

''وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ '': لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دشمن کے مقابلہ پر ثابت قدم رکھا۔ اس کی یہ تفسیر بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی شکست اور مسلمانوں کی مدد کو مقدر فرما دیا تھا۔''اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۴۳ '': یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں کو جاننے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:'' اور (اے مسلمانو!) اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے مقابلہ کے وقت کافروں کو تمہاری نظروں میں کم کر کے دکھایا، اور ان کی نگاہوں میں تم کو (بھی) کم کر کے دکھایا، تاکہ اللہ اس کام (غلبۂ اسلام) کو پورا فرما دیں جو (اللہ کے علمِ ازلی میں) ہونے والا تھا، اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جاتے

ہیں O''(الانفال:۴۴)

''وَ اِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا'': امام ابوعبیدہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہماری نگاہوں میں بدر کے دن دشمن کی تعداد بہت قلیل تھی حتیٰ کہ میں نے اپنے پہلو میں کھڑے ہوئے ایک مسلمان سے کہا: کیا تمہارے خیال میں یہ ستر ہیں؟ اس نے کہا: میرے خیال میں سو ہیں۔ پھر ہم نے مشرکین کے کسی مرد سے پوچھا: تم کتنے تھے؟ اس نے کہا: ہم ہزار تھے۔

''وَ یُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ'': یعنی اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی نگاہوں میں تمہاری تعداد کو کم کر کے دکھایا تاکہ مشرکین بزدلی نہ دکھائیں، اور مشرکین کی آنکھوں میں مومنین کو کم کر کے دکھایا تاکہ وہ لڑنے پر جری ہوں حتیٰ کہ وہ قتل کر دیئے جائیں اور اللہ تعالیٰ مومنین کی فضیلت کو ظاہر فرمائیں۔

''لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا'': یعنی جب اللہ عزوجل کسی امر کو مقدر فرما دیتے ہیں تو وہ ضرور ہو کر رہتا ہے اور وہ امر مومنین کی نصرت تھی اور مشرکین کی ذلت تھی۔ ''وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝'': یعنی تمام امور کا انجام اللہ ہی کی طرف لوٹتا ہے۔

(تفسیر السمرقندی ج ۲ ص ۱۹۔۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۴۵

اے ایمان والو! جب تمہارا کفار کی فوج سے تصادم ہو تو (جہاد میں) ثابت قدم رہنا اور اللہ کا بکثرت ذکر کرنا تاکہ تم کامیابی حاصل کرو O

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝۴۶

اور اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور (مشکلات میں) صبر کرنا، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں O

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ۝۴۷

اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو (اپنی طاقت) دکھاتے ہوئے نکلے، اور وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے روکتے تھے اور اللہ کے علمِ ازلی نے اُن کے تمام کاموں کا احاطہ فرمایا ہوا ہے O

وَ اِذْ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَ قَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ اِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَیْهِ وَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَ اللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ ع

اور جب شیطان نے اُن کے کاموں کو اُن کے لیے خوش نما بنا دیا اور کہا: ''آج لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتا اور بے شک میں تمہیں پناہ دینے والا ہوں''، پھر جب دونوں لشکر بالمقابل ہو گئے تو شیطان (پلٹ کر) اپنی ایڑیوں پر بھاگا اور اس نے کہا: ''میں تم سے بیزار ہوں، بے شک میں اُن چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم نہیں دیکھ رہے، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اور اللہ سخت عذاب دینے والے ہیں''O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! جب تمہارا کفار کی فوج سے تصادم ہو تو (جہاد میں) ثابت قدم رہنا اور اللہ کا بکثرت ذکر کرنا تاکہ تم کامیابی حاصل کروO'' (الانفال: ۴۵)

کفار سے جہاد کے متعلق مسلمانوں کے لیے ہدایات

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، الانفال ۴۵ تا ۴۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً'': یعنی جب تمہارا کفار کے لشکر سے تصادم ہو۔ ''فَاثْبُتُوْا'': تو اُن سے جنگ میں ثابت قدم رہو۔ ''وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا'': یعنی اللہ عزوجل سے دشمن کے خلاف مدد اور کامیابی کی دعا کرو۔ ''لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾'': تاکہ تمہیں جنگ میں فتح اور نصرت حاصل ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور (مشکلات میں) صبر کرنا، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیںO'' (الانفال: ۴۶)

''وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا'': یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور اُن کی اطاعت کرنے کے متعلق آپس میں اختلاف نہ کرو۔ ''فَتَفْشَلُوْا'': ورنہ تم بزدل اور کمزور ہو جاؤ گے۔ ''وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ'': السدی نے کہا: تمہاری جرأت اور ہمت جاتی رہے گی۔ اور النضر بن شمیل نے کہا: تمہاری قوت زائل ہو جائے گی۔ اور ریح کا لفظ اس سے کنایہ ہے کہ تمہاری مراد پوری نہ ہو سکے گی۔ جب کسی شخص کی مراد پوری نہ ہو تو عرب کہتے ہیں: ''هبت ریح فلان''۔ قتادہ اور ابن زید نے کہا: یعنی مدد کی ہوا حاصل نہیں ہوگی۔ اور مدد کی ہوا اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ ایک ہوا بھیج کر دشمن کا مونہہ پھیر دیتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری صبا سے مدد فرمائی گئی ہے اور قوم عاد کو دبور سے ہلاک فرما دیا گیا۔

(صحیح البخاری: ۱۰۳۵، ۳۲۰۵، ۳۳۴۳، ۴۱۰۵، صحیح مسلم: ۹۰۰، الرقم المسلسل: ۲۰۵۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۶۱۷، جامع المسانید لابن الجوزی: ۲۹۴۶، مکتبۃ الرشد، ریاض، مسند احمد: ۲۰۱۴، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۶۴۱، صحیح ابن حبان: ۶۴۲۱، سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۶۴، شرح السنہ للبغوی: ۱۱۴۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۳۳، ۴۳۴، مسند ابویعلیٰ: ۲۵۶۳)

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف ج ۱۸ ص ۵۶۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

صبا وہ ہوا ہے جو مشرق سے مغرب کی طرف چلتی ہے اور دَبور وہ ہوا ہے جو اس کے برعکس ہے۔

بادِ صبا سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدد فرمانا اور بادِ دبور سے قوم عاد کو ہلاک فرمانا

اس حدیث میں صبا (مشرق سے چلنے والی آندھی) کے ذریعہ مدد کرنے کا ذکر ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ خندق کے دن انتہائی سرد رات میں مشرکین کے اوپر سرد آندھی بھیجی جس نے ان کے چولہے بجھا دیئے اور ان کے خیموں کی رسیاں اور میخیں اکھاڑ دیں، ان پر ان کے خیمے اور ہتھیار گر گئے اور وہ بغیر جنگ کیے راتوں رات بھاگ گئے، قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۝ (الاحزاب: ۹)

اے ایمان والو! اللہ نے تم پر جو احسان فرمایا ہے اس کو یاد کرو جب (غزوۂ احزاب کے موقع پر) تم سے لڑنے کے لیے فوجوں کے لشکر آئے سو ہم نے ان کے مقابلہ میں آندھی بھیجی اور ایسے لشکر بھیجے جو تمہیں دکھائی نہیں دیے اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے ۝

قوم عاد کا تذکرہ اور اُن کی ہلاکت

نیز زیر بحث حدیث میں فرمایا کہ قوم عاد کو بادِ دَبور (مغرب سے چلنے والی آندھی) سے ہلاک فرما دیا گیا۔

عاد سے مراد عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کا بیٹا ہے۔ اس کی اولاد تیرہ قبیلوں پر مشتمل تھی، یہ لوگ الاحقاف (ریت کے بلند ٹیلے یا پہاڑوں میں بنائے ہوئے غار، یہ مقام حضرت موت، یمن کے قریب تھا) میں رہتے تھے، جب انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی نافرمانی کی اور ان کی مسلسل تبلیغ کے باوجود اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلسل سخت تند و تیز آندھی بھیجی جس نے ان کو ہلاک کر دیا۔ یہ لوگ اپنی قوت پر بہت تکبر کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے عذاب کے سامنے کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح پڑے رہ گئے، اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل آیات میں ان پر آندھی کے عذاب کا ذکر فرمایا ہے:

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِیَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَیْهِمْ سَبْعَ لَیَالٍ وَّثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِیْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَةٍ ۝ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِیَةٍ ۝ (الحاقۃ: ۶-۸)

اور رہے عاد تو ان کو گرجتی ہوئی تیز آندھی سے ہلاک فرما دیا گیا ۝ (اللہ نے) اس آندھی کو ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلط رکھا، پس (اے مخاطب!) تم دیکھتے کہ یہ لوگ زمین پر کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح گر گئے ۝ کیا اب تمہیں ان میں سے کوئی باقی نظر آ رہا ہے؟ ۝

(عمدۃ القاری ج ۷ ص ۸۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صبا کا معنی اور صبا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد

علامہ شیخ عبداللہ بن حجازی الشرقاوی الشافعی المتوفی ۱۲۲۷ھ صحیح البخاری: ۱۰۳۵ کی شرح میں لکھتے ہیں:

نصرت بالصباء: صبا اُس ہوا کو کہتے ہیں کہ جب تمہارا قبلہ کی طرف مُونہہ ہو تو جو ہوا تمہارے پیچھے کی طرف سے آئے یعنی مشرق کی طرف سے آئے اور اس ہوا کو''القبول'' کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ ہوا کعبہ کے دروازہ کے بالمقابل ہے کیونکہ یہ ہوا مشرق کی طرف سے چلتی ہے۔ اور تفسیر میں مذکور ہے کہ یہ وہ ہوا ہے جس کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو بشارت دینے والے سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچی تھی۔ اور اس ہوا سے ہر غمزدہ خوش ہو جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد صبا سے فرمائی گئی جب جنگِ خندق میں کفار کے بارہ ہزار کے لشکر نے مدینہ منورہ کا محاصرہ کر لیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر مشرق کی طرف سے سرد رات میں ٹھنڈی آندھی بھیجی جس نے کفار کے چہروں میں خاک ڈال دی اور ان کی جلائی ہوئی آگ بجھ گئی اور اُن کے خیمے اکھڑ گئے اور وہ بغیر جنگ کے شکست کھا گئے، اس کے باوجود اُن میں سے کوئی ہلاک نہیں ہوا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ امید تھی کہ ان دشمن فوجوں میں سے کچھ لوگ اسلام قبول کر لیں گے۔

واھلکت عاد بالدبور: عاد سے مراد حضرت ہود علیہ السلام کی قوم ہے اور یہ وہ ہوا یا آندھی ہے جو مغرب کی طرف سے چلتی ہے۔ اس آندھی کو''الریح العقیم'' کہا گیا ہے کیونکہ اس آندھی نے قومِ عاد کو ہلاک کر دیا اور اُن کی جڑ کاٹ دی۔ اس آندھی نے درختوں کو اکھاڑ دیا اور ان کے گھروں کو منہدم کر دیا اور یہ آندھی مسافروں کو اس طرح اڑا کر لے گئی جیسے وہ ٹڈیاں ہوں۔ اور اس آندھی نے اُن پر پتھر برسائے حتیٰ کہ قومِ عاد کی گردنیں ٹوٹ گئیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ وہ لوگ گھروں میں داخل ہو گئے اور اپنے گھروں کے دروازے بند کر دیئے تو اُس آندھی نے ان کے دروازوں کو توڑ دیا اور ریت نے اُن کو ڈھانپ لیا، سو وہ سات راتیں اور آٹھ دن اسی طرح آندھی کے عذاب میں مبتلا رہے۔

(فتح المبدی بشرح مختصر الزبیدی ج ا ص ۵۳۷_۵۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء)

محدث احمد علی سہارنپوری متوفی ۱۲۹۷ھ، صحیح البخاری: ۱۰۳۵ کی شرح میں لکھتے ہیں:

نصرت بالصبا: علامہ احمد قسطلانی نے لکھا ہے:''یوم الاحزاب'' کو کفار کی تقریباً بارہ ہزار افواج نے مدینہ منورہ کا محاصرہ کر لیا، اللہ تعالیٰ نے اُن پر'' ریح الصبا''یعنی مشرق سے چلنے والی آندھی ایک سرد رات میں بھیجی جس سے کفار کے چہرے خاک آلودہ ہو گئے، ان کے چولہوں میں آگ بجھ گئی اور اُن کے خیمے اکھڑ گئے اور کفار بغیر جنگ کے شکست کھا گئے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اُن میں سے کسی ایک کو جڑ سے نہیں اکھاڑا، کیونکہ اللہ عزوجل کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی قوم پر شفقت کا علم تھا، آپ کو امید تھی کہ وہ لوگ اسلام قبول کر لیں گے۔ (ارشاد الساری ج ۳ ص ٦٦) (الجامع الصحیح ج ۲ ص ٦٧٩، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی المتوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ایک سرد رات میں سرد آندھی بھیجی جس نے ان کے چولہوں پر رکھی ہوئی دیگچیوں کو پلٹ ڈالا اور اُن کے خیمے اکھڑ گئے۔

امام محمد بن سعد المتوفی ۲۳۰ھ نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ جب یوم الخندق واقع ہوا تو حضرت جبریل علیہ السلام اپنے

ساتھ آندھی لے کر آئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھ کر فرمایا: خوشخبری سنو! پس اللہ تعالیٰ نے ایک آندھی بھیجی جس نے خیمے اکھاڑ دیے اور دیگچیاں الٹ گئیں اور خیموں کی رسیاں ٹوٹ گئیں، پھر کفار بھاگے اور کوئی ایک دوسرے کی طرف پلٹ کر نہیں دیکھ رہا تھا، اور اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۟ (الاحزاب: ۹)

اے ایمان والو! اللہ نے تم پر جو احسان فرمایا ہے اس کو یاد کرو جب (غزوۂ احزاب کے موقع پر) تم سے لڑنے کے لیے فوجوں کے لشکر آئے سو ہم نے ان کے مقابلہ میں آندھی بھیجی اور ایسے لشکر بھیجے جو تمہیں دکھائی نہیں دیے، اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والے ہیں O

مورخ البلاذری نے کہا ہے: پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لیے آندھی بھیجی، یہ زرد رنگ کی آندھی تھی جس کی مٹی اُن کی آنکھوں میں بھر گئی اور اُن میں بزدلی اور کمزوری پیدا ہوگئی اور مشرکین شکست کھا گئے اور اپنے لشکروں کی طرف لوٹے، وہ آندھی اُن پر مسلسل چلتی رہی اور فرشتوں نے اُن کو ڈھانپ لیا، اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا، سو وہ شکست کھا کر لوٹے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِغَیْظِهِمْ لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًا ؕ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِیًّا عَزِیْزًا ۟ (الاحزاب: ۲۵)

اور اللہ نے کفار کو اُن کے غیظ وغضب سمیت (مدینہ سے) واپس فرما دیا، وہ کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے، اور اللہ نے خود ہی مومنین سے جنگ کی مشقت دور فرما دی، اور اللہ بہت بڑی قوت اور بہت بڑے غلبہ والے ہیں O

ابوالخطاب بن دحیہ نے کہا: ان فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا، پس اُن فرشتوں نے کفار کے دلوں میں مسلمانوں کی ہیبت طاری کر دی اور ان کے دلوں میں بزدلی پیدا کر دی، اور مسلمانوں کے دلوں میں قوت اور کامیابی کی امید پیدا کر دی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیجا جو دشمن کے گھوڑوں کو اور اونٹوں کو زجر وتوبیخ کرتے تھے، پس وہ شکست خوردہ ہو کر بھاگے۔

(سبل الہدیٰ والرشاد ج ۴ ص ۳۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

غزوۂ احزاب (غزوۂ خندق) کے متعلق قرآن مجید کی آیات اور ان آیات کی تفسیر

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۟ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۟

اے ایمان والو! اللہ نے تم پر جو احسان فرمایا ہے اس کو یاد کرو جب (غزوۂ احزاب کے موقع پر) تم سے لڑنے کے لیے فوجوں کے لشکر آئے سو ہم نے ان کے مقابلہ میں آندھی بھیجی اور ایسے لشکر بھیجے جو تمہیں دکھائی نہیں دیے اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والے ہیں O جب انہوں نے (مدینہ کی) اوپر کی جانب

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا۝۱۱ (الاحزاب: ۹۔۱۱)

سے اور نیچے کی جانب سے تم پر چڑھائی کی تو (لوگوں کی) آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، کلیجے مونہہ کو آنے لگے اور تم اللہ کے متعلق طرح طرح کی بدگمانیاں کرنے لگے O اس وقت مسلمانوں کا امتحان لیا گیا اور اُن کو پوری شدت سے جھنجوڑ ڈالا گیا O

حافظ اسماعیل بن کثیر الشافعی الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ الاحزاب: ۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ'': یعنی جب کفار کی فوجیں تم پر حملہ آور ہوئیں۔ ''وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ'': اور مدینہ کی نچلی جانب سے بنو قریظہ حملہ آور ہوئے۔

''وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ'': اور خوف کی شدت اور گھبراہٹ کی وجہ سے۔

''وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۝'': امام ابن جریر نے کہا ہے کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، انہوں نے کہا کہ مسلمانوں پر مصیبت آ گئی ہے۔ یعنی مسلمانوں نے ہر طرح کی بدگمانی کی حتیٰ کہ معتب بن قشیر نے کہا جو بنو عمرو بن عوف کے بھائی تھے کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے یہ وعدہ کرتے تھے کہ ہم کسریٰ اور قیصر کے خزانوں کو حاصل کریں گے اور اب حال یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کے لیے بھی نہیں جا سکتا۔ اور الحسن البصری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ لوگوں نے مختلف گمان کیے، منافقین نے یہ گمان کیا کہ عنقریب (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے اصحاب جڑ سے اکھاڑ دیئے جائیں گے اور مومنین اپنے ایمان اور یقین پر قائم رہے، انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ فرمایا ہے وہ برحق ہے، اور عنقریب اللہ دینِ اسلام کو تمام ادیان پر غلبہ عطا فرمائیں گے اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ ہم نے یوم الاحزاب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: کیا ہمارے لیے کوئی چیز ہے؟ ہمارے کلیجے مونہوں کو آ چکے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! تم یہ دعا کرو اے اللہ! ہمارے عیوب کی پردہ پوشی فرمائیں اور ہمیں گھبراہٹ اور خوف سے امن میں رکھیں، پھر اللہ تعالیٰ نے دشمن کی فوجوں کے مونہوں پر آندھی بھیجی اور اس آندھی سے دشمن کی فوجوں کو شکست دے دی، اسی طرح امام احمد بن حنبل نے از ابو عامر العقدی روایت کی ہے۔ (تفسیر القرآن العظیم ص ۱۴۷۱۔۱۴۷۲، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے گھروں سے اِتراتے ہوئے اور لوگوں کو (اپنی طاقت) دکھاتے ہوئے نکلے، اور وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے روکتے تھے اور اللہ کے علمِ ازلی نے اُن کے تمام کاموں کا احاطہ فرمایا ہوا ہے O'' (الانفال: ۴۷)

''وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا'': یعنی وہ فخر سے اکڑتے ہوئے نکلے۔ ''وَرِئَآءَ النَّاسِ'': الزجاج نے کہا: البطر کا معنی ہے: نعمت کا شکر ادا نہ کیا جائے اور سرکشی کی جائے اور ''رِئَاء'' کا معنی ہے: اچھی چیزوں کو دکھانا اور بری چیزوں کو پوشیدہ رکھنا۔

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما نے ایک مکتوب لکھا جس میں مذکور تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن سے مقابلہ ہوتا تو

آپ انتظار فرماتے رہتے حتیٰ کہ سورج ڈھل جاتا، پھر آپ نے لوگوں کے سامنے فرمایا: اے لوگو! دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت کا سوال کرو، پس جب تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو صبر کرو اور یاد رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے، پھر آپ نے دعا کی کہ اے اللہ! کتاب کے نازل فرمانے والے اور بادل کے چلانے والے، کفار کی جماعتوں کو شکست دینے والے، ان کفار کو شکست دیں اور ان کے خلاف ہماری مدد فرمائیں۔

(صحیح البخاری: ٢٩٦٥۔٢٩٦٦، صحیح البخاری: ٢٨١٨، مسلم: ١٧٤٢، ابوداؤد: ٢٦٣١، صحیح ابوعوانہ ج ٤ ص ٨٨، المستدرک ج ٢ ص ٧٨، سنن بیہقی ج ٩ ص ٧٦، حلیۃ الاولیاء ج ٨ ص ٢٦٠)

دعائے مذکور میں اللہ تعالیٰ کی تین مخصوص صفات ذکر کرنے کی توجیہ

علامہ ابو محمد عبد اللہ بن ابی جمرہ الاندلسی متوفی ٦٩٩ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہے: اے اللہ! کتاب کو نازل فرمانے والے! بادل کو چلانے والے! اور (کفار کی) فوجوں کو شکست دینے والے! ان کو شکست دے دیں اور ان کے خلاف ہماری مدد فرمائیں!

اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس دعا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ان تین صفات کا کیوں ذکر فرمایا ہے اور کوئی دوسری صفات کا کیوں ذکر نہیں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس دعا سے یہ مقصود ہے کہ دشمن اسلام بہت زیادہ تھے اور ان کے خلاف فتح حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کے سوا ممکن نہیں ہے، سو جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم قدرت سے اپنے کلام اور اپنی کتاب کو اپنے خاص بندہ پر نازل فرمایا، سو اسی عظیم قدرت سے ہم کو کفار کے خلاف فتح عطا فرمائیں! اسی طرح بادل زمین اور آسمان کے درمیان بغیر کسی ستون کے معلق ہیں اور ان میں پانی رکا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی عظیم قدرت سے ان بادلوں کو ہواؤں سے چلاتے ہیں اور بارش نازل فرماتے ہیں، اسی طرح اپنی قدرت سے مسلمانوں کی تھوڑی سی جماعت کو کفار کی بڑی جماعت کے خلاف فتح عطا فرمائیں! اور کہا: کفار کی جماعتوں کو شکست دینے والے! کیونکہ حقیقت میں وہی کفار کو سرنگوں کرتے ہیں اور مسلمانوں کو سر بلند فرماتے ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو دعا میں اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا ذکر کرے، جن صفات کا اس کی دعا کے قبول ہونے میں دخل ہو اور اثر ہو۔ (بہجۃ النفوس ج ٣ ص ١٣٤۔١٣٨، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٥ ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور جب شیطان نے اُن کے کاموں کو اُن کے لیے خوش نما بنا دیا اور کہا: ”آج لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتا اور بے شک میں تمہیں پناہ دینے والا ہوں“، پھر جب دونوں لشکر بالمقابل ہو گئے تو شیطان (پلٹ کر) اپنی ایڑیوں پر بھاگا اور اس نے کہا: ”میں تم سے بیزار ہوں، بے شک میں اُن چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم نہیں دیکھ رہے، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اور اللہ سخت عذاب دینے والے ہیں O“ (الانفال: ٤٨)

”وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ“: شیطان کے خوش نما بنانے کی تفصیل اس طرح ہے کہ جب قریش کا لشکر مکہ کی طرف روانہ ہونے کے لیے تیار ہوا تو شیطان نے قریش کے لشکر کو قریش اور بنو بکر کے درمیان لڑائی یاد دلائی، پس قریب تھا کہ قریش واپس

ہو جاتے، سو ابلیس شیاطین کے لشکر میں آیا اور اس کے ساتھ جھنڈا تھا، وہ سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں ظاہر ہوا اور اُن سے کہا: ''وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ'': یعنی میں تم کو کنانہ سے پناہ دینے والا ہوں۔

''فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ'': پھر جب دونوں لشکر متصادم ہوئے تو ابلیس نے اُن فرشتوں کے آثار دیکھے جو آسمان سے نازل ہوئے تھے اور اس نے جان لیا کہ اس میں ان فرشتوں سے مقابلہ کی طاقت نہیں، تو وہ اپنی ایڑیوں پر پلٹ گیا۔ الضحاک نے کہا: وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا، اور النضر بن شمیل نے کہا کہ وہ پیٹھ کے بل الٹے پیر بھاگا۔

''وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾'':

الکلبی نے بیان کیا: جب دونوں لشکر بالمقابل ہوئے تو ابلیس مشرکین کی صف میں سراقہ بن مالک کی صورت میں الحارث بن ہشام کا ہاتھ پکڑے ہوئے کھڑا ہوا تھا، پس جب وہ اپنی ایڑیوں پر پلٹا تو الحارث نے اس سے کہا: کیا تم بغیر لڑے بھاگ رہے ہو، وہ اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر روک رہے تھے، اس نے ان کے سینے میں گھونسا مارا اور بھاگا اور کفار شکست کھا گئے، جب کفار مکہ میں آئے تو انہوں نے کہا: سراقہ نے ہم کو شکست سے ہم کنار کیا تھا، سراقہ بن مالک کو یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم یہ کہتے ہو کہ میں نے لوگوں کو شکست سے دوچار کیا ہے، سو اللہ کی قسم! مجھے تمہارے روانہ ہونے کی کوئی خبر نہیں تھی حتیٰ کہ مجھے تمہاری شکست کی خبر پہنچی، کفار نے کہا: کیا تو ہمارے پاس فلاں دن نہیں آیا تھا؟ اس نے قسم اٹھالی، پھر جب یہ لوگ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے جان لیا کہ سراقہ کی شکل میں آنے والا شیطان تھا۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۹۸۔ ۳۰۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾

جب منافقین اور جن لوگوں کے دلوں میں بیماری تھی یہ کہہ رہے تھے: ''ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکہ میں مبتلاء کر رکھا ہے'' اور جو اللہ پر بھروسا کرتا ہے تو بے شک اللہ سب پر غالب اور بہت بڑی حکمت والے ہیں O

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) کاش! آپ وہ منظر دیکھتے جب فرشتے کفار کے جسموں سے اُن کی روحیں نکالتے ہیں (تو آپ ہولناک منظر دیکھتے)، فرشتے ان کے مونہوں پر اور پیٹھوں پر ضرب لگاتے ہیں اور کہتے ہیں: ''آگ کا عذاب چکھو O

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾ ۙ

یہ تمہارے اُن کرتوتوں کی سزا ہے جو تم پہلے کر چکے ہو'' اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم فرمانے والے نہیں ہیں O

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ

بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾

اُن کا طریقہ فرعون کے متبعین اور اُن سے پہلے کافروں کے طریقہ کی مثل ہے، جنہوں نے اللہ کی آیتوں کا کفر کیا تو اللہ نے اُن کے گناہوں کی وجہ سے اُن پر گرفت فرمائی اور اللہ بہت طاقت والے سخت عذاب دینے والے ہیں O

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۙ﴿۵۳﴾

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو نعمت عطا فرمانے کے بعد اس وقت تک اس نعمت کو تبدیل فرمانے والے نہیں ہیں حتیٰ کہ وہ خود اپنے آپ میں تبدیلی کرلیں، اور بے شک اللہ سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں O

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ كُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۵۴﴾

اُن کا طریقہ فرعون کے متبعین اور اُن سے پہلے کافروں کے طریقہ کی مثل ہے، جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کو جھٹلایا، پس ہم نے اُن کو اُن کے گناہوں کے سبب ہلاک فرمادیا اور فرعون کے متبعین کو غرق فرمادیا، اور وہ سب لوگ ظلم کرنے والے تھے O

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿ۚۖ۵۵﴾

بے شک اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والوں میں بدترین لوگ (یہودی) ہیں جنہوں نے کفر کو اختیار کیا، پس (علمِ الٰہی میں مقرر ہے کہ) وہ ایمان نہیں لائیں گے O

اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّ هُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾

جن یہودیوں سے آپ نے متعدد بار معاہدہ کیا، پھر وہ ہر بار اپنا کیا ہوا عہد و پیمان توڑ دیتے تھے اور وہ (اللہ سے) بالکل نہیں ڈرتے تھے O

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

پس اگر آپ اُن یہودیوں کو میدانِ جنگ میں پائیں تو اُن کو عبرت ناک سزا دیں اور اُن کے حمایتیوں کو بھگا دیں، ہوسکتا ہے کہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں O

وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ

الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ ع

اور اگر آپ کو معاہدہ کرنے والوں سے عہد شکنی کا اندیشہ ہو تو اُن سے کیا ہوا عہد اُنہی کی طرح لوٹا دیں اور برابر کا سلوک کریں، بے شک اللہ عہد شکنی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جب منافقین اور جن لوگوں کے دلوں میں بیماری تھی یہ کہہ رہے تھے: ''ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکہ میں مبتلاء کر رکھا ہے'' اور جو اللہ پر بھروسا کرتا ہے تو بے شک اللہ سب پر غالب اور بہت بڑی حکمت والے ہیں O'' (الانفال:۴۹)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، الانفال:۴۹ تا ۵۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ المنافقون سے مراد اہلِ مدینہ میں سے الاوس اور الخزرج نام کے دو قبیلوں کے چند لوگ تھے۔ ''وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ'': اس آیت کے مصداق میں چند اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مکہ میں اسلام قبول کیا، پس مشرکین ان مسلمانوں کو جبراً اپنے ساتھ معرکۂ بدر میں لے گئے، پس جب ان مسلمانوں نے مسلمانوں کی تعداد کم دیکھی اور مشرکین کی تعداد زیادہ دیکھی تو یہ اسلام کے متعلق شک میں مبتلاء ہو گئے اور نفاق سے کام لیا اور انہوں نے کہا: ''غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ'': یعنی صحابہ کرام کو ان کے دین نے دھوکہ میں مبتلاء کر رکھا ہے۔ مقاتل نے بتایا کہ یہ سات لوگ تھے: (ا) قیس بن الولید بن المغیرہ (ب) ابوقیس بن الفاکہ بن المغیرہ (ج) الحارث بن زمعہ (د) علی بن امیہ بن خلف (ہ) العاص بن منبہ بن الحجاج (و) الولید بن الولید بن المغیرہ (ز) الولید بن عتبہ بن ربیعہ۔

(۲) الحسن البصری نے کہا: یہ مشرکین ہیں، جب انہوں نے غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی کم تعداد دیکھی تو انہوں نے کہا: ''غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ''۔ (۳) الماوردی نے کہا: یہ دینِ اسلام میں شک کرنے والے لوگ تھے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت کو ظاہر نہیں کیا تھا۔

اس آیت میں مرض کا معنی شک ہے۔ اور ''هٰٓؤُلَآءِ'' کے اشارہ سے مسلمان مراد ہیں، یہ انہوں نے اس لیے کہا کہ انہوں نے مسلمانوں کی تعداد کم دیکھی۔ ''وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾'': اور جو اللہ پر بھروسا کرتا ہے تو بے شک اللہ سب پر غالب اور بہت بڑی حکمت والے ہیں O (تفسیر الطبری ج ۱۱ ص ۲۲۶۔۲۲۷، تفسیر ابن کثیر ص ۸۳۸، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۲ھ، سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۴۱)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) کاش! آپ وہ منظر دیکھتے جب فرشتے کفار کے جسموں سے اُن کی روحیں نکالتے ہیں (تو آپ ہولناک منظر دیکھتے)، فرشتے ان کے مونہوں پر اور پیٹھوں پر ضرب لگاتے ہیں اور کہتے ہیں: ''آگ کا عذاب چکھو O'' (الانفال:۵۰)

''وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓىٕكَةُ '': اس آیت میں ملائکہ کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) مقاتل نے کہا: اس سے مراد صرف ملک الموت ہے (۲) ابوسلیمان الدمشقی نے کہا: اس سے مراد عذاب کے فرشتے ہیں۔

''یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ '': اس کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اُن کے آگے اور پیچھے ہوتے ہیں، پس جو فرشتے اُن کے آگے ہوتے ہیں وہ اُن کے چہروں پر ضرب لگائیں گے اور جو فرشتے اُن کے پیچھے ہوتے ہیں وہ اُن کی سرینوں پر ضرب لگائیں گے۔ (۲) قیامت کے دن جب فرشتے اُن سے ملیں گے تو اُن کے چہروں پر اور اُن کی سرینوں پر اس وقت ضرب لگائیں گے جب اُن کو وہ دوزخ کی طرف ہانک کر لے جائیں گے۔ (۳) موت کے وقت آگ کے کوڑے اُن کے چہروں پر اور اُن کی سرینوں پر ماریں گے۔

''وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۵۰﴾ '': اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) الفرّاء اور ابوعبیدہ نے کہا: فرشتے اُن کو مارتے وقت کہیں گے کہ عذاب کو چکھو۔ (۲) مقاتل نے کہا: دنیا میں فرشتے اُن پر ضرب لگائیں گے اور جب قیامت کے دن وہ دوزخ میں داخل ہوں گے تو دوزخ کے محافظین کہیں گے: ''دوزخ کا عذاب چکھو''۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ تمہارے اُن کرتوتوں کی سزا ہے جو تم پہلے کر چکے ہو' اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم فرمانے والے نہیں ہیں O'' (الانفال: ۵۱)

''ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ '': یعنی یہ دنیا میں تمہارے بداعمالوں کی سزا ہے۔ ''وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۵۱﴾ '': یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ان کے کفر کی سزا دے کر ان پر ظلم نہیں فرماتے۔ ہر چند کہ ان کا کفر اللہ کے علم ازلی میں مقرر تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہیں اور اُن کے لیے اپنے ملک میں ہر طرح کا تصرف فرمانا صحیح ہے، لہٰذا اللہ عزوجل کی طرف ظلم کی نسبت کرنا محال ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُن کا طریقہ فرعون کے متبعین اور اُن سے پہلے کافروں کے طریقہ کی مثل ہے، جنہوں نے اللہ کی آیتوں کا کفر کیا تو اللہ نے اُن کے گناہوں کی وجہ سے اُن پر گرفت فرمائی اور اللہ بہت قوت والے سخت عذاب دینے والے ہیں O'' (الانفال: ۵۲)

''كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ '': جس طرح فرعون کے پیروکاروں کا معمول ہے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی اس طرح تکذیب کی ہے جس طرح فرعون کے متبعین اور اُن سے پہلے کافروں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی تھی، تو فرعون کے پیروکاروں پر اس طرح عذاب نازل فرمایا گیا جس طرح اُن سے پہلے کفار پر عذاب نازل فرمایا گیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ فرعون کے پیروکاروں نے یقین کر لیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے برحق نبی ہیں، پھر بھی انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی، اسی طرح مشرکینِ مکہ نے بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یقین کر لیا تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برحق نبی ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو نعمت عطا فرمانے کے بعد اس وقت تک اس نعمت کو تبدیل فرمانے والے نہیں ہیں حتیٰ کہ وہ خود اپنے آپ میں تبدیلی کر لیں، اور بے شک اللہ سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں O'' (الانفال: ۵۳)

''ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝'': اللہ عزوجل کا گرفت فرمانا اور اُن کو عذاب میں مبتلا فرمانا اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ مقاتل نے کہا: اس آیت میں قوم سے مراد اہلِ مکہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھوک کی حالت میں کھلایا اور خوف کی حالت میں امن عطا فرمایا، پھر اُن میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو انہوں نے ان نعمتوں کی قدر نہیں کی اور ان کا شکر ادا نہیں کیا، تو اللہ تعالیٰ نے وہ نعمتیں ان سے واپس لے لیں۔ السدی نے کہا: انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو انصار کی طرف منتقل فرمادیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُن کا طریقہ فرعون کے متبعین اور اُن سے پہلے کافروں کے طریقہ کی مثل ہے، جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کو جھٹلایا، پس ہم نے اُن کو اُن کے گناہوں کے سبب ہلاک فرمادیا اور فرعون کے متبعین کو غرق فرمادیا، اور وہ سب لوگ ظلم کرنے والے تھے O'' (الانفال: ۵۴)

''كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝'': اہلِ مکہ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآنِ مجید کی تکذیب کی جس طرح فرعون کے پیروکاروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کی تکذیب کی تھی اور اُن سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تھی۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کو نعمت دے کر وہ نعمت واپس لے لی، کیونکہ انہوں نے اپنے برے کاموں کو نیک کاموں سے نہیں بدلا تھا۔ یعنی ہم نے پچھلی امتوں کو زلزلے اور کڑک کے عذاب سے ہلاک فرمادیا اور بعض امتوں کو آندھیوں سے ہلاک فرمادیا، اسی طرح ہم نے کفارِ مکہ کو بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کرا کر ہلاک فرمادیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والوں میں بدترین لوگ (یہودی) ہیں جنہوں نے کفر کو اختیار کیا، پس (علمِ الٰہی میں مقرر ہے کہ) وہ ایمان نہیں لائیں گے O'' (الانفال: ۵۵)

''اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت یہودِ بنو قریظہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، جن میں کعب بن الاشرف اور اس کے اصحاب شامل تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جن یہودیوں سے آپ نے متعدد بار معاہدہ کیا، پھر وہ ہر بار اپنا کیا ہوا عہد و پیمان توڑ دیتے تھے اور وہ (اللہ سے) بالکل نہیں ڈرتے تھے O'' (الانفال: ۵۶)

''اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ'': اس آیت کی تفسیر میں تین اقوال ہیں:

(۱) ایک قول یہ ہے کہ جن لوگوں سے آپ نے عہد کیا تھا۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ ''مِنْهُمْ'' میں مِن تبعیض کے لیے ہے،

یعنی زمین میں سب سے بدترین لوگ کفار ہیں اور ان کفار میں سے بدترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے آپ سے عہد کر کے عہد شکنی کی۔

(۳) یعنی جن کے ساتھ آپ نے معاہدہ کیا تھا۔ ''ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ'': یعنی جب بھی آپ ان سے کوئی عہد کرتے ہیں تو وہ اس عہد کو توڑ دیتے ہیں۔ ''وَّهُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾'': اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) وہ عہد توڑنے سے نہیں ڈرتے۔ (۲) وہ عہد توڑنے میں اللہ سے نہیں ڈرتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودِ بنوقریظہ سے یہ معاہدہ فرمایا تھا کہ وہ آپ سے جنگ نہیں کریں گے اور نہ آپ کے خلاف آپ کے دشمن کی مدد کریں گے، انہوں نے اس عہد کو توڑا اور مشرکینِ مکہ کو ہتھیار فراہم کر کے اُن کی مدد کی، پھر کہنے لگے: ہم بھول گئے تھے اور ہم سے غلطی ہوگئی تھی، پھر دوبارہ عہد کیا، پھر اس عہد کو توڑ دیا اور غزوۂ خندق میں کفار کے ساتھ جا کر مل گئے اور کعب بن الاشرف نے اہلِ مکہ کی طرف مکتوب لکھا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرو، میں تمہارا ساتھ دوں گا۔

(تفسیر طبری ج ۱۱ ص ۵ ۲۳، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۲۴ھ تفسیر مجاہد ص ۳۵۷ تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۷۱۹)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس اگر آپ اُن یہودیوں کو میدانِ جنگ میں پائیں تو اُن کو عبرت ناک سزا دیں اور اُن کے حمایتیوں کو بھگا دیں، ہوسکتا ہے کہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں O'' (الانفال: ۵۷)

''فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ'': امام ابوعبیدہ نے کہا: یہ مجاز ہے اور اس میں 'ما' زائد ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگر آپ ان کو میدانِ جنگ میں پائیں۔ ابن قتیبہ نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ اگر آپ ان پر فتح حاصل کریں۔ ''فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ'': تو ان کے ساتھ ایسا سلوک کریں جیسا سلوک کسی کو عذاب دیتے وقت کیا جاتا ہے۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ اس سزا سے آپ کے دشمن تتر بتر ہوجائیں۔ ''لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾'': ہوسکتا ہے کہ یہ عبرت حاصل کریں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر آپ کو معاہدہ کرنے والوں سے عہد شکنی کا اندیشہ ہو تو اُن سے کیا ہوا عہد اُنہی کی طرح لوٹا دیں اور برابر کا سلوک کریں، بے شک اللہ عہد شکنی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے O''

(الانفال: ۵۸)

''وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً'': مفسرین نے کہا ہے: یہاں خوف بمعنی علم ہے، اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر آپ کسی قوم کے متعلق یہ جان لیں کہ اس قوم سے آپ نے پہلے معاہدہ کیا تھا تو اس نے اس میں خیانت کی تھی یعنی عہد توڑ دیا تھا۔ اور مجاہد نے کہا: یہ آیت بنوقریظہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ''فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰی سَوَآءٍ'': اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں:

(۱) الفراء، ابن قتیبہ اور ابوعبیدہ کا مختار یہ ہے کہ اگر وہ آپ سے عہد شکنی کریں تو آپ بھی ان سے کیا ہوا عہد توڑ دیں تاکہ آپ اور وہ عہد توڑنے میں دونوں بظاہر برابر ہوجائیں، (میں کہتا ہوں: ہم نے بظاہر کی قید اس لیے لگائی ہے کہ اُن کا عہد توڑنا ظلم تھا اور آپ کا اس کے جواب میں عہد توڑنا عدل ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) (۲) آپ علی الاعلان ان سے کیا ہوا عہد توڑ دیں۔ یہ بھی الفراء کا قول ہے۔ (۳) الولید بن مسلم نے کہا: آپ بغیر مہلت دیے ان سے کیا ہوا عہد توڑ دیں۔ (۴) آپ انصاف کے ساتھ ان سے کیا ہوا عہد توڑیں اور ان پر کوئی ظلم نہ کریں۔ ''اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۸﴾'': بے شک اللہ تعالیٰ عہد شکنی کرنے والوں کو پسند نہیں

فرماتے۔(زاد المسیر فی علم التفسیر ج ۲ ص ۲۱۶۔۲۲۰، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿٥٩﴾

اور کافر ہر گز یہ گمان نہ کریں کہ وہ (شکست کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے) بھاگ نکلے ہیں، بے شک وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے O

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٦٠﴾

اور (اے مسلمانو!) تم کفار کے خلاف جس قدر قوت حاصل کر سکتے ہو اور جتنے گھوڑے باندھ سکتے ہو اُن سب کو فراہم کر لو، تم اِن تیاریوں سے اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دہشت میں مبتلاء کرو، اُن کے علاوہ اُن دوسرے دشمنوں کو بھی ہیبت زدہ کرو جن کو تم نہیں جانتے، اللہ اُن کو (اچھی طرح) جانتا ہے، اور تم جن چیزوں کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا پورا اجر عطا فرمایا جائے گا اور تمہارے اجر میں کوئی کمی نہیں فرمائی جائے گی O

وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦١﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) اگر کفار آپ سے صلح کرنے پر مائل ہوں تو آپ بھی اُن سے صلح کرنے پر راضی ہو جائیں اور (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھیں، بے شک وہ سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں O

وَإِن يُرِيدُوا أَن يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾

اور اگر کفار آپ کو دھوکہ دینا چاہیں تو بے شک اللہ آپ کے لیے کافی ہیں، اسی نے آپ کو اپنی امداد اور مومنین کے ذریعہ قوت عطا فرمائی O

وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٣﴾

اور اسی نے مسلمانوں کے دلوں میں باہمی الفت پیدا فرما دی، اگر آپ تمام روئے زمین کا مال بھی خرچ کر دیتے تو (از خود) اُن کے دلوں میں باہمی الفت پیدا نہیں فرما سکتے تھے، لیکن اللہ نے ان کے درمیان باہمی الفت پیدا فرما دی، بے شک اللہ سب پر

غالب ہیں، زبردست حکمت والے ہیں O

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع

اے نبی مکرم! آپ (کی مدد) کے لیے اللہ کافی ہیں اور وہ مومنین کافی ہیں جنہوں نے آپ کی پیروی کی ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور کافر ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ وہ (شکست کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے) بھاگ نکلے ہیں، بے شک وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے O'' (الانفال: ۵۹)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، الانفال ۵۹ تا ۶۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾'': یعنی کفار ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ وہ ہمارے عذاب سے بھاگ سکیں گے، بے شک وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کرنے والے کفار خواہ عرب ہوں یا دوسرے ہوں وہ جب اپنی بداعمالیوں پر مر جائیں تو وہ ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بھاگ چکے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن کو سزا دینے سے عاجز نہیں ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو!) تم کفار کے خلاف جس قدر قوت حاصل کر سکتے ہو اور جتنے گھوڑے باندھ سکتے ہو اُن سب کو فراہم کر لو، تم اِن تیاریوں سے اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دہشت میں مبتلاء کرو، اُن کے علاوہ اُن دوسرے دشمنوں کو بھی ہیبت زدہ کرو جن کو تم نہیں جانتے، اللہ اُن کو (اچھی طرح) جانتے ہیں، اور تم جن چیزوں کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا پورا اجر عطا فرمایا جائے گا اور تمہارے اجر میں کوئی کمی نہیں فرمائی جائے گی O'' (الانفال: ۶۰)

''وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ'': اعداد کا معنی ہے: کسی چیز کو ضرورت کے وقت کے لیے سنبھال کر رکھنا۔ ''مِّنْ قُوَّةٍ'': یعنی اُن آلات کو سنبھال کر رکھو جو تمہارے لیے قوت اور طاقت کا باعث ہوں جیسے گھوڑے اور ہتھیار۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جس وقت آپ منبر پر رونق افروز تھے، آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ... (الانفال: ۶۰)'' آپ نے فرمایا: سنو! قوت تیراندازی ہے، سنو! قوت تیراندازی ہے، سنو! قوت تیراندازی ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۱۷، الرقم المسلسل: ۴۹۲۳، سنن ابن ماجہ: ۲۸۱۳، سنن ابوداؤد: ۲۵۱۴، صحیح ابن حبان: ۴۷۰۹، المعجم الکبیر ج ۱۷ رقم: ۹۱۱، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۳، مسند ابویعلیٰ: ۱۷۴۳، سنن دارمی ج ۲ ص ۲۰۴، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۳۲۸، سنن ترمذی: ۳۰۸۳، مسند احمد: ۱۷۴۳۷)

(میں کہتا ہوں: اس حدیث میں جو''الرمی'' کا لفظ ہے، اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قوت پھینکنے والے ہتھیاروں میں ہے جیسے آج کل میزائل کے ذریعے ایٹم بم اور دوسرے مہلک بم پھینکے جاتے ہیں یا جس طرح توپ خانہ کے ذریعہ گولا باری کی جاتی ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے دن اس وقت فرمایا جب ہم نے قریش کے مقابلہ میں صفیں بنائیں اور انہوں نے ہمارے لیے صفیں بنائیں: جب وہ تمہارے قریب آجائیں تو تم تیراندازی شروع کر دینا۔

(صحیح البخاری: ۲۹۰۰، ۳۹۸۴، ۳۹۸۵، سنن ابوداؤد: ۲۶۶۳، مسند احمد: ۱۵۶۳۰)

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف، ج ۴ ص ۱۴۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

اس اشکال کا جواب کہ تیر مارنے کے مناسب یہ ہے کہ دور سے تیر مارا جائے نہ کہ قریب سے

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ''اکثبوا'' کا معنی ہے: وہ قریب آجائیں، اور جب دشمن قریب ہو تو اس پر نیزوں سے حملہ کرنا مناسب ہے اور جب دشمن دور ہو تو اس پر تیروں سے حملہ کرنا مناسب ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب دشمن دور ہو اور اس پر تیروں سے حملہ کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ تیر نشانے پر نہ لگیں اور جب دشمن قریب ہو تو پھر نشانے کے خطاء ہونے کا کم امکان کم ہوتا ہے، اس لیے آپ نے فرمایا: جب دشمن قریب آجائے تو تم تیر مارنا۔

(میں کہتا ہوں: اس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ جب دشمن دور ہو تو ان پر قوت سے پھینکنے والے ہتھیاروں سے گولا باری کی جائے، جیسے آج کل میزائل کے ذریعے ایٹم بم اور دوسرے مہلک بم پھینکے جاتے ہیں یا جس طرح توپ خانہ کے ذریعہ گولا باری کی جاتی ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

علامہ شیخ عبد اللہ بن حجازی الشرقاوی الشافعی المتوفی ۱۲۲۷ھ صحیح البخاری: ۲۹۰۰ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اذا اکثبوکم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پر اس وقت تیر پھینکنے کا حکم دیا جب دشمن قریب آجائے، کیونکہ جب مسلمان دشمن پر دور سے تیراندازی کریں گے تو کبھی اُن تک وہ تیر نہیں پہنچے گا تو وہ تیر پھینکنا بے فائدہ ہوگا، اس لیے آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب وہ تمہارے قریب آجائیں یعنی جب وہ تمہارے نشانے کی زد پر ہوں تب تم ان پر تیر پھینکو۔

(فتح المبدی ج ۲ ص ۵۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء)

محدث احمد علی سہارنپوری متوفی ۱۲۹۷ھ، صحیح البخاری: ۲۹۰۰ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ (فتح الباری ج ۶ ص ۹۲) نے وہی لکھا ہے جو علامہ الشرقاوی المتوفی ۱۲۲۷ھ لکھ چکے ہیں۔ (الجامع الصحیح ج ۶ ص ۱۴۸، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث کا منشاء یہ ہے کہ دشمن پر وار اس وقت کیا جائے جب وہ نشانے کی زد پر ہو، پہلے زمانہ میں تو نشانے کا تعین کرنا بہت مستبعد تھا، لیکن اب جنگ کی جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے یہ بہت آسان ہے، کیونکہ میزائل سے دشمن کی جگہ کا تعین ہو جاتا ہے اور جب میزائل میں رکھ کر بم پھینکا جائے تو وہ لامحالہ اپنے ہدف پر جا کر لگتا ہے۔ سو اس حدیث میں میزائل کے ذریعہ دشمن پر حملہ کرنے کی رہنمائی فرمائی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

''وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ'': یعنی گھوڑوں کو اصطبل میں باندھ کر رکھنا اور انہیں دشمن پر حملہ کرنے کے لیے تیار کرنا، عکرمہ نے کہا: قوت سے مراد نر گھوڑے ہیں اور ''وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ'' سے مراد مادہ گھوڑیاں ہیں۔

گھوڑوں پر جہاد کرنے کی فضیلت کے متعلق احادیث

روایت ہے کہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ جہاد میں صرف مادّہ گھوڑیوں پر سوار ہوتے تھے کیونکہ نر گھوڑے بہت کم تھے۔ اور ابو محیریز بیان کرتے ہیں کہ اصحابہ رضی اللہ عنہم نر گھوڑوں پر سوار ہو کر صفوں میں جانا پسند کرتے تھے اور شب خون مارنے کے لیے اور حملہ کرنے کرنے کے لیے مادہ گھوڑیوں پر سوار ہونا پسند کرتے تھے۔

عروہ بن الجعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: گھوڑوں کی پیشانیوں پر قیامت کے دن تک خیر بندھی ہوئی ہے۔

(صحیح البخاری: ٢٨٥٠، ٢٨٥٢، ٣١١٩، ٣٦٤٣، صحیح مسلم: ١٨٧٣، الرقم المسلسل: ٤٧٢٢، سنن ترمذی: ١٦٩٤، سنن نسائی: ٣٥٧٢، سنن ابن ماجہ ٢٧٨٦، ٢٣٠٥، سنن سعید بن منصور: ٢٤٢٦، مشکل الآثار للطحاوی: ٢٢٥، ٢٢٦، ٢٢٧، مسند ابوداؤد الطیالسی: ١٠٥٦، ١٢٤٥، سنن دارمی ج ٢ ص ٢١١، ٢١٢، سنن بیہقی ج ٦ ص ٣٢٩، صحیح ابن حبان: ٤٦٦٩، المعجم الکبیر للطبرانی: ٢٤٠٩، ٢٤١٠، ٢٤١١، ٢٤١٢، ٢٤١٣، موطا امام مالک ج ٢ ص ٤٦٧، مسند احمد ج ٢ ص ١٣، ٢٨، ٤٩، ٥٧، ١٠١، ١١٢)۔ (موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف ج ١٧ ص ٧١٤، دارالمعرفہ، بیروت، ١٤٣٤ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اللہ پر ایمان اور اس کے وعدے کی تصدیق کے ساتھ اللہ کی راہ میں گھوڑے کو تیار رکھا تو اس گھوڑے کا وہ چارہ جس کو وہ سیر ہو کر کھائے اور وہ پانی جس کو وہ سیر ہو کر پیے اور اس کی لید اور اس کا پیشاب قیامت کے دن اس کے میزان میں وزن کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری: ٢٨٥٣، شرح السنہ للبغوی: ٢٦٤٢، مسند احمد ج ٢ ص ٣٧٤، صحیح ابن حبان: ٤٦٧٣، سنن نسائی ج ٦ ص ٢٢٥، سنن بیہقی ج ١٠ ص ١٦، المستدرک للحاکم ج ٢ ص ٩٢)۔ (موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف ج ١٧ ص ٧١٤، دارالمعرفہ، بیروت، ١٤٣٤ھ)

میں کہتا ہوں: اس زمانہ میں گھوڑوں پر سوار ہو کر جہاد کرنا متروک ہو چکا ہے اور گھوڑوں کے بجائے اس سے کہیں زیادہ تیز تر جیپ، کو جنگ میں استعمال کیا جاتا ہے، ٹینک، توپ خانہ اور بکتر بند گاڑیاں ہر چند کہ گھوڑوں کی رفتار سے کم ہیں لیکن دشمن کے لیے زیادہ مہلک ہتھیاروں کے حامل ہوتے ہیں۔ اور گزشتہ ادوار میں گھوڑوں کو چارہ کھلانے اور اُن کو پالنے پر جو خرچ آتا تھا اس پر اجر و ثواب کی نوید ہے اور اس دور میں ٹینک، جیپ، بکتر بند گاڑیوں اور توپ خانہ پر پیٹرول وغیرہ کا جو خرچ آئے گا وہ گھوڑوں کو چارہ کھلانے کے قائم مقام ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گھوڑے ایک آدمی کے لیے اجر کا باعث ہوتے ہیں اور وہ دوسرے آدمی کے لیے اس کے عیوب اور گناہوں کے لیے پردہ پوشی کا سبب ہوتے ہیں اور تیسرے آدمی کے لیے اس کے گناہوں کا بوجھ بن جاتے ہیں، رہا وہ شخص جس کے لیے گھوڑے اجر کا باعث ہوتے ہیں تو یہ وہ آدمی ہے جو گھوڑوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں باندھتا ہے، چنانچہ طویل عرصہ تک وہ اسے کسی سرسبز میدان میں باندھتا ہے یا کسی باغ میں تو وہ اس سرسبز میدان میں جس قدر چرے گا وہ اس کی نیکیوں میں شمار ہوگا، اگر اس کی رسّی ٹوٹ جائے اور وہ ایک بار یا دو بار پاؤں اٹھا کر اچھلا تو اس کے قدموں کے نشان اور اس کی لید بھی اس کے مالک کی نیکیوں میں لکھی جائے گی، اور اگر وہ گھوڑا کسی نہر کے پاس سے گزرا اور اس نہر سے اس نے

پانی پیا خواہ اس کے مالک نے اس کو پانی پلانے کا ارادہ نہ کیا ہو تو یہ بھی اس کے مالک کی نیکیوں میں شمار ہوگا، سو یہ گھوڑا اس کے مالک کے لیے اجر کا باعث ہے، اور جس شخص نے گھوڑے کو دوسروں سے مستغنی رہنے کے لیے اور سوال سے بچنے کے لیے باندھا، پھر اس نے گھوڑے کی سواری میں اور اس کی پیٹھ میں اللہ کے حق کو فراموش نہیں کیا تو یہ اس کے عیوب اور گناہوں کے لیے پردہ پوشی کا سبب ہے، اور جس نے اپنے گھوڑے کو فخر کرنے، دکھاوے اور مسلمانوں سے دشمنی کے لیے باندھا تو یہ گھوڑا اس کے گناہوں کے بوجھ کا سبب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گدھوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: مجھ پر اس کے متعلق کوئی خاص حکم نہیں نازل فرمایا گیا، سوائے اس جامع اور منفرد آیت کے: ''جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی تو وہ اس کی جزاء پائے گا O اور جس نے ایک ذرّہ کے برابر بھی برائی کی تو وہ اس کی سزا پائے گا O'' (الزلزال: ۷۔۸)

(صحیح البخاری: ۲۳۷۱، ۲۸۶۰، ۳۶۴۶، ۴۹۶۲، ۴۹۶۳، ۷۳۵۶، صحیح مسلم: ۹۸۷، الرقم المسلسل: ۲۱۷۹، سنن ابوداؤد: ۱۶۵۸، سنن ابن ماجہ: ۲۷۸۸، سنن ترمذی: ۱۶۳۶، مسند ابویعلیٰ: ۶۴۱، صحیح ابن خزیمہ: ۲۲۵۲، صحیح ابن حبان: ۴۶۷۱، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۵، مسند احمد: ۷۵۶۳، مسند احمد ج ۱۳ ص ۷، موطا امام مالک ج ۲ ص ۴۴۴، شرح السنہ للبغوی: ۱۵۶۹)۔

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف ج ۱۹ ص ۳۹۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۳۴ھ)

''تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ'': جن سے تم اپنے اور اللہ کے دشمنوں کو ڈراتے ہو۔ مجاہد، مقاتل اور قتادہ نے کہا: ان دشمنوں سے مراد بنو قریظہ ہیں۔ اور السدی نے کہا: اس سے مراد اہلِ فارس ہیں۔ اور حسن بصری اور ابن زید نے کہا: اس سے مراد منافقین ہیں جن کو تم نہیں جانتے کیونکہ وہ تمہارے ساتھ مسلمانوں کے بھیس میں رہتے ہیں، وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے ہیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ جنات میں سے کفار ہیں۔

''وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ'': یعنی تم جو اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا تم کو پورا پورا اجر عطا فرمایا جائے گا۔ ''وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝'': یعنی تمہارے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں فرمائی جائے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) اگر کفار آپ سے صلح کرنے پر مائل ہوں تو آپ بھی اُن سے صلح کرنے پر راضی ہو جائیں اور (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھیں، بے شک وہ سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں O'' (الانفال: ۶۱)

''وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝'': حسن اور قتادہ نے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا حکم قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے منسوخ ہو چکا ہے:

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبہ: ۵)

پھر جب حرمت والے چار مہینے ختم ہو جائیں تو (اے مسلمانو!) اِن مشرکین کو جہاں پاؤ وہیں قتل کر دو اور انہیں گرفتار کر لو اور اُن کا محاصرہ کر لو اور اُن کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اُن کا پیچھا چھوڑ دو،

بے شک اللہ بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر کفار آپ کو دھوکہ دینا چاہیں تو بے شک اللہ آپ کے لیے کافی ہیں، اسی نے آپ کو اپنی امداد اور مومنین کے ذریعہ قوت عطا فرمائی O'' (الانفال: ۶۲)

''وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ'': یعنی اگر وہ آپ سے عہد شکنی کریں اور آپ کے خلاف سازش کریں، مجاہد نے کہا: اس سے مراد بنو قریظہ ہیں۔ ''فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ'': تو بے شک اللہ آپ کے لیے کافی ہیں۔

''هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ'': اس آیت میں المومنین سے مراد انصار ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اسی نے مسلمانوں کے دلوں میں باہمی الفت پیدا فرما دی، اگر آپ تمام روئے زمین کا مال بھی خرچ کر دیتے تو (از خود) اُن کے دلوں میں باہمی الفت پیدا نہیں فرما سکتے تھے، لیکن اللہ نے ان کے درمیان باہمی الفت پیدا فرما دی، بے شک اللہ سب پر غالب ہیں، زبردست حکمت والے ہیں O'' (الانفال: ۶۳)

''وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ'': یعنی اللہ تعالیٰ نے الاوس اور الخزرج کے درمیان الفت پیدا فرما دی، جب کہ زمانہ جاہلیت میں ان کے درمیان سخت دشمنی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام کے سبب ان کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔

''لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ'': یعنی اگر آپ تمام روئے زمین کا مال بھی خرچ کر دیتے تو (از خود) اُن کے دلوں میں باہمی الفت پیدا نہیں فرما سکتے تھے، لیکن اللہ نے ان کے درمیان باہمی الفت پیدا فرما دی، بے شک اللہ سب پر غالب ہیں، زبردست حکمت والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے نبی مکرم! آپ (کی مدد) کے لیے اللہ کافی ہیں اور وہ مومنین کافی ہیں جنہوں نے آپ کی پیروی کی ہے O'' (الانفال: ۶۴)

''يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ'': سعید بن جبیر نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تینتیس (۳۳) مرد اور چھ (۶) خواتین اسلام لائیں، پھر جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے تو چالیس (۴۰) کا عدد پورا ہو گیا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۰۴۔ ۳۰۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل اور خصائص

علامہ موسیٰ شاہین لاشین لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ امیر المومنین ہیں، ان کے فضائل اور مناقب بہت زیادہ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی فضیلت یہ ہے کہ انہوں نے سقیفہ بنو ساعدہ میں خلافت کی بحث ختم فرمائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ اپنا ہاتھ بڑھایئے ہم آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرتے ہیں، پھر صحابہ پے در پے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت میں

سب سے زیادہ دنیا سے بے رغبتی کرتے تھے اور سب سے زیادہ عدل وانصاف فرماتے تھے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو چالیس مرد مسلمانوں کا عدد مکمل ہو گیا۔ (اس عدد میں اختلاف ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)۔ ان کا اسلام لانا ایک فرد کا اسلام نہیں تھا بلکہ ایک امت کا اسلام تھا۔ اسلام ان کی تمنا کرتا تھا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس دعا سے ظاہر ہوتا ہے جو آپ نے ان کے اسلام لانے کے لیے کی تھی، تمام صحابہ اسلام کے طالب تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام کے مطلوب تھے۔ ان کے اسلام قبول کرنے سے اسلام کو غلبہ حاصل ہوا، پہلے مسلمان چھپ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے، ان کے اسلام لانے کے بعد مسلمان علی الاعلان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگے، پہلے مسلمان صنادید قریش سے اپنے اسلام کو چھپاتے تھے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے تو انہوں نے رسول اللہ سے عرض کیا: یارسول اللہ! آیا ہم حق پر ہیں یا باطل پر ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہم حق پر ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر ہم اپنے دین کو کیوں چھپائیں حالانکہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں۔ اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، پہلے میں جس کفر کی مجلس میں بیٹھتا تھا اب میں اسی مجلس میں بیٹھ کر اپنے اسلام لانے کو ظاہر کروں گا۔ وہ مسلمان صحابہ کو اپنی بہن کے گھر سے لے کر کعبہ میں گئے، کفار ان کو دیکھ رہے تھے اور انہیں کوئی اعتراض کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اسی روز سے ان کو فاروق کا لقب دیا گیا کیونکہ ان کے اسلام لانے کے بعد مسلمان چھپ کر دین پر عمل کرنے کی بجائے کھل کر اسلام کا اظہار کرنے لگے۔ (فتح المنعم ج ۹ ص ۲۹۹۔ ۳۰۰، دارالشروق، القاہرہ، ۱۴۲۰ھ)

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

اے نبی مکرم! ایمان والوں کو (اللہ کی راہ میں) لڑنے پر برانگیختہ کرتے رہیے، (اے مسلمانو!) اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو (کفار) پر غالب آجائیں گے، اور اگر تم میں سے ایک سو ہوئے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے کیونکہ کفار ایسے لوگ ہیں جو عقلِ سلیم سے کام نہیں لیتے O

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

اب اللہ نے تم سے تخفیف فرما دی اور اس کو معلوم ہے کہ تم میں ناتوانی ہے، سو اگر تم میں سے سو آدمی صابر ہوئے تو (اللہ کے حکم سے) وہ دو سو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تم میں سے ایک ہزار (صابر) ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آجائیں گے، اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں O

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾

کسی نبی کی شان کے لائق یہ نہیں ہے کہ کفار اس کے قیدی ہوں حتیٰ کہ وہ زمین پر (کفار کا) خون بہالے، (اے مسلمانو!) تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت کا ارادہ فرماتے ہیں، اور اللہ سب پر غالب بڑی حکمت والے ہیں O

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾

(اے مسلمانو!) اگر اللہ کے علمِ ازلی میں پہلے سے یہ مقرر نہ ہوتا (کہ اجتہادی خطاء پر گرفت نہیں ہوتی) تو تم نے جو فدیہ کا مال لیا ہے اس کی وجہ سے تم کو سخت عذاب دیا جاتا O

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾

پس تم مالِ غنیمت میں سے پاکیزہ حلال مال کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بہت بخشنے والے، نہایت رحم فرمانے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اے نبی مکرم! ایمان والوں کو (اللہ کی راہ میں) لڑنے پر برانگیختہ کرتے رہیے، (اے مسلمانو!) اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو (کفار) پر غالب آجائیں گے، اور اگر تم میں سے ایک سو ہوئے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے کیونکہ کفار ایسے لوگ ہیں جو عقلِ سلیم سے کام نہیں لیتے O اب اللہ نے تم سے تخفیف فرمادی اور اس کو معلوم ہے کہ تم میں ناتوانی ہے، سو اگر تم میں سے سو آدمی صابر ہوئے تو (اللہ کے حکم سے) وہ دو سو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تم میں سے ایک ہزار (صابر) ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آجائیں گے، اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں“

(الانفال: ۶۵-۶۶)

ابتداء میں ایک مسلمان کو دس کافروں سے مقابلہ کرنے کا حکم تھا، پھر اس میں تخفیف فرما کر ایک مسلمان کو دو کافروں سے مقابلہ کرنے کا مکلف فرمادیا

امام ابو اللیث السمر قندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، الانفال ۶۵ تا ۶۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ“: یعنی مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے پر ابھاریئے۔

”اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ“: یعنی اگر تم میں سے بیس ایسے ہوں جو ثواب کی نیت سے جہاد کرنے والے ہوں۔

”يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ“: وہ دو سو کافروں سے لڑیں گے اور لڑنے پر ثابت قدم رہیں گے تو ضرور اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائیں گے۔

''وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ'': یعنی اگر تم میں سے سو ثواب کی نیت سے لڑنے والے ہوں۔ ''يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'': ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ غزوۂ بدر میں ایک ہزار کفار پر غالب آجائیں گے، یعنی ہر مسلمان مجاہد دس کافروں سے مقابلہ کرے گا۔ پھر انہوں نے بلند آواز سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کی تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک مرد کو دو مردوں کے خلاف لڑنے کا حکم دیا اور یہ اللہ عزوجل کی طرف سے اس حکم میں تخفیف ہے۔

''بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝'': یعنی مشرکین بغیر ثواب کی امید کے اور بغیر طلبِ اجر کے لڑتے ہیں، کیونکہ ان کو یہ سمجھ نہیں ہے کہ اللہ عزوجل ان کو اجر عطا فرماتے ہیں جو ثواب کی نیت سے لڑتے ہیں، کیونکہ مشرکین لڑائی کے وقت اس خوف سے ثابت قدم نہیں رہتے کہ ان کو قتل کر دیا جائے گا اور دنیا کا مال اُن کے ہاتھ سے چلا جائے گا۔

''اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ'': یعنی غزوۂ بدر میں جو تم پر ایک کے مقابلے میں دس کفار سے لڑنے کو فرض فرمایا تھا، اس میں اللہ عزوجل نے تخفیف فرمادی۔ ''وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا'' اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم میں لڑنے سے عجز اور کمزوری ہے۔

''فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ'': پس اگر تم میں سے ایک سو ثواب کی نیت سے لڑنے والے ہوں۔

''يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ'': تو وہ دو سو مشرکوں پر بھاری ہوں گے۔

(تفسیر طبری ج ١١ ص ٢٦٢، دار عالم الکتب، ریاض، ١٤٣٤ھ، تفسیر عبدالرزاق ج ١ ص ٢٦٢)

''وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ'': اور اگر تم میں سے ایک ہزار ثواب کی نیت سے کفار کے خلاف لڑنے والے ہوں تو وہ دو ہزار پر غالب ہوں گے۔ ''بِاِذْنِ اللّٰهِ'': یعنی اللہ تعالیٰ نے ازل میں اُن کے لیے اپنی نصرت کو مقدر فرمادیا ہے۔

''وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝'': یعنی جو لوگ دشمن کے خلاف ثابت قدمی سے لڑنے والے ہوں، اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمانے والے ہیں۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فرض فرمادیا تھا کہ ایک مسلمان دس کافروں پر مقابلہ سے نہ بھاگے، اور نہ دس مسلمان سو کافروں سے مقابلہ میں بھاگیں، پھر جب مسلمانوں پر اس حکم پر عمل کرنا دشوار ہوا تو دوسری آیت نازل ہوگئی: ''اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ''۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ فرض فرمادیا کہ ایک مسلمان دو کافر مردوں کے خلاف لڑنے سے نہ بھاگے۔

الفقیہ نے کہا ہے کہ جب مسلمان کے پاس ہتھیار نہ ہوں اور کافر کے پاس ہتھیار ہوں، تو پھر مسلمان کے لیے کافر کے خلاف مقابلہ کرنے سے بھاگنا جائز ہے۔

(تفسیر سفیان الثوری ص ١٢١، کتاب الام للشافعی ج ٤ ص ٩٢، مصنف عبدالرزاق: ٩٥٢٥، سنن سعید بن منصور: ١٠٠٠، المنتقی لابن الجارود: ١٠٤٩، تفسیر ابن ابی حاتم ج ٥ ص ١٧٢٨، المعجم الکبیر للطبرانی: ١١٢١١، سنن بیہقی ج ٩ ص ٧٦، شعب الایمان للبیہقی: ٤٠٠١)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی: ''(اے مسلمانو!) اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو (کفار) پر غالب آجائیں گے۔ (الانفال: ٦٥)'' تو ان پر یہ فرض کر دیا گیا کہ ایک (مومن) دس (کفار) سے مقابلہ میں نہ بھاگے، پس سفیان نے متعدد مرتبہ کہا کہ بیس دو سو کے مقابلہ میں نہ بھاگیں، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

''اب اللہ نے تم سے تخفیف فرمادی۔۔(الانفال:۶۶)''پوری آیت پڑھیں، پس اللہ نے یہ فرض فرمادیا کہ ایک سو (مومن) دوسو (کافروں) سے نہ بھاگیں اور کبھی سفیان نے یہ اضافہ کیا کہ یہ آیت نازل ہوئی: ''اے نبی مکرم! ایمان والوں کو (اللہ کی راہ میں) لڑنے پر برانگیختہ کرتے رہیے، (اے مسلمانو!) اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں۔۔۔(الانفال:۶۵)''۔

(صحیح البخاری: ۴۶۵۲، ۴۶۵۳، سنن ابوداؤد: ۲۶۴۶)

نسخ اور تخفیف کا فرق اور کفار اور فساق دونوں سے مقابلہ کا حکم واحد ہے

علامہ بدرالدین محمد بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فَكُتِبَ عَلَيْهِمْ: یعنی مسلمانوں پر یہ فرض فرمادیا گیا کہ ایک مسلمان دس کافروں سے مقابلہ میں نہ بھاگے، یہ آیت اگرچہ صورۃً خبر ہے مگر اس سے مراد امر ہے، اس لئے اس پر ناسخ داخل ہوا کیوں کہ جب مسلمانوں پر ایک کا دس سے مقابلہ دشوار ہوا تو اس فرض کو منسوخ فرما کر ایک مسلمان کا دو کافروں سے مقابلہ فرض فرمادیا۔ اس بناء پر یہ تخفیف ہے، نسخ نہیں ہے، اور قاضی ابوبکر بن الطیب نے کہا ہے کہ جب کسی حکم کا بعض حصہ منسوخ فرمادیا جائے یا اس کے بعض اوصاف کو منسوخ فرمادیا جائے یا اس کے عدد کو متغیر کردیا جائے تو یہ کہنا جائز ہے کہ حکم منسوخ ہوگیا، کیونکہ اب وہ پہلے والا حکم نہیں ہے بلکہ اس کا غیر ہے۔ بعض علماء نے کہا: یہ واقعہ بدر کے دن کا ہے۔ علامہ ابن العربی نے کہا: یہ غلط ہے بلکہ یہ بدر کے بعد کا واقعہ ہے اور مقاتل نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ بدر کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو علم تھا کہ جو قتال وہ کررہے ہیں، وہ ثواب ہے اور کفار کو سمجھ نہیں تھی۔

ایک قول یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اس لئے ایک کا دس سے مقابلہ فرض فرمادیا گیا، پھر جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو اس حکم میں تخفیف فرمادی گئی، پھر یہ ہمارے حق میں ہے اور رہے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ کا مقابلہ کثیر تعداد کے دشمن سے بھی واجب ہے، کیونکہ آپ سے مدد کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور آپ کامل القوۃ ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۴۲-۳۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

لشکر کے بغیر تنہا مسلمانوں کا دو کافروں کے مقابلہ سے بھاگنا، آیا جائز ہے یا نہیں؟

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں تخفیف نازل ہونے کا ذکر ہے۔ اسماعیلی کی روایت ہے: پس ان پر یہ فرض فرمایا گیا کہ ایک مسلمان دو کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگے، اور اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ایک مسلمان دو کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہے اور اس کا دو کافروں کے مقابلہ سے بھاگنا حرام ہے خواہ وہ اس کو طلب کریں یا نہ کریں، خواہ وہ لشکر کی کسی صف میں کھڑا ہو یا وہاں کوئی لشکر نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کا یہی تقاضا ہے اور یہی امام شافعی کا جدید قول ہے، لیکن اگر مسلمان ایک ہو اور لشکر میں نہ ہو اور اس کے پاس لڑنے کے لئے اسلحہ ہو اور دو کافر اس کو مقابلہ کے لئے للکاریں تو اس کے لئے ان سے پیٹھ موڑ کر بھاگنا جائز ہے۔ اگر اس کو کافر طلب کریں تو آیا اس کا بھاگنا حرام ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق متاخرین کے دو قول ہیں: زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس کا بھاگنا حرام نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ظاہر قول یہ ہے کہ جب مسلمان لشکر میں ہو تو پھر اس کا دو کافروں کے مقابلہ سے بھاگنا جائز نہیں ہے، لیکن جب کوئی مسلمان لشکر کے بغیر اکیلا ہو تو پھر اس کا دو کے مقابلہ سے بھاگنا حرام نہیں ہے، کیونکہ معروف یہ

ہے کہ جہاد جماعت کے ساتھ ہوتا ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعض اصحاب کو تنہا لڑنے کے لئے بھی بھیجا ہے، اور امام طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایسی روایات جمع کی ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ ایک مسلمان کا بھی دو کافروں کے مقابلہ سے بھاگنا ممنوع ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اس موقف پر ان آیات سے استدلال کیا ہے: "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔۔۔ (البقرہ: ٢٠٧)" (اور بعض وہ لوگ ہیں جو اللہ کی رضا جوئی کے عوض اپنی جان کو فروخت کر دیتے ہیں)۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ۔۔۔ (النساء: ٨٤)" (سو آپ اللہ کی راہ میں لڑیے، آپ کی جان (پاک) کے سوا کسی کو (اس لڑائی کا) مکلف نہیں فرمایا جائے گا)۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۲۰۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

تنہا مسلمان کے دو یا زیادہ کافروں سے لڑنے کے وجوب پر حافظ ابن حجر کے دلائل پر مصنف کی گرفت

حافظ ابن حجر عسقلانی نے البقرہ: ٢٠٧ سے اس پر استدلال کیا ہے کہ تنہا مسلمان کا دو یا زیادہ کافروں سے لڑنا واجب ہے اور مقابلہ میں ان سے بھاگنا جائز نہیں ہے، تاہم یہ استدلال صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ آیت حضرت صہیب رومی یا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ جب وہ مدینہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے تو کفار قریش نے ان کو پکڑ لیا تو وہ ان کو اپنا سارا مال دے کر مدینہ کی طرف چلے گئے اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صہیب! تمہاری تجارت نے نفع پایا۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۹، ایران، مختصر تاریخ دمشق ج ۱۴ ص ۱۱۷، دار الفکر، بیروت)

اس آیت میں حضرت صہیب اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما کی فضیلت کا ذکر ہے اور اس میں یہ حکم نہیں ہے کہ تنہا مسلمان کا دو یا دو سے زائد کفار سے لڑنا واجب ہے، تاہم جو تنہا مسلمان زیادہ کافروں سے لڑے گا خواہ اپنی جان دے دے، وہ بھی اس فضیلت میں داخل ہوگا لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تنہا مسلمان کا دو یا زیادہ کافروں سے لڑنا واجب ہے۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے النساء: ٨٤ سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: "سو آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجئے آپ کو صرف آپ کی ذات کا مکلف فرمایا جائے گا"۔

اس آیت میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہے عام مسلمانوں سے خطاب نہیں ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی طاقت اور قوت عطا فرمائی تھی کہ آپ تنہا تمام کافروں سے لڑ سکتے تھے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عام مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ اگر وہ تنہا ہوں اور غیر مسلح ہوں پھر بھی ان کا زیادہ کافروں سے لڑنا واجب ہے اور مقابلہ میں ان سے بھاگنا حرام ہے۔

سو حافظ ابن حجر نے اپنے موقف پر قرآن مجید کی جن دو آیتوں سے استدلال کیا ہے، ان سے ان کا موقف ثابت نہیں ہوتا۔

محدث احمد علی سہارنپوری متوفی ۱۲۹۷ھ، صحیح البخاری: ۴۶۵۲ کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان لا یفر عشرون من مائتین: حدیث کے یہ الفاظ آیت قرآن کے مطابق ہیں۔ (ارشاد الساری للقسطلانی ج ۱۰ ص ۲۷۵)

"اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ": قاضی بیضاوی شافعی التوفی ۶۸۵ھ نے لکھا ہے: جب اللہ عزوجل نے ایک مسلمان کا دس کافروں سے مقابلہ واجب فرما دیا اور اُن کے مقابلہ میں مسلمانوں کے ثابت قدم رہنے کو واجب فرما دیا تو یہ حکم مسلمانوں پر دشوار ہوا

تو اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں تخفیف فرما دی اور اب ایک مسلمان کا دو کافروں کے ساتھ مقابلہ کو واجب فرما دیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد کم تھی تو اس لئے یہ حکم دیا کہ ایک مسلمان دس کافروں سے مقابلہ کرے۔ پھر جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں تخفیف فرما دی۔

''وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا'': اس سے مراد بدن کی کمزوری ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد بصیرت کی کمزوری ہے۔ اور مسلمانوں کا بدن کی طاقت میں بھی حال مختلف تھا اور بصیرت میں بھی حال مختلف تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب ایک مسلمان کا مقابلہ دو کافروں سے ہو تو اگر وہ کافروں کے ہاتھوں شہید ہوگیا تو جنت میں داخل ہوگا اور اگر سلامت رہا تو اس کو دنیا میں مالِ غنیمت اور آخرت میں اجر ملے گا اور کافر صرف دنیا کی کامیابی کے لیے لڑتا ہے، حاصل یہ ہے کہ جو مسلمان کافروں سے لڑ رہا ہو تو جب تک کافر دگنے ہوں تو اس کا صف سے نکل کر لڑنا جائز نہیں ہے، اور اگر صف میں نہ لڑ رہا ہو تو پھر اس ایک مسلمان کے لیے دو کافروں کے مقابلہ میں لڑنا واجب نہیں ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۹ ص ۲۱۵۔۲۱۶، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کسی نبی کی شان کے لائق یہ نہیں ہے کہ کفار اس کے قیدی ہوں حتیٰ کہ وہ زمین پر (کفار کا) خون بہالے، (اے مسلمانو!) تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت کا ارادہ فرماتے ہیں، اور اللہ سب پر غالب بڑی حکمت والے ہیں O'' (الانفال: ٦٧)

غزوۂ بدر کے قیدیوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحابہ کرام سے مشاورت

''مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى'': یعنی نبی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کافر قیدیوں سے فدیہ وصول کر کے ان کو چھوڑ دیں، لیکن تلوار سے ان کا خون بہائیں۔ ''حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ'': یعنی حتیٰ کہ روئے زمین پر اللہ کے دشمن مغلوب ہو جائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب مسلمانوں نے کفار کو قید کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت فرمایا: تمہاری ان قیدیوں کے متعلق کیا رائے ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یہ آپ کے چچا کے بیٹے ہیں اور آپ کے خاندان کے لوگ ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے فدیہ لیں تاکہ ہم اس رقم سے کفار کے خلاف جہاد کرنے کی تیاری کریں اور شاید اللہ تعالیٰ اُن کافر قیدیوں کو آزاد ہونے کے بعد اسلام کی ہدایت عطا فرما دیں''، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میری رائے یہ ہے کہ آپ ان قیدیوں کی گردنیں اڑا دیں''، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل کرنے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: پھر دوسرے دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں بیٹھے ہوئے رو رہے تھے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کس وجہ سے رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ میں نے تمہارے اصحاب کے لیے فدیہ لینے کو قبول کر لیا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی: ''مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى''۔ (سنن ترمذی: ۳۰۸۴، اسباب النزول للواحدی: ۱٦۰)

ابوزُمیل بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب مسلمانوں نے (بدر کے) قیدیوں کو گرفتار کر لیا تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: تمہارا ان قیدیوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا نبی اللہ! یہ ہمارے عم زاد اور ہمارے قبیلہ کے لوگ ہیں، میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے فدیہ لے لیں، اس سے ہمیں کفار کے خلاف قوت حاصل ہوگی اور شاید اللہ تعالیٰ انہیں اسلام کی ہدایت عطا فرمادیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابن الخطاب! تمہاری کیا رائے ہے؟، میں نے کہا: نہیں، بخدا یا رسول اللہ! میری وہ رائے نہیں ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے ہے، لیکن میری رائے یہ ہے کہ آپ انہیں ہمارے حوالے کیجئے تاکہ ہم ان کی گردنیں اتار دیں، آپ عقیل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کیجئے کہ وہ اس کی گردن اتار دیں اور میرا فلاں رشتہ دار میرے حوالے کریں کہ میں اس کی گردن ماردوں، یہ لوگ کافروں کے بڑے اور ان کے سردار ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پسند آئی اور میری رائے پسند نہیں آئی، دوسرے دن جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں، میں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے بتلائیے کہ آپ اور آپ کے صاحب کس وجہ سے رو رہے ہیں اگر مجھے بھی رونا آیا تو میں روؤں گا اور اگر مجھے رونا نہ آیا تو میں آپ دونوں کے رونے کی وجہ سے رونے کی ایسی صورت بنالوں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اس واقعہ کی وجہ سے رو رہا ہوں جو تمہارے ساتھیوں کے فدیہ لینے کی وجہ سے مجھ پر پیش آیا ہے، بلاشبہ مجھ پر ان لوگوں کا عذاب پیش کیا گیا جو اس درخت سے بھی زیادہ قریب تھا، وہ درخت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ آیت نازل فرمائی: ''کسی نبی کی شان کے لائق یہ نہیں ہے کہ کفار اس کے قیدی ہوں حتیٰ کہ وہ زمین پر (کفار کا) خون بہالے، (اے مسلمانو!) تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت کا ارادہ فرماتے ہیں، اور اللہ سب پر غالب بڑی حکمت والے ہیں O (اے مسلمانو!) اگر اللہ کے علمِ ازلی میں پہلے سے یہ مقرر نہ ہوتا (کہ اجتہادی خطاء پر گرفت نہیں ہوتی) تو تم نے جو فدیہ کا مال لیا ہے اس کی وجہ سے تم کو سخت عذاب دیا جاتا O پس تم مالِ غنیمت میں سے پاکیزہ حلال مال کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بہت بخشنے والے، نہایت رحم فرمانے والے ہیں O''۔

(صحیح مسلم: ۱۷۶۳، الرقم المسلسل: ۴۵۶۳، سنن ابوداؤد: ۲۶۹۰، سنن ترمذی: ۳۰۸۱، مشکل الآثار للطحاوی: ۳۳۰۹، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۶۶۲، صحیح ابن حبان: ۴۷۹۳، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۴۰۸، سنن بیہقی ج ۶ ص ۳۲۱، تفسیر الطبری ج ۱۱ ص ۲۷۵۔۲۷۶، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب بدر کے دن قیدیوں کو لایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: تم ان قیدیوں کے متعلق کیا مشورہ دیتے ہو؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! یہ آپ کی قوم کے لوگ ہیں اور آپ کے خاندان کے لوگ ہیں، آپ ان کو زندہ رہنے دیں اور انتظار کریں، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! ان کافروں نے آپ کی تکذیب کی تھی، انہوں نے آپ کو بے وطن کیا تھا، آپ آگے بڑھیں اور ان کی گردنیں اڑادیں، اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ ایسی وادی کو دیکھیے جس میں لکڑیاں بہت زیادہ ہوں اور ان کافروں کو اس وادی میں داخل کردیں پھر ان کے اوپر آگ لگادیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے اور اُن کو کوئی جواب نہیں دیا۔

پھر بعض صحابہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو اختیار کیا اور بعض صحابہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو اختیار کیا اور بعض صحابہ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی رائے کو اختیار کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، پس آپ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو نرم فرما دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو سخت فرما دیتے ہیں حتیٰ کہ وہ پتھروں سے زیادہ سخت ہو جاتے ہیں اور تمہاری مثال اے ابوبکر! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثل ہے جنہوں نے کہا تھا: ''فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ ۔۔۔ (ابراہیم: ٣٦)'' (سوجس نے میری پیروی کی، پس بے شک وہ میرا ہے، اور جس نے میری نافرمانی کی تو بے شک آپ بہت زیادہ بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں ۝)۔ اور عمر تمہاری مثال حضرت نوح علیہ السلام کی مثل ہے، جنہوں نے کہا تھا: ''رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ۝ (نوح: ٢٦)'' (اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑیں)۔ اور تمہاری مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثل ہے جنہوں نے کہا تھا: ''رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ۝ (یونس: ٨٨)'' (اے ہمارے رب! ان کے اموال کو تباہ فرما دیں اور ان کے دلوں کو مزید سخت فرما دیں سو یہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں ۝)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس ان کافروں میں سے کوئی بھی بغیر فدیہ دیے یا بغیر گردن اڑائے تم سے نہ بچنے پائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: سوائے سہیل ابن بیضاء کے، کیونکہ میں نے سنا ہے وہ اکثر اسلام کا ذکر کرتا تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اور مجھے کسی دن یہ خوف نہیں ہوا کہ ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسیں گے سوا اس دن کے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوا سہیل بن بیضاء کے۔ تب اللہ عزوجل نے یہ تین آیات نازل فرمائیں:

''مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ؕ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا ۖۗ وَاللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِیْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ٘ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝'' ۔۔۔ (الانفال: ٦٧۔٦٩)

(تفسیر الطبری ج ١١ ص ٢٧٣۔ ٢٧٤، تاریخ الطبری ج ٢ ص ٦٧٤، مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٢ ص ٤١٧، مسند احمد: ٣٦٣٢، سنن ترمذی: ١٧١٤، ٣٠٨٤، حلیۃ الاولیاء ج ٤ ص ٢٠٧۔ ٢٠٨، سنن بیہقی ج ٦ ص ٣٢١، اسباب النزول للواحدی ص ٢٣٦۔ ٢٣٧، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ٥ ص ١٧٣١، المستدرک للحاکم ج ٣ ص ٢١، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ٣ ص ١٣٨)

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ٣١٠ھ، الانفال: ٦٧ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت یوم بدر کے متعلق ہے، اس دن مسلمانوں کی تعداد کم تھی، پھر جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی اور اُن کی قوت بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے کافر قیدیوں کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: ''فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً ۔۔۔ (محمد: ٤)'' ((اے مسلمانو!) جب تمہارا میدانِ جنگ میں کفار سے مقابلہ ہو تو کافروں کی گردنیں اڑا دو، حتیٰ کہ جب تم زمین میں ان کا خون بہا چکو تو پھر اُن کو گرفتار کر لو، پھر اُن پر احسان کر کے ان کو رہا کر دو یا اُن سے فدیہ لے کر اُن کو چھوڑ دو۔) پس اللہ عزوجل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مومنین کو قیدیوں کے متعلق یہ اختیار عطا فرمایا خواہ تم اُن کو قتل کر دو اور خواہ اُن کو اپنا غلام بنا لو اور خواہ اُن سے فدیہ لے کر اُن کو چھوڑ دو۔

(الناسخ لابن ابی عبید ص ۲۹۹۔ ۳۰۰، کتاب الاموال ص ۳۴۲، ابن زنجویہ فی کتاب الاموال: ۵۳۰، ابن المنذر فی الاوسط ج ۱۱ ص ۲۲۵، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۷۳۲، کتاب الناسخ للنحاس ص ۴۷۲)

سعید بن جبیر نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ جب تم کافروں کو قید کرلو تو اُن سے فدیہ نہ لو حتیٰ کہ تم زمین میں اُن کا خون بہاؤ۔

(کتاب الناسخ لابی عبید ص ۳۰۱، کتاب الاموال ص ۳۴۱، ابن زنجویہ فی الاموال: ۵۲۸، تفسیر مجاہد ص ۳۵۸)

''تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا'': یعنی کیا تم دنیا کا سامان فدیہ لینے کی صورت میں لینا چاہتے ہو؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے یوم بدر کو مشرکین سے چار، چار ہزار فدیہ لیا اور اُس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام کافروں کا خون نہیں بہایا تھا۔ اور یہ پہلی جنگ تھی جو مسلمانوں نے کفار کے خلاف لڑی تھی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۴۲۰، تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج ۵ ص ۱۷۳۲، الاوسط لابن المنذر ج ۱۱ ص ۲۲۹)

''وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ'': یعنی اللہ عزوجل دین کے غلبہ کا ارادہ فرماتے ہیں۔

''وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾'': یعنی اللہ تعالیٰ اپنی سلطنت میں غالب ہیں اور حکمت سے اپنا حکم فرماتے ہیں۔

''تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ'' کی تفسیر میں بعض مفسرین کے اقوال اور اُن پر مصنف کا تبصرہ

(۱) صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی المتوفی ۱۳۶۷ھ، الانفال: ۶۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ حکم بدر میں تھا جب کہ مسلمان تھوڑے تھے، پھر جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوئی اور وہ فضل الٰہی سے قوی ہوئے تو قیدیوں کے حق میں نازل یہ آیت ہوئی ''فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً ...'' (محمد: ۴) ''اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو اختیار دیا کہ چاہے کافروں کو قتل کریں، چاہے انہیں غلام بنائیں، چاہے فدیہ لیں، چاہے آزاد کریں۔ بدر کے قیدیوں کا فدیہ چالیس اوقیہ سونا فی کس تھا جس کے سولہ سو درہم ہوئے۔ اجتہاد پر عمل کرنے والے سے مواخذہ (پوچھ گچھ) نہ فرمائے گا اور یہاں صحابہ نے اجتہاد ہی کیا تھا اور ان کی فکر میں یہی بات آئی تھی کہ کافروں کو زندہ چھوڑ دینے میں ان کے اسلام لانے کی امید ہے اور فدیہ لینے میں دین کو تقویت ہوتی ہے اور اس پر نظر نہیں کی گئی کہ قتل میں عزتِ اسلام اور تہدیدِ کفار (کافروں کے دلوں میں خوف اور دبدبہ بٹھانا) ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان مع خزائن العرفان ص ۳۵۰۔ ۳۵۱، مکتبۃ المدینہ، کراچی ۱۴۳۲ھ)

میں کہتا ہوں: صدر الافاضل نے اس آیت کا مخاطب تمام صحابہ کو قرار دیا ہے اور فدیہ لینے کی رائے کو اُن سب کی غلطی قرار دیا ہے اور فدیہ لینے کی بجائے کفار کے قتل کرنے کو ترجیح دی ہے، یہ تفسیر اس لیے صحیح نہیں ہے کہ صدر الافاضل نے یہ فرق نہیں کیا کہ مالِ دنیا کی طمع میں فدیہ لینے کا مشورہ صرف بعض نو مسلم صحابہ کا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر صحابہ نے مالِ دنیا کی طمع میں فدیہ لینے کا مشورہ نہیں دیا تھا بلکہ یہ مشورہ صرف اس لیے دیا تھا کہ ہوسکتا ہے ان کفار میں سے بعض اسلام لے آئیں یا ان کی نسلوں سے جو لوگ پیدا ہوں گے وہ اسلام قبول کرلیں اور اس مال سے مسلمانوں کی دفاعی قوت میں اضافہ ہو۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(۲) شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی متوفی ۱۳۶۴ھ، الانفال: ۶۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حکم اساریٰ بدر ☆ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى (الیٰ قولہ) لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾ (اے مسلمانو! تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ان قیدیوں سے کچھ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا یہ بیجا تھا کیونکہ) نبی کے شان کے لائق نہیں کہ ان کے

قیدی باقی رہیں (بلکہ قتل کردیئے جاویں) جب تک وہ زمین میں اچھی طرح (کفار کی) خونریزی نہ کرلیں (کیونکہ مشروعیت جہاد کی اصلی غرض دفع فساد ہے اور بدوں اس حد کے جس میں کہ بالکل شوکت کفار کی ٹوٹ جاوے دفع فساد ممکن نہیں، پس اس نوبت سے پہلے قیدیوں کا زندہ چھوڑ دینا آپ ﷺ کی شان اصلاح کے مناسب نہیں البتہ جب ایسی قوت ہوجاوے پھر قتل ضروری نہیں بلکہ اور صورتیں بھی مشروع ہیں جو ف: کے تحت میں مذکور ہیں پس ایسی نامناسب رائے تم نے آپ کو کیوں دی) تم تو دنیا کا مال اسباب چاہتے ہو (اس لئے فدیہ کی رائے دی) اور اللہ تعالیٰ آخرت (کی مصلحت) کو چاہتے ہیں (اور وہ اسی میں ہے کہ کفار خوف سے مغلوب ہوجاویں جس میں آزادی سے اسلام کا نور و ہدایت پھیلے اور بے روک ٹوک لوگ بکثرت مسلمان ہوں اور نجات پاویں) اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست بڑی حکمت والے ہیں (وہ تم کو کفار پر غالب کرتے اور فتوحات کی کثرت سے تم کو مالدار کردیتے گو کسی حکمت کے سبب اس میں دیر ہوتی جو فعل تم سے واقع ہوا ہے وہ ایسا ناپسندیدہ ہے کہ) اگر خدا تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر نہ ہوچکتا (وہ یہ کہ ان قیدیوں میں لوگ مسلمان ہوجاویں گے جس سے فساد محتمل واقع نہ ہوگا اگر یہ نہ ہوتا) تو جو امر تم نے اختیار کیا ہے اس کے بارے میں تم پر کوئی بڑی سزا واقع ہوتی (لیکن چونکہ کوئی فساد نہ ہوا اور اتفاقاً تمہارا مشورہ صائب نکل آیا اس لئے تم سزا سے بچ گئے)۔

ف: تتمہ قصہ کا یہ ہے کہ اس کے بعد بعض صحابہ نے آپ ﷺ کو روتے ہوئے دیکھا پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عذاب کے آثار بہت قریب آگئے تھے مگر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ نازل نہیں ہوا اور تحقیق ضروری اس کے متعلق یہ ہے کہ اس قصہ میں صحابہ نے آیا کسی نص کے ہوتے ہوئے قیاس کیا یا بدوں نص کے قیاس کیا، شق اول تو یہ اشکال ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کیوں موافقت فرمائی اور شق ثانی یہ اشکال ہے کہ عتاب کیوں ہوا خاص کر جب کہ وحی سے اختیار دے دیا گیا تھا پھر یہ عتاب میں صحابہ کی کیا تخصیص کی گئی جب کہ حضور ﷺ بھی قبول کرنے میں شریک تھے۔ جواب یہ ہے کہ ہم شق ثانی کو اختیار کرتے ہیں اور وجہ عتاب یہ ہے کہ ایک جزو اس رائے کے مبنی کا مصلحت دنیویہ یعنی اخذ مال بھی تھا جس کے منشاء یعنی حب دنیا کا مذموم ہونا پہلے سے معلوم تھا جس کی طرف "تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا" میں صاف اشارہ ہے رہا صحابہ کا پھر اس طرف مبادرت کرنا اس میں غلطی یہ ہوئی کہ دوسرا جزو اس میں مصلحت دینیہ یعنی احتمال ان کے اسلام لے آنے کا بھی مل گیا جیسا در منثور میں ففادهم فيكون عونا لاصحابك اور لعل الله ان يتوب عليهم سے مجموعہ دونوں مصلحتوں کا معلوم ہوتا ہے پس غالباً یوں سمجھے کہ جس امر میں خواہش دنیا تمام علت ہو وہ تو برا اور جس امر میں جزو علت ہو اس کا مضائقہ نہیں، یہ خیال سبب مبادرت کا ہوسکتا ہے مگر پھر وجہ عتاب قلت تامل ہے کیونکہ ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حسن اور قبیح سے مرکب قبیح ہوتا ہے اور دین میں دنیا مل جانے سے اخلاص و اجر فوت ہوتا ہے پس مجموعہ خواہش دنیا احتمال اسلام کا حسن نہ ہوگا اسی لئے تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا پر اکتفاء کیا گیا ان کے احتمال اسلام کے خیال کو معتدبہ نہیں قرار دیا گیا پس اشکال اول تو رفع ہوگیا رہا دوسرا اشکال کہ وحی سے اختیار دے دیا گیا تھا۔ جواب یہ ہے کہ وہ صیغہ تخییر کا تھا مقصود تخییر نہ تھی کیونکہ جس طرح امر گاہے توبیخ کے لئے ہوتا ہے اسی طرح صورت تخییر گاہے امتحان کے لئے ہوتی ہے وجہ یہ کہ تخییر مباحین میں ہوتی ہے ایک مباح اور ایک غیر مباح میں تخییر نہیں ہوا کرتی اور یہاں قتل مباح تھا اور فداء بوجہ مذکور کہ غالب منشاء اس کا خواہش دنیا تھا اور نیز اس وجہ سے کہ اثر اس کا ستر (۷۰) مسلمانوں کا مارا جانا تھا جیسا وحی میں یہ بات بتلادی گئی تھی) غیر مباح تھا، پس یہ صورۃً تخییر تھی اور معنیً شق غیر مرضی کے ضرر پر اطلاع دینا صحابہ کو صورت تخییر سے شبہ ہوگیا اس لئے مبادرت کی مگر چونکہ شبہ

ضعیف تھا ادنیٰ تامل سے زائل ہوسکتا تھا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اس لئے عتاب ہوا تیسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ مبنی ان کے لئے مذموم تھا وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے محمود تھا کیونکہ ان کو تو مقصود نفع پہنچانا تھا اپنے نفس کو مال سے اور یہ غیر محمود ہے اور آپ کا مقصود تھا نفع پہنچانا اپنے غیر کو کہ وہ صحابہ ہیں اور یہ محمود ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ قصد کرنا کہ مجھ کو اتنا روپیہ مل جاوے حرص ہے اور یہ قصد کرنا کہ فلاں غریب کو اتنا روپیہ مل جاوے شفقت اور جود و کرم ہے، رہا آپ کا گریہ فرمانا یا تو غایت ہیبت سے ہے اور یا صحابہ کی محبت سے ہے کہ ان کو ضرر پہنچتا اور بعض روایات میں جو آیا ہے کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو کوئی نہ بچتا مراد یہ ہے کہ صحابہ میں کوئی نہ بچتا یہ نہیں کہ میں بھی نہ بچتا مگر خدا تعالیٰ نے عذاب ٹال دیا اور نصیحت فرمادی جو دلیل ہے عفو کی اور حدیث میں اہل بدر کا مغفور ہونا اس سے زیادہ صریح الفاظ میں آیا ہے۔ (تفسیر بیان القرآن ج ۲ ص ۱۰۵۔۱۰۶، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

میں کہتا ہوں کہ شیخ اشرف علی تھانوی کی مذکور تفسیر کئی وجوہ سے صحیح نہیں ہے، اول اس لئے کہ اس تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مورد عتاب قرار دیا گیا ہے جب کہ الانفال: ۶۷ میں بالفرض اگر عتاب ہے تو اُن بعض نومسلم صحابہ کی طرف عتاب متوجہ ہے جنہوں نے مالِ دنیا کی طمع میں فدیہ لینے کی رائے دی تھی، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فدیہ لینے کی رائے کو قبول فرمانا محمد: ۴ کی رُو سے جائز تھا اور اس کے مطابق تھا، پھر آپ کی طرف کیونکر عتاب متوجہ ہوتا۔ ثانیاً اس لئے کہ شیخ تھانوی نے تمام صحابہ کی طرف بلا استثناء عتاب کو متوجہ قرار دیا ہے جب کہ تمام صحابہ نے مالِ دنیا کی طمع میں فدیہ لینے کی رائے نہیں دی تھی بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اور بعض دیگر اکابر صحابہ نے صرف اس لئے فدیہ لینے کی رائے پیش کی تھی تا کہ یہ کفار اسلام قبول کرلیں جیسا کہ بعد کے واقعات سے ثابت ہے کہ ان میں سے بہت سے کافروں نے اسلام کو قبول کرلیا جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور کئی دیگر کفار نے اسلام قبول کرلیا۔ ثالثاً اس لئے کہ شیخ تھانوی نے لکھا ہے کہ اگر فدیہ لینے کی وجہ سے عذاب نازل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا سب پر نازل ہوتا حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر صحابہ نے جو اشاعتِ اسلام کی وجہ سے فدیہ لینے کی رائے دی تھی ان پر عذاب نازل ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی، اس لیے شیخ تھانوی کو یہ قید لگانی چاہیے تھی کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو اُن بعض نومسلم صحابہ پر عذاب نازل ہوتا جنہوں نے مالِ دنیا کی طمع میں فدیہ لینے کی رائے دی تھی اور ان نومسلموں میں سے کوئی نہ بچ پاتا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(۳) سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء، الانفال: ۶۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

میرے نزدیک اس مقام کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ جنگ بدر سے پہلے سورۂ محمد میں جنگ کے متعلق جو ابتدائی ہدایات دی گئی تھیں، ان میں یہ ارشاد ہوا تھا کہ ”فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۔۔ (محمد: ۴)“۔ اس ارشاد میں جنگی قیدیوں سے فدیہ وصول کرنے کی اجازت تو دے دی گئی تھی لیکن اس کے ساتھ شرط یہ لگائی گئی تھی کہ پہلے دشمن کی طاقت کو اچھی طرح کچل دیا جائے پھر قیدی پکڑنے کی فکر کی جائے۔ اس فرمان کی رُو سے مسلمانوں نے بدر میں جو قیدی گرفتار کیے اور اس کے بعد ان سے جو فدیہ وصول کیا، وہ تھا تو اجازت کے مطابق، مگر غلطی یہ ہوئی کہ ”دشمن کی طاقت کو کچل دینے“ کی جو شرط مقدم رکھی گئی تھی اسے پورا کرنے میں کوتاہی کی گئی۔ جنگ میں جب قریش کی فوج بھاگ نکلی تو مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ غنیمت لوٹنے اور کفار کے آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر باندھنے میں لگ گیا اور بہت کم آدمیوں نے دشمنوں کا کچھ دور تک تعاقب کیا۔ حالاں کہ اگر مسلمان پوری طاقت سے ان کا تعاقب کرتے تو قریش کی طاقت کا

اُسی روز خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ اسی پر اللہ تعالیٰ عتاب فرما رہا ہے، اور یہ عتاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں ہے بلکہ مسلمانوں پر ہے۔
فرمان مبارک کا منشاء یہ ہے کہ ”تم لوگ ابھی نبی کے مشن کو اچھی طرح نہیں سمجھے ہو۔ نبی کا اصل کام یہ نہیں ہے کہ فدیے اور غنائم وصول کر کے خزانے بھرے، بلکہ اس کے نصب العین سے جو چیز براہِ راست تعلق رکھتی ہے، وہ صرف یہ ہے کہ کفر کی طاقت ٹوٹ جائے۔ مگر تم لوگوں پر بار بار دنیا کا لالچ غالب ہو جاتا ہے۔ پہلے دشمن کی اصل طاقت کے بجائے قافلے پر حملہ کرنا چاہا، پھر دشمن کا سر کچلنے کے بجائے غنیمت لوٹنے اور قیدی پکڑنے میں لگ گئے، پھر غنیمت پر جھگڑنے لگے، اگر ہم پہلے فدیہ وصول کرنے کی اجازت نہ دے چکے ہوتے تو اس پر تمہیں سخت سزا دیتے۔ خیر اب جو کچھ تم نے لیا ہے وہ کھا لو، مگر آئندہ ایسی روش سے بچتے رہو جو خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہے“۔ میں اس رائے پر پہنچ چکا تھا کہ امام جصاص کی کتاب ”احکام القرآن“ میں یہ دیکھ کر مجھے مزید اطمینان حاصل ہوا کہ امام موصوف بھی اس تاویل کو کم از کم قابلِ لحاظ ضرور قرار دیتے ہیں۔ پھر سیرت ابنِ ہشام میں یہ روایت نظر سے گزری کہ جس وقت مجاہدینِ اسلام مالِ غنیمت لوٹنے اور کفار کے آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر باندھنے میں لگے ہوئے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر کچھ کراہت کے آثار ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ ”اے سعد! معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی یہ کاروائی تمہیں پسند نہیں آ رہی ہے“ انہوں نے عرض کیا: ”جی ہاں، یارسول اللہ! یہ پہلا معرکہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ شرک کو شکست دلوائی ہے، اس موقع پر انہیں قیدی بنا کر ان کی جانیں بچا لینے سے زیادہ بہتر یہ تھا کہ ان کو خوب کچل ڈالا جاتا“۔ (جلد ۲ ص ۲۸۰۔۲۸۱) (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۱۶۱۔۱۶۳، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور مئی ۲۰۱۲ء)

میں کہتا ہوں: محمد: ۴ میں یہ نہیں فرمایا کہ تم تمام کافروں کو کچل ڈالو پھر ان کو قیدی بنانا اور قیدی بنانے کے بعد بعض کو بلا معاوضہ رہا کر دینا اور بعض کو فدیہ لے کر رہا کر دینا بلکہ سورۂ محمد میں مطلقاً کافروں کا خون بہانے کے بعد انہیں قید کرنے اور قید کے بعد فدیہ لے کر یا بغیر فدیہ لیے آزاد کرنے کا حکم فرمایا ہے، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے ستر (۷۰) کافروں کو قتل کرنے کے بعد ان کو قید فرمایا اور پھر فدیہ لے کر اُن کو آزاد فرمایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اقدام عین محمد: ۴ کے مطابق ہے، اسی طرح صحابہ کرام کا فدیہ لینے کی رائے دینا اُن کی غلطی نہیں تھی کیونکہ ستر (۷۰) کافروں کا خون بہایا جا چکا تھا اور ”اثخان فی الارض“ محقق ہو چکا تھا، رہا یہ کہ پھر اُن پر عتاب کیوں فرمایا گیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عتاب تمام صحابہ کرام کی طرف متوجہ نہیں ہے اور نہ اُن سب کی غلطی ہے بلکہ اُن بعض نو مسلم صحابہ کی طرف یہ عتاب متوجہ ہے جنہوں نے مالِ دنیا کی طمع میں فدیہ لینے کی رائے دی تھی۔ اب ان بعض نو مسلم صحابہ کے فعل کو تمام صحابہ کرام پر چسپاں کر دینا جیسا کہ ابوالاعلیٰ مودودی نے کیا ہے، ان کی اپنی فکر کی غلطی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(۴) شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء، الانفال: ۶۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
”تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ“: یہ خطاب قریش سے ہے، قرآن میں خطاب کا انداز جیسا کہ ہم بار بار واضح بھی کر چکے ہیں، بالکل اسی طرح کا ہوتا ہے جو ایک اعلیٰ خطیب تقریر میں اختیار کرتا ہے، جتنی پارٹیاں سامنے ہوتی ہیں، بیک وقت، سب کی طرف رخ بدل بدل کر ان کے ذہن کے لحاظ سے بات کہتا چلا جاتا ہے۔ خود بات ہی واضح کر دیتی ہے کہ مخاطب کون ہے اور اس کے کس شبہ یا اعتراض کا کیا جواب دیا گیا ہے، یہاں بھی یہی صورت ہے، اس آیت کا مخاطب مسلمانوں کو اور وہ بھی سید عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ماننے کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں ہے اور وہ بالفرض اس آیت کا مخاطب دل پر جبر کر کے نبی

صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق رضی اللہ عنہ کو تھوڑی دیر کے لیے کوئی مان بھی لے تو اس کے بعد جو آیت آ رہی ہے اس کا مخاطب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق کو رضی اللہ عنہ کو ماننے کے لیے کوئی دل و جگر کہاں سے لائے۔

بہر حال ہمارے نزدیک یہ خطاب قریش سے ہے اور یہ ان کے اس پروپیگنڈے کا جواب دیا جا رہا ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، فرمایا کہ اس قسم کی دنیا طلبی تمہارا ہی شیوہ ہے، اللہ تو آخرت کو چاہتا ہے۔ یہاں اسلوبِ بیان کی یہ بلاغت ملحوظ رہے کہ یہ نہیں فرمایا کہ نبی اور اہل ایمان آخرت کے طلب گار ہیں بلکہ یہ فرمایا کہ اللہ آخرت کو چاہتا ہے۔ اس سے مقصود اس حقیقت کا اظہار ہے کہ نبی اور اہل ایمان کے ہاتھوں جو کچھ یہ ہو رہا ہے، یہ ان کی اپنی مرضی سے نہیں ہو رہا ہے بلکہ اللہ کی مرضی اور اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے، نبی اور اہل ایمان کی حیثیت اس سارے کام میں محض آلہ اور واسطہ کی ہے، وہ جو کچھ کر رہے ہیں یہی عین اللہ کا ارادہ اور اس کی مرضی ہے۔ اللہ کی مرضی اپنے بندوں کے لیے یہ ہے کہ وہ ہر کام آخرت کو اپنا نصب العین بنا کر کریں تو نبی اور اس کے ساتھیوں کا کوئی اقدام اللہ کی مرضی کے خلاف کس طرح ہو سکتا ہے۔ گویا بدر اور اس سلسلے کے تمام اقدامات کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لے لی۔ آخر میں فرمایا کہ اللہ عزیز و حکیم ہے، وہ جو ارادہ فرماتا ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور اس کا ہر ارادہ عدل و حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اب تم جو ژاژ خائی کرنا چاہتے ہو کرتے رہو۔

(تدبر قرآن ج ۳ ص ۵۱۱۔ ۵۱۲، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۴۳۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ شیخ امین احسن اصلاحی نے اس طرح تاویل کی ہے کہ ''تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا'' کا خطاب قریش کی طرف متوجہ ہے، حالانکہ یہ خطاب اُن کی طرف متوجہ ہے جنہوں نے مالِ دنیا کی طمع میں فدیہ لینے کی رائے دی تھی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

''تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ'' کی تفسیر از مصنف

میں کہتا ہوں: غزوۂ بدر میں ستر (۷۰) کافر مار ڈالے گئے تھے اور ستر کافروں کو قید کر لیا گیا تھا جن سے بعد میں فدیہ لے کر ان کو آزاد فرما دیا گیا تھا۔ لہٰذا الانفال: ۶۷ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کافر قیدیوں سے فدیہ لینے پر کوئی اعتراض نہیں ہے، کیونکہ سورۂ محمد: ۴ میں اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کے متعلق یہ اختیار عطا فرمایا ہے: ''فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً'' ۔ (محمد: ۴) ''(پھر اُن پر احسان کر کے ان کو رہا کر دو یا اُن سے فدیہ لے کر اُن کو چھوڑ دو)، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ستر (۷۰) کافروں کو قتل کرنے کے بعد اُن کے قیدیوں سے فدیہ لے کر اُن کو آزاد فرمانا کسی طرح سے بھی موجبِ اعتراض نہیں ہے، البتہ جن بعض نومسلم صحابہ نے مالِ دنیا کی طمع میں فدیہ لینے کی رائے دی تھی ان کی طرف اللہ تعالیٰ کا عتاب متوجہ ہے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مالِ دنیا کی طمع میں فدیہ لینے کی رائے نہیں دی تھی بلکہ انہوں نے یہ رائے اس لئے دی تھی کہ ان کافر قیدیوں میں سے بعض اسلام قبول کر لیں گے یا اُن کی نسلوں میں سے کوئی اسلام قبول کر لے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے اور اُن کے مشورہ کو قبول فرمایا تھا وہ بھی اسی وجہ سے تھا، لہٰذا ''تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ'' کا عتاب نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہے نہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہے، بلکہ اُن بعض نومسلم مسلمانوں کی طرف یہ عتاب متوجہ ہے جنہوں نے مالِ دنیا کی طمع میں کفار سے فدیہ لے کر اُن کو چھوڑنے کا مشورہ دیا تھا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے بنی آدم میں سے کسی کے لیے بھی مالِ غنیمت حلال

نہیں فرمایا گیا، آسمان سے ایک آگ نازل ہوتی اور مالِ غنیمت کو کھا جاتی۔ سلیمان اعمش نے کہا: اس بات کو اب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سوا کون بیان کرسکتا ہے، اور جب جنگ بدر ہوئی تو مالِ غنیمت کی حلت کے حکم نازل ہونے سے پہلے مسلمانوں نے مال غنیمت لوٹنا شروع کردیا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی "اگر پہلے سے (معافی کا حکم) اللہ کی طرف سے لکھا ہوا نہ ہوتا (کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما چکے ہیں کہ جب تک آپ ان میں ہیں ان پر عذاب نازل نہیں ہوگا) تو تم نے جو مال لیا تھا اس کی وجہ سے تم کو ضرور بڑا عذاب پہنچتا، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

(سنن ترمذی: ۳۰۹۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۳۸۷۔۳۸۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۲۰۹، المنتقیٰ: ۱۰۷۱، صحیح ابن حبان: ۴۸۰۶، مسند احمد: ۷۴۳۳، التمہید لابن عبدالبر ج ۶ ص ۴۵۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۲۹۰۔۲۹۱)

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

جب اسلام ایک کمزور شاخ کی مانند تھا اور دشمنانِ اسلام بہت قوی تھے تو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے خون بہانے کا حکم فرمایا اور فدیہ لینے سے منع فرمایا (فی الواقع اللہ تعالیٰ نے فدیہ لینے سے منع نہیں فرمایا۔ سعیدی غفرلہٗ) اور جب مسلمانوں کی حالت سنبھل گئی اور شجرِ اسلام اپنے تنے پر مضبوطی سے قائم ہوگیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اختیار عطا فرمایا کہ وہ چاہیں تو فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیں اور اگر چاہیں تو بغیر فدیہ کے امتناناً اور احساناً قیدیوں کو رہا کردیں اور فرمایا: " فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً --- (محمد: ۴)"۔ (روح المعانی جز ۱۰ ص ۴۸، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۷ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اے مسلمانو!) اگر اللہ کے علمِ ازلی میں پہلے سے یہ مقرر نہ ہوتا (کہ اجتہادی خطاء پر گرفت نہیں ہوتی) تو تم نے جو فدیہ کا مال لیا ہے اس کی وجہ سے تم کو سخت عذاب دیا جاتا O"

(الانفال: ٦٨)

غزوۂ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر مواخذہ نہ کرنے کا سبب

"لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ": یعنی اگر اللہ عزوجل نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت کے لیے غنیمتوں کو حلال نہ فرمایا ہوتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے گزشتہ امتوں کو جب مال غنیمت حاصل ہوتا تو وہ اس مالِ غنیمت کو قربانی کے لیے پیش کردیتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اُن پر اس مالِ غنیمت میں سے قلیل یا کثیر کے کھانے کو حرام فرمادیا تھا اور یہ ہر نبی اور اس کی امت پر حرام تھا، سو وہ اس مالِ غنیمت سے نہیں کھاتے تھے اور جو اس مال غنیمت سے تھوڑا یا بہت کھاتا تو اس پر عذاب نازل ہوتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں میں سے صرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مال غنیمت کو حلال فرمادیا۔ (تفسیر الطبری ج ۱۱ ص ۲۷۷)

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو مالِ غنیمت کھلایا جب انہوں نے بدر کے قیدیوں سے اللہ تعالیٰ کے حکم نازل ہونے سے پہلے فدیہ لے لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت فرمائی، پھر مسلمانوں کے لیے مالِ غنیمت کو حلال فرمادیا۔

(مشکل الآثار للطحاوی ج ۸ ص ۳۶۴، تفسیر الطبری ج ۱۱ ص ۲۷۶، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۲۴ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے کسی امت کے لیے غنیمتوں کو حلال نہیں فرمایا گیا، آسمان سے ایک آگ نازل ہوتی اور غنیمتوں کو کھالیتی حتیٰ کہ بدر کا دن آیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے غنیمتوں کو حلال فرمادیا۔

(سنن سعید بن منصور: ۲۹۰۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۳۸۷، ۳۸۸، رقم: ۱۸۵۸۷، مسند احمد: ۷۴۳۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۲۰۹، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۹۰، المنتقی لابن الجارود: ۱۰۷۱، التمہید لابن عبدالبر ج ۶ ص ۴۵۷، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۵۵۱، تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج ۵ ص ۱۷۳۳، سنن ترمذی: ۳۰۸۵، مشکل الآثار للطحاوی: ۳۳۱۰، ۳۳۱۲، صحیح ابن حبان: ۴۸۰۶، درمنثور ج ۳ ص ۲۰۳، تفسیر الطبری ج ۱۱ ص ۲۷۸، دارعالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)

''لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ'': یعنی تم نے (اللہ تعالیٰ کے اجازت دینے سے پہلے) جو فدیہ لیا تھا، اس کی وجہ سے تم پر عذاب آتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس تم مالِ غنیمت میں سے پاکیزہ حلال مال کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بہت بخشنے والے، نہایت رحم فرمانے والے ہیں O'' (الانفال: ۶۹)

''فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا'': پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے غنیمتوں کو حلال فرمادیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تم سے پہلے کسی قوم کے لیے غنیمتوں کو حلال نہیں قرار دیا گیا تھا، آسمان سے ایک آگ نازل ہوتی اور وہ غنیمتوں کو کھاجاتی، حتیٰ کہ جب بدر کا دن آیا تو مسلمان غنیمتوں پر ٹوٹ پڑے، پس اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے غنیمتوں کو حلال فرمادیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں فرمائی گئی ہیں: (۱) مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے (۲) اور ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر کے میری مدد فرمائی گئی ہے (۳) اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال فرمادیا گیا ہے (۴) میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور تیمم کا آلہ بنادیا گیا ہے (۵) اور قیامت کے دن مجھے اپنی امت کی شفاعت عطا فرمائی گئی ہے۔

الضحاک نے ''مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى'' کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جب بدر کے دن مشرکین پر شکست طاری فرمادی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (بعض نومسلم) صحابہ لڑنے کو چھوڑ کر مشرکین کے اتارے ہوئے ہتھیاروں کو لینے کے لیے اور مالِ غنیمت لوٹنے کے لیے دوڑے، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپ نہیں دیکھ رہے آپ کے اصحاب کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے لڑنا چھوڑ دیا اور مشرکین کے اتارے ہوئے سامان کو لوٹنے کے لیے بڑھے اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ کفار ان پر پلٹ پڑیں گے، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا'': یعنی تم غنیمتوں کو لوٹ رہے ہو اور لڑائی کو چھوڑ رہے ہو۔

''وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ'' یعنی اللہ یہ چاہتے ہیں کہ مشرکین پر قہر کیا جائے اور اسلام غالب ہو۔

اور یہ آیت نازل ہوئی: ''لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ'': یعنی اگر پہلے علم الٰہی میں یہ مقرر نہ ہوتا کہ اس امت کے لیے غنیمتیں حلال فرمادی جائیں گی تو تم سب پر بہت بڑا عذاب آتا۔

''لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ'' کے متعدد محامل

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر آسمان سے عذاب نازل ہوتا تو عمر کے سوا کوئی اس عذاب سے نجات نہ پاتا، کیونکہ عمر نے کفار کے خلاف لڑائی کو ترک نہیں کیا تھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ''لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ'' کی تفسیر میں یہ روایت کی ہے کہ اللہ عزوجل نے اس امت کی نافرمانی کرنے سے پہلے اس کے حق میں رحمت کو لازم فرمادیا، حسن بصری نے کہا: اہلِ بدر کے لیے مغفرت سابق ہے اور الحسن البصری نے کہا کہ ''لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ'' اللہ عزوجل کے علمِ ازلی میں پہلے یہ مقرر ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک عذاب نہیں دیں گے جب تک ان کے اوپر اپنی حجت پوری نہ فرمادیں۔

اور سعید بن جبیر نے کہا کہ اگر اہلِ بدر کے لیے پہلے سے سعادت مقدر نہ ہوتی تو تم نے جو کفار سے فدیہ لیا ہے اس کی وجہ سے تم پر عذابِ عظیم آتا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی میں یہ مقرر نہ ہوتا کہ اللہ عزوجل کسی قوم کو اس وقت تک عذاب نہیں دیں گے حتیٰ کہ انہیں بیان فرمادیں کہ انہیں کن چیزوں سے بچنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے یومِ بدر کے مومنین سے فرمایا: اے مسلمانو! تمہیں مشرکین کے اموال سے جو مالِ غنیمت حاصل ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے لیے حلال فرمادیا ہے سو تم اس سے کھاؤ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ تم اللہ تعالیٰ کی اجازت دینے سے پہلے کسی کام کو اپنے لیے حلال کرلو جیسا کہ تم نے مشرکین سے فدیہ لینے اور مالِ غنیمت سے کھانے کو اللہ تعالیٰ کے حلال فرمانے سے پہلے کرلیا۔ (تفسیر طبری ج ۱۱ ص ۲۸۳، دار عالم الکتب، ریاض ۱۴۲۴ھ، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۷۳۵، سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۲۸)

''وَاتَّقُوا اللّٰهَ'': یعنی اللہ عزوجل نے تمہیں جو احکام عطا فرمائے ہیں ان پر عمل کرو اور اللہ عزوجل کی نافرمانی کرنے سے ڈرو۔

''اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؀'': یعنی تم نے غنیمت کو حلال فرمانے سے پہلے جو مالِ غنیمت لیا ہے اور حد سے تجاوز کیا ہے، اللہ عزوجل اس کو معاف فرمانے والے ہیں، جب اللہ عزوجل نے اس کو تمہارے لیے حلال فرمادیا۔

(تفسیر السمرقندی ج ۲ ص ۲۵۔۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؀

اے نبی مکرم! آپ اُن قیدیوں سے کہیے جو آپ کے قبضہ میں گرفتار ہیں: ''اگر اللہ کے علم میں تمہارے دلوں میں کوئی بھلائی ہوئی تو وہ تم کو اس مال سے بہتر عطا فرمائیں گے جو تم سے بطورِ فدیہ لیا گیا ہے اور تمہیں بخش دیں گے اور اللہ سب سے زیادہ بخشنے والے، سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں O

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ؀

اور (اے رسولِ اکرم!) اگر وہ کافر قیدی آپ سے خیانت کا ارادہ کریں (تو آپ غم نہ کریں) وہ اس سے پہلے اللہ سے خیانت کرچکے تھے سو اللہ نے اُن میں سے چند کافر قیدیوں کو آپ کے قبضہ میں دے دیا، اور اللہ سب کچھ جاننے والے سب سے زیادہ

حکمت والے ہیں O

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٧٢﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے (اسلام کی راہ میں) ہجرت کی اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے (ان) مہاجرین کو ٹھکانا مہیا کیا اور اُن کی نصرت کی، وہی ایک دوسرے کے وارث ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی، تمہارے لیے اُن کی وراثت میں سے کوئی چیز نہیں حتیٰ کہ وہ ہجرت کر لیں، اور اگر وہ دین کے راستہ میں تم سے مدد طلب کریں تو تم پر ان کی نصرت کرنا واجب ہے سوا ایسی قوم کے مقابلہ کے جس کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہو، اور اللہ تمہارے کاموں کو اچھی طرح دیکھنے والے ہیں O

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿٧٣﴾ ؕ

اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ایک دوسرے کے وارث ہیں، اگر تم اپنے مسلمان بھائیوں کی (اور جن سے تمہارا دفاعی معاہدہ ہے) مدد نہیں کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ اور فساد برپا ہو جائے گا O

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٤﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے (اسلام کی راہ میں) ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے مہاجرین کو ٹھکانا مہیا کیا اور اُن کی نصرت کی، وہی لوگ برحق مومن ہیں، انہی کے لیے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے O

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٧٥﴾ ع

اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور انہوں نے (اسلام کی راہ میں) ہجرت کر لی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا، سو وہ لوگ تم میں سے ہیں اور نسبی رشتہ دار وراثت لینے میں اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں، بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے

والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے نبی مکرم! آپ اُن قیدیوں سے کہیے جو آپ کے قبضہ میں گرفتار ہیں: ''اگر اللہ کے علم میں تمہارے دلوں میں کوئی بھلائی ہوئی تو وہ تم کو اس مال سے بہتر عطا فرمائیں گے جو تم سے بطور فدیہ لیا گیا ہے اور تمہیں بخش دیں گے اور اللہ سب سے زیادہ بخشنے والے، سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں O''

(الانفال: ۷۰)

عباس بن عبد المطلب کے اسلام قبول کرنے کا سبب

امام ابواللیث السمر قندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، الانفال ۷۰ تا ۷۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى '': الاسارٰی، الاسیر کی جمع ہے۔ کہا جاتا ہے اسیر و اسرٰی، جیسے جریح وجرحٰی، قتیل وقتلٰی، مریض ومرضٰی۔ اور بعض قراءات میں الاسارٰی ہے سو یہ جمع الجمع ہے۔ اور اسیر کی جمع میں یہ دو لغتیں ہیں اور ان کا معنی واحد ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قیدی پر چالیس (۴۰) اوقیہ سونا مقرر فرمایا (ایک اوقیہ کا معنی ہے ایک اونس، یہ ایک پونڈ کا بارہواں حصہ ہے اور چالیس اوقیہ کا معنی ہوا چالیس اونس۔ سعیدی غفرلہ) تو اس وقت قیدیوں میں عباس بن عبد المطلب کے پاس بیس (۲۰) اوقیہ (بیس اونس) سونا تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سونا اُن سے وصول کر لیا اور اُس سونے کا اُن کے فدیہ میں شمار نہیں فرمایا۔ اور عباس بن عبد المطلب اپنے ساتھ بیس (۲۰) اوقیہ سونا اس لیے لے کر آئے تھے تا کہ مشرکین اہلِ بدر پر خرچ کریں، کیونکہ عباس بن عبد المطلب اُن تیرہ (۱۳) مشرکین میں سے ایک تھے جنہوں نے بدر کے مشرکین کو لڑائی کے دوران کھانا کھلانے کا ذمہ لیا تھا، اور اُن کی باری آگئی سو انہوں نے ارادہ کیا کہ مشرکینِ بدر کو کھانا کھلائیں، سو اُس دن لڑائی برپا ہوگئی، ابھی تک انہوں نے مشرکین میں سے کسی کو کھانا نہیں کھلایا تھا حتیٰ کہ وہ گرفتار ہو گئے اور اُن کے ساتھ جو مال ومتاع تھا اس کو چھین لیا گیا، تب عباس بن عبد المطلب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اس بیس (۲۰) اوقیہ سونا کو اُن کے فدیہ میں شمار کر لیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکار کیا اور فرمایا: یہ وہ سونا ہے جس کو تم ہمارے خلاف خرچ کرنے کے لیے نکلے تھے، سو ہم اس سونے کو تمہارے لیے نہیں چھوڑیں گے، سو آپ نے عباس بن عبد المطلب کا فدیہ اور اُن کے بھائی عقیل بن ابوطالب کا فدیہ مقرر رکھا، عباس بن عبد المطلب نے کہا: آپ اپنے چچا کو اس حال میں چھوڑیں گے کہ وہ اپنی ضروریات کے لیے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے رہیں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا ثبوت اور عباس بن عبد المطلب کا آپ کے علم غیب کی تصدیق کرنا

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا! وہ سونا کہاں ہے جو تم نے روانگی کے وقت ام الفضل کو دیا تھا اور تم نے اس طرح اور اس طرح کہا تھا، عباس بن عبد المطلب نے کہا: اے میرے بھتیجے! آپ کو میری اس بات کی خبر کس نے دی؟ آپ نے فرمایا: اللہ نے مجھے یہ خبر دی ہے، یہ سن کر عباس بن عبد المطلب نے اسلام قبول کر لیا اور اپنے چچا کے بیٹے (عقیل) کو بھی اسلام قبول کرنے کا حکم دیا،

تب یہ آیت نازل ہوئی: ''یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْٓ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓی'' یعنی عباس بن عبدالمطلب اور ان کے چچازاد بھائی (عقیل بن ابی طالب) کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

امام محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس سے فرمایا: اے عباس! تم اپنا فدیہ بھی دو اور اپنے بھتیجے عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن الحارث کا فدیہ بھی دو اور اپنے حلیف عتبہ بن حجدم کا فدیہ بھی دو جن کا تعلق بنو الحارث بن فہر سے ہے۔ عباس نے ان کا فدیہ دینے سے انکار کیا اور کہا: میں اس غزوہ سے پہلے اسلام قبول کر چکا تھا، یہ لوگ مجھے زبردستی اپنے ساتھ لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تمہارے معاملہ کو خوب جاننے والے ہیں، اگر تمہارا دعویٰ برحق ہے تو اللہ تم کو اس کی جزا عطا فرمائیں گے۔ لیکن تمہارا ظاہر حال یہ ہے کہ تم ہم پر حملہ آور ہوئے ہو، سو تم اپنا فدیہ ادا کرو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بیس اوقیہ سونا (بہ طور مال غنیمت) وصول کر چکے تھے۔ عباس نے کہا: یا رسول اللہ! اس بیس اوقیہ سونے کو میرے فدیہ میں کاٹ لیجئے۔ آپ نے فرمایا: نہیں! یہ وہ مال ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں تم سے لے کر دیا ہے۔ عباس نے کہا: میرے پاس اور مال تو نہیں ہے، آپ نے فرمایا: وہ مال کہاں ہے جو تم نے مکہ سے روانگی کے وقت ام الفضل کے پاس رکھا تھا، اس وقت تم دونوں کے پاس اور کوئی نہیں تھا اور تم نے یہ کہا تھا کہ اگر میں اس مہم میں کام آ گیا تو اس مال میں سے اتنا فضل کو دینا، اتنا قثم کو دینا اور اتنا عبداللہ کو دینا۔ تب عباس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! میرے اور ام الفضل کے سوا اس بات کو اور کوئی نہیں جانتا تھا اور اب مجھے یقین ہو گیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ نے وحی کے ذریعہ آپ کو یہ خبر دی ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۵۳ طبع قدیم، دار الفکر، مسند احمد ج ۱ رقم الحدیث: ۳۳۱۰ طبع جدید، دار الفکر، شیخ احمد شاکر نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ امام محمد بن اسحاق اور عکرمہ کے درمیان راوی مجہول ہے، مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۳۳۱۰، مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ، ۱۴۱۶ھ، حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی کا نام مذکور نہیں ہے اور اس کے باقی تمام رجال ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۸۶، امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے اس حدیث کو دو مختلف سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہ دونوں سندیں متصل ہیں۔ طبقات کبریٰ ج ۴ ص ۹۔۱۰۔۱۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ، طبقات کبریٰ ج ۱ ص ۱۳، ۱۴، ۱۵، مطبوعہ دار صادر، بیروت، ۱۳۸۸ھ، امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا، حافظ ذہبی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس پر کوئی جرح نہیں کی۔ المستدرک ج ۳ ص ۳۲۴، مطبوعہ دار الباز، مکہ مکرمہ، امام ابونعیم الاصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۴۷۶، رقم الحدیث: ۴۰۹، مطبوعہ دار النفائس، بیروت، حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن العساکر المتوفی ۵۷۱ھ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ تہذیب تاریخ دمشق ج ۷ ص ۲۳۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، مختصر تاریخ دمشق ج ۱۱ ص ۳۲۹۔۳۳۰، علامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلی المتوفی ۵۷۱ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، الروض الانف ج ۲ ص ۹۲، مطبوعہ ملتان، امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نے اس حدیث کو زہری اور ایک جماعت سے روایت کیا ہے، دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۱۴۲۔۱۴۳، حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے بھی اس کا از محمد بن اسحاق از ابی نجیح از عطا از ابن عباس ذکر کیا ہے اور یہ بھی سند متصل ہے، السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۴۰۶، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۹۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۳ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۴۹، مطبوعہ ادارہ الاندلس، بیروت، ۱۳۸۵ھ، علامہ محمد بن یوسف شامی متوفی ۹۴۲ھ نے بھی اس کا اپنی سیرت میں ذکر کیا ہے، سبل الہدیٰ والرشاد ج ۴ ص

۶۹، مفسرین نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے، علامہ ابوالحسن بن محمد ماوردی متوفی ۴۵۰ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، النکت والعیون ج ۲ ص ۳۳۳۔ ۳۳۴، مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت، امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی ۵۱۶ھ نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے، اس کے آخر میں ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں لا الٰہ الا اللہ، بے شک آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اس بات پر اللہ کے سوا اور کوئی مطلع نہیں تھا، معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۲۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ، امام حاکم اور امام بیہقی کی روایت میں بھی یہی الفاظ ہیں، علامہ جاراللہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۲۸ھ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، الکشاف ج ۲ ص ۲۳۸، مطبوعہ ایران، امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی التوفی ۴۶۸ھ نے کلبی کی روایت سے اس کا ذکر کیا ہے، اسباب النزول ص ۲۴۵، رقم الحدیث: ۴۸۹، امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۱۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ، علامہ ابوالفرج محمد بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، زاد المسیر ج ۳ ص ۳۸۳، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ، علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۴۰۹، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ، علامہ عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، انوار التنزیل مع الکازرونی ج ۳ ص ۱۲۳، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۶ھ، علامہ احمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، عنایۃ القاضی ج ۴ ص ۲۹۴، مطبوعہ دار صادر، بیروت، ۱۲۸۳ھ، علامہ محی الدین مصطفیٰ قوجوی متوفی ۹۵۱ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۲ ص ۳۱۷، مطبوعہ دار احیاء التراث، العربی بیروت، حافظ جلال الدین سیوطی نے اس کا ذکر کیا ہے، الدر المنثور ج ۴ ص ۱۱۱، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۷۲۵ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، لباب التاویل ج ۲ ص ۲۱۱، مطبوعہ پشاور، علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی متوفی ۷۲۸ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، غرائب القرآن ج ۳ ص ۴۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ، علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، البحر المحیط ج ۵ ص ۳۵۵، مطبوعہ ۱۴۱۲ھ، شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، فتح القدیر ج ۳ ص ۴۲۱، مطبوعہ دارالمعرفہ، بیروت، شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل متوفی ۱۲۰۴ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، الفتوحات الالٰہیہ ج ۲ ص ۲۵۸، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی، علامہ سید محمود آلوسی نے اس کا ذکر کیا ہے، روح المعانی جز ۱۰ ص ۳۶۔ ۳۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، معارف القرآن ج ۴ ص ۲۹۰، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۳۹۷ھ، شیعہ مفسرین میں سے سید محمد حسین طباطبائی نے اس کا ذکر کیا ہے، المیزان ج ۹ ص ۱۴۲، مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ طہران، شیخ فضل بن حسن طبرسی متوفی ۵۴۸ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، مجمع البیان ج ۴ ص ۸۶۰، مطبوعہ طہران، شیخ فتح اللہ کاشانی متوفی ۹۷۷ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، منہج الصادقین ج ۴ ص ۲۱۵، مطبوعہ ایران، غیر مقلدین میں سے نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، فتح البیان ج ۵ ص ۲۱۷۔ ۲۱۸، مطبوعہ المکتبۃ العصریہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ، (اسباب النزول للواحدی: ۴۸۹، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۱۴۲)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا ثبوت ہے اور یہ علم غیب آپ کو اللہ عزوجل کی عطا سے حاصل ہوا تھا۔ ہم نے اس کے ثبوت میں اس قدر حوالہ جات اس لیے ذکر کیے ہیں تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ ہر مکتب فکر کے قدیم اور جدید علماء اسلام خواہ وہ دیوبندی ہوں، غیر مقلد اہل حدیث ہوں یا شیعہ ہوں، سب کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب مسلّم اور غیر نزاعی ہے۔

''اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا'': یعنی اگر اللہ عزوجل کے علمِ ازلی میں تمہارا یہ قول صادق ہے اور تمہارا ایمان برحق ہے۔

''يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ'': یعنی دنیا میں تم کو اس سے افضل مال عطا فرمائیں گے جو مال تم سے بطور فدیہ لیا گیا ہے۔

''وَيَغْفِرْ لَكُمْ'': اور اللہ تمہارے گناہوں کو بخش دیں گے۔ ''وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ'': اور اسلام لانے سے قبل تم سے جو شرکیہ افعال

سرزد ہوئے ہیں ان کو معاف فرمادیں گے۔ "رَّحِيْمٌ" : یعنی اللہ عزوجل مسلمانوں پر بہت زیادہ رحم فرمانے والے ہیں۔

جن لوگوں نے اپنا مال بطورِ زرِ فدیہ دیا تھا ان کو اس دیے ہوئے مال سے زیادہ عطا فرمانا

سلیمان بن المغیرہ نے از حمید بن ہلال روایت کی ہے کہ العلاء بن الحضرمی نے بحرین سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسی ہزار درہم (۸۰۰۰۰) مالِ غنیمت روانہ کیے، (درہم چاندی کا ایک سکہ ہے جس کا وزن نصف پونڈ کے برابر ہوتا ہے)، اتنا زیادہ مالِ غنیمت نہ اس سے پہلے کبھی آیا تھا اور نہ اس کے بعد کبھی آیا، رسول اللہ ﷺ نے مسجد کی چٹائی پر وہ تمام مالِ غنیمت پھیلا دیا اور نماز کا اعلان کیا گیا، پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور کھڑے ہو کر اس مال کو ملاحظہ فرماتے رہے، اور اس وقت اہلِ مسجد کی نہ کوئی بڑی تعداد تھی اور نہ اُن کی کوئی بڑی حیثیت تھی، پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ! میں نے بدر کے دن اپنا فدیہ بھی دیا تھا اور عقیل کا فدیہ بھی ادا کیا تھا اور عقیل مال دار شخص نہیں ہے، تو آپ مجھے اس مال سے عطا فرمائیے! آپ نے فرمایا: تم اس مال میں سے لے لو، پس حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنی چادر کو لے کر آئے اور مال بھر کر اس چادر کو اٹھانے کا ارادہ کیا تو اس چادر میں زیادہ مال ہونے کی وجہ سے اس کو نہ اٹھا سکے، انہوں نے اپنا سر اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھا، پس کہا: یارسول اللہ! اس چادر کو اٹھا کر مجھ پر رکھ دیں، پس رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا: تم اتنا مال لو جتنا تم خود اٹھا سکو، سو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا۔ پس حضرت عباس رضی اللہ عنہ جاتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے جن دو چیزوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا تھا وہ اللہ تعالیٰ نے پورا فرمادیا اور ہم نہیں جانتے کہ دوسرے وعدہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کیا کریں گے۔ اور یہ تفسیر اس آیت کی ہے: "يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" یعنی ہم نے جو مال بطورِ فدیہ دیا تھا، اس سے زیادہ مال ہمیں عطا فرمادیا اور اپنا پہلا وعدہ پورا فرمادیا۔ رہا دوسرا وعدہ یعنی "وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" تو ہم از خود نہیں جانتے کہ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ کیا کریں گے۔

اس تفسیر کی تصدیق کتبِ حدیث میں حسبِ ذیل ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس بحرین کا مال آیا اور یہ سب سے زیادہ مال تھا جو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو مسجد میں پھیلا دو، رسول اللہ ﷺ نماز پڑھانے کے لیے چلے گئے اور آپ نے اس مال کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، جب آپ نے نماز پڑھ لی تو آپ اس مال کے پاس آ کر بیٹھ گئے، آپ جس شخص کو بھی دیکھتے، آپ اس کو اس مال سے عطا فرماتے، اچانک آپ کے پاس حضرت عباس رضی اللہ عنہ آ گئے اور انہوں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے عطا فرمائیے کیونکہ میں نے اپنا فدیہ بھی دیا تھا اور عقیل کا فدیہ بھی دیا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا: آپ لے لیں، انہوں نے اپنا کپڑا بچھایا اور اس میں مال ڈالا حتیٰ کہ اس کی چوٹی (بڑا ڈھیر) بن گئی، پھر وہ اس کو اٹھا نہ سکے، انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ کسی سے کہیے کہ وہ اس کو اٹھا کر میرے اوپر رکھ دے، آپ نے فرمایا: نہیں! انہوں نے پھر عرض کی: پھر آپ اس کو اٹھا کر میرے اوپر رکھ دیں، آپ نے فرمایا: نہیں! انہوں نے اس مال سے کم کیا پھر بھی اس کی چوٹی بن گئی، پس انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کسی سے کہیے کہ یہ مال اٹھا کر میرے اوپر رکھ دے، آپ نے فرمایا: نہیں! انہوں نے عرض کیا: اچھا! آپ خود اٹھا کر میرے اوپر رکھ دیں، آپ نے فرمایا: نہیں! انہوں نے اس سے کچھ مال کم کیا، پھر اٹھا کر اس کو اپنے کندھے کے اوپر رکھ لیا،

پھر چلے گئے اور ان کی حرص پر تعجب کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مسلسل ان کا پیچھا فرماتی رہی، حتیٰ کہ وہ نظر سے اوجھل ہو گئے اور جب تک وہاں ایک درہم بھی باقی تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے نہیں اٹھے۔

(صحیح البخاری: ۴۲۱، ۳۰۴۹، ۳۱۶۵، جامع المسانید لابن الجوزی: ۵۰۳، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۶ھ، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۳۰۲۸، مختصر صحیح الانعام بخاری: ۲۲۵، الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج ۱۴ ص ۴۲۶، ج ۱۹ ص ۲۶۱، ج ۷ ص ۹۳، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرۃ ج ۱۷ ص ۱۸۰)
(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف، ج ۱۷ ص ۲۵۴۔ ۲۵۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۳۴ھ)

اللہ تعالیٰ کے کیے ہوئے دو وعدوں میں سے ایک وعدہ کا پورا ہونا اور دوسرے وعدہ کے پورے ہونے کی توقع

اور ابو صالح بیان کرتے ہیں کہ میں نے عباس بن عبد المطلب کے پاس بیس (۲۰) غلام دیکھے تھے اور اُن غلاموں میں سے ہر ایک دس ہزار درہم (۱۰۰۰۰) سے تجارت کرتا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کیے ہوئے دو وعدوں میں سے ایک وعدہ پورا فرما دیا، پس مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا دوسرا وعدہ یعنی مغفرت کا بھی پورا فرمائیں گے۔ اور اس کی تفسیر یہ بھی ہے کہ تم نے دنیا میں جو مال بطور فدیہ دیا تھا، اللہ تعالیٰ اس مال کا بہتر عوض تمہیں جنت عطا فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) اگر وہ کافر قیدی آپ سے خیانت کا ارادہ کریں (تو آپ غم نہ کریں) وہ اس سے پہلے اللہ سے خیانت کر چکے تھے سو اللہ نے اُن میں سے چند کافر قیدیوں کو آپ کے قبضہ میں دے دیا، اور اللہ سب کچھ جاننے والے سب سے زیادہ حکمت والے ہیں O'' (الانفال: ۷۱)

''وَاِنۡ یُّرِیۡدُوۡا خِیَانَتَکَ'': یعنی اگر یہ لوگ آپ کی مخالفت کا ارادہ کریں اور اسلام لانے کے بعد کفر کی طرف مائل ہوں۔ ''فَقَدۡ خَانُوا اللّٰہَ مِنۡ قَبۡلُ'': یعنی یہ لوگ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے کفر کو اختیار کر چکے ہیں۔ ''فَاَمۡکَنَ مِنۡہُمۡ'': یعنی اللہ نے آپ کو ان پر تسلط اور غلبہ عطا فرمایا اور بدر کے دن ان کے خلاف آپ کی مدد فرمائی حتیٰ کہ آپ نے ان پر قہر کر کے انہیں گرفتار کر لیا۔ ''وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ'': اور اللہ اپنی تمام مخلوق کے متعلق سب کچھ جاننے والے ہیں۔ ''حَکِیۡمٌ O'': اور بہت حکمت والے ہیں، اور اپنی حکمت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُن پر تسلط عطا فرمایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے (اسلام کی راہ میں) ہجرت کی اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے (اِن) مہاجرین کو ٹھکانا مہیا کیا اور اُن کی نصرت کی، وہی ایک دوسرے کے وارث ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی، تمہارے لیے اُن کی وراثت میں سے کوئی چیز نہیں حتیٰ کہ وہ ہجرت کر لیں، اور اگر وہ دین کے راستہ میں تم سے مدد طلب کریں تو تم پر ان کی نصرت کرنا واجب ہے سوا ایسی قوم کے مقابلہ کے جس کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہو، اور اللہ تمہارے کاموں کو اچھی طرح دیکھنے والے ہیں O'' (الانفال: ۷۲)

''اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا'': یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اور قرآن مجید کی تصدیق

کی۔ ''وَهَاجَرُوْا '': یعنی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ '' وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ '': اور دشمنانِ اسلام سے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے میں اور اس کی رضا جوئی میں، پھر اللہ تعالیٰ نے انصار کا ذکر فرمایا۔ '' وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا '': یعنی جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مہاجرین کو ٹھکانا مہیا کیا، ان کو اپنے گھروں میں ٹھہرایا اور اُن کی نصرت کی۔ '' اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ '': یعنی یہ لوگ وراثت میں اور ولایت میں ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ یہ اس لئے فرمایا تا کہ دوسرے مسلمان ہجرت کرنے میں رغبت کریں اور اس وقت مکہ سے مدینہ ہجرت کرنا فرض تھا، پھر فرمایا: '' وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يُهَاجِرُوْا '': اور جن مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت نہیں کی۔

'' مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ '': اُن مسلمانوں کا تمہاری وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ '' حَتّٰى يُهَاجِرُوْا '': حتیٰ کہ وہ مسلمان مدینہ کی طرف ہجرت کرلیں۔ مسلمانوں نے پوچھا: یارسول اللہ! جن مسلمانوں نے ہجرت نہیں کی، اگر وہ ہم سے مدد طلب کریں تو کیا ہم اُن کی مدد کریں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: '' وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ '': یعنی اگر وہ مسلمان مشرکین کے خلاف تم سے مدد طلب کریں سوتم ان کی مدد کرو۔ '' فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ '': سوتم اُن سے لڑنے والوں کی مدد کرو۔

'' اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ '': سوا اُن لوگوں کے جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو۔ سوتم اُن کے خلاف مدد نہ کرو اور اُن کے درمیان صلح کراؤ۔ '' وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ '': اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں پر سب سے زیادہ بصیرت رکھتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ایک دوسرے کے وارث ہیں، اگر تم اپنے مسلمان بھائیوں کی (اور جن سے تمہارا دفاعی معاہدہ ہے) مدد نہیں کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ اور فساد برپا ہو جائے گا O'' (الانفال: ٧٣)

'' وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ '': یعنی کفار ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ '' اِلَّا تَفْعَلُوْهُ '': یعنی اگر تم مومنوں کا مومنوں کو وارث نہ قرار دو اور کافروں کا کافروں کو وارث نہ قرار دو۔ '' تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝ '': تو روئے زمین میں بہت بڑا فتنہ ہوگا اور خون ریزی ہوگی، سوتم وہی کرو جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اور یاد رکھو کہ ولایت دین پر موقوف ہے۔

الضحاک نے کہا: '' وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا '' سے مراد کفارِ مکہ ہیں اور قبیلہ ثقیف کے کفار ایک دوسرے کے مددگار تھے اور وارث تھے۔ اگر تم نے ان دونوں فریقوں کو قتل کرنے میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل نہیں کیا تو پھر روئے زمین میں بہت خوں ریزی ہوگی اور بہت فساد ہوگا۔ اور مقاتل نے کہا: اس آیت میں تقدیم اور تاخیر ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جن مسلمانوں نے ہجرت نہیں کی، اگر وہ تم سے دین کے معاملہ میں مدد طلب کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے، اگر تم نے ان کی مدد نہیں کی تو روئے زمین میں بہت بڑا فساد ہوگا اور خوں ریزی ہوگی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے (اسلام کی راہ میں) ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے مہاجرین کو ٹھکانا مہیا کیا اور اُن کی نصرت کی، وہی لوگ برحق مومن ہیں، انہی کے لیے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے O'' (الانفال: ٧٤)

''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا'': یعنی جن لوگوں نے مہاجرین کو اپنے گھروں میں ٹھکانا دیا۔ ''اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا'': وہی لوگ برحق مومن ہیں۔ ''لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ○'': ان کے لیے جنت میں بہترین اجر وثواب ہے اور عزت کی روزی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور انہوں نے (اسلام کی راہ میں) ہجرت کر لی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا، سو وہ لوگ تم میں سے ہیں اور نسبی رشتہ دار وراثت لینے میں اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں، بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں O'' (الانفال: ۷۵)

''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ'': یعنی مہاجرین کے بعد جو لوگ اسلام لائے۔ ''وَهَاجَرُوْا'': اور انہوں نے ہجرت کر لی۔

''وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ'': یعنی انہوں نے دین کے معاملہ میں تمہارے ساتھ جہاد کیا۔

''وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ'': اور رشتہ دار مہاجرین اور انصار کی بہ نسبت وراثت کے زیادہ حق دار ہیں۔

امام عبدالرزاق نے از معمر از قتادہ روایت کی ہے کہ پہلے مسلمان ہجرت اور ایک دوسرے کے بھائی بننے کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام اور ہجرت کی وجہ سے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا تھا اور جو مرد اسلام قبول کر لیتا اور ہجرت نہ کرتا تو وہ اپنے رشتہ دار کا وارث نہیں ہوتا تھا۔ اس آیت سے یہ سابقہ حکم منسوخ فرمادیا اور ارشاد فرمایا: ''وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ''۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

مجاہد نے کہا: سورۃ الانفال کی آخری تین آیتیں جن میں مسلمان مہاجروں اور انصار کو ایک دوسرے کا وارث قرار دیا گیا، پھر سورۂ انفال کی آخری آیت ''وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ'' سے مہاجرین وانصار میں سے ایک دوسرے کی وراثت کو منسوخ فرمادیا۔

قتادہ بیان کرتے ہیں: ایک عرصہ تک مسلمان ہجرت کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے۔ اور جس مسلمان نے ہجرت نہ کی ہو وہ مہاجر کا وارث نہیں ہوتا تھا۔ پھر بعد میں ''وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ'' سے اس حکم کو منسوخ فرمادیا، پس ان کے درمیان وصیت کو برقرار رکھا گیا اور میراث کو منسوخ کر دیا گیا، اور میراث اہلِ ملّت کے درمیان ہوتی تھی۔ اور مسلمان خواہ مہاجر ہوں یا انصار ہوں وہ ایک دوسرے کے وارث قرار پاتے تھے۔ اور جو الگ الگ دین رکھتے ہوں وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے تھے۔ (تفسیر طبری ج ۱۱ ص ۲۹۲، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۷۳۹)

''فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ'': یعنی اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ''كِتٰبِ اللّٰهِ'' سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔

''اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○'': اللہ عزوجل ہر چیز کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں کہ وراثت کی تقسیم کس طرح کرنی چاہیے۔ (تفسیر السمرقندی ج ۲ ص ۲۷۔۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

التوبہ

(۹)
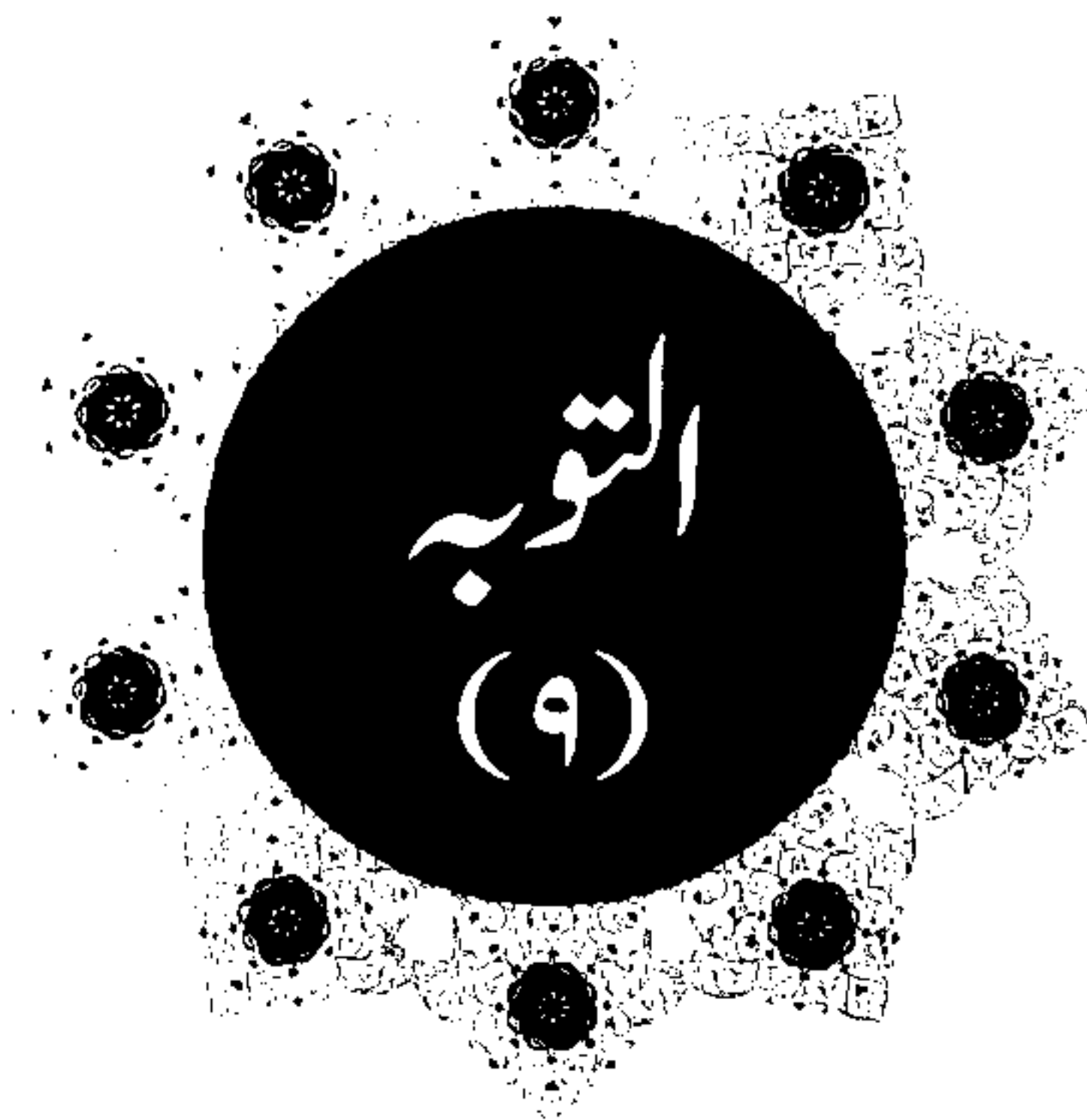
سورۃ التوبہ کا اجمالی تعارف

سورۃ التوبہ کے اسماء

اس سورۃ کا مشہور نام سورۃ التوبہ ہے، اس نام کی وجہ یہ ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم (حضرت کعب بن مالک، حضرت مرارہ بن الربیع اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم، یہ تینوں صحابہ انصار میں سے تھے) سے یہ تقصیر ہوگئی کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک کے لشکر میں روانہ نہیں ہوئے۔ اسی طرح حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے یہ تقصیر ہوگئی تھی کہ انہوں نے بنو قریظہ کو اشارہ سے یہ بتایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری گردنیں کاٹ ڈالیں گے، حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی انصاری صحابی تھے۔

اس تقصیر کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ مقاطعہ کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ کرام کی توبہ قبول فرمائی جس کا اس سورۃ مبارکہ میں ذکر ہے۔ اس وجہ سے اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۂ توبہ رکھا گیا ہے۔

اس سورۃ کا دوسرا مشہور نام سورۃ براءۃ ہے، کیونکہ اس سورۃ کے شروع میں مشرکین اور دیگر کفار سے براءۃ کرنے یعنی بیزاری کرنے کا حکم فرمایا ہے، اور اُن کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ چار ماہ کی مدت میں اسلام قبول کرلیں یا پھر ملک چھوڑ جائیں۔

اس سورۃ کا نام سورۂ فاضحہ بھی ہے، کیونکہ یہ سورت مشرکوں اور کافروں کو رسوا کرنے والی ہے۔ اس سورۃ کا نام سورۃ منکلہ بھی ہے، کیونکہ اس میں مکذبین اور منکرین کو عبرت دینے والی سزا کا ذکر ہے، اس سورۃ کا نام سورۃ العذاب بھی ہے، کیونکہ اس میں کفار اور منافقین کے عذاب کا ذکر ہے۔ اس سورۃ کا نام مقشقشہ بھی ہے، کیونکہ اس سورۃ میں منافقوں کے نفاق کو کھولنے کا بیان ہے۔

سورۃ التوبہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو نہ لکھنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ، لکھتے ہیں:

(۱) زمانۂ جاہلیت میں اہلِ عرب کا یہ طریقہ تھا کہ جب اُن کا کسی قوم سے معاہدہ ہوتا، پھر جب وہ اس معاہدہ کو توڑنے کا ارادہ کرتے تو اُن کی طرف مکتوب لکھتے اور اس کے شروع میں بسملہ نہیں لکھتے تھے، پھر جب سورۂ براءۃ نازل ہوئی اور اس سورۃ میں اس عہد کو توڑ دیا گیا جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مشرکین کے درمیان تھا، سو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب بھیجا اور انہوں نے حج کے ایام میں لوگوں کے سامنے وہ مکتوب پڑھا، اور اس کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو نہیں لکھا گیا جیسا کہ عہد توڑنے کے مکتوب میں، مکتوب سے پہلے بسملہ کو ترک کرنے کا معمول تھا۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے سورۃ الانفال اور سورۂ براءۃ کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو نہیں لکھا اور ان دونوں سورتوں کو ملا دیا، اس کی کیا توجیہ ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ کسی لکھنے والے کو بلاتے اور فرماتے: اس آیت کو فلاں سورۃ میں لکھ دو، اور سورۃ الانفال ابتدائی سورتوں میں سے ہے اور سورۃ البرائۃ آخرِ قرآن سے ہے اور انفال کا قصہ برائۃ کے قصہ کے مشابہ تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی اور آپ نے یہ نہیں بیان فرمایا کہ سورۃ البرائۃ، سورۃ الانفال کا جزو ہے، سو میں نے یہ گمان کیا کہ یہ سورۃ یعنی سورۃ البرائۃ سورۃ الانفال کا جزو ہے، اس وجہ سے میں نے ان دونوں سورتوں کو ملا کر لکھ دیا اور ان کے درمیان فرق کرنے کے لیے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ

الرَّحِیۡمِ کی سطر نہیں لکھی۔

(سنن ابوداؤد: ٧٨٦، سنن ترمذی: ٣٠٨٦، السنن الکبریٰ للنسائی: ٨٠٠٧، المستدرک للحاکم ج ٢ ص ٢٢١، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ٧ ص ١٥٢۔ ١٥٣، صحیح ابن حبان: ٤٣، المستدرک للحاکم ج ٢ ص ٢٢١، ٣٣٠، ٣٣، سنن بیہقی ج ٢ ص ٤٢، مسند احمد: ٣٩٩، التاریخ الکبیر للبخاری ج ٨ ص ٣٦٦)۔ (شعیب الارنؤط نے کہا ہے: اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اس کا متن مُنکَر ہے، یزید الفارسی سے اس حدیث کی روایت عوف بن ابی جمیلہ کے سوا کسی نے نہیں کی اور اس کا شمار مجہولین میں ہوتا ہے اور وہ اس روایت کے ساتھ منفرد ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے التقریب میں لکھا ہے کہ یہ راوی مقبول ہے اور یہ زید بن ھرمز الثقہ کا غیر ہے جس کی حدیث امام مسلم نے روایت کی ہے۔ حاشیہ مسند احمد، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ١٤٢٠ھ)

آیاتها ۱۲۹ ۹ سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۳ رکوعاتها ۱۶

(سورۃ التوبہ مدنی ہے اور اس میں ایک سو انتیس آیات اور سولہ رکوع ہیں)

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؕ ۝۱

(اے مسلمانو!) یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے عہد شکنی کرنے والے اُن مشرکین سے قطع تعلق کا اعلان ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا O

فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ۝۲

سوائے مشرکو! تم زمین میں چار مہینے تک چلتے پھرتے رہو اور یاد رکھو کہ بے شک تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو، اور یہ کہ اللہ مشرکوں کو ذلیل کرنے والے ہیں O

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۬ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ ۝۳

اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمام لوگوں کی طرف حج اکبر کے دن یہ اعلان ہے کہ بے شک اللہ اور اس کے رسول مشرکین سے بری ہیں، سوائے مشرکو! اگر تم توبہ کرلو تو وہ تمہارے حق میں بہتر ہے، اور اگر تم نے (توبہ کرنے سے) روگردانی کی تو یاد رکھو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو، اور (اے رسول اکرم!) آپ کفار کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے O

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۴

سوا اُن مشرکوں کے جنہوں نے آپ سے معاہدہ کرنے کے بعد اس معاہدہ میں بالکل عہد شکنی نہیں کی اور آپ کے مقابلہ میں کسی کی مدد نہیں کی تو (اے مسلمانو!) تم ان کا معاہدہ اُن کی معین کردہ مدت تک پورا کرو، بے شک اللہ متقین کو پسند فرماتے ہیں O

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَ

احْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۵

پھر جب حرمت والے (چار) مہینے ختم ہو جائیں تو (اے مسلمانو!) ان مشرکین کو جہاں پاؤ وہیں قتل کر دو اور انہیں گرفتار کر لو اور ان کا محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اُن کا راستہ چھوڑ دو، بے شک اللہ سب سے زیادہ بخشنے والے، سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں O

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰی یَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ ۝۶ ع

اور (اے رسولِ اکرم!) اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اسے پناہ دے دیں حتیٰ کہ وہ اللہ کا کلام سنے، پھر اسے اس کے پُر امن مقام تک پہنچنے کی اجازت دیں، یہ حکم اس لیے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے عہد شکنی کرنے والے اُن مشرکین سے قطع تعلق کا اعلان ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا O'' (التوبہ: ١)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مشرکین کے متعلق بے زاری کا اعلان

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ٥١٦ھ، التوبہ ١ تا ٦ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ'': یعنی یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے براءت کا اعلان ہے۔

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو منافقین کانپنے لگے اور مشرکین نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہود اور میثاق کیے تھے ان کو توڑنے لگے، تب اللہ عزوجل نے حکم فرمایا کہ اُن سے کیے ہوئے معاہدوں کو توڑ دیں، یہ اس کے مطابق ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ۝۵۸ --- (الانفال: ٥٨)'' (اور اگر آپ کو معاہدہ کرنے والوں میں سے عہد شکنی کا اندیشہ ہو تو اُن سے کیا ہوا عہد اُنہی کی طرح لوٹا دیں اور برابر کا سلوک کریں، بے شک اللہ عہد شکنی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے O)۔ الزجاج نے کہا: اس آیت کا معنی ہے کہ جب ان مشرکین نے معاہدہ توڑ دیا تو اللہ اور اس کا رسول اُن سے کئے ہوئے عہد سے بری ہو گئے۔ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے خطاب ہے، ہر چند کہ اُن سے معاہدہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، کیونکہ آپ کے اصحاب اس معاہدہ پر راضی تھے، تو گویا کہ انہوں نے بھی معاہدہ کیا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سوائے مشرکو! تم زمین میں چار مہینے تک چلتے پھرتے رہو اور یاد رکھو کہ بے شک تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو، اور یہ کہ اللہ مشرکوں کو ذلیل کرنے والے ہیں O'' (التوبہ: ٢)

''فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ'': پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی یعنی وہ جملہ خبریہ تھا، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر سے خطاب کی طرف التفات فرمایا ہے یعنی یہ آیت جملہ انشائیہ ہے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ مشرکین سے کہیے کہ تم روئے زمین میں امن کے ساتھ چلو پھرو اور کسی مسلمان کے حملہ سے خوفزدہ نہ ہو۔

''اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ'': یعنی تم چار مہینوں تک زمین میں امن کے ساتھ چلتے پھرتے رہو۔

''وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخْزِی الْكٰفِرِیْنَ ۝'': اور بے شک اللہ کافروں کو دنیا میں قتل کر کے اور آخرت میں عذاب دے کر رسوا کرنے والے ہیں۔

حرمت والے مہینے

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے: جن مشرکین سے معاہدۂ امن کی مدت چار ماہ سے کم گزری تھی تو اُن کے لیے چار ماہ تک مدت ہے اور جن کی مدت چار ماہ تک گزر چکی تھی تو اس کو کم کر کے چار ماہ تک محدود کر دیا گیا، اور جن سے معاہدۂ امن کی مدت مقرر نہیں کی گئی تھی تو اُن کی مدت چار ماہ تک ہے۔ پھر اس کے بعد ان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جنگ کا اعلان ہے۔ پھر جہاں کوئی مشرک پایا گیا تو اس کو قتل کر لیا جائے گا یا قید کر دیا جائے گا، اِلّا یہ کہ وہ توبہ کر لے۔ اور اس مدت کی ابتداء الحج الاکبر کے دن سے ہے اور اس کی انتہاء ربیع الثانی کے مہینہ کے دس دن تک ہے۔ اور جن کی کوئی مدت معیّن نہیں تھی تو ان کی مدت حرمت والے مہینوں کے ختم ہونے تک ہے اور یہ پچاس دن ہیں۔

الزہری نے کہا: حرمت والے مہینے چار ہیں: شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور المحرم، کیونکہ یہ آیت شوال میں نازل ہوئی۔

حسن بصری نے کہا: اللہ عزوجل نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم فرمایا کہ مشرکین میں سے جو آپ سے لڑے تو آپ اس سے لڑیں، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ...'' (البقرہ:۱۹۰) (اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں)۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسی سے قتال کرتے جو آپ سے قتال کرتا، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشرکین کے ساتھ کیے ہوئے معاہدہ سے بری ہونے کا حکم فرمایا اور اُن کو چار مہینوں تک مہلت دی۔

امام محمد بن اسحاق، مجاہد اور دوسروں نے کہا: یہ آیت اہلِ مکہ کے متعلق نازل ہوئی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال (یکم ذوالقعدہ، بروز پیر ۶ ہجری) میں قریش سے یہ معاہدہ فرمایا تھا کہ وہ دس سال تک ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے اور لوگوں کو امن میں رکھیں گے، اور بنوخزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عہد میں شامل ہو گئے اور بنوبکر قریش کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہو گئے۔ پھر بنوبکر نے خزاعہ پر حملہ کیا اور وہاں سے مال لوٹ کر لے گئے اور کفارِ قریش نے ہتھیاروں سے بنوبکر کی مدد کی، پھر جب بنوبکر اور کفارِ قریش نے بنوخزاعہ پر حملہ کیا اور اپنے کیے ہوئے عہد کو توڑ دیا تو عمرو بن سالم الخزاعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور بنوبکر اور کفارِ قریش کی خلاف ورزی کو بیان کیا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں نے تمہاری مدد نہ کی تو میری بھی مدد نہ کی جائے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۴ ص ۳۰، ۳۱، ۱۴۵، ۱۴۶، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۵۱)

پھر ۸ ہجری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف روانہ ہوئے، پھر جب ۹ ہجری کا سال آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کرنے کا ارادہ کیا، پھر آپ نے فرمایا کہ مشرکین بھی مکہ میں آئیں گے اور برہنہ طواف کریں گے تو آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس سال امیر

بنا کر بھیجا اور فرمایا کہ حج کے ایام میں لوگوں میں اعلان کریں اور اُن کے ساتھ سورۂ توبہ کی ابتدائی چالیس آیتیں روانہ کیں تا کہ وہ حج کے ایام میں لوگوں کے سامنے تلاوت کریں، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو ایک کن کٹی اونٹنی پر سوار کر کے بھیجا تا کہ وہ لوگوں کے سامنے مشرکین سے براءت کا اعلان کریں اور انہیں حکم دیا کہ وہ یہ اعلان مکہ میں اور منیٰ میں اور عرفات میں کریں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ذمہ ہر مشرک سے بری ہو گیا ہے، سنو! اب بیت اللہ میں کوئی برہنہ طواف نہیں کرے گا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹے اور کہا: یارسول اللہ! آپ پر میرے باپ اور میری ماں فدا ہوں، کیا میرے متعلق کوئی حکم نازل ہوا ہے؟ (جواب آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اعلان کرنے کا حکم دیا ہے) آپ نے فرمایا: نہیں! لیکن جب صاحبِ معاہدہ کسی معاہدہ کو توڑے تو ضروری ہے کہ اس کا اعلان خود صاحبِ معاہدہ کرے یا اُن کے اہل میں سے کوئی مرد کرے، اور اے ابوبکر! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے ساتھ غار میں رہے ہو اور قیامت کے دن حوض پر تم میرے صاحب ہو گے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں یارسول اللہ! پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہ طورِ امیرِ حج روانہ ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مشرکین سے براءت کا اعلان کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ پھر یوم الترویہ یعنی ۸ ذوالحجہ کے دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کے متعلق خطبہ دیا اور ان کو مناسک حج کی تعلیم دی، حتیٰ کہ جب یوم النحر یعنی ۱۰ ذوالحجہ کا دن آ گیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کھڑے ہوئے اور لوگوں میں وہ اعلان کیا جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور ان کے سامنے سورۂ توبہ کی تلاوت کی۔

زید بن تبیع نے بیان کیا کہ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آپ اس حج میں کس حکم کے ساتھ مبعوث کیے گئے؟ تو انہوں نے بتایا: میں چار احکام کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں: (۱) بیت اللہ میں کوئی برہنہ طواف نہیں کرے گا (۲) جس کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی معاہدہ تھا تو وہ اپنی مدت تک امن سے رہے گا اور جس کا کوئی معاہدہ نہیں تھا تو اس کی مدت چار مہینے ہے (۳) اور جنت میں مومن کے سوا کوئی داخل نہیں ہوگا (۴) اس سال کے بعد مشرکین اور مسلمین مجتمع نہیں ہوں گے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۰ ہجری کو حجۃ الوداع ادا کیا۔ (سنن ترمذی: ۳۰۹۲، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۹۲)

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر بھیجا، پھر آپ نے انہیں کس وجہ سے معزول کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو معزول نہیں فرمایا تھا اور وہی امیر الحج تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صرف سورۂ توبہ کی ان آیات کے ساتھ اعلان کرنے کے لیے بھیجا تھا، اور اس کا سبب یہ تھا کہ عربوں میں متعارف یہ تھا کہ جب کسی شخص کا چند لوگوں سے معاہدہ ہو اور وہ اس معاہدہ کو توڑنا چاہے تو یا تو خود صاحبِ معاہدہ اس کو توڑے یا اس کے خاندان میں سے کوئی مرد اس معاہدہ کو توڑے، سو اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشرکین سے بری ہونے کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا، تا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ معاہدہ شکنی میں جو عمل کیا گیا وہ ہمارے عرف کے خلاف ہے۔ اور اس کی دلیل حسبِ ذیل حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس حج میں یوم النحر کو اعلان کرنے والوں میں بھیجا کہ ہم منیٰ میں یہ اعلان کریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی بیت اللہ کا برہنہ طواف کرے گا۔ حمید بن عبدالرحمٰن نے کہا: پھر ان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ براءت کا اعلان کریں، حضرت ابوہریرہ

رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر ہمارے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یوم النحر (قربانی کے دن) کو اہلِ منیٰ میں یہ اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی بیت اللہ کا برہنہ طواف کرے گا۔ (صحیح البخاری: ۳۶۹، ۱۶۲۲، ۳۱۷۷، ۴۳۶۳، ۴۶۵۵، ۴۶۵۷، صحیح مسلم: ۱۳۴۷، الرقم المسلسل: ۳۲۲۹، سنن نسائی: ۲۹۵۷، سنن ابوداؤد: ۱۹۴۶، صحیح ابن خزیمہ: ۲۷۰۲)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کس سال میں حج کا امیر بنایا گیا تھا؟

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: ''اس حج میں''۔ اس سے مراد وہ حج ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنایا تھا، یہ حجۃ الوداع سے ایک سال پہلے تھا، اور یہ نو ہجری کا سال تھا۔

اعلانِ براءت کا قرآن مجید میں ذکر

اس حدیث میں مذکور ہے: ''اعلان کرنے والوں میں وہ جماعت تھی'' وہ جماعت جو قربانی کے دن منیٰ میں اعلان کر رہی تھی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا، اور کوئی شخص کعبہ کا برہنہ طواف نہیں کرے گا، قرآن مجید میں ہے:

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۔

اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمام لوگوں کی طرف حجِ اکبر کے دن یہ اعلان ہے کہ بے شک اللہ اور اس کے رسول مشرکین سے بری ہیں۔ (التوبہ: ۳)

سنن ابوداؤد میں ہے: ''یوم الحج الاکبر'' قربانی کا دن ہے، مشہور یہ ہے کہ ''الحج الاکبر'' حج ہے اور ''حج اصغر'' عمرہ ہے اور بعض روایات سے ثابت ہے کہ جو حج جمعہ کے دن ہو، وہ حج اکبر ہے اور اس حج میں ستر (۷۰) حج کا ثواب ہوتا ہے۔ شرح صحیح مسلم (ج ۳ ص ۶۸۸۔۶۹۲) میں، مَیں نے اس کی کافی تحقیق کی ہے۔ ۱۹۹۴ء میں جب میں نے حج کیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی حج اکبر عطا فرمایا تھا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اعلانِ براءت کے لیے بھیجنے کی حکمت

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے روانہ ہونے کے بعد سورۂ توبہ کا ابتدائی حصہ نازل ہوا، پس عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! اگر آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھیج دیتے کہ وہ لوگوں کے سامنے حج کے موقع پر مشرکین سے براءت کی آیات پڑھتے تو آپ نے فرمایا: مشرکین سے براءت کی آیات کو وہی شخص پڑھ سکتا ہے جو میرا اقربی رشتہ دار ہو، پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا: تم جاؤ اور قربانی کے دن منیٰ میں لوگوں کے سامنے سورۂ توبہ کی ابتدائی آیات پڑھنا جن میں مشرکین سے براءت کا اعلان فرمایا گیا ہے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی العضباء پر سوار ہوئے، حتیٰ کہ ذوالحلیفہ کے مقام پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مل گئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی کی آواز سنی، دیکھا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو حج کا امیر بنا دیا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں! لیکن مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ لوگوں کے سامنے

اعلانِ براءت میں کروں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ امیر ہیں یا مامور ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: بلکہ میں مامور ہوں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مشرکین سے اعلانِ براءت صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو آپ کے اہل بیت سے ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ واپس گئے اور پوچھا: یارسول اللہ! کیا میرے متعلق کوئی حکم نازل ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! لیکن جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے اور انہوں نے کہا: آپ کی طرف سے آپ خود معاہدہ فسخ کریں گے یا آپ کا قریبی رشتہ دار۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اعلانِ براءت کرانے میں کیا حکمت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اعلانِ براءت معاہدہ توڑنے کے اعلان کو متضمن ہے اور عرب میں یہ دستور تھا کہ معاہدہ باقی رکھنے یا توڑنے کا اعلان یا تو صاحب معاہدہ خود کرتا تھا یا اس کا قریبی رشتہ دار، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ چاہا کہ مشرکین کے ساتھ صلح کا جو حدیبیہ میں معاہدہ کیا گیا تھا، اس کو توڑنے کا اعلان آپ کا قریبی رشتہ دار کرے، تاکہ اس میں کسی کو اعتراض کی گنجائش نہ رہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ میں برہنہ طواف کو باطل فرمادیا اور اس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ شرم گاہ کو چھپانا واجب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۱۵۔۱۱۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمام لوگوں کی طرف حجِ اکبر کے دن یہ اعلان ہے کہ بے شک اللہ اور اس کے رسول مشرکین سے بری ہیں، سوائے مشرکو! اگر تم توبہ کرلو تو وہ تمہارے حق میں بہتر ہے، اور اگر تم نے (توبہ کرنے سے) روگردانی کی تو یاد رکھو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو، اور (اے رسولِ اکرم!) آپ کفار کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنادیجئے O'' (التوبہ: ۳)

''وَاَذَانٌ'': اذان کا معنی ہے خبر دینا، اور اسی سے ماخوذ ہے نماز کی اذان، کہا جاتا ہے ''آذنتہ فلانا'' یعنی میں نے فلاں کو خبر دی۔ ''مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ'':

''اَلْحَجِّ الْاَكْبَرِ'' کے مصداق کے متعلق مفسرین اور فقہاء کے اقوال

(۱) عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ''الحج الاکبر'' عرفہ کا دن ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اور عطاء، طاؤس، مجاہد اور سعید بن المسیّب کا بھی یہی قول ہے۔

(۲) فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے: ''الحج الاکبر'' یوم النحر ہے یعنی دس ذوالحجہ قربانی کا دن۔

یحییٰ بن الجزار نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یوم النحر کو سفید خچر پر سوار ہوئے، ان کے پاس ایک مرد آیا جس نے اُن کی سواری کی لگام پکڑلی اور آپ سے ''الحج الاکبر'' کے دن کا سوال کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ یہی دن ہے، تم میری سواری کی لگام چھوڑدو۔

(۳) حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ اور حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ ''یوم الحج الاکبر'' حج کے دنوں میں منیٰ کے تمام ایام ہیں۔ اور الشعبی، النخعی، سعید بن جبیر اور السدی سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ اور سفیان ثوری کہتے تھے کہ ''حج اکبر'' کا دن منیٰ کے تمام ایام ہیں جیسے صفین کا دن، الجمل کا دن اور بُعاث کا دن، کیونکہ یہ جنگیں کئی دنوں تک جاری رہیں۔

(۴) عبداللہ بن الحارث بن نوفل نے کہا: ''الحج الاکبر'' کا دن وہ دن ہے جس دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تھا، اور یہ ابن سیرین کا قول ہے، کیونکہ اس دن میں مسلمانوں نے حج کیا تھا اور اسی دن یہود اور نصاریٰ اور مشرکین کی عید تھی، اور اس سے پہلے کبھی یہ عیدیں ایک دن میں جمع نہیں ہوئیں اور نہ اس کے بعد ہوئیں۔

''اَلْحَجِّ الْاَكْبَرِ'' کے مصداق میں متعدد اقوال

مجاہد نے کہا: ''الحج الاکبر'' وہ حج ہے جس میں قِران ہو، اور ''الحج الاصغر'' وہ حج ہے جس میں افراد ہو۔ اور الزہری، شعبی اور عطاء نے کہا: ''الحج الاکبر'' حج ہے اور ''الحج الاصغر'' عمرہ ہے کیونکہ عمرہ میں افعالِ حج سے کم ہوتے ہیں۔

''اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ'': یعنی اللہ عزوجل کے رسول بھی مشرکین سے بری ہیں۔

''فَاِنْ تُبْتُمْ'': یعنی اگر تم نے اپنے کفر سے رجوع کیا اور خالصتاً توحید کی تصدیق کی۔ ''فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ'': یعنی اگر تم نے ایمان لانے سے اعراض کیا۔

''فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝'': یعنی اگر تم نے (توبہ کرنے سے) روگردانی کی تو یاد رکھو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو، اور (اے رسولِ اکرم!) آپ کفار کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سوا اُن مشرکوں کے جنہوں نے آپ سے معاہدہ کرنے کے بعد اس معاہدہ میں بالکل عہد شکنی نہیں کی اور آپ کے مقابلہ میں کسی کی مدد نہیں کی تو (اے مسلمانو!) تم ان کا معاہدہ اُن کی معیّن کردہ مدت تک پورا کرو، بے شک اللہ متقین کو پسند فرماتے ہیں ۝'' (التوبہ: ۴)

''اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ'': اس آیت میں ''بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝'' سے استثناء ہے۔

''ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا'': اور یہ لوگ کنانہ کا ایک قبیلہ بنوضمرہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ ان سے کئے ہوئے عہد کو ان کی مدت تک پورا کر دیں اور ان سے کئے ہوئے معاہدہ کی مدت میں ۹ مہینے باقی رہ گئے تھے۔

اور یہ اس آیت کا معنی ہے: ''ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا'' یعنی پھر انہوں نے اپنے کئے ہوئے عہد میں سے بالکل عہد شکنی نہیں کی تھی۔ ''وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا'': اور نہ تمہارے خلاف دشمنوں میں سے کسی کی مدد کی۔

''فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ'': یعنی ان سے کئے ہوئے معاہدہ کو ان کی مدت تک پورا کرو۔

''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝'': بے شک اللہ تعالیٰ متقین کو پسند فرماتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر جب حرمت والے (چار) مہینے ختم ہو جائیں تو (اے مسلمانو!) ان مشرکین کو جہاں پاؤ وہیں قتل کر دو اور انہیں گرفتار کر لو اور ان کا محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اُن کا راستہ چھوڑ دو، بے شک اللہ سب سے زیادہ بخشنے

والے، سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں O'' (التوبہ: ۵)

حرمت والے مہینے

''فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُرُمُ '': (۱) حرمت والے مہینے چار ہیں: رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ مجاہد اور ابن اسحاق نے کہا: یہ معاہدہ کے چار مہینے ہیں اور جس کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ ہو تو اس کی میعاد اختتامِ محرّم تک ہے اور یہ پچاس دن ہیں۔ اور اِن مہینوں کو ''حُرُم'' اس لئے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مہینوں میں مومنین پر کفار کے خون بہانے اور اُن پر حملہ کرنے کو حرام فرمادیا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ مدت حُرمت والے مہینوں کا بعض حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''جب حرمت والے مہینے ختم ہوجائیں''؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مدت گزری ہوئی مدت کے ساتھ متصل ہے، اس لئے اس پر جمع کا اطلاق فرمادیا گیا۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مدتِ مقررہ گزر گئی جس میں حرمت والے مہینوں کا اختتام تھا۔

''فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِیۡنَ حَیۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ '': یعنی جب تم حَرَم اور غیر حَرَم میں جہاں مشرکین کو پاؤ تو انہیں قتل کردو۔

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی التوفی ۳۷۵ھ، التوبہ: ۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِیۡنَ حَیۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ '': یعنی حرم میں اور غیر حَرَم میں جن مشرکین سے آپ کا معاہدہ نہیں ہے تو آپ ان کو جہاں پائیں قتل کردیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت ''فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِیۡنَ حَیۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ '' نے قرآن مجید کی ستر (۷۰) آیات کو منسوخ کردیا جن میں صلح، معاہدہ اور ان کے ساتھ لڑائی سے رکنے کا حکم تھا جیسا کہ درج ذیل آیات ہیں:

لَسۡتَ عَلَیۡهِمۡ بِمُصَیۡطِرٍ ۝ (الغاشیہ: ۲۲) ‏ آپ اُن پر جبر کرنے والے نہیں ہیں O

فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ۔ (النساء: ۸۱) ‏ آپ اِن سے اعراض کیجئے۔

لَكُمۡ دِیۡنُكُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ ۝۔ (الکافرون: ۶) ‏ (اے مشرکو!) تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے O

اور اس جیسی دیگر تمام آیات کا حکم اس آیت کے حکم سے منسوخ ہوگیا ہے۔

(تفسیر السمرقندی ج ۲ ص ۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

حرمت والے مہینوں میں ممانعت قتال کی تحقیق

''فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِیۡنَ حَیۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ '': اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جن مشرکین نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی اور ان کو چار ماہ کی مہلت دی گئی تھی، اس مدت کے گزرنے کے بعد ان مشرکین کو قتل کردو، اسی طرح جن مشرکین نے معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کی تھی جو بنو کنانہ ہیں ان کو معاہدہ کی مدت پوری کرنے کی مہلت دی گئی تھی اور ان سے معاہدہ کی میعاد ابھی نو ماہ تک باقی تھی، سو نو ماہ گزرنے کے بعد ان کو بھی قتل کردو، اور اس آیت میں حرمت والے چار ماہ یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب مراد نہیں ہیں کیونکہ ان کی حرمت ''فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِیۡنَ حَیۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ '' سے منسوخ ہوگئی، کیونکہ اس آیت کا معنی ہے: تمام مشرکین کو

جہاں بھی پاؤ ان کو قتل کر دو، خواہ ان کو حرم میں پاؤ یا غیر حرم میں اور ان کو حرمت والے مکان میں قتل کرنے کا حکم اس کو مستلزم ہے کہ ان کو حرمت والے زمانہ میں بھی قتل کر دیا جائے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ طائف میں حرمت والے مہینوں میں قتال جاری رکھا تھا۔

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوال ۸ ہجری میں طائف پر حملہ فرمایا اور اٹھارہ (۱۸) دن تک ان کا محاصرہ کیا اور چالیس دن تک ان پر منجنیق کو نصب کیے رکھا۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۲۰۔ ۱۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، المنتظم ج ۲ ص ۴۰۷، دار الفکر، بیروت)

اس کا تقاضا یہ ہے کہ شوال کے دو ماہ بعد تک ذوالقعدہ اور ذوالحجہ میں طائف پر حملہ جاری رہا اور ذوالقعدہ اور ذوالحجہ حرمت والے مہینے ہیں۔ اور حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے امام ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ طائف کا محاصرہ ایک ماہ تک جاری رہا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۵۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ طائف کے محاصرہ کی مدت چالیس دن تھی۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۵، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

ان نقول کا تقاضا یہ ہے کہ ۲۰ ذوالحجہ تک طائف پر حملہ جاری رہا۔

اور علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۷ھ لکھتے ہیں کہ صحت سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۲۰ محرم تک طائف کا محاصرہ کیا۔ (عنایۃ القاضی، ج ۴ ص ۳۰۱، مطبوعہ دار صادر، بیروت)

ان حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرمت والے مہینوں میں طائف پر حملہ جاری رکھا اور یہ اس کی ظاہر دلیل ہے کہ حرمت والے مہینوں میں قتال کی ممانعت منسوخ ہو چکی ہے، نیز اس کی ممانعت کے منسوخ ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

''فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ'' میں قتل کے عمومی حکم سے مستثنیٰ افراد

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے لیکن (التوبہ: ۲۹) نے اس حکم سے ان اہل کتاب کو مستثنیٰ کر لیا جو جزیہ ادا کر دیں۔

اسی طرح حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کفار سے قتال کرنے سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان سے قتال نہ کرو اور اگر وہ قبول نہ کریں تو پھر ان کو دعوت دو کہ وہ اپنا ملک چھوڑ کر دار مہاجرین میں منتقل ہو جائیں، اگر وہ قبول کر لیں تو ان سے قتال نہ کرو، اگر وہ اس کو قبول نہ کریں تو پھر ان سے جزیہ کا سوال کرو۔ اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو پھر ان سے قتال کرنے سے رک جاؤ، اور اگر وہ اس کو قبول نہ کریں تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد سے ان سے قتال کرو۔ اور ان سے خیانت نہ کرو اور ان سے عہد شکنی نہ کرو اور ان کو مُثلہ نہ کرو اور ان کے بچوں کو قتل نہ کرو۔

(صحیح مسلم، کتاب الجہاد: ۲، رقم الحدیث: ۱۷۳۱، ۴۴۴۱، سنن ابوداؤد: ۲۶۱۲، سنن ترمذی: ۱۶۱۷)

ایک اور حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی غزوہ میں ایک عورت کو مقتول پایا تو آپ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ (صحیح البخاری: ۳۰۱۴، صحیح مسلم: ۱۷۴۴، ۴۴۶۶، سنن ابوداؤد: ۲۶۶۸، سنن ترمذی: ۱۵۶۹، السنن الکبریٰ

للنسائی: ۸۶۱۸)

''فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِیۡنَ ... الآیۃ'' سے ائمہ ثلاثہ کا تارک نماز کو قتل کرنے پر استدلال اور اس کے جوابات

جو شخص فرضیت نماز کا قائل ہو لیکن نماز کا تارک ہو اور کہنے کے باوجود نماز نہ پڑھتا ہو، امام احمد کا اس کے متعلق مختار قول یہ ہے کہ وہ کافر ہو گیا اور اس کو قتل کرنا واجب ہے، امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس کو حداً قتل کر دیا جائے اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کو قید کیا جائے اور اس پر تعزیر لگائی جائے حتیٰ کہ وہ نماز پڑھنے لگے۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل اور تحقیق ہم نے تبیان القرآن ج ۱، البقرہ: ۳ کی تفسیر میں کر دی ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ نے ''فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِیۡنَ ... الآیۃ'' سے تارک نماز کے متعلق امام شافعی کے موقف کی تائید میں استدلال کی تقریر کی ہے، ہم پہلے امام رازی کے استدلال کی تقریر پیش کریں گے پھر اس کے جوابات کا ذکر کریں گے۔

امام رازی فرماتے ہیں:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ تارک نماز کو قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے خون بہانے کو ہر طریقہ سے مباح کر دیا، پھر تین چیزوں کا مجموعہ پائے جانے کی صورت میں ان کے خون کو حرام فرما دیا: (۱) کفر سے توبہ کریں (۲) نماز قائم کریں (۳) زکوٰۃ ادا کریں، اور جب یہ مجموعہ نہ پایا جائے تو ان کا خون بہانے کی اباحت اپنی اصل پر باقی رہے گی۔

اگر یہ جواب دیا جائے کہ نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے ان کی فرضیت کا اعتقاد مراد ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تارک زکوٰۃ کو قتل نہیں کیا جاتا تو یہ کہا جائے گا کہ یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ ''اَقَامُوا الصَّلٰوةَ'' اور ''وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ'' سے ان کی فرضیت کا اعتقاد مراد لینا مجاز ہے اور بلا ضرورت حقیقت سے عدول کرنا جائز نہیں اور تارک زکوٰۃ کو اس لیے قتل نہیں کیا جاتا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی کوئی مدت معین نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۲۸۔ ۵۲۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ہم نے اس آیت میں ''اَقَامُوا الصَّلٰوةَ'' اور ''وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ'' سے یہ مراد لیا ہے کہ وہ نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا اعتقاد رکھیں، یہ بلا ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کا ظاہری اور حقیقی معنی مراد نہیں ہو سکتا، اس کا ظاہری اور حقیقی معنی یہ ہے کہ جب وہ شرک اور کفر سے توبہ کر لیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو ورنہ ان کا راستہ نہ چھوڑو، پس ایک مشرک شرک سے تائب ہو گیا لیکن اس نے فوراً نماز نہیں پڑھی کیونکہ ابھی نماز کا وقت نہیں آیا، یا ابھی نماز کا وقت ختم ہونے میں کافی دیر ہے تو ظاہر معنی کے اعتبار سے اس کو قتل کرنا واجب ہے یا اس نے شرک سے توبہ کرنے کے بعد فوراً زکوٰۃ ادا نہیں کی کیونکہ وہ بقدر نصاب مال کا مالک نہیں یا مال کا مالک تو ہے لیکن ابھی اس پر سال نہیں گزرا تو اس آیت کے ظاہر معنی کے اعتبار سے اس کو قتل کرنا واجب ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس آیت کا یہ معنی کیا جائے کہ جس شخص نے شرک سے توبہ کر لی اور نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا اعتقاد رکھا اس کا راستہ چھوڑ دو ورنہ اس کو قتل کر دو۔ اس معنی کا موجب اور تارک نماز کو قتل نہ کرنے کا باعث یہ حدیث بھی ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے اور آپ نے فرمایا: اس ذات کی

قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے! جو مسلمان شخص اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں ایسے کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں ہے ماسوا تین شخصوں کے: جو شخص اسلام کو ترک کرنے والا ہو اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہونے والا ہو اور شادی شدہ زنا کرنے والا اور جس شخص کو کسی شخص کے قصاص میں قتل کیا جائے۔ (صحیح البخاری: ۶۸۷۸، صحیح مسلم: ۱۶۷۴، سنن ابوداؤد: ۴۲۹۶، سنن ابوداؤد: ۴۳۵۲، سنن ترمذی: ۱۴۰۲، سنن نسائی: ۴۰۱۶، سنن ابن ماجہ: ۲۵۳۴، مسند احمد ج ۱ ص ۴۰، ج ۶ ص ۵۸)

امام ابوحنیفہ کے مذہب کی صحت پر دلائل اور تازہ شبہات کے جوابات

اس حدیث میں کسی بھی مسلمان شخص کو ان تین وجہوں کے علاوہ قتل کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا ہے اور جو نماز کا تارک ہو وہ ان تین وجہوں میں داخل نہیں ہے، لہٰذا اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز متعدد اسلامی ممالک میں ائمہ ثلاثہ کے ماننے والے اور غیر مقلدین موجود ہیں اور اُن میں زیادہ تر بے نمازی ہیں، لیکن ہم نے نہیں سنا کہ کسی بے نمازی کو قتل کیا گیا ہو۔ اس سے واضح ہوا کہ خود ائمہ ثلاثہ کے ماننے والوں کا بھی اس پر عمل نہیں ہے کہ جس شخص پر ایک نماز کا وقت گزر جائے اور اس نے نماز نہ پڑھی ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے۔ لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہی قابلِ عمل ہے کہ جو شخص بے نمازی ہو تو اس کو قید کر لیا جائے اور اس وقت تک اس کو قید سے رہا نہ کیا جائے جب تک کہ وہ باقاعدہ پانچ وقت کا نمازی نہ بن جائے۔ اور اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اب پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک میں بھی بے نمازیوں کو قید نہیں کیا جاتا، تو خود احناف کا بھی امام ابوحنیفہ کے مذہب پر عمل نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی ممالک میں امام ابوحنیفہ کے متعقدین کا فقہ حنفی پر عمل نہ کرنا فقہ حنفی کے بُطلان کی دلیل نہیں ہے جیسا کہ سعودی عربیہ کے علاوہ اب کسی ملک میں بھی جرائم پر اسلامی حدود جاری نہیں ہوتیں، قاتل سے مقتول کا قصاص نہیں لیا جاتا، شادی شدہ زانی کو سنگسار نہیں کیا جاتا، پاک دامن مسلمان خاتون پر تہمت لگانے والے کو حدِ قذف نہیں لگائی جاتی۔ خمر پینے پر اسّی (۸۰) کوڑے نہیں لگائے جاتے، تو مسلمانوں کا اسلام کے احکام پر عمل نہ کرنا اُن احکام کے باطل ہونے کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ اسلام کے احکام تو صحیح اور برحق ہیں اور یہ مسلمانوں کی اجتماعی تقصیر ہے کہ وہ اسلام کے احکام پر عمل نہیں کرتے۔ اور اسی تقصیر کی مسلمانوں کو یہ اجتماعی سزا مل رہی ہے کہ آج پوری دنیا میں مسلمان مقہور ہیں اور کفار کے غلبہ کا شکار ہیں، اور کتنے ہی ملکوں میں محکومیت کی ذلت بھری زندگی گزار چکے ہیں، اور اب بھی سپر پاور امریکا، روس اور برطانیہ وغیرہ سے مرعوب ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

''وَخُذُوْهُمْ'': اور اُن کو گرفتار کرلو۔ ''وَاحْصُرُوْهُمْ'': اور اُن کو قید کردو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ مشرکین کو قلعوں میں بند کردو اور اُن کو باہر نکلنے نہ دو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اُن کو مکہ میں داخل ہونے سے منع کرو اور اسلام کے شہروں میں گھومنے پھرنے سے منع کرو۔ ''وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ'': یعنی ہر راستہ پر اُن کی تاک میں بیٹھو۔ تیسرا قول یہ ہے کہ مکہ کی طرف جانے والے راستوں میں اُن کی تاک میں بیٹھو تاکہ وہ مکہ میں داخل نہ ہوسکیں۔

''فَاِنْ تَابُوْا'': پس اگر وہ شرک سے توبہ کرلیں۔ ''وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ'': یعنی پھر اُن کو چھوڑ دو تاکہ وہ اسلام کے احکام پر عمل کرنے کے بعد مکہ میں داخل ہوسکیں اور دوسرے شہروں میں بھی جاسکیں۔

''اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝'': اللہ عزوجل توبہ کرنے والوں کو معاف فرمانے والے ہیں اور اُن پر رحم فرمانے والے ہیں۔

الحسین بن الفضل نے کہا: اس آیت نے قرآنِ مجید کی ہر اُس آیت کو منسوخ کر دیا جس میں کفار سے اعراض کرنے اور دشمنوں کی ایذاء پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اللہ عز وجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اسے پناہ دے دیں حتیٰ کہ وہ اللہ کا کلام سنے، پھر اسے اس کے پُر امن مقام تک پہنچنے کی اجازت دیں، یہ حکم اس لیے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے O'' (التوبہ:٦)

''وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ'': اے رسولِ اکرم! میں نے آپ کو جن مشرکوں سے لڑنے کا اور انہیں قتل کرنے کا حکم فرمایا تھا، اگر اُن مشرکین میں سے کوئی ایک آپ سے پناہ طلب کرے، یعنی حرمت والے مہینوں کے اختتام کے بعد آپ سے دارالاسلام میں آنے کی اجازت طلب کرے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سنے تو آپ اس کو پناہ دیں اور اس کو امن کے ساتھ رکھیں، حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنے تاکہ اس کو معلوم ہو جائے کہ اس کے کیا حقوق ہیں اور کیا فرائض ہیں۔ پھر اگر وہ اسلام کو قبول نہ کرے تو اسے اس کی امن کی جگہ میں جانے دیں۔ یعنی جس مُلک یا شہر سے وہ آیا ہے اسے وہاں جانے دیں۔ پھر اگر اس کے بعد وہ آپ سے دوبارہ قتال کرے تو پھر آپ اُن کو قتل کر دیں۔

''ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ O'': اس حکم کی وجہ یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی توحید کا علم نہیں رکھتے، اس لیے انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام کو جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ حسن بصری نے کہا: یہ آیت قیامت تک کے لیے محکم ہے اور منسوخ نہیں ہے۔ (معالم التنزیل ج ٢ ص ٣١٤۔٣١٩، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ١٤٢٠ھ)

اس اشکال کا جواب کہ موجودہ دور میں صرف احکام اسلام کے علم کے حصول کے ساتھ غیر مسلموں کا مسلم ممالک میں داخلہ محدود نہیں ہے

میں کہتا ہوں: قرآن مجید کی التوبہ:٦ سے یہ معلوم ہوا کہ صرف اُنہی مشرکین یا کافرین کو دارالاسلام میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے جو دارالاسلام میں اسلام کے احکام کی تعلیم کے حصول کے لیے دارالاسلام میں داخل ہونے کی اجازت طلب کریں، لیکن اب ہو یہ رہا ہے کہ جو کفار اور مشرکین تجارت کے لیے یا ملازمت کے حصول کے لیے یا رشتہ داروں سے ملاقات کے لیے یا دیگر اسباب کی وجہ سے دارالاسلام میں پاسپورٹ اور ویزا کے ذریعے دارالاسلام میں داخل ہونا چاہیں، تو اُن کو بھی آنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ اور بہ ظاہر یہ التوبہ:٦ کی نص کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کے تعامل کی وجہ سے نص کے مخصوص حکم میں وسعت پیدا کی جاتی ہے، اور ضرورت کی بناء پر ایسا کرنا ناگزیر ہے، کیونکہ اگر دارالاسلام میں غیر مسلموں کے دخول کو صرف اسی صورت میں محدود کیا جائے کہ وہ اسلامی احکام کے علم کے حصول کے لیے دارالاسلام میں آسکتے ہیں تو اس سے بہت ساری مشکلات پیدا ہو جائیں گی مثلاً بعض مُہلک بیماریوں کا علاج صرف یورپ یا امریکا میں ہو سکتا ہے، اس لئے ایسے بیماروں کا ان ممالک میں داخل ہونا ناگزیر ہے، نیز جدید میڈیکل سائنس کے علوم حاصل کرنے کے لیے ترقی یافتہ ممالک میں جانا ناگزیر ہے، اسی طرح اسلحہ کے حصول، روزگار، ملازمت اور تجارت اور رشتہ

داروں سے میل ملاقات کے لیے ان ترقی یافتہ ممالک میں جانا پڑتا ہے، اور اگر ہم یہ قید لگا دیں کہ صرف حصولِ علم کے لیے اسلامی ممالک میں کافروں کا داخلہ جائز ہے اور اس کے ردعمل میں غیر اسلامی ممالک بھی ایسی شرط لگا دیں تو بہت ساری مشکلات پیدا ہوں گی، نیز صنعت و تجارت میں وسعت کے لیے بھی غیر اسلامی ممالک میں جانا ناگزیر ہے، اس لئے دونوں طرف سے پاسپورٹ اور ویزا کے ذریعے داخل ہونے کی اجازت دینی ہوگی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

(اے مسلمانو!) جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجدِ حرام کے پاس امن کا معاہدہ کیا تھا اُن کے سوا دیگر مشرکین کے ساتھ (بقائے باہمی کا) معاہدہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کیونکر (صحیح) ہوگا! پس جب تک وہ مشرکین تمہارے ساتھ کئے ہوئے معاہدۂ امن پر قائم رہیں سو تم بھی ان کے ساتھ کیے ہوئے معاہدۂ امن پر برقرار رہو، بے شک اللہ متقین سے محبت فرماتے ہیں O

كَيْفَ وَ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۚ ۝

ان باقی مشرکین کے ساتھ معاہدۂ امن کیسے درست ہوسکتا ہے جب کہ ان کا یہ حال ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پالیں تو وہ تمہارے متعلق نہ کسی رشتہ کا لحاظ کریں گے اور نہ کسی عہد کا پاس کریں گے، وہ صرف اپنی زبانوں سے تمہیں راضی کرتے ہیں اور اُن کے دل انکار کرتے ہیں اور اُن میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں O

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

ان لوگوں نے اللہ کی آیتوں کے معاوضہ میں ارزاں قیمت وصول کی، پھر انہوں نے لوگوں کو اللہ کے دین کے راستہ سے روکا، بے شک وہ بہت برے کام کرتے رہے ہیں O

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝

یہ لوگ کسی مومن کے متعلق نہ رشتہ کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ کسی عہد کا پاس کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو حد سے تجاوز کرنے والے ہیں O

فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

پھر اگر یہ مشرکین توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں، اور ہم علم کے طلب گاروں کے لیے اپنی آیات کھول کھول کر بیان فرماتے ہیں ○

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور اگر وہ مشرکین معاہدہ کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر طعنہ زن ہوں تو تم صنادید کفار کے خلاف اس امید کے ساتھ جہاد کرو کہ شاید وہ باز آ جائیں، بے شک ان کی کھائی ہوئی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے ○

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

(اے مسلمانو!) تم اُن لوگوں کے خلاف کیونکر جہاد نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی پکّی قسمیں کھا کر توڑ دیں اور رسول مکرم کو اُن کے وطن سے نکالنے کا ارادہ کیا! جب کہ انہوں نے ہی تمہارے خلاف جنگ کی ابتداء کی تھی، کیا تم اُن سے ڈر رہے ہو حالانکہ اللہ اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ تم اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہو ○

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ ۙ

تم اُن سے لڑتے رہو، اللہ تمہارے ہاتھوں سے اُن کو سزا دلوائیں گے اور اُن کو رسوا فرمائیں گے اور اُن کے مقابلہ میں تمہاری مدد فرمائیں گے اور مومنوں کے سینوں میں شفا عطا فرمائیں گے ○

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾

اور اُن کے دلوں کے غیظ و غضب کو دور فرما دیں گے اور اللہ جس کی چاہتے ہیں توبہ قبول فرماتے ہیں، اور اللہ سب کچھ جاننے والے ہیں اور سب سے زیادہ حکمت والے ہیں ○

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ ع

(اے مسلمانو!) کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ تم کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے اُن کو ظاہر نہیں فرمایا جنہوں نے تم میں سے (واقعی) جہاد کیا اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو محرمِ راز نہیں بنایا، اور اللہ تمہارے

تمام کاموں کی خوب خبر رکھنے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجدِ حرام کے پاس امن کا معاہدہ کیا تھا اُن کے سوا دیگر مشرکین کے ساتھ (بقائے باہمی کا) معاہدہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کیونکر (صحیح) ہوگا! پس جب تک وہ مشرکین تمہارے ساتھ کئے ہوئے معاہدۂ امن پر قائم رہیں سو تم بھی ان کے ساتھ کیے ہوئے معاہدۂ امن پر برقرار رہو، بے شک اللہ متقین سے محبت فرماتے ہیں O'' (التوبہ: ۷)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، التوبہ: ۷ تا ۱۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ'': یعنی ان مشرکین کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ برقرار نہیں رہے گا۔

''اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ'': اس آیت کی تفسیر میں چند اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جن لوگوں کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ برقرار رہے گا وہ بنوضمرہ ہیں (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد قریش ہیں، اور قتادہ نے کہا: یہ وہ مشرکینِ قریش ہیں جن سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کے زمانہ میں معاہدہ کیا تھا، پس انہوں نے عہد شکنی کی اور مشرکین کی مدد کی (۳) مجاہد نے کہا: اس سے مراد خزاعہ ہیں۔

اربابِ سیرت نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ حدیبیہ میں جب سہیل بن عمرو سے صلح کی اور اُن کے درمیان یہ صلح نامہ لکھا گیا کہ یہ وہ دستاویز ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے اور سہیل بن عمرو نے اتفاق کیا ہے اور یہ قرار دیا ہے کہ دس سال تک جنگ موقوف رہے گی اور ان دس سالوں میں لوگ امن سے رہیں گے اور ایک دوسرے سے شر اور فساد کو دور کریں گے، اور یہ کہ جو چاہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے اور جو چاہے وہ قریش کے ساتھ رہے، اور قریش میں سے جو شخص اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جائے گا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لازم ہوگا کہ وہ اس کو قریش کی طرف لوٹا دیں، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے جو شخص قریش کے پاس جائے گا تو قریش اس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف واپس نہیں کریں گے، اور اس سال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ واپس چلے جائیں گے اور اگلے سال اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ مکرمہ آئیں گے اور تین دن مکہ مکرمہ میں قیام کریں گے اور اُن کے ساتھ ہتھیار نہیں ہوں گے سوا اس کے کہ اُن کی تلواریں اُن کی میانوں میں ہوں گی۔

تب خزاعہ نے آگے بڑھ کر کہا: ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہیں اور اُن کے معاہدہ میں شامل ہیں، اور بنوبکر نے کہا کہ ہم قریش کے ساتھ ہیں اور اُن کے معاہدہ میں شامل ہیں، پھر جب بنوبکر اور خزاعہ میں جنگ ہوئی تو قریش نے خزاعہ کے خلاف اپنے مردوں اور ہتھیاروں کے ساتھ بنوبکر کی مدد کی۔ اور انہوں نے خزاعہ کے بیس مردوں کو قتل کر دیا۔ پھر قریش اپنی اس عہد شکنی پر نادم ہوئے اور اُنہوں نے سمجھ لیا کہ اُن کا یہ اقدام اس معاہدہ کی عہد شکنی ہے، پھر خزاعہ کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو بتایا کہ قریش کی بدعہدی کی وجہ سے اُن کو کس قدر نقصان پہنچا ہے۔ (السیرۃ النبویہ ج ۴ ص ۲۶۔۳۱)

بعض مفسرین نے کہا کہ ''اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ'' کا حکم ''فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ''

کے حکم سے منسوخ ہو چکا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ان باقی مشرکین کے ساتھ معاہدۂ امن کیسے درست ہو سکتا ہے جب کہ ان کا یہ حال ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پالیں تو وہ تمہارے متعلق نہ کسی رشتہ کا لحاظ کریں گے اور نہ کسی عہد کا پاس کریں گے، وہ صرف اپنی زبانوں سے تمہیں راضی کرتے ہیں اور اُن کے دل انکار کرتے ہیں اور اُن میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں O'' (التوبہ: ۸)

''كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ'': الزجاج نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ تمہارا معاہدہ کیسے قائم رہ سکتا ہے جب کہ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر یہ تم پر غلبہ پالیں تو وہ تمہارا لحاظ نہیں کریں گے۔

''لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ'': اس کی تفسیر میں تین قول ہیں: (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ تمہاری حفاظت نہیں کریں گے (۲) السدی نے کہا: یہ تم سے نہیں ڈریں گے (۳) قُطرب نے کہا: تمہاری رعایت نہیں کریں گے۔

''اِلًّا'': اَلاِلّ کی تفسیر میں پانچ اقوال ہیں: (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد رشتہ داری ہے۔ الضحاک، السدی، مقاتل اور الفرّاء کا بھی یہی قول ہے (۲) حسن بصری نے کہا: اس سے مراد پڑوس اور ہمسائیگی ہے (۳) ابن نجیح نے مجاہد سے روایت کی کہ اس سے مراد اللہ عزوجل ہیں، عکرمہ کا بھی یہی قول ہے (۴) خُصیف نے مجاہد سے روایت کی: اس سے مراد العھد ہے، ابن زید اور امام ابو عبیدہ کا بھی یہی قول ہے (۵) قتادہ نے کہا: اس سے مراد حلف ہے۔

''وَلَا ذِمَّةً'' ذمہ کی تفسیر میں دو قول ہیں: (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد العَھد ہے۔ (۲) الیزیدی نے کہا: اس سے مراد امان ہے۔

''يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ'': اس کی تفسیر میں تین قول ہیں: (۱) وہ اپنے مونہوں سے تم سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرنے کا اقرار کرتے ہیں اور اُن کا دل منکر ہوتا ہے (۲) وہ اپنے مونہوں سے ایمان لانے کا وعدہ کرتے ہیں اور اُن کا دل صرف شرک پر قائم ہوتا ہے (۳) وہ اپنے مونہوں سے تمہاری اطاعت کرنے کا وعدہ کرتے ہیں اور اُن کا دل انکار کر کے صرف نافرمانی پر برقرار رہتا ہے، یہ تینوں اقوال الماوردی نے ذکر کیے ہیں۔

''وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ O'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان میں سے اکثر نافرمان ہیں، صدق سے خالی ہیں اور عہد شکن ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ان لوگوں نے اللہ کی آیتوں کے معاوضہ میں ارزاں قیمت وصول کی، پھر انہوں نے لوگوں کو اللہ کے دین کے راستہ سے روکا، بے شک وہ بہت برے کام کرتے رہے ہیں O'' (التوبہ: ۹)

''اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا'': اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں: (۱) مجاہد نے کہا کہ جن لوگوں کو ابوسفیان نے کھانے پر جمع کیا تھا (۲) ابو صالح نے کہا: یہ لوگ یہود ہیں۔ پہلی تفسیر کے مطابق ''آیات اللہ'' سے مراد اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ دلائل توحید ہیں

جس کے خلاف ان کفار نے ارزاں قیمت وصول کی، یعنی صرف کھانے کے عوض غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے لیے لڑنے پر آمادہ ہوئے۔ اور دوسری تفسیر کے مطابق ''آیات اللہ'' سے مراد تورات کی آیات ہیں، اور ارزاں قیمت سے مراد وہ ہے جو انہوں نے تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق پر مبنی تورات کی آیتوں کو چھپانے کا معاوضہ لیا۔ اس معاوضہ کو قلیل فرمانے کی دو وجہیں ہیں: (١) ایک یہ کہ یہ معاوضہ حرام ہے اور حرام قلیل ہوتا ہے، (٢) دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ معاوضہ دنیا کا سامان ہے جس کی بقاء بہت کم ہے۔

''فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ'': اس کی تفسیر میں تین اقوال ہیں: (١) انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ کے دن مکہ میں داخل ہونے سے منع کیا (٢) انہوں نے لوگوں کو اللہ کے دین میں داخل ہونے سے روکا (٣) ان لوگوں نے معاہدہ شکنی کی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ لوگ کسی مومن کے متعلق نہ رشتہ کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ کسی عہد کا پاس کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو حد سے تجاوز کرنے والے ہیں O'' (التوبہ: ١٠)

''لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ O'': اس آیت کی تفسیر گزر چکی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر اگر یہ مشرکین توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں، اور ہم علم کے طلب گاروں کے لیے اپنی آیات کھول کھول کر بیان فرماتے ہیں O'' (التوبہ: ١١)

''فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ O'': اس آیت کی تفسیر التوبہ: ٥ میں گزر چکی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر وہ مشرکین معاہدہ کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر طعنہ زن ہوں تو تم صنادید کفار کے خلاف اس امید کے ساتھ جہاد کرو کہ شاید وہ باز آ جائیں، بے شک ان کی کھائی ہوئی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے O'' (التوبہ: ١٢)

''وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ یہ آیت ابوسفیان بن حرب، الحارث بن ہشام، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل کے متعلق نازل ہوئی، یہ سب قریش کے وہ سردار تھے جنہوں نے عہد شکنی کر کے خزاعہ کے خلاف بنوبکر کی مدد کی اور خزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ وہ اُن کی طرف جائیں اور خزاعہ کی مدد کریں اور بنوبکر وہ تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے وطن سے نکالنے کا ارادہ کیا تھا، اس آیت میں ''النکث'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: نقض، اور ایمان سے مراد العہود ہیں۔ اور ''طعن فی الدین'' سے مراد یہ ہے کہ دینِ اسلام کی مذمت کی گئی، اور جب کوئی ذمی دینِ اسلام کی مذمت کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ ذمی سے یہ عہد لیا جاتا ہے کہ وہ دینِ اسلام میں طعنہ نہیں دے گا۔

''فَقَاتِلُوْۤا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ'': سے مراد صنادید قریش اور مشرکین کے سردار ہیں۔ ''اِنَّهُمْ لَاۤ اَیْمَانَ لَهُمْ'': یعنی اُن کو امان نہیں دی جائے گی، اور اس کا معنی ہے کہ اُن کی عہد شکنی کی وجہ سے اُن کو دی ہوئی امان باطل ہو گئی۔ ''لَعَلَّهُمْ یَنْتَهُوْنَ'': اس کی تفسیر میں دو قول ہیں: (۱) ایک یہ کہ شاید وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں (۲) دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ عہد شکنی سے باز آ جائیں۔ اور لَعَلَّ کی تفسیر میں دو قول ہیں: (۱) الزجاج نے کہا: یہ امید رکھی جائے کہ وہ عہد شکنی سے باز آ جائیں گے (۲) اور ابو سلیمان الدمشقی نے کہا کہ ''لَعَلَّ'' تعلیل کے لیے ہے، یعنی تا کہ وہ عہد شکنی سے باز آ جائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) تم اُن لوگوں کے خلاف کیونکر جہاد نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی پکّی قسمیں کھا کر توڑ دیں اور رسولِ مکرّم کو اُن کے وطن سے نکالنے کا ارادہ کیا! جب کہ انہوں نے ہی تمہارے خلاف جنگ کی ابتداء کی تھی، کیا تم اُن سے ڈر رہے ہو حالانکہ اللہ اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ تم اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہو O'' (التوبہ: ۱۳)

''اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْۤا اَیْمَانَهُمْ'': الزجاج نے کہا: یہ ارشاد بہ طورِ زجر و توبیخ ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو کفار کے خلاف لڑنے پر برانگیختہ کیا جائے، مفسرین نے کہا کہ جب کفارِ قریش نے ایامِ حدیبیہ (۶ ہجری) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیے ہوئے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور اور خزاعہ کے خلاف بنو بکر کی مدد کی۔

''وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ'': اس کی تفسیر میں دو قول ہیں: (۱) ابو سفیان نے مشرکین کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ سے نکالنے کا ارادہ کیا (۲) یہود کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیے ہوئے عہد کی خلاف ورزی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ سے نکالنے کے لیے منافقین کی مدد کی۔ ''وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ'': اس کی تفسیر میں بھی دو قول ہیں: (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اے مسلمانو! انہوں نے تمہارے حلیفوں کے خلاف اُن کے مخالفین کی مدد کی (۲) مقاتل نے کہا: انہوں نے بدر میں مسلمانوں سے لڑنے کی ابتداء کی۔ ''اَتَخْشَوْنَهُمْ'': کیا تمہیں یہ ڈر ہے کہ تم دشمنوں سے لڑو گے تو تمہیں کوئی آفت پہنچے گی؟ ''فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ'': تمہیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے زیادہ ڈرو اگر تم اللہ تعالیٰ کے عذاب اور ثواب کی تصدیق کرتے ہو تو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''تم اُن سے لڑتے رہو، اللہ تمہارے ہاتھوں سے اُن کو سزا دلوائیں گے اور اُن کو رسوا فرمائیں گے اور اُن کے مقابلہ میں تمہاری مدد فرمائیں گے اور مومنوں کے سینوں میں شفا عطا فرمائیں گے O'' (التوبہ: ۱۴)

''وَیَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: یعنی خزاعہ کے کلیجے ٹھنڈے ہو جائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اُن کے دلوں کے غیظ و غضب کو دور فرما دیں گے اور اللہ جس کی چاہتے ہیں توبہ قبول فرماتے ہیں، اور اللہ سب کچھ جاننے والے ہیں اور سب سے زیادہ حکمت والے ہیں O'' (التوبہ: ۱۵)

''وَیُذۡهِبۡ غَیۡظَ قُلُوۡبِهِمۡ'': یعنی خزاعہ کے دلوں میں قریش کے خلاف جو غم وغصہ تھا کہ انہوں نے بنو بکر کی مدد کی ہے وہ غم وغصہ جاتا رہے گا۔ ''وَیَتُوۡبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ'': الزجاج نے کہا: آیت کا یہ حصہ قاتلوھم کا جواب نہیں ہے بلکہ نیا جملہ ہے، اور اس کی تفسیر میں دو قول ہیں: (۱) عکرمہ نے کہا: اللہ تعالیٰ بنوخزاعہ میں سے جن کی چاہیں گے توبہ قبول فرمائیں گے (۲) عکرمہ اور سُہیل نے کہا: یہ آیت تمام مشرکین کے حق میں عام ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کی توبہ قبول فرمائی تھی۔

''وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌ'': اللہ تعالیٰ مومنین کی نیات کو خوب جاننے والے ہیں۔ ''حَکِیۡمٌ'': اللہ عزوجل جو فیصلہ فرماتے ہیں وہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ تم کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے اُن کو ظاہر نہیں فرمایا جنہوں نے تم میں سے (واقعی) جہاد کیا اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو محرمِ راز نہیں بنایا، اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خوب خبر رکھنے والے ہیں O''

(التوبہ: ۱۶)

''اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَکُوۡا'': اس آیت کے مخاطبین کے متعلق دو قول ہیں: (۱) اس آیت میں اُن بعض مومنین سے خطاب فرمایا ہے جنہیں کفار سے لڑنا دشوار معلوم ہوتا تھا (۲) اس کے مخاطب منافقین ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جہاد کے لیے نکلنے کے متعلق عذر پیش کرتے تھے، اس آیت کے شروع میں ''اَمۡ حَسِبۡتُمۡ'' سے استفہام فرمایا ہے اور یہ اس لئے فرمایا تاکہ صادق، کاذب سے ممتاز ہوجائے۔ ''وَلَمَّا یَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡکُمۡ'': ابھی تک اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر نہیں فرمایا کہ تم میں سے کون لوگ جہاد کریں گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اس غیب کا ہمیشہ سے علم ہے۔ ''وَلِیۡجَةً'': ابنِ قتیبہ نے کہا: اس کا معنی ہے: غیر مسلموں کو ہم راز بنانا۔ (زاد المسیر فی علم التفسیر ج ۲ ص ۲۴۳-۲۴۲، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

مَا کَانَ لِلۡمُشۡرِکِیۡنَ اَنۡ یَّعۡمُرُوۡا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡفُسِهِمۡ بِالۡکُفۡرِ ؕ اُولٰٓئِکَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ ۚۖ وَفِی النَّارِ هُمۡ خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۷﴾

مشرکین کے لیے اللہ کی مساجد کی تعمیر کرنا جائز نہیں ہے جب کہ وہ اپنی جانوں پر کفر کی شہادت دینے والے ہوں، یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے تمام اعمال ضائع ہو گئے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں O

اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّکٰوةَ وَلَمۡ یَخۡشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤی اُولٰٓئِکَ اَنۡ یَّکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُهۡتَدِیۡنَ ﴿۱۸﴾

اللہ کی مساجد کی تعمیر کرنا اُن ہی لوگوں کے لیے جائز ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، پس عنقریب وہی لوگ ہدایت یافتہ ہوں گے O

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا يَسْتَوُونَ عِندَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٩﴾

(اے مسلمانو!) کیا تم نے حجاج کو پانی پلانے اور مسجدِ حرام کی تعمیر کرنے والوں کو اس شخص کے برابر قرار دیا ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اللہ کے نزدیک یہ دونوں برابر نہیں ہیں، اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں عطا فرماتا O

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللَّهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٢٠﴾

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے (اسلام کی راہ میں) ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا، اللہ کے نزدیک اُن کا درجہ بہت بڑا ہے اور وہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں O

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿٢١﴾

اُن کے رب انہیں اپنی رحمت اور اپنی رضامندی اور اُن جنتوں کی خوش خبری سناتے ہیں جن میں اُن کے لیے دائمی نعمتیں ہیں O

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٢٢﴾

وہ اُن جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، بے شک اللہ ہی کے پاس اجرِ عظیم ہے O

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾

اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ دادا اور بھائی ایمان کے بالمقابل کفر سے محبت رکھیں تو اُن سے دوستی نہ رکھو، اور تم میں سے جو لوگ اُن سے دوستی رکھیں گے سو وہی لوگ ظالم ہیں O

قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٤﴾ ع

(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے رشتہ دار اور تمہارے وہ اموال جو تم نے حاصل کیے ہیں اور تمہارا وہ کاروبار جس کے نقصان سے تم خوف زدہ ہو اور تمہارے وہ مکان جو تم کو پسند ہیں اگر (یہ سب) تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہوں تو انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ اپنے حکم سے عذاب نازل فرمادیں، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت عطا نہیں فرماتے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''مشرکین کے لیے اللہ کی مساجد کی تعمیر کرنا جائز نہیں ہے جب کہ وہ اپنی جانوں پر کفر کی شہادت دینے والے ہوں، یہ وہ لوگ ہیں کہ اِن کے تمام اعمال ضائع ہو گئے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں O'' (التوبہ:۱۷)

التوبہ:۱۷ کا شانِ نزول

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ ھ، التوبہ ۱۷ تا ۲۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰہِ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: جب عباس بن عبدالمطلب کو بدر کے دن قید کرلیا گیا تو مسلمانوں نے ان کے کفر کرنے اور رحم کے رشتے قطع کرنے پر طعنہ دیا اور مولا علی رضی اللہ عنہ نے اُن سے سخت بات کہی، تب عباس بن عبدالمطلب نے کہا: کیا وجہ ہے کہ تم ہماری برائیوں کا ذکر کرتے ہو اور ہماری نیکیوں کا ذکر نہیں کرتے؟ مولا علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تمہاری بھی کوئی نیکی ہے؟ عباس بن عبدالمطلب نے کہا: ہم مسجدِ حرام کی تعمیر کرتے ہیں، ہم خانہ کعبہ پر غلاف ڈالتے ہیں اور ہم حجاج کو پانی پلاتے ہیں، تب اللہ عزوجل نے عباس بن عبدالمطلب کا رد کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی: ''مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰہِ''۔ یعنی مشرکین کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مساجد کی تعمیر کریں، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر یہ واجب فرمادیا کہ وہ مشرکین کو اللہ کی مساجد کی تعمیر کرنے سے منع کریں، کیونکہ مساجد کی تعمیر صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لیے کی جاتی ہے، پس جو شخص اللہ عزوجل کی عبادت میں بتوں کو شریک کرتا ہو، اس کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مساجد کی تعمیر کرے۔

تعمیرِ مسجد کے محامل

پھر مفسرین کی ایک جماعت نے کہا: اس آیت میں تعمیر سے مراد معروف تعمیر ہے یعنی مسجد کو بنانا اور مسجد اگر شکستہ ہوجائے تو اس کی مرمت کرنا، لہٰذا کافر کو اس تعمیر سے منع کیا جائے گا حتیٰ کہ اگر اس نے مرتے وقت تعمیرِ مسجد کی وصیت کی ہو تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ اور دوسرے مفسرین نے کہا کہ تعمیر سے مراد یہاں مسجد میں داخل ہونا اور مسجد میں بیٹھنا ہے، حسن بصری نے کہا کہ مشرکین کو چھوڑنا جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ بھی مسجدِ حرام کے اہل ہوجائیں۔

''مَسٰجِدَ اللّٰہِ'' کا مصداق

اس آیت میں ''مَسٰجِدَ اللّٰہِ'' فرمایا ہے اور اس سے مراد مسجدِ حرام ہے، کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ

الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ...(التوبہ:١٩)''((اے مسلمانو!) کیا تم نے حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی تعمیر کرنے والوں کو اس شخص کے برابر قرار دیا ہے)۔ نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا...(التوبہ:٢٨)''(اے ایمان والو! مشرک صرف ناپاک ہیں، سو اس سال (٩ ہجری) کے بعد مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ آنے پائیں)۔

اور دوسرے مفسرین نے کہا: ''مَسٰجِدَ اللّٰهِ'' میں جمع کے صیغہ کا اطلاق فرمایا ہے اور اس سے مراد بھی مسجد حرام ہے۔ حسن بصری نے کہا: مساجد کا اطلاق اس لیے فرمایا ہے کہ مسجد حرام تمام مساجد کا قبلہ ہے۔

''شٰهِدِیْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ'': حسن بصری نے کہا: مشرکین یہ نہیں کہتے تھے کہ ہم کافر ہیں لیکن اُن کا کلام اُن کے کفر کی شہادت دیتا تھا، الضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کر کے کہا کہ مشرکین کا بتوں کو سجدہ کرنا ہی اُن کا اپنے نفسوں پر کفر کی شہادت دینا ہے، کیونکہ کفارِ قریش نے اپنے بتوں کو مسجد حرام سے باہر نصب کیا تھا اور وہ برہنہ بیت اللہ کا طواف کرتے تھے اور جب بھی طواف کا ایک چکر پورا کرتے تو اپنے بتوں کو سجدہ کرتے اور اپنے اس عمل سے وہ اللہ تعالیٰ سے اور زیادہ دور ہو جاتے۔ اور السدی نے کہا ہے کہ اُن کا اپنے نفسوں پر کفر کی شہادت دینا یہ ہے کہ جب نصرانی سے سوال کیا جاتا تم کون ہو؟ تو وہ کہتا کہ ''میں نصرانی ہوں''، اور جب یہودی سے سوال کیا جاتا کہ تم کون ہو؟ تو وہ کہتا کہ ''میں یہودی ہوں''، اور مشرک سے سوال کیا جاتا کہ تم کون ہو؟ تو وہ کہتا کہ ''میں مشرک ہوں''۔

''اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ'': اُن کے اعمال اس لیے ضائع فرما دیئے گئے کہ وہ اللہ عزوجل کے غیر کی خوشنودی کے لیے عمل کرتے تھے۔ ''وَ فِی النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۞'': اسی وجہ سے وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ کی مساجد کی تعمیر کرنا اُن ہی لوگوں کے لیے جائز ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، پس عنقریب وہی لوگ ہدایت یافتہ ہوں گے O''(التوبہ:١٨)

''اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ'': یعنی جو شخص دین کے معاملات میں اللہ کے غیر سے نہ ڈرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے اور جس کام سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہو اس سے رکنے میں کسی سے نہ ڈرتا ہو۔ ''فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ یَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ۞'': مُھتدون سے مراد یہ ہے کہ جو اللہ عزوجل کی اطاعت پر دوام کرتے ہوں، اور ان کا یہ عمل انہیں جنت کی طرف لے جائے گا۔

تعمیرِ مسجد کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی مرد کو دیکھو کہ وہ مسجد کی حفاظت کرتا ہے اور اس کی مرمت کرتا ہے تو اس کے مومن ہونے کی گواہی دو، کیونکہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کی مساجد کی تعمیر کرنا اُن ہی لوگوں کے لیے جائز ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے سوا

کسی سے نہیں ڈرتے، پس عنقریب وہی لوگ ہدایت یافتہ ہوں گے"۔

(سنن ترمذی:۲۶۱۷،۲۶۲۶، ۳۰۹۳، سنن ابن ماجہ:۸۰۲، مسند احمد:۱۱۶۵۱، سنن دارمی: ج ا ص ۲۷۸، صحیح ابن حبان:۱۷۲۱، سنن بیہقی ج ۳ ص ۶۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص صبح مسجد میں گیا یا شام کو مسجد میں گیا، اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی مہمانی تیار فرمائیں گے، جب بھی وہ صبح یا شام کو گیا۔ (صحیح البخاری:۶۶۲، صحیح مسلم:۶۶۹، الرقم المسلسل:۱۴۹۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۳۱۷، صحیح ابن خزیمہ:۱۴۹۶، صحیح ابن حبان:۲۰۳۷، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۲۹، سنن بیہقی ج ۳ ص ۶۲، شرح السنۃ:۴۶۷، مسند احمد:۱۰۶۰۸، موسسۃ الرسالہ، بیروت، جامع المسانید لابن الجوزی:۵۱۸۴، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۶ھ)

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف ج ۱۷ ص ۲۶۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد بنائی اور لوگوں نے ان پر اعتراض کیے تو انہوں نے فرمایا: بے شک تم نے بہت اعتراض کیے ہیں اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے مسجد بنائی، بکیر نے کہا کہ میرا گمان ہے کہ انہوں نے فرمایا: اور وہ مسجد بنانے سے اللہ کی رضا طلب کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں اس کی مثل بنادیں گے۔

(صحیح البخاری:۴۵۰، صحیح مسلم:۵۳۳، الرقم المسلسل:۱۱۶۹، سنن ترمذی:۳۱۸، سنن ابن ماجہ:۷۳۶، صحیح ابن خزیمہ:۱۲۹۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۱۰، مسند احمد: ج ا ص ۴۸۹، موسسۃ الرسالہ، بیروت، جامع المسانید لابن الجوزی:۵۲۱۷، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۶ھ)

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف ج ۱۷ ص ۲۶۶، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

علامہ شیخ عبداللہ بن حجازی الشرقاوی الشافعی المتوفی ۱۲۲۷ھ صحیح البخاری:۴۵۰ کی شرح میں لکھتے ہیں:

عند قول الناس فیه: جب ۳۰ ہجری میں لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مسجد کی توسیع کرنے پر اور اس کو پختہ بنانے پر اعتراض کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے میرے اس فعل پر بہت انکار کیا ہے حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ جس نے مسجد کو بنایا خواہ اس نے بڑی مسجد بنائی ہو یا چھوٹی مسجد بنائی ہو، خواہ اس نے چڑیا کے گھونسلے کے برابر یا اس سے بھی چھوٹی مسجد بنائی ہو جیسا کہ امام ابن خزیمہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اور یہ معلوم ہے کہ اتنی چھوٹی مسجد نماز پڑھنے کے لیے کافی نہیں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مبالغہ پر محمول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے اور مسجد بنانے سے مراد مسجد میں اضافہ کرنا ہے، یعنی جس نے مسجد میں چڑیا کے گھونسلے جتنا بھی اضافہ کیا ہو۔ یا مسجد سے مراد سجدہ کی جگہ ہے یعنی اتنی جگہ جو پیشانی رکھنے کے لیے کافی ہو، لیکن حدیث میں "بنی" کا لفظ ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حقیقتاً مسجد کو بنانا مراد ہے یا کہا جائے کہ یہ اطلاقِ مجازی ہے۔ اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ ہم نے مسافروں کے راستہ میں بہ کثرت مساجد دیکھی ہیں جن کا مونہہ قبلہ کی طرف ہوتا ہے اور وہ مساجد بہت چھوٹی ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چڑیا کے گھونسلوں سے مراد مسجد کی محراب ہے اور یہ قول اس لیے صحیح نہیں ہے کہ جو محراب اب معروف ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں نہیں بنائی جاتی تھی۔

من بنی مسجدا یبتغی به وجه الله: یعنی جس نے اللہ عزوجل کی رضا کے لیے مسجد بنائی نہ دکھاوے کے لیے نہ سنانے کے لیے، گویا اخلاص سے مسجد بنائی۔ علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے: جس نے مسجد بنائی اور اس پر اپنا نام لکھ دیا تو یہ اخلاص سے بعید ہے۔

مساجد پر مساجد بنانے والوں کے شخصی نام رکھنے کی تحقیق

(میں کہتا ہوں: جیسے کراچی میں میمنوں نے بہت بڑی جامع مسجد بنائی اور اس کا نام میمن مسجد رکھ دیا، یا جیسے لسبیلہ کراچی کے مضافات میں ایک مسجد ہے جس کا نام مسجد بلوچ ہے، جیسے عزیز آباد کراچی میں ایک مسجد ہے جس کا نام مسجد الماس ہے، جیسے ٹھٹھہ کی جامع مسجد کا نام شاہجہاں مسجد ہے اور لاہور کی ایک بڑی جامع مسجد کا نام بادشاہی مسجد ہے، اور اسلام آباد کی فیصل مسجد ہے، اسی طرح مسجد النعمان، مسجد غوثیہ، مسجد ابوبکر صدیق، مسجد عمر فاروق، مسجد عثمان غنی، مسجد علی حیدر کرار، جامع مسجد المنیب، جامع مسجد نعیمی اور اس طرح کی دوسری مساجد ہیں جن پر شخصی نام لکھے جاتے ہیں) علامہ ابن الجوزی کی تصریح کے مطابق مساجد پر بنانے والوں کے نام لکھنا اخلاص سے بعید ہے۔

تاہم مساجد پر بنانے والوں کا نام لکھنا صرف اخلاص سے بعید ہے اور بنانے والوں کا نام لکھنا حرام یا مکروہ نہیں ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ خلافِ اولیٰ ہے، کیونکہ احادیث میں متعدد مساجد پر بنانے والوں کا نام لکھنا ثابت ہے:

احادیث میں مسجد زریق کا ذکر ہے (صحیح البخاری: ۴۲۰، مسند احمد: ۷۰ ۹۶، سنن دارمی: ۲۶۱۹)، اور مسجد بنو سلمہ کا ذکر ہے (مصنف ابن ابی شیبہ: ۷۰۶۲۳، تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۱ ص ۷ ۱۴، مختصر تفسیر ابن کثیر: ۱۴۲)، اور مسجد بنی ہلال ہے (مسند احمد: ۵۵۷۰)، اور مسجد بنو قریظہ ہے (مسند احمد: ۵۶۰۲)، اور مسجد الخیف ہے (مسند احمد ۲۴۰ ۷)، اور مسجد بنو عمرو بن عوف ہے (سنن دارمی: ۱۴۹۸)، اور مسجد بنی عبد الاشہل ہے (تاریخ المدینہ لابن شبہ ج ۱ ص ۶۶)، اور مسجد بنو عمرو ہے (مراسیل لابن داؤد، رقم الحدیث: ۱۵)، اور مسجد بنو معاویہ ہے (صحیح ابن خزیمہ: ۱۲۱۱)، اور مسجد الاعراف ہے (فتح الباری لابن رجب ج ۲ ص ۳۳۴)، اور مسجد بنو عبید ہے (فتح الباری لابن رجب ج ۳ ص ۳۱۶)۔

مسجد بنوزُریق نام رکھنے کے متعلق شرّاحِ حدیث کی نقول

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۴۲۰ کا عنوان ہے "هل يقال مسجد بنی فلاں؟" (کیا یہ کہنا جائز ہے کہ یہ بنوفلاں کی مسجد ہے؟)، کیونکہ اس باب کی حدیث میں مسجدِ بنوزُریق کا ذکر ہے، جن کا تعلق انصار سے تھا، اور اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مسجد کی اضافت اس کے بنانے والے کی طرف کرنا یا اُس مسجد میں نماز پڑھنے والے کی طرف کرنا جائز ہے، اور اسی کے ساتھ یہ لاحق ہے کہ نیک کاموں کی اضافت اُن کے کرنے والوں کی طرف کرنا جائز ہے۔ امام بخاری نے اس باب کا عنوان لفظِ استفہام کے ساتھ ذکر کیا ہے تاکہ اس پر متنبہ کریں کہ اس میں دوسرا احتمال بھی ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ بنوزُریق کا نام رکھنے کی خود تعلیم دی ہو اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد کی اضافت بنوزُریق کی طرف ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ نام آپ کی وفات کے بعد رکھا گیا ہو، اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں اُس مسجد کا نام بنوزُریق رکھا گیا۔ اور جمہور کے نزدیک مسجد کی طرف اُس کے بنانے والے کی نسبت کرنا جائز ہے، اس مسئلہ میں فقیہ ابراہیم النخعی نے مخالفت کی ہے، کیونکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت ہے کہ وہ اس کو مکروہ قرار دیتے تھے کہ یہ کہا جائے کہ یہ بنوفلاں کی مسجد ہے یا بنوفلاں کے نماز پڑھنے کی جگہ ہے، کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَّاَنَّ الۡمَسٰجِدَ لِلّٰهِ ... (الجن: ۱۸)" (اور مساجد اللہ کی ملکیت ہیں)۔ اور اِس استدلال کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی مثالوں میں اضافت تمیز اور ایک مسجد کو دوسری مسجد سے ممتاز کرنے کے لیے ہوتی ہے نہ کہ ملکیت کے لیے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۷۴،

دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آیا مسجد کی کسی قبیلہ یا کسی فرد یا اس کے بنانے والے کی طرف نسبت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ابراہیم نخعی یہ کہتے تھے کہ مسجد کی کسی شخص کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں، کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''وَ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ ... (الجن:۱۸)'' (اور مساجد اللہ کی ملکیت ہیں)۔ اس باب کی احادیث ان کا رد کرتی ہیں اور آیت کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف مساجد کی اضافت حقیقی ہے اور اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف مساجد کی اضافت عرفی ہے، جو ایک مسجد کو دوسری مسجد سے ممتاز کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۲۳۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ شیخ عبداللہ بن حجازی الشرقاوی الشافعی المتوفی ۱۲۲۷ھ صحیح البخاری: ۴۲۰ کی شرح میں لکھتے ہیں:

الی مسجد بنو زُریق: اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ بنو فلاں کی مسجد ہے، اور یہ اضافت تمیز کے لیے ہے نہ کہ ملکیت کے لیے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کہنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ ... (الجن:۱۸)'' (اور مساجد اللہ کی ملکیت ہیں)۔ اور اس استدلال کو رد کر دیا گیا ہے، کیونکہ الجن: ۱۸ میں اضافت حقیقتاً ہے، اور یہ مجازاً دوسروں کی طرف اضافت کرنے کے منافی نہیں ہے۔ اور یہ اضافت تمیز کے لیے اور ایک مسجد کی پہچان کرانے کے لیے ہے۔

(فتح المبدی بشرح مختصر الزبیدی ج ۱ ص ۳۳۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء)

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ مسجد کا نام کسی مخلوق کے نام پر نہ رکھا جائے۔ تاہم اگر کسی کے نام پر مسجد کا نام رکھا جائے تو مذکورہ احادیث کی بناء پر جائز ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

مسجد بنانے کی فضیلت کا تتمہ

بنی اللہ لہ مثلہ فی الجنۃ: یعنی جنت میں اُس کے لیے اتنا وسیع گھر بنا دیا جائے گا۔ اور امام احمد نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ ''جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس سے زیادہ وسیع جنت میں گھر بنا دیں گے''۔ (فتح المبدی بشرح مختصر الزبیدی ج ۱ ص ۳۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء)

مسجد بنانے کی فضیلت میں فقہاء کے اقوال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

مساجد اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مساجد کی اپنی طرف اضافت فرمائی ہے، قرآن مجید میں ہے: ''اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ... (التوبہ:۱۸)'' (اللہ کی مساجد کی تعمیر کرنا اُن ہی لوگوں کے لیے جائز ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں)۔ اور درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے مساجد پر گھروں کا اطلاق فرمایا ہے:

''فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَ یُذۡکَرَ فِیۡهَا اسۡمُهٗ ... (النور:۳۶)'' (جن گھروں کو بلند کرنے کا حکم اللہ نے فرمایا ہے اور ان میں اس کے نام کے ذکر کرنے کا حکم فرمایا ہے)۔

پس مسجد دنیا میں سب سے افضل گھر ہے اور زمین کا سب سے عمدہ قطعہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے مسجد بنانے والوں کو یہ فضیلت عطا فرمائی ہے کہ وہ اس کے لیے جنت میں محل بنادیں گے اور جب تک مسجد میں اللہ کا ذکر کیا جاتا رہے گا اور اس کے لیے نماز پڑھی جاتی رہے گی، اس کا اجر وثواب مسجد بنانے والے کے لیے اس کی زندگی میں بھی لکھا جاتا رہے گا اور اس کی موت کے بعد بھی لکھا جاتا رہے گا اور مسجد بنانے کا وہ اجر ہے، جو اس کے عمل کی جنس سے دیا جاتا رہے گا۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۲۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

مسجد نبوی کی دوبارہ تعمیر پر لوگوں کے اعتراضات اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جوابات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت محمود بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی بنانے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے اس کو ناپسند کیا، ان کی خواہش تھی کہ مسجد کو اس کی حالت پر رہنے دیا جائے۔ (صحیح مسلم: ۵۳۳، الرقم المسلسل: ۱۱۷۰)

یعنی جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسجد تھی، اس کو اسی حالت میں رہنے دیا جائے، امام بغوی نے ''شرح السنہ'' میں کہا ہے: شاید صحابہ نے اس لیے ناپسند کیا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نقش ونگار والے پتھروں سے مسجد بنا رہے تھے، انہوں نے محض مسجد کی توسیع کرنے کو ناپسند نہیں کیا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد کی توسیع نقش ونگار والے پتھروں سے کی تھی اور اس کو مزین بھی کیا تھا۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۹۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مسجد بنانے کی فضیلت میں دیگر احادیث

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے: جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنادیتے ہیں۔ (سنن ترمذی: ۳۱۹)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خواہ وہ مسجد پرندے کے گھونسلے جتنی ہو یا اس سے چھوٹی ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنادیتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: ۷۳۸)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) کیا تم نے حجاج کو پانی پلانے اور مسجدِ حرام کی تعمیر کرنے والوں کو اس شخص کے برابر قرار دیا ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اللہ کے نزدیک یہ دونوں برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں عطا فرماتے ○'' (التوبہ: ۱۹)

''اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑲ '':

حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس تھا تو ایک مرد نے کہا کہ اگر میں اسلام لانے کے بعد کوئی اور نیک عمل نہ کروں تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں جب کہ میں حجاج کو پانی پلاتا ہوں، اور دوسرے نے کہا: کہ میں اسلام لانے کے بعد کوئی اور نیک عمل نہ کروں تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کیونکہ میں مسجدِ حرام کی تعمیر کرتا ہوں، اور تیسرے

نے کہا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ان تمام عبادات سے افضل ہے جو تم نے بیان کی ہیں۔تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر کے پاس اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو، اور یہ جمعہ کا دن تھا، لیکن جب میں نے جمعہ کی نماز پڑھ لی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس معاملہ کے متعلق دریافت کیا جس میں تم بحث کر رہے ہو تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

''اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۞۔۔۔(التوبہ:۱۹)''۔(صحیح مسلم:۱۸۷۹،الرقم المسلسل:۴۸۴۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانی کی سبیل پر آئے، آپ نے پانی مانگا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے فضل! اپنی امی کے پاس جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ان کے پاس سے پانی لاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے (اسی سے) پانی پلاؤ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! لوگ اس پانی میں اپنے ہاتھ ڈال رہے ہیں، آپ نے فرمایا: مجھے اسی میں سے پلاؤ، آپ نے اس سبیل سے پانی پیا، پھر آپ زمزم پر آئے، وہاں لوگ کنویں سے پانی کھینچ کھینچ کر نکال رہے تھے، آپ نے فرمایا: تم یہ عمل کرتے رہو، تم نیک عمل کر رہے ہو، پھر فرمایا: اگر مجھے خطرہ نہ ہوتا کہ تم مغلوب ہو جاؤ گے تو میں (اونٹ سے) اترتا اور کندھے پر رسی رکھ کر پانی کھینچتا، آپ نے اپنے کندھے کی طرف اشارہ کیا۔ (صحیح البخاری:۱۶۳۵)

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف ج ۳ ص ۱۵۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام سبیل سے پانی پینا، صدقاتِ نفلیہ کا آپ پر حرام نہ ہونا، اشیاء میں طہارت کا اصل ہونا اور دیگر مسائل

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی متوفی ۳۸۸ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال شرعیہ وجوب پر دلالت کرتے ہیں، سوا ان افعال کے جن کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت پر شفقت کی وجہ سے کبھی کبھی ترک بھی کر دیں، جس طرح آپ نے زمزم کے کنویں سے پانی نکالنے کو ترک کر دیا۔

عطاء نے کہا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی سبیل سے پانی پینا حج کے اتمام سے ہے، یہ سبیل کعبہ کے صحن میں پانی کا حوض تھا جس میں کشمش یا کھجوریں ڈال دی جاتی تھیں، اور اس حدیث میں نبیذ کو پینے کا جواز ہے اور یہ امام ابوحنیفہ کے مذہب کی تائید ہے۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو زمزم سے پانی پیا، یا تو آپ نے کعبہ کے مال کے خمس میں سے پیا تھا، یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اس مال سے پیا تھا جس کو انہوں نے غنی اور فقیر دونوں کے لیے وقف کر دیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سے اس لیے پیا تھا تاکہ آپ کی امت کے لیے آسانی ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمزم کا پانی پیا تاکہ اس پر دلیل ہو کہ پانی کا طلب کرنا جائز ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکریم کے لیے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھر سے پانی لا کر پلائیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پیش کش کو مسترد فرما دیا، اس میں یہ دلیل ہے کہ کسی مصلحت کی وجہ سے کسی کی تکریم کے عمل کو مسترد کرنا جائز ہے اور یہاں مصلحت یہ تھی کہ کعبہ کی سبیل سے پانی پینا لوگوں کے لیے سنت ہو جائے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع کا بھی بیان ہے۔ آپ نے چاہا کہ آپ وہیں سے پانی پئیں جہاں سے عام لوگ پانی پی رہے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ تلخ اور ترش نبیذ کا ایک گھونٹ پی کر ماتھے پر شکن ڈالی، اس سے معلوم ہوا کہ کھانے اور پینے کی جو چیز مزاج کے ناموافق ہو، اس کی وجہ سے ماتھے پر شکن ڈالنا جائز ہے۔

پانی کی سبیل میں لوگ اپنے ہاتھ ڈال رہے تھے، اس وجہ سے حضرت عباس نے یہ چاہا کہ آپ اس سبیل سے پانی نہ پئیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سے پانی پیا، اس سے معلوم ہوا کہ پانی میں ہاتھ ڈالنے سے وہ پانی نجس نہیں ہوتا اور اصل پانی میں طہارت ہے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا بیان ہے کہ آپ نے اپنے لیے خصوصی اہتمام کو پسند نہیں فرمایا۔

حجاج کے لیے پانی کی سبیل بنانے میں حج کے لیے آنے والوں کی تکریم کا ثبوت ہے اور اس میں مہمانوں کی عزت افزائی کی دلیل ہے اور نیک کام کرنے کا ثبوت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سبیل سے پانی پیا جس کے پانی کو عام مسلمانوں کے لیے وقف کیا گیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صدقاتِ نفلیہ حرام نہیں ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ٩ ص ٣٩٦۔٣٩٧، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے (اسلام کی راہ میں) ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا، اللہ کے نزدیک اُن کا درجہ بہت بڑا ہے اور وہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں O'' (التوبہ: ٢٠)

''اَعْظَمُ دَرَجَةً'': اُن کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ ''عِنْدَ اللّٰهِ'': اُن لوگوں کی بہ نسبت جنہوں نے حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی تعمیر کرنے پر فخر کیا تھا۔ ''وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفَآىٕزُوْنَ ؀'': یہی لوگ دوزخ سے نجات پانے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُن کے رب انہیں اپنی رحمت اور اپنی رضامندی اور اُن جنتوں کی خوش خبری سناتے ہیں جن میں اُن کے لیے دائمی نعمتیں ہیں O وہ اُن جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، بے شک اللہ ہی کے پاس اجرِ عظیم ہے O (التوبہ: ٢١۔٢٢)''

''یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ ؀ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ؀'': ان دونوں آیات کی تفسیر کئی بار گزر چکی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ دادا اور بھائی ایمان کے بالمقابل کفر سے محبت رکھیں تو اُن سے دوستی نہ رکھو، اور تم میں سے جو لوگ اُن سے دوستی رکھیں گے سو وہی لوگ ظالم ہیں O''

(التوبہ: ٢٣)

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ'':

ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو جن بعض لوگوں کے اہل و عیال اور اُن کی اولاد کا تعلق مکہ کے ساتھ تھا، انہوں نے کہا: ہم آپ کو اللہ کی قسم دیتے ہیں کہ آپ ہمیں

ضائع نہ فرمائیں۔ سو اُن کا دل نرم ہو گیا اور وہ اپنے اہل وعیال اور اولاد کے ساتھ مکہ میں مقیم رہے، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ''۔

مقاتل نے کہا: یہ آیت اُن تین مردوں کے متعلق نازل ہوئی جو دینِ اسلام سے مرتد ہو گئے اور مکہ میں رہے، سو اللہ تعالیٰ نے اُن کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرما دیا اور یہ آیت نازل فرمائی: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ''۔ یعنی تم اِن لوگوں کو اپنا محرمِ راز اور دوست نہ بناؤ، ورنہ یہ تمہارے راز کی باتیں دشمنوں میں پھیلا دیں گے، یہ لوگ مکہ میں قیام کو ہجرت کرنے اور جہاد کرنے پر ترجیح دیتے ہیں۔

''اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ'': ان لوگوں نے کفر پر ایمان کو ترجیح دی، اور جو ان سے دوستی رکھیں گے اور مسلمانوں کی راز کی باتیں لوگوں میں پھیلا دیں گے اور ہجرت اور جہاد پر مکہ میں رہنے کو ترجیح دیں گے۔

''فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝'': سو وہی لوگ ظالم ہیں اور اس وقت صرف ہجرت کرنے والے سے ایمان کو قبول کیا جاتا تھا۔ اور یہی اس آیت کا معنی ہے: ''فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝''۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارا بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے رشتہ دار اور تمہارے وہ اموال جو تم نے حاصل کیے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جس کے نقصان سے تم خوف زدہ ہو اور تمہارے وہ مکان جو تم کو پسند ہیں اگر (یہ سب) تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہوں تو انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ اپنے حکم سے عذاب نازل فرما دیں اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت عطا نہیں فرماتے O'' (التوبہ: ٢٤)

''قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ'': یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم)، جن لوگوں نے ہجرت نہیں کی آپ اُن سے کہیے: اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے رشتہ دار اور تمہارے وہ اموال جو تم نے حاصل کیے ہیں اور تمہارا وہ کاروبار جس کے نقصان سے تم خوف زدہ ہو اور تمہارے وہ مکان جو تم کو پسند ہیں اگر (یہ سب) تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہوں تو انتظار کرو''۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب پہلی آیت نازل ہوئی تو جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور ہجرت نہیں کی تھی، انہوں نے کہا: اگر ہم نے ہجرت کی تو ہمارے اموال ضائع ہو جائیں گے اور ہماری تجارت ختم ہو جائے گی اور ہمارے گھر ویران ہو جائیں گے اور ہمارے رشتے ٹوٹ جائیں گے۔

''فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ'': عطاء نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق فیصلہ فرما دیں اور یہ اُن کو ڈرانے اور دھمکانے کا حکم ہے۔ ''وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝'': اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باہر آ جاتے ہیں۔ (معالم التنزیل ج ٢ ص ٣٢٣-٣٢٨، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ١٤٢٠ھ)

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّ یَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْــٴًـا وَّ ضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۚ﴿۲۵﴾

(اے مسلمانو!) بے شک اللہ نے جہاد کے بہت سے میدانوں میں تمہاری مدد فرمائی اور حنین کے دن بھی جب تم اپنی کثرت کی وجہ سے گھمنڈ میں مبتلا ہو گئے تھے، پھر تمہاری کثرت تمہارے کسی کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم پیٹھ پھیرتے ہوئے واپس پلٹے O

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۶﴾

پھر اللہ نے اپنے رسول اور عام مومنوں پر سکون اور اطمینان نازل فرمایا اور ایسے لشکر نازل فرمائے جو تم نے کبھی نہیں دیکھے تھے اور کفار کو عذاب میں مبتلاء فرمایا، اور یہی کفار کی سزا ہے O

ثُمَّ یَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۷﴾

پھر اس کے بعد جس پر اللہ چاہیں گے اس کی توبہ قبول فرمائیں گے، اور اللہ سب سے زیادہ بخشنے والے، سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں O

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَ اِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۸﴾

اے ایمان والو! مشرک محض نجس ہیں، پس اس سال (۹ ہجری) کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب نہ آنے پائیں، اور اگر تمہیں تنگدستی کا خطرہ ہو تو عنقریب اگر اللہ چاہیں گے تو تمہیں اپنے فضل سے خوش حال بنا دیں گے، بے شک اللہ سب سے زیادہ علم والے، سب سے زیادہ حکمت والے ہیں O

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ۠﴿۲۹﴾

(اے مسلمانو!) اُن لوگوں سے لڑتے رہو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ اُن کاموں کو حرام قرار دیتے ہیں جن کاموں کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام فرما دیا ہے اور برحق دین کو نہیں مانتے، یعنی اُن لوگوں سے لڑتے رہو جن کو (تم سے پہلے) کتاب عطا فرمائی گئی حتیٰ کہ وہ تمہارے ماتحت بن کر اپنے ہاتھ سے (مقرر شدہ) جزیہ ادا کریں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) بے شک اللہ نے جہاد کے بہت سے میدانوں میں تمہاری مدد فرمائی اور حُنین کے دن بھی جب تم اپنی کثرت کی وجہ سے گھمنڈ میں مبتلاء ہو گئے تھے پھر تمہاری کثرت تمہارے کسی کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ پھیرتے ہوئے واپس پلٹےO'' (التوبہ:۲۵)

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، التوبہ: ۲۵ تا ۲۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّ یَوْمَ حُنَیْنٍ'': اس کا سبب یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ''فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۔۔۔ (التوبہ:۵)'' ((اے مسلمانو!) ان مشرکین کو جہاں پاؤ وہیں قتل کر دو اور انہیں گرفتار کر لو اور ان کا محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو)۔ تب اللہ عزوجل نے یہ حکم فرمایا کہ مشرکین کے خلاف لڑو اور اللہ عزوجل پر توکل کرو اور صرف اللہ تعالیٰ سے مدد کو طلب کرو اور اپنی کثرت اور قلت پر اعتماد نہ کرو، کیونکہ مدد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، اور اس کا مصداق یہ آیت ہے ''لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ''۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن تمہاری مدد فرمائی اور بنو قریظہ کے دن تمہاری مدد فرمائی اور خیبر کے دن تمہاری مدد فرمائی اور فتحِ مکہ کے دن تمہاری مدد فرمائی، اور خصوصاً حُنین کے دن تمہاری مدد فرمائی۔

''اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ'': یعنی جب تم اپنی جماعت کی کثرت کی وجہ سے گھمنڈ میں مبتلاء ہو گئے تھے۔

''فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا'': یعنی اللہ تعالیٰ کی قضاء اور اس کی تقدیر کے مقابلہ میں تمہاری کثرت کوئی فائدہ نہ دے سکی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حُنین کے دن بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ مشرکین کے مقابلہ میں نکلے، ان میں سے دس ہزار وہ مسلمان تھے جو مدینہ سے فتح مکہ تک نکلے اور دو ہزار مسلمان اہلِ مکہ سے حنین کے کفار سے مقابلہ کے لیے نکلے، تب مسلمانوں میں سے ایک مرد جس کا نام سلمہ بن سلام تھا، اس نے کہا: آج کے بعد ہم کبھی عدد کی قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے۔ اور اس سے پہلے رمضان کے مہینہ میں مکہ فتح ہو چکا تھا اور ابھی کچھ دن رمضان کے مہینہ کے باقی تھے، پھر آپ ٹھہرے حتیٰ کہ شوال کا مہینہ داخل ہو گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو سُلیم کے ایک مرد کو جاسوس بنا کر بھیجا جن کا نام حضرت عبد اللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ تھا، وہ حنین میں آئے اور وہاں مشرکین کی خبریں سُن رہے تھے، تو انہوں نے مشرکین کے سردار مالک بن عوف سے سنا، وہ اپنے اصحاب سے کہہ رہا تھا: آج تمہاری تعداد چار ہزار ہے، پس جب تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو اُن پر یکبارگی حملہ کر دینا، پس اللہ کی قسم! جب تم چار ہزار تلواروں کے ساتھ حملہ کرو گے تو ضرور تمہیں فتح حاصل ہو گی اور مالک بن عوف ہوازن کا سردار تھا، پس حضرت ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور آپ کو حنین کے سردار کی خبر سنائی، تو مسلمانوں میں سے ایک مرد نے کہا: اللہ

کی قسم یارسول اللہ! آج ہماری اتنی کثرت ہے کہ ہم ہرگز مغلوب نہیں ہوں گے۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان کی یہ بات ناگوار گزری اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کی اس بات کی وجہ سے آزمائش میں مبتلاء فرما دیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وادی حنین تک پہنچے اور یہ ایسی وادی تھی جس میں تہامہ کی وادیاں تھیں اور گھاٹیاں تھیں، پس ہوازن کا ایک لشکر ہم پر حملہ آور ہوا، اور اللہ کی قسم! میں نے اس زمانہ میں اتنا بڑا کفار کا لشکر نہیں دیکھا تھا، اور مشرکین اپنے مال ومتاع کو اور اپنی عورتوں کو اور اپنے بیٹوں کو اپنے پیچھے چھوڑ کر آئے تھے، پھر انہوں نے صف باندھی اور عورتوں کو اونٹوں پر سوار کر دیا اور اُن کے پیچھے مردوں کی صفیں تھیں، پھر وہ اونٹوں اور بکریوں کو ان کے پیچھے لے کر آئے تا کہ وہ کفار اپنے مال ومتاع اور اپنی عورتوں کی حفاظت کی خاطر میدانِ جنگ سے بھاگ نہ سکیں، اور سب سے پہلے مسلمانوں میں سے بھاگنے والے قریشِ مکہ تھے (یہ نو مسلم صحابہ تھے جن کو الطلقاء کہا جاتا تھا۔ سعیدی غفرلہٗ) اور ان کی پیروی میں باقی مسلمان بھی پیٹھ پھیر کر بھاگے، پس میں نے اُس دن سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی دائیں جانب اور بائیں جانب دیکھا اور فرمایا: اے اللہ کے انصار! اے رسول کے انصار! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اور آج کے دن صبر کرنے والا ہوں۔ پھر آپ اپنا نیزہ لے کر لوگوں کے سامنے آ گئے، پس اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! نہ ہم نے کوئی تلوار چلائی تھی اور نہ کوئی نیزہ مارا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ہوازن کے مشرکین کو شکست دے دی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسلمانوں کے لشکر کی طرف لوٹے اور آپ نے حکم دیا کہ ان کو پکڑو اور جس پر بھی تم دسترس پاؤ اس کو قتل کر دو۔ اور ہوازن پیٹھ پھیر کر بھاگے اور مسلمانوں میں سے جو بھاگا تھا وہ پلٹ کر آ گیا، جب مسلمان شکست کھا کر بھاگے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ صرف حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسفیان بن الحارث بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اور چند انصار تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے خچر سے نیچے اترے، آپ نے تلوار پکڑی اور دشمن کی طرف بڑھے اور آپ یہ ندا فرما رہے تھے: اے اصحاب الشجرہ! اے سورۃ البقرہ کے اصحاب! میری طرف آؤ، پس اللہ تعالیٰ نے پانچ ہزار فرشتوں سے آپ کی مدد فرمائی اور مسلمان آپ کے پکارنے پر آپ کے پاس آئے اور مشرکین شکست کھا گئے، اور مسلمانوں نے اُن کے اموال بہ طورِ غنیمت لوٹ لیے، اور یہ وہی دن ہے جس کا نام یومِ اوطاس رکھا گیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّ یَوْمَ حُنَیْنٍ''۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ تمہیں اپنی کثرت کی وجہ سے غلبہ حاصل نہیں ہوا لیکن تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی مدد کی وجہ سے غلبہ حاصل ہوا ہے، پھر فرمایا: ''وَّ ضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ'': یعنی دشمن کے خوف کی وجہ سے زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی تھی۔ ''ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ﴿۲۵﴾'': پھر تم شکست خوردہ ہو کر لوٹے۔

غزوۂ حنین کا قصہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ حنین میں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تھا، میں اور حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے اور آپ سے بالکل الگ نہیں ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس سفید رنگ کے خچر پر سوار تھے جو آپ کو فروہ بن نفاثہ جذامی نے ہدیہ کیا تھا، جب مسلمانوں اور کفار کا مقابلہ ہوا تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے خچر کو کفار کی جانب دوڑا رہے تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خچر کی لگام تھام کر اس کو تیز بھاگنے سے روک رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اے عباس! اصحاب سمرہ کو آواز دو، حضرت عباس بلند آواز شخص تھے، وہ کہتے

ہیں کہ میں نے بہ آواز بلند پکارا: اصحاب سمرہ کہاں ہیں؟ حضرت عباس نے کہا: بخدا! یہ آواز سنتے ہی وہ اس طرح پلٹے جیسا کہ گائے اپنے بچوں کی طرف پلٹتی ہے، وہ یالبیک، یالبیک کہتے ہوئے دوڑتے ہوئے آئے اور انہوں نے کافروں سے لڑنا شروع کر دیا اور انہوں نے انصار کو بلایا اور وہ کہتے تھے: اے انصار کی جماعت! اے انصار کی جماعت! پھر بنوحارث بن خزرج کو بلایا گیا اور کہا: اے بنوحارث بن خزرج! اے بنوحارث بن خزرج! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے گردن اٹھا کر ان کی طرف دیکھا درآں حالیکہ آپ خچر پر سوار تھے، آپ ان کی جنگ کا منظر دیکھ رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اس وقت تنور گرم ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چند کنکریاں اٹھائیں اور کفار کے چہروں کی طرف پھینکیں اور فرمایا: رب محمد کی قسم! یہ ہار گئے، حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا کہ لڑائی اسی تیزی کے ساتھ جاری تھی، میں اسی طرح دیکھ رہا تھا کہ اچانک آپ نے کنکریاں پھینکیں، بخدا! میں نے دیکھا کہ ان کا زور ٹوٹ گیا اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔ (صحیح مسلم: ۱۷۷۵، الرقم المسلسل: ۴۵۸۸، رقم حدیث الباب: ۷۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب حنین کا معرکہ ہوا تو ہوازن اور غطفان اپنے بچوں اور اپنے سواروں کو لے کر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ اُس دن دس ہزار صحابہ تھے اور آپ کے ساتھ الطلقاء تھے، پس سب مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تنہا رہ گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس دن دو مرتبہ ندا کی، آپ نے اپنی دائیں طرف مڑ کر فرمایا: اے انصار کی جماعت! تو انہوں نے کہا: لبیک یارسول اللہ! آپ خوش خبری لیں کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں، پھر آپ نے بائیں طرف مڑ کر فرمایا: اے انصار کی جماعت! انہوں نے کہا: لبیک یارسول اللہ! آپ کو خوشخبری ہو کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں اور اس دن آپ سفید خچر پر سوار تھے، آپ اپنے خچر سے اُترے، پس آپ نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول ہوں، سو مشرکین شکست کھا گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بہت زیادہ مالِ غنیمت حاصل کیا، آپ نے وہ مالِ غنیمت مہاجرین میں اور الطلقاء میں تقسیم فرمایا اور انصار کو اس میں سے کچھ نہ دیا، تب انصار نے کہا: جب سختی کا وقت آتا ہے تو ہمیں بلایا جاتا ہے اور جب مالِ غنیمت کی تقسیم کا وقت آتا ہے تو دوسروں کو وہ مال دیا جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے اُن سب کو ایک خیمہ میں جمع فرمایا، آپ نے فرمایا: اے انصار کی جماعت! یہ کیسی خبر مجھے تمہاری طرف سے پہنچی ہے؟ تو وہ سب خاموش رہے، پس آپ نے فرمایا: اے انصار کی جماعت! کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ لوگ دنیا کو لے کر جائیں اور تم اپنے گھروں میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو لے کر جاؤ؟ انصار نے کہا: کیوں نہیں یارسول اللہ! ہم راضی ہیں، پس آپ نے فرمایا: اگر لوگ ایک وادی میں جائیں اور انصار دوسری گھاٹی میں جائیں تو میں انصار کی گھاٹی کو اختیار کروں گا۔ (صحیح مسلم: ۱۰۵۹، الرقم المسلسل: ۲۴۳۸، رقم حدیث الباب: ۱۳۵، صحیح البخاری: ۴۳۳۳)

''الطلقاء'' کا معنی

علامہ عینی لکھتے ہیں: طلقاء، طلیق کی جمع ہے، یہ اس قیدی کو کہتے ہیں جس کو قید سے آزاد کر دیا جائے اور اس کا راستہ چھوڑ دیا جائے، اور اس سے مراد اہلِ مکہ ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو قید سے آزاد کر دیا اور فرمایا: میں تم سے وہی کہوں گا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا کہ ''لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ... (یوسف: ۹۲)'' (تم پر آج کوئی ملامت نہیں ہے)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انصار کے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا: بے شک قریش جاہلیت سے اور مصیبت سے ابھی ابھی نکلے ہیں اور میں نے ارادہ کیا کہ میں ان کی مصیبت کی تلافی کروں اور ان کی دل جوئی کروں، کیا تم

اس پر راضی نہیں ہو کہ لوگ دنیا کو لے کر لوٹیں اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھروں کی طرف لے کر لوٹو؟ انصار نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: اگر لوگ ایک وادی میں جائیں اور انصار ایک گھاٹی میں جائیں تو میں انصار کی وادی یا گھاٹی میں جاؤں گا۔

(صحیح البخاری: ۴۳۳۰، ۴۳۳۴، ۵۲۴۵، ۷۲۴۵، صحیح مسلم: ۱۰۶۱، سنن ابن ماجہ: ۱۶۴، مسند احمد: ۱۲۰۳۵)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا پانی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ ہوازن اور ثقیف سے جنگ کی تھی۔ اس وقت ہوازن کا سردار مالک بن عوف تھا اور ثقیف کا سردار عبد یالیل بن عمرو الثقفی تھا، اور انہوں نے بیان کیا کہ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ نکلے، جن میں سے دس ہزار مہاجرین اور انصار تھے اور دو ہزار الطلقاء (یعنی قریش کے وہ لوگ جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا تھا: ''انتم الطلقاء'' یعنی تم آزاد کردہ لوگ ہو) تھے۔ اور ہم سے یہ بیان کیا گیا کہ اُس دن ایک مرد نے کہا: آج ہماری تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ہم آج مغلوب نہیں ہوں گے، اور ہمیں یہ بیان کیا گیا کہ الطلقاء اُس دن تیزی سے پیچھے بھاگے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ دیا حتیٰ کہ آپ اپنے سُرخ رنگ (یا سفید رنگ) کے خچر سے اُترے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے میرے رب! مجھے وہ فتح عطا فرمائیں جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے، اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ اُس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا: تم ندا کرو: اے انصار کی جماعت! اے مہاجرین کی جماعت! پس حضرت عباس رضی اللہ عنہ انصار کو ندا کرتے رہے، پھر آپ نے فرمایا: اور تم ندا کرو: اے سورۃ البقرہ کے اصحاب!، پھر انصار کی ایک جماعت آئی تو آپ نے اُن سے پوچھا: کیا تمہارے ساتھ تمہارے علاوہ بھی لوگ ہیں؟ تو انصار نے کہا: اے اللہ کے نبی! اگر آپ ہمیں برک الغماد تک جانے کا حکم دیں یعنی یمن کے آخری حصہ تک جانے کا حکم دیں تو ہم آپ کے ساتھ ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد نازل فرمائی اور اُن کے دشمنوں کو شکست دے دی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک کی ایک مٹھی یا کنکریوں کی ایک مٹھی اٹھائی اور اُن کو کفار کے چہروں کی طرف پھینکا اور آپ نے فرمایا: ان کے چہرے بگڑ جائیں، پس کفار شکست کھا گئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زیادہ مالِ غنیمت حاصل کیا، پس آپ نے وہ مالِ غنیمت مہاجرین اور الطلقاء میں تقسیم فرمایا اور انصار کو اُس میں سے کچھ نہیں دیا، تب انصار نے کہا: جب مصیبت کا وقت ہوتا ہے تو ہمیں بلایا جاتا ہے اور جب غنیمتوں کی تقسیم کا وقت آتا ہے تو ہمارے علاوہ دوسروں کو غنیمتیں عطا کی جاتی ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی، آپ نے اُن سب کو ایک خیمہ میں جمع کیا، پس فرمایا: اے انصار کی جماعت! یہ کیسی خبر تمہاری طرف سے مجھے پہنچی ہے؟ وہ خاموش رہے، پھر آپ نے فرمایا: اے انصار کی جماعت! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ لوگ دنیا کا مال لے جائیں اور تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے گھروں میں لے جاؤ، انہوں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! ہم راضی ہیں، آپ نے فرمایا: اگر لوگ ایک وادی میں جائیں اور انصار دوسری گھاٹی میں جائیں تو میں انصار کی جماعت کو اختیار فرماؤں گا۔

(تفسیر الطبری ج ۱۱ ص ۳۸۷-۳۸۸، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر اللہ نے اپنے رسول اور عام مومنوں پر سکون اور اطمینان نازل فرمایا اور ایسے لشکر نازل فرمائے جو تم نے کبھی نہیں دیکھے تھے اور کفار کو عذاب میں مبتلاء فرمایا اور یہی کفار کی سزا ہے O''

(التوبہ:۲۶)

''ثُمَّ أَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ'': یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کو اپنے رسول پر نازل فرمایا۔ ''وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَأَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا'': یعنی پانچ ہزار فرشتوں کو نازل فرمایا۔ اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مومن خواہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو، وہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا، کیونکہ مسلمانوں نے اس دن گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا، کیونکہ وہ دشمن کے مقابلہ سے بھاگے، حالانکہ مسلمانوں کی تعداد مشرکین کی تعداد سے زیادہ تھی، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اُن کو مومنین فرمایا۔ ''وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'': اور کافروں کو قتل کر کے اور شکست سے دوچار کر کے اُن کو عذاب میں مبتلاء کیا۔ ''وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦﴾'': اور یہی کافروں کی سزا ہے۔

غزوۂ حنین میں کفار سے فرشتوں کے عدمِ قتال پر مفسرین کی تصریحات

ہوازن کی تیراندازی سے جو مسلمان اچانک گھبرا گئے تھے اور مسلمانوں کے بھاگنے سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تشویش لاحق ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے کفار کو مغلوب فرمادیا اور اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشویش دور ہوگئی اور مسلمانوں کے دل مطمئن ہو گئے۔

شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی المتوفی ٤٦٠ھ، التوبہ: ٢٦ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَأَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا'': اس سے مراد فرشتوں کا لشکر ہے، اللہ تعالیٰ نے مومنین کی مدد کے لیے اور اُن کو شجاعت پر قائم رکھنے کے لیے اور ان کے دلوں کی تقویت کے لیے اور ان کے دشمنوں کے دلوں کو کمزور کرنے کے لیے فرشتوں کو نازل فرمایا۔

(التبیان فی تفسیر القرآن، جزو ٥ ص ١٩٩، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

غزوۂ حنین میں فرشتوں کا نزول صرف اس لیے ہوا تھا کہ وہ مسلمانوں کے دلوں کو مطمئن کریں۔

(تفسیر کبیر، ج ٦ ص ٢٠، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ٦٨٥ھ لکھتے ہیں:

فرشتوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ فرشتے پانچ ہزار تھے، ایک قول ہے کہ آٹھ ہزار تھے، اور ایک قول ہے سترہ ہزار فرشتے تھے۔ (بیضاوی علی ہامش الخفاجی ج ٤ ص ٣١٥)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

فرشتوں کا نزول حنین میں اس لیے ہوا تھا کہ وہ مسلمانوں کے دل مضبوط کریں اور کافروں کے دل کمزور کریں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ٨ ص ٣٧)

شیخ ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی المتوفی فی القرن السادس، التوبہ: ٢٦ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَأَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا'': اس سے مراد لشکرِ ملائکہ ہے، ایک قول ہے کہ حنین کے دن مومنین کے قلوب کی تقویت اور اُن کی شجاعت قائم رکھنے کے لیے فرشتے نازل ہوئے اور انہوں نے اس دن قتال نہیں کیا تھا۔

(مجمع البیان فی تفسیر القرآن جزو ٥ ص ٢٨، انتشارات ناصر خسرو، ایران، ١٤٠٦ھ)

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ٧١٠ھ، التوبہ: ٢٦ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ثُمَّ أَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ'': سکینہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت ہے جس سے مسلمانوں کے دل پرسکون اور مطمئن

ہو گئے۔ ''عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا'': یعنی ایسا لشکر نازل فرمایا جس کو تم نے نہیں دیکھا تھا اور وہ فرشتے آٹھ ہزار (۸۰۰۰) تھے یا پانچ ہزار تھے یا سولہ ہزار تھے۔

''وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'': یعنی کفار کو مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کرا کے اور قید کرا کے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو مسلمانون کے ہاتھوں قید کرا کے اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب دیا۔

''وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ '': یعنی اُن کو قید کرنا ہی اُن کی سزا ہے۔

''ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ'': اور یہ وہ کافر قیدی تھے جن میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا۔

''وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ'': یعنی جنہوں نے اسلام لانے سے پہلے کفر کیا تھا، ان کے اس کفر کی مغفرت فرمادی۔

''رَّحِيْمٌ ۝'': یعنی اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی مدد فرماتے ہیں اور دشمنوں کو شکست میں مبتلا فرماتے ہیں۔

(مدارک التنزیل وحقائق التاویل، ج ۱ ص ۶۷۲۔ ۶۷۳، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ، التوبہ: ۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی فرشتے جنہیں ابلق گھوڑوں پر سفید لباس پہنے عمامہ باندھے دیکھا۔ یہ فرشتے مسلمانوں کی شوکت بڑھانے کے لئے آئے تھے، اس جنگ میں انہوں نے قتال نہیں کیا۔

(ترجمہ کنز الایمان مع تفسیر خزائن العرفان ص ۳۵۹، مکتبۃ المدینہ، دعوت اسلامی، ۱۴۳۲ھ)

مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی متوفی ۱۳۹۱ھ، التوبہ: ۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی فرشتے جو مسلمانوں کی شوکت بڑھانے کے لئے جنگِ حنین میں آئے تھے۔ اس جنگ میں فرشتوں نے جنگ نہ کی تھی۔

(تفسیر نور العرفان ص ۳۰۳، ادارہ کتب اسلامیہ، گجرات)

شیخ عبد الماجد دریا آبادی متوفی ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء، التوبہ: ۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا'': سے مراد صرف اس قدر ہے کہ وہ لشکر عام طور سے انسان کے لئے غیر مرئی تھا، اگر اتفاق سے کسی صحابی کو بہ طور کرامت یا خرق عادت کوئی فرشتہ نظر آ گیا تو وہ اس بیان قرآنی کے منافی نہیں، ایسے موقعوں کے لیے قرآن کا یہ انداز بیان عام ہے۔ قرآن نے یہاں اس حقیقت کو ایک بار پھر صاف کر دیا کہ اصل شئے اعتماد علی اللہ ہے۔ ظاہری اسباب پر بہت زیادہ تکیہ کر لینا مہلک ہے۔ چنانچہ حنین میں کافروں کو شکست کی ذلت نصیب ہوئی، ۷۰ آدمی قتل ہوئے، ہزار ہا کی تعداد میں قید ہوئے، جن میں فقط عورتیں ہی ۶ ہزار تھیں، مال غنیمت میں مسلمانوں کو ۲۴ ہزار اونٹوں اور ۴۰ ہزار بھیڑ بکریوں کے علاوہ ۴ ہزار اوقیہ چاندی بھی ہاتھ لگی اور یہاں یہ عام قانون بھی بتا دیا کہ کفر کی سزا ہے ہی شکست، ذلت، عذاب دنیوی۔ چنانچہ انہی صفات مغفرت ورحمت کے تقاضا سے بہت سے کافر مسلمان بھی ہو گئے۔

(تفسیر ماجدی مکمل مع ترجمہ وتفسیر ص ۴۳۴، پاک کمپنی، اردو بازار، لاہور)

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء، التوبہ: ۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

غزوۂ حنین جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے، شوال ۸ ہجری میں ان آیات کے نزول سے صرف بارہ تیرہ مہینے پہلے مکہ اور طائف کے

درمیان وادیٔ حنین میں پیش آیا تھا، اس غزوہ میں مسلمانوں کی طرف سے بارہ ہزار فوج تھی جو اس سے پہلے کبھی کسی اسلامی غزوہ میں اکٹھی نہیں ہوئی تھی، اور دوسری طرف کفار اُن سے بہت کم تھے، لیکن اس کے باوجود قبیلۂ ہوازن کے تیراندازوں نے ان کا مونہہ پھیر دیا اور لشکر اسلام بری طرح تتر بتر ہو کر پسپا ہوا۔ اس وقت صرف نبی اور چند مٹھی بھر صحابہ تھے جن کے قدم اپنی جگہ جمے رہے اور انہی کی ثابت قدمی کا نتیجہ تھا کہ دوبارہ فوج کی ترتیب قائم ہوئی اور بالآخر فتح مسلمانوں کے ہاتھ رہی، ورنہ فتح مکہ سے جو کچھ حاصل ہوا اس سے بہت زیادہ حنین میں کھو دینا پڑتا۔ (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۱۸۵۔۱۸۶، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، مئی ۲۰۱۲ء)

شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء، التوبہ: ۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فرمایا کہ حنین کے دن بھی اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی، البتہ یہ ہوا کہ شروع شروع میں تمہاری کثرتِ تعداد نے تمہارے اندر غلط قسم کی خود اعتمادی اور بے پرواہی پیدا کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمہیں شکست سے سابقہ پیش آیا اور تم میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور مومنین مخلصین پر عزم و حوصلہ اتارا، اور تمہاری مدد کے لیے غیبی فوجیں بھیجیں اور کفار کو تمہارے ہاتھوں پامال کروایا۔ نیز لکھتے ہیں:

اور ''جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا'' سے اشارہ ملائکہ کی غیبی افواج کی طرف ہے جو ہر جگہ اہل ایمان کی ہمرکاب ہوتی ہیں گو وہ ناسوتی نگاہوں سے نظر نہیں آتیں۔ (تدبر قرآن ج ۳ ص ۵۵۴۔۵۵۵، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۴۳۴ھ)

غزوۂ حنین میں فرشتوں کے عدم قتال پر مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ غزوۂ حنین میں فرشتوں کے عدمِ قتال کی سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ فرشتوں کو شکست سے دو چار کرنے کے لیے فقط ایک فرشتہ ہی کافی ہے، ایک حضرت جبریل علیہ السلام نے قوم لوط کی پوری بستی کو الٹ پلٹ کر دیا تو ہوازن کے کفار کو شکست سے دو چار کرنے کے لیے پانچ ہزار یا آٹھ ہزار یا سولہ ہزار فرشتوں کو نازل فرمانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ اتنی کثیر تعداد میں فرشتے اس لیے نازل فرمائے گئے کہ اول تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کا اظہار ہو کہ آپ کی مدد کے لیے آسمان سے اتنی بڑی تعداد میں فرشتے نازل فرمائے جاتے ہیں اور ثانیاً اس لئے کہ مسلمان جو ہوازن کی تیراندازی سے اچانک گھبرا گئے تھے اور میدانِ جنگ چھوڑ بیٹھے تھے، ان کا حوصلہ بلند کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی تعداد میں فرشتے نازل فرمائے تاکہ مسلمان مطمئن ہو جائیں اور اُن کے دل قوی ہو جائیں، اُن کی مدد کے لیے اُن کی پشت پر پانچ سے سولہ ہزار فرشتے موجود ہیں۔ نیز اگر فرشتوں نے یہ قتال کیا ہوتا تو اُن مہاجرین اور انصار صحابہ کی کیا فضیلت رہ جاتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلانے پر پلٹ آئے اور انہوں نے پھر ہمت باندھ کر ہوازن سے قتال کیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر اس کے بعد جس پر اللہ چاہیں گے اس کی توبہ قبول فرمائیں گے، اور اللہ سب سے زیادہ بخشنے والے، سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں O'' (التوبہ: ۲۷)

''ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ'': یعنی مالک بن عوف کی توبہ قبول فرمائی جو اسلام لانے کے لائق تھے، محمد بن کعب القرظی نے کہا ہے کہ جب مالک بن عوف نے شکست کھائی تو وہ تین ہزار مشرکین کے ساتھ پلٹا اور اس نے اپنے ساتھیوں

سے کہا: تمہاری کیا رائے ہے کہ تم (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مال حاصل کرو؟ پھر اس کے ساتھیوں نے کہا: ہاں! پھر اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا کہ میں اسلام لانا چاہتا ہوں تو آپ مجھے کیا عطا فرمائیں گے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں سو اونٹ اور اُن کے چرواہے دوں گا، پھر وہ آ کر مسلمان ہو گیا اور دو دن یا تین دن وہ ٹھہرا، پھر جب اس نے مسلمانوں کی خدا خوفی اور عبادت اور ریاضت میں کوشش کو دیکھا تو اُس کا دل نرم پڑ گیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے فرمایا: اے مالک بن عوف! ہم نے تمہیں جو مال دینے کا وعدہ کیا تھا، اگر وہ نہ دیں تو پھر؟ مالک بن عوف نے کہا: یارسول اللہ! کیا مجھ جیسا شخص اسلام کے عوض کوئی چیز لے سکتا ہے؟ پھر اس کے بعد حضرت مالک بن عوف رضی اللہ عنہ شام کے لشکر میں شریک ہو کر مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑے۔

پھر اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: "وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ": یعنی جو شرک سے توبہ کر لے، اس کو اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں۔ "رَّحِيْمٌ": یعنی اُن کے اسلام کی وجہ سے اُن پر رحم فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اے ایمان والو! مُشرک محض نجس ہیں، پس اس سال (۹ ہجری) کے بعد وہ مسجدِ حرام کے قریب نہ آنے پائیں، اور اگر تمہیں تنگدستی کا خطرہ ہو تو عنقریب اگر اللہ چاہیں گے تو تمہیں اپنے فضل سے خوش حال بنا دیں گے، بے شک اللہ سب سے زیادہ علم والے، سب سے زیادہ حکمت والے ہیں ۝" (التوبہ:۲۸)

"يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ": یعنی مشرکین گندے اور ناپاک ہیں۔

مشرکین کے مساجد میں داخل ہونے یا داخل نہ ہونے کے متعلق فقہاء کا اختلاف

"فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا": پس یہ آیت اُن آیات میں سے ہے جن کو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مکہ میں مشرکین کے سامنے پڑھا تھا، یعنی مشرکین اب مکہ کی سرزمین میں داخل نہ ہوں۔ اور مقاتل نے کہا: یعنی پورے حَرَم میں داخل نہ ہوں۔ اور حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کفار کے لیے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکین نجس ہیں، جیسے جُنبی کے لیے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ اور الزہری نے کہا: مشرک مسجدِ حرام کے سوا باقی مساجد میں داخل ہو سکتا ہے اور یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے اصحاب نے کہا کہ ذمی کے لیے تمام مساجد میں داخل ہونا جائز ہے، کیونکہ کفار مدینہ کی مسجد میں داخل ہوتے تھے جب وہ اپنی قوم کا وفد لے کر آتے تھے، اور یہ آیت اُن کفار کے متعلق نازل ہوئی جو اہلِ حرم تھے، اُن کے لیے مسجدِ حرام میں بغیر امان کے داخل ہونا جائز نہیں ہے اور نہ وہ بیت اللہ کی ولایت کے اہل ہیں۔ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مشرکین مسجدِ حرام میں بغیر امان کے داخل نہیں ہو سکتے۔

"وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً": اور اگر تمہیں فقر و فاقہ کا خوف ہو۔ "فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ": تو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں مشرکین سے مستغنی فرما دیں گے، کیونکہ تاجروں نے اہلِ مکہ سے کہا: اگر تم نے اُن کو مکہ سے بے دخل کر دیا تو تمہارا کھانا پینا کہاں سے ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ": یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے فضل سے رزق عطا فرمائیں گے، پھر

مسلمان خوش ہو گئے اور صنعاء اور اہلِ یمن نے مکہ والوں کی طرف طعام بھیجا۔

''اِنْ شَآءَ'': یعنی اگر اللہ تعالیٰ یہ چاہیں گے تو تمہیں دائمًا یہ رزق ملتا رہے گا۔ ''اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ'': یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے تمام احوال کو جاننے والے ہیں۔ ''حَكِیْمٌ ﴿۲۸﴾'': اور وہ جو حکم دیتے ہیں وہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) اُن لوگوں سے لڑتے رہو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ اُن کاموں کو حرام قرار دیتے ہیں جن کاموں کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام فرمادیا ہے اور برحق دین کو نہیں مانتے، یعنی اُن لوگوں سے لڑتے رہو جن کو (تم سے پہلے) کتاب عطا فرمائی گئی حتیٰ کہ وہ تمہارے ماتحت بن کر اپنے ہاتھ سے (مقرر شدہ) جزیہ ادا کریں O'' (التوبہ: ۲۹)

کفار سے جزیہ لینے کے متعلق فقہاء امت کے مذاہب

''قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ'': یعنی اُن لوگوں سے لڑتے رہو جو اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق نہیں کرتے، اُن کو واحد نہیں مانتے۔ ''وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ'': اور نہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان لاتے ہیں۔

''وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ'': اور وہ تورات، انجیل اور قرآن میں جن چیزوں کو حرام فرمایا گیا ہے ان کو حرام قرار نہیں دیتے۔ ''وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ'': یعنی دینِ حق کو نہیں مانتے اور نہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی شہادت دیتے تھے۔ اس کا معنی ہے کہ وہ اللہ پر اس طرح ایمان نہیں لاتے جس طرح موحدین اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ اس طرح ایمان لاتے ہیں جس طرح اہلِ کتاب ایمان لاتے ہیں۔ وہ یہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں لیکن کہتے تھے کہ اللہ کی اولاد ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا بھی اقرار کرتے تھے لیکن وہ کہتے تھے کہ یہود کو صرف اتنے دن دوزخ کی آگ جلائے گی جتنے دن انہوں نے سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ اس لئے وہ دینِ حق کے ماننے والے نہ تھے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو نہیں مانتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کرنے کا حکم فرمایا۔

''حَتّٰى یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ'': سوا اس صورت کے کہ وہ جزیہ ادا کریں۔

''وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾'': بعض مفسرین نے کہا: یعنی وہ مقہور ہو کر ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کریں۔

الفقیہ نے کہا کہ کفار سے قتال کی تین قسمیں ہیں: (۱) ایک قسم یہ ہے کہ اُن سے اس وقت تک قتال کیا جائے حتیٰ کہ وہ اسلام کو قبول کرلیں اور اُن سے صرف اسلام کو قبول کیا جائے گا، اور اس کا مصداق مشرکینِ عرب ہیں اور وہ دیہاتی ہیں جو مرتد ہو گئے تھے۔ (۲) دوسری قسم یہ ہے کہ اس کا مصداق یہود، نصاریٰ اور مجوس ہیں۔ رہے یہود تو وہ اس آیت کے تحت داخل ہیں کہ جب تک اُن سے جزیہ نہ لو اس وقت تک اُن سے قتال موقوف نہ کرو۔ اور رہے مجوس تو اُن سے فدیہ لینے کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان سے وہ معاملہ کرو جو اہلِ کتاب کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے۔ (۳) اور تیسری قسم یہ ہے کہ غیر عرب اور غیر اہلِ کتاب میں سے جو مشرک ہیں، وہ اس آیت کا مصداق ہیں مثلاً ترک کے مشرکین اور ہند کے مشرکین۔ اور امام شافعی کا قول ہے کہ اُن پر جزیہ مسلط کرنا جائز نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ اور اُن کے اصحاب کا قول یہ ہے کہ اُن سے فدیہ لینا جائز ہے جیسا کہ مجوس سے فدیہ لینا

جائز ہے، کیونکہ مجوس بھی غیر عرب ہیں۔ (تفسیر السمرقندی ج ۲ ص ۴۰۔ ۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُونَ ﴿۳۰﴾

اور یہود نے کہا: ''عزیر'' اللہ کے بیٹے ہیں، اور نصاریٰ نے کہا: ''مسیح'' اللہ کے بیٹے ہیں، یہ اُن کی زبانوں سے کہی ہوئی (بے سند) بات ہے، وہ یہ بے سند بات کہہ کر اُن کی مشابہت اختیار کر رہے ہیں جو اس سے پہلے کفر کر چکے تھے، اللہ انہیں مار ڈالیں، یہ لوگ کہاں بھٹکتے پھر رہے ہیں O

اِتَّخَذُوا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَا اُمِرُوا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۳۱﴾

انہوں نے اپنے علماء اور راہبوں (تارک الدنیا پیروں) کو اور مریم کے بیٹے مسیح کو اللہ کے سوا معبود بنا ڈالا ہے، حالانکہ انہیں صرف یہ حکم فرمایا گیا تھا کہ وہ صرف معبودِ واحد کی عبادت کریں، اُس کے سوا کوئی اُن کی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ان کی بہتان تراشیوں سے پاک ہیں جنہیں یہ لوگ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں O

يُرِيدُونَ اَنْ يُّطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يُّتِمَّ نُورَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ ﴿۳۲﴾

وہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دینا چاہتے ہیں، لیکن اللہ اپنے نور کو مکمل فرمائے بغیر نہیں چھوڑیں گے خواہ کفار اسکو ناپسند کریں O

هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُولَهٗ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّينِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿۳۳﴾

صرف وہی عبادت کے مستحق ہیں جنہوں نے اپنے رسولِ مکرم کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا، تاکہ اسے ہر دین پر غالب فرما دیں، خواہ مشرکین (اس کے نور کے غلبہ کو) ناپسند ہی کرتے ہوں O

يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُونَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيمٍ ﴿۳۴﴾

اے ایمان والو! بہت سے یہودی علماء اور اُن کے راہب (تارک الدنیا پیر) لوگوں کے اموال ناجائز طریقہ سے کھاتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور جو لوگ (زکوٰۃ نکالے بغیر) ڈھیروں سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، سوائے رسولِ اکرم! آپ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں ○

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

جس دن وہ سونا اور چاندی دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اُس تپے ہوئے سونے اور چاندی کے ساتھ اُن کی پیشانیوں کو اور اُن کے پہلوؤں کو اور اُن کی پشتوں کو داغا جائے گا (اور اُن سے کہا جائے گا:) یہ وہ مال ہے (جسے زکوٰۃ نکالے بغیر) تم نے اپنی جانوں کے لیے جمع کر کے رکھا تھا، سو اب اُس مال کا مزا چکھو جسے تم (زکوٰۃ نکالے بغیر) جمع کیا کرتے تھے ○

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڶ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاۗفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَاۗفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾

بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے، یہ تعداد اُس دن سے اللہ کی کتاب میں لکھی ہوئی ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا تھا، ان مہینوں میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں، یہی دین مستقیم ہے، لہٰذا تم ان مہینوں میں ایک دوسرے سے لڑ کر اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، اور تم تمام مشرکین سے اس طرح لڑو جس طرح وہ تم سب سے لڑتے تھے، اور یاد رکھو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہیں ○

اِنَّمَا النَّسِيْۗءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـــُٔـوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۭ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْۗءُ اَعْمَالِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ ع

حرمت والے مہینوں کو پیچھے کرنا صرف کفر میں اضافہ کرنا ہے، اس برے عمل سے کفار کو گمراہ کیا جاتا ہے جو ایک سال میں لڑائی کو حلال قرار دیتے تھے اور دوسرے سال اسی مہینے میں لڑائی کو حرام قرار دیتے تھے تاکہ اللہ کے حرام کردہ مہینوں کی تعداد پوری کریں، پھر اللہ کے حرام کردہ مہینوں کو آپس کی لڑائی کے لیے حلال کر لیں، ان کے برے اعمال اُن کے لیے خوش نما بنا دیے گئے ہیں، اور اللہ کفر پر اصرار کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور یہود نے کہا: "عزیر" اللہ کے بیٹے ہیں، اور نصاریٰ نے کہا: "مسیح" اللہ کے بیٹے

ہیں، یہ اُن کی زبانوں سے کہی ہوئی (بے سند) بات ہے، وہ یہ بے سند بات کہہ کر اُن کی مشابہت اختیار کر رہے ہیں جو اس سے پہلے کفر کر چکے تھے، اللہ انہیں مار ڈالیں، یہ لوگ کہاں بھٹکتے پھر رہے ہیں O''

(التوبہ: ۳۰)

یہودیوں کے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دینے کا سبب

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، التوبہ ۳۰ تا ۳۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہودیوں کی ایک جماعت حاضر ہوئی جن میں سلام بن مشکم، النعمان بن اوفی، شاس بن قیس اور مالک بن الصیف شامل تھے۔ سو انہوں نے کہا: ہم آپ کے دین کی پیروی کیونکر کریں حالانکہ آپ نے ہمارے قبلہ کو چھوڑ دیا ہے اور تم یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ عزیر، اللہ کے بیٹے ہیں، تب اللہ عزوجل نے اُن کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی: ''وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ''۔

عطیہ العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہود نے عزیر کو اللہ کا بیٹا اس لئے قرار دیا کہ حضرت عزیر علیہ السلام اُن میں سے تھے اور انہی کے پاس تورات تھی، اور انہی کے پاس تابوت تھا، پھر انہوں نے تورات کے احکام کو ضائع کر دیا اور باطل اعمال کیے تو اللہ تعالیٰ نے اُن سے اس تابوت کو اٹھا لیا جس میں تورات تھی، اور اُن کے ذہنوں سے تورات کو بھلا دیا، اور اُن کے سینوں سے تورات کی آیتوں کو محو فرما دیا، پھر حضرت عزیر علیہ السلام نے بہت گریہ وزاری کی اور یہ فریاد کی کہ اُن کے سینوں سے جو تورات محو فرما دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اُن کے سینوں میں دوبارہ ڈال دیں، پھر جس دن وہ نماز کے دوران اللہ سے گڑگڑا کر دعا کر رہے تھے تو آسمان سے ایک نور نازل ہوا اور وہ نور حضرت عزیر علیہ السلام کے دل میں داخل ہو گیا، پھر انہوں نے اپنی قوم میں یہ اعلان کیا کہ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ نے مجھے تورات عطا فرما دی ہے اور میری طرف تورات کو لوٹا دیا ہے، پھر لوگ اُن کے پاس آئے کہ وہ اُن کو تورات کی تعلیم دیں، پھر جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ ٹھہرے رہے، پھر جب حضرت عزیر علیہ السلام اُن کے پاس سے نکل گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس تابوت کو نازل فرما دیا، پھر جب انہوں نے تورات کو دیکھا تو اس میں انہی احکام کو پایا جن احکام کی حضرت عزیر علیہ السلام انہیں تعلیم دیتے تھے، تب یہودیوں نے کہا: عزیر کی طرف یہ تورات صرف اس لئے لوٹائی گئی تھی کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔

اس سلسلہ میں دوسری روایت یہ ہے کہ الکلبی نے بیان کیا کہ بخت نصر نے جب بنی اسرائیل پر غلبہ پایا اور اس نے تورات کے عالموں کو چُن چُن کر قتل کر ڈالا اور اس وقت حضرت عزیر علیہ السلام کم سن تھے، تو بخت نصر نے انہیں کم عمر سمجھ کر قتل نہیں کیا۔ پھر جب بنو اسرائیل بیت المقدس کی طرف لوٹے اور اُن میں کوئی شخص نہیں تھا جو تورات کو پڑھ سکتا ہو، تب اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اُن کی طرف بھیج دیا تاکہ وہ اُن کے لیے تورات کے احکام کی تجدید کریں، اور ایک سو سال کے بعد اُن کے لیے نشانی ظاہر ہوئی۔

پھر ایک مرد نے بیان کیا کہ تورات کا نسخہ زمین میں دفن کر دیا گیا تھا، پھر جب حضرت عزیر علیہ السلام نے تورات کو پیش کیا تو انہوں نے اُس مدفون نسخہ کے ساتھ تورات کا تقابل کیا تو وہ حرف بہ حرف اسی کے مطابق تھا جو حضرت عزیر علیہ السلام نے انہیں تورات کے متعلق بتایا تھا، پس اُس وقت یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔

نصرانیوں کے حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دینے کا سبب

''وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ '': حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر چڑھائے جانے کے اکیاسی (۸۱) سال تک نصاریٰ دینِ اسلام پر قائم رہے، وہ قبلہ کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور رمضان کے مہینہ کے روزے رکھتے تھے، حتیٰ کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان جنگ ہوئی اور یہودیوں میں ایک بہت بہادر مرد تھا جس کا نام بولص (پولس) تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک جماعت نے بولص (پولس) کو قتل کر ڈالا، پھر یہودیوں نے کہا: اگر عیسیٰ علیہ السلام برحق تھے تو ہم اُن کا کفر کر چکے ہیں اور دوزخ کی آگ ہمارا ٹھکانا بن چکی ہے، اور انہوں نے ندامت کا اظہار کیا، پس نصاریٰ نے اُس سے کہا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں تمہارا دشمن بُولص ہوں، پھر آسمان سے ندا آئی کہ تمہاری توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہوگی حتیٰ کہ تم عیسائی بن جاؤ، تب بولص یہودیت سے مرتد ہو کر عیسائیت میں داخل ہو گیا، عیسائیوں نے اس کو اپنے گرجا میں داخل کیا، وہ ایک سال تک وہاں رہا اور صرف رات کو باہر نکلتا تھا، حتیٰ کہ اس نے انجیل کا علم حاصل کر لیا، پھر وہ گرجا سے نکل گیا اور اس نے کہا: مجھے نداء کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے تو عیسائیوں نے اس کی تصدیق کی اور اس سے محبت رکھی، پھر وہ بیت المقدس گیا اور وہاں نسطور کو عیسائیوں پر خلیفہ بنایا اور اُس نے یہ خبر دی کہ عیسیٰ اور مریم اور اللہ، یہ تینوں ایک ہیں۔ پھر وہ روم کی طرف گیا اور اُن کو لاہوت اور ناسوت کی تعلیم دی۔

''ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ '': یعنی یہ اُن کی بے سند بات ہے، اہلِ معانی نے کہا ہے: جب اللہ تعالیٰ کسی بات کو مونہوں اور زبانوں کی طرف نسبت کر کے نقل فرمائیں تو وہ محض جھوٹ ہوتی ہے۔ ''يُضَاهِـُٔوْنَ '': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یعنی یشابهون اور المضاهاة کا معنی المشابهة ہے۔

''قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ '': حسن بصری نے کہا: اُن کی یہ بات اُن سے پہلے کافروں کی کہی ہوئی بات ہے، اور قتادہ اور السدی نے کہا کہ نصاریٰ کا قول اُن سے پہلے یہودیوں کے قول کی مثل ہے۔ نصاریٰ نے المسیح ابن اللہ اس طرح کہا جیسا کہ اس سے پہلے یہودیوں نے کہا تھا عزیر ابن اللہ۔ اور مجاہد نے کہا: اُن کا یہ قول مشرکین کے قول کی مثل ہے جو کہتے تھے کہ اللات، العزیٰ اور مناۃ اللہ کی بیٹیاں ہیں، حسن بصری نے کہا: ان کا کفر ایک دوسرے کے کفر کے مشابہ ہے۔

''قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ '': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے: اللہ ان پر لعنت فرمائیں۔ اور ابن جریج نے کہا: ''قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ '': اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں ہے، یہ صرف اظہارِ تعجب کے لیے فرمایا ہے۔

''اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۞ '': یعنی وہ کہاں حق پر دلائل کے ہوتے ہوئے گمراہی کی طرف پھر رہے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''انہوں نے اپنے علماء اور راہبوں (تارک الدنیا پیروں) کو اور مریم کے بیٹے مسیح کو اللہ کے سوا معبود بنا ڈالا ہے، حالانکہ انہیں صرف یہ حکم فرمایا گیا تھا کہ وہ صرف معبودِ واحد کی عبادت کریں، اُس کے سوا کوئی اُن کی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ان کی بہتان تراشیوں سے پاک ہیں جنہیں یہ لوگ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں O'' (التوبہ: ۳۱)

''اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَ رُهۡبَانَهُمۡ'': احبار سے مراد ہے یہودیوں کے علماء اور تورات کے قاری، اور الاحبار کا معنی ہے العلماء، اور احبار کا واحد ''حبر'' ہے، اور رُہبان نصاریٰ میں سے ہیں، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو خوفِ خدا سے دنیا کو ترک کر کے گرجوں میں رہتے ہیں۔ اور رُہبان ''راہب'' کی جمع ہے جیسے صحبان ''صاحب'' کی جمع ہے۔

''اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ'': اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ لوگ اپنے علماء اور اپنے تارک الدنیا پیروں کو رب نہیں قرار دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے کیسے فرمایا کہ انہوں نے اپنے احبار اور رہبان کو ''اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ'' قرار دیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اپنے علماء اور اپنے تارک الدنیا پیروں کی اطاعت کرتے تھے اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار فرمایا تھا، ان کو یہ حلال قرار دیتے تھے۔ اس لئے فرمایا کہ انہوں نے اپنے علماء اور اپنے تارک الدنیا پیروں کو رب کی مثل قرار دیا ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری الشافعی المتوفی ۳۱۰ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے گلے میں سونے کی صلیب پڑی ہوئی تھی، آپ نے فرمایا: اے عدی! اپنی گردن سے اس بت کو اتار کر پھینک دو، سو میں نے اس کو پھینک دیا، پھر میں دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ سورۂ توبہ کی اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے: ''اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَ رُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ''، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: کیا یہ بات نہیں ہے کہ یہ یہودی اور عیسائی ان چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار فرمایا ہے، اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، ان کو یہ حلال قرار دیتے ہیں، میں نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہی ان کی عبادت ہے۔

(تفسیر الطبری ج ۱۱ ص ۴۱۷۔ ۴۱۸، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، التاریخ الکبیر للبخاری ج ۷ ص ۱۰۶، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۷ ص ۲۱۸، ۹۲، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۷۸۴، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۱۶، تفسیر الثوری ص ۱۲۴، سنن سعید بن منصور رقم: ۱۰۱۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۲۴، تفسیر مجاہد ص ۳۶۷، تفسیر عبدالرزاق ج ۱ ص ۲۷۲، سنن ترمذی: ۳۱۰۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

''وَ الۡمَسِیۡحَ ابۡنَ مَرۡیَمَ'': یعنی عیسائیوں نے حضرت المسیح ابن مریم کو اپنا معبود اور مستحقِ عبادت قرار دیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دینا چاہتے ہیں، لیکن اللہ اپنے نور کو مکمل فرمائے بغیر نہیں چھوڑیں گے خواہ کفار اس کو ناپسند کریں O'' (التوبہ: ۳۲)

''یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ'': یعنی کفار یہ ارادہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی زبانوں سے اللہ کے دین کی تکذیب کر کے اس کو باطل کر دیں۔ الکلبی نے کہا: نور اللہ سے مراد ہے قرآن مجید، یعنی کفار یہ ارادہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی زبانوں سے قرآن مجید کی تکذیب کر کے اس نور کو بجھا دیں۔ ''وَ یَاۡبَی اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنۡ یُّتِمَّ نُوۡرَهٗ'': اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو سربلند کر کے اور جس دینِ حق کے ساتھ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے اس دین کو نامکمل چھوڑنے سے انکار فرما دیا ہے۔

''وَلَوۡ کَرِهَ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۳۲﴾'': خواہ کفار کو یہ برا لگے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''صرف وہی عبادت کے مستحق ہیں جنہوں نے اپنے رسولِ مکرّم کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا، تاکہ اسے ہر دین پر غالب فرمادیں، خواہ مشرکین (اس کے نور کے غلبہ کو) ناپسند ہی کرتے ہوں O'' (التوبہ: ٣٣)

''هُوَالَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ '': یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس قرآن کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اس کو مکمل کیے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔ ''الهُدیٰ'' کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے فرض فرمائے ہوئے احکام ہیں۔ اور ''دین الحق'' سے مراد اسلام ہے۔

''لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ '': تاکہ انجام کار اللہ تعالیٰ دینِ اسلام کو تمام دینوں پر غالب فرمادیں۔

''وَ لَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ۝ '': خواہ مشرکین کو یہ ناگوار ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دین کے تمام احکام کی تعلیم عطا فرمادیں، حتیٰ کہ آپ پر دین کی کوئی چیز مخفی نہ رہے۔ اور دوسروں نے کہا: اس سے مراد ہے: حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ دینِ اسلام کو تمام ادیان پر غالب فرمادیں۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور الضحاک نے کہا: اس کا مصداق وہ وقت ہے جب حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نزول ہوگا تو کوئی شخص اسلام میں داخل ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس وقت روئے زمین پر کوئی گھر باقی نہیں رہے گا خواہ وہ مٹی کا بنا ہوا ہو یا خیمہ ہو، مگر اللہ تعالیٰ اس میں دینِ اسلام کو داخل فرمادیں گے خواہ غلبہ کے ساتھ، خواہ مخالفوں کی ذلّت کے ساتھ، اور اس وقت پورا دین اللہ کے لیے ہوگا۔ (صحیح ابن حبان: ٦٦٩٩، المعجم الکبیر للطبرانی ج ٢٠ ص ٦٠١)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دنوں اور راتوں کا سلسلہ اس وقت تک منقطع نہیں ہوگا حتیٰ کہ اللات اور العزیٰ کی پرستش ہوتی رہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرا گمان ہے کہ یہ اس کے بعد ہوگا جب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پورا ہوجائے: ''هُوَالَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ ۙ وَ لَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ۝ ...(التوبہ: ٣٣)''، پھر آپ نے فرمایا: جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے اسی طرح ہوتا رہے گا، پھر اللہ تعالیٰ ایک خوشبودار ہوا بھیجیں گے اور جس شخص میں ایک ذرّہ کے برابر بھی خیر ہوگی، اس کی روح کو قبض کرلیا جائے گا، پھر زمین میں وہ لوگ باقی رہیں گے جن لوگوں میں کوئی خیر نہیں ہوگی، اور لوگ اپنے اپنے آباء واجداد اور دین کی طرف لوٹ جائیں گے۔
(صحیح مسلم: ٧٢٩٠، مسند ابویعلیٰ: ٤٩٦٤، شرح السنہ للبغوی: ٤١٨٤)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: '' اے ایمان والو! بہت سے یہودی علماء اور اُن کے راہب (تارک الدنیا پیر) لوگوں کے اموال ناجائز طریقہ سے کھاتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور جو لوگ (زکوٰۃ نکالے بغیر) ڈھیروں سونا اور چاندی جمع کرکے رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، سوائے

رسولِ اکرم! آپ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنادیں O'' (التوبہ: ۳۴)

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ '': الاحبار سے مراد یہود کے علماء اور القرّاء مراد ہیں۔ اور الرھبان سے مراد ہیں: اُن کے تارک الدنیا پیر اور درویش۔ ''لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ '': یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بدلنے کے لیے رشوت لیں گے اور کتاب اللہ میں تحریف کریں گے، اپنے ہاتھوں سے کتابوں میں کچھ لکھیں گے اور کہیں گے: یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور وہ اپنے پیروکاروں سے اس کا تھوڑا سا معاوضہ لیں گے، یعنی تورات اور انجیل میں لکھی ہوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو متغیر کرنے کا معاوضہ لیتے ہیں۔ اور اُن کی کتابوں میں جو دجال کی صفات لکھی ہوئی ہیں، اُن کو آنے والے نبی کی صفات پر چسپاں کر دیتے ہیں، اُن کو یہ خطرہ تھا کہ اگر انہوں نے سچ سچ بیان کر دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات تورات اور انجیل میں مذکور ہیں وہ لوگوں کو بتا دیں تو لوگ جو اُن کو نذرانے دیتے ہیں وہ بند ہو جائیں گے۔

''وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ '': یعنی لوگوں کو اللہ کے دین میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔

زکوٰۃ نہ دینے والوں کا اخروی عذاب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۴﴾ یَّوْمَ یُحْمٰى عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ (التوبہ: ۳۴۔۳۵)''۔ اس آیت میں ''کنز'' (خزانہ) کا لفظ ہے۔ ''کنز'' اس مال کو کہتے ہیں جس کو جمع کیا جائے، جو مال مدفون ہو، اس کو بھی ''کنز'' کہتے ہیں، جس جمع شدہ مال پر یہ وعید ہے یہ وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو اور جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہو وہ ''کنز'' نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب التوبہ: ۳۴ نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ آیت بہت شاق گزری، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: چلو! میں تمہارے لیے اس معاملہ کو کشادہ کراتا ہوں، پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کہا: اے اللہ کے نبی! آپ کے اصحاب پر یہ آیت بہت شاق گزری ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ صرف اس لیے فرض کی ہے کہ تمہارا مال پاکیزہ ہو جائے اور وراثت تمہارے بعد والوں کے لیے فرض کی ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۱۶۶۴، مسند ابویعلیٰ: ۲۴۹۹، المستدرک ج ۲ ص ۳۳۳، سنن بیہقی ج ۴ ص ۸۳)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں سونے کی پازیب پہنتی تھی، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا یہ کنز ہے؟ آپ نے فرمایا: جو مال زکوٰۃ کی مقدار کو پہنچ گیا اور اس کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی، وہ کنز نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۵۶۴، الاستذکار: ۱۲۴۰۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو تم نے اس حق کو ادا کر دیا جو تم پر واجب تھا۔ (سنن ترمذی: ۶۱۸، سنن ابن ماجہ: ۱۷۸۸، سنن بیہقی ج ۴ ص ۸۴، معرفۃ الآثار: ۷۸۴۲)

جن لوگوں نے اپنے جمع شدہ اموال کی زکوٰۃ ادا کر دی ہو، ان کے متعلق عذاب کی وعید کا نہ ہونا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مال کی تم نے زکوٰۃ ادا کر دی ہو تو خواہ وہ مال سات

زمینوں کے نیچے ہو، وہ کنز نہیں ہے اور جس مال کی تم نے زکوٰۃ ادا نہیں کی تو خواہ وہ ظاہر ہو، وہ پھر بھی کنز ہے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۱۰۶، الاستذکار: ۱۲۷۰۳)

ان احادیث میں سے کنز سے مراد وہ جمع شدہ مال ہے جس کو دوزخ کی آگ میں تپا کر زکوٰۃ نہ دینے والوں کی پیشانیوں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اونٹ والے نے اونٹ کا حق ادا نہیں کیا ہوگا تو (قیامت کے دن) اس کے اونٹ انتہائی فربہ جسامت کے ساتھ اس کے پاس آ کر اس کو اپنے پیروں سے روندیں گے، اور جب بکریوں والے نے بکریوں کا حق ادا نہیں کیا ہوگا تو اس کی بکریاں اس کو اپنے کھروں سے روندیں گی اور اس کو اپنے سینگوں سے ماریں گی اور اس کے حق میں سے یہ بھی ہے کہ پانی پلانے کی جگہ پر اس کا دودھ دوہا جائے اور تم میں سے کوئی شخص قیامت کے دن اس حال میں نہ آئے کہ اس کی بکری اس کی گردن پر سوار ہو اور ممیا رہی ہو، پس وہ شخص کہے گا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم!) پھر میں کہوں گا کہ میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، تحقیق میں تبلیغ کر چکا ہوں اور تم میں سے کوئی شخص اس حال میں نہ آئے کہ اس کا اونٹ اس کی گردن پر سوار ہو اور وہ بلبلا رہا ہو، پس وہ کہے گا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم!) پھر میں کہوں گا کہ میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، تحقیق میں تبلیغ کر چکا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۱۴۰۲، ۲۳۷۸، ۳۰۷۳، ۶۹۵۸، صحیح مسلم: ۹۸۷، الرقم المسلسل: ۲۲۵۶، سنن ابوداؤد: ۱۶۵۸، سنن نسائی: ۲۴۴۸، ۲۴۸۲، سنن ابن ماجہ: ۱۷۸۲، مسند احمد: ۸۹۷۷، ج ۱۴ ص ۵۳۲۔ ۵۳۳، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف، ج ۱۱ ص ۱۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے، وہ مال قیامت کے دن گنجا سانپ بنا دیا جائے گا، اس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوں گے، اس سانپ کو اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا، پھر وہ اس شخص کو اپنے جبڑوں سے پکڑے گا، پھر کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں، پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی: ''وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ'' (اور جو لوگ اللہ کے عطا فرمائے ہوئے فضل میں بخل کرتے ہیں، وہ یہ گمان نہ کریں کہ اُن کا بخل ان کے حق میں بہتر ہے بلکہ اُن کا بخل ان کے حق میں بدتر ہے)۔

(صحیح البخاری: ۱۴۰۳، ۴۵۶۵، ۴۶۵۹، ۴۹۵۷، الرقم المسلسل: ۲۲۵۹، السنن الکبریٰ: ۱۱۶۲۱، مسند احمد: ۷۷۵۶)

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف، ج ۱۲ ص ۱۹۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کا نصاب

اس حدیث میں زکوٰۃ نہ دینے پر شدید وعید ہے اور اس میں یہ ثبوت ہے کہ زکوٰۃ دینا فرض ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ مال اور خزانہ کو قیامت کے دن سانپ بنا دیا جائے گا، اس میں یہ ثبوت ہے کہ خارجی چیزیں ایک حقیقت سے دوسری حقیقت میں تبدیل ہو جاتی ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں آسان ہے، اس لیے اس کا انکار کرنا درست نہیں

ہے، نمک کی کان میں مرا ہوا گدھا نمک بن جاتا ہے۔

اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ لفظ مال سونے اور چاندی اور دیگر ان اجناس کو شامل ہے جن میں زکوٰۃ ہوتی ہے۔

المہلب نے لکھا ہے کہ سونے کی زکوٰۃ کے نصاب کی مقدار میں اس طرح حدیث ثابت نہیں ہے، جس طرح چاندی کے نصاب کی مقدار میں حدیث ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۳ ص ۳۸۸۔۳۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ چاندی کے نصاب کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اہل یمن کی طرف فرضیت زکوٰۃ کے متعلق مکتوب بھیجا، اس کے آخر میں یہ مذکور تھا، اس میں چاندی کے نصاب کی صراحت ہے:

اور چاندی میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ ہے، اگر اس کے پاس ایک سو نوے درہم ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے سوا اس کے کہ زکوٰۃ دینے والا چاہے۔ (صحیح ابن حبان:۳۲۶۶)

درج ذیل حدیث میں سونے کے نصاب کی مقدار کی صراحت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم کے لیے جو مکتوب لکھوایا، اس میں درج ہے:

پس جب سونے کی قیمت دو سو درہم کو پہنچ جائے تو ہر چالیس درہم میں ایک درہم زکوٰۃ ہے۔

(المستدرک:۱۴۸۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

سونے اور چاندی دونوں کے نصاب کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے پاس دو سو درہم ہوں اور ان پر ایک سال گزر جائے تو ان میں پانچ درہم زکوٰۃ ہے اور سونے میں تم پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے حتیٰ کہ تمہارے پاس بیس دینار ہوں اور ان پر ایک سال گزر جائے، پس اس میں نصف دینار زکوٰۃ ہے اور جو اس سے زائد مقدار ہو تو اس میں اسی حساب سے زکوٰۃ ہے۔ (سنن ابوداؤد:۱۵۷۳)

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے کہ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ جب سونا بیس مثقال ہو اور اس کی قیمت دو سو درہم ہو تو اس میں نصف مثقال زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۳۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

سونے کا نصاب بیس مثقال ہے یعنی ساڑھے سات تولے اور چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے یعنی ساڑھے باون تولے۔

(بہار شریعت حصہ ۵ ص ۱۹، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جس دن وہ سونا اور چاندی دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اُس تپے ہوئے سونے اور چاندی کے ساتھ اُن کی پیشانیوں کو اور اُن کے پہلوؤں کو اور اُن کی پشتوں کو داغا جائے گا (اور اُن سے کہا جائے گا:) یہ وہ مال ہے (جسے زکوٰۃ نکالے بغیر) تم نے اپنی جانوں کے لیے جمع کر کے رکھا تھا، سو اب اُس مال کا مزا چکھو جسے تم (زکوٰۃ نکالے بغیر) جمع کیا کرتے تھےO'' (التوبہ:۳۵)

''يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ '': یعنی وہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے اور اُن کے جمع کئے ہوئے خزانوں کو آگ میں تپا کر اس سے ان کی پیشانیوں کو اوران کے پہلوؤں کو اوران کی پیٹھوں کو داغا جائے گا۔

ابوبکر الورّاق سے سوال کیا گیا کہ پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو تپائے ہوئے مال کے ساتھ داغ لگانے کے ساتھ کس وجہ سے خاص کیا گیا ہے؟ انہوں نے بیان کیا: اس لئے کہ مال دار شخص جب کسی تنگ دست فقیر کو دیکھتا ہے تو اس کی پیشانی پر ناگواری سے بل پڑ جاتے ہیں اور وہ اپنی پیٹھ موڑ کر اس سے اعراض کرتا ہے، اور جب وہ دیکھتا ہے کہ وہ اس کی دائیں کروٹ کی طرف سے آیا ہے تو وہ بائیں کروٹ کی طرف اعراض کر لیتا ہے، اس لئے اس کے جمع شدہ مال کو تپا کر اس کی پیشانیوں اور اس کے پہلوؤں اور اس کی پیٹھوں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا: یہ وہ مال ہے جس کو تم نے اپنی جانوں کے لیے جمع کیا تھا، پس اس عذاب کو چکھو جس کو تم جمع کرتے تھے۔

''هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ '': یعنی تم اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے سے انکار کرتے تھے، بعض صحابہ نے کہا: یہ آیت اہلِ کتاب کے حق میں نازل ہوئی۔ اور اکثر صحابہ نے کہا: یہ آیت اہلِ کتاب اور مسلمانوں دونوں کے حق میں نازل ہوئی ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے۔

زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ میں ربذہ کے پاس سے گزرا، پس اس وقت میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو اس جگہ کس چیز نے ٹھہرایا ہے؟ انہوں نے بیان کیا کہ میں شام میں تھا، پس میرا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس آیت میں اختلاف ہو گیا: ''وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔۔ (التوبہ: ۳۴)'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ آیت اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے اور میں نے کہا: یہ آیت ہمارے متعلق بھی نازل ہوئی ہے اور ان کے متعلق بھی نازل ہوئی ہے، پس میرا اور ان کا اس آیت میں اختلاف ہو گیا، اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب بھیج کر میری شکایت کی، پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے میری طرف لکھا کہ میں مدینہ آؤں، پس میں مدینہ گیا تو بہت لوگ میرے گرد جمع ہو گئے، گویا کہ انہوں نے مجھے اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا، میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: اگر آپ چاہیں تو مدینہ کے قریب کسی الگ جگہ رہیں، پس اس وجہ سے میں اس جگہ آ کر ٹھہرا اور اگر مجھ پر کسی حبشی کو امیر بنا دیا جاتا تو میں اس کا بھی حکم سنتا اور اس کی اطاعت کرتا۔ (صحیح البخاری: ۱۴۰۶، ۴۶۶۰، السنن الکبریٰ: ۱۱۹۱۶)

ربذہ کا معنی اور حضرت معاویہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما کا اختلاف

''ربذہ'' مدینہ سے تین مراحل دور ایک جگہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس جگہ کو صدقہ کے اونٹوں کے لیے مقرر فرمایا تھا۔

حضرت معاویہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما کا اختلاف: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ یہ تھا کہ یہ آیت ان احبار اور رہبان کے متعلق نازل ہوئی ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس آیت کے عموم سے استدلال کرتے تھے کہ جو شخص بھی یہ مانتا ہو کہ زکوٰۃ کا ادا کرنا واجب ہے اور پھر وہ زکوٰۃ ادا نہ کرے، تو اس کو یہ شدید وعید لاحق ہو گی، اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے دمشق کے گورنر تھے، امام ابویعلیٰ کی روایت کے مطابق حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے شام جانے کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ جب مدینہ کے مکان سلع پہاڑ تک پہنچ جائیں تو شام چلے جانا، امام ابویعلیٰ

نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہمیں ایذاء پہنچاتے ہیں، حضرت عثمان نے کہا: کیا آپ کا یہ گمان ہے کہ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ مقرب وہ شخص ہے جو مجھ سے کیے ہوئے عہد پر قائم رہے، اور میں آپ سے کیے ہوئے عہد پر قائم ہوں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ شام چلے جائیں، پھر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ وہاں یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ میں تم میں سے کوئی شخص اس حال میں رات نہ گزارے کہ اس کے پاس ایک دینار یا ایک درہم ہو، سوا اس صورت کے کہ اس نے اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہو یا کسی قرض خواہ کو دینا ہو، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اگر آپ کو کوئی کام ہو تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو بلالیں۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۳۷۷۔۳۷۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو شہر بدر کرنے کی توجیہ اور دیگر مسائل

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی شکایت لکھ کر بھیجی، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بہت اعتراضات کرتے تھے اور ان سے بہت اختلاف کرتے تھے اور ان کے لشکر کے لوگ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی باتوں کی طرف میلان رکھتے تھے، تو جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ ہوا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے شام میں رہنے کی وجہ سے وہاں فتنہ ہوگا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ بلالیا، کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے موقف میں بہت متشدد تھے اور کلمہ حق سنانے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

المہلب نے کہا ہے کہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی بہت تعظیم اور توقیر تھی کہ انہوں نے خلیفہ مسلمین سے کہا کہ آپ انہیں بلالیں اور ازخود ان سے یہ نہیں کہا کہ آپ شام سے چلے جائیں۔

علامہ طبری نے کہا ہے کہ جب لوگوں نے مدینہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بہ کثرت سوال کیے کہ تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو شام سے کیوں بلایا ہے؟ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ مدینہ کے قریب کسی جگہ چلے جائیں تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ربذہ چلے گئے۔

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں شدت اختیار کرے۔

نیز امام اور سربراہِ ملک کے لیے یہ جائز ہے کہ جس شخص کے شہر میں رہنے سے فتنہ اور فساد کا خطرہ ہو، اس کو شہر بدر کردے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی عالم کا امیر شہر سے کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو وہ اس کے خلاف بغاوت نہ کرے اور اس کی اطاعت کرتا رہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسائل میں اجتہاد اور آراء میں اختلاف جائز ہے، کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے حامی دیگر صحابہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ نہیں کہا کہ آپ اپنے موقف سے پیچھے ہٹ جائیں اور نہ ان سے یہ کہا کہ آپ کا اعتقاد جائز نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کرتے تھے کہ میں یہ پسند نہیں کرتا

کہ میرے پاس اُحد پہاڑ جتنا سونا ہو تو میں وہ سب (اللہ کی راہ میں) خرچ کر دوں سوا تین دینار کے (یعنی تین دینار بھی میرے پاس رہیں، میں اسے پسند نہیں کرتا)، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قیامت تک مسائل میں اختلاف ہوتا رہے گا اور وہ اختلاف صرف اجماع سے اٹھ سکتا ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۳ ص ۳۹۵۔۳۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

زرعی پیداوار کے نصاب زکوٰۃ میں جمہور فقہاء کے نظریات

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ وسق (۳۲ من) سے کم (زرعی پیداوار) میں زکوٰۃ (واجب) نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۴۷، صحیح مسلم: ۹۷۹، سنن ابوداؤد: ۱۵۵۸، سنن ترمذی: ۶۲۶، السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۲۴۳، سنن نسائی: ۲۴۴۵، موطا امام مالک: ۸۳۲، مسند ابوداؤد والطیالسی: ۲۲۳۱، مسند الشافعی: ۶۳۸، مصنف عبدالرزاق: ۷۲۵۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۶۷۱، مسند احمد: ۱۱۲۵۳، سنن دارمی: ۱۶۷۳، صحیح ابن خزیمہ: ۲۲۶۳، مستخرج ابی عوانہ: ۲۶۶۳، شرح معانی الآثار: ۳۰۷۱، صحیح ابن حبان: ۳۲۶۸، المعجم الاوسط للطبرانی: ۶۹۳، سنن دارقطنی: ۱۹۰۰، المستدرک: ۱۴۴۷، معرفۃ السنن والآثار: ۸۰۰۴، الاستذکار: ج ۳ ص ۱۲۴، شرح السنہ للبغوی: ۱۵۶۹، کشف المشکل: ۱۳۴۵)

غلہ اور پھلوں کی زکوٰۃ (عشر) کے نصاب میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل حدیث مذکور کی روشنی میں غلہ اور پھلوں کے لیے پانچ وسق (۳۲ من) کو نصاب قرار دیتے ہیں، جس شخص کے کھیتوں اور باغات سے پانچ وسق یا اس سے زائد پیداوار حاصل ہو جائے اس پر عشر واجب ہوگا اور جس شخص کی پیداوار پانچ وسق سے کم ہو اس پر عشر واجب نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زمین کی پیداوار کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں ہے۔ غلہ، پھل اور سبزیوں کی زمین سے جس قدر پیداوار بھی حاصل ہو، اس پر عشر یا نصف عشر دینا واجب ہوگا۔

علامہ عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، لکھتے ہیں:

امام مالک، امام ثوری، امام اوزاعی، امام ابن ابی لیلیٰ، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد اور تمام اہل علم کا قول یہ ہے کہ پھلوں اور غلہ میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب ان کی مقدار پانچ وسق کو پہنچ جائے، البتہ امام ابو حنیفہ اور مجاہد کہتے ہیں کہ قلیل اور کثیر سب میں زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالعموم فرمایا ہے: ''فیما سقت السماء العشر'' (جس زمین کو بارش سیراب کرے اس میں عشر ہے)، (مصنف عبدالرزاق: ۶۸۵۵) اور چونکہ زمین کی پیداوار میں سال گزرنے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے، اس لیے اس کا کوئی نصاب مقرر نہیں ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ'' (پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے)۔ (صحیح البخاری: ۱۴۴۷، صحیح مسلم: ۹۷۹)، یہ حدیث خاص ہے اور امام ابو حنیفہ کی پیش کردہ حدیث عام ہے جس کی اس حدیث سے تخصیص کرنا واجب ہے۔ (المغنی ج ۲ ص ۲۹۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ)

امام ابو حنیفہ کا نظریہ

امام ابو حنیفہ کا یہ نظریہ ہے کہ زرعی پیداوار کا کوئی نصاب نہیں ہے اور زمین سے جس قدر بھی پیداوار حاصل ہو اس پر عشر یا نصف عشر واجب ہے، امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۔۔۔ (البقرہ: ۲۶۷)'' (اے ایمان والو! اپنی کمائی ہوئی پاکیزہ چیزوں میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ

کرو اوران چیزوں میں سے (خرچ کرو) جن کو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے)۔

امام ابوحنیفہ کا استدلال یوں ہے کہ اس آیت میں ''ما'' عام ہے جس کا تقاضا ہے ''زمین سے ہم نے جو بھی تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے خرچ کرو'' اور پانچ وسق والی حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے قرآن مجید کے عام کو خاص نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ خبر واحد ظنی ہے اور قرآن مجید کا عموم قطعی ہے اور ظنی دلیل سے قطعی کی تخصیص کرنا صحیح نہیں ہے۔

خبر واحد سے قرآن مجید کے عام کو خاص نہ کرنا، امام ابوحنیفہ کا مشہور قاعدہ ہے اور یہ انتہائی دقت نظری اور باریک بینی پر مبنی ہے، اس قاعدہ میں فرق مراتب کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور قرآن مجید سے ثابت شدہ چیز کو حدیث شریف سے ثابت شدہ چیز پر ترجیح اور فوقیت دی گئی ہے، فقہ حنفی کے متعدد احکام اس قاعدہ پر موقوف ہیں اور یہ صرف فقہ حنفی کی خصوصیت ہے جب کہ دیگر ائمہ ثلاثہ اس اصول کو پیش نظر نہیں رکھتے اور قرآن مجید کے عموم قطعی کی احادیث غیر متواترہ سے تخصیص کر کے قرآن کو حدیث کے تابع کر دیتے ہیں، اسی وجہ سے وہ آیت کریمہ ''اَخۡرَجۡنَا لَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ'' کی پانچ وسق والی زیر بحث حدیث سے تخصیص کر دیتے ہیں۔

علامہ ابوعبداللہ وشتانی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

ہم آیت کریمہ کے عموم کے مقابلہ میں پانچ وسق والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور قرآن کریم کے عموم کی خبر واحد سے تخصیص کرنے میں اختلاف ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص ۱۱۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قرآن مجید کے علاوہ دیگر احادیث صحیحہ میں بھی زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم عام ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو زمین بارش یا چشموں سے سیراب ہو یا دریائی پانی سے سیراب ہو اس پر عشر (۱/۱۰) ہے اور جس زمین کو کنویں کے پانی سے اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس پر نصف عشر ہے (یعنی ۱/۲۰)۔

(صحیح البخاری: ۱۴۸۳، سنن ترمذی: ۶۴۰، سنن نسائی: ۲۴۸۸، سنن ابوداؤد: ۱۵۹۶، سنن ابن ماجہ: ۱۸۱۷، صحیح ابن حبان: ۳۲۸۵، مصنف عبدالرزاق: ۷۲۳۲، موطا امام مالک: ۱۴۷، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۳۱۰۹، سنن دارقطنی: ۲۰۳۲، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۷۴۸۷، الاستذکار: ج ۳ ص ۲۲۷، شرح السنہ للبغوی: ۱۵۸۰، کشف المشکل: ۱۱۷۷)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیل اور کثیر کا فرق کیے بغیر مطلقاً زمین سے حاصل شدہ پیداوار پر عشر یا نصف عشر کا حکم عائد فرمایا اور یہ حدیث عموم قرآن کے مطابق ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس زمین کو دریا یا بارش سیراب کرے اس پر عشر (۱/۱۰) ہے اور جس زمین کو کنویں کے پانی سے اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس پر نصف عشر (۱/۲۰ یعنی بیسواں حصہ) ہے۔

(صحیح مسلم: ۹۸۱، مسند احمد: ۱۴۸۰۳، سنن دارمی: ۱۸۱۱، السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۲۸۰، صحیح ابن خزیمہ: ۲۳۰۹، شرح معانی الآثار: ۳۰۹۱، سنن دارقطنی: ۲۰۳۷، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۷۴۸۸، کشف المشکل: ۱۳۴۵)

امام ابوداؤد نے بھی اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کی ان دونوں روایات کو ذکر فرمایا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۱۵۷۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس زمین کو بارش یا چشمے سیراب کریں اس میں عشر ہے اور جس کو اونٹوں کے ذریعہ کنوئیں سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ١٨١٦)

اس حدیث کے بعد امام ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ٢١١ھ نے اپنی مصنف میں اس مضمون کی انیس احادیث روایت کی ہیں، ہم ان میں سے چند احادیث کا ذکر کررہے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ معمر نے کہا: میں نے تمام (معتبر) لوگوں کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھا ہوا فرمان دیکھا کہ جس زمین کو رسیوں اور ڈولوں کے ذریعہ کنویں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔ (معمر کہتے ہیں کہ میرے علم میں اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے) اور جس زمین کو بارش یا دریائی پانی سے سیراب کیا جائے اس میں عشر ہے، معمر کہتے ہیں کہ میرے علم میں اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ٧٢٣٤)

اس حدیث کو امام ابوبکر بن علی بیہقی متوفی ٤٥٨ھ نے بھی اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ٧٧٤٧)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس زمین کو دریائی پانی، بارش اور چشمے سیراب کریں اس میں عشر ہے اور جس کو رسیوں کے ذریعہ کنویں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ٧٢٣٥)

عاصم بن ضمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: زمین جس چیز کو بھی نکالے خواہ قلیل ہو یا کثیر اس میں عشر یا نصف عشر ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ٧٢٣٤)

حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ متوفی ٢٣٥ھ، لکھتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں: زمین جس چیز کو بھی نکالے خواہ قلیل ہو یا کثیر سب میں عشر یا نصف عشر ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ١٠٠٢٨)

حماد کہتے ہیں: ہر وہ چیز جس کو زمین نکالے اس میں عشر ہے یا نصف عشر ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ١٠٠٢٩)

ابراہیم کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کو زمین نکالے اس میں زکوٰۃ ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ١٠٠٣٠)

ائمہ ثلاثہ جو پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ کو واجب نہیں قرار دیتے، قرآن کریم کی عمومی آیت اور ان تمام احادیث اور آثار کے تارک ہیں اور ان عمومی دلائل کے پیش نظر ان کا نظریہ صحیح نہیں ہے۔

پانچ وسق والی احادیث کی احناف یہ توجیہ کرتے ہیں کہ یہ احادیث اموال تجارت پر محمول ہیں کیونکہ اس وقت پانچ وسق دوسو درہم کے برابر ہوتے تھے، اسی لیے فرمایا کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

امام ابوحنیفہ کے نظریہ پر ایک خدشہ

امام ابوحنیفہ کے نظریہ پر ایک یہ خدشہ لاحق ہوتا ہے کہ جس طرح "وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ" میں "ما" عام ہے اسی طرح "مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ" میں بھی "ما" عام ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اموال تجارت، نقد مال اور سونا چاندی کے ساتھ بھی

نصاب کی تخصیص صحیح نہ ہو، کیونکہ اموال تجارت، نقد رقم اور سونا چاندی خواہ قلیل مقدار میں حاصل ہوں یا کثیر مقدار میں وہ "مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ" کے عموم میں داخل ہیں، لہٰذا جس طرح "مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ" کے عموم سے زمین کی قلیل اور کثیر پیداوار پر زکوٰۃ واجب ہے اور پانچ وسق کے ساتھ تخصیص صحیح نہیں، اسی طرح کسب کے ذریعہ قلیل یا کثیر جتنا مال بھی حاصل ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہونی چاہیے، اور دو سو درہم چالیس اوقیہ (ساڑھے باون تولہ) چاندی اور بیس مثقال (ساڑھے سات تولہ، ۸۷۰۴۸ گرام) سونے کا نصاب بہر حال ان احادیث سے ثابت ہے جو اصطلاحاً خبر واحد کہلاتی ہیں، بالخصوص سونے کے نصاب کی احادیث تو ضعیف بھی ہیں، اور حولان حول کی احادیث بھی ضعیف ہیں اور اصول حنفیہ سے ان عموم قرآنی اور قطعی کو اخبار احاد کے ساتھ مقید نہیں کیا جا سکتا، میری نظر سے کہیں نہیں گزرا کہ متقدمین یا متاخرین میں سے کسی نے یہ اشکال قائم کیا ہو اور اس کے جواب کے درپے ہوا ہو۔

سونے اور چاندی کے نصاب میں جمہور فقہاء اور امام ابوحنیفہ کا نظریہ

فقہاء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ چاندی کا نصاب دو سو درہم یا پانچ اوقیہ چاندی ہے جو ساڑھے باون تولے ۶۱۲۰۳۶ گرام کے برابر ہے اور سونے کا نصاب چالیس دینار یا بیس مثقال سونا ہے جو ساڑھے سات تولے (۸۷۰۴۸ گرام) سونے کے برابر ہے، اس سے کم مقدار میں زکوٰۃ فرض نہیں اور جب اس مقدار پر سال گزر جائے تو چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ دو سو درہم پر اگر زیادتی ہو تو پھر کیا نصاب ہے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: اگر دو سو درہم پر چالیس درہم زیادہ ہوں تو چالیس درہم پر ایک درہم زکوٰۃ ہوگی۔ اسی طرح چالیس دینار پر چار دینار زائد ہوں تو ایک درہم زکوٰۃ ہوگی اور باقی فقہاء کا یہ نظریہ نہیں ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

سونے اور چاندی کے نصاب میں اختلاف ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد، اکثر اصحاب ابی حنیفہ اور عام محدثین یہ کہتے ہیں کہ سونے چاندی کے نصاب پر جس قدر مقدار بھی زیادہ ہو اس پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ ہوگی خواہ زیادتی قلیل ہو یا کثیر، یہ نظریہ حضرت علی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، اور امام ابوحنیفہ اور بعض اسلاف یہ کہتے ہیں کہ دو سو درہم پر جو مقدار زائد ہو اس پر اس وقت تک زکوٰۃ نہیں ہے جب تک کہ زیادتی چالیس درہم کے برابر نہ ہو اور نہ بیس دینار پر زیادتی اس وقت تک معتبر ہے جب تک چار دینار نہ ہو، اور جب اس مقدار کے برابر زیادتی ہو تو ہر چالیس درہم پر ایک درہم ہے اور ہر چار دینار کے بعد ایک درہم ہے۔ جمہور کا استدلال صحیح البخاری کی اس روایت سے ہے: "فی الرقة ربع العشر" چاندی میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۴۵۴) اور یہ حدیث نصاب اور اس سے زائد دونوں کو عام ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے، وہ ضعیف ہیں۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۳۱۵، نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

امام ابوحنیفہ کے نظریہ کے ثبوت میں احادیث

امام ابوحنیفہ کا نظریہ ان احادیث سے ثابت ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چالیسواں حصہ ادا کرو۔ ہر چالیس درہم پر ایک درہم اور تم پر اس

وقت تک زکوۃ نہیں جب تک دوسو درہم نہ ہو جائیں، جب دوسو درہم ہو جائیں تو اس میں سے پانچ درہم ادا کرو اور جو مقدار زائد ہو اس کو اس حساب سے ادا کرو۔ (سنن ابوداؤد: ١٥٧٢، سنن دارقطنی: ١٨٩٨، السنن الکبریٰ للبیہقی: ٧٥٢١، معرفۃ السنن والآثار: ٢٤٥٩، الاستذکار: ج ٣ ص ١٤٤، الجامع الصحیح للسنن والمسانید: ج ٣٠ ص ٤٥)

سنن دارقطنی میں اس حدیث کو جزم سے روایت کیا گیا ہے اور اس میں ''احسبہ'' کا لفظ نہیں ہے۔ (سنن دارقطنی: ١٨٩٨)

حافظ جمال الدین زیلعی متوفی ٧٦٢ھ لکھتے ہیں کہ ابن قطان نے کہا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ (نصب الرایہ ج ٢ ص ٣٦٦ مجلس علمی، سورت، ہند، ١٣٥٧ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس دوسو درہم ہوں اور ان پر ایک سال گزر جائے تو ان پر پانچ درہم زکوۃ ہے اور سونے پر اس وقت تک زکوۃ نہیں ہے جب تک کہ وہ بیس دینار نہ ہو، جب بیس دینار سونا ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس پر نصف دینار ہے، اس کے بعد اسی حساب سے۔

(سنن ابوداؤد: ١٥٧٢، سنن دارقطنی: ١٨٩٨، السنن الکبریٰ للبیہقی: ٧٥٢١، معرفۃ السنن والآثار: ٢٤٥٩، الاستذکار: ج ٣ ص ١٤٤، الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج ٣٠ ص ٤٥)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب انہیں یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا: کسر سے زکوۃ وصول نہ کرنا، جب چاندی دوسو درہم ہو تو اس سے پانچ درہم وصول کرنا، پھر اس سے زائد پر وصول نہ کرنا حتیٰ کہ چالیس درہم ہو جائیں اور جب چالیس درہم ہوں تو ان سے ایک درہم وصول کر لینا۔ (سنن دارقطنی: ١٩٠٣، عمدۃ القاری ج ٨ ص ٢٥٩ تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک: ج ١ ص ٦١)

شعبی دوسو درہم سے زائد پر اس وقت تک زکوۃ واجب نہیں کرتے تھے جب تک چالیس درہم نہ ہو جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ٩٨٦٣)

مذکور الصدر حوالوں کے علاوہ سنن نسائی، صحیح ابن خزیمہ، حاکم اور مستدرک میں بھی اس مضمون کی احادیث مذکور ہیں۔

اس موضوع پر احادیث صحیحہ کے سامنے آنے کے بعد ظاہر ہو گیا کہ علامہ نووی کا یہ لکھنا کہ ''ابوحنیفہ اپنے موقف پر احادیث ضعیفہ سے استدلال کرتے ہیں'' قطعاً غلط ہے اور ''فی الرقۃ ربع العشر'' کو مذکور الصدر احادیث کے مطابق محمول کیا جائے گا یعنی چاندی میں نصاب کے بعد چالیسواں حصہ زکوۃ دی جائے گی۔ علاوہ ازیں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ سونے کے نصاب کے بارے میں جس قدر احادیث مروی ہیں، سب ضعیف الاسناد ہیں، علامہ نووی لکھتے ہیں:

احادیث صحیحہ میں سونے کے نصاب کا ذکر نہیں ہے۔ بعض احادیث میں سونے کا نصاب بیس مثقال سونا بیان کیا گیا ہے لیکن یہ سب ضعیف ہیں، البتہ معتبر فقہاء اسلام کا اس امر پر اجماع ہے۔ (شرح مسلم ج ١ ص ٣١٦، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

اسی طرح نقد رقم، سونے چاندی، مال تجارت اور مویشیوں پر زکوۃ کے لیے حولان حول (سال گزرنے) کی شرط بھی فقہاء کے اتفاق سے ثابت ہے، اور بعض احادیث جو ضعیف الاسناد ہیں، ان میں بھی حولان حول کا ذکر ہے جن میں سے کچھ کا ہم نے ذکر کر دیا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے، یہ تعداد اُس دن سے اللہ کی کتاب میں لکھی ہوئی ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا تھا، ان مہینوں میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں، یہی دین مستقیم ہے، لہٰذا تم ان مہینوں میں ایک دوسرے سے لڑکر اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، اور تم تمام مشرکین سے اس طرح لڑو جس طرح وہ تم سب سے لڑتے تھے، اور یاد رکھو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہیںO'' (التوبہ:٣٦)

''اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا'': اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں۔

اور یہ محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاول، جمادی الآخر، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ہیں۔

''فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ'': اللہ عزوجل کے حکم میں، دوسرا قول ہے اللوح المحفوظ میں۔ ''يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ'': اس سے مراد قمری مہینے ہیں اور یہ وہ مہینے ہیں جن کو مسلمان اپنے روزہ رکھنے اور حج کرنے اور عیدین اور باقی تمام معاملات میں شمار کرتے ہیں۔ اور شمسی مہینوں کے اعتبار سے ایک سال تین سو پینسٹھ (٣٦٥) دن کا ہوتا ہے، اور قمری مہینوں میں ہر سال میں تین سو ساٹھ (٣٦٠) دن ہوتے ہیں، کیونکہ قمری مہینہ، ہر مہینے ایک دن کم ہوجاتا ہے۔ اور ان میں سے غالب تین سو اڑتالیس (٣٤٨) دن ہوتے ہیں۔

''مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ'': ان مہینوں میں چار مہینے حرمت والے ہیں۔ اور یہ رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں۔ ان میں سے ایک مہینہ اکیلا ہے اور تین مہینے مسلسل ہیں۔ ''ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا'': یہی صحیح حساب ہے، پس تم ان دنوں کی تعداد میں کمی بیشی کرکے اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے اور اس کی عبادت ترک کرکے اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

''فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ'' یعنی حرمت والے مہینوں میں نیک کام کرنے کا بہت زیادہ اجر ہوتا ہے اور اس میں گناہ کرنے کا بہت زیادہ عذاب ہوتا ہے، اگرچہ ہر حال میں گناہ کرنا بہت سخت عذاب کا موجب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو کہ حرام کاموں کو ان ایام میں مثلاً قتل وغارت گری اور لوٹ مار کو ان دنوں کے اندر حلال کرلو۔ محمد بن اسحاق بن یسار نے کہا: تم ان حرمت والے مہینوں میں حرام کام نہ کرو جیسے مشرکین کرتے ہیں کہ وہ مہینوں کو آگے پیچھے کردیتے ہیں۔ ''وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً'': یعنی تم تمام مشرکین سے قتال کرو، جس طرح وہ تم سب سے قتال کرتے تھے۔

حرمت والے مہینوں میں قتال کی حرمت عام ہے یا اس میں کوئی تخصیص ہے؟

علماء کا حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کے متعلق اختلاف ہے، بعض فقہاء نے کہا: حرمت والے مہینوں میں قتال کرنا گناہِ کبیرہ تھا، پھر ''وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً'' سے یہ ممانعت منسوخ ہوگئی۔ اور دوسرے علماء یعنی قتادہ، عطاء خراسانی، الزہری اور سفیان الثوری نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ ہوازن کے خلاف حنین میں اور قبیلۂ ثقیف کے خلاف طائف کے میدان میں جنگ کی تھی اور شوال اور ذوالقعدہ کے بعض ایام میں ان کا محاصرہ کیا تھا، اس لئے یہ حرمت منسوخ ہوگئی، اور دوسرے فقہاء نے کہا: یہ

حرمت منسوخ نہیں ہوئی۔ عطاء بن ابی رباح نے کہا: لوگوں کے لیے حرم میں اور حرمت والے مہینوں میں قتال کرنا جائز نہیں ہے، سوا اس کے کہ مشرکین مسلمانوں پر حملہ کریں تو ان کی مدافعت میں ان مہینوں میں اور حرم میں قتال کرنا منسوخ نہیں ہوا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''حرمت والے مہینوں کو پیچھے کرنا صرف کفر میں اضافہ کرنا ہے، اس برے عمل سے کفار کو گمراہ کیا جاتا ہے جو ایک سال میں لڑائی کو حلال قرار دیتے تھے اور دوسرے سال اسی مہینے میں لڑائی کو حرام قرار دیتے تھے تاکہ اللہ کے حرام کردہ مہینوں کی تعداد پوری کریں، پھر اللہ کے حرام کردہ مہینوں کو آپس کی لڑائی کے لیے حلال کر لیں، ان کے برے اعمال اُن کے لیے خوش نما بنا دیئے گئے ہیں، اور اللہ کفر پر اصرار کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتے O'' (التوبہ: ٣٧)

'' اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ۝ '':

''النسیء'' کا لغوی معنی

النسیء کالفظ السعیر اور الحریق کی طرح مصدر ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ الجریح اور القتیل کی طرح فعیل بہ معنی مفعول ہے اور اس کا معنی ہے تاخیر، اور اسی سے ماخوذ ہے النسیئة فی البیع، کہا جاتا ہے ''انسء اللہ فی اجلہ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی میعاد میں تاخیر فرما دی، یعنی اضافہ فرما دیا۔ اور النسیء کا معنی ہے کہ قتال کی حرمت کو ایک مہینہ سے دوسرے مہینہ کی طرف مؤخر کرنا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب ان مہینوں کی تعظیم بہت زیادہ کرتے تھے، جب سے انہوں نے ملت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی شروع کی تھی اور پورا سال وہ شکار کرتے رہتے تھے اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ پھر تین مہینے مسلسل قتل و غارت گری اور لوٹنا ان کے لیے مسلسل تھا، اور بعض اوقات دوسرے مہینوں میں اُن کی کسی سے لڑائی ہوتی، وہ لڑائی کو مؤخر کرنا ناپسند کرتے تھے، لہٰذا انہوں نے اس مہینہ کو دوسرے مہینہ کی طرف مؤخر کرنا شروع کر دیا اور وہ محرم کو صفر تک مؤخر کر دیتے، پھر صفر کے مہینہ میں لڑائی کو حرام قرار دیتے، اور محرم میں لڑائی کو حلال قرار دیتے، پھر جب وہ مزید تاخیر کی طرف محتاج ہوتے تو اسی طرح لگاتار مہینوں کو مؤخر کرتے رہتے تھے۔

بارہ مہینوں کی تعداد کے متعلق احادیث

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک زمانہ گھوم کر اپنی ہیئت اور اصل پر آ گیا ہے، جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا تھا، سال بارہ مہینوں کا ہے، ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں، تین مہینے تو لگاتار ہیں ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم، اور ایک (قبیلہ) مضر کا رجب ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے (پھر آپ نے پوچھا:) یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے، آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس مہینے کا کوئی اور نام رکھیں گے، پھر آپ نے فرمایا: کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟، ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ نے پوچھا: یہ کونسا شہر ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے، پس آپ خاموش رہے، حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ عنقریب اس شہر کا کوئی اور نام رکھیں

گے، پس آپ نے فرمایا: کیا یہ البلدۃ (مکہ مکرمہ) نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ نے پوچھا: پس یہ کون سا دن ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے، سو آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ عنقریب آپ اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے، آپ نے فرمایا: کیا یہ یوم النحر نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: بے شک تمہاری جانیں اور تمہارے اموال، محمد نے کہا: میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا: اور تمہاری عزتیں، تم پر اسی طرح حرام ہیں جیسا کہ تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس شہر میں ہے اور تمہارے اس مہینے میں ہے اور عنقریب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے، پس وہ عنقریب تم سے تمہارے اموال کے متعلق سوال فرمائیں گے، سنو! تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا، تم ایک دوسرے کی گردنیں نہ مارنا، سنو! چاہیے کہ حاضر غائب کو پہنچا دے، کیونکہ ہوسکتا ہے بعض وہ جس کو حدیث پہنچائی جائے، وہ حدیث کو سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہو، پس محمد جب اس حدیث کو ذکر کرتے تو کہتے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے، پھر آپ نے فرمایا: سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ (صحیح البخاری: ٦٧، ١٠٥، ١٧٤١، ٣١٩٧، ٤٤٠٦، ٤٦٦٢، ٥٥٥٠، ٧٠٧٨، ٧٤٤٧، صحیح مسلم ١٦٧٩، سنن ابن ماجہ: ٢٣٣، مسند احمد: ١٩٨٧٣، سنن دارمی: ١٩١٦)

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف، ج ١٢ ص ٤١٣، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٣٣ھ)

زمانہ جاہلیت میں عربوں کے مہینوں کو موخر کرنے کی توجیہ

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ ''دار'' اور ''استدار'' اس وقت کہا جاتا ہے، جب کوئی چیز گھوم کر اس جگہ پر آجائے جہاں سے اس چیز کی ابتداء ہوئی تھی، اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ عرب محرم کو صفر کی طرف مؤخر کر دیتے تھے، تا کہ محرم کے مہینہ میں قتال کریں، یعنی محرم کے مہینہ میں قتال جائز نہیں تھا تو وہ محرم کو مؤخر کر دیتے تھے اور صفر کو محرم قرار دیتے تھے تا کہ محرم کے مہینہ میں قتال کرسکیں اور یہ ایک سال سے لے کر دوسرے سال تک ایسا کرتے رہتے تھے، پس محرم کا مہینہ ایک ماہ سے دوسرے ماہ کی طرف منتقل ہوتا رہتا تھا حتیٰ کہ وہ سال کے تمام مہینوں میں اسی طرح کرتے رہتے تھے۔ پس جب کہ اس سال زمانہ اپنی مخصوص حالت پر آگیا، یعنی ان کی نقل سے پہلے اور سال اپنی اصلی ہیئت پر آگیا اور ایسا حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا تھا، پس اس سال حج ذوالحجہ میں ہوا اور زمانہ جاہلیت میں عرب جو مہینوں کو مؤخر کرتے تھے، وہ باطل ہوگیا اور مہینے اپنی وضع قدیم پر لوٹ آئے۔

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن المتوفی ٨٠٤ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قربانی کے ایام کی تحقیق

قربانی کے ایام میں علماء کا اختلاف ہے، اور اس میں دو مشہور مذہب ہیں:

(١) قربانی یوم النحر کو ہے اور اس کے بعد دو دن ہیں، یہ امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، الثوری اور امام احمد کا مذہب ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اور ابن حزم ظاہری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر بیان کیا ہے کہ نحر تین دن ہے اور ان میں افضل پہلا دن ہے۔

(٢) عطاء، الحسن بصری، اوزاعی، امام شافعی اور ابوثور کا مذہب ہے کہ قربانی چار دن ہے، ابن بطال نے کہا ہے: صحابہ کا ان دو

قولوں کے سوا اور کوئی قول نہیں ہے اور ائمہ فتویٰ اور تابعین نے انہی دو قولوں میں سے کسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ان کے علاوہ باقی اقوال شاذ ہیں۔

قربانی کے ایام کے متعلق احناف کے موقف کے مطابق احادیث

ابن سیرین نے کہا: قربانی صرف ایک دن ہے اور وہ یوم النحر ہے، اور امام بخاری نے بھی اسی کا عنوان قائم کیا ہے۔ اور یہی ابوسلیمان کا قول ہے۔

سعید بن جبیر اور جابر بن زید نے کہا کہ تمام شہروں میں قربانی ایک دن ہے اور منیٰ میں تین دن ہے، اور قتادہ نے کہا: یوم النحر کو قربانی ہے اور اس کے بعد چھ دن ہے، اور ابن تین نے نقل کیا ہے کہ قربانی دس دن ہے، اور حسن بصری سے منقول ہے کہ قربانی ذوالحجہ کے آخر تک ہے۔

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: ان اقوال کی سنت میں کوئی اصل نہیں ہے اور نہ صحابہ کے اقوال میں ان کی کوئی اصل ہے۔

ابن بطال نے کہا ہے کہ حدیث میں جو ہے کہ کیا آج یوم النحر نہیں ہے؟ اس سے یہ استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کہ یوم النحر یعنی دس ذوالحجہ کے علاوہ کسی دن نحر کرنا یا ذبح کرنا یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ ایام منیٰ میں نحر ہوتا ہے اور تمام متقدمین اور متاخرین نے اس کو نقل کیا ہے اور تمام شہروں میں اسی پر عمل ہے، لہٰذا جو اس کے خلاف کہے، اس کا قول دلیل نہیں ہے۔

اور امام ابن ابی حاتم بن حبان نے اپنی صحیح میں یہ روایت کیا ہے کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکہ کے تمام راستے نحر کی جگہ ہیں، اور تمام ایام تشریق میں ذبح ہے۔ (صحیح ابن حبان ج ۹ ص ۱۶۶، رقم الحدیث: ۳۸۵۴)

نیز اس آیت سے بھی استدلال کیا گیا ہے:

وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝ (الحج:۲۸)	اور مقررہ ایام میں ان بے زبان مویشیوں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو دیئے ہیں، پس تم ان میں سے خود کھاؤ اور مصیبت زدہ فقیر کو بھی کھلاؤ ○

اس آیت میں یہ بتلایا ہے کہ ''ایام معلومٰت'' کے اندر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر قربانی کو ذبح کیا جائے، اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ قربانی صرف ایک دن ہے اور وہ یوم النحر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایام کا ذکر فرمایا ہے اور لیالی یعنی راتوں کا ذکر نہیں فرمایا۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا کہ رات میں بھی قربانی کو ایام نحر میں ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب ایام کا ذکر کیا ہے تو راتیں اس کے تابع ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ راتوں کا ذکر فرمائے تو دن اس کے تابع ہوتے ہیں۔

اشعب، اسحاق اور ابوثور کا یہی مذہب ہے۔ (الاستذکار ج ۱۵ ص ۲۰۳۔۲۰۶)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۶ ص ۲۰۶۔۲۰۸، ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۴۷۔۳۵۰، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى

الْاَرْضِ ؕ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿۳۸﴾

اے ایمان والو! اس کا کیا سبب ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کیلئے نکلو تو تم بوجھل قدموں کے ساتھ زمین پر چلتے ہو، کیا تم آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کررہے ہو؟ سنو! آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی بہت کم ہے O

اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّ یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَیْـًٔا ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾

اگر تم جہاد کے لیے نہیں نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا فرمادیں گے اور تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئیں گے، اور تم اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکو گے، اور اللہ ہر اس چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں جس کو وہ چاہیں O

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَ اَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰی ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۴۰﴾

اگر تم نے ہمارے مکرم رسول کی مدد نہیں کی، تو بے شک اللہ نے اُن کی اس وقت مدد فرمائی تھی جب ان کو کافروں نے اُن کے وطن سے نکال دیا تھا، جب وہ غار میں تھے تو دو میں سے دوسرے نے اپنے صاحب سے کہا: تم فکر نہ کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہیں، پھر اللہ نے اُن پر اپنا سکون نازل فرمادیا اور اُن کی ایسے لشکروں سے تائید فرمائی جن کو تم نے نہیں دیکھا، اور اللہ نے کافروں کے دین کو سرنگوں فرمادیا، اور اللہ کا دین ہی سربلند رہنے والا ہے، اور اللہ سب پر غالب، سب سے زیادہ حکمت والے ہیں O

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

تم جہاد کے لیے خواہ خوش دلی سے تر وتازہ نکلو یا بوجھل قدموں سے نکلو، اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، اگر تم صحیح ایمان رکھنے والے ہو تو یہ جہاد تمہارے لیے سب سے بہتر ہے O

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِیْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَ لٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَیْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ

وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٤٢﴾

(اے رسولِ اکرم!) اگر دنیاوی سامان قریب کے سفر میں میسر ہوتا اور سفر بھی درمیانی ہوتا تو یہ منافقین ضرور آپ کے ساتھ جہاد کے لیے نکلتے ،لیکن انہیں ہر دور دراز کی مشقت میں پڑ نا دشوار معلوم ہوتا ہے اور وہ ضرور اللہ کی قسمیں کھا کر کہیں گے: اگر ہماری طاقت میں ہوتا تو ہم ضرور آپ کے ساتھ جہاد کے لیے نکلتے ،وہ اپنی جانوں کو ہلاک کر رہے ہیں ،اور اللہ خوب جاننے والے ہیں کہ بے شک وہ (منافقین) جھوٹے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اس کا کیا سبب ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کیلئے نکلو تو تم بوجھل قدموں کے ساتھ زمین پر چلتے ہو، کیا تم آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر رہے ہو؟ سنو! آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی بہت کم ہے O'' (التوبہ:٣٨)

تبوک کا محل وقوع اور اس کا مفصل تذکرہ

تبوک: درب الحج پر ایک شہر جو دمشق مدینہ ریلوے کا ایک سٹیشن بھی ہے۔ (یاقوت کے بیان کے مطابق یہ الحجر سے چار دن کی راہ پر ہے اور مدینہ منورہ سے بارہ دن کی راہ پر)، یہ ریتلے میدان کی معمولی سی اونچائی پر واقع ہے اور اس کا کنواں بہت ہی اچھا ہے۔ غالباً یہی وہ کنواں ہے جس کا ذکر قصص عرب میں بھی آیا ہے۔ یہاں کی اہم ترین عمارت حاجیوں کا قلعہ ہے، جو ایک کتبے کے مطابق ١٠٦٤ھ (١٦٥٤ء) میں تعمیر ہوا۔ اس کا قدیم ترین حصہ بعد کی ترمیمات سے بخوبی متمیز ہے۔ اس کے علاوہ دور حاضر کی ایک مسجد ہے جس کی عمارت میں خوبصورت ترشے ہوئے پتھر لگے ہوئے ہیں۔ اوائٹنگ (Euting) نے اس عمارت کو تقریباً خالی پایا، کیونکہ اس میں صرف پانچ فوجی حفاظت کے لیے موجود تھے۔ یوسان (Jaussen) اور ساویناک (Savignac) کوئی چالیس گھروں کا ذکر کرتے ہیں، جن کی دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں اور جن کی چھتوں پر درختوں کی شاخیں اور ان پر ٹوٹے پھوٹے اینٹ پتھر پڑے ہوئے تھے۔ پھلوں کے درختوں کی حالت سے ظاہر تھا کہ اُن سے بہت غفلت برتی جارہی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تبوک بلاد عرب کی شمالی سرحد کے خط پر واقع تھا، اس سے پرے بزنطینی حد شروع ہو جاتی تھی۔ جب ٩ ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شمالی علاقوں کے خلاف غزوۂ عظیمہ شروع کیا تو اس جگہ کو تاریخی اہمیت حاصل ہوگئی۔ جب آپ یہاں پہنچے تو رومی، عاملة، لخم اور جذام جو یہاں جمع ہو گئے تھے، منتشر ہو گئے۔ آپ نے اس مہم کو ترک کرنے کا فیصلہ کیا۔ گرمی کی شدت کی وجہ سے آپ یہاں دس راتوں سے کچھ زیادہ (طبقات ابن سعد: بیس راتیں) ٹھہر کر واپس ہو گئے۔ ان ایام کے قیام سے آپ نے یہ فائدہ اٹھایا کہ (تبوک) ایلة، اذرح، مقنا، (اور الجرباء) کے لوگوں سے آپ کی بات چیت ہوئی اور وہ مطیع ہو گئے۔

(مآخذ: یاقوت، معجم، ج١ ص ٨٢٤، ابن ہشام ص ٩٠٢، طبری ج١ ص ١٦٩٢، واقدی ص ٣٩٠، البلاذری ص ٥٩)

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج٦ ص ١٣١ ـ ١٣٢، پاکستان)

ڈاکٹر غلام جیلانی برق لکھتے ہیں:

تبوک: وادی القریٰ کے شمال میں شام کا ایک سرحدی شہر، جو کبھی ایک تباہ شدہ قوم اصحاب الایکہ کا وطن تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس شہر پر ۹ ہجری میں چڑھائی کی تھی اور یہ آپ کا آخری غزوہ تھا۔ (معجم البلدان ص ۸۱، شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی)

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی متوفی ۱۴۱۸ھ، لکھتے ہیں:

تبوک کی جنگ عام قسم کی جنگ نہ تھی بلکہ ہر پہلو سے یہ بے مثال جنگ تھی۔ مدینہ طیبہ سے میدان جنگ دس بیس یا پچاس ساٹھ میل کی مسافت پر نہ تھا بلکہ سات سو کلومیٹر اور ایک روایت کے مطابق نو سو کلومیٹر پر تبوک کا شہر واقع تھا جہاں یہ جنگ لڑی جانے والی تھی اور یہ فاصلہ لق ودق صحراؤں اور بے آب و گیاہ ریگزاروں سے ہو کر گزرتا تھا۔ مجاہدین اسلام کے پاس نہ خورد ونوش کے اطمینان بخش ذخائر تھے اور نہ مجاہدین کی سواری کیلئے معقول انتظام تھا۔ تین مجاہدین کیلئے ایک اونٹ کا بندوبست ہو چکا تھا۔ ہر مجاہد اگر پانچ میل اونٹ وغیرہ پر سوار ہو کر طے کرتا تھا تو اسے دس میل پیدل چلنا پڑتا تھا۔ پانی جیسی اہم ترین چیز کی از حد قلت تھی۔ انہیں اپنی خشک زبانوں اور خشک حلق کو صرف تر کرنے کے لئے اپنی سواری کے اونٹ ذبح کرنے پڑتے تھے تا کہ ان کی آنتوں اور معدوں سے جو مائع چیز دستیاب ہو، اس سے وہ اپنی زبان کو تر کر سکیں۔

وہ موسم جس میں یہ جنگ پیش آئی تھی، سخت گرمیوں کا موسم تھا۔ گرم لو چلتی تھی اور جسم کی کھال کو جلا کر رکھ دیتی تھی۔ صحرائے عرب کا سورج سارا دن ایسی آتشیں کرنیں برساتا رہتا تھا کہ زمین تانبے کی طرح تپ جایا کرتی تھی۔ لشکر اسلام کا مقابلہ کسی صحرائی قبیلہ سے نہ تھا جس کے جوانوں کی تعداد چند سو یا چند ہزار تھی بلکہ یہاں مقابلہ سلطنت روم سے تھا جو اس وقت کی دو عالمی طاقتوں میں سے ایک طاقت تھی، جس نے ابھی ابھی اپنی حریف عالمی طاقت (سلطنت ساسان) کو زبردست شکست دی تھی، جس کے پاس جدید اسلحہ کے انبار تھے اور فوج کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔ کھانے پینے کی اشیاء کے ذخائر طویل مدت تک فوج کی ضروریات کے لئے کافی تھے۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں مجاہدین اسلام نے جس جرأت اور پامردی کا مظاہرہ کیا، اقوام عالم کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ (ضیاء النبی، ج ۴ ص ۵۸۶۔۵۸۷، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

غزوۂ تبوک کا قصہ اور اسی کو "غزوۃ العسرۃ" یعنی تنگی کا غزوہ کہتے ہیں

علامہ عمر بن علی ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ، لکھتے ہیں:

تبوک کا لفظ منصرف ہے کیونکہ اس میں تانیث ہے اور علمیت ہے اور بعض جگہ یہ منصرف بھی آیا ہے، اس وقت یہ الموضع یعنی جگہ کی تاویل میں ہے، تبوک اس چشمہ کا نام ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو یہ حکم دیا تھا کہ اس کے پانی کو نہ چھوؤ۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن عمر الواقدی المتوفی ۲۰۷ھ، لکھتے ہیں:

بنوسلمہ کا ایک منافق مرد اپنی قوم کو غزوۂ تبوک میں جانے سے روک رہا تھا اور اس نے جبار بن صخر اور بنوسلمہ کی ایک جماعت سے کہا: اے بنوسلمہ! تم اتنی گرمی میں تبوک کی طرف نہ نکلو اور وہ کہتا تھا: اتنی گرمی کے اندر جہاد کے لیے جانا درست نہیں، اللہ عزوجل نے ان منافقین کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: "وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝ (التوبہ: ۸۱)" (اور کہنے لگے: "اس سخت گرمی میں نہ نکلو" آپ کہیے: "جہنم کی آگ (تبوک کی گرمی سے) کہیں زیادہ سخت ہے"

کاش کہ یہ لوگ اپنی سمجھ سے کام لیتے)۔ (کتاب المغازی، ج ۲ ص ۳۸۱۔۳۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ، تفسیر الطبری ج ۱۱ ص ۶۰۴، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۲۱۴، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۵۵، تفسیر عبد الرزاق ج ۱ ص ۲۸۴)

نیز امام ابوعبداللہ محمد بن عمر الواقدی المتوفی ۲۰۷ھ، نے کہا ہے: چار منافقین نے جلدی جا کر اس پانی کو چھوا تھا، ان کے نام یہ ہیں: معتب بن قشیر، حارث بن یزید الطائی، ودیعہ بن ثابت اور زید بن لصیت۔

''بُوك'' کے معنی چڑھنے کے بھی آتے ہیں اور کسی چیز کو کھودنے اور نقش ڈالنے کے لیے بھی آتے ہیں۔

امام مسلم نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ تم عنقریب تبوک کے چشمہ پر پہنچو گے، ان شاء اللہ اور تم چاشت کے وقت ہی وہاں پہنچو گے، سو تم میں سے جو شخص اس چشمہ کے پاس جائے تو اس پانی کو نہ چھوئے۔ (صحیح مسلم: ۲۲۸۱)

ابن عائذ نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چشمہ سے ایک چلّو پانی لیا، پھر اس پانی کو تھوک دیا۔ تبوک اور مدینہ کے درمیان چودہ مرحلوں کی مسافت ہے اور تبوک اور دمشق کے درمیان گیارہ مرحلوں کی مسافت ہے اور یہ آخری غزوہ ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنفسہٖ شریک تھے۔

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے کہا ہے کہ آپ رجب نو ہجری جمعرات کے دن تبوک کی طرف روانہ ہوئے تھے اور اس کو تنگی کا غزوہ کہا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ''الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ فِیْ سَاعَۃِ الْعُسْرَۃِ۔ (التوبہ: ۱۱۷)'' (جن لوگوں نے تنگی کی ساعت میں آپ کی پیروی کی)۔

صحابہ کرام سخت گرمی میں تبوک کی طرف روانہ ہوئے تھے اور دو اور تین مرد ایک اونٹ پر سوار ہوئے تھے اور انہوں نے اونٹوں کو ذبح کیا اور ان کی اوجھڑیوں سے پانی نکال کر ان کو پیا اور یہ پانی کی قلت تھی اور اس سے طہارت مشکل تھی اور کھانے پینے کی چیزوں کی تنگی تھی۔

تبوک کے سوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی غزوہ میں گئے تو آپ نے کسی اور نام سے اس غزوہ کا کنایہ کیا لیکن غزوۂ تبوک میں آپ نے بتا دیا تھا کہ آپ تبوک کی طرف جا رہے ہیں، تا کہ صحابہ کرام سفر کی پوری تیاری کر سکیں اور وہ اپنے آپ کو دور دراز سفر کی مشقت کے لیے تیار کر سکیں، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ بہت سارے رومی شام کی سرحد پر جمع ہو گئے ہیں اور ہرقل نے اپنی فوجوں کو ایک سال کی پیشگی تنخواہیں دے دی ہیں اور ان کے ساتھ لخم، جذام، عاملہ اور غسان کے قبائل بھی آ کر مل گئے ہیں اور وہ سب سرزمین البلقاء میں جمع ہو گئے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو ان کی طرف روانہ ہونے کے لیے طلب کیا اور بتا دیا کہ آپ کہاں جانے کا ارادہ کر رہے ہیں، تا کہ مسلمان اس کی تیاری کر لیں اور یہ سخت گرمیوں کا زمانہ تھا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پر محمد بن مسلمہ کو خلیفہ بنایا، اور یہ ہمارے نزدیک زیادہ ثابت ہے۔ (الطبقات ج ۲ ص ۱۶۵۔۱۶۶)

حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک زیادہ ثابت یہ ہے کہ آپ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ کو خلیفہ بنایا تھا، جب آپ روانہ ہوئے تو عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی پیچھے رہ گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار صحابہ کے ساتھ تبوک روانہ ہوئے اور اس میں دس ہزار گھوڑے تھے، آپ تبوک میں بیس دن ٹھہرے اور نماز قصر کرتے رہے، حضرت ابوذر اور حضرت ابوخیثمہ بعد میں آ کر آپ سے ملے تھے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس آ گئے اور آپ کو کوئی جنگ درپیش نہیں ہوئی، آپ مدینہ میں رمضان نو ہجری میں

پہنچے تھے۔

امام بیہقی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ ان کے پالانوں اور کپڑوں کے ساتھ غزوۂ تبوک میں پیش کیے تھے۔ (دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۲۱۴۔۲۱۹)

اور امام واقدی نے سات سو اونٹوں اور ایک سو گھوڑوں کا ذکر کیا ہے۔

امام ابن اثیر نے ابوزرعہ سے روایت کیا ہے کہ تبوک میں آپ کے ساتھ چالیس ہزار صحابہ تھے اور حاکم کی کتاب میں ابوزرعہ سے روایت ہے کہ ستر ہزار صحابہ تھے۔

امام بیہقی نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو تبوک کی طرف روانہ ہوئے اور پھر تبوک سے لوٹ آئے، اس کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود آئے اور انہوں نے کہا: اے ابوالقاسم! اگر آپ واقعی نبی ہیں تو شام میں جائیں، اسی جگہ حشر ہوگا اور وہی انبیاء (علیہم السلام) کی سرزمین ہے، تو آپ نے ان کے قول کی تصدیق کی، پھر آپ غزوۂ تبوک میں گئے تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی یہ آیت نازل فرمائی: ''وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا۔۔ (بنی اسرائیل: ٧٦)'' (اور بے شک وہ قریب تھے کہ اس زمین سے آپ کے قدم ڈگمگا دیں تا کہ آپ کو اس سے باہر کر دیں)۔

اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مدینہ کی طرف واپس جانے کا حکم دیا۔ امام بیہقی نے کہا ہے کہ یہ تقریر اس صورت میں ہے کہ جب یہ حدیث صحیح ہو۔ (دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۲۵۴۔۲۵۵)، (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۱ ص ۵۸۷)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے یہ باب حجۃ الوداع کے باب کے بعد لکھا ہے اور یہ ان کی خطاء ہے اور میرا گمان یہ ہے کہ صحیح بخاری کے نسخوں کو نقل کرنے والوں سے یہ خطاء ہوئی ہے، کیونکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ غزوۂ تبوک رجب کے مہینہ میں نو ہجری کو ہوا تھا اور امام ابن عائذ نے کہا ہے کہ یہ غزوہ طائف کے چھ ماہ بعد ہوا تھا اور یہ رجب نو ہجری کے قول کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس آنے کے بعد ذوالحجہ میں مدینہ میں داخل ہوئے اور تبوک ایک معروف جگہ ہے جو مدینہ سے دمشق کی طرف نصف راستہ پر ہے اور حجۃ الوداع اس کے بعد دس ہجری میں ہوا تھا، لہٰذا حجۃ الوداع کے بعد غزوۂ تبوک کا ذکر کرنا صحیح نہیں ہے، یہ غزوۂ تبوک سخت تنگی کا غزوہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ہم سخت گرمی میں تبوک کی طرف گئے تھے اور ہم کو شدید پیاس لگی تھی۔

امام طبرانی نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل کو لکھا کہ جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کی قوم قحط سے ہلاک ہو رہی ہے، تم ان کے خلاف افواج بھیجو تو اس نے چالیس ہزار افواج کو بھیجا، یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی اور آپ کے پاس اس وقت مالی قوت نہیں تھی، پھر بھی آپ نے ہرقل کی افواج سے جہاد کرنے کے لیے روانگی کا ارادہ فرمایا، اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دو سو اونٹوں اور ان کے پالانوں کے ساتھ مزید دو سو اوقیہ چاندی کے ساتھ آپ کی مدد کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا: اس کے بعد عثمان جو بھی عمل کریں، اس سے ان کو ضرر نہیں ہوگا۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۴۳۱۔۴۳۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

شیخ عبد الماجد دریا آبادی متوفی ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء، لکھتے ہیں:

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ '': یعنی مستعدی کے ساتھ اٹھتے اور چلتے نہیں۔ اشارہ رجب ۹ ہجری/ ۶۲۰ ء کے غزوۂ تبوک کی جانب ہے، تبوک مدینہ کے شمال میں سرحد شام پر ایک مقام کا نام ہے۔ شام اس وقت مسیحیوں کی رومن امپائر کا ایک صوبہ تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ آئے تو آپ کو اطلاع ملی کہ مسیحی فوجیں تبوک پر جمع ہو رہی ہیں اور عنقریب مدینہ پر حملہ کرنے والی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا۔ چنانچہ ۳۰ ہزار کی جمعیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہوگئی، تاہم اب آپ کا مقابلہ کسی ایک قبیلہ سے نہیں ایک باضابطہ قواعد دان شاہی فوج سے کرنا تھا، پھر موسم بھی شدید گرمی کا۔ فصل کے پکنے اور کٹنے کا زمانہ بھی قریب اور سفر خاصہ دور دراز۔ قدرتاً بہتوں کی ہمتیں جواب دے گئیں اور منافقین تو خوب خوب رنگ لائے۔ لشکر نصاریٰ کو جب اسلام کی اس مستعدی کی اطلاع ملی تو خود ہی ان کے حوصلے پست ہو گئے اور ان کی ہمت فوج کشی کی نہ پڑی۔ لشکر اسلام ایک مدت کے انتظار کے بعد بلا مقابلہ واپس آیا۔

(تفسیر ماجدی ص ۴۳۹۔ ۴۴۰، پاک کمپنی اردو بازار، لاہور)

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی متوفی ۱۴۱۸ ھ، لکھتے ہیں:

جب غزوۂ طائف وحنین سے فارغ ہو کر مسلمان مدینہ طیبہ پہنچے تو شام سے اطلاعیں آنے لگیں کہ قیصرِ روم اپنے لشکر جرار کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کر رہا ہے اور غسان کا بادشاہ جو نسلاً عرب اور مذہباً عیسائی تھا وہ بھی اس کے ہمراہ ہے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہاں انتظار کرنے کے بجائے خود اس کے ملک پر چڑھائی کا عزم فرمالیا اور مسلمانوں کو جہاد میں شرکت کی دعوت دی۔ سخت گرمی کا موسم تھا، پکی ہوئی کھجوروں کے نظر فریب خوشے لٹک رہے تھے، ٹھنڈا پانی پینے، گھنے سایا میں بیٹھنے اور آرام کرنے کے دن تھے۔ ان حالات میں اتنی طویل مسافت طے کر کے جانا اور ایک منظم اور مسلح لشکر سے نبرد آزما ہونا کوئی کھیل تماشا نہ تھا۔ منافق تو سب کے سب جھوٹے بہانے بنا کر الگ ہو گئے۔ بعض مسلمانوں کو بھی ابتداء میں یہ سفر بہت مشکل نظر آیا۔ اس وقت رب ذوالجلال نے اس پرجلال انداز میں جہاد کی دعوت دی جس سے اہل ایمان کی آنکھیں کھل گئیں۔ سستی اور کاہلی کافور ہوگئی اور سب کے سب (باستثناء تین: حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم) سربکف اپنے محبوب رسول کی قیادت میں قیصر کی افواج قاہرہ کو للکارنے کے لیے روانہ ہو گئے۔ ''اِنْفِرُوْا'' کا معنی ہے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ منتقل ہونا۔ ''النفر هو التنقل بسرعة من مكان الى مكان لامر يحدث۔ اور اثاقلتم کا معنی ہے بوجھل ہو جانا، اس میں بھی زجر و توبیخ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ راہِ جہاد میں تمہارے قدم نہیں اٹھ رہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم بوجھ سے لدے ہوا اور زمین پر گرا چاہتے ہو۔

دعوت جہاد قبول نہ کرنے پر جو آثار مرتب ہوتے ہیں ان کا ذکر فرمایا جا رہا ہے، یعنی اگر تم جذبۂ سرفروشی سے سرشار ہو کر میدان جہاد میں نہ نکلے تو تمہیں دنیا و آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ دنیا میں تمہاری عزت و دبدبہ خاک میں مل جائے گا اور آخرت میں دوزخ کا ایندھن بنا دیئے جاؤ گے، یہی سزا کچھ کم نہ تھی لیکن اس کے بعد جس چیز کا ذکر ہو رہا ہے وہ تو اس سے بھی سنگین ہے۔ ارشاد ہے کہ ہم نے جو تمہیں اپنے دین متین کی خدمت کی سعادت اور اپنے محبوب رسول کی غلامی کا شرف عطا فرمایا ہے اس سے محروم کر دیئے جاؤ گے اور کسی اور قوم کو یہ خدمت تفویض کر دی جائے گی۔ اللہ اکبر! اے غفلت کی نیند سونے والے مسلمان!

اے دعوائے ایمان کے باوجود اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں احکام خداوندی کے خلاف علم بغاوت کرنے والی امت! سن رہے ہو، اس رب ذوالجلال کا ارشاد، اس کی محکم کتاب کا اٹل فیصلہ، اگر اس نے اپنی بارگاہ رضا و قرب سے نکال دیا، اگر اس نے اسلام کی معزز قبا اُتار لی، اگر فراق کی منحوس رات نے اپنا دامن پھیلا دیا تو پھر کیا کرو گے۔

ہجر کی رات کاٹنے والو کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی؟

(ضیاء القرآن ج ٢ ص ٢٠٣۔ ٢٠٤، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

مجاہد بیان کرتے ہیں: جب اللہ عزوجل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگی اور عسرت کے زمانہ میں سخت گرمیوں کے دنوں میں تبوک کی طرف جہاد کیلئے روانگی کا حکم فرمایا تو مسلمانوں پر یہ حکم دشوار ہوا، کیونکہ اس وقت ان کی کھجوروں کے درختوں پر پھل پک چکے تھے اور وہ اس وقت مدینہ منورہ میں ہی ٹھہرنے کو پسند کرتے تھے، تب اللہ تبارک وتعالیٰ نے زجر و توبیخ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''جہاد کے لیے روانہ ہو''۔ اس آیت میں ''انْفِرُوْا'' کا لفظ ہے، اس کی اصل ''نفر'' ہے، اس کا معنی ہے: ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ جانا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کس سبب سے تم زمین پر بوجھل قدموں کے ساتھ چل کر روانہ ہو رہے ہو؟۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یہ لفظ ''تتثاقلتم'' ہے، پس باب تفاعل کی ''تاء'' کو دوسری ''تاء'' میں مدغم کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہمزہ وصل کا ملا کر ''اثَّاقَلْتُمْ'' پڑھا گیا۔ ''اِلَى الْاَرْضِ'': اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(١) مجاہد نے کہا: جس وقت تمہاری کھجوروں کے پھل پک چکے ہیں تو تمہارے لیے اس زمین سے نکلنا دشوار ہے، (٢) الضحاک نے کہا: تم دنیا کی طرف راغب ہو (٣) الزجاج نے کہا: تم اپنے وطن میں اقامت کرنے کو پسند کرتے ہو۔

''اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ'': کیا تم آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا کی پسندیدہ چیزوں کو ترجیح دیتے ہو؟

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اگر تم جہاد کے لیے نہیں نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا فرما دیں گے اور تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئیں گے، اور تم اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکو گے، اور اللہ ہر اس چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں جس کو وہ چاہیں O'' (التوبہ:٣٩)

''اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا'': اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو روم سے جنگ کرنے کے لیے ابھارا، تو ان پر یہ حکم دشوار ہوا، سو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت بُسر بن سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اللہ کے راستہ میں کسی غازی کو سامانِ حرب پہنچایا، سو اس کا بھی جہاد میں حصہ ہے، اور جس کو اس نے اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے لیے چھوڑا تو اس نے بھی گویا جہاد کیا۔

(صحیح البخاری: ٢٨٤٣، صحیح مسلم: ١٨٩٥، الرقم المسلسل: ٤٧٩٥، سنن ابوداؤد: ٢٥٠٦، سنن ترمذی: ١٦٣١۔ ١٦٢٨، سنن نسائی: ٣١٨٠، سنن ابن ماجہ: ٢٧٦٥، المعجم الکبیر: ٥٢٤٣، سنن بیہقی ج ٤ ص ٢٤٠، شعب الایمان: ٣٩٥٢، صحیح ابن حبان: ٤٦٣٠، مصنف عبدالرزاق: ٧٩٠٥، مسند الحمیدی: ٨١٨، مصنف ابن ابی شیبہ ج ٥ ص ٣٥١، سنن کبریٰ للنسائی: ٤٣٣٠، حلیۃ الاولیاء ج ٧ ص ٩٨، سنن سعید بن منصور: ٢٣٢٨، المعجم

الاوسط:٧٦٩٦،المعجم الصغیر:٨٠٣٦،تاریخ بغداد ج ١ ص ٢٤٣،صحیح ابن خزیمہ:٢٠٦٤،مسند احمد:١٧٠٣٣،مؤسسۃ الرسالہ،بیروت)

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف،ج ٨ ص ٧٧٣،دارالمعرفہ،بیروت،١٤٣٤ھ)

''وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ'':اس آیت میں اُن لوگوں پر وعید شدید ہے جنہوں نے بوجھل قدموں کے ساتھ جہاد کے لئے روانگی کی یا جو جہاد سے مونہہ موڑ کر بیٹھے رہے۔یعنی اگر تم دلی خوشی کے ساتھ جہاد کے لیے روانہ نہیں ہوئے تو اللہ تعالیٰ تمہاری ہلاکت کے بعد ایسے لوگوں کو لے آئیں گے جن پر جہاد کے لیے روانگی بوجھل نہیں ہوگی۔

ضیاء الامت حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی متوفی ١٤١٨ھ،لکھتے ہیں:

دین اسلام کی خدمت گزاری تمہیں پر موقوف نہیں،اسلام کا نور تو ہمیشہ فروزاں رہے گا اور اس کا پرچم تا ابد لہراتا رہے گا۔یہ کام اگر تم نے نہ کیا تو کوئی دوسرا یہ سعادت حاصل کرلے گا اور تمہیں محروم کردینے سے خدا کی خدائی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

(ضیاء القرآن ج ٢ ص ٢٠٥،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،لاہور)

''وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا'':حسن بصری نے کہا:یعنی اگر تم خوش دلی سے جہاد کے لیے روانہ نہ ہوئے تو جہاد کو چھوڑنے سے تم اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکو گے۔الزجاج نے کہا:یعنی اگر تم نے جہاد کے لیے روانہ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کی تو تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکو گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''اگر تم نے ہمارے مکرّم رسول کی مدد نہیں تو بے شک اللہ نے اُن کی اس وقت مدد فرمائی تھی جب ان کو کافروں نے اُن کے وطن سے نکال دیا تھا،جب وہ غار میں تھے تو دو میں سے دوسرے نے اپنے صاحب سے کہا:تم فکر نہ کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہیں،پھر اللہ نے اُن پر اپنا سکون نازل فرمادیا اور اُن کی ایسے لشکروں سے تائید فرمائی جن کو تم نے نہیں دیکھا،اور اللہ نے کافروں کے دین کو سرنگوں فرمادیا،اور اللہ کا دین ہی سربلند رہنے والا ہے،اور اللہ سب پر غالب،سب سے زیادہ حکمت والے ہیں O''

(التوبہ:٤٠)

''اِلَّا تَنْصُرُوْهُ'':یعنی اگر تم خوش دلی سے تبوک کی طرف روانہ نہیں ہوئے اور تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کی تو بے شک ''فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'':اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی ان کے دشمنوں کے خلاف پہلے بھی مدد فرما چکے ہیں جب کفارِ مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا اور آپ کو اپنے وطن سے بے وطن کرنے کا ارادہ کیا۔

''ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ'':یعنی دو میں سے دوسرے نے کہا،اللہ عزوجل نے دو میں سے ایک کی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کے تمام لوگوں پر سوا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عتاب فرمایا،اس آیت کا معنی ہے:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار میں تھے،تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب یہ دونوں غار میں تھے:

''اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا'':دونوں میں سے ایک یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحب سے فرمایا:تم فکر نہ کرو،بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہیں۔

اس آیت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر صحابی رسول کے اطلاق کی نص صریح ہے۔ سو جو شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کا منکر ہو وہ قرآن مجید کی اس آیت کا منکر ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

''غارِ ثور'' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت کا پس منظر اور پیش منظر

امام عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۸ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ سے نکلنے کا ارادہ کیا تو کسی کو اس کا علم نہیں تھا، ماسوا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آل ابوبکر کے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ میں چھوڑ دیا تھا اور ان کو یہ حکم دیا تھا کہ لوگوں کی جو امانتیں آپ کے پاس ہیں، وہ ان کو ادا کر دیں، اس کے بعد مدینہ آ جائیں اور مکہ میں جس شخص کے پاس بھی کوئی اہم چیز ہوتی تھی وہ اس کو آپ کے پاس رکھوا دیتا تھا کیونکہ سب لوگ آپ کی صداقت اور امانت پر یقین رکھتے تھے، حتیٰ کہ آپ کے جانی دشمن ہونے کے باوجود اپنی امانتیں آپ ہی کے پاس رکھواتے تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ سے نکلنے کا ارادہ کیا تو آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کے مکان کے پیچھے سے غار ثور کی طرف نکلے جو مکہ کے نشیب میں ایک پہاڑ ہے، وہ دونوں اس پہاڑ میں داخل ہو گئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ وہ بغور سنیں کہ لوگ ان کے متعلق کیا باتیں کرتے ہیں، پھر شام کو آ کر ہمیں خبر دیں اور اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ دن میں بکریاں چرائیں اور شام کو ان کے پاس آ جائیں، اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما شام کو ان کے پاس کھانا لے کر آتی تھیں۔

امام ابن ہشام فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رات کو غار میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے اور غار کو ٹٹول کر دیکھا کہ اس میں کہیں سانپ یا بچھو تو نہیں ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کے اثر سے محفوظ رکھیں۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۹۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک رات اور ایک دن کی نیکی عمر کی تمام زندگی کی نیکیوں سے افضل اور بہتر ہے، کیا میں تمہیں ان کی ایک رات اور ایک دن کے متعلق بتاؤں؟ راوی نے کہا: ہاں اے امیر المومنین! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رات تو وہ ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت فرمائی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیچھے چلتے، کبھی آگے چلتے، کبھی دائیں چلتے، کبھی بائیں چلتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا: اے ابوبکر! ایسا کیوں کر رہے ہو؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں آپ کے چاروں طرف اس لیے چل رہا ہوں کہ اگر کوئی اچانک آپ پر حملہ آور ہو تو اس کا پہلا نشانہ میں بنوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس رات چلتے رہے حتیٰ کہ آپ کے مبارک پاؤں گھس گئے، یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا اور آپ کو اٹھا کر دوڑنا شروع کیا حتیٰ کہ غار ثور کے دہانہ پر پہنچ گئے، وہاں انہوں نے آپ کو اتارا اور کہا: آپ کو اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، آپ غار میں پہلے داخل نہ ہوں، پہلے میں داخل ہوں گا، تاکہ اگر اس میں کوئی مضر چیز ہے تو پہلے مجھے اس کا ضرر پہنچے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار میں گئے اور کوئی مضر چیز نہیں پائی، غار میں بہت سوراخ تھے جن میں مختلف اقسام کے سانپ تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں ان سوراخوں سے کوئی سانپ نکل کر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء نہ پہنچائے، انہوں نے سوراخ میں اپنا قدم رکھ دیا، سانپ ان کے پیر پر ڈنک مارنے لگے اور ڈسنے لگے اور تکلیف کی شدت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رات کی نیکی ہے۔ الحدیث

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۴۷۷، البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۵۶۳، الریاض النضرہ للمحب الطبری ج ۱ ص ۱۰۶، الدر المنثور ج ۴ ص ۱۹۸، مختصر تاریخ دمشق ج ۱۳ ص ۵۵)

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی جوزی المتوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم غار میں ہیں، اگر کسی نے اپنے قدموں کے نشان کو دیکھا تو وہ ہمارے قدموں کے نشانوں کو بھی دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! تمہارا ان دونوں کے متعلق کیا گمان ہے جن میں کا تیسرا اللہ ہے! (صحیح البخاری: ۳۶۵۳، صحیح مسلم: ۲۳۸۱، مسند احمد ج ۱ ص ۴)

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ غار کی شب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے پہلے غار میں داخل ہونے دیں، آپ نے فرمایا: تم داخل ہو، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ داخل ہو کر اپنے ہاتھ سے ٹٹول ٹٹول کر غار کے سوراخوں کو دیکھتے رہے، پھر انہوں نے اپنے کپڑے کو پھاڑ کر غار کے تمام سوراخ بند کر دیئے، ایک سوراخ باقی رہ گیا تو اس میں اپنی ایڑی رکھ دی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل ہوئے تو آپ نے پوچھا: اے ابوبکر! تمہارا کپڑا (قمیص) کہاں ہے؟ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ بیان کیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی: اے اللہ! ابوبکر کو جنت میں میرے ساتھ میرے درجہ میں رکھنا۔

(المنتظم ج ۲ ص ۱۷۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ ھ، سبل الہدیٰ والرشاد ج ۳ ص ۲۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ ھ)

امام ابن جوزی مالکی متوفی ۵۹۷ ھ نے الوفاء میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سوراخ پر اپنی ایڑی رکھ دی تو سانپ ان کی ایڑی میں ڈنک مارنے لگے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے: اے ابوبکر! غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں سکون نازل فرمایا۔

(الوفا ج ۱ ص ۲۳۸، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، لائل پور)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ ھ، نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۸)

علامہ ابوجعفر احمد الشہیر بالمحب الطبری الشافعی المتوفی ۶۹۴ ھ لکھتے ہیں:

ابن السمان نے کتاب الموافقہ میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے اور اس میں جو سوراخ بھی دیکھا اس میں اپنی انگلی داخل کر دی حتیٰ کہ ایک بڑا سوراخ دیکھا، اس میں ران تک اپنی ٹانگ داخل کر دی، پھر کہا: یارسول اللہ! اب آپ غار میں آجائیے، میں نے آپ کے لیے جگہ تیار کر دی ہے۔ (الی ان قال) رات بھر سانپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ٹانگ میں ڈنک مارتے رہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بڑی تکلیف میں رات گزاری، صبح کو انہیں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! یہ کیا ہوا؟ ان کی پوری ٹانگ سوجی ہوئی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ سانپ کے ڈنک مارنے کا اثر ہے، آپ نے فرمایا: تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے آپ کی نیند کو خراب کرنا ناپسند کیا، پھر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اپنا ہاتھ پھیرا تو ان کے جسم کا سارا درد جاتا رہا اور وہ بالکل ٹھیک ہو گئے۔

(الریاض النضرہ فی مناقب العشرۃ ج ۱ ص ۱۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

غار ثور کی شب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رفاقت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی وجوہ

(۱) کفار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے درپے تھے اور آپ ان سے چھپ کر غار ثور میں داخل ہوئے تھے۔ اگر آپ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان اور ان کی جانثاری پر مکمل اعتماد نہ ہوتا تو ان کو اپنے ساتھ لے کر کبھی غار میں داخل نہ ہوتے۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہجرت کرنا اللہ کے حکم سے تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسبی قرابت دار بھی بہت زیادہ تھے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سفر میں رفاقت کے لیے صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر ہجرت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لینا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا اور یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چن لیا۔

(۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ثانی اثنین (دو میں سے دوسرا) فرمایا ہے، اور دین کے اکثر مناصب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ثانی تھے۔ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گئے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم کو اسلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گئے۔ اس طرح اسلام کی دعوت دینے میں اول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ثانی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ اسی طرح ہر غزوہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور آپ کی خدمت میں حاضر رہے، اس طرح وہ غزوات میں بھی ثانی اثنین ہیں، اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام مقرر فرمایا، پس امامت میں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ثانی اثنین ہیں، اور حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے قبر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھیں گے اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھیں گے۔ (سنن ترمذی: ۳۶۹۲)، لہٰذا قبر سے اٹھنے میں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ثانی اثنین ہیں۔ اور جنت میں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل ہوں گے اور امت میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ داخل ہوں گے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۶۵۲) لہٰذا دخول جنت میں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ثانی اثنین ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ تبلیغ دین میں، ہجرت کرنے میں، مغازی میں، امامت میں، امارت میں، قبر میں، حشر میں، دخول جنت میں، تمام اہم دینی مناصب اور مشاہد میں اول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ثانی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۴) اس آیت میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غمگین ہوئے تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسلی دی اور فرمایا: غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہیں، اور یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو تسلی دینے والے ہوں۔

(۵) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحب ہیں، اور یہ نص قطعی ہے جس کا انکار کفر ہے اور تمام صحابہ میں صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت منصوص ہے اور آپ کے صحابی ہونے کا انکار کفر ہے۔

(۶) اس آیت میں فرمایا ہے: اللہ ہمارے مع (ساتھ) ہیں، اور اس معیت سے حفاظت اور نصرت کی معیت مراد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو حفاظت اور نصرت فرمائیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی شامل فرمالیا

اور یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی فضیلت ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ متقین اور محسنین کے مع (ساتھ) ہوتے ہیں، اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا متقی اور محسن ہونا بھی منصوص ہوا، بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے بڑے متقی ہیں، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ۝ (اللیل: ۱۷۔۲۱)'' (اور سب سے بڑا متقی اس (آگ) سے بہت دور رکھا جائے گا O جو اپنا مال خرچ کرتا ہے تاکہ پاکیزہ ہو (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ذاتی مال سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو غیر معمولی قیمت دے کر خریدا)۔ اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ تمام صحابہ میں سب سے بڑے متقی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور اس پر کسی کا (دنیاوی) احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے (یہ اس لیے فرمایا کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بہت بڑی قیمت دے کر امیہ بن خلف سے خریدا تو مشرکین نے طعنہ دیا کہ ضرور بلال نے ابوبکر پر کوئی دنیاوی احسان کیا ہوگا جس کا بدلہ چکانے کے لیے انہوں نے اتنی بھاری قیمت کے عوض بلال کو امیہ بن خلف سے خرید کر آزاد کیا، تب اللہ عزوجل نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس نیکی پر کفار کے طعنہ کو دور فرمانے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی) O صرف اپنے رب کی رضا چاہنا ہے جو سب سے بلند ہیں O اور بے شک وہ عنقریب راضی ہو جائیں گے O)۔ اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ نیکی صرف اللہ عزوجل کی رضا کی طلب کے لیے تھی اور اللہ عزوجل نے یہ مژدہ سنایا کہ عنقریب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ عزوجل سے راضی ہو جائیں گے۔ اور اس آیت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ہونے کی دلیل ہے۔

(۷) احادیث اور کتب سیر سے ثابت ہے کہ غار ثور میں قیام کے دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے، عبداللہ بن ابی بکر اور ان کی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، ان کا غلام عامر بن فہیرہ، آپ تک مکہ کی خبریں پہنچانے اور آپ کے لیے طعام پیش کرنے میں لگے رہے اور یہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے کہ ان کی اولاد اور ان کے خدام اس خطرے کے موقع پر جان کی بازی لگا کر آپ کی خدمت میں مشغول رہے۔

(۸) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ پہنچے تو سب لوگوں نے جان لیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص کو سفر و حضر میں ساتھ رکھتے ہیں وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۹) اس آیت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی دلیل ہے، کیونکہ حاکمیت میں اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ثانی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ سالم بن عبید بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو انصار نے کہا: ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے ہوگا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ایسا کون شخص ہے جس کے متعلق یہ تین آیتیں ہوں: إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ (جب وہ دونوں غار میں تھے) وہ دونوں کون تھے؟ إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ (جب وہ اپنے صاحب سے کہہ رہے تھے) وہ صاحب کون ہیں؟ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہیں)، یہ دونوں کون ہیں؟ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ بڑھایا اور سب لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنی شروع کر دی اور یہ بہت عمدہ بیعت تھی۔

(السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۳۵۵، رقم الحدیث: ۱۱۲۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۱ھ)

(۱۰) غار ثور کی ان تین راتوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں انوار رسالت اس طرح جذب ہو گئے تھے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو استقبال کے لیے آئے ہوئے مسلمانوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سمجھا کہ یہ رسول اللہ ہیں اور وہ سب آگے بڑھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملنے لگے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سر پر چادر کا سایا کیا تا کہ لوگ جان لیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں، میں تو ان کا ایک غلام اور امتی ہوں۔ (صحیح البخاری:۳۹۰۵، دارارقم، بیروت)

آن امن الناس بر مولائے ما   آں کلیم اول سینائے ما

ہمت او کشت ملت را چو ابر   ثانی اسلام و غار و بدر و قبر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حسن و جمال بے مثال ہے، اور لوگوں کے درمیان جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہوں تو لوگ پہچان لیتے تھے کہ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کون سے ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ پہنچے تو لوگوں نے کیونکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ گمان کیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں، کیا لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انوار و تجلیات نہ تھے جس سے وہ پہچان لیتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کون ہیں، میں اس نقطہ کو ایک مثال سے سمجھا رہا ہوں:

میں کہتا ہوں کہ سرسوں کے پھولوں کو ایک رات چنبیلی کے پھولوں کے ساتھ گزار دیا جائے، پھر جب ان کا روغن نکالا جائے تو وہ سرسوں کا روغن نہیں ہوتا، نہ سرسوں کا رنگ ہوتا ہے، نہ سرسوں کی خوشبو ہوتی ہے، ایک رات سرسوں کو چنبیلی کے پھولوں کی معیت نصیب ہو تو ان کا رنگ بدل جاتا ہے، ان کی خوشبو بدل جاتی ہے، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کی شب مسلسل نو راتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قرب میں رہے تو کیوں نہ اُن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رنگ، آپ کی خوشبو اور آپ کے آثار نمایاں ہو گئے تھے، سعدی شیرازی متوفی ۱۲۹۱ھ، کہتے ہیں۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے   رسید از دست محبوبے بدستم

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری   کہ از بوئے دل آویز تو مستم

بگفتا من گلے ناچیز بودم   ولیکن مدتے با گل نشستم

جمال ہم نشیں در من اثر کرد   وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

یہی وجہ ہے کہ جب ہجرت کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچے تو دیکھنے والوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں، کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا چہرہ انوارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مظہر ہو گیا تھا، جب ایک رات مٹی کو پھولوں کی معیت نصیب ہو تو وہ پھولوں کی خوشبو کی مظہر ہو جاتی ہے، تو جن کو مسلسل نو راتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قرب میسر رہا ہو، وہ کیوں نہ انوارِ رسالت کے مظہر ہو گئے ہوں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

آیت "ثَانِيَ اثۡنَيۡنِ" میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے متعلق حضرت ضیاء الامت کے اخذ کردہ نکات

ضیاء الامت حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی متوفی ۱۴۱۸ھ، لکھتے ہیں:

اس آیت پاک میں ہجرت کا واقعہ ذکر کر کے بتایا کہ اگر تم اسؐ کے ہمراہ جہاد پر نہ گئے تو جس پروردگار نے اس نازک وقت میں اپنے حبیب کی اعانت فرمائی تھی وہ اب بھی اس کا ناصر اور معین ہے۔ ہجرت کا مختصر واقعہ یوں ہے کہ کفار نے اپنی مجلس شوریٰ میں طے کر لیا کہ آج رات تمام قبیلوں کا ایک ایک جوان حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر کا محاصرہ کرے اور جب آپ باہر نکلنے لگیں تو سب

یک بارگی حملہ کر کے حضور ﷺ کو شہید کر دیں۔ اسی رات کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے حبیب! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لو اور آج مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کو سدھارو۔ وامرت ان تستصحب ابابکر (تفسیر حسن عسکری) حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔ صبح لوگوں کی امانتیں جو ہمارے پاس ہیں ان کو پہنچا دینا اور پھر تم بھی مدینہ کا قصد کرنا۔ حضور ﷺ باہر نکلے تو کفار محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیتیں وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا الخ تک پڑھ کر ان پر دم کیا، ان پر غنودگی کی کیفیت طاری ہوگئی اور حضور ﷺ بخیر و عافیت ان کے نرغہ سے نکل کر صدیق کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔

ان کو ہمراہ لے کر مکہ سے نکلے اور کوہِ ثور کے ایک غار میں آ کر قیام فرمایا۔ اس کا منہ بہت تنگ تھا۔ صرف لیٹ کر ہی انسان اندر داخل ہو سکتا تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پہلے خود اندر گئے۔ غار کو تمام خس و خاشاک سے صاف کیا۔ جتنے سوراخ تھے ان کو بند کیا، ایک سوراخ باقی رہ گیا، اس میں اپنے پاؤں کی ایڑی رکھ دی اور عرض کی کہ حضور اندر قدم رنجہ فرمائیں۔ حضور ﷺ تشریف لائے۔ صدیق کے زانو پر سر مبارک رکھا اور استراحت فرما ہوگئے۔ صدیق رضی اللہ عنہ کے بخت کی یاوری کا کیا کہنا، بیتاب نگاہیں اور بیقرار دل اپنے محبوب کے روئے زیبا کے مشاہدہ میں مستغرق ہے، نہ دل سیر ہوتا ہے اور نہ آنکھیں۔ وہ حسن سرمدی وہ جمالِ حقیقی جس کی دل آویزیوں نے چشمِ فطرت کو تصویرِ حیرت بنا دیا تھا، آج صدیق کے آغوش میں جلوہ فرما ہے۔ اے بختِ صدیق کی رفعتو! تم پر خاک پریشان قربان اور یہ قلبِ حزیں نثار! اسی اثناء میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی ایڑی میں سانپ نے ڈس دیا۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ جزو: ۱ ص ۱۰۴۔ ۱۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت) زہر سارے جسم میں سرایت کر گیا لیکن کیا مجال کہ پاؤں میں جنبش تک ہوئی ہو۔ حضور ﷺ بیدار ہوئے۔ اپنے یارِ غار کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وجہ دریافت فرمائی۔ پھر جہاں سانپ نے ڈسا تھا وہاں اپنا لعابِ دہن لگایا جس سے درد اور تکلیف کافور ہوگئی۔ اہلِ مکہ تلاش میں ادھر ادھر مارے پھر رہے تھے۔ ایک ماہر کھوجی کے ہمراہ پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے اس غار کے دہانے تک پہنچ گئے۔ جب قدموں کی آہٹ سنائی دی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جھک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ کفار کی ایک جماعت غار کے مونہہ پر کھڑی ہے۔ اپنے محبوب کو یوں خطرہ میں گھرا دیکھ کر بے چین ہوگئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! اگر انہوں نے جھک کر دیکھ لیا تو یہ ہمیں پالیں گے۔ حضور رحمتِ عالمیاں ﷺ نے فرمایا: یا ابابکر ما ظنك باثنين الله ثالثهما۔ اے ابوبکر! ان دو کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہو، جس سے ان کی ہر طرح کی پریشانی دور ہوگئی۔ حضور ﷺ تین دن تک وہاں قیام فرما رہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت صدیق رضی اللہ کی بڑی صاحبزادی آ کر کھانا پہنچا جاتیں۔ آپ کے صاحبزادے ہر روز کی نئی خبریں دے جاتے اور آپ کا چرواہا عامر بن فہیرہ رات کو بکریوں کا ریوڑ لے آتا اور تازہ دودھ پیش کرتا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے کنبہ کا ہر فرد بلکہ غلام تک اتنے مخلص اور قابلِ اعتماد تھے کہ کسی نے راز کو افشا نہ کیا اور گراں قدر انعام کا لالچ ان کے غلام کے دل کو بھی نہ للچا سکا۔ کفارِ مکہ نے حضور ﷺ کو شہید کرنے کی جو سازش کی تھی اس طرح ناکام ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی بات جو ہمیشہ بلند رہتی ہے اس موقع پر بھی حسبِ دستور بلند ہوگئی۔

سطورِ بالا کے مطالعہ کے بعد اس آیت کی تشریح کے لیے مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ ایک طالبِ حق کے لیے اس آیت کا ہر کلمہ حضور ﷺ کی عظمت و رفعت کا آئینہ دار ہے اور حضور ﷺ کے یارِ غار کے لازوال صدق اور بیمثال وفا کا شاہد

عادل ہے لیکن ستیاناس ہو تعصب اور ہٹ دھرمی کا کہ یہ دل سے خلوص، عقل سے فہم، زبان سے اعتراف حق اور قلم سے اظہارِ صداقت کی جرأت سلب کر لیتی ہے اور انسان علم و دانش کے بلند بانگ دعووں کے باوجود ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگتا ہے کہ سننے والے مارے شرم کے پانی پانی ہو جاتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر بلکہ تحریف کرتے ہوئے بعض شیعہ علماء نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس کی ایک دردناک مثال ہے، مناسب تو یہ تھا کہ ضیاء القرآن کے صفحات ایسے بے معنی مباحث سے پاک رہتے لیکن محبت اہلِ بیت کی آڑ میں قصرِ اسلام کو منہدم کرنے کی جو ناپاک کوششیں ہو رہی ہیں، ان کا تقاضا ہے کہ ان باتوں کو بھی زیرِ بحث لایا جائے تا کہ سادہ لوح عوام کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر متاعِ ایمان کو گم نہ کر بیٹھیں۔ واللہ ولی التوفیق

بعض شیعہ مصنفین نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو داغدار کرنے کے جنون میں آیتِ طیبہ پر اس طرح طبع آزمائی کی ہے کہ دل لرز اٹھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو ثابت کرنے کے لیے تم اس آیت طیبہ کو پیش کرتے ہو، اور کہتے ہیں کہ آپ کو سفرِ ہجرت میں رفاقت کی سعادت حاصل ہوئی لیکن تمہارا یہ قول بے بنیاد ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رفاقت کی ہوتی تو اسے وجہِ شرف کہا جا سکتا لیکن یہ تو از خود ساتھ ہو لیے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لیے ان کو ساتھ چلنے سے نہیں روکا کہ مبادا وہ کفار کو مطلع کر دیں اور اس طرح گرفتار کرا دیں۔

جب اللہ تعالیٰ کی توفیق ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو انسان ایسی ہی بے سروپا باتیں کرنے لگتا ہے۔ مکہ مکرمہ سے ہجرت کا پروگرام بڑی رازداری سے طے پایا۔ جب کفارِ قبائل کے نوجوان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاشانۂ اقدس کا محاصرہ کیے ہوئے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ان کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے تشریف لے گئے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس راز سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کس نے آگاہ کیا، یا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگاہ کیا ہوگا اور یا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگاہ فرمایا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر کامل اعتماد تھا ورنہ اپنے دشمن کو ایسے رازوں سے آگاہ کرنا قطعاً قرین دانشمندی نہیں۔ اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگاہ کیا تو ماننا پڑے گا کہ آپ کو بھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے صدق و وفا پر پورا بھروسا تھا اس لیے آگاہ کیا اور اگر ان کو منافق سمجھتے ہوئے (العیاذ باللہ) آگاہ کیا تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفاداری بھی مشکوک ہو جاتی ہے یعنی آپ نے اس راز کو افشاء کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشکلات میں مبتلا کرنے کا آغاز کر دیا اور اس لایعنی بات کو کوئی ایماندار قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان وہ ایمان ہے جس پر خدا کو، رسولِ خدا کو اور شیرِ خدا کو مکمل اعتماد ہے، اس لیے ان کو اس راز سے آگاہ بھی کیا گیا اور شریکِ سفر ہونے کی سعادت بھی ارزانی فرمائی گئی۔ جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان کی گواہی علیم بذات الصدور خدا نے دی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تصدیق کی، اگر آج کا بے عمل مسلمان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر طعن دراز کرنے کی جرأت کرتا ہے تو وہ اپنا ہی کچھ بگاڑتا ہے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں کمی نہیں ہو سکتی۔ خود اس فرقہ کے علماء نے ان کے اس زعمِ باطل کی تردید کی ہے۔ چند حوالے ملاحظہ فرمایئے:

علامہ فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر منہج الصادقین میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''پس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب پنجشبہ در شہر مکہ امیر المومنین را بر جائے خود میخوابانید، و خود از خانۂ ابوبکر در رفاقتِ او بیرون آمدہ بداں غار توجہ نمود''۔ ترجمہ: ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پنجشبہ کی رات کو مکہ مکرمہ میں امیر المومنین کو اپنی جگہ پر سونے کا حکم دیا اور خود ابوبکر

کے گھر تشریف لے گئے اور انہیں ہمراہ لے کر باہر آئے اور اس غار کا قصد فرمایا''۔

مصنف حملۂ حیدری، علامہ باذل نے واقعہ ہجرت کے بارے میں جو لکھا ہے وہ درج ذیل ہے، شاید ان دوستوں کے لیے سرمۂ چشمِ بصیرت کا کام دے:

چنیں گفت راوی کہ سالار دیں — چوں سالم بحفظ جہاں آفریں

زنزدیک آں قوم پر مکر رفت — بسوئے سرائے ابوبکر رفت

راوی کہتا ہے کہ دین کے سالار اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں اس مکار قوم کے محاصرے سے باہر نکلے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف تشریف لے گئے۔

پئے ہجرت او نیز آمادہ بود — کہ سابق رسولش خبر دادہ بود

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سفرِ ہجرت کی خبر دے دی تھی اس لیے وہ ساز وسامان کے ساتھ تیار بیٹھے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بر درِ خانہ اش چوں رسید — بگوشش ندائے سفر در کشید

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ان کے گھر پہنچے تو انہوں نے سفر کرنے کی ندا سنی۔

چوں بوبکر ازاں حال آگاہ شد — زخانہ بروں رفت وہمراہ شد

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب اس حال سے خبردار ہوئے تو اپنے گھر سے روانہ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ہو گئے۔

ان دونوں حوالوں سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے ہجرت کے ارادہ سے آگاہ کر دیا تھا اور انہیں بھی حکم دیا ہوا تھا کہ وہ بھی اس سفر میں ہمرکاب ہونے کے لیے تیار رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار کے محاصرہ سے بخیریت نکل کر سیدھے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر آئے اور انہیں ہمراہ لے کر مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔

آخر میں حضرت امام حسن عسکری کی روایت پیش خدمت ہے، امید ہے آپ کے اس ارشاد سے اس تاویلِ باطل کا طلسم ٹوٹ کر رہ جائے گا۔

تفسیر حسن عسکری میں مروی ہے کہ جب کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو جبریل حاضر خدمت ہوئے اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچایا، کفار کی ریشہ دوانیوں کی اطلاع دی اور یہ پیغام الٰہی بھی گوش گزار کیا وامرك ان تستصحب ابابکر اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ اس پرخطر سفر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ہمراہ لے جائیں۔

کیا اب بھی آپ قاضی نور اللہ شوستری کی بات مانیں گے یا گیارہویں امام حضرت امام حسن عسکری کے ارشاد کو تسلیم کریں گے۔

(۲) معترضین کی کج ادائی کے کرشمے اسی پر ختم نہیں ہوتے بلکہ ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مان لیا ابوبکر کو حضور ساتھ لے گئے تھے اور انہوں نے راستے کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ ان کی نیت بھی خالص تھی اور جب تک خلوصِ نیت نہ ہو کوئی بڑے سے بڑا عمل بھی مقبول نہیں ہوتا، اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سفرِ ہجرت میں ہمرکاب ہونا ان کے لیے ہرگز باعثِ فضیلت نہیں۔

یا سبحان اللہ! اس ندرتِ فکر کی بلائیں لینے کو جی چاہتا ہے۔

دوپہر کے وقت اگر کوئی شخص طلوعِ آفتاب کی دلیل طلب کرے تو اس میں اتنا اچنبھا نہیں جتنا ہمارے ان دوستوں کے اس ارشاد میں ہے۔ وہ شخص جو ایک کامیاب تاجر ہے، جس کے پاس مال و ثروت کی فراوانی ہے، جسے ہر قسم کی عزت و آسائش میسر ہے، بچے ہیں، بچیاں ہیں، وہ ان سب چیزوں کو ٹھکرا کر ایک ایسی ہستی کا ساتھ دیتا ہے جس کو شہید کرنے کے منصوبے بن چکے ہیں۔ عرب کا بچہ بچہ اس کے خون کا پیاسا ہے۔ خطرات کے مہیب بادل ہر طرف سے بڑھتے چلے آرہے ہیں، جو شخص ان سنگین حالات میں جان ہتھیلی پر رکھ کر اللہ تعالیٰ کے محبوب کی سنگت اختیار کرتا ہے اس کے خلوصِ نیت پر شک کرنے سے انسان کو شرم آنی چاہیے۔

مزید برآں غار میں تین چار روز قیام رہتا ہے، اس عرصہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیٹا عبداللہ ہر روز سرِ شام حاضر ہوتا ہے اور اہل مکہ کے ارادوں سے آگاہ کرتا ہے، ان کی صاحبزادی اسماء ہر روز کھانا لے کر آتی ہیں، ان کا غلام عامر بن فہیرہ دن بھر بکریوں کا ریوڑ چراتا ہے، شام کے وقت اسے ہانکتا ہوا غار کے قریب آکر ڈیرہ جماتا ہے۔ دودھ دوہتا ہے، اسے گرم کرتا ہے اور خدمتِ اقدس میں پیش کرتا ہے، ابوبکر کا سارا خانوادہ اس جاں نثاری اور خدمت گزاری کا مظاہرہ اس وقت کر رہا ہے جب مکہ والوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندہ پکڑ کر لانے یا شہید کر دینے کے لیے ایک سو سرخ اونٹوں کے انعام کا اعلان کر دیا ہے، عرب کے کئی طالع آزما شہسوار اس انعام کے لالچ میں اپنے سبک رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں اس علاقہ کے چپہ چپہ کو چھان رہے ہیں، ادھر یہ خاندان ہے جس کا صرف ایک فرد نہیں بلکہ تمام افراد بچے، بچیاں حتیٰ کہ زرخرید غلام سب کے دل میں ایک ہی سودا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حبیب اور ان کا محبوب بخیر و عافیت منزلِ مقصود پر پہنچ جائے۔ انسانیت اور اس کی اخلاقی قدروں پر اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایسے شخص کی حسنِ نیت پر شک کیا جائے اور شک کرنے والے ایسے لوگ ہوں جنہیں راہِ حق میں کبھی کانٹا تک چبھنے کی سعادت بھی نصیب نہ ہوئی ہو۔

پھر کہتے ہیں کہ لغتِ عرب میں صاحب کا معنی ہے ساتھی، رفیق، ہمنشین۔ اس لفظ میں شرف و فضیلت کی کوئی وجہ نہیں۔ ایک کافر ایک مومن کا، ایک فاسق ایک پارسا کا ساتھی اور ہمنشین ہو سکتا ہے جیسے اس آیت میں ہے: ''قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ۔۔۔ (الکہف: ۳۷)'' (جب اس نے اپنے صاحب (ساتھی) کو کہا جب وہ اس سے گفتگو کر رہا تھا: کیا تم اس خدا کا انکار کرتے ہو جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا)۔

اس آیت میں صاحب کا لفظ ہے اور اس سے مراد کافر ہے۔

سورۂ یوسف میں ''يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ۔۔۔ (یوسف: ۴۱)'' (اے قید خانہ کے دو ساتھیو)''۔

اور وہ دونوں بھی کافر تھے بلکہ اہلِ عرب تو حیوان کو بھی انسان کا صاحب (ساتھی) کہہ دیا کرتے۔

ان الحمار مع الحمار مطية

واذا خلوت به فبئس الصاحب

اگر ان دوستوں کی یہ بات تسلیم کر لی جائے تو پھر صرف ''صاحب'' کا لفظ ہی نہیں بلکہ بہت سے الفاظ اپنی عظمت و شرف سے محروم ہو جائیں گے۔ ایمان کے لفظ کو ہی لیجیے، اس کا معنی تصدیق کرنا ہے، یہ تصدیق اللہ تعالیٰ کی توحید کی بھی ہو سکتی ہے اور طاغوت

وجبت کی بھی، آیت ملاحظہ ہو: ''اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ۔۔۔ (النساء:۵۱)''
ترجمہ: (کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے (وہ اب) ایمان لائے ہیں جبت اور طاغوت پر)۔

اسی طرح ہجرت کا لغوی معنی ہے کسی شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں چلے جانا، یہ ترکِ وطن اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کی رضا کے لیے بھی ہوسکتا ہے اور کسی دنیوی منفعت کے لیے، کسی عورت سے شادی رچانے کے لیے بھی ہوسکتا ہے۔ اسی طرح عبادت اللہ تعالیٰ کی بھی ہوسکتی ہے اور معبودانِ باطلہ کی بھی۔ ''وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ۔۔۔ (یونس:۱۸)'' (وہ اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبودوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ انہیں ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع)۔

اگر وہ صاحب، اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے باعثِ شرف نہیں تو پھر ایمان، ہجرت، عبادت اور دیگر اسلامی مصطلحات بھی شرف وفضیلت سے بے بہرہ ہوں گے اور کسی کو مومن، مہاجر، عابد کہنے سے اس کی قطعاً عزت افزائی نہیں ہوگی۔ درحقیقت ان الفاظ میں عزت وشرف ان کے لغوی معنوں کے اعتبار سے نہیں بلکہ ان کے متعلقات سے ہے۔ ایمان جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ہوگا، ہجرت جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہوگی، عبادت جب اللہ تعالیٰ کی ہوگی تو یہ کلمات معزز وذیشان ہوں گے، اسی طرح صاحب کے لفظ میں فضیلت نہیں بلکہ جس کا وہ صاحب ہے یعنی سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات ستودہ صفات اسی نسبت نے اس لفظ کو بھی چار چاند لگا دیے ہیں اور جو صاحب کے لفظ کا مصداق ہے یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، اس کو بھی وہ رفعتیں اور سرفرازیاں بخشی ہیں جن کے سامنے فلک الافلاک کی بلندیاں بھی ادب سے سر جھکائے ہوئے ہیں۔

ازراہِ انصاف آپ ہی بتایئے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے محبوب کی صحبت ومعیت اور ایک کافر وفاسق کی صحبت ومعیت یکساں ہے؟ کوئی صاحب ایمان ایسا کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ نیز حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی اس سنگت اور رفاقت کو جس انداز سے بیان کیا گیا ہے، وہ بھی اپنے اندر ایک خصوصی شان رکھتی ہے۔

ثانی اثنین کے دولفظوں میں غور فرمایئے: اس قسم کے عدد کا ذکر لغتِ عرب میں دو طرح سے کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں ثانی اثنین، ثالث ثلاثہ، رابع اربعہ وغیرہا، یعنی دو میں سے دوسرا، تین میں سے تیسرا، چار میں سے چوتھا، اس صورت میں پہلا عدد دوسرے عدد کا جزو اور حصہ ہوتا ہے اور اس میں داخل ہوتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ ثالث اثنین، رابع ثلاثہ، خامس اربعہ، یعنی دو کو تین بنانے والا، تین کو چار اور چار کو پانچ بنانے والا۔ اس صورت میں یہ عدد پہلے عدد میں داخل نہیں ہوتا۔ بعد میں اضافہ ہوا، اب وہ تین چار بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ثانی اثنین فرمایا یعنی پہلے جو دو موجود تھے، ان دونوں میں سے دوسرا، یہ یگانگت، یہ رفاقت، یہ صحبت خدا شاہد ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہی حصہ ہے۔ ان کلمات کے مفہوم کو خود زبانِ رسالت نے یوں بیان فرمایا ہے، اور اس کے بعد شاید کسی قسم کی ہرزہ سرائی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اسی فرقہ کے ایک فاضل علامہ فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر منہج الصادقین میں اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''چوں ابوبکر در غار کفار را بدید، مضطرب شد و بسیار خائف گشت وگفت یارسول اللہ! اگر کسے از مشرکان درزیر قدم خود نگہ کند ہر آئینہ ما را ببیند۔ حضرت ﷺ فرمودہ ما ظنک باثنین اللہ ثالثہما''۔

ترجمہ: جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غار میں سے کفار کو دیکھا تو انہیں بڑا اضطراب لاحق ہوا اور اندیشہ پیدا ہوا، عرض کی یارسول اللہ!

اگر مشرکین میں سے کسی نے اپنے پاؤں کی جگہ دیکھا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے ابوبکر! ان دو کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہو؟''

اس سے بڑی عزت افزائی کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔

ع یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

ہمارے یہ کرم فرما ''لَا تَحْزَنْ'' کے لفظ سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر الزامات ومطاعن کی بوچھاڑ شروع کر دیتے ہیں، آپ بھی سنیے اور ان کی روش بیدادی کی داد دیجئے۔

کہتے ہیں کہ '' یہ حزن جس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو منع کیا جارہا ہے، یہ طاعت تھا یا معصیت، طاعت تو ہو نہیں سکتا، ورنہ اس سے منع نہ کیا جاتا۔ اللہ اور اس کا رسول نیک کاموں سے نہیں روکا کرتے۔ لازماً یہ حزن معصیت ہوگا۔ اس آیت سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عاصی اور گنہگار ہونا ثابت ہے نہ کہ آپ کی فضیلت۔

جواباً عرض ہے کہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء ورسل کو حزن اور خوف سے روکا ہے، موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا: ''لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ (طٰہٰ:۶۸)'' (اے موسیٰ! خوف نہ کرو تم ہی سربلند ہوگے O)۔

حضرت لوط علیہ السلام کو فرشتوں نے کہا: ''لَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَ اَهْلَكَ... (العنکبوت:۳۳)'' (اے لوط! حزن نہ کرو ہم تمہیں اور تمہارے اہل وعیال کو نجات دینے والے ہیں)۔

خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا: ''وَ لَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ... (یونس:۶۵)'' (اے حبیب! کفار کی باتیں آپ کو حزین وغمگین نہ کریں)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: (اے حبیب! ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو کفار کی باتیں غمزدہ کرتی ہیں)۔

کیا ہم ان محققین سے دریافت کر سکتے ہیں کہ ان آیات کی روشنی میں انبیاء کرام بلکہ سید الانبیاء والرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ان کا فتویٰ کیا ہے۔ یہ خوف اور حزن جس سے انبیاء کو روکا جارہا ہے طاعت تھا یا معصیت، طاعت تو ہو نہیں سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکی سے نہیں روکتا اور یہاں خوف وحزن سے روکا جارہا ہے لازماً معصیت ہوگا۔ اب فرمایئے! انبیاء کرام کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ حزن اور خوف امورِ طبعیہ میں سے ہیں۔ بڑے سے بڑا آدمی بھی ان سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی دلجوئی لا تخف اور لا تحزن کہہ کر فرماتا ہے۔ نیز حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو حزن وملال اپنی ذات کے لیے ہرگز نہ تھا۔ اگر انہیں اپنی جان پیاری ہوتی اور اپنا آرام عزیز ہوتا تو وہ اس پر خطر سفر میں سنگت ہی نہ کرتے، انہیں اگر کوئی غم تھا یا اگر کوئی حزن تھا، اگر کوئی اندیشہ تھا تو فقط یہ کہ ان کے ہادی ومرشد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبادا کوئی گزند نہ پہنچے ورنہ یہ بزم عالم درہم برہم ہوجائے گی، گلشن ہستی میں خاک اڑنے لگے گی، عروسِ گیتی کا سہاگ لٹ جائے گا، ارض وسما کی یہ رونقیں، یہ روشنیاں، یہ بہاریں ہمیشہ کے لیے ناپید ہوجائیں گی۔ اپنے محبوب کو خطرے میں گھرا دیکھ کر صدیق رضی اللہ عنہ کے حزن وملال کی حد نہ رہی۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: اے میرے یارِ باوفا! غم نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ جب ہمارے ساتھ ہمارا خدا ہے تو یہ کفار ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

"معنا" کا لفظ بھی غور طلب ہے۔ معیت الٰہی کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک معیت علم ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اور اپنے علم کے ذریعہ ہر چیز کے ساتھ ہے، جیسے اس آیت میں ہے: "اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا۔۔۔ (المجادلہ: ۷)" ترجمہ: (کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، کوئی تین آدمی مشورہ کرنے والے نہیں ہوتے جب کہ وہ ان کا چوتھا نہ ہو اور نہ پانچ مشورہ کرنے والے ہوتے ہیں جب کہ وہ ان کا چھٹا نہ ہو اور نہ اس تعداد سے کم ہوتے ہیں نہ زیادہ، وہ ہر صورت میں ان کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ کہیں بھی مشورہ کر رہے ہوں)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے ساتھ ہوتا ہے، ایسی معیت میں کوئی فضیلت نہیں بلکہ اس میں تہدید اور سرزنش ہے، خبردار! اگر تم نے نافرمانی کی تو ہماری گرفت سے تم بچ نہیں سکتے۔ معیت الٰہی کی دوسری قسم وہ ہے جو متقین اور محسنین کو حاصل ہوتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝ (النحل: ۱۲۸)" (بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور ان کے ساتھ ہے جو نیکوکار ہیں ۝)۔

اس معیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے ان کی دستگیری کرتا رہتا ہے اور اپنے لطف سے ان کو نوازتا رہتا ہے۔

معیتِ الٰہی کی تیسری قسم وہ ہے جو انبیاء و رسل کو میسر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دشمن کے مقابلہ میں ان کی تائید و نصرت فرماتا ہے۔ ہر میدان میں وہ کامیاب و سرفراز ہوتے ہیں اور کفر و باطل کے سرغنے ذلیل و رسوا ہوتے ہیں، اور ان تمام اقسام سے اعلیٰ و ارفع معیتِ الٰہی کی وہ قسم ہے جو سید الانبیاء و الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یارِ وفادار کو ان اللہ معنا فرما کر اس خصوصی معیت میں شرکت کی سعادت ارزانی فرمائی۔

فداك ابي وامي يا رسول الله ما اكرمك وما اجودك وجزاك الله عنا وعن سائر المومنين يا ابا بكر ما اوفاك وما اسعد حظك۔

ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاعرِ دربارِ نبوت حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے حسان! کیا تم نے شانِ صدیق میں بھی کچھ اشعار کہے ہیں؟ انہوں نے عرض کی: ہاں یا رسول اللہ! میں نے آپ کے یارِ غار کی مدحت سرائی بھی کی ہے، فرمایا: سناؤ میں سننا چاہتا ہوں، حسان نے عرض کیا۔

وثاني اثنين في الغار المنيف وقد

طاف العدو به اذ صعد الجبلا

"آپ دو میں سے دوسرے تھے، اس بابرکت غار میں اور دشمن نے اس کے اردگرد چکر لگایا جب وہ پہاڑ پر چڑھا"۔

وكان حب رسول الله قد علموا

من البرية لم يعدل به الرجلا

"ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے محبوب تھے اور لوگوں کو اس بات کا علم تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری مخلوق میں سے کسی کو آپ کا ہم پلہ نہیں سمجھتے"۔

حسان کے یہ شعر سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے۔ فرمایا: اے حسان تم نے سچ کہا ہے، ابوبکر ایسے ہی ہیں۔

(ابن عساکر، ابن زہری عن انس)

اللہ تعالیٰ راہِ حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور شمع جمال مصطفوی کے پروانوں کی عزت واحترام اور پیروی کی سعادت سے بہرہ اندوز کرے۔ آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(ضیاء القرآن ج ۲ ص ۲۰۵۔ ۲۱۳، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے ایک درخت کو حکم دیا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اُگ پڑا اور اس نے آپ کا چہرۂ مبارک، آپ کا پیچھا کرنے والے دشمنوں سے چھپا لیا، اور اللہ تعالیٰ نے مکڑی کو حکم فرمایا تو اس نے اس غار کے مونہہ پر جالا تن دیا، اور دو جنگلی کبوتروں کو حکم فرمایا تو وہ غار کے مونہہ پر بیٹھ گئے، پس جب آپ کا تعاقب کرنے والے مشرکین غار کے قریب پہنچے تو اُن میں سے کوئی ایک غار کے اندر جھانکنے لگا، تو اس نے وہاں پر دو کبوتر دیکھے، اس نے لوٹ کر کہا کہ میں نے غار کے مونہہ پر دو کبوتر دیکھے ہیں تو میں نے سمجھ لیا کہ اس غار میں کوئی نہیں ہے۔

(الطبقات الکبریٰ: ج ۱ ص ۲۲۹، حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی المتوفی ۸۰۷ھ، نے اس حدیث کو مجمع الزوائد ج ۶ ص ۵۲۔ ۵۳ میں ذکر کر کے کہا ہے: اس حدیث کی امام البزار اور امام الطبرانی نے روایت کی ہے)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت میں غار میں تھا، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: اگر ان میں سے کسی ایک نے اپنے قدموں کے نیچے دیکھا تو وہ ہم کو دیکھ لے گا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: تمہارا اُن دو مردوں کے متعلق کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرے اللہ عزوجل ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۶۵۳، ۳۹۲۲، ۴۶۶۳، صحیح مسلم: ۲۳۸۱، الرقم المسلسل: ۶۰۶۳، سنن ترمذی: ۳۰۹۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۷، مسند البزار: ۳۶، مسند ابویعلیٰ: ۶۶، صحیح ابن حبان: ۶۲۷۸، مسند احمد: ج ۱ ص ۴، مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۹، رقم الحدیث: ۱۲، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۷۳)

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف، ج ۱۳ ص ۸۷۴، دارالمعرفہ بیروت: ۱۴۳۴ھ)

''فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''السکینۃ'' سے مراد اللہ عزوجل کی رحمت ہے، قتادہ نے کہا: السکینہ سے مراد الوقار ہے، ابن قتیبہ نے کہا: السکینہ سے مراد ''السکون والطمانیۃ'' ہے اور یہ زیادہ صحیح ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ مبارک پر سکون اور طمانیت نازل فرمائی۔

''عَلَیْهِ'' کی ضمیر کے مرجع کے متعلق حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور حبیب بن ابی ثابت نے کہا کہ اس کا مرجع حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل تو پہلے ہی سے مطمئن اور پرسکون تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دشمنوں کے تعاقب سے گھبرا رہے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل پر اطمینان اور سکون نازل فرمایا۔ مقاتل نے کہا: اس کا مرجع نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، یعنی آپ کے قلبِ اطہر پر سکون اور اطمینان نازل فرمایا۔

''وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا'': یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن فرشتوں سے اُن کو تقویت پہنچائی جن کو تم نے غزوۂ بدر اور غزوۂ احزاب

اور غزوۂ حنین میں نہیں دیکھا تھا۔ الزجاج نے کہا: جب وہ دونوں غار میں تھے تو فرشتوں نے کفار کے چہرے اور ان کی آنکھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھنے سے پھیر دیں۔ اور رہا فرشتوں کا تقویت پہنچانا تو وہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے۔

''وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا'': جمہور نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ مشرکین کے دین کو اللہ تعالیٰ نے سرنگوں فرما دیا، اور ''كَلِمَةُ اللّٰهِ'' یعنی دینِ اسلام کو سربلند فرما دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی سازش کو ناکام فرما دیا، کیونکہ انہوں نے آپ کو قتل کرنے کی سازش کی تھی، اور اللہ تعالیٰ کی مدد کو غالب فرما دیا۔

''وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ'': اور اللہ تعالیٰ کفار سے انتقام لینے میں بہت غالب ہیں۔ ''حَكِيْمٌ ۝'': اور اپنی تدبیر میں بہت حکیم ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''تم جہاد کے لیے خواہ خوش دلی سے تروتازہ نکلو یا بوجھل قدموں سے نکلو، اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، اگر تم صحیح ایمان رکھنے والے ہو تو یہ جہاد تمہارے لیے سب سے بہتر ہے ۝'' (التوبہ: ۴۱)

''اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا'': السدی نے بیان کیا کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ بہت تجیم شحیم اور بھاری بھر کم تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موسم کی شکایت کی اور اپنے لیے غزوۂ تبوک میں جانے سے معذرت کی اور مدینہ میں ٹھہرنے کی رخصت چاہی۔ ''خِفَافًا وَّثِقَالًا'' کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ان میں جوان بھی ہیں اور بوڑھے بھی ہیں (۲) عطاء نے روایت کی کہ ان میں پیادہ بھی ہیں اور سوار بھی ہیں (۳) اور ایک قول یہ ہے کہ ان میں خوش حال بھی ہیں اور تنگ دست بھی ہیں (۴) اور ایک قول یہ ہے کہ ان میں ایسے بھی ہیں کہ جن کے کثیر اہل وعیال یہاں پر ہیں (۵) اور ان میں تندرست بھی ہیں اور بیمار بھی ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ التوبہ: ۴۱، التوبہ: ۹۱ کی درج ذیل آیت سے منسوخ ہوگئی ہے: ''لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبہ: ۹۱)'' (جہاد کے لیے نہ نکلنے میں ضعیفوں، بیماروں اور تنگ دستوں پر کوئی گناہ نہیں جو خرچ کرنے کے لیے مال نہیں پاتے جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ مخلص ہوں، نیکی کرنے والوں سے مواخذہ کرنا اللہ تعالیٰ کا طریقہ نہیں ہے، اور اللہ بہت بخشنے والے، سب پر رحم فرمانے والے ہیں ۝)۔

التوبہ: ۴۱ میں غزوۂ تبوک کے لیے سب مسلمانوں پر نکلنے کو فرض قرار دیا تھا، اس حکم کے منسوخ ہونے پر التوبہ: ۱۲۲ کی یہ آیت دلیل ہے: ''وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ... (التوبہ: ۱۲۲)'' (تمام مسلمانوں کا جہاد کے لیے نکلنا فرض نہیں ہے)۔

''وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'': القاضی ابویعلیٰ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنے کو سب پر فرض فرما دیا تھا، پس جو شخص مال دار ہو اور وہ بیمار ہو یا لنگڑا لولا ہو، یا کمزور ہو جو لڑنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، تو اس پر اپنے مال کے ساتھ جہاد کرنا فرض تھا کہ وہ کسی دوسرے کو اپنا مال دے اور وہ دشمن کے خلاف جہاد کرے جس طرح کہ اگر وہ قوی ہوتا تو

اس پر اپنے بدن کے ساتھ جہاد کرنا فرض تھا۔ اور اگر اس کے پاس مال بھی ہو اور قوت بھی ہو تو اس پر اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کرنا فرض تھا، اور جس کے پاس مال نہ ہو اور جسمانی طاقت بھی نہ ہو تو اس پر یہ فرض ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرنے کے ساتھ جہاد کرے۔ ''ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ'': یعنی جہاد میں مشغول ہونا تمہارے لیے جہاد کو ترک کرنے سے بہتر ہے۔ ''اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝'': اگر تمہیں یہ علم ہو کہ تمہارے لیے جہاد کرنے میں کتنا اجر وثواب ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) اگر دنیاوی سامان قریب کے سفر میں میسر ہوتا اور سفر بھی درمیانی ہوتا تو یہ منافقین ضرور آپ کے ساتھ جہاد کے لیے نکلتے، لیکن انہیں ہر دور دراز کی مشقت میں پڑنا دشوار معلوم ہوتا ہے اور وہ ضرور اللہ کی قسمیں کھا کر کہیں گے: اگر ہماری طاقت میں ہوتا تو ہم ضرور آپ کے ساتھ جہاد کے لیے نکلتے، وہ اپنی جانوں کو ہلاک کر رہے ہیں، اور اللہ خوب جاننے والے ہیں کہ بے شک وہ (منافقین) جھوٹے ہیں ۝'' (التوبہ: ۴۲)

''لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ'': مفسرین نے کہا: یہ آیت اُن منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو غزوۂ تبوک کے لیے جانے میں شامل نہیں ہوئے تھے، اور اس آیت کا معنی ہے: اگر ان منافقین کو کسی قریب کی جگہ کے لیے بلایا جاتا اور ''العرض'' کا معنی ہے: جس میں دنیا کا ساز وسامان ملنے کی توقع ہوتی، یعنی اگر مالِ غنیمت کا ملنا قریب ہوتا یا سفر آسان ہوتا، تو یہ مالِ غنیمت کے لالچ میں ضرور آپ کے ساتھ جاتے۔ ''وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ'': لیکن دور دراز کا سفر ان پر دشوار ہوا۔

''وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ'': یعنی جب آپ واپس غزوۂ تبوک سے آئیں گے تو یہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اگر ہماری استطاعت میں ہوتا تو ہم ضرور آپ کے ساتھ جاتے۔

''يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ'': یہ جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی جانوں کو عذاب میں مبتلا کر رہے ہیں۔

''وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ'': کیونکہ یہ دولت مند تھے، خوش حال تھے، اس کے باوجود یہ جہاد کے لیے نہیں نکلے۔

(زاد المسیر ج ۲ ص ۲۵۸۔ ۲۶۳، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۴۳

اللہ آپ کو معاف فرمائیں! آپ نے اس سے پہلے انہیں کیوں اجازت دے دی حتیٰ کہ آپ پر سچ بولنے والے ظاہر ہو جاتے اور آپ جھوٹ بولنے والوں کو بھی پہچان لیتے ۝

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝۴۴

جو لوگ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، وہ آپ سے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد نہ کرنے کی اجازت

طلب نہیں کرتے، اور اللہ متقین کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں O

اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

آپ سے جہاد نہ کرنے کی اجازت صرف وہی لوگ طلب کرتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور اُن کے دل شکوک وشبہات میں مبتلا ہیں، پس وہ اپنے شکوک وشبہات میں متردّد ہو رہے ہیں O

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور اگر ان کا جہاد کے لیے نکلنے کا (واقعی) ارادہ ہوتا تو وہ ضرور اس کے لیے کچھ سامانِ حرب تیار کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ کو اُن کا جہاد میں شامل ہونا پسند ہی نہ تھا، سو اِس لیے اللہ نے اُن کو سستی میں مبتلا فرما دیا، اور اُن سے کہا گیا کہ تم بیٹھنے والے (معذوروں) کے ساتھ بیٹھے رہو O

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاْاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

(اور اے مسلمانو!) اگر وہ منافقین (بالفرض) تمہارے ساتھ جہاد میں شامل ہونے کے لیے نکلتے تو وہ صرف تمہارے نقصان میں ہی اضافہ کرتے اور تمہاری صفوں میں فتنہ اندازی کرتے اور تم میں اب بھی اُن کے جاسوس موجود ہیں، اور اللہ ظالموں کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں O

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾

بے شک منافقوں نے اس سے پہلے بھی فتنہ پردازی کرنے کی کوشش کی تھی اور وہ آپ کے بہت سے منصوبوں کو الٹ پلٹ کرنے کی کوشش کرتے رہے حتیٰ کہ حق آ گیا اور اللہ کا دین غالب ہو گیا، اور منافقین اس کو گوارا نہیں کرتے تھے O

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۗ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۗ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) بعض منافقین آپ سے کہتے ہیں: ''مجھے اجازت دے دیں اور فتنہ میں مبتلا نہ کریں''، سنو! وہ خود فتنہ میں

مبتلا ہیں اور بے شک جہنم ضرور کافروں کا احاطہ کیے ہوئے ہے O

اِنۡ تُصِبۡكَ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡكَ مُصِيۡبَةٌ يَّقُوۡلُوۡا قَدۡ اَخَذۡنَاۤ اَمۡرَنَا مِنۡ قَبۡلُ وَيَتَوَلَّوۡا وَّهُمۡ فَرِحُوۡنَ ۝۵۰

اگر آپ کو کوئی کامیابی پہنچے تو انہیں ناگوار ہوتی ہے، اور اگر آپ کو کوئی نقصان پہنچے تو منافق کہتے ہیں: ''ہم نے تو پہلے ہی اپنا بندوبست کر لیا تھا'' اور خوشیاں مناتے پھرتے ہیں اور دینِ حق سے پلٹ جاتے ہیں O

قُلۡ لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا‌ ۚ هُوَ مَوۡلٰٮنَا‌ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۝۵۱

(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: ''ہمیں صرف وہی نقصان پہنچ سکتا ہے جس کو اللہ نے ہمارے لیے مقدر فرما دیا ہے وہی ہمارے مددگار ہیں'' اور ایمان والوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے O

قُلۡ هَلۡ تَرَبَّصُوۡنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡدَى الۡحُسۡنَيَيۡنِ‌ ؕ وَنَحۡنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمۡ اَنۡ يُّصِيۡبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖۤ اَوۡ بِاَيۡدِيۡنَا‌ ۖ فَتَرَبَّصُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ مُّتَرَبِّصُوۡنَ ۝۵۲

(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: ''تم ہمارے لیے دو چیزوں میں سے (کامیابی یا ناکامی) میں سے صرف ایک کا انتظار کرتے رہو اور ہم بھی تمہارے بارے میں منتظر ہیں کہ اللہ اپنے پاس سے تمہیں عذاب میں مبتلا فرمائیں گے یا ہمارے ہاتھوں سے تمہیں شکست سے دوچار فرمائیں گے، لہٰذا تم بھی انتظار کرتے رہو، ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہے ہیں O

قُلۡ اَنۡفِقُوۡا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا لَّنۡ يُّتَقَبَّلَ مِنۡكُمۡ‌ ؕ اِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ۝۵۳

(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: ''تم اپنی خوشی سے مال خرچ کرو یا ناخوشی سے، تم سے وہ مال ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، بے شک تم لوگ نافرمان ہو'' O

وَمَا مَنَعَهُمۡ اَنۡ تُقۡبَلَ مِنۡهُمۡ نَفَقٰتُهُمۡ اِلَّاۤ اَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوۡلِهٖ وَلَا يَاۡتُوۡنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمۡ كُسَالٰى وَلَا يُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا وَهُمۡ كٰرِهُوۡنَ ۝۵۴

اور ان کے خرچ کیے ہوئے مال کا نامقبول ہونا صرف اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کو اختیار کیا اور وہ محض سستی کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے آتے ہیں اور صرف ناپسندیدگی کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں O

فَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ‌ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا

وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

(اے رسولِ اکرم!) آپ کو اُن کے اموال اور اولاد کی کثرت کسی تعجب میں مبتلا نہ کرے، اللہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ اُن کے مال اور اولاد کی کثرت کی وجہ سے اُن کو دنیا کی زندگی میں مزید عذاب میں مبتلا فرمائیں اور اس حال میں اُن کے جسموں سے اُن کی جانیں نکلیں کہ وہ کفر کر رہے ہوں O

وَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَ لٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور وہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں: ''کہ وہ ضرور تم مسلمانوں میں سے ہیں'' حالانکہ وہ تم مسلمانوں میں سے نہیں ہیں لیکن وہ ایسے لوگ ہیں جو ڈرتے ہیں O

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَ هُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾

اگر ان منافقین کو اپنے بچنے کے لیے کوئی قلعہ کی مثل پناہ کی جگہ مل جاتی یا غار میں کوئی چھپنے کی جگہ مل جاتی یا زمین کے اندر کوئی سرنگ پالیتے تو وہ سب کے سب ضرور اسی پناہ گاہ کی طرف جلد از جلد بھاگ جاتے O

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَ اِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَاۤ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾

ان منافقین میں سے بعض لوگ صدقات کی تقسیم کے معاملہ میں آپ پر اعتراض کرتے ہیں، پس اگر انہیں اُن صدقات میں سے کچھ عطا کر دیا جاتا تو وہ راضی ہو جاتے، اور اگر انہیں ان صدقات میں سے کچھ نہ دیا جاتا تو وہ فوراً غصہ سے بگڑ جاتے O

وَ لَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۙ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع

کاش وہ اس سے راضی ہو جاتے جو اُن کو اللہ عز وجل نے اور اس کے رسول نے عطا فرمایا تھا اور کہتے: ہمیں اللہ کافی ہیں، اور عنقریب اللہ اپنے فضل سے اور اس کے رسول (اپنے فضل سے) ہمیں عطا فرمائیں گے، بے شک ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں O

اللہ عز و جل کا ارشاد ہے: ''اللہ آپ کو معاف فرمائیں! آپ نے اس سے پہلے انہیں کیوں اجازت دے دی حتیٰ کہ آپ پر سچ بولنے والے ظاہر ہو جاتے اور آپ جھوٹ بولنے والوں کو بھی پہچان لیتے O'' (التوبہ: ۴۳)

اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو معاف فرمانے کے محمل

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، التوبہ ۴۳ تا ۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''عَفَا اللّٰهُ عَنۡكَ ۚ لِمَ اَذِنۡتَ لَهُمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَتَعۡلَمَ الۡكٰذِبِيۡنَ ۝۴۳ '':

عمرو بن میمون نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دو کام ایسے کئے جن کو کرنے کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم نہیں عطا فرمایا تھا، ایک کام تو یہ تھا کہ منافقین نے جب آپ سے جہاد میں شامل نہ ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اُن کو اجازت دے دی، اور دوسرا کام یہ تھا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے پیشگی اجازت طلب کئے بغیر غزوۂ بدر کے کافر قیدیوں سے فدیہ لے کر اُن کو رہا فرمادیا، پس اللہ عزوجل نے ان دونوں کاموں پر عتاب فرمایا جیسا کہ ان سے متعلق آیتوں سے ظاہر ہے۔

سفیان بن عیینہ نے کہا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کس طرح خطاب فرمایا ہے، پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے عفو اور معاف کرنے کا ذکر فرمایا، پھر اس کے بعد اس کام کا ذکر فرمایا جس پر آپ کو معاف فرمایا جارہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اللہ عزوجل کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بہت عظیم تعظیم اور توقیر کو ظاہر فرمانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی ابتداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے دعا کے ساتھ فرمائی جیسے کوئی شخص اپنے کریم سے کہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائیں، آپ نے میری حاجت پوری کرنے میں کس قدر کوشش فرمائی ہے، اور کہے: اللہ آپ سے راضی ہوں، آپ نے مجھ سے ملاقات کیوں نہیں کی، تیسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: ادام اللہ لک العفو (یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ پر اپنا عفو و کرم فرماتے رہیں)۔

مصنف کے نزدیک ''عَفَا اللّٰهُ عَنۡكَ'' فرمانے کا محمل

میں کہتا ہوں: ''عَفَا اللّٰهُ عَنۡكَ'' کے کلمہ میں اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ بندگی کا اظہار ہے۔ اور یہ کہ بندہ خواہ کتنا نیک ہو، کتنا شکر گزار ہو، کتنا عبادت گزار ہو کہ اس سے بڑھ کر نیکی، شکر گزاری اور عبارت کا تصور نہ کیا جاسکے، پھر بھی بندہ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلب گار رہے، ہر حال میں یہ کہتا رہے: اے خداوندا! میں تیری ایسی حمد نہیں کرسکا جیسی حمد و ثنا کرنا تیرے لائق ہے، سوائے بارِ الٰہ! میری اس کوتاہی پر مجھے معاف فرمائیں، پھر یہ اللہ کا آپ پر اتنا عظیم کرم ہے کہ آپ کے معافی مانگنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کی معافی کا اعلان فرمادیا۔

مصنف کے نزدیک منافقین کو غزوۂ تبوک سے رخصت دینے کے محامل

رہا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منافقین کے جہاد میں شامل نہ ہونے کی اجازت طلب کرنے پر انہیں کیوں اجازت فرمادی؟ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر فرمانا چاہتے تھے کہ یہ منافق اس قابل نہیں ہیں کہ یہ آپ کے سچے غلاموں کے ساتھ مل کر جہاد میں شریک ہوں، اور دوسرا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے تھے کہ آپ کی رحمت کا اظہار ہو کہ دشمن بھی آپ سے کوئی سوال کریں تو آپ انہیں محروم نہیں فرماتے اور اُن کا سوال بھی پورا فرمادیتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ ۝۱۰ ... (الضحیٰ: ۱۰)'' (اور سوال کرنے والے کو نہ جھڑکیں ۝)۔ اور تیسری وجہ یہ ہے کہ منافقین خوش ہوتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدد نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا کہ دراصل تم اس قابل نہیں ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مددگاروں میں

تمہیں شامل کیا جاتا۔(سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''جو لوگ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، وہ آپ سے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد نہ کرنے کی اجازت طلب نہیں کرتے، اور اللہ متقین کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں O آپ سے جہاد نہ کرنے کی اجازت صرف وہی لوگ طلب کرتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور اُن کے دل شکوک وشبہات میں مبتلا ہیں، پس وہ اپنے شکوک وشبہات میں متردّد ہو رہے ہیں O''(التوبہ:۴۴۔۴۵)

''لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝'': صرف وہی لوگ آپ سے جہاد سے رخصت طلب کرتے ہیں جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے آخری دن پر، اور ان کے دل شکوک اور شبہات میں مبتلاء ہیں، اور وہ اپنے شکوک اور شبہات میں حیران رہتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''اور اگر ان کا جہاد کے لیے نکلنے کا (واقعی) ارادہ ہوتا تو وہ ضرور اس کے لیے کچھ سامانِ حرب تیار کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ کو اُن کا جہاد میں شامل ہونا پسند ہی نہ تھا، سو اس لیے اللہ نے اُن کو سُستی میں مبتلا فرما دیا، اور اُن سے کہا گیا کہ تم بیٹھنے والے (معذوروں) کے ساتھ بیٹھے رہو O''(التوبہ:۴۶)

''وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ'' اور اگر وہ جہاد کرنے کے لیے نکلنے کا ارادہ کرتے۔

''لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً'' تو وہ ضرور جہاد کرنے کے لیے آلاتِ حرب کو تیار رکھتے۔

''وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ'': لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کا جہاد کے لیے نکلنا گوارا نہ تھا۔

''فَثَبَّطَهُمْ'': سو اللہ تعالیٰ نے ان کو جہاد کے لیے روانگی سے روک دیا۔

''وَقِيْلَ اقْعُدُوْا'': اور ان سے کہا گیا: تم اپنے گھروں میں بیٹھے رہو۔''مَعَ الْقٰعِدِيْنَ'': یعنی ان بیماروں اور لولے لنگڑوں کے ساتھ جو جہاد کے لیے نہیں جاسکتے۔ اور دوسرا قول ہے کہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہو۔

''وَقِيْلَ'': یعنی انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ بیٹھے رہو، دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ وہ بیٹھے رہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''(اور اے مسلمانو!) اگر وہ منافقین (بالفرض) تمہارے ساتھ جہاد میں شامل ہونے کے لیے نکلتے تو وہ صرف تمہارے نقصان میں ہی اضافہ کرتے اور تمہاری صفوں میں فتنہ اندازی کرتے اور تم میں اب بھی اُن کے جاسوس موجود ہیں، اور اللہ ظالموں کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں O''(التوبہ:۴۷)

''لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا'': اس کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو غزوۂ تبوک میں جہاد کرنے کا حکم فرمایا تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثنیۃ الوداع میں گھاٹی کے اوپر اپنا لشکر مرتب فرمایا، اور عبداللہ بن ابی کے اصحاب کو ثنیۃ الوداع کی گھاٹی کے نچلے حصہ پر مقرر فرمایا۔ پھر جب لشکر روانہ ہوا تو عبداللہ بن ابی اور اس کے اصحاب منافقین کے ساتھ پیچھے رہ گئے، تب اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی کہ اگر یہ منافقین تمہارے ساتھ نکلتے تو یہ لشکر میں فساد اور شرانگیزی کرتے، اور فساد سے مراد ہے: مسلمانوں کے دلوں میں بزدلی پیدا کرتے۔

''وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ'': اور تمہاری صفوں کے درمیان ایک دوسرے کے خلاف بغض اور عداوت پیدا کرتے اور ایک دوسرے کی چغلیاں کھاتے۔

''يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ'': اور تمہارے درمیان یہ بات پھیلاتے کہ تمہارے خلاف اتنا بھاری لشکر جمع ہو رہا ہے اور عنقریب تم مغلوب ہو جاؤ گے اور تمہارا دشمن تم پر غالب ہو جائے گا۔

الکلبی نے کہا: یعنی وہ مسلمانوں کے درمیان بزدلی اور بددلی پھیلاتے، الضحاک نے کہا: فتنہ سے مراد شرک ہے۔

''وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ'': مجاہد نے کہا: یعنی تمہاری صفوں کے درمیان اُن کے مُخبر ہیں اور جاسوس ہیں۔ قتادہ نے کہا: تمہارے درمیان ایسے لوگ ہیں کہ درحقیقت وہ منافقین کی اطاعت کرتے ہیں، ان کی باتیں سنتے ہیں۔

''وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ'': اور اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو خوب جاننے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک منافقوں نے اس سے پہلے بھی فتنہ پردازی کرنے کی کوشش کی تھی اور وہ آپ کے بہت سے منصوبوں کو الٹ پلٹ کرنے کی کوشش کرتے رہے حتیٰ کہ حق آ گیا اور اللہ کا دین غالب ہو گیا، اور منافقین اس کو گوارا نہیں کرتے تھے O'' (التوبہ:۴۸)

''لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ'': یعنی یہ منافقین اس سے پہلے بھی آپ کے متبع صحابہ کو دین سے برگشتہ کر کے کفر کی طرف لوٹانے کی کوشش کر چکے ہیں جس طرح عبداللہ بن ابی غزوۂ احد میں عین لڑائی کے وقت اپنے اصحاب کو نکال کر لشکر اسلام سے نکل گیا تھا۔ ''وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ'': یعنی لوگوں میں بددلی پھیلا کر انہیں دینِ اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے۔

''حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ'': حتیٰ کہ اللہ کی مدد آ گئی۔

''وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ'': اور اللہ کا دین غالب آ گیا۔

''وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝'': اور یہ منافقین اس کو ناپسند کرنے والے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) بعض منافقین آپ سے کہتے ہیں: ''مجھے اجازت دے دیں اور فتنہ میں مبتلا نہ کریں''، سنو! وہ خود فتنہ میں مبتلا ہیں اور بے شک جہنم ضرور کافروں کا احاطہ کئے ہوئے ہے O'' (التوبہ:۴۹)

''**وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ ائۡذَنۡ لِّىۡ وَلَا تَفۡتِنِّىۡ**'': یہ آیت جد بن قیس المنافق کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب لشکرِ اسلام غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تبوک کے جہاد کے لیے روانہ ہو، تمہیں مالِ غنیمت میں روم کی گوری گوری عورتیں ملیں گی، تب الجد بن قیس نے کہا: آپ ہمیں اس جہاد سے رخصت کی اجازت دیں اور ہمیں روم کی گوری عورتوں کے ساتھ فتنہ میں مبتلا نہ کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں بیان کیا کہ جد بن قیس نے کہا: انصار کو خوب معلوم ہے کہ جب میں عورتوں کو دیکھوں تو ان پر صبر نہیں کرسکتا حتیٰ کہ میں کسی فتنہ میں پڑ جاؤں، اس لیے میں آپ کی اپنے مال کے ساتھ مدد کروں گا، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جد بن قیس سے اعراض فرمالیا اور آپ نے ارشاد فرمایا: میں نے تم کو اجازت دی۔ پھر اللہ عزوجل نے فرمایا:

''**اَلَا فِى الۡفِتۡنَةِ سَقَطُوۡا‌ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيۡطَةٌۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ۝۴۹**'': یعنی تم لوگ تو خود فتنہ میں مبتلا ہو چکے ہو، اور جہنم تمہارا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یعنی یہ لوگ شرک کے جرم میں مبتلا ہو چکے ہیں اور اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے جہنم کے مستحق ہو چکے ہیں اور جہنم ان کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اگر آپ کو کوئی کامیابی پہنچے تو انہیں ناگوار ہوتی ہے، اور اگر آپ کو کوئی نقصان پہنچے تو منافق کہتے ہیں: ''ہم نے تو پہلے ہی اپنا بندوبست کرلیا تھا'' اور خوشیاں مناتے پھرتے ہیں اور دینِ حق سے پلٹ جاتے ہیں O'' (التوبہ: ۵۰)

''**اِنۡ تُصِبۡكَ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ**'': یعنی اگر آپ کو میدانِ جنگ میں کوئی کامیابی حاصل ہو تو یہ ان منافقین کو ناگوار ہوتی ہے۔ ''**وَاِنۡ تُصِبۡكَ مُصِيۡبَةٌ**'': اور اگر آپ کا لشکر اس جنگ میں قتل اور شکست سے دو چار ہو۔

''**يَّقُوۡلُوۡا قَدۡ اَخَذۡنَاۤ اَمۡرَنَا مِنۡ قَبۡلُ**'': تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو اس جنگ میں شریک نہ ہو کر اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہ کر پہلے ہی اس مصیبت سے نجات حاصل کرلی تھی۔

''**وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ فَرِحُوۡنَ ۝۵۰**'': اور وہ خوشی خوشی سے لوٹتے ہیں کہ وہ جنگ کی مصیبت سے بچ گئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: ''ہمیں صرف وہی نقصان پہنچ سکتا ہے جس کو اللہ نے ہمارے لیے مقدر فرمادیا ہے وہی ہمارے مددگار ہیں'' اور ایمان والوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے O'' (التوبہ: ۵۱)

''**قُلْ لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا**'': یعنی اے رسولِ اکرم! آپ ان سے کہیے: ہم کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ ''**هُوَ مَوۡلٰٮنَا**'': اور اللہ ہمارے مددگار اور محافظ ہیں۔

''**وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۝۵۱**'': اور مومنین صرف اللہ پر توکل کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: ''تم ہمارے لیے دو چیزوں میں سے (کامیابی یا

ناکامی) میں سے صرف ایک کا انتظار کرتے رہو اور ہم بھی تمہارے بارے میں منتظر ہیں کہ اللہ اپنے پاس سے تمہیں عذاب میں مبتلا فرمائیں گے یا ہمارے ہاتھوں سے تمہیں شکست سے دوچار فرمائیں گے، لہٰذا تم بھی انتظار کرتے رہو، ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہے ہیں O'' (التوبہ: ۵۲)

''قُلۡ هَلۡ تَرَبَّصُوۡنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡدَى الۡحُسۡنَيَيۡنِ'': یعنی اے منافقو! تم ہمارے لیے اللہ کی مدد اور مالِ غنیمت، یا اللہ کی راہ میں مرنے، شہادت پانے اور مغفرت کا انتظار کر رہے ہو۔ یعنی ان میں سے کسی ایک چیز کا انتظار کر رہے ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس کے ضامن ہیں کہ جو شخص اللہ کی راہ میں گھر سے نکلا اور اس کا گھر سے نکلنا صرف مجھ پر ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق کی وجہ سے تھا تو میں اس کو اس کے حاصل کردہ اجر یا مال غنیمت کے ساتھ لوٹاؤں یا اس کو جنت میں داخل فرما دوں اور اگر میں اپنی امت پر دشوار نہ سمجھتا تو میں کسی لشکر کے پیچھے بیٹھا نہ رہتا اور میں اس کو ضرور پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر میں زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔

(صحیح البخاری: ۳۶، ۲۹۷۲، ۲۲۲۷، ۷۴۵۷، ۷۴۶۳، صحیح مسلم: ۱۸۷۶، سنن نسائی: ۵۰۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۷۵۳، مسند ابوعوانہ ج ۵ ص ۳۱، سنن بیہقی ج ۹ ص ۳۹، مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۹ طبع قدیم، مسند احمد: ۹۱۸۷، ج ۱۵ ص ۱۰۰، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف، ج ۱۴ ص ۶۱۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

''وَنَحۡنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمۡ'': اور ہم بھی تمہارے لیے دو خرابیوں میں سے ایک خرابی کے منتظر ہیں۔

''اَنۡ يُّصِيۡبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖۤ'': یا تو اللہ تعالیٰ تم سب کو اس طرح ہلاک فرما دیں گے جس طرح پچھلی امت کے کافروں کو عذاب سے ہلاک فرمایا ہے۔

''اَوۡ بِاَيۡدِيۡنَا'': اور یا تم کو ہمارے ہاتھوں سے شکست میں مبتلاء فرمائیں گے۔

''فَتَرَبَّصُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ مُّتَرَبِّصُوۡنَ ۝'': حسن بصری نے کہا: یعنی تم شیطان کے کئے ہوئے وعدوں کے پورا ہونے کا انتظار کرو اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمائے ہوئے وعدوں کے پورا ہونے کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب فرمائیں گے اور اس کے دین کے مخالفوں کو ذلت میں مبتلا فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: ''تم اپنی خوشی سے مال خرچ کرو یا ناخوشی سے، تم سے وہ مال ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، بے شک تم لوگ نافرمان ہو'' O (التوبہ: ۵۳)

''قُلۡ اَنۡفِقُوۡا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا'': یہ آیت جد بن قیس کے متعلق نازل ہوئی ہے جب اس نے غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے کی اجازت طلب کی اور کہا: میں تمہاری اپنے مال کے ساتھ مدد کروں گا اور مجھے غزوۂ تبوک سے رہ جانے کی اجازت دے دو، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اپنے مال کو خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے۔

''لَّنۡ يُّتَقَبَّلَ مِنۡكُمۡ'': تم سے تمہارا وہ مال ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

''اِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ﴿۵۳﴾'': کیونکہ تم نافرمان لوگ ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اُن کے خرچ کئے ہوئے مال کا نامقبول ہونا صرف اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کو اختیار کیا اور وہ محض سُستی کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے آتے ہیں اور صرف ناپسندیدگی کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں O'' (التوبہ: ۵۴)

''وَمَامَنَعَهُمۡ اَنۡ تُقۡبَلَ مِنۡهُمۡ نَفَقٰتُهُمۡ'': یعنی اُن کے صدقات کے مقبول ہونے سے صرف یہ چیز مانع ہے۔

''اِلَّاۤ اَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوۡلِهٖ'': کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔

''وَلَا يَاۡتُوۡنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمۡ كُسَالٰى'': یعنی جب وہ نماز پڑھنے کے لیے آتے ہیں تو بے دلی اور بوجھل قدموں کے ساتھ آتے ہیں، نہ وہ نماز کی ادائیگی پر ثواب کی امید رکھتے ہیں اور نہ نماز کے ترک کرنے پر عذاب سے ڈرتے ہیں۔

''وَلَا يُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا وَهُمۡ كٰرِهُوۡنَ ﴿۵۴﴾'': اور وہ اللہ کی راہ میں صدقہ دینے کو جرمانہ قرار دیتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کو اُن کے اموال اور اولاد کی کثرت کسی تعجب میں مبتلا نہ کرے، اللہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ اُن کے مال اور اولاد کی کثرت کی وجہ سے اُن کو دنیا کی زندگی میں مزید عذاب میں مبتلا فرمائیں اور اس حال میں اُن کے جسموں سے اُن کی جانیں نکلیں کہ وہ کفر کر رہے ہوں O'' (التوبہ: ۵۵)

''فَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ'': یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی بداعمالیوں پر ڈھیل دے کر ان کو جو اموال اور اولاد کی کثرت عطا فرمائی ہے، اس سے آپ حیران نہ ہوں، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ان کے کفر اور نفاق میں ڈھیل دینا ہے۔

''اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا'': اللہ تعالیٰ ان کو مال اور اولاد کی کثرت عطا فرما کر صرف اُن کے عذاب میں اضافہ فرما رہے ہیں۔

''وَتَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۵۵﴾'': اور اس حال میں ان کے جسموں سے ان کی جانیں نکلیں کہ وہ کفر کر رہے ہوں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور وہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں: ''کہ وہ ضرور تم مسلمانوں میں سے ہیں'' حالانکہ وہ تم مسلمانوں میں سے نہیں ہیں لیکن وہ ایسے لوگ ہیں جو ڈرتے رہتے ہیں O'' (التوبہ: ۵۶)

''وَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمۡ لَمِنۡكُمۡ'': یعنی یہ منافقین اللہ کی قسمیں کھا کر یہ کہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں، ان کے دین اور ان کی شریعت اور ان کے طریقہ پر ہیں۔

''وَمَا هُمۡ مِّنۡكُمۡ وَلٰكِنَّهُمۡ قَوۡمٌ يَّفۡرَقُوۡنَ ﴿۵۶﴾'': حقیقت میں اے مسلمانو! یہ تمہارے دین پر نہیں ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو ڈرتے رہتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اگر ان منافقین کو اپنے بچنے کے لیے کوئی قلعہ کی مثل پناہ کی جگہ مل جاتی یا غار میں کوئی

چھپنے کی جگہ مل جاتی یا زمین کے اندر کوئی سرنگ پا لیتے تو وہ سب کے سب ضرور اسی پناہ گاہ کی طرف جلد از جلد بھاگ جاتے O" (التوبہ:۵۷)

"لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝": یعنی اگر ان منافقین کو اپنی حفاظت کے لیے کوئی قلعہ میسر ہو جاتا، یا غاروں میں کوئی پناہ گاہ مل جاتی تو یہ ضرور اس میں داخل ہو جاتے۔ مجاہد نے کہا: اگر انہیں کوئی سرنگ میسر ہوتی تو یہ اس سرنگ میں چلے جاتے جیسے خرگوش سرنگ میں جا کر چھپ جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر ان منافقین کو تم سے بچنے کے لیے کسی قسم کی بھی جگہ میسر ہوتی تو یہ ضرور تم کو چھوڑ کر اس جگہ بھاگ جاتے۔

اللہ عز وجل کا ارشاد ہے: "اِن منافقین میں سے بعض لوگ صدقات کی تقسیم کے معاملہ میں آپ پر اعتراض کرتے ہیں، پس اگر انہیں اُن صدقات میں سے کچھ عطا کر دیا جاتا تو وہ راضی ہو جاتے، اور اگر انہیں ان صدقات میں سے کچھ نہ دیا جاتا تو وہ فوراً غصہ سے بگڑ جاتے O" (التوبہ:۵۸)

"وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝":

یہ آیت ذی الخویصرہ التمیمی کے متعلق نازل ہوئی، اس کا نام حرقوص بن زہیر تھا، اور یہ خوارج کی اصل تھا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے، آپ اس وقت (حنین کا مال غنیمت) تقسیم فرما رہے تھے، اچانک آپ کے پاس ذو الخویصرہ آیا اور وہ بنو تمیم کا ایک مرد تھا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! عدل کیجئے، آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے، جب میں عدل نہیں کروں گا تو کون عدل کرے گا، بے شک میں ناکام اور نامراد ہوں گا اگر میں نے عدل نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے میں اس کی گردن اڑا دوں، آپ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو کیونکہ اس کے ایسے اصحاب ہیں کہ تم میں سے ہر شخص ان کی نمازوں کے مقابلہ میں اپنی نمازوں کو حقیر سمجھے گا، اور ان کے روزوں کے مقابلہ میں اپنے روزوں کو حقیر سمجھے گا، وہ قرآن پڑھیں گے (لیکن) قرآن ان کے گلوں کے نیچے نہیں اترے گا، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے، وہ اگر تیر کے پھل کی طرف دیکھے گا تو اس پر کچھ (خون) نظر نہیں آئے گا، پھر اگر نیزے کی اوپر کی جگہ کو دیکھے گا تو وہاں بھی کچھ دکھائی نہیں دے گا، پھر اگر تیر میں لگائی جانے والی لکڑی کو دیکھے گا اور وہ اس کا پر ہے تو وہاں بھی کچھ دکھائی نہیں دے گا، حالانکہ گندگی اور خون سے وہ تیر گزرا ہے، ان کی علامت ایک سیاہ فام شخص ہوگا جس کا ایک بازو عورت کے پستان کی طرح ہوگا یا گوشت کے لوتھڑے کی طرح حرکت کر رہا ہوگا، یہ لوگ مسلمانوں کے بہترین فرقے کے خلاف خروج کریں گے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان (خوارج) کے خلاف جنگ کی تھی اور میں ان کے ساتھ تھا، اور انہوں نے اس مرد کو تلاش کرنے کا حکم دیا، پس اس کو تلاش کر کے لایا گیا، جب میں نے اس کو دیکھا تو اس کا وہی حلیہ تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا حلیہ بیان فرمایا تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۶۱۰، ۶۱۶۳، ۶۹۳۱، ۶۹۳۳، صحیح مسلم: ۱۰۶۴، سنن ابن ماجہ: ۱۷۲، مسند احمد: ۱۱۱۴۳، شرح السنہ للبغوی: ۲۵۴۲، مصنف ابن ابی

شیبہ ج ۱۵ ص ۳۲۲، ۳۲۹، مصنف عبدالرزاق: ۱۸۶۴۹، صحیح ابن حبان: ۶۷۴۳، ۶۷۴۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۴۲۷)

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف، ج ۱۲ ص ۳۰۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ صحیح البخاری: ۶۹۳۳ کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ الکرمانی نے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مال کو تقسیم فرما رہے تھے اور انھوں نے یہ بیان نہیں کیا کہ کون سا مال تقسیم فرما رہے تھے اور نہ یہ بیان کیا ہے کہ یہ مال کس وقت تقسیم فرما رہے تھے؟ رہا وہ مال جو تقسیم کیا گیا ہے تو وہ سونے کے ٹکڑے تھے جن کو حضرت علی بن ابی طالب نے یمن سے بھیجا تھا اور کتاب الادب حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی سند سے اسی طرح گزر چکا ہے اور رہی تقسیم تو وہ غزوۂ حنین کی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار افراد کے درمیان اس مال کو تقسیم کیا تھا۔ (۱) اقرع بن حابس الحنظلی (۲) عیینہ بن حصن الفزاری (۳) علقمہ بن علاثہ العامری (۴) زید الخیر الطائی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: عبداللہ بن ذی الخویصرہ، یہ تمیم میں سے ایک مرد ہے اور اکثر نسخوں میں بلکہ تمام نسخوں میں یہ عبداللہ بن ذوالخویصرہ مذکور ہے بن کے اضافہ کے ساتھ۔

امام الثعلبی، امام الواحدی نے ''ابواب النزول'' میں محمد بن یحییٰ الذہلی کی سند سے از عبدالرزاق روایت کی ہے پس کہا ہے کہ ابن ذی الخویصرہ التمیمی اور اس کا نام حرقوص بن زہیر ہے یہ خوارج کی اصل ہے، علامہ ابن الاثیر نے اسی پر اعتماد کیا ہے پس انھوں نے الخویصرہ کا صحابہ میں شمار کیا ہے، اور امام ابوجعفر طبری نے کہا ہے کہ حرقوص بن زہیر صحابہ میں سے ہیں اور یہ ذکر کیا ہے کہ عراق کی فتوحات میں ان کا اثر تھا، اور یہ وہی ہیں جنھوں نے الاہواز کے بازار فتح کیے تھے پھر حروریہ میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، پھر خوارج کے ساتھ ہو گئے اور انہی کی ساتھ ان کو قتل کیا گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اجازت دیجیے میں اس کی گردن ماردوں۔

یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ ''کتاب المغازی، باب بعث علی الی الیمن'' میں یہ گزرا ہے کہ اس قول کے قائل حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہیں یعنی انھوں نے یہ کہا تھا کہ ''مجھے اجازت دیجیے میں اس کی گردن ماردوں''۔

علامہ الکرمانی نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ حضرت عمر اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہما دونوں نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کی ہو۔

''التوضیح'' میں علامہ ابن الملقن الشافعی (المتوفی ۸۰۴ھ) نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول میں یہ دلیل ہے کہ اس شخص کو قتل کرنا مباح تھا کیوں کہ شارع علیہ السلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراض نہیں کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو زندہ رکھنا کسی علت کی وجہ سے جائز تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ: ''جب شکار سے پار ہونے والے تیر کو دیکھا جائے گا تو نہ اس تیر کے پر میں خون میں سے کوئی چیز لگی ہوگی اور نہ اس تیر کے پیکان میں سے کوئی چیز لگی ہوگی اور نہ تیر کی لکڑی میں سے کوئی چیز لگی ہوگی اور وہ تیر اس کے لید، گوبر اور خون میں سے اس طرح گزر جائے گا کہ اس تیر پر کوئی چیز لگی ہوئی نہیں ہوگی، اس تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے کہ وہ دین کے کسی وصف کے ساتھ متصف نہیں ہوں گے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ: ''علی حین فرقۃ'' یعنی یہ اس زمانے کا واقعہ ہے کہ جب لوگ فرقوں میں بٹ گئے تھے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ: ''اس سے مراد جنگ صفین کا دن ہے''۔

اور علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ ''ایک روایت میں ہے ''علی خیر فرقۃ'' یعنی اس زمانے کے افضل فرقہ میں''۔

اور قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ ''اس فرقہ سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب ہیں'' یا اس سے مراد ''خیر القرون'' ہے اور وہ پہلا دور ہے۔ اور امام احمد نے از امام عبد الرزاق روایت کی ہے ''حین فترۃ من الناس''۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ: ''واشھد ان علیا قتلھم''۔ اور شعیب کی روایت میں ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا۔ اور افلح بن عبد اللہ کی روایت میں مذکور ہے کہ جس دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو النہروان میں قتل کیا، میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف قتل کرنے کی نسبت اس لیے ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ان کو قتل کرنے کا حکم دینے والے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ: ''ان کی علامت یہ ہے کہ ان میں سے ایک کا ہاتھ ایسا ہوگا جیسے عورت کا پستان ہے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کردہ وصف کے مطابق وہ ایسا شخص تھا۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس پر گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا اور میں ان کے ساتھ تھا، پس اس شخص کو بلانے کا حکم دیا گیا، اسے ڈھونڈا تو وہ اسی صفت میں پایا گیا جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی صفت بیان کی تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۳۳۔ ۱۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الکلبی نے کہا: یہ منافقین میں سے ایک مرد تھا جس کا نام ابو الجوظ تھا، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ مساوی تقسیم نہیں کرتے، تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ'' یعنی بعض وہ ہیں جو مالِ غنیمت کی تقسیم میں آپ پر عیب لگاتے ہیں اور طعنہ دیتے ہیں۔ یعنی منافقین یہ کہتے تھے کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صرف اپنے پسندیدہ لوگوں کو مالِ غنیمت دیتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: یہ آپ کی تقسیم پر طعنہ زن ہوتے ہیں۔

''فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ'': یعنی اگر ان کو مالِ غنیمت میں سے بہت زیادہ مال دیا جائے تو یہ خوش ہوتے ہیں، اور اگر ان کو کم مال دیا جائے تو پھر یہ ناراض ہوتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کاش وہ اس سے راضی ہو جاتے جو اُن کو اللہ عزوجل نے اور اس کے رسول نے عطا فرمایا تھا اور کہتے: ہمیں اللہ کافی ہیں، اور عنقریب اللہ اپنے فضل سے اور اس کے رسول (اپنے فضل سے) ہمیں عطا فرمائیں گے، بے شک ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں O'' (التوبہ:۵۹)

''وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ'': کاش یہ منافقین اس پر قناعت کر لیتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول نے عطا فرمایا ہے اور کہتے: ''وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ'': ہمیں اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے جو کچھ عطا فرمایا ہے، ہم اس پر راضی ہیں اور ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔ اور کہتے کہ عنقریب

اللہ اپنے فضل سے اور رسول اپنے فضل سے ہمیں اپنی ضروریات کے مطابق عطا فرمائیں گے۔ اور کہتے کہ ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم پر مزید کشادگی فرمائیں گے اور ہم کو صدقات وغیرہ کے لینے سے مستغنی کر دیں گے تو یہ ضرور ان کے لیے بہتر اور نفع آور ہوتا۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۵۴، ۳۵۹، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِیْنَ وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِؕ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۶۰﴾

اموالِ زکوٰۃ کا مصرف صرف فقراء ہیں اور مساکین ہیں اور اموالِ زکوٰۃ کی وصولیابی پر مامور لوگ ہیں اور جن نومسلموں کی تالیفِ قلب مقصود ہو وہ لوگ ہیں اور غلاموں کی گردنوں کے آزاد کرانے میں اور مقروضوں کے قرض کی ادائیگی میں اور اللہ کی راہ میں نیک کام کرنے کے لیے اور مسافروں کی مدد کے لیے ہیں، یہ اموالِ زکوٰۃ کی تقسیم اللہ کی طرف سے فرض ہے، اور اللہ سب سے زیادہ جاننے والے، سب سے زیادہ حکمت والے ہیں O

وَ مِنْهُمُ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ النَّبِیَّ وَ یَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌؕ قُلْ اُذُنُ خَیْرٍ لَّكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ یُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْؕ وَ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۱﴾

اور بعض منافقین نبی اکرم کو مختلف طعنے دے کر اذیتیں پہنچاتے ہیں اور آپ کے متعلق کہتے ہیں: "وہ تو سرتاپا کان ہیں"، آپ کہیے: "وہ کان تمہاری بھلائی کے لیے ہیں، وہ اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں اور وہ تم میں سے ایمان رکھنے والوں کے لیے سرتاپا رحمت ہیں" اور جو لوگ اللہ کے مکرم رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں، ان کے لیے دردناک عذاب تیار فرمایا ہوا ہے O

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِیُرْضُوْكُمْۚ وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۲﴾

منافقین آپ کے سامنے آپ کو راضی کرنے کی خاطر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ وہ ان کو راضی کرتے اگر وہ سچے مومن ہوتے O

اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیْهَاؕ ذٰلِكَ الْخِزْیُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۳﴾

کیا انہیں یہ نہیں معلوم کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی تو اس کے لیے جہنم کی دائمی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہوگا، یہی اس کی سب سے بڑی رسوائی ہے O

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿٦٤﴾

منافقین اس سے ڈرتے ہیں کہ ان (مسلمانوں) پر کوئی ایسی سورت نازل ہو جائے جو ان کو منافقوں کے دلوں کے احوال کی خبر دے، آپ کہیے: ''تم بدستور مذاق اڑاتے رہو، بے شک اللہ تمہاری اس منافقت کو ظاہر فرمانے والے ہیں جس کے اظہار سے تم ڈرتے ہو'' O

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦٥﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) اگر آپ ان سے (ان کے مذاق اڑانے کی وجہ) پوچھیں تو وہ ضرور کہیں گے: ''ہم تو یونہی ہنسی میں باتیں کر رہے تھے اور مذاق کر رہے تھے''، آپ کہیے: ''کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں کا اور اس کے رسول کا مذاق اڑا رہے تھے؟'' O

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾ ع

اب تم عذر نہ تراشو، بے شک تم اپنا ایمان ظاہر کرنے کے بعد کافر ہو چکے ہو، اور اگر ہم تمہارے ایک فریق کو اس کی ظاہری توبہ کی وجہ سے معاف فرما دیں تو دوسرے گروہ کو ضرور عذاب میں مبتلا فرمائیں گے کیونکہ وہی مجرم تھے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اموالِ زکوٰۃ کا مصرف صرف فقراء ہیں اور مساکین ہیں اور اموال زکوٰۃ کی وصولیابی پر مامور لوگ ہیں اور جن نومسلموں کی تالیفِ قلب مقصود ہو وہ لوگ ہیں اور غلاموں کی گردنوں کے آزاد کرانے میں اور مقروضوں کے قرض کی ادائیگی میں اور اللہ کی راہ میں نیک کام کرنے کے لیے اور مسافروں کی مدد کے لیے ہیں، یہ اموالِ زکوٰۃ کی تقسیم اللہ کی طرف سے فرض ہے، اور اللہ سب سے زیادہ جاننے والے، سب سے زیادہ حکمت والے ہیں O'' (التوبہ:٦٠)

اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ۔۔ (البقرہ: ۱۷۷)

اور مال سے اپنی محبت کے باوجود رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں میں اور سوال کرنے والوں میں اور غلاموں کی گردنوں کو آزاد کرنے میں مال خرچ کرے، اور نماز پڑھے اور زکوٰۃ ادا کرے۔

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ۔۔ (المنافقون: ۱۰)

اور جو کچھ ہم نے تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے تم (ہماری راہ میں) خرچ کرو۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۔۔ (الانفال: ۳)

اور ہم نے جو کچھ اُن کو عطا فرمایا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں O

زکوٰۃ ادا کرنے کے فوائد

(۱) زکوٰۃ ادا کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے انسان سے بخل کی صفت زائل ہو جاتی ہے اور بخل سے نجات کی اللہ تعالیٰ نے مدح فرمائی ہے: ''وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الحشر: ۹)'' (اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچائے گئے ہیں سو وہی لوگ کامیاب ہیں O)۔ نیز حدیث صحیح میں بھی بخل کی مذمت کی گئی ہے۔

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جا رہی ہے اور خواہش نفس کی اتباع کی جا رہی ہے اور دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے کو صحیح سمجھ رہا ہے، تو تم عام لوگوں سے الگ ہو کر عزلت نشین ہو جاؤ۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۴۱، سنن ترمذی: ۳۰۵۸، سنن ابن ماجہ: ۴۰۱۴)

امام محمد بن محمد غزالی شافعی متوفی ۵۰۵ ھ، لکھتے ہیں:

(۲) زکوٰۃ ادا کرنے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کر کے انسان اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے بدن اور مال کی نعمت عطا فرمائی، عبادات بدنیہ انجام دے کر وہ نعمت بدن کا شکر ادا کرتا ہے اور زکوٰۃ ادا کر کے وہ نعمت مال کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ وہ ایک فقیر کو دیکھے جس پر رزق کی تنگی ہو اور وہ اس سے سوال کرنے کا محتاج ہو، پھر اس کے دل میں رحم نہ آئے اور وہ اس بات پر اللہ کا شکر ادا نہ کرے کہ اللہ نے اس کو سوال کرنے سے اور دوسرے کی طرف محتاج ہونے سے مستغنی فرما دیا ہے اور وہ اس ضرورت مند فقیر کو زکوٰۃ، عشر اور صدقہ و خیرات دے کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرے۔

(احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۲۰۲۔ ۲۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

(۳) جب انسان کے پاس مال اس کی ضروریات سے بہت زیادہ ہو گا تو وہ اس مال سے اپنے عیش و عشرت کے ذرائع اور وسائل مہیا کرے گا اور یوں اس کا دل دنیا کی رنگینیوں میں اور دنیا کی مرغوب چیزوں اور لذتوں میں لگا رہے گا اور آخرت کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہو گا یا کم متوجہ ہو گا، اور وہ سوچے گا کہ عبادات اور نیک کاموں اور زکوٰۃ، عشر اور صدقہ و خیرات ادا کرنے سے اس کے مال میں کمی ہو گی اور اس وجہ سے وہ نیک کاموں میں اپنے مال کو بالکل خرچ نہیں کرے گا یا کم کرے گا۔

(۴) مال کی کثرت سے انسان میں غرور اور تکبر پیدا ہوگا اور سرکشی اور بغاوت پیدا ہوگی اور زکوٰۃ اور صدقات ادا کرنے سے اس کے تکبر اور سرکشی میں کمی ہوگی اور اس کا دل اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنے اور اس کی رضا جوئی کی طرف متوجہ ہوگا۔

(۵) جب انسان زکوٰۃ اور عشر ادا کرے گا اور صدقہ و خیرات کرے گا تو ضرورت مند لوگ اس کے لیے دعائیں کریں گے اور اس کی دعاؤں سے اس کا مال نقصان اور بربادی سے محفوظ رہے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ... (الرعد: ۱۷)'' (اور زمین میں وہی چیز برقرار رہتی ہے جو لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زکوٰۃ سے اپنے اموال کی حفاظت کرو اور صدقات سے اپنے بیماروں کی دوا کرو اور مصائب کے لیے دعا کو تیار رکھو۔

(المعجم الکبیر ج ۱۰ رقم الحدیث: ۱۰۱۹۶، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۰۴، ج ۴ ص ۲۳۷، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۱۷۱، تاریخ بغداد ج ۶ ص ۳۳۴، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کا ایک راوی متروک الحدیث ہے، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۴، حافظ سیوطی نے کہا: یہ حدیث ضعیف ہے، الجامع الصغیر ج ۱ رقم الحدیث: ۳۷۲۸)

(۶) مال بہت جلد ختم ہو جاتا ہے، لیکن جب انسان اس مال کو نیکی کی راہ میں خرچ کرے گا تو وہ نیکیاں باقی رہیں گی، دنیا میں ان کی تعریف کی جائے گی اور آخرت میں اجر ملے گا۔ ایک شخص نے کہا: کاش! میں اپنے تمام مال کو قبر میں لے جا سکتا! میں نے کہا: یہ ممکن ہے، تم اپنے تمام مال کو اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا میں خرچ کر دو، تم کو یہ مال قبر میں بھی ملے گا اور آخرت میں بھی۔

(۷) مال داروں کے پاس بہت زیادہ مال ان کی ضروریات سے زائد ان کی تجوریوں اور بینکوں میں معطل پڑا رہتا ہے اور فقراء اور ضرورت مندوں کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی مال نہیں ہوتا، تو اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کی متقاضی ہوئی کہ زکوٰۃ اور صدقات کے ذریعہ مال داروں کے زائد مال سے بقدرِ ضرورت زکوٰۃ اور صدقات کے ذریعہ ضرورت مندوں تک پہنچایا جائے۔

(۸) اگر مال دار ضرورت مندوں اور فقیروں کی مالی امداد نہ کریں تو ہو سکتا ہے کہ ضرورت مند فقراء اپنی تنگی اور فقر سے تنگ آ کر بغاوت پر اتر آئیں اور چوریاں، ڈاکے، لوٹ مار، بھتہ خوری اور اغواء برائے تاوان کرنا شروع کر دیں اور زکوٰۃ اور صدقات کی ادائیگی کے ذریعہ اس بغاوت کا سدباب ہو سکتا ہے۔ اکثر لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے اور ناگہانی حادثات اور مہلک بیماریوں میں مبتلاء ہو جاتے ہیں اور نتیجہ میں جو مال انہوں نے زکوٰۃ سے بچا کر رکھا تھا وہ ہسپتالوں میں جا بے جا ٹیکسز کی ادائیگی میں خرچ ہو جاتا ہے اور مہنگی سے مہنگی دوائیں خریدنے میں وہ مال خرچ ہو جاتا ہے اور بسا اوقات انسان ایسی بیماریوں میں مبتلاء ہو جاتا ہے کہ مونہہ کے راستہ اس کے جسم میں غذا نہیں پہنچ سکتی اور سالہا سال تک نلکی کے ذریعہ اس کے معدہ میں غذا پہنچائی جاتی ہے، سو یہ سارے مصائب اور حوادث انسان کے اپنے اختیار کردہ بخل کے نتیجہ میں لاحق ہوتے ہیں۔ اگر وہ اس مال کو زکوٰۃ کے ذریعہ غریبوں، محتاجوں اور ضرورت مندوں کو دیتا رہتا تو ممکن ہے ان کی دعاؤں سے وہ ان حوادث اور مصائب سے بچ جاتا۔

(۹) زکوٰۃ اور صدقات کی ادائیگی کر کے انسان اللہ کی مخلوق پر شفقت کرتا ہے اور ان کی پرورش کرتا ہے، ان کے لیے رزق فراہم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت رزاقی سے متصف ہوتا ہے اور انبیاء اور صالحین کے اخلاق کریمانہ سے متخلق ہوتا ہے۔

زکوٰۃ لینے والے کے حق میں زکوٰۃ کی حکمتیں اور مصلحتیں

(۱) مغیرہ بن عامر نے کہا: شکر نصف ایمان ہے اور صبر نصف ایمان ہے اور یقین مکمل ایمان ہے۔

(موسوعہ رسائل ابن ابی الدنیاج ۳ ص ۳۰۰، موسسۃ الثقافیۃ، بیروت ۱۴۱۴ھ، شعب الایمان ج ۴ ص ۱۰۹، رقم الحدیث: ۴۴۴۸)

زکوٰۃ دینے والا اپنے مال کے کم ہونے پر صبر کرتا ہے اور ضرورت مند فقیر زکوٰۃ کی صورت میں مال لے کر شکر ادا کرتا ہے، یا یوں کہا جائے کہ مال دار نے پہلے مال ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، پھر زکوٰۃ کی ادائیگی سے جو مال میں کمی ہوئی اس پر صبر کیا تو زکوٰۃ کی وجہ سے اس کا ایمان مکمل ہو گیا، اسی طرح حاجت مند فقیر نے پہلے مال نہ ہونے پر صبر کیا اور زکوٰۃ کی شکل میں مال ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا تو زکوٰۃ کی وجہ سے اس کا ایمان بھی مکمل ہو گیا۔ نیز حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مصیبت میں مبتلاء ہو پھر اس نے صبر کیا اور اس کو نعمت دی گئی تو اس نے شکر ادا کیا، اس پر ظلم کیا گیا تو اس نے معاف کر دیا اور اس نے خود ظلم کیا تو اس پر استغفار کیا، پوچھا: کیا اس کے لیے اجر ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہی لوگ عذاب سے مامون ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

(۲) ہر چند کہ اللہ تعالیٰ نے غنی کو بہت مال عطا فرمایا ہے اور فقیر کو مال نہیں عطا فرمایا، لیکن اللہ تعالیٰ نے غنی کو اس بات کا مکلف فرمایا ہے کہ وہ فقیر کو زکوٰۃ ادا کرے اور فقیر کا غنی پر احسان ہے کہ وہ اس سے زکوٰۃ قبول کر کے اس کو دوزخ کے عذاب سے چھڑاتا ہے، غنی کا فقیر کو زکوٰۃ دینے کی وجہ سے اس کی دنیا پر احسان ہے اور فقیر کا غنی کی آخرت پر احسان ہے اور اخروی احسان دنیاوی احسان سے زیادہ بڑا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فقیر کو اس بات کا مکلف نہیں فرمایا کہ وہ غنی کے پاس جا کر اس سے زکوٰۃ مانگے، بلکہ غنی کو اس بات کا مکلف فرمایا ہے کہ وہ فقیر کے پاس جا کر زکوٰۃ ادا کرے۔ فقیر اپنی دنیا میں سہولت اور فراغت کے لیے غنی کا محتاج ہے تو غنی اپنی آخرت میں عذاب سے بچنے کے لیے فقیر کے زکوٰۃ لینے کا محتاج ہے۔

فقراء اور مساکین کے معانی کی تحقیق

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، التوبہ: ۶۰ تا ۶۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ '': اس آیت میں الفقراء کا ذکر ہے، فقراء، فقیر کی جمع ہے۔ فقیر اس شخص کو کہتے ہیں جس کے لیے گزرانِ معیشت کا ذریعہ بہت کم مقدار میں ہو، اور اس آیت میں المساکین کا لفظ ہے، یہ المسکین کی جمع ہے، مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ... (البلد: ۱۶)'' (یا خاک نشین مسکین کو دو O)۔ یعنی جس شخص اور اس کے نیچے مٹی کے علاوہ اور کوئی چیز نہ ہو جس سے وہ اپنی حفاظت کر سکے۔

بعض مفسرین نے اس کے برعکس کہا ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو، اور مسکین وہ ہے جس کے پاس تھوڑی بہت چیز ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ ... (الکہف: ۷۹)'' (جہاں تک کشتی کا تعلق ہے تو وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں محنت مزدوری کیا کرتے تھے)۔ ان کشتی والوں کو مساکین فرمایا، ہر چند کہ کشتی ان کی ملکیت

تھی۔ اور بعض دوسرے مفسرین نے کہا کہ فقیر اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہ کرے، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ ۡ یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُھُمْ بِسِیْمٰھُمْ ۚ لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔۔۔ (البقرہ: ۲۷۳)'' (یہ صدقہ وخیرات) ان فقراء کے لیے ہے جنہوں نے خود کو اللہ کی راہ میں وقف کیا ہوا ہے، وہ زمین میں سفر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، جو ان کے حال سے ناواقف ہو وہ ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ان کو مالدار گمان کرتا ہے، (اے مسلمانو!) تم ان فقراء کو ان کی صورتوں سے پہچانو گے، وہ لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے)۔ اور مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں سے سوال کرتا ہو۔

اور بعض دیگر مفسرین نے کہا کہ فقیر وہ ہے جو لوگوں سے سوال کرتا ہے، اور مسکین وہ ہے جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا، جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص مسکین نہیں ہے جس کو ایک لقمہ یا دو لقمے لوٹا دیں لیکن مسکین وہ شخص ہے جس کے پاس (بالکل) مال نہ ہو، اور وہ لوگوں سے گڑگڑا کر سوال کرنے سے حیاء کرتا ہو۔

(صحیح البخاری: ۱۴۷۶، ۱۴۷۹، صحیح مسلم: ۱۰۳۹، الرقم المسلسل: ۲۳۵۵، مسند الطحاوی: ۷۹۱۳، موطا امام مالک: ۹۳۱، ۳۴۱۴، مسند احمد: ۸۱۷۱، ۸۱۸۷، السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۳۶۴، صحیح ابن حبان: ۳۳۵۲، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۳۱۴۷، الاستذکار ج ۸ ص ۳۴۳، شرح السنۃ للبغوی: ۱۶۰۲، الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج ۱۸ ص ۱۰۹، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۵۰، التیسیر بشرح الجامع الصغیر ج ۲ ص ۳۲۱، جامع المسانید لابن الجوزی: ۴۴۶۸)
(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف ج ۱۶ ص ۳۹۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

مسکین اور فقیر کے لغوی معانی

مسکین کا لفظ سکون سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے: حرکت نہ کرنا، گویا مسکین مردہ کی طرح ہوتا ہے۔

امام اسماعیل بن حماد الجوہری المتوفی ۳۹۸ھ لکھتے ہیں:

المسکین: الفقیر اور کبھی یہ ذلت اور ضعف کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، اور یونس کہتے تھے کہ مسکین کا حال فقیر سے زیادہ شدید ہوتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک اعرابی سے کہا: کیا تم فقیر ہو؟ اس نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم! بلکہ میں مسکین ہوں۔ ابن قتیبہ نے غریب الحدیث (ج ۱ ص ۱۹۲) میں کہا کہ مسکین وہ نہیں ہے جس کو ایک لقمہ اور دو لقمے دے کر لوٹا دیا جائے، مسکین صرف وہ شخص ہے جو سوال نہیں کرتا اور نہ اس کے پُروقار احوال سے اس کی تنگدستی کا گمان ہوتا ہے، تاکہ اسے دیا جائے۔

(معجم الصحاح ص ۵۰۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

مسکین اور فقیر کے مصداق کے متعلق فقہاء کے اقوال

اور فقیر مالدار کی ضد ہے، یعنی یہ ایسا شخص ہے جس کے بارے میں یہ فرض کیا جائے کہ اس کے پاس اتنا مال ہو جو اس کے گھر والوں کے لیے کافی ہو، القزاز نے کہا ہے کہ لغت میں فقیر کی اصل ''فقار الظہر'' ہے گویا کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور اس کے باقی جسم کا حصہ رہ گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۸۵۔۸۶)

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اہل لغت اور فقہاء کا فقیر اور مسکین کے معنی میں اختلاف ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کون زیادہ تنگی اور بدتر حال میں ہے، ابن السکیت اور ابن قتیبہ نے کہا کہ مسکین فقیر کی بہ نسبت زیادہ بدتر حال میں ہے کیونکہ مسکین وہ ہے جو بالکل ساکن ہو اور مردہ کی طرح ہو اور فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ مال ہو۔ ابن القصار نے بیان کیا ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے اصحاب کا قول ہے، اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ فقیر مسکین کہ بہ نسبت زیادہ بدتر حال میں ہوتا ہے، یہ اصمعی اور ابن الانباری کا قول ہے اور یہی امام شافعی کا مختار ہے اور انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: ''لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ۔ (البقرہ: ۲۷۳)'' (یہ صدقہ و خیرات) ان فقراء کے لیے ہے جنہوں نے خود کو اللہ کی راہ میں وقف کیا ہوا ہے)، اور انہوں نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے: ''اَمَّا السَّفِيۡنَةُ فَكَانَتۡ لِمَسٰكِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ فِى الۡبَحۡرِ۔ (الکہف: ۷۹)'' (جہاں تک کشتی کا تعلق ہے تو وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں محنت مزدوری کیا کرتے تھے)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ مسکین لوگ کشتی کے مالک تھے۔

فقہاء شافعیہ نے کہا ہے کہ فقر کا معنی ہے: کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑ دینا، جب کسی پر اچانک ایسی مصیبت آ جائے جس سے وہ برباد ہو جائے تو عرب کہتے ہیں: ''فقرتهم الفاقرة'' اور عرب کے نزدیک فقیر وہ شخص ہے جس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جائے، اور جو شخص اس طرح ہو، اس پر موت آ جاتی ہے اور مسکین غیر فقیر کو بھی کہا جاتا ہے، جب بعض امور میں اس کا حال کمال سے ناقص ہو جائے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسکین وہ ہے جس کی بیوی نہ ہو''۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۵۲)۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! مجھے مسکین کے حال میں زندہ رکھیں اور مسکین کے حال میں میری روح قبض فرمائیں اور مساکین کے گروہ میں میرا حشر فرمائیں۔

(سنن ترمذی: ۲۳۵۲، سنن ابن ماجہ: ۴۱۲۶، المستدرک ج ۴ ص ۳۲۲، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۲، مشکوٰۃ: ۵۱۴۵، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۶۲، کنز العمال: ۱۶۵۹۲)

اور آپ نے فقر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی، اس سے معلوم ہوا کہ فقیر مسکین سے بدتر حال میں ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، جابر بن زید اور زہری نے کہا ہے کہ فقیر وہ ہے جو سوال نہیں کرتا، اور مسکین وہ ہے جو سوال کرتا ہے، علی بن زیاد بن مالک نے کہا ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس مال نہ ہو اور وہ سوال کرنے سے رکے اور مسکین وہ ہے جس کے پاس مال ہو اور وہ سوال کرتا ہو۔ فقہاء احناف نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: ''اَوۡ مِسۡكِيۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ ۝--- (البلد: ۱۶)'' (یا خاک نشین مسکین کو دو O)۔ یعنی مسکین کے پاس کچھ نہیں ہوتا، وہ صرف خاک نشین ہوتا ہے۔

اس حدیث میں آپ کا ارشاد ہے: وہ شخص مسکین نہیں ہے جس کو ایک لقمہ یا دو لقمے لوٹا دیں، اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ وہ شخص مسکین کامل نہیں ہے، مسکین کامل وہ شخص ہے جس کے پاس مال نہ ہو اور اس پر صدقہ نہ کیا جائے۔

آدمی کے پاس کس قدر مال ہو تو اس کے لیے سوال کرنا اور صدقہ لینا جائز نہیں ہے

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ کس شخص کے پاس کتنا مال ہو تو اس کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں ہے اور اس کا سوال کرنا حرام ہے، بعض نے کہا: جس کے پاس صبح اور شام کی خوراک ہو، اس کا سوال کرنا جائز ہے نہ اس پر صدقہ کرنا جائز ہے، یہ ان بعض صوفیاء کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ کل کے لیے کسی چیز کو جمع کرنا جائز نہیں اور ان کا یہ قول اس لیے قابلِ ردّ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے

اصحاب مال جمع کرتے تھے۔

اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ بغیر ضرورت کے سوال کرنا جائز نہیں ہے، انہوں نے کہا ہے کہ سوال کرنا اس وقت جائز ہے جب انسان اس قدر مجبور ہو جائے کہ بھوک سے بے تاب ہو کر اس کے لیے مردار کھانا حلال ہو جائے۔

قیس بن عاصم نے اپنے بیٹوں سے کہا: تم سوال کرنے سے احتراز کرو، یہ انسان کا آخری کسب ہے کیونکہ جو شخص بھی سوال کرتا ہے پھر وہ کمانا ترک کر دیتا ہے۔

ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ جس شخص کے پاس چالیس درہم تقریباً سوا دس تولہ چاندی کی قیمت ہو، وہ سوال نہ کرے، (۲۰۱۴ء کے مقرر کردہ نصابِ زکوٰۃ یعنی دو سو درہم کا پاکستانی کرنسی میں 38,810 روپے بنتے ہیں، اور ایک درہم 194.05 روپے کا ہے، اور اس حساب سے چالیس درہم کے پاکستانی کرنسی میں 7,762 روپے بنتے ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس چالیس درہم کی قیمت ہو (یعنی 7,762 پاکستانی روپے ہوں) اس نے اگر سوال کیا تو اس نے گڑگڑا کر سوال کیا۔

(سنن ابوداؤد: ۱۶۲۸، سنن نسائی: ۲۵۹۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۴)

ایک جماعت نے کہا: جس کے پاس پچاس درہم (تقریباً تیرہ تولہ چاندی، یعنی 9,702.5 پاکستانی روپے) ہوں، اس کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے، یہ النخعی، الثوری، امام احمد اور اسحاق کا قول ہے، اس سلسلہ میں انہوں نے از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث روایت کی ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے۔

ایک جماعت نے کہا ہے کہ جس کے پاس دو سو درہم (ساڑھے باون تولہ چاندی، یعنی 38,810 پاکستانی روپے) ہوں اس کے لیے زکوٰۃ لینا حرام ہے، یہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے اور امام مالک سے بھی اسی طرح ایک قول منقول ہے۔

علامہ ابن بطال نے اس سلسلہ میں اور بھی بہت اقوال نقل کیے ہیں مگر ہم نے جتنے اقوال نقل کر دیے ہیں وہ کافی ہیں۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۳ ص ۴۷۴۔ ۴۷۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

زکوٰۃ میں سے صدقہ لینے کے جواز اور عدم جواز کا محل

قبیصہ بن مخارق الہلالی بیان کرتے ہیں: میں نے بوجھ اٹھا کر معمولی اجرت لی، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپ سے صدقہ میں سے لینے کا سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: تم ہمارے پاس ٹھہرو حتیٰ کہ ہمارے پاس صدقہ کا مال آئے تو ہم تم کو اس میں سے دینے کا حکم دیں، پھر آپ نے فرمایا: اے قبیصہ! سوال کرنا صرف تین شخصوں میں سے ایک کے لیے جائز ہے، ایک وہ شخص جو بوجھ اٹھا کر معمولی سی اجرت حاصل کرے تو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے حتیٰ کہ اسے کچھ مال مل جائے پھر وہ سوال کرنے سے رک جائے۔ دوسرا وہ شخص جس پر کوئی آفت اور مصیبت آئی ہو جس سے اس کا سارا مال ضائع ہو جائے تو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے حتیٰ کہ اسے زندگی بسر کرنے کے لیے کچھ تھوڑا سا مال مل جائے، اور تیسرا وہ شخص جو فقر و فاقہ کو پہنچ جائے حتیٰ کہ اس کی قوم کے تین معتبر لوگ یہ گواہی دیں کہ یہ شخص فقر و فاقہ میں مبتلاء ہے تو اس کے لیے صدقہ میں سے سوال کرنا جائز ہے حتیٰ کہ اسے معیشت کے گزارے کے لیے کچھ مل جائے، ان تین شخصوں کے سوا کسی کا سوال کرنا جائز نہیں ہے، اے قبیصہ! جو شخص ان تین

صورتوں کے علاوہ صدقہ میں سے سوال کر کے کھاتا ہے تو وہ کھانے والا حرام کھاتا ہے۔

(صحیح مسلم:۱۰۴۴،الرقم المسلسل:۲۴۰۱،رقم حدیث الباب:۱۰۹،سنن ابوداؤد:۱۶۴۰،سنن نسائی:۲۵۷۸،۲۵۷۹،۲۵۹۰)

زکوٰۃ وصول کر کے لانے والوں کے لیے مصارف زکوٰۃ میں سے لینے کا بیان

''وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا'': یہ وہ کارندے ہیں جو امراء سے زکوٰۃ وصول کر کے امام اور حاکم کو دیتے ہیں، پھر امام اور حاکم مصارفِ زکوٰۃ میں سے ان کو ان کی ضرورت کے مطابق زکوٰۃ میں سے مال ادا کرتا ہے۔

یعنی جو لوگ زکوٰۃ اور صدقات کو وصول کر کے لاتے ہیں ان کو ان کی محنت اور مشقت کے مطابق مالِ زکوٰۃ سے اجرت دی جائے لیکن یہ اجرت اتنی نہیں ہونی چاہیے کہ وہ زکوٰۃ کی وصول کردہ تمام رقم یا اس کے نصف پر محیط ہو۔ (عنایۃ القاضی ج ۴ ص ۸۵۷)

اگر عامل کو اس مہم کے دوران کوئی شخص ذاتی طور پر کچھ ہدیہ اور تحفہ دے تو وہ اس کے لیے جائز نہیں ہے، وہ اس کو بھی وصول شدہ زکوٰۃ کی مد میں شامل کر دے۔

حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اللتبیہ کو بنو سلیم کے صدقات وصول کرنے پر عامل مقرر فرمایا، پس جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ نے ان سے حساب لیا تو انہوں نے کہا: یہ وہ مال ہے جو آپ کے لیے ہے اور یہ وہ مال ہے جو مجھے بطورِ ہدیہ دیا گیا ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پس کیوں نہ تم اپنے باپ کے گھر میں بیٹھ جاتے یا اپنی ماں کے گھر میں بیٹھ جاتے حتیٰ کہ تمہارے پاس تمہارے ہدیہ آتے اگر تم سچے ہو؟'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، پس آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کی، پھر آپ نے فرمایا: حمد و صلوٰۃ کے بعد، میں تم میں سے چند مردوں کو چند مناصب پر عامل بناتا ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے مجھے والی بنایا ہے، پھر تم میں سے ایک شخص آ کر یہ کہتا ہے کہ یہ مال تمہارے لیے ہے اور یہ مال مجھے ہدیہ دیا گیا ہے، پس کیوں نہ وہ اپنے باپ کے گھر میں اور اپنی ماں کے گھر میں بیٹھا حتیٰ کہ اس کے پاس ہدایا آتے اگر وہ سچا ہے تو؟ پس اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی شخص بھی اس میں سے کوئی چیز بھی ناحق نہیں لے گا مگر وہ اللہ تعالیٰ کے پاس قیامت کے دن اس چیز کو اٹھائے ہوئے آئے گا، سنو! پس میں ہرگز نہ پہچانوں کہ اللہ کے پاس کوئی مرد بڑبڑاتے ہوئے اونٹ کو اٹھائے ہوئے آیا ہو، یا ڈکراتی ہوئی گائے کو اٹھائے ہوئے لایا ہو، یا ممیاتی ہوئی بکری کو اٹھا کر لایا ہو، پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اس قدر بلند فرمایا حتیٰ کہ میں نے آپ کے بغلوں کی سفیدی کو دیکھا، پھر آپ نے فرمایا: سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟

(صحیح البخاری:۹۲۵،۱۵۰۰،۲۵۹۷،۶۶۳۶،۶۹۷۹،۷۱۷۴،۷۱۹۷،صحیح مسلم:۱۸۳۲،سنن ابوداؤد:۲۹۴۶،مسند احمد:۲۳۰۸۷،سنن دارمی:۱۶۶۹)

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف ج ۱۰ ص ۳۴۷،دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہم امور کے متعلق امام کو خطبہ دینا چاہیے اور خطبہ میں ''اما بعد'' کے الفاظ کو استعمال کرنا چاہیے۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کو امین بنایا جائے اس سے حساب لینا چاہیے۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عُمّال کو ہدیہ قبول کرنے سے منع کرنا چاہیے۔

علامہ المہلب نے کہا ہے کہ اگر عُمّال اور حُکّام ہدیہ لیں تو اس ہدیہ کو بیت المال میں داخل کر دینا چاہیے۔ اور اسی طریقہ سے جو

بھی باطل مال بطورِ ہدیہ لیا جائے اس سے منع کرنا چاہیے۔

علامہ ابن المُنیر نے کہا ہے: اگر عامل کو منصبِ عمل سے پہلے کوئی ہدیہ دیا جاتا ہو اور اتنا ہی ہدیہ بعد میں دیا جائے تو اس کا لینا جائز ہے۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی غلط تاویل کی وجہ سے کوئی کام کرے تو اس کو لوگوں کے سامنے تنبیہ کرنی چاہیے۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص غلطی سے کوئی کام کرے اس کو بھی زجر و توبیخ کرنی چاہیے۔

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص سے افضل موجود ہو، پھر بھی مفضول کو کسی منصب پر مقرر کرنا جائز ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۴۷۔۳۴۹ ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصارفِ زکوٰۃ میں سے ''اَلۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ'' کو زکوٰۃ ادا کرنے کی تحقیق

''اَلۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ'': کا مصداق وہ لوگ ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالِ زکوٰۃ میں سے عطا فرمایا کرتے تھے اور اُن کو صدقات عطا فرما کر اُن کی تالیفِ قلب فرماتے تھے۔ یہ لوگ مکہ کے بعض قبیلوں کے سردار تھے، انہی میں سے ابوسفیان بن حرب، الاقرع بن حابس، عیینہ بن حصن الفزاری، عباس بن مرداس السلمی، صفوان بن امیہ اور دوسرے تھے۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو یہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہوں نے اموالِ زکوٰۃ میں سے اپنا حصہ طلب کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے ایک مکتوب لکھ دیا، پھر وہ مکتوب لے کر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا: یہ مصارفِ زکوٰۃ میں سے ہمارا حصہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ مکتوب لے کر پھاڑ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم کو اموالِ زکوٰۃ میں سے یہ حصہ تمہیں اسلام پر جمے رہنے اور ثابت رہنے کے لیے عطا فرمایا کرتے تھے، پس اب اللہ عزوجل نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا ہے، اگر تم اسلام پر ثابت قدم رہے تو فبہا ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار سے مقابلہ ہوگا۔ پھر وہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی اور کہا: خلیفہ آپ ہیں یا عمر ہیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو انہوں نے مناسب سمجھا وہ کیا، لہٰذا مصارفِ زکوٰۃ میں سے ''اَلۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ'' کا حصہ باطل ہوگیا۔

مؤلفۃ القلوب کی تعریف اور ان کو زکوٰۃ میں سے دینے کے متعلق مذاہبِ فقہاء

ادائیگی زکوٰۃ کا چوتھا مصرف مؤلفۃ القلوب ہیں، یعنی وہ لوگ جن کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا مقصود ہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ آزاد اور معزز لوگ ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ حنین میں عطا فرمایا تھا، یہ پندرہ آدمی تھے: (۱) ابوسفیان (۲) اقرع بن حابس (۳) عیینہ بن حصن (۴) حویطب بن عبد العزیٰ (۵) سہل بن عمرو (۶) عمرو بن ہشام (۷) سہیل بن عمرو الجہنی (۸) ابو السنابل (۹) حکیم بن حزام (۱۰) مالک بن عوف (۱۱) صفوان بن امیہ (۱۲) عبد الرحمٰن بن یربوع (۱۳) جد بن قیس (۱۴) عمرو بن مرداس (۱۵) العلاء بن حارث۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر شخص کو سو اونٹ عطا فرمائے اور ان کو اسلام کی ترغیب دی، ماسوا عبد الرحمٰن بن یربوع کے، اس کو آپ نے پچاس اونٹ عطا فرمائے اور حکیم بن حزام کو آپ نے ستر اونٹ عطا فرمائے، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میرے خیال میں آپ کی عطا کا مجھ سے زیادہ کوئی اور مستحق نہیں ہے تو آپ نے

ان کو بھی سو اونٹ پورے فرما دیئے۔

مؤلفۃ القلوب کی دو قسمیں ہیں: مسلمان اور کفار۔ مسلمانوں کو صدقات میں سے اس لیے دیا جاتا ہے کہ ان کا ایمان قوی رہے، یا ان کے مماثل لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لیے اور کفار کو اسلام کی ترغیب دینے کے لیے یا ان کے شر سے بچنے کے لیے ان کو زکوٰۃ اور صدقات سے دیا جاتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفوان بن امیہ کو مال عطا فرمایا جب آپ نے ان کا اسلام کی طرف میلان دیکھا۔

علامہ واحدی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکین کے قلوب کی تالیف سے مستغنی فرما دیا ہے، اگر مسلمانوں کا سربراہ یہ دیکھے کہ اس میں مسلمانوں کا کوئی فائدہ ہے اور ان کے مسلمان ہو جانے سے مسلمانوں کو نفع پہنچے گا تو ان کو مال فئے سے عطا کرے، زکوٰۃ سے نہ دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا مصرف، مصارفِ زکوٰۃ سے اب ساقط ہو چکا ہے اور یہی شعبی کا قول ہے۔

امام مالک، ثوری، امام ابوحنیفہ اور اسحاق بن راہویہ کا یہی مذہب ہے اور حسن بصری سے یہ مروی ہے کہ ان کا حصہ اب بھی ثابت ہے۔ زہری، ابوجعفر محمد بن علی اور ابوثور کا یہی مذہب ہے۔ اور امام احمد نے یہ کہا ہے کہ اگر مسلمانوں کو ان کی ضرورت ہو تو ان کو زکوٰۃ سے دیا جائے گا ورنہ نہیں۔ (اللباب فی علوم الکتاب ج ١٠ ص ٢١٥۔١٢٦، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤١٩ھ)

مصارف زکوٰۃ میں سے غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے حصہ ادا کرنا

''وَفِي الرِّقَابِ'': یعنی جو غلام مُکاتَب ہوں اور اُن کے پاس زرِ مکاتبت ادا کرنے کی رقم نہ ہو تو اُن کی غلامی سے گردن چھڑانے کے لیے مصارفِ زکوٰۃ میں سے حصہ ادا کرنا۔

جس غلام کے متعلق اس کے مالک نے یہ کہا ہو کہ اگر اس نے اتنے روپے مجھے ادا کر دیئے تو یہ آزاد ہے، اس غلام کو مکاتب کہتے ہیں اور اس کی آزادی میں تعاون کرنے کے لیے زکوٰۃ میں سے اس کو حصہ دینا مشروع فرمایا گیا ہے۔

امام محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ لکھتے ہیں:

حسین بیان کرتے ہیں کہ ایک مکاتب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، وہ اس وقت جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ اس نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر! لوگوں کو میرے لیے برانگیختہ کیجئے، تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو برانگیختہ کیا، پس لوگوں نے اس کو کپڑے اور انگوٹھیاں دیں حتیٰ کہ بہت مال جمع ہو گیا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس مال کو جمع کر کے فروخت کیا اور اس کی مکاتبت ادا کر دی اور باقی مال بھی غلاموں کو آزاد کرانے میں صرف کر دیا، اور لوگوں کو یہ رقم واپس نہیں کی اور یہ کہا کہ لوگوں نے یہ رقم غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے دی ہے۔

(جامع البیان ج ١١ ص ٥٢٤، دارعالم الکتب، ریاض، ١٤٣٤ھ، نصب الرایہ ج ٢ ص ٣٩٥، سنن بیہقی ج ٧ ص ٢١، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ٦ ص ١٨٢٣، کتاب الاموال لابی عبید: ١٩٦٦، ١٩٦٧، مصنف ابن ابی شیبہ ج ٣ ص ١٧٩، ١٨٠)

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ٨٨٠ھ لکھتے ہیں:

الرقاب (غلاموں کو آزاد کرانے) کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں:

(۱) اس سے مراد مکاتب ہیں تا کہ ان کوز کوٰۃ کے مال سے آزاد کرایا جائے (۲) امام مالک وغیرہ نے یہ کہا کہ مالِ زکوٰۃ سے غلام خرید کر ان کو آزاد کرایا جائے (۳) امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہ کہا ہے کہ مالِ زکوٰۃ سے مکمل غلام آزاد نہ کرایا جائے بلکہ مالِ زکوٰۃ سے کچھ رقم غلام کے لیے دی جائے اور اس سے مکاتب کی گردن آزاد کرانے میں مدد کی جائے، کیونکہ وفی الرقاب فرمانے کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا مالِ زکوٰۃ میں کچھ دخل ہونا چاہیے اور یہ اس کے منافی ہے کہ مالِ زکوٰۃ سے مکمل غلام آزاد کیا جائے۔

(اللباب فی علوم الکتاب ج ۱۰ ص ۱۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

مسئلہ: اسلام اور قدر نصاب فارغ عن الحوائج الاصلیہ کا مالک وقابض نہ ہونا سب میں شرط ہے بجز عاملین ومحصلین زکوٰۃ کے جو سلطان اسلام کی طرف سے مقرر ہوں کہ ان کو باوجود غنی ہونے کے بھی اسی زکوٰۃ میں سے بطور اجرت کے دینا جائز ہے باقی اصناف میں قید مذکور شرط ہے اور اس بناء پر صرف فقراء کہہ دینا کافی معلوم ہوتا تھا لیکن دوسرے عنوانات کے لانے سے یہ مقصود ہے کہ ان میں علاوہ فقر ومسکنت کے دوسرے اسباب استحقاق ودستگیری کے بھی ہیں۔

مسئلہ: بنی ہاشم میں سے نہ ہونا تمام اصناف میں شرط ہے۔

مسئلہ: فقیر اور مسکین کی تفسیر میں گو اختلاف ہے، ایک کے معنی ہیں: جس کے پاس کچھ نہ ہو، دوسرا معنی ہے: جس کے پاس نصاب سے کم ہو لیکن حکم زکوٰۃ میں کچھ اختلاف نہیں، البتہ حکم وصیت میں اختلاف ہے کہ اگر فقراء کے لیے وصیت کی تو کیسے لوگوں کو ملے گا یا مساکین کے لیے وصیت کی تو کیسے لوگوں کو ملے گا۔

مسئلہ: گردن چھڑانے کا مطلب ہے کہ کسی غلام کو اس کے آقا نے کہہ دیا ہو کہ تو اتنا روپیہ دے دے تو آزاد ہے اس غلام کوز کوٰۃ دی جاوے تا کہ اپنے آقا کو دے کر آزاد ہو جاوے۔

مسئلہ: جس کے پاس دس ہزار (۱۰۰۰۰) روپیہ موجود ہو اور گیارہ ہزار کا مثلاً قرض دار ہو اس کوز کوٰۃ دینا درست ہے۔

مسئلہ: مجاہد اپنے گھر مال وسامان رکھتا ہے مگر گھر سے جدا ہے اور یہاں سامان نہیں اس کوز کوٰۃ دینا درست ہے، یہی حکم ہے مطلق مسافر کا۔

مسئلہ: سب مصارف مذکور میں یہ شرط ہے کہ جن کوز کوٰۃ دی جاوے ان کو مالک کر دیا جاوے بدوں تملیک زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ مسئلہ: یہ سب احکام صدقہ فرض کے ہیں نفل میں یہ قیدیں نہیں ہیں، یہ سب مسائل ہدایہ میں موجود ہیں۔

(تفسیر بیان القرآن جلد دوم ص ۱۴۰، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۹۷۶ء لکھتے ہیں:

یہاں تک صدقات کے آٹھ مصارف میں سے چار کا بیان آیا ہے، ان چاروں کا حق صرف لام کے تحت بیان ہوا۔ ''للفقراء والمساکین''، آگے جن چار مصارف کا ذکر ہے ان میں عنوان بدل کر لام کی جگہ حرف فی استعمال فرمایا۔ وفی الرقاب والغارمین: زمخشری نے کشاف میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا منظور ہے کہ یہ آخری چار مصرف بہ نسبت پہلے چار کے زیادہ مستحق ہیں، کیونکہ حرف فی ظرفیت کے لئے بولا جاتا ہے، جس کی وجہ سے معنی یہ پیدا ہوتے ہیں کہ صدقات کو ان

لوگوں کے اندر رکھ دینا چاہیے، اور ان کے زیادہ مستحق ہونے کی وجہ ان کا زیادہ ضرورت مند ہونا ہے، کیونکہ جو شخص کسی کا مملوک غلام ہے وہ بہ نسبت عام فقراء کے زیادہ تکلیف میں ہے، اسی طرح جو کسی کا قرض دار ہے اور قرضخواہوں کا اس پر تقاضا ہے وہ عام غرباء فقراء سے زیادہ تنگی میں ہے کہ اپنے اخراجات کے فکر سے بھی زیادہ قرضداروں کے قرض کی فکر اس کے ذمہ ہے۔

ان باقی ماندہ چار مصارف میں سب سے پہلے وفی الرقاب کا ذکر فرمایا ہے، رقاب رقبۃ کی جمع ہے، اصل میں گردن کو رقبہ کہتے ہیں، عرف میں اس شخص کو رقبہ کہہ دیا جاتا ہے جس کی گردن کسی دوسرے کی غلامی میں مقید ہو۔

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ رقاب سے مراد اس آیت میں کیا ہے؟ جمہور فقہاء محدثین اس پر ہیں کہ اس سے مراد وہ غلام ہیں جن کے آقاؤں نے کوئی مقدار مال کی متعین کر کے کہہ دیا ہے کہ اتنا مال کما کر ہمیں دے دو تو تم آزاد ہو، جس کو قرآن و سنت کی اصطلاح میں مکاتب کہا جاتا ہے، ایسے شخص کو آقا اس کی اجازت دے دیتا ہے کہ وہ تجارت یا مزدوری کے ذریعہ مال کمائے، اور آقا کو لاکر دے، آیتِ مذکورہ میں رقاب سے مراد یہ ہے کہ اس شخص کو رقم زکوٰۃ میں سے حصہ دے کر اس کی گلوخلاصی میں امداد کی جائے۔

یہ قسم غلاموں کی باتفاق مفسرین وفقہاء لفظ وفی الرقاب کی مراد ہے کہ رقم زکوٰۃ ان کو دے کر ان کی گلوخلاصی میں امداد کی جائے، ان کے علاوہ دوسرے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنا یا ان کے آقاؤں کو رقمِ زکوٰۃ دے کر یہ معاہدہ کر لینا کہ وہ ان کو آزاد کر دیں گے، اس میں ائمہ فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور ائمہ ابوحنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اس کو جائز نہیں سمجھتے، اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک روایت میں جمہور کے ساتھ متفق ہیں کہ فی الرقاب کو صرف مکاتب غلاموں کے ساتھ مخصوص فرماتے ہیں، اور ایک روایت میں امام مالک سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ فی الرقاب میں عام غلاموں کو داخل کر کے اس کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ رقمِ زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کئے جائیں۔ (احکام القرآن ابن عربی مالکی)

جمہور ائمہ وفقہاء جو اس کو جائز نہیں رکھتے، ان کے پیش نظر ایک فقہی اشکال ہے کہ اگر رقمِ زکوٰۃ سے غلام کو خرید کر آزاد کیا گیا تو اس پر صدقہ کی تعریف ہی صادق نہیں آتی، کیونکہ صدقہ وہ مال ہے جو کسی مستحق کو بلا معاوضہ دیا جائے، رقم زکوٰۃ اگر آقا کو دی جائے تو ظاہر ہے کہ نہ وہ مستحقِ زکوٰۃ ہے اور نہ اس کو یہ رقم بلا معاوضہ دی جارہی ہے، اور غلام جو مستحق زکوٰۃ ہے اس کو یہ رقم دی نہیں گئی، یہ الگ بات ہے کہ اس رقم کے دینے کا فائدہ غلام کو پہنچ گیا کہ اس نے خرید کر آزاد کر دیا، مگر آزاد کرنا صدقہ کی تعریف میں داخل نہیں ہوتا، اور حقیقی معنی کو بلاوجہ چھوڑ کر صدقہ کے مجازی معنی میں یعنی عام مراد لینے کا بلاضرورت کوئی جواز نہیں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آیت مذکورہ میں مصارف صدقات کے بیان کئے جارہے ہیں، اس لئے فی الرقاب کا مصداق کوئی ایسی چیز نہیں بن سکتی جس پر صدقہ کی تعریف ہی صادق نہ آئے، اور اگر یہ رقم زکوٰۃ خود غلام کو دی جائے تو غلام کی کوئی ملک نہیں ہوتی وہ خود بخود آقا کا مال بن جائے گا، پھر آزاد کرنا نہ کرنا بھی اس کے اختیار میں رہے گا۔

اس فقہی اشکال کی وجہ سے جمہور ائمہ اور فقہاء نے فرمایا کہ فی الرقاب سے مراد صرف غلام مکاتب ہو، اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ صدقہ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ کسی مستحق کو مالک بنا کر اس کے قبضہ میں دے دیا جائے، جب تک مستحق کا مالکانہ قبضہ اس پر نہیں ہوگا زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ (معارف القرآن ج ۴ ص ۴۰۴۔۴۰۶، ادارہ معارف القرآن، کراچی ۱۴۱۲ھ)

چھٹا مصرف الغارمین، غارم کی جمع ہے، جس کے معنی مدیون یعنی قرض دار کے ہیں، یہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ پانچواں اور چھٹا مصرف جو حرف فی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، استحقاق میں پہلے چاروں مصارف سے زیادہ ہیں، اس لئے غلام کی گلوخلاصی کے لئے یا قرض دار کو ادائے قرض کے لئے دینا عام فقراء و مساکین کو دینے سے زیادہ افضل ہے، شرط یہ ہے کہ اس قرض دار کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے وہ قرض ادا کر سکے، کیونکہ غارم لغت میں ایسے ہی قرض دار کو کہا جاتا ہے، اور بعض ائمہ فقہاء نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ یہ قرض اس نے کسی ناجائز کام کے لئے نہ لیا ہو، اور اگر کسی گناہ کے لئے قرض لیا جیسے شراب وغیرہ یا شادی غمی کی ناجائز رسمیں وغیرہ تو ایسے قرض دار کو مدز کوٰۃ سے نہ دیا جائے گا، تا کہ اس کی معصیت اور اسراف بے جا کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔

ساتواں مصرف فی سبیل اللہ ہے، یہاں پھر حرف فی کا اعادہ کیا گیا۔

تفسیر کشاف میں ہے کہ اس اعادہ سے اس طرف اشارہ کرنا منظور ہے کہ یہ مصرف پہلے سب مصارف سے افضل اور بہتر ہے، وجہ یہ ہے کہ اس میں دو فائدے ہیں: ایک تو غریب مفلس کی امداد، دوسرے ایک دینی خدمت میں اعانت، کیونکہ فی سبیل اللہ سے مراد وہ غازی اور مجاہد ہے جس کے پاس اسلحہ اور جنگ کا ضروری سامان خریدنے کے لئے مال نہ ہو، یا وہ شخص جس کے ذمہ حج فرض ہو چکا ہو مگر اس کے پاس اب مال نہیں رہا جس سے وہ حج فرض ادا کرے، یہ دونوں کام خالص دینی خدمت اور عبادت ہیں، اس لئے مال زکوٰۃ کو ان پر خرچ کرنے میں ایک مفلس کی امداد بھی ہے اور ایک عبادت کی ادائیگی میں تعاون بھی، اسی طرح حضرات فقہاء نے طالب علموں کو بھی اس میں شامل کیا ہے کہ وہ بھی ایک عبادت کی ادائیگی کے لئے لیتے ہیں۔ (روح بحوالہ ظہیریہ)

اور صاحب بدائع نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو کوئی نیک کام یا عبادت کرنا چاہتا ہے اور اس کی ادائیگی میں مال کی ضرورت ہے تو وہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے بشرطیکہ اس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے اس کام کو پورا کر سکے، جیسے دین کی تعلیم اور تبلیغ اور ان کے لئے نشر و اشاعت، کہ اگر کوئی مستحق زکوٰۃ یہ کام کرنا چاہے تو اس کی امداد مال زکوٰۃ سے کر دی جائے مگر مال دار صاحب نصاب کو نہیں دیا جاسکتا۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان تمام صورتوں میں جو فی سبیل اللہ کی تفسیریں مذکور ہیں فقر و حاجت مندی کی شرط ملحوظ ہے، غنی صاحب نصاب کا اس مد میں بھی حصہ نہیں، بجز اس کے کہ اس کا موجودہ مال اس ضرورت کو پورا نہ کر سکتا ہو، جو جہاد یا حج کے لئے درپیش ہے تو اگرچہ بقدر نصاب مال موجود ہونے کی وجہ سے اس کو غنی کہہ سکتے ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں اس کو غنی کہا گیا ہے، مگر وہ بھی اس اعتبار سے فقیر و حاجت مند ہی ہو گیا کہ جس قدر مال جہاد یا حج کے لئے درکار ہے، وہ اس کے پاس موجود نہیں، فتح القدیر میں شیخ ابن ہمام نے فرمایا کہ آیت صدقات میں جتنے مصرف ذکر کئے گئے ہیں، ہر ایک کے الفاظ خود اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ فقر و حاجت مندی کی بناء پر مستحق ہیں، لفظ فقیر، مسکین میں تو یہ ظاہر ہی ہے، رقاب، غارمین، فی سبیل اللہ، ابن السبیل کے الفاظ بھی اس طرف مشیر ہیں کہ ان کی حاجت روائی کی بناء پر ان کو دیا جاتا ہے، البتہ عاملین کو بطور معاوضہ خدمت دیا جاتا ہے، اسی لئے اس میں غنی و فقیر برابر ہیں جیسے غارمین کے مصرف میں بیان کیا جاچکا ہے کہ جس شخص کے ذمہ دس ہزار روپیہ قرض ہے اور پانچ ہزار روپیہ اس کے پاس موجود ہے تو اس کو بقدر پانچ ہزار کے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، کیونکہ جو مال اس کے پاس موجود ہے وہ قرض کی وجہ سے نہ ہونے کے حکم میں ہے۔

تنبیہ: لفظ فی سبیل اللہ کے لفظی معنی بہت عام ہیں، جو کام اللہ کی رضا جوئی کے لئے کئے جائیں وہ سب اس عام مفہوم کے اعتبار سے فی سبیل اللہ میں داخل ہیں، جو لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر و بیان اور ائمہ تفسیر کے ارشادات سے قطع نظر محض لفظی ترجمہ کے ذریعہ قرآن سمجھنا چاہتے ہیں، یہاں ان کو یہ مغالطہ لگا ہے کہ لفظ فی سبیل اللہ دیکھ کر زکوٰۃ کے مصارف میں ان تمام کاموں کو داخل کر دیا جو کسی حیثیت سے نیکی یا عبادت ہیں، مساجد، مدارس، شفاخانوں، مسافرخانوں وغیرہ کی تعمیر، کنویں اور پل اور سڑکیں بنانا، اور ان رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں اور تمام دفتری ضروریات ان سب کو انہوں نے فی سبیل اللہ میں داخل کر کے مصرف زکوٰۃ قرار دے دیا، جو سراسر غلط ہے، اور اجماعِ امت کے خلاف ہے، صحابہ کرام جنہوں نے قرآن کو براہِ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا اور سمجھا ہے ان کی اور ائمہ تابعین کی جتنی تفسیریں اس لفظ کے متعلق منقول ہیں، ان میں اس لفظ کو حجاج اور مجاہدین کے لیے مخصوص قرار دیا گیا ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے ایک اونٹ کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ اس اونٹ کو حجاج کے سفر میں استعمال کرو۔ (مبسوط سرخسی ص ۱۰ ج ۳)

امام ابن جریر، ابن کثیر، قرآن کی تفسیر روایات حدیث ہی سے کرنے کے پابند ہیں، ان سب نے لفظ فی سبیل اللہ کو ایسے مجاہدین اور حجاج کے لئے مخصوص کیا ہے جن کے پاس جہاد یا حج کا سامان نہ ہو، اور جن حضرات فقہاء نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے تو اس شرط کے ساتھ کیا ہے کہ وہ فقیر و حاجت مند ہوں، اور یہ ظاہر ہے کہ فقیر و حاجت مند تو خود ہی مصارف زکوٰۃ میں سب سے پہلا مصرف ہیں، ان کو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل نہ کیا جاتا جب بھی وہ مستحق زکوٰۃ تھے، لیکن ائمہ اربعہ اور فقہاء امت میں سے یہ کسی نے نہیں کہا کہ رفاہِ عام کے اداروں اور مساجد و مدارس کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصارف زکوٰۃ میں داخل ہیں، بلکہ اس کے خلاف اس کی تصریحات فرمائی ہیں کہ مالِ زکوٰۃ ان چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں، فقہاء حنفیہ میں سے شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط اور شرح سیر میں اور فقہاء شافعیہ میں ابوعبید نے کتاب الاموال میں اور فقہاء مالکیہ میں سے دردیر نے شرح مختصر خلیل میں اور فقہاء حنابلہ میں سے موفق نے مغنی میں اس کو پوری تفصیل سے لکھا ہے۔

ائمہ تفسیر اور فقہاء امت کی مذکورہ تصریحات کے علاوہ اگر ایک بات پر غور کر لیا جائے تو اس مسئلہ کے سمجھنے کے لئے بالکل کافی ہے، وہ یہ کہ اگر زکوٰۃ کے مسئلہ میں اتنا عموم ہوتا کہ تمام طاعات و عبادات اور ہر قسم کی نیکی پر خرچ کرنا اس میں داخل ہو تو پھر قرآن میں ان آٹھ مصرفوں کا بیان (معاذ اللہ) بالکل فضول ہو جاتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جو پہلے اسی سلسلہ میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مصارفِ صدقات متعین کرنے کا کام نبی کو سپرد نہیں کیا، بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصرف متعین فرما دیئے۔

تو اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام طاعات اور نیکیاں داخل ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جا سکتا ہے تو معاذ اللہ یہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بالکل غلط ٹھہرتا ہے، معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ کے لغوی ترجمہ سے جو نا واقف کو عموم سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے بلکہ مراد وہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور صحابہ و تابعین کی تصریحات سے ثابت ہے۔

آٹھواں مصرف ابن السبیل ہے، سبیل کے معنی راستہ اور ابن کا لفظ اصل میں تو بیٹے کے لئے بولا جاتا ہے، لیکن عربی محاورات

میں ابن اور اب اور اخ وغیرہ کے الفاظ ان چیزوں کے لئے بھی بولے جاتے ہیں جن کا گہرا تعلق کسی سے ہو، اسی محاورہ کے مطابق ابن السبیل، راہ گیر و مسافر کو کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کا گہرا تعلق راستہ قطع کرنے اور منزل مقصود پر پہنچنے سے ہے، اور مصارف زکوٰۃ میں اس سے مراد وہ مسافر ہے جس کے پاس سفر میں بقدر ضرورت مال نہ ہو، اگرچہ اس کے وطن میں اس کے پاس کتنا ہی مال ہو، ایسے مسافر کو مالِ زکوٰۃ دیا جاسکتا ہے جس سے وہ اپنے سفر کی ضروریات پوری کرلے، اور وطن واپس جاسکے۔

یہاں تک آٹھ مصارف کا بیان پورا ہو گیا جو آیتِ مذکورہ میں صدقات و زکوٰۃ کے لئے بیان فرمائے گئے ہیں، اب کچھ ایسے مسائل بیان کئے جاتے ہیں جن کا تعلق ان تمام مصارف سے یکساں ہے۔

مسئلہ تملیک: جمہور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مال زکوٰۃ پر مالکانہ قبضہ دے دیا جائے، بغیر مالکانہ قبضہ دیئے اگر کوئی مال انہی لوگوں کے فائدے کے لئے خرچ کردیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ رقمِ زکوٰۃ کو مساجد یا مدارس یا شفاخانے، یتیم خانے کی تعمیر میں یا ان کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں، اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ ان فقراء اور دوسرے حضرات کو پہنچتا ہے جو مصرف زکوٰۃ ہیں، مگر ان کا مالکانہ قبضہ ان چیزوں پر نہ ہونے کے سبب زکوٰۃ اس سے ادا نہیں ہوتی۔

البتہ یتیم خانوں میں اگر یتیموں کا کھانا کپڑا وغیرہ مالکانہ حیثیت سے دیا جاتا ہے تو صرف اس خرچ کی حد تک رقمِ زکوٰۃ صرف ہوسکتی ہے، اسی طرح شفاخانوں میں جو دوا حاجت مند غرباء کو مالکانہ حیثیت سے دی جائے اس کی قیمت رقمِ زکوٰۃ میں محسوب ہوسکتی ہے، اسی طرح فقہاء امت کی تصریحات ہیں کہ لاوارث میت کا کفن رقمِ زکوٰۃ سے نہیں لگایا جاسکتا، کیونکہ میت میں مالک ہونے کی صلاحیت نہیں، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ رقمِ زکوٰۃ کسی غریب مستحق کو دے دی جائے اور وہ اپنی خوشی سے اس رقم کو لاوارث میت کے کفن پر خرچ کردے، اسی طرح اگر اس میت کے ذمہ قرض ہے تو اس قرض کو رقمِ زکوٰۃ سے براہِ راست ادا نہیں کیا جاسکتا، ہاں اس کے وارث غریب مستحق زکوٰۃ ہوں، تو ان کو مالکانہ طور سے دیا جاسکتا ہے، وہ اس رقم کے مالک ہو کر اپنی رضامندی کے ساتھ اس رقم سے میت کا قرض ادا کرسکتے ہیں، اسی طرح رفاہِ عام کے سب کام جیسے کنواں یا پل یا سڑک وغیرہ کی تعمیر، اگرچہ ان کا فائدہ مستحق زکوٰۃ کو بھی پہنچتا ہے، مگر ان کا مالکانہ قبضہ نہ ہونے کے سبب اس سے۔۔۔زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی۔

ان مسائل میں چاروں ائمہ مجتہدین، ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اور جمہور فقہاء امت متفق ہیں، شمس الائمہ سرخسی نے اس مسئلہ کو امام محمد کی کتابوں کی شرح مبسوط اور شرح سیر میں پوری تحقیق اور تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور فقہاء شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ کی عام کتابوں میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔

فقیہ شافعی امام ابوعبید نے کتاب الاموال میں فرمایا کہ میت کی طرف سے اس کے قرض کی ادائیگی یا اس کے دفن کے اخراجات میں اور مساجد کی تعمیر میں، نہر کھودنے وغیرہ میں مالِ زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں، کیونکہ سفیان ثوری، اور تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ اس میں خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، کیونکہ یہ ان آٹھ مصارف میں سے نہیں ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔

اسی طرح فقیہ حنبلی موفق نے مغنی میں لکھا ہے کہ بجز ان مصارف کے جن کا بیان قرآن کریم میں مذکور ہے اور کسی نیک کام میں مالِ زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں جیسے مساجد یا پلوں اور پانی کی سبیلوں کی تعمیر، یا سڑکوں کی درستی یا مُردوں کو کفن دینا یا مہمانوں کو کھانا

کھلانا وغیرہ جو بلاشبہ موجب ثواب ہیں، مگر مصارف صدقات میں داخل نہیں۔

ملک العلماء نے بدائع میں ادائیگی زکوٰۃ کے لئے شرط تملیک کی یہ دلیل دی ہے کہ قرآن میں عموماً زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا لفظ ایتاء کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ، اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ، اقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ، اٰتوا حقہ یوم حصادہ، وغیرہ اور لفظ ایتاء لغت میں عطاء کرنے کے معنی میں آتا ہے، امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں فرمایا: والایتاء الاعطاء وخص وضع الصدقۃ فی القرآن بالایتاء، یعنی ایتاء کے معنی عطا فرمانے کے ہیں اور قرآن میں صدقہ واجبہ ادا کرنے کو ایتاء کے لفظ کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی کو کوئی چیز عطا کرنے کا مفہوم حقیقی یہی ہے کہ اس کو اس چیز کا مالک بنادیا جائے۔

اور علاوہ زکوٰۃ وصدقات کے بھی لفظ ایتاء قرآن کریم میں مالک بنادینے ہی کے لئے استعمال ہوا ہے مثلاً ''اٰتوا النساء صدقاتھن'' یعنی دے دو عورتوں کو ان کے مہر، ظاہر ہے مہر کی ادائیگی جب ہی تسلیم ہوتی ہے جب رقم مہر پر عورت کو مالکانہ قبضہ دے دے۔

دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں زکوٰۃ کو صدقہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے: ''انما الصدقات للفقراء'' اور صدقہ کے معنی حقیقی یہی ہیں کہ کسی فقیر حاجت مند کو اس کا مالک بنادیا جائے۔

کسی کو کھانا کھلا دینا یا رفاہِ عام کے کاموں میں خرچ کر دینا حقیقی معنی کے اعتبار سے صدقہ نہیں کہلاتا، شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا کہ حقیقت صدقہ کی بھی یہی ہے کہ کسی فقیر کو اس مال کا مالک بنادیا جائے، اسی طرح امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ لفظ صدقہ تملیک کا نام ہے۔ (جصاص ص ۱۵۲، ج ۲)

بعض اہم مسائل: مسئلہ: صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو صدقات وصول کرنے کے بارے میں یہ ہدایت دی تھی کہ خذھا من اغنیائھم وردھا فی فقرائھم یعنی صدقات مسلمانوں کے اغنیاء سے لے کر انہی کے فقراء میں صرف کردو، اس کی بناء پر فقہاء رحمہم اللہ علیہم نے فرمایا ہے کہ بلاضرورت ایک شہر یا بستی کی زکوٰۃ دوسرے شہر یا بستی میں نہ بھیجی جائے، بلکہ اسی شہر اور بستی کے فقراء اس کے زیادہ حق دار ہیں، البتہ اگر کسی شخص کے عزیز قریب غریب ہیں اور وہ کسی دوسرے شہر میں ہیں تو اپنی زکوٰۃ ان کو بھیج سکتا ہے، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں دوہرے اجر وثواب کی بشارت دی ہے۔

اسی طرح اگر کسی دوسری بستی کے لوگوں کا فقر وفاقہ اور اپنے شہر سے زیادہ ضرورت معلوم ہو تو بھی وہاں بھیجا جا سکتا ہے، کیونکہ مقصد صدقات دینے کا فقراء کی حاجت کو رفع کرنا ہے، اسی وجہ سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن کے صدقات میں اکثر کپڑے لیا کرتے تھے تاکہ فقراء مہاجرین کے لئے مدینہ طیبہ بھیج دیں۔ (قرطبی بحوالہ دارقطنی)

اگر ایک شخص خود کسی شہر میں رہتا ہے، مگر اس کا مال دوسرے شہر میں ہے تو جس شہر میں خود رہتا ہے، اس کا اعتبار ہوگا کیونکہ اداءِ زکوٰۃ کا مخاطب یہی شخص ہے۔ (قرطبی)

مسئلہ: جس مال کی زکوٰۃ واجب ہے اس کی ادائیگی کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اسی مال کا چالیسواں حصہ نکال کر مستحقین کو دے دے، جیسے تجارتی کپڑا، برتن، فرنیچر وغیرہ اور یہ بھی ہے کہ مقدار زکوٰۃ مال کی قیمت نکال کر وہ مستحقین میں تقسیم کرے، احادیث صحیحہ

سے ایسا کرنا ثابت ہے۔ (قرطبی)

اور بعض ائمہ فقہاء نے فرمایا کہ اس زمانہ میں نقد قیمت ہی دینا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ فقراء کی ضرورتیں مختلف اور کثیر ہیں نقد پیسوں کو کسی بھی ضرورت کے کام میں لایا جاسکتا ہے۔

مسئلہ: اگر اپنے عزیز غریب لوگ مستحق زکوٰۃ ہوں تو ان کو زکوٰۃ وصدقات دینا زیادہ بہتر اور دوہرا ثواب ہے، ایک ثواب صدقہ کا دوسرا صلۂ رحمی کا، اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ ان کو یہ بتلا کر دے کہ صدقہ یا زکوٰۃ دے رہا ہوں، کسی تحفہ یا ہدیہ کے عنوان سے بھی دیا جاسکتا ہے، تاکہ لینے والے شریف آدمی کو اپنی خفت محسوس نہ ہو۔

مسئلہ: جو شخص اپنے آپ کو اپنے قول یا عمل سے مستحق زکوٰۃ حاجت مند ظاہر کرے اور صدقات وغیرہ کا سوال کرے، کیا دینے والوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے حقیقی حالات کی تحقیق کریں، اور بغیر اس کے صدقہ نہ دیں، اس کے متعلق روایاتِ حدیث اور اقوالِ فقہاء یہ ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کے ظاہری حال سے اگر یہ گمان غالب ہو کہ یہ شخص حقیقت میں فقیر حاجت مند ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ نہایت شکستہ حال آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے لوگوں سے صدقات جمع کرنے کے لئے فرمایا: کافی مقدار جمع ہوگئی تو وہ ان کو دے دی گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ ان لوگوں کے اندرونی حالات کی تحقیق فرماتے۔ (قرطبی)

البتہ قرطبی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ مصارف صدقات میں سے ایک مدیون بھی ہے، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرے ذمہ اتنا قرض ہے، اس کی ادائیگی کے لئے مجھے زکوٰۃ کی رقم دے دی جائے تو اس قرض کا ثبوت اس سے طلب کرنا چاہیے۔ (قرطبی)

اور ظاہر یہ ہے کہ غارم، فی سبیل اللہ، ابن السبیل وغیرہ میں بھی ایسی تحقیق کر لینا دشوار نہیں، ان مصارف میں حسب موقع تحقیق کر لینا چاہیے۔

مسئلہ: مال زکوٰۃ اپنے عزیز رشتہ داروں کو دینا زیادہ ثواب ہے، مگر میاں بی بی اور والدین واولاد آپس میں ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے، وجہ یہ ہے کہ ان کو دینا ایک حیثیت سے اپنے ہی پاس رکھنا ہے، کیونکہ ان لوگوں کے مصارف عموماً مشترک ہوتے ہیں، شوہر نے اگر بیوی کو یا بیوی نے شوہر کو اپنی زکوٰۃ دے دی تو درحقیقت وہ اپنے ہی استعمال میں رہی، اسی طرح والدین اور اولاد کا معاملہ ہے، اولاد کی اولاد اور دادا پردادا کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے کسی شخص کو اپنے گمان کے مطابق مستحق اور مصرف زکوٰۃ سمجھ کر زکوٰۃ دے دی، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اسی کا غلام یا کافر تھا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، دوبارہ دینی چاہیے، کیونکہ غلام کی ملکیت تو آقا ہی کی ملکیت ہوتی ہے، وہ اس کی ملک سے نکلا ہی نہیں، اس لئے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، اور کافر زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اگر بعد میں یہ ثابت ہو کہ جس کو زکوٰۃ دی گئی ہے وہ مال دار یا سید ہاشمی یا اپنا باپ یا بیٹا یا بیوی یا شوہر ہے تو زکوٰۃ کے اعادہ کی ضرورت نہیں، کیونکہ رقم زکوٰۃ اس کی ملک سے نکل کر محلِ ثواب میں پہنچ چکی ہے، اور تعین مصرف میں جو غلطی کسی اندھیرے یا مغالطہ کی وجہ سے ہوگئی وہ معاف ہے۔ (درمختار) آیت صدقات کی تفسیر اور اس کے متعلقہ مسائل کی تفصیل بقدر ضرورت پوری ہوگئی۔ (معارف القرآن ج ۴ ص ۴۰۹ ۔ ۴۱۳، ادارہ معارف القرآن، کراچی)

مصارف زکوٰۃ میں سے پہلے چار مصارف سے پہلے لام تملیک کا ذکر فرمانا اور موخر الذکر چار مصارف میں لفظِ فی کا ذکر فرمانا، اس فرق کی توجیہ

میں کہتا ہوں کہ مصارف زکوٰۃ میں سے پہلے چار مصارف (۱) الفقراء (۲) المساکین (۳) عاملین یعنی محصلین زکوٰۃ (۴) مولفۃ القلوب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ''لام'' کا ذکر فرمایا ہے جس کا تقاضا ہے کہ ان چار مصارف میں جب زکوٰۃ دی جائے تو زکوٰۃ لینے والوں کو اس زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے، اور بعد میں جو چار مصارف ذکر فرمائے ہیں: (۱) الرقاب (یعنی غلامی سے گردن چھڑانا)، (۲) الغارمین (یعنی ایسے مقروض جنہوں نے کسی گناہ کے ارتکاب کے لیے قرض نہ لیا ہو)، (۳) فی سبیل اللہ (یعنی اللہ کے راستہ میں نیک کام کرنا)، (۴) ابن السبیل (یعنی جو شخص خواہ مال دار ہو لیکن وہ دورانِ سفر اپنی ضروریات کے خرچ کے لیے مال نہ رکھتا ہو) ان چاروں مصارف سے پہلے لفظ ''فی'' کا ذکر فرمایا ہے اور قرآن مجید میں کسی لفظ کا اضافہ بے معنی اور بغیر کسی مقصد کے اور لغو نہیں ہوتا، لہٰذا موخر الذکر چاروں مصارف میں لفظِ ''فی'' کا ذکر فرمانا، اس کا تقاضا کرتا ہے کہ یہاں پر جس کو زکوٰۃ دی جائے اس کو زکوٰۃ کا مالک بنانا مقصود نہیں ہے، اگر مالک بنانا مقصود ہوتا تو ان کا ذکر پہلے چار مصارف میں فرمایا جاتا جن سے پہلے لام تملیک کا ذکر ہے، ہمارے سابقین مفسرین میں سے بہت کم لوگوں کی اس نکتہ تک رسائی ہوئی ہے۔ شیخ اشرف علی تھانوی کی مکمل عبارت میں ''لام'' اور ''فی'' کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا اور انہوں نے تمام مصارف کو ایک ہی لکڑی سے ہانک دیا ہے۔ البتہ بعض دیگر مفسرین نے لام اور فی کے فرق کو ملحوظ رکھا ہے۔

شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء، لکھتے ہیں:

ہمارے فقہاء کا ایک گروہ ''اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ'' کے ''ل'' کو تملیکِ ذاتی کے مفہوم کے لیے خاص کرتا ہے اور پھر اس سے یہ نتیجہ نکال لیتا ہے کہ صدقات و زکوٰۃ کی رقوم فقراء و مساکین کی کسی ایسی اجتماعی بہبود پر صرف نہیں ہو سکتیں جس سے ملکیت ذاتی تو کسی کی بھی قائم نہ ہو لیکن اس کا فائدہ بحیثیت مجموعی سب کو پہنچے۔ ہمارے نزدیک یہ رائے کسی مضبوط دلیل پر مبنی نہیں ہے۔ اول تو ''ل'' کچھ تملیک ہی کے معنی کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ یہ متعدد معانی کے لیے آتا ہے اور ان سب معانی کے لیے یہ خود قرآن میں استعمال ہوا ہے، تملیک ذاتی ہی کے معنی کے لیے اس کو خاص کر دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ آخر بہبود، نفع رسانی اور استحقاق کے معانی کے لیے بھی جب اس کا استعمال معروف ہے تو ان معانی میں یہ کیوں نہ لیا جائے؟ پھر آیت میں آپ نے دیکھا کہ بعض چیزیں ''فی'' کے تحت بیان ہوئی ہیں اور ''فی'' کا متبادر مفہوم تملیک نہیں بلکہ خدمت، مصرف، رفاہیت اور بہبود ہی ہے۔ علاوہ ازیں یہ امر بدیہی ہے کہ صرف تملیکِ ذاتی کی صورت میں غربا کو جتنا فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے اس سے کہیں زیادہ نفع ان کو بعض حالات میں اس صورت میں پہنچایا جا سکتا ہے جب کہ ان کی اجتماعی بہبود کے لیے بڑے بڑے کام کیے جائیں، پھر تملیک ذاتی کے ساتھ اس کو خاص کر کے اس نفع کو محدود کیوں کیا جائے، یہاں ہم ان اشارات پر کفایت کرتے ہیں، مسئلہ تملیک پر مفصل بحث ہم نے اپنے ایک مستقل رسالہ میں کی ہے۔ (تدبر قرآن ج ۳ ص ۵۹۳، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۴۲۴ھ)

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، التوبہ:۶۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَالْغٰرِمِيْنَ'': یعنی وہ مقروض جنہوں نے کسی ناگزیر ضرورت میں قرض لیا ہو، جس سے جس قدر مال کے بغیر اُن کی معیشت ممکن نہ ہو اور انہوں نے اس مال کو عیاشی میں نہ اڑایا ہو اور فضول خرچ نہ کیا ہو، تو اُن کے قرض کی ادائیگی کے لیے مصارفِ زکوٰۃ میں سے بہ قدرِ قرض ادا کرنا یہ بھی جائز ہے۔ مجاہد نے کہا: تین شخص اس کے مصداق ہیں: ایک وہ شخص جس کا تمام مال، اسباب سیلاب میں بہہ گیا ہو، دوسرا وہ شخص جس کا تمام مال اسباب ناگہانی آگ میں جل کر خاکستر ہو گیا ہو، پس وہ شخص ہلاکت میں مبتلاء ہو اور تیسرا وہ شخص جس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ وہ اپنے بال بچوں کی پرورش کر سکے، پس وہ کسی سے قرض لے کر اپنا اور اپنے بال بچوں کا خرچ اٹھارہا ہو، تو اس کے قرض کی ادائیگی کے لیے بھی مصارفِ زکوٰۃ میں سے حسبِ ضرورت ادا کرنا جائز ہے۔

(تفسیر السمرقندی ج ۲ ص ص ۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

قاضی ابو سعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ، التوبہ: ۶۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَفِي الرِّقَابِ'': یعنی غلاموں کی غلامی سے گردن چھڑانے کے لیے مالِ زکوٰۃ سے صرف کیا جائے بایں طور کہ جو مکاتَب ہوں ان کی باقی ماندہ قسطیں زکوٰۃ سے ادا کر دی جائیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس رقم سے قیدیوں کا فدیہ ادا کر کے انہیں قید سے چھڑایا جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیا جائے، بہر حال جو بھی صورت ہو، ان مصارف میں لامِ تملیک سے عدول کر کے لفظِ ''فی'' کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اِن لوگوں کا مصارفِ زکوٰۃ میں سے مالک ہونا صحیح ہے، کیونکہ لفظِ فی ظرفیت کے لیے آتا ہے جو اس پر مبنی ہے کہ اس کا مدخول محلِ زکوٰۃ میں داخل ہے۔

''وَالْغٰرِمِيْنَ'': اسی طرح مقروض پر بھی مالِ زکوٰۃ کو صرف کرنا جائز ہے اور اسی طرح ''وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' یعنی جو فقراء جہاد کر رہے ہوں۔ ''وَابْنِ السَّبِيْلِ'' یعنی جو مسافر حالتِ سفر میں اپنے مال سے منقطع ہو، اس پر بھی مالِ زکوٰۃ کو صرف کرنا جائز ہے اور ان سے پہلے لامِ تملیک کا ذکر نہیں فرمایا جس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو مالک نہیں بنایا جائے گا۔

(تفسیر ابی السعود، ج ۳ ص ۱۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

نواب صدیق حسن بھوپالی (غیر مقلد) متوفی ۱۳۰۷ھ التوبہ: ۶۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَفِي الرِّقَابِ'': حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ مالِ زکوٰۃ سے رقم خرچ کر کے غلام خرید کرا سے آزاد کیا جائے۔ امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق اور ابو عبید کا بھی یہی قول ہے۔ اور الحسن البصری، مقاتل بن حیان، عمر بن عبد العزیز، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، الزہری اور ابن زید نے کہا: اس سے مراد مکاتَب ہیں، مالِ زکوٰۃ سے ان کی مکاتبت کی باقی ماندہ قسطوں کو ادا کرنا جائز ہے۔ اور یہی امام شافعی اور اکثر فقہاء اور اصحابِ ابو حنیفہ کا قول ہے۔

''وَالْغٰرِمِيْنَ'': یہ وہ لوگ ہیں جن پر قرض کا بوجھ ہو اور اس کی ادائیگی کے لیے ان کے پاس رقم نہ ہو، سوا ان مقروضوں کے جنہوں نے معصیت کے کاموں کے لیے قرض لیا ہو، سو ان لوگوں کے قرض کی ادائیگی میں مالِ زکوٰۃ سے نہیں دیا جائے گا۔

''وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'': اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہوں یا اسلامی سرحدوں پر پہرہ دے رہے ہوں وہ خواہ دولت مند ہوں، ان پر بھی زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جائے گی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے ہیں، امام احمد اور اسحاق نے کہا کہ حج کرنا بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے، اور امام ابو حنیفہ اور ان کے صاحبین نے

کہا کہ مجاہد کو صرف اسی صورت میں مالِ زکوٰۃ سے دیا جائے گا جب کہ وہ فقیر ہو۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ فی سبیل اللہ کا لفظ عام ہے اور اس کو کسی خاص قسم میں منحصر کرنا صحیح نہیں ہے اور فی سبیل اللہ میں خیر کے تمام کام داخل ہیں، مُردوں کو کفن پہنانا، پُلوں کو بنانا، قلعوں کو بنانا، مساجد کی تعمیر کرنا اور اسی نوع کے دوسرے تمام کام داخل ہیں، اور یہ قول زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ جمہور کا اس پر اجماع ہے۔ (فتح البیان ج ٣ ص ١٣٥۔١٣٦، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٠ھ)

علامہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ٥٣٨ھ، التوبہ: ٦٠ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ مؤخر الذکر چار اصناف میں لامِ استحقاق سے عدول کر کے ''فی'' کا ذکر کیوں کیا گیا ہے؟

میں کہتا ہوں: اس پر مطلع کرنے کے لیے کہ مؤخر الذکر چار اصناف زکوٰۃ کے استحقاق میں پہلے چار سے زیادہ ہیں، کیونکہ لفظِ فی ظرفیت کے لیے آتا ہے، پس اس میں یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ ان میں مالِ زکوٰۃ دیا جائے، کیونکہ غلام کی گردن غلامی سے چھڑانے میں یا قیدی کو آزاد کرانے میں اور مقروضوں کو بارِ قرض سے بری کرنے میں اور ہر قسم کے غازی کے لیے خواہ امیر ہو یا فقیر مالِ زکوٰۃ کا خرچ کرنا اسی طرح حج کرنے والوں کے لیے اور عمرہ کرنے والوں کے لیے اور اسی طرح مسافروں کے لیے مالِ زکوٰۃ کو خرچ کرنے کا زیادہ استحقاق ہے اور لفظِ فی کو یہاں پر دوبارہ ذکر فرمایا ہے تاکہ ان دونوں کو غلامی کی گردن چھڑانے اور مقروض کا قرض ادا کرنے سے زیادہ ترجیح دی جائے۔ (تفسیر الکشاف ص ٤٣٩، دارالمعرفہ، بیروت، ١٤٣٠ھ)

امام شرف الدین الحسین بن عبداللہ الطیبی الشافعی المتوفی ٧٤٣ھ، التوبہ: ٦٠ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

صاحب الانتصاف نے کہا ہے کہ مؤخر الذکر چار اصناف میں لامِ تملیک سے فی ظرفیت کی طرف عدول کیا گیا ہے، کیونکہ پہلی چار اصناف میں جو زکوٰۃ دی جائے گی اس میں تملیک شرط ہے اور مؤخر الذکر چار اصناف میں تملیک شرط نہیں ہے۔ ان اصناف میں مالِ زکوٰۃ اُن کی مصلحتوں میں خرچ کیا جائے گا۔ پس غلاموں کو جو مال دیا جائے گا اس کے مالک اُن کے آقا ہوں گے اور مکاتبین کے ہاتھوں میں کچھ نہیں رہے گا، اور جو مقروض ہیں ان کو جو مال دیا جائے گا، وہ اُن کے قرض خواہوں کو دے دیا جائے گا، اسی طرح فی سبیل اللہ کا حکم ہے اور ابن السبیل بھی فی سبیل اللہ میں مندرج ہیں۔ اور اُن کی خصوصیت کی وجہ سے اُن کا علیحدہ ذکر فرمایا ہے اور ان سے پہلے نہ لامِ تملیک ہے نہ فاءِ ظرفیت ہے۔

(فتوح الغیب فی الکشف عن قناع الریب، ج ٧ ص ٢٨٤، جائزۃ دبی الدولیہ للقرآن الکریم، دبئی، ١٤٣٤ھ)

قاضی شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی الحنفی المتوفی ١٠٦٩ھ، التوبہ: ٦٠ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مصارفِ زکوٰۃ میں سے مؤخر الذکر چار مصارف میں لامِ تملیک سے عدول کر کے لفظِ ''فی'' کو ذکر فرمایا ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ چاروں مالِ زکوٰۃ کو ان پر خرچ کرنے کے زیادہ مستحق ہیں اور یہ مصرفِ زکوٰۃ کا محل ہیں اور ''الانتصاف'' میں لکھا ہے: اس میں ایک اور نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلی چار اصناف کو جو مال دیا جائے اس کا انہیں مالک بنا دیا جاتا ہے اور مؤخر الذکر چار اصناف کو مالک نہیں بنایا جاتا، بلکہ اُن کی ضرورتوں اور ان کی مصلحتوں میں خرچ کیا جاتا ہے۔

(عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی ج ٤ ص ٥٥٨، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤١٧ھ)

علامہ محمد بن مصباح الدین مصطفیٰ القوجوی الحنفی المتوفی ٩٥١ھ، التوبہ: ٦٠ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

الرقاب میں لامِ تملیک سے عدول کر کے فی ظرفیت کو لایا گیا ہے، اور اب معنی یہ ہے کہ رقاب یعنی غلاموں کا حصہ اُن کی طرف دے دیا جائے گا جیسا کہ پہلی چار قسموں میں مالِ زکوٰۃ اُن کے حوالے کیا جاتا ہے تاکہ وہ جس طرح چاہیں اُن میں تصرف کریں۔ پھر جب الرقاب سے پہلے لام سے عدول کر کے فی کو لایا گیا ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو غلامی سے چھڑانے کے لیے جس طرح چاہیں مال کو خرچ کریں، اسی طرح الغارمین میں بھی لامِ تملیک سے عدول کر کے فی کو لایا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلی چار اصناف میں لامِ تملیک کو لایا گیا ہے اور بعد کی اصناف میں لامِ تملیک کو نہیں لایا گیا، تاکہ یہ اس پر دلالت کرے کہ مالِ زکوٰۃ کو وہ جس طرح چاہیں اپنی ضروریات پوری کرنے میں خرچ کریں۔ اس کے بعد فرمایا: ''وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ'' اس میں ان دونوں صنفوں کو گردن چھڑانے اور مقروضوں پر خرچ کرنے کی ترجیح ہے۔ (الی قولہ) فی سبیل اللہ میں پلوں کو بنانا اور قلعوں کو بنانا شامل ہے، یعنی مفسرین نے کہا ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد مجاہدین ہیں، ان کے لیے زکوٰۃ کو لینا جائز ہے خواہ وہ دولت مند ہوں، امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین نے کہا: مجاہد کو بغیر ضرورت کے مالِ زکوٰۃ نہیں دیا جائے گا، اور القفال نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء سے یہ نقل کیا ہے کہ فی سبیل اللہ کے عموم میں زکوٰۃ اور صدقات کو تمام امورِ خیر میں صرف کرنا جائز ہے خواہ مُردوں کو کفن پہنایا جائے، خواہ قلعے بنائے جائیں، خواہ مساجد کی تعمیر کی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد فی سبیل اللہ ان تمام امور کو شامل ہے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ مالِ زکوٰۃ کو حج کے راستہ میں خرچ کرنا جائز ہے اور فقہاءِ عراق نے کہا ہے: ابن السبیل وہ شخص ہے جس کے پاس سفر میں مال نہ ہو۔ (حاشیہ محی الدین شیخ زادہ ج ۴ ص ۸۷ ۴-۹۷ ۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، التوبہ: ۶۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مصارفِ زکوٰۃ میں سے آخری چار مصارف میں لفظِ فی کا ذکر فرمایا ہے جو ظرفیت کے لیے آتا ہے اور وہ یہ خبر دیتا ہے کہ اس کے مدخول کو مالِ زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا اور ''الانتصاف'' میں مذکور ہے کہ اس میں ایک اور نکتہ ہے اور وہ زیادہ ظاہر ہے کہ پہلی چار اصناف ان اصناف والوں کو دی جاتی ہے اور اس میں تملیک شرط ہے اور یہی لامِ تملیک کے دخول کا تقاضا ہے لیکن آخری چار اصناف میں ان کو مالک نہیں بنایا جاتا بلکہ وہ جس طرح چاہیں مالِ زکوٰۃ کو اپنی ضروریات میں خرچ کریں۔

(روح المعانی جز ۱۰ ص ۱۸۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

فی سبیل اللہ کے الفاظ صرف غازیوں اور مجاہدین میں منحصر نہیں ہیں، اسی وجہ سے قفال نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء سے یہ نقل کیا ہے کہ فقہاء نے زکوٰۃ کو نیکی کے تمام راستوں میں خرچ کرنے کی اجازت دی ہے مثلاً مردوں کو کفن دیا جائے، قلعے بنائے جائیں اور مساجد بنائی جائیں۔ ان تمام امور میں زکوٰۃ کو خرچ کرنا جائز ہے کیونکہ فی سبیل اللہ کا لفظ ان سب کو شامل ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۸۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ علاؤ الدین علی بن محمد البغدادی الشہیر بالخازن المتوفی ۷۲۵ھ، التوبہ: ۶۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مصارفِ زکوٰۃ میں سے پہلی چار اصناف میں لامِ تملیک کو ذکر کیا گیا ہے اور مؤخر الذکر اصناف میں لفظِ فی کا ذکر کیا گیا ہے، اس میں یہ نکتہ ہے کہ پہلی چار اصناف میں جن کو مالِ زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا ان کو مالک بنایا جائے گا اور بعد کی چار اصناف میں

مالک بنانا ضروری نہیں ہے، وہ مالِ زکوٰۃ کو اپنی ضروریات کے مطابق جس طرح چاہیں خرچ کریں۔

(لباب التاویل المعروف تفسیر خازن ج ۲ ص ۳۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۰ء)

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ، التوبہ: ٦٠ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وفی سبیل اللہ کے عموم میں ہر وہ کام داخل ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے کیا جائے۔

(تاویلات اہل السنہ ج ۵ ص ۴۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲٦ھ)

القاضی مجیرالدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ، التوبہ: ٦٠ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فی سبیل اللہ کا مصداق وہ غازی ہیں جو میدانِ جہاد میں جہاد کر رہے ہوں خواہ وہ دولت مند ہوں، ان کو امام احمد بن حنبل، امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک مالِ زکوٰۃ سے دیا جائے گا، اور امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر اُن میں فقر و فاقہ ہو تو پھر اُن کو مالِ زکوٰۃ سے دیا جائے گا، اور امام احمد نے کہا: حج کرنا بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے، لہٰذا جو شخص حجِ فرض ادا کر رہا ہو اس کو مالِ زکوٰۃ سے دیا جائے گا، فقہاءِ احناف میں سے امام محمد بن حسن شیبانی کا یہی موقف ہے اور امام ابویوسف کا بھی یہی موقف ہے۔

(فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن ج ۳ ص ۲۰۲، دارالنوادر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ، التوبہ: ٦٠ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ کیا مالِ زکوٰۃ سے میت کا قرض ادا کیا جائے گا یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ نے کہا: مالِ زکوٰۃ سے میت کا قرض نہیں ادا کیا جائے گا اور یہی ابن المواز کا قول ہے، اور امام ابوحنیفہ نے کہا: جس شخص پر کوئی کفارہ ہو، وہ مالِ زکوٰۃ سے ادا نہیں کیا جائے گا، اسی طرح دیگر حقوق اللہ بھی ادا نہیں کیے جائیں گے، اور ہمارے مالکی علماء اور دیگر فقہاء نے کہا ہے کہ مالِ زکوٰۃ میں سے میت کا قرض ادا کیا جائے گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں ہر مومن کا ولی ہوں، جس نے مال چھوڑا وہ اس کے اہل کے لیے ہے اور جس نے قرض چھوڑا یا اپنے بچوں کو چھوڑا تو ان کی کفالت میرے ذمہ ہے اور اس کا قرض مجھ پر ہے''۔

اور ''فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' میں مجاہدین داخل ہیں اور سرحدوں پر پہرہ دینے والے داخل ہیں، ان کو مالِ زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا خواہ وہ غنی ہوں یا فقیر۔ اور یہی اکثر علماء کا قول ہے۔ اور امام احمد اور اسحاق سے منقول ہے کہ حج بھی فی سبیل اللہ ہے، اور صحیح البخاری میں از ابی لاس مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حج کے لیے صدقہ کے اونٹوں پر سوار کیا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مالِ زکوٰۃ میں سے غلام کو آزاد کیا جائے گا اور حج کرنے والے پر خرچ کیا جائے گا۔

محمد بن عبدالحکیم نے کہا: مالِ زکوٰۃ کو گھوڑوں اور ہتھیاروں اور دیگر آلاتِ حرب میں صرف کیا جائے گا کیونکہ یہ تمام امور فی سبیل اللہ ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ زکوٰۃ میں سے ایک مقتول صحابی کی دیت ادا فرمائی، حدیث میں ہے:

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور سہل بن ابی حثمہ، وہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سہل اور حضرت محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہما خیبر میں آئے، پھر ایک کھجوروں کے باغ میں متفرق ہو گئے، پس حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود کے دو بیٹے حویصہ اور محیصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس انہوں نے اپنے صاحب کے معاملہ میں گفتگو کی تو حضرت عبدالرحمٰن نے بات کرنی شروع کی اور وہ قوم میں سب سے چھوٹے تھے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بڑے کو موقع دو، بڑے کو موقع دو۔ یحییٰ نے کہا: یعنی بڑے کو بات کرنے کا موقع دو، پس انہوں نے اپنے صاحب کے معاملہ میں گفتگو کی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اپنے مقتول یا فرمایا: اپنے صاحب (کی دیت) کے مستحق ہو گے جب تم میں سے پچاس آدمی یہ قسم کھالیں کہ عبداللہ کو یہودیوں نے قتل کیا ہے، تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم نے تو اس کو دیکھا نہیں، آپ نے فرمایا: پھر یہود اپنے پچاس آدمیوں سے قسم کھلوا کر تم سے بری ہو جائیں گے، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! یہ کافر لوگ ہیں (ہم ان کی قسم کا کیسے اعتبار کریں؟) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن سہل کے وارثوں کو خود اپنی طرف سے دیت ادا کر دی۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جن اونٹوں کو دیت میں ادا کیا گیا تھا، ان میں سے ایک اونٹ اصطبل میں گھس گیا، اس نے مجھے اپنی لات ماری۔

(صحیح بخاری: ۳۱۷۳، صحیح مسلم: ۱۶۶۹، سنن نسائی: ۴۷۱۴، سنن ترمذی: ۱۴۲۲، سنن ابوداؤد: ۴۵۲۱، سنن ابن ماجہ: ۲۶۷۷، مسند احمد: ۱۶۸۲۵، موطا امام مالک: ۱۶۳۱)

(الجامع لاحکام القرآن، جز ۸ ص ۱۷۰، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حافظ اسماعیل بن کثیر الشافعی الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ، التوبہ: ۶۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

غلاموں کی گردن چھڑانے کے لیے مالِ زکوٰۃ میں سے خرچ کیا جائے گا اور یہی امام شافعی اور اللیث کا مذہب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور الحسن البصری نے کہا کہ مالِ زکوٰۃ میں سے غلام کو خرید کر آزاد کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اور یہی امام احمد بن حنبل، امام مالک اور اسحاق کا مذہب ہے۔ (تفسیر القرآن العظیم ج ۲ ص ۴۰۹، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ، التوبہ: ۶۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وفی سبیل اللہ وابن السبیل'' میں فی کا دوبارہ ذکر فرمایا ہے تاکہ اس پر دلالت کرے کہ ان کو مالِ زکوٰۃ سے دینا غلاموں کی گردن چھڑانے اور مقروضوں کا قرض ادا کرنے کی بہ نسبت زیادہ راجح ہے۔

(مدارک التنزیل ج ۱ ص ۶۸۹، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

علامہ ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، التوبہ: ۶۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ'': اس سے مراد یہ ہے کہ مجاہدین کا بھی مالِ زکوٰۃ میں سے حصہ ہے جو جہاد کے لیے نکلنے کا ارادہ کریں، ان کو مالِ زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا اور وہ اس مالِ زکوٰۃ کو جہاد کے اخراجات میں خرچ کریں گے، کپڑے خریدیں گے، ہتھیار خریدیں گے اور سواریوں کا خرچ ادا کریں گے خواہ وہ دولت مند ہوں، اور اکثر اہلِ علم کے نزدیک حج کرنے والوں کو مالِ زکوٰۃ میں سے نہیں دیا جائے گا اور دوسروں نے کہا کہ ان کو بھی مالِ زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا کیونکہ حج کرنے والے بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہیں۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۶۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

مشہور غیر مقلد محمد بن علی بن محمد الشوکانی المتوفی ۱۲۵۰ھ، التوبہ: ۶۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ'': اس میں مجاہدین اور سرحدوں پر پہرہ دینے والے داخل ہیں اور ان کو مالِ زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا خواہ وہ دولت مند ہوں، اور یہی اکثر علماء کا قول ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو حج کرنے والے ہوں اور عمرہ کرنے والے ہوں، اور امام احمد اور اسحاق نے حج کرنے والے پر خرچ کرنے کو بھی فی سبیل اللہ میں داخل کیا ہے، اور امام ابوحنیفہ

نے کہا کہ مجاہد کو صرف اسی صورت میں مالِ زکوٰۃ سے دیا جائے گا جب کہ وہ فقیر ہو اور مال سے منقطع ہو۔

مصارفِ زکوٰۃ میں سے پہلے چار کا ذکر لامِ تملیک کے ساتھ کیا ہے اور مصارفِ زکوٰۃ میں سے مؤخر چار کا ذکر لامِ تملیک کے ساتھ نہیں کیا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ مالِ زکوٰۃ میں سے جو کچھ ان کو دیا جائے گا اس کا اُن کو مالک نہیں بنایا جائے گا بلکہ وہ اپنی تمام ضروریات میں جس طرح چاہیں اس مال کو خرچ کریں۔ (فتح القدیر، ج ۲ ص ۵۳۲، دارالوفاء، بیروت ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی البصری المتوفی ۴۵۰ھ، التوبہ: ۶۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'': اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، ان کو مالِ زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا خواہ وہ غنی ہوں یا فقیر ہوں۔ (النکت والعیون ج ۲ ص ۳۷۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، التوبہ: ۶۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'': اس سے مراد مجاہدین ہیں اور سرحدوں پر پہرہ دینے والے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان میں سے مال داروں کو بھی مالِ زکوٰۃ سے دینا جائز ہے، امام شافعی کا بھی یہی قول ہے اور امام ابوحنیفہ نے کہا: ان میں سے صرف فقراء کو دیا جائے گا، اور حج کرنے والوں پر مالِ زکوٰۃ سے خرچ کیا جائے یا نہیں، اس میں امام احمد کے دو قول ہیں۔

(زادالمسیر ج ۲ ص ۲۷۱، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

چھٹی صدی ہجری کے شیعہ مفسر شیخ ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی التوبہ: ۶۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'': اس سے مراد جہاد ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور مسلمانوں کی مصلحتوں میں اس مال کو خرچ کیا جائے گا، اور یہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اور عطاء کا قول ہے اور البلخی کا مختار ہے، انہوں نے کہا: مالِ زکوٰۃ سے مساجد کو بنایا جائے گا اور پلوں کو بنایا جائے گا، کیونکہ یہ سب فی سبیل اللہ ہیں۔ اور مسافر کو بھی مالِ زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا خواہ وہ اپنے شہر میں مال دار ہو۔ (مجمع البیان جزء ۵ ص ۶۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۰۶ھ)

ایک اور شیعہ مفسر شیخ محمد حسین طباطبائی المتوفی ۱۴۰۲ھ، التوبہ: ۶۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مصارفِ زکوٰۃ میں سے پہلی چار قسموں میں فقراء، مساکین، محصلین زکوٰۃ اور مؤلفۃ القلوب داخل ہیں، اور اس سے پہلے لامِ تملیک کو داخل فرمایا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان لوگوں کو اس مالِ زکوٰۃ کا مالک بنایا جائے گا، اور مصارفِ زکوٰۃ میں سے باقی چار مصارف میں غلاموں کو آزاد کرنا اور مقروض اور فی سبیل اللہ اور ابن السبیل داخل ہیں۔ اور ان چاروں سے پہلے بجائے لامِ تملیک کے فی کو داخل کیا گیا ہے، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ مؤخر الذکر چار مالِ زکوٰۃ لینے کے زیادہ حق دار ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کو مالِ زکوٰۃ کا مالک نہیں بنایا جائے گا بلکہ یہ اس مال کو جس طرح چاہیں جہاں چاہیں خرچ کریں، اور تیسری وجہ یہ ہے کہ مؤخر الذکر چار مالِ زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں، اور لفظِ فی کو لایا گیا ہے جو ظرفیت کے لیے ہے، اس پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ وہ جس طرح چاہیں اس مال کو خرچ کریں۔ ان کو اس مالِ زکوٰۃ کا مالک بنانا ضروری نہیں ہے۔

(المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۹ ص ۳۲۶۔۳۲۷، دارالکتب الاسلامیہ، طہران، ۱۳۶۲ھ)

غلام احمد پرویز متوفی ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء، لکھتے ہیں:

غلاموں کو آزاد کرنا: یہ بندھی ہوئی گردنیں، انفرادی طور پر غلاموں اور لونڈیوں کی ہوں گی اور اجتماعی طور پر ان قوموں کی بھی جو دوسری قوموں کی محکومی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہوں۔قرآنی نظام قائم کرنے والی امت مسلمہ کا فریضہ ہوگا کہ وہ ہر مقام پر انسانوں کو محکومی اور غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرائے۔دین کے اس بنیادی فریضہ کی روشنی میں یہ کہنا کہ اسلام میں غلام اور لونڈیاں بنانے کی اجازت ہے، کس قدر قرآن میں تحریف اور دین کی مخالفت ہے؟ جو دین ''فَكُّ رَقَبَةٍ'' (گردنوں کو آزاد کرانے) کو بنیادی فریضہ قرار دے، کیا وہ خود غلام اور لونڈیاں بنانے کی اجازت دے گا؟ یہ ہمارے دور ملوکیت کا اسلام (مبنی بر فقہ اور روایات) ہے جس نے ہر خلافِ اسلام روش کو اسلام بنا دیا اور وہی اسلام ہمارے ہاں رائج چلا آرہا ہے۔

(مطالب الفرقان ج ٦ ص ٢٦٠۔٢٦١، لاہور، ١٩٩٧ء)

غلاموں اور باندیوں کے مسئلہ میں غلام احمد پرویز کی خطاءِ منکر

میں کہتا ہوں: غلام احمد پرویز کا مطلقاً یہ کہنا کہ اسلام نے غلاموں اور باندیوں کے بنانے کو جائز نہیں قرار دیا، صراحتاً قرآنِ مجید کے احکام سے بے خبری پر مبنی ہے، کیونکہ کفارۂ قتل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ ---(النساء: ٩٢)'' (اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ عمداً کسی مسلمان کو قتل کر دے، اور جس نے کسی مسلمان کو بلا قصد قتل کر دیا تو اُس پر ایک مسلمان گردن (غلام یا باندی) کو آزاد کرنا لازم ہے اور خوں بہا کی ادائیگی کرنا لازم ہے جو مقتول کے وارثوں کو ادا کی جائے گی سوا اس کے کہ مقتول کے وارث اُس خون کو معاف کر دیں، پھر اگر وہ مقتول مسلمان ہو لیکن اس کا تعلق تمہاری دشمن قوم سے ہو تو صرف ایک مسلمان گردن کا آزاد کرنا لازم ہے، اور اگر وہ مقتول اُس قوم سے ہو کہ تمہارے درمیان اور اُس قوم کے درمیان معاہدہ ہو تو پھر خوں بہا ادا کرنا لازم ہے جو اُس کے وارثوں کو ادا کیا جائے گا اور ایک مسلمان گردن (غلام یا باندی) کو بھی آزاد کرنا لازم ہے، پھر جو شخص (غلام یا باندی) نہ پائے تو اُس پر لازم ہے کہ وہ اللہ سے توبہ کرنے کے لیے لگاتار دو مہینے روزے رکھے، اور اللہ سب کچھ جاننے والے، بہت حکمت والے ہیں O)۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ ---(المجادلہ: ٣)'' (اور جو لوگ اپنی بیویوں کو اپنی ماں جیسا کہیں پھر اس قول سے رجوع کرنا چاہیں جو وہ کہہ چکے تو ان پر ایک مملوک غلام کو آزاد کرنا لازم ہے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، یہ وہ (حکم ہے) جس کی تمہیں نصیحت فرمائی جاتی ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبر رکھنے والے ہیں O)۔

نیز زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ مفتوح قوم کے اُن مردوں کو غلام بنا لیا جاتا تھا جو میدانِ جنگ میں مسلمانوں سے لڑنے کے لیے آئے ہوں، اسی طرح جو عورتیں مسلمانوں سے لڑنے یا لڑنے پر برانگیختہ کرنے کے لیے آئی ہوں، ان کو باندیاں بنا لیا جاتا تھا، ظہورِ اسلام کے بعد بھی یہ معمول مروّج تھا، نیز اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنے کی بہت ترغیب دی ہے اور اس میں بہت ثواب

بیان فرمایا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بھی کسی مسلمان مرد کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلہ میں اس کا ایک عضو دوزخ سے آزاد فرما دیں گے، سعید بن مرجانہ نے کہا: پھر میں اِن کو حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کے پاس لے کر گیا (اور ان کے سامنے وہ حدیث بیان کی) تو حضرت علی بن حسین (زین العابدین) نے اپنے اس غلام کی طرف رخ کیا، جس کے عوض عبد اللہ بن جعفر دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار دے رہے تھے، پس انہوں نے اس کو آزاد کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۵۱۷، ۶۷۱۵، صحیح مسلم: ۱۵۰۹، الرقم المسلسل: ۳۶۸۶، سنن ترمذی: ۱۵۴۶، السنن الکبریٰ: ۴۸۷۵، المنتقیٰ: ۹۶۸، شرح مشکل الآثار: ۷۱۹، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۷۳، شعب الایمان: ۴۳۳۹، مسند احمد ج ۲ ص ۴۲۰، طبع قدیم، مسند احمد: ۱۴۴۱، ج ۱۵ ص ۲۶۰-۲۶۱، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)، (موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف، ج ۱۷ ص ۳۱۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

قرآنِ مجید کی نصوصِ قطعیہ اور احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں یہ واضح ہوا کہ غلام احمد پرویز کا اسلام میں مطلقاً غلامی کو ممنوع قرار دینا محض باطل ہے، کیونکہ اگر اسلام میں باندیوں اور غلاموں کا رکھنا مطلقاً ممنوع ہوتا تو کفارۂ قتل، کفارۂ ظہار اور اسی طرح کفارۂ صیام میں غلاموں کو آزاد کرنا کیونکر مشروع ہوتا، نیز حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ہاجَرہ سے پیدا ہوئے اور وہ حضرت سارہ کی باندی تھیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ، حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے اور وہ بھی باندی تھیں، اگر مطلقاً غلاموں اور باندیوں کو رکھنا ناجائز ہوتا تو پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجَرہ اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کیا کہا جائے گا، نیز قرآن مجید میں ہے: ''فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (محمد: ۴)'' (پس جب کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو، یہاں تک کہ جب اچھی طرح تم ان کا خون بہا چکو تو انہیں مضبوطی سے قید کر لو، پھر یا تو ان پر احسان کر کے چھوڑ دو یا اُن سے فدیہ لے لو، یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے)۔

اسلام نے کافر قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کرنے کی اجازت دی ہے خواہ یہ فدیہ مالی ہو یا بدنی ہو، بدنی فدیہ کا مطلب یہ ہے کہ کافر قیدیوں کو چھوڑ کر ان کے بدلہ میں کافروں نے جن مسلمانوں کو قید کر رکھا ہے، ان کو کافروں کی قید سے آزاد کرایا جائے، اس آیت میں صراحتاً غلاموں اور لونڈیوں کو بنانے کی اجازت عطا فرمائی ہے اور اُن کو غلامی سے آزاد کرنے کے طریقہ کی رہنمائی فرمائی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ظہورِ اسلام سے پہلے لازمی طور پر جنگی قیدیوں کو باندی اور غلام بنا لیا جاتا تھا، اسلام نے آ کر اس کی اصلاح کی اور یہ بتایا کہ جنگی قیدیوں کا مسلمان جنگی قیدیوں سے تبادلہ جائز ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا تبادلہ فرمایا ہے، اور جنگی قیدیوں سے زرِ فدیہ لے کر ان کو آزاد کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ غزوۂ بدر میں بہت سے کفار قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کیا گیا۔ لہٰذا مطلقاً یہ کہنا کہ اسلام میں باندیاں اور غلام بنانا جائز نہیں ہے، اسلامی احکام سے صریح جہالت اور غفلت پر مبنی ہے۔

(سعیدی غفرلہٗ)

غلاموں اور باندیوں کو آزاد کرنے کے متعلق حضرت ضیاء الامت کی معتدل تفسیر

ضیاء الامت حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی متوفی ۱۴۱۸ھ، نے غلاموں اور باندیوں کے مسئلہ میں نہایت اعتدال

کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، وہ لکھتے ہیں:

اسلام نے غلامی کے انسداد کے لیے جہاں اور کوششیں کیں، وہاں یہ کوشش بھی کی گئی کہ زکوٰۃ کی آمدنی سے ایک حصہ غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے متعین کر دیا۔ اسی طرح مسلمان جنگی قیدیوں کو رہا کرانے کے لیے بھی یہ رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔ لانہ اذا کان فك المسلم عن رق المسلم عبادۃ و جائزا من الصدقۃ فاحری واولی ان یکون ذالك فی فك المسلم عن رق الکافر و ذلہ (قرطبی)۔ یعنی جب ایک مسلمان غلام کو اس کے مسلمان آقا کی غلامی سے آزاد کرانا عبادت ہے اور اس کے لیے زکوٰۃ جائز ہے تو ایک مسلمان کو کافر کی غلامی سے رہائی دلانے کے لیے زکوٰۃ سے خرچ کرنا تو اور زیادہ ضروری اور مناسب ہوگا۔ وہ مقروض جن کے پاس قرض ادا کرنے کے لیے کچھ نہیں، ان کی امداد بھی زکوٰۃ کے فنڈ سے کی جاسکتی ہے، اس طبقہ کی حالت زار پر بھی اسلام نے ہی ترس کھایا، لیکن اس کے نزدیک شرط یہ ہے کہ یہ قرض اس نے کسی برے کام کے لیے نہ لیا ہو اور نہ ہی فضول خرچی کی وجہ سے وہ مقروض ہوا ہو۔

فی سبیل اللہ: اس سے مراد وہ حج کرنے والے اور جہاد کرنے والے ہیں جن کے پاس زادِ راہ نہ ہو اور اپنے افلاس کی وجہ سے وہ جنگی ساز و سامان مہیا نہ کر سکتے ہوں، ان کی اعانت بھی مالِ زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے۔ لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ سبیل اللہ سے مراد صرف یہ دو قسم کے لوگ نہیں بلکہ ہر وہ کام جس میں عامۃ المسلمین کا فائدہ ہو وہ سبیل اللہ میں داخل ہے۔ چنانچہ دینی مدرسے جن میں قرآن و سنت کی تعلیم دی جاتی ہو اور دین کے مبلغ اور محقق تیار کیے جاتے ہوں وہ بطریقِ اولیٰ اس میں داخل ہیں۔ شیخ رشید رضا نے اپنی تفسیر ''المنار'' میں اس کے متعلق بڑی وضاحت سے لکھا ہے: وقال الآلوسی فی تفسیر الکلمۃ عند الحنفیۃ ارید بذالك عند ابی یوسف منقطعوا الغزاۃ و الحجیج وقیل المراد طلبۃ العلم واقتصر علیہ فی الفتاوٰی الظھیریہ وفسرہ فی البدائع بجمیع القرب فیدخل فیہ کل سعی فی طاعۃ اللہ۔ علامہ آلوسی نے اس لفظ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک اس سے مراد وہ غازی اور حاجی ہیں جو اپنے وطن سے دور ہوں اور ان کے پاس اپنے اخراجات پورے کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ اور بعض نے اس سے مراد طلبہ لیے ہیں، اور صاحب فتاویٰ ظہیریہ نے تو اس سے مراد فقط طالب علم ہی لیے ہیں۔ اور صاحب بدائع کے نزدیک ہر وہ نیک کام سبیل اللہ میں داخل ہے جس سے قرب الٰہی ہو سکے۔ اس کے بعد صاحب المنار رقم طراز ہیں: والتحقیق ان سبیل اللہ ھنا مصالح المسلمین عامۃ التی بھا قوام امر الدین والدولۃ دون الافراد (ج ١٠ ص ٥٠٥)، ترجمہ: تحقیق یہ ہے کہ سبیل اللہ سے مراد وہ مصالح اور مفید کام ہیں جن سے مخصوص افراد نہیں بلکہ عام مسلمانوں کو فائدہ پہنچے جن سے دین اور دولت دونوں کو تقویت حاصل ہو۔ ومن اھم ما ینفق فی سبیل اللہ فی زماننا ھذا اعداد الدعاۃ الی الاسلام وارسالھم الی بلاد الکفار من قبل جمعیات منظمۃ تمدھم بالمال الکافی کما یفعلہ الکفار فی نشر دینھم (ج ١٠ ص ٥٨٧)، ترجمہ: ہمارے زمانہ میں سب سے اہم کام جس میں اس مد کا روپیہ خرچ کیا جائے وہ مبلغین اسلام کو تیار کرنا ہے اور انہیں منظم انجمنوں کی نگرانی میں کفار کے ممالک میں تبلیغ دین کے لیے بھیجنا ہے اور ان کی مالی ضروریات کو پورا کرنا ہے۔ یدخل فیہ النفقۃ علی المدارس للعلوم الشرعیۃ وغیرھا مما تقوم بہ المصلحۃ العامۃ (ج ١٠ ص ٥٨٨)، ترجمہ: اس میں مدارس اسلامیہ داخل ہیں جن میں علوم دینیہ کی تعلیم دی جاتی ہے، ان کے علاوہ وہ کام جن میں مصلحت عامہ ہے۔

وہ مسافر جس کی زادِ راہ ختم ہو چکی ہو اگر چہ وہ دولت مند ہی کیوں نہ ہو زکوٰۃ سے اس کی امداد کی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ سفر کسی گناہ کی نیت سے نہ ہو۔ (ضیاء القرآن ج دوم ص ۲۲۴۔۲۲۵ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

حضرت ضیاء الامت کی اس تفسیر سے ظاہر ہو گیا کہ فی سبیل اللہ کے عموم میں تمام امورِ خیر داخل ہیں اور زکوٰۃ کی رقم کو مصلحتِ عامہ میں خرچ کیا جا سکتا ہے اور اس سلسلہ میں مفتی محمد شفیع دیو بندی نے جو کچھ لکھا تھا، اس کا بطلان واضح ہو گیا۔

شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء، لکھتے ہیں:

والغارمین، غَرِمَ فی التجارۃ کے معنی ہوتے ہیں: فلاں نے اپنی تجارت میں گھاٹا اٹھایا، غَرَامۃ اور غُرۡم، تاوان، نقصان اور جرمانہ کو کہتے ہیں۔ غارم اس شخص کو کہیں گے جو اپنے کاروبار میں نقصان یا کسی اور سبب سے ایسے بار اور قرضے کے نیچے آ گیا ہو کہ اس کے لیے تنہا اپنے ذرائع سے اپنے آپ کو سنبھالنا ناممکن ہو رہا ہو۔ ایسے اشخاص کے قرضے اتارنے اور ان کو سہارا دینے پر بھی صدقات کی رقم صرف ہو سکتی ہے تاکہ وہ از سرِ نو سنبھل کر معاشرے کو اپنی صلاحیتوں سے فائدہ پہنچا سکیں۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ اسلامی حکومت میں اکتساب کے تمام ناجائز ذرائع اور اسراف کے تمام حرام رستوں پر قدغن ہوتی ہے، اس وجہ سے یہ سوال نہیں پیدا ہوتا کہ غارم کسی خلافِ شریعت طریقے کے اختیار کرنے کے سبب سے غارم ہوا ہے یا اس کو یہ افتاد ناجائز راستے میں پیش آئی ہے۔ کلام کا موقع ومحل خود شاہد ہے کہ یہاں غارم سے مراد کوئی مجرم نہیں بلکہ وہ شخص ہے جس نے اپنی جائز معاشی جدوجہد کی راہ میں ٹھوکر کھائی ہو یا کسی سبب سے تاوان میں پڑ گیا ہو۔

وفی سبیل اللہ: یہ ایک جامع اصطلاح ہے جس کے تحت جہاد سے لے کر دعوتِ دین اور تعلیم دین کے سارے کام آتے ہیں۔ وقت اور حالات کے لحاظ سے کسی کام کو زیادہ اہمیت حاصل ہو جائے گی کسی کو کم لیکن جس کام سے بھی اللہ کے دین کی کوئی خدمت ہو وہ فی سبیل اللہ کے حکم میں داخل ہے۔

''ابن السبیل'' اس کا مستقل ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ مسافر، مجرد مسافر ہونے کی بناء پر اس بات کا حق دار ہوتا ہے کہ صدقات سے اس کو فائدہ پہنچایا جائے۔ مسافرت اس کو ایسی حالت میں ڈال دیتی ہے کہ قانونی اور اصطلاحی اعتبار سے فقیر نہ ہونے کے باوجود بھی وہ ایک اجنبی جگہ میں اپنی بعض ضروریات کے لیے ایسا محتاج ہوتا ہے کہ اگر اس کی دست گیری نہ کی جائے تو وہ اپنے ذاتی ذرائع سے غریب الوطنی میں ان کا کوئی انتظام نہیں کر سکتا۔ اس طرح کے لوگوں کے لیے سرائیں، مسافر خانے، قیام وطعام اور رہنمائی کے مراکز قائم کرنا بھی ان کاموں میں شمار ہے جن پر صدقات سے خرچ کیا جا سکتا ہے، یہ امر ملحوظ رہے کہ یہ بھی ''فی'' کے تحت بیان ہوا ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ مسافروں کی سہولت اور آرائش کے تمام ضروری کام اس میں شامل ہیں۔

(تدبر قرآن ج ص ۵۹۳، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۴۳۴ھ)

شیخ امین احسن اصلاحی کی تفسیر کا یہ اقتباس بھی اس کو ظاہر کرتا ہے کہ فی سبیل اللہ کے عموم میں تمام امورِ خیر داخل ہیں اور ان میں زکوٰۃ کی رقم کو خرچ کرنا جائز ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء لکھتے ہیں:

یعنی ایسے قرض دار جو اگر اپنے مال سے اپنا پورا قرض چکا دیں تو ان کے پاس قدرِ نصاب سے کم مال بچ سکتا ہو۔ وہ خود کمانے

والے ہوں یا بے روزگار، اور خواہ عرفِ عام میں فقیر سمجھے جاتے ہوں یا غنی، دونوں صورتوں میں ان کی اعانت زکوٰۃ کی مد سے کی جاسکتی ہے۔ مگر متعدد فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جس شخص نے بداعمالیوں اور فضول خرچیوں میں اپنا مال اڑا کر اپنے آپ کو قرض داری میں مبتلاء کیا ہو، اس کی مدد نہ کی جائے جب تک وہ توبہ نہ کر لے۔

دفی سبیل اللہ: راہِ خدا کا لفظ عام ہے۔ تمام وہ نیکی کے کام جن میں اللہ کی رضا ہو، اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس حکم کی رو سے زکوٰۃ کا مال ہر قسم کے نیک کاموں میں صَرف کیا جاسکتا ہے۔ لیکن حق یہ ہے، اور ائمہ سلف کی بڑی اکثریت اسی کی قائل ہے کہ یہاں "فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے، یعنی وہ جدوجہد جس سے مقصود نظامِ کفر کو مٹانا اور اس کی جگہ نظامِ اسلامی کو قائم کرنا ہو۔ اس جدوجہد میں جو لوگ کام کریں ان کو سفر خرچ کے لیے، سواری کے لیے، آلات واسلحہ اور سروسامان کی فراہمی کے لیے زکوٰۃ سے مدد دی جاسکتی ہے، خواہ وہ بجائے خود کھاتے پیتے لوگ ہوں اور اپنی ذاتی ضروریات کے لیے ان کو مدد کی ضرورت نہ ہو۔ اسی طرح جو لوگ رضا کارانہ اپنی تمام خدمات اور اپنا تمام وقت، عارضی طور پر یا مستقل طور پر اس کام کے لیے دے دیں، ان کی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی زکوٰۃ سے وقتی یا استمراری اعانتیں دی جاسکتی ہیں۔

یہاں یہ بات اور سمجھ لینی چاہیے کہ ائمہ سلف کے کلام میں بالعموم اس موقع پر غزو کا لفظ استعمال ہوا ہے جو قتال کا ہم معنی ہے، اس لیے لوگ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ زکوٰۃ کے مصارف میں فی سبیل اللہ کی جو مد رکھی گئی ہے وہ صرف قتال کے لیے مخصوص ہے۔ لیکن درحقیقت جہاد فی سبیل اللہ، قتال سے وسیع تر چیز کا نام ہے اور اس کا اطلاق ان تمام کوششوں پر ہوتا ہے جو کلمۂ کفر کو پست اور کلمۂ خدا کو بلند کرنے اور اللہ کے دین کو ایک نظامِ زندگی کی حیثیت سے قائم کرنے کے لیے دی جائیں، خواہ وہ دعوت و تبلیغ کے ابتدائی مرحلے میں ہوں یا قتال کے آخری مرحلے میں۔

مسافر خواہ اپنے گھر میں غنی ہو، لیکن حالتِ سفر میں اگر وہ مدد کا محتاج ہو جائے تو اس کی مدد زکوٰۃ کی مد سے کی جائے گی۔ یہاں بعض فقہاء نے یہ شرط لگائی ہے کہ جس شخص کا سفر معصیت کے لیے نہ ہو، صرف وہی اس آیت کی رو سے مدد کا مستحق ہے۔ مگر قرآن وحدیث میں ایسی کوئی شرط موجود نہیں ہے، اور دین کی اصولی تعلیمات سے ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص مدد کا محتاج ہو، اس کی دست گیری کرنے میں اس کی گناہ گاری مانع نہ ہونی چاہیے بلکہ فی الواقع گناہ گاروں اور اخلاقی پستی میں گرے ہوئے لوگوں کی اصلاح کا بہت بڑا ذریعہ یہ ہے کہ مصیبت کے وقت ان کو سہارا دیا جائے اور حسنِ سلوک سے ان کے نفس کو پاک کرنے کی کوشش کی جائے۔ (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۲۰۸، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۱۲ء)

میں کہتا ہوں کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر کا یہ اقتباس بھی ہمارے اس موقف کی تائید کرتا ہے کہ فی سبیل اللہ کے عموم میں تمام امورِ خیر داخل ہیں اور اُن پر زکوٰۃ کی رقم کو خرچ کیا جاسکتا ہے۔

مصارفِ زکوٰۃ میں سے راہِ خدا میں خرچ کرنا

"وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ": یعنی جو لوگ جہاد کے لیے نکلتے ہیں۔

اس سے مراد یہ ہے کہ جہاد کرنے والوں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جائے اور ان کے لیے اسلحہ، گھوڑے اور کھانے پینے کی چیزیں

خریدی جائیں۔ امام شافعی اور امام ابو یوسف کا یہی مذہب ہے اور امام محمد کے نزدیک جو مسلمان حج کے لیے جائیں وہ بھی اللہ کی راہ میں ہیں اور ان کو بھی زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے۔ اس پر یہ اشکال ہے کہ اگر مجاہد یا حاجی کے پاس اس کے وطن میں نصاب کے برابر مال ہے اور سفر میں نہیں ہے تو وہ مسافر میں داخل ہے اور اگر سفر اور حضر دونوں میں وہ صاحب نصاب نہیں ہے تو پھر وہ فقیر میں داخل ہے تو پھر فی سبیل اللہ ایک مستقل اور الگ مصرف نہ ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ شخص اپنے وطن میں مال دار ہے لیکن جب وہ جہاد کے لیے روانہ ہوتا ہے تو اس کو اسلحہ اور سواری کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے برخلاف مسافر کو اسلحہ اور سواری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک غازی اور مجاہد کو اسی وقت زکوٰۃ دی جاسکتی ہے جب وہ محتاج ہو، باقی ائمہ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔

مصارفِ زکوٰۃ میں سے مسافروں کی مدد کے لیے حسب ضرورت ادا کرنا

''وَابْنِ السَّبِيْلِ'': یعنی وہ مسافر جس کے پاس سفر میں مال بالکل نہ ہو۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ان تمام صدقات کو ان آٹھوں قسموں پر صرف کرنا واجب ہے، اور یہ امام شافعی کا قول ہے۔

اور ہمارے اصحاب احناف نے کہا: جب صدقات کو ان قسموں میں سے کسی ایک قسم پر بھی خرچ کر دیا جائے تو جائز ہے۔

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ اگر تم ان صدقات کو ان آٹھ اقسام میں سے کسی ایک میں بھی خرچ کر دو تو تمہارے لیے کافی ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ''اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ''، اس کا محمل یہ ہے کہ ان آٹھ اقسام کے علاوہ کسی قسم میں اموالِ زکوٰۃ کو صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اور حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے پاس صدقہ کا مال لایا گیا تو انہوں نے صرف ایک گھر والوں کو وہ سارا مال دے دیا۔

اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس سفر میں مال اور اسباب نہ ہوں اور اس کو مدد کی ضرورت ہو، اس کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی متوفی ۱۳۹۱ ھ لکھتے ہیں:

اگرچہ مسافر اپنے وطن میں غنی ہو مگر سفر میں تنگدست ہو گیا ہو تو اسے بھی زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔

(تفسیر نور العرفان ص ۳۱۲، ادارہ کتب اسلامیہ، گجرات، پاکستان)

غلاموں، مقروضوں، اللہ کی راہ میں اور مسافروں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کے لیے تملیک ضروری نہیں

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ مکاتب کی اجازت سے زکوٰۃ میں اس کا حصہ اس کے مالک کو دے دیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے چار مصارف کا ذکر لام تملیک کے ساتھ فرمایا ہے اور جب رقاب کا ذکر فرمایا تو لام کے بجائے ''فی'' کا ذکر کیا اور فرمایا: ''وفی الرقاب'' اور اس فرق کا کوئی فائدہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے چار مصارف میں زکوٰۃ میں سے ان کا حصہ ان کو دے کر ان حصص کا مالک بنا دیا جائے اور باقی مصارف میں زکوٰۃ میں ان کا حصہ ان کے مصالح اور ان کی بہتری اور ان کے فوائد میں خرچ کیا جائے اور ان کو ان کا مالک نہ بنایا جائے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ، التوبہ: ۶۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

پہلے چار مصارف میں لام اور آخری چار مصارف میں ''فی'' کو ذکر کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: پہلے چار مصارف میں ان کو زکوٰۃ سے ان کا حصہ دے کر ان کو مالک بنا دیا جائے گا کہ وہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے ان کا حصہ ان کو نہیں دیا جائے گا اور نہ ان کو اس پر تصرف کی قدرت دی جائے گی کہ وہ اس میں جس طرح چاہیں تصرف کریں بلکہ ان کے طرف سے ان کی قیمت ادا کر دی جائے گی، اسی طرح مقروضوں کی زکوٰۃ کا حصہ ان کے قرض خواہوں کو دے دیا جائے گا، اسی طرح مجاہدین کی زکوٰۃ کا حصہ ان کی ضرورت کا اسلحہ خریدنے میں خرچ کیا جائے گا اور اسی طرح مسافروں کی ضرورت کی چیزوں میں ان کا حصہ خرچ کیا جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلے چار مصارف میں ان کے حصص ان کو دے دیئے جائیں گے کہ وہ جس طرح چاہیں خرچ کریں اور آخری چار مصارف میں ان کو ان کے حصص نہیں دیے جائیں گے بلکہ جس جہت سے وہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں اس جہت میں ان کے حصہ کی زکوٰۃ کو خرچ کیا جائے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۸۶۔ ۸۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مفسرین حنبلیہ میں سے علامہ عمر بن علی الدمشقی حنبلی نے اور مفسرین شافعیہ میں سے امام رازی کے علاوہ، علامہ خازن شافعی متوفی ۷۲۵ھ نے یہی لکھا ہے کہ زکوٰۃ کے پہلے چار مصارف میں تملیک ضروری ہے اور آخری چار مصارف میں تملیک کے بجائے ان کی ضروریات اور مصالح میں زکوٰۃ خرچ کی جائے۔ (تفسیر خازن ج ۲ ص ۲۵۴) اور مفسرین احناف میں سے علامہ خفاجی کے علاوہ علامہ محی الدین شیخ زادہ حنفی متوفی ۹۵۱ھ اور علامہ ابوالسعود محمد بن عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ اور علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی یہی لکھا ہے۔ (حاشیہ محی الدین شیخ زادہ ج ۴ ص ۴۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ، تفسیر ابوالسعود ج ۳ ص ۱۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ، روح المعانی ج ۱۰ ص ۱۲۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، غیر مقلدین میں سے نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ اور دیگر مفسرین نے بھی یہی لکھا ہے۔ (فتح البیان ج ۵ ص ۳۳۲)

جن مفسرین نے ژرف نگاہی سے کام لیا اور اس پر غور کیا کہ پہلی چار اصناف کے لیے اللہ تعالیٰ نے لام کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور باقی چار اصناف کے لیے ''فی'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے، انہوں نے اس سے یہ مستنبط کیا ہے کہ پہلی چار قسموں سے جس کو زکوٰۃ ادا کی جائے اس کو اس مالِ زکوٰۃ کا مالک بنانا ضروری ہے اور دوسری چار قسموں کے شروع میں چونکہ لام تملیک نہیں ہے بلکہ ''فی'' کا ذکر ہے اس لیے ان میں ان کو مالِ زکوٰۃ کا مالک نہیں بنایا جائے گا بلکہ ان کے حصہ کی زکوٰۃ کو ان کی ضروریات اور ان کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا۔ حنبلی، شافعی اور حنفی مفسرین کی تصریحات اس مسئلہ میں گزر چکی ہیں اور فقہاء مالکیہ کا بھی یہی موقف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ غلام کو زکوٰۃ کا حصہ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کے حصہ سے غلام کو خرید کر آزاد کر دیا جائے۔

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

امام مالک نے فرمایا کہ غلام کو آزاد کر دیا جائے اور اس کی ولاء مسلمانوں کے لیے ہوگی، (الی قولہ) اس میں اختلاف ہے کہ آیا مکاتب کو آزاد کرانے میں اس کی معاونت کی جائے یا نہیں، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ رقبہ (غلام) کا ذکر فرماتے ہیں تو اس سے مکمل غلام آزاد کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں اور رہا مکاتب، تو وہ غارمین (مقروضوں) کے کلمہ میں داخل ہے، کیونکہ اس کے اوپر مکاتبت کا قرض ہوتا ہے اس لیے وہ رقاب میں داخل نہیں ہوگا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۱ ص ۱۰۹)

مقروضوں کی قرض سے گردن چھڑانے کے لیے مصارفِ زکوٰۃ میں سے حصہ ادا کرنا

مقروض سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی جائز ضروریات میں مقروض ہوں نہ کہ وہ لوگ جنہوں نے کسی گناہ کے ارتکاب کے لیے قرض لیا ہو، مثلاً کسی نے سینما ہاؤس، وڈیو شاپ یا شراب کی دکان کھولنے کے لیے قرض لیا ہو یا مثلاً کسی نے بے جا خرچ اور اسراف کے لیے قرض لیا ہو مثلاً کسی نے اپنے بچوں کی شادی کے سلسلہ میں مروجہ رسومات بڑے پیمانے پر منعقد کی ہوں اور مقروض ہو گیا ہو اور اس قرض کو ادا کرنے کے لیے اس کے پاس رقم نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ کی رقم نہیں دینی چاہیے۔ البتہ علامہ نووی شافعی نے "الروضہ" میں یہ لکھا ہے کہ اگر وہ توبہ کر لے تو پھر اس کو بھی زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے، مقروض خواہ غنی ہو لیکن اگر اس کے پاس قرض اتارنے کے لیے رقم نہیں ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، حدیث میں ہے:

عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی غنی کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں ہے مگر پانچ کے لیے: جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو، یا وہ صدقہ وصول کرنے والا عامل ہو، یا مقروض ہو یا جس شخص نے صدقہ کو اپنے مال سے خرید لیا ہو، یا جس شخص کا کوئی مسکین پڑوسی ہو اور اس پر کوئی چیز صدقہ کی گئی ہو اور وہ مسکین غنی کو وہ چیز ہدیہ کر دے۔ (یہ روایت مرسل ہے)۔

(سنن ابوداؤد: ۱۶۳۵، سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۱، موطا امام مالک: ۳۰۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی غنی کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں مگر اس غنی کے لیے جو اللہ کی راہ میں ہو، یا مسافر ہو، یا وہ کسی فقیر کا پڑوسی ہو، اس فقیر پر صدقہ کیا جائے اور وہ غنی کو ہدیہ دے یا اس کی دعوت کرے۔

(سنن ابوداؤد: ۱۶۳۷، سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۱، فردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۷۶۴۶، مسند احمد ج ۳ ص ۵۶، المستدرک ج ۱ ص ۴۰۷، اس حدیث کی سند حسن ہے اور اس کے راوی ثقہ اور مشہور ہیں)

"فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ": یعنی اموالِ زکوٰۃ کو ان مصارف میں خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض فرمایا ہوا ہے۔

"وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ": اور اللہ عزوجل صدقات کے اہل کو بہت زیادہ جاننے والے ہیں۔ "حَكِيْمٌ۝": یعنی اس تقسیم کو اللہ تعالیٰ نے بڑی حکمت کے ساتھ مقرر فرمایا ہے۔

زکوٰۃ کے تمام مصارف میں تملیک ضروری ہونے پر فقہاء احناف کے دلائل

ہر چند کہ علامہ خفاجی حنفی، علامہ ابوسعود حنفی، علامہ شیخ زادہ حنفی اور علامہ آلوسی حنفی وغیرہم نے یہ تصریح کی ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ میں مالک بنانے کا تعلق اصنافِ زکوٰۃ میں سے صرف پہلی چار اصناف کے ساتھ ہے اور باقی چار اقسام میں تملیک نہیں کی جائے گی بلکہ مالِ زکوٰۃ کو ان کی ضروریات اور مصالح میں خرچ کیا جائے گا لیکن جمہور فقہاء احناف تملیک کو ادائیگی زکوٰۃ کا رکن قرار دیتے ہیں اور یہ زکوٰۃ کی تمام اصناف کے لیے رکن ہے۔

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

زکوٰۃ کا رکن یہ ہے کہ نصاب میں سے ایک جز کو اللہ کی طرف نکالا جائے اور اس کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے اور فقیر کو مالک بنا کر وہ مال اس کے سپرد کر کے مالک کا قبضہ اس جز سے منقطع ہو جائے، یا فقیر کے نائب کے سپرد کر دے جو زکوٰۃ وصول کرنے والا ہے

اور ملک فقیر کے لیے اللہ کی طرف سے ثابت ہوگی اور صاحب مال فقیر کو مالک بنانے اور اس کے سپرد کرنے میں اللہ کی طرف سے نائب ہوگا۔ اس پر دلیل یہ آیت ہے:

''اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ ...(التوبہ:۱۰۴)'' (کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں اور وہی صدقات لیتے ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: فقیر کی ہتھیلی پر آنے سے پہلے صدقہ رحمٰن کے ہاتھ میں آتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فقیر کو مالک بنانے کا حکم فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اٰتُوا الزَّكٰوةَ ...(البقرہ:۴۳)، زکوٰۃ دو، اور الایتاء (دینا) تملیک ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو صدقہ فرمایا ہے'' اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ ...(التوبہ:۶۰)'' اور تصدق کا معنی تملیک ہے، پس نصاب کا مالک زکوٰۃ کی مقدار کو اللہ کی طرف نکالنے والا ہوتا ہے۔

ہم نے یہ کہا ہے کہ فقیر کو زکوٰۃ سپرد کرتے وقت اس سے زکوٰۃ کی نسبت منقطع ہو جائے گی اور یہ خالص اللہ کے لیے ہو جائے گی، اور اللہ کی طرف زکوٰۃ نکالنے کا معنی عبادت اس وقت بنے گا جب فقیر کو مالک بنا کر وہ اس سے اپنی ملک کو باطل کر دے، بلکہ حقیقت میں مالک اللہ بناتے ہیں اور صاحب مال تو اللہ کی طرف سے نائب ہے۔

اس قاعدہ کے مطابق مساجد، سرائے اور پانی کی سبیلیں بنانے، پلوں کی مرمت کرنے، مردوں کو دفن کرنے اور دیگر نیکی کے کاموں میں زکوٰۃ کو صرف کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ان میں تملیک (کسی کو مالک بنانا) بالکل نہیں پائی جاتی، (کیونکہ یہ چیزیں وقف ہوتی ہیں اور وقف کا کوئی مالک نہیں ہوتا) اسی طرح اگر کسی شخص نے مالِ زکوٰۃ سے طعام خریدا اور فقراء کو صبح اور شام کھانا کھلایا اور ان کو بعینہ طعام نہیں دیا تو یہ بھی جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں تملیک نہیں ہوئی، اور اگر اس نے مالِ زکوٰۃ سے کسی زندہ فقیر کا قرض اس کے حکم کے بغیر ادا کر دیا تو یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں بھی فقیر کو مالک نہیں بنایا گیا اور اگر فقیر کے حکم سے اس کا قرض ادا کیا گیا ہے تو جائز ہے کیونکہ اب فقیر کے لیے تملیک پائی گئی گویا کہ فقیر نے مالِ زکوٰۃ پر قبضہ کیا اور اس کو قرض کی ادائیگی کے لیے وکیل بنا دیا، اسی طرح گر کسی شخص نے مالِ زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کر دیا تو یہ جائز نہیں ہے اور امام مالک کے نزدیک یہ جائز ہے اور قرآن مجید میں جو ہے ''وَفِي الرِّقَابِ'' (التوبہ:۶۰) ان کے نزدیک اس کا یہی معنی ہے کہ مالِ زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کر دیا جائے، اور ہمارے نزدیک تملیک واجب ہے اور آزاد کرنا ملک کو زائل کرنا ہے اور ہمارے نزدیک وفی الرقاب کا معنی یہ ہے کہ مالِ زکوٰۃ سے مکاتبین کی امداد کی جائے۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۴۵۶-۴۵۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اسی طرح علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بہ ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

مالِ زکوٰۃ سے مسجد بنائی جائے گی اور نہ میت کو کفن دیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں تملیک نہیں ہے اور وہ رکن ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو صدقہ فرمایا ہے اور صدقہ کی حقیقت یہ ہے کہ فقیر کو مال کا مالک بنایا جائے۔

(فتح القدیر ج ۲ ص ۲۷۲، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

تملیک کی رکنیت کے دلائل کا تجزیہ

علامہ کاسانی نے تملیک پر یہ دلیل دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''واتوا الزکوٰۃ'' اور الایتاء کا معنی ہے کسی کو کسی چیز کا

مالک بنانا، ہم اب کتب لغت میں الایتاء کا معنی دیکھتے ہیں:

علامہ مجد الدین فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

الایتاء کا معنی ہے کسی کو کوئی چیز عطا کرنا۔ (قاموس ج ۴ ص ۴۳۰) علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے: الایتاء کا معنی ہے: العطاء۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۰) علامہ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے لکھا ہے کہ کشاف میں ہے: الایتاء کا معنی الاعطائی میں مشہور ہو گیا۔ اس کا اصل معنی ہے کسی چیز کو حاضر کرنا۔ (تاج العروس ج ۱۰ ص ۸ مطبوعہ المطبعۃ المیمنہ مصر ۱۳۰۶ھ)، کتب لغت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ الایتاء کا معنی تملیک ہے، اور قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اور وہاں اس کا معنی مالک بنانا متصور نہیں ہو سکتا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ۔ (ہود:۲۸)

(نوح نے) کہا: اے میری قوم! یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت دی ہو سو وہ تم پر مخفی کر دی گئی۔

فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۸۹ ۔ (الاعراف:۱۸۹)

پھر جب وہ زوجہ بوجھل ہو گئی تو ان دونوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ (اے رب!) اگر آپ نے ہمیں نیک بیٹا عطا فرمایا تو ہم ضرور بہ ضرور آپ کے شکر ادا کرنے والے ہو جائیں گے ○

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا۔ (الاعراف:۱۹۰)

پھر جب (اللہ نے) انہیں بہترین بچہ عطا فرما دیا۔

فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ۔ (البقرہ:۲۶۵)

تو اس باغ نے دگنا پھل دیا۔

اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ۔ (الکہف:۹۶)

مجھے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لا کر دو۔

اس لفظ کے تمام صیغوں اور قرآن مجید اور احادیث میں اس کے اطلاقات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ الایتاء کا معنی حاضر کرنا اور کسی چیز کو دینا اور مہیا کرنا ہے اور اس کے مفہوم میں تملیک داخل نہیں ہے۔

علامہ کاسانی اور علامہ ابن ہمام نے یہ بھی لکھا ہے کہ صدقہ کا معنی تملیک ہے۔ علامہ فیروز آبادی نے لکھا ہے: صدقہ وہ چیز ہے جس کو تم اللہ عزوجل کی ذات کے لیے دو۔ (قاموس ج ۳ ص ۳۶۸)، علامہ زبیدی نے لکھا ہے کہ صحاح میں مذکور ہے: جس چیز کو تم فقراء پر صدقہ کرو اور مفردات میں مذکور ہے: جس چیز کو انسان اپنے مال سے بطور عبادت نکالتا ہے جیسے زکوٰۃ، لیکن صدقہ اصل میں نفلی خیرات کو کہتے ہیں اور زکوٰۃ خیرات واجبہ کو۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۶۵، تاج العروس ج ۶ ص ۴۰۵)، ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ صدقہ کے لغوی معنی میں تملیک کا مفہوم داخل نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ادائیگی زکوٰۃ میں تملیک کا رکن نہ ہونا

ائمہ ثلاثہ نے زکوٰۃ کی جو تعریف بیان کی ہے اس میں تملیک کا ذکر نہیں کیا، ان کے نزدیک تملیک زکوٰۃ کا رکن ہے نہ شرط۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

کسی مخصوص چیز کو مخصوص مال سے اوصاف مخصوصہ کے ساتھ جماعت مخصوصہ کے لیے لینا شرعاً زکوٰۃ ہے۔ (الحاوی الکبیر ج ۴ ص

۳،دارالفکر، بیروت)

علامہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المالکی المتوفی ۱۱۲۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ زکوۃ کا اطلاق صدقہ واجبہ پر، صدقہ مستحبہ پر، نفقہ پر، عفو پر اور حق پر کیا جاتا ہے اور اس کی شرعی تعریف یہ ہے: سال گزرنے کے بعد نصاب کے ایک جز کو فقیر اور اس کی مثل کو دینا وہ فقیر غیر ہاشمی اور غیر مطلبی ہو، اس کا رکن اخلاص ہے، اس کا سبب ایک سال تک نصاب کا مالک ہونا ہے، اس کی شرط عقل، بلوغ اور حریت ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ دنیا میں واجب ساقط ہو جاتا ہے اور آخرت میں ثواب ملتا ہے اور اس کی حکمت مال کو میل کچیل سے پاک کرنا ہے۔

(شرح الزرقانی علی الموطا امام مالک ج ۲ ص ۱۳۴۔ ۱۳۵، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی ابن عربی مالکی کی اس تعریف کو ذکر کر کے لکھا ہے: یہ بہت عمدہ تعریف ہے لیکن وجوب کی شرط میں اختلاف ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۶۴، دارنشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ)

علامہ منصور بن یونس بہوتی متوفی ۱۰۴۶ھ لکھتے ہیں:

زکوۃ کا شرعی معنی یہ ہے کہ وہ حق ہے جو مالِ مخصوص میں جماعتِ مخصوصہ (فقراء وغیرہ) کے لیے وقتِ مخصوص میں واجب ہے یعنی نصاب پر سال گزرنے کے بعد، اور مالِ مخصوص سے مراد مویشی، سونا، چاندی (درہم، دینار) اور مالِ تجارت ہے۔

(کشاف القناع ج ۲ ص ۵۔ ٦، عالم الکتب، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

آخری چار مصارف میں تملیک کا اعتبار نہ کرنے کا ثمرہ

فقہاء احناف نے تملیک کے ثبوت میں جو دلیل دی ہے کہ اتوا اور صدقہ کرنے کا معنی فقیر کو مالک بنانا ہے وہ کتب لغت اور قرآن مجید کی آیات سے ثابت نہیں ہے، اور ائمہ ثلاثہ نے زکوۃ میں تملیک کو رکن یا شرط قرار نہیں دیا، البتہ سورۂ توبہ کی اس آیت میں مذاہب اربعہ کے مفسرین نے لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ میں لام کو تملیک کے لیے قرار دیا ہے اور وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ میں لام کی جگہ ''فی'' لانے کی وجہ ان مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ غلام آزاد کرنے اور مقروضوں کے قرض ادا کرنے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں پر خرچ کرنے کے لیے زکوۃ کی رقم کا ان کو مالک بنانا ضروری نہیں بلکہ زکوۃ کی رقم کو ان کی ضروریات اور مصلحتوں میں بھی خرچ کیا جا سکتا ہے، خصوصاً حنفی مفسرین میں سے علامہ خفاجی، علامہ شیخ زادہ، علامہ ابوسعود اور علامہ آلوسی کا یہی مختار ہے، سو اگر ہمارے علماء احناف اس نظریہ سے اتفاق کرلیں تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ دینی مدارس، مساجد، ہسپتالوں اور دیگر فلاحی کاموں پر زکوۃ کی رقم خرچ کی جا سکے گی اور حیلہ کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ہمارے اہلِ علم اور اہلِ فتویٰ حضرات کو اس پر غور کرنا چاہیے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بعض منافقین نبی اکرم کو مختلف طعنے دے کر اذیتیں پہنچاتے ہیں اور آپ کے متعلق کہتے ہیں: ''وہ تو سرتاپا کان ہیں''، آپ کہیے: ''وہ کان تمہاری بھلائی کے لیے ہیں، وہ اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں اور وہ تم میں سے ایمان رکھنے والوں کے لیے

سرتاپا رحمت ہیں' اور جو لوگ اللہ کے مکرم رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں، ان کے لیے دردناک عذاب تیار فرمایا ہوا ہےO" (التوبہ: ۶۱)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سراپا کان ہونے کی تحقیق

"وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ": یہ آیت منافقین کی ایک جماعت کے متعلق نازل ہوئی، یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء پہنچاتے تھے اور آپ کے متعلق ایسی باتیں کہتے تھے جو کہنی نہیں چاہئیں، پھر ان میں سے بعض نے کہا: ایسا نہ کرو، ہمیں یہ خطرہ ہے کہ جو بات تم کہتے ہو وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ جائے گی، پھر آپ ہمارا مواخذہ کریں گے، تو اُن منافقین میں سے الجلاس بن سوید نے کہا: بلکہ ہم جو چاہتے ہیں وہ کہتے رہیں گے، پھر ہم آپ کے پاس جائیں گے اور ان باتوں کا انکار کردیں گے جو ہم نے کہی ہیں، اور ہم قسم کھالیں گے تو پھر ہم جو کچھ کہیں گے اس میں آپ ہماری تصدیق کردیں گے، کیونکہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سراپا کان ہیں، یعنی سننے والے کان ہیں۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص ہر وہ بات سن لے جو اس کے متعلق کہی جائے اور اس کو قبول کرلے۔

اور محمد بن اسحاق بن یسار نے کہا: یہ آیت منافقین میں سے ایک مرد کے متعلق نازل ہوئی ہے جس کا نام نبتل بن الحارث تھا، اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، اس کی دونوں آنکھیں سرخ تھیں اور وہ بد ہیئت تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: جو شخص کسی شیطان کو دیکھنا چاہے وہ نبتل بن الحارث کو دیکھ لے، اور یہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں کو منافقین تک پہنچاتا تھا، اس سے کہا گیا: ایسا نہ کر، اس نے کہا: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو سراپا کان ہیں، ان سے جو بات کہی جائے وہ اس کی تصدیق کردیتے ہیں، پس ہم وہی کہیں گے جو ہم چاہیں گے، پھر ہم آپ کے پاس جاکر اللہ کی قسم اٹھا کر کہیں گے تو وہ ہماری تصدیق کردیں گے، تب اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ": یعنی وہ تمہارے لیے خیر اور اصلاح کی باتیں سنتے ہیں، شر اور فساد کی باتیں نہیں سنتے۔ یعنی اگر انہوں نے تمہاری کوئی بات سنی اور تمہاری تصدیق کردی تو وہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تم ان سے جھوٹ بولو اور وہ تمہاری بات کو قبول نہ کریں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا: "يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ": یعنی وہ اللہ کی تصدیق کرتے ہیں اور مومنین کی تصدیق کرتے ہیں۔ مومنین کی باتیں سن کر ان کی تصدیق کرتے ہیں نہ کہ منافقین کی۔

"وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ": یعنی ان کے کان سراپا رحمت ہیں، ان لوگوں کے لیے جو تم میں سے ایمان لاچکے ہیں۔

"وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۶۱": اور جو لوگ اللہ کے مکرم رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں، ان کے لیے دردناک عذاب تیار فرمایا ہوا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "منافقین آپ کے سامنے آپ کو راضی کرنے کی خاطر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ وہ ان کو راضی کرتے اگر وہ سچے مومن ہوتےO"

(التوبہ: ۶۲)

منافقین کا جھوٹے عذر تراش کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کی مذموم کوشش

''یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِیُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝٦٢'':

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ منافقین میں سے ایک مرد نے کہا: اللہ کی قسم! یہ لوگ (یعنی منافقین) ہم میں سب سے بہتر ہیں اور معزز ہیں، اور اگر (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے متعلق ناگوار باتیں کہتے ہیں تو وہ گدھے سے بھی بدتر ہیں۔ ایک مسلمان مرد نے ان کی یہ بات سن لی، اس نے کہا: اللہ کی قسم! سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں وہ حق ہے البتہ تو ضرور گدھے سے بھی بدتر ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچ گئی، آپ نے اس مرد کو بلایا اور اس سے پوچھا: ''تو نے جو بات کہی ہے اس بات کے کہنے پر تجھے کس نے برانگیختہ کیا تھا؟'' اس مرد نے قسم کھا کر کہا کہ یہ شخص جھوٹا ہے اور قسم کھا کر کہا کہ اس نے یہ بات نہیں کہی، اور مسلمان مرد نے کہا: اے اللہ! سچے کے صدق کو ظاہر فرما دیں اور جھوٹے کے کذب کو ظاہر فرما دیں، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِیُرْضُوْكُمْ''۔ (تفسیر الطبری ج ١١ ص ٥٤٠، دار عالم الکتب، ریاض، ١٤٣٤، تفسیر ابن ابی حاتم ج ٦ ص ١٨٢٨)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا انہیں یہ نہیں معلوم کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی تو اس کے لیے جہنم کی دائمی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہوگا، یہی اس کی سب سے بڑی رسوائی ہے ۝'' (التوبہ: ٦٣)

''اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْیُ الْعَظِیْمُ ۝٦٣'':

یعنی اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: کیا ان منافقین کو یہ علم نہیں ہے کہ وہ جھوٹی قسمیں کھا رہے ہیں تا کہ مسلمانوں کو راضی کریں اور وہ اپنے نفاق پر برقرار رہیں، اور بے شک جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتا ہے اور ان کی مخالفت کرتا ہے، تو بے شک اس کے لیے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔

(تفسیر الطبری ج ١١ ص ٥٤٠، دار عالم الکتب، ریاض، ١٤٣٤، تفسیر ابن ابی حاتم ج ٦ ص ١٨٢٨)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''منافقین اس سے ڈرتے ہیں کہ ان (مسلمانوں) پر کوئی ایسی سورت نازل ہو جائے جو ان کو منافقوں کے دلوں کے احوال کی خبر دے، آپ کہیے: ''تم بدستور مذاق اڑاتے رہو، بے شک اللہ تمہاری اس منافقت کو ظاہر فرمانے والے ہیں جس کے اظہار سے تم ڈرتے ہو'' ۝ (التوبہ: ٦٤)

''یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝٦٤'':

بے شک اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی تا کہ منافقین کے دلوں کی بات کو ظاہر فرما دیں، کیونکہ منافقین جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت کرتے اور آپ کے متعلق اور مسلمانوں کے متعلق نازیبا بات کہتے، تو وہ آپس میں کہتے: ''شاید اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری راز کی باتیں ان پر کھول دے گا''۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسول اکرم!) اگر آپ ان سے (ان کے مذاق اڑانے کی وجہ) پوچھیں تو

وہ ضرور کہیں گے: ''ہم تو یونہی ہنسی ہنسی میں باتیں کر رہے تھے اور مذاق کر رہے تھے''، آپ کہیے: ''کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں کا اور اس کے رسول کا مذاق اڑا رہے تھے؟''O (التوبہ: ۶۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا استہزاء کرنا اور آپ کی بے ادبی کرنے کا کفر ہونا

''وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝'':

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کی طرف جا رہے تھے اور آپ کے سامنے کچھ منافقین تھے تو وہ کہنے لگے: کیا یہ شخص یہ توقع رکھتا ہے کہ اس کے لیے شام کے محلات اور قلعے مفتوح کر دیے جائیں گے۔ ''ھیھات ھیھات'' یہ بہت دور کی خواہش ہے، تب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی اس بات پر مطلع فرما دیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور پوچھا؟ کیا تم نے ایسا کہا ہے؟ انہوں نے کہا: ''اے اللہ کے نبی! ہم تو محض مذاق اور دل لگی کرتے تھے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ''۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اب تم عذر نہ تراشو، بے شک تم اپنا ایمان ظاہر کرنے کے بعد کافر ہو چکے ہو، اور اگر ہم تمہارے ایک فریق کو اس کی ظاہری توبہ کی وجہ سے معاف فرما دیں تو دوسرے گروہ کو ضرور عذاب میں مبتلا فرمائیں گے کیونکہ وہی مجرم تھے O'' (التوبہ: ۶۶)

''لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝'':

اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تم میں سے ایک جماعت نے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیں گے، اور جس گروہ نے توبہ نہیں کی تو اس کو عذاب میں مبتلاء فرما دیں گے، کیونکہ وہ لوگ مجرم ہیں۔

(تفسیر الطبری ج ۱۱ ص ۵۴۰۔ ۵۴۸، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۲۴ھ، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۳۲، تفسیر مجاہد: ۲۷۲)

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۶۷

منافق مرد اور منافق عورتیں منافقت میں ایک دوسرے کے حصہ دار ہیں، وہ سب برائی کا حکم دیتے ہیں اور وہ سب نیک کاموں سے منع کرتے ہیں اور راہِ خدا میں خرچ کرنے سے اپنے مٹھیاں بند رکھتے ہیں، ان لوگوں نے اللہ کے احکام کو بھلا دیا، سو اللہ نے بھی ان کو ثواب سے محروم فرما دیا، بے شک منافقین ہی نافرمان ہیں O

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝۶۸

اللہ نے منافق مردوں، منافق عورتوں اور تمام کافروں کو دوزخ کی آگ کی وعید سنائی ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، وہ آگ ان کے عذاب کے لیے کافی ہے، اور اللہ نے ان پر لعنت فرمائی اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے ○

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٩﴾

اے منافقو! تم اُن لوگوں کی مثل ہو جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، وہ تم سے بہت زیادہ طاقت ور تھے اور اُن کے پاس اموال اور اولاد بھی تم سے زیادہ تھے، انہوں نے اپنے مقسوم سے فائدہ اٹھالیا، سو تم بھی اپنے مقسوم سے فائدہ اٹھالو جیسا کہ تم سے پہلے کافروں نے اپنے حصہ سے فائدہ اٹھالیا، اور تم بھی اُن کی طرح دنیاوی فوائد میں مشغول رہے، اُن لوگوں کے تمام نیک اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے، اور وہی لوگ نقصان میں مبتلاء ہیں ○

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ڏ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٧٠﴾

کیا ان کافروں کے پاس اُن سے پہلے لوگوں کی خبر نہیں پہنچی، قومِ نوح کی اور قومِ عاد کی اور قومِ ثمود کی اور قومِ ابراہیم کی اور مدین کے رہنے والوں کی، اور اُن بستیوں کے رہنے والوں کی جن کی بستیاں الٹ دی گئی تھیں، ان کے رسول ان کے پاس واضح معجزات اور دلائل لے کر آئے، پس اللہ کے یہ لائق نہ تھا کہ اللہ اُن پر ظلم فرماتے، لیکن وہ خود اپنی جانوں پر کفر کر کے ظلم کرتے تھے ○

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾

وقف لازم

ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، وہ لوگوں کو نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں اور وہ دائماً نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحمت فرمائیں گے، بے شک اللہ سب پر غالب، سب سے زیادہ حکمت والے ہیں ○

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾

اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں سے ایسی جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، ان کی رہائش دائمی جنتوں کے پاکیزہ گھروں میں ہے اور اللہ کی تھوڑی سی رضا بھی بہت بڑی ہے، اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''منافق مرد اور منافق عورتیں منافقت میں ایک دوسرے کے حصہ دار ہیں، وہ سب برائی کا حکم دیتے ہیں اور وہ سب نیک کاموں سے منع کرتے ہیں اور راہِ خدا میں خرچ کرنے سے اپنے مُٹھیاں بند رکھتے ہیں، ان لوگوں نے اللہ کے احکام کو بھلا دیا، سو اللہ نے بھی ان کو ثواب سے محروم فرمادیا، بے شک منافقین ہی نافرمان ہیں O'' (التوبہ:٦٧)

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ٥١٦ھ، التوبہ ٦٧ تا ٧٢ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ'': یعنی تمام منافقوں کا دین واحد ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سب نفاق پر جمع ہونے میں متفق ہیں۔ ''يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ'': یہ شرک کرنے اور نافرمانی کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

''وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ'': اور ایمان لانے اور اللہ کی اطاعت کرنے سے منع کرتے ہیں۔ ''وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ'': یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے باز رہتے ہیں۔ ''نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ'': انہوں نے اللہ عزوجل کی اطاعت کرنے کو ترک کردیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت اور توفیق کو ترک فرمادیا، اور ان کو عذاب میں مبتلاء فرمادیا۔ ''اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿﴾'': بے شک منافق ہی اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ نے منافق مردوں، منافق عورتوں اور تمام کافروں کو دوزخ کی آگ کی وعید سنائی ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، وہ آگ ان کے عذاب کے لیے کافی ہے، اور اللہ نے ان پر لعنت فرمائی اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے O'' (التوبہ:٦٨)

''وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ'': جہنم کا یہ عذاب اُن کے کفر کی سزا کے لیے کافی ہے، اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے بہت دور فرمادیا۔ ''وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٦٨﴾'': اور اُن کے لیے دوزخ کا دائمی عذاب ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے منافقو! تم اُن لوگوں کی مثل ہو جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، وہ تم سے بہت زیادہ طاقت ور تھے اور اُن کے پاس اموال اور اولاد بھی تم سے زیادہ تھے، انہوں نے اپنے مقسوم سے فائدہ

اٹھالیا، سوتم بھی اپنے مقسوم سے فائدہ اٹھالو جیسا کہ تم سے پہلے کافروں نے اپنے حصہ سے فائدہ اٹھالیا، اور تم بھی اُن کی طرح دنیاوی فوائد میں مشغول رہے، اُن لوگوں کے تمام نیک اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے، اور وہی لوگ نقصان میں مبتلاء ہیں O'' (التوبہ:٦٩)

''كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ'': یعنی تم نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے عدول کر کے ایسے برے کام کئے ہیں جیسے تم سے پہلے کافروں نے برے کام کئے تھے، سوتم پر بھی اسی طرح لعنت فرمائی گئی ہے، جس طرح اُن پر لعنت فرمائی گئی تھی۔

''كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً'': یعنی وہ لوگ جسمانی قوت میں تم سے بہت زیادہ تھے۔

''وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ'': پس دنیا میں جو اُن کے لیے خوش حالی مقدر فرمائی گئی تھی، اس سے انہوں نے حصہ اٹھایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور اس کے بدلہ میں آخرت کے اجر کو ترک کر دیا۔

''فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ'': اے کفار اور منافقو! تم نے بھی دنیا کی لذتوں سے اسی طرح عارضی فائدہ اٹھایا، جس طرح تم سے پہلے کافروں نے دنیاوی لذتوں سے عارضی فائدہ اٹھایا تھا۔ اور تم انہی کے طریقہ پر چلتے رہے۔ ''وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا'': اور تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے میں اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے میں اور مسلمانوں کا مذاق اڑانے میں اسی طرح مشغول رہے جس طرح تم سے پہلے کفار ان کاموں میں مشغول رہے تھے۔

''اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝'': یعنی جس طرح اُن کے نیک اعمال برباد ہو گئے تھے، اسی طرح تمہارے نیک اعمال بھی برباد ہو جائیں گے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں پر عمل کرو گے، ایک بالشت کو ایک بالشت کے برابر کرو گے اور ایک ہاتھ کو ایک ہاتھ کے برابر کرو گے حتیٰ کہ اگر وہ کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہوں تو تم بھی ان کی پیروی کرو گے، ہم نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا وہ یہود و نصاریٰ ہیں؟ آپ نے فرمایا: پھر اور کون؟

(صحیح البخاری: ٣٤٥٦، ٧٣٢٠، صحیح مسلم: ٢٦٦٩، سنن ابن ماجہ: ٣٩٩٤، مسند احمد: ١١٣٩١)

(موسوعة المعجم المفهرس لالفاظ الحديث النبوي الشريف ج ١٢ ص ١٨٧، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٣٤ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ٤٤٩ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ٤٣٥ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے ''لتتبعن سنن من کان قبلکم'' اس میں سین پر زبر ہے اور یہ سین پر پیش پڑھنے سے اولیٰ ہے کیونکہ بالشت اور ذراع صرف سَنَن میں استعمال ہوتے ہیں جس کا معنی ہے راستہ، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ آپ کی امت قیامت کے وقوع سے پہلے نئی نئی نکالی ہوئی بدعات کی پیروی کرے گی اور گمراہ کرنے والی خواہشوں کی پیروی کرے گی جیسا کہ فارس اور روم کی امتوں نے پچھلی امتوں کی پیروی کی حتیٰ کہ اکثر لوگوں کا دین متغیر ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بہ کثرت احادیث میں اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ آخر زمانہ شر ہے اور قیامت صرف بدترین مخلوق پر قائم ہو گی، اور بے شک دین خاص مسلمانوں کی وجہ سے قائم رہے گا جو دشمنوں سے نہیں ڈریں گے اور حق بات کہنے میں

صرف اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھیں گے، اور دین کے صحیح راستہ پر چلتے رہیں گے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۶۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے ''شبرا بشبر و ذراع بذراع'' اور دوسری روایت میں ہے ''شبرًا شبرًا و ذراعًا ذراعًا'' یعنی تم ایک ایک بالشت میں ان کی پیروی کرو گے اور ایک ایک ہاتھ میں ان کی پیروی کرو گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''کفارس والروم'' ان دو امتوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت میں یہی دو امتیں مشہور تھیں، فارس کے ملک میں کسریٰ بادشاہ تھا اور روم کے ملک میں قیصر بادشاہ تھا۔ الاسماعیلی کی روایت میں مذکور ہے: جیسا کہ فارس اور روم نے کیا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ومن الناس الا اولئك'' یعنی فارس اور روم کیونکہ وہ اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑے بادشاہ تھے اور ان کی رعیت سب سے زیادہ تھی اور ان کے ملک سب سے وسیع تھے۔

حدیث مذکور کی تائید میں دیگر روایات اور اسلامی فرقوں کا بیان

امام طبرانی نے المستورد بن شداد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ امت پہلوں کے طریقوں میں سے کسی چیز کو ترک نہیں کرے گی حتیٰ کہ اس طریقہ پر عمل کرے گی۔

اور امام شافعی نے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں پر سوار ہو گے خواہ وہ میٹھے ہوں یا کڑوے ہوں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

جن چیزوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا ہے، ان میں سے بڑی چیزیں واقع ہو چکی ہیں اور باقی عنقریب واقع ہوں گی۔

دین میں اپنی عقل اور اپنی رائے سے کوئی بات کہنے کی مذمت

علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے: اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ اپنی رائے سے کوئی بات کہنا مذموم ہے جب کہ اس کی کوئی اصل نہ ہو، اور ہشام بن عروہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد سے سنا کہ بنو اسرائیل کا معاملہ ہمیشہ درست رہا حتیٰ کہ ان میں ایسے بچے پیدا ہو گئے جو قیدیوں کے بیٹے تھے، پس انہوں نے اپنی رائے سے باتیں کہیں اور بنو اسرائیل کو گمراہ کر دیا، اور میرے والد یہ کہتے تھے ''السنن السنن'' کیونکہ سنن ہی دین کا قوام ہیں، اور اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ رائے پر عمل کرتے تھے اور سنتوں پر عمل کرنے کو ترک کر دیتے تھے، انہوں نے کہا کہ یہود اور نصاریٰ نے اس علم کو چھوڑ دیا جو ان کے ہاتھوں میں تھے حتیٰ کہ رائے پر مستقل عمل کیا۔

اور ابن ابی خیثمہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا کب متروک ہوگا؟ آپ نے فرمایا: جب تم میں وہ چیزیں ظاہر ہو جائیں جو بنی اسرائیل میں ظاہر ہوئی تھیں، جب تمہارے اچھے لوگ مداہنت کریں اور برے لوگ فحش کلام کریں اور حکومت کمینوں کے ہاتھ میں ہو اور فقہ رذیلوں کے ہاتھ میں ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: دین کا فساد اس وقت ہوگا جب علم چھوٹوں کی طرف سے آئے اور بڑوں کا اس پر عمل کرنا مشکل

ہو اور لوگوں کی فلاح اس وقت ہوگی جب علم بڑوں کی طرف سے آئے اور چھوٹے اس کی متابعت کریں۔ ابو عبید نے ذکر کیا کہ چھوٹوں سے مراد یہاں قدر اور مرتبت میں چھوٹے ہیں نہ کہ عمر میں چھوٹے۔ (فتح الباری ج ٨ ص ٤٥٦-٤٥٧، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا اِن کافروں کے پاس اُن سے پہلے لوگوں کی خبر نہیں پہنچی، قومِ نوح کی اور قومِ عاد کی اور قومِ ثمود کی اور قومِ ابراہیم کی اور مدین کے رہنے والوں کی، اور اُن بستیوں کے رہنے والوں کی جن کی بستیاں الٹ دی گئی تھیں، ان کے رسول ان کے پاس واضح معجزات اور دلائل لے کر آئے، پس اللہ کے یہ لائق نہ تھا کہ اللہ اُن پر ظلم فرماتے، لیکن وہ خود اپنی جانوں پر کفر کر کے ظلم کرتے تھے O'' (التوبہ: ٧٠)

''اَلَمْ یَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ'': یعنی کیا اِن منافقین کے پاس ان سے پہلے گزرے ہوئے اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے ہمارے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہمارے احکام کی خلاف ورزی کی تو ہم نے اُن کو کس طرح دنیا میں عذاب دیا اور اُن کو ہلاک فرما دیا۔ پھر گزرے ہوئے لوگوں کا ذکر فرمایا: ''قَوْمِ نُوْحٍ'': جن کو طوفان سے غرق فرما دیا تھا۔ ''وَّعَادٍ'': جن کو ایک آندھی سے ہلاک فرما دیا تھا۔ ''وَّثَمُوْدَ'': جن کو ایک زلزلہ سے ہلاک فرما دیا تھا۔ ''وَقَوْمِ اِبْرٰهِیْمَ'': جن سے اُن کو عطاء فرمائی ہوئی نعمتوں کو چھین لیا تھا اور نمرود کو ہلاک فرما دیا تھا۔ ''وَاَصْحٰبِ مَدْیَنَ'': یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم، جن کو سائبان کے عذاب سے ہلاک فرما دیا تھا۔ ''وَالْمُؤْتَفِكٰتِ'': یعنی قومِ لوط جن کی بستیوں کو الٹ پلٹ فرما دیا تھا۔

''اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ'': ان سب کے پاس ان کے رسول واضح دلائل اور معجزات لے کر آئے، سو انہوں نے اُن رسولوں کی تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی، جس طرح اے کافرو! تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کر رہے ہو۔

''فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝'': پس اللہ تعالیٰ اُن پر از خود ظلم نہیں فرماتے لیکن وہ کفر کو اختیار کر کے اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، وہ لوگوں کو نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں اور وہ دائماً نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحمت فرمائیں گے، بے شک اللہ سب پر غالب، سب سے زیادہ حکمت والے ہیں O'' (التوبہ: ٧١)

''وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ'': یعنی مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں دین کے احکام کی تعمیل کرنے میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ ''یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ'': وہ ایمان لانے اور نیک کام کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

''وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ'': وہ شرک کرنے اور اللہ کی نافرمانی کرنے سے منع کرتے ہیں۔ ''وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝'': وہ دائماً نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحمت فرمائیں گے، بے شک اللہ

سب پر غالب، سب سے زیادہ حکمت والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں سے ایسی جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، ان کی رہائش دائمی جنتوں کے پاکیزہ گھروں میں ہے اور اللہ کی تھوڑی سی رضا بھی بہت بڑی ہے، اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے O'' (التوبہ: ٧٢)

''وَعَدَاللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِىْ جَنّٰتِ عَدْنٍ'': یعنی اُن کے لیے دائمی جنتوں میں پاکیزہ رہائش گاہیں ہیں۔ مقاتل اور الکلبی نے کہا ہے: ''جَنّٰتِ عَدْنٍ'' جنت کا سب سے بلند درجہ ہے، اس جنت میں تسنیم (جنت کا دریا) ہے اور اس کے اردگرد باغات ہیں، جب سے اللہ تعالیٰ نے اس جنت کو پیدا فرمایا ہے اس کو ڈھانپ کر رکھا ہے حتیٰ کہ اس جنت عدن میں اس کے اہل داخل ہو جائیں اور وہ انبیاء علیہم السلام ہیں اور صدیقین ہیں اور شہداء ہیں اور صالحین ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ ان میں داخل کرنا چاہیں، اور اس میں موتیوں اور یاقوت اور سونے کے محلات ہیں۔ ''وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَالْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝'': یعنی ان تمام نعمتوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی رضا ہے جو اس جنت میں ان کو ملے گی، اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل اہلِ جنت سے فرمائیں گے: اے اہلِ جنت! تو وہ عرض کریں گے: ہم حاضر ہیں اے ہمارے رب! اور ہم آپ کی اطاعت کے لیے تیار ہیں اور خیر آپ کے دونوں ہاتھوں میں ہے، پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم راضی نہ ہوں حالانکہ آپ نے ہمیں اتنا کچھ عطا فرمایا ہے جو آپ نے اپنی مخلوق میں سے کسی ایک کو بھی عطا نہیں فرمایا، اللہ عزوجل ارشاد فرمائیں گے: کیا میں تم کو اس سے زیادہ افضل چیز عطا نہ فرماؤں؟ سو وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! اس سے زیادہ افضل اور کون سی چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: میں تمہارے اوپر اپنی رضا کو حلال فرما دیتا ہوں، پس اس کے بعد میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ (صحیح البخاری: ٦٥٤٩، ٧٥١٨، صحیح مسلم: ٢٨٢٩، سنن ترمذی: ٢٥٥٥، مسند احمد: ١١٤٢٥)

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف، ج ١١ ص ٥٤٣، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٣٤ھ)

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور خیر آپ کے دونوں ہاتھوں میں ہے'' اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ شر بھی تو اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھوں میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور مؤثر اور خالق نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف حسن کی نسبت کی جائے، نیز اللہ تعالیٰ جو کام بھی فرماتے ہیں وہ خیر ہی ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''میں تمہیں اس سے افضل چیز عطا فرماتا ہوں اور فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا ہے''۔ اس پر یہ سوال ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ سے ملاقات یہ افضل نعمت نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ میں ہمیشہ تم سے راضی رہوں گا اور کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ (عمدۃ القاری ج ٢٥ ص ٢٦١، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾

اے نبی مکرم! کفار اور منافقین کے خلاف جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے O

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

منافقین اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے (آپ کا مذاق اڑا کر کفریہ کلمات) نہیں کہے، حالانکہ انہوں نے ضرور کفریہ کلمات کہے ہیں اور انہوں نے اسلام ظاہر کرنے کے بعد کفر کو اختیار کیا اور انہوں نے اس چیز کا قصد کیا جس کو وہ نہیں پا سکے، اور ان منافقین کو صرف یہ ناگوار ہوا کہ اللہ نے اور اس کے رسول نے ان کو اپنے فضل سے خوش حال بنا دیا، پس اگر وہ (ان کفریہ کلمات سے) توبہ کر لیں تو یہ اُن کے لیے بہت بہتر ہے اور اگر وہ اس سے اعراض کریں تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں سخت دردناک عذاب دیں گے، اور ان کے لیے زمین میں نہ کوئی حامی ہوگا اور نہ مددگار O

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

اور ان منافقین میں سے بعض لوگوں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا: ''کہ اگر اللہ نے ہم کو اپنے فضل سے مال عطا فرمایا تو ہم ضرور بہ ضرور صدقہ دیں گے اور ہم ضرور بہ ضرور نیکوکاروں میں شامل ہو جائیں گے'' O

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾

پھر جب اللہ نے اپنے فضل سے ان کو مال عطا فرما دیا تو انہوں نے اس مال کے ساتھ بخل کیا اور پیٹھ پھیرتے ہوئے پلٹ گئے O

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾

پس (اس کی سزا میں) اللہ تعالیٰ نے یوم آخرت تک ان کے دلوں میں نفاق کو راسخ فرما دیا، کیونکہ انہوں نے اللہ سے کئے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی اور کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تھے O

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾ج

کیا اِن منافقین کو یہ معلوم نہیں کہ بے شک اللہ اِن کے دلوں میں چھپی ہوئی ہر بات کو اور ان کی تمام سرگوشیوں کو خوب جانتے ہیں اور بے شک اللہ تمام غیوب کے بہت زیادہ جاننے والے ہیں O

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ط سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾

یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے نفلی صدقات پر طعنہ زن ہوتے ہیں اور اُن مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں جنہیں صدقہ دینے کے لیے اپنی محنت مزدوری کے علاوہ اور کچھ نہیں ملتا تھا، سو یہ (کم مال سے صدقہ کرنے پر) اُن کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ اِن کو اِن کے مذاق اڑانے کی سزا دیں گے، اور ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے O

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾ع

(اے رسولِ اکرم!) آپ اِن منافقین کے لیے مغفرت کی دعا کریں یا مغفرت کی دعا نہ کریں (برابر ہے)، اگر آپ ان کے لیے ستر (۷۰) مرتبہ بھی مغفرت کی دعا کریں تو اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہیں فرمائیں گے، کیونکہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کو اختیار کیا، اور اللہ نافرمانی کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں عطا فرماتے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے نبی مکرم! کفار اور منافقین کے خلاف جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے O'' (التوبہ: ۷۳)

کفار اور منافقین کے خلاف جہاد کرنے کے متعلق مفسرین کے اقوال

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، التوبہ: ۷۳ تا ۸۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ'': رہا کفار کے خلاف جہاد کرنا تو وہ تلوار اور اسلحہ سے ہے، اور رہا منافقین کے خلاف جہاد کرنا تو اس کے متعلق دو قول ہیں: (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری، الضحاک اور ربیع بن انس نے کہا: ان کے خلاف زبان سے دلائل کے ساتھ جہاد کیجئے۔ (۲) حسن بصری اور قتادہ نے کہا: اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے خلاف جہاد کرنے کا حکم فرمایا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شخصاً شخصاً منافقین سے واقف تھے تو آپ نے ان کو قتل کیوں نہیں کیا اور انہیں قتل کئے بغیر کیوں چھوڑ دیا۔

اس سوال کا جواب کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم منافقین سے فرداً فرداً واقف تھے اور ان کے نفاق پر مطلع تھے، تو آپ نے ان کو قتل کیوں نہیں فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو اُن کے خلاف تلوار سے لڑنے کا حکم فرمایا تھا جو صراحتاً کلمۂ کفر کا اظہار کریں اور اس پر ڈٹے رہیں، لیکن جن کے کلمۂ کفر پر آپ مطلع فرما دیئے گئے اور کلمۂ کفر کرنے والوں نے انکار کیا اور قسم کھائی کہ انہوں نے یہ کفریہ کلمات نہیں کہے اور میں مسلمان ہوں، تو آپ کو حکم فرمایا گیا کہ آپ ان کے ظاہرِ اسلام کو قبول کرلیں اور اِن کے دلوں میں جو خباثت ہے اس کا تجسس نہ کریں۔

''وَاغۡلُظۡ عَلَیۡهِمۡ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آپ انتہائی سختی کے ساتھ ان کو جھڑکیں اور ان پر ناراضی کا اظہار کریں۔

برائی کو مٹانے اور متغیر کرنے کے مراتب

طارق بن شہاب بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے عید کے دن نمازِ عید سے پہلے خطبہ پڑھنے کی ابتداء کی وہ مروان تھا، پس ایک مرد نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا کہ نمازِ عید خطبہ سے پہلے پڑھی جاتی ہے، سو مروان نے کہا: جو کام تم جانتے ہو اس کو اب ترک کر دیا گیا ہے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: رہا یہ مرد تو اس پر جو حق واجب تھا اس نے اس کو ادا کر دیا ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''تم میں سے جو شخص کسی غلط یا برے کام کو دیکھے تو اس کو اپنی قوت سے بدل دے، پس اگر اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے اس کے خلاف کہے، اور اگر اس کی طاقت بھی نہ رکھے تو دل سے اس کام کو غلط اور برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے''۔

(صحیح مسلم: ٤٩، سنن ابن ماجہ: ١٢٧٥، ٤٠١٣، سنن ابوداؤد: ١١٤٠، سنن ترمذی: ٢١٧٢، سنن نسائی: ٥٠٠٨، صحیح ابن حبان: ج١ ص ٥٤١، رقم الحدیث: ٣٠٦، المعجم الکبیر للطبرانی: ٩٥٥، مسند احمد: ١١٥٠، مسند ابویعلیٰ: ١٢٦٣، مسند ابوداؤد الطیالسی: ٢٢٢٤، مشکل الآثار للطحاوی: ١٣٦٩، شعب الایمان للبیہقی: ٧٥٥٩، مصنف عبدالرزاق: ٥٦٤٩، المنتخب من مسند عبد بن حمید: ٩٠٦، السنن الکبریٰ للبیہقی: ٦٢٠٢، شرح السنہ للبغوی ج ١٤ ص ٣٤٩، موارد الظمآن ج ٥ ص ٦١، الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج ٤ ص ٧٩)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ زبان سے منافق کو اس کی غلط بات پر ٹوکے، اور الضحاک نے کہا: اُن کے خلاف سختی سے کلام کرے، اور حسن بصری اور قتادہ نے کہا: اُن کے خلاف حدود قائم کریں۔ عطاء بن ابی رباح نے کہا کہ کفار اور منافقین کو معاف کرنے اور اُن سے درگزر کرنے کے متعلق جتنی آیات نازل ہوئی تھیں، ان تمام آیات کا حکم اس آیت سے منسوخ ہو گیا ہے۔ (معالم التنزیل ج ٢ ص ٣٠٧، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤٢٠ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''منافقین اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے (آپ کا مذاق اڑا کر کفریہ کلمات) نہیں کہے، حالانکہ انہوں نے ضرور کفریہ کلمات کہے ہیں اور انہوں نے اسلام ظاہر کرنے کے بعد کفر کو اختیار کیا اور انہوں نے اس چیز کا قصد کیا جس کو وہ نہیں پا سکے، اور اِن منافقین کو صرف یہ ناگوار ہوا کہ اللہ

نے اور اس کے رسول نے ان کو اپنے فضل سے خوش حال بنا دیا، پس اگر وہ (ان کفریہ کلمات سے) توبہ کر لیں تو یہ اُن کے لیے بہت بہتر ہے اور اگر وہ اس سے اعراض کریں تو اللہ اِن کو دنیا اور آخرت میں سخت دردناک عذاب دیں گے، اور اِن کے لیے زمین میں نہ کوئی حامی ہوگا اور نہ مددگار O'' (التوبہ: ۷۴)

التوبہ: ۷۴ کے شانِ نزول میں تین اقوال

''يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَاقَالُوْا'': اس آیت کے سببِ نزول کے متعلق تین اقوال ہیں:

(۱) ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقین کا ذکر کیا، پس ان کی مذمت کی تو منافقین میں سے الجلاس بن سوید نے کہا: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے بھائیوں کے متعلق جو بات کہہ رہے ہیں اگر یہ بات حق ہے تو پھر ہم لوگ گدھے سے بھی بدتر ہیں، پس حضرت عامر بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور صادق ہیں اور تم ضرور گدھے سے بھی بدتر ہو، اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر دے دی، پس الجلاس آیا اور اس نے کہا: میں نے کچھ نہیں کہا تھا اور انہوں نے منبرِ رسول کے پاس قسمیں کھا لیں، تب یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) قتادہ نے بیان کیا کہ عبداللہ بن اُبَی نے کہا: اللہ کی قسم! اگر ہم مدینہ واپس پہنچے تو مدینہ سے عزت والے ذلت والوں کو نکال دیں گے، ایک مسلمان مرد نے یہ بات سُن لی، اس نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن اُبَی کو بلایا اور پوچھا تو اس نے قسم کھالی اور کہا کہ میں نے یہ نہیں کہا تھا۔

(۳) الضحاک نے بیان کیا کہ منافقین جب خلوت میں ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی مذمت کرتے اور آپ کے دین پر طعنہ زن ہوتے، حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر دے دی تو منافقین نے قسمیں کھائیں کہ انہوں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔

منافقین کے کلمۂ کفر کہنے کے متعلق چار اقوال اور ان کی اپنی مہم میں ناکامی

''وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ'': رہا یہ کہ قرآنِ مجید نے جس کلمۂ کفر کا ذکر فرمایا ہے وہ کیا ہے، سو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذمت کرنا اور دین میں طعنہ زن ہونا ہے۔

''وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا'': اس آیت کی تفسیر میں چار اقوال ہیں:

(۱) قتادہ نے بیان کیا کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی کے متعلق اس وقت نازل ہوئی جب اس نے کہا: اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹ گئے تو عزت والے ذلت والوں کو نکال دیں گے۔ اور عبداللہ بن اُبَی اور اس کے حامی اپنے اس مقصد میں ناکام ہو گئے۔

(۲) مقاتل نے بیان کیا: یہ آیت اُن پندرہ مردوں کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تھا، ان پندرہ مردوں نے لیلۃ العقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تھا اور وہ اپنے مقصد میں ناکام ہو گئے۔

(۳) مجاہد نے کہا: جب بعض منافقین نے یہ کہا کہ ''(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو کہتے ہیں اگر وہ برحق ہے تو پھر ہم گدھے سے بھی بدتر ہیں''، سو ایک مسلمان مرد نے کہا: تم ضرور گدھے سے بھی بدتر ہو، تو اس منافق نے اس مرد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور وہ اپنے اس

مقصد میں نا کام رہا۔

(۴) منافقین نے غزوۂ تبوک میں یہ کہا: ''جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو ہم عبداللہ بن ابی کے سر پر تاج رکھ دیں گے اور اس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فخر کریں گے''، سو وہ اپنے اس مقصد میں نا کام ہو گئے۔

(تفسیر الطبری ج ۱۱ ص ۵۶۹، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، مصنف عبدالرزاق: ۱۸۳۰۳، طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۷۵ ۳، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۴۶، الاصابہ ج ۴ ص ۷۱۹، سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۵۱۹، تفسیر مجاہد ص ۳۷۲)

''وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ میں آنے سے پہلے یہ لوگ بہت تنگی سے زندگی گزارتے تھے، جب آپ تشریف لے آئے تو یہ خوش حال ہو گئے اور ان کو بہ کثرت اموال مل گئے۔ قتادہ نے کہا: یہ آیت عبداللہ بن اُبی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اور عُروہ نے بیان کیا کہ یہ شخص الجلاس بن سوید تھا، اس کے ایک آزاد کردہ غلام کو قتل کر دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی دیت ادا کرنے کا حکم فرمایا، تو وہ خوش حال ہو گیا۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی: ''فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَكُ خَیْرًا لَّهُمْ'' تو جلاس نے کہا: میں اللہ عزوجل کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

''وَاِنْ یَّتَوَلَّوْا'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: یعنی اگر یہ ایمان لانے سے پیٹھ پھیریں جیسا کہ عبداللہ بن اُبی نے پیٹھ پھیری تھی ''یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ'': تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں قتل کرنے کا حکم دے کر عذاب فرمائیں گے اور آخرت میں دوزخ کے عذاب میں مبتلا فرمائیں گے۔

''وَمَا لَهُمْ فِی الْاَرْضِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝'': اور ان کے لیے زمین میں نہ کوئی حامی ہوگا اور نہ مددگار۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ان منافقین میں سے بعض لوگوں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا: ''کہ اگر اللہ نے ہم کو اپنے فضل سے مال عطا فرمایا تو ہم ضرور بہ ضرور صدقہ دیں گے اور ہم ضرور بہ ضرور نیکو کاروں میں شامل ہو جائیں گے'' ○ (التوبہ: ۷۵)

عام مفسرین کا التوبہ: ۷۵ کا مصداق حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ بدری صحابی کو قرار دینا اور مصنف کے نزدیک حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ اس آیت کا مصداق قرار پانے سے قطعاً بری ہیں، کیونکہ بدری صحابہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مغفرت کی نوید سنائی ہے، لہٰذا وہ اس آیت کے مصداق نہیں ہیں دراصل اس آیت کا مصداق ثعلبہ بن ابی حاطب منافق ہے لیکن عام مفسرین نے نام کے اشتباہ کی وجہ سے اس آیت کا مصداق حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کو قرار دے ڈالا، اس سلسلہ میں مصنف کی تحقیق

التوبہ: ۷۵ کے شانِ نزول کے متعلق چار اقوال

''وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ'': اس آیت کے سبب نزول میں چار اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ثعلبہ بن حاطب الانصاری (اس نام کے دو مرد تھے، ایک ثعلبہ بن ابی حاطب الانصاری تھا، یہ منافق تھا اور دوسرے حضرت ثعلبہ بن حاطب الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں، یہ بدری صحابی ہیں۔ سعیدی غفرلہ)، یہ آیت اس منافق ثعلبہ بن ابی حاطب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، پس اس نے کہا: یا رسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ مجھے مال عطا فرمائیں، آپ نے فرمایا: اے ثعلبہ! تم پر افسوس ہے، تم کم شکر ادا کرتے ہو اور زیادہ مال کی نعمت کا تم شکر ادا نہیں کر سکتے۔ اس نے دوبارہ کہا تو آپ نے فرمایا: کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ تم اللہ کے نبی کی مثل ہو جاؤ؟ پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر میں چاہتا تو سونے اور چاندی کے پہاڑ میرے ساتھ چلتے، ثعلبہ نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! اگر آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا فرمائے تو میں ضرور ہر حق دار کو اس کا حق ادا کروں گا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! ثعلبہ کو مال عطا فرمائیں، سو اس نے بکریاں پالیں اور ان میں بہت اضافہ ہو گیا حتیٰ کہ ان بکریوں کے ریوڑوں سے مدینہ تنگ ہو گیا، پھر وہ مدینہ کی وادیوں میں سے ایک وادی میں آ کر ٹھہرا اور ظہر اور عصر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا تھا اور ان کے سوا باقی نمازوں کو چھوڑ دیتا تھا، پھر اس کی بکریوں میں اور اضافہ ہوا حتیٰ کہ اس نے الجمعہ کے سوا تمام نمازوں کو ترک کر دیا، پھر اس کی بکریوں میں اور اضافہ ہوا تو پھر اس نے الجمعہ کو بھی ترک کر دیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے سوال کیا اور اس کی کارگزاری کی خبر دی، پس آپ نے فرمایا: افسوس اے ثعلبہ! افسوس اے ثعلبہ! افسوس اے ثعلبہ! اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی: "خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَ تُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَ صَلِّ عَلَيۡهِمۡ ۔۔۔ (التوبہ: ۱۰۳)" (اے رسولِ اکرم!) ان لوگوں کے اموال سے زکوٰۃ وصول کیجئے جو ان کے اموال کو پاک کر دے گی اور ان کے باطن کو صاف کر دے گی اور ان کے حق میں دعائے خیر کیجئے)۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مردوں کو ثعلبہ سے بکریوں کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا اور ان کو اپنا ایک مکتوب لکھ کر روانہ فرمایا کہ وہ ان دونوں سے زکوٰۃ وصول کریں، وہ دونوں ثعلبہ کے پاس آئے اور اس سے بکریوں کی زکوٰۃ سے متعلق سوال کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب پڑھ کر سنایا، تو ثعلبہ نے کہا: یہ تو صرف ٹیکس ہے، میں نہیں جانتا یہ کیا ہے، تم دونوں چلے جاؤ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ثعلبہ کے رشتہ داروں میں سے کوئی مرد تھا، وہ بھی ثعلبہ کے پاس گیا اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوب کی خبر دی، پھر ثعلبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے سوال کیا کہ آپ اس سے زکوٰۃ کو قبول فرما لیں، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری زکوٰۃ کو قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے، پھر وہ اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا، آپ نے فرمایا: یہ تمہارے عمل کا نتیجہ ہے، میں نے تمہیں حکم دیا تھا، تم نے میری بات نہیں مانی، پھر وہ اپنے گھر لوٹ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو گئی اور آپ نے اس سے کچھ قبول نہیں فرمایا تھا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، ثعلبہ نے اُن سے کہا کہ آپ اس سے زکوٰۃ کو قبول کر لیں، سو انہوں نے انکار کیا، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو اس نے اُن سے سوال کیا کہ وہ اس سے زکوٰۃ کو قبول کر لیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو اس نے ان سے سوال کیا کہ وہ اس کی زکوٰۃ کو قبول کر لیں، تو انہوں نے فرمایا: تمہاری زکوٰۃ کو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمایا تھا نہ ابوبکر نے قبول کیا تھا اور نہ عمر نے قبول کیا تھا اور نہ میں قبول کروں گا، اور ثعلبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہو گیا۔

(تفسیر الطبری ج ١١ ص ٥٧٨-٥٨٠، دار عالم الکتب، ریاض، ١٤٣٤ھ، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ٦ ص ١٨٤٩، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ٥ ص ٢٨٩، تہذیب الکمال ج ٢٨ ص ١٥٧، الاحاد والمثانی لامام ابن ابی عاصم: ٢٢٥٣، کتاب المعرفہ لابی نُعیم: ١٣٧٥، تاریخ دمشق لابن عساکر ج ١٢ ص ٩، شرح السنہ للبغوی ج ٤ ص ٧٥-٧٦، اسد الغابہ لابن الاثیر ج ١ ص ٢٨٣-٢٨٤، المعجم الکبیر للطبرانی: ٧٨٧٣، شعب الایمان للبیہقی: ٤٣٥٧، مجمع الزوائد ج ٧ ص ٣٢)

میں کہتا ہوں: جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے، یہ قصہ ثعلبہ بن ابی حاطب الانصاری المنافق سے متعلق ہے نہ کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے جو کہ بدری صحابی ہیں، بعض مفسرین کو اس میں مغالطہ ہوا اور انہوں نے اس قصہ کو حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ سے جوڑ دیا، حالانکہ وہ رضی اللہ عنہ اس سے بری ہیں۔

جن مفسرین نے التوبہ: ٧٥ کا مصداق حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ کو قرار دیا، ان مفسرین کے اسماء اوران کی تفاسیر کے مختصر اقتباسات

صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی حنفی متوفی ١٣٦٧ھ، لکھتے ہیں:

ثعلبہ بن حاطب نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اس کے لئے مال دار ہونے کی دعا فرمائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ثعلبہ تھوڑا مال جس کا تو شکر ادا کرے اس سے بہتر ہے جس کا شکر ادا نہ کر سکے۔ دوبارہ پھر ثعلبہ نے حاضر ہو کر یہی درخواست کی اور کہا: اسی کی قسم! جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا کہ اگر وہ مجھے مال دے گا تو میں ہر حق والے کا حق ادا کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، اللہ تعالیٰ نے اس کی بکریوں میں برکت فرمائی اور اتنی بڑھیں کہ مدینہ میں ان کی گنجائش نہ رہی تو ثعلبہ ان کو لے کر جنگل میں چلا گیا اور جمعہ و جماعت کی حاضری سے بھی محروم ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حال دریافت فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا کہ اس کا مال بہت کثیر ہو گیا ہے اور اب جنگل میں بھی اس کے مال کی گنجائش نہ رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثعلبہ پر افسوس! پھر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس زکوٰۃ کے تحصیل (حاصل) کرنے والے بھیجے، لوگوں نے انہیں اپنے اپنے صدقات دیئے، جب ثعلبہ سے جا کر انہوں نے صدقہ مانگا، اس نے کہا کہ یہ تو ٹیکس ہو گیا، جاؤ میں سوچ لوں۔ جب یہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے تو حضور نے ان کے کچھ عرض کرنے سے قبل دو مرتبہ فرمایا: ثعلبہ پر افسوس! تو یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر ثعلبہ صدقہ لے کر حاضر ہوا تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے قبول فرمانے کی ممانعت فرمادی، وہ اپنے سر پر خاک ڈال کر واپس ہوا، پھر اس صدقہ کو خلافت صدیقی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا۔ انہوں نے بھی اسے قبول نہ فرمایا۔ پھر خلافت فاروقی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا، انہوں نے بھی قبول نہ فرمایا اور خلافت عثمانی میں یہ شخص ہلاک ہو گیا۔ (مدارک)

(ترجمہ کنز الایمان مع تفسیر خزائن العرفان، ص ٣٧٣، مکتبۃ المدینہ، کراچی، ١٤٣٢ھ)

شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی متوفی ١٣٦٤ھ، التوبہ: ٧٥ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ ثعلبہ بن حاطب نامی ایک شخص نے آپ سے کثرت مال کی دعا کرائی، آپ نے سمجھا کہ مصلحت نہیں، اس نے کہا کہ میں نیک کاموں میں صرف کیا کروں گا۔ غرض آپ کی دعا سے وہ مالدار ہو گیا، جب زکوٰۃ کا وقت آیا تو کہنے لگا کہ اس

میں اور جزیہ میں کیا فرق ہے اور زکوٰۃ نہ دی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ''وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ۔۔۔ (التوبہ:۷۵)''
(تفسیر بیان القرآن ج ۲ ص ۱۴۷، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور)

شیخ شبیر احمد عثمانی دیوبندی متوفی ۱۳۶۹ھ، التوبہ: ۷۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
ایک شخص ثعلبہ بن حاطب انصاری نے حضرت سے عرض کیا کہ میرے حق میں دولت مند ہو جانے کی دعا فرما دیجئے۔۔۔
(ترجمہ قرآن مع تفسیر ص ۲۶۳، مجمع الملک فہد الطباعۃ المصحف شریف، سعودی عربیہ)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۹۷۶ء، التوبہ: ۷۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
ایک شخص ثعلبہ ابن حاطب انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ درخواست کی کہ آپ دعا کریں کہ میں مال دار ہو جاؤں۔ (معارف القرآن ج ۴ ص ۴۲۶، ادارۃ المعارف، کراچی)

مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی متوفی ۱۳۹۱ھ، التوبہ: ۷۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
یہ آیت ثعلبہ ابن حاطب کے متعلق نازل ہوئی جو پہلے غریب تھا۔۔۔
(تفسیر نور العرفان ص ۳۱۶، ادارہ کتب اسلامیہ، گجرات، پاکستان)

میں کہتا ہوں کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں اور بعض مفسرین نے ان کے متعلق جو یہ قصہ منسوب کر دیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مال میں افزائش کی دعا کی درخواست کی تھی، سو اُن کے مال میں افزائش ہوئی اور پھر انہوں نے زکوٰۃ نہیں دی، سو یہ قصہ حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کی طرف افتراء ہے اور وہ اس سے بری ہیں، دراصل وہ منافق ایک دوسرا شخص ہے جس کا نام ثعلبہ بن ابی حاطب تھا۔

جن علماءِ رجال نے حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ صحابی رسول کو منافق قرار دے کر انہیں ''وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ۔۔۔ (التوبہ:۷۵)'' کا مصداق قرار دیا

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی المالکی المتوفی ۴۶۳ھ، حضرت ثعلبہ بن حاطب کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:
ثعلبہ بن حاطب بن عمرو بن عبید بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ثعلبہ بن حاطب کو معتب بن عوف بن الحمراء کا بھائی قرار دیا۔

ثعلبہ بن حاطب غزوۂ بدر میں اور غزوۂ احد میں حاضر تھے اور وہی صدقہ دینے سے انکار کرنے والے تھے۔ قتادہ اور سعید بن جبیر نے کہا ہے: انہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: ''وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞۔۔۔ (التوبہ:۷۵)''، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہو گئے تھے، دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہوئے تھے۔ اس کے بعد حضرت ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ قصہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہ اصرار کہا کہ آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے مال عطا فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ثعلبہ! وہ قلیل مال جس کا تم شکر ادا کرتے رہو، اس کثیر مال سے بہتر ہے جس کا شکر ادا کرنے کی تم طاقت نہ رکھو۔ پھر پورا قصہ بیان کیا۔
(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۱ ص ۲۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

عزالدین ابن الاثیر ابوالحسن علی بن محمد الجزری المتوفی ۶۳۰ھ، ثعلبہ بن حاطب کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

ثعلبہ بن حاطب بن عمرو بن عبید بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن الاوس الانصاری الاوسی، امام محمد بن اسحاق اور امام موسیٰ بن عقبہ نے کہا: یہ غزوۂ بدر میں حاضر تھے اور یہ وہی ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ آپ اللہ سے دعا کریں کہ ان کو مال عطا فرمائیں۔ پھر اس کے بعد وہی پورا قصہ لکھا ہے۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج ۱ ص ۴۶۲۔ ۴۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

جن مفسرین نے حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ صحابی رسول کو منافق قرار دے کر انہیں ''وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ ... (التوبہ: ۷۵)'' کا مصداق قرار دیا

(۱) امام ابوالحسن مقاتل بن سلیمان بن بشیر البلخی المتوفی ۱۵۰ھ، التوبہ: ۷۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے بخل کیا اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے سے انکار کر دیا۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان، ج ۲ ص ۱۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

(۲) امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، لکھتے ہیں:

کیا تم نہیں دیکھتے کہ ثعلبہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدید اصرار کیا کہ آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ اللہ ان کو مال عطا فرمائیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے ان کے دل میں نفاق کو داخل فرما دیا۔

(تاویلات اہل السنہ، ج ۵ ص ۴۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

(۳) ابواللیث نصر بن محمد بن احمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، لکھتے ہیں:

ابوامامہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب الانصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجیے کہ وہ مجھے مال عطا فرمائیں۔ اس کے بعد وہی زکوٰۃ نہ دینے کا پورا قصہ بیان کیا ہے۔

(تفسیر السمرقندی ج ۲ ص ۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

(۴) امام ابواسحاق احمد بن محمد الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ، لکھتے ہیں:

حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب الانصاری رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ: آپ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا فرمائیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: افسوس اے ثعلبہ وہ قلیل مال جس کا تم شکر ادا کر سکو، اس کثیر مال سے بہتر ہے جس کا تم شکر ادا نہ کر سکو۔ الی آخر القصہ۔

(الکشف والبیان المعروف بہ تفسیر الثعلبی، ج ۵ ص ۷۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

(۵) علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی البصری المتوفی ۴۵۰ھ، لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل کا ارشاد: ''وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝ -- (التوبہ: ۷۵)'' اور اس کے بعد کی آیتیں حضرت ثعلبہ بن حاطب الانصاری رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔

(النکت والعیون ج ۲ ص ۳۸۴، موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت)

(۶) علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری المتوفی ۴۶۸ ھ، لکھتے ہیں:

حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب الانصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے مال عطا فرمائیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افسوس اے ثعلبہ! وہ قلیل مال جس کا تم شکر ادا کرتے رہو، اس کثیر مال سے بہتر ہے جس کا شکر ادا کرنے کی تم طاقت نہ رکھو۔ پھر پورا قصہ بیان کیا۔

(الوسیط، ج ۲ ص ۵۱۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

(۷) علامہ ابوالمظفر السمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ ھ، لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت انصار کے ایک مرد کے متعلق نازل ہوئی جس کا مال غائب ہو چکا تھا، اس نے نذر مانی اگر اللہ عزوجل نے میرا مال مجھے لوٹا دیا تو میں اس طرح اور اس طرح کروں گا، اللہ تعالیٰ نے وہ مال اس پر لوٹا دیا لیکن اس نے اپنی نذر کو پورا نہیں کیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، پھر حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ کی پوری روایت ذکر کی ہے کہ ثعلبہ بن حاطب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: یارسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے مال عطا فرمائیں۔ (تفسیر القرآن، ج ۲ ص ۳۳۰، دارالوطن، ریاض، ۱۴۱۸ ھ)

(۸) علامہ ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ ھ، لکھتے ہیں:

حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب الانصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے مال عطا فرمائیں۔ الی آخر القصہ۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۷۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ ھ)

(۹) علامہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ ھ، لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ! اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے مال عطا فرمائیں۔ الی آخر القصہ۔ (تفسیر الکشاف ص ۴۴۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۳۰ ھ)

(۱۰) ابومحمد عبدالحق بن عطیہ الاندلسی المتوفی ۵۴۱ ھ، لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت ثعلبہ بن حاطب الانصاری رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اس کے بعد وہی قصہ لکھا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے مال عطا فرمائیں۔ الی آخر القصہ۔

(المحرر الوجیز لابن عطیہ ص ۸۶۶، دار ابن حزم، ۱۴۲۳ ھ)

(۱۱) امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ، لکھتے ہیں:

اس آیت کا مشہور سبب نزول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، انہوں نے آپ سے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ مجھے مال عطا فرمائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ثعلبہ! وہ قلیل مال جس کا تم شکر ادا کرتے رہو اس کثیر مال سے بہتر ہے جس کا شکر ادا کرنے کی تم طاقت نہیں رکھتے۔ الی آخر القصہ۔

(التفسیر الکبیر ج ۶ ص ۱۰۵، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

(۱۲) علامہ ابوالحسن علی بن محمد علم الدین السخاوی الشافعی المتوفی ۶۴۲ھ، لکھتے ہیں:

حضرت ثعلبہ بن قیس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ ان کے لیے مال کی کثرت کی دعا فرمائیں، آپ نے اُن سے فرمایا: وہ قلیل مال جس کا تم شکر ادا کرتے رہو اس کثیر مال سے بہتر ہے جس کا تم شکر ادا نہ کرسکو۔ الی آخر القصہ۔

(تفسیر القرآن العظیم ج۱ ص ۳۴۳، دار النشر للجامعات، القاہرہ، ۱۴۳۰ھ)

(۱۳) قاضی ابوالخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ، لکھتے ہیں:

التوبہ: ۷۵ حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے مال عطا فرمائیں۔ الی آخر القصہ۔

(انوار التنزیل واسرار التاویل ج ۳ ص ۱۵۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

(۱۴) علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ، لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے مال عطا فرمائیں۔ الی آخر القصہ۔ (مدارک التنزیل وحقائق التاویل، ج۱ ص ۶۹۵، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

(۱۵) علامہ علاؤ الدین علی بن محمد البغدادی الشہیر بالخازن المتوفی ۷۲۵ھ، لکھتے ہیں:

حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے مال عطا فرمائیں۔ الی آخر القصہ

(تفسیر الخازن ج ۲ ص ۳۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۰ء)

(۱۶) علامہ نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین القمی النیشاپوری الشافعی المتوفی ۷۲۸ھ، لکھتے ہیں:

حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب الانصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا فرمائیں، آپ نے فرمایا: افسوس اے ثعلبہ! وہ قلیل مال جس کا تم شکر ادا کرتے رہو اس کثیر مال سے بہتر ہے جس کا تم شکر ادا کرنے کی طاقت نہ رکھو۔ الی آخر القصہ۔

(تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج ۳ ص ۵۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

(۱۷) امام شرف الدین الحسین بن عبد اللہ الطیبی الشافعی المتوفی ۷۴۳ھ، لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: افسوس اے ثعلبہ!، یہ مختصر قصہ ہے جو الاستیعاب میں مذکور ہے۔

(فتوح الغیب فی الکشف عن قناع الریب ج ۷ ص ۳۰۸، جائزۃ دبی الدولیۃ للقرآن الکریم، ۱۴۳۴ھ)

(۱۸) حافظ اسماعیل بن کثیر الشافعی الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ، لکھتے ہیں:

حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب الانصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا فرمائیں۔ الی آخر القصہ۔ (تفسیر القرآن العظیم ج ۲ ص ۴۱۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(۱۹) علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ، لکھتے ہیں:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب الانصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پس عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطافرمائیں۔ الی آخر القصہ۔

(اللباب فی علوم الکتاب، جزو ۱۰ ص ۱۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

(۲۰) حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ، لکھتے ہیں:

حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو مال عطافرمائیں۔۔ الی آخر القصہ۔ (تفسیر جلالین ص ۱۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۲۱) القاضی مجیر الدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ، لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت ثعلبہ بن حاطب الانصاری رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطافرمائیں۔ الی آخر القصہ۔ (فتح الرحمٰن ج ۳ ص ۲۱۷، دار النوادر، لبنان، ۱۴۳۲ھ)

(۲۲) قاضی ابوسعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ، لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت ثعلبہ بن حاطب الانصاری رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطافرمائیں۔ الی آخر القصہ۔

(تفسیر ابوسعود ج ۳ ص ۱۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(۲۳) القاضی محمد ثناء اللہ العثمانی الحنفی المظہری المتوفی ۱۲۲۵ھ، لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطافرمائیں۔ الی آخر القصہ۔ (تفسیر المظہری ج ۴ ص ۲۴۸، مکتبہ عثمانیہ، کوئٹہ، ۱۴۲۵ھ)

(۲۴) مشہور غیر مقلد شیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانی المتوفی ۱۲۵۰ھ، لکھتے ہیں:

حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پس عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطافرمائیں۔ الی آخر القصہ۔

(فتح القدیر، ج ۳ ص ۷۵۴، دار الوفاء، المنصورہ، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

(۲۵) علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، لکھتے ہیں:

علامہ سید محمود آلوسی بہت بڑے محقق ہیں اور روایات کی چھان پھٹک میں بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں، لیکن وہ بھی اس رَو میں بہہ گئے اور انہوں نے بھی اس طرح لکھا:

السائب نے کہا ہے کہ اس قصہ کے متعلق دو روایتیں ہیں: ایک روایت یہ ہے کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطافرمائیں، آپ نے فرمایا: افسوس اے ثعلبہ بن حاطب! الی آخر القصہ۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ کا شام میں مال تھا جسے پہنچنے میں دیر ہوگئی تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر یہ مال مجھے مل گیا تو میں اللہ کی راہ میں صدقہ کروں گا، جب وہ مال مل گیا تو انہوں نے اپنی نذر پوری نہیں کی، یہ دو روایتیں ہیں اور پہلی روایت

زیادہ مشہور ہے اور اس آیت کے سبب نزول میں وہی روایت صحیح ہے۔ (روح المعانی، جز ١٠ ص ٢٠٩، دار الفکر، بیروت، ١٤١٧ھ)

(٢٦) نواب صدیق حسن بھوپالی (غیر مقلد) متوفی ١٣٠٧ھ، لکھتے ہیں:

ایک مرد جس کا نام حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ تھا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پس کہا: یا رسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے مال عطا فرمائیں، آپ نے فرمایا: افسوس! اے ثعلبہ وہ قلیل مال جس کا تم شکر ادا کرتے رہو اس کثیر مال سے بہتر ہے جس کا تم شکر ادا کرنے کی طاقت نہ رکھو۔ (فتح البیان فی مقاصد القرآن، ج ٣ ص ١٤٩، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٠ھ)

(٢٦) محمد علی صابونی لکھتے ہیں:

اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ ایک مرد جس کا نام حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ تھا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پس کہا یا رسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے مال عطا فرمائیں، آپ نے فرمایا: افسوس! اے ثعلبہ وہ قلیل مال جس کا تم شکر ادا کرتے رہو اس کثیر مال سے بہتر ہے جس کا تم شکر ادا کرنے کی طاقت نہ رکھو۔

(صفوۃ التفاسیر الجزء الاول ص ٤٣٣، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٠ھ)

ان تمام مفسرین اور محققین میں سے صرف علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی التوفی ٦٦٨ھ، نے سب سے پہلے یہ کہا کہ یہ صحابی رسول حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ ہیں جو غزوہ بدر اور غزوہ احد میں حاضر تھے، ان سے یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ انہوں نے مال میں افزائش کی دعا کو طلب کیا اور پھر جب اُن سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر جھڑک دیا: کیا مجھ سے ٹیکس وصول کرتے ہو؟ لہٰذا یہ روایت باطل ہے اور مقامِ صحابہ کے خلاف ہے۔

سو علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ بدری انصاری ہیں اور ان صحابہ میں سے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی شہادت دی ہے جیسا کہ عنقریب السورۃ الممتحنہ کے شروع میں آئے گا، پس یہ روایت غیر صحیح ہے۔ ابوعمر نے کہا: شاید کہ جس شخص نے یہ کہا کہ حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والے تھے اور ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔ الضحاک نے کہا ہے کہ یہ آیت چند منافقین مردوں کے متعلق نازل ہوئی ہے نبتل بن الحارث اور جد بن قیس اور معتب بن قشیر، علامہ قرطبی فرماتے ہیں: ''فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا'' کے نزول کے متعلق یہی قول حق کے مشابہ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ٨ ص ١٩٢، دار الکتاب العربی، بیروت، ١٤٢٠ھ)

اور پھر اُن کے بعد حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ، اس روایت کے بطلان پر مطلع ہوئے، سو وہ لکھتے ہیں:

اس قصہ کے صاحب کے متعلق یہ لکھا گیا ہے کہ یہ حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے، میرا گمان یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اور ابن الکلبی نے بیان کیا کہ جو ثعلبہ بن حاطب بدری صحابی ہیں وہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے اور اس کی تقویت اس سے ہوتی ہے کہ امام ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ یہ وہ مرد تھا جس کا نام ثعلبہ بن ابی حاطب انصاری تھا اور اسی کے متعلق التوبہ: ٧٧ کی یہ آیت نازل ہوئی ہے: ''فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾''۔ اور اس میں مذکور ہے کہ یہ مرد ثعلبہ بن ابی حاطب تھا، اور جو

حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں تو ان کے متعلق اتفاق ہے کہ وہ حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ ہیں، اور حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جو غزوۂ اُحد میں اور غزوۂ بدر میں اور غزوۂ حدیبیہ میں حاضر ہوا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے ایک غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور وہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی شکایت کرتے تھے، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! حاطب ضرور دوزخ کی آگ میں داخل ہوگا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے جھوٹ بولا، ان میں سے کوئی شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جو غزوۂ بدر میں حاضر ہوئے اور غزوۂ حدیبیہ میں حاضر ہوئے۔

(صحیح مسلم، الرقم المسلسل: ۶۳۵۳، رقم الحدیث: ۲۱۹۵، رقم حدیث الباب: ۱۶۲، سنن ترمذی: ۳۸۶۴)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ بدر کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے: ''وما يدريك لعل الله ان يكون قد اطلع على اهل بدر فقال: اعملوا ما شئتم فقد غفرتُ لكم'' (تمہیں کیا معلوم کہ بے شک اللہ تعالیٰ اہلِ بدر کی طرف متوجہ ہوئے، پس فرمایا: تم جو چاہو کرو بے شک میں نے تم سب کی مغفرت فرمادی ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۰۰۷، ۳۰۸۱، ۳۹۸۳، ۴۲۷۴، ۴۸۹۰، ۶۲۵۹، ۶۹۳۹، صحیح مسلم: ۲۴۹۴، سنن ترمذی: ۳۳۰۵، سنن ابوداؤد: ۲۶۵۰، مسند احمد: ۶۰۱) پس جو صحابی اس مرتبہ کا ہو، اس کے متعلق یہ کیسے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے اس کے دل میں نفاق کو راسخ فرمادیا ہے، پس ظاہر ہے کہ جس شخص کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے وہ حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ہے اور وہ ثعلبہ بن ابی حاطب ہے۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج۱ ص ۵۱۶۔۵۱۷، رقم: ۹۳۱ مفصلاً ومخرجاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اسی طرح قاضی شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی المتوفی ۱۰۶۹ھ، لکھتے ہیں:

یہ قصہ حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ابن ابی حاطب الانصاری دراصل اس قصہ کا مصداق ہے، امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ ابن ابی حاطب انصاری وہی شخص ہے جس نے مسجد الضرار بنائی تھی، اور یہ وہ انصاری بدری صحابی نہیں ہیں جو غزوۂ احد میں حاضر ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص غزوۂ بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوا وہ آگ میں داخل نہیں ہوگا، اور جو صحابی اس مرتبہ کا ہو، اس کے متعلق یہ کس طرح کہنا جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں اخیر عمر تک نفاق کو راسخ فرمادیا، پس وہ شخص جو اس آیت کا مصداق ہے وہ حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اور شخص ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں کہا ہے۔

(حاشیۃ الشہاب المسماۃ عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی ج ۴ ص ۶۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں: ان تمام علماءِ رجال اور مفسرین میں سے صرف یہ تین مفسرین (۱) علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی المتوفی ۶۶۸ھ (۲) حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ (۳) قاضی شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی المتوفی ۱۰۶۹ھ ہیں، جنہوں نے اس روایت کو حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کے مقام کے منافی قرار دیا اور اس روایت کو غیر صحیح اور باطل قرار دیا۔

میں دعا کرتا ہوں: اللہ تبارک وتعالیٰ ان تینوں مفسرین کے درجات بلند فرمائیں اور ہمیں ان کا صحیح خوشہ چین بنائیں، میں نے

التوبہ:۷۵ کی تفسیر میں تمام معتبر اور مستند عربی اور اردو کی تفسیروں کا نظرِ غائر سے مطالعہ کیا لیکن افسوس کہ تمام مفسرین نے التوبہ:۷۵ کی تفسیر میں ''وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ'' کا مصداق حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کو قرار دیا، لیکن میرا دل یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ بدری صحابی اس آیت میں مذکور وعید کا مصداق ہو، پھر میں نے اسماء رجال کی تمام معتبر کتابوں میں حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کے ترجمہ کی چھان بین کی، سو کسی نے بھی یہ فرق نہیں کیا کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ اور شخص ہیں جو بدری صحابی ہیں اور وہ اس آیت کا مصداق نہیں ہیں، اس آیت کا مصداق ثعلبہ بن ابی حاطب ہے جو منافق تھا جس کی زکوٰۃ کو قبول کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے انکار کر دیا تھا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

''وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۝'': یعنی ہم ضرور اپنے اموال میں سے زکوٰۃ ادا کریں گے اور صلہ رحم کریں گے اور نیک کاموں میں خرچ کریں گے۔

التوبہ:۷۵ کی تفسیر میں مصنف کی یہ منفرد تحقیق ہے، ان سے پہلے کسی اور مفسر نے اس آیت کی اس طرح تفسیر اور تحقیق نہیں کی۔ اللہ عزوجل اپنے فضل وکرم سے مصنف کی مغفرت فرمائیں اور اس کی کوتاہیوں اور لغزشوں سے درگزر فرمائیں، اور اس کو اپنی جناب سے بے پناہ اجر عطا فرمائیں اور قرآن مجید کی باقی آیات کی تفسیر بھی اسی نہج سے مکمل فرمادیں۔ آمین یارب العالمین

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر جب اللہ نے اپنے فضل سے اِن کو مال عطا فرمادیا تو انہوں نے اس مال کے ساتھ بخل کیا اور پیٹھ پھیرتے ہوئے پلٹ گئے O'' (التوبہ:۷۶)

''فَلَمَّآ اٰتٰىهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوۡا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ۝'': یعنی جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو مطلوبہ مال عطا فرمادیا تو انہوں نے اس میں سے زکوٰۃ ادا کرنے میں بخل کیا اور وہ اپنے عہد کو پورا کرنے سے پلٹ گئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس (اس کی سزا میں) اللہ تعالیٰ نے یوم آخرت تک اِن کے دلوں میں نفاق کو راسخ فرمادیا، کیونکہ انہوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی اور کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تھے O'' (التوبہ:۷۷)

منافقین کے نفاق کی سزا

''فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ ۝'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کو ان کے نفاق اور ان کی وعدہ خلافی کی سزا دی اور قیامت تک کے لیے ان کے دلوں میں نفاق کو راسخ فرمادیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا اِن منافقین کو یہ معلوم نہیں کہ بے شک اللہ اِن کے دلوں میں چھپی ہوئی ہر بات کو اور اِن کی تمام سرگوشیوں کو خوب جانتے ہیں اور بے شک اللہ تمام غیوب کے بہت زیادہ جاننے والے ہیں O'' (التوبہ:۷۸)

''اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا'': یعنی کیا منافقین نے اس بات کو نہیں جانا ''اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ'': کہ اللہ عزوجل ان کے دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں کو بھی جانتے ہیں اور وہ جو مجلس میں سرگوشیاں کرتے ہیں، اس کو بھی اللہ عزوجل جانتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے نفلی صدقات پر طعنہ زن ہوتے ہیں اور اُن مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں جنہیں صدقہ دینے کے لیے اپنی محنت مزدوری کے علاوہ اور کچھ نہیں ملا تھا، سو یہ (کم مال سے صدقہ کرنے پر) اُن کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ اِن کو ان کے مذاق اڑانے کی سزا دیں گے، اور ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے O'' (التوبہ: ۷۹)

مسلمانوں کے صدقات پر منافقین کی طعنہ زنی اور اس پر اللہ تعالیٰ کی ناراضی

''اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ'': اس آیت کے شانِ نزول میں دو قول ہیں:

(۱) حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب ہمیں صدقہ دینے کا حکم فرمایا گیا تو ہم بوجھ اٹھا کر لاتے، پس ابو عقیل نصف صاع (دو کلوگرام) لے کر آئے اور ایک انسان اس سے زیادہ لے کر آیا، تو منافقین نے کہا: اللہ عزوجل اس صدقہ سے مستغنی ہے اور دوسرا جو لے کر آیا ہے، وہ صرف دکھاوے کے لئے لے کر آیا ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے نفلی صدقات پر طعنہ زن ہوتے ہیں اور اُن مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں جنہیں صدقہ دینے کے لیے اپنی محنت مزدوری کے علاوہ اور کچھ نہیں ملا تھا۔ (التوبہ: ۷۹)''۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۲۲۷۳، ۴۶۶۸، ۴۶۶۹، صحیح مسلم: ۱۰۱۸، سنن نسائی: ۲۵۳۰، سنن ابن ماجہ: ۴۱۵۵، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۲۲۳، اسباب النزول للواحدی: ۵۱۸)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف چالیس اوقیہ سونا لے کر آئے اور انصار میں ایک ایک مرد چار کلوگرام گندم لے کر آئے تو بعض منافقین نے کہا: اللہ کی قسم! عبدالرحمٰن جو زیادہ مال لائے ہیں وہ صرف دکھاوے کے لئے لائے ہیں، اور بے شک اللہ اور اس کے رسول دونوں اس چار کلو گندم سے مستغنی ہیں۔

''یَلْمِزُوْنَ'': یعنی ان کے صدقہ پر عیب لگاتے ہیں۔ ''الْمُطَّوِّعِیْنَ'': یعنی جو لوگ اپنی پوری طاقت خرچ کر کے مال حاصل کر کے صدقہ کرتے ہیں۔ ''سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ'': اللہ تعالیٰ ان کو اس طعنہ زنی کی آخرت میں سزا دیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ اِن منافقین کے لیے مغفرت کی دعا کریں یا مغفرت کی دعا نہ کریں (برابر ہے)، اگر آپ اِن کے لیے ستّر (۷۰) مرتبہ بھی مغفرت کی دعا کریں تو اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہیں فرمائیں گے، کیونکہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کو اختیار کیا، اور اللہ نافرمانی کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں عطا فرماتے O'' (التوبہ: ۸۰)

منافقین کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار فرمانے کی توجیہ

''اِسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ '': محققین نے یہ کہا ہے کہ ظاہر لفظ کا تقاضا یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار فرماتے تو ان کی مغفرت کی توقع تھی۔ ''اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ سَبۡعِیۡنَ مَرَّۃً فَلَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَہُمۡ '': پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تو پھر اُن کی مغفرت کی امید منسوخ ہو گئی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دے دی ہے کہ ان لوگوں نے کفر کیا تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے کیسے استغفار فرمایا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کے لیے استغفار فرمایا جن کا اسلام سے نکلنا متحقق نہیں ہوا تھا، اور یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے کفر کے علم کے باوجود ان کے لیے استغفار فرمایا تھا۔

پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ ستر (٧٠) مرتبہ کا ذکر کیوں فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عرب کسی چیز کا اضافہ ظاہر کرنے کے لیے ستر (٧٠) مرتبہ کا ذکر کرتے ہیں۔

''ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ کَفَرُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ۝'': کیونکہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کو اختیار کیا، اور اللہ نافرمانی کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں عطا فرماتے۔

(زاد المسیر ج ٢ ص ٢٧٨۔٢٨٥، دار الکتاب العربی، بیروت، ١٤٣١ھ)

الضحاک نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت عطا فرمائی ہے، پس میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمادیں، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی: ''سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ ؕ لَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ۝ ۔۔۔(المنافقون: ٦)''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کے لیے ستر (٧٠) مرتبہ بھی استغفار کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف نہ فرماتے، بہ ظاہر اس آیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ کی بارگاہ میں وجاہت کی نفی ہوتی ہے، اس کا جواب

میں کہتا ہوں: اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ عزوجل کے نزدیک کوئی وجاہت اور مرتبہ نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان منافقین کے لیے استغفار کریں تو اللہ عزوجل ان کی مغفرت نہیں فرمائیں گے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت عظیم مرتبہ ہے، کیونکہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے اور پھر توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتے ہیں، لیکن جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا اور آپ کی بے ادبی کی، یہ اتنا سنگین جرم ہے کہ اگر اس جرم کے لیے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مغفرت طلب کریں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اس کی مغفرت نہیں فرماؤں گا، یعنی یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو

(بشرطِ توبہ) معاف فرما دیں، لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں کوئی گستاخی اور بے ادبی کرے تو اس کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں، اور اس آیت میں یہ ظاہر فرمایا کہ آپ چونکہ رحمۃ للعالمین ہیں اور رؤف رحیم ہیں، اس لئے آپ کی رحمت اور رأفت کا یہی تقاضا ہے کہ آپ اپنے گستاخوں کے لیے بھی استغفار کریں، لیکن اللہ تعالیٰ کی شان کے یہ لائق نہیں ہے وہ شرک کو تو (بشرطِ توبہ) معاف فرما سکتے ہیں لیکن آپ کے گستاخوں کو معاف نہیں فرمائیں گے خواہ آپ اپنے بلند مقام کے اعتبار سے ان گستاخوں کے لیے ستر مرتبہ بھی مغفرت طلب کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بخشیں گے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

نیز اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: ''اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ۝ اِتَّخَذُوْۤا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۔۔۔(المنافقون:۱۔۲)'' (جب منافقین آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں'' اور اللہ ضرور جانتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتے ہیں کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں ۝ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا، پس انہوں نے لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکا، بے شک وہ بہت ہی برے کام کیا کرتے ہیں ۝)۔ نیز اللہ عزوجل نے رسول اللہ ﷺ کے مخالفین کے متعلق فرمایا: ''وَ ذَرْنِیْ وَ الْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَ مَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ۝ اِنَّ لَدَیْنَاۤ اَنْكَالًا وَّ جَحِیْمًا ۝ وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝ یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ وَ كَانَتِ الْجِبَالُ كَثِیْبًا مَّهِیْلًا ۝۔۔۔(المزمل:۱۱۔۱۴)'' (اور آپ (کی رسالت کی) تکذیب کرنے والے مال داروں کو میرے ساتھ تنہا چھوڑ دیجئے (یعنی آپ میرے اور اُن کے درمیان سفارش کرنے کے لیے نہ آئیں) اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے دیجئے ۝ اس میں شک نہیں ہے کہ (ان مکذبین رسالت کے لئے) ہمارے پاس بھاری بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی ہوئی آگ ہے ۝ اور گلے میں پھنسنے والا طعام اور دردناک عذاب ہے ۝ جس دن زمین اور پہاڑ کانپ رہے ہوں گے اور پہاڑ ریت کا بہتا ہوا ٹیلہ بن جائے گا ۝)۔

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتے کہ آپ اپنے مکذبین اور مخالفین کی رعایت کریں، بلکہ ان کا معاملہ آپ صرف اللہ کے سپرد کر دیں، اللہ عزوجل اُن کو شدید ترین عذاب میں مبتلا فرمائیں گے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

سورۂ توبہ کی ان آیات کی تفسیر تبیان الفرقان کے خصائص میں سے ہے، اللہ عزوجل اپنے رسول مکرم ﷺ کے وسیلہ سے اس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور مصنف کی خطاؤں کو بخش دیں۔ آمین یارب العالمین

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كَرِهُوْۤا اَنْ یُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا یَفْقَهُوْنَ ۝۸۱

(غزوہ تبوک میں) رسول اللہ سے پیچھے بیٹھے رہنے والوں نے اظہارِ مسرت کیا اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں

جہاد کرنے کو گوارا نہ کیا اورانہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "اس سخت گرمی میں جہاد کے لیے روانہ نہ ہو"، آپ کہیے: دوزخ کی آگ کی گرمی اس سے زیادہ سخت ہے، کاش! وہ اس کو سمجھ لیتے ○

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا ۚ جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾

انہیں چاہیے کہ وہ کم ہنسیں اور زیادہ روئیں، یہ اُن کے اُن کرتوتوں کی سزا ہے جو وہ کرتے تھے ○

فَإِن رَّجَعَكَ اللَّهُ إِلَىٰ طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُل لَّن تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَن تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا ۖ إِنَّكُمْ رَضِيتُم بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ ﴿٨٣﴾

(اے رسولِ اکرم!) اگر اللہ آپ کو اِن منافقین کے گروہ کے پاس واپس لوٹا دیں پھر وہ آپ سے جہاد کے لیے روانہ ہونے کے لیے اجازت طلب کریں تو آپ کہیں: "تم میرے ساتھ کبھی بھی روانہ نہیں ہو گے اور تم میرے ساتھ کبھی بھی کسی دشمن کے خلاف نہیں لڑو گے، بے شک تم نے پہلی بار بھی بجائے جہاد کرنے کے اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا، سو تم اب بھی جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو" ○

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٨٤﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) اگر ان منافقوں میں سے کوئی ایک مر جائے تو آپ کبھی بھی اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوں، بے شک ان منافقوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کو اختیار کیا، اور وہ نافرمانی کرنے کی حالت میں ہی مر گئے ○

وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿٨٥﴾

آپ ان کے اموال اور ان کی اولاد کی کثرت سے حیرت زدہ نہ ہوں، اللہ صرف یہی چاہتے ہیں کہ اِن چیزوں کے ساتھ ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب دیں اور ان کی روحیں بھی کفر کی حالت میں ان کے جسموں سے نکلیں ○

وَإِذَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ آمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُو الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُن مَّعَ الْقَاعِدِينَ ﴿٨٦﴾

اور جب کسی سورت میں یہ حکم نازل فرمایا جاتا ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کی معیت میں جہاد کرو تو ان منافقوں میں سے مال دار لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ''ہمیں رہنے دیجئے تاکہ ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہیں''O

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

انہوں نے پیچھے رہ جانے والی خواتین کے ساتھ رہنا پسند کر لیا اور ان کے دلوں پر (کفر کی) مہر لگا دی گئی ہے، سو وہ کچھ نہیں سمجھیں گےO

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾

لیکن رسول اللہ نے اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ (اللہ کی راہ میں) جہاد کیا، اور ان ہی کے لیے تمام اچھائیاں ہیں اور وہی لوگ آخرت میں کامیاب ہونے والے ہیںO

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ ع

اللہ نے اُن کے لیے (جنت کے) ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی سب سے بڑی کامیابی ہےO

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(غزوہ تبوک میں) رسول اللہ سے پیچھے بیٹھے رہنے والوں نے اظہارِ مسرت کیا اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کو گوارا نہ کیا اور انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''اس سخت گرمی میں جہاد کے لیے روانہ نہ ہو''، آپ کہیے: دوزخ کی آگ کی گرمی اس سے زیادہ سخت ہے، کاش! وہ اس کو سمجھ لیتےO'' (التوبہ: ۸۱)

غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہونے کے متعلق منافقین کے اعذار

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، التوبہ ۸۰ تا ۸۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ'': غزوۂ تبوک سے پیچھے رہنے والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنے بیٹھے رہنے پر خوشی کا اظہار کیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہو چکے تھے تو انہوں نے اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے پر خوشی کا اظہار کیا۔

''وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'': اور غزوۂ تبوک سخت گرمی کے ایام میں ہوا تھا۔

''وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ'': اور انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: سخت گرمی کے ایام میں روانہ نہ ہو۔'' قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ

اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ ''آپ کہیں کہ دوزخ کی آگ اس سے زیادہ سخت ہے، کاش! یہ اس کو سمجھ لیتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''انہیں چاہیے کہ وہ کم ہنسیں اور زیادہ روئیں، یہ اُن کے اُن کرتوتوں کی سزا ہے جو وہ کرتے تھے O'' (التوبہ: ۸۲)

منافقین کے اعذار پر اللہ عزوجل کی وعیدیں

''فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا'': یعنی تم دنیا میں کم ہنسو۔ ''وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا'': اصل عبارت یوں ہے: تم کم ہنسو اور عنقریب تم آخرت میں زیادہ روؤ گے۔ ''جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾'': یہ ان کے ان کرتوتوں کی سزا ہے جو وہ کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا، وہ ایسا خطبہ تھا کہ میں نے اس جیسا خطبہ کبھی نہیں سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم ان چیزوں کو جان لو جنہیں میں جانتا ہوں تو تم ہنسو کم اور روؤ زیادہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اپنے چہروں کو ڈھانپ لیا اور ان کی ناک سے رونے کی آواز نکل رہی تھی، ایک مرد نے کہا: میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: فلاں ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر فرما دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں۔۔ (المائدہ: ۱۰۱)'' اس حدیث کی النضر اور روح بن عبادہ نے از شعبہ روایت کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۶۲۱، صحیح مسلم: ۲۳۵۹، سنن ترمذی: ۲۳۱۳، سنن نسائی: ۱۳۶۳، سنن ابن ماجہ: ۴۱۹۱، مسند احمد: ۷۹۵۳، سنن دارمی: ۲۷۳۵، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۰۷۱، سنن دارمی ج ۲ ص ۳۰۴، صحیح ابن حبان: ۵۷۹۲، مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۳، ۲۵۱، ۲۶۸)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب اس کو پکڑ لیتے ہیں تو اس کو نہیں چھوڑتے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''اور آپ کے رب کی گرفت اسی طرح ہوتی ہے، جب وہ بستیوں پر اس حال میں گرفت فرماتے ہیں کہ وہ ظلم کر رہی ہوں، بے شک اس کی گرفت دردناک شدید ہے۔ (ہود: ۱۰۲)''۔

(صحیح البخاری: ۴۶۸۶، صحیح مسلم: ۲۵۸۳، سنن ترمذی: ۳۱۱۰، سنن ابن ماجہ: ۴۰۱۸)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اے لوگو! رویا کرو، اگر تم کو از خود رونا نہ آئے تو کوشش کر کے روؤ، کیونکہ اہلِ دوزخ دوزخ میں اتنا روئیں گے کہ ان کے آنسوؤں سے ان کے چہرے بھیگ جائیں گے گویا کہ ان کے آنسوؤں سے نہریں جاری ہیں، حتیٰ کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ختم ہو جائیں گے تو ان کی آنکھوں سے خون بہنے لگے گا۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۱۹۶، مجمع الزوائد للہیثمی ج ۱۰ ص ۳۹۱)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) اگر اللہ آپ کو اِن منافقین کے گروہ کے پاس واپس لوٹا دیں، پھر وہ آپ سے جہاد کے لیے روانہ ہونے کے لیے اجازت طلب کریں تو آپ کہیں: ''تم میرے ساتھ کبھی بھی روانہ نہیں ہو گے اور تم میرے ساتھ کبھی بھی کسی دشمن کے خلاف نہیں لڑو گے، بے شک تم نے پہلی بار بھی بجائے جہاد کرنے کے اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا، سو تم اب بھی جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں

کے ساتھ بیٹھے رہو O (التوبہ: ۸۳)

''فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ'': یعنی اے محمد صلی اللہ علیک وسلم! اگر اللہ آپ کو غزوۂ تبوک سے ان بیٹھنے والے منافقوں کی کسی جماعت کی طرف واپس لے آئیں، کیونکہ غزوۂ تبوک سے آپ کے پیچھے بیٹھے رہنے والوں میں سب منافق نہیں تھے۔ ''فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ'': پھر یہ آپ سے دوبارہ کسی غزوہ میں آپ کے ساتھ جانے کی اجازت طلب کریں۔ ''فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا'': تو آپ ان سے کہہ دیں: تم کبھی بھی میرے ساتھ جہاد کے لیے روانہ نہیں ہوگے۔ ''وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا'': اور تم کبھی بھی میرے ساتھ کفار کے ساتھ لڑنے کے لیے نہیں نکلو گے۔ ''اِنَّكُمْ رَضِیْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ'': کیونکہ تم پہلی بار غزوۂ تبوک میں میرے ساتھ نہ جانے پر راضی اور خوش ہوئے تھے۔ ''فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ'': سواب تم عورتوں اور بچوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہو۔ دوسرا قول ہے کہ تم اپاہجوں اور لنگڑے لولوں اور بیماروں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ یہ منافقین بغیر کسی عذر کے جہاد میں روانہ ہونے سے بیٹھے رہے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) اگر ان منافقوں میں سے کوئی ایک مر جائے تو آپ کبھی بھی اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوں، بے شک ان منافقوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کو اختیار کیا، اور وہ نافرمانی کرنے کی حالت میں ہی مر گئے O'' (التوبہ: ۸۴)

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کا مرتے وقت اپنے کفن کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی قمیص کا مطالبہ کرنا

''وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ'': مفسرین نے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن اُبی ابن سلول جب بیمار ہوا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلایا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس گئے تو آپ نے فرمایا: تجھے یہود کی محبت نے ہلاک کر دیا۔ عبداللہ بن اُبی نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے آپ سے ملامت سننے کے لیے آپ کو نہیں بلایا، میں نے آپ کو اس لیے بلایا ہے کہ آپ میرے حق میں استغفار کریں اور میری بخشش کا سوال کریں، اور اس نے آپ سے کہا کہ آپ اپنی قمیص میں مجھے کفن پہنا دیں اور میری نمازِ جنازہ پڑھیں۔ پھر عبداللہ بن اُبی کے بیٹے نے آپ کے پاس آکر کہا کہ عبداللہ بن اُبی مر گیا، آپ مجھے اپنی قمیص دیں تاکہ میں آپ کی قمیص میں اس کو کفن پہناؤں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اتار کر اسے عطا فرما دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عبداللہ بن اُبی کی نمازِ جنازہ پڑھانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: جب عبداللہ بن ابی ابن سلول مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے بلایا گیا، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو میں تیزی سے آپ کی طرف بڑھا، پس میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ ابن ابی پر نماز پڑھیں گے؟ حالانکہ اس نے فلاں دن اس طرح اور اس طرح کہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے اقوال گنواتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور فرمایا: اے عمر! مجھ سے پیچھے ہٹو، پس جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا: مجھے اختیار عطا فرمایا گیا، پس میں نے (استغفار کو) اختیار کیا اور اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اگر میں نے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کیا تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی تو میں ستر بار سے زیادہ استغفار کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھادی، پھر آپ لوٹ آئے، پھر سورۂ توبہ کی دو آیتیں نازل ہوگئیں: ''اور (اے رسولِ اکرم!) اگر ان منافقوں میں سے کوئی ایک مرجائے تو آپ کبھی بھی اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوں، بے شک ان منافقوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کو اختیار کیا، اور وہ نافرمانی کرنے کی حالت میں ہی مرگئے۔ (التوبہ: ۸۴)''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر بعد میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی جرأت پر بہت تعجب ہوا اور اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ علم والے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۱۳۶۶، ۴۶۷۱، سنن ترمذی: ۳۰۹۷، سنن نسائی: ۱۹۶۵۔ ۲۴۵، مسند البزار: ۹۳، صحیح ابن حبان: ۳۱۷۶، سنن کبریٰ: ۱۱۲۲۵، مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۶، طبع قدیم، مسند احمد: ۹۴، ج ۱ ص ۲۵۴، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، جامع المسانید لابن الجوزی: ۵۶۹۸، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۶ھ، مسند الطحاوی: ۶۰۶۵)

(موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف ج ۱۱ ص ۱۷۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

عبداللہ بن اُبی کے کفن کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قمیص عطا فرمانے کی وجوہ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن اُبی کی تدفین کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس گئے، پھر آپ کے حکم سے اس کو قبر سے نکالا گیا، آپ نے اس کو اپنے گھٹنوں پر رکھا اور اس پر اپنا لعاب دہن ڈالا اور اس کو اپنی قمیص پہنائی، پس اللہ ہی زیادہ جاننے والے ہیں، ابن ابی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قمیص پہنائی تھی (جب غزوۂ بدر میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو کسی کی قمیص پوری نہیں آرہی تھی)، سفیان نے کہا: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر دو قمیصیں تھیں، تو عبد اللہ کے بیٹے نے کہا: یارسول اللہ! میرے باپ کو وہ قمیص پہنائیں جو آپ کے جسم کے ساتھ ملی ہوئی ہے، سفیان نے کہا: مسلمانوں کا یہ گمان تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبد اللہ کو اس لیے قمیص پہنائی کہ اس نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جو قمیص پہنائی تھی اس کا بدلہ ہوجائے۔ (صحیح البخاری: ۱۲۷۰، ۱۳۵۰، ۳۰۰۸، ۵۷۹۵، صحیح مسلم: ۲۷۷۳، سنن نسائی: ۲۰۱۹، مسند احمد: ۱۴۵۶۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۰۲۸، سنن نسائی ج ۴ ص ۳۷، ۳۸، ج ۴ ص ۸۴، مسند الحمیدی: ۱۲۴۷، مسند ابو یعلیٰ: ۱۸۲۸)

عبداللہ بن ابی کے لیے قمیص عطا فرمانے کی وجوہ

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری کی یہ روایت: ۱۲۷۰، اس سے پہلی روایت: ۱۲۶۹ کے معارض ہے، روایت: ۱۲۶۹ میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی کے بیٹے کو قمیص عطا کی اور اس روایت میں مذکور ہے کہ عبد اللہ بن ابی کو دفن کردیا گیا تھا، پھر آپ نے اس کو قبر سے نکالا اور اس کو قمیص پہنائی، پہلی روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور دوسری روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ان دو روایتوں میں تطبیق اس طرح کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی کے بیٹے کو قمیص عطا کردی تھی، پھر اس کے گھر والوں نے سوچا کہ آپ کو آنے میں مشقت ہوگی، اس لیے آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی عبد اللہ بن ابی کو دفن کردیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے پہنچ گئے، اس وقت عبد اللہ بن ابی دفن کیا جاچکا تھا، پھر آپ نے حکم دیا: اس کو قبر سے نکالا جائے، اور آپ نے اس کو اپنی قمیص پہنائی اور اپنا لعاب دہن اس میں ڈالا اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی، امام ابن الجوزی نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ آپ نے اس کو دو قمیصیں عطا فرمائی ہوں، ایک قمیص اس کے کفن کے لیے اس کے بیٹے کو دی اور دوسری قمیص اس کو قبر سے نکال کر پہنائی، اور

ہو سکتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کا مشاہدہ کیا ہو اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس واقعہ کا مشاہدہ نہ کیا ہو۔

(کشف المشکل علی صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اگر یہ اعتراض ہو کہ عبد اللہ بن ابی کے لیے قمیص عطا کرنے میں کیا حکمت تھی حالانکہ وہ منافقین کا سردار تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا بیٹا مخلص مومن اور صحابی تھا، آپ نے اس کی دل جوئی اور اس تکریم کے لیے قمیص عطا فرمائی، دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ سے جب بھی کوئی سائل سوال کرتا تو آپ اس کے جواب میں ''نہ'' نہیں فرماتے تھے اور اس کے سوال کو مسترد نہیں کرتے تھے، اور تیسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: بے شک میری قمیص اس سے اللہ کے کسی عذاب کو دور نہیں کر سکتی، لیکن مجھے یہ امید ہے کہ اس سبب سے اس کی قوم اسلام لے آئے گی، چنانچہ روایت ہے کہ خزرج نے جب یہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قمیص عطا فرمائی اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی تو خزرج کے ایک ہزار آدمیوں نے اسلام قبول کر لیا۔

(عمدۃ القاری ج ۸ ص ۸۱۔ ۸۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

عبد اللہ بن اُبی کی نماز جنازہ پڑھانے کی وجہ سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمیوں کا اسلام قبول کرنا

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ ''وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عبد اللہ بن اُبی کی نماز جنازہ پڑھانے کے متعلق کہا گیا تو آپ نے فرمایا: میری قمیص اور میری نماز پڑھانا عبد اللہ بن اُبی کے عذاب کو دور نہیں کر سکتا، لیکن میں یہ امید کرتا ہوں کہ اس کے سبب سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ (تفسیر الطبری ج ۱۱ ص ۶۱۴، دار عالم الکتب، ریاض ۱۴۳۴ھ، تخریج الکشاف للزیلعی ج ۲ ص ۹۳، فتح الباری ج ۸ ص ۶۲۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

''اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝'': یعنی آپ ان منافقین کی میت کے پاس کھڑے نہ ہوں اور نہ اس کو دفن کرنے کے درپے ہوں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوئے حتیٰ کہ آپ کی وفات ہو گئی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ اِن کے اموال اور اِن کی اولاد کی کثرت سے حیرت زدہ نہ ہوں، اللہ صرف یہی چاہتے ہیں کہ اِن چیزوں کے ساتھ ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب دیں اور اِن کی روحیں بھی کفر کی حالت میں ان کے جسموں سے نکلیں O'' (التوبہ: ۸۵)

منافقین اور دیگر کفار کو مال اور اولاد کی کثرت عطا فرمانے کی وجہ

''وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝'': آپ اِن کے اموال اور اِن کی اولاد کی کثرت سے حیرت زدہ نہ ہوں، اللہ صرف یہی چاہتے ہیں کہ اِن چیزوں کے ساتھ ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب دیں اور ان کی روحیں بھی کفر کی حالت میں ان کے جسموں سے نکلیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب کسی سورت میں یہ حکم نازل فرمایا جاتا ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کی معیت میں جہاد کرو تو اِن منافقوں میں سے مال دار لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ''ہمیں رہنے دیجئے تاکہ ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہیں'' O'' (التوبہ: ۸۶)

''اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ'': جو مال دار اور عیش وعشرت والے ہوں، انہی لوگوں میں سے غزوۂ تبوک سے پیچھے بیٹھے رہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''انہوں نے پیچھے رہ جانے والی خواتین کے ساتھ رہنا پسند کرلیا اور ان کے دلوں پر (کفر کی) مہر لگادی گئی ہے، سو وہ کچھ نہیں سمجھیں گے O'' (التوبہ: ۸۷)

منافقین کے دلوں پر کفر کی مہر لگانا

''رَضُوْا بِاَنْ یَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ'': یعنی ہم عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہیں اور کمزور اور نچلے طبقہ کے لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہیں۔ ''وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ'': اور ان کے دلوں پر (کفر کی) مہر لگادی گئی ہے، سو وہ کچھ نہیں سمجھیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''لیکن رسول اللہ نے اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ (اللہ کی راہ میں) جہاد کیا، اور ان ہی کے لیے تمام اچھائیاں ہیں اور وہی لوگ آخرت میں کامیاب ہونے والے ہیں O'' (التوبہ: ۸۸)

لفظِ خیر کے معنی

''وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَیْرٰتُ ۘ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ'': خیرات سے مراد ہے نیکیاں، دوسری تفسیر ہے کہ جنت میں خوب صورت، کم سن لڑکیاں جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ''۔۔۔ (الرحمٰن: ۷۰) ''(ان میں سب سے زیادہ خوبصورت اور حسین ترین بیویاں ہوں گی O)۔ لفظِ خیرات ''خیرۃ'' کی جمع ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی بھی خیر کا معنی نہیں جانتا، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ''۔۔۔ (السجدہ: ۱۷) ''(پس کسی شخص کو معلوم نہیں کہ وہ دنیا میں جو نیک کام کیا کرتے تھے اس کی جزا میں ان کے لیے آنکھوں کی کیسی ٹھنڈک چھپا کر رکھی ہوئی ہے O)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ نے اُن کے لیے (جنت کے) ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے O'' (التوبہ: ۸۹)

''اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ'': اللہ نے اُن کے لیے (جنت کے) ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۷۷۔۳۷۸، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِیُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِیْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۹۰﴾

دیہاتیوں میں سے غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہونے والے منافق بھی جہاد کے لیے روانگی سے رخصت طلب کرنے کے لیے آئے اور جن لوگوں نے ایمان کے اظہار میں اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا وہ بیٹھے رہے، ان میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا تھا ان کو عنقریب دردناک عذاب پہنچے گا O

لَیْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹۱﴾ۙ

کمزوروں، بیماروں اور جن لوگوں کے پاس جہاد میں خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے وہ اگر جہاد میں کچھ نہ خرچ کریں تو اُن پر کوئی گناہ نہیں ہے جب کہ وہ اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے خیر خواہی کرنے والے ہوں، اور نہ نیکوکاروں کی گرفت کرنے کی کوئی وجہ ہے اور اللہ سب سے زیادہ بخشنے والے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں O

وَّلَا عَلَى الَّذِیْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَیْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّ اَعْیُنُهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا یَجِدُوْا مَا یُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ؕ

اور نہ ہی اُن لوگوں پر کوئی گناہ ہے جب وہ آپ کے پاس آئے تا کہ آپ انہیں (غزوۂ تبوک میں جانے کے لیے) سواریوں پر سوار کریں تو آپ نے اُن سے کہا: ''میں تمہیں سوار کرنے کے لیے کوئی سواری نہیں پاتا''، وہ غمزدہ ہو کر اس حال میں لوٹے کہ جہاد میں شامل نہ ہونے کے غم کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے O

اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَى الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِیَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ یَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

مواخذہ صرف ان لوگوں سے ہوگا جو مالدار ہونے کے باوجود آپ سے جہاد میں شامل نہ ہونے کی رخصت طلب کرتے تھے، اور انہوں نے اس کو پسند کیا کہ وہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں اور بچوں کے ساتھ پیچھے رہیں، اور اللہ نے اُن کے دلوں پر کفر کی مہر لگا دی ہے، پس وہ کچھ نہیں سمجھتے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''دیہاتیوں میں سے غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہونے والے منافق بھی جہاد کے لیے روانگی سے رخصت طلب کرنے کے لیے آئے اور جن لوگوں نے ایمان کے اظہار میں اللہ اور اس کے رسول

سے جھوٹ بولا تھا وہ بیٹھے رہے، ان میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا تھا ان کو عنقریب دردناک عذاب پہنچے گا O'' (التوبہ: ٩٠)

''اَلْمُعَذِّرُوْنَ'' کی مختلف قراءات

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، التوبہ: ٩٠ تا ٩٣ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ'': حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ''الْمُعَذِّرُوْنَ'' کی جگہ المعتذرون ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ وغیرہم نے اس کو معاذرون پڑھا۔ الزجاج نے کہا: جس نے ''اَلْمُعَذِّرُوْنَ'' پڑھا، اس کی تاویل بھی المعتذرون ہے، یعنی جو لوگ عذر پیش کرتے تھے خواہ فی الواقع ان کا عذر ہو یا نہ ہو۔

''وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ'': اور جن لوگوں نے ایمان کے اظہار میں اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا وہ بیٹھے رہے، ان میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا تھا ان کو عنقریب دردناک عذاب پہنچے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کمزوروں، بیماروں اور جن لوگوں کے پاس جہاد میں خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے وہ اگر جہاد میں کچھ نہ خرچ کریں تو اُن پر کوئی گناہ نہیں ہے جب کہ وہ اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے خیر خواہی کرنے والے ہوں، اور نہ نیکوکاروں کی گرفت کرنے کی کوئی وجہ ہے اور اللہ سب سے زیادہ بخشنے والے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں O'' (التوبہ: ٩١)

غزوۂ تبوک میں ساتھ نہ جانے والوں کے صحیح اعذار

''لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى'': اس آیت کے نزول کے متعلق دو قول ہیں:

(١) قتادہ نے کہا: یہ آیت عائذ بن عمرو وغیرہ کے متعلق نازل ہوئی۔ (٢) الضحاک نے کہا: یہ آیت عبداللہ بن ام مکتوم کے متعلق نازل ہوئی جو نابینا تھے۔ اور ''الضُّعَفَآءِ'' کے مصداق میں تین اقوال ہیں: (١) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل نے کہا: اس سے مراد لنگڑے، لولے، اپاہج اور بوڑھے ہیں۔ (٢) اس سے مراد نابالغ بچے ہیں۔ (٣) اس سے مراد دیوانے ہیں، ان کو کمزور اس لیے قرار دیا کہ ان کی عقول ضعیف ہیں، یہ دونوں قول الماوردی سے منقول ہیں۔ اور صحیح یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپاہج ہوں یا اندھے ہوں یا بہت بوڑھے ہوں، یا ان کے جسم بہت کمزور ہوں اور بیمار ہوں اور انہیں ایسی بیماریاں لاحق ہوں جو جہاد اور قتال کے لیے نکلنے سے مانع ہوں۔

''وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ'': یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے پاس مال بہت کم تھا۔ اور الحرج سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ اگر جہاد کے لیے روانہ ہونے میں شامل نہ ہوں تو ان پر کوئی تنگی نہیں ہے جب کہ وہ اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے خیر خواہی کرنے والے ہوں۔ اور اس کے دو محمل ہیں: (١) ایک محمل یہ ہے کہ جب کہ وہ نفاق کرنے

والے نہ ہوں۔ (۲) دوسرا محمل یہ ہے کہ جب کہ وہ اپنے کم عمر بچوں اور گھروں کی حفاظت کے لیے ٹھہرے رہیں اور غزوۂ تبوک میں جانے والوں کے ساتھ شامل نہ ہوں۔ ''مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ'': یعنی نیکوکاروں پر گرفت کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور نہ ہی اُن لوگوں پر کوئی گناہ ہے جب وہ آپ کے پاس آئے تا کہ آپ انہیں (غزوۂ تبوک میں جانے کے لیے) سواریوں پر سوار کریں تو آپ نے اُن سے کہا: ''میں تمہیں سوار کرنے کے لیے کوئی سواری نہیں پاتا'' وہ غمزدہ ہوکر اس حال میں لوٹے کہ جہاد میں شامل نہ ہونے کے غم کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے O'' (التوبہ: ۹۲)

جو لوگ سواری نہ ملنے کے غم میں رو رہے تھے ان کے اسماء اور ان کی تعداد

''وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾'': ان حضرات صحابہ کے متعلق چند اقوال ہیں:

(۱) ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ چھ لوگ تھے: (۱) حضرت عبداللہ بن مغفل (۲) حضرت صخر بن سلیمان (۳) حضرت عبداللہ بن کعب الانصاری (۴) حضرت علیہ بن زید الانصاری (۵) حضرت سالم بن عمیر (۶) حضرت ثعلبہ بن عنمہ رضی اللہ عنہم، یہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تا کہ آپ انہیں جہاد میں شامل ہونے کے لیے سواریاں مہیا فرمادیں تو آپ نے فرمایا: ''میں تمہیں کسی چیز پر سوار کرنے کے لیے کوئی سواری نہیں پاتا'' تو وہ روتے ہوئے واپس چلے گئے۔

(۲) اور امام محمد بن سعد الواقدی کے منشی نے کہا کہ حضرت صخر بن سلمان کی جگہ حضرت سلمہ بن صخر کا نام ہے۔ اور حضرت ثعلبہ بن عنمہ کی جگہ حضرت عمرو بن عنمہ رضی اللہ عنہم کا نام ہے اور امام محمد بن سعد نے کہا: ان میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

(تفسیر الطبری ج ۱۱ ص ۶۲۶، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۶۲، سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۱۸)

(۳) امام ابن اسحاق نے اپنے شیوخ سے روایت کی ہے کہ سواری نہ ملنے کے غم میں سات انصار تھے:

(۱) حضرت سالم بن عمیر (۲) حضرت علیہ بن زید (۳) حضرت ابولیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب (۴) حضرت عمرو بن الحمام بن الجموح (۵) حضرت عبداللہ بن مغفل (۶) اور بعض لوگوں نے کہا: بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرو المزنی (۷) حضرت عرباض بن ساریہ۔ رضی اللہ عنہم

(۴) مجاہد نے کہا: یہ آیت بنو مقرن کے متعلق نازل ہوئی ہے اور وہ سات حضرات تھے جن کا امام محمد بن سعد نے ذکر کیا ہے، پس انہوں نے کہا: (۱) حضرت النعمان بن عمرو بن مقرن، اور ابوخیثمہ نے کہا: وہ حضرت النعمان بن مقرن ہیں (۲) حضرت سوید بن مقرن (۳) حضرت معقل بن مقرن (۴) حضرت سنان بن مقرن (۵) حضرت عقیل بن مقرن (۶) حضرت عبدالرحمٰن بن مقرن (۷) حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل بن مقرن۔ رضی اللہ عنہم

(۵) اور الحسن البصری نے کہا: یہ آیت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اور جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سواری طلب کی تھی، اس سواری کے متعلق تین اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: زمین پر چلنے والے جانور (۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد زادِراہ ہے۔ (۳) الحسن البصری نے کہا: اس سے مراد چلنے کے لیے جوتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''مواخذہ صرف ان لوگوں سے ہوگا جو مال دار ہونے کے باوجود آپ سے جہاد میں شامل نہ ہونے کی رخصت طلب کرتے تھے، اور انہوں نے اس کو پسند کیا کہ وہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں اور بچوں کے ساتھ پیچھے رہیں، اور اللہ نے اُن کے دلوں پر کفر کی مہر لگا دی ہے، پس وہ کچھ نہیں سمجھتے O''

(التوبہ: ۹۳)

جھوٹے اعذار بیان کر کے غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہونے والوں کے متعلق وعید

''اِنَّمَا السَّبِيۡلُ'': یعنی اُن پر گرفت ہوگی ''عَلَى الَّذِيۡنَ يَسۡتَاۡذِنُوۡنَكَ وَهُمۡ اَغۡنِيَآءُ'': یعنی جو لوگ مال دار ہونے کے باوجود غزوۂ تبوک کے لشکر کے ساتھ نہ نکلنے کے لیے آپ سے رخصت طلب کرتے تھے۔

''وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝۹۳'': یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر کفر کی مہر لگا دی، پس وہ توحید کے تقاضوں کو سمجھتے ہی نہیں۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۲۸۷۔۲۸۹، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ، تفسیر السمرقندی ج ۲ ص ۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

تبیان الفرقان جلد ثانی کی تکمیل

الحمد للہ رب العالمین! والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، شفیعنا یوم الدین!

آج ۲۲ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ/ ۱۴ / مارچ ۲۰۱۵ء بروز جمعرات ''تبیان الفرقان'' کی جلد ثانی مکمل ہوگئی۔ اے بارِ الٰہ! اس جلد کی تصنیف میں میری کم فہمی اور ناقص مطالعہ کی بناء پر جو فروگزاشت ہوگئی ہیں ان کو آپ معاف فرما دیں اور درگزر فرمائیں اور مجھے اپنی عنایات بے غایات سے محروم نہ فرمائیں، اس جلد کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائیں اور اپنے حبیبِ اکرم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میری اس کاوش کو سندِ قبول عطا فرمائیں اور تا قیامِ قیامت اس تفسیر کو سلامت اور فیض آفریں رکھیں، محبین کے لیے اس کو مسلکِ حق پر استقامت کا سبب بنائیں اور معاندین اور مخالفین کے لیے اس تفسیر کو رشد و ہدایت کا ذریعہ بنائیں، مجھے، میرے والدین، میرے اساتذہ، میرے احباب، میرے تلامذہ اور جملہ قارئین کو بخش دیں، ہماری خطاؤں کو معاف فرمائیں، ہم سب کو دنیا اور آخرت کے اس عذاب سے مامون اور محفوظ رکھیں جس عذاب کے ہم اپنی کوتاہیوں اور تقصیرات کی وجہ سے مستحق ہیں اور ہم کو محض اپنے فضل و کرم سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت مقبولہ سے جنت الفردوس عطا فرمائیں۔

اس جلد میں سورۃ النساء کی آخری ۲۹ آیات، سورۃ المائدہ، سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف، سورۃ الانفال اور سورۂ توبہ کی ابتدائی آیات تا آیت: ۹۳ کی تفسیر آگئی ہے۔ اس جلد کی ابتداء ''کیم اکتوبر 2014ء/ ۵ ذوالحجہ ۱۴۳۵ھ بروز بدھ'' کو ہوئی اور تکمیل ۱۴ مارچ ۲۰۱۵ء/ ۲۲ / جمادی الاولیٰ بروز ہفتہ کو ہوئی۔ یعنی اس جلد کی تکمیل میں پانچ ماہ اور چودہ دن کا عرصہ لگا۔

اس جلد کی پروف ریڈنگ اولاً سید عمیر الحسن برنی نے عمیق نظر سے کی ہے، پھر طباعت سے پہلے اس جلد کی پروف ریڈنگ

حضرت مولانا محمد اکرم ساجد صاحب زید مجدہٗ نے بہت گہری نظر سے کی ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

کلماتِ تشکر

اس جلد کی تکمیل پر میں حضرت مفتی اعظم پاکستان علامہ منیب الرحمٰن زید حبہم، محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب دامت الطافہم العالیہ، حافظ محمد اکرم ساجد، جناب محمد مختار، مولانا حافظ عبدالمجید زید علمہٗ (برسٹل)، سید جمیل الرحمٰن شاہ زید فضلہٗ (کامونکی)، سید عمیر الحسن برنی زید حبہٗ، الحاج محمد شفیق قریشی، مفتی محمد اسماعیل نورانی اور دیگر احباب کا شکرگزار اور ان کے حق میں دعا گو ہوں۔ اس جلد کی کمپوزنگ اسی دارالعلوم میں حافظ محمد جمشید ہاشمی سلمہٗ نے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے نوازیں، ہماری خطاؤں کو معاف فرمائیں اور ہم کو ہمیشہ نیکی کی راہ پر گامزن رکھیں اور خصوصاً اس تفسیر میں مجھے کج روی اور اغلاط سے محفوظ اور مامون رکھیں۔ اور اس کے بعد تبیان الفرقان کی بقیہ مجلدات کو مکمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ وما ذالك على الله بعزيز

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم القرآن والحدیث

دارالعلوم نعیمیہ، بلاک ۱۵، فیڈرل بی ایریا، کراچی

۱۴ مارچ ۲۰۱۵ء/ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ

تبیان الفرقان فی تفسیر القرآن جلد دوم کی ڈائری

افتتاح ۵ ذوالحجہ ۱۴۳۵ھ/ یکم اکتوبر 2014ء بروز بدھ

اختتام ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ/ 14 مارچ 2015ء بروز ہفتہ

تقویم میلادی	تقویم ہجری	دن	ایک ماہ کے صفحات	کل صفحات
یکم اکتوبر ۲۰۱۴ء	۵ ذوالحجہ ۱۴۳۵ھ	بدھ	=	=
یکم نومبر	۷ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ	ہفتہ	۱۱۰	۱۱۰
یکم دسمبر ۲۰۱۴ء	۸ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ	پیر	۱۱۲	۲۲۲
یکم جنوری ۲۰۱۵ء	۹ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ	جمعرات	۱۴۰	۳۶۲
یکم فروری ۲۰۱۵ء	۱۱ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ	اتوار	۱۶۰	۵۲۲
یکم مارچ ۲۰۱۵ء	۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ	اتوار	۱۷۰	۶۹۲
۱۴ مارچ ۲۰۱۵ء	۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ	ہفتہ	۱۶۵	۸۵۷

مصادر التحقیق فی تبیان الفرقان

کتب سماویہ

۱۔	قرآن مجید فرقان حمید
۲۔	تورات
۳۔	زبور
۴۔	انجیل

کتب تفاسیر اہل السنۃ والمعتزلۃ

الرقم المسلسل	اسم الکتاب	اسم المصنف	اسم المطبع
۵	تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس	محمد بن یعقوب بن فضل اللہ الفیر وزآبادی التوفی ۸۱۷ھ	المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۳ھ
۶	معانی القرآن	امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء حنفی، التوفی ۲۰۷ھ	۔۔۔۔۔بیروت
۷	تفسیر عبدالرزاق	امام ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی التوفی ۲۱۱ھ	دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۱۱ھ
۸	تفسیر ابوبکر الاصم	عبدالرحمٰن بن کیسان المعتزلی التوفی ۲۲۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ
۹	تفسیر ابوعلی الجبائی	ابوعلی الجبائی المعتزلی التوفی ۳۰۳ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ
۱۰	جامع البیان	امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری التوفی ۳۱۰ھ	دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ
۱۱	کتاب تفسیر القرآن	امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری التوفی ۳۱۸ھ	دار الماثر، المدینۃ النبویہ ۱۴۲۳ھ
۱۲	تفسیر الکعبی البلخی	ابوالقاسم الکعبی البلخی المعتزلی التوفی ۳۱۹ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ
۱۳	تفسیر ابومسلم	ابومسلم محمد بن بحر الاصفہانی المعتزلی التوفی ۳۲۲ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ
۱۴	تفسیر القرآن العظیم	امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم الرازی التوفی ۳۲۷ھ	نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ
۱۵	تاویلات اہل السنۃ	امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی التوفی ۳۳۳ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ
۱۶	احکام القرآن	امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص التوفی ۳۷۰ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ

۱۷	بحر العلوم	ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد السمر قندی الحنفی التوفی ۳۷۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ
۱۸	تفسیر ابو الحسن الرُّمّانی	ابو الحسن الرمانی علی بن عیسیٰ المعتزلی التوفی ۳۸۴ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ
۱۹	تفسیر القرآن العزیز	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن ابی زمنین التوفی ۳۹۹ھ	الفاروق الحدیثیۃ للطباعۃ والنشر، قاہرہ، ۱۴۲۶ھ
۲۰	التفسیر الکبیر او التفسیر المحیط	القاضی ابو الحسن عبد الجبار بن احمد الاسد آبادی المعتزلی التوفی ۴۱۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ
۲۱	الکشف والبیان	امام ابو اسحاق احمد بن محمد الثعلبی التوفی ۴۲۷ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ
۲۲	النکت والعیون	علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی البصری التوفی ۴۵۰ھ	موسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت
۲۳	لطائف الاسرار	امام ابو القاسم بن ہوازن القشیری الشافعی التوفی ۴۶۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۲۴	اسباب نزول القرآن	ابو الحسن علی بن احمد الواحدی التوفی ۴۶۸ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۵	الوسیط	علامہ ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری التوفی ۴۶۸ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۶	تفسیر القرآن	علامہ ابو المظفر السمعانی الشافعی التوفی ۴۸۹ھ	دار الوطن، ریاض ۱۴۱۸ھ
۲۷	معالم التنزیل	علامہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی التوفی ۵۱۶ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۰ھ
۲۸	الکشاف عن حقائق التنزیل	علامہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی التوفی ۵۳۸ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ
۲۹	المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز	ابو محمد عبد الحق بن عطیہ الاندلسی التوفی ۵۴۱ھ	دار ابن حزم، ۱۴۲۳ھ
۳۰	احکام القرآن	علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی المالکی التوفی ۵۴۳ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ
۳۱	زاد المسیر فی علم التفسیر	علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن الجوزی الحنبلی التوفی ۵۹۷ھ	دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ
۳۲	التفسیر الکبیر	امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۳۳	اسرار التنزیل وانوار التاویل (تفسیر صغیر)	امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ	دار الکتب الوثائق، بغداد، عراق ۱۹۹۰ء
۳۴	تفسیر القرآن العظیم	علامہ ابو الحسن علی بن محمد علم الدین السخاوی الشافعی التوفی ۶۴۳ھ	دار النشر للجامعات، القاہرہ، ۱۴۳۰ھ
۳۵	الجامع لاحکام القرآن	علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ	دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ

۳۶	انوارالتنزیل واسرارالتاویل	قاضی ابوالخیرعبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ	دارالفکر بیروت،۱۴۱۶ھ
۳۷	عنایۃالقاضی وکفایۃالراضی	قاضی شہاب الدین احمد بن محمد بن عمرالخفاجی التوفی ۱۰۶۹ھ	دارالکتب العلمیہ ،بیروت،۱۴۱۷ھ
۳۸	مدارک التنزیل	علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ	دارابن کثیر،بیروت،۱۴۳۲ھ
۳۹	لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیرخازن)	علامہ علاؤالدین علی بن محمد البغدادی الشہیر بالخازن التوفی ۷۲۵ھ	دارالکتب العلمیہ ،بیروت،۲۰۱۰ء
۴۰	تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان	علامہ نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین القمی النیشاپوری التوفی ۷۲۸ھ	دارالکتب العلمیہ ،بیروت،۱۴۱۶ھ
۴۱	فتوح الغیب حاشیۃ علی الکشاف	امام شرف الدین الحسین بن عبداللہ الطیبی الشافعی التوفی ۷۴۳ھ	جائزۃ دبی الدولیۃ للقرآن الکریم، ۱۴۳۴ھ
۴۲	البحرالمحیط فی التفسیر	علامہ محمد بن یوسف الشہیر بابی حیان الاندلسی المالکی التوفی ۷۵۴ھ	دارالفکر بیروت،۱۴۱۲ھ
۴۳	تفسیرالقرآن العظیم	حافظ اسماعیل بن کثیر الشافعی الدمشقی التوفی ۷۷۴ھ	دارالفکر،بیروت،۱۴۱۹ھ
۴۴	تفسیرالقرآن العظیم	حافظ اسماعیل بن کثیر الشافعی الدمشقی التوفی ۷۷۴ھ	دارالکتاب العربی بیروت،۱۴۳۲ھ
۴۵	اللباب فی علوم الکتاب	علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی التوفی ۸۸۰ھ	دارالکتب العلمیہ ،بیروت،۲۰۱۱ء
۴۶	تفسیر جلالین	علامہ محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم بن احمد بن ہاشم المحلی الشافعی التوفی ۸۶۴ھ/حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دارالکتب العلمیہ ،بیروت
۴۷	الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور	حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	داراحیاءالتراث العربی،بیروت،۱۴۲۱ھ
۴۸	فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن	القاضی مجیرالدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی التوفی ۹۲۸ھ	دارالنوادر،لبنان،۱۴۳۲ھ
۴۹	حاشیۃ شیخ زادہ علی البیضاوی	علامہ محمد بن مصباح الدین مصطفیٰ القوجوی الحنفی التوفی ۹۵۱ھ	دارالکتب العلمیہ ،بیروت،۱۴۱۹ھ
۵۰	السراج المنیر	الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی التوفی ۹۷۷ھ	داراحیاءالتراث العربی،بیروت،۱۴۲۵ھ
۵۱	ارشاد العقل السلیم الی مزایاالکتاب الکریم	قاضی ابوسعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی الحنفی التوفی ۹۸۲ھ	دارالکتب العلمیہ ،بیروت،۱۴۱۹ھ
۵۲	التفسیرات الاحمدیہ	علامہ مولوی رحیم بخش التوفی ۱۱۳۰ھ	مکتبہ حقانیہ، پشاور
۵۳	روح البیان	علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ	داراحیاءالتراث العربی،بیروت،۱۴۲۱ھ

۵۴	حاشیۃ الجمل علی الجلالین	شیخ سلیمان الجمل المتوفی ۱۲۰۴ھ	قدیمی کتب خانہ، کراچی
۵۵	تفسیر المظہری	القاضی محمد ثناء اللہ العثمانی الحنفی المظہری المتوفی ۱۲۲۵ھ	مکتبہ حنفیہ، کوئٹہ، ۱۴۲۵ھ
۵۶	حاشیۃ الصاوی علی الجلالین	علامہ احمد بن محمد الصاوی المصری المالکی المتوفی ۱۲۴۱ھ	دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۵۷	فتح القدیر	محمد بن علی بن محمد الشوکانی المتوفی ۱۲۵۰ھ	دارالوفاء، المنصورہ، ۱۴۱۸ھ
۵۸	روح المعانی	علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ	دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ
۵۹	فتح البیان	نواب صدیق حسن بھوپالی (غیر مقلد) متوفی ۱۳۰۷ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۶۰	تفسیر القرآن وھوالھدی والفرقان	سرسید احمد خان متوفی ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء	سرسید ریسرچ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء
۶۱	حاشیۃ القرآن	شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ	دارالتصنیف، شاہراہِ لیاقت، کراچی
۶۲	مجموعہ تفاسیر فراہی	شیخ حمید الدین فراہی متوفی ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء	فاران فاؤنڈیشن، لاہور ۲۰۰۸ء
۶۳	بلغۃ الحیران	مولانا حسین علی متوفی ۱۳۶۳ھ	اسد پرنٹرز، لاہور
۶۴	تفسیر بیان القرآن	شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی متوفی ۱۳۶۴ھ	مکتبہ رحمانیہ، لاہور
۶۵	خزائن العرفان	علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ	مکتبۃ المدینہ، کراچی، ۱۴۳۲ھ
۶۶	المقتطف من عیون التفاسیر	علامہ مصطفی الخیری الحصنی المنصوری الحنفی المتوفی ۱۳۹۰ھ	دارالقلم، دمشق ۱۴۱۶ھ
۶۷	تفسیر کبیر	مرزا بشیر الدین محمود احمد قادیانی متوفی ۱۹۶۵ء	نظارت اشاعت، ربوہ
۶۸	معارف القرآن	مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۹۷۶ء	ادارہ معارف القرآن، کراچی
۶۹	نور العرفان	مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی متوفی ۱۳۹۱ھ	دارالکتب الاسلامیہ، گجرات
۷۰	تفسیر ماجدی	شیخ عبدالماجد دریا آبادی متوفی ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء	پاک کمپنی، لاہور
۷۱	تفہیم القرآن	سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء	ادارہ ترجمان القرآن، لاہور ۲۰۱۲ء
۷۲	التبیان العظیم فی تفسیر سورۃ التحریم	علامہ سید احمد سعید کاظمی حنفی متوفی ۱۴۰۶ھ	فانوس پبلی کیشنز، پاکستان، ۲۰۰۳ء
۷۳	مطالب الفرقان	غلام احمد پرویز متوفی ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء	ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۸۱ھ
۷۴	مطالب القرآن	غلام احمد پرویز متوفی ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء	ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۲۰۱۲ء
۷۵	تدبر قرآن	شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء	فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۴۳۴ھ
۷۶	ضیاء القرآن	جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی متوفی ۱۴۱۸ھ	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

۷۷	سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی	علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی حنفی	گلوبل اسلامک مشن، نیویارک (USA) ۱۴۳۰ھ
۷۸	معالم العرفان	شیخ صوفی عبدالحمید سواتی متوفی ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء	مکتبہ دروس القرآن، گوجرانوالہ، ۱۴۳۴ھ
۷۹	البیان	جاوید احمد غامدی	المورد، لاہور، ۲۰۱۰ء
۸۰	التفسیر المنیر	الاستاذ الدکتور وہبہ الزحیلی	دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۱ھ
۸۱	تذکیر القرآن	مولانا وحید الدین خان	دارالتذکیر، لاہور، ۲۰۰۹ء
۸۲	آسان ترجمہ قرآن تشریحات کے ساتھ	شیخ محمد تقی عثمانی	مکتبہ معارف القرآن، کراچی
۸۳	تفسیر قرآن	شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ، از ابتداء تا سورۃ آل عمران/ شیخ شبیر احمد عثمانی دیوبندی متوفی ۱۳۶۹ھ، از سورۃ النساء تا آخر قرآن	الملک فہد بن عبدالعزیز آل سعود، المملکۃ العربیۃ السعودیہ
۸۴	تفسیر قرآن	شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ، از ابتداء تا سورۃ آل عمران/ شیخ شبیر احمد عثمانی دیوبندی متوفی ۱۳۶۹ھ، از سورۃ النساء تا آخر قرآن	دارالتصنیف لمیٹڈ، شاہراہ لیاقت، صدر، کراچی، پاکستان
۸۵	صفوۃ التفاسیر	شیخ محمد علی صابونی	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۸۶	البیان	سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
۸۷	انوار الفرقان فی معانی القرآن	عبدالحکیم شرف قادری رحمہ اللہ متوفی ۱۴۲۸ھ	مکتبہ قادریہ، لاہور
۸۸	ترجمہ قرآن	مولانا محمد جوناگڑھی	مملکۃ العربی سعودیہ
۸۹	ترجمہ قرآن	سید فرمان علی	عمران کمپنی، لاہور
۹۰	تبیان القرآن	علامہ غلام رسول سعیدی حنفی	فرید بک اسٹال، لاہور
۹۱	عرفان القرآن	ڈاکٹر محمد طاہر القادری	منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور

وکتب تفاسیر الشیعہ

۹۲	تفسیر القمی	ابوالحسن علی بن ابراہیم القمی التوفی ۳۲۹ھ	موسسۃ الاعلمی، بیروت، ۱۴۳۵ھ
۹۳	التبیان فی تفسیر القرآن	ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی التوفی ۴۶۰ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت
۹۴	مجمع البیان فی تفسیر القرآن	شیخ ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی التوفی فی القرن السادس	دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۰۶ھ

۹۵	المیزان فی تفسیر القرآن	محمد حسین طباطبائی المتوفی ۱۴۰۲ھ	دارالکتب الاسلامیہ، طہران، ۱۳۹۷ھ
		کتب احادیث اہل السنۃ	
۹۶	مسند امام اعظم	امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ	المکتبۃ الامدادیہ، مکہ مکرمہ ۱۴۳۱ھ
۹۷	موطا امام مالک	امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ	دارالحدیث، قاہرہ، ۱۴۲۶ھ
۹۸	موطا امام مالک	امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ	دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۹۹	موطا امام مالک	امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ	المکتبۃ التوفیقیۃ
۱۰۰	کتاب الزہد	امام عبداللہ بن مبارک حنفی متوفی ۱۸۱ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۱۰۱	کتاب الآثار	امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی متوفی ۱۸۳ھ	مکتبہ عصریہ، سانگلہ ہل
۱۰۲	کتاب الآثار	امام محمد بن حسن شیبانی حنفی متوفی ۱۸۹ھ	ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۷ھ
۱۰۳	موطا امام محمد	امام محمد بن حسن شیبانی حنفی متوفی ۱۸۹ھ	نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
۱۰۴	المسند	امام محمد بن ادریس الشافعی المتوفی ۲۰۴ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۰ھ
۱۰۵	مسند ابوداؤد الطیالسی	امام سلیمان بن داؤد شافعی متوفی ۲۰۴ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ
۱۰۶	کتاب المغازی	امام محمد بن عمر بن واقد شافعی متوفی ۲۰۷ھ	عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۴ھ
۱۰۷	مصنف عبدالرزاق	امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ
۱۰۸	مسند ابوعوانہ	ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی متوفی ۲۱۶ھ	دارالمعرفہ، بیروت
۱۰۹	مسند الحمیدی	امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی شافعی متوفی ۲۱۹ھ	عالم الکتب، بیروت
۱۱۰	سنن سعید بن منصور	امام سعید بن منصور خراسانی مکی شافعی متوفی ۲۲۷ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۸ھ
۱۱۱	مصنف ابن ابی شیبہ	امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ	ادارۃ القرآن، کراچی ۱۴۰۶
۱۱۲	مصنف ابن ابی شیبہ	امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ
۱۱۳	مصنف ابن ابی شیبہ (محمد عوامۃ)	امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ	المجلس العلمی، دارقرطبہ، بیروت ۱۴۲۷ھ
۱۱۴	مسند احمد	امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ
۱۱۵	مسند احمد	امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۱۶	مسند احمد	امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ	عالم الکتب، بیروت، ۱۴۱۹ھ
۱۱۷	مسند احمد	امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ	موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ

۱۱۸	المنتخب من مسند عبد بن حمید	علامہ ابو محمد عبد بن حمید الکشی المتوفی ۲۴۹ھ	مکتبہ ابن عباس، المنصورہ، مصر ۱۴۳۰ھ
۱۱۹	سنن دارمی	امام ابو عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی شافعی متوفی ۲۵۵ھ	دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۱۲۰	صحیح البخاری	امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	مکتبہ دار العلم الحدیث، ۱۴۲۶ھ
۱۲۱	صحیح البخاری	امام عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۱۲۲	صحیح البخاری	امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	دار ارقم، بیروت
۱۲۳	صحیح البخاری	امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	المکتبۃ العصریہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ
۱۲۴	صحیح البخاری	امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۱۲۵	صحیح البخاری	امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ
۱۲۶	صحیح البخاری	امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ
۱۲۷	صحیح البخاری	امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	دار ابن الجوزی، القاہرہ، ۲۰۰۹ء
۱۲۸	الادب المفرد	امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ
۱۲۹	صحیح مسلم	امام ابو الحسین مسلم بن حجاج القشیری الشافعی متوفی ۲۶۱ھ	دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ
۱۳۰	سنن ابن ماجہ	امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ شافعی متوفی ۲۷۳ھ	المکتبۃ العصریہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ
۱۳۱	سنن ابو داؤد	امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ	المکتبۃ التوفیقیۃ، القاہرہ، ۲۰۱۰ء
۱۳۲	سنن ترمذی	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ	دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۵ھ
۱۳۳	سنن ترمذی	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ	مکتبۃ العصریہ، بیروت، ۱۴۳۰ھ
۱۳۴	شمائل محمدیہ	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ	المکتبۃ التجاریۃ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۵ھ
۱۳۵	موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا	حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن سفیان القرشی المعروف بہ ابن ابی الدنیا المتوفی ۲۸۱ھ	المکتبۃ العصریہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ
۱۳۶	الاحاد والمثانی	امام ابن ابی عاصم شافعی متوفی ۲۸۷ھ	دار الرایۃ، ریاض، ۱۴۱۱ھ
۱۳۷	البحر الذخار المعروف بہ المسند البزار	امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار شافعی متوفی ۲۹۲ھ	مؤسسۃ الرسالہ، بیروت
۱۳۸	سنن نسائی	عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی متوفی ۳۰۳ھ	دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۱۳۹	عمل الیوم واللیلۃ	عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی متوفی ۳۰۳ھ	مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ
۱۴۰	السنن الکبریٰ	امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی متوفی ۳۰۳ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۱ھ،

۱۴۱	السنن الکبریٰ	امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی متوفی ۳۰۳ھ	مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۱۴۲	مسند ابویعلی موصلی	امام احمد بن علی المثنیٰ التمیمی الشافی التوفی ۳۰۷ھ	دار المامون التراث، ۱۴۰۴ھ
۱۴۳	المنتقی	امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری شافعی متوفی ۳۰۷ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ
۱۴۴	صحیح ابن خزیمہ	امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ شافعی متوفی ۳۱۱ھ	مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۹۵ھ
۱۴۵	مسند ابوعوانہ	امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق شافعی متوفی ۳۱۶ھ	دار الباز مکہ مکرمہ
۱۴۶	الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف	امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری التوفی ۳۱۸ھ	دار الفلاح ۱۴۳۰ھ
۱۴۷	تحفۃ الاخیار	امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ	دار بلنسیہ، ریاض ۱۴۲۰ھ
۱۴۸	مشکل الآثار	امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ	دار الباز، ۱۴۱۵ھ
۱۴۹	شرح معانی الآثار	امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ	قدیمی کتب خانہ، کراچی
۱۵۰	شرح مشکل الآثار	امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ	مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۷ھ
۱۵۱	مسند الطحاوی	امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ	مکتبۃ الحرمین، دبئی، ۱۴۲۶ھ
۱۵۲	کتاب الضعفاء الکبیر	امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی شافعی متوفی ۳۲۲ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ
۱۵۳	الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان	امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی الشافعی التوفی ۳۵۴ھ	مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۰۷ھ
۱۵۴	کتاب الشریعہ	امام ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری الشافعی التوفی ۳۶۰ھ	مؤسسۃ الریان، ۱۴۲۹ھ
۱۵۵	المعجم الصغیر	امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی الشافعی التوفی ۳۶۰ھ	مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ، ۱۳۸۸ھ
۱۵۶	المعجم الصغیر	امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی الشافعی التوفی ۳۶۰ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۱۵۷	المعجم الکبیر	امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی الشافعی التوفی ۳۶۰ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت
۱۵۸	المعجم الاوسط	امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی الشافعی التوفی ۳۶۰ھ	مکتبۃ المعارف، ریاض، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۱۵۹	المعجم الاوسط	امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی الشافعی التوفی ۳۶۰ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۱۶۰	مسند الشامیین	امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی الشافعی التوفی ۳۶۰ھ	مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۰۹ھ

۱۶۱	کتاب عمل الیوم واللیلۃ	حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق الدینوری المعروف بہ ابن السنی شافعی متوفی ۳۶۴ھ	موسسۃ الکتب الثقافیۃ، ۱۴۰۸ھ
۱۶۲	الکامل فی ضعفاء الرجال	امام عبداللہ بن عدی الجرجانی الشافعی المتوفی ۳۶۵ھ	دارالفکر، بیروت، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ
۱۶۳	الناسخ والمنسوخ	امام ابوحفص عمر بن احمد المعروف بہ ابن الشاہین المتوفی ۳۸۵ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ
۱۶۴	سنن الدارقطنی	حافظ علی بن عمر الدارقطنی متوفی ۳۸۵ھ	دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ
۱۶۵	المستدرک علی الصحیحین	امام عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری شافعی متوفی ۴۰۵ھ	دارالباز مکہ مکرمہ، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۷ھ، المکتبۃ العصریہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۱۶۶	المستدرک علی الصحیحین	امام عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری شافعی متوفی ۴۰۵ھ	دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۷ھ
۱۶۷	کتاب المغازی	امام ابوعبداللہ محمد بن عمر الواقدی المتوفی ۴۰۷ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ
۱۶۸	حلیۃ الاولیاء	امام ابونعیم احمد بن عبداللہ شافعی متوفی ۴۳۰ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ، دارالکتب العربی، ۱۴۰۷ھ
۱۶۹	دلائل النبوۃ لابی نعیم	امام ابونعیم احمد بن عبداللہ شافعی متوفی ۴۳۰ھ	دارالنفائس، بیروت
۱۷۰	سنن کبریٰ	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	نشر السنۃ، ملتان
۱۷۱	کتاب الاسماء والصفات	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت
۱۷۲	معرفۃ السنن والآثار	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۱۷۳	دلائل النبوۃ للبیہقی	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ
۱۷۴	کتاب فضائل الاوقات	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	مکتبۃ المینارہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۰ھ
۱۷۵	شعب الایمان	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۱ھ
۱۷۶	الجامع لشعب الایمان	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۳ھ
۱۷۷	کتاب البعث والنشور	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۱۷۸	جامع بیان العلم وفضلہ	امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر قرطبی مالکی متوفی ۴۶۳ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۱۷۹	الجمع بین الصحیحین	امام محمد بن فتوح الحمیدی الشافعی المتوفی ۴۸۸ھ	دارابن حزم، ۱۴۲۳ھ
۱۸۰	الفردوس بماثور الخطاب	امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی الشافعی متوفی ۵۰۹ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۶ھ

۱۸۱	شرح السنہ	امام حسین بن مسعود بغوی شافعی متوفی ۵۱۶ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ
۱۸۲	القبس فی شرح موطا ابن انس	امام قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی ۵۴۳ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ
۱۸۳	تاریخ دمشق الکبیر	امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی متوفی ۵۷۱ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۱۸۴	جامع المسانید	امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ	مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۶ھ
۱۸۵	جامع الاصول	امام مجد الدین بن محمد الشیبانی المعروف بہ ابن الاثیر الجزری شافعی متوفی ۶۰۶ھ	دارابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ
۱۸۶	الترغیب والترہیب	امام زکی الدین عبدالعزیز بن عبدالقوی المنذری الشافعی المتوفی ۶۵۶ھ	دارالحدیث، قاہرہ، ۱۴۰۷ھ، دارابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۱۸۷	المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم	امام ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ	دارابن کثیر، بیروت ۱۴۲۰ھ
۱۸۸	التذکرۃ فی امور الآخرۃ	علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ	دارالبخاری، مدینہ منورہ
۱۸۹	الاذکار من کلام سید الابرار	علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ	مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ
۱۹۰	ریاض الصالحین	علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ	قدیمی کتب خانہ، کراچی
۱۹۱	اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب	علامہ ابومحمد علی بن زکریا المنجی الحنفی المتوفی ۶۸۶ھ	دارخضر، بیروت، ۱۴۱۹ھ
۱۹۲	مشکوٰۃ المصابیح	امام محی الدین تبریزی شافعی متوفی ۷۴۲ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ
۱۹۳	مشکوٰۃ المصابیح	امام محی الدین تبریزی شافعی متوفی ۷۴۲ھ	دارابن حزم، بیروت، ۱۴۲۳ھ
۱۹۴	شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	امام علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی الشافعی المتوفی ۷۴۶ھ	الدائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد دکن، انڈیا
۱۹۵	جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علی محمد خیر الانام	علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر المعروف بہ ابن القیم الجوزیہ الحنبلی المتوفی ۷۵۱ھ	دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ
۱۹۶	نصب الرایہ	حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی متوفی ۷۶۲ھ	مجلس علمی، سورۃ، ہند، ۱۳۵۷ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ
۱۹۷	اللآلی المنثورہ	امام محمد بن عبداللہ بن بہادر الزرکشی المتوفی ۷۹۴ھ	المکتب الاسلامی، بیروت ۱۴۱۷ھ

۱۹۸	احوال القبور واحوال اہلہا الی النشور	حافظ ابوالفرج زین الدین عبدالرحمن بن احمد بن رجب الحنبلی البغدادی الدمشقی، متوفی ۷۹۵ھ	دارالکتب العربی، بیروت، ۱۴۱۸ھ
۱۹۹	مجمع الزوائد	حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی التوفی ۸۰۷ھ	دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۰۰	کشف الاستار	حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی التوفی ۸۰۷ھ	موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۰۴ھ
۲۰۱	اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ	امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی متوفی ۸۴۰ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ
۲۰۲	المطالب العالیہ	حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ	دارالباز مکہ مکرمہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ
۲۰۳	تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث رافعی الکبیر	حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ	نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ
۲۰۴	نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس	امام عبدالرحمن بن عبدالسلام بن عبدالرحمن بن عثمان الصفوری الشافعی التوفی ۸۹۴ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ
۲۰۵	القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع	حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی الشافعی، متوفی ۹۰۲ھ	مکتبۃ المؤید، دمشق، ۱۴۰۸ھ
۲۰۶	المقاصد الحسنۃ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتہرۃ علی الالسنۃ	حافظ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاوی الشافعی، متوفی ۹۰۲ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۷ھ
۲۰۷	الجامع الصغیر	حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دارالمعرفہ، بیروت، ۱۳۹۱ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ
۲۰۸	جامع الاحادیث الکبیر	حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۰۹	جمع الجوامع	حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۲۱۰	البدور السافرہ	حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ، دارابن حزم، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۱۱	شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور	حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۱۲	الخصائص الکبریٰ	حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۵ھ

۲۱۳	کنز العمال	علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ	مؤسسۃ الرسالہ، بیروت
۲۱۴	کشف الخفاومزیل الالباس	علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی، متوفی ۱۱۶۲ھ	مکتبۃ الغزالی، دمشق
۲۱۵	موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف للکتب الستۃ	الدکتور الشیخ خلیل مامون شیحا	دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ
۲۱۶	عون الباری لحل ادلۃ الصحیح البخاری	شیخ ابو الطیب صدیق بن حسن الحسینی القنوجی غیر مقلد، متوفی ۱۳۰۷ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ

کتب شروح حدیث

۲۱۷	البحر الذخار بمعروف المسند البزار	امام ابوبکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار التوفی ۲۹۴ھ	مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ منورہ ۱۴۲۴ھ
۲۱۸	اعلام السنن فی شرح صحیح البخاری	امام ابو سلیمان حمد بن محمد الخطابی متوفی ۳۸۸ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۸ھ
۲۱۹	اکمال المعلم بفوائد مسلم	قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی ۵۴۴ھ،	دار الوفاء، بیروت ۱۴۱۹ھ
۲۲۰	المفہم	علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، متوفی ۶۵۶ھ	مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت ۱۴۱۷ھ
۲۲۱	بہجۃ النفوس	امام ابو محمد عبداللہ بن ابی جمرۃ الاندلسی التوفی ۶۹۹ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ
۲۲۲	فتح الباری	حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ	دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور
۲۲۳	نخب الافکار	علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ	قدیمی کتب خانہ، کراچی
۲۲۴	کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنہ	علامہ ابو عبداللہ فضل اللہ بن الحسن التورپشتی الشافعی، متوفی ۶۶۱ھ	مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۲۲ھ
۲۲۵	مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد ابراہیم التوفی ۹۵۶ھ	المکتبۃ الغفاریہ کوئٹہ، پاکستان ۱۴۱۹ھ
۲۲۶	عمدۃ القاری	حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ

۲۲۷	اشرف الوسائل الی فہم الشمائل	علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی ۹۷۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ
۲۲۸	کنز العمال	علامہ علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی المتوفی ۹۷۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ
۲۲۹	البنایہ فی شرح الہدایہ	علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی ۸۵۵ھ	مکتبہ حقانیہ ملتان، پاکستان
۲۳۰	تذکرۃ الموضوعات	علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی ۹۸۶ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۱ھ
۲۳۱	تذکرۃ الموضوعات	علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی ۹۸۶ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ
۲۳۲	المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع	امام الفقیہ المحدث علی القاری الہروی المالکی المتوفی ۱۰۱۴ھ	المطبوعات الاسلامیہ، حلب ۱۴۱۴ھ
۲۳۳	الجامع الصحیح	محدث احمد علی سہارنپوری حنفی متوفی ۱۲۹۷ھ	دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، ۱۴۳۲ھ
۲۳۴	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح	ملا علی سلطان بن محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ	المکتبۃ الحقانیہ، پشاور، پاکستان
۲۳۵	لمعات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح (عربی)	شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ	مکتبہ محمدیہ، کراچی ۱۴۳۳ھ
۲۳۶	اشعۃ اللمعات شرح مشکاۃ المصابیح (فارسی)	شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ	مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان
۲۳۷	حاشیہ مسند امام احمد بن حنبل	علامہ ابو الحسن نور الدین محمد بن عبد الہادی السندی المتوفی ۱۱۳۸ھ	دار النوادر، بیروت، ۱۴۳۴ھ
۲۳۸	تیسیر القاری فی شرح صحیح بخاری	شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی، متوفی ۱۰۷۳ھ	مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
۲۳۹	فتح المبدی بشرح مختصر الزبیدی	علامہ شیخ عبد اللہ بن حجازی الشرقاوی المتوفی ۱۲۲۷ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء
۲۴۰	نیل الاوطار	امام محمد بن علی بن محمد الشوکانی المتوفی ۱۲۵۵ھ	دار الوفاء بیروت، ۱۴۲۱ھ
۲۴۱	کشف مطالب مسلم بن الحجاج	ابو الطیب محمد صدیق خان بن حسن بن علی القنوجی البخاری المتوفی ۱۳۰۷ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ
۲۴۲	کتاب الجامع فی الاحادیث القدسیہ	مولانا عبد السلام بن محمد بن عمر علوش،	المکتبۃ الاسلامی، ۱۴۲۲ھ
۲۴۳	الفتح الربانی	شیخ احمد بن عبد الرحمٰن البنا السلوانی متوفی ۱۳۷۸ھ	بیت الافکار الدولیہ، ۲۰۰۷ء

۲۴۴	کشف الاسرار	علامہ علاؤالدین عبدالعزیز بن احمد البخاری الحنفی، متوفّٰی ۷۳۰ھ	دارالکتاب العربی، ۱۴۱۱ھ

کتب لغت

۲۴۵	المعجم المفہرس لالفاظ القرآن	محمد فواد عبدالباقی	دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۴۶	کتاب العین	امام اللغۃ خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ	انتشارات اسوہ، ایران، ۱۴۱۴ھ
۲۴۷	معجم الصحاح	علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی التوفی ۳۹۸ھ	دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ
۲۴۸	الصحاح	علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی التوفی ۳۹۸ھ	دارالعلم، بیروت، ۱۴۰۴ھ
۲۴۹	المفردات	علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی شافعی متوفی ۵۰۲ھ	مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ
۲۵۰	نہایہ	علامہ محمد بن اثیر الجزری الشافعی متوفی ۶۰۶ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۵۱	مختار الصحاح	علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر رازی حنفی متوفی ۶۶۰ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ
۲۵۲	لسان العرب	علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ	دارصادر، بیروت، ۲۰۰۳ء
۲۵۳	کتاب التعریفات	علامہ علی بن محمد بن علی الجرجانی الحنفی التوفی ۸۱۶ھ	دارالفکر، بیروت
۲۵۴	القاموس المحیط	علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی متوفی ۸۱۷ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت
۲۵۵	مجمع بحارالانوار	علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی متوفی ۹۸۶ھ	مکتبہ دارالایمان، مدینہ منورہ ۱۴۱۵ھ
۲۵۶	تاج العروس	علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ
۲۵۷	لغات القرآن	غلام احمد پرویز متوفی ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء	ادارہ طلوع اسلام گلبرگ، لاہور ۱۹۸۴ء
۲۵۸	دستور العلماء	قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری حنفی	دارالکتب الاسلامیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ
۲۵۹	فیروز اللغات	مولوی فیروزالدین	فیروزسنز، لاہور

کتب تاریخ، سیرت وفضائل

۲۶۰	المدخل لابن الحاج	ابوعبداللہ محمد بن محمد العبدری المالکی الشہیر بابن الحاج التوفی ۷۳۸ھ	دارالفکر، بیروت
۲۶۱	السیرۃ النبویہ	امام ابومحمد عبدالملک بن ہشام المعافری، متوفّٰی ۲۱۸ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۶۲	التاریخ الکبیر	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم الجعفی البخاری التوفی ۲۵۶ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ
۲۶۳	الشمائل المحمدیہ والخصائص المصطفویہ	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی متوفی ۲۷۹	المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ ۱۴۱۵

۲۶۴	الشمائل المحمدیہ والخصائص المصطفویہ	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی متوفی ۲۷۹	دارالیسر، مدینہ منورہ ۱۴۲۸ھ
۲۶۵	الکامل فی ضعفاء الرجال	ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی التوفی ۳۶۵ء	المکتبۃ الاثریہ، شیخوپورہ، پاکستان
۲۶۶	دلائل النبوۃ	الحافظ الکبیر ابونعیم الاصبہانی التوفی ۴۳۰ھ	دارالنفائس
۲۶۷	الاستیعاب	حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ
۲۶۸	تاریخ بغداد	امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی التوفی ۴۶۳ھ	دارالفکر، بیروت ۱۴۲۴ھ
۲۶۹	الشفاء	قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی ۵۴۴ھ	عبدالتواب اکیڈمی، ملتان، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۷۰	الروض الانف	امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد بن ابوالحسن السہیلی التوفی ۵۸۱ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۷۱	الوفاء باحوال المصطفیٰ	علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی ۵۹۷ھ	مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
۲۷۲	اسد الغابۃ	علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بہ ابن الاثیر شافعی متوفی ۶۳۰ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، دارالفکر، بیروت
۲۷۳	جلاء الافہام	امام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر ابن قیم الجوزیہ التوفی ۷۵۱ھ	دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۷
۲۷۴	الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ	امام ابوجعفر احمد الشہیر بالمحب الطبری التوفی ۶۹۴ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۷۵	الاشارۃ الی سیرۃ المصطفیٰ وتاریخ من بعدہ من الخلفاء	حافظ علاؤالدین ابوعبداللہ مغلطائی بن قلیج، متوفی ۷۶۲ھ	دارالقلم، دمشق ۱۴۱۶ھ
۲۷۶	الاصابہ	حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۷۷	اللفظ المکرم بخصائص النبی المعظم صلی اللہ علیہ وسلم	الحافظ قطب الدین محمد بن محمد بن عبداللہ الخضری الشافعی التوفی ۸۹۴ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ
۲۷۸	وفاء الوفاء	علامہ نورالدین علی بن احمد سمہودی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ
۲۷۹	المواہب اللدنیۃ	علامہ احمد قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ
۲۸۰	سبل الہدیٰ والرشاد	علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی التوفی ۹۴۲ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ

۲۸۱	تنزیہ الشریعہ المرفوعہ	ابو الحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی المتوفی ۹۶۳ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۱ھ
۲۸۲	مدارج النبوۃ	شیخ عبد الحق محدث دہلوی حنفی، متوفی ۱۰۵۲ھ	مکتبہ نوریہ، سکھر پاکستان ۱۳۹۷ھ
۲۸۳	السیرۃ النبویۃ	احمد بن زینی دحلان الحسنی الہاشمی متوفی ۱۳۰۴ھ	مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۲۸۴	سیرت رسول عربی	علامہ نور بخش توکلی	مکتبہ غوثیہ، کراچی

کتب فقہ حنفی وفقہ حنبلی

۲۸۵	عیون المسائل	امام ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی متوفی ۳۷۵ھ	مکتبہ مکۃ المکرمہ، کوئٹہ، پاکستان
۲۸۶	بدائع الصنائع	علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۲۸۷	ہدایہ اولین وآخرین	علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ	شرکت علمیہ، ملتان
۲۸۸	المحیط البرہانی	علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری متوفی ۶۱۶ھ	ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۲۴ھ
۲۸۹	المغنی	علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ	دار الحدیث، القاہرہ، ۱۴۲۵ھ
۲۹۰	مجموعۃ الفتاوئ	تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی التوفی ۷۲۸ھ	دار الجیل، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ
۲۹۱	الشرح الکبیر	شمس الدین عبد الرحمٰن بن محمد ابن احمد بن قدامہ المقدسی التوفی ۶۸۲ھ	دار الحدیث، القاہرہ، ۱۴۲۵ھ
۲۹۲	بنایہ	علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ	دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۱ھ
۲۹۳	کشف الغمہ	الشیخ عبد الوہاب بن احمد بن علی الشعرانی المصری التوفی ۹۷۳ھ	دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۸ھ
۲۹۴	البحر الرائق	علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ	علمیہ، مصر ۱۳۱۱ھ
۲۹۵	الدر المختار	علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۶ھ
۲۹۶	رد المحتار	علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ
۲۹۷	احسن الفتاوی	شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی متوفی ۱۳۲۳ھ	ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۴۲۵ھ
۲۹۸	جد الممتار	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ	المجمع الاسلامی، انڈیا
۲۹۹	اعلاء السنن	ظفر احمد العثمانی التھانوی التوفی ۱۳۹۴ھ	دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ
۳۰۰	الفقہ الحنفی وادلتہ	الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی الحنفی التوفی ۱۴۱۴ھ	دار الکلم الطیب، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۳۰۱	تفہیم المسائل	مفتی اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمٰن	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

کتب احادیث شیعہ

۳۰۲	الاصول من الکافی	شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ	دارالاضواء، ۱۴۳۱ھ
۳۰۳	الفروع من الکافی	شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ	دارالاضواء، ۱۴۳۱ھ
۳۰۴	تہذیب الاحکام	شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۴۶۰ھ	دارالاضواء، ۱۴۳۱ھ
۳۰۵	الاستبصار	شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۴۶۰ھ	دارالاضواء، ۱۴۳۱ھ

کتب فقہ شیعہ وکلامیہ

۳۰۶	وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ	محمد بن حسن بن علی بن الحسین الحر العاملی المتوفی ۱۱۰۴ھ	مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۲۷ھ
۳۰۷	حق الیقین	ملاباقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ	خیابان ناصر خسرو، ایران
۳۰۸	جلاء العیون	ملاباقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ	انصاف پریس، لاہور
۳۰۹	حیات القلوب	ملاباقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ	حمایت اہل بیت وقف، لاہور

کتب علم کلام

۳۱۰	شرح المواقف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی المتوفی ۸۱۲ھ	منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱۳۲۵ھ
۳۱۱	شرح العقائد النسفیہ	امام مسعود بن عمر بن عبداللہ الشہیر سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ	سکندر علی بہادر علی، تاجران کتب دستگیر، کراچی
۳۱۲	شرح المقاصد	امام مسعود بن عمر بن عبداللہ الشہیر سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ	منشورات الشریف الرضی، قم، ایران ۱۴۰۹ھ
۳۱۳	لوامع الانوار البہیہ وسواطع الاسرار الاثریہ	علامہ شیخ محمد السفارینی الحنبلی المتوفی ۱۱۸۸ھ	المکتب الاسلامی، بیروت ۱۴۱۱ھ
۳۱۴	النبراس شرح عقائد	مولانا عبدالعزیز پرہاروری	مکتبہ رضویہ، لاہور ۱۳۹۷ھ

کتب متفرقہ

۳۱۵	الاقتصاد فی الاعتقاد	امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی ۵۰۵ھ	دارومکتبۃ الہلال، بیروت، ۱۹۹۳
۳۱۶	اتحاف السادۃ المتقین	امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی ۵۰۵ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۴ھ
۳۱۷	الیواقیت والجواہر	الشیخ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی المصری المتوفی ۹۷۳ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۸ھ

۳۱۸	المیزان الکبریٰ	الشیخ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی المصری المتوفی ۹۷۳ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۱۹	الکبریت الاحمر	الشیخ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی المصری المتوفی ۹۷۳ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۲۰	الطبقات الکبریٰ	الشیخ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی المصری المتوفی ۹۷۳ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۲۱	المنن الکبریٰ	الشیخ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی المصری المتوفی ۹۷۳ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۳۲۲	ملفوظات	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ	حامد اینڈ کمپنی، لاہور
۲۳۲	من عقائد اہل السنہ	عبدالحکیم شرف قادری متوفی ۱۴۲۸ھ	منظمۃ الدعوۃ الاسلامیہ، لاہور
۳۲۴	ہدایۃ المتذبذب الحیران فی الاستعانۃ باولیاء الرحمٰن	شیخ الحدیث مولانا محمد اشرف سیالوی	جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام، سرگودھا
۳۲۵	نسائیات	پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج متوفی ۱۴۳۵ھ	کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی، جون ۲۰۱۲ء
۳۲۶	افکارِ شگفتہ	پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج متوفی ۱۴۳۵ھ	فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ کراچی، اپریل ۲۰۱۴ء
۳۲۷	التفسیر	پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج متوفی ۱۴۳۵ھ	مجلس التفسیر کراچی، جون ۲۰۱۴ء